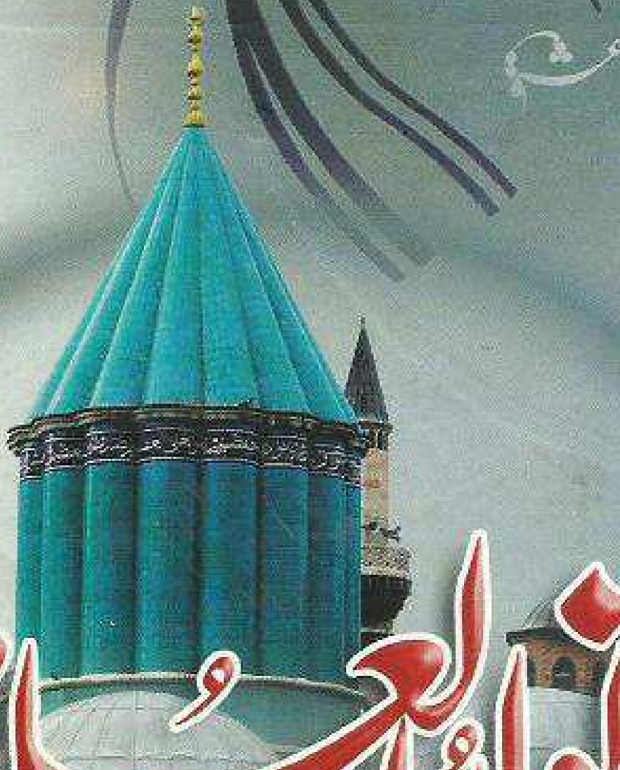
مثنوی مولوی معنوی
ہست قرآں در زبان پہلوی
(جامیؒ)



انوار العلوم

اردو نثر

مثنوی مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ

مکمل ۶ حصے

مصنف

سلطان العارفین بحرِ رموز حقائق خزانہ علم و حکمت دانائے عشق و معرفت

حضرت مولانا جلال الدین محمد بلخی رحمۃ اللہ علیہ

المعروف بہ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ

محمد عالم امیری

حکیم الامت علامہ محمد اقبال کا اپنے رُوحانی مُرشد مولانا رُومؒ کو خراجِ تحسین

بکامِ خود دگر آں کہنہ مے ریز
کہ با جامش نیرزد ملکِ پرویز
ز اشعارِ جلال الدین رُومیؒ
بہ دیوارِ حریمِ دل بیاویز

اپنے حلق میں پھر ایک مرتبہ وہ پُرانی شراب انڈیل، جس کے جام کی قیمت پرویز کے مُلک سے بھی زیادہ ہے۔
جلال الدین رُومیؒ کے اشعار سے اپنے دِل کی چار دیواری کو آراستہ کر لے۔

بگیر از ساغرش آں لالہ رنگے
کہ تاثیرش دہد لعلے بہ سنگے
غزالے را دلِ شیرے بہ بخشد
بشوید داغ از پُشتِ پلنگے!

اُس کے پیالہ سے وہ سُرخ رنگ کی شراب لے، جس کی تاثیر پتھر کو بھی لعل بنا دیتی ہے، نوعُمر ہرن کو وہ شیر جیسا دل بخش دیتی ہے اور چیتے کی پُشت پر سے داغ دھو ڈالتی ہے۔

نصیبے بردم از تاب و تبِ اُو
شبم مانندِ روز از کوکبِ اُو
غزالے در بیابانِ حرم بیں
کہ ریزد خندۂ شیر از لبِ اُو

مَیں نے اُسی کی چمک اور تپش سے حِصّہ پایا ہے، اِسی کے ستارے نے میری رات کو دن کی طرح روشن کر دیا ہے۔ (اب) بیابانِ حرم میں (اس) غزال کو دیکھ، اس کے لبوں پر شیر کی سی مُسکراہٹ ہے (اپنی طرف اشارہ ہے)۔

حکیم الامت علامہ محمد اقبالؒ کا اپنے روحانی مرشد مولانا رومؒ کو خراجِ تحسین

سراپا درد و سوزِ آشنائی — وصالِ او زبان دانِ جدائی
جمالِ عشق گیرد از نئے او — نصیبے از جلالِ کبریائی

رومیؒ کا کلام سراپا درد و سوزِ محبت ہے، اس کا وصل، ہجر کا ترجمان ہے۔
اس کے نغموں کی بدولت جمالِ عشق، جلالِ کبریائی کی شان رکھتا ہے۔

گرہ از کارِ ایں ناکارہ وا کرد — غبارِ رہگذر را کیمیا کرد
نَے آں نَے نوازے پاکبازے — مرا با عشق و مستی آشنا کرد

اُس نے مجھ جیسے ناکارہ کی مشکلات حل کردیں، مجھ جیسے غبارِ راہ کو کیمیا بنا دیا۔
اِس پاکباز نَے نواز کے نغموں نے مجھے عشق و مستی (کی دولت) سے آشنا کر دیا۔

بروے من درِ دل باز کردند — زخاکِ من جہانے ساز کردند
ز فیضِ او گرفتم اعتبارے — کہ با من ماہ و انجم ساز کردند

مجھ پہ دل کے دروازے کھول دیئے گئے، میری خاک سے ایک نیا جہان تعمیر کیا گیا۔
مَیں نے رومیؒ کے فیض سے وہ مرتبہ پایا، کہ اب چاند ستارے میری موافقت میں چلتے ہیں۔

مثنوی مولوی معنوی ہست قرآں در زبان پہلوی
(جامی)

انوار العلوم

اردو نثر

مثنوی مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ

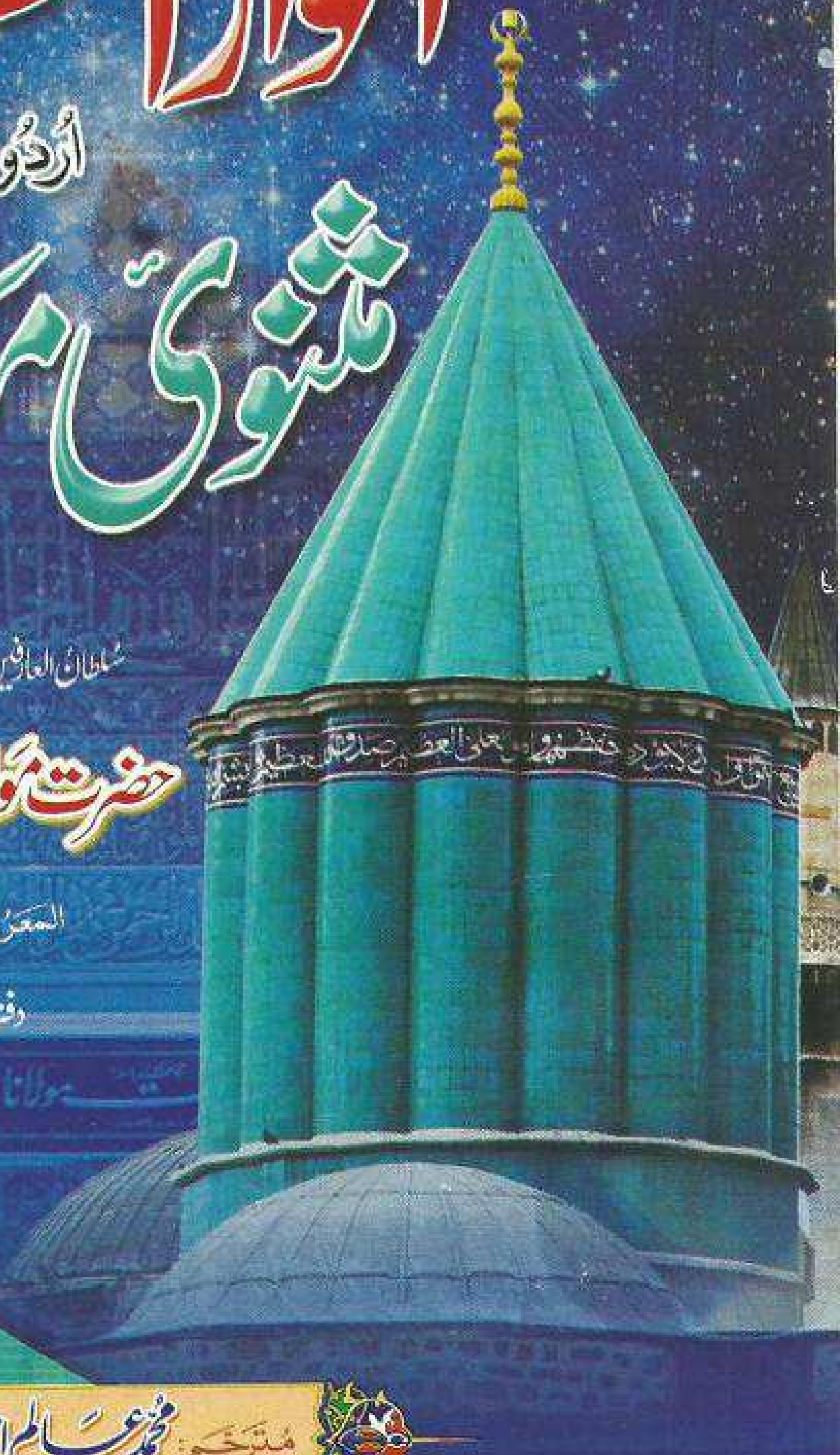
مصنف

سلطان العارفین بحر شور حقائق خزینہ علم و حکمت دانائے عشق و معرفت

حضرت مولانا جلال الدین محمد بلخی رحمۃ اللہ علیہ

المعروف بہ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ

دفتر اول تا ششم





مترجم: محمد عالم امیری

جملہ حقوق اشاعت برائے خدیجہ پبلی کیشنز محفوظ ہیں

الحمد للہ

انوار العلوم

اب تک چودہ ہزار کی تعداد میں چھپ کر اپنے چاہنے والوں تک پہنچ چکی ہے

طبع اوّل ــــــــــ اکتوبر 1999ء

طبع پانزدہم (۱۵) ڈیلکس ایڈیشن ــــــــــ مئی 2014ء

محمد اظہر سبحانی نے
خدیجہ پبلی کیشنز لاہور
سے شائع کی۔

قیمت ڈیلکس ایڈیشن : -/1200

مطبع : فائن بک پرنٹرز، ۷، آرآدٹ فال روڈ لاہور

خدیجہ پبلی کیشنز
عظمت منزل خدیجہ سٹریٹ ابدالی چوک اسلام پورہ لاہور
فون نمبر 042-37153092 موبائل نمبر: 0300-4101533

For More Books Click On Ghulam Safdar Muhammadi Saifi





بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

- سَلٰمٌ ۣ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ ○
- سَلٰمٌ عَلٰى نُوْحٍ فِى الْعٰلَمِيْنَ ○
- سَلٰمٌ عَلٰۤى اِبْرٰهِيْمَ ○
- سَلٰمٌ عَلٰى مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ○
- سَلٰمٌ عَلٰۤى اِلْ يَاسِيْنَ ○
- سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ ○
- سَلٰمٌ ۣ هِىَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ○

اِنتساب

مَیں اپنی اِس کوشش کو

اپنے شیخِ طریقت، عمیمُ الاحسان، خواجۂ خواجگان،

امیرِ کاروانِ ولایت،

امیرالاولیا، حضرت سیّدنا خواجہ محمّد امیرالدّین رحمۃ اللہ علیہ

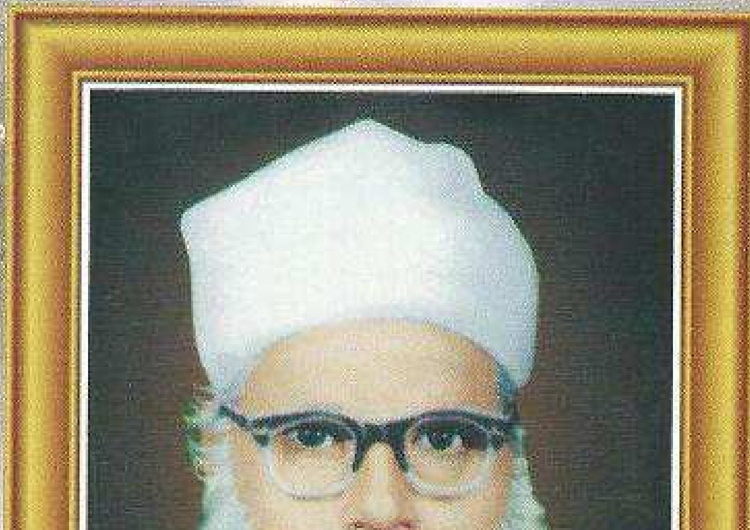
قادری چشتی شکوری

کے نام مُعنون کرتا ہُوں،

جن کی ایک نگاہِ کرم اغیار کو بھی اپنا بنا لیتی

گر قبُول افتد زہے عزّ و شرف

اسمِ اعظم ہی سمجھتا ہوں میں اسمِ یار کو
اس لئے میں یار ہی کے نام کا عامل ہوا



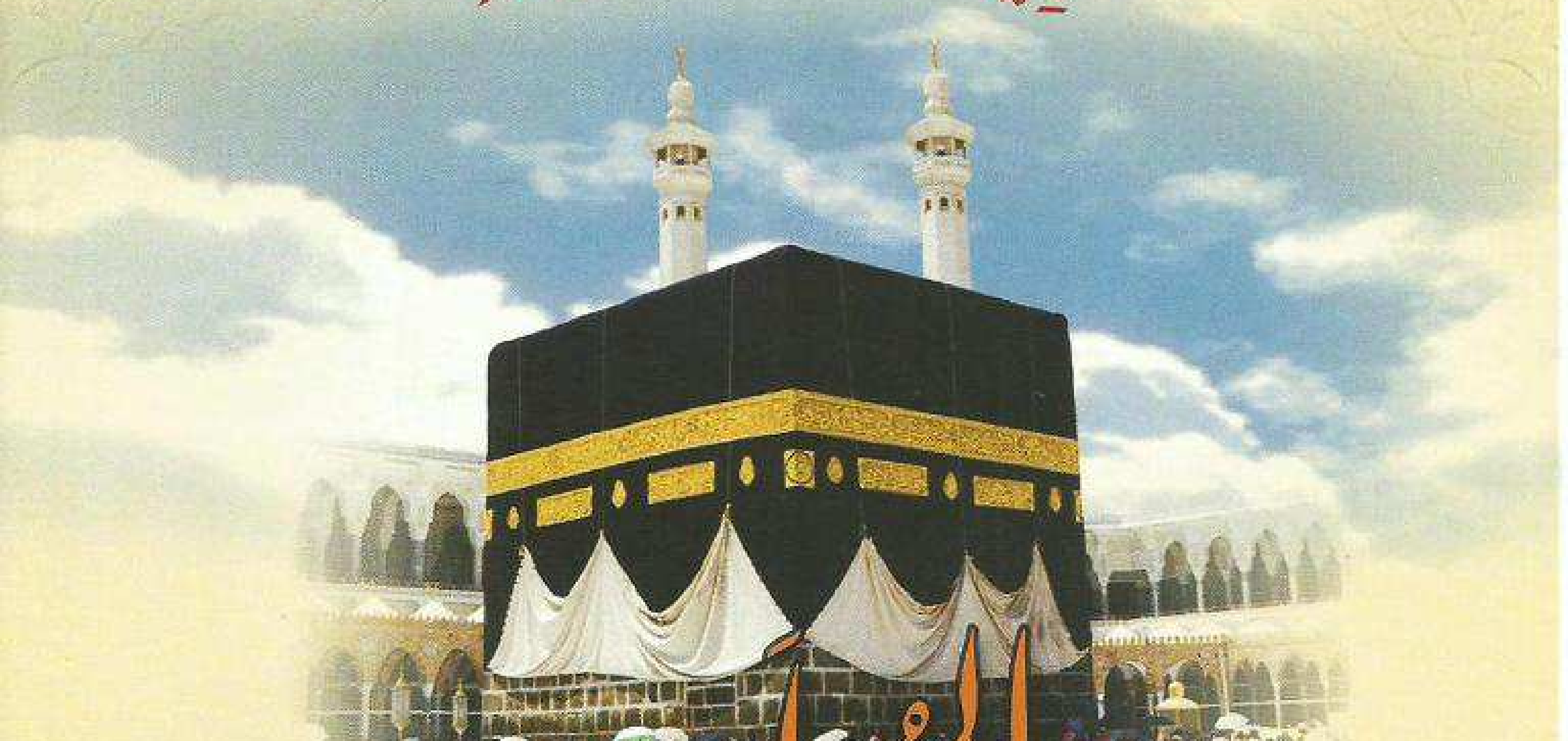
امیر الاولیاء حضرت سیدنا خواجہ محمد امیر الدین رحمۃ اللہ علیہ

تاریخ پیدائش و مقام: ۱۹۰۵ء (جالندھر)

وصال و مقام مزار: ۲۱ جون ۱۹۶۸ء (فیصل آباد)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَالَّذِيْنَ جٰهَدُوْا
فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا



(العنکبوت: ۶۹)

وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝

اور جنہوں نے ہماری راہ میں کوشش کی ضرور ہم اُنہیں اپنے راستے دکھادیں گے،
اور بیشک اللہ پاک نیکوں کے ساتھ ہے۔

حمد باری تعالیٰ

اے خدا اے مہرباں مولائے من
اے انیسِ خلوتِ شبہائے من
اے کریم اے کارسازِ بے نیاز
دائم الاحساں شہِ بندہ نواز
اے کہ نامت راحتِ جان و دلم
اے کہ فضلِ تو کفیلِ مُشکلم

ما خطا آریم و تو بخشش کُنی
نعرہ انی غفور می زنی

خُدا کی تعریف

اے خدا، اے کہ تو میرا مہربان مولا ہے۔ اے کہ تُو میری راتوں کی تنہائی کا رفیق ہے۔ اے کریم اے میرے بے نیاز کارساز، تو ہمیشہ احسان کرنے والا اور بندہ نواز بادشاہ ہے۔ اے کہ تیرا نام میرے دل کے لیے باعثِ آرام ہے اور اے کہ تیرا فضل میری مُشکلات کو دُور کرنے والا ہے۔ ہم غلطی کرتے ہیں اور تُو مُعاف کرتا ہے اور ہمیں یہ خوشخبری دیتا ہے کہ میں بہت بخشنے والا ہوں۔

وَأْذَنْ لِسُحُبِ صَلٰوةٍ مِّنْكَ دَآئِمَةً

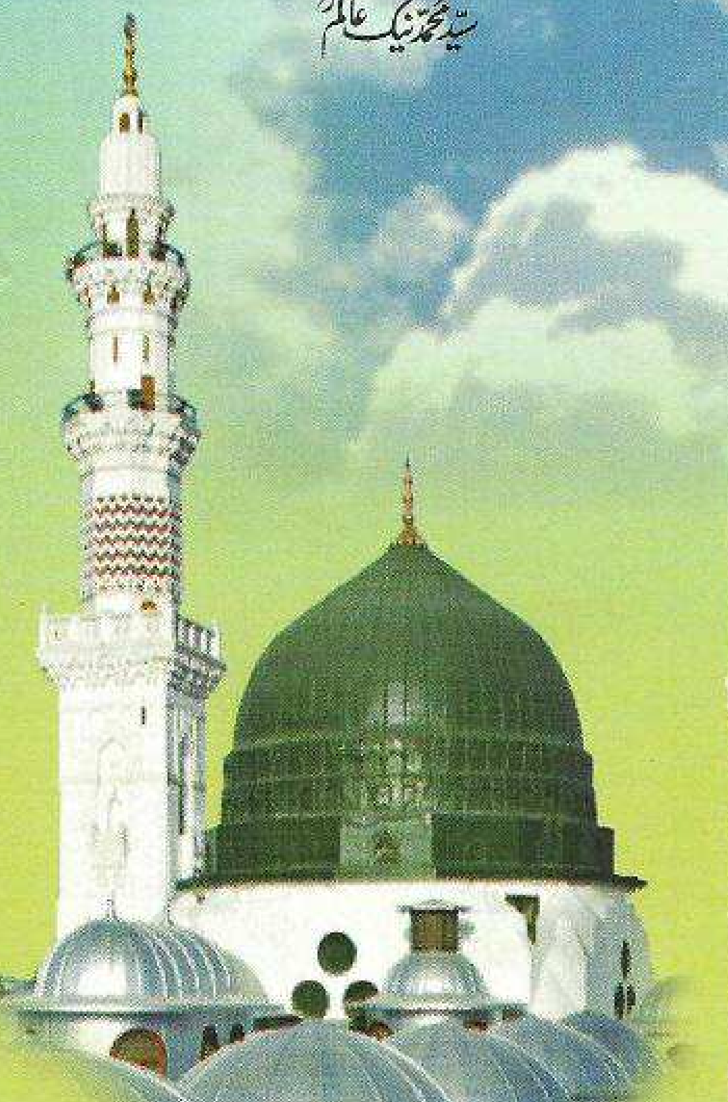
عَلَى النَّبِيِّ بِمُنْهَلٍّ وَّمُنْسَجِمِ

قصیدہ بُردہ شریف

ترجمہ

بھیج سحاب صلوٰۃ الٰہی خاص ہمیش نبیؐ تے ڈوہلیں مُشکاں جھڑ مشکاں کھول سخی اس ٹھم دمی

سید محمد نیک عالمؒ



حدیث نبوی

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں۔

مَیں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سُنا: (جسم پیدا ہونے سے پہلے) عالمِ ارواح میں تمام ارواح گروہوں کی شکل میں رہتی تھیں پس جس جس رُوح میں وہاں پہچان ہو گئی، یہاں (اِس دُنیا میں جسم کے اندر آنے کے بعد) بھی اُن میں باہم محبت ہوتی ہے اور جو (عالمِ ارواح میں) ایک دُوسرے سے اجنبی رہیں تو یہاں (عالمِ دُنیا میں) بھی اُن میں بیگانگی رہے گی۔

بُخاری شریف
(کتاب بدءِ الخلق)

وَالْاٰلِ وَالصَّحْبِ ثُمَّ التَّابِعِیْنَ لَهُمْ

اَهْلِ التُّقٰی وَالنُّقٰی وَالْحِلْمِ وَالْكَرَمِ

قصیدہ بُردہ شریف

ترجمہ

آل نبی اصحاب سُوہنی جنہاں تابعداراں ۔ سوہنی صفت جنہاں وچ سوہے تقویٰ علم حلم دی

سید محمد نیک عالم

حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں : ایک شخص نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے قیامت کے بارے میں دریافت کرتے ہوئے سوال کیا کہ قیامت کب آئے گی؟ آپؐ نے جواب دیا : تم نے اُسکی کیا تیاری کی ہے۔ وہ بولا کوئی تیاری نہیں ہے مگر میں اللہ تعالیٰ اور اُسکے رسولؐ سے محبت رکھتا ہُوں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : تم اُسکے ساتھ ہوگے جس سے تم محبت رکھتے ہو۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اِس فرمان کے ذریعے ہمیں جتنی خوشی ہُوئی اور کسی چیز سے اِتنی خوشی نہیں ہُوئی آپؐ نے جو یہ فرمایا تھا : تم جس سے محبت رکھتے ہو، اِس کے ساتھ ہوگے۔

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں، مَیں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابُوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے محبّت رکھتا ہُوں۔ مجھے یہ اُمّید ہے، مَیں ان حضرات کے ساتھ محبت کی وجہ سے اِن کے ساتھ ہوں گا، اگرچہ میرا عمل اِن کے عمل جیسا نہیں ہے۔

کتاب فضائل الصحابہ
صحیح بُخاری شریف



نعتِ پیمبر ﷺ

زینتِ یٰسٓ توئی زیبائشِ طٰہٰ توئی
صاحبِ معراج سُبحٰن الّذی اسریٰ توئی

یٰسین اور طٰہٰ کی زینت و زیبائش اور فضیلت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے ہے۔ آپ ﷺ ہی صاحبِ معراج ہیں اور سُورۃ سُبحٰن الّذِی اسریٰ کا نام آپ ﷺ کی وجہ سے ہے۔

مرحبا صلِّ علیٰ روشن جہاں از روئے تو
خسروِ شہرِ مدینہ رونقِ کعبہ توئی

آپ ﷺ پر درود و سلام ہو۔ دُنیا میں جو روشنی (نُورِ ہدایت) ہے، صِرف آپ ﷺ کی وجہ سے ہے۔ مدینہ مُنوّرہ کے شہنشاہ اور کعبۃُ اللہ کی رونق آپ ﷺ ہی ہیں۔

رحمۃ اللعالمیں آمد زِ شانِ پاکِ تو
بے نوارا سرپرست و والیٔ و مولیٰ توئی

آپ ﷺ کی شان پاک کے حسبِ حال اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمۃ اللعالمین کے لقب سے نوازا ہے۔ غریب اور لاوارث لوگوں کے سرپرست آقا و مولیٰ آپ ﷺ ہی ہیں۔

یا رسول اللہ! بسوئے ما غریباں یک نظر
بے نوارا دستگیر و ماویٰ و ملجا توئی

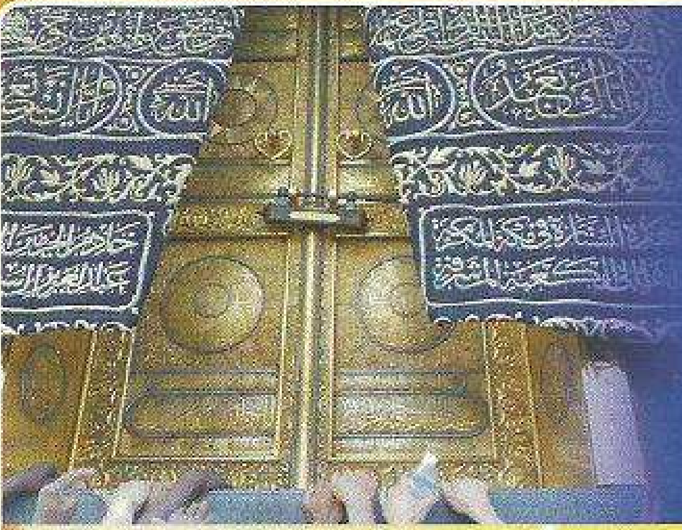
اے رسول اللہ ﷺ! ہم غریبوں کی طرف رحمت کی نظر فرمائیں۔ بے سہارا لوگوں کے آپ ﷺ مددگار اور ٹھکانہ ہیں۔

نعتِ پیمبر منیر از شمس تبریزے شنو
مصطفیٰ و مجتبیٰ و سیّد و اعلیٰ توئی

شمس تبریز سے رسولِ پاک ﷺ کی نورانی شخصیت کی نعت سنو۔ آپ ﷺ منتخب شدہ سردار اور سب برگزیدہ یعنی اعلیٰ و ارفع ہیں۔

حضرت مولانا جلال الدین محمد رومی رحمۃ اللہ علیہ

مترجم: محمد رشید ظفر امیری



مُناجات

(حضرت شیخ ابو سعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ)

اے آنکہ بملکِ خویش پائندہ توئی

اے وہ جو اپنی ملکیت پر پُوری طرح قابض ہے۔

از دامنِ شب صبح نمائندہ توئی

رات کے سیاہ دامن میں سے صبح کو نکالتا ہے۔

کارِ منِ بیچارہ قوی بستہ شدہ

میں بہت ہی سخت مُشکل میں گرفتار ہوں۔

بکُشائے خدایا کہ کشائندہ توئی

اے خدا! اُسے کھول دے کہ کھولنے والا تُو ہی ہے

دُعا

خداوندا بحقِ شاہِ جیلاں

محیُ الدین غوث و قطبِ دوراں

بکن خالی مرا از ہر خیالے

ولیکن آں کہ زو پیدا است حالے

اے خدا! شاہِ جیلاں کے صدقے میں
جو کہ محی الدین غوث اور جہاں کے قطب ہیں
میرے دل میں سے ہر خیال کو نکال دے
سوائے اُس خیال کے جس سے حال (کیفیت) پیدا ہو

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ



ماشاءَ اللہُ لاقوۃَ اِلّا باللہِ



حضرت مولانا جلال الدین محمد رومی رحمۃ اللہ علیہ کے محبوب خلیفہ و سجادہ نشین حضرت حسام الدین ضیاء الحق چلپی رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے کسی نے کہا کہ فلاں شخص حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کی شرح کرنے میں مہارت رکھتے ہیں۔ آپؒ نے فرمایا:

کلامِ خداوندگارِ ما بمثابت آئینہ ایست

ترجمہ: ہمارے آقا و مولا حضرت مولاناؒ کا کلام مثلِ آئینہ ہے۔
اور مزید فرمایا کہ "جب کوئی شخص آئینہ دیکھتا ہے تو اُس کو اس میں اپنی صورت نظر آتی ہے جو شخص مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کی شرح بیان کرتا ہے تو وہ اُس کا اپنا حال ہے، جو وہ بیان کرتا ہے۔"

نہ ملا زہد سے کچھ بھی ہمیں نخوت کے سوا
شغل بے کار ہیں سب تیری محبت کے سوا



محمد عالم امیری

مد ظلہ العالی

خطاط محمد ریاض اعظمی امیری

انوار العلوم کے ڈیلکس ایڈیشن میں حسین و جمیل نستعلیق خطاطی جو کہ پڑھنے والوں کے لئے دلفریب منظر پیش کرتی ہے، یہ محمد ریاض صاحب کی چار سالہ شب و روز کاوشوں کا نتیجہ ہے۔ بلاشبہ اُن کی خوبصورت و جاندار خطاطی نے انوار العلوم کے حُسن میں چار چاند لگا دیئے ہیں۔ انوار العلوم میں موجود ان کے شاہکار کام کی تفصیل کچھ یُوں ہے:

تقریباً ۹۰۰ مثنوی شریف کے اشعار بمعہ اردو ترجمہ (خطِ نستعلیق)

تقریباً ۷۰۰ سُرخیاں اور عنوانات (حکایات و دیگر موضوعات) یہ بھی خطِ نستعلیق میں ہیں اور عربی خطاطی۔

محمد ریاض اعظمی امیری کے تعارف کے بغیر ڈیلکس ایڈیشن ادھورا ہوتا۔ ریاض صاحب کا سب سے بڑا تعارف تو یہ ہے کہ وہ میرے حضرت قبلہ سے انتہائی عقیدت و محبت رکھنے والے مرید باصفا ہیں۔ مزید تعارف کچھ اس طرح سے ہے۔ ۳ جنوری ۱۹۵۱ء کو لاہور (ڈھولنوال) میں ولادت ہوئی۔ ابتدائی تعلیم گورنمنٹ پائلٹ ہائی سکول شرقپور شریف سے حاصل کی۔ ۱۹۶۷ء میں اُن کے ماموں حاجی اللہ رکھا صاحب نے خوشنویسی سیکھنے کیلئے الحاج محمد اعظم منوّر رقمؒ کے سپرد کیا جو کہ "دبستانِ نستعلیق لاہوری" کے مُوجد صُوفی عبدالمجید پرویں رقمؒ کے مایۂ ناز شاگرد اور جانشین تھے۔ الحاج محمد اعظم منور رقمؒ کو خُدا تعالیٰ نے الفاظ کو نگینوں کی صُورت دینے اور ستاروں کی طرح چمکانے کا فن عطا کیا تھا۔ وہ تقریباً نصف صدی تک اس فنِ لطیف سے وابستہ رہے۔ وہ تخلیقی ذہن کے مالک تھے انہوں نے خطاط حضرات کی تربیت کے لئے تین کتب بھی تحریر کیں۔

۱۔ رہنمائے خوش خطی (طلبہ مدارس کی ابتدائی مشقوں کے لئے)

۲۔ تدریسِ خطاطی (قطعات کا ایک حسین و جمیل مرقع)

۳۔ نگارستان (اُن کے فن پاروں کا ایک مجمُوعہ)

حاجی صاحبؒ اپنی زندگی کے آخری دور میں طویل عرصہ تک صاحبِ فراش رہے۔ اپنی علالت کے زمانے میں بھی وہ فارغ نہ بیٹھتے تھے۔ بانس کے قلم تراشتے اور کلمہ طیبہ کی کتابت میں مشغول ہو جاتے۔ اِس دوران انہوں نے سَو سے زائد مرتبہ کلمہ پاک لکھا اور عجیب بات یہ ہے کہ ہر مرتبہ اسمِ پاک محمدؐ کو الگ ڈھنگ (طرز) سے لکھا۔ اس سے بھی عجیب تر یہ کہ اسمائے مُبارکہ کی کتابت بھی خطِ نستعلیق میں کی۔ وہ فرماتے تھے کہ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا کہ انہیں اسمِ پاک محمدؐ کی نئی طرز نہیں سوجھتی تو کوئی وجدانی قوت اُن کی رہنمائی کرتے ہُوئے کہتی کہ اب یُوں لکھو۔ عالمِ اسلام کے کسی خطاط نے شاذ ہی اسمِ پاک محمدؐ کو اتنی انواع میں رقم کیا ہو۔ اُن کا وصال ۲ رمضان المبارک ۱۴۱۷ھ بمطابق ۱۲ جنوری ۱۹۹۷ء کو ہوا۔

اب ہم دوبارہ محمد ریاض اعظمی امیری کے تذکرے کی جانب آتے ہیں۔ یکم فروری ۱۹۷۰ء کو انہوں نے روزنامہ امروز میں بطور خوشنویس ملازمت اختیار کی۔ یہاں پر اُن کو بہت کچھ سیکھنے اور کرنے کے وسیع مواقع میسر آتے۔ ان کے فن کی آبیاری ہُوئی اور قلم میں کھل کر نکھار آیا۔ نومبر ۱۹۹۱ء کو حکومتِ وقت نے روزنامہ امروز کو بند کر دیا تو ریاض صاحب نے ذاتی طور پر کتابت و خطاطی کا سلسلہ جاری رکھا۔ اس سفر میں انہوں نے بہت سی کتابوں کے سرورق کے علاوہ اُردو، عربی اور فارسی کی اسلامی، تاریخی اور درسی کتب میں خطاطی کی مختلف طرزوں میں کیا جانے والا کام بھی شامل ہے۔ ان میں انجمن حمایت اسلام لاہور کا شائع قرآن مجید "فتح الحمید" کے ترجمہ کی خطاطی، درود و سلام کی کتاب "صلوٰۃ السحر" کی خطاطی

سید غلام معین الدین شاہ صاحب المعروف لالہ جی گولڑہ شریف کا منظوم کلام "اسرار المشتاق" اور دربارِ عالیہ بڑیلہ شریف (ضلع گجرات) کی کتاب "انوار الحفیظ" کی خطاطی اُن کے قلم کے قابلِ ذکر شاہکار ہیں۔

انوار العلوم کی خطاطی کے جُملہ کام میں اگرچہ بہت طویل وقت (تقریباً چار سال) صرف ہُوئے مگر ریاض صاحب کا جذبہ ان چار سالوں میں آخری دن بھی روزِ اوّل کی طرح ترو تازہ رہا۔ وہ ہمیشہ خُوب سے خُوب تر کی تلاش میں رہتے ہیں اُن سے تقریباً دو ہفتے بعد خطاطی کا مکمل ہو جانے والا کام اکٹھا کر لیتا۔ اگر وقفہ طویل ہو جاتا تو وہ اس کا تنقیدی جائزہ لینا شروع کر دیتے اور مختلف زاویوں سے الفاظ کی نشست و برخاست اور جدّت طرازی کے لئے غور و تحقیق کرتے رہتے۔ اکثر عنوانات کو دو دو تین تین مختلف طریقوں سے لکھ کر کہتے کہ جو پسند آئے فائنل کر لینا۔

ایک مرتبہ خانہ فرہنگ اسلامی جمہوریہ ایران کی خطاطی کی ایک اُستاد خاتون (ایرانی نژاد) نے اُن کا انوار العلوم میں شامل کام دیکھا تو بہت ہی خوشگوار حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ اِتنا طویل اور خوبصورت کام کرنے کیلئے تو اِک عُمر چاہیئے۔

اپنے حضرت قبلہ کو جب بھی اشعار و عنوانات کی خطاطی برائے تصحیح پیش کرتا تو حضرت قبلہ ہر ہر مرتبہ تصحیح کرنے سے پہلے ریاض صاحب کی خطاطی کی بہت تعریف فرماتے۔ اکثر فرماتے کہ بہت نفیس کام ہوا ہے۔ الفاظ کی بناوٹ میں خوبصُورتی جھلک رہی ہے۔ اس کو دیکھ کر طبیعت خوش ہو جاتی ہے۔ ایک نعرۂ تحسین تو اکثر تواتر سے بلند ہوتا۔ "واہ کیا بات ہے"۔ محنت و کاوش ریاض صاحب کی ہوتی اور خوشی کا اظہار میرے ساتھ فرماتے (یہی لمحات میری زندگی کا حاصل ہیں)۔

ایسے تعارفی مضمون کے اختتام پر دُعائیہ کلمات لکھے جانے کا دستور بھی چلا آرہا ہے لیکن میری کیا اوقات کہ میں اُن کو دُعا دوں، جن کے لئے میرے حضرت کی بیشمار دُعائیں ہیں۔ بس اس خواہش کا اظہار کر سکتا ہوں کہ مالک اُن کو سلسلۂ عالیہ اور اس فنِ لطیف کی خدمت کے لئے تادیر سلامت باکرامت رکھے اور اُن کا قلم دِل و نگاہ میں سما جانے والے الفاظ کی بہاریں بکھیرتا رہے۔

اپنے آقائے نعمت کی شفقتوں کا اُمیدوار

محمد اظہر سُبحانی



اظہارِ تشکر

میں اس نوادرِ روزگار کاوش میں کامیابی پر مشکور و ممنون ہوں

پروردگارِ عالم اللہ تبارک و تعالیٰ کا

جس نے مجھ پر بے شمار نعمتوں کا نزول فرمایا اور سب سے بڑا احسان یہ فرمایا کہ مجھے اُمتِ مرحومہ محمدؐ کا ایک عاجز ذرہ بنا کر صاحبِ ایمان کیا۔

سرورِ دو عالم محبوبِ ربّ دو جہاں حضرت محمد مصطفیٰ کا

جن کی حیاتِ طیبہ کا ہر ہر لمحہ جملہ انسانیت کے لئے ایک تاباں سُورج کی مانند ہے جن کے ذریعے مالکِ دوجہاں نے اپنی پہچان عطا کی اور آپ ہی کی متبرک ہستی کے صدقے میں مجھے غلام اہلِ بیت محمد عالم امیری کی غلامی نصیب فرمائی۔

اپنے آقائے نعمت اور قاسمِ عرفان ذات سیّدنا قبلہ محمد عالم امیری مدظلہ کا

کہ جنہوں نے میری تمام تر خطاؤں اور سیاہ کاریوں کے باوجود نہ صرف مجھے قبول کیا بلکہ اپنے قُربِ خاص سے نوازا اور شہرۂ آفاق کتاب ”انوارُ العلوم“ کے ارفع و اعلیٰ کام کی خدمت میرے سپُرد کی۔ یہ خدمت نا صرف میرے لئے باعث صد افتخار ہے بلکہ سرمایۂ آخرت اور ذریعہ نجات بھی ہے۔

اپنے آقائے نعمت اور قاسمِ عرفان ذات سیّدنا قبلہ محمد عالم امیری مدظلہ کے معزز و محترم اور محبوب خلیفہ جناب محمد شہباز سعید مرزا مدظلہ کا

آپ کی ذات میرے دادا مُرشد حضرت خواجہ محمد امیر الدینؒ کے فرمان ”دُنیا داری کے پردے میں دین داری بہت اعلیٰ عبادت ہے“ کی عملی تفسیر ہے۔ آپ اپنے شیخ کی محبت میں مست و بے خود درویش ہیں۔ میں نے دوست کے ساتھ دوستی نبھانے کے انداز و طریقے اور رسمِ عاشقاں اسی سوٹڈ بوٹڈ سینئر بینکر سے سیکھے۔ کہا جاتا ہے کہ آدابِ محبت کسی سے سیکھے نہیں جا سکتے مگر مجھے اس بات پر ناز ہے کہ میں نے رسمِ عاشقی اگر سیکھی اور فدایت کا درس اگر پایا تو اسی پردہ پوش ہستی کے دم قدم سے پایا۔ میں نے ظلمت خانہ سے روشنی کے گھر کا سفر اسی مہربان دوست کے دولت کدے سے کیا۔ آپ کی قابلِ احترام اقامت گاہ پر مجھے اپنے حضرت قبلہ کی غلامی نصیب ہوئی اور میں حضرت قبلہ محمد عالم امیری مدظلہ کی بیعت سے شرف یاب ہوا۔

یہاں "ہونا" نہ ہونا" اور "نہ ہونا" عین ہونا ہے
جسے ہونا ہو کچھ خاکِ درِ جانانہ ہو جائے

اپنے آقائے نعمت اور قاسم عرفان فرات سیّدنا قبلہ محمّد عالم امیری مدظلہ کے معزز و محترم خادمِ خاص آلِ رسُول سیّد عامر علی کا

انوار العلوم کی نوک پلک سنوارنے کے علاوہ سلسلہ عالیہ کے کسی بھی کام کو احسن و نفیس طریقے سے سرانجام دینے کے لئے ہمیشہ انہی سے رہنمائی لی۔ انوارُ العلوم کے اتنے بڑے پراجیکٹ کے دوران جب بھی مجھے ذہنی تھکاوٹ اور اُلجھن محسُوس ہوتی تو ذہنی یکسوئی اور نئے عزم و ہمت کے لئے ہمیشہ انہی سے رابطہ کرتا جس سے مجھے ہمیشہ ایک نیا جوش اور تازہ ولولہ ملتا۔

اپنی شریکِ حیات عافیہ اختر کا

جنہوں نے انوارُ العلوم کے دُوسرے ایڈیشن سے لے کر اب تک (چودھویں ڈیلکس ایڈیشن) نہ صرف میری عملی معاونت کی بلکہ اس کی اشاعتُ ترسیل اور زیبائش و آرائش میں جہاں بھی کوئی رکاوٹ درپیش آتی تو وہ ہمیشہ یہی کہہ کر میرا حوصلہ بڑھاتیں کہ "یہ ہمارا نہیں حضرت کا کام ہے۔ آپ صرف اپنی سی کوشش جاری رکھیں باقی حضرت کی جانب سے خود ہی کرم ہوتا ہے گا" اور درحقیقت ایسا ہی ہوتا رہا۔ راستے میں حائل تمام مشکلات خود بخود حل ہوتی چلی گئیں۔

اپنے حضرت قبلہ کے اُن تمام مخلصین محبین اور متعلقین کا

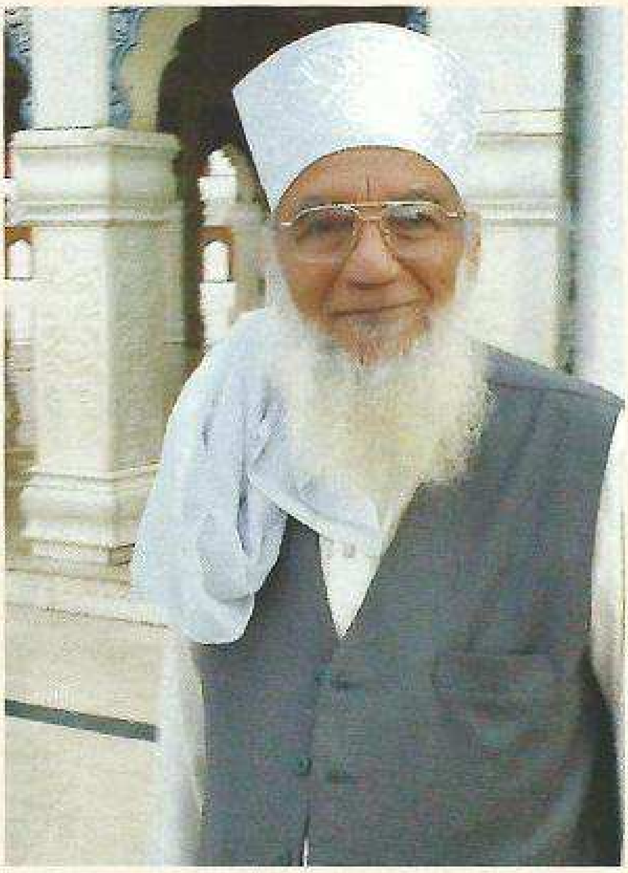
جن کا عملی، فنی اور مالی تعاون انوارُ العلوم کے پہلے ایڈیشن سے لے کر آج تک میرے ساتھ رہا۔

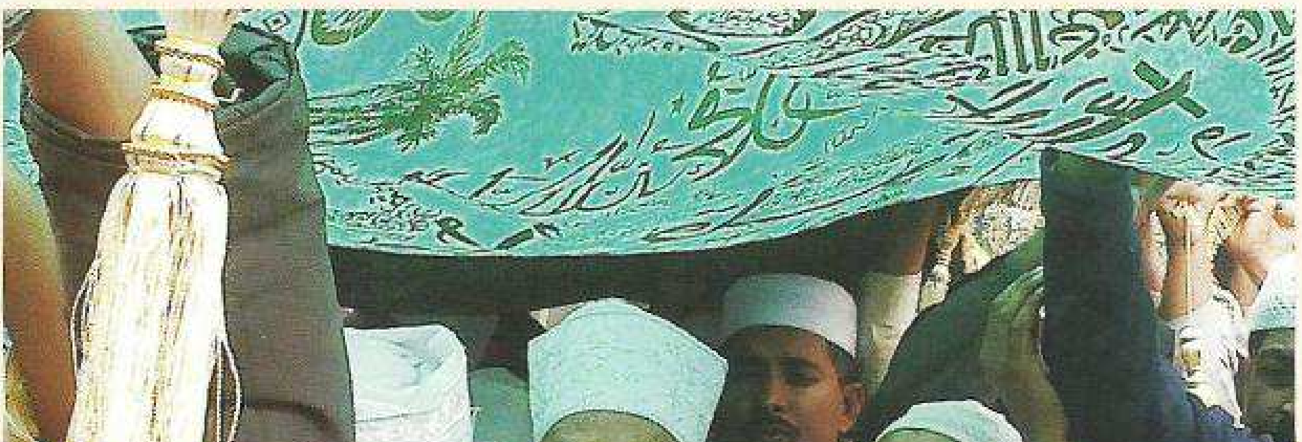
غلام غلامانِ آلِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

مُحمّد اظہر سُبحانی

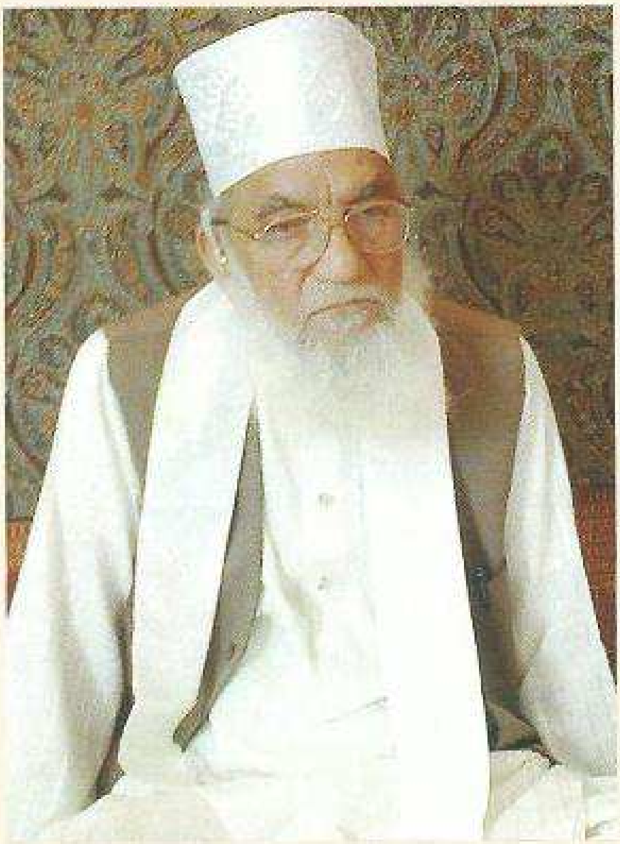
تینوں سامنے بٹھاکے تصویر بنواواں

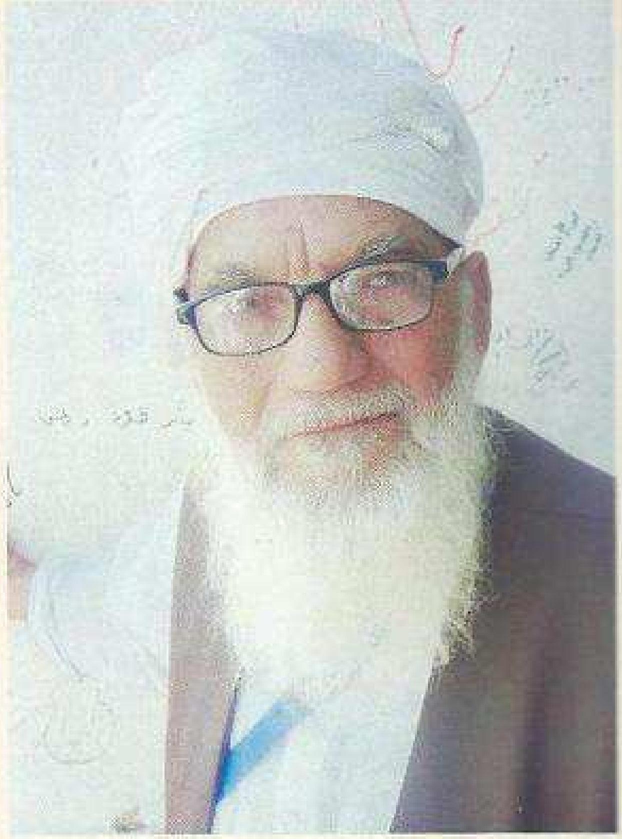




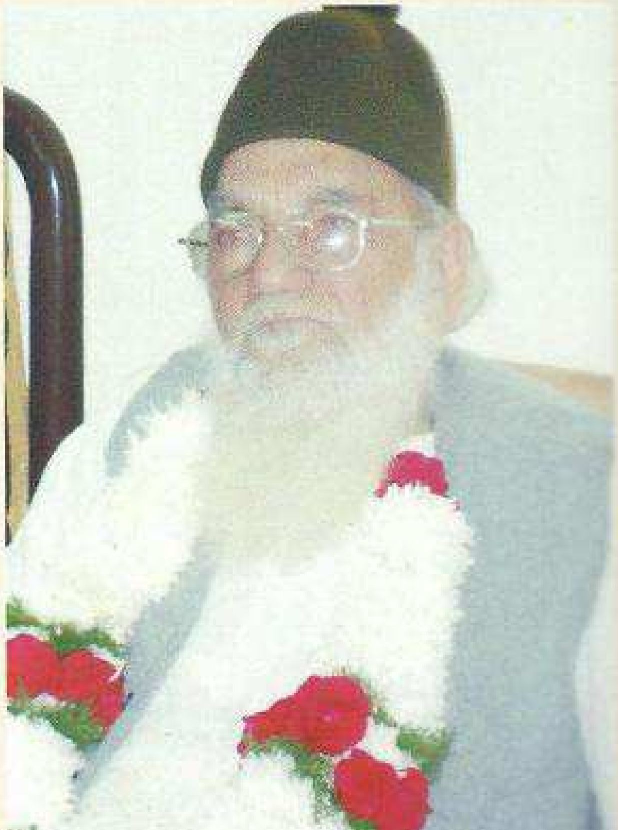


جی کردا میرا تینوں ویکھی جاواں



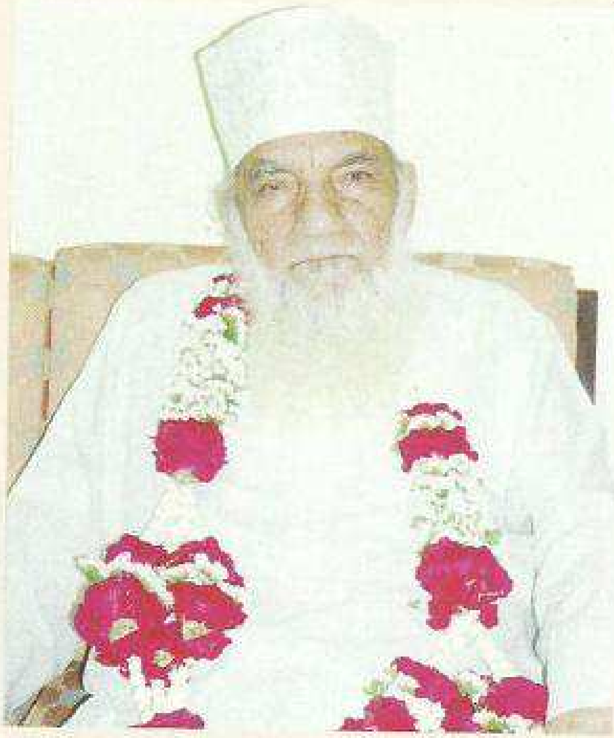






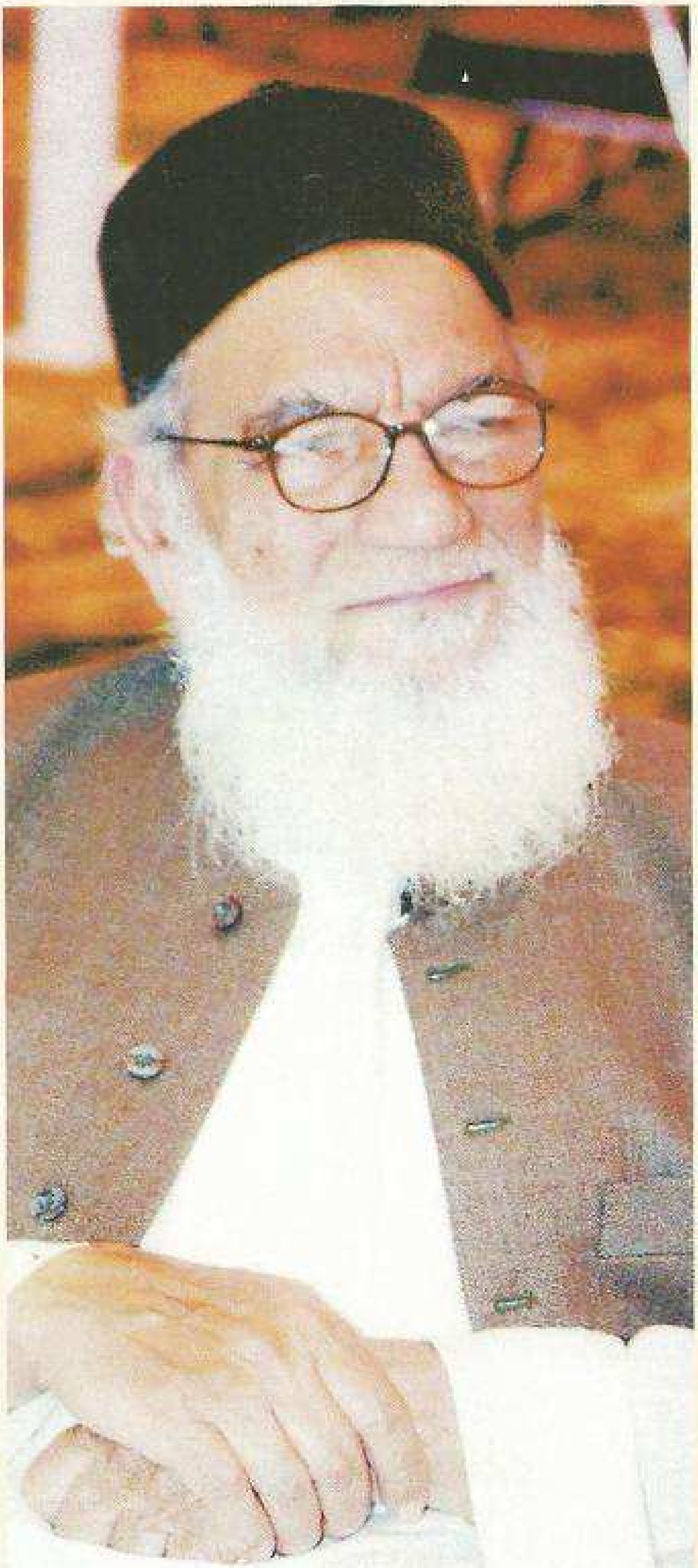
تینوں سامنے بٹھا کے تصویر بنواواں



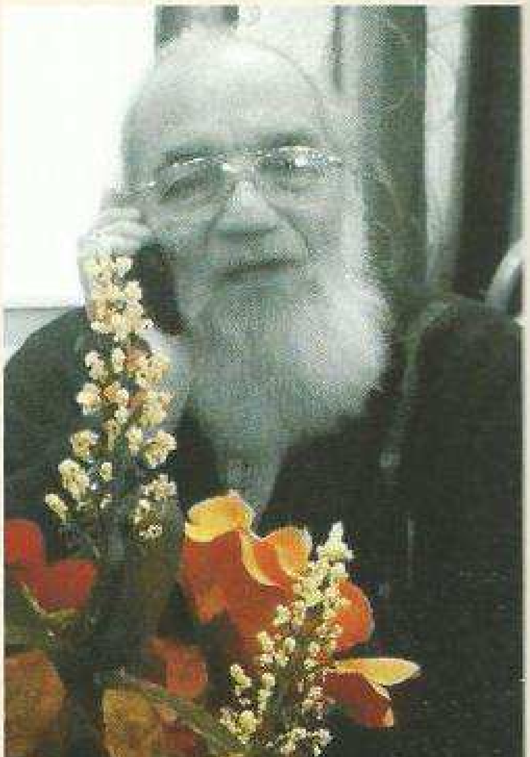




جی کردا میرا تینوں ویکھی جاواں







حضرت داتا گنج بخش مخدوم علی بن عثمان الہجویری رحمۃ اللہ علیہ

کے پیر و مُرشد کی

وصیّت



حضرت داتا گنج بخش مخدوم علی بن عثمان ہجویری رحمۃ اللہ علیہ اپنے پیر و مُرشد حضرت ابو الفضل محمد بن الحسن الختلی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق لکھتے ہیں کہ جس دن اُن کا وصال ہوا اس وقت آپ دمشق کے قریب ایک گاؤں "بیتُ الجن" میں تشریف فرما تھے ور آپ کا سرِ مُبارک میری گود میں تھا۔

اُس وقت اپنے کسی دوست کی طرف سے میرے دل میں کچھ رنج تھا جو انسانی خاصۂ مزاج ہے۔ آپ نے مجھے فرمایا: اے فرزند! دل کو مضبوط کرنے والا ایک مسئلہ بتاتا ہوں۔ اگر خود کو اس پر کاربند رکھو گے تو تمام رنج و فکر سے محفوظ رہو گے۔ فرمایا! ہر موقع یا واقعہ اور ہر حالت کو خواہ وہ نیک ہو یا بد، اللہ تعالیٰ ہی نے اُسے پیدا فرمایا ہے۔ لہٰذا اُس کے کسی فعل پر معترض نہیں ہونا چاہیے اور نہ دل کو رنجیدہ کرنا چاہیے۔

اس کے علاوہ آپ نے کوئی وصیت نہ فرمائی اور اپنی جاں جان آفرین کے سپرد کر دی۔

(کشف المحجوب)

فہرست مضامین

ماہیانیم و تو دریائے حیات
ہم مچھلیاں ہیں اور تو زندگی کا سمندر ہے

زندہ ایم از لطفت اے نیکو صفات
اے اچھی خوبیوں والے اللہ ہم تیری مہربانی سے زندہ ہیں

نوٹ: مثنوی مولانا رومؒ کے ان منتخب اشعار کی تفصیل صفحہ نمبر ۳۲ پر ملاحظہ فرمائیں

ماہیانیم و تو دریائے حیات
ہم مچھلیاں ہیں اور تُو زندگی کا سمندر ہے

زندہ ایم از لطفت اے نیکو صفات
اے اچھی خوبیوں والے اللہ ہم تیری مہربانی سے زندہ ہیں

فہرست اشعار

تو نگنجی در کنارِ فکرتے
تو فکر و خیال سے بالا ہے

نے بمعلولی قرین چوں علتے
نہ معلول ہونے کی وجہ سے کسی علت سے وابستہ ہے

گفت اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ
اُس نے فرمایا ہے کیا خدا اپنے بندہ کے لیے کافی نہیں ہے؟

تا نہ گردد بندہ ہر سو حیلہ جُو
تاکہ بندہ ہر جانب بھٹکتا نہ پھرے

ہر کہ اُو بر حق توکّل می کُنند | اُو بجائے خود تفضّل می کُنند
جو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتا ہے | وہ خود اپنے ساتھ بھلائی کرتا ہے

اضافی رنگین صفحات

از پئے آں گفت حق خود را بصیر
اِس لئے اللہ نے اپنے آپ کو "دیکھنے والا" کہا ہے

کہ بُوَد دید وَیت هر دم نذیر
تاکہ ڈر کی وجہ سے تو بُری بات سوچے اُس کا دیکھنا یاد رہے

حضرت شیخ ابو سعید ابو الخیر رحمۃ اللہ علیہ

انوار العلوم کے پہلے ایڈیشن سے اب تک یعنی تقریباً پندرہ سالوں میں کتاب کی پشت پر ایک رباعی لکھی چلی آ رہی ہے۔ اس رباعی کو سب پڑھنے والوں نے بہت پسند کیا۔ یہ رباعی حضرت ابو سعید ابو الخیر رحمۃ اللہ علیہ کی ہے۔ یہ حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کے مزار اقدس کے صدر دروازے پر بھی درج تھی۔ میں نے مناسب سمجھا کہ اس ایڈیشن میں حضرت ابو سعید رحمۃ اللہ علیہ کا مختصر تعارف بھی دیا جائے تاکہ مجھ جیسے کم علم لوگوں کو ان کی عظمت و شان کا اندازہ ہو سکے۔ مسائل تصوف سے لبریز آپ کی رباعیات کی شہرت آپ کی حیات مبارکہ ہی میں دور دور تک پھیل چکی تھی۔ آپ کی رباعیات نہ صرف آپ کے بعد آنے والے بلکہ آپ کے ہمعصر صوفیاء و مشائخ میں بھی مقبول تھیں۔

حضرت داتا گنج بخش مخدوم علی بن عثمان ہجویری رحمۃ اللہ علیہ اپنی مایہ ناز تصنیف کشف المحجوب میں حضرت شیخ ابو سعید ابو الخیر رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ ان الفاظ میں فرماتے ہیں:

''حضرت ابو سعید فضل اللہ بن محمد مہنی' ائمہ متاخرین' شہنشاہِ محباں' ملک الملوک صوفیاں ہیں۔ آپ سلطانِ وقت اور جمالِ طریقت تھے۔ تمام لوگ آپ سے مسخر تھے۔ کچھ آپ کے دیدارِ جمال سے' کچھ عقیدت سے اور کچھ قوتِ حال سے۔ آپ فنون و علوم میں نرالی شان رکھتے تھے۔ اسرارِ الٰہی سے مشرف حضرات میں آپ کا مرتبہ بلند تھا۔ علاوہ ازیں آپ کی نشانیاں اور براہین بکثرت ہیں اور آج بھی جہاں میں اُن کے آثار بکثرت ہیں۔

مہنہ میں ایک دن میں حضرت شیخ ابو سعید رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر حسبِ عادت تنہا بیٹھا تھا۔ ایک سفید کبوتر دکھائی دیا جو قبر کے اوپر پڑی چادر کے نیچے چلا گیا۔ میں نے خیال کیا کہ غالباً کبوتر کسی کا چھوڑا ہوا ہے۔ میں اُٹھا اور چادر اُٹھا کر دیکھا مگر وہاں کچھ نہ تھا۔ دوسرے اور تیسرے دن بھی میں نے ایسا ہی دیکھا۔ میں حیرت و تعجب میں پڑ گیا۔ یہاں تک کہ ایک رات میں نے اُنہیں خواب میں دیکھا اور اس واقعہ کی بابت اُن سے دریافت کیا۔ انہوں نے فرمایا: وہ کبوتر میرے معاملہ کی صفائی ہے جو روزانہ قبر میں میری ہم نشینی کے لیے آتا ہے۔

ایک مرتبہ حضرت ابو سعید رحمۃ اللہ علیہ نیشاپور سے طوس جا رہے تھے کہ راستے میں ایک گھاٹی اتنی سرد آئی کہ آپ کے

پاؤں ٹھنڈے ہو رہے تھے۔ ایک درویش کو خیال آیا کہ کیوں نہ میں اپنی چادر پھاڑ کر دو ٹکڑے کر کے شیخ کے پاؤں پر لپیٹ دوں۔ چونکہ چادر عمدہ اور قیمتی تھی اس لیے ٹکڑے کرنے کو دل نے گوارہ نہ کیا۔ طوس پہنچنے پر اس درویش نے حضرت ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا اے شیخ! وسوسہ شیطانی اور الہام حق کے درمیان کیا فرق ہے؟ انہوں نے فرمایا: الہام وہ تھا کہ تجھے چادر پھاڑ کر دو ٹکڑے کر کے ابوسعید کے پاؤں پر لپیٹنے کا حکم دیا گیا تا کہ وہ سردی سے محفوظ رہیں اور شیطانی وسوسہ وہ تھا کہ جس نے تجھے ایسا کرنے سے باز رکھا۔ اس قسم کی بکثرت اور متواتر باتیں ان سے منسوب ہیں۔ مردان خدا کا یہی کام ہے۔

داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ کے خادم حسن مؤدب سے سنا کہ جب وہ حضرت ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کیلئے گئے تو یا تو خاموش رہتے یا پھر حسن ادب واحتیاط کے ساتھ جواب دیتے۔ میں (حسن مودب) نے ان سے دریافت کیا اے شیخ! آپ نے ایسی خاموشی کس لیے اختیار فرمائی۔ آپ نے فرمایا: ایک ہی شخص (حضرت ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ) بیان کیلئے کافی ہے اور جب حضرت ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ نے واپسی کا قصد کیا تو حضرت ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: میں نے تمہیں اپنے زمانے کی ولایت اور اپنی نیابت کیلئے چن لیا۔ (کشف المحجوب)

حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''بندے اور پروردگار کے درمیان زمین و آسمان اور عرش و کرسی پردہ نہیں ہے بلکہ بندے کا غرور اور انانیت پردہ ہے۔ اِس انانیت اور غرور کے پردے کو اٹھا دو پھر تم خدا تک پہنچ جاؤ گے''۔ (نفحات الانس)

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے جمعہ کی شب میں بوقتِ عشاء بتاریخ ۴ر شعبان ۴۴۰ھ بمطابق ۱۸ر نومبر ۱۰۴۸ء کو وصال فرمایا اور بوقتِ وصال آپ کی عمر مبارک تراسی (۸۳) سال چار ماہ تھی۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کا مزارِ اقدس ایران کے صوبہ خراسانِ رضویہ کے شہر مہنہ میں ہے۔

از پئے آں گفت حق خود را علیم
اسی لئے حق نے خود کو "علیم" (جاننے والا) کہا

تا نیندیشی فسادے تو ز بیم
تاکہ تو ڈرسے اور برائی نہ سوچے

مقامِ مثنوی مولوی معنویؒ

صاحبِ مثنوی مولانا جلال الدین محمد رومیؒ کی نظر میں

حضرت مولانا جلال الدین محمد رومی رحمۃ اللہ علیہ اپنی شہرہ آفاق تصنیف مثنوی کے متعلق (مثنوی میں) فرماتے ہیں:

میں نے قرآن پاک میں سے مغز نکال کر مثنوی میں پیش کر دیا ہے اور اُن احکامات پر بحث نہیں کی کہ جن کو علمائے سُوء نے بحث کا موضوع بنا کر جھگڑے اور تفرقے ڈال دیئے۔ میں نے عشق کی بدولت معرفت کا تیر سیدھے نشانے یعنی دلوں پر مارا ہے۔

چھ دفتروں میں مثنوی کی ایک ہی آواز ہے اس کا خلاصہ فنا کے سمندر میں غوطہ لگانا ہے۔ مثنوی کو پڑھنے والا انسان اگر فقر کے کمال کو نہ بھی پہنچے پھر بھی شیطان کے ہتھکنڈوں سے ضرور محفوظ ہو جاتا ہے۔

اے بھائی! کام کے آدمی کے لیے یہ کہانی نہیں ہے۔ اُسے اچھی حالت اور دوست کے دربار کی حاضری درکار ہے۔ ظاہری علماء میں دین کی حقانیت نہیں رہی۔ وہ اچھی حالت اور دوست کے دربار کی حاضری جیسے انعامات سے محروم ہیں۔ میں جو یہ قصے بیان کر رہا ہوں۔ یہ گزشتہ لوگوں کے لیے نہیں ہیں بلکہ تمہارے اپنے احوال ہیں۔ اِن قصوں کا مقصد رجوع الی اللہ ہے۔ ان کو وہ قصے کہانیاں نہ سمجھو جن سے میں روک رہا ہوں۔ منافقوں نے قرآن کو بھی محض پچھلے لوگوں کی کہانیاں قرار دیا اور اِن قصوں کا جو اصل مقصود تھا اُسے نہ سمجھا۔ یہی حال میری کتاب کا ہے۔ قرآن ایک صفتِ خداوندی ہے جو زمان و مکان سے بالاتر ہے۔ وہاں ماضی اور مستقبل نہیں ہے بلکہ وہ ہر زمانے کے لیے ہے۔

اگر مثنوی جیسی کتاب کو بھی تُو بے کار سمجھ کر پڑھے گا تو اس سے کوئی نصیحت حاصل نہ کر سکے گا' اس کے مغز تک نہ پہنچ سکے گا۔ اُس شخص کے مغز کی یہ حالت ہوگی جیسے کوئی معشوق سر اور مُنہ پر چادر تانے لیٹا ہو' تو ظاہر بین اُس کے حُسن کو نہ دیکھ سکے گا۔ منکر اپنے تکبر کی وجہ سے شاہنامہ فردوسی' کلیلہ و دمنہ اور مثنوی کو یکساں سمجھتا ہے۔ حقیقت اور مجاز کو انسان جب ہی سمجھتا ہے جب اُس کو بصیرت حاصل ہو۔ محض جی بہلانے کے لیے قرآن کی تلاوت کرنا بھی اپنے آپ کو قرآنی حقائق سے محروم رکھنا ہے۔ محض وقت کاٹنے کے لیے تو قرآن اور افسانہ یکساں کام کرتا ہے۔

حق تعالیٰ عادل ست و عادلاں | کے کنند استمگری بر بے دلاں
حق تعالیٰ عدل کرنے والا ہے اور عادل | کمزوروں پر کب ظلم کرتے ہیں

جو اِس مثنوی کو افسانہ سمجھے وہ خود افسانہ اور مہمل ہے۔ ایک چیز دو شخصوں کے اعتبار سے دو جداگانہ حکم رکھتی ہے۔ دریائے نیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے پانی تھا اور قبطیوں کے لیے خون۔ اُسی طرح یہ مثنوی بعض لوگوں کے لیے افسانہ ہے اور بعض کے لیے گنجینۂ معرفت۔ جس طرح چاند کا نور اجسام پر پڑتا ہے اِسی طرح مثنوی کا نور اَرواح پر پڑ رہا ہے۔ جو اصحابِ بصیرت ہیں وہ دیکھ رہے ہیں کہ مثنوی کے بیانات منجانب اللہ ہیں۔ یہ بظاہر مزاحیہ اور افسانوی باتیں ہیں لیکن تُو اُن سے نتائج نکال لے۔ یہ قصے بے کار نہیں ہیں۔

جس طرح قرآن سے کج فہم گمراہ ہوتے ہیں اِسی طرح مثنوی سے بھی ہو سکتے ہیں۔ اِس میں قرآن کا قصور نہیں ہوتا بلکہ اُن کی کور باطنی کا قصور ہے۔ مجھے مثنوی پر اعتراضات کا عقلاً کوئی رنج نہیں ہے۔ میں اعتراضات کا جواب بھی نہ دیتا مگر صرف اِس لیے دیتا ہوں کہ اعتراض کرنے والوں کی دولتیاں سادہ دل لوگوں کو گمراہ کر دیں گی۔ مثنوی کے اعلیٰ مضامین تک لوگوں کی رسائی نہیں ہے۔ اِس لیے جنگ و جدل میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ حکیم سنائی غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کے بقول "یہ لوگ نورِ معرفت سے محروم ہیں"۔ اُن کی پہنچ قرآن کے صرف الفاظ تک ہے۔ یہ معترضین کہتے ہیں کہ "مثنوی میں ابواب اور فصول قائم کر کے تصوف کے مراتب کا ذکر ہونا چاہیے تھا تاکہ سالک کے لیے ہر منزل اور مقام کی نشان دہی ہوتی۔ یہ تو ایک گورکھ دھندہ معلوم ہوتی ہے"۔ جب اللہ کی کتاب آئی تو اُس پر بھی لوگوں نے اِسی طرح کے اعتراض کیے تھے کہ پرانی کہانیاں اور افسانے ہیں۔

میری مثنوی کی باتیں اگر اب تمہیں سمجھ میں نہیں آ رہی ہیں تو آئندہ نسلوں میں ایسے لوگ ہوں گے جو یہ اَسرار بیان کر سکیں گے۔ اُن کے اقوال کی تصدیق میری مثنوی سے ہوگی۔ جس طرح اُس نوجوان نے خدا سے بغیر محنت روزی طلب کی تھی تم بھی کرو۔ ایک وقت ایسا آئے گا کہ تمہیں بغیر کسی واسطے کے فیضِ خداوندی حاصل ہونے لگے گا۔

مثنوی کے مضامین کلمات اللہ ہیں اور اُن کے بارے میں قرآن میں یہی کہا گیا ہے۔ جب تک یہ دنیا قائم ہے اور زمین ہے اِس سے اینٹیں بنتی رہیں گی اُس وقت تک مثنوی کے اشعار بھی دستیاب رہیں گے۔ جب یہ روئے زمین ختم ہو جائے گی اور قیامت کے دن کی ہوائیں اس کو تہ و بالا کر دیں گی تو مثنوی یعنی کلمات اللہ کا سمندر جوش مارے گا اور عالمِ آخرت میں ایک زمین اپنے لیے بنا لے گا۔ چونکہ کلمات اللہ لامحدود ہیں لہٰذا مثنوی کی باتیں بھی لامحدود ہیں۔ اِن کو بیان کیے جاؤ کوئی تنگی نہیں آئے گی۔

پیشِ سُبحاں پس نگہدارید دِل
(اللہ) پاک ذات کے سامنے دل کی حفاظت رکھو

تا نگردید از گمانِ بد خجل
تاکہ بدگمانی کر کے شرمندہ نہ ہونا پڑے

میرے پاس جو مضامین تھے وہ میں نے اپنے پیر بھائیوں تک پہنچا دیئے۔ میرا یہ کلام بارگاہِ خداوندی کی سیڑھی ہے۔ جو اس کے ذریعے اوپر جائے گا' چھت پر پہنچ جائے گا۔ آسمان کی چھت پر ہی نہیں بلکہ اُس آسمان سے بھی اوپر والی چھت پر اور جس کے لیے سامان گردوں کی چھت سے آتا ہے اور اُسی خواہش سے اُس کی گردش ہمیشہ جاری رہتی ہے۔

جس طرح ستاروں سے ہر شخص رہنمائی حاصل نہیں کر سکتا اسی طرح مثنوی سے بھی ہر شخص مُستفید نہیں ہو سکتا لیکن اگر مثنوی سے شغل رکھو گے تو شیطان سے ضرور نجات حاصل کر لو گے۔ مثنوی کی باتیں شہابِ ثاقب ستاروں کی طرح ہیں جو شیطانوں پر برستے ہیں۔ ستاروں کے بُرج بچھو کی طرح کام کرتے ہیں اور شیطانوں کو ڈنک مارتے ہیں۔ مثنوی کا سورج طلوع کر آیا ہے، جس کی روشنی پھیل گئی ہے لیکن منکر کو یہ بھی ناگوار ہے۔ عداوت کی وجہ سے دشمن شہد اور دودھ کو بھی زہر سمجھتا ہے۔ یہ شہد اور زہر ہونا مثنوی ہی کی خصوصیت نہیں ہے بلکہ ہر اچھی چیز کا یہی حال ہے۔ حضرت عُمر ؓ کے لئے اُن کے فاروقی تریاق کی وجہ سے مخالفین کا زہر قند بن گیا تھا اس لئے اُن کے لئے وہ زہر مُضر نہ رہا۔ وہی تریاقِ فاروقی اگر تُو حاصل کرے گا تو تُو بھی اپنے زمانے کا فاروق بن جائے گا۔

مثنوی صرف توحید کی دُکان ہے توحید کے مضامین کے علاوہ جو کچھ مذکور ہے وہ بُت ہے۔ عوام جب غیر توحیدی مضامین سنتے ہیں تو متوجہ ہو جاتے ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ توحیدی مضامین بھی سننے کا اُن کو موقع مل جاتا ہے۔

یاد رکھو! نگاہ ہمیشہ باطن پر رکھو، اگر ایسا کرو گے تو شاہ ہو ورنہ گمراہ ہو۔ الفاظ کو جسم اور اُس کے معانی کو رُوح سمجھو۔ جسمانی آنکھ صرف جسم کو دیکھتی ہے لیکن رُوحانی آنکھ کی نظر رُوح پر ہی پڑتی ہے۔ یہی حال مثنوی کا ہے' جو اس کی کہانیوں کی طرف دیکھے گا تو صرف لفظوں کو دیکھے گا اور بدعقیدہ ہو جائے گا اور جو حکایتوں کے مقاصد پر غور کرے گا وہ اُن سے خوب فائدہ اُٹھائے گا۔

کُو بہ بیند سِرّ فکر و جستجو | ہمچو اندر شیرِ خالص تارِ مُو
اللہ راز اور فکر اور طلب کو اس طرح دیکھ لیتا ہے | جس طرح خالص دودھ میں بال

انوارُالعلوم
کا سفر— خُوب سے خُوب تر کی تلاش!

الحمدللہ انوارالعلوم کا ڈیلکس ایڈیشن آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ یہ چودھواں ایڈیشن بمثل چودھویں کا چاند ہے۔ انوارالعلوم کے پہلے ایڈیشن سے ہی یہ کوشش رہی کہ اس کا معیار بہت عمدہ ہو۔ کبھی بھی بوجہ مہنگائی معیار پر سمجھوتہ نہیں کیا۔ اسی خوب سے خوب تر کی تلاش میں کمپیوٹر کمپوزنگ اور سائز وغیرہ کو ۲ مرتبہ تبدیل کیا۔ قارئین کے ذوق کی تسکین کیلئے کچھ معلوماتی مضامین بھی شامل کئے لیکن پھر بھی کچھ جدّت کرنے کی خواہش زور پکڑتی گئی۔

نہم ایڈیشن (اپریل 2009ء) میں "تعارف کتاب وصاحب کتاب" میں اپنی اس خواہش کا اظہار کچھ یوں کیا تھا کہ "اللہ کریم کو منظور ہوا تو خوبصورت و دیدہ زیب پرنٹنگ والا ایک ایسا "ڈیلکس ایڈیشن" چھاپنے کا ارادہ ہے جو کہ باطنی کمالات کے ساتھ ساتھ ظاہراً بھی آرٹ کا ایک باکمال نمونہ ہو"۔

پھر ڈیلکس ایڈیشن کا ایک مبہم سا خاکہ ذہن میں ابھرا اور حضرت قبلہ کی اجازت سے اس پر کام شروع کر دیا۔ جوں جوں آگے بڑھتے گئے نئے نئے تخلیقی خیالات ذہن میں آتے گئے۔ اس کی تیاری میں تقریباً چار سال کا عرصہ لگا۔ قطرے کو گہر ہونے تک کا یہ عرصہ ایک کٹھن امتحان تھا جو کہ حضرت قبلہ کی محبتوں اور شفقتوں کے سہارے بخیر و خوبی گزر گیا۔ اسی دوران ایڈیشن چھپتے رہے۔ اب اللہ تبارک وتعالیٰ کے فضل وکرم سے چودھواں اور ڈیلکس ایڈیشن آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اللہ کے گھر سے پوری امید ہے کہ اہل ذوق حضرات کی طرف سے سراہا جائے گا۔

اس ایڈیشن کی اضافی محاسن وخوبیاں کچھ یوں ہیں:

مثنوی مولانا رُومؒ کے مُنتخب اشعار اس ایڈیشن کی سب سے قابل ذکر بات مثنوی مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کے منتخب اشعار ہیں۔ مثنوی کے کل اشعار کی تعداد تقریباً ستائیس ہزار (26,666) ہے ان میں سے تقریباً 900 منتخب اشعار بمعہ ترجمہ ریاض اعظمی صاحب کی خوبصورت ودیدہ زیب خطاطی میں پیش کئے جا رہے ہیں۔ ان اشعار کے مطالعہ کے دوران درج ذیل نکات ذہن میں رہنے چاہئیں۔

نیست اینہا بر خدا اسمِ علم
اللہ کے یہ نام صرف شناخت کیلئے نہیں ہیں

کہ سیہ کافور دارد نام ہم
ویسے ہم تو کالے حبشی کا نام کافور (سفید خوشبو) رکھتے ہیں

- یہ اشعار مثنوی کے تمام دفاتر سے لیے گئے ہیں۔ یہ ایسے اشعار ہیں جو کہ دل پر فوراً اثر انگیز ہوتے ہیں۔ یا یوں کہہ لیں کہ یہ اشعار دل کی گہرائیوں میں اترتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔ (اگر چہ مثنوی کے بیشتر اشعار میں یہ تاثیر پائی جاتی ہے)
- ان کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ ایک یا دو اشعار میں ہی مضمون مکمل ہو جاتا ہے یعنی دریا کوزے میں بند ہونے والا معاملہ ہے۔
- یہ اشعار جس صفحے پر بھی ہوں ان کا اُس صفحے پر تحریر حکایات یا مضامین سے کوئی تعلق یا ربط نہیں ہے۔
- ان کا ترجمہ حضرت قبلہ محمد عالم امیری مدظلہ نے کیا ہے۔ یہ ترجمہ صرف ان قارئین کے لیے ہے جو کہ میری طرح فارسی سے نابلد ہیں۔ یہ نہ تو لفظی ترجمہ ہے اور نہ ہی بامحاورہ بلکہ اس شعر کی ترجمانی ہے۔ ترجمے کی تمام بندشوں سے ہٹ کر کوشش کی گئی ہے کہ شعر میں پنہاں مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کا پیغام پڑھنے والے تک آسان و پر اثر انداز میں پہنچ جائے۔
- ان تمام اشعار کو بلحاظ موضوع ترتیب دیا گیا ہے۔ کوشش ہے کہ ایک ہی موضوع کے اشعار یکے بعد دیگرے سامنے آتے جائیں۔ ان تمام موضوعات کی ایک فہرست بھی دی جا رہی ہے تاکہ موضوع کے اعتبار سے اشعار ڈھونڈنے میں آسانی رہے۔ یہ اشعار جہاں فارسی سے آشنا قارئین کیلئے لذت ذوق کا سبب ہیں وہیں مجھ جیسے فارسی سے معمولی واقفیت رکھنے والوں کیلئے بھی فارسی آشنائی کا ذریعہ ہیں۔
- انوار العلوم کے پہلے ایڈیشن سے ہی قارئین کی طرف سے تواتر سے یہ فرمائش آ رہی تھی کہ اگر اس میں فارسی اشعار کو بھی شامل کر دیا جاتا تو بہت خوب ہوتا لیکن میرا یہ موقف رہا ہے کہ اول تو فارسی پڑھنے سمجھنے والوں کی تعداد نہایت قلیل ہے اور اگر فارسی کو شامل اشاعت کیا جاتا ہے تو کتاب کی ضخامت و قیمت کافی بڑھ جاتی ہے۔ جبکہ انوار العلوم بنیادی طور پر فارسی سے ناآشنا لوگوں میں حضرت مولانا جلال الدین محمد رومی رحمۃ اللہ علیہ کے پیغام کو عام کرنے کی ایک کوشش ہے۔ موجودہ ایڈیشن میں یہ منتخب اشعار نہ صرف فارسی کی ترویج و ترقی کی ایک جاندار کوشش ہے بلکہ اہل ذوق حضرات کیلئے ایک قیمتی و نایاب تحفہ بھی ہے۔

اشعار کا انتخاب، ترجمہ، خطاطی، پروف ریڈنگ، ترتیب بلحاظ موضوعات اور کمپیوٹر گرافک کی مدد سے Setting کرنا

اِسم مُشتق ست زاوصافِ قدیم
اللہ کے نام اس کی قدیم صفات کی وجہ سے ہیں

نے مثالِ علتِ اُولیٰ سقیم
ہماری طرح نہیں کہ جاہل کا نام چراغ دین کھ دیں

چار سال سے زائد کے عرصہ پر محیط یہ سارے مراحل اتھک اور اعصاب شکن تھے۔ لیکن ہر ہر مرحلے میں حضرت قبلہ کی عنایتوں اور شفقتوں کا سہارا رہا۔ آپ نے نہایت غور و فکر اور توجہ سے اشعار کا ترجمہ کیا اور اغلاط کی تصحیح تو بہت ہی باریک بینی سے کرتے رہے۔ اس معاملے میں حضرت قبلہ زیر زبر پر بھی سمجھوتہ نہیں کرتے۔ آپ فرماتے ہیں کہ دوران مطالعہ سامنے آنے والی اغلاط میری طبیعت پر بہت گراں گزرتی ہیں۔ (انتہائی احتیاط کے باوجود بھی جو اغلاط آپ کی نظر سے گزریں براہ کرم اگلی اشاعت میں تصحیح کیلئے مطلع فرمائیں)

اب قلم کی نوک پر حضرت قبلہ کا ذکر آ گیا ہے تو قلم کہتا ہے کہ کیوں نہ اس رانجھن کے مدھ بھرے ذکر کے تار چھیڑے جائیں جو ہماری روحوں کے چرواہے، ہماری بے قراریوں کا قرار، ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک، ہمارے دل و جان کے شاہ اور ہمارے آقائے نعمت ہیں۔

میرے آقائے نعمت

ڈیلکس ایڈیشن کے تخیل سے کتابی شکل میں آنے کے عمل میں بہت سے طویل و پیچیدہ مراحل سے گزرنا پڑا۔ میں اکثر ان پیچیدگیوں سے پریشان ہو کر گھبرا جاتا، تھک جاتا، لیکن حضرت قبلہ اس کا ایک ایک لفظ شگفتگی و تازگی سے چیک کرتے رہے اور اپنی رہنمائی سے نوازتے رہے۔

میرے حضرت قبلہ ماشاءاللہ 85 برس کے ہیں۔ ماسوائے بیماری ہمیشہ ان کو تر و تازہ پایا۔ ان کا جسم کبھی بھی موٹاپے کا شکار نہیں ہوا لیکن اب نارمل سے بھی دبلا ہوتا جا رہا ہے۔ ان سب کے باوجود ان کا اٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا ایک خوشگوار لطافت و تازگی کا احساس لیے ہوئے ہے۔ پیدل چلتے ہیں تو جسم بالکل سیدھا، دونوں پاؤں پر برابر وزن، اس قدر آرام دہ طریقے سے جیسے ان کے لئے کشش ثقل ختم ہو گئی ہو۔ محفل میں دوزانو بیٹھتے ہیں تو ایک آرام اور لطافت کا احساس لیے ہوئے۔ نماز پڑھتے ہیں تو تمام ارکان کو اچھے و احسن طریقے سے مکمل کرتے ہیں۔ میں نے بہت کم لوگوں کو رکوع و سجود اس قدر آرام دہ طریقے سے ادا کرتے دیکھا ہے۔ وگرنہ اکثر یہی دیکھا گیا ہے کہ بشمول میرے رکوع و سجود میں تھکن و تکلف نظر آتا ہے۔ ہم ایک بوجھیلے پن سے ارکان نماز ادا کرتے ہیں۔

ویسے تو ہمارے سلسلہ عالیہ میں حال ایک خاص کیفیت کو کہتے ہیں جو کہ سالک پر بوجہ رحمت خداوندی وارد ہوتی ہے۔ میں نے ایک دانشور کی تحریر میں حال کی تعریف یہ پڑھی کہ "انسان جو بھی عمل کر رہا ہو اس میں مگن ہو نہ کہ اس عمل کے دوران ماضی و مستقبل کے تصورات میں گم ہو جیسے کہ ہم کسی خوشی کے فنکشن کو انجوائے کرنے کی بجائے فوٹوگرافی پر زور دیتے ہیں

کہ مستقبل میں ان تصاویر کو دیکھ کر ماضی کی یاد تازہ کریں گے"۔ حال کی مندرجہ بالا تعریف کے مطابق بھی میرے حضرت کو آپ جب بھی دیکھیں گے وہ حالت حال ہی میں ہوں گے۔ اگر وضو کر رہے ہوں تو نہایت یکسوئی واطمینان سے سنن و فرائض مکمل کرتے ہیں۔ آپ کو وضو کرتے دیکھنا ذوق وایمان تازہ کر دیتا ہے۔ وضو وہ کر رہے ہوتے ہیں اور باطنی طہارت دیکھنے والے کی ہوتی ہے۔ وضو فرماتے ہوئے ان کی توجہ گردو پیش سے کٹ کر مکمل طور پر ارکان وضو پر مرکوز ہوتی ہے۔ اگر وضو میں آپ کی یکسوئی کا یہ عالم ہے تو حالت نماز کا عالم کیا ہوگا۔ محفل میں مسند نشین ہیں تو توجہ صرف محفل اور حاضرین محفل کی طرف ہے۔ محفل میں پڑھے جانے والے کلام کے مطابق ردعمل دے رہے ہوتے ہیں۔ مریدین کے ظاہر و باطن پر توجہ ہوتی ہے۔ سب کے ذوق کا خیال رکھتے ہیں۔ ہشاش بشاش مجسم نور دکھائی دیتے ہیں۔ کبھی دست بوسی کرنے والے کے سر پر ہاتھ رکھتے ہیں اور کبھی گالوں کو تھپتھپاتے ہیں۔ ان کا یہ لمس برسوں تر و تازہ رہتا ہے۔ اس وقت واضح طور پر یہ احساس ہوتا ہے کہ ان کی جسمانیت ختم ہو چکی ہے۔ اب نور کے ہالے میں ایک پاکیزہ روح تشریف فرما ہے۔

محفل کے علاوہ بھی ان کی باتوں میں یہی تازگی ہوتی ہے۔ جب وہ پیار و شفقت سے دیکھتے ہیں تو ایک لطیف احساس رگ و پے میں اترتا محسوس ہوتا ہے۔ جب بھی ان کی خدمت میں حاضری کی سعادت حاصل ہوئی تو ایک تبسم کے ساتھ بھرپور نظر ڈالتے ہوئے دعا و سلام کیلئے جب ان کے لب واہ ہوتے ہیں اور سر پر دست شفقت رکھتے ہیں' تو یقین جانئے سب رنج و غم اور تھکن غائب ہو جاتی ہے (الحمدللہ میرے حضرت قبلہ کے سب مریدین و مخلصین کے یہی خیالات و احساسات ہوتے ہیں) ہر ایک کو اس کی طبیعت کے مطابق ملتے ہیں۔ کبھی کسی پر کوئی پابندی مسلط نہیں کی بلکہ ان کے حلقہ اثر میں رہنے والے خود ہی انکے رنگ میں رنگے جاتے ہیں۔ ان کی مقناطیسی شخصیت قلوب و اذہان اور خیالات و احساسات کو غیر محسوس طریقے سے بدل کر رکھ دیتی ہے۔

روحانی طاقت' منصب اور اتھارٹی رکھنے کے باوجود کبھی یہ نہیں دیکھا کہ ماتھے پر تیوریاں ہوں اور زبان پر طنز و تشنیع کے تیر اور مریدین کہہ رہے ہوں کہ ہمارے حضرت بہت جلالی ہیں۔ غصہ حضرت قبلہ کو بھی آتا ہے لیکن بہت کم اور ضبط کی حد میں رہتے ہوئے۔ ہمیشہ روشن و مثبت پہلو کو دیکھتے اور دیکھنے کی تلقین کرتے ہیں۔ ان کی تربیت یہی ہے کہ آدھے گلاس پانی کو آدھا خالی نہیں بلکہ آدھا بھرا ہوا دیکھو بشرطیکہ معاملہ کسی اور کا ہو اور اگر اپنی ذات یا خود بینی کا معاملہ ہو تو آدھے خالی گلاس کی طرف توجہ دینی چاہئے۔ ہر وقت اپنی کمی' کوتاہی کی درستگی کی طرف توجہ ہونی چاہئے نہ کہ دوسروں کی عیب جوئی کی طرف۔

اکثر دیکھا گیا کہ کوئی میرے جیسے سطحی علم والا آپ کی خدمت میں حاضر ہے اور اپنے علم و عقل کے مطابق گفتگو کر رہا ہے اور آپ نہایت انہماک سے اس کی باتوں کی سماعت فرما رہے ہوتے ہیں۔ اس کو نہ تو ٹوکیں گے اور نہ ہی اس موضوع پر کوئی ایسی علمی گفتگو فرمائیں گے کہ جس سے اس کو اپنی کم علمی کا احساس و شرمندگی ہو۔ حالانکہ اکثر صاحبان علم کا یہ خاصہ ہوتا ہے کہ جہاں دو بندے دیکھے بلکہ اگر ایک بندہ بھی ان کے ہتھے چڑھ گیا تو اپنے علم کے دریا بہا دیتے ہیں تاکہ مخاطب پر ان کے علم کا رعب پڑ سکے۔ میں اکثر سوچتا ہوں کہ میرے جیسے کم علم شخص کا خاموش رہنا تو سمجھ میں آتا ہے لیکن حضرت قبلہ جو کہ اسلام، تاریخ، جغرافیہ، لسانیات، میڈیکل و سائنس کا قابل ذکر علم رکھتے ہیں، وہ اکثر خاموش کیوں رہتے ہیں۔ اگر کسی نے کوئی سوال کیا تو سوال کا جواب سائل کی ذہنی استطاعت کے مطابق دیتے ہیں نہ کہ اپنی فصاحت و بلاغت کے دریا بہا دیتے ہیں۔

الحمدللہ! حضرت قبلہ کا صدقہ اللہ کریم ہم پر سے مشکلات آسان فرما دیتے ہیں لیکن پھر بھی اگر ہم میں سے کوئی بیماری یا پریشانی میں مبتلا ہو تو آپ نہ صرف دعا فرماتے ہیں بلکہ دلجوئی کے لئے رابطہ رکھتے ہیں۔ ہماری چھوٹی چھوٹی خوشیوں پر ہم سے زیادہ خوشی کا اظہار فرماتے ہیں۔

اکثر و بیشتر مشہور شخصیات کے معاملے میں یہ دیکھنے میں آتا ہے کہ اُن کے گھر والے، محلّہ دار اور قریبی لوگ ان کے بارے میں کچھ اچھے تاثرات نہیں رکھتے۔ اس کی وجہ ان کی دوہری شخصیت یا ان کی ذات میں موجود تضادات ہوتے ہیں، جن کو صرف قریبی لوگ ہی جان پاتے ہیں۔ الحمدللہ ہمارے حضرت قبلہ کو نہ صرف اپنے گھر میں عزت و تکریم اور محبت ملتی ہے بلکہ تمام محلّہ دار بھی عزت و محبت سے پیش آتے ہیں۔ مسجد میں ہر نماز کے بعد سب چھوٹے بڑے نمازی آپ سے مصافحہ و دست بوسی کرنے میں خوشی محسوس کرتے ہیں۔

آپ فرماتے ہیں کہ ''ایک عرصہ سے مجھے کچھ خاص پکوان کھانے اور لباس پہننے کی خواہش نہیں ہوئی، جو مل جاتا ہے الحمدللہ''۔ روپے پیسے کی حرص ایک ایسی علت ہے جس سے بہت کم علماء و مشائخ محفوظ ہوتے ہیں۔ دین و مذہب اور روحانیت کے نام پر روپیہ پیسہ جمع کرنے اور جائیداد بنانے کی حرص بڑھتی چلی جاتی ہے۔ میرے حضرت قبلہ کو اگر کسی نے محفل یا عرس کے لنگر میں حصہ ڈالنے کیلئے کوئی نذر پیش کی تو آپ کی کوشش ہوتی ہے کہ وہ نذر فوری طور پر اپنے خادم خاص محترم سید عامر علی کے سپرد کر دیں۔ اگر انوار العلوم کی مد میں کچھ ہو تو میرے سپرد کر دیتے ہیں۔ اگر ہم دونوں میں سے کوئی

موجود نہ ہو تو وہ رقم اماں جی کے سپرد کر دیں گے کہ جب عامر صاحب آئیں تو ان کو دے دیں۔ سالانہ عرس مبارک خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کے موقع پر سب سے پہلے آپ اپنی پنشن سے ایک معقول رقم عامر بھائی کے سپرد فرما دیں گے کہ یہ عرس پاک میں میرا حصہ ہے اور اگر مزید ضرورت ہو تو بتا دینا۔

میرے حضرت قبلہ کے روحانی تصرفات اور کشف و کرامات کے بہت سے واقعات ہیں لیکن میرے پیش نظر ہمیشہ یہی بات رہی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میں مکارم اخلاق کی تکمیل کیلئے آیا ہوں اور تم میں سے سب سے بہتر وہ ہے جس کا اخلاق سب سے اچھا ہے۔ میرے حضرت نمود و نمائش سے انتہا درجہ کا پرہیز فرماتے ہیں۔ سادہ لباس اور سادگی کا پیکر ہیں۔ کسی بھی تقریب میں خود کو نمایاں کرنے کی کوشش نہیں فرماتے۔ یہ اور بات ہے کہ ہزار افراد بھی تقریب میں موجود ہوں تو مرکز نگاہ آپ ہی ہوتے ہیں۔ ہر چھوٹے بڑے، امیر غریب سے عاجزی و انکساری سے پیش آتے ہیں۔ اب جبکہ سلسلہ عالیہ اور انوار العلوم کے حوالے سے آپ کے جاننے، ماننے اور چاہنے والے دنیا کے ہر گوشے میں موجود ہیں۔ مشائخ عظام، علمائے کرام اور ادیب حضرات آپ سے غائبانہ عقیدت و محبت رکھتے ہیں اور ملنے کے خواہشمند ہیں لیکن حضرت قبلہ کی شہرت کے نقطہ نظر سے راہ رسم بڑھانے کی قطعاً کوئی خواہش دیکھنے میں نہیں آتی۔ ماسوائے سلسلہ عالیہ کی محافل، ہر قسم کے مذہبی جلسوں یا ادبی تقریبات سے معذرت فرما لیتے ہیں۔ اگر چاہیں تو اخبارات و رسائل کے ادبی ایڈیشنز اور میڈیا پر نمایاں ہو سکتے ہیں۔ شہرت کبھی بھی میرے حضرت کا مطمع نظر نہیں رہی البتہ پھر بھی شہرت آپ کے تعاقب میں ضرور نظر آتی ہے۔

مجھے نثر لکھنے کا سلیقہ نہیں اور شاعری سے تو دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ لیکن پھر بھی ہمیشہ سے خواہش رہی ہے کہ کاش میں اپنے حضرت کی روزمرہ زندگی کو تفصیل سے نثری یا شعری صورت میں لکھتا۔ مالک کے گھر سے امید ہے کہ میری یہ خواہش کوئی خوش قسمت پایۂ تکمیل تک پہنچا دے۔

یہ ختم نہ ہونیوالی باتیں ان الفاظ کے ساتھ پھر کسی وقت کیلئے ادھوری چھوڑتا ہوں۔

ذکر تیرے توں یار طبیتاں اُک دیاں نئیں
ساہ مُک جانے گلاں تیریاں مُک دیاں نئیں

یَا کَرِیْمَ الْعَفْوِ حَیٌّ لَمْ یَزَلْ
اے کریم ہمیشہ زندہ بھلی معافی والے!

یَا کَثِیْرَ الْخَیْرِ شَاہِ بے بدل
اے بہت زیادہ خیر والے شاہِ بے بدل!

تذکرہ ہو رہا تھا ڈیلکس ایڈیشن کی اضافی محاسن خوبیوں کا۔ تو اب اس ایڈیشن کی اگلی خوبی کی طرف چلتے ہیں۔

حکایات کے عنوانات

انوار العلوم میں موجود حکایات و دیگر مضامین کے تقریباً 700 عنوانات کی خطاطی بھی ریاض اعظمی امیری صاحب کے قلم کی خوبصورتی و رعنائی کا نتیجہ ہے۔ عنوانات کی تھوڑی بہت تراش خراش بھی کی گئی ہے۔

فی زمانہ تو کتابت کا کام کمپیوٹر کمپوزنگ سے ہو رہا ہے لیکن جو خوبصورتی و انفرادیت خطاطی سے پیدا ہوتی ہے اس کا کوئی جواب نہیں۔ یہ بھی ایک بہت بڑی اسائمنٹ تھی جو کہ تقریباً چار سال لے گئی۔ یہ پل صراط بھی حضرت قبلہ کی ذاتی توجہ اور شفقت سے پار ہوا۔ اس وقت مارکیٹ میں شائد ہی کوئی کتاب ہو جس میں خطاطی کا اس قدر طویل اور دلکش سلسلہ یکجا ہو۔ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کا کلام، میرے حضرت کا بیان اور ریاض صاحب کی خطاطی ان سب خصوصیات کے یکجا ہونے سے انوار العلوم ادب و آرٹ کا ایک منفرد نمونہ بن چکی ہے۔

شجرہ طیبہ و تعلیمات سلسلہ عالیہ

یہ میرے حضرت قبلہ کے سلسلہ عالیہ قادریہ چشتیہ ابوالعلائیہ جہانگیریہ شکوریہ کے شجرہ ہائے طریقت اور تعلیمات سلسلہ عالیہ ہیں۔ سلسلہ عالیہ ابوالعلائیہ جہانگیریہ شکوریہ، تصوف اور اسلامی حلقوں میں بہت عزت و تکریم سے پہچانا جاتا ہے۔ اس سلسلہ عالیہ کی خانقاہیں اور وابستگان نہ صرف برصغیر پاک و ہند بلکہ ہر خطہ ارض میں اسلام کی دعوت و تبلیغ کے علاوہ اخلاقی اقدار کی ترویج میں حصہ لے رہے ہیں۔ الحمدللہ یہ ہمارے حضرات کی ہمارے سلسلہ عالیہ پر خصوصی عنایات ہیں کہ ہمارے ہاں وجد و حال کا سلسلہ اس گئے گزرے دور میں بھی جاری ہے۔ ہمارے سلسلہ عالیہ و خواجگان سلسلہ عالیہ کے مفصل تعارف و تعلیمات کیلئے "سیرت فخر العارفین رحمۃ اللہ علیہ" کا مطالعہ کریں۔ اس کا جدید و خوبصورت ایڈیشن المعارف فاؤنڈیشن لاہور کے ہاں زیر طبع ہے۔

علامہ محمد اقبالؒ کا منتخب کلام

یہ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے مجموعہ ہائے کلام میں سے منتخب اشعار و رباعیات ہیں۔ ان میں علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے روحانی استاد و پیرو مرشد یعنی مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ سے اپنی والہانہ محبت و عقیدت کا اظہار کیا ہے۔ ان میں علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ، مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کی عظمت و بزرگی کے نغمے گاتے سنائی دیتے ہیں۔ یہ اشعار و رباعیات محترم رشید ظفر امیری کے ترجمہ کے ہمراہ ابری صفحات پر محمد ریاض صاحب کی دلکش خطاطی میں پیش کیے جا رہے ہیں۔

لغت لغت میں مشکل الفاظ کے معنٰی کے علاوہ انوار العلوم میں تحریر شدہ مقامات' واقعات' شخصیات اور اصطلاحات کی مختصر تعریف وتشریح بھی دی جارہی ہے۔انوار العلوم بنیادی طور پر میرے جیسے کم فہم افراد کیلئے ہے۔تو یہ لغت بھی اسی طبقہ کی آسانی کیلئے ہے کیونکہ اہل علم حضرات تو لغت میں موجود تمام مواد کے ظاہری و باطنی مطالب سے بخوبی آگاہ ہیں۔

ظاہری تزئین و آرائش الفاظ کی موٹائی میں پہلے کی نسبت تھوڑا اضافہ کیا گیا ہے۔آفاقی (نیلے) رنگ کا خوبصورت آنکھوں کو بھلا محسوس ہوتا پھولدار حاشیہ موجود ہے۔رنگین صفحات کی تعداد پہلے سے 10 گنا زیادہ ہے۔رنگ بکھیرتے رنگین صفحات پر علم وحکمت کے موتی بکھر رہے ہیں۔

انوار العلوم کے تمام مراحل میں پس پردہ رہنے والوں اپنے تمام خیر خواہوں کا شکریہ ادا کرنا چاہوں گا۔

خصوصاً اپنے بزرگ برادر طریقت' حضرت قبلہ کے مخلص ومحبّ مرید محترم محمد رشید ظفر امیری صاحب کا شکریہ ادا کرنا چاہوں گا۔آپ گزشتہ چار سالوں سے انوار العلوم کے اس ڈیلکس ایڈیشن کیلئے فنی' عملی' مالی اور اخلاقی معاونت کرتے چلے آرہے ہیں۔آپ فارسی زبان وادب پر عبور رکھتے ہیں۔

اُردو کمپیوٹر کمپوزنگ کے ماہر اور نہایت نفیس انسان محترم مخدوم قاسم شاہد صاحب کی محبتوں کا شکریہ۔

کمپیوٹر گرافکس کے ماہر محترم عظمت علی جنہوں نے ڈیلکس ایڈیشن میں موجود ریاض صاحب کی خطاطی کی Setting کی ان کا خاص الخاص شکریہ۔ان کے تخلیقی ذہن' محنت' لگن اور لاابالی پن کو دیکھتے ہوئے یہی کہا جاسکتا ہے کہ وہ ایک جینوئن آرٹسٹ ہیں۔اگر ان کی طبیعت میں لاابالی پن نہ ہوتا تو وہ ایک اچھے پروفیشنل گرافک ڈیزائنر ہوتے۔ان میں موجود کسر نفسی اور دنیا کی دوڑ میں آگے نہ بڑھنے کے درویشی رویے نے ان کو حقیقی آرٹسٹوں کی صف میں لاکھڑا کیا ہے۔

پنجاب یونیورسٹی (Institute of Business Administration Lahore) کے زمانہ طالبعلمی سے اب تک کے بے لوث' مخلص دوست وکرم فرما عمران بشیر المعروف IB کا شکریہ۔انوار العلوم کے پہلے ایڈیشن سے ڈیلکس ایڈیشن تک کتاب کا ٹائٹل وکلر پرنٹنگ ہمیشہ انہی کی ذمہ داری رہی اور وہ اسے مجھ سے کہیں بہتر واحسن طریقے سے نبھا رہے ہیں۔

لَا تُزِغْ قَلْبًا هَدَيْتَ بِالْكَرَمْ
میرے دل کو بگڑنے نہ دے اپنے کرم سے ہدایت دے

وَاصْرِفِ السُّوءَ الَّذِیْ خَطَّ الْقَلَمْ
اور اُس بُرائی کو پھیر دے جو قلم نے لکھ دی ہے

پنجابی کی ایک ضرب المثل ہے۔ ''اگ لین گئی تے گھر والی بن کے بہ گئی (آگ لینے گئی تھی اور گھر کی مالک بن گئی)۔ کچھ ایسا ہی معاملہ میرے اور بھائی جان شاہد حمید صاحب (فائن بک پرنٹرز) کے مابین ہوا۔ ان سے میرا تعارف انوارالعلوم کے پہلے ایڈیشن کی طباعت کے موقع پر ہوا۔ جب پہلا ایڈیشن ان کے پریس سے چھپوایا تو پرنٹنگ کا Technical knowlege نہ ہونے کے برابر تھا۔ انہوں نے ہر طرح کی Technical support دی۔ پرنٹنگ اور بائنڈنگ کے بل کے بقایاجات جو کہ اچھی خاصی رقم تھی وصول کیے بغیر کتاب میرے حوالے کردی۔ کہنے لگے جب پیسے ہوں تو دے جانا۔ ایڈریس دینا چاہا تو کہا کہ اگر یہ لے لوں تو پھر اعتبار کیسا۔ میں نے کہا کہ اعتبار تو ہونا چاہیے لیکن اندھادھند نہیں۔ فرمانے لگے اعتبار وہی ہے۔ خیر اس کے بعد سے انوارالعلوم کا ہر ایڈیشن ان کے پریس سے چھپا۔ ان کی محبت ہر ایڈیشن کے معیار سے عیاں ہے۔ میرے ان سے تعلقات کاروباری حدود کو کہیں پیچھے چھوڑ کر قریبی خاندانی تعلقات میں تبدیل ہو چکے ہیں بلکہ میرے اور ان سے زیادہ میرے بیوی بچوں کے ان کے بیوی بچوں سے تعلقات قائم ہیں۔

اپنی والدہ محترمہ کا شکریہ ادا کرنا چاہوں گا، شکریہ نہیں صرف یہ کہنا چاہوں گا:

امّی جی! آپ دُنیا کی سب سے اچھی ماں ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں یہاں اور وہاں ہمیشہ ہمیشہ آپ کی دُعاؤں کے حصار میں رکھے۔

آخر میں وہ بات جو کہ دل و دماغ پر روزِ اول سے نقش ہے۔ حد درجہ شکر گزار و ممنونِ احسان ہوں اپنے آقائے نعمت کا کہ انہوں نے انوارالعلوم کے دینی، دنیاوی و روحانی ہر اعتبار سے عظیم پراجیکٹ کو میرے ذریعے سے مکمل کروایا۔ یہ ان کی مجھ پر اللہ واسطے خصوصی شفقت و عنایت ہے۔ یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ ہر مرد و زن اپنے باطنی حالات کو دوسروں سے بہت بہتر جانتے ہیں جب میں اپنے اندر جھانکتا ہوں اور حضرت قبلہ کی شفقتوں اور عنایات کو دیکھتا ہوں تو بے ساختہ دل و زبان پر یہ کلام آتا ہے:

ماڑیاں نوُں سینے لایا مہربانی سوہنیا
گھر بُلا کے خیر پایا مہربانی سوہنیا
جان دے ہوسیاں وِی شاہا میرے ہر ہر عیب نوُں
فیر وِی سب تے پُردہ پایا مہربانی سوہنیا

اپنے آقائے نعمت کی شفقتوں کا اُمیدوار
محمد اظہر سُبحانی

مئی 2013 (بر موقع طبع 14 ڈیلکس ایڈیشن)

بگذراں از جانِ ما سُوءَ القضَا
بُری تقدیر کو ہماری جان سے ٹال دے

وا مبر ما را ز اخوانِ الصَّفا
ہمیں اہل اللہ سے جدا نہ کر

تعارفِ کتب و صاحبِ کتب

'انوار العلوم' حضرت مولانا جلال الدین محمد رومی ﷫ کے نغمۂ معرفت یعنی مثنوی المعروف مثنوی مولوی معنوی ﷫ کا بلیغ اُردو ترجمہ ہے۔ اس ترجمہ کی خوبیاں اور اِس کے موثرات بیان کرنے سے پہلے میں یہ ضروری سمجھتا ہوں کہ صاحب ترجمہ کی شخصیت اور اُن کی بلند پایہ تصنیف کے پس منظر پر بھی روشنی ڈالی جائے۔

قبلہ مُحمد عالم امیری مدظلہ

پیکرِ لطف وعطا' محرم رموزِ عشق' شمع بزمِ ابراراں' سپہ سالارِ احراراں' حاملِ صدق و صفاء' فنا فی الذاتِ الشیخ' سیّدی و مرشدی حضرت الشیخ قبلہ محمد عالم امیری دامت برکاتہم ہندوستان کے شہر فیروز پور سے ملحقہ بستی رحمان تہاڑیہ میں دو ستمبر اُنیس سو اٹھائیس 02-09-1928 کو پیدا ہوئے۔ آپ کا تعلق ارائیں گھرانے سے ہے اور آپ کے آباؤ اجداد کاشتکاری کیا کرتے تھے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم فیروز پور ہی میں حاصل کی۔ 1947ء میں جب پاکستان معرضِ وجود میں آیا تو وہاں سے ہجرت کر کے پاکستان میں صدر چھاؤنی لاہور تشریف لے آئے۔ آپ نے اپنی بقیہ تعلیم لاہور ہی میں مکمل کی۔ آپ نے ایک اُستادِ محترم کی حیثیت سے نونہالانِ قوم کو زیورِ تعلیم سے آراستہ کیا اور 28 اگست 1987ء کو آپ محکمہ تعلیم سے ریٹائرڈ ہوئے۔

آپ کا سِلسلہ عالیہ سے تعارف

ابتداء میں آپ بسلسلہ روزگار ایبٹ آباد میں مقیم تھے۔ وہاں پر آپ کی ملاقات امیرالاولیاء حضرت سیّدنا خواجہ محمد امیر الدین ﷫ کے ایک مرید صوفی فضل کریم صاحب سے ہوئی۔ بقول قبلہ محمد عالم امیری مدظلہ' صوفی صاحب اپنے مرشد سے کمال درجے کی محبت و نسبت رکھنے والے اور انتہاء درجہ کی عبادت و ریاضت کرنے والے درویش تھے۔ آپ فرماتے ہیں: اُس زمانے میں جو کہ میری جوانی کا زمانہ تھا میں رُوحانیت یا تصوف تو درکنار مذہب سے بھی عملاً نا آشنا تھا۔ آزاد خیال و آزاد منش انسان تھا۔ ایک دن میرا ایک دوست مجھے صوفی صاحب کی محفل میں لے گیا۔ وہاں میں نے دیکھا کہ اُن کے مریدین پاس انفاس کے طریقہ سے ذکر نفی و اثبات کر رہے تھے اور سب کی حالت غیر تھی۔ کوئی لوٹ پوٹ ہو کر ''اللہ اللہ'' کے نعرے لگا رہا ہے اور کوئی ہوش و حواس سے بیگانہ وجدانی کیفیت میں ہے تو کوئی زار و قطار رو رہا ہے۔ میرے

کاے خداوندِ کریم بُرد بار	دہ امانم زیں دو شاخہ اختیار
اے حلیم اور کریم خداوند!	اختیار کے دوراہے سے مجھے امان دیجئے

لئے تو یہ سب کچھ ہی عقل وفہم سے ماوراء تھا۔ محفل کے بعد میں نے تعجب سے صوفی صاحب سے دریافت کیا کہ حضرت یہ سب کیا تھا؟ اُنہوں نے فرمایا: ''اللہ اللہ'' ہو رہی تھی۔ میں نے کہا: حضرت ''اللہ اللہ'' کرنے کا یہ طریقہ نہ سنا نہ دیکھا۔ بھلا یہ کیا طریقہ ہوا؟ تو اُنہوں نے فرمایا کہ آئندہ ہونے والی محفل میں آنا پھر بتاؤں گا۔

جب اُن کے ہاں دوبارہ محفل ہوئی تو میرا دوست مجھے پھر وہاں لے گیا۔ تو دورانِ محفل جیسے ہی اُنہوں نے مجھے ذکر کروایا اور توجہ دی تو پھر مجھے کچھ ہوش نہ رہا۔ جب ہوش آیا تو بستر پر موجود تھا۔ کپڑے جگہ جگہ سے پھٹ چکے تھے۔ جسم کا انگ انگ ٹوٹ رہا تھا' جابجا رگڑوں کے نشانات تھے۔ میں پھر سو گیا اور جب میں دوبارہ مکمل طور پر ہوش وحواس میں آیا تو مجھے پتا چلا کہ میں محفل کے بعد نہ صرف ساری رات اور اُس سے اگلا دن بلکہ اگلی رات بھی سوتا رہا۔ بس پھر اُن سے نسبت قائم ہوگئی۔ اُس محفل کے کچھ ہی عرصہ بعد صوفی فضل کریم صاحب کے پیرومرشد حضرت سیّدنا خواجہ محمد امیر الدین رحمۃ اللہ علیہ ایبٹ آباد تشریف لائے۔ جب قبلہ محمد عالم امیری مدظلہ کی اُن سے ملاقات ہوئی تو اُنہوں نے آپ کو فیصل آباد اپنے آستانہ عالیہ پر حاضر ہونے کا فرمایا۔

حضرت سیّدنا خواجہ محمد امیر الدینؒ کے دستِ حق پر بیعت

حضرت سیّدنا خواجہ محمد امیر الدین رحمۃ اللہ علیہ اپنے شیخ پیرومرشد سیّدنا ہادی علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کا سالانہ عرس مبارک ۲۷ رجب کو اپنے آستانہ عالیہ پر منعقد کرواتے تھے۔ لہٰذا ۱۹۶۰ء کو قبلہ محمد عالم امیری مدظلہ عرس کی تقریب میں شریک ہوئے اور حضرت سیّدنا خواجہ محمد امیر الدین رحمۃ اللہ علیہ کے دستِ حق پر بیعت ہونے کی سعادت حاصل کی۔

عطائے خلافت واجازت

اس کے چار سال بعد ۱۹۶۴ء کو آپ کو سالانہ عرس مبارک امام الاولیاء حضرت سیّدنا ہادی علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ پر مرشدِ کامل حضرت سیّدنا خواجہ محمد امیر الدین رحمۃ اللہ علیہ نے کمالِ رحمت فرماتے ہوئے خلافت واجازت سے نواز دیا۔ اس طرح سے میرے پیرومرشد قبلہ محمد عالم امیری مدظلہ سے سلسلہ عالیہ قادریہ چشتیہ ابوالعلائیہ جہانگیریہ شکوریہ امیریہ کے فیض کا سلسلہ جاری ہوا۔

آپ کی اپنے حضرت قبلہ سے محبت وعقیدت

حضرت سیّدنا خواجہ محمد امیر الدین رحمۃ اللہ علیہ کے دستِ حق پر بیعت کرنے کے بعد ابتدائی ایام ہی سے سیّدی ومرشدی قبلہ محمد عالم امیری مدظلہ پر ذوق وشوق، کیف ومستی اور وجدانی کیفیات کا غلبہ طاری ہو گیا تھا۔ شب و

یاکریمُ العفو ستّارُ العیوب　　انتقام از ما مکش اندر ذُنُوب
اے معافی کے داتا، عیبوں کی پردہ پوشی کرنیوالے　　گناہوں کا ہم سے بدلہ نہ لے

روز محبت وعقیدت کے دریا میں غوطہ زن رہتے۔ شیخِ طریقت کی محبت قلب و روح پر اس انداز سے چھائی رہتی کہ اُٹھتے بیٹھتے اُنہی کا ذکرِ خیر کرتے رہتے تھے۔ دوست واحباب میں اِس انداز سے شیخ کی محبت وعظمت کا اظہار کرتے کہ اُن میں امیر الاولیاء حضرت سیّدنا خواجہ محمد امیر الدین رحمۃ اللہ علیہ سے ملنے کی تمنا پیدا ہو جاتی اور جب ملتے تو غلامی اختیار کئے بغیر نہ رہ سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے بہت سے پیر بھائی آپ ہی کی وساطت سے حلقہ ارادت امیر الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ میں آئے۔ اپنی اُن کیفیات کے متعلق آپ فرماتے ہیں۔

منوّر و مُعطّر ہے فضا اِس دل کی اے عالم
کہ آ بیٹھا ہے جس دن سے وہ رشکِ مہر و مہ دل میں

آپ کی اپنے شیخ پیر ومرشد سے محبت وعقیدت کا ایک بہت ہی خوبصورت واقعہ قبلہ محمد عالم امیری مدظلہ کے الفاظ میں کچھ اس طرح سے ہے کہ ''ایک دن میرے ایک پیر بھائی نے مجھے اطلاع دی کہ حضرت سیّدنا خواجہ محمد امیر الدین رحمۃ اللہ علیہ لاہور تشریف لائے ہیں۔ یہ سکول میں گرمیوں کی چھٹیوں کے دن تھے۔ میں نے گھر والوں کو بتایا کہ میں حضرت قبلہ کی زیارت کو جا رہا ہوں اور کل آ جاؤں گا۔ گھر سے نکلتے وقت میری زوجہ نے مجھے کہا کہ گھر میں چولہے وغیرہ کے استعمال کے لیے مٹی کا تیل ختم ہونے کو ہے۔ بمشکل آج کے دن کا گزارہ ہو گا۔ میں نے کہا کہ ابھی تو میں حضرت کی زیارت کے لیے جاتا ہوں' کل واپسی پر مٹی کا تیل لیتا آؤں گا۔ یہ ہفتہ کا دن تھا۔ جب میں حضرت کی خدمت میں پہنچا تو شب و روز حضرت قبلہ کی صحبت اور ذکر وفکر کی محافل میں گزرنے لگے۔ ہفتہ کے بعد اتوار' پیر اور منگل کا دن بھی گزر گیا۔ گھر سے آئے پانچویں روز یعنی بدھ والے دن دوپہر کے وقت میں ایک چارپائی پر لیٹا ہوا تھا۔ میرے برابر والی چارپائی پر میرے پیر بھائی اختر سدیدی صاحب تھے (وہ ابھی نئے نئے داخل سلسلہ ہوئے تھے) ہم دونوں ذوق وشوق کی گفتگو کر رہے تھے کہ اچانک مجھے یہ یاد آیا کہ میں نے گھر سے نکلتے وقت اپنی زوجہ سے کہا تھا کہ میں کل واپس آ جاؤں گا اور آتے وقت مٹی کا تیل بھی لیتا آؤں گا جبکہ آج پانچواں روز ہے۔ گھر واپس لوٹنا یا مٹی کا تیل لے جانا تو درکنار مجھے تو ان پانچ دنوں میں یہ خیال تک بھی نہ رہا کہ میرا کوئی گھر بار بھی ہے۔ بس یہ خیال آتے ہی میری ایسی بے ساختہ ہنسی چھوٹی کہ اختر سدیدی صاحب تعجب سے میری طرف دیکھنے لگے کہ گفتگو میں تو ہنسی والی کوئی بات ہوئی ہی نہیں تو پھر ان کو کیا ہوا۔ اُن کے استفسار پر جب میں نے اُن کو یہ سب ماجرا سنایا تو وہ بھی بہت محظوظ ہوئے کہ عشق میں انسان کس طرح اپنی سدھ بدھ کھو بیٹھتا ہے۔

رات کو انہوں نے یہ سب حضرت سیّدنا خواجہ محمد امیر الدین ﷫ کی خدمت میں گوش گذار کیا تو حضرت قبلہ بھی یہ سن کر بہت محظوظ ہوئے اور ہنستے ہوئے کہا کہ میاں یہ سب عشق کی کارستانیاں ہیں میرے ساتھ بھی ایک ایسا ہی واقعہ پیش آ چکا ہے کہ میری زوجہ نے مجھے سبزی والی دکان سے آلو لانے کو کہا۔ جب دکان پر پہنچ کر میں نے جیب سے پیسے نکالے تو پیسے دیکھ کر مجھے یہ خیال آیا کہ جیب میں کرایہ تو ہے۔ تو کیوں نہ اپنے پیر و مرشد حضرت سیّدنا ہادی علی شاہ ﷫ کی زیارت کا سفر کیا جائے۔ اب مجھے یہ بھی بھول گیا کہ میں گھر سے سبزی لینے نکلا ہوں۔ میں ریلوے اسٹیشن پہنچا اور جالندھر سے کانپور شریف کی جانب سفر شروع کیا۔ کانپور شریف میں اپنے حضرت کی خدمت میں پہنچنے کے کئی دن بعد مجھے یہ خیال آیا کہ میں تو گھر سے آلو لینے نکلا تھا۔

1969ء میں حضرت قبلہ کے چھوٹے بھائی محترم شکور عالم صاحب نے آپ کو P.I.A کی ایک ڈائری گفٹ کی۔ آپ اُس میں اپنے پسندیدہ کلام تحریر کرنے لگے۔ اُسکے پہلے صفحے پر آپ نے اپنے پیر و مرشد کا اسمِ گرامی جن الفاظ میں تحریر کیا ہے۔ وہ آپ کی اپنے پیر و مرشد سے عقیدت و محبت کا ایک عمدہ نمونہ ہے۔ اہلِ ذوق حضرات کے لیے وہ تحریر من و عن پیش کی جا رہی ہے۔

کاپی نعت

محمد عالم امیری

بندۂ حقیر ترین بارگاہِ سرتاج الاولیا۔ امیرِ کل
مکینِ دلِ عاشقاں۔ حامی و ناصرِ مذنباں
تسکینِ دلِ شکستگاں۔ عشقِ الٰہی کے روحِ رواں
ملجانا و ماوانا۔ مرشدنا و ہادی نا۔
حضرت مولانا محمد امیر الدین صاحب قبلۂ عالم
ہادی۔ تنویری۔ ابو العلائی۔ جہانگیری
قدس اللہ سرہٗ العزیز۔

دست گیر از دستِ ما مارا بخر　　پردہ را بردار و پردہ ما مدر
اے ہمارے دستگیر ہمیں ہم سے خرید لے　　پردے کو اُٹھا دے اور ہماری پردہ دری نہ کر

حضرت سیّدنا خواجہ محمد امیر الدین ﷫ جب بھی لاہور تشریف لاتے تو اُن کا قیام اکثر قبلہ محمد عالم امیری مدظلہٗ کے ہاں ہوتا۔ محافل درود وسلام اور سماع کا انعقاد کثرت سے ہوتا۔ ذوق وشوق کی دنیا آباد رہتی۔ گویا کہ آپ کا گھر رُوحانی درس گاہ بن گیا۔ بندگانِ خدا مستفیض ہوتے۔ پیر بھائی اور سلسلہ کے دیگر متعلقین آ کر ذوق وشوق کی پیاس بجھاتے۔

امیر الاولیاء حضرت سیّدنا خواجہ محمد امیر الدین ﷫ اپنے مخلص خدام اور رُوحانی فرزندوں کو داغِ مفارقت دے کر ۲۱ جون ۱۹۶۸ء بمطابق ۲۴ ربیع الاول ۱۳۸۸ھ بروز جمعۃ المبارک کو واصل باللہ ہوئے۔ اُن کے ذکرِ خیر پر مشتمل ایک مختصر مگر جامع مضمون اس ایڈیشن میں شاملِ اشاعت کیا جا رہا ہے۔

ظاہراً سیدی ومرشدی قبلہ محمد عالم امیری مدظلہٗ نے ۱۹۶۰ء سے لے کر ۱۹۶۸ء تک یعنی تقریباً صرف سات آٹھ سال کا قلیل عرصہ اپنے مرشد کی صحبت میں گزارا لیکن یہ مختصر سا عرصہ آپ کی زندگی پر اپنے شیخ پیر ومرشد کی محبت کے انمٹ نقوش چھوڑ گیا۔ آپ کی اپنے شیخ پیر ومرشد سے محبت اور لگاؤ میں کوئی کمی واقع نہ ہوئی بلکہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ محبت اور لگن بڑھتی جا رہی ہے۔

وہی آبلے ہیں وہی جلن کوئی سوزِ دل میں کمی نہیں
جو آگ تم تھے لگا گئے وہ لگی ہوئی ہے بجھی نہیں

آج جب کہ حضرت سیدنا خواجہ محمد امیر الدین ﷫ کو ظاہراً ہم سے جدا ہوئے چالیس سال سے زیادہ کا عرصہ ہونے کو ہے۔ سیّدی ومرشدی قبلہ محمد عالم امیری مدظلہٗ کی یادداشتوں میں اپنے شیخ پیر ومرشد کے ساتھ بتایا گیا ایک ایک لمحہ ہر ہر جزئیات وکلیات کے ساتھ تر وتازہ ہے۔ آپ اپنے پیر ومرشد کو "میرے حضرت" یا "ہمارے حضرت" کہہ کر یاد فرماتے ہیں۔ آپ کی ذوق وشوق کی کوئی بات اپنے حضرت کے تذکرے کے بغیر مکمل نہیں ہوتی۔ جب بھی آپ اُن کا تذکرہ چھیڑتے ہیں تو ایسا واضح طور پر محسوس ہوتا ہے کہ آپ اُس وقت میں جا پہنچے ہیں اور رواں تبصرہ سُنا رہے ہیں۔ جب بھی آپ اپنے حضرت کا ذکرِ خیر فرماتے ہیں تو آپ پر ایک سرمستی کی سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ اپنے شیخ پیر ومرشد کی محبت کی وارفتگی آپ پر چھائی رہتی ہے۔ بلاشبہ یہ آپ پر آپ کے مرشدِ کامل کی توجہِ خاص کا نتیجہ ہے۔ آپ فرماتے ہیں؎

الٰہی درد اُن کا رکھ یونہی دِل میں مرے قائم
سدا دیکھا کروں بیٹھا ہوا ماہِ لقا دل میں

باز خر ما را ازیں نفسِ پلید
اس ناپاک نفس سے ہمیں خرید لے

کارد ش تا استخوانِ ما رسید
کیونکہ اسکی چھری تو ہماری ہڈیوں تک پہنچ گئی ہے

آپ جب بھی اپنے حضرت کا تذکرہ کرتے ہیں تو بہت احتیاط اور مناسب و خوبصورت الفاظ میں اس طرح سے کرتے ہیں کہ جیسے شراب طہوراً کے جام شیشے کے آبگینے اور کانچ کے نازک برتن میں بہت احتیاط سے رکھ رہے ہوں کہ مبادا ذرا سی بے احتیاطی سے ان نازک آبگینوں کو ٹھیس پہنچ سکتی ہو۔

آپ فرماتے ہیں کہ میرے حضرت نہایت نفیس طبع اور سادہ انسان تھے۔ اُن کے لباس، گفتگو، اُٹھنے بیٹھنے اور کھانے پینے کے طریقوں سے ہی اُن کی سادگی اور نفاست کا اظہار ہوتا تھا۔ امیر الاولیاء اکثر فرمایا کرتے تھے کہ "عالم میاں! ہتھیلی پر چراغ لے کر بھی سارے زمانے میں پھرو گے تو میرے پیر جیسی نسبت کہیں نہ ملے گی"۔

قبلہ محمد عالم امیری مدظلہ نے اپنے شیخ پیر و مرشد کی حیاتِ مبارکہ میں کسی کو داخلِ سلسلہ نہ فرمایا کیونکہ آپ اس کو خلافِ ادب سمجھتے تھے۔ جب آپ کے پیر و مرشد کی آپ سے ظاہراً جدائی ہوگئی تو آپ اِس جدائی میں اس قدر کھو گئے کہ ایک عرصہ تک اپنا سلسلہ طریقت جاری نہ فرمایا۔ آخر کار آپ نے اپنے برادرانِ طریقت کے پُر زور اصرار پر لوگوں کو داخل سلسلہ کرنا شروع کیا۔ مگر پھر بھی زیادہ سے زیادہ مرید کرنے کا شوق نہ کبھی آپ کو تھا اور نہ ہے۔

سیّدی و مرشدی قبلہ محمد عالم امیری مدظلہ ظاہری و باطنی طور پر اپنے شیخ پیر و مرشد کا کامل نمونہ ہیں۔ حضرت سیّدنا خواجہ محمد امیر الدین رحمۃ اللہ علیہ کی غلامی میں آنے کے بعد آپ کی بود و باش ہی بدل گئی۔ آپ کے پیر و مرشد نے آپ کو اپنے رنگ میں رنگنا شروع کر دیا اور آپ نے بھی اپنے آپ کو اپنے پیر و مرشد کے حوالے کر دیا۔ اب آپ کی ظاہری شکل و شباہت بھی آپ کے شیخ پیر و مرشد کا رنگ اختیار کر گئی ہے۔ آپ کے برادرانِ طریقت کو آپ میں اور آپ کے حضرت میں کوئی فرق نظر نہیں آتا۔ آپ کا اندازِ گفتگو، اندازِ تبسم، اُٹھنے بیٹھنے چلنے کا انداز آپ کے حضرت کا رنگ لیے ہوئے ہے۔

۱۹۹۱ء میں امام الاولیاء حضرت سیّدنا محمد ہادی علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے سجادہ نشین حضرت قبلہ مصطفیٰ میاں مدظلہ کانپور شریف سے پاکستان تشریف لائے اور سالانہ عرس مبارک شیخ العارفین حضرت سیّدنا الشاہ مخلص الرحمان جہانگیر رحمۃ اللہ علیہ میں شرکت کی۔ دورانِ محفل آپ بار بار سیّدی و مرشدی قبلہ محمد عالم امیری مدظلہ کی طرف دیکھتے اور فرماتے کہ "آپ تو بھائی امیر الدین کی مکمل تصویر ہیں۔ مجھے تو آپ وہی لگتے ہیں، بالکل فرق نہیں"۔ خوشی میں بار بار یہی الفاظ دُہراتے رہے۔

شوکت وہی صولت وہی دستور وہی ہے
نقشہ وہی انداز وہی نُور وہی ہے

آپ کے اخلاقِ حسنہ

سلسلہ عالیہ میں آنے اور علم باطن کے مطالعہ سے آپ کی قابلیت بہت فزوں تر ہو گئی۔ آپ طریقت کی باریکیاں اہل علم یا پڑھے لکھے لوگوں کو بہت احسن طریقے سے سمجھا دیتے ہیں۔ سیدی و مرشدی قبلہ محمد عالم امیری مدظلہ ہر عمر اور ہر شعبہ کے لوگوں سے اُن کے مزاج اور معیار کے مطابق گفتگو کرتے ہیں۔

آپ روایتی پیروں، فقیروں سے بہت ہٹ کر ہیں۔ عفوو درگذر، رواداری اور عاجزی کا سبق تو سبھی لوگ دیتے ہیں مگر جب کبھی کبھار ان الفاظ پر عملی جامہ پہنانے کی بات آتی ہے تو یہ الفاظ خود شرمندہ ہو جاتے ہیں۔ آپ بہت ہی ملنسار و خوش اخلاق ہیں۔ آپ سے ملنے والا ہر خاص و عام آپ کے حُسنِ خلق سے بہت متاثر ہوتا ہے۔ عاجزی وانکساری بہت زیادہ ہے مگر ایک پُر وقار انداز لیے ہوئے۔ آپ کی انکساری کا یہ عالم ہے کہ ایک وسیع اور بڑا سلسلہ رکھنے کے باوجود اپنے آپ کو پیر نہیں سمجھتے۔ آپ فرماتے ہیں کہ ہم تو صرف اپنے پیر و مرشد کے احکام کی بجا آوری کرتے ہیں۔ میرے شیخ ہی سب کچھ ہیں، یہ سب میرے شیخ کا تصرف ہے ورنہ ہماری کیا حیثیت ہے۔

حضرت کو یوں تو ہر بات کا علم ہے مگر وہ یہ نہیں جانتے کہ وہ ایک پیر اور شیخ ہیں اور نہ ہی اُنہوں نے کبھی پیروں والا رویہ اپنایا۔ آپ تمام اہلِ سلسلہ کو اپنے بچوں کی طرح عزیز رکھتے ہیں اور اُن سب کے دکھ درد میں شریک ہوتے ہیں۔ عاجزی اور انکساری ایسی ہے کہ اپنے پیر بھائیوں کی دست بوسی وقدم بوسی کرنے میں پہل کرتے ہیں۔ آپ کے پیر بھائی بھی آپ سے بہت محبت رکھتے ہیں اور آپ سے حد درجہ عقیدت واحترام سے پیش آتے ہیں اور اُن کی بھی یہی کوشش ہوتی ہے کہ وہ آپ کی دست بوسی وقدم بوسی میں پہل کریں۔

اگر میں عقیدت کی عینک اُتار کر بھی دیکھتا ہوں تو سیدی و مرشدی قبلہ محمد عالم امیری مدظلہ کی زندگی عفوو درگذر اور رواداری کا بہترین نمونہ ہے۔ اپنے بڑے سے بڑے مخالف کی بھی خطاؤں کو درگزر کیا' نہ صرف درگذر کیا بلکہ ہمیشہ صلہ رحمی سے کام لیا۔ اگر کبھی کسی نے بتایا کہ فلاں شخص جس پر آپ کے بے انتہا احسانات ہیں اُس نے آپ کے بارے میں منفی باتیں کی ہیں تو ہنس کر کہا کہ مجھ میں کوئی عیب تو ہوگا جبھی تو وہ ایسا کہہ رہا ہے اور جب کبھی ایسی منفی بات کرنے والے نے بعد میں ندامت و پشیمانی کا اظہار کیا تو اُس کو شرمندگی سے بچانے کے لئے یہ کہہ کر بات ختم کر ڈالی کہ "کوئی بات نہیں یہ سب زندگی کا حصہ ہے چھوڑو اس بات کو"۔ بقول برادر طریقت شہباز سعید صاحب "ہمارے حضرت بہت حلیم طبع فقیر ہیں"۔

سہو ونسیان را مُبدّل کُن بعلم میری بھُول جانے کی عادت کو علم میں	من ہمہ حِلم مرا کُن صبر و حِلم اور دُوسری بُری خصلتوں کو صبر اور بُردباری میں بدل دے

سلسلہ عالیہ کا کوئی رکن اگر اپنی کسی غلطی یا تقصیر کے سبب اپنے رُوحانی عہدہ سے معزول ہو جاتا ہے تو آپ کبھی بھی اُس کا تذکرہ حقارت سے نہیں کرتے ہیں بلکہ ہمیشہ بڑے دکھ بھرے الفاظ میں بتاتے ہیں کہ "یار بندہ تو بہت اچھا تھا اور اُس میں فلاں فلاں خوبیاں بھی تھیں مگر بس بے وقوفیاں کر گیا اور اپنے ہی پاؤں پر کلہاڑی مار بیٹھا۔ بس مشیت ایزدی میں کچھ ایسا ہی تھا"۔

تعمیری تنقید کے نام پر بدخوئی اور عیب جوئی آج ایک ایسا عمل بن گیا ہے کہ شاید ہی کوئی شخص اور کوئی محفل اس سے مبرا ہو۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے سیّدی و مرشدی سے کسی اور کا ایک عیب بیان کیا اور کہا کہ سب سے حیرت کی بات تو یہ ہے کہ وہ خود بھی اپنے اِس عیب سے واقف نہیں۔ تو اِس بات پر آپ نے فرمایا: "اگر اُس میں یہ عیب ہے اور آپ کہتے ہیں کہ وہ خود بھی اپنے عیب سے باخبر نہیں تو ذرا سوچئے کہ ہم دونوں میں کتنے ہی ایسے عیب ہوں گے کہ یا تو جن سے ہم بھی لاعلم ہوں گے یا شاید اُن کو اپنی خوبی سمجھتے ہوں۔ ہمیں ہمیشہ اپنے اندر کے عیبوں کی کھوج میں رہنا چاہئے اور جب ہم جان لیں کہ اب ہم بے عیب ہیں تو پھر ہمیں دوسروں کو انکے عیبوں سے مطلع کرنا چاہئے اور بے عیب تو صرف اللہ کریم کی پاک ذات ہی ہے"۔

سیّدی و مرشدی پر سماع میں ایک شعر پر اکثر وجدانی کیفیات کا ورود ہوتا ہے۔ وہ شعر کچھ اِس طرح سے ہے۔

عیباں گناہیاں گل لالے میرے ہادیا
تیری مَیں کہانی آں گل لالے میرے ہادیا

ذوقِ سماع

سیّدی و مرشدی سماع میں عشق و محبت والا کلام سننا پسند کرتے ہیں۔ قوالوں کو بھی ہمیشہ نسبتی کلام پڑھنے کی تلقین کرتے ہیں۔ فارسی و پنجابی کلام بہت شوق سے سنتے ہیں۔ اگر پڑھنے والا کہیں غلطی کر دے تو فوراً اُس کی تصحیح کرواتے ہیں کہ غلط ادائیگی الفاظ سے معنیٰ بدل جاتے ہیں۔ محفل سماع میں حضرت پر طاری ہونے والے حال کو دیکھ کر اکثر حاضرین محفل پر خود بھی وجد و حال اور گریہ طاری ہو جاتا ہے۔

پیکرِ عاجزی وانکساری

آپ اپنی زندگی کی کامیابیوں اور ناکامیوں کا تجزیہ کچھ اِس طرح سے کرتے ہیں کہ "میں نے تو وہ بہت ہی بے وقوفی والا فیصلہ کیا تھا لیکن میرے حضرت کی کچھ ایسی کرم نوازی ہوئی کہ میرا وہ صریحاً بے وقوفی والا فیصلہ میرے حق میں بہترین ہو گیا"۔

الحمد للہ مجھے سیّدی و مرشدی کے ہمراہ بارہا مرتبہ ۲ گھنٹے سے لیکر ۲ دن تک کے سفر کا موقع ملا۔ دن رات ساتھ رہنے کی

نے مشو نومید خود را شاد کُن
نہیں، نا اُمید نہ ہو اپنے آپ کو خوش رکھ

پیشِ آں فریادرس فریاد کُن
اُس فریاد سننے والے کے سامنے فریاد کر

سعادت میسر آئی اور اپنے پیرو مرشد کو مزید قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ حضرت کی سادگی، عاجزی اور اللہ پر توکل سے تو کبھی کبھی (دنیادار بندہ ہونے کی بنا پر) حیرت کے علاوہ الجھن سی ہونے لگتی ہے۔ اگر اچھی سے اچھی سواری ملی تو پھر بھی ''الحمدللہ'' اور اگر کبھی بغیر شیشوں کی لاری میں سیروں کے حساب سے مٹی کھانی پڑی تو پھر بھی کوئی شکوہ نہیں۔ کھانا بہت ہی پُرتکلف ہو یا سادہ دونوں صورتوں میں ''الحمدللہ''، رات کا کھانا کتنا ہی پُرتکلف کیوں نہ ہو اکثر و بیشتر اجتناب ہی برتتے ہیں مخملی بستر پر سوئے تو ''الحمدللہ'' اور اگر بان کی بُنی ہوئی ننگی چارپائی یا زمین پر بچھی دری پر سونا پڑا تو پھر بھی ''الحمدللہ''۔ آپ کی عادات واطوار میں اس قدر لچک دیکھ کر کبھی یوں غلط فہمی ہوتی ہے کہ شاید آپ کا کوئی فیصلہ بھی اپنا نہیں ہوتا۔ لیکن جہاں پر بات ہو اصولوں کی، سلسلہ کی عزت کی، حضرات کے احترام کی یا یوں کہہ لیجیے کہ حق و باطل کی تو پھر آپ کا فیصلہ دوٹوک ہوتا ہے اور اُس میں کسی قسم کی بحث یا لچک کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی بھلے اُس کا جو بھی نتیجہ نکلے۔ بقول علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزمِ حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن

سلسلہ عالیہ ابوالعلائیہ جہانگیریہ کے عظیم بزرگ فخر العارفین حضرت سیّدنا عبدالحیٔ شاہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''اللہ کے ولی کسی آدمی کا نام سُن کر اُن کے بارے میں سب کچھ جان لیتے ہیں''۔ اسی طرح سیّدی و مرشدی قبلہ محمد عالم امیری مدظلہ کے سامنے جب بھی کسی ایسے آدمی کا ذکر کیا جاتا ہے (سلام پیش کیا جاتا ہے یا دعا کی درخواست پیش کی جاتی ہے) کہ جس سے بظاہر آپ کی ملاقات نہیں ہوئی اور آپ اُس کے بارے میں ظاہری طور پر کچھ نہیں جانتے تو آپ عام طور پر پوچھا کرتے ہیں کہ اُس کا نام کیا ہے؟ جب آپ کو نام بتادیا جاتا ہے تو تھوڑی دیر کے لیے آپ خاموش ہو کر گردن جھکا لیتے ہیں۔ پہلے پہل تو اِس بات کا احساس نہ ہوا مگر جب ایسا عموماً ہونے لگا تو پھر فخر العارفین حضرت سیّدنا عبدالحیٔ شاہ رحمۃ اللہ علیہ کا وہ قول یاد آیا'' کہ اللہ کے ولی کسی کا نام سُن کر ہی سب کچھ جان لیتے ہیں''۔

آپ کی اپنے مُرشد کے مزارِ اقدس پر حاضری

سیّدی و مرشدی قبلہ محمد عالم امیری مدظلہ اپنے پیرو مرشد امیر الاولیاء حضرت سیّدنا خواجہ محمد امیر الدین رحمۃ اللہ علیہ کے دربار اقدس پر ایک خاص عقیدت اور محبت و سرشاری کی حالت میں حاضری دیتے ہیں۔ اُس کو الفاظ میں بیان کرنا بہت ہی مشکل ہے۔ البتہ اتنا ضرور کہوں گا آپ کی حاضری کو دیکھ کر دیکھنے والوں پر سرمستی طاری ہوجاتی ہے۔ آپ اپنے

حضرت کے دربار کے سجادہ نشین قبلہ سردار محمد امیری مدظلہ سے اس قدر عقیدت ومحبت سے ملتے ہیں کہ نئے لوگ یہی سمجھتے ہیں کہ شاید آپ اُن ہی سے بیعت ہیں۔ جب آپ سجادہ نشین صاحب کے جواں سال صاحبزادوں سے (جو کہ امیر الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے نواسے بھی ہیں) ملتے ہیں تو آپ اُن کے ماتھے اور گالوں کا بوسہ لے کر ایک طویل معانقہ کرتے ہیں۔ کبھی آبدیدہ ہوجاتے ہیں اور کبھی رقت طاری ہوجاتی ہے۔ اپنے حضرت کے نواسوں کو دیکھتے ہی آپ کی آنکھوں میں ایک خاص چمک اور چہرے پر رونق آجاتی ہے۔ وہ پاک ونیک طینت جوان آپ کو ماموں کہہ کر بہت محبت واحترام سے پکارتے ہیں۔ آپ اُن سب کا غائبانہ تذکرہ بہت عمدہ الفاظ میں کرتے ہیں۔

اگر سیّدی ومرشدی اور اُن کے مرشدِ گرامی کی زندگیوں کا سرسری یا گہرائی میں جاکر مشاہدہ یا تجزیہ کریں تو ان کی زندگیوں کا خلاصہ یا حاصلِ کلام علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے ایک ہی شعر میں بیان ہوسکتا ہے (جو کہ میرے پیر ومرشد کے پسندیدہ اشعار میں سے ایک ہے)

متاعِ بے بہا ہے درد و سوزِ آرزومندی
مقامِ بندگی دے کر نہ لوں شانِ خداوندی

آپ کے فرمودات

یہاں میں اپنے حضرت قبلہ کے ملفوظات میں سے چند ایک شاملِ اشاعت کرنا چاہوں گا۔ آپ فرماتے ہیں:

☆ عشقِ الٰہی اور عشقِ رسول کو دل میں قائم کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ ذکر ہے۔ جوں جوں انسان ذکر کو چے اوپر غالب کرتا چلا جائے گا۔ خود بخود قُربِ الٰہی کی لذت وکیفیات اپنے میں محسوس کرے گا۔ ذکر آہستہ آہستہ سانس سے ہٹ کر قلب کی ہر ضرب پر منطبق ہونا چاہئے۔ یہ صورت ذکر کے بعد مراقبہ اور محافلِ سماع سے حاصل ہوسکتی ہے۔ اللہ اللہ کرتے رہیں اور اپنے دل کی طرف باطنی نگاہ کیے رہیں۔ انشاء اللہ وقت آئے گا کہ شرابِ وصل کا جام عطا ہوگا۔ اس راہ کے اسرار ورموز آپ پر خود بخود ظاہر ہوجائیں گے۔

☆ جو پابندِ شریعت نہیں، وہ صاحبِ طریقت بھی نہیں۔ جو نماز ہم عادت کے طور پر پڑھتے ہیں اس نماز کا کیا فائدہ، جب تک دل نماز میں مشغول نہ ہو اس وقت تک نماز، نماز نہیں ہے۔ حدیث نبویؐ ہے کہ: ''بغیر حضوری قلب کے کوئی نماز نہیں ہوتی''۔

☆ قرآن پاک میں ہے کہ اللہ کا ذکر کثرت سے کرو۔ اب اگر پانچوں نمازوں کا وقت جمع کیا جائے تو زیادہ سے زیادہ دو گھنٹے بن جائے گا۔ اس طرح ذکر کی کثرت تو پوری نہ ہوئی۔ تو نماز کے علاوہ بھی ذکر و فکر میں مشغول رہنا چاہئے اور ذکر بھی ایسا جس میں ریاکاری کی گنجائش نہ ہو (یعنی ذکر نفی اثبات بطریقہ پاس انفاس)۔ سورۃ زمر میں ہے کہ "جب ان کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو اُن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور کھالیں نرم پڑ جاتی ہیں"۔ یہ میرے شیخ کا فیض ہے کہ میرے شیخ جب کسی کے قلب پر متوجہ ہوتے تو اُس کا قلب ذکر کرنے لگتا اور وہ بلا ارادہ ڈھاڑیں مار کر رونے لگتا۔

☆ ذکر اطمینانِ قلب کا اعلیٰ ترین ذریعہ ہے اور اس ذریعہ سے انسان قربِ الٰہی کے مختلف مراحل طے کرتا ہے۔ رہا یہ معاملہ کہ کوئی بات سامنے نہیں آ رہی تو یہ ایک واہمہ ہے۔ انسان جو لذت اور احساسِ قرب ذکر کے بعد محسوس کرتا ہے وہ بہت ہی قیمتی چیز ہے۔ یہ بات کیا کم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی یاد کی توفیق عطا فرمائی۔

☆ تصوف صرف اور صرف دردِ دل کا نام ہے۔ تصوف کو ایک علم کے طور پر جاننا کوئی خوبی نہیں بلکہ راہ سے ہٹانے والی چیز ہے۔ سارا مسئلہ یہ ہے کہ جو شاہ رگ سے نزدیک چھپا بیٹھا ہے اُس سے تعلق قائم کرنا ہے اور ایسا صرف اور صرف شیخ سے والہانہ محبت کے ذریعہ ہی ہو سکتا ہے۔ اس راہ میں اضطراب اور احساسِ بے چارگی اور درد و سوزِ آرزومندی ہی اصل متاع تصور کی جاتی ہے۔

☆ غمِ یار جو درد ہمیں عطا کرتا ہے اُس کے نتیجے میں اشک ہائے ندامت جاری ہو جاتے ہیں، تو یہی ہماری اصل دولت ہے اور سرمایۂ آخرت ہے۔ یہ سب کچھ ہمیں اپنے شیخ پیر و مرشد کی جوتیوں کے طفیل حاصل ہوتا ہے۔

☆ جب انسان یہ سمجھ لے کہ یہ سب کچھ کسی غیبی طاقت کی طرف سے ہو رہا ہے تو صرف اس وقت اس کا نفس بے جان ہوتا ہے۔ فکر اور ڈر اُس میں سے نکلنے لگتے ہیں۔ یہ کوئی فوری عمل نہیں ہے، بتدریج انسان میں واقع ہوتا ہے۔ جب سب کچھ اللہ تعالیٰ کی مرضی ہی سے ہوتا ہے تو پھر فکر کیسا۔ جو کچھ ہو رہا ہے یا جو ہو گا، بہتر ہی ہو گا۔

☆ جب انسان رضائے الٰہی کے تابع ہو جاتا ہے تو درحقیقت ذاتِ واحد کا پرستار بن جاتا ہے اور یہی توحید ہے۔ عقل اِس صورتحال کی دشمن ہے وہ ظاہری اسباب پر تکیہ کرتی ہے اور انسان کو پھنسا دیتی ہے۔ دراصل ہماری حیثیت ایسی ہی ہے جیسے سمندر میں ایک قطرے کی۔ وہ خود سمندر کا ایک حصہ ہوتے ہوئے بھی اپنی مرضی سے کوئی حرکت نہیں کر سکتا۔

☆ مراقبہ کی کیفیت میں سالک کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ خود کی نفی ہو جائے اور اپنے شیخ ہی کو اپنی جگہ حاضر

در عدم کے بُود مارا خود طلب	**بے سبب کردی عطاتے ہا عجب**
عدم میں کب ہمارا کچھ مطالبہ تھا	تُو نے بغیر مانگے عجیب نعمتیں عطا فرما دیں

سمجھے۔ مقصد یہ ہوتا ہے کہ ہر وقت قرب شیخ کا احساس دل پر غالب رہے۔

☆ تصور کسی تصویر کو ذہن میں فٹ کرنے کا نام نہیں۔ اپنے شیخ کے قریب ہونے کا احساس ہی دراصل اس راستے میں سالک کو آگے لے جاتا ہے۔

☆ آپ دیکھیں کیا آپ پر یہ اللہ تعالیٰ کی بے پایاں رحمت نہیں کہ آپ اپنی عبادات سے مطمئن نہیں ہیں۔ جس وقت انسان کو اپنے باطن کی گندگی کا احساس ہونے لگ جاتا ہے تو یہ بہت بڑی عنایت اور کرم کی بات ہوتی ہے۔

☆ ایک بات یاد رکھنے کی ہے کہ کوئی بھی روحانی مقام اپنی کوشش سے حاصل نہیں ہوتا۔ ایسا صرف اور صرف رحمتِ خداوندی سے حاصل ہوتا ہے۔ ہمارا فرض صرف اتنا ہوتا ہے کہ اپنے آپ کو زیادہ سے زیادہ حاضر رکھنے کی تگ ودو میں مصروف رہیں۔ کیونکہ ہمارے اختیار میں تو صرف یہی بات قابلِ ذکر ہے۔ اپنی ذات سے الگ ہوکر کسی کا تصور کرنے سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

☆ اللہ تعالیٰ جب چاہتا ہے اپنے قُرب کی لذت سے آشنا کر دیتا ہے۔ ہمارا کام تو اپنے آپ کو عاجزی کے کمترین درجے تک لے جانا ہے۔ جب انسان اپنے آپ کو بالکل بے بس پاتا ہے تو رحمت کا ظہور ہوتا ہے۔ ہمارا کام تو اپنے آپ کو پیش کرنا ہے۔ جب ہم اپنے پیرومرشد کے سامنے ایک حقیر تنکے کی طرح پیش ہوتے ہیں تو کرم ہو جاتا ہے۔

☆ یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ کوئی بھی رُوحانی مقام اپنی محنت یا کوشش سے حاصل نہیں ہوتا۔ یہ صرف اور صرف رحمتِ خداوندی سے ہی حاصل ہوتا ہے"۔

☆ آپ فرماتے ہیں کہ "تصوف صرف اور صرف دردِ دل کا نام ہے۔ تصوف کو ایک علم کے طور پر جاننا کوئی خوبی نہیں ہے بلکہ راہ سے ہٹانے والی سوچ ہے۔ اصل مقصد تو یہ ہے کہ جو شہ رگ سے بھی نزدیک چھپا بیٹھا ہے اُس سے تعلق قائم کیا جائے اور یہ شیخ سے والہانہ محبت کے ذریعہ ہی ممکن ہوسکتا ہے۔

آپ نے ساری زندگی لوگوں کو جوڑا ہی ہے۔ اگرچہ اس کام میں آپ کو بہت سی تلخیوں کا بھی سامنا کرنا پڑا۔ لیکن اب پتا چلتا ہے کہ آپ کی شروع ہی سے رواداری اور درگذر کرنے کی عادت کتنی زیادہ ٹھیک تھی۔ یہاں پر مجھے حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی ایک حکایت یاد آتی ہے کہ کسی عقیدت مند نے آپ کو تحفہ میں قینچی دی تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: یہ نہیں بلکہ سوئی دو۔ اُس نے عرض کیا کہ سرکار میں سوئی بھی لے آؤں گا۔ تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ فقیر کو سوئی اور قینچی

دونوں کی حاجت نہیں۔ قینچی کاٹتی ہے، سوئی جوڑتی ہے، بندہ اس وقت جس منصب پر فائز ہے اس کا تقاضا لوگوں کو جوڑنا ہے نا کہ کاٹنا۔ لہٰذا میں کوئی ایسی چیز کیسے قبول کرسکتا ہوں کہ جو کاٹنے والی یا الگ الگ کرنے والی ہو۔

خود نمائی و خود ستائی سے فرار

سیّدی و مرشدی کا خود نمائی اور خود ستائی سے فرار اور عاجزی اس درجہ کی ہے کہ کبھی کبھی تو حیرت ہونے لگتی ہے۔ جب اپنے مرید کا کسی سے تعارف کروانا پڑ جائے تو کہیں گے کہ یہ مجھ سے محبت رکھتا ہے یا کہ یہ میرے حضرت کے سلسلہ سے ہے۔ "انوار العلوم" کی طباعت کا جب آخری مرحلہ آیا تو میں نے پوچھا کہ حضرت! سرورق پر آپ کا نام کیا لکھا جائے؟ جواب ملا: "جو مناسب سمجھو لکھ دو"۔ میں نے آپ کے نام سے پہلے حضرت اور قبلہ کے القابات لکھ دیے۔ جب آپ نے دیکھا تو فرمایا: "میں آپ کے لئے تو حضرت اور قبلہ ہوسکتا ہوں مگر دیگر پڑھنے والوں پر تو یہ مسلط کرنے والی بات ہوگی"۔ پیرِ طریقت لکھنے سے بھی منع فرما دیا۔ تو پھر آخر کار میں نے ضد پکڑ لی کہ آپ کے نام سے پہلے صوفی لکھ دیتے ہیں۔ تو فرمانے لگے کہ "میں صوفی ہونے کا کس طرح خود سے دعویٰ کردوں۔ صوفیاء کرام رحمۃ اللہ علیہم کی فہرست میں تو بہت پاکیزہ ہستیوں کے اسمائے گرامی آتے ہیں۔ میں از خود اپنا نام اُس فہرست میں کس طرح سے لکھ یا لکھوا سکتا ہوں"۔

ایک طرف میرا اصرار اور دوسری طرف اُن کا پیار بھرا انکار۔ یہ بات میری عقل و سمجھ سے بالاتر تھی اور میرا دل و دماغ اس بات کو تسلیم کرنے کو تیار نہ تھے کہ میرے آقائے نعمت کا نام بغیر القاب کے سرورق پر چھپے۔ میں نے جان بوجھ کر اس معاملے کو لٹکائے رکھا۔ کیونکہ مجھے اُن کی شفقت پر مان تھا اس لئے اُمید تھی کہ حضرت کا دل پسیج جائے گا اور وہ ہماری اس معصوم خواہش کا احترام کرتے ہوئے کسی نہ کسی القاب کی منظوری دے دیں گے۔ آخر کار تقریباً تین ہفتے کی کشمکش کے بعد حضرت نے فرمایا کہ "میں تم کو قطعاً کسی قسم کے القابات لکھنے کی اجازت نہیں دیتا اور اگر آپ اپنی مرضی کرنا چاہتے ہیں تو پھر جو جی میں آتا ہے لکھ دیں"۔ بس پھر کیا تھا جب ہم نے مزاجِ یار میں یہ برہمی دیکھی تو فوراً عرض کیا کہ حضرت جو آپ فرماتے ہیں وہی ہمیں پسند ہے۔ تو پھر آپ نے اپنا نام محمد عالم امیری لکھنا پسند فرمایا اور اب آپ کی جن لوگوں سے پہچان 'انوار العلوم' کے حوالہ سے ہوئی وہ سب آپ کو امیری صاحب کہہ کر مخاطب کرتے ہیں۔ اب سوچتا ہوں کہ کسی بھی شخص کی اس سے بڑھ کر خوش قسمتی کیا ہوسکتی ہے کہ وہ اپنے محبوب کی نسبت سے پکارا جائے۔

اسی طرح کا معاملہ کتاب میں تصویر شامل کرنے پر بھی پیش آیا۔ یہ تصویر میں نے حضرت کی تقریباً لاعلمی ہی میں بنوائی

عیبِ کارِ نیک را منما بما
ہمیں اچھے کام میں کوئی عیب نہ دکھا

تا نگردیم از روشِ سرد و ہبا
تاکہ ہم اُس کی وجہ سے نیکیوں میں سست پڑ جائیں

تھی۔ آپ کا کہنا تھا کہ میں نے ایسا کونسا کارنامہ سرانجام دیا ہے کہ میری تصویر کتاب میں چھپے لیکن اِس معاملے کو میں نے اِس طرح سے سنبھالا کہ حضرت اپنے صاحبزادوں کے پاس امریکہ جانے والے تھے تو میں نے اُن سے عرض کیا کہ میں اِس کو ذمہ داری سے دیکھ لوں گا۔ تصویر شامل کرنے کا میرا مقصد صرف یہ تھا کہ میں لوگوں کو دکھا سکوں کہ اللہ کریم نے میرے مرشد پاک کو حُسنِ سیرت کے علاوہ حُسنِ صورت بھی عطا کیا ہے۔

حُلیہ مُبارک

آپ کا قد قدرے نکلتا ہوا۔ چہرہ بیضوی گولائی لیے ہوئے۔ آنکھیں بہت روشن اور گہری ہیں اور اُن میں ایک ٹھہراؤ اور سکون رہتا ہے۔ چہرے پر ایک دلفریب مسکراہٹ کھیلتی رہتی ہے۔ چال بہت پُر وقار، نپی تلی اور متوازن۔ لباس صاف ستھرا اور نفیس استعمال کرتے ہیں۔ عام طور پر شلوار کرتہ استعمال کرتے ہیں۔ موسم گرما اور محافل میں تہبند بھی استعمال کرتے ہیں۔ گرمیوں میں ٹھنڈی اور سردیوں میں گرم واسکٹ استعمال فرماتے ہیں۔ آنکھوں پر خوبصورت چشمہ استعمال فرماتے ہیں۔ سر پر عام طور پر سلسلہ عالیہ کا تاج مبارک یا قراقلی ٹوپی (جیسی کہ آپ کے شیخ پیرومرشد استعمال کیا کرتے تھے) پہنتے ہیں۔ گرمیوں میں سفید رومال کندھوں پر اس طرح سے رکھتے ہیں کہ اُس کا ایک سرا گردن کے گرد لپٹا ہوا سینے پر لٹک رہا ہوتا ہے اور دوسرا سرا کمر پر۔ سردیوں میں اکثر و بیشتر سفید کی بجائے ڈبی رومال استعمال فرماتے ہیں۔ پاؤں میں عام طور پر آرام دہ میکشن جوتا، سینڈل یا دیسی جوتی پہنتے ہیں۔

یوں تو ہر سالک کے لیے اُس کا شیخ بہت خوبصورت ہوتا ہے مگر ہمارے حضرت واقعی بہت خوبصورت ہیں۔ رنگ گورا ہے۔ داڑھی مبارک اور زلفیں سفید ہیں۔ آپ کی زلفیں قدرے گھنگھریالی ہیں۔ بتقاضائے عمر سر کے اگلے حصہ پر بال کم ہیں۔ اِن سب سے آپ کی شخصیت بہت پُر وقار ہو جاتی ہے۔ دل چاہتا ہے کہ اُن کے چہرے کو تکتے رہیں۔ بقول آپ کے ایک عقیدت مند ”آپ کے چہرے پر نور یوں برستا ہے جیسے شیشے کے گلاس کے باہر برف کی وجہ سے شبنم ظاہر ہوتی ہے“۔

مَیں نئیں سب تُوں

آج کے اِس خودنمائی اور خودستائی کے دور میں جب کہ ہر کوئی اپنے چھوٹے سے چھوٹے کام کا صلہ لینے میں مصروف ہے۔ سیّدی و مرشدی قبلہ محمد عالم امیری مدظلہ کے خیالات ملاحظہ فرمائیں جو کہ اُنہوں نے مجھے ”ٹورنٹو سے تیسرے ایڈیشن کی اشاعت کے موقع پر ایک خط میں لکھے۔ ”انوار العلوم“ کے پہلے ایڈیشن ۱۹۹۹ء سے لے کر آٹھویں ایڈیشن ۲۰۰۸ء تک حضرت تقریباً دوسال پاکستان میں اور دوسال اپنے

صاحبزادوں کے پاس امریکہ و کینیڈا میں رہتے تھے۔ میرے ایک خط کے جواب میں آپ جو الفاظ لکھتے ہیں۔ یہ الفاظ حاصلِ گفتگو ہیں کیونکہ یہ الفاظ تکلفاً یا رسماً نہ تھے کیونکہ تکلف تو غیروں اور انجانوں سے ہوتا ہے اور میں تو اُن کے گھر کا غلام تھا۔ سیدی و مرشدی لکھتے ہیں۔

''آپ کا خط ملا۔ مجھے اِس کا بہت انتظار تھا۔ آپ کو لکھنے کا سلیقہ خوب آتا ہے۔ میں تو لکھنے لکھانے کے کام میں بالکل پھسڈی ہوں۔ آج تک یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی کہ ''انوار العلوم'' کیسے مکمل ہوئی۔ میرا دل نہیں مانتا کہ میں نے یہ کتاب مرتب کی ہے۔ ایک تو آپ اور کاشف کی بلاشیری سمجھ میں آتی ہے اور دوسری دل نے جس بات کو مانا ہے وہ یہ ہے کہ کوئی اور میری انگلیوں کے ذریعے یہ کام سرانجام دیتا رہا۔ شاید اس بے نام کا نام مشہور کرنا مقصود ہو۔ مالک کی بے بہا عنایات کا شکریہ ادا کرنا بھی ممکن نہیں کہ مجھے شکریہ ادا کرنے کا سلیقہ ہی نہیں ہے''۔

اور اب جبکہ نہم ایڈیشن چھپنے کو ہے اور یہ کتاب مثنوی مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کی پہچان بن چکی ہے کہ جو کوئی مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کو پڑھنا چاہتا ہے اِس کو پڑھتا ہے۔ نہ صرف پاکستان کے ہر ہر حلقے میں بلکہ دنیا کے دوسرے خطوں میں بھی جہاں جہاں پر اُردو پڑھی جاتی ہے اس حسین کاوش کو بہت سراہا جارہا ہے۔ علمائے کرام، مشائخ عظام، دانشوروں، ادیبوں، اہل دل و اہل عشق خواتین و حضرات اور عام پڑھے لکھے لوگوں کے ایسے تعریفی و توصیفی فون اور خطوط آتے ہیں کہ نہایت خوشگوار حیرت ہوتی ہے اور جب حضرت کو اِن سب سے مطلع کیا جاتا ہے تو حضرت ابھی بھی یہی فرماتے ہیں کہ پتا نہیں یہ سب کیسے ہوگیا۔ مجھے تو اگر کسی خط کا جواب لکھنا پڑ جائے تو ہفتہ بھر لکھنے کا ذہن بناتا رہتا ہوں۔ یہ سب مالک کے کام ہیں۔

آپ بھی سوچ رہے ہوں گے کہ مضمون تو کتاب اور صاحب کتاب سے متعلق ہے اور تذکرہ ابھی تک صاحب کتاب سیّدی و مرشدی قبلہ محمد عالم امیری مدظلہ اور اُن کے پیر و مرشد حضرت سیدنا خواجہ محمد امیر الدین رحمۃ اللہ علیہ کا ہی ہورہا ہے۔

تو عرض ہے کہ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حکایت میں بیان کیا ہے کہ ''دو قسم کے بھڑوں نے ایک ہی جگہ سے کھایا لیکن ایک نے صرف ڈنک اور ایک نے شہد دیا۔ دونوں قسموں کے ہرنوں نے ایک ہی جگہ سے گھاس کھائی اور پانی پیا لیکن ایک سے گوبر بنا اور ایک سے مُشک۔ دونوں نرسلوں نے ایک ہی جگہ سے پانی پیا لیکن ایک کھوکھلی اور دوسری شکر سے بھری ہوئی''۔

(انوار العلوم دفتر اوّل)

دمبدم پابستۂ دامِ نوایم
ہم ہر وقت ایک نئے جال میں گرفتار ہیں

ہر یکے گر باز و سیمرغے شویم
اگرچہ ہم سب باز اور سیمرغ بن جائیں

انوار العلوم مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کے مندرجہ بالا فرمودات کی روشنی میں ذرا غور کریں کہ یہ جو 'انوار العلوم' میں رُوحانی بیماریوں کے لئے (ہر مرض کی دوا) شہد کی سی تاثیر ہے۔ تشنگانِ علم وہدایت کی پیاس بجھانے اور رُوح کو تروتازگی اور فرحت بخشنے کے لئے گنے کے رس کے جامِ صحت ہیں اور دیدارِ حق کی مشتاق رُوحوں کے لئے یار کی مُشک کی سی خوشبو کی لپٹیں آتی ہیں۔ تو ان سب کا سبب سیّدی ومرشدی قبلہ محمد عالم امیری مدظلہ کی ذات ہے کہ جس نے مثنوی جیسی نورانی کتاب کے ترجمہ کو نورٌ علیٰ نور بنادیا اور جب سیّدی ومرشدی قبلہ محمد عالم امیری مدظلہ کی ذات کے اندر جھانک کر یہ کھوج لگانے کی کوشش کرتے ہیں کہ ان سب خوبیوں کا منبع اور وجہ تسمیہ کیا ہے تو اُن کے اندر سے آواز آتی ہے کہ۔

یَں نئیں بولدی ، مَیں نئیں بولدی ، مَیں وِچ میرا یار بولدا

اس لئے اُن کے یار ومحبوب یعنی امیر الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی حیات مبارکہ کے چند گوشوں پر بھی روشنی ڈالنی پڑتی ہے تاکہ قارئین کو اس حسین ودلربا تصنیف کی وجہ حسن ودلربائی کا پتا چل سکے۔ یہ اُسی طرح ہے کہ جس طرح صاحبِ مثنوی حضرت مولانا جلال الدین محمد رومی رحمۃ اللہ علیہ اپنے آپ کو اور اپنی مثنوی کو سراسر آئینہ شعاع شمس تبریزی رحمۃ اللہ علیہ سمجھتے ہیں اور جن کی نسبت یہ شعر نہایت مشہور ہے۔

مولوی از خود نہ شُد مولائے رُوم
تا غلام شمس تبریزی نہ شُد

کسی بھی تصنیف کا اصل زبان سے کسی دوسری زبان میں ترجمہ اور خاص کر شاعری کا ترجمہ اِس لحاظ سے بہت ہی مشکل کام ہوتا ہے کہ ترجمہ میں آپ اصل عبارت یا اشعار کا دوسری زبان میں مفہوم تو واضح کرسکتے ہیں۔ لیکن اُس عبارت یا شاعری کے ترجمہ کی رُوح یا باطنی احساسات ایسے نہیں ہوسکتے جیسے کہ اصل عبارت یا اشعار کے ہوتے ہیں۔ بلکہ اکثر اوقات تو اُس کی رُوح ہی مجروح ہوجاتی ہے۔ مثلاً آپ بابا بلھے شاہ رحمۃ اللہ علیہ، عبدالطیف بھٹائی رحمۃ اللہ علیہ یا عبدالرحمان جامی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کا کوئی بھی شعر پڑھ کر دیکھیں کہ آپ کے احساسات کیا ہیں۔ پھر اُس شعر کا کسی بھی دوسری زبان میں ترجمہ پڑھیں۔ آپ کو خود محسوس ہوگا کہ اصل شعر نے تو دل کے تار چھیڑ دیئے جب کہ اُس کے ترجمہ سے ایسا کچھ نہ ہوسکا۔

'انوار العلوم' کی سب سے بڑی خوبی یہی ہے کہ یہ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کے نغمہ معرفت یعنی مثنوی مولوی معنوی رحمۃ اللہ علیہ کے وہی ساز آپ تک پہنچاتی ہے جو کہ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے چھیڑے تھے۔

سُوئے دامے می رویم اے بے نیاز ہم کسی اور جال کیطرف چل دیتے ہیں اے بے نیاز!	می رہانی ہر دمے ما را و باز تُو ہمیں ہر وقت چھڑاتا ہے اور پھر

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ صاحبِ حال بزرگ تھے۔ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ اور اُن کی تصنیف ''مثنوی شریف'' کو صحیح طور پر جاننے کے لئے صاحبِ حال ہونا ضروری ہے۔ یہ صاحبِ قال کے بس کی بات نہیں۔ ''انوار العلوم'' اُردو نثر مثنوی مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ میں جو ''مثنوی شریف'' کی حقیقی ترجمانی ہو سکی اُس کی وجہ صاحبِ کتاب (قبلہ محمد عالم امیری مدظلہ) کا صاحبِ حال ہونا ہے۔ آپ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کی مثنوی شریف میں بیان کردہ مسلک وحدت الوجود کے حقیقی ترجمان ہیں۔ گویا کہ آپ رومیٔ دوراں ہیں۔ آپ نے اپنے علم و عرفان اور لبریز رُوحانی تعلیم سے رموزِ تصوف کو اس احسن انداز میں سپردِ قلم کیا ہے کہ قارئین کیف و مستی کے بحرِ متلاطم میں غوطہ زن ہو جائیں۔ ترجمہ ہٰذا انسانی قلوب پر اسی طرح اثر کرتا ہے جیسے اصل اشعار''۔

'انوار العلوم' کے پیش لفظ میں سیدی و مرشدی قبلہ محمد عالم امیری مدظلہ لکھتے ہیں کہ ''انوار العلوم' کے مطالعہ سے اگر کسی صاحبِ دل کے بھُس میں اِس کی ایک چنگاری لگ گئی اور اُسے وارفتگیِ ذوق حاصل ہوگئی تو سمجھوں گا کہ میری محنت ٹھکانے لگی''۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ بات ثابت ہوتی گئی کہ اللہ کریم نے حضرت قبلہ کی اس خواہش کو اس طرح سے پایۂ تکمیل تک پہنچایا کہ 'انوار العلوم' نے صاحبِ دل لوگوں کے بھُس میں چنگاریاں تو کیا الاؤ روشن کر دیے۔

بقول احمد کامران صاحب ''مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کے مقام و منزلت اور فکری سرمائے پر اُردو، فارسی، عربی، ترکی اور انگریزی میں بڑا وقیع کام ہوا ہے اور آئندہ بھی نامعلوم مدت تک ہوتا رہے گا۔ ایران میں پروفیسر آقائے بدیع الزمان فروزانفر نے ''زندگانی مولانا جلال الدین محمد رحمۃ اللہ علیہ'' نامی گرانقدر کتاب لکھی ہے۔ لیکن مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کی ذاتِ گرامی اور اُن کے فن و فکر پر برصغیر میں جو عظیم الشان کام ہوا ہے اِس کا جواب نہیں۔ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کے مستند سوانح لکھے ہیں اور اُن کی فنی عظمتوں پر روشنی ڈالی ہے۔ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے مثنوی کی شرح لکھی ہے۔ اُن کے علاوہ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا ابو الکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ، علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، مولانا عبد الماجد دریا آبادی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت تلمذ حسین گورکھپوری، شمس بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اور قاضی سجاد حسین صاحب نے مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کے افکار عام کرنے میں جو غیر معمولی کردار ادا کیا ہے وہ ہمیشہ تابندہ رہے گا۔ اب اِس سلسلۃ الذہب میں مثنوی کے گراں قدر ترجمے کے ساتھ جناب محمد عالم امیری مدظلہ بھی شامل ہو گئے ہیں۔

جناب محمد عالم امیری مدظلہ نے ترجمے کا روایتی انداز اختیار نہیں کیا ہے۔ یعنی ایک طرف اشعار درج کر کے دوسری

طرف پہلو بہ پہلو ترجمے کی عبارت نہیں لکھی۔ اس طرح تسلسل میں خلل پڑتا ہے اور ترجمہ کی تاثیر ضعیف ہو جاتی ہے۔ اس کے برعکس جلیل القدر مترجم نے مثنوی کی سبق آموز داستانیں اور واقعات پورے تسلسل، سادگی اور سلاست سے بیان کر دیئے ہیں۔ ترجمے کا یہ اسلوب اتنا آسان بامحاورہ اور اثر انگیز ہے کہ اسے معمولی پڑھا لکھا شخص بھی بخوبی سمجھ سکتا ہے اور ایمان کی پختگی اور حُسنِ عمل کا سبق سیکھ سکتا ہے۔ فی الجملہ یہ ایک باکرامت ترجمہ ہے۔ جس میں مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کی رُوح پُر فتوح بولتی دکھائی دیتی ہے۔ اس ترجمے کے لئے جناب محمد عالم امیری مدظلہ ہمیشہ ہمارے شکر و سپاس کے مستحق رہیں گے۔

مدت ہوئی مثنوی پڑھی تھی، بعد کو مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کا چیدہ چیدہ کلام وقتاً فوقتاً پڑھنے اور سُننے کی سعادت میسر آتی رہی لیکن مثنوی کے بالاستیعاب مطالعے کا موقع دوبارہ نہ ملا۔ اب جو جناب محمد عالم امیری مدظلہ کا ترجمہ دیکھا تو مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے علوم زیادہ وضاحت سے منکشف ہو کر سامنے آئے۔ جوں جوں پڑھتا گیا، دل کی حالت بدلتی چلی گئی اور پھر وہی عالم طاری ہو گیا جو کبھی علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ پر طاری ہوا تھا اور انہوں نے یہ لافانی شعر کہا تھا۔

من حضورِ آں شہِ والا گہر
بے ہُنر مردے بہ دربارِ عُمر رضی اللہ عنہ!

علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ فرشِ تخیل پر چلتے چلتے بارگاہِ عُمر رضی اللہ عنہ تک جا پہنچے تھے، خاکسار کو جناب محمد عالم امیری مدظلہ کے فیضانِ ترجمانی نے مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کے حضور لا کھڑا کیا۔

کہاں ہم کہاں یہ مقام اللہ اللہ

محمد عالم امیری مدظلہ اس سے زیادہ اور کیا کر سکتے تھے۔ آگے اپنی ہمت ہے۔ جو بھی مولانا کے مواعظ سے فائدہ اُٹھائے گا۔ استقامت سے کام لے گا اور راہِ عمل پر آگے بڑھے گا وہ جمالِ حق کے جلوؤں سے ضرور فیضیاب ہو گا۔

'انوار العلوم' سے استفادہ کے لئے ادب اور توجہ شرطِ لازم ہے۔ اپنی سہولت کے مطابق کوئی وقت مقرر کر لیجئے اور 'انوار العلوم' کا پابندی سے مطالعہ کیجئے۔ اس کا ایک ایک حرف رہنمائی کی قندیل ہے۔ خاص طور پر وہ حکایات پورے انہماک سے پڑھیے جن میں اللہ کی ذاتِ عالی پر ایمان، توکل کی حقیقت اور حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے غایت درجہ ادب و احترام پر زور دیا گیا ہے۔ ایک حکایت میں مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے بتایا ہے کہ ایک بدقسمت شخص نے ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم مبارک زبان پر لاتے وقت ادب کے تقاضے ملحوظ نہ رکھے تو اُس کا منہ ہی ٹیڑھا ہو گیا۔ (اُردو ڈائجسٹ ستمبر ۲۰۰۴ء)

ما ہمہ شیراں ولے شیرِ عَلَم
ہم سب شیر ہیں لیکن جھنڈے پر بنے ہوئے شیر ہیں

حملۂ شاں از باد باشد دمبدم
جن کا مسلسل حملہ ہوا کی وجہ سے ہوتا ہے

احمد کامران صاحب کی جمالِ حق کے جلووں سے فیض یاب ہونے والی بات زورِ قلم کا نتیجہ نہیں بلکہ یہ ایک جیتی جاگتی حقیقت ہے کہ 'انوارالعلوم' کے پہلے ایڈیشن سے لے کر نویں ایڈیشن یعنی ابھی تک مجھے لاتعداد لوگوں کے فون، خطوط اور بالمشافہ تاثرات ملے ہیں۔ جو کہ بیان کرتے ہیں کہ اس کے مطالعہ سے ہم پر کیسی کیسی رُوحانی کیفیات اور واردات میں طاری ہوئیں۔ بہت سے لوگوں کو نہایت واجب الاحترام اور برگزیدہ ہستیوں کی زیارت ہوئی۔ بہت سے لوگوں نے یہ کہا کہ اس کے مطالعہ کے وقت ہم واضح طور پر ایک نور اپنے اندر داخل ہوتے دیکھ سکتے ہیں۔ بہت سے لوگوں کا یہ بھی کہنا تھا کہ اس کتاب میں قبلہ محمد عالم امیری مدظلہ کا فیض جلوہ گر ہے اور ہم اس سے فیض یاب ہوتے ہیں۔

کوئی بھی اسکو ایک مرتبہ پڑھ کر آرام سے نہیں بیٹھتا۔ جس نے ایک بار پڑھنا شروع کیا اُس نے اس کا مطالعہ اپنے معمولات میں شامل کر لیا۔ کیونکہ کہا جاتا ہے کہ جو کتاب اور تصنیف متواتر بار بار پڑھنے کے لائق نہیں وہ مطلق پڑھنے ہی کے لائق نہیں۔ کیونکہ بعض کتابیں چکھ لینے کے قابل ہوتی ہیں، بعض نگل لینے کے قابل اور بہت تھوڑی ایسی ہوتی ہیں کہ جن کو چبانے اور ہضم کر کے جزوبدن بنانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ کامل مرشد کے بعد اچھی کتاب سے بہتر رفیق اور رہنما کوئی نہیں ہوسکتا۔ اُس کی شناخت یہ ہے کہ اُس کے بار بار پڑھنے سے دل میں نئے نئے معارف اور اسرار پیدا ہوں اور طبیعت کبھی اُس سے سیر نہ ہو۔ کامل کتاب کے دو رُخ ہوا کرتے ہیں ایک تفسیری اور دوسرا تاثیری۔ کتاب کا تفسیری رُخ یہ ہوا کرتا ہے کہ کتاب کے معنی میں سے پڑھنے والے کے دماغ میں نئی نئی معلومات اور نادر و نایاب معارف و اَسرار کھلتے جاتے ہیں اور اُس کا تاثیری رُخ یہ ہوتا ہے کہ کتاب کی عبارت وحروف والفاظ میں مصنف اور اہلِ کتاب کی رُوح اور نور سرائیت کئے ہوئے ہوتے ہیں اور جس وقت پڑھنے والا صرف عبارت اور خالی الفاظ کو بار بار پڑھتا اور زبان سے تکرار کرتا ہے تو مصنف اور اہلِ کتاب کی رُوح اور نور پڑھنے والے کے دل اور دماغ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور اہلِ مطالعہ کا دل اور دماغ بلاوجہ اور بلاواسطہ مصنفِ کامل کی توجہ اور نور سے معمور اور بھرپور ہو جاتا ہے۔ یعنی کامل مصنف کے دل اور حروف کی برقی رو حروف والفاظ اور عبارت کی تاروں میں بھری ہوتی ہے۔ جس وقت اہلِ مطالعہ اپنے لب ولسان سے اِن تاروں کو چھیڑتا ہے تو فوراً وہ برقی رو پڑھنے والے کے جسم اور جان میں سرائیت کر جاتی ہے اور اُس کے دل و دماغ کے بلبوں کو بلاوجہ یکدم روشن کر دیتی ہے۔ یہ کوئی کتابی باتیں نہیں ہیں بلکہ یہ سب وہ عملی اثرات ہیں جو کہ 'انوارالعلوم' کے مطالعہ سے حاصل ہوتے ہیں اور انشاء اللہ آپ کو بھی حاصل ہوں گے۔

منگر اندر ما مکن در ما نظر	اندر اِکرام و سخائے خود نگر
ہمیں نہ دیکھ، ہم پر نظر نہ کر	اپنے اِکرام اور سخاوت کو دیکھ

چراغِ علم جلاؤ

یہاں میں اِس بات کی وضاحت کرنا بھی بہت ضروری سمجھتا ہوں کہ جب 'انوار العلوم' کا تیسرا ایڈیشن چھپنے کو تھا تو سیّدی و مرشدی نے امریکہ جانے سے پہلے مجھے فرمایا کہ "اگر اِس کتاب کے مزید ایڈیشن چھپتے ہیں اور اُن میں سے کچھ نفع بھی ہوتا ہے تو میں یا میری فیملی کا کوئی ممبر اِس رقم کا حقدار نہ ہوگا۔ آپ اِس طرح کرنا کہ اُس رقم سے کسی بھی ایسے طالبِ علم کی مدد کر دینا جو کہ بہت لائق ہو اور معاشی مسائل کے سبب اعلیٰ تعلیم حاصل نہ کر پا رہا ہو"۔ سو میں نے بہت تحقیق اور سوچ و بچار کے بعد 'انوار العلوم' کے شروع میں یہ لکھ دیا کہ اِس کتاب کا نفع حضرت قبلہ کی طرف سے "کاروانِ علم فاؤنڈیشن" کو دیا جائے گا۔ اِس ادارے کا مقصد ذہین و فطین مگر نادار طالب علموں کی مالی اعانت ہے۔ یہ ادارہ اُردو ڈائجسٹ کی انتظامیہ کی ایک نیک کاوش ہے۔ سیّدی و مرشدی قبلہ محمد عالم امیری مدظلہ کے چھوٹے بھائی محترم شکور عالم صاحب جو کہ امریکہ میں ایک ٹریول ایجنسی کے مالک ہیں۔ امریکہ و کینیڈا میں اِس ادارے کے سرپرست اعلیٰ بھی ہیں۔ تیسرے ایڈیشن کی اشاعت کے فوراً بعد چند ایسے ہی مستحق طالبانِ علم نے مجھ سے رابطہ کیا۔ اگرچہ 'انوار العلوم' سے کوئی قابلِ ذکر آمدنی تو نہ ہوئی تھی مگر کچھ مخلص احباب کی مدد سے اُن طالبانِ علم کے اعلیٰ تعلیمی سفر میں اُن کی مدد ہو رہی ہے اور اُن طالبانِ علم سے یہ اُمید رکھتا ہوں کہ وہ بھی چراغ سے چراغ جلانے کا حق ادا کرتے ہوئے علم کے مزید چراغ روشن کریں گے۔ اِس موقع سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے میں قارئین سے گزارش کروں گا کہ وہ بھی اِس نیک کام اور معاشرے کی بہت ہی اہم ضرورت کی طرف توجہ دیں۔ اگر مناسب سمجھیں تو "کاروانِ علم فاؤنڈیشن" سے رابطہ کریں یا پھر اپنے گرد و نواح میں علم کے ایسے ڈبڈباتے ہوئے چراغ کی از خود حفاظت کر کے پاکستان کا مستقبل روشن کریں۔

مہنگائی کے اِس بڑھتے ہوئے طوفان میں 'انوار العلوم' کے (حسبِ سابق) معیار کو برقرار رکھتے ہوئے لاگت کو کم کرنے کے لیے اپنے مخلص و شفیق احباب کے مشورہ پر موجودہ یعنی نہم ایڈیشن میں طباعت کے اعتبار سے ایک تبدیلی کی ہے۔ اِس کے رنگین حاشیے کو ختم کر کے کتاب کا سائز تھوڑا چھوٹا کر دیا ہے۔ اِس ایڈیشن کی کمپوزنگ' خوبصورت اور جدید سافٹ ویئر پر نئے سرے سے کی گئی ہے۔ کمپوزنگ' کاغذ' پرنٹنگ اور جلد بندی کے معیار کو حسبِ سابق بہت ہی اعلیٰ رکھا گیا ہے۔

ڈیلکس ایڈیشن

اللہ کریم کو منظور ہوا تو بڑے سائز میں آرٹ پیپر پر چار رنگوں کی خوبصورت و دیدہ زیب پرنٹنگ والا ایک ایسا "ڈیلکس" ایڈیشن چھاپنے کا ارادہ ہے جو کہ باطنی کمالات کے ساتھ ساتھ ظاہراً

اے دہندہ قوت و تمکین و ثبات
اے روزی استقلال اور پائیداری عنایت کرنے والے

خلق را زیں بے ثباتی دہ نجات
مخلوق کو نا اُمیدی اور ناپائیداری سے نجات عطا فرما

بھی آرٹ کا ایک باکمال نمونہ ہو۔ دُعا ہے کہ اللہ کریم مجھے اور سب قارئین کو آسانیاں عطا فرمائے اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔ (آمین)

سیّدی و مرشدی قبلہ محمد عالم امیری مدظلہ فرماتے ہیں: ''جس کسی نے 'انوار العلوم' کی اشاعت و تبلیغ کے لئے جو بھی خدمت کی ہے اُس کی جزا تو میرے رَبّ ہی کے پاس ہے اور میرے خیال میں جو سب سے اچھی دعا اُن سب کے لئے کی جاسکتی ہے وہ یہ ہے کہ اللہ کریم اُن سب کی اِس کاوش کو قبول فرمائے اور آخری سانس تک اُن سب کے ذوقِ لطیف میں اضافہ فرماتا رہے'' (آمین)

اِس مضمون کے اختتام پر میں شاہ حسین رحمۃ اللہ علیہ کے کلام ''صاحب تیری بندی آں، چنگی آں یا مندی آں'' کا ایک شعر کچھ ترمیم کے ساتھ اپنے آقائے نعمت سیّدی و مرشدی قبلہ محمد عالم امیری مدظلہ کی نذر کرتا ہوں۔

کہے حُسینؔ فقیر سائیں دا، مَیں وَر چنگے نال منگی آں
مَندی آں مَیں مَندی آں، مَندی آں مَیں مَندی آں

اپنے آقائے نعمت کی شفقتوں کا اُمیدوار
محمد اظہر سُبحانی
جنوری ۲۰۰۹ء
(بر موقع طبع نہم)

پیش لفظ

میں چاہتا ہوں کہ مولانا رومؒ کے مختصر حالاتِ زندگی بھی تحریر کر دوں تاکہ قارئین کو اس نابغہ روزگار ہستی کے بارے میں معلوم ہو سکے۔

مولانا کا اسمِ گرامی محمد جلال الدین اور آپ کے والد ماجد کا نام محمد بہاؤالدین تھا جو کہ اپنے زمانے کے سلطان العلماء اور مشہور اولیائے کاملین میں سے تھے۔ مولانا جلال الدین رومیؒ ۶ ربیع الاول ۶۰۴ھ کو بلخ میں پیدا ہوئے۔ کاملین کے گھرانے میں پرورش پانے کی وجہ سے مولاناؒ کو شروع ہی سے علم میں مناسبت اور عبادتِ خداوندی کی طرف رغبت پیدا ہو گئی۔ مولانا بہاؤالدین کی عوام میں مقبولیت کی وجہ سے بعض بعض اُن سے حسد کرنے لگے اور بادشاہِ وقت کے کان بھرنے لگے تاکہ انہیں کسی طرح بے عزت کیا جائے۔ مولانا بہاؤالدین دُور اندیش بزرگ تھے۔ اُنہوں نے بلخ چھوڑ دیا۔ حج بیت اللہ اور روضۂ نبویؐ پر حاضری کے ارادے سے چلے۔ پہلے بغداد پہنچے جہاں شیخ المشائخ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ نے خیر مقدم کیا اور آپ شیخ ہی کے مہمان رہے۔ مولانا رومیؒ کو اس طرح بچپن ہی میں حج کی سعادت نصیب ہوئی۔ حج سے فراغت کے بعد آذربائیجان اور لارندہ میں قیام فرمایا۔ پھر ترکی کے سلطان علاؤالدین سلجوقی کی درخواست پر قونیہ منتقل ہو گئے۔

مولانا رومؒ کی عمر اُس وقت بیس برس تھی۔ کچھ ہی عرصے کے بعد مولانا بہاؤالدین کا انتقال ہو گیا اور وہ آپ کے قائم مقام اور سجادہ نشین بنے۔ اٹھارہ سال ہی کی عمر میں مولانا کی شادی ہو چکی تھی جس سے دو صاحبزادے پیدا ہوئے۔ بڑے کا نام بہاؤالدین اور لقب سلطان ولد تھا۔ وہ بھی اپنے زمانے کے کاملین میں سے ہوئے ہیں۔ مولانا نے انہیں اُس وقت کے ولیِ کامل شمس تبریزیؒ کو روم لانے کے لئے بھیجا۔ حضرتؒ نے دعوت کو قبول فرمایا اور گھوڑے پر سوار ہو کر اُن کے ہمراہ ہوئے۔ سلطان ولد نے ادباً سارا سفر پیدل ہی کیا۔ قونیہ پہنچ کر شمس تبریزیؒ نے اُن کی بہت تعریف کی جس سے مولانا روم بہت مسرور ہوئے اور بیٹے کے حق میں دعائیں کیں۔ حضرت شمس تبریزیؒ نے فرمایا ہمارے پاس دو چیزیں تھیں ایک سر اور دوسری سِر۔ سر کو مولانا روم کے لئے فدا کرتے ہیں اور سِر بہاؤالدین کو دیتے ہیں۔ مولانا روم کے دوسرے بیٹے علاؤالدین تھے اور وہ شمس تبریزیؒ سے بغض رکھتے تھے۔ اسی لئے انہوں نے ۶۴۵ھ میں انہیں قتل کر دیا۔ مولانا روم شمس تبریزیؒ کے قتل کے بعد ہمیشہ انہیں یاد کرتے رہے اور اُن کی محبت میں فنائیت کی حد تک غرق ہو گئے اور ہر چیز سے لاتعلق ہو گئے لیکن آپ کی اس محویت کو حسام الدین ضیاء الحق چلپی نے اپنی بے پناہ محبت کے ذریعے توڑا۔ یہ حسام الدینؒ ہی تھے جنہوں نے مولانا سے مثنوی جیسی شہرہ آفاق کتاب لکھوائی۔ مثنوی میں وہ مولانا حسام الدینؒ کا ذکر بہت ہی

اے مُبدّل کردہ خاکے را بزر	خاکِ دیگر را بکردہ بُوالبشر
اللہ کے پاس قُدرت ہے کہ خاک سے سونا بنائے	اور دُوسری سے اپنا محبوب تیار کر دے

محبت کی کثرت کے ساتھ کرتے ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں کہ مثنوی کو پڑھنے والا انسان اگر فقر کے کمال کو نہ بھی پہنچے پھر بھی شیطان کے ہتھکنڈوں سے ضرور محفوظ ہو جاتا ہے۔ آخر کار ۵ جمادی الثانی ۶۷۲ھ کو مولانا نے وصال فرمایا اور قونیہ ہی میں دفن ہوئے۔ آپ کے مزار پر اب بھی لوگ حاضر ہو کر سکونِ قلب کی دولت پاتے ہیں۔

مثنوی مولانا روم شریعت و طریقت کے رموز و اسرار کا بیش بہا خزانہ ہے۔ دراصل تزکیۂ نفس کے بغیر انسان محض اپنے علم کے ذریعے وہ رموز سمجھنے سے قاصر رہتا ہے اور یہی نامکمل علم فرقہ بندیوں کا باعث بنتا ہے جس کی وجہ سے عام لوگوں کے دل شکوک و شبہات کی دلدل میں پھنس کر اصل مقصد یعنی قربِ الٰہی کی دولت سے محروم رہتے ہیں۔ شریعت اور طریقت میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ علامہ اقبالؒ نے فرمایا ہے "طریقت یعنی تصوف یہ ہے کہ انسان تہِ قلب میں احکامِ شرعی کی حقانیت کا اور صداقت کا احساس کرے"۔ یہی عشقِ حقیقی کی راہ ہے۔ اربابِ شرع تکالیفِ شرعی کی غایت سے آگاہ ہوں یا نہ ہوں احکامِ شرعی بجا لاتے ہیں لیکن اہلِ تصوف وجدان کے ذریعے شرعی احکام کی حقانیت سے باخبر ہو جاتے ہیں اور حقیقی لذت سے فیض یاب ہوتے ہیں۔

چونکہ دل کے سکون کا تعلق قلبی وجدان سے ہے اس لئے عبادت میں لذت کے حصول کے لئے شریعت کے ساتھ ساتھ طریقت کا ہونا لازمی امر ہے۔ بلکہ طریقت دراصل شریعت کے احکام کی تکمیل ہی کا نام ہے۔ کشف اور وجدان کے ذریعے ادراکِ حقیقت کے بعد صوفی صحیح معنوں میں عاشق بنتا ہے اور اس کی رغبت اُسے احکامِ خداوندی پر دل سے عمل کراتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مولانا نے مثنوی میں جوہرِ عشق کی تعریف کی ہے۔ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں

عقل و دل و نگاہ کا مرشدِ اولیں ہے عشق
عشق نہ ہو تو شرع و دیں بت کدۂ تصورات

مثنوی کے نفسِ مضمون کے بارے میں بھی مولاناؒ ارشاد فرماتے ہیں۔

من ز قرآں برگزیدم مغز را | پوست را پیشِ سگاں انداختیم
جبّہ و دستارِ ملا قیل و قال | جملہ در آبِ رواں انداختیم
از کمالِ شوق تیرِ معرفت | راست کردہ بر نشاں انداختیم

اس کا مفہوم یہ ہے کہ میں نے قرآن پاک میں سے مغز نکال کر مثنوی میں پیش کر دیا ہے اور ان احکامات پر بحث نہیں کی جن کو علمائے سُو نے بحث کا موضوع بنا کر جھگڑے اور تفرقے ڈال دیئے۔ میں نے عشق کی بدولت معرفت کا تیر سیدھے نشانہ یعنی دلوں پر مار دیا ہے۔

کارِ تو تبدیلِ اعیان و عطا
اے مالک تو ہر چیز کو تبدیل کر سکتا ہے

کارِ من سہو است و نسیان و خطا
میری بھول کو اور دوسری کمزوریوں کو عطا بدل دے

تصوف کے موضوع پر پہلی کتاب "حدیقۃ الحقیقت" نامی تھی جو کہ حکیم سنائیؒ کی تصنیف تھی اور مثنوی مولانا رومؒ کو اِس سلسلے کی خاتم تصور کیا جاتا ہے۔ مثنوی کی تصنیف میں حسام الدین چلپیؒ کو بہت دخل ہے۔ مولاناؒ اُن سے اِس قدر محبت فرماتے تھے کہ جہاں اُن کا ذکر کرتے ہیں معلوم ہوتا ہے اپنے شیخِ طریقت کا ذکر کر رہے ہیں۔ یہ کتاب چھ دفتروں میں لکھی گئی ہے۔ مثنوی کو جس قدر مقبولیت اور شہرت ملی فارسی کی اور کسی کتاب کو نہ مل سکی۔ اِس کی بے شمار شرحیں بھی لکھی گئیں۔ مثنوی کا بڑا حصہ اُن باطنی مسائل کے بارے میں ہے جو بعض اوقات بڑے بڑے علماء کی سمجھ میں بھی مشکل ہی سے آسکتے ہیں۔ اِس کے باوجود مثنوی کے اشعار دا عقلوں کی گرمیٔ محفل کا سبب بنتے ہیں۔ فارسی زبان میں جس قدر کتابیں نظم ونثر میں لکھی گئی ہیں کسی میں بھی ایسے دقیق اور نازک مسائل اور اسرار بیان نہیں کیے گئے۔

مولاناؒ نے قصے کہانیوں اور لطائف کی چاٹ پر لگا کر عوام کو بھی یہ مسائل بآسانی سمجھانے کی راہ اختیار کی ہے۔ مثنوی کے مضامین کا ماحصل یہ ہے کہ دل ایک جوہرِ نورانی ہے اور دراصل انسان اِسی کا نام ہے محض جسم کا نہیں اور وہی تجلیِ نورِ الٰہی ہے۔ پارۂ گوشت جسے ہم دل کہتے ہیں وہ اصل دل نہیں ہے۔ اُسی دل کے بارے میں مولاناؒ فرماتے ہیں۔

آئینۂ دل چوں شود صافی و پاک — نقش ہا بینی بروں از آب و خاک
سِرّ من از نالۂ من دور نیست — لیکن چشم و گوش را آں نور نیست

مولاناؒ اپنی حکایتوں میں بڑے بڑے نتیجے نکالتے ہیں جو براہِ راست دل پر اثرانداز ہوتے ہیں۔ مثنوی کی بڑی خوبی اِس کا یہی طرزِ استدلال اور طریقۂ افہام ہی ہے۔ تصوف کے مشکل ترین مسائل کو ایسی نادر اور قریب الفہم مثالوں سے سمجھایا ہے کہ بقدرِ امکان اُن کی حقیقت عام قاری کی بھی سمجھ میں آجاتی ہے یا کم از کم اُن کے امکان کا یقین ہو جاتا ہے۔ حاصل یہ کہ جیسے آنکھ میں قوتِ باصرہ، ناک میں شامہ، زبان میں گویائی، دل میں شجاعت وغیرہ اِسی طرح کا تعلق رکھتی ہیں کہ جس کو نہ متصل کہہ سکتے ہیں نہ منفصل نہ قریب نہ دور۔ اِسی طرح کا تعلق جسم سے اور خدا کا مخلوقات سے ہے۔ مثلاً اگر انسان کی صفتِ انانیت فنا ہو جائے تو وہ صفاتِ الٰہی کا مظہر بن جاتا ہے۔

مولانا نے حکایتوں کے ضمن میں نفسِ انسانی کے جن پوشیدہ اور دُور از نظر عیوب کو ظاہر کیا ہے۔ عام لوگوں کی نگاہیں وہاں نہیں پہنچ سکتیں اور اُن کو بیان کچھ اِس طرح سے کیا گیا ہے کہ انسان حکایت کو پڑھ کر بے اختیار کہہ اُٹھتا ہے کہ یہ تو خاص میری ہی باطنی حالت کا ذکر ہے۔ انجیل میں ہے کہ اے بنی آدم تو اوروں کی آنکھ میں موجود تنکا تو دیکھتا ہے لیکن تجھے اپنی آنکھ

سہو ونسیاں را مبدّل کُن بعلم — من ہمہ خلم مرا کُن صبر و حلم
میری بھول جانے کی عادت کو علم میں — اور دوسری بُری خصلتوں کو صبر اور بُردباری میں بدل دے

کا شہتیر نظر نہیں آتا۔ ہم دوسروں میں جو عیب دیکھتے ہیں وہ ہمیں بدنما لگتے ہیں۔ ہم کو اُن سے نفرت ہو جاتی ہے لیکن ہم یہ خیال بالکل نہیں کرتے کہ یہی عیب خود ہم میں بھی موجود ہیں۔ اسی طرح آج مسلمان جو نمونہ دُنیا کے لوگوں کے سامنے پیش کر رہے ہیں اُس سے تو غیر اقوام میں اسلام کا کوئی روشن تصور ظاہر نہیں ہوتا۔ الغرض مثنوی عقائد۔ اخلاق اور علم الکلام سے متعلق بہترین کتاب ہے۔

میں نے مثنوی کا مطالعہ شروع کیا تو ایسے محسوس ہوا جیسے اس کے مضامین مجھ پر سحر کی سی کیفیت پیدا کرتے جا رہے ہیں۔ اکثر اوقات پڑھتے ہوئے دِل کی حالت عجیب کیفیات سے دو چار ہو جاتی جن سے صرف اہلِ حال ہی لطف اندوز ہو سکتے ہیں۔ دِل میں خیال آیا کہ کیوں نہ اِن مضامین کو سلیس اُردو نثر میں لکھ دیا جائے تاکہ فارسی زبان نہ سمجھنے والے حضرات بھی اِن سے لطف اندوز ہو سکیں اور اگر کسی صاحبِ دِل کے قفس میں اِس کی ایک چنگاری لگ گئی اور اُسے وارفتگیٔ ذوق حاصل ہو گئی تو میں سمجھوں گا کہ میری محنت ٹھکانے لگی۔ اللہ کا نام لے کر شروع کر دیا اور تین سال میں آہستہ آہستہ اسے مکمل کیا۔ نثر کو پڑھا تو خود بھی لطف محسوس ہوا اور دیگر حضرات نے پڑھا اُنہوں نے یہی مشورہ دیا کہ اسے ضرور چھپنا چاہیئے۔ پڑھنے والے حضرات سے گزارش ہے کہ اِس کے مطالعے سے ذوق میں گرمی پیدا ہو تو میرے لئے دُعائے خیر فرمائیں۔

عزیزان محمد اظہر سبحانی (ایم۔ بی۔ اے) اور کاشف محمود (ایم اے فارسی) کا ممنون ہوں کیونکہ اِس سلسلے میں اِن دونوں حضرات نے بہت مدد کی اور لکھنے کے لئے حوصلہ بھی بڑھاتے رہے ورنہ میں یہ کام شاید کبھی مکمل نہ کر سکتا۔ اللہ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے

فون نمبر: 0306-4217489 042-36670263
4-S/64 بلاک A الفیصل ٹاؤن ضرار شہید روڈ لاہور کینٹ

سہو و نسیان را مبدل کن بعلم
میری بھول جانے کی عادت کو علم میں

من ہمہ خلم مرا کن صبر و حلم
اور دوسری بری خصلتوں کو صبر اور بردباری میں بدل دے

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ اور توحید و عشق

(محمد عالم امیری)

مولانا رحؒ عشق کو ہی توحید کے ادراک کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ اس کے بغیر انسان موحد ہو ہی نہیں سکتا۔ توحید کوئی فلسفہ نہیں ہے بلکہ ذاتِ واحد کے قرب کے احساس کا نام ہے جو کہ صرف حال اور وجدان کے ذریعے ہی حاصل ہو سکتا ہے۔ توحید کوئی بحث یا استدلال کا موضوع نہیں ہے جب تک مختلف قسم کے تصورات و خیالات اور اوہام کے بچوں نے ہمارے ذہن کو گھیرا ہوا ہو ہم وحدانیت سے بے بہرہ رہتے ہیں اور محض اپنی تصوراتی توحید کے قائل رہتے ہیں۔ ہماری انا اور غرور ہمارے اور ہمارے معبود کے درمیان بڑی رکاوٹ ہے۔ جب تک یہ رکاوٹ دور نہیں ہوتی ہمیں ذاتِ واحد کا ادراک نہیں ہو سکتا۔ عارفِ کامل بابا بلھے شاہ صاحبؒ نے اپنے اس شعر میں اس نکتے کو واضح کر دیا ہے فرماتے ہیں

غرور نوں ساڑ سُٹ تے "میں" نوں مکو سُٹ یا
تن من دی سرت بھلا دے گر آپ ملے گا آ

مولانا جامی رحؒ فرماتے ہیں

جامی رہِ ہدیٰ بخدا غیرِ عشق نیست
گفتیم والسلامُ علیٰ تبعِ الہدیٰ

صرف عشق و محبت کے ذریعے انسان کے دل میں روحانی درد پیدا ہوتا ہے اور صرف یہ درد ہی ذاتِ باری تعالیٰ تک رسائی حاصل کرنے کا راستہ ہے۔ اسی لئے ہمارے آقا سرورِ کائناتؐ نے درد و گریہ کو اپنا پسندیدہ عمل فرمایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تنہائی میں اکثر اوقات گریہ و زاری ہی میں گزارتے اور صحابۂ کرام کو بھی اس کی تلقین فرماتے عشق بجز رحمتِ خداوندی انسان کو حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس کا واحد ذریعہ کوئی صاحبِ حال عاشقِ صادق مرشد ہی ہوتا ہے۔

مختلف بزرگوں نے اپنے اپنے انداز میں عشق کے کمالات کو بیان کیا ہے۔ عارفِ کامل مولانا غلام رسول عالم پوری نے اپنی کتاب القصص میں فرمایا

؎ عشق کرم کا قطرہ ازلی تیں میں نے وٹس ناہیں
اکناں نوں بھیاں ہتھ نہ آوے اکناں دے وچ راہیں

سلطان العارفین حضرت سلطان باہو ؒ فرماتے ہیں
ایمان سلامت ہر کوئی منگے تے عشق سلامت کوئی ہو
منگن ایمان تے شرماون عشقوں دل نوں غیرت ہوئی ہو
جس منزل تے عشق پچاوے ایمان نوں خبر نہ کوئی ہو
ساڈا عشق سلامت رکھیں باہو ایمانوں دیاں دھروئی ہو

ایک اور جگہ فرماتے ہیں
عاشق پڑھن نماز پرم دی جیں وچ حرف نہ کوئی ہو
جیبھ نہ ہلے تے ہونٹ نہ پھڑکن اصل نماز ہے سوئی ہو

عارفِ کامل میاں محمد بخش ؒ نے اپنی تصنیف قصہ سیف الملوک میں فرمایا
ریت وجود تیرے وچ سونا ایویں نظر نہ آوے
ہنجواں دا پانی دے محمد ریت رہٹی رُڑھ جاوے

مزارِ مولانا رومؒ پر مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ کا یہ شعر عمارت کے صدر دروازے پر لکھا ہوا نظر آتا ہے ؎
کعبۃ العشاق باشد این مقام
ہر کہ ناقص آمد این جا شُد تمام

یعنی عاشقوں کے لئے یہ مقام کعبے کی طرح ہے کہ جہاں ناقصوں کو کامل بنا دیا جاتا ہے۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں ؎
پیرِ رومی مرشدِ روشن ضمیر
کاروانِ عشق و مستی را امیر
پیرِ رومی را رفیقِ راہ ساز
تا خدا بخشد ترا سوز و گداز

(پیرِ رومی روشن ضمیر مرشد ہیں۔ یہ عشق کے کاروان کے سردار ہیں۔ پیرِ رومی کو اپنے راستے کا رفیق بنا لے تا کہ اللہ تجھے سوز و گداز بخش دے)

الغرض بقول حضرت علامہ محمد اقبال ؒ
عقل و دل و نگاہ کا مرشدِ اولین عشق
عشق نہ ہو تو شرع و دیں بتکدۂ تصورات

حاجتِ ایں منتہی زاں منتہی
اس انتہا پر پہنچنے والے کی حاجت انتہا پر پہنچنے والی ہے

تو بر آرائے غیرتِ سروِ سہی
اے سروِ سہی! سب کے لیے لائق رشک! تو معاف کر دے

امیرالاولیاء حضرت سیدنا خواجہ محمد امیرالدین رحمۃ اللہ علیہ

ولادتِ باسعادت

شیخِ طریقت، عمیم الاحسان، خواجہِ خواجگان، امیر کاروانِ ولایت، امیرالاولیاء حضرت سیدنا خواجہ محمد امیرالدین قادری چشتی ابوالعلائی جہانگیری شکوری ہادوی رحمۃ اللہ علیہ کی ولادتِ باسعادت 1905ء میں ٹاہلی کھجوروالا ضلع جالندھر (ہندوستان) میں ہوئی۔ آپ کے والدِ ماجد کا اسمِ گرامی محترم غلام جیلانی رحمۃ اللہ علیہ تھا اور وہ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ شریف میں بیعت تھے۔ اُن کا تعلق شیخ گھرانے سے تھا اور وہ قالین فروشی کے کاروبار سے وابستہ تھے۔

تعلیم و ذریعہ معاش

حضرت سیدنا خواجہ محمد امیرالدین رحمۃ اللہ علیہ کے والدِ ماجد آپ کے بچپن ہی میں انتقال فرما گئے تھے۔ اُن کے وصال کے بعد آپ کی کفالت آپ کے بڑے بھائی محترم عبدالعزیز صاحب نے فرمائی۔ آپ نے جالندھر ہی میں میٹرک تک تعلیم حاصل کی۔ آپ کے بڑے بھائی بھی قالینوں کے کاروبار سے وابستہ تھے۔ تعلیم سے فراغت کے بعد آپ نے اپنے بڑے بھائی کا کاروبار میں ہاتھ بٹانا شروع کیا اور جلد ہی اس کام میں مہارت حاصل کرلی۔ آپ قالین فروشی کا کاروبار کچھ اس طرح سے کرتے تھے کہ مہنگے اور نفیس قالین افغانستان وغیرہ سے خریدتے اور پھر ہندوستان بھر کی چھاؤنیوں میں فوجی افسران کو فروخت کرتے۔ راہِ طریقت میں آنے کے بعد حضرت امیرالاولیاء رحمۃ اللہ علیہ سال میں تقریباً چار مہینے کاروبار کرتے اور بقیہ وقت سلسلہ عالیہ کی خدمت کیلئے وقف کردیتے۔

تلاشِ حق

ایک دفعہ آپ اپنے ایک کاروباری دوست سے ملنے دہلی تشریف لے گئے۔ آپ کے وہ دوست تاج الاولیاء حضرت سیدنا الشاہ محمد عبدالشکور رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھے۔ باتوں ہی باتوں میں طریقت اور درویشی پر بھی گفتگو ہونے لگی۔ اِس سے آپ کے دل میں طریقت کے بارے میں بہت دلچسپی پیدا ہوئی اور دل و دماغ نے یہ سمجھ لیا کہ پیرومرشد کی رہنمائی کے بنا دین و دنیا میں چلنا محال ہے اور آپ کے دل میں پیرِ کامل کی تلاش کی تحریک پیدا ہوئی۔ اب آپ جب بھی دوسرے شہروں کے کاروباری دوروں پر تشریف لے جاتے تو وہاں کے صاحب نسبت بزرگوں

سبقِ رحمت گشت غالب بر غضب
تیری رحمت تیرے غضب پر غالب ہے

اے بدیع افعالِ نیکو کار رب
اے عجیب مہربانیاں کرنے والے رب!

سے ضرور ملاقات کرتے۔

منزلِ مقصود کی خوشخبری

تلاشِ حق کی اسی جستجو میں آپ نے ایک درویش کی شہرت سنی۔ وہ ایک محل نما کوٹھی میں مقیم تھے۔ اُن کا ایک پہلوان قسم کا لمبا تڑنگا دربان تھا۔ وہ درویش اُس دربان کو چڑیا کہہ کر پکارتے تھے۔ وہ دربان ہر نئے ملاقاتی سے اس کا نام وغیرہ پوچھتا اور جا کر درویش کو بتا دیتا۔ وہ درویش جس ملاقاتی سے ملنا چاہتے اُس کو فوراً اپنے کمرے میں بلا لیتے۔ بصورتِ دیگر وہ دربان ملاقاتی کو دس پندرہ دن حتیٰ کہ ایک مہینے تک کیلئے ایک کمرے میں بند کر دیتا اور پھر اُس ملاقاتی کی درویش سے ملاقات ہوتی۔ یہی وجہ تھی کہ بہت کم لوگ اُس درویش کی ملاقات کو جاتے۔ تاہم اِن سب باتوں کے باوجود چونکہ آپ کے دل میں طلب صادق تھی۔ لہٰذا آپ اپنے ایک دوست کے ہمراہ اُن کی زیارت کو گئے۔ دربان چڑیا نے حسبِ دستور آپ کا نام وغیرہ پوچھا۔ درویش نے آپ کو اپنے کمرے میں بلا لیا۔ آپ اندر تشریف لے گئے۔ البتہ آپ کے دوست ڈر کی وجہ سے باہر ہی کھڑے رہے کہ نا جانے اندر کیا معاملہ پیش آ جائے۔

اُس درویش نے کھڑے ہو کر پُر جوش طریقے سے آپ کا استقبال کیا اور اپنے پہلو میں جگہ دی۔ آپ کو سیب کاٹ کر پیش کیا اور آپ سے طریقت پر گفتگو کی اور پھر آپ کو اگلے دن آنے کو کہا۔ باہر آپ کے دوست بہت گھبرا رہے تھے کہ نامعلوم کیا وجہ ہوئی کہ میاں امیر الدین صاحب نے واپسی میں اتنی دیر کر دی۔ آپ کو دیکھ کر اُن کی جان میں جان آ گئی۔ آپ نے اپنے دوست کو ملاقات کا سارا احوال سنایا اور واپس چل دیئے۔

اگلے روز آپ پھر اُن سے ملاقات کو تشریف لے گئے لیکن آپ کے دوست نے ڈر کی وجہ سے آپ کے ساتھ جانے سے معذرت کر لی۔ درویش نے گزشتہ روز کی طرح گرمجوشی سے آپ کا استقبال کیا اور حسبِ سابق سیب کاٹ کر آپ کو پیش کیا۔ طریقت پر گفتگو ہونے لگی۔ آخر میں آپ نے اُن سے بیعت ہونے کی خواہش ظاہر کی۔ اِس پر اُنہوں نے کہا کہ مجھے آپ کو بیعت کر کے خوشی ہوتی مگر آپ کا حصہ میرے پاس نہیں ہے۔ ہمارے ہاں تو ”چراغ جلائے جاتے ہیں“۔ آپ کا حصہ وہاں ہے جہاں ”دل جلائے جاتے ہیں“۔ اس پر آپ نے دریافت کیا کہ مجھے وہ ہستی کب اور کہاں ملے گی؟ اُنہوں نے جواب دیا کہ اطمینان رکھیں۔ آپ کو اپنا مقصود جلد ہی مل جائے گا۔ وہاں سے آپ کو منزلِ مقصود تو نہ ملی لیکن آپ جلد منزل ملنے کی خوشخبری لیے واپس لوٹے۔

تلخ تر از فرقتِ تو ہیچ نیست
تیری جُدائی سے زیادہ کڑوی چیز کوئی نہیں ہے

بے پناہت غیر پیچا پیچ نیست
تیری پناہ کے بغیر سوائے اُلجھن کے کچھ نہیں ہے

ہادیِ برحق کی زیارت

اِس واقعہ کے کچھ ہی عرصہ بعد آپ اپنے کاروبار کے سلسلہ میں چکڑوتہ پہاڑ تشریف لے گئے۔ شام کے وقت آپ سیر کیلئے باہر نکلے تو محفلِ سماع کی آواز کانوں میں پڑی۔ آپ کو اس میں ایک انجانی سی کشش محسوس ہوئی۔ اُس جانب چل دیئے۔ محفل کے باہر کھڑے ایک صاحب سے محفل میں شرکت کی اجازت چاہی۔ اُنہوں نے کہا کہ میں اپنے حضرت سے پوچھ کر بتاتا ہوں۔

اجازت ملنے پر آپ محفل سماع میں شامل ہوگئے۔ محفل پاک میں حضرت سیدنا ہادی علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ مسند نشین تھے اور نصرت فتح علی قوال کے والد استاد فتح علی خان کلام پڑھ رہے تھے۔ (حضرت سیدنا ہادی علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ تصوف کے مشہور رُوحانی سلسلے قادریہ چشتیہ ابوالعلائیہ جہانگیریہ شکوریہ کے شہسوار، تاج الاولیاء حضرت سیدنا الشاہ محمد عبدالشکور رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفۂ اجل تھے۔) اُس محفل میں آپ نے جان لیا کہ یہی وہ منزل ہے جس کی آپ کو تلاش تھی۔ محفل کے اختتام پر حضرت سیدنا ہادی علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو نام لے کر فرمایا کہ کانپور محلہ بیکن گنج میں آ کر ہمارا پوچھ لینا ''تمہارا حصہ ہمارے پاس ہے''۔

حضرت قبلہ عالمؒ سے بیعت

چکڑوتہ پہاڑ سے واپس جالندھر تشریف لانے پر آپ نے کانپور جانے کی تیاری شروع کی۔ اِسی دوران آپ کی ملاقات ایک مجذوب سے ہوئی جس نے آپ سے کہا: ''میاں! جلدی کرو اور کانپور جا کر حضرت سیدنا ہادی علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ سے ملو، دیر مت کرو'' اِس سے آپ کی آتشِ شوق مزید بھڑک اُٹھی۔

آپ جالندھر سے براستہ دہلی کانپور تشریف لے گئے۔ حضرت سیدنا ہادی علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے آستانہ عالیہ پر حاضری دی۔ خادم نے آپ کو بتایا کہ حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ مغرب کے وقت تشریف لاتے ہیں۔ خادم نے حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں جا کر گزارش کی کہ ایک صاحب جالندھر (پنجاب) سے آپ کی زیارت کی تمنا لیے آئے ہیں۔ چنانچہ حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ آپ کی آمد کی وجہ سے مغرب سے پہلے ہی تشریف لے آئے۔ (حضرت سیدنا خواجہ محمد امیر الدین رحمۃ اللہ علیہ اپنے پیرومرشد حضرت سیدنا ہادی علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کو ''حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ'' کہہ کر یاد فرمایا کرتے تھے۔ اِس مضمون میں حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ سے مراد حضرت سیدنا ہادی علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی ذاتِ مبارک ہے)

دست بوسی وقدم بوسی کے بعد حضرت سیدنا خواجہ محمد امیر الدین رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کیا کہ حضور! بندہ آپ کے حلقۂ غلامی میں شامل ہونے کی تمنا لیے حاضر ہوا ہے۔ حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے تبسم فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''میاں! آپ پنجاب

در حدیث آمد کہ مومن در دعا
چوں اماں خواہد ز دوزخ از خدا

حدیث مبارک میں ہے کہ مومن دعا میں
جب خدا سے دوزخ سے امان مانگتا ہے

سے ایک لمبے سفر سے آئے ہیں۔ آپ غسل کریں، کھانا کھائیں، سفر کی تھکاوٹ دور کریں۔ آج آرام کریں، آپ کو کل بیعت کیا جائے گا"۔ حضرت سیدنا خواجہ محمد امیر الدین رحمۃ اللہ علیہ کی تمنائے طلب چونکہ انتہا پر تھی اور آپ مزید وقت ضائع کئے بغیر شرفِ غلامی حاصل کرنا چاہتے تھے۔ اس لیے آپ نے حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا: حضور! معلوم نہیں کل تک کی زندگی بھی ہے یا نہیں۔ مہربانی فرمائیں اور مجھے بیعت کرلیں۔ اس پر حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے ازراہِ شفقت فرمایا: "میاں امیر الدین! آپ بہت ہوشیار آدمی ہو۔ ہم اس بات کی ضمانت دیتے ہیں کہ کل تک آپ زندہ رہیں گے اور آپ کو کل بیعت کرلیا جائے گا"۔ اس سے اگلے روز حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے خادموں سے فرمایا: "میاں امیر الدین پنجاب سے آئے ہیں۔ ان کیلئے بازار سے تبرک لاؤ تا کہ ان کو داخل سلسلہ کیا جاسکے"۔ بعد از نمازِ عصر حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو سلسلہ عالیہ قادریہ چشتیہ ابوالعلائیہ جہانگیریہ شکوریہ میں بیعت فرمایا اور بنفسِ نفیس ذکرِ پاک کی تعلیم دی۔

بوقتِ بیعت آپؒ کی دِلی کیفیات

اپنے بیعت ہونے کے واقعات بیان کرتے ہوئے آپ نے اپنے خدام سے فرمایا کہ "بیعت ہوتے وقت مجھ پر کیف و سرور کی ایسی حالت طاری ہوئی کہ میں نے خود کو ہوا میں اُڑتا ہوا محسوس کیا۔ ذکرِ پاک کی تعلیم دیتے وقت حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے ایسی توجہ فرمائی کہ مجھ پر بے ہوشی کی کیفیت طاری ہوگئی۔ بس پھر میری دنیا ہی بدل کر رہ گئی اور حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کی محبت کا پودا چشمِ زدن میں پروان چڑھ گیا۔ حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے جس انداز میں مجھے تعلیم فرمائی اُسی طریقے سے وہی تعلیم ہم آپ لوگوں کو دیتے ہیں اور حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے عصر کے بعد داخل سلسلہ فرمایا تھا۔ لہٰذا اب جو بھی داخل سلسلہ ہونے کے لئے آتے ہیں اُن کو عصر کے بعد ہی داخل سلسلہ کیا جاتا ہے"۔ یہ سب بیان کرتے وقت آپ پر ایک عجب سرمستی کی سی کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔

قبلہ عالمؒ کے آستانہ میں آپؒ کی رُوحانی تربیت

داخل سلسلہ ہونے کے بعد آپ حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کے آستانہ عالیہ کے ہی ہو کر رہ گئے اور سوچا کہ جب حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ فرمائیں گے تو وہی وقت میری روانگی کا ہوگا۔ کئی دن بعد حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے آپ سے فرمایا کہ "آپ پنجاب سے آئے ہیں۔ آپ کی واپسی کا کیا ارادہ ہے؟" آپ نے عرض کیا: "جب حضور ارشاد فرمائیں گے"۔ پھر کچھ دنوں بعد حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو دوبارہ طلب کیا اور فرمایا کہ

دوزخ از وے ہم اماں خواہد بجاں
تو دوزخ بھی اُس شخص سے امان چاہتا ہے

کہ خدایا دور دارم از فلاں
کہ اے خدا مجھے اُس شخص سے دور رکھ

''میاں امیر الدین! آپ کے گھر والے بھی ہیں۔ اُن کو کوئی اطلاع وغیرہ بھی دی ہے کہ نہیں؟ اور اُن کے اخراجات کس طرح پورے ہوتے ہوں گے۔ آپ فارغ اوقات میں کچھ کسب وغیرہ اختیار کریں اور اہلخانہ کو خرچ وغیرہ بھجوایا کریں''۔

آپ نے حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کے حسبِ ارشاد بذریعہ ٹیلی گرام اپنے گھر اطلاع پہنچادی کہ میں کانپور شریف میں ہوں اور حضرت سیدنا ہادی علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی غلامی اختیار کرلی ہے۔ جب واپسی کا حکم ہوگا گھر واپس آجاؤں گا اور آپ نے وہیں پر قالین فروشی کا کاروبار بھی شروع کردیا۔

اِس طرح تقریباً چھ ماہ تک آپ اپنے شیخ پیرومرشد کے آستانہ پر رہے اور اُن سے رُوحانی فیوض وبرکات حاصل کرتے رہے۔ اِس عرصہ میں آپ کی ظاہری حالت میں بھی آپ کی باطنی حالت کی طرح انقلابی تبدیلیاں آچکی تھیں۔ داڑھی مبارک کے علاوہ زُلفیں بھی بڑھالی تھیں اور حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کے فرمان کے مطابق ایک کملی بھی کاندھوں پر ڈال لی تھی۔

دورانِ تربیت ایک دن حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ بہت موج میں تھے۔ اُنہوں نے آستانہ عالیہ میں موجود خدام سے فرمایا کہ آج ہر خادم کی خواہش پوری کی جائے گی۔ جو مانگنا چاہو مانگ لو۔ سب نے اپنی اپنی خواہش وحاجت بیان کی لیکن آپ اپنی جگہ خاموشی سے بیٹھے رہے۔ حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا: میاں امیر الدین! آپ نے کسی خواہش کا اظہار نہیں کیا؟ تو آپ نے فرمایا: ''میری خواہش وآرزو اور مراد تو اے بندہ پرور! آپ ہی ہیں''۔ حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ اِس جواب سے بہت خوش ہوئے اور آپ کو لے کر اپنے کمرہ میں آگئے۔ کچھ دیر بعد حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کمرے کا دروازہ بند کرکے خود باہر چلے گئے اور آپ کمرے میں اکیلے ہی رہ گئے۔ اِسی طرح ساری رات گزر گئی۔ اگلے دن بھی آپ وہیں رہے۔ عصر کے وقت آپ کے ایک پیر بھائی نے کمرے کا دروازہ کھولا اور آپ کو دیکھا تو کہا: بھائی چلو مسجد میں نماز پڑھ آئیں۔ آپ نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ صاحب آپ کو بازو سے پکڑ کر محلے کی مسجد میں نماز کیلئے لے گئے۔ مسجد میں آپ کے پیر بھائی نے وضو کرنا شروع کیا۔ اتنے میں جماعت کھڑی ہوگئی۔ امام نے جیسے ہی ''اللہ اکبر'' کہا تو آپ نے بھی بے خودی میں قدرے بلند آواز میں ''اللہ اکبر'' کہہ کر نیت باندھ لی۔ ''اللہ اکبر'' کی یہ آواز سنتے ہی تمام نمازیوں اور امام مسجد پر کیفیتِ وجد وحال طاری ہوگئی۔ آپ کے پیر بھائی نے وضو کرتے ہوئے یہ سب دیکھا تو بھاگم بھاگ حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کے

جُز تو پیشِ کہ بر آرد بندہ دست تیرے سوا بندہ کس کے سامنے ہاتھ اُٹھائے	ہم دُعا و ہم اِجابت از تو است آخر کار تو ہی تو دُعاؤں کو قبول کرنے والا ہے

آستانہ پر آئے اور اُن سے سب ماجرا بیان کیا۔ حضرت سیدنا ہادی علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ مسجد میں تشریف لے گئے اور جیسے ہی ایک نظر سب کو دیکھا تو سب واپس اپنی اصل حالت میں آ گئے۔

اپنے اُن شب و روز کی کیفیت بیان کرتے ہوئے آپ فرماتے تھے کہ ''حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے کچھ ایسی خصوصی توجہ اور کرم نوازی فرمائی کہ میری زندگی یکسر تبدیل ہو کر رہ گئی۔ اُن کی ذات میں ایسی فنائیت حاصل ہوئی کہ ہر وقت اُن کا چہرہ مبارک سامنے رہنے لگا۔ کوئی لمحہ کیف و مستی کی کیفیت سے خالی نہ گزرتا لیکن پھر بھی دل یہی چاہتا کہ آقا و مولا کے رُوبرو رہوں اور اُن کا رُخِ زیبا تکتا رہوں۔

بقول بو علی قلندر رحمۃ اللہ علیہ

منم محوِ جمالِ اُو نمی دانم کُجا رفتم
شُدم غرقِ وصالِ اُو نمی دانم کُجا رفتم

ترجمہ: میں اُس کے خیال میں اتنا محو ہوں کہ مجھے اپنی بھی خبر نہیں رہی، اُس کے وصال میں ایسے غرق ہوں کہ مجھے اپنی بھی خبر نہیں۔

کام کے آدمی

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ میں حضرت قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ کے کمرے میں نماز ادا کر رہا تھا۔ جب میں سجدے میں گیا تو دونوں سجدوں کے درمیان قدرِ جلدی کی اور درمیان میں پوری طرح وقفہ نہ کیا۔ نماز کے بعد حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ فرمانے لگے کہ میاں امیر الدین! جو کام کے آدمی ہوتے ہیں اور جن کو آگے لے جانے کے لیے تیار کیا جاتا ہے تو اُن کی ہر بات کی نگرانی کی جاتی ہے۔ اِس لیے ٹھیک طریقے سے نماز ادا کیا کرو۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سیّدنا ہادی علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی امیر الاولیاء حضرت سیّدنا خواجہ محمد امیر الدین رحمۃ اللہ علیہ پر نظرِ خاص تھی۔

جالندھر واپسی

اِس طرح چھ ماہ کی رُوحانی تربیت کے بعد حضرت سیدنا ہادی علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو گھر واپسی کا حکم فرمایا۔ جب اپنے گھر پہنچ کر آپ نے دروازے پر دستک دی (چونکہ آپ کا حلیہ مبارک یکسر تبدیل ہو چکا تھا) تو گھر والے پہلی نظر میں آپ کو پہچان نہ سکے۔ آپ کی زوجہ محترمہ نے آپ کی صاحبزادی کو آواز دے کر کہا کہ دیکھو باہر کوئی بابا کھڑے ہیں اُن کو کچھ خیرات وغیرہ دے دو۔ آپ کی صاحبزادی محترمہ زبیدہ بی بی پلیٹ میں کچھ لے کر آپ کو دینے آئیں تو آپ نے فرمایا: ''بیٹی زبیدہ! یہ آپ ہو؟ آپ نے تو مجھے پہچانا ہی نہیں''۔ اب

ہم ز اوّل تو دہی میلِ دُعا
تُو ہی ہمیں دُعا کی طرف متوجہ کرتا ہے

تو دہی آخر دُعا ہا را جزا
آخرکار تُو ہی دُعاؤں کی جزا عطا کرتا ہے

جب آپ کی صاحبزادی صاحبہ نے نظر اُٹھا کر آپ کو دیکھا تو ابوجی کہہ کر آپ سے لپٹ گئی اور سارے گھر میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔

آپ کے آنے کی خبر سُن کر آپ کے عزیز و اقارب آپ سے ملنے کیلئے آنے لگے اور آپ کے ظاہر و باطن میں ہونے والی اس عظیم تبدیلی کو دیکھ کر بہت متاثر ہوئے۔ آپ ہر ملنے والے سے اپنے پیرومرشد حضرت سیدنا ہادی علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی تعریف و توصیف کرتے اور فرماتے کہ یہ سب اُن کی نظرِ کرم کا نتیجہ ہے۔ ہر وقت حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ آپ کی زبان پر رہتا۔

اماں جی حضورؒ کو حضرت قبلہ عالمؒ کی زیارت

ایک دن آپ کی زوجہ محترمہ نے آپ سے فرمایا کہ آپ کی زبانی آپ کے پیرومرشد اور آقائے نعمت کا تذکرہ سن کر مجھے بھی اُن کی زیارت کا اشتیاق ہے۔ اگر وہ اتنی ہی اعلیٰ وارفع ہستی ہیں تو ہمیں بھی اُن کی زیارت کروائیں تاکہ میں بھی اُن کے جلووں سے فیضیاب ہوسکوں۔

آپ نے اپنی زوجہ سے فرمایا کہ آپ میرا کمبل اوڑھ کر لیٹ جائیں۔ اگر سرکار کو منظور ہوا تو کرم فرمائی ہو جائے گی۔ اماں حضور (آپ کی زوجہ محترمہ) آپ کا کمبل اوڑھ کر لیٹ گئیں اور آپ کمرے سے باہر تشریف لے گئے۔ اب حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کی یہ کرم نوازی ہوئی کہ جونہی اماں حضور نے کمبل اوڑھا' اُن پر غنودگی طاری ہوگئی۔ اُنہیں حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت نصیب ہوئی اور حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے اماں حضور سے فرمایا: ''میاں امیر الدین اب ہمارے ہوگئے ہیں۔ آپ کو بھی ہمارے پاس آجانا چاہئے''۔ اس کیفیت کے ختم ہوتے ہی اماں حضور ہیبت زدہ' روتی ہوئی کمرے سے باہر آئیں اور آپ سے کہنے لگیں کہ میں نے حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کرلی ہے۔ اُنہوں نے حاضری کا حکم دیا ہے۔ اب ہمیں اُن کی خدمت میں لے جانا آپ کے ذمہ ہے۔ اِس پر حضرت سیدنا خواجہ محمد امیر الدین رحمۃ اللہ علیہ نے سب اہلِ خانہ کو متنبہ کیا کہ سرکار نے میری لاج رکھ لی ہے اور اپنا دیدار نصیب فرما دیا ہے لیکن آئندہ کیلئے ایسی کوئی بھی بات بہت سوچ سمجھ کر کی جائے اور حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کو بلاوجہ تکلیف نہ دی جائے۔

سونا بنانے کا عمل

ایک دفعہ آپ مالی پریشانیوں میں مبتلا تھے۔ جب حضرت سیدنا ہادی علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ جالندھر میں آپ کے ہاں تشریف لائے تو آپ سے فرمایا کہ پانی لاؤ۔ آپ نے پانی پیش کیا تو پانی پی کر

اے اخی دست از دُعا کردن مدار
اے بھائی! دُعا کرنے سے اپنا ہاتھ نہ ہٹا

با اِجابت یا رَدِ اُویت چہ کار
اُس کی منظوری یا نامنظوری سے کیا واسطہ

حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ آپ کو لے کر دوسرے کمرے میں چلے گئے اور فرمایا: میاں! ہمیں سونا بنانا آتا ہے۔ تم یہ عمل سیکھ لو اور اپنی ضرورت کے مطابق بنالیا کرنا۔ آپ نے عرض کیا: حضور! بندہ سونا بنانا سیکھنے کیلئے آپ کی غلامی میں نہیں آیا۔ اس کے بعد حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے ٹین کا ایک بکس کھولا جو کہ نئے کرنسی نوٹوں سے بھرا ہوا تھا۔ اُنہوں نے آپ سے فرمایا کہ جتنی رقم کی ضرورت ہے لے لو۔ آپ نے پھر عرض کیا کہ حضور میں دولت و دنیا کی طلب میں آپ کی خدمت میں حاضر نہیں ہوا۔ اس پر حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے پانچ روپے کا ایک نوٹ آپ کو عطا فرمایا اور پوچھا کہ یہ کافی ہے۔ تو آپ نے عرض کیا: حضور! یہ بہت کافی ہیں۔ چنانچہ آپ نے اُن روپوں سے دوبارہ کاروبار شروع کیا اور اُس میں مالک نے اتنی زیادہ برکت عطا فرمائی کہ ساری مالی دشواریاں ختم ہوگئیں اور بہت سی رقم پس انداز بھی ہوگئی۔

حضرت قبلۂ عالمؒ کا وصال

حضرت سیدنا خواجہ محمد امیر الدین رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے شیخ پیر و مرشد کی ظاہری صحبت بہت زیادہ عرصہ تک میسر نہ آسکی۔ 27 رجب المرجب 1361ھ بمطابق 11 اگست 1942ء بروز منگل بوقت ساڑھے دس بجے صبح حضرت سیدنا بادی علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ اس جہان فانی سے پردہ فرما گئے۔ اُن کا خطاب غیبی امام الاولیاء تھا۔ تاہم اُنہوں نے وصال سے پہلے حضرت سیدنا خواجہ محمد امیر الدین رحمۃ اللہ علیہ کو سلسلہ عالیہ کی خلافت واجازت سے نواز دیا تھا۔

مزار شریف حضرت قبلۂ عالمؒ

1939ء میں جب حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ طلاق محل کانپور شریف میں تشریف فرما تھے تو ایک دن چہل قدمی کرتے ہوئے اُس جگہ تشریف لے گئے جہاں اب آپ کا مزار مبارک ہے۔ آپ نے حضرت سیدنا خواجہ محمد امیر الدین رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا کہ کسی وقت اس جگہ پر بڑی عالیشان عمارت بنے گی۔ آپ کے وصال مبارک کے کچھ ہی عرصہ بعد آپ کے فرمان کے مطابق اسی جگہ آپ کا دربار عالیہ بڑی شان وشوکت سے تعمیر کیا گیا۔ اِس دربار عالیہ کی اپنی ایک الگ ہی شان ہے۔ عقیدت مند یہاں سے دن رات فیض حاصل کرتے ہیں۔ یہاں پر باقاعدگی سے محافل درود وسلام اور سماع منعقد ہوتی ہیں۔

حضرت سیدنا تاج الاولیاءؒ کی شفقت ومحبت

حضرت سیدنا خواجہ محمد امیر الدین رحمۃ اللہ علیہ اپنے پیر ومرشد کی ظاہری جدائی کی وجہ سے بہت اداس وغمزدہ رہا کرتے تھے تو آپ کے دادا مرشد تاج الاولیاء حضرت سیدنا الشاہ محمد عبدالشکور رحمۃ اللہ علیہ نے رُوحانی طور پر آپ سے فرمایا:

اے اخی دست از دُعا کردن مدار	با اجابت یا ردِ اُویت چہ کار
اے بھائی! دُعا کرنے سے اپنا ہاتھ نہ ہٹا	اُس کی منظوری یا نامنظوری سے کیا واسطہ

”میاں امیر الدین! ہمارے پاس چلے آؤ۔ ہم میں اور ہادی علی شاہ میں کوئی فرق نہیں ہے۔ ہمیں بھی وہی سمجھو“۔ چنانچہ بعد میں آپ نے زیادہ وقت اپنے دادا مرشد کے زیرِ سایہ گزارا اور آپ نے اپنی ساری توانائیاں اُن کے لئے وقف کر دیں۔

بادی النظر میں حضرت سیدنا ہادی علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے جلد وصال پا جانے اور زیادہ عرصہ صحبتِ شیخ حاصل نہ ہونے کی وجہ سے حضرت سیدنا خواجہ محمد امیر الدین رحمۃ اللہ علیہ کی تربیت کی تکمیل میں جو کمی رہ گئی تھی وہ حضرت تاج الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت سے پوری ہوگئی اور اُن کی نگاہِ کیمیا اثر نے آپ کو ایک ماہِ کامل بنا دیا۔ آپ نے اپنے دادا مرشد کیلئے تن من اور دھن کی قربانی سے بھی دریغ نہ کیا اور جی جان سے خدمت کی۔ سردیوں میں حضرت تاج الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ کو وضو وغیرہ کے لئے پانی گرم کر کے دینا آپ کی ذمہ داری تھی اور آپ نے اس میں کبھی ناغہ نہ ہونے دیا۔ اس کے علاوہ بھی ہر قسم کی خدمت کے لئے ہمہ وقت تیار رہتے تھے۔

حضرت تاج الاولیاءؒ کی جالندھر تشریف آوری

تاج الاولیاء حضرت سیدنا محمد عبدالشکور رحمۃ اللہ علیہ سکندر آباد (یو-پی) میں قیام پذیر تھے۔ آپ کے کچھ خلفاء کا خیال تھا کہ آپ کو سرزمینِ پنجاب میں تشریف لے جانی چاہئے تاکہ اہلِ پنجاب بھی آپ سے مستفید ہوسکیں۔ چنانچہ آپ کے کچھ خلفاء اور خدام آپ کو فیروز پور (بھارت) لے آئے۔ جب حضرت سیدنا خواجہ محمد امیر الدین رحمۃ اللہ علیہ کو اس بات کا علم ہوا تو آپ حضرت تاج الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ کا مزاج اس ضلع کے لوگوں سے بالکل مطابقت نہیں رکھتا۔ تاہم اگر آپ پنجاب میں ہی قیام کرنا پسند فرماتے ہیں تو جالندھر تشریف لے چلیں کیونکہ وہاں کے لوگوں کا مزاج آپ کے مزاج کے قریب تر ہے۔ اگر آپ حکم فرمائیں تو میں وہاں پر آپ کیلئے رہائش کا بندوبست کروں۔ اِس پر حضرت تاج الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے جالندھر تشریف لانے کی رضامندی ظاہر کی اور فرمایا کہ آپ چلیں اور ہم دو چار روز میں آپ کے ہاں جالندھر پہنچ جائیں گے۔

چنانچہ حضرت سیدنا خواجہ محمد امیر الدین رحمۃ اللہ علیہ نے جالندھر واپس آکر اپنے سب سے بڑے مکان کی تزئین و آرائش شروع کروا دی اور ساتھ ہی اُس کی رجسٹری حضرت تاج الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے نام کروا دی۔ جب حضرت تاج الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ جالندھر تشریف لائے تو آپ کا ذوق دیکھ کر بہت متاثر ہوئے اور مسرت کا اظہار فرمایا۔ اب حضرت تاج الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ

جالندھر میں خلقِ خدا کی رہنمائی فرمانے لگے۔

آپ کے یو-پی، سکندر آباد، نصیر آباد اور کانپور کے خدام اور عقیدت مندوں کو جب یہ پتہ چلا کہ حضرت تاج الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے جالندھر میں رہائش اختیار فرمائی ہے تو وہ سب ایک وفد بنا کر جالندھر آئے۔ اُن میں نواب، اُمراء اور جاگیرداروں کے علاوہ آپ کے سفید ریش خلفاء بھی شامل تھے۔ یہ سب حضرت تاج الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اُن سے واپسی کی درخواست کی۔ آپ نے فرمایا کہ ہم میاں امیر الدین کی درخواست پر یہاں آئے ہیں اور ان کے مہمان ہیں۔ لہٰذا ان کی مرضی کے بغیر تو واپسی ممکن نہیں۔ چنانچہ اُن سب حضرات نے حضرت سیدنا خواجہ محمد امیر الدین رحمۃ اللہ علیہ پر زور دینا شروع کیا کہ وہ حضرت تاج الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ کو اُن کے ہمراہ واپسی کی اجازت دے دیں۔ جب اُن سب نے آپ کو بہت زیادہ مجبور کیا تو آپ نے تاج الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ "حضور! آپ ان کے پیر و مرشد ہیں۔ ان کا آپ پر مجھ سے زیادہ حق ہے۔ میرا کیا ہے میں تو یتیم ہوں۔ میرے پیر و مرشد تو وصال پا چکے ہیں۔ آپ ان کے ساتھ تشریف لے جائیں۔ حضرت تاج الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ آپ کی یہ بات سن کر جوش میں آگئے اور کہا کہ سب لوگ واپس چلے جائیں۔ میں آپ کے ساتھ جانے والا نہیں۔ میں میاں امیر الدین کے پاس ہی رہوں گا اور آپ کو گلے لگا کر فرمایا کہ آپ نے یہ کیسے کہہ دیا کہ آپ یتیم ہیں۔ میرے ہوتے ہوئے آپ کیسے یتیم ہو سکتے ہیں۔

تاہم وہ لوگ بھی دھن کے پکے تھے۔ اُن سب نے وہیں ڈیرے ڈال دیئے اور حضرت سیدنا خواجہ محمد امیر الدین رحمۃ اللہ علیہ کی منت سماجت شروع کردی۔ آپ کا نوجوانی کا عالم تھا اور ریش مبارک سیاہ تھی جبکہ منت سماجت کرنے والے سب لوگ سفید ریش اور طریقت میں آپ کے چچا حضرات تھے۔ کچھ دنوں تک تو آپ ڈٹے رہے مگر بالآخر پسیج گئے اور حضرت تاج الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ حضور! میں خود میں اتنی طاقت اور ہمت نہیں پاتا کہ میرے یہ سفید ریش بزرگ میری منتیں کرتے رہیں۔ میرا دل تو نہیں چاہتا کہ آپ مجھے چھوڑ کر واپس تشریف لے جائیں مگر اتنے سارے لوگوں کے سامنے اپنے مفاد کو پیشِ نظر رکھنا میرے نزدیک خود غرضی ہے۔ آپ نے میری بہت لاج رکھی ہے۔ اب ان لوگوں کی دلی خواہش کی لاج رکھ لیں اور ان کے ساتھ تشریف لے جائیں۔ اس طرح آپ نے حضرت تاج الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ کو اُن سب کے ساتھ رخصت کر دیا اور اُن سب حضرات نے آپ کا بہت شکریہ ادا کیا۔

حضرت تاج الاولیاءؒ کے ہمراہ بستی جیون ہانہ آمد

قیامِ پاکستان کے بعد حضرت تاج الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ اپنے مریدین کے اصرار پر سکندر آباد (یو۔پی) سے بستی جیون ہانہ گارڈن ٹاؤن لاہور تشریف لے آئے۔ حضرت سیدنا خواجہ محمد امیر الدین رحمۃ اللہ علیہ بھی آپ کی خدمت میں رہنے کیلئے جیون ہانہ ہی میں کرائے کا مکان لے کر رہنے لگے۔ آپ کا یہاں پر تقریباً پانچ سال تک قیام رہا۔ آپ کی رُوحانی تعلیم وتربیت کا غالب حصہ یہیں حضرت تاج الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے آستانہ عالیہ ہی میں ہوا۔

آپؒ کی حضرت تاج الاولیاءؒ سے عقیدت ومحبت

قیامِ پاکستان کے بعد حضرت تاج الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ اپنے مریدین کی دعوت پر ملتان تشریف لے گئے۔ وہاں پر آپ کو ہچکی کا عارضہ لاحق ہوگیا۔ بیماری نے طوالت پکڑی اور یہ حالت ایک ماہ تک جاری رہی۔ ہچکی نے شدت اختیار کی تو حضرت تاج الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے خدام سے فرمایا: ''کوئی ہے اس راہ میں قربانی دینے والا'' تو حضرت سیدنا خواجہ محمد امیر الدین رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کیا کہ سرکار! غلام حاضر ہے۔ تاج الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میری چارپائی کے گرد چکر لگاؤ۔ یہ حکم ملتے ہی آپ نے چارپائی کا دیوانہ وار طواف کرنا شروع کردیا۔ ابھی تین چار چکر ہی لگائے تھے کہ حضرت تاج الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے بڑے بھائی جناب عبدالعزیز صاحب سے فرمایا: میاں امیر الدین کو روکو، اِس کو سنبھالو۔ اُس وقت آپ کی حالت دیوانوں جیسی ہورہی تھی۔ آپ کو طواف سے روک کر حضرت تاج الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پیش کیا گیا تو اُنہوں نے آپ کو سینے سے لگاتے ہوئے فرمایا: ''میاں امیر الدین! خداوند تعالیٰ نے آپ کی قربانی قبول کرلی ہے۔ اب آپ فوراً محلّہ آغا پور میں محمد طفیل کے گھر چلے جائیں''۔ جب آپ وہاں پہنچے تو پتا چلا کہ آپ کے اکلوتے صاحبزادے محترم زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ جن کی عمر تقریباً چار برس تھی کا مختصر علالت کے بعد انتقال ہوگیا ہے۔ اس طرح آپ کی قربانی بالواسطہ قبول فرمائی گئی اور دربارِ تاج الاولیاء میں آپ کو سرخروئی حاصل ہوئی۔

آپ اپنے دادا مرشد حضرت تاج الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ کا بہت زیادہ ادب واحترام کرتے تھے۔ حتیٰ کہ اُن کی ظاہری حیات میں آپ نے اپنے کسی خادم کو خلافت واجازت سے نہ نوازا۔ ایک مرتبہ حضرت تاج الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے آپ سے فرمایا کہ محمد طفیل کو خلافت واجازت دے دیں۔ آپ نے عرض کیا: آپ مالک ہیں جس کو چاہیں خلافت سے نواز دیں مگر آپ کی موجودگی میں مَیں کسی کو خلافت دینا طریقِ ادب کے خلاف سمجھتا ہوں۔ چنانچہ محمد طفیل صاحب کو حضرت تاج الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ

کے وصال کے بعد خلافت واجازت سے نوازا گیا۔

آپ کی محبت وعقیدت کی وجہ سے حضرت تاج الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ بھی آپ کو بہت عزیز رکھتے تھے اور نہایت خصوصی محبت وشفقت فرماتے تھے۔ حضرت سیدنا الشاہ محمد نبی رضا خان لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ (پیرومرشد حضرت تاج الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ) کے سالانہ عرس مبارک کے موقع پر حضرت تاج الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو اپنی طرف سے خلافت واجازت سے نواز دیا۔ حالانکہ آپ کو اپنے پیرومرشد حضرت سیدنا ہادی علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے پہلے ہی خلافت واجازت سے نوازا جاچکا تھا۔ حضرت تاج الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے عطا کردہ خلافت گویا سونے پر سہاگہ تھی۔

حضرت تاج الاولیاءؒ کا وصال

تاج الاولیاء حضرت سیدنا الشاہ محمد عبدالشکور رحمۃ اللہ علیہ 10 ذوالحجہ 1384ھ بمطابق 31 جولائی 1955ء بروز یک شنبہ سات بج کر تیس منٹ پر وصال فرما گئے۔ آپ کی نمازِ جنازہ پڑھانے کا شرف امام المفسرین حضرت علامہ ابوالحسنات سید محمد احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ کو حاصل ہوا۔ حضرت تاج الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے ہند وپاکستان میں حقیقت ومعرفت کے دریا بہانے کے علاوہ اطراف واکنافِ عالم میں بھی مئے عرفان کے چشمے جاری کردیئے اور لاکھوں تشنہ کامانِ حق وصداقت اور طالبانِ قرب ومعرفت کو اپنے فیضِ عام سے سیراب کیا۔ آج دنیا کا کوئی گوشہ ایسا نہ ہوگا کہ جہاں آپ کے فیض یافتہ اشاعتِ طریقت اور تبلیغ دینِ متین میں سرگرم عمل نہ ہوں۔ آپ کا مزار مبارک بمقام بستی جیون ہانہ گارڈن ٹاؤن فیروزپور روڈ لاہور زیارت گاہِ خواص وعوام ہے۔

حضرت سیدنا محمد امیر الدینؒ کی فیصل آباد آمد

حضرت تاج الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے کچھ عرصہ بعد حضرت سیدنا خواجہ محمد امیر الدین رحمۃ اللہ علیہ فیصل آباد تشریف لے گئے۔ پہلے آپ غلام محمد آباد اور پھر موجودہ آستانہ عالیہ ومزار شریف 1279-بی پیپلز کالونی نمبر 1 میں رہائش پذیر ہوئے۔

آپ کے اخلاقِ حسنہ

حضرت سیدنا خواجہ محمد امیر الدین رحمۃ اللہ علیہ بچپن ہی سے بہت اعلیٰ کردار کے مالک تھے۔ آپ کی شخصیت ہر خاص وعام کے لئے نہایت پرکشش تھی۔ جو ایک بار آپ کی زیارت کرلیتا وہ بار بار ملنے کی آرزو لے کر جاتا۔ آپ کے اخلاقِ حسنہ اور گفتگو کی شرینی سے ہر ایک کا دل شراب

نامِ احمد ﷺ نامِ جملہ انبیاست
احمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام، تمام انبیاء کا نام ہے

چونکہ صد آمد نود ہم پیش ماست
جب سو آگئے تو نوے بھی ہمارے سامنے ہے

محبت سے لبریز ہو جاتا۔ کیف و مستی کا عجب عالم دلوں پر چھا جاتا اور محسوس ہوتا کہ ہم وہاں ہیں جہاں سے ہم کو بھی کچھ ہماری خبر نہیں آتی۔ آپ کی گفتگو نہایت پُر لطف اور اسرار و معارف سے پُر ہوتی۔ بقول پیر و مرشد قبلہ محمد عالم امیری مدظلہ ''اِسی پُر لطف گفتگو میں ہنستے کھیلتے ہم سب کی نہایت ہی زبردست رُوحانی تربیت بھی ہوتی رہتی۔ آپ کی گفتگو کبھی بھی بے معنی یا وقت گزاری کیلئے نہ ہوتی۔ آپ نہایت آسان الفاظ و انداز میں رُوحانیت و تصوف کے رموز اور شریعت و طریقت کی باریکیاں بیان فرماتے۔ آپ ایک ہی نظر میں بندے کو ہر طرح سے پرکھ لیتے تھے''۔

یادِ شیخ

آپ کی شخصیت کا ظاہری پہلو جب اتنا موثر ترین تھا تو آپ کی باطنی کیفیت کا حال کیسے بیان کیا جا سکتا ہے۔ آپ اپنے پیر و مرشد سے انتہا درجہ کی عقیدت و محبت رکھتے تھے۔ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ ''میں تو ناچیز ہوں۔ بس میرے آقا و مولا ہی زندہ و جاوید ہیں۔ وہی میرے مالک کُل ہیں اور میں اُنہی کے لطف و کرم سے پل رہا ہوں''۔ آپ کی زندگی کا شائد ہی کوئی لمحہ ہو گا کہ جس میں آپ اپنے شیخ پیر و مرشد کو یاد نہ کرتے ہوں۔ ہمیشہ اپنے شیخ پیر و مرشد کی عظمت اور جود و سخا کی باتیں کرتے۔ اِس طرح آپ عقیدت و عشق کے چراغ سے رُوحانی ماحول کو روشن رکھتے۔ آپ کے نزدیک یادِ شیخ بہت بڑی عبادت تھی۔ آپ باطنی طہارت و پاکیزگی پر بہت زور دیتے تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ ''اگر دل کا آئینہ صاف ہو جائے تو پھر پوری کائنات اس میں سما سکتی ہے''۔

بندہ پروری اور غریب نوازی

آپ غریب آدمی کو زیادہ پسند فرمایا کرتے اور اُس کی دلجوئی فرمایا کرتے تھے۔ متکبر اور امیر آدمی کو پسند نہیں فرمایا کرتے تھے۔ لیکن اگر ایسا شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاتا تو حتی الوسع اُس کی تالیفِ قلب فرمایا کرتے تھے۔ ایسی گفتگو فرماتے کہ اُن کے دل نرم پڑ جاتے۔ جس آدمی کو پسند نہ فرماتے اُس سے بھی اخلاق سے پیش آیا کرتے تھے۔ آپ کی یہ خوبی تھی کہ آپ کا ہر خادم یہی سمجھتا کہ آپ اُسے سب سے بڑھ کر محبت و شفقت فرماتے ہیں۔ ہر ایک سے خندہ پیشانی اور خلوص سے پیش آتے۔ آپ بہت فصیح اللسان اور شائستہ بیان تھے۔ بہت پُر اعتماد گفتگو فرمایا کرتے تھے۔ آپ اپنے مریدین اور متعلقین سے ہمیشہ اُن کے ذہنی معیار کے مطابق گفتگو فرماتے۔ آپ کے مریدین میں جہاں ایک طرف اَن پڑھ دیہاتی تھے وہاں پر پڑھے لکھے اور ادبی لوگ بھی کثیر تعداد میں شامل تھے۔ آپ کبھی کسی کی دل شکنی نہ کرتے اور نہ ہی کسی کو اُس کی کسی کمی کا احساس ہونے دیتے تھے۔

صد ہزاراں طبِّ جالینوس بُود
جالینوس کی طب میں بے شمار علاج تھے

پیشِ عیسیٰؑ و دمش افسوس بُود
لیکن عیسیٰؑ اور اُنکی پھونک کے سامنے سب بیکار تھے

حُلیہ مُبارک آپ کا جسم مبارک بہت بارعب، بھرا بھرا اور کھلی ہوئی رنگت تھی۔ آپ کی آنکھوں میں بہت کشش تھی۔ آنکھیں بہت روشن اور چمکدار تھیں۔ جو بھی اُن میں دیکھتا مسحور ہو جاتا۔ کوئی بھی آپ سے آنکھ ملا کر بات نہیں کر سکتا تھا۔ آپ جلال و جمال کا نہایت حسین مرقع تھے۔ تاہم جلال کی حالت زیادہ دیر قائم نہیں رہتی تھی اور عموماً اپنے خدام پر شفقت فرمایا کرتے تھے۔

لباس ہمیشہ عمدہ اور نفیس لباس زیب تن فرماتے۔ عموماً کرتہ شلوار زیب تن فرمایا کرتے تھے۔ سردیوں میں سیاہ اچکن استعمال فرماتے۔ سفید لباس پسند فرماتے تھے۔ سر پر ایک خاص وضع کی قراقلی ٹوپی یا سلسلہ عالیہ کا تاج مبارک پہنا کرتے تھے۔ کندھوں پر بڑا ڈبی دار رومال بھی رکھتے۔ لباس میں تہبند بھی استعمال فرمایا کرتے تھے کہ یہ سُنتِ شیخ ہے۔ لباس کی صفائی کے بارے میں بہت زیادہ زور دیا کرتے تھے۔ گندے لباس کو پسند نہیں فرماتے تھے۔ آپ اپنے خدام سے فرمایا کرتے تھے کہ گھر میں اگر تین دن کا فاقہ بھی ہو تو اپنا حلیہ مصیبت زدہ لوگوں جیسا بنا کر باہر مت نکلو کہ لوگوں کو تم پر خواہ مخواہ ترس آنے لگے۔

سادہ خوراک آپ کھانے میں چنے کی دال زیادہ پسند فرماتے۔ ہلکی غذا کھاتے اور عام طور پر سبزی استعمال کیا کرتے تھے۔ اگر کبھی سویاں، حلوہ یا پراٹھے پیش کئے جاتے تو ایک دو لقمہ تناول فرما کر بقیہ اپنے خدام کو دے دیا کرتے تھے۔ اگر کوئی کھانے کی دعوت کرتا تو آپ فرماتے کہ ہلکی غذا پکائی جائے۔ آپ اکثر فاقہ فرمایا کرتے تھے لیکن خادموں کو کھانے کا حکم دیا کرتے تھے۔ صبح کے وقت چائے کی پیالی پسند فرمایا کرتے تھے تاکہ رات کی تھکاوٹ دور ہو جائے۔

آپؒ کی خلوت تکیہ کے اوپر سر رکھ کر مراقبہ کیا کرتے تھے۔ عموماً سجدہ میں رہتے، اپنے مریدین کی مراقبہ میں نگرانی فرماتے۔ آپ عموماً ساری ساری رات مراقبے میں رہتے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ ''لوگ شکوہ کرتے ہیں کہ ہم کو بیعت ہوئے عرصہ گزر گیا مگر ابھی تک کچھ حاصل نہیں ہوا لیکن ہم نے جب بھی نظر کی سب لوگوں کو محوِ خواب پایا ہے، سوائے معدودے چند لوگوں کے۔ لینے کے لئے پہلے طلب پیدا کرنی پڑتی ہے۔ جب طلب بیدار ہو جاتی ہے تو شیخ نظرِ کرم فرما دیتا ہے''۔

صد ہزاراں دفترِ اشعار بُود
اشعار کے لاکھوں دیوان موجود تھے

پیشِ حرفِ اُمیش آں عار بُود
لیکن اُس اُمّی احمدؐ کے کلام کے سامنے موجبِ ننگ تھے

کانپور والی درویشی کی گٹھڑی

آپ کے دو پیر بھائی تھے (جن میں سے ایک کا نام ابراہیم صاحب تھا) وہ دونوں آپ کے آستانہ عالیہ پر بر موقع عرس مبارک سیدنا ہادی علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے۔ اُنہوں نے عرس شریف کی محافل میں شرکت کے بعد حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا کہ جو بات ہم نے کانپور شریف (آپ کے پیر و مرشد کے آستانہ عالیہ) میں دیکھی تھی وہ ہمیں نہ کوئٹہ میں نظر آئی اور نہ ہی حیدر آباد و کراچی یا پنجاب میں کہیں دیکھی۔ ہم لوگ اُس کی تلاش میں ہر جگہ گئے لیکن وہ بات ہمیں کہیں نظر نہ آئی۔ ہم لوگ اس بات پر حیران تھے کہ وہ کانپور والی درویشی کی گٹھڑی کون لے گیا ہے لیکن آپ کے ہاں محافل میں شرکت کے بعد پتا چلا کہ وہ کانپور شریف والی درویشی کی گٹھڑی آپ لے آئے ہیں۔ آپ کو بہت بہت مبارک ہو۔

اسی طرح آپ کے ایک پیر بھائی محترم طفیل صاحب نے آپ سے کہا کہ وہ چیز جو کانپور شریف میں نور کی کرنوں کی صورت میں حضرت سیّدنا ہادی علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے آس پاس نظر آیا کرتی تھی وہ پھر کہیں نظر نہیں آئی۔ آپ نے طفیل صاحب سے فرمایا کہ وہ میرے آقا کا آستانہ تھا اور یہ غلام کا غریب خانہ ہے۔ آقا و غلام کیونکر برابر ہو سکتے ہیں۔ بہر حال آپ اگلی محفل میں تشریف لائیں۔ عین ممکن ہے کہ آقا اپنا کرم فرمائیں اور آپ کو یہاں بھی وہی بات دیکھنے کو مل جائے۔ چنانچہ محمد طفیل صاحب اگلی محفل میں آئے تو اُنہوں نے نور کی کرنوں کا ویسا ہی مشاہدہ حضرت سیدنا خواجہ محمد امیر الدین رحمۃ اللہ علیہ کے گرد دیکھا تو پھر اُنہوں نے اس بات کا اقرار کیا اور کہا کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو خوب خوب نوازا ہے اور کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے۔ واقعی آپ اس کے اہل تھے اور ہیں۔

مزارِ اقدس حضرت داتا صاحبؒ پر حاضری

حضرت سیدنا خواجہ محمد امیر الدین رحمۃ اللہ علیہ خود نمائی و خود ستائی کے سخت خلاف تھے۔ ایک مرتبہ رات کے دو بجے دربار حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ پر حاضری کیلئے تشریف لے گئے۔ سیّدی و مرشدی قبلہ محمد عالم امیری مدظلہ اور چند دیگر مریدین بھی ہمراہ تھے۔ دربار میں داخل ہونے سے قبل حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے سب کو الگ الگ سمتوں میں (دربار کے اندر) جانے کا حکم فرمایا اور خود اکیلے حاضری دی۔ یہی اُن کا معمول تھا۔ فرمایا کرتے تھے کہ "عالم میاں! مجھے اس بات سے شرم آتی ہے کہ میں دربار پر اپنے مریدین کے جلو میں حاضری دوں یا یہاں پر مسند بچھا کر بیٹھوں۔ میں تو یہاں پر خود فقیر بن کر آتا ہوں۔ یہاں کوئی ایسا عمل نہیں کرنا چاہئے کہ جس سے ہماری عاجزی کی بجائے عزت و مرتبہ ظاہر ہو"

چُوں محمّد پاک شُد از نار و دُود
جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم آگ اور دھوئیں سے پاک ہو گئے

ہر کجا رُو کرد وجہُ اللہ بُود
اُنہوں نے جس طرف بھی رُخ کیا، خُدا ہی کی ذات تھی

عاجزی و انکساری کی عملی تربیت

سیدی و مرشدی قبلہ محمد عالم امیری مدظلہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم کچھ پیر بھائی اپنے حضرت کی خدمت میں حاضر تھے۔ حضرت نے سنگ مرمر کا ایک ٹکڑا دکھلایا کہ یہ آپ کا فلاں پیر بھائی آزاد کشمیر سے لے کر آیا ہے کہ میں اس پر اپنا نام کندہ کروا کر اس کو اپنے گھر کے باہر لگالوں۔ اب آپ حضرات بتائیں کہ اس پر کیا لکھا جائے۔ پھر فرمانے لگے کہ چلو ایسا کرتے ہیں کہ آپ سب لوگ اپنے گھروں کو واپس جا کر مجھے بذریعہ خط اپنی اپنی تجاویز ارسال کر دینا۔ اُن سب مریدین نے ایسا ہی کیا۔ پھر جب دوبارہ عرس مبارک کی تقریب میں شرکت کیلئے سب مریدین موجود تھے تو حضرت سیدنا خواجہ محمد امیر الدین رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی خطوط والی ٹوکری اُٹھائی اور اُس میں سے وہ سب تجاویز ہر ایک کے نام کے ساتھ پڑھنا شروع کر دیں۔ سب نے اپنی اپنی تجاویز میں اپنے پیر و مرشد سے عشق و محبت کے اظہار میں القابات لکھے ہوئے تھے۔ سب خطوط پڑھنے کے بعد حضرت نے فرمایا کہ کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ میں نے اُس پتھر پر کیا لکھوایا ہے۔ سب نے جواب دیا کہ حضرت ہم کیا کہہ سکتے ہیں۔ تو آپ نے اپنے قریب رکھا کاغذ میں لپٹا ہوا وہ پتھر کھولا تو اُس پر لکھا ہوا تھا ''محمد امیر الدین ہادوی شکوری'' یعنی کہ کوئی القاب نہ تھے صرف آپ کا ذاتی نام محمد امیر الدین تھا اور ساتھ آپ کے حضرات یعنی کہ مرشد اور دادا مرشد کی نسبت ''ہادوی شکوری'' لکھی ہوئی تھی۔ پھر حضرت نے سب سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ ''میں یہ مناسب نہیں سمجھتا کہ اپنے نام کے ساتھ کوئی القاب وغیرہ لکھوں۔ آپ سب نے مجھے جن چاہتوں اور محبتوں بھرے القابات سے نوازا ہے وہ پڑھ کر مجھے بہت خوشی ہوئی ہے۔ تمام مریدین کو اپنے پیر و مرشد کے بارے میں اسی طرح عشق و مستی سے سوچنا چاہئے''۔ یہ تھی وہ عملی تربیت جو کہ وہ اپنے مریدین کی باتوں ہی باتوں میں بہت ہی لطیف طریقے سے کرتے تھے۔

ذوقِ سماع

آپ کو فارسی اور پنجابی کا بہت سا صوفیانہ کلام از بر تھا۔ سماع میں آپ کو خوب ذوق و شوق اور عمدہ و لطیف کیفیات کا غلبہ ہوتا۔ سماع میں آپ کی وجد و حال کی کیفیت بہت لطیف رقص کی ہوتی تھی۔ صوفی شعراء اور صاحب نسبت شعراء کے عشق و محبت والے کلام کو بہت پسند فرماتے تھے۔ محفل میں زیادہ تر فارسی اور پنجابی کلام سنا جاتا۔ اگر قوال خلاف شریعت کوئی شعر پڑھتے تو اُن کو روک دیتے یا پھر شعر درست کروا دیا جاتا۔ آپ کی آواز قدرے بلند تھی۔ جب قوال سست پڑ جاتے تھے تو آپ قوالوں کے پاس جا کر دو چار مرتبہ بلند آواز میں پڑھتے تھے جس سے قوال

ہر کرا باشد ز سینہ فتح باب
جس کسی کے سینہ کا دروازہ کھل جائے

اُو زہر ذرہ ببیند آفتاب
وہ ہر ذرہ میں آفتاب دیکھے گا

چست پڑ جاتے تھے اور محفل رنگ پر آ جاتی۔ محفل میں کلام میں گرہ بندی پسند نہیں فرماتے تھے۔ صرف دو مصرعی محفل پڑھی جاتی تھی۔ آپ جب چاہتے محفل کا رنگ بدل دیتے تھے۔ ایک مرتبہ دورانِ محفل بہت سے لوگ محو وجد و حال اور رقص کی کیفیت میں تھے۔ آپ نے اپنی انگلی کو دائرے کی شکل میں گھمایا تو سب لوگوں کی کیفیت اسی رخ پر بدل گئی جس رخ پر انگلی گھمائی تھی۔

دورانِ محفل جس کسی کی طرف اِک نظر دیکھ لیتے اُس کو رقتِ قلب اور وجد و حال کی کیفیت طاری ہو جاتی۔ بقول سیدی و مرشدی قبلہ محمد عالم امیری مدظلہ

ہے نظر کا کیا کرشمہ اے سدیدی ! کیا کہوں
جان پڑ جاتی ہے عالم بندۂ بے کار میں

محفل سماع میں آپ جدائی کے اشعار پسند نہیں فرماتے تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ جدائی کیسی؟ ہمارا یار تو ہر وقت ہمارے ساتھ ہے۔

ایک مرتبہ ایک آدمی نے سادگی سے آپ سے پوچھا کہ آپ کو خواب میں زیارتیں تو ہوتی ہوں گی؟ آپ نے فرمایا: ''واہ میاں! آپ نے کیسی بات کی؟ ہمارا یار تو ہر وقت سوتے جاگتے اُٹھتے بیٹھتے ہمارے ساتھ ہے''۔

آپ کے حجرہ مبارک میں ایک شعر لکھا ہوا تھا۔

اسمِ اعظم ہی سمجھتا ہوں مَیں اسمِ یار کو
اِسی لیے میں یار ہی کے نام کا عامل ہوا

ایک مولوی صاحب نے طنزیہ انداز میں پوچھا کہ حضرت اس شعر کا مطلب سمجھ میں نہیں آیا۔ ذرا اس پر روشنی تو ڈالیں۔ آپ نے فرمایا: ''اس میں سمجھ نہ آنے والی کونسی بات ہے۔ ہمارا یار تو اللہ ہی ہے۔ لہٰذا ہمارا ہر وقت کا وظیفہ یار ہی کا نام جپنا ہے اور یہی ہمارا اسمِ اعظم ہے اور ہم لوگ اس کے عامل ہیں''۔

مزارِ اقدس حضرت خواجہ غلام فریدؒ پر حاضری

حضرت سیدنا خواجہ محمد امیر الدین رحمۃ اللہ علیہ اپنے مریدین کی دعوت پر ہر سال ماہ ربیع الاول میں ملتان تشریف لے جایا کرتے تھے۔ محافل درود و سلام اور سماع کا انعقاد کیا جاتا اور ذوق و شوق کی دنیا آباد رہتی۔ ایک

مرتبہ اِن محافل سے فارغ ہو کر آپ کوٹ مٹھن شریف (حضرت خواجہ غلام فرید رحمۃ اللہ علیہ کے مزار اقدس پر) حاضری کیلئے تشریف لے گئے۔ جمعۃ المبارک ہونے کی وجہ سے زائرین کی معمول سے کافی زیادہ آمد تھی۔ جب آپ وہاں پہنچے تو جمعۃ المبارک کی جماعت کھڑی ہونے کو تھی۔

رش زیادہ ہونے کی وجہ سے آپ نے پیرومرشد سیدنا محمد عالم امیری مدظلہ سے فرمایا کہ آپ میرے لیے جگہ رکھیں، میں حضرت خواجہ غلام فرید رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں سلام پیش کر کے آتا ہوں۔ چنانچہ سیّدی و مرشدی قبلہ محمد عالم امیری مدظلہ نے آپ کی جگہ پر آپ کی چھڑی مبارک رکھ چھوڑی۔ کچھ ہی وقت میں حضرت سیدنا خواجہ محمد امیر الدین رحمۃ اللہ علیہ حاضری سے فارغ ہو کر باہر آئے اور سیّدی و مرشدی سیدنا محمد عالم امیری مدظلہ سے فرمانے لگے: ”عالم میاں! آج خواجہ غلام فرید رحمۃ اللہ علیہ بہت خوش ہیں اور ہم سے مل کر بہت خوش ہوئے اور اُن کی خوشی میں ہم بھی خوش ہیں“۔ یہ فرما کر آپ اپنی جگہ تشریف رکھنے کو تھے کہ سیدنا محمد عالم امیری مدظلہ نے آپ کی توجہ دیوار پر چسپاں نوٹس کی طرف مبذول کروائی۔ اُس پر تحریر تھا کہ یہ جگہ محترم سجادہ نشین دربارِ عالیہ کیلئے مخصوص ہے، کسی اور کو بیٹھنے کی اجازت نہیں۔ اسی دوران دربارِ عالیہ کے سجادہ نشین صاحب بھی تشریف لے آئے۔ آپ نے اُن کو دیکھ کر احتراماً پیچھے ہٹ کر وہ جگہ خالی کرنا چاہی تو سجادہ نشین صاحب آگے بڑھ کر آپ سے لپٹ گئے اور فرمانے لگے کہ یہ جگہ آپ جیسے بزرگوں کیلئے ہی ہے۔ آپ یہیں تشریف رکھیں۔ اُن کے اصرار پر آپ وہیں بیٹھ گئے۔ سجادہ نشین صاحب بھی آپ کے پاس ہی بیٹھ گئے۔

بعداز نمازِ جمعہ دربارِ عالیہ کے دستور کے مطابق محفلِ سماع شروع ہوئی۔ حضرت سیدنا خواجہ محمد امیر الدین رحمۃ اللہ علیہ کے خدام پر کیفیت وجد و حال طاری ہو گئی۔ آپ پر بھی گریہ طاری تھا۔ آپ کے گریہ کے ساتھ ہی محفل کا رنگ دو آتشہ ہو گیا۔ بس پھر آناً فاناً یہ عالم ہوا کہ سوائے چند ایک لوگوں کے سب حاضرینِ محفل پر کیفیت وجد و حال اور گریہ طاری ہو گیا۔ ہر شخص آپ کے قدموں سے لپٹنا چاہتا تھا۔ کوئی دست بوسی کر رہا تھا تو کوئی قدم بوسی۔ کوئی آپ کے تاج مبارک کا بوسہ لینے کی کوشش کرتے ہوئے آپ کے کندھوں کو چوم رہا تھا۔ آپ کے گرد ایک خلقت جمع تھی جو لوگ آپ تک نہیں پہنچ پا رہے تھے وہ آپ کے خدام کی دست بوسی و قدم بوسی کر رہے تھے۔ عجب بے قراری و بے خودی کی کیفیت طاری تھی۔ محفل کے بعد سب لوگوں نے آپ سے پانی دم کروانا شروع کر دیا۔ آپ نے اپنے خدام سے فرمایا کہ ”آپ بھی پانی دم کریں۔ شفاء میرے حضرات فرمائیں گے“۔ وہاں کے لوگوں کا کہنا تھا کہ ایسی کیفیات ہم نے کبھی نہیں دیکھیں۔ البتہ سنا اور پڑھا

گر دُو پنداری قبیح آید نہ خُوب	نے غلط گفتم کہ نائب یا منُوب
اور اگر اُن کو دو سمجھو گے تو بُرا ہو گا	نہیں مَیں نے نائب غلط کہا بلکہ وہ اصل ہیں

ضرور ہے کہ حضرت خواجہ غلام فرید رحمۃ اللہ علیہ کی ظاہری حیات مبارکہ میں محافلِ سماع کا ایسا ہی رنگ ہوتا تھا۔

ظاہری حیاتِ مُبارکہ کی آخری محفلِ سماع

اپنی ظاہری حیاتِ مبارکہ کے آخری سال حضرت سیّدنا خواجہ محمد امیر الدین رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے آستانہ عالیہ پر منعقدہ ایک محفلِ سماع میں شرکت کی۔ آپ اپنے پیرومرشد کا عطا کردہ جوڑا مبارک زیب تن کیے مسند نشین تھے۔ شرکاءِ محفل پر عجب کیف ومستی کا عالم طاری تھا۔ اچانک یہ دیکھا گیا کہ مسند شریف پر آپ اپنے پیرومرشد حضرت سیدنا ہادی علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی صورت میں تشریف فرما ہیں۔ کچھ دیر بعد آپ اپنی اصلی صورت میں نظر آنے لگے۔ پھر یہ دیکھا گیا کہ آپ اپنے دادا مرشد تاج الاولیاء حضرت سیدنا الشاہ محمد عبدالشکور رحمۃ اللہ علیہ کی صورت میں تشریف فرما ہیں۔ شرکاءِ محفل پر انوار وتجلیات کی بارش ہو رہی تھی۔ ہر نفس محوِ رقص وگریہ کناں تھا۔ آپ مکمل طور پر فنافی الشیخ کا مرقع بنے ہوئے اہلِ محفل کو نہال کر رہے تھے۔ یہ آپ کی ظاہری حیاتِ مبارکہ میں آخری محفل سماع تھی۔

آپ کے باطنی کشف وکرامات کے بہت زیادہ اور تواتر سے واقعات ہیں۔ جن میں سے بہت سے "مناقب اطہار" میں تحریر ہیں اور اُن میں سے بیشتر کے راوی اب بھی بقیدِ حیات ہیں لیکن اس مضمون کی طوالت کے خوف سے اُن کو نقل نہیں کیا جا سکتا۔ ویسے بھی اکثر وبیشتر اس طرح کا کوئی واقعہ پیش آنے پر آپ متعلقہ مرید کو خاموشی اختیار کرنے کا حکم فرماتے تھے اور ان واقعات کو اپنے شیخ پیرومرشد کی عطا وعنایت قرار دیتے تھے۔

وصالِ مُبارک

ایک مرتبہ امیر الاولیاء سے پوچھا گیا کہ کیا ایک ولی کو اپنی موت کے بارے میں آگاہی ہو جاتی ہے؟ آپ نے تھوڑی دیر آنکھیں بند کیں، گردن جھکائی اور فرمایا کہ اکمل الکاملین اولیاء کرام رحمۃ اللہ علیہم کو اس بارے میں آگاہی ہو جاتی ہے۔

ایک دفعہ صلوٰۃ وسلام کی محفل میں آپ کے خلیفہ قبلہ منظور صاحب نے (آپ کے مرید) محمد علی ماہی صاحب کا ایک کلام پڑھا۔ اس میں ایک مصرعہ کچھ اس طرح سے تھا۔

اوہ پیا جاندا ماہی لوکو اس نوں روکو

حضرت امیر الاولیاء نے منظور صاحب سے پوچھا: میاں منظور اس کا کیا مطلب ہے تو منظور صاحب نے عرض کیا: حضور بہتر جانتے ہیں۔ اس پر حضرت قبلہ نے فرمایا اچھا پورا کلام دوبارہ پڑھو جب وہ پھر مذکورہ بالا مصرعے پر پہنچے تو

حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ پھر پوچھا کہ اس کا کیا مطلب ہے تو منظور صاحب بے اختیار رو پڑے۔ تو حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے اُن سے رونے کی وجہ دریافت کی۔ منظور صاحب نے عرض کیا کہ حضور میری زبان میں اتنی طاقت نہیں کہ اس کا مطلب بیان کروں۔ اس پر حضرت امیر الاولیاء مسکرائے اور فرمایا کہ منظور میاں! جو بات تم سوچ رہے ہو ایسی بات نہیں ہے۔ ابھی ہمارے جانے کا کوئی پروگرام نہیں ہے۔ تمہاری دونوں باجیوں کی شادی کے فرض سے سبکدوش ہونے کے بعد جب ہمارا جانے کا پروگرام ہوا تو آپ کو بتا دیں گے لہٰذا آپ کو ابھی اس بارے میں فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔ اس پر منظور صاحب نے خوش ہو کر کہا کہ پھر ہمیں کسی کے ماہی سے کیا لینا ہے۔ کسی کا ماہی اگر جاتا ہے تو جاتا رہے۔ ہمارا ماہی تو ہمارے پاس ہے۔

وصال سے کچھ عرصہ پہلے اپنے ایک خادم کی عیادت کے لیے ملتان کے ایک ہسپتال میں گئے۔ وہاں پر آپ نے فرمایا کہ تھوڑے دنوں میں زبردست آندھی چلے گی۔ جس میں بہت سی چیزیں ہو جائیں گی۔ آپ کی اس بات کا اس وقت تو مطلب سمجھ نہ آیا مگر جب تھوڑے دنوں بعد آپ کا وصال ہو گیا تو مطلب سمجھ آیا۔

آپ کے وصال مبارک سے پہلے سب اہلِ خانہ آپ کے بھانجے کی شادی میں شرکت کے لئے راولپنڈی چلے گئے۔ جب سب لوگ روانہ ہونے لگے تو حضرت قبلہ نے فرمایا: زبیدہ کی اماں! جب وقت آیا تو وہ آپ کو بلالے گئے۔ چنانچہ اماں حضور رحمۃ اللہ علیہا آپ کے وصال کے بعد تشریف لائیں۔

امیر الاولیاء حضرت سیدنا خواجہ محمد امیر الدین رحمۃ اللہ علیہ اپنے مخلص خدام اور رُوحانی فرزندوں کو داغ مفارقت دے کر 21 جون 1968ء بمطابق 24 ربیع الاول 1388ھ بروز جمعۃ المبارک کو واصل باللہ ہو گئے۔ آپ کی نماز جنازہ صوفی جان محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھائی۔ جن کو رُوحانی طور پر آپ کے وصال کی خبر ہو گئی تھی۔ وہ خواجہ غلام فرید رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلہ عالیہ کے مشہور بزرگ خواجہ یار محمد فریدی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ اور حضرت امیر الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے بہت اچھے اور محبت رکھنے والے دوست تھے۔ (صوفی جان محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مزار اقدس ہنجر وال لاہور میں برلب ملتان روڈ واقع ہے۔)

بقول حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ

هرگز نه میرد آنکه دلش زنده شد بعشق
ثبت است بر جریده عالم دوامِ ما

"جس کا دل عشق کی زندگی حاصل کر لیتا ہے وہ کبھی نہیں مرتا۔ یہ بات زمانہ جانتا ہے کہ میں ہمیشہ کیلئے ہوں"۔

دانہ چوں اندر زمیں پنہاں شود　　بعد ازاں سرسبزیٔ بستاں شود
دانہ جب زمین میں چھپتا ہے　　اُس کے بعد باغ کی سرسبزی کا سبب بنتا ہے

مزارِ اقدس

امیر الاولیاء حضرت سیدنا خواجہ محمد امیر الدین رحمۃ اللہ علیہ کی تدفین پہلے عارضی طور پر پیپلز کالونی کے قبرستان میں کی گئی۔ 40 دن بعد آپ کے جسمِ اطہر کو وہاں سے لایا گیا اور آپ کی نشست والے کمرے میں آپ کی تدفین کی گئی۔ سیّدی و مرشدی قبلہ محمد عالم امیری مدظلہ فرماتے ہیں کہ "میرے حضرت نے مجھے عین اِس جگہ پر بٹھا کر بیعت کیا تھا' جس جگہ پر اس وقت آپ کی قبرِ انور ہے"۔

اُن چالیس دنوں میں آپ کے خدام کے ساتھ بہت سے ایسے محیّر العقول واقعات پیش آئے جن سے اُن کے دلوں میں آپ کی عظمت پر یقین مزید پختہ ہوگیا۔ چالیس دن بعد آپ کی نشست والے کمرے میں تربت مبارک کیلئے لحد بنائی گئی۔ جب لحد مبارک تیار ہوگئی تو اہلِ سلسلہ قبرستان گئے۔ اتفاق رائے سے آپ کے خادم محترم احمد صاحب سے کہا گیا کہ وہ امیر الاولیاء حضرت سیدنا خواجہ محمد امیر الدین رحمۃ اللہ علیہ سے اجازت حاصل کریں۔ احمد صاحب نے آپ کے دائیں جانب کھڑے ہو کر اجازت طلب کی۔ اِس پر آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: تم لوگ مجھے لینے کیلئے آگئے ہو تو لے چلو لیکن مجھے بے پردہ نہ کرنا۔ یہ آواز محترم احمد صاحب اور اُن کے ساتھ کھڑے محترم غلام رضا صاحب نے سنی۔ اِس آواز کو سن کر محترم غلام رضا صاحب پر ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ وہ کئی دن تک بیمار رہے۔

اِس کے بعد آپ کے جسمِ اطہر والے بکس مبارک کو قبرِ انور سے نکالا گیا۔ جب اِس بکس مبارک کو آستانہ عالیہ کے سامنے واقع میدان میں رکھا گیا تو ہر شخص اپنی جگہ ہیبت زدہ تھا۔ بکس مبارک بالکل اپنی اصل حالت میں تھا۔ اُس پر قبرِ انور کے اندر چالیس دن رہنے کے کوئی آثار نہ تھے۔ اسی اثناء میں آپ کے خادم محترم ممتاز صاحب جو کہ لحد مبارک کی لپائی کر رہے تھے چیختے ہوئے لحد مبارک سے باہر آگئے اور کہا کہ یہ کام میرے بس کا نہیں۔ وہ بہت ہیبت زدہ تھے۔ چنانچہ لپائی کا بقیہ کام آپ کے خادم صاحب نے مکمل کیا۔

اِس کے بعد شوقِ دیدار میں خدام نے بکس مبارک کو کھولنا چاہا۔ آپ کے خادم محترم تاج صاحب اس کام کیلئے ضروری اوزار بھی لے آئے مگر سیّدی و مرشدی قبلہ محمد عالم امیری مدظلہ نے بعض وجوہات کی بنا پر اس کی مخالفت کی۔ چنانچہ بکس مبارک کو کھولا نہیں گیا کیونکہ تمام خدام قبلہ محمد عالم امیری مدظلہ کے وزنی دلائل کی وجہ سے اِس بات پر متفق ہوگئے تھے کہ صندوق مبارک کو نہیں کھولنا چاہئے اور یہی امیر الاولیاء حضرت سیدنا خواجہ محمد امیر الدین رحمۃ اللہ علیہ کی منشاء مبارک تھی۔ اس کے بعد آپ کی دوبارہ تدفین عمل میں لائی گئی۔

در بیانِ ایں سہ کم جنبان لبت
اِن تین چیزوں کے بیان میں لب کشائی نہ کر

از ذہاب و از ذہب و ز مذہبت
سفر اور سونا اور اپنی منزلِ مقصود کے بارے میں

اولادِ پاک

آپ کے صاحبزادے زین العابدینؒ اپنے بچپن ہی میں بعمر چار سال انتقال فرما گئے تھے۔ آپ کی دو صاحبزادیاں تھیں۔ ایک صاحبزادی آپ رحمۃ اللہ علیہ کی ظاہری حیات مبارکہ کے تھوڑے عرصہ بعد وصال فرما گئیں اور دوسری صاحبزادی صاحبہ جو کہ سلسلہ عالیہ میں باجی جی حضورؒ اور بعد میں اماں جی حضورؒ کے نام سے جانی جاتی تھیں، کا وصالِ مبارک 20 رمضان المبارک 1430 ہجری کو ہوا۔ آپ کے بعد آپ کے داماد قبلہ محترم سردار احمد امیری مدظلہ آپ کی مسند پر جلوہ افروز ہوئے اور بحیثیت سجادہ نشین اُس شمع کو روشن رکھے ہوئے ہیں جو کہ آپ نے جلائی تھی۔

مزارِ اقدس پر منعقد ہونے والے عروس و محافل

امیر الاولیاء حضرت سیدنا خواجہ محمد امیر الدین رحمۃ اللہ علیہ کا عرس مبارک آپ کے دربار عالیہ 1279-بی پیپلز کالونی نمبر 1 فیصل آباد میں 24,25,26 ربیع الاول کو نہایت عقیدت و احترام سے انعقاد پذیر ہوتا ہے اور ہر قمری مہینے کی چوبیس تاریخ کی رات کو آپ کی یاد میں ماہانہ فاتحہ خوانی اور محفلِ سماع کا انعقاد ہوتا ہے۔

آستانہ عالیہ امیریہ پر امیر الاولیاء حضرت سیدنا خواجہ محمد امیر الدین رحمۃ اللہ علیہ کے شیخ پیر و مرشد امام الاولیاء حضرت سیدنا ہادی علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کا عرس مبارک 25,26,27 رجب المرجب کو بہت عقیدت و احترام سے منعقد ہوتا ہے۔

حضرت امیر الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ اپنی ظاہری حیات میں اس عرس کا بہت ذوق و شوق سے اہتمام کیا کرتے تھے۔

جمع و ترتیب
غلام غلامان آلِ محمد ﷺ
محمد اظہر سبحانی

یادِ دوست

جز یادِ دوست ہرچہ کُنی عمر ضائع است

یادِ دوست کے سوا باقی سب کچھ عمر کا ضیاع ہے۔ (الشیخ سعدیؒ)

روشن چہرہ، چمکتی آنکھیں، نورانی زلفیں، خوبصورت داڑھی، متوالی چال، مستانی ادائیں، پیکرِ محبت و عشق و مستی، مسرور آواز، خوش لحن، سادہ گفتار اور بے حد نفیس و اعلیٰ ذوق۔ جی ہاں ایسے ہی ہیں میرے باباجی جناب قبلہ محمد عالم امیری۔

ویسے تو آپ لوگ ترجمہ مثنوی مولانا رومؒ (انوار العلوم) پڑھ کر ہی ان کی شخصیت کی نفاست اور اعلیٰ ذوق کا اندازہ لگالیں گے لیکن کچھ باتیں ان کے بارے میں ہو جائیں۔

باباجی سے میرا تعلق اس دنیا میں عرصہ 30 سال سے ہے۔ جب میں 10 سال کا تھا تو قبلہ باباجی ہمارے گھر تشریف لایا کرتے تھے کیونکہ والد گرامی قدر جناب عبدالوحید امیری صاحب آپ سے بہت عقیدت و محبت رکھتے ہیں۔ باباجی محفل میں مسند پر جلوہ افروز ہوتے تو دنیا ہی بدل جاتی۔ میں باباجی کو تکتا رہتا اور ایسی مستی میں مشغول ہوتا کہ ان کے سوا سب بھول جاتا۔ باباجی کا بیٹھنا، باباجی کا کھڑا ہونا، باباجی کا گریہ وزاری کرنا، باباجی کا داد دینا۔ باباجی کا معنی خیز نظروں سے دیکھنا، باباجی کا پیار کرنا، باباجی کا تھپکی دینا، باباجی کا سینے سے لگانا، فیض لٹانا، آگ لگانا، سبھی کمال ہوتا، ان کی ہر ایک ادا کمال ہوتی۔ اس وقت عمر کم تھی اس لئے اپنی اس کیفیت کے بارے میں نہ جان سکے لیکن ایک سرور اور مستی تھی جو ان کے دیکھنے سے ہی آتی تھی۔ بعد میں معلوم ہوا کہ ہم ان کی نظروں کا نشانہ بن چکے ہیں۔

بہت جگہوں پر پھرا، بہت سے اللہ والوں سے ملا۔ بہت سوں سے عشق و تصوف کے بارے میں سنا لیکن جیسا باباجی کو پایا کسی کو نہ پایا۔ ان کا عجز، ان کی انکساری، ان کا تحمل و بردباری، ان کی توجہ، ان کی لطف و عنایت، ان کا بیان، ایسی درویشی، اللہ کا قرب، محبت رسول ﷺ، اولیاء اللہ کا ادب اور خصوصاً اپنے شیخ قبلہ خواجہ محمد امیر الدین رحمۃ اللہ علیہ سے محبت اور والہانہ پن انتہائی اعلیٰ مقام پر ہے۔ باباجی کی خصوصیات کا احاطہ کرنا ممکن نہیں لیکن قارئین کے لئے کچھ باتیں لکھنا ضروری سمجھا تو پیش خدمت کر رہا ہوں۔

بس دُعا ہا کاں زیانست و ہلاک ہماری بہت سی دُعائیں جو ہمارے لیے نقصان دہ ہوتی ہیں	از کرم می نشنود یزدانِ پاک اللہ تعالیٰ اپنے کرم کی وجہ سے منظور نہیں فرماتا

جب میں اللہ والوں کا تذکرہ پڑھتا ہوں تو کچھ باتیں تمام میں مشترک پاتا ہوں جیسے عجز و انکساری، تحمل و بردباری، زہد و تقویٰ، علم لدنی۔ یہ اللہ والے نقطہ ور بھی ہوتے ہیں اور دانش ور بھی، عشق کے پیکر بھی اور ذات الٰہی کے مظہر بھی، بندہ نواز بھی اور اعلیٰ اخلاق کے حامل بھی۔ یہ تمام آقا کریم ﷺ کے اوصاف ہیں۔

اولیاء اللہ میں یہ اوصاف حضور نبی کریم ﷺ کا ہی فیض ہیں۔ جب کوئی اللہ کا بندہ فنافی الرسول کی منزل کو پہنچتا ہے تو ان اوصاف کا فیضان اس تک پہنچتا ہے اور وہ بھی آقا کریم ﷺ کی اداؤں کا مظہر ہو جاتا ہے۔ باباجی بھی ایسے ہی اللہ والے ہیں اگر عجز دیکھیں تو دیکھتے ہی رہ جائیں۔ انکساری کا یہ عالم کہ انجان آدمی بھی ملے تو ایسے پیش آئیں جیسے برسوں کی شناسائی ہو۔ جب بیٹھیں تو سب کے ساتھ بیٹھیں۔ جب کھانا کھائیں تو سب کے ساتھ بیٹھ کر کھائیں۔ جو سب کھائیں وہی کھائیں۔ کبھی بھی یہ محسوس نہ ہونے دیں کہ وہ ہم سے برتر ہیں۔ بڑی سے بڑی بات پر بھی صبر و تحمل ایسا کہ کبھی آپ سے غصہ ظاہر نہیں ہوتا۔ باباجی کے ساتھ اکثر سفر کرنے کا موقع ملتا ہے۔ دوران سفر کوئی بھی مسئلہ پیش آئے، باباجی کبھی بھی پریشانی کا اظہار نہیں کرتے۔ ایک دفعہ فیصل آباد جاتے ہوئے خانپور نہر کے قریب ٹریفک جام ہو گئی۔ ہم تقریباً اڑھائی تین گھنٹے ٹریفک میں پھنسے رہے باباجی نے ایک بار بھی نہیں پوچھا کہ کیا بات ہے۔ میں حیران تھا کہ باباجی پوچھتے ہی نہیں۔ اتنا اطمینان کہ ایسا اطمینان میں نے کبھی بھی کسی کے چہرے پر نہیں دیکھا۔ راستے میں کھانے کیلئے رکتے ہیں تو کوئی فرمائش نہیں۔ ہم پوچھتے ہیں کہ کیا کھائیں گے تو کہتے ہیں جو منگواؤ کھا لیں گے۔

اماں جی فرماتی ہیں جو کپڑے دیتی ہوں پہن لیتے ہیں۔ جو کھانا دیتی ہوں کھا لیتے ہیں کبھی کسی خواہش کا اظہار ہی نہیں کیا کہ یہ کھانا ہے یا یہ کپڑے پہنوں گا۔ کبھی خواہش کرتے ہیں کہ باباجی کوئی فرمائش کریں لیکن کبھی نہیں کی۔ ہاں جب محفل ہو تو فرماتے ہیں کوئی کمی نہیں ہونی چاہئے، لنگر بہترین ہونا چاہئے۔ ہم جو ایک اشارے پر جان لٹانے کو تیار ہیں ہم سے کہتے ہیں محفل کے انتظام کیلئے کچھ رقم چاہیے تو لے لو۔ بھلا جو ہمارے پاس ہے وہ بھی تو انہی کا ہے۔ جب فیصل آباد اپنے حضرت کے مزار اقدس پر حاضری دیتے ہیں تو ایسا لگتا ہے کوئی چھوٹا بچہ ماں کی آغوش میں بیٹھا ہے اور آہستہ آہستہ چپکے چپکے ماں سے باتیں کر رہا ہے۔ محفل خانہ میں جاتے ہیں تو عام لوگوں کی طرح جہاں جگہ ملے بیٹھ جاتے ہیں۔ دوران سماع کسی شعر پر دل مچلے تو پھر دربار شریف میں حضرت کے پاس تشریف لے جاتے ہیں۔

باباجی اپنے حضرت کی محبت میں مست ہوتے ہیں اور ہم باباجی میں مست ہوتے ہیں۔ عاشق کی ہر بات میں اپنے

مُصلح ست اُو مصلحت را داند اُو
وہ بہتری کرنیوالا ہے اور جانتا ہے کہ بہتری کیا ہے

کاں دُعا را باز می گرداند اُو
تو وہ اُس دُعا کو واپس لوٹا دیتا ہے

محبوب کا تذکرہ ہوتا ہے۔ باباجی کی بھی کوئی بات ایسی نہیں ہے جو آپ کے حضرت کے تذکرے کے بغیر مکمل ہو جائے۔ باباجی اس انداز سے اپنے حضرت کا تذکرہ فرماتے ہیں کہ سننے والے پر عجیب کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ ہم ظاہری طور پر تو حضرت خواجہ محمد امیر الدین رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت نہ پا سکے لیکن باباجی سے حضرت کا تذکرہ سنتے ہیں تو دل باطنی طور پر ان کی محفل کا لطف پالیتا ہے۔ ادب کا یہ عالم کہ میں نے کبھی آپ کو دربار شریف پر وضو یا استنجا کرتے نہیں دیکھا۔ فیصل آباد جاتے ہوئے راستے ہی میں تمام ضروریات سے فارغ ہو جاتے ہیں۔ زہد و تقویٰ کا یہ عالم کہ جب مؤذن اذان دے تو اللہ اکبر سنتے ہی اٹھ کھڑے ہو جاتے ہیں۔ سب کام ختم بس مسجد کی طرف چل پڑو۔ نماز میں عجب عالم ہوتا ہے' ایسا لگتا ہے کہ راز و نیاز ہو رہے ہوں۔ فجر کی نماز کے بعد مستقل مراقبہ فرماتے ہیں۔

محفل کیلئے کوئی بھی چاہنے والا کہیں بھی بلائے' کتنا ہی سفر ہو اس عہد پیری میں بھی ہر وقت تیار رہتے ہیں۔ ہم سے تھکاوٹ ظاہر ہو جاتی ہے لیکن باباجی کبھی کسی تھکاوٹ کا اظہار نہیں کرتے۔ توکل ایسا کہ کچھ بھی ہو جائے کہتے ہیں: اللہ کی طرف سے ہوا' اس کے کرنے سے ہی سب کچھ ہوتا ہے' اطمینان رکھو وہ جو کرتا ہے ٹھیک کرتا ہے۔ باباجی سے کوئی بات کہنا چاہیں تو لگتا ہے انہیں پہلے سے معلوم ہے۔ کہہ دیں تو ایسے سنتے ہیں جیسے کچھ جانتے ہی نہیں۔ نقطہ ور ایسے کہ جو بات سمجھنے کیلئے کتابیں لکھی جائیں وہ تین لفظوں میں سمجھا دیں۔ ایک دفعہ پوچھا: ایمان کیا ہے؟ کہنے لگے: خیال کی پاکیزگی ایمان ہے۔ کوئی کہتا ہے کلمہ پڑھ لو ایمان ہے' کوئی کہتا ہے نماز پڑھ لو ایمان ہے' کوئی کہتا ہے حج کر لو ایمان ہے۔ کوئی کچھ' کوئی کچھ اور پھر لمبی لمبی دلیلیں لمبے لمبے فلسفے۔ باباجی کہتے ہیں بس خیال کی پاکی ایمان ہے۔ خیال پاک ہے تو ہر کام میں حضوری' ہر کام ایمان۔ صاحب حال لوگوں کا پوچھو تو کہتے ہیں رونے والا صاحب حال ہے۔ باباجی پر محفل میں گریہ طاری ہوتا ہے تو ایسا سماں ہوتا ہے کہ سب پر گریہ طاری ہو جاتا ہے۔ کچھ پر کم کچھ پر زیادہ' سب مست ہو جاتے ہیں۔ سب صاحب حال ہو جاتے ہیں۔ اپنے اپنے ظرف کے مطابق سب حصہ لیتے ہیں۔

میرے گریہ نے مجھ کو منزلِ مقصد پہ پہنچایا
بہا کر لے گئے اُن تک میرے اشکِ رواں مجھ کو

کسی نے پوچھا سماع اور دوران سماع جو کیفیت پیدا ہوتی ہے یہ جائز ہے؟ تو باباجی فرماتے ہیں کہ کوئی کعبے کے اندر چلا جائے تو کدھر منہ کر کے نماز پڑھے گا۔ ہر طرف ہی کعبہ ہے جدھر چاہیں منہ کر لیں۔ اسی طرح جب سماع میں کیفیت پیدا

ہوتی ہے تو بندے اور رب کے درمیان حائل تمام پردے اٹھا دیے جاتے ہیں پھر بس رب ہے اور اس کا بندہ۔ جب اس کا قرب ہی میسر آ گیا تو کیا جائز اور کیا ناجائز۔

کھُلی ہے جن پہ حقیقت قیودِ ہستی کی
قفس بھی اُن کو نظر آشیاں سے آتے ہیں

فرماتے ہیں: یہ عقل اس دنیا کیلئے دی گئی ہے۔ دنیا میں آنے سے پہلے عقل نہیں تھی اور دنیا سے جانے کے بعد عقل نہ ہو گی۔ تو جب عالم ارواح میں پوچھا گیا تھا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ تو سب نے کہا تھا: ہاں! تو ہمارا رب ہے۔ عقل تو تھی نہیں۔ جب قبر میں سوال یہ ہوں گے تو کیا عقل سے جواب دو گے۔ نہیں نہیں عقل سے نہیں، تو پھر کیا چیز ہے جو عالم ارواح میں بولی اور قبر میں بولے گی۔ تو سنو! وہ ہے عشق۔ عالم ارواح میں عشق نے ہی کہا: ہاں! تو ہمارا رب ہے اور قبر میں بھی یہی بولے گا کہ میرا رب اللہ ہے میرا دین اسلام ہے اور یہ میرے آقا ﷺ ہیں، جن کے عشق نے مجھے دنیا میں اللہ سے آشنا رکھا۔ بابا جی فرماتے ہیں: عشق میں مبتلا ہو جاؤ! سب ٹھیک ہو جائیگا۔

بابا جی کی انکساری کی بات کریں تو یہ عالم ہے کہ کوئی انوار العلوم کی تعریف کرے اور آپ کی اعلیٰ ترجمہ نگاری کا بیان کرے تو فرماتے ہیں: مجھے تو پتہ نہیں یہ کیسے ہو گیا میں نے تو کچھ بھی نہیں کیا۔ اللہ نے کروا لیا۔ کوئی جذب و مستی کی بات کرے تو کہتے ہیں کہ میرے حضرت کی مہربانی ہے۔ فرماتے ہیں: میرے حضرت خواجہ محمد امیر الدین رحمۃ اللہ علیہ نگاہ ڈالتے تھے تو مستی پیدا ہو جاتی تھی آج تک انہی کی نگاہ کرم کا فیض ہے۔ ایک دن میں نے کہا: کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ تو فرمایا: کہو! میں نے کہا مستی عطا فرما دیں۔ تو مسکرا دیے اور خاموش ایسے جیسے کچھ جانتے ہی نہیں اور محفل میں یہ حال کہ سینکڑوں مست کئے ہوئے ہیں۔ پیکر ایسا کہ ہر چیز مست' آنکھیں مست' باتیں مست' حال مست کیفیت مست اور جس کو دیکھیں وہ ہی مست۔ فرماتے ہیں میں تو کچھ بھی نہیں کرتا بس حضرت کا کرم ہے اور جب خود پر کیفیت طاری ہو دنیا ہی بدل جاتی ہے تمام عالم محو رقصاں ہو جاتا ہے خود شمع بن جاتے ہیں ہمیں پروانہ بنا لیتے ہیں۔ شمع بھی ایسی جس پر شمعیں رشک کریں۔

تیری دِلرُبا سی مستی میری زندگی کا حاصل
تیرا اُٹھنا جھوم جانا میری زندگی کے پھیرے

چھوٹوں سے محبت ایسی کہ ہر خاص و عام کہے میرے بابا جی میرے بابا جی۔ لوگ اپنے پیروں کے ناز اٹھاتے ہیں'

ہمارے باباجی ہمارے ناز اٹھاتے ہیں۔ کوئی پریشاں ہو تو فکر مند ہو جائیں۔ کوئی بیمار ہو تو خبر گیری کریں۔ کوئی ملنے نہ آئے تو خود رابطہ کرلیں۔ سر پر ہاتھ رکھیں تو سر فخر سے بلند۔ سینے سے لگائیں تو پتھر بھی موم ہو جائیں۔ بات کریں تو دوست بن کر۔ نصیحت کریں تو شفقت پدری کے پھول جھڑیں۔ غرض یہ کہ ہر بات ہی نرالی ہے۔

یہ حُسن وعشق کا ہے اتحاد یک رنگی
وہی ہے مرضیٔ محمُود جو ایاز کرے
بنائے زندہ وجاوید یار کھے بیدم
میری سرآنکھوں پر جو کچھ نگاہِ ناز کرے

پاس بیٹھے ہوں تو مستی میں گم اور توجہ ایسی کہ جو بات ہمارے دل میں آئے وہی بات کریں یعنی سوال کے بغیر ہی جواب عطا ہو جائے۔ فراق ہو تو ایسا لگے ساتھ ساتھ ہیں دستگیری کر رہے ہیں۔ یاد آئیں تو آتے چلے جائیں۔ پاس آئیں تو بھاتے چلے جائیں۔ بات کریں تو سکوت طاری ہو اور خاموش ہوں تو ہلچل مچادیں۔ بندہ نوازی ایسی کہ مجھ جیسے حقیر اور پُر وحشت کو بھی نبھا رہے ہیں اور کرم نوازی ایسی کہ اپنے ساتھ ساتھ رکھتے ہیں۔ جہاں کہیں کوئی پریشانی پریشان کرے تو فوراً یاد آ جاتے ہیں اور کبھی خواب میں آ کر تربیت فرمادیتے ہیں۔

صلی ٹاؤن میں میرا گھر زیر تعمیر تھا۔ جس دن محفل خانے کا لینٹر ڈلنا تھا باباجی سے درخواست کی کہ آپ تشریف لائیے گا۔ باباجی تشریف لے آئے۔ والد بزرگوار حاجی عبدالوحید امیری صاحب بھی تشریف لائے ہوئے تھے۔ ختم شریف پڑھا گیا' لنگر تقسیم کیا گیا۔ باباجی اور والد صاحب نے بھی تناول فرمایا۔ اسی دوران لینٹر ڈل رہا تھا کہ اچانک بادل گرجا اور بارش کا موسم ہو گیا' کالے بادل گھر کے آئے۔ ایسا لگتا تھا کہ بارش اب ہو کہ اب ہو۔ میں نے عرض کی: اگر بارش ہو گئی تو کافی نقصان ہو جائے گا۔ فرمانے لگے لینٹر مکمل ہونے میں کتنی دیر ہے' میں نے کہا: تقریباً ایک گھنٹہ لگے گا۔ خاموش ہو گئے پھر بولے لینٹر مکمل ہونے کے کتنی دیر بعد بارش ہو تو لینٹر محفوظ رہے گا۔ میں نے کہا آدھ گھنٹہ۔ اس کے بعد باباجی اور قبلہ والد صاحب کافی دیر بادلوں کی طرف دیکھتے رہے اور لینٹر مکمل ہونے تک وہیں تشریف فرما رہے۔ پھر آدھا گھنٹہ اور انتظار کیا۔ آدھے گھنٹے بعد فرمانے لگے اب ہم چلتے ہیں۔ گاڑی میں بیٹھ کر روانہ ہو گئے۔ ابھی روانہ ہوئے ایک یا دو منٹ ہی ہوئے تھے کہ ایسی موسلا دھار بارش ہوئی کہ الامان الحفیظ۔ بعد میں معلوم ہوا کہ صلی ٹاؤن میں بارش اب شروع ہوئی لیکن

این بُود خوئے لئیمانِ دنی
کمینہ صفت لوگوں کی یہی عادت ہوتی ہے

بد کنند با تو چو نیکوئی کنی
کہ جب تُو اُن سے نیکی کرے تو وہ بُرائی کرتے ہیں

آس پاس کے علاقوں میں ایک گھنٹہ سے بارش ہو رہی ہے۔ میں نے ایک دن اس واقعے کا ذکر کیا تو مسکرا کے ٹال دیا۔
کچھ سال پہلے باباجی کچھ عرصے کیلئے امریکہ میں مقیم رہے۔ اس دوران ہماری عجیب کیفیت رہتی تھی۔ باباجی کے فراق میں دل مچلتا تھا۔ ایک دن دل میں زور کا طوفان آیا۔ بے حد یاد آئے۔ دل میں طوفان کا اٹھنا تھا کہ آنکھیں بھی مینہ برسانے لگیں۔ دل تھا کہ کسی صورت سنبھلتا ہی نہ تھا۔ اسی دوران کچھ دیر کیلئے آنکھ لگ گئی۔ پھر کیا تھا فوراً تشریف لے آئے۔ خوب شفقت فرمائی' سینے سے لگایا پیار کیا۔ جب دل کی تسلی ہوئی تو آنکھ کھل گئی۔ ایسا لگا جیسے ابھی میرے پاس موجود تھے اور پورے کمرے میں آپ کی خوشبو بکھری ہوئی تھی۔ دل کو اطمینان ہوا۔

چین تم سے قرار تم سے ہے
زندگی کی بہار تم سے ہے

اس پرفتن دور میں جب ہر سو نفسا نفسی پھیلی ہوئی ہے۔ یہ اللہ رب العزت کا خاص فضل اور انعام ہے کہ ہم بے چاروں کے چارہ گر ہم میں موجود ہیں۔ ظلمت کے اندھیروں میں میرے باباجی ایک مینارۂ نور ہیں جو ہمارے دل ودماغ کو روشن کیے ہوئے ہیں۔ اللہ رب العزت باباجی کو سلامت رکھے' ان کا سایہ ہمارے سروں پر ہمیشہ قائم ودائم رکھے۔ آپ کو عمر خضر عطا فرمائے اور روز قیامت آپ کے ساتھ حضور نبی کریم ﷺ کے جھنڈے تلے رکھے۔

ہر ایک لفظِ محبت کا معانی تم سے
عشق کی جادُو گری ہست نے جانی تم سے
تیرے بغیر کوئی مقصدِ حیات نہیں
جسم میں جان سانسوں میں روانی تم سے
تم سے ہے میری تمناؤں کی دُنیا آباد
میری اُمید کے دریاؤں میں پانی تم سے
بُوئے گُل اور ستم خیز فضائیں ساری
موسمِ گُل کی ہواؤں میں جوانی تم سے

قابلِ فخر ہُوں میری زیست کا عنوان تم ہو
جانِ جاناں میرے ہونے کی نشانی تم ہو
مَیں نے رضوان کو فرقت میں تڑپتے دیکھا
یُوں لگا جیسے محبت ہے پُرانی تم سے

آخر میں اظہر بھائی کا شکر گزار ہوں جن کی انتھک محنت اور کاوش سے انوار العلوم کا دلکش ایڈیشن آپ کے ہاتھ میں ہے۔ مجھ پر ان کی بہت شفقت کہ مجھ بندۂ ناچیز کو انہوں نے یہ ذمہ داری سونپی کہ باباجی کی شخصیت کی ترجمانی کر سکوں۔ اللہ رب العزت اظہر بھائی کو اس کا اجرِ عظیم عطا فرمائے اور اپنے خاص فضل و کرم سے سرفراز فرمائے۔ (آمین)

محمد رضوان وحید
مئی ۲۰۱۳ء
صنّی ٹاؤن، لاہور

گرگ اگر باتو نماید رُو بہی　　ہیں مکن باور کہ ناید زُو بہی
بھیڑیا (بُرا آدمی) اگر تمہارے ساتھ چالاکی کرے　　خبردار یقین نہ کر کیونکہ اُس سے بھلائی ہو ہی نہیں سکتی

میرے بابا جی

میں اُسے ڈھونڈ نہیں رہا تھا۔ مجھے یہ بھی نہیں پتہ تھا کہ یہ کیا ہے؟ لیکن جیسے ٹھنڈی کیفیت بھری برکھا' سخت اور سوکھے ریگزار پر بچھتی چلی جاتی ہے' ویسے ہی میرے دل کے اندر ایک موہوم آواز بازگشت کرتے ہوئے اُبھرنے لگی۔ یہ ایک ایسی انوکھی آواز تھی جو غور کرنے پر سنانے میں بدل جاتی تھی اور سنائی نہیں دیتی تھی' صرف محسوس ہوتی تھی۔ اُس نونہال کی دھڑکن کی طرح جو آپ کی چھاتی پر لیٹا آہستہ آہستہ سانس لے رہا ہو' اس آواز کو سن کر میرے اندر ایک انجانا سا خوف پیدا ہو جاتا کہ کہیں...... مگر پھر وہی آواز سرگوشی میں اپنے متبرک ہونے کا دلاسہ دیتی۔ بشریت کا تو یہی تقاضا تھا کہ میں اُس آواز کو عقلی دلیلوں سے سمجھنے کی کوشش کروں یا پھر بے معنی سمجھ کر ذہن کے کسی ایسے طاقچے میں رکھ دوں جہاں سے اُس کی یاد نہ آئے۔ اس کشمکش نے مجھے جہاں شروع شروع میں بہت تکلیف دی وہاں آخر آخر میں یہ صوتی ساتھ ایک راحت پذیر' گداز کیف اور جانا پہچانا سا ہو گیا اور ہر دم میرے ساتھ رہنے لگ پڑا۔

ایسی پر اسرار اور قدرے الجھی صورتحال میں مَیں نے اپنے پرانے رفیق ڈاکٹر انیق احمد (فرزند ارجمند اشفاق احمد صاحب) کے ساتھ تال میل جوڑی' جن کے گھر ''داستان سرائے'' کی دریا دلی اور محبت نے میرے دل میں کسی وقت رُوحانیت کے دیے جلائے تھے۔ مجھے اُن کی روشنیوں کا اُس وقت شعوری طور پر احساس نہیں تھا' جیسے ہی میں نے اپنی رام کہانی انیق بھائی کو سنائی۔ اُنہوں نے میری مشکل کو جانچتے ہوئے فوراً کہا' ''انوار العلوم'' پڑھو' میرے لئے اُن کی کہی ہوئی بات حکم سے کم نہ تھی۔ لیکن اردو زبان کو پڑھے ہوئے پچیس برس گزر چکے تھے اور اس کتاب کو پڑھنا جوئے شیر لانے کے مترادف تھا۔ کہتے ہیں جہاں نیت ہوتی ہے وہاں راستے بھی نکل آتے ہیں اور جہاں اللہ کی چاہت ہوتی ہے وہاں پتھروں سے بھی چشمے نکلنے شروع ہو جاتے ہیں۔ میں نے اپنی امی کو لاہور فون کیا کہ وہ مجھے ''انوار العلوم'' کی ایک جلد بھیج دیں تاکہ میری بھٹکی ہوئی رُوح کی کچھ اصلاح ہو سکے۔ ایسی رُوح جو پچھلے چالیس برس سے انا' ناشکر گزاری اور گناہوں کی تنگ و تاریک کال کوٹھری میں بند رہی ہو۔

''انوار العلوم'' کی کاپی جلد ہی میرے پاس آ گئی اور اس کو پڑھنے کا تردد بھی عیاں ہو گیا۔ لیکن پڑھتے پڑھتے جب

جاہل ارباتو نماید بدلی — اللہ اور دین کے جاہل سے صحبت نہ کر

عاقبت زخمت زند از جاہلی — وہ اپنی جہالت سے تمہیں نقصان پہنچائے گا

کسی قدر اس میں روانی پیدا ہوئی تو اس طلسمی کتاب کی زبان نے میرے ذہن سے زیادہ دل پر اثر کرنا شروع کر دیا۔ کتاب میں دیئے ہوئے پیغامات' واقعات اور شاعری نے میرے دل کے نہاں خانے میں ایک عجیب سارستہ بنا دیا اور اس قلبی تبدیلی کو میں شدت سے محسوس کرنے لگا۔ میرا دل اُس نرم گوندھی ہوئی مٹی کی طرح ہو گیا جس کو کمہار اپنے گرم' آسودہ اور آشنا ہاتھوں سے چاک پر برتنوں میں ڈھالتے ہیں۔ جتنا میں اس کتاب کو پڑھتا گیا اتنا ہی زیادہ میرے دل میں ایک راہبر کی تلاش بڑھتی گئی۔ میرا دل بار بار یہی کہتا کہ کاش ایک خدا رسیدہ ہو جو مجھ کو میری اتھاہ گہرائیوں میں سے نکال لے۔ میری یہ چاہت اگلے دو مہینوں میں میرا ورد بن گئی میں نے اپنی عبادت بڑھا دی اور اللہ سے ایسے شخص کا سوالی ہو گیا کہ جس کی مجھے چاہت تھی۔

پھر ایک روز انیق بھائی کا فون آیا اور اُنہوں نے کہا کہ جس کتاب کو تم پچھلے اڑھائی مہینوں سے پڑھ رہے ہو اُس کے مصنف نیو جرسی (امریکہ) آئے ہوئے ہیں۔ مل لو۔ مجھے نیو جرسی میں رہتے ہوئے دس سال گزر چکے ہیں۔ ''انوار العلوم'' کے مصنف کا یوں نیو جرسی آ جانا مصلحت سے خالی نہ تھا' فون رکھنے کے بعد میں اس سوچ میں پڑ گیا کہ میں ''انوار العلوم'' کے بارے میں کیا پوچھوں گا؟ اس کے مصنف کو کس طرح سے متاثر کروں گا؟ کیا کہوں گا کہ یہ کیسی عمدہ کتاب ہے؟ کیسے اس کتاب نے رُوحانیت کے مسائل کو باریک بینی کے ساتھ پرکھا ہے۔ اپنی نالائقی سے جن سوالات کا تانا بانا میں بُن رہا تھا وہ محض اس رشتے کی نشان دہی کر رہے تھے جو ایک پرستار اور نامی مصنف کے درمیان ہوتا ہے۔

آخر کار 23 فروری 2007ء کا دن آ ہی گیا' اور ایسا تحفہ لے کر آیا کہ جس نے مجھے ماضی کی یاد اور مستقبل کی پریشانیوں سے دھو کر رکھ دیا۔ ایسے لگتا تھا کہ جنت کا نور اُمڈ آیا ہو۔ جناب قبلہ محمد عالم امیری مدظلہٗ کی دمک نے میرے اندر ایک مشعل کو روشن کر دیا ہو۔ فوراً ہی میں نے اپنے آپ کو اُن کے قدموں میں بیٹھا ہوا پایا۔ دل یہ کہہ رہا تھا کہ میں اُن کے قدموں میں یوں ہی بیٹھا رہوں۔ پھر یکا یک اُنہوں نے مجھے ماں کی ممتا اور باپ کی طاقت کے ساتھ کھڑا کیا اور میری آنکھوں میں جھانک کر دیکھا تو دونوں طرف سے آنسو کی ندیاں بہنے لگ پڑیں۔ پہلی ہی بار اپنی آغوش میں لینے پر مجھ کو اُن میں سے اپنوں کا سا احساس ملا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ میرے سارے سوالات جو میں سوچ کر آیا تھا بے معنی ہو کر رہ گئے' بالکل میرے وجود کی طرح۔ میں اللہ کے بھیجے ہوئے اِس بندے کی عظمت اور فضل میں مدغم ہو کر رہ گیا۔ اس پہلی ملاقات نے مجھے اُن کا اسیر بنا دیا اور وہ میری رُوح کے مالک ہو گئے۔ میں دل کے کسی کونے میں اللہ کا شکر ادا کر رہا تھا کہ اُس نے میری

جُوع مر خاصانِ حق را دادہ اند
بھوک صرف خاصانِ حق کا حصہ ہے

تا شوند از جُوع شیرِ زور مند
تاکہ رُوحانی طور پر شیر بن جائیں

رُوح کی شفاعت کے لئے یہ سب کچھ کیا ہے۔

باباجی جناب قبلہ محمد عالم امیری مدظلہ میرے دل اور خیالوں میں رچ بس گئے۔ بارہا یہ خیال آتا میں اس بیش بہا دولت کا کسی بھی طرح اہل نہیں تھا' یہ محض باباجی کی فیض رساں' دلسوز و عمیق نظر تھی کہ اُنہوں نے مجھ جیسے حقیر شخص کو اپنی لا محدود محبت کے دائرے میں پناہ دی۔ کچھ ہی دنوں میں اُن کی رُوحانی فضیلت کو محسوس کرنے لگا۔ میں پچھلے تیس برس سے نماز پڑھ رہا تھا لیکن باباجی سے ملاقات کے بعد نماز میں رُوحانی لگن اور دل بستگی کچھ ایسی پیدا ہوئی ہے کہ بیان سے باہر ہے۔ آہستہ آہستہ نماز پڑھتے وقت یہ کیفیت پیدا ہونی شروع ہوگئی کہ میرا جسم تو نیوجرسی میں ہوتا لیکن میرا وجود خانہ کعبہ میں۔ اللہ کے شکر سے اور باباجی کے دم قدم سے اس نایاب بصیرت کے تحفے نے میری زندگی کے تمام قیمتی تحفوں کو پیچ کر کے رکھ دیا۔ میں اپنے الفاظ سے اس بیش بہا تحفے کی قدر و منزلت بیان نہیں کرسکتا۔ مگر اتنا ضرور کہوں گا کہ اگر میری نماز میں یہ بات شامل نہ ہوتی تو یقیناً میری نماز ادھوری ہی رہ جاتی۔ بہرکیف مجھے اس بات کا اب بھی احساس ہے کہ میں باباجی کی دعاؤں اور نیک تمناؤں کا کبھی شکریہ ادا نہیں کرسکتا۔

باباجی میں یہ خصوصیت بے بہا ہے کہ وہ لوگوں کو بہت آسانی سے بدل دیتے ہیں۔ کبھی تیزی کے ساتھ اور کبھی آہستہ آہستہ۔ باباجی کا یہ عمل اتنا کارگر ہے کہ ماننے والے کو پتہ ہی نہیں چلتا کہ اُس کی پچھلی زندگی کی طرز بالکل نئی کیسے ہو کے رہ گئی؟ جیسے ہی ماننے والے کو اس تبدیلی کا احساس ہوتا ہے وہ اس کو باباجی کے ساتھ منسلک کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ باباجی کی نظر کرم نے جب مجھے اس تبدیلی کا احساس دلایا تو میرے لئے اپنی پچھلی اور نئی زندگی میں رشتہ گانٹھنا مشکل ہوگیا کیونکہ پچھلی زندگی کے کڑوے سچ کو نگلنا آسان نہ تھا۔ اپنا مشاہدہ کرنا اور اپنی کوتاہیوں کو ماننا کانٹوں پر چلنے کے مترادف تھا۔ جیسے ہی اندر کا ایک کلنک دھل کر تہہ ہوتا ایک نیا عیب مجھے گھائل کردیتا۔ میں باباجی سے شکایت کرتا تو وہ یہی کہتے کہ اپنے ساتھ سچا ہونے سے ہی تلاش اصل حقیقت تک پہنچ سکتی ہے۔ صرف سچائی ہی حقیقت کے ساتھ جڑ سکتی ہے۔ نہ صرف باباجی نے میرا اور "اللہ" کا ساتھ جوڑا بلکہ ہماری دوستی بھی کروائی۔ جب سے باباجی نے میری انگلی پکڑی ہے تب سے مجھے اپنی زندگی کی سمت کا شعور ہوا۔ وہ ہر وقت مجھے یاددہانی کرواتے رہتے کہ ہماری زندگی میں لوگ بہت ضروری ہیں کیونکہ وہ ہماری زندگی کو تشکیل دیتے ہیں اللہ کے فضل کے ساتھ۔

"انوار العلوم" ایک معجزہ ہے جو باباجی کے محبت بھرے دل کا سرچشمہ ہے۔ جب بھی میں اس کتاب کا مطالعہ کرتا

ہیں توکّل کُن ملرزاں پا و دست
تُو توکل کر اور رزق کیلئے زیادہ ہاتھ پاؤں نہ مار

رزق تو بر تو ز تو عاشق ترست
تیرا رزق تجھ پر تجھ سے زیادہ عاشق ہے

ہوں تو میرے ذہن کے وہ نہاں خانے اُجاگر ہو جاتے ہیں کہ جن کا مجھے پتہ بھی نہیں ہوتا۔ اس کتاب کا جوہر باباجی کی محبت ہے جو میرے دل میں پیوستہ ہے اور ہمیشہ رہنے کے لئے ہے۔

کوئی میرے دل سے پوچھے تیرے تیر نیم کش کو
یہ خلش کہاں سے ہوتی جو جگر کے پار ہوتا

یہ الفاظ میرے "اللہ" اور میرے "باباجی" کا شکریہ ادا کرنے کو کافی نہیں، لیکن شاید جب میں اِن دونوں کو یاد کرتے وقت جذبات میں بھیگ جاتا ہوں تو میں سمجھتا ہوں کہ میری عقیدت و محبت اشاروں میں شکریہ ادا کرتے ہوئے ادا ہوئی ہے۔

عمیر ذکاء فضلی
جنوری ۲۰۰۹ء
نیو جرسی (امریکہ)

مترجم، ڈاکٹر انیق احمد
نیو جرسی (امریکہ)

سالہا خوردی و کم نامد زخور
تُو نے سالوں کھایا اور وہ کھانے سے کم نہ ہوا

ترکِ مستقبل کن و ماضی نگر
آئندہ کو چھوڑ ماضی پر غور کر

مورے پریتم

جب کبھی کوئی باوقار ہستی کسی کے شعور میں اس کے اپنے خیال سے زیادہ عیاں ہوتی ہے تو آہستہ آہستہ اس کی ذات کی نفی ہونے لگتی ہے۔ ایسی جھلک ہمیں ایسا تجربہ فراہم کرتی ہے کہ جس میں اپنی ذات بے ذات ہونے لگتی ہے، یہ ایک ناقابل یقین اور بیان سے باہر تجربہ ہوتا ہے۔ باباجی میرے خیالات کی دنیا کے مستقل مکین ہوگئے ہیں۔ درحقیقت وہ اس عالم (عالم خیالات) کے عالم پناہ ہیں۔ مجھے یہ تصور تھا کہ میں نے ہی ان کو جبرًا سے کھینچ کر اپنے خیالات میں داخل کیا ہے اور ٹھہرائے ہوئے ہوں جب تک میرا جی چاہے۔ مگر حقیقت اس کے برعکس ہے۔ یہ باباجی کی محبت کی رعنائی، اعلیٰ ظرفی اور پاکیزگی ہے کہ جس نے اپنے بازو میری ذات کے گرد حائل کیے ہوئے ہیں۔ ان کا ذکر بے عیب ہیرے کی طرح میرے دل میں جڑا ہے اور اس سے دھنک کی مانند چمکدار روشنی نکلتی ہے جو میرے ہر کالے کونے کھدرے کو مستقل طور پر جلا بخشتی رہتی ہے۔

اپنی زندگی میں جن تجربوں کو بے وقوفی سے ''محبت'' سمجھتا رہا، جو طرح طرح کی شکلوں میں خوبصورت اور باریک کاری گری سے بنے ہوئے قلعوں کی مانند تھے اور ان کو میں نے ذاتی خواہشات، انا اور تخیل کی بے پیکر ریت سے ایستادہ کیا ہوا تھا۔ اس لئے ان خیالی اور سطحی ایوانوں کے مقدر میں چور ہونا یقینی تھا۔ عشق، بے غرض محبت، ایک ایسا موتی تھا جو میرے اندر کے تاریک ساگر کی اتھاہ گہرائیوں میں پڑا تھا اور میرے محبوب باباجی نے مجھے اوزاروں سے لیس کر کے، ہاتھ پکڑ کے اپنی روحانی رہنمائی میں میرے اندر غوطہ لگایا اور گہرائیوں سے مجھے یہ چمکدار نگینہ لا کر پکڑا دیا۔ یہ سچی محبت تھی، پاکیزہ محبت تھی، روحانی محبت تھی اور صرف محبت تھی۔

میں نے جنون کے دھانے پر زندگی گزاری ہے۔
وجوہات جاننے کیلئے دروازہ کھٹکھٹا رہا ہوں۔
جب کھلا۔ تو معلوم ہوا کہ میں اندر ہی کھڑا کھٹکھٹا رہا تھا۔
(مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ)

"I have lived on the lip
of insanity, wanting to know reasons,
knocking on a door. It opens.
I've been knocking from the inside."
— Maulana Jalal ud Din Rumi

لوت پُوتِ خوردہ را ہم یاد آر
کھائے ہوئے مرغن کھانوں کو یاد کر

منگر اندر غابر و کم باش زار
مستقبل کو نہ دیکھ اور بدحال نہ بن

عشق ایک خمار ہے' جو وقتاً فوقتاً آپ کو اپنے پروں پر بیٹھا کر جنت کی وادی میں لے جاتا ہے اور اس زندگی میں اُس نشے کو چکھاتا ہے کہ جس کی لت پڑ جائے۔ اس آتشی پانی کو چکھنے کے بعد روح پر مستقل اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ اس یاترا کا زیادہ یا کم ہو جانا مرشد کے بابرکت ہاتھوں میں ہوتا ہے تاکہ روح اپنے نسبی گوہر کو بوسہ دے کر فانی پیکر میں آ کر رہے۔ باباجی کی بے انتہا نوازشات کی وجہ سے پہلی ہی ملاقات کے فوراً بعد مجھے ایسے سفر کا احساس ہو گیا۔

باباجی اس گلاب کے پھول کی طرح ہیں جو میرے جیسے کئی مریدین کے خیالات میں کھلتا ہے۔ یہ ایک ایسا بہشتی اور بے خود کر دینے والا پھول ہے جو مریدین کے آنسوؤں سے سیراب ہوتا ہے۔ خاص کر جب وہ بے یار و مددگار، باباجی کی یاد میں غرق ہوں۔ اس کے جواب میں باباجی سانس نکالتے ہوئے الااللہ کی خوشبو کا جھونکا چھوڑ دیتے ہیں جو ان کے ہر ماننے والے تک پہنچتا ہے اور ان کی روحوں کو مزید پیوست کئے ہوئے مدہوش کر دیتا ہے۔

بابرکت ہیں وہ خوش نصیب جن کو باباجی کی خدمت میں جسمانی طور پر حاضری کا شرف حاصل ہوتا ہے اور وہ جو اس خوش قسمتی سے محروم ہیں' ان سے باباجی ایک ایک کر کے ایک منفرد دنیا میں ملتے ہیں۔ ایسے روحانی لمحات صرف باباجی کی وجہ سے ہیں اور ہماری زندگیوں میں گراں قدر جواہرات کی طرح ہیں جو ہمیں روشنی دیتے رہتے ہیں۔

آپ کے ساتھ' میری جان' نرگ بھی رضوان ہے۔
آپ کے ہمراہ بندی خانہ بھی گلستان ہے۔
آپ کے ساتھ دوزخ' خوشی کا ایوان ہے۔
آپ سے جدا' دودھیا اور گلاب' آگ کا سیلان ہے۔

(مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ)

With thee, my love, hell itself were heaven.
With thee a prison would be a rose-garden.
With thee hell would be a mansion of delight.
Without thee lilies and roses would be as flames of fire!
— Maulana Jalal ud Din Rumi

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ انا کو سکیڑ کر نقطہ ہلاکت تک لے جانا ضروری ہے۔ یہ ایک واحد ضروری شرط ہے کہ جس سے روحانی راستے کے پھاٹک کی کنجی دستیاب ہوتی ہے۔ تاہم باباجی نے مجھ پر یہ راز آشکار کیا کہ ذات کی بے رغبتی' آزادی کے راستے کیلئے مخالفانہ اور مزاحمت پذیر رکاوٹ بن سکتی ہے۔ ان کی اس بات سے ایسا محسوس ہوا کہ انہوں نے میرے اندر کے اقرار کی بھٹی میں پکی ہوئی منکر مٹی کو کھود نکالا ہو' ایسی مٹی انسان کے نہ ختم ہونے والے نقائص اور ادھورے پن کی بھڑکتی ہوئی آگ میں پکتی رہتی ہے۔ جب جب میں نے اپنے اندر کی ذات کو ماننا اور رفیق جاننا شروع کیا اس وقت مجھے

ہست بادام کم خوش بیختہ
تھوڑے سے مزیدار بادام بھی

بہ ز بسیارے بتلخ آمیختہ
بہت سے کڑوے ملے ہوؤں سے بہتر ہوتے ہیں

حقیقی برکتوں کا اندازہ ہونا شروع ہوا۔ ایسے لگنے لگا جیسے باباجی نے میرے نقائص پر ایک نرم اور ریشمی چادر ڈال کر ان کو جگ راتے کے بعد نیند دلا دی ہو اور میری اندرونی ذات کے اس بے نجس حصے کو جگا دیا۔ ایسی پاکیزگی کا مجھے اقرار، اعتراف اور شکریہ ادا کرنا تھا۔ پھر بارش پڑنے لگی اور موسلا دھار پڑی۔ مجھ پہ لذت کا رقص سوار ہو گیا اور ناچتے ناچتے گھٹنوں کے بل عاجزی کا بت بن کر گر پڑا۔ جیسے بنجر ریگ زار بہار کی آمد سے چھن جائے، مجھے عجیب سی تازگی نے اندر باہر سے گھیر لیا۔

تم رقص کرو جب ٹوٹ کے کھل جاؤ۔
تم رقص کرو جب پٹی کاٹ اتاری ہو۔
تم رقص کرو جدل کے بیچ
تم رقص کرو اپنے خون میں نہا کر
تم رقص کرو جب بے عیب آزاد ہو
(مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ)

"Dance, when you're broken open.
Dance, if you've torn the bandage off.
Dance in the middle of the fighting.
Dance in your blood.
Dance when you're perfectly free."
— Maulana Jalal ud Din Rumi

یہ کیسے ممکن ہے کہ کوئی شخص میری زندگی میں اتر آئے اور مجھے دوبارہ مجسم کرے؟ زمین پر ایسا کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ طوفان کے بعد طوفان آتا رہے اور مجھے پہلے کی نسبت زیادہ صاف اور منکسر المزاج چھوڑ جائے؟ ان سب باتوں کی کیا تشریح ہے؟ پے در پے میرے ذہن میں سوال ابھرتے رہے۔ پر میں نے کسی ایک کی طرف بھی توجہ نہیں دی۔ میں کیونکر ان کی پروا کرتا۔

"چلا پیا گھر آ جاوے او تے شکر ونڈ دا پھر دا اے"۔

باباجی ایک سدا بہنے والا بے انتہا محبت کا دریا ہیں۔ میں اس دائمی دریا میں بہاؤ پذیر ہوں اور کسی قدر اس میں ڈوبا ہوا بھی ہوں، پر دل کی یہ گہری تمنا ہے کہ ایک دن اس میں مکمل طور پر غرق ہو جاؤں۔ وہ دل اور روح کے لئے جاں بخش رسی ہیں۔ ان پر ایک نظر آنسوؤں کے اس سمندر کو آزاد کر دیتا ہے جو اللہ جانے کب سے باہر نکلنے کیلئے بے تاب ہوتے ہیں۔ ایسا اثر میرے باباجی کا آدمی کی روح پر ہوتا ہے کہ جس سے اللہ کے اس سفیر کو دیکھ کر جان پڑ جاتی ہے۔ روح اپنے ناجی کی آمد پر جشن مناتی ہے اور لگاتار چکر دار رقص اس کی خوشی کا اظہار بن جاتا ہے۔ باباجی کے الفاظ ہمارے زخموں پر مرہم کا کام

کرتے ہیں۔ان کی دعاؤں میں یہ قوت ہے کہ دنیا کے جھمیلے بخارات بن کر اڑ جاتے ہیں۔ان کی مسکراہٹ جنت کی ہوا معلوم ہوتی ہے۔ان کی ہنسی کانوں کے لیے جنت کے نغموں کی مانند ہے۔ان کے آنسو وہ موتی ہیں جو اللہ کے ہار سے ٹوٹ ٹوٹ کر گرتے ہیں۔

My HEART, so precious,
I won't trade for a hundred thousand souls.
Your one smile takes it for free.
- Maulana Jalal ud Din Rumi

میرا دل قیمتی ہے۔
کہ میں ہزار جانوں پر بھی اس کا سودا نہ کروں۔
مگر تمہاری ایک مسکراہٹ اس کو بلا قیمت لے جاتی ہے۔
(مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ)

بابا جی نے مجھے اپنے ساتھ چند گہرے رازوں میں شریک کیا ہے۔ان میں سے ایک یہ ہے کہ ہر تجربہ اور شخص ہماری زندگی میں ہم کو سیکھنے اور ترقی کا موقع دیتا ہے تاکہ ہم اپنی پرانی ذات کو پیچھے چھوڑ دیں۔ہمارے ردعمل اور ہمارے جوابی فعل مختلف حالات میں، لوگوں کے ساتھ میل جول ہم کو ہمارے اصل قالب میں ڈھالتا ہے۔ہر حالت اور ہر شخص کا خیر مقدم کرنا چاہیے کیونکہ ہم کو معلوم نہیں کہ وہ ہمارے لئے کونسے تحفے لا رہے ہیں۔اس سبق میں بہت سی سچائی ہے اور میں کوشش کرتا ہوں کہ میں ہر وقت ہر روح سے شعوری طور پر چوکنا رہوں۔

"This being human is a guest house. Every morning is a new arrival. A joy, a depression, a meanness, some momentary awareness comes as an unexpected visitor...Welcome and entertain them all. Treat each guest honorably. The dark thought, the shame, the malice, meet them at the door laughing, and invite them in. Be grateful for whoever comes, because each has been sent as a guide from beyond."
— Maulana Jalal ud Din Rumi

"یہ انسان ایک مہمان خانہ ہے۔ہر صبح ایک نئی آمد ہے۔ایک خوشی، ایک دکھ، ایک کمینگی اور ایک لمحے بھر کا شعور جو غیر متوقع آنے والے کی طرح ہوتا ہے۔سب کا خیر مقدم کرو سب کی خاطر تواضع کرو۔ہر مہمان کے ساتھ عزت کا سلوک کرو۔ایک تاریک خیال، ایک خفت، ایک بغض، سب کو دروازے پر ہنستے ہوئے ملو اور ان کو اندر آنے کی دعوت دو۔جو بھی آتا ہو اس کیلئے شکر گزار ہو جاؤ، کیونکہ جو آتا ہے وہ ایک رہنما کی طرح پرے سے آتا ہے"۔
(مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ)

چوں طمانین ست صدق با فروغ | دل نیارامد بگفتار دروغ
چونکہ روشن سچائی دلی اطمینان کا باعث ہے | اور جھوٹ کہنے سے دل کو کبھی اطمینان حاصل نہیں ہوتا

سو اس سوال ''باباجی کون ہیں'' کا جواب دینا تقریباً ناممکن ہے۔ اس لئے کہ ان کی خصوصیات لفظوں اور زبان کی گرفت سے باہر ہیں۔ باباجی کو صرف قلب ہی محسوس کر سکتا ہے۔ جس وقت باباجی میرے خیالات کی بندرگاہ میں لنگر انداز ہوتے ہیں تو وہ میری جلد میں پیوست ہو کر ایک ایسی کرسی پر بیٹھ جاتے ہیں کہ ایسے لگتا ہے کہ میری روح میں دل اتر آیا ہو' مخملیں گرمایش لئے ہوئے۔ مشک کی خوشبو میری سانسوں میں بس جاتی ہے اور میری دھندلی نظر شفاف بلور کی طرح صاف ہو جاتی ہے' آنسوؤں کی بے قابو جھڑی اور سدا مسکراہٹ میرے جذبات کے ساتھ کھیلنے لگتے ہیں اور ایسے لگتا ہے کہ میرے دل کی دھڑکنیں شہد اور طہور کے محلول میں غوطہ زن ہو گئی ہوں۔

تمام گنوں میں شیرہ نہیں ہوتا' ہر گھائی کی چوٹی نہیں ہوتی۔
ہر آنکھ سجاکھی نہیں ہوتی' ہر سمندر موتیوں سے بھرا نہیں ہوتا۔
اے عندلیب' دھندلے شہد جیسی آواز میں گریہ کرتا رہ
کہ صرف تمہارے گہرے وجد سے ہی چٹان جیسا سخت دل ٹوٹے گا۔
اپنے آپ کو دست بردار کر دے اور اگر دوست تمہارا خیر مقدم نہ کرے
تو سمجھ لو کہ تم ابھی اندر سے سرکش ہو اس دھاگے کی طرح
جو سوئی کے ناکے میں سے گزرنا نہیں چاہتا
(مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ)

Not all sugarcanes have sugar, not all abysses a peak; Not all eyes possess vision, not every sea is full of pearls. O nightingale, with your voice of dark honey! Go on lamenting! Only your drunken ecstasy can pierce the rock's hard heart! Surrender yourself, and if you cannot be welcomes by the Friend, Know that you are rebelling inwardly like a thread That doesn't want to go through the needle's eye!
- Maulana Jalal ud Din Rumi

مترجم: ڈاکٹر انیق احمد
مئی ۲۰۱۳ء
نیو جرسی (امریکہ)

عمیر ذکا فضلی
مئی ۲۰۱۳ء
نیو جرسی (امریکہ)

کذب چوں خس باشد و دل چوں دہاں
خس نگردد در دہاں ہرگز نہاں
جھوٹ گھاس پھوس کے ایک تنکے کی طرح ہے اور دل منہ کی طرح
تنکا منہ میں کبھی نہیں چھپا رہتا

میرے گرُو

اِس ہستی کی فضیلت کے بارے میں میری زبان عاجز ہے۔ کیا میں سورج کی چمک دمک اور سمندر کی گہرائی کو لفظوں میں پرو سکتی ہوں؟ اِس ہستی کو کیسے بیان کیا جائے جو بیان سے باہر ہو میں کیا کہوں کہ یہ ذات میرے لئے کیا ہے؟

کچھ عرصے سے میرے شوہر اپنے لئے ایک گرو کی تلاش میں سرگرداں تھے۔ اُن کو اپنے گرو کے بارے میں کچھ پتہ نہیں تھا کہ وہ کون ہیں اور کہاں رہتے ہیں۔ چونکہ یہ تلاش محض خیالی تھی تو بارہا میرے شوہر پریشانی کا شکار ہو جایا کرتے تھے۔ میں اِس ضمن میں اُن کا حوصلہ بڑھاتی اور کہتی تھی کہ وقت کا انتظار کریں' آپ کو گرو مل جائیں گے۔ یہ تسلی صرف میرے شوہر کے لئے تھی کیونکہ مجھ پر یہ بات دن کے اُجالے کی طرح عیاں تھی کہ یہ گرو میرے شوہر کے لئے ہوں گے میرے لئے نہیں۔ مجھے گرو کی ضرورت نہیں تھی۔ میں اپنی ذاتی رُوحانی زندگی سے مطمئن تھی۔

میں سکھ مذہب میں پیدا ہوئی اور جب پروان چڑھ رہی تھی تو اپنے مذہب پر بہت نازاں تھی۔ نوجوانی میں مجھے اور بہت سارے مذاہب کے مطالعے کا اتفاق ہوا۔ ہر مذہب کی کوئی نہ کوئی بات دل کو لگی اور اپنا اثر چھوڑ گئی۔ پھر بیس سال پہلے میری ملاقات ایک پاکستانی سے ہوئی جس سے مجھے بے پناہ محبت ہو گئی۔ شادی کے بعد میں اسلام میں داخل ہو گئی۔ جب مجھے حرمین شریفین کی حاضری کا نادر موقعہ ملا تو اُس واقعہ نے میری زندگی کو تبدیل کر کے رکھ دیا۔

23 فروری 2007ء کو میرے شوہر کی مریادا (مراد) پوری ہوئی اور اُن کو اُن کے گرو مل گئے۔ حیران کن بات یہ تھی کہ میرے شوہر کو کہیں جانا نہیں پڑا۔ گرو جی نیوجرسی میں ہم سے آدھا گھنٹہ دور اللہ کے فضل سے پہنچا دیئے گئے۔ مارچ کی ایک سرد شام کو ہم نے قبلہ محمد عالم امیری مدظلہ کو کھانے کی دعوت دی اور جیسے باقی مہمانوں کے لئے کھانا پکایا جاتا ہے اُن کے لئے بھی ایسا ہی تکلف کیا گیا۔ قبلہ محمد عالم امیری مدظلہ نے گھر میں داخل ہوتے ہی سب اہلِ خانہ کو محبت بھری پچکاری سے بھگو کر رکھ دیا۔ جیسے ہی میری آنکھیں اُن سے دوچار ہوئیں میں اندر سے بدل گئی۔ مجھے صرف اتنا یاد ہے کہ میں اپنے آپ کو یہی کہتی جا رہی تھی کہ مجھے کیا ہو گیا ہے؟ میں اپنے آپ کو اُن کی طرف دیکھنے سے روکتی تھی تو جذبات کا ایک اُبال اندر سے ٹھاٹھیں مارتا آنکھوں سے ظاہر ہو جاتا۔ ابھی اُن کو آئے ہوئے دس منٹ ہی گزرے تھے کہ میرے دل نے اس

بات کا اقرار کر لیا کہ قبلہ محمد عالم امیری مدظلہٗ کو میری زندگی کا حصہ ہونا پڑے گا اور یہ میرے بھی گرو ہوں گے۔ بابا جی (قبلہ محمد عالم امیری مدظلہٗ) سے ملنے کے ایک ہفتے بعد میں اُن کی مرید بن گئی۔

بابا جی خدا رس انسان ہیں۔ وہ مذہب اور رُوحانیت کی محبت بھری تصویر ہیں۔ وہ تکلیف پر مرہم رکھتے ہیں اندھیرے کو دور کرتے ہیں اور غم کا مداوا کرتے ہیں۔ وہ ہزار ہا کتابوں کے برابر فہم رکھتے ہیں۔ اُن کی فراست افضل ترین ہے اور اُن کی رحم دلی ہزاروں ماؤں کو نچوڑ کر بنی ہے۔ اُن کی نظر تعصب سے پاک ہے۔ تبھی اُن کی محبت کسی قسم کی توقع اور شرط سے منزّہ ہے۔ ایسی محبت میں نے پہلے کبھی دیکھی نہیں تھی۔ اس محبت کی پاکی سے بسا اوقات میرا اُن کے پاس بیٹھنا مشکل ہو جاتا تھا کیونکہ یہ محبت میرے اندر کی کدورتوں کو ظاہر کر دیتی تھی۔ ایسے وقت میں مجھے اپنا آپ بے معانی اور حقیر لگنے لگ جاتا۔ میں اپنے آپ سے پوچھتی کہ وہ مجھے اپنے پاس بیٹھنے کیوں دیتے ہیں؟ مجھ سے کیوں بات کرتے ہیں؟ لیکن پھر خیال آتا کہ میں اُس نانبجار اولاد کی طرح ہوں جو صبح بھولنے کے بعد شام کو گھر واپس لوٹ آتی ہے اور شاید اسی لئے لوٹ آتی ہے کہ باہر آنے کے بعد اُس کا رشتہ گھر کے ساتھ اور زیادہ مضبوط ہو جاتا ہے۔

بابا جی سے ملنے سے پہلے میرے اور اللہ کے درمیان رشتے میں کمی تھی۔ ایک ایسا فاصلہ تھا جس کو عبور کرنا مشکل تھا۔ ایک ایسا خلیج تھا جس کو پار کرنا میرے بس کی بات نہ تھی۔ بابا جی نے آکر اس فاصلے کو اپنی ذات کے پُل سے باندھ دیا۔ بابا جی نے نہ صرف یہ پُل میرے اور میرے اللہ کے درمیان باندھا بلکہ اور بہت سارے پُل میرے اور میرے شوہر اور بچوں کے درمیان باندھ دیئے۔ بابا جی' جو کچھ میں ہوں اور جو بننا چاہتی ہوں' اُس کے درمیان بھی پُل ہیں۔ ان پلوں کی حقیقت کو سمجھنے میں بابا جی نے میری بہت مدد کی۔ وہ ہر مشکل پر یہی کہتے "اللہ بہتر کرے گا" اور یقیناً ایسا ہی ہوتا۔ بابا جی کسی بھی مشکل کے گنجل پن میں دلچسپی نہیں لیتے تھے بلکہ اُس کے سلجھاؤ پر توجہ دیتے۔ تھوڑی اور ملاقاتوں کے بعد میں نے بابا جی کو اپنی امی' ابو اور بہن بھائیوں سے ملایا۔ میرے والد جو سکھ مذہب سے ہیں بابا جی سے اس طرح گھل مل گئے کہ جیسے ایک دوسرے کو عرصے سے جانتے ہوں۔ ان دونوں بزرگوں کا یوں طلسماتی طور پر مل جانا میرے لئے بہت قیمتی تھا۔

بابا جی کی اہلیہ محترمہ جن کو ہم سارے اماں جی کہنے لگے' بابا جی کی ایسی منفرد ساتھی ہیں جو اُن کے تمام ماننے والوں کو سہارا دیتی ہیں۔ کچھ مہینوں کے بعد جب بابا جی اور اماں جی واپس پاکستان چلے گئے تو ہم سب اداس ہو کر رہ گئے۔ آج تک اُن کی یاد دل کو ستاتی رہتی ہے۔ میں اپنے بابا جی کو یہ کہوں گی کہ آپ ایک نہایت طاقتور ریشم کی طرح ملائم انسان

اے بسا شیر ہیں کہ چوں شکر بود
(اے) مخاطب بہت سی چیزیں شکر جیسی ہوتی ہیں

لیک زہر اندر شکر مضمر بود
لیکن شکر میں زہر چھپا ہوا ہوتا ہے

ہیں۔ میں نے کوئی بھی ایسا انسان نہیں دیکھا۔ آپ کی محبت رُوحانی اور بلاشرط ہے۔ میں اس بات کا کبھی شکریہ نہیں ادا کر سکتی کہ آپ ہماری زندگیوں میں آئے۔ میری یہ تعریف آپ کے لئے ہر طرح سے ناکافی ہے' لیکن پھر بھی میں اپنے دل سے یہ چھوٹا سا ہدیہ پیش کر رہی ہوں۔ اللہ اس کو قبول فرمائے۔

مترجم: ڈاکٹر انیق احمد
نیوجرسی (امریکہ)

ھَارِوِیْ فَضلِیْ
جنوری ۲۰۰۹ء
نیوجرسی (امریکہ)

بہت دِنوں کا سویا منوا جاگت جاگت جاگے

بھو بھاگت بھاگے   رنگ لاگت لاگت لاگے
بہت دِنوں کا سویا منوا   جاگت جاگت جاگے   (بھگت کبیر)

ترجمہ : شک جاتے جاتے ہی جاتا ہے اور رنگ لگتے لگتے ہی لگتا ہے
اِتنی دیر سے سویا ہوا مَن آہستہ آہستہ ہی جاگتا ہے

میرے لیے یہ سعادت اور عزت کا مقام ہے کہ آج ایک بار پھر اپنے باباجی کے بارے میں اپنے خیالات و احساسات کو لفظوں میں ڈھالنے کا موقع ملا ہے۔ میری خواہش ہے کہ میرے یہ الفاظ نہ صرف میرے باباجی کی شخصیت کی صحیح عکاسی کر سکیں بلکہ میرے اس جہان فانی سے کوچ کر جانے کے بعد بھی اس دنیا میں میرے باباجی کیلئے میرا محبت نامہ بن جائیں۔ میری پہلی تحریر (جنوری 2009ء) اور پیش نظر تحریر میں کسی ابہام یا تضاد کیلئے میں پیشگی معذرت خواہ ہوں' کیونکہ میں سفر میں ہوں۔ ابھی بھی اپنے من کے میل کو دور کرنے میں کوشاں ہوں۔ میں نے اپنے باباجی کے بارے میں جو پہلے لکھا تھا وہ بھی سچ تھا اور جو اَب لکھ رہی ہوں وہ بھی سچ ہے۔ وہ میری بدلتی ہوئی زندگی کا جزو لاینفک ہیں۔ میں اپنی ناقابل بیان کیفیات و احساسات کو زبان و بیان کی مجبوریوں کے باوجود الفاظ میں محفوظ کرنے کی کوشش کروں گی۔ یہ روئیداد اور احوال ہیں میرے اس روحانی سفر کے جو کہ میں تاریکیوں سے اجالوں کی جانب کر رہی ہوں اور جس سفر میں میرے ناخدا میرے باباجی ہیں۔

باباجی کی کرم نوازی سے گزشتہ چند سالوں میں میرے اور ان کے درمیان ایک دلی تعلق قائم ہوا ہے۔ ان کے ساتھ ہونے والی ہر ٹیلیفونک گفتگو (کیونکہ میں نیوجرسی امریکہ میں ہوتی ہوں اور باباجی لاہور پاکستان میں) نہ صرف مجھے بدلتی جا رہی ہے بلکہ میرے خیالات کو اُن کے خیالات سے ہم آہنگ کرتی چلی جا رہی ہے۔ بلاشبہ تبدیلی کے اس عمل کا ابھی بہت سا کام ہونا باقی ہے۔ اس روحانی تعلق سے پہلے نہ صرف میری ذات اور زندگی خوب تھی بلکہ ہر طرف سے سب اچھا کی آواز

ہر ندائے کاں ترا حرص آورد   بانگِ گرگے داں کہ اُو مردم دَرد
وہ آواز جو تجھ میں کوئی حرص پیدا کرے   اُسے بھیڑیے کی آواز جان جو تجھے کھا جائے گی

تھی۔ اس تعلق کے بعد تو مجھے ایک سادہ اور آسان زندگی کی توقع تھی۔ میں نے نہیں سوچا تھا کہ مجھے مشکلات اور امتحانات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اسی احساس کبر و برتری میں زندگی خوب گزر رہی تھی لیکن یہ سب بہت جلد ختم ہو گیا۔ اس سے پہلے کہ میں کچھ سمجھ پاتی میری زندگی چاروں اطراف سے طوفانوں میں گھر گئی۔ میری اندرونی دنیا اور میں بکھر کر ٹکڑے ٹکڑے ہونے لگی۔ جیسے ہی میں ان ٹکڑوں کو جوڑنے لگی مجھ پر ایک تاریکی چھا گئی۔ جس سے فرار میرے لیے ممکن نہ تھا۔ میں ان ان دیکھے ٹکڑوں کو کیسے اکٹھا کرتی۔ میں نے تو ایسا ہونے کا سوچا بھی نہ تھا۔ خاص طور پر باباجی جیسی عظیم ہستی سے ملنے کے بعد یہ سب ہونا توقعات کے خلاف تھا۔ بر ہی میں ان سب کا جواب مانگنے لگی لیکن یہ بے فائدہ ہوا۔ باباجی پاکستان واپس جا چکے تھے اور اللہ تعالیٰ کا میرے پاس نمبر نہیں تھا۔

میری ذات اور میری زندگی کا ڈھانچہ میرے من کی تاریکی اور انا پر کھڑا تھا اور میں اسی ظلمت کدے کی باسی تھی۔ اسی لیے باباجی سے ملنے سے پہلے سب کچھ خوب بلکہ بہت خوب تھا۔ باباجی کی روحانیت سے میرے اس چھوٹے اور تاریک وجود میں سورج جیسی شدید روشنیوں کا اک سیلاب امڈ آیا۔ میں اس کیلئے قطعاً تیار نہ تھی۔ کیونکہ میں اس فریب میں گرفتار تھی کہ میں تو پہلے ہی سے روشنیوں میں رہتی ہوں۔ میں جھگڑی، چلائی اور باباجی سے روزانہ فون پر رابطہ کرنے لگی۔

میری روز کی خود ترسی اور اس میں ڈوب جانے کا عمل اور باباجی سے اس رابطے میں 10-9 گھنٹے کا وقفہ مجھے مزید مشتعل اور مایوس کر دیتا۔ لیکن میں جب بھی ان سے گفتگو کرتی، میرے دن بھر کے ڈرامے کی شدت میں کمی ہو جایا کرتی۔ ان کی آواز سنتے ہی مجھ پر الجھن وندامت چھا جاتی۔ ان سے رابطے کرتے سے فوری طور پر اپنی مشکلات کا بیان مجھے مناسب نہ لگتا۔ اپنی شکایات کی پٹاری کھولنے کی بجائے، میں ان سے عافیت اندیشی، اچھا کرنے اور اچھا ہونے کی بابت دریافت کرتی۔ اپنے عیبوں کو کم کرنے کے طریقے پوچھتی۔ ان سب کے جواب میں میرے باباجی پرخلوص دعاؤں کی بارش کر دیتے اور میں اپنے آنسوں کے بیچ خود کو ان کی ان کرم نوازیوں اور شفقتوں کا اہل نہ سمجھتی۔

میری مختصر سی ذات اور میں باباجی کے نور سے راہ فرار اختیار نہ کر سکے اور اس نور کی وجہ سے میرے من کے ہر کونے کھدرے سے کالک چھٹنے لگی۔ ہر عیب کو عدسی شیشے میں دیکھ کر جلا بخشی جاتی۔ اگر میں اپنے محبوب باباجی کی مریدنی بن کر با اصول زندگی بسر کرنا چاہتی تھی تو وہ سب کچھ جو اچھا نہ تھا، صاف نہ تھا، محبت بھرا نہ تھا، معافی اور پارسائی سے پرے تھا۔ ان سب کو مسمار کرنا بہت ضروری تھا۔

ایکہ صبرت نیست از ناز و نعیم
اے کہ عیش و عشرت کے بغیر تجھے صبر نہیں ہے

صبر چوں داری ز اللہ کریم
اللہ کریم کے قرب کے بغیر تجھے کیسے صبر ہے؟

میرے خیال سے باہر...... میری روح بھی تو بنیادی طور پر یہی چاہتی تھی۔ اب میں سوچتی ہوں کہ روح کا اصل مقصد تو یہی ہے۔ جس کو ایک بڑا انسان ہی دیکھ سکتا ہے۔ سلجھا سکتا ہے اور اس مقصد کو مکمل کر سکتا ہے۔ اور ہاں یہ سب اسی صورت ممکن ہے کہ نیند آور دوائی سے بے ہوشی طاری کر کے روح کا سرجن آپریشن کرے۔ رضا کارانہ طور پر تو شائد ہی کوئی اس آپریشن کیلئے رضامند ہو۔

اعلانیہ طور پر جب یہ اندرونی و بیرونی کشمکش جاری تھی۔ مجھے اپنی ذات' یقین' تجربے اور وفاداری کے بارے میں اپنے اندر سے اٹھنے والے بہت سے سوالات کا سامنا کرنا پڑا۔ وہ سب جس کو میں سچ مانتی تھی ایک انمٹ سوالیہ نشان سے بدل گیا۔ کیا ہوتا اگر میں سب کچھ پلٹ سکتی؟ کیا ہوتا! اگر میں اس زندگی میں جا سکتی جو باباجی سے پہلے تھی؟ میں باباجی کو اپنی زندگی سے کبھی نہیں نکالنا چاہتی تھی۔ میں ان کو اپنے پاس رکھنا چاہتی تھی میں ایک مرتبہ پھر اس تاریکی کے ساتھ سمجھوتہ کر سکتی تھی۔ آخر کار اسی تاریکی میں ساری زندگی گزاری تھی۔ یہ تاریک دنیا اتنی بری بھی تو نہ تھی۔ کیا واقعی تھی؟ دنیا کے باسیوں کی اکثریت ایسے ہی رہتی ہے اور وہ خوش بھی ہیں۔

اب واپس پلٹنا ممکن نہ تھا۔ میں اپنے نظریات' حقائق اور وابستگیوں کو ادھیڑنے سے باز نہ رہ سکی۔ میں تہ در تہ مٹ رہی تھی۔ میری وہ ذات جس کو میں نے اپنی ساری زندگی صرف کر کے نمود کیلئے تخلیق کیا تھا۔ خاک کی اس معمولی تہ کی طرح ہو کر رہ گئی جو جھاڑو پھرنے کے بعد فرش پر پڑی رہ جاتی ہے۔ خاک کی ایسی بے قدر و قیمت تہ کہ جس کو جھاڑو بھی اٹھانے سے کتراتا ہے۔ اگر مجھے ادراک ہو جاتا کہ میرے ساتھ کیا ہونے جا رہا ہے تو میں اس تاریکی اور لاعلمی کی آغوش میں خوشی خوشی اپنی زندگی گزار دیتی۔ کسی نے مجھے انتباہ ہی نہ کیا تھا۔ یہ راستہ اس چٹ کے ساتھ نہیں آیا تھا جس پہ یہ لکھا ہو کہ "یہ تعبیریں الٹی بھی ہو سکتی ہیں" باباجی میرے ساتھ ایسا سلوک کیوں کر سکتے تھے؟ میں تو سمجھتی تھی کہ وہ میرے ساتھ محبت وشفقت رکھتے ہیں۔ ان کے ذمہ تو ان تعبیروں یا تاثیروں کیلئے مزاحمت اور میرا دفاع تھا۔ کاہے کو میں نے ایسے روحانی سفر کا بیڑا اٹھایا؟

باباجی سب جانتے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ میں اپنے باطن میں کیسی ناقص اور ادھوری ہوں۔ کیسی نمائشی اور فریبی ہوں۔ ان کو یہ بھی پتا تھا کہ میں کس طرح سب چیزوں سے جڑی ہوئی ہوں۔ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ میں کس قدر ناشکری اور باطنی اندھی ہوں اور خود کو بدلنے کی خواہش تک نہیں رکھتی۔ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ میں اپنی نظر میں خود کو کتنا صحیح اور اچھا

سمجھتی ہوں۔ ان سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ مجھ میں چھپے اس جوہر کو بھی دیکھ سکتے تھے جو کہ ہر شخص میں پنہاں ہوتا ہے اور وہ میرے نہ چاہنے کے باوجود بھی اسی جوہر کی تراش خراش کا مصمم ارادہ رکھتے تھے۔

میرے باباجی اکثر ایک شعر سنایا کرتے ہیں جو کہ حضرت میاں بھیک رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔

بھیکا خالی کوئی ناں سب کی جھولی لعل
گرہ کھولنا کوئی ناں جانے اس لئے کنگال

مجھے اس بات کا پختہ یقین ہے کہ خود کو متقی سمجھنے نے میرے من کے ناقص پن کو گھیرے سے گہرا ترکر کے مجھ پر سال ہا سال اذیت پذیر حکمرانی کی ہے۔ نہ ماننے کی ہٹ دھرمی نے مجھے تکلیف میں رکھا۔ میری ذات کی سب سے بڑی بیماری ناشکراپن ہے اور اس میں میری مرضی شامل تھی اور ہے۔ یہ ایک ایسا کور عدسہ ہے جس نے مجھے اچھائی اور رحمت کو کسی چیز میں دیکھنے ہی نہ دیا۔ یہ ایک ایسا پتھرایا ہوا بھاری نقاب ہے کہ جس کو میں اپنے ہر رشتے اور تجربے کے لئے استعمال کرتی ہوں۔ پریشانی' اکیلا پن اور انتشار میرے ساتھی تھے۔ کیونکہ جہالت' خود غرضی اور سیاہی یہی کچھ دے سکتی ہے۔ کوئی اور راستہ بھی نہ تھا۔ باباجی کے ساتھ چلنے کیلئے میرا الٹ پلٹ ہونا ضروری تھا۔ درد وغم انسانی زندگی کا ایک مستقل جزو ہے اور زندگی کا کوئی درماں (علاج) نہیں ہے۔ تو پھر ہم کیوں زیادہ درد وغم کا انتخاب کریں لیکن ہم میں سے اکثر ایسا ہی کرتے ہیں۔

میرے نزدیک اطاعت وہ سراب تھا جس کے معانی ہار اور نقصان کے تھے۔ شکر گزار ہونا ظاہر داری لگتا تھا کیونکہ میں مزید بہتر کے انتظار میں تھی۔ میں نے شکر گزار تو ہونا ہی تھا مگر یہ اس صورت میں قابل قبول تھا کہ اگر یہ میری شرائط اور منتخب اوقات پر ہوتا۔ سب سے زیادہ خوشی اسی صورت میں ہوتی جب ہر دن سب کی طرف سے الف سے ی تک میری تمام خواہشات پوری ہو جاتیں۔ 'میں' میں اور میرا 'میرا' میرا ہر ناپسندیدہ چیز کو بنانے والے ثابت ہوئے۔ جوں جوں مجھ پر اس سچائی کا ادراک ہونے لگا کہ "میں کچھ نہیں جانتی" توں توں مَیں بے آرام ہوتی چلی گئی۔ اب میرے لیے صرف ایک ہی راستہ بچا تھا کہ میں اطاعت کی کوشش کروں' معافی دوں' معافی مانگوں' محبت و رحم سے پیش آؤں' مان لوں' شکر گزار رہوں اور باباجی کے "خوش رہو" کے حکم پر قائم ہو جاؤں۔ اب میرے لیے صرف یہی رہ گیا کہ میں اپنے مرشد اور اپنے اللہ کی طرف چلتی چلی جاؤں۔

آنکہ از غیرے بُود اُو را فرار جو شخص اللہ کے غیر سے دُور بھاگتا ہے	چوں ازو بربید گیرد اُو قرار جُوں ہی اُس سے الگ ہوا بے قرار میں آجاتا ہے

باباجی کے تصور (خیال) اور ان کے ساتھ ہم آہنگ ہونے کی خواہش نے مجھے بہت سی عنایات سے روشناس کروایا۔ جن میں سے آزادی ' ربط اور ہمسفری کا تعلق اس دنیا سے ہے اور سکون ' اطاعت ' خوشی ' سچائی ' محبت اور فلاح کا تعلق اس مادی دنیا سے پرے ہے۔ ایک اور کرم نوازی حقیقت بین آنکھیں ہیں جو کہ اصل حقائق کا مشاہدہ کرسکتیں ہیں نہ کہ میرے اپنے خودساختہ حقائق۔ ''خوش رہو'' ایک دعا نہیں ہے بلکہ میرے باباجی کا آفاقی حکم ہے۔ جس کو ہر حالت میں ماننا ضروری ہے۔ صبر اور شکر جیسے الفاظ کا استعمال ان کی عادت یا تکیہ کلام نہیں ہے بلکہ یہ ان کے عملی احکامات ہیں۔ یہ دونوں الفاظ میرے باباجی کی سنت ہیں۔

میں نے اپنے باباجی سے یہ سیکھا ہے کہ رشتوں کی نوعیت نامکمل ہے۔ تاہم آقا اور مرید کا آفاقی رشتہ ہی پاکیزہ اور سچ ہے۔ جو نہ صرف اس دنیا میں بلکہ اس کے بعد بھی قائم رہے گا۔ ان سے تعلق نے میرے دوسرے رشتے ناطوں کو بھی مکمل کر دیا ہے۔ وہ سب کچھ جو حل نہ ہوا' وہ ضروریات جو پوری نہ ہوئیں۔ اکیلا پن' جذباتی اشتہا' لاجواب سوالات' ان سے ہر گفتگو ان سب اشکالات کا تیر بہدف نسخہ ثابت ہوتی۔ ان کے تصور میں کھوئے رہنے یا ٹیلیفونک گفتگو سے شکوک شبہات اور مایوسی کی پرچھائیں ہٹنے لگتیں۔ تکلیف دہ ماضی جب بھی در آتا' بے دھیانی کی وجہ سے آتا اور ان کے خیال کو دھندلا جاتا۔

میں کسی بھی طرح یقین سے یہ نہیں کہہ سکتی کہ میں منزل مقصود پر یا اس کے قریب پہنچ گئی ہوں۔ ایسا ہونا ناممکن ہے۔ ہر دن اپنا رشتہ نئے سرے سے اس خوشی اور مسرت سے ان کے ساتھ استوار کرتی ہوں' جن کے ساتھ میں مانگی گئی ہوں۔ زندگی دھوپ چھاؤں کا نام ہے۔ کوئی دن ایسا بھی ہوتا ہے کہ لوگ میرے مدح سرا ہوتے ہیں اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ مجھ سے خوفزدہ ہو کر مجھ سے دور بھاگ جاتے ہیں۔ میری نحیف فطرت کے پیش نظر ایسا ہی رہے گا۔ لیکن ایک بات کا اب مجھے پکا یقین ہے کہ میں اب اکیلی نہیں ہوں۔ میں جہاں کہیں بھی ہوں' میرے باباجی میرے ساتھ ہوتے ہیں۔ ان کی موجودگی اور ان کے نور نے مجھ کو میرے سب سے بڑے دشمن یعنی میری ہی اپنی ذات سے مجھ کو بچا رکھا ہے۔

اب میں بلحاظ بیان اس تحریر کے سب سے مشکل حصے پر پہنچتی ہوں۔ میرے باباجی! میں کس طرح سے صحیح اور مکمل طور پر بیان کروں کہ آپ میرے لیے کیا ہیں؟ میں ان معجزوں کا شکریہ کیسے ادا کروں جو میرے اندر اور باہر رونما ہوئے ہیں؟ میں سپاس گزاری کے ساتھ کیسے بتاؤں کہ مجھے اب اپنی ''میں'' کی پہچان نہیں رہی۔ میں کیسے بیان کروں آپ کو؟ کیسے تعریف کروں آپ کی؟ آپ کی عظمت کو کیسے خراج تحسین پیش کروں؟ میں جب دیکھ نہیں رہی تھی آپ میرے خیال

نے بہ ہندستاں ایمن و نے در ختن | آنکہ خصم اُوست سایہ خویشتن
اُسے پوری دنیا میں امان نہیں مل سکتی | جس کا دشمن اُس کے اندر موجود ہو

میں آئے اور اس وقت سے آپ میرے اندر ہر چیز کو ادھر ادھر ٹھیک سے رکھ رہے ہیں۔ ٹھیک کر رہے ہیں اور نکال رہے ہیں اور وہ سب کچھ جو مجھ کو آپ سے اور اللہ سے علیحدہ کئے ہوئے تھا۔

آپ ہی نے اس کالے کثیف خوف اور کالک کی دھند کو جلا ڈالا ہے۔ اس وعدے اور یقین دہانی کے ساتھ کہ ایسا باقی سب کچھ بھی جلد ہی جانے والا ہے۔ عالم مایوسی میں آپ مجھے ہمیشہ یہی یاد دلاتے ہیں کہ زندگی ہنسنے کھیلنے کا نام ہے۔ مایوسی (رونے دھونے) کا نہیں۔ آپ میری شدت کی سسکیوں کے وقت مجھ کو حلم کے ساتھ یہ بتاتے ہیں کہ سب کچھ کتنا فروعی اور عارضی ہے اور اصلی حقیقت محب کی ذات اور آپ ہیں۔ میری بری سے بری حالت پر بھی آپ کو کبھی طیش نہیں آتا۔ نہ ہی آپ نے میرے لیے کوئی رائے قائم کی ہے۔ ہمیشہ طرفداری اور دردمندی سے ساتھ دیا۔

آپ نے کبھی کچھ نہیں مانگا جبکہ میں نے آپ سے سب کچھ لیا ہے۔ یہ کس قسم کا تعلق ہے۔ یہ آپ کا رحم، ہمدردی، صبر، پیار، بندہ پروری، عافیت اور آپ کی نظر کرم ہے کہ جس نے مجھے بدل ڈالا ہے۔ اب للہ مجھے دوبارہ پہلے جیسا ہونے نہ دیجئے گا۔ برائے مہربانی مجھے کبھی نہ چھوڑیئے گا۔ مجھے ہدایت دیں، میری رہبری کریں، مجھے اس رخ لے چلیں کہ جہاں آپ چاہتے ہیں کہ مجھے جانا چاہئے۔

میں اب آپ کی بندی ہوں، آپ کی داسی ہوں۔ آپ کے پاس وہ چابی ہے جو وہ دروازہ کھولتی ہے جس سے پیارے نبی کریم ﷺ کا تعارف ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اب ایک ذات یا تصور نہیں رہا، بلکہ ایک تجربہ ہے جواب ممکن ہے۔ میں آپ کی احسان مند ہوں۔ میرے محبوب بابا جی! اب آپ میرے دل میں ہمیشہ کیلئے بستے ہیں اور آپ کی روشن و تاباں یادیں ہمیشہ کیلئے ہیں۔

اس روحانی سفر میں ایک خاص اور نظر نہ آنے والی ہستی میرے بابا جی کی اہلیہ محترمہ ہیں۔ ہم ان کو اماں جی بھی کہتے ہیں۔ ان کے بارے میں میرا خیال یہ ہے کہ وہ بابا جی کی چیلی (مرید) اور برابر کی حصہ دار ہیں۔ یہ ان کی زبردست فیاضی اور بے غرضی ہے کہ وہ اپنے رفیق حیات کو ہمارے ساتھ بانٹ لیتی ہیں۔ جبھی تو وہ ہمارے پاس موجود ہیں۔ میں اکثر بھول جاتی ہوں کہ بابا جی پہلے ایک خاوند ہیں۔ اماں جی ایک خاموش دربان اور منتظم اعلیٰ کے روپ میں بابا جی کی سلطنت کو چلاتی ہیں اور ایک لفظ بھی نہیں بولتیں۔ وہ کسی کام کا کریڈٹ نہیں لیتیں۔ اپنی تعریف نہیں کرواتیں۔ اماں جی! میں تہہ دل سے آپ کو خراج تحسین پیش کرتی ہوں۔ آپ کی غیر حاضری میں بابا جی آپ کی تعریفیں کرتے نہیں تھکتے۔ وہ کہتے ہیں کہ

استعانت جوئی از لطفِ خدا	کہ ازو اندر گریزی در خلا
اور اللہ کی مہربانی کا طالب بنتا ہے	تُو دشمن کی وجہ سے تنہائی کو اختیار کرتا ہے

ان کی چھ دہائیوں پر مشتمل شادی شدہ زندگی میں آنیوالی سختیوں اور مشکلات کے باوجود اماں جی نے کبھی کسی قسم کی شکایت نہیں کی۔ انہوں نے ہر اس چیز کو شکر گزاری سے قبول کیا جو باباجی نے انہیں لاکر دی۔ باباجی کہتے ہیں کہ وہ جو کچھ اماں جی کے ہاتھ پر لاکر رکھ دیتے وہ سب اماں جی کے ہاتھوں کی برکت سے کئی گنا ہو جاتا۔ میں نے اپنی ساری زندگی میں کسی مرد کو اپنی بیوی کی اتنی تعریف کرتے نہیں دیکھا۔ ماشاءاللہ ماشاءاللہ۔

مجھ پر گزرنے والی یہ تمام واردات و کیفیات اور عنایات کبھی ممکن نہ تھیں اگر ایک شخص جو کہ میرے جیون ساتھی ہیں ''عمیر'' نہ ہوتے۔ وہ مجھے مکہ لائے اور میرے لئے باباجی لے آئے۔ عمیر گزشتہ پچیس سالوں سے زندگی کے اس مشکل سفر میں میرے ساتھی ہیں۔ انہوں نے میرا ہاتھ تھام کر مجھے آگ کا سمندر پار کروایا ہے۔ وہ صرف ظاہراً ہی نہیں بلکہ من کے بھی اجلے ہیں۔ ان میں موجود محبت کی وسعت، شفقت اور Compasison میں نے کسی اور میں نہیں دیکھا۔ ان کے اندر روحانی نوعیت کی ایسی پاکیزگی اور لطافت موجزن ہے کہ جس کا کوئی ثانی نہیں۔ باوجود اس کے کہ ہماری ازدواجی اور ذاتی زندگی میں طغیانی و تلاطم برپا رہا۔ میں اکثر اس سوال کو کھوجتی ہوں کہ ہمارا ملاپ کیوں ہوا۔ اس بات کو سمجھ نہیں پاتی کہ آخر کیوں ہم ایک ساتھ اکٹھے کئے گئے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ اس کے پیچھے ایک منصوبہ اور وجہ ہے؟ کیا ایسا نہیں ہوتا؟ ماضی میں جھانکتے ہوئے میں یہ کہہ سکتی ہوں کہ شائد اس میں دو ناقص اور آزردہ روحوں کو جوڑنا مقصود تھا۔

واقعات اور ثمرات نے دونوں کو ساتھ ساتھ جبراً ڈھیر کر دیا ہے۔ اب میں کہہ سکتی ہوں کہ یہ ایک غیر ارادی اور نادانستہ سجدہ معلوم ہوتے ہیں۔ عمیر اس ڈھیر سے اٹھ کر اپنے لمبے سفر میں باباجی کو کھوجنے کیلئے نکل کھڑے ہوئے۔ جب باباجی مل گئے تو وہ ان کو گھر لے آئے۔ سالوں بعد باباجی کی عنایات اور نوازشات کے طفیل یہ ڈھیر اب اصلی سجدہ بن گیا ہے۔ اب ہم دونوں اکٹھے بیٹھ کر اپنے باباجی کے جمال اور عظمت کو دیکھتے ہیں۔ پیارے نبی کریم ﷺ پر ملکر درود و سلام بھیجتے ہیں اور ہم اس سناٹے اور خاموشی میں گم ہو جاتے ہیں کہ جو لفظوں سے ماورا ہے۔

ہمارے محبوب! ہم آپ کو آنسوں کا نذرانہ ہی پیش کر سکتے ہیں۔

هاروني فضلي

مئی ۲۰۱۳ء

نیوجرسی (امریکہ)

درحقیقت دوستانت دشمنند — کہ زحضرت دُور و مشغولت کنند

حقیقت میں تمہارے دوست تمہارے دشمن ہیں — وہ تمہیں گپتوں میں مشغول اور دوست سے دُور کرتے ہیں

انوار العلوم

گفت پیغمبر کہ ہست از امتم — کو بود ہم گوہر و ہم ہمتم
پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت میں ایسے لوگ ہوں گے — جو میرے جوہر علم اور ہمت میں شریک ہوں گے

●

مر مرا زاں نور بیند جانِ شاں — کہ من ایشاں را ہمی بینم بداں
اُن کی رُوح مجھے اُس نور سے دیکھ سکے گی — جس سے میں اُن کو دیکھتا ہوں یعنی نورِ الٰہی

●

رومیاں آں صوفیاند اے پدر — بے ز تکرار و کتاب و بے ہنر
اے بابا صوفی رومیوں کی طرح اپنی لوحِ دل کو صاف رکھتے ہیں — بغیر کسی علم اور کتاب اور سیکھنے کے

●

لیک صیقل کردہ اند آں سینہا — پاک ز آز و حرص و بخل و کینہا
لیکن انہوں نے اپنے سینوں کو مانجھ کر صاف کر لیا ہے — لالچ اور حرص اور بخل اور کینوں سے

●

چوں ز سینہ آبِ دانش جوش کرد — نے شود گندہ نہ دیرینہ نہ زرد
جب سینہ میں سے عقل کا پانی جوش مارتا ہے — نہ وہ گندہ ہوتا ہے، نہ پرانا نہ زرد

●

از دمِ حب الوطن بگذر مایست — کہ وطن آں سوست جاں ایں سوی نیست
موجودہ وطن کے دھوکے سے نکل جا — کہ اصل تو اُس طرف ہے نہ کہ اِس طرف

ہر کہ کارد قصدِ گندم باشدش — کاہ خود اندر تبع می آیدش
جو بوتا ہے اُس کا ارادہ گندم حاصل کرنا ہوتا ہے — بھوسا قدرتی طور پر اُسے حاصل ہو جاتا ہے

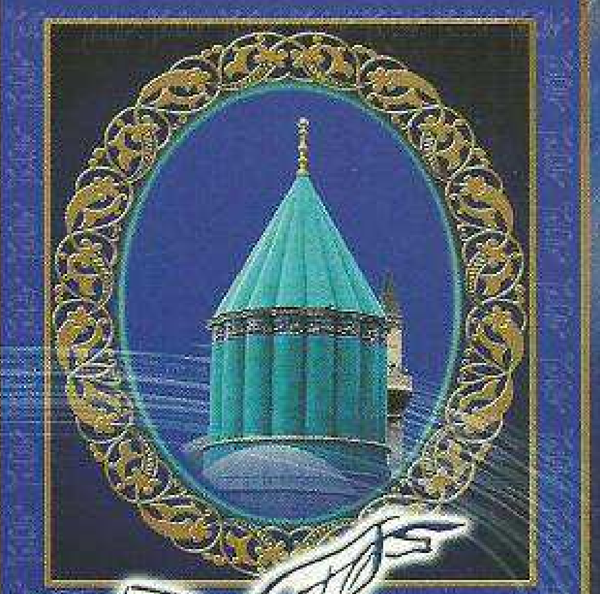
مثنوی مولوی معنوی

ہست قرآں در زبان پہلوی
(جامی)

انوار العلوم

اردو نثر

مثنوی مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ



دفتر اول

مصنف: سلطان العارفین محرم رموز حقائق خزینۂ علم و حکمت دانائے عشق و معرفت

حضرت مولانا جلال الدین محمد بلخی رحمۃ اللہ علیہ

المعروف بہ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ

مترجم:

محمد عالم امیری

120-A

حضرت شیخ ابو سعید ابو الخیر رحمۃ اللہ علیہ

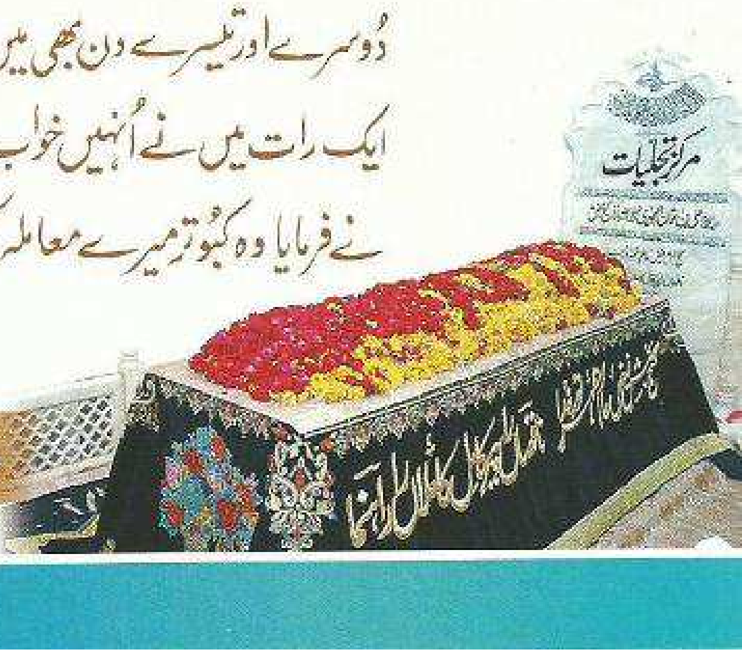


مزارِ اقدس حضرت شیخ ابو سعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ

حضرتِ داتا گنج بخش مخدوم علی بن عثمان ہجویری رحمۃ اللہ علیہ

کشف المحجوب میں لکھتے ہیں:

مہنہ میں ایک دن میں حضرت شیخ ابو سعید ابو الخیر رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر حسبِ عادت تنہا بیٹھا تھا، ایک سفید کبوتر دکھائی دیا، جو قبر کے اُوپر پڑی چادر کے نیچے چلا گیا۔ میں نے خیال کیا کہ غالباً کبوتر کسی کا چھوڑا ہوا ہے۔ میں اُٹھا اور چادر اُٹھا کر دیکھا، مگر وہاں کچھ نہ تھا۔ دُوسرے اور تیسرے دن بھی میں نے ایسا ہی دیکھا۔ میں حیرت و تعجب میں پڑ گیا۔ یہاں تک کہ ایک رات میں نے اُنہیں خواب میں دیکھا اور اس واقعہ کی بابت اُن سے دریافت کیا۔ انہوں نے فرمایا وہ کبوتر میرے معاملہ کی صفائی ہے جو روزانہ قبر میں میری ہمنشینی کے لیے آتا ہے۔



مزارِ اقدس حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ



حکیم الاُمّت علامہ محمد اقبال کا
اپنے رُوحانی مُرشد مولانا رُوم کو خراجِ تحسین

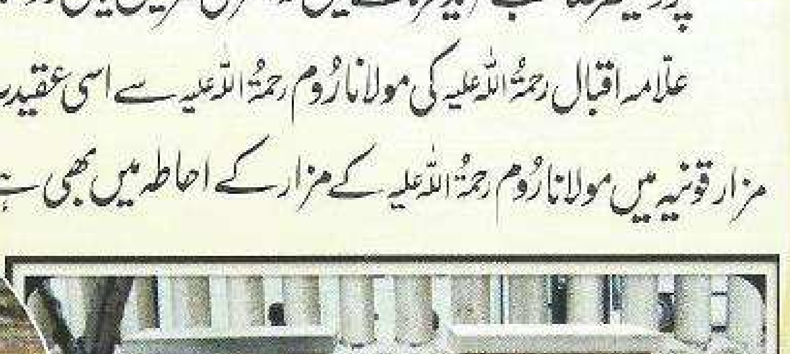
علامہ محمد اقبال رحمۃُ اللہ علیہ نے اپنی تصانیف میں خود کو نہ صرف حضرت مولانا جلال الدین محمد رُومی رحمۃُ اللہ علیہ کا رُوحانی مُرید وشاگرد ظاہر کیا ہے بلکہ اپنی تصانیف میں اس نسبت پر جا بجا فخر کرتے بھی نظر آتے ہیں۔

ایک مرتبہ محترم پروفیسر یُوسف سلیم چشتی نے اُن سے دریافت کیا کہ آپ نے کِس کتاب سے سب سے زیادہ استفادہ یا اثر قبول کیا ہے۔ علامہ رحمۃُ اللہ علیہ نے جواب میں فرمایا: مجھے سب سے زیادہ فائدہ دو کتابوں کے مطالعہ سے حاصل ہوا۔ ایک قرآن کریم اور دُوسری مثنوی مولانا رُوم رحمۃُ اللہ علیہ۔

پروفیسر صاحب مزید فرماتے ہیں کہ آخری عُمر میں یہی دو کتابیں زیادہ تر اُن کے مطالعہ میں رہتی تھیں۔

علامہ اقبال رحمۃُ اللہ علیہ کی مولانا رُوم رحمۃُ اللہ علیہ سے اسی عقیدت ومحبت کی بنا پر اُن کا ایک علامتی مزار قونیہ میں مولانا رُوم رحمۃُ اللہ علیہ کے مزار کے احاطہ میں بھی ہے۔





علامہ اقبال رحمۃُ اللہ علیہ کے مجموعہ ہائے کلام میں سے مولانا رُوم رحمۃُ اللہ علیہ کی شان میں رُباعیات و اشعار انوارُ العلوم کی اس اشاعت میں ابری صفحات پر بمعہ ترجمہ (رشید ظفر امیری) پیش کئے جا رہے ہیں۔

انوار العلوم

اہلِ طریقت کا طریقہ ہے شریعت کی پاسداری
انوار العلوم کی شکل میں اک پیغام دیا ہے عالَم نے
خونِ جگر کی دے کر روشنائی نثارؔ
مولائے روم کے افکار کو روشن کیا ہے عالَم نے

نثار احمد منہاس

فہرست دفترِ اوّل

قصد در معراج دیدِ دوست بود — در تبع عرش و ملائک ہم نمود
معراج میں قصد دوست کے ملنے کا تھا — لیکن تبعاً عرش اور فرشتے بھی نظر آ گئے

چونکہ بد کردی بترس ایمن مباش　　　زانکہ تخم ست و بروید ز خداش
اگر تم نے کوئی بُرا کام کیا ہے تو ڈرو مطمئن نہ ہو　　　کیونکہ یہ ایک بیج ہے اور خدا اُسے اُگا دیتا ہے

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
40	عزرائیل علیہ السلام کا ایک شخص کو گھورنا اور اُس کا حضرت سلیمان علیہ السلام کے گھر کی طرف سے بھاگنا	۱۶۳
41	شیر کا پھر توکل پر کوشش کو ترجیح دینا اور کوشش کے فائدے بیان کرنا	۱۶۳
42	کوشش کی توکل پر ترجیح ثابت ہو جانا	۱۶۴
43	خرگوش کے شیر کے پاس جانے سے تاخیر پر شکاروں کی ناراضگی	۱۶۴
44	عقل مندی کی فضیلت اور نفعوں کا بیان	۱۶۵
45	جانوروں کا خرگوش کی تدبیر اور راز معلوم کرنا	۱۶۵
46	خرگوش کی شیر کے ساتھ چالاکی	۱۶۶
47	مکھی کی ناقص تاویل کا بُودہ پن	۱۶۷
48	خرگوش کے دیر سے آنے پر شیر کا رنجیدہ ہونا	۱۶۷
49	خرگوش کا شیر کے پاس پہنچنا' شیر کا غصہ اور خرگوش کی معذرت وخوشامد	۱۶۹
50	شیر کا خرگوش کے ساتھ روانہ ہونا	۱۶۹
51	حضرت سلیمان علیہ السلام اور ہُدہُد کا قصّہ	۱۷۰
52	کوے کا ہُدہُد کے دعوے میں طعنہ زنی کرنا اور ہدہد کا جواب	۱۷۰
53	حضرت آدم علیہ السلام کا قِصّہ' قضا کا اُن کی آنکھ بند کر دینا' صاف ممانعت کی نگاہ داشت سے' ممانعت کو ترک کرنا اور تاویل کرنا	۱۷۱
54	کنویں کے پاس آ کر خرگوش کا شیر سے پیچھے ہٹنا	۱۷۲
55	شیر کا کنویں میں جھانکنا' اپنے اور خرگوش کے عکس کو دیکھنا	۱۷۲
56	خرگوش کا جانوروں کے پاس خوشخبری لے جانا کہ شیر کنویں میں گر گیا	۱۷۳
57	شکاروں کا خرگوش کے پاس جمع ہونا' اُس کی تعریف کرنا اور خرگوش کی شکاروں کو نصیحت "دشمن کے مرنے پر خوش نہ ہونا"	۱۷۴
58	ہم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف لوٹتے ہیں	۱۷۴

چند گاہے اُو بپوشاند کہ تا
بہت مرتبہ وہ ہماری پردہ پوشی کر دیتا ہے تاکہ

آید آخر زاں پشیمانی حیا
آخر کار پشیمانی کی وجہ سے ہم میں حیا پیدا ہو جائے

روزِ محشر ہر نہاں پیدا شود
محشر کے دن ہر چھپی ہوئی چیز ظاہر ہو جائے گی

ہم ز خود ہر مجرمے رسوا شود
ہر مجرم خود بخود رُسوا ہو جائے گا

صفحہ نمبر	عنوان	نمبر شمار

دست و پا بدہد گواہی بابیاں　　بر فسادِ اُو بہ پیشِ مستعاں

اُن کے ہاتھ اور پاؤں کُھل کر گواہی دیں گے　　اُس کی بُرائی اللہ کے سامنے بتائیں گے

چہ عجب گر سر ز بد پنہاں کُنی　　این عجب کہ سر ز خود پنہاں کُنی

یہ کیا عجب بات ہے کہ تُو اپنا راز بُرے سے چھپائے　　عجب تو یہ ہے کہ تُو اپنے راز کو خود سے چھپاتے

کار پنہاں کُن تو از چشمانِ خود
تُو اپنی نظروں سے چھپ کر نیکی کر

تا بُوَد کارت سلیم از چشمِ بد
تا کہ تیرا کام نظرِ بد سے بچا رہے

جنسِ ابداں قوتِ ظلمت می خورد
بدن کی جنس ظلمت (غلط راہ) سے قوت حاصل کرتی ہے

جنسِ جاں از آفتابے می چرد
روح کی جنس ذاتِ باری سے غذا لیتی ہے

For More Books Click On Ghulam Safdar Muhammadi Saifi

گر بدیدے حِس حیواں شاہ را
اگر جسمانی حس شاہ (اللہ) کو دیکھ سکتی

پس بدیدے گاؤ و خر اللہ را
تو ہر گائے اور گدھا بھی اللہ تعالیٰ کو دیکھ لیتے

ابتدا دفترِ اوّل

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بشنو از نَے چوں حکایت می کند — وز جُدائیہا شکایت می کند
کز نیستاں تا مرا ببریدہ اند — از نفیرم مرد و زن نالیدہ اند
سینہ خواہم شرحہ شرحہ از فراق — تا بگویم شرحِ دردِ اشتیاق
ہر کسے کو دُور ماند از اصلِ خویش — باز جوید روزگارِ وصلِ خویش
من بہر جمعیّتے نالاں شُدم — جُفتِ خوشحالاں و بَدحالاں شُدم
ہر کسے از ظنِ خود شُد یارِ مَن — وز درونِ من نہ جُست اسرارِ من
سرِّ من از نالۂ مَن دُور نیست — لیک چشم و گوش را آں نُور نیست

بانسری سے سُن! کیا حکایت کرتی ہے اور جُدائیوں کی کیا شکایت کرتی ہے؟ کہ جب سے مجھے بنسلی سے کاٹا ہے، میرے نالوں سے مرد و عورت سب روتے ہیں۔ میں ایسا سینہ چاہتی ہوں جو جُدائی سے پارہ پارہ ہو، تاکہ میں عشق کے درد کی تفصیل سناؤں۔ جو کوئی اپنی اصل سے دُور ہو جاتا ہے، وہ اپنے وصل کا زمانہ پھر تلاش کرتا ہے۔ میں مجمع میں روئی، خوش اوقات اور بداَحوال لوگوں میں رہی، ہر شخص اپنے اَحوال کے مطابق میرا یار بنا لیکن میرے اندر سے میرے رازوں کی جستجو نہ کی۔ میرا راز میرے نالوں سے دُور نہیں ہے لیکن آنکھ اور کان میں وہ نور موجود نہیں ہے۔

اے خُدا جاں را تو بنما آں مقام — کاندرو بے حَرف می روید کلام
اے خُدا! رُوح کو وہ مقام دکھا دے — جس میں بغیر حُروف کے کلام پیدا ہوتا ہے

نوٹ: مثنوی مولانا رُومؒ کے ان منتخب اشعار کی تفصیل صفحہ نمبر ۳۲ پر ملاحظہ فرمائیں

رُوح عالَمِ اَرواح میں اپنی اصل یعنی ذاتِ حق میں لوٹنے کی مُشتاق ہے۔ جو اِس راز کو سمجھتا ہے وہ ہی میرے نالے کی اصل کو بھی سمجھتا ہے۔ بدن' رُوح سے اور رُوح' بدن سے چُھپے ہوئے نہیں ہیں لیکن کسی کے پاس رُوح کو دیکھنے کا دستور نہیں ہے۔ یعنی بدن' رُوح کا مشاہدہ نہیں کر سکتا۔ بانسری میں آنے جانے والی ہوا' ہوا نہیں بلکہ آگ ہے اور جس میں یہ آگ نہ ہو اُس کے لیے موت بہتر ہے۔ عشق کی آگ ہے جو بانسری میں لگی ہوئی ہے اور مَستی اِسی جوشِ عشق کی وجہ سے ہے۔ بانسری اُس کی ساتھی ہے جو اپنے یار سے کٹا ہوا ہے۔ اِس کے راگوں نے ہمارے دلوں پر پڑے ہوئے پردے پھاڑ دیئے ہیں۔ بانسری زہر بھی ہے اور تریاق بھی۔ بانسری خطرناک راستے کی بات کرتی ہے یعنی مجنوں کے عشق کے قصے بیان کرتی ہے۔

بانسری کی طرح گویا ہم دو منہ رکھتے ہیں' ایک منہ اللہ کے لبوں میں چھپا ہوا ہے' جیسے بانسری کا ایک منہ بجانے والے کے منہ میں چھپا ہوتا ہے۔ اِسی طرح دوسرے منہ سے جو آواز برآمد ہوتی ہے دراصل وہ بجانے والے ہی کی ہوتی ہے۔ یوں ہمارے سب کام بھی مَشیّتِ ایزدی کی وجہ سے ہیں لیکن ہم اپنی کم عقلی کی وجہ سے سمجھتے ہیں کہ ہم نے یہ کیا۔ ہم نے وہ کیا۔ بانسری کے ظاہری سوراخ سے جو آواز آ رہی ہے وہ اُس سوراخ کی آواز ہے جو بانسری بجانے والے کے منہ میں چھپا ہوا ہے۔ ایک منہ روتا ہوا تمہاری جانب ہے' جس نے آسمان میں شوروغُل مچایا ہوا ہے' لیکن جسے آنکھ میسر ہے وہ جانتا ہے کہ اِس سرے کی آہ وفریاد اُسی جانب سے ہے۔

اِس دُنیا میں جو لوگ عشق کے زیرِ اثر آہ وفریاد کرتے ہیں' دراصل اُس کا منبع ذاتِ الٰہی ہی ہے۔ اِس بانسری کی آواز اُسی کی پھونکوں کی وجہ سے ہے اور رُوح کی بے تابی اور تڑپ پھڑک اُسی کی کشش کی وجہ سے ہے۔ بانسری کی آواز کا اگر کوئی نتیجہ نہ ہوتا تو بانسری دُنیا کو مٹھاس سے نہ بھرتی۔ فراق میں عمریں گزر گئیں۔ عمریں گزرتی ہیں تو کہہ دو گزر جائیں لیکن اے وہ! کہ تجھ جیسا کوئی پاک نہیں ہے' تُو رہے۔ اگر محبوب باقی ہے تو فراق کے غم کی کوئی پرواہ نہیں۔ مچھلی دریا کے پانی سے کبھی سیر نہیں ہوتی' اِسی طرح عاشق دریائے عشق سے کبھی سیر نہیں ہوتا اور قرب کا مُتلاشی رہتا ہے۔ کوئی ناقص کسی کامل کا حال نہیں جان سکتا۔ اِس لیے بات مختصر چاہیے' والسلام۔

شراب میں وہ جوش وخروش کہاں جو عشقِ صادق میں ہے۔ عاشقِ صادق کی سَیر آسمانی سَیر وگردش سے کہیں زیادہ ہے کیونکہ عاشق بحرِ وحدت کا غوطہ خور ہے' آسمان جس کا ایک جُزو ہے۔ شراب ہم سے مَست ہوئی نہ کہ ہم اُس سے اور ہمارا جسم ہماری رُوح کی وجہ سے پیدا ہوا نہ کہ ہم اُس کے لئے۔ سچی یعنی حقیقت کی باتیں سننے پر ہر شخص قادر نہیں ہے۔

تاکہ سازد جانِ پاک از سرِ قدم
تاکہ پاک رُوح سَر کے بَل جائے

سُوئے عرصہ دُور پہنائے عدم
اُس میدان کی جانب جو وسیع اور معدوم ہے

اسی طرح عاشقوں کی کیفیات بھی عام لوگ سمجھنے سے قاصر ہوتے ہیں جیسے انجیر ہر پرند کی خوراک نہیں ہوتی۔ اے بیٹا! اپنی خود ساختہ قید کو توڑ اور آزاد ہو جا۔ ماسوا اللہ کی قید سے الگ ہو جا' تو سونے چاندی اور جسمانی لوازمات کا قیدی کب تک بنا رہے گا؟ عشق کے ذریعے اس قید سے رہا ہو جا۔ اگر تُو دریا کو پیالے میں ڈالے تو کتنا آئے گا؟ ایک چھوٹا سا حصہ۔ حرص سے دُور ہو جا کیونکہ حریصوں کی آنکھ کا پیالہ کبھی نہیں بھرتا۔ سیپ نے ایک قطرے پر قناعت کر لی' موتی سے بھر گئی۔ جس کا جامہ عشق کی وجہ سے چاک ہو گیا وہ حرص اور عیب سے بالکل پاک ہو گیا۔

شاد باش اے عشقِ خوش سودائے ما
اے طبیبِ جملہ علتہائے ما (مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ)

"خوش رہ' ہمارے اچھے جنون والے عشق! اے ہمارے تمام بیماریوں کے طبیب! اے ہمارے تکبر اور عزت طلبی کی بیماریوں کی دوا! تُو ہمارا افلاطون اور جالینوس ہے"۔

جنونِ عشق سے بڑھ کر رُوحانی بیماریوں کا کوئی معالج نہیں ہے۔ خاکی جسم' عشق کی وجہ سے آسمانوں پر جا پہنچا جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اور پہاڑ ناچنے لگا جیسے طور پر زلزلہ آ گیا اور معراج پر جاتے ہوئے جٹان نے سفر شروع کر دیا۔ اے عاشق! عشق طور کی جان بن گیا۔ طور مست ہو گیا اور موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر گرے۔ زیر و بم میں ایک راز چھپا ہوا ہے' اگر میں اِس راز کو بیان کر دوں تو دُنیا درہم برہم ہو جائے۔

بانسری جو کچھ کہتی ہے اگر میں بیان کر دوں تو دُنیا تباہ ہو جائے۔ اگر میں بانسری کی طرح اپنے یار کے ہونٹ سے ملا ہوا ہوتا تو بانسری کی باتیں کہتا۔ جو شخص یار سے جدا ہوا' چاہے وہ سو سہارے رکھے' وہ بے سہارا ہی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تمام کائنات معشوق ہے اور عاشق پردہ ہے۔ معشوق زندہ ہے اور عاشق مردہ ہے۔ جب رحمتِ خداوندی' بندہ کے شاملِ حال نہ ہو تو وہ بے بال وپَر کا پرندہ ہے۔ ہمارے بال وپَر اُس کے عشق کی کمند ہیں' جو کہ کھینچتی ہوئی ہمیں دوست کے کوچہ تک لے جاتی ہے۔

میرے دوست کا نور میرا ساتھی ہے اور دائیں بائیں' اُوپر نیچے' طوق اور تاج کی طرح میرے سر اور گردن پر ہے۔ عشق چاہتا ہے کہ اُسے ظاہر کر دیا جائے مگر تیرا آئینہ زنگ آلود ہو تو وہ اُس تجلّی کو کس طرح قبول کر سکتا ہے۔ تُو جانتا ہے کہ تیرا آئینہ عکس کو قبول کیوں نہیں کرتا۔ اِس لیے کہ اُس سے زنگ دُور نہیں ہوا۔ وہ آئینہ جو زنگ اور مَیل سے دُور ہے وہ خدا کے نور کے آفتاب کی شعاعوں سے بھرا ہوا ہے۔ جا اُس کے رُخ کو زنگ سے صاف کر' پھر حقیقت کو دل کے کان

سے سُن تاکہ تُو پانی اور مٹی کے خول سے باہر آ جائے۔ رُوح کو راستہ دو اور شوق سے راستے پر چلو۔

بادشاہ کا لونڈی پر عاشق ہونا، اُسے خریدنا لونڈی کا بیمار پڑنا اور اُس کی بیماری کا علاج

اے دوستو! اس قصہ کو سنو۔ یہ خود ہمارے موجودہ حال کی حقیقت ہے۔ اگر ہم اپنے موجودہ حال کا سراغ لگائیں تو ہم دُنیا سے بھی اور عُقبیٰ سے بھی پھل کھائیں۔ اب سے پہلے زمانے میں ایک بادشاہ تھا جس کی حکومت مُلکِ دُنیا پر بھی تھی اور مُلکِ دین پر بھی۔ اتفاقاً ایک دن بادشاہ سوار ہوا اور اپنے خواص کے ساتھ شکار کو نکلا۔ وہ پہاڑوں اور جنگلوں میں شکار کے لیے پھرتا رہا کہ اچانک اُس نے ایک خوبصورت لونڈی کو دیکھا اور بادشاہ کی جان اُس لونڈی کی غلام بن گئی۔ اُس کی جان کا پرندہ جب عشق کی شدت سے پنجرے میں تڑپا تو اُس نے مال دیا اور لونڈی کو خرید لیا۔ وہ لونڈی تقدیر سے بیمار ہو گئی۔ اس طرح وہی ہوا کہ ایک شخص کے پاس گدھا تھا لیکن اُس کا پالان نہ تھا۔ جب اُس نے پالان حاصل کر لیا تو گدھے کو بھیڑیا لے گیا یا اُس کے پاس پیالہ تھا جب پانی پایا تو پیالہ ٹوٹ گیا۔

ہر طرف سے طبیبوں کو جمع کیا اور اُن سے کہا کہ دونوں کی جان تمہارے ہاتھوں میں ہے۔ میری جان معمولی ہے کیونکہ میری جان کی جان یہ لونڈی ہے۔ میں دکھی اور زخمی ہوں لیکن میرا علاج اس لونڈی کی تندرستی ہے۔ جس نے میری جان کا علاج کر دیا وہ میرے خزانے کو لے گیا۔ سب نے کہا: ہم جان لڑا دیں گے۔ ہم میں سے ہر ایک دُنیا کا مسیحا ہے اور ہمارے پاس ہر درد کا مرہم ہے۔ تکبر کی وجہ سے اُنہوں نے ''انشاءاللہ'' نہ کہا تو خدا نے انسان کی مجبوری اُن پر ظاہر کر دی۔ ''انشاءاللہ'' نہ کہنے سے میری مراد سنگ دلی ہے۔ یہ بھی نہیں کہنا چاہیے' کیونکہ حالتیں تو اکثر عارضی ہوتی ہیں۔ بہت سے لوگ ''انشاءاللہ'' کے بغیر بات کہتے ہیں' اُن کی جان ''انشاءاللہ'' کی رُوح کے ساتھ ہوتی ہے۔ جس قدر بھی طبیبوں نے علاج کیا' لاحاصل رہا۔

''انشاءاللہ'' کہنا کوئی خاص معنیٰ نہیں رکھتا بلکہ دل میں یہ یقین ہونا چاہیے کہ ہر کام اللہ کی مشیّت سے ہے۔ اگر دل میں عقیدہ پختہ ہے تو زبان سے کہنا یا نہ کہنا کچھ معنیٰ نہیں رکھتا۔ لونڈی مرض کی وجہ سے بال کی صورت ہو گئی اور بادشاہ کی آنکھ' خون کے آنسو رونے لگی۔ جب موت آتی ہے تو طبیب بیوقوف ہو جاتا ہے اور دوا اپنا نفع پہنچانے میں گمراہ ہو جاتی ہے۔ سکنجبین' صفرا بڑھاتی ہے اور روغنِ بادام خشکی پیدا کر دیتا ہے' ہرڑ سے قبض ہو جاتی ہے۔ دل کی سُستی بڑھ گئی' نیند کم ہو گئی' آنکھوں میں جلن اور دل درد سے بھر گیا۔ شربت اور دواؤں کے اسباب نے طبیبوں کی آبرو ختم کر دی۔

کرم سرگیں درمیانِ آں حدث		در جہاں نُقلے نداند جز خبث

گوبر کھانے والا کیڑا اپنی اس خوراک کے علاوہ		کسی اور بہتر خوراک کو نہیں جانتا

طبیبوں کا علاج سے عاجز آجانا، بادشاہ کو معلوم ہوجانا اور حقیقی بادشاہ کی طرف اُس کا رُخ کرنا

بادشاہ نے جب طبیبوں کی بے بسی دیکھی' ننگے پاؤں مسجد کی طرف بھاگا۔ محراب کی جانب ہوا اور بادشاہ کے آنسوؤں سے سجدے کی جگہ تر ہوگئی۔ جب وہ فنا کی گہرائی سے نکل کر اپنے ہوش میں آیا تو مدح وثنا میں خوب زبان کھولی۔ اے! وہ کہ دُنیا کی سلطنت تیری معمولی بخشش ہے' میں کیا کہوں؟ کہ تُو خود پوشیدہ باتوں کا جاننے والا ہے۔ ہمارا اور اِن طبیبوں کا حال سب کا سب تیری عام مہربانی کے سامنے بیکار ہے۔ اے! وہ کہ تُو ہمیشہ ہماری حاجت کی پناہ ہے۔ راستہ سے ہم پھر بھٹک گئے لیکن تُو نے کہا ہے ''اگرچہ میں تیرا سارا بھید جانتا ہوں لیکن پھر بھی اپنا حال بیان کر''۔

جب بادشاہ نے تہ دل سے فریاد کی' اللہ کی بخشش کا دریا جوش میں آ گیا۔ روتے روتے اُسے نیند آ گئی۔ اُس نے خواب میں دیکھا کہ ایک بزرگ ظاہر ہوئے۔ بولے: اے بادشاہ! بشارت ہو' تیری حاجتیں پوری ہوئیں۔ اگر کل کو کوئی اجنبی شخص آئے تو وہ ہماری طرف سے ہوگا۔ جب وہ آئے تو وہ ماہر طبیب ہے' اُسے سچا جاننا اور اُس کے علاج میں جادو دیکھنا اور اُس کے مزاج میں خدا کی قدرت دیکھنا۔ جب وہ خواب سے جاگا تو لونڈی کے غلام کی بجائے غم سے آزاد ہو کر بادشاہ بن گیا۔ وہ جھروکے میں بیٹھ کر منتظر رہا تاکہ خدائی بھید اُس پر ظاہر ہو۔

اُس نے ایک مردِ کامل کو دیکھا جو چاند جیسا لگا اور خیال کی طرح کبھی موجود اور کبھی معدُوم ہوتا۔ دُنیا میں خیال' معدُوم کی طرح ہوتا ہے۔ تُو دُنیا کو بھی خیال کی طرح چلتی پھرتی چیز سمجھ۔ اولیاء اللہ رحمہم اللہ کے خیالات علومِ باری کا پرتو ہوتے ہیں' وہ قائم اور ثابت ہیں۔ وہ خیال جو بادشاہ نے خواب میں دیکھا' مہمان کے چہرے پر ظاہر دیکھا۔ ولی میں اللہ کا نور ظاہر ہوتا ہے' اگر تُو صاحبِ دل ہے تو اچھی طرح دیکھ لے گا۔ جب بادشاہ نے ولی کو دیکھا تو دربانوں کی بجائے خود آگے بڑھا اور اپنے غیبی مہمان کے سامنے ہوا۔ دونوں یک جان و دو قالب ہوگئے۔ لونڈی کا عشق غیبی مہمان کی ملاقات کا سامان بن گیا۔ بادشاہ بولا: تُو میرا مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور میں عُمر رضی اللہ عنہ کی طرح تیرا خدمت گزار ہوں۔

رعایتِ ادب کی خواہش اور بے ادبی کی نحوست

ہم خدا سے ادب کی توفیق چاہتے ہیں اور بے ادب ہمیشہ خدا کے فضل سے محروم رہتا ہے۔ بے ادب صرف خود کو ہی خراب نہیں کرتا بلکہ بعض اوقات سارے عالم میں آگ لگاتا ہے۔ بنی اسرائیل کو آسمان سے خوان آتا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں سے چند بے ادبوں نے کہا: لہسن اور مسور کیوں نہیں آتے؟ آسمان سے غذا آنی بند ہو

کہ ز قرآں گر نہ بیند غیرِ قال قرآن میں اگر کوئی لفظوں کے سوا کچھ نہ دیکھے	ایں عجب نبود ز اصحابِ ضلال تو گمراہوں کے لئے یہ بات تعجب کی نہیں ہے

گئی۔ کھیتی، کدال اور درانتی کا غم گلے پڑ گیا۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب سفارش کی تو اللہ نے مالِ غنیمت بھیجا۔ پھر گستاخوں نے ادب چھوڑا فقیروں کی طرح بچا کھچا بعد کے لیے اُٹھا رکھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے انہیں کہا کہ یہ غائب نہیں ہوگا صبر سے کھاؤ۔ بدگمانی اور لالچ، اللہ کی ناشکری ہوتی ہے۔ اُن لالچیوں کی ناشکری سے پھر رحمت کا دروازہ بند ہو گیا۔ مَن و سلویٰ اُترنا بند ہو گیا۔ زکوٰۃ نہ دینے پر ابر آنا بند ہو گیا اور زناکاری سے اطراف میں وبا پھیل گئی۔

یاد رکھو! تجھ پر بھی جو غم کی اندھیریاں کبھی آتی ہیں، تو بے باکی اور گستاخی کی وجہ سے بھی ہیں۔ جو کوئی دوست کے راستہ میں بے باکی کرتا ہے، مردوں کا رہزن بنا۔ آسمان ادب سے پُرنور بنا اور ادب ہی کی وجہ سے فرشتے معصوم اور پاک کہلائے۔ شیطان گستاخی کی وجہ سے مردود ٹھہرا۔ سلوک کے راستے میں گستاخی کرنا حیرت کی وادی میں ڈوب جانا ہے۔ فرشتوں نے آدم علیہ السلام کے خلیفہ بننے پر سجدہ کر دیا لیکن شیطان گستاخی کی وجہ سے مارا گیا۔ اب پھر ہم بادشاہ اور مہمان طبیب کے قصے کی طرف آتے ہیں۔

اُس خدائی طبیب سے بادشاہ کی ملاقات جس کو اُس نے خواب میں دیکھا تھا اور اُس کی تشریف آوری کی اُسے خبر دی گئی تھی

بادشاہ جب اپنے مہمان کے سامنے گیا تھا تو بادشاہ نہیں پورا فقیر بن کر گیا۔ ہاتھ پھیلائے اور عشق کی طرح اُسے دل و جان پر لیا۔ اُس کے ہاتھ اور پیشانی کو چوما اور ساتھ لے جاتے ہوئے بولا کہ مجھے صبر کرنے سے خزانہ مل گیا۔ صبر پہلے کڑوا لگتا ہے لیکن بعد میں میٹھا اور سفید پھل دیتا ہے اور کہا: اے! کہ تیری ملاقات ہر سوال کا جواب ہے اور بے شک تجھ سے مشکل حل ہوتی ہے۔ جو کچھ ہمارے دل میں ہے تُو اُس کی ترجمانی کرتا ہے۔ جو دلدل میں پھنسا ہو تُو اُس کا مددگار رہے۔ مجلس کے بعد اُسے حرم سرا میں لے گیا۔

بادشاہ کا غیبی طبیب کو بیمار کے پاس لے جانا

بادشاہ اُسے بیمار کے پاس لے گیا۔ اُس نے لونڈی کا ملاحظہ کر کے بتایا کہ جو دوا پہلے طبیبوں نے دی درست نہ تھی۔ وہ اِس کی اندرونی حالت سے واقف نہ تھے۔ اُس نے مرض کو بھانپ لیا لیکن بادشاہ کو کچھ نہ بتایا۔ وہ سمجھ گیا کہ وہ دل کی مریضہ ہے۔ اُس کا بدن ٹھیک ہے۔ دل کی حالت سے عاشقی ظاہر ہے۔ عاشق کی بیماری دوسرے امراض سے بالکل مختلف ہوتی ہے۔ یہ خدا کے بھیدوں کا اُصطرلاب یعنی پیمانہ ہوتا ہے۔ عاشقی چاہے اِدھر کی ہو یا اُدھر کی (حقیقی یا مجازی) آخر شاہ (اللہ) تک رہنمائی کرتی ہے۔ میں اگر عشق کی شرح کروں تو شرمندہ ہوتا ہوں کیونکہ یہ

کز شعاعِ آفتابِ پُر ز نور　　غیرِ گرمی می نیابد چشمِ کور

کیونکہ پُر نور سورج کی شعاعوں سے بھی　　اندھے لوگ گرمی کے علاوہ کچھ محسوس نہیں کرتے

بیان کی چیز نہیں ہے۔ بے زبان عشق خود خوب روشن ہوتا ہے۔

متاب از عشق رُو گرچہ مجازی ست

کہ آں بہرِ حقیقت کار سازی ست (مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ)

''عشق سے منہ نہ موڑ' چاہے وہ مجازی ہی ہو کیونکہ وہ بھی تمہیں حقیقت کی طرف لے جائے گا۔''

کاغذ اور قلم بھی اِس کی شرح نہیں کر سکتے۔ عقل اس کی شرح میں مٹی میں پھنسے ہوئے گدھے کی طرح ہو گئی۔ انسان خود عشق میں مبتلا ہو تو اِس کی کیفیت سمجھ سکتا ہے۔ آفتاب کے نکلنے کی دلیل خود آفتاب ہے۔ جس طرح آفتاب پیہم سفر میں ہے اور مَعدُوم نہیں ہوتا اِسی طرح رُوح کا سورج بھی باقی ہے' اُس کے لیے عدم نہیں ہے۔ وہ سورج (اللہ) عالمِ بالا میں مَست ہے اور اُس کی ذہن اور خارج میں کوئی مثال نہیں ہے۔ تصور میں اتنی گنجائش کہاں کہ اُس کا احاطہ کر سکے۔ شمس تبریزی رحمۃ اللہ علیہ مکمل نور ہے' سورج ہے اور حق کے نوروں میں سے ہے۔ (شمس الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کے پیر تھے)

جب شمس الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ کے چہرے کی بات آئی ہے تو دنیاوی سورج نے منہ چھپا لیا۔ اب جبکہ اُن کا نام آ ہی گیا ہے تو اُن کے انعام کی تھوڑی سی شرح بھی ہو جائے۔ اُسے دیکھا تو میری رُوح مستعد ہو گئی۔ وہی حال ہوا جو حضرت یوسف علیہ السلام کے لباس کی خوشبو نے حضرت یعقوب علیہ السلام کا کیا تھا۔ اُس کی محبت کا حق ادا کرنے کے لیے اُس خوش اَحوال کا کچھ بیان ہو جائے تاکہ زمین و آسمان ہنس پڑیں۔ عقل' رُوح اور آنکھیں سوگنا ہو جائیں۔

لُوں لُوں وِے مُڈھ لکھ لکھ چشماں

اِک کھولاں اِک کجّاں ہُو (حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ)

میں نے اپنی رُوح سے کہا: اے! دوست سے دُور پڑی ہوئی' اُس بیمار کی طرح جو طبیب سے دُور ہو' بیان کر' اُس نے جواب دیا: میں کیا کہوں؟ میری ایک رَگ بھی ہوش میں نہیں ہے۔ اُس یار (اللہ) کی تعریف یعنی میرا تعریف کرنا دراصل تعریف نہ کرنا ہے۔ کیونکہ تعریف کسی وجود کی دلیل ہے اور وجود غلط ہے۔ میرے فراق اور خونِ جگر کی تفصیل کسی دوسرے وقت کے لیے چھوڑ دے۔ سالک اپنے ہر مقام کو ہجر تصور کرتا ہے۔ اِس لیے سَیرِ ذاتِ الٰہی کی کوئی حد نہیں ہے۔ ہجر کی اضطراری کیفیت میں رُوح نے کہا: مجھے کھلا کیونکہ میں بھوکی ہوں' جلدی کر کہ وقت تیز تلوار کی طرح گزرا جاتا ہے۔ مثلاً صوفی (وہ شخص جو اپنے آپ کو نفسانی خواہشات سے بچائے ہوئے ہو) ہمیشہ ابن الحال ہوتا ہے' کوئی یار

کی بات سُنا' شاید تُو صوفی نہیں ہے۔ میں نے اُسے کہا کہ یار کا راز چھپا ہوا ہی اچھا ہوتا ہے لیکن میں اُسے ایک قصّے کی صورت میں سُناتا ہوں۔ بہتر یہی ہے کہ معشوقوں کا راز دوسروں کے قصّے میں بیان کر دیا جائے۔ اُس نے کہا: کُھلم کُھلا بات کہہ دے مجھے قصّوں میں اُلجھا کر نہ ستا۔ رسولوں کے راز اور اشارے بتا دے۔ اصل پردہ اُٹھا دے کیونکہ میں محبوب کے ساتھ پیراہن میں نہیں سما سکتی۔ میں نے کہا: اگر وہ آنکھوں کے سامنے بے پردہ ہو گیا تو نہ تُو رہے گی نہ کنارہ نہ وسط۔ تُو مانگ مگر اندازہ کے مطابق مانگ۔ گھاس کا تنکا پہاڑ کو برداشت نہیں کر سکتا۔ رسولوں کا راز تو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ہی ہے۔ صفاتِ کمال سے مُتّصف تو صرف ذاتِ باری ہی ہے۔ سُن لے کہ سورج جس نے سارا جہاں روشن کیا ہے اگر تھوڑا سا بھی قریب آ جائے تو سب کو جلا دے۔

پوشیدہ رُخ چوں آمدی شورِ قیامت شُد عیاں
بے پردہ گر آئی بروں سوزد ہمہ کون و مکاں

"تُو اپنا چہرہ چھپائے ہے تو ہر طرف قیامت کا سا شور ہے۔ اگر کبھی بے پردہ باہر آ جائے تو تجلّی سے دونوں جہان جل جائیں"۔

اب ہونٹ سی لے اور آنکھیں بند کر لے۔ عالم کی تباہی کی کوشش نہ کر اور شمس تبریزی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں اس سے زیادہ جستجو نہ کر اِس بات کا اختتام نہیں ہے۔ لے قصّہ پھر سُن۔

لونڈی کا مرض جاننے کے لیے طبیب کا بادشاہ سے لونڈی کے ساتھ تنہائی چاہنا

طبیب جب لونڈی کے مرض کے راز سے واقف ہو گیا تو اُس نے بادشاہ سے کہا کہ میں تنہائی میں کنیز سے کچھ بات کرنا چاہتا ہوں۔ پس سوائے طبیب اور بیمار کے وہاں کوئی نہ رہا۔ طبیب نے نہایت نرمی سے پہلے اُس کے شہر کا نام پوچھا' پھر رشتہ داروں اور تعلق داروں کا اور ہاتھ اُس کی نبض پر رکھا۔ پیر میں چُبھے ہوئے کانٹے کو نکالنا جب ایک مشکل کام ہے تو دل کے کانٹے کا کیا حال ہو گا؟ یہ ہر کسی کے بس کی بات نہیں ہے۔ اگر ہر ایک دلوں کے کانٹے دیکھ سکتا تو پھر دُنیا سے غموں کا مٹانا کیا مشکل تھا۔ اگر کوئی گدھے کی دُم کے نیچے کانٹا رکھ دے تو وہ نااہل کودنے لگے گا تاکہ یہ اُس سے دُور ہو لیکن کانٹا اور دھنستا جائے گا۔ اِس لیے کوئی عقلمند چاہیے جو دل کے کانٹے کو نکالے۔ وہ اُس لونڈی سے بچوں کی طرح پچھلے واقعات وحالات پوچھتا جاتا تھا اور اپنا کان اُس کی نبض پر رکھے تھا تاکہ جان لے کہ کس نام پر نبض پھڑکتی ہے اور اِس کا جانی محبوب کون ہے۔

زیرِ آں باطن یکے بطنِ دِگر
اُس باطن کے نیچے ایک اور باطن ہے

خیرہ گردد اندر و فکر و نظر
ہماری فکر و نظر اُس سے حیران ہو جاتی ہے

مختلف شہروں اور لوگوں کے بارے میں پوچھتے پوچھتے حقیقت معلوم کرنے کی کوشش کرتا رہا لیکن نہ تو اُس کا چہرہ زرد ہوا اور نہ نبض پھڑکی۔ باتیں کرتے کرتے شہر سمرقند کا ذکر آیا تو لونڈی نے ٹھنڈی آہ بھری اور اُس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔ کہنے لگی: وہاں ایک تاجر نے مجھے ایک مالدار سُنار کے پاس بیچا۔ اُس کے پاس میں چھ ماہ رہی پھر اُس نے مجھے بیچ دیا۔ جب یہ کہا تو نبض پھڑکی اور چہرہ زرد ہوگیا۔ تو لونڈی سے اُس سُنار کا نام اور پتہ معلوم کرلیا اور لونڈی سے کہا کہ اب تُو تکلیف سے نجات پا جائے گی۔ میں تیرا مرض سمجھ گیا ہوں اور اب تیرے ساتھ وہ کچھ کروں گا جو بارش چمن سے کرتی ہے۔ میں سو باپوں سے بڑھ کر تجھ پر مہربان ہوں۔ یہ راز کسی پر نہ کھولنا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص نے اپنا راز چھپایا وہ جلد مراد کو پہنچا''۔ دانہ زمین میں چھپتا ہے تو درخت بنتا ہے۔ لونڈی اِن باتوں سے مطمئن ہو گئی۔ سچے وعدے دل کو اطمینان عطا کرتے ہیں اور جھوٹے وعدے پریشانی۔ اہلِ کرم ہمیشہ اپنا وعدہ پورا کرتے ہیں۔ اگر تُو اپنا وعدہ پورا نہیں کرے گا تو خام کہلائے گا۔ وعدے کو جان سے پورا کرنا ضروری ہے تاکہ تُو قیامت میں اُس کا فیض دیکھے۔

طبیبِ الٰہی کا لونڈی کا مرض معلوم کرلینا اور بادشاہ کا ایلچیوں کو سُنار کی تلاش میں سمرقند بھیجنا

طبیب نے بادشاہ سے لونڈی کا کچھ کچھ حال بتا دیا اور کہا کہ ایک قاصد سمرقند بھیجیے جو سُنار کو نقد انعام کا لالچ دے کر یہاں لے آئے۔ اُس کی بدولت لونڈی خوش ہو جائے گی اور اِس طرح یہ مشکل آسان ہو جائے گی۔ جب اُس تنگدست (لالچی) سُنار کو دولت نظر آئے گی تو گھر چھوڑ دے گا۔ سونا' عقل کو دیوانہ بنانے والی چیز ہے۔ خصوصاً مفلس کو تو بہت ذلیل کرتا ہے۔ ہاں عقلمند اور نیک آدمی اِس سے فائدہ حاصل کرسکتا ہے۔

جب بادشاہ نے طبیب کی بات سُنی تو اُسے قبول کیا اور دو قاصِد سُنار کی تلاش میں روانہ کیے۔ وہ دونوں سمرقند سُنار کے پاس پہنچے۔ اُس کے کام کی بے حد تعریف کی۔ جوڑا اور کچھ سونا چاندی اُسے دیا۔ وہ لالچ میں آ گیا۔ وہ اپنا شہر اور اُولاد چھوڑ کر اُن کے ساتھ چل پڑا۔ وہ بڑی شان وشوکت سے سوار جارہا تھا تو عزت کی وجہ سے خوش تھا مگر اُسے معلوم نہیں تھا کہ اُس کے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔ وہ بادشاہ کے سامنے لایا گیا۔ اُس کی بہت عزت افزائی کی گئی اور بہت سا سونا اُسے دے کر شاہی زیورات اور برتن بنانے کے لیے کام پر لگا دیا گیا۔

پھر طبیب نے بادشاہ سے کہا کہ وہ لونڈی اُسے (سُنار کو) دیدے تاکہ وہ اُس کے وصل سے خوش ہو جائے۔

زیرِ آں باطن یکے بطنِ سوم	کہ درو گردد خرد ہا جملہ گم
اُس باطن کے نیچے ایک تیسرا باطن ہے	کہ جس میں تمام عقلیں گم ہو جاتی ہیں

بادشاہ نے لونڈی کا نکاح اُس سے کر دیا تا کہ وہ اکٹھے رہیں۔ طبیب نے ایک ایسا شربت سُنار کے لیے تیار کیا کہ چھ ماہ کے عرصے میں وہ گھل گھل کر کمزور، بدصورت اور زرد ہو گیا۔ چونکہ لڑکی صرف اُس کی خوبصورتی پر عاشق تھی اور محض رنگ کا عشق رُسوائی کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ اُس کا حُسن زائل ہوا تو عشق بھی ٹھنڈا پڑ گیا۔ سُنار کا وقتی حُسن ہی اُس کا دشمن بن گیا۔ مور کے دشمن اُس کے پَر ہوئے اور بہت سے بادشاہوں کو اُن کی وقتی شان وشوکت نے مارا۔ سُنار کا جسم پگھل کر ریشے کی طرح ہو گیا۔ وہ (سُنار) کہنے لگا کہ جس نے مجھ سے کمتر شے کی خاطر مجھے مار ڈالا ہے اُسے معلوم نہیں کہ میرا خون رائیگاں نہیں جائے گا۔ آج میری باری ہے تو کل اُس کی آنے والی ہے۔ یہ دُنیا ایک پہاڑ ہے اور ہمارا فعل آواز جو لوٹ کر ہمارے پاس ہی آنے والی ہے۔ وہ زیرِ زمین چلا گیا اور وہ (لونڈی) اپنے غم سے نجات پا گئی۔ اِس لیے کہ فانی اشیاء کا عشق بھی فانی ہوتا ہے اور ہماری طرف لوٹنے والا نہیں ہوتا۔ زندہ کا عشق ہر وقت تروتازہ رہتا ہے۔ اُس زندہ کا عشق اِختیار کر جو سدا رہنے والا ہے۔ اُس کا عشق اِختیار کر کے تمام نبیوں نے عزت پائی۔ تُو یہ نہ کہہ کہ ہماری رسائی بادشاہ تک نہیں ہے کیونکہ کریموں پر بڑے کام دشوار نہیں ہوتے۔

ع بر کریماں کارہا دُشوار نیست

سُنار کو مار ڈالنا خُدائی اشارہ تھا، نہ کہ کسی بُرے خیال سے

سُنار کا طبیب کے ہاتھوں ہلاک ہونا نہ کسی اُمید کی بنا پر تھا اور نہ کسی خوف کی۔

اُس (طبیب) نے اُسے (سُنار) بادشاہ کی خاطر قتل نہیں کیا جب تک کہ اللہ کا حکم اور اِلہام نہیں ہوا۔ وہ لڑکا جس کا گلا خضر علیہ السلام نے کاٹا تھا، اُس کا بھید عام مخلوق نہیں سمجھ سکتی۔ جو شخص اللہ کی طرف سے اِلہام یا وحی پاتا ہے، جو کچھ کہتا ہے دُرست ہوتا ہے۔ چونکہ وہ جان عطا کرتا ہے اور اگر قتل بھی کرے تو جائز ہے۔ وہ اللہ کا قائم مقام ہے اور اُس کا ہاتھ خدا کا ہاتھ ہے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی طرح اُس کے سامنے سر جھکا دے اور ہنسی خوشی اُس کے ہاتھوں قتل ہو جا تا کہ تیری رُوح ہمیشہ خوش رہے۔ عاشق خوشی کا جام اُس وقت پیتے ہیں جب معشوق اپنے ہاتھوں سے اُنہیں قتل کرے۔

وہ خون بادشاہ نے شہوت کی خاطر نہیں کیا۔ تُو بدگمان نہ ہو۔ جان لے کہ صاف میں صفائی کھوٹ کو کب چھوڑتی ہے۔ یہ محنت اور مُشقت تو اِس لیے ہے کہ بھٹی چاندی سے مَیل کو نکال دے۔ کھرے اور کھوٹے کا اِمتحان اِس لیے ہے تاکہ وہ جوش میں آئے اور سونا اپنا مَیل اُوپر لے آئے۔ غلط گمان نہ کر کیونکہ "بے شک بعض گمان گناہ ہوتے ہیں"۔

بطنِ چارم از نُبے خود کس ندید
قرآن کا چوتھا باطن کسی نے نہیں دیکھا

جز خُدائے بے نظیر و بے ندید
لا مثیل و لا شریک خُدا کے سوا

إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ ۔ اُس کا کام خدا کے اِلہام سے نہ ہوتا تو وہ بادشاہ نہ ہوتا' پھاڑ کھانے والا کتا ہوتا۔ وہ شہوت اور حرص و ہوس سے پاک تھا۔ اُس نے اچھا کیا' اچھا بظاہر بُرا۔

اگرچہ خضر علیہ السلام نے سمندر میں کشتی توڑ دی لیکن اُس کے توڑنے میں سو دُرستیاں تھیں۔ باوجود تمام علم و ہُنر کے موسیٰ علیہ السلام کا خیال اُس تک نہ پہنچا۔ اِس لیے تُو بھی بے پَر کی نہ اُڑا۔ وہ سُرخ پھول ہے' تُو اُسے خون نہ کہہ۔ وہ عقل کی زیادتی کی وجہ سے مَست ہے' تُو اُسے دیوانہ نہ سمجھ۔ اگر مسلمان کا خون بہانا اُس کا مقصود ہوتا' تو میں کافر ہوتا اُس کا نام بھی لیتا۔ بدبخت اور سنگدل کی تعریف سے عرش بھی لرزتا ہے اور اُس کی تعریف سے پرہیزگار بدگمان ہو جاتا ہے۔ وہ بادشاہ تھا اور بہت باخبر تھا اور اللہ تعالیٰ کا مخصوص تھا۔ وہ آدمی جس کو ایسا بادشاہ قتل کرتا ہے اُس کو بہترین مرتبہ عنایت کرتا ہے۔ جان لیتا ہے تو سو جانیں دیتا ہے۔ بلکہ اتنا دیتا ہے کہ تیرے خیال میں بھی نہ آ سکے۔ عام مہربانی کے لیے کسی خاص پر قہر' شریعت جائز رکھتی ہے۔ اگر اللہ پاک اُس کا فائدہ قہر میں نہ دیکھتا تو وہ سراپا لطف و کرم' قہر کیوں کرتا۔ پچھنے لگانے کی تکلیف سے بچہ تو لرزتا ہے لیکن مہربان ماں اُس کی تکلیف سے خوش ہوتی ہے۔ تُو سب کچھ اپنے اُوپر قیاس کرتا ہے لیکن تُو حقیقت سے دُور جا پڑا ہے۔ لے ایک قِصہ سُن شاید تُو سمجھ جائے۔

ایک بنیئے اور طوطی کا قصہ

ایک بنیا تھا اور اُس کے پاس ایک طوطی تھی' جو سبز رنگ اور خوش آواز بولنے والی تھی۔ وہ دکان کی حفاظت کرتی اور سوداگروں سے دلچسپ باتیں کرتی۔ انسانوں سے اُن کے مزاج کے مطابق بات کرتی۔ ایک دن مالک گھر کو گیا اور طوطی دکان پر تھی۔ اچانک دکان میں ایک بلی چوہے پر لپکی' طوطی ڈر کر دکان میں کودی تو روغنِ گُل کی شیشیاں بہا دیں۔ مالک گھر سے واپس آیا اور دکان کو تیل و عطر سے پُر دیکھا تو طوطی کے سر پر ایسی مار ماری کہ وہ گنجی ہو گئی۔ طوطی نے بات چیت کرنی چھوڑ دی۔ بنیئے کو اُس کی خاموشی کا بہت افسوس اور ندامت ہوئی اور وہ اپنے آپ کو کوستا کہ ہائے! اُس وقت میرے ہاتھ کیوں نہ ٹوٹ گئے جب میں نے اُسے مارا۔ اُس نے فقیروں کو خیرات وغیرہ دی اور بہت حیلے کیے کہ کہیں طوطی بولے لیکن ناکام رہا۔ تین دن رات مایوسی کے عالم میں دکان پر بیٹھا' اِس انتظار میں کہ طوطی کب بولے گی۔ اُس کو طرح طرح کے کھانے کھلاتا اور چیزیں دکھاتا لیکن بے کار۔ اُس سے طرح طرح کی باتیں کرنے کی کوشش کرتا۔ تصویریں دکھاتا لیکن طوطی نہ بولی۔ اتفاقاً ایک گدڑی پوش فقیر اُدھر سے گزرا۔ اُس کا سر طشت کی پُشت کی طرح صاف تھا۔ طوطی اُسے دیکھ کر عقل مندوں کی طرح بولی: اے گنجے! تُو گنجوں میں کیوں شامل ہوا؟ کیا تُو نے بھی تیل گرایا ہے؟ اُس کے اِس قیاس سے لوگ ہنس

ہمچنیں تا ہفت بطن اے ذوالکرم	می شمر تو زیں حدیثِ معتصم
اے بھلے! اسی طرح سات باطن تک ہے	تُو محفوظ حدیث سمجھ لے' یہ غلطی سے محفوظ ہے

پڑے کہ اُس نے گدڑی والے کو اپنے جیسا سمجھا۔

پاک لوگوں کے کام کو اپنے پر قیاس نہ کر۔ اگرچہ لکھنے میں شَیر اور شِیر ایک جیسے ہیں لیکن شیر کو آدمی پیتا ہے اور شیر آدمی کو پھاڑ ڈالتا ہے۔ محض اسی وجہ سے پورا عالم گمراہ ہو گیا ہے۔ بہت کم کوئی خدا کے ابدال سے واقف ہے۔ بدبختوں کی دیکھنے والی آنکھ نہ تھی۔ اچھا اور بُرا اُن کی نظر میں یکساں ہے۔ اُنھوں نے نبیوں کے ساتھ برابری کا دعویٰ کیا اور اولیاء رحمۃ اللہ علیہم کو اپنے جیسا سمجھا اور کہا کہ یہ بھی انسان ہیں اور ہم بھی انسان ہیں۔ ہم بھی کھاتے اور سوتے ہیں اور یہ بھی۔ اندھے پن سے وہ بھی طوطی کی طرح یہ نہیں سمجھے کہ ہم میں اور اِن میں بہت فرق ہے۔ دو قسموں کے بھڑوں نے ایک ہی جگہ سے کھایا لیکن ایک نے صرف ڈنک اور ایک نے شہد دیا۔ دونوں قسموں کے ہرنوں نے گھاس کھائی اور پانی پیا لیکن ایک سے گوبر بنا اور ایک سے مُشک۔ دونوں نرسلوں نے ایک جگہ سے پانی پیا لیکن ایک کھوکھلی اور دوسری شکر سے بھری ہوئی۔ اِس طرح کی لاکھوں مثالیں تیرے سامنے ہیں لیکن اُن میں ستّر سالہ راہ کا فرق دکھائی دیتا ہے۔ یہ کھاتا ہے تو اس میں نجاست نکلتی ہے اور وہ کھاتا ہے تو خدا کا نور بن جاتا ہے۔ یہ کھاتا ہے تو سراسر بخل اور کینہ پیدا ہوتا ہے، وہ کھاتا ہے نورِ اِلٰہ زیادہ ہو جاتا ہے۔ یہ پاک زمین ہے، وہ شور۔ یہ پاک انسان ہے اور وہ بھوت درندہ۔ اگر دونوں کی صورتیں ایک جیسی ہیں تو ٹھیک ہے۔ نمکین اور شیریں میں صفائی موجود ہے۔ صاحبِ ذوق کے سوا کوئی اور دونوں پانیوں میں فرق نہیں کر سکتا۔ جس نے شہد چکھا نہ ہو شہد اور موم میں فرق نہیں کر سکتا۔

جادو اور مُعجزہ کو اپنے قیاس سے ایک سمجھتا ہے اور دونوں کو مکر و فریب قیاس کرتا ہے۔ جادوگروں کی اور موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھیاں بظاہر ایک جیسی تھیں لیکن باطن میں ایک کا کام اور تھا، ایک کا اور۔ ایک کے پیچھے اللہ کی رحمت ہے اور ایک کے لعنت۔ کافر لوگ جھگڑا کرنے میں بندر کی خصلت رکھتے ہیں۔ جو کچھ انسان کرتا ہے بندر بھی کرتا ہے۔ انسان کے اَفعال دیکھ کر اُسی طرح کرتا ہے اور گمان کرتا ہے کہ میں نے اُسی کی طرح کیا۔ وہ لڑاکا فرق کو کب دیکھتا ہے۔ یہ حکمِ خداوندی سے کرتا ہے اور وہ جھگڑے کے لئے۔ مُنافق نماز میں مقابلے کے لیے آتا ہے نہ کہ نیاز مندی کے لئے۔ نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ میں مومن، مُنافق کے ساتھ جیت اور ہار میں ہیں۔ انجام کار خلوص والے مومنوں کی جیت ہو گی اور ریاکار مُنافقوں کی ہار۔ مومن کا مقام اُس کی شرافت کی وجہ سے اور مُنافق کا اُس کی ظاہری دکھاوے کی حرکت کی وجہ سے ہے۔ اگرچہ دونوں ایک ہی جیسے کام کرتے ہیں لیکن اپنے نام کے مطابق کرتے ہیں۔ مومن کو مومن کہیں تو اُس کی رُوح خوش ہوتی ہے لیکن مُنافق کو منافق کہو تو آگ سے پُر ہو جائے گا۔

تو ز قرآں اے پسر ظاہر مبیں
اے بیٹا! تو قرآن کے صرف ظاہر کو نہ دیکھ

دیو آدم را نہ بیند جز کہ طیں
جیسے شیطان نے آدم میں مٹی کے سوا کچھ نہ دیکھا

میم' واؤ' میم' نون میں کوئی شرافت نہیں ہے۔ لفظ مومن پہچان کے علاوہ کچھ نہیں ہے اور مُنافق کو مُنافق کہیں تو یہ لفظ ڈنک کی طرح اُس کے دل میں چُبھتا ہے۔ اگر یہ نام دوزخ سے نہیں بنا تو پھر اِس میں دوزخ کا ذائقہ کیوں ہے؟ بُرے نام کی بُرائی حروف کی وجہ سے نہیں ہے۔ سمندری پانی کی کڑواہٹ برتن کی وجہ سے نہیں ہے۔ حروف برتن ہیں اور معنیٰ پانی کی طرح ہے۔ معنیٰ کا سمندر وہ ہے جس کے پاس لوحِ محفوظ ہے یعنی ذاتِ باری تعالیٰ۔ اِس عالمِ کائنات میں میٹھا اور شور دریا ساتھ رواں ہیں اور اُن کے درمیان ایک آڑ ہے اور وہ ایک دوسرے پر نہیں چڑھتے۔ جان لے کہ یہ دونوں ایک ہی اصل سے رواں ہیں۔ ان دونوں سے گزر کر اصل تک پہنچ جا' یعنی ذات میں بے شمار متضاد صفات ہیں۔ ہر صفت کا مظہر دوسری صفت کے مظہر سے الگ ظاہر ہے۔ یہ دونوں دریا' ذات کی صفتِ رحمت اور صفتِ قہر ہیں اور سالِک کا مقصد تو صفات سے آگے یعنی ذاتِ واحد ہے۔

کھرا سونا اور کھوٹا سونا بغیر کسوٹی پر پرکھے قابلِ اعتبار نہیں ہیں۔ خدا جس کے دل میں کسوٹی رکھ دیتا ہے بلاشبہ وہ یقین کو شک سے جُدا کر لیتا ہے اور وہ جو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہے "اپنے دل سے فتویٰ پوچھ" اُس کو وہی جانتا ہے جو وفاداری سے پُر ہے۔ زندہ کے منہ میں اگر ایک تنکا آ جائے تو اُس کو چین اُسی وقت آئے گا جب وہ اُسے نکال لے گا۔ ہزاروں لقموں میں سے چھوٹا سا تنکا جب آیا تو زندہ کو فوراً پتہ چل گیا۔ دُنیا کا احساس اِس جہان کی سیڑھی ہے اور آخرت کا احساس آسمان کی سیڑھی۔

دنیاوی جس کی تندرستی طبیب سے معلوم کرو اور آخرت کی جس کی تندرستی محبوب (شیخِ کامل) سے معلوم کرو۔ اِس جس کی تندرستی بدن کی تندرستی سے ہے اور اُس جس کی تندرستی بدن کی شکستگی سے ہے۔ رُوح کا بادشاہ جسم کو ویران کرتا ہے اور اُس کی ویرانی کے بعد اُسے آباد کرتا ہے۔ بڑی مُبارک ہے وہ جان جس نے عاقبت کی فکر کی' اپنا گھر بار اور مُلک و مال خرچ کر ڈالا۔ رُوحانی کیفیات کو حاصل کرنے کے لیے اپنے جسم کو لاغر کیا۔ سونے کے خزانے کے لیے پہلے گھر کو ویران کیا اور پھر اُس کو رُوح سے آباد کیا۔ جسم کو شیطان کے قبضے سے نکالنے کے لیے (مجاہدات سے) ویران کرنا پڑتا ہے اور پھر رُوح کے ذریعے آباد کیا جاتا ہے۔ جیسے کافروں کے قبضے سے کسی قلعہ کو چھینا جائے تو پہلے اُسے توڑنا پھوڑنا پڑتا ہے اور پھر نئی فصیلیں اور بُرج وغیرہ تعمیر کیے جاتے ہیں۔

اُس یکتا کے کام کی کیفیت کون بیان کرے؟ کبھی یوں جلوہ گر ہوتا ہے اور کبھی اس کے برعکس۔ دین کا کام حیرت کے بغیر نہیں ہے۔ وہ لوگ جو حقیقت کے راز سے واقف ہیں بے خود' حیران اور مست و سرگرداں ہیں۔ نہ ایسے حیران کہ

ظاہرِ قرآں چو شخصِ آدمی ست قرآن کا ظاہر آدمی کے وجود کی طرح ہے	کہ نقوشش ظاہر و جانش خفی ست اُس کے نقوش ظاہر ہیں اور رُوح پوشیدہ ہے

اُن کی پشت اُس کی طرف ہو جائے بلکہ ایسے حیران کہ چہرہ اُس کے سامنے رہے۔ حیرانی دو قسم کی ہے۔ ایک وہ جو شکوک و شبہات پیدا کرتی ہے اور دوسری وہ جو محویت پیدا کرتی ہے۔ حیرانی کی محویت بھی دو طرح کی ہے۔ ایک حالت میں طالب و مطلوب کا اِمتیاز کیا جا سکتا ہے اور دوسری حالت میں اِمتیاز نہیں رہتا۔ ایک ہی ذات کارفرما ہوتی ہے۔ ہر ایک حیرت زدہ کے رُخ کو دیکھ اور ادب کر۔ ہو سکتا ہے کہ تُو خدمت کرنے سے صاحبِ معرفت ہو جائے۔ عالم کو دیکھنا بھی ایک عبادت ہوتی ہے۔ اس سے نیک بختی کے دروازے کھلتے ہیں۔ مکاروں سے اپنے آپ کو بچاؤ۔

حق گو اور جھوٹے میں فرق

چونکہ بہت سے شیطان انسانی چہرے رکھتے ہیں اِس لیے ہر ایک کے ہاتھ میں ہاتھ نہیں پکڑانا چاہیے۔ شکاری پرندے جیسی آواز اِس لیے نکالتا ہے کہ پکڑنے والے پرندے کو دھوکا دے۔ وہ پرندہ اپنے ہم جنس کی آواز سنتا ہے اور پھنس جاتا ہے۔ اِسی طرح مکار، درویش کا روپ بھر کر خلق اللہ کو پھانستے ہیں۔ کمینے لوگ فقیروں کے الفاظ چُرا لیتے ہیں تاکہ بھولے بھالے لوگوں کو اُن سے پھانسا جا سکے۔ مردوں کا کام روشنی اور گرمی پہنچانا ہے، جس سے رُوح کو راحت ملے اور کمینوں کا کام دھوکا دینا ہے۔ جعلی فقیری یا نبوت کا روپ دھار لیتے ہیں اور مُسیلمہ کذّاب کو احمد کا لقب دیتے ہیں۔ مسیلمہ کا لقب کذّاب رہا اور حضور ﷺ کو صاحبِ عقل کہا گیا۔ اُن کے پاس حق کی شراب ہے، جس میں خالص مُشک ہے اور دوسری میں گندگی اور عذاب۔ اصل فقیر ہمیشہ شریعتِ محمدی ﷺ کا پابند ہوتا ہے کیونکہ شریعت کی پابندی کے بغیر فقیری عین مکاری ہے۔

یہودی بادشاہ جو بوجہ تعصّب عیسائیوں کو قتل کرتا

یہودیوں میں ایک ظالم بادشاہ تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دشمن اور عیسائیوں کو تباہ کرنے والا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زمانہ تھا اور وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اور موسیٰ علیہ السلام اُن کی جان تھے۔ عقل کے بھینگے بادشاہ نے اُن دونوں اللہ کے محبوب دوستوں کو جدا جدا کر دیا۔ ایک اُستاد نے بھینگے شاگرد سے کہا: اندر جا اور گھر میں سے بوتل لے آ۔ بھینگا فوراً مکان میں گیا اور ایک بوتل اُس کو اپنی نظر میں دو نظر آئیں۔ بھینگے نے کہا کہ دو بوتلوں میں سے کون سی لے آؤں؟ اُستاد نے کہا: وہ دو بوتلیں نہیں ہیں۔ ذرا بھینگا پن چھوڑ، ٹھیک دیکھنے والا بن۔ زیادہ دیکھنے والا نہ بن۔ اُس نے کہا: اُستاد مجھے طعنہ نہ دیں۔ تو اُستاد نے کہا کہ دونوں میں سے ایک کو توڑ ڈال۔ جب اُس نے ایک توڑی، نگاہ سے دونوں غائب ہو گئیں۔ انسان محبت اور غصہ سے بھی جذبات میں بھینگا بن جاتا ہے۔ غصہ اور شہوتِ انسانی، انسان کو بھینگا بنا دیتے ہیں اور رُوح کو سیدھے راستے سے پھیر دیتے ہیں۔ جب غرض آتی ہے تو رُوح کا ہُنر پوشیدہ ہو جاتا ہے اور دل کے لاتعداد

مرد را صد سال عمّ و خالِ او — یک سرِ موئے نہ بیند حالِ او

سو سال کی انسانی زندگی میں چچا اور ماموں (رشتہ دار) — اُس کے اصل حال کا بال برابر بھی نہیں دیکھ سکتے

پردے آنکھ پر پڑ جاتے ہیں۔ جب قاضی دل میں رشوت طے کرے تو ظالم اور مظلوم میں کب فرق کر سکے گا۔ بادشاہ یہودیت کے کینے سے ایسا بھرا ہوا تھا کہ بھینگا بن گیا اور لاکھوں مظلوموں کو مار دیا کہ موسیٰ علیہ السلام کے دین کی پشت پناہی کر رہا ہوں۔

بادشاہ کے وزیر کا عیسائیوں میں تفرقہ پھیلانے کے لیے مکر و فریب

اُس بادشاہ کا ایک مکار وزیر تھا۔ اُس نے کہا: نصرانی اپنی جان کی حفاظت کر لیں گے یعنی چُھپ کر اپنے دین پر قائم رہیں گے۔ اُنہیں قتل نہ کر یہ مُفید نہیں ہے۔ مذہب کی کوئی خوشبو نہیں ہوتی کہ ہم پہچان لیں کہ نصرانی کون کون ہیں۔ ہوسکتا ہے اُن کا ظاہر تیرے ساتھ ہو اور باطن بر خلاف۔ بادشاہ نے اُس سے پوچھا کہ ترکیب بتا کہ دُنیا میں کوئی عیسائی نہ بچے نہ کُھلے دین کا' نہ چھپے دین کا؟ اُس نے کہا: بادشاہ! میرے ہاتھ اور کان کاٹ دے' میری ناک اور ہونٹ چیر دے' یہاں تک کہ کوئی مجھے اُس وقت تجھ سے مانگ لے جب تُو مجھے بظاہر سولی دینے کے لیے لے جائے۔ یہ کام کسی عام گزرگاہ یعنی چوراہے پر کر۔ اُس کے بعد مجھے کسی دُور شہر میں نکال دے تاکہ میں اُن کے دین میں فتور ڈال دوں۔ وہ مجھ سے دین قبول کرنے لگیں گے تو میں ایسا فتنہ اور شورش پیدا کر دوں گا کہ شیطان بھی میرے فن کو دیکھ کر حیران رہ جائے۔ جب وہ مجھے اپنا راز دار اور امانت دار سمجھ لیں گے تو پھر میں اپنا جال پھیلاؤں گا۔ ابھی میں تمہیں کچھ نہیں بتا سکتا۔ میں اُن کو ایسا فریب دوں گا کہ وہ اپنے ہاتھوں اپنوں کا خون بہائیں گے۔

پھر میں کہوں گا کہ میں پوشیدہ طور پر عیسائی ہوں۔ اے خدا! تُو میرے راز سے واقف ہے۔ بادشاہ میرے دین سے واقف ہو گیا ہے اور اُس نے تعصب کی وجہ سے میری جان لینے کا تہیہ کر لیا ہے۔ میں نے اپنے آپ کو چھپانے کی بہت کوشش کی ہے لیکن وہ میرے مارنے پر تُل گیا ہے۔ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی رُوح میری مدد نہ کرتی تو وہ مجھے سولی پر چڑھا دیتا۔ مجھے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کیلئے جان دینے میں کوئی تامل نہیں ہے مگر میں اُن کے دین سے خوب خوب واقف ہوں۔ مجھے اِس پر افسوس آتا ہے کہ یہ پاک دین' جاہل پادریوں میں پہنچ کر برباد ہو رہا ہے۔ اب ہم یہودیت اور یہودیوں سے چھوٹ گئے ہیں۔ اے لوگو! یہ عہد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ہے۔ اُن کے مذہب کے اَسرار دل و جان سے سنو۔ یہ بادشاہ بے دین اور ظالم ہے۔ جب وزیر نے بادشاہ کے سامنے اپنا یہ فریب بیان کیا تو اُس کے دل سے سارا فکر دُور ہو گیا۔ اب اُس نے وزیر کے ساتھ وہی کچھ کیا جو اُس نے کہا۔ اُس کو خوب ذلیل و خوار کر کے عیسائیوں کی طرف بھگا دیا

گر شُدی عطشانِ بحرِ معنوی | فُرجہ کُن در جزیرۂ مثنوی
اگر تُو معنوی سمندر کا پیاسا ہے | تو پھر مثنوی کے جزیرے کی سیر کر

اور وہاں پہنچ کر اُس نے تبلیغ کا کام کرنا شروع کر دیا۔ عیسائیوں نے جب اُسے اتنا عاجز و بدحال پایا تو غم سے رو پڑے۔ اے لڑکے! اِس قسم کی سب باتیں دراصل حسد کی پیداوار ہوتی ہیں۔

وزیر کا عیسائیوں کو جمع کرنا اور اُن سے راز کہنا

لاکھوں عیسائی اُس کے پاس جمع ہو گئے۔ وہ اُن سے رازداری میں انجیل، صلیب اور نماز کے بارے میں بیان کرتا۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے اقوال و افعال اُن کو بیان کرتا۔ وہ بظاہر دین کا محافظ بنا ہوا تھا لیکن بہ باطن ایک جال پھیلا رہا تھا۔ اِسی وجہ سے صحابہ رضی اللہ عنہم، حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نفسانی بھوت کے مکر کے بارے میں پوچھا کرتے تھے کہ وہ عبادتوں اور دل کے اخلاص میں کیا کیا پوشیدہ خود غرضیاں ملا دیتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عبادت کی فضیلتیں نہ تلاش کرتے بلکہ باطنی عیوب کی جستجو کرتے۔ نفس کی مکاری کا بال بال اور ذرہ ذرہ وہ پہچان لیتے۔ اِس کا کچھ حصہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کو بتایا، جس کی وجہ سے اُن کے وعظ میں جان پڑ گئی۔ تمام نکتہ شناس صحابہ رضی اللہ عنہم اُن کے بیان سے حیران رہ جاتے۔ تمام عیسائیوں نے اُس کو دل دے دیا۔ عام تقلید کی قوت بھی کیا ہوتی ہے۔ اُنہوں نے اُسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نائب مان لیا اور اُس سے خوب محبت کرنے لگے۔ وہ خفیہ طور پر کانا دجال بن گیا۔

اے خدا! اچھے مددگار، ہماری فریاد سُن لے۔ اے خدا! لاکھوں جال اور دانے ہیں اور ہم لالچی بھوکے پرندوں کی طرح ہیں۔ ہم ہر وقت ایک نئے جال میں گرفتار ہیں۔ اگرچہ ہم سب اپنے زعم میں باز و سیمرغ ہیں، تُو ہمیں چھڑاتا ہے اور پھر ہم کسی اور جال کی طرف چل دیتے ہیں۔ ہم بورے میں گندم بھرتے ہیں لیکن جمع شدہ گیہوں کم ہوتا جاتا ہے۔ جب ہم تیری عطا کی ہوئی عقل سے سوچتے ہیں تو گیہوں کی یہ کمی چوہے (نفس) کی مکاری کی وجہ سے ہوتی ہے۔ چوہے نے ہمارے بورے میں سوراخ کر لیا ہے اور اُس کے مکر سے ہمارا ذخیرہ برباد ہو رہا ہے۔

اے عزیز! پہلے چوہے کی شرارت کو رفع کر اور پھر گیہوں جمع کرنے کی کوشش کر۔ صدروں کے صدر کی یہ حدیث سُن لے کہ "کوئی نماز بغیر حضورِ قلب کے مکمل نہیں ہوتی" اگر کوئی چوہا (نفس) ہمارے بورے کا چور نہیں ہے تو پھر ہمارے چالیس پچاس سالہ اعمال کے گیہوں کہاں ہیں؟ ہر روز کا ذرا ذرا سا صدق کیوں ہمارے اِس انبار میں جمع نہیں ہوتا ہے۔ آگ کی بہت سی چنگاریاں ہمارے دل سے نکلتی رہتی ہیں لیکن شیطان اُن کو بڑھنے سے پہلے ہی بجھا دیتا ہے تاکہ اُن چنگاریوں سے آسمان میں کوئی چراغ نہ روشن ہو جائے۔ جب تیری عنایتیں ہمارے ساتھ ہوں گی تو اُس چور کا ڈر کب ہو سکتا ہے؟ اگرچہ ہر قدم پر ہزاروں جال ہوں، جب تُو ہمارے ساتھ ہو تو کچھ غم نہیں۔ رُوحوں کو بدن کے جال

فرجہ کُن چندانکہ اندر ہر نفس
تُو اِس قدر سیر کر کر ہر سانس میں

مثنوی را معنوی بینی و بس
مثنوی کو صرف معنوی ہی دیکھنے لگے

سے ہر رات تُو رہا کر دیتا ہے اور اُن کو افسری ماتحتی قید اور دُنیا کے کام کاج سے مکمل رہائی مل جاتی ہے۔ نہ کسی کو فائدہ یا نقصان کا فکر اور نہ فلاں کو فلاں کا خیال۔ خدا شناسوں کی حالت بغیر نیند کے بھی یہی ہوتی ہے۔ اصحابِ کہف کے بارے میں اللہ فرماتا ہے: ''وہ سوئے ہوئے ہیں اور دُنیا کے اَحوال سے الگ تھلگ کر دیئے گئے ہیں' خدا کے ہاتھ میں قلم کی طرح''۔ ہماری بدنصیبی یہ ہے کہ ہم قلم کو دیکھتے ہیں لکھنے والے ہاتھ نہیں دیکھتے۔ قلم کی جنبش دراصل اُسی ذات کا فعل ہے۔

مردِ عارف کی مثال اور ''اللہ جانوں کو اُن کی موت کے وقت قبض کر لیتا ہے'' کی تفسیر

عارف کے حال کا کچھ حصہ اللہ نے واضح کر دیا ہے کہ لوگوں کو حسی نیند بھی بے خود کر دیتی ہے۔ اُن کی جان ایک بے مثال بیابان یعنی عالمِ مثال یا برزخ میں چلی جاتی ہے اور اُن کی رُوح اور اُن کے بدن آرام میں ہوتے ہیں۔ جو کچھ اس عالمِ ظاہر یا ناسُوت میں ہے' وہ بلا کسی مادے کے عالمِ مثال میں بھی ہے لیکن اپنی اُس اصلی حالت میں جیسی ذاتِ الٰہی کے علم میں ہے۔ قیامت تک یہی عالمِ مثال انسانوں کا مقام ہے۔ عارف لوگ حرص' جھگڑا اور پریشانی سے فارغ ہوتے ہیں۔ پھر جب دن نکلتا ہے تو جان جسم میں واپس آتی ہے اور بدن' رُوح سے بار آور ہو جاتا ہے۔ تُو پھر سیٹی کے ذریعے دنیاوی کاروبار کا جال پھیلا دیتا ہے۔ صبح کو تاریکی سے نکالنے والا اِسرافیل منتشر رُوحوں کو جسموں میں لاتا ہے اور جسم کام میں لگ جاتے ہیں۔ اِسی لیے تو نیند کو موت کی بہن کہا گیا ہے۔ اصحابِ کہف کی رُوحوں کی طرح اللہ عارفوں کی رُوحوں کی حفاظت کرتا ہے تاکہ بیداری میں اِس مخلوق کے دل' آنکھ اور کان محفوظ رہیں۔ اے انسان! بہت سے اصحابِ کہف دُنیا میں تیرے آس پاس موجود رہتے ہیں۔ یار اور غار دونوں اُن کے ہمساز ہیں لیکن تیری آنکھ اور کان پر تو مُہر لگی ہوئی ہے۔ اب تُو سمجھ لے کہ آنکھوں اور کانوں پر یہ مُہر کس لیے ہے؟ کہ جس کی وجہ سے تُو مختلف اقسام کے حجابات لیے پھرتا ہے۔

خلیفہ کا لیلیٰ سے سوال اور اُس کا جواب

خلیفہ نے لیلیٰ سے پوچھا: تُو وہی ہے جس کی وجہ سے قیس' مجنوں اور دیوانہ بنا پھرتا ہے؟ تُو دوسرے حسینوں سے بڑھ کر تو نہیں ہے۔ اُس نے جواب دیا: خاموش رہ! چونکہ تُو مجنوں نہیں ہے۔ اگر تیرے پاس مجنوں کی آنکھ ہوتی تو دونوں جہان تیری نظر میں بے قدر ہوتے۔ تُو ہوش میں ہے اور مجنوں بے ہوش ہے۔ عشق کی راہ میں تیرے جیسی بیداری بُری ہے۔ جو بیدار ہے وہ زیادہ غفلت میں ہے۔ دُنیا کی بیداری نیند سے بدتر ہے۔ غفلت میں پھنسے ہوئے لوگوں کا بیدار ہو

چُوں درِ معنیٰ زنی بازت کنند
تو جب معنی کا دروازہ کھٹکھٹائیگا تیرے لئے کھول دیں گے

پَرِ فکرت زن کہ شہبازت کنند
فکر کا پَر پھڑ پھڑا تجھے شہباز بنا دیں گے

جانا بہتر ہے۔ جب ہماری جان خدا کے معاملے میں بیدار نہ ہو تو ہماری بیداری قید خانہ کی بیداری کی طرح ہے۔ سارا دن ہماری جان (رُوح) خیالات' نقصان' نفع اور زوال وغیرہ کے چکر میں دبی رہتی ہے۔ نہ اُس میں صفائی رہتی ہے نہ پاکیزگی نہ قوت اور نہ آسمان کی طرف سفر کا راستہ۔ سویا ہوا وہ ہوتا ہے جو ہر خیال سے اُمید وابستہ کرے اور اُس کے متعلق ہی گفتگو کرتا رہے۔

وہ ایسا نہیں ہے کہ خیال سے وجد میں آئے۔ ایسا خیال جس سے رُوح خوش نہ ہو وبال ہوتا ہے۔ وہ خواب میں شیطان کو حور دیکھتا ہے۔ پھر شہوت سے اُس سے ہم بستری کرتا ہے' جیسے ہی نسل کا بیج اُس نے شور زمین میں ڈالا وہ بیدار ہو جاتا ہے اور خیال روانہ ہو جاتا ہے۔ اُس کی وجہ سے سر کی کمزوری محسوس کرتا ہے اور جسمِ پلید اُس خیال کے معدوم نقش پر افسوس کرتا ہے۔ پرندہ اُوپر اُڑ رہا ہے اور اُس کا سایہ پرندہ کی طرح زمین پر اُڑان کر رہا ہے۔ بیوقوف اُس سایہ کا شکاری بنتا ہے اور اتنا دوڑتا ہے کہ بے طاقت ہو جاتا ہے۔ اِس بات سے غافل کہ وہ اصل پرندے کے عکس کا شکار کر رہا ہے۔ اِس بات سے غافل کہ اصل پرندہ کہاں ہے۔ وہ سایہ کی طرف ہی تیر اندازی کرتا رہتا ہے اور ترکش خالی ہو جاتا ہے۔ جس کی عمر کا ترکش اِس طرح خالی ہوا' اُس کی عمر برباد ہوئی۔ اُس کو سایہ کے خیال سے نجات صرف اِسی صورت میں مل سکتی ہے کہ اللہ کا سایہ اُس کی دایہ بن جائے۔

رہنما ولی کی تابعداری کی ترغیب

خدا کا بندہ اللہ کا سایہ ہوتا ہے۔ وہ اِس دُنیا کا مردہ اور خدا کا زندہ ہوتا ہے۔ اُس کا دامن شک وشُبہ کے بغیر جلدی تھام نے تاکہ آخرت کی مصیبت سے چھوٹ جائے۔ قرآن کی آیت کے ٹکڑے "کَیۡفَ مَدَّ الظِّلَّ" میں بھی یہی فرمایا گیا ہے کہ "اے نبی! کیا تم اپنے ربّ کی طرف نہیں دیکھتے کہ اُس نے کس طرح سایہ کو دراز کیا ہے"۔ سایہ سے مراد اولیاء اللہ رحمۃ اللہ علیہم کا وجود ہے جو اللہ کے آفتاب کے نور کے رہنما ہیں۔ اِس وادی میں بغیر رہنما کے نہ چل۔ جا' سایہ کے ذریعے آفتاب کو حاصل کر لے اور شمس تبریزی رحمۃ اللہ علیہ کا دامن تھام لے۔ اُس عشق اور شادی کا اگر تجھے راستہ معلوم نہیں ہے تو ضیاء الحق حُسام الدین رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھ لے۔

اگر اِس سفر کے راستے میں حسد تیرا گلا دبائے جیسا کہ شیطان کے حسد نے حضرت آدم علیہ السلام کے معاملے میں کیا تھا کیونکہ وہ حسد کی وجہ سے آدم علیہ السلام سے ذلت محسوس کرتا تھا۔ خدا کے راستے میں اِس سے سخت گھاٹی نہیں ہے۔ وہ شخص بڑا خوش نصیب ہے جس کے ساتھ حسد نہیں ہے۔ اگرچہ جسم حسد کا گھر ہو سکتا ہے لیکن اللہ نے جسم کو خوب پاک کیا ہے۔

صُورتش بگذار و در معنیٰ نگر	بُت پرستی گر بمانی در صُور
صُورت سے گزر جا اور اُس کے پیچھے چھپے معنیٰ کو دیکھ	اگر تو صُورتوں میں لگا رہا تو بُت پرست ہے

نفس کی شرارت کی وجہ سے حسد پیدا ہوتا ہے۔ اِس کا علاج یہ ہے کہ اللہ کو خلوص کے ساتھ یاد کیا جائے اور اپنے شیخ سے بے غرض محبت کی جائے۔ اگر تُو کسی صاف دل والے کے ساتھ حسد کرے گا تو اُس کی وجہ سے دل میں سیاہی پیدا ہو جائے گی۔ خاصانِ خدا کے پَیر کے نیچے خاک بن جا اور ہماری طرح حسد پر مٹی ڈال۔

یہودی وزیر کا حسد اور ماہر عیسائیوں کا وزیر کے مکر کو سمجھ جانا

وہ کمینہ وزیر حسد سے بنا تھا۔ اِسی لیے اُس نے ناحق اپنے ناک، کان برباد کیے۔ اِس اُمید پر کہ وہ حسد کے ڈنک سے سادہ دل عیسائیوں کی جانوں تک زہر پہنچا دے گا۔ جو شخص حسد کی وجہ سے اپنے ناک، کان کاٹ لے وہ تو تباہ ہوا۔ ناک وہ ہے جو خوشبو سونگھ سکے اور خوشبو اُس کو یار کے کُوچے میں لے جائے۔ جس میں وحدت کی خوشبو سونگھنے کی صلاحیت نہیں وہ بے ناک ہی ہے اور جب خوشبو سونگھی اور اُس کا شکر ادا نہ کیا تو یہ کفرانِ نعمت ہوا۔ شکر کر اور شکر گزاروں کا غلام بن جا۔ اُن کے سامنے مردہ بن جا اور عُمرِ دوام حاصل کر لے۔ وزیر کی طرح راستے مارنے کا کام نہ کر اور لوگوں کو نماز سے نہ روک۔ یہی حال کان کا ہے۔ جو کان یار کی تعریف نہیں سُننا چاہتے یا سُن کر فرحت محسوس نہیں کرتے وہ کان کٹے ہوئے ہی ہیں۔

وہ کافر وزیر، دین کا واعظ بن گیا اور اُس نے مکر سے بادام کے حلوے میں لہسن ملا دیا۔ جو صاحبِ ذوق تھے، اُس کی گفتگو سے لذّت محسوس کرتے لیکن ساتھ ہی کڑواہٹ بھی۔ وہ ملے جُلے نکتے بیان کرتا، گلاب اور شکر میں زہر ملاتا۔ خبردار! ایسی بھلی باتوں سے دھوکے میں نہ پڑنا۔ اِس لیے کہ اِس کی تہ میں سو بُرائیاں چھپی ہوتی ہیں۔ جو شخص بُرا ہو، اُس کی گفتگو بھی بُری سمجھ۔ جو بات ایک مردہ کہے (حضور ﷺ کی محبت سے عاری) اُس میں جان نہیں ہے۔ انسان کی گفتگو انسان کا ٹکڑا ہی ہے۔ روٹی کا ٹکڑا یقیناً روٹی ہی ہوتا ہے۔ اِسی لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جاہلوں کی بات گندگی پر اُگے ہوئے سبزے کی طرح ہے۔ ایسا شخص جو اُس سبزے پر بیٹھا، دراصل نجاست پر بیٹھا۔ اُسے اپنے آپ کو پاک کرنا چاہیے۔

وزیر کا ظاہر کہتا تھا کہ معرفت کی راہ میں چُست ہو جا لیکن اثر کے لحاظ سے جان کو کہتا سُست ہو جا۔ آگ اگرچہ ظاہر میں سُرخ رُو ہے لیکن ہر چیز کو سیاہ کرتی ہے۔ بجلی کی چمک بہت روشن ہوتی ہے لیکن بینائی کو چُرانے والی ہوتی ہے۔ صاحبِ ذوق اور باخبر آدمیوں کے علاوہ جو بھی تھے اُس کی گفتگو اُن کے گلے کا طوق بن گئی۔ اُن لوگوں نے اپنا دین اور دُنیا سب اُسی کے سپرد کر دیے۔ اُس کے حکم اور ممانعت کو جان و دل سے قبول کرتے۔

ہر دُکانے راست سودائے دگر
ہر دکان میں الگ قسم کا سودا ہوتا ہے

مثنوی دُکّانِ فقرست اے پسر
لیکن بیٹا! مثنوی تو فقر کی دکان ہے

بادشاہ کا خفیہ پیغام، مکّار وزیر کے نام

وزیر اور بادشاہ کے درمیان پیغامات کا سلسلہ جاری تھا اور بادشاہ اُس کی کارکردگی سے مطمئن تھا لیکن پھر بھی بادشاہ نے اُسے ایک خط لکھا کہ وقت آ گیا ہے کہ جلدی مجھے اس تردّد سے فارغ کر دو۔ اب مزید غم سے مجھے نجات دلاؤ۔ اُس نے جواب میں کہا: آپ فکر نہ کریں۔ میں اسی کام میں لگا ہوا ہوں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین میں فتنے ڈال دوں۔ اُن کے بارہ بڑے بڑے گروہ ہیں اور ہر ایک گروہ کا ایک امیر ہے۔ ہر فریق لالچ کی وجہ سے اپنے امیر کا غلام بنا ہوا ہے۔ اپنی چال سے سب امیروں کو وزیر نے اپنا گرویدہ کر لیا اور وہ اُس کے کہنے پر اپنی جان تک دینے کے لیے تیار ہو گئے۔ پھر اُس نے اصل فتنے کا آغاز کیا۔

انجیل کے احکام میں وزیر کا گڑبڑ کرنا اور اُس کی چالاکی

اُس نے ہر امیر کے نام ایک تحریر تیار کی اور ہر تحریر میں اختلاف تھا۔ ایک میں لکھا کہ اللہ کی طرف رُجوع کرنا ہو تو ریاضت اور بھوکا رہنے کی ضرورت ہے۔ ایک میں لکھا کہ ریاضت کا کوئی فائدہ نہیں، اس راستہ میں سخاوت افضل ہے۔ ایک میں کہا کہ تیری ریاضت اور سخاوت تیرے اور تیرے پروردگار کے درمیان شرک ہے۔ توکل اور رضا اور غم کو نجات کا ذریعہ سمجھ لینا چالاکی اور ایک جال ہے۔ ایک میں کہا کہ اطاعت ضروری ہے ورنہ توکل ایک تُہمت ہے۔ ایک میں کہا کہ کرنے اور نہ کرنے کے جو احکام ہیں، عمل کے نہیں۔ صرف عجز کی ضرورت ہے جس سے ہم خدا کی قدرت کو پہچان لیں۔ ایک میں لکھا کہ صرف اپنے عجز کو نہ دیکھ، یہ احسان فراموشی ہے، اپنی قدرت کو دیکھ جو خدا ہی کی دی ہوئی ہے۔ ایک میں لکھا کہ عجز اور قدرت دونوں بُت ہیں۔ اِن سے آگے گزر جا۔ ایک میں کہا کہ تیرے عجز اور قدرت خود بخود گزر جائیں گے۔ ایک میں لکھا خواہشِ نفسانی اصل دشمن ہے۔

ایک میں عقل اور غور و فکر کو افضل بتایا۔ ایک میں لکھا کہ عقل و فکر کی شمع کو بجھا دے تاکہ ایک کے عدم سے لاکھوں مل جائیں۔ شمع کو بجھانے سے رُوح کو ترقی ہوگی۔ ایک میں لکھا کہ جو کچھ اللہ نے دیا ہے وہ اَزلی ہے اِسے لے اور اُس کا لطف اُٹھا۔ ایک میں لکھا کہ آسان چیز دل کی زندگی اور جان کی غذا ہوتی ہے۔ جو چیز طبیعت کو ذوق دے جب گزر جاتی ہے تو شرمندگی کے سوا کچھ نہیں دیتی۔ انجام کار وہ آسان نہیں ہوتی اور تُو آسان اور دشوار کے فرق کو سمجھ۔ ایک میں کہا کہ کسی اُستاد کی طلب کر، محض ذاتی شرافت سے دُور اندیشی حاصل نہیں ہو سکتی۔ بغیر اُستاد چلنے والی قوم لغزش کھا جاتی ہے۔ آخرت کو سمجھنا اپنے ہاتھ کا کام نہیں ہے ورنہ مذاہب میں اختلاف نہ ہوتا۔ ایک میں کہا کہ اپنا اُستاد بھی تُو ہی ہے

مثنویِ ما دُکانِ وحدت ست	غیرِ واحد ہر چہ بینی آں بُت ست
میری مثنوی وحدت کی دُکان ہے	واحد کے علاوہ جو کچھ بھی دیکھو بُت پرستی ہے

کیونکہ اُستاد کی پہچان بھی تُو نے خود ہی کرنی ہے۔ مرد بن' خود اپنی فکر کر' اپنی ذاتی رائے قائم کرتا کہ وصال تک پہنچے۔ ایک میں کہا کہ ساری کائنات ایک ذات ہے، جو دو سمجھے وہ بھینگا ہے۔ ایک میں کہا کہ سَو ایک کیسے ہو سکتے ہیں؟ جو یہ سوچتا ہے پاگل ہے۔ ہر ایک قول دوسرے کی ضد ہے۔ بتا زہر اور شکر ایک کیسے ہو سکتے ہیں؟ معنوں اور صورتوں میں اختلاف' دن رات' پھول کانٹے' پتھر موتی کا اختلاف سمجھ' یہ کلام (مثنوی) وحدت در وحدت ہے۔

اِس بیان میں کہ رفتار کی صُورت میں اِختلاف ہے نہ کہ راستہ کی حقیقت میں

اس انداز کے بارہ لمبے خط اُس دین کے دشمن نے لکھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی یک رنگی اُس میں نہ تھی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خُم سے صد رنگے کپڑے نور کی طرح سادہ اور یک رنگ ہو جاتے تھے۔ ایسی ایک رنگی جس سے طبیعت نہ اُکتائے' جیسے مچھلی پانی میں نہیں اُکتاتی۔ اگرچہ خشکی میں ہزاروں رنگ ہیں لیکن مچھلیوں کو وہ نہیں بھاتے۔ کیا مچھلی اور کیا پانی اور کون سی ایسی مثال ہے جو اللہ کے مشابہ ہو۔ مخلوقات میں لاکھوں دریا اور مچھلیاں اُس کے بحرِ سخاوت کے سامنے سَر بسجود ہیں۔ بخشش کی بارشوں اور سورج جیسے کرم کے لاتعداد ذرائع طلوع ہوئے' جن سے بادل اور سمندر نے سخاوت سیکھی۔

مٹی اور پانی پر ذات کی روشنی پڑی' تب زمین نے دانے کو قبول کیا اور بغیر کسی خیانت کے اُس کو اُٹھایا۔ زمین نے یہ امانت داری اُس کی مہربانی سے پائی۔ جب تک موسمِ بہار اللہ کا حکم بن کر نہیں آتا مٹی میں سے سبزہ ظاہر نہیں ہوتا۔ وہ سخی جس نے جمادات کو امانت کے اور راہ رَوی کے آداب سکھائے۔ جمادات اُس کی مہربانی سے لطیف ہو جاتے ہیں۔ اُس کا کرم جمادات کو باخبر بنا دیتا ہے تو اِس کے برعکس اُس کا قہر عقل مندوں کو اندھا کر دیتا ہے۔ جان و دل میں میرے اس جوش کو سنبھالنے کی طاقت نہیں ہے۔ میں کس سے کہوں؟ دنیا میں کوئی کان ہی نہیں ہے۔ جہاں کہیں کان تھا' وہ جوشِ کرم سے آنکھ بن گیا۔ وہ کیمیا ساز ہے۔ مُعجزے عنایت کرنے والا ہے۔ میرا یہ تعریف کرنا دراصل تعریف نہ کرنے کے برابر ہے۔ اس لیے کہ یہ وجود کے دلائل ہیں اور وجود غلط ہے۔ اُس کی تعریف یہی ہے کہ اُس کے آگے نیست ہو جائیں۔ ہستی اندھی ہے۔ اگر اندھی نہ ہوتی تو پگھل جاتی اور اپنا وجود ختم کر دیتی۔

اِس مکروفریب میں وزیر کا خسارہ اُٹھانا

وزیر' بادشاہ کی طرح نادان اور غافل تھا' جو اللہ سے پنجہ لڑانے کی ترکیب کر رہا تھا' جو زندہ' قادر ہے' جو چاہے تو اس جیسے عالَم سے سو اور عالَم ایک دَم میں پیدا کر دیتا ہے۔ جب وہ اپنے معاملے میں تیری آنکھوں کو بینا کر دے تو تُو نہ

معلوم کتنے عالَم اِس ایک نظر میں دیکھے۔ اگرچہ یہ عالَم تیرے نزدیک بہت بڑا ہے لیکن اُس کے آگے ایک ذرّہ بھی نہیں ہے۔ یہ عالَم تمہاری جانوں کا قید خانہ ہے۔ خبردار! اُس جانب دوڑو جو خدا کا میدان ہے۔ یہ عالم محدود لیکن وہ لامحدود ہے۔ نقش وصورت اُس معنٰی کے سامنے آڑے ہیں۔ فرعون کے لاکھوں نیزے موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی نے توڑ دیئے۔ جالینوس کی لاکھوں طبّیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور اُن کی پھونکوں کے سامنے بے کار ہیں۔ اشعار کے لاکھوں دیوان نبی اُمّی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے موجبِ ننگ بن گئے۔

ایسے غالب خدا کے آگے کوئی کیسے قربانی پیش نہ کرے اگر وہ کمینہ نہیں ہے۔ پہاڑ جیسے بہت سے دلوں کو اُس نے اُکھاڑ دیا' چالاک پرندے کو دو پیروں کے ہوتے ہوئے ہوا میں لٹکا دیا۔ عقل کو تیز کر لینا راہ نہیں ہے۔ اُس کا فضل' عاجزی کے سوا کسی کی دستگیری نہیں کرتا۔ بہت سے خزانے' جمع کرنے والے عقل مندوں کے لیے تمسخر کا نشان بن گئے۔ دُنیا کا محل اور باغ تیرا قید خانہ ہے۔ یہ سب ملکیت و مال تیری جان کے لیے مصیبت ہے۔ ایسے کام نہ کر جن سے خدا تجھے مسخ کر دے۔ تیری رُوح تو تجھے عرشِ بریں کی طرف لے جاتی ہے لیکن تُو پانی اور مٹی کی طلب میں نچلے درجوں میں آتا ہے۔ تُو نے آدم علیہ السلام مسجود کو نہیں پہچانا۔ تُو آدم علیہ السلام کی اولاد ہے' ذلّت کو شرافت کب تک سمجھے گا۔ کب تک تُو اِس دُنیا کو جمع کرنے میں لگا رہے گا؟ وزیر جیسے عیار اور اُس جیسے لاکھوں کو خدا ایک چنگاری میں نیست و نابود کر دیتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں پال دیتا ہے اور خوف کو رُوح کے اطمینان کا ذریعہ بنا دیتا ہے۔ اُس کی علّت آفرینی سے میں دیوانہ ہوں۔ اُس کی سبب سازی سے میں سرگرداں ہوں اور اُس کی سبب سوزی سے بھی حیران ہوں۔

وزیر کا مکر کرنا، تنہائی میں بیٹھنا اور قوم میں شورش پیدا کر دینا

جب مکار' بداعتقاد وزیر نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین کو فساد ڈالنے کے لیے بدل ڈالا تو دوسرا مکر یہ کیا کہ خود تنہائی میں جا بیٹھا۔ مریدوں میں شوق کی شورش ڈال دی۔ اُس کے فراق کے شوق میں لوگ دیوانے ہو گئے۔ اُس کی جدائی اور حال کی گفتگو کرتے اور وہ تنہائی میں اپنے مجاہدے میں مصروف تھا۔ وہ آہ و زاری کرتے کہ تیرے بغیر ہمارے لیے روشنی نہیں ہے۔ لاٹھی پکڑنے والے کے بغیر اندھے کا کیا حال ہوتا ہے؟ خدا کے لیے اِس سے زیادہ ہم سے جدا نہ رہ۔ ہم بچوں کی طرح ہیں اور تُو ہماری دایہ ہے۔ وہ جواب دیتا: میری جان دوستوں سے دُور نہیں ہے لیکن میرے لیے باہر آنے کا حکم نہیں۔ امیر سفارش کے لیے آئے اور مرید عاجزی سے کہنے لگے کہ ہمیں محروم نہ کر' ہمیں تیری میٹھی باتیں سننے کی عادت ہو چکی ہے۔ ہم نے تیری دانائی کا دودھ پیا ہے۔

بر سماعِ راست ہر کس چیر نیست	**طعمۂ ہر مرغکے انجیر نیست**
سچی بات سُننے پر ہر شخص قادر نہیں ہے	انجیر، ہر حقیر پرندہ کی خوراک نہیں ہے

خدا کے لیے ہم عاجزوں کی فریاد سُن لے۔

وزیر کا مُریدوں کو دفع کرنا

وزیر نے کہا: اے گفتار اور وعظ کے پرستارو! بھاگ جاؤ۔ حسی کان میں روئی ٹھونس لو۔ ظاہری آنکھ بند کرلو۔ ظاہری حسوں سے کام لینا چھوڑ دو تاکہ تمہیں اپنے باطن سے یٰۤاَیَّتُهَا النَّفۡسُ الۡمُطۡمَئِنَّةُ ارۡجِعِیۡۤ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَةً مَّرۡضِیَّةً (اے اطمینان والی جان! اپنے ربّ کی طرف واپس ہو یوں کہ تُو اُس سے راضی وہ تجھ سے راضی۔ پھر میرے خاص بندوں میں داخل ہو اور میری جنت میں آ) کی آواز سُنائی دے۔ بیداری کی گفتگو سے اپنی جان سے گفتگو ہزار درجہ بہتر ہے۔ جس کی عمر خشکی پر گزری ہو وہ آبِ حیات کب پا سکتا ہے؟ دریا کی موج کب چیر سکتا ہے؟ خشکی کی موج ہماری سمجھ، ہمارا وہم اور ہماری سوچ ہے۔ آبی موج' محویت' حال اور فنا کی کیفیت ہے۔ ظاہری گفتگو غبار کی مانند ہے۔ چُپ رہنے کی عادت ڈال' اِس غبار کو بیٹھنے دے تاکہ تیرے لیے باطن کا راستہ کھلے۔

مریدوں نے پھر التجا کی کہ تمہاری جُدائی میں ہمارے آنسو بہہ رہے ہیں۔ بچّہ دایہ کے بغیر روتا ہے اگرچہ اچھا بُرا نہیں جانتا۔ ہم سارنگی کی طرح ہیں اور تُو مضراب مارتا ہے۔ رونا ہمارا نہیں بلکہ تُو روتا ہے۔ ہم بانسری کی طرح ہیں اور ہم میں آواز تمہاری وجہ سے ہے۔ ہماری جان کی جان تم ہو۔ تمہارے ہوتے ہوئے درمیان میں ہم کون ہیں۔ ہم سب شیر ہیں لیکن جھنڈے پر بنے ہوئے شیر جس کا مسلسل حملہ ہوا کی وجہ سے ہوتا ہے۔ بظاہر شیر کا حملہ کرنا ہوتا ہے جو نظروں میں ظاہر ہو لیکن ہوا جو کہ حملے کی وجہ ہے ظاہر نہیں۔ وہ ذات جو نظروں سے غائب ہے' کبھی دل سے گم نہ ہو۔ ہماری ہستی تیری ایجاد ہے' تُو نے معدُوم کو وجود کی لذت بخشی اور معدُوم کو اپنا عاشق بنایا۔ وہ لذّت ہم سے واپس نہ لے کیونکہ اگر تُو لے لے تو کون ہے جو تیری جستجو کرے۔

نقش' نقّاش کے ساتھ کیا زور آزمائی کرے گا۔ تُو ہماری کمزوری کو نہ دیکھ' اپنی سخاوت اور کرم کو دیکھ۔ عالم کی تمام مخلوقات قدرت کے سامنے عاجز ہیں۔ تُو کبھی آدم علیہ السلام کا نقش کھینچتا ہے' کبھی شیطان کا' کہیں غم بھیجتا ہے' کہیں خوشی۔ کوئی ہاتھ نہیں اور کوئی گویائی نہیں' جو اپنے نفع ونقصان پر دَم مارے۔ قرآن میں وہ خود کہتا ہے وَمَا رَمَیۡتَ اِذۡ رَمَیۡتَ یعنی "تُو کنکریاں پھینکنے والا کب ہے' وہ تو اللہ ہے"۔ ہم تیر چلاتے ہیں تو وہ ہماری وجہ سے نہیں۔ ہم تو کمان کی طرح ہیں' تیر چلانے والا خدا ہے۔ یہ جبر نہیں ہے۔ جباری کا ذکر تو انسان کا عجز ظاہر کرنے کے لیے ہے۔ ہمارا عجز' اِضطرار کی دلیل ہے لیکن ہماری شرمندگی' اختیار کی دلیل ہے۔ اگر اختیار نہ ہوتا تو یہ شرم کیا ہے؟ اور یہ افسوس اور صلح جوئی اور طبیعتوں میں

تدبیریں کیوں ہیں؟ اُستادوں کی شاگردوں کو جھڑکیاں کیوں ہیں؟ انسانوں کو اپنے گناہوں پر ندامت کیوں ہے؟ اگر تُو کہے کہ وہ جبر سے غافل ہیں اور اللہ اُن کو اپنے جبر کا علم ہونے نہیں دیتا تو یہ تو بہت اچھا جواب ہے کیونکہ تُو کفر سے بچ جائے گا اور دین کی طرف مائل ہو جائے گا۔ بیماری میں حسرت اور عاجزی ہوتی ہے جو عین بیداری ہے۔ جب تُو بیمار ہوتا ہے تو گناہ سے توبہ کرتا ہے۔ گناہ کی بُرائی تجھ پر کھل جاتی ہے اور تُو راہِ راست پر آنے کا ارادہ کر لیتا ہے۔ لہٰذا یہ یقینی ہے کہ تیری بیماری تجھے ہوش و بیداری بخشتی ہے۔ اے راز کے طالب! یہ حقیقت جان لے کہ جس کو درد ہے اُسے پتہ مل گیا۔

جو زیادہ ہوشمند ہے اور خبردار ہے' اُسی کا چہرہ زرد ہے اور وہ پُر درد ہے۔ اگر تُو اُس کے جبر کا معتقد ہے تو تیری عاجزی کہاں ہے؟ اگر تُو جانتا ہے کہ تیرے پیر بندھے ہوئے ہیں تو تُو دوسروں پر مُسلّط کیوں ہے؟ عاجزوں کی عادت یہ نہیں ہوتی کہ وہ کمزوروں پر ظلم کریں۔ تُو اپنے حسبِ منشا کاموں میں اپنے اختیار کو سمجھتا ہے اور جو کام نہ کرنا چاہیے اُس میں اپنے آپ کو مجبور ظاہر کرتا ہے۔ جس کام میں تیرا میلان ہوتا ہے اُس میں تُو اپنی قدرت کو کھلا دیکھتا ہے اور جہاں میلان نہ ہو اپنے کو جبری جانتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام دُنیا کے کام میں جبری ہوتے ہیں اور کافر آخرت کے کام میں جبری۔ انبیاء علیہم السلام کے لیے آخرت کے کام اختیاری اور کافر کے لیے دُنیا کے کام اختیاری ہوتے ہیں۔ اسی لیے انبیاء علیہم السلام علیین کی جنس سے ہیں اور کافر سجّین کی۔ اے خدا! تو میری جان کو وہ مقام دکھا دے جہاں بلا حرفوں کے کلام بنتا ہے۔ اب ہم پھر قصہ کی طرف واپس آتے ہیں۔

وزیر نے کہا کہ اے لوگو! مجھے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے الگ تھلگ رہنے کا حکم دیا ہے اور اب یہ سمجھو کہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ چوتھے آسمان پر ہوں۔ تب اُس نے قوم کے امیروں کو بلایا اور ہر ایک سے الگ الگ تنہائی میں یہ کہہ دیا کہ میرے بعد دینِ عیسوی کا خلیفہ تُو ہی ہے اور اب سب پر دین میں تیرا ہی حکم چلے گا' جو سرکشی کرے اُسے قیدی بنا لے۔ لیکن خیال رہے کہ اس حکم پر عمل میری موت کے بعد ہو۔ اُس نے انجیل کے احکام ایک کو کچھ بتائے تو دوسرے کو اُن سے اُلٹ۔ پھر چالیس دن کے بعد اُس نے اپنے آپ کو موت کے حوالے کر دیا۔ جب لوگ اُس موت سے آگاہ ہوئے تو لاتعداد وہاں پر جمع ہو گئے' اُس کی جُدائی میں سب چھوٹے بڑے آہ و زاری میں مبتلا ہو گئے۔

ایک مہینہ اسی حالت میں گزر گیا تو لوگوں نے کہا: اے بزرگو! سرداروں میں اُس کا قائم مقام کون ہوگا تاکہ اُس کو اپنا امام بنالیں اور اُس کی اطاعت کریں کیونکہ سورج غروب ہو جانے کے بعد چراغ کا ہونا ضروری ہو جاتا ہے۔ چونکہ

آں اساطیرِ اوّلیں کہ گفت عاق　　حرفِ قرآں را بُد آثارِ نفاق
قرآن کے حروف کو نافرمانوں نے اگلے لوگوں کے قصے کہا　　یہ نافرمانوں کے نفاق کی علامت ہے

خدا مشاہدہ میں نہیں آتا' یہ پیغمبر اللہ کے قائم مقام ہوتے ہیں' نہیں میں نے قائم مقام غلط کہا بلکہ وہ اصل ہیں۔ اگر اُن کو دو سمجھو گے تو اچھا نہ ہوگا۔ جب تک تم ظاہر پرست ہو' وہ دو ہی ہیں اور جو ظاہر بینی سے گزرا اُس کے لیے ایک ہے۔ جب تُو بظاہر دیکھے گا تو تیری آنکھیں دو ہیں۔ تُو اُن کے اُس نور کو دیکھ کہ وہ تو ایک ہی ہے۔ جب ایک چیز پر نظر پڑتی ہے تو نور کے ذریعے تُو اُسے ایک ہی دیکھے گا دو نظر نہیں آئیں گی۔ جب انسان اپنی آنکھوں کے نور پر نظر رکھے گا تو روشنی میں اور چیزوں کے تعینات میں فرق نہیں پڑے گا۔

تمام پیغمبر علیہم السلام برحق ہیں اور ہم اُن میں تفریق نہیں کرتے

اگر تُو دس چراغ ایک جگہ لے آئے تو ہر چراغ صورت میں جدا ہوگا لیکن جب تُو اپنا رُخ اُن کے نور کی طرف کرے گا تو وہ ایک ہی نظر آئے گا۔ تُو اُس میں فرق نہیں کر سکتا۔ قرآن میں اسی لیے فرمایا گیا ہے کہ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ "ہم اُس کے رسولوں میں سے کسی میں تفریق نہیں کرتے"۔

اگر تُو سو سیب اور سو بہی گنے گا تو سو نظر آئیں گے لیکن اُن کو نچوڑے گا تو ایک ہو جائیں گے کیونکہ معانی میں تقسیم واعداد نہیں ہیں وہ صرف تعینات میں ہی ہیں۔ یار کا یار سے اتحاد بہتر ہے اس لیے معنیٰ کا اتباع کر۔ ظاہر تو سرکش ہے۔ اس سرکش ظاہر کو ریاضت سے پگھلا دے تاکہ تُو اس کے نیچے وحدت کا خزانہ دیکھ لے۔ اگر تُو خود نہ پگھلا سکے تو کوئی بات نہیں اس کی مہربانیاں بھی پگھلا دیں گی۔ اپنے دل کو اُس کا غلام بنا دو۔ وہ اپنے آپ کو دلوں میں ظاہر کرتا ہے اور خود درویشوں پر مہربانیاں کر دیتا ہے۔

ابتداء میں ہم وہی جوہر تھے یعنی عالمِ اَرواح میں تھے تو ہمارے اعضاء وغیرہ بھی نہ تھے۔ جب اُس نورِ خالص کا مظہر کائنات بنی تو اُس میں تعدد پیدا ہو گیا۔ ہم وحدت سے کثرت میں تقسیم ہو گئے۔ مثلاً سورج کی بسیط روشنی مختلف ذروں پر پڑتی ہے تو تعدد کو قبول کر لیتی ہے۔ ذروں کو ہٹا دیا گیا تو وہ کثرت پھر وحدت ہی کی صورت میں ظاہر رہتی ہے۔ ریاضت کے ذریعے مختلف مظاہر سے قطع نظر کر لینے کی طاقت حاصل ہو جائے تو تعدد اور مختلف تعینات کا فرق مٹ جاتا ہے۔

انبیاء علیہم السلام کا فرمان

انبیاء علیہم السلام نے فرمایا: "لوگوں سے اُن کی عقلوں کے مطابق بات کرو" کیونکہ نہ سمجھیں گے تو انکار کر دیں گے اور اُن کا نقصان ہو جائے گا۔ اس "فنا" کے راز کی تفصیل میں زور و شور سے بیان کرتا لیکن ڈرتا ہوں کہ کہیں کوئی دل لغزش نہ کھا جائے۔ نکتے' تیز تلوار کی طرح ہوتے ہیں۔ اگر تیرے

ہر کش افسانہ بخواند افسانہ است	وانکہ دیدش نقد خود مردانہ است
جس نے مثنوی کو افسانہ سمجھا وہ خود افسانہ ہے	اور جس نے اِسے اپنی دولت سمجھا وہ مرد ہے

پاس ڈھال نہیں ہے تو واپس ہو جا کیونکہ تلوار تیز ہو تو بغیر ڈھال کے اُس کے سامنے مت آ' یہ کاٹنے سے نہیں شرماتی۔ اِس لیے تلوار کو میں نے غلاف میں کر لیا ہے تاکہ کوئی اُلٹا سمجھنے والا اُلٹ نہ سمجھ لے۔ اب پھر قصہ کی طرف آتے ہیں۔

سرداروں کے آپس میں جھگڑنے کا واقعہ

سرداروں میں سے ایک نے کہا کہ اب اُس مرد کا قائم مقام میں ہوں اور یہ دفتر میری دلیل ہے۔ دوسرے نے بھی یہی دعویٰ کیا۔ وہ سب آپس میں اُلجھ پڑے۔ اُس کے فتنے کا بیج ایک آفت بن گیا۔ اخروٹ ٹوٹے تو اُن کے کچھ میں سے گری نکلی کہ مرنے کے بعد اُس میں سے پاکیزہ رُوح نکلی۔ جسم کا مرنا بھی بالکل اخروٹ کی طرح ہے۔ جو میٹھا ہے وہ قیمتی بنا اور جو گلا سڑا ہے' اُس میں سے آواز کے سوا کچھ نہ نکلا۔ جو گری سے بھرا ہوا ہے مُشک کی طرح پاک ہے اور جو گلا سڑا ہے وہ سوائے خاک کے کچھ نہیں۔ جو پُر حقیقت ہو وہ اچھا ہو جاتا ہے اور جو بے حقیقت ہو رُسوا ہو جاتا ہے۔

اے صورت کے پُجاری! جا معنیٰ کی کوشش کر کیونکہ معنیٰ ظاہر کے جسم کے لیے پَر ہوتے ہیں۔ اہلِ باطن کا ہم نشین بن تاکہ انعام بھی پائے اور مرد بھی بنے۔ اِس بدن میں بے معنیٰ جان یقیناً غلاف میں رکھی لکڑی کی تلوار کی طرح ہے۔ جب تک یہ غلاف میں ہو قیمتی لگتی ہے۔ جب باہر نکلی' جلانے کی چیز ہے۔ میدانِ جنگ (آخرت) میں لکڑی کی تلوار لے کر نہ جا' پہلے دیکھ لے کہیں کام خراب نہ ہو۔ اگر وہ لکڑی کی ہے' دوسری لے اور اگر تیری تلوار تیز ہے تو خوشی سے سامنے آ۔ تلوار اولیاء رحمہم اللہ کے اسلحہ خانے میں ہے۔ اُس کا دیدار تمہارے لیے کیمیا ہے۔ تمام سمجھداروں نے یہی کہا ہے کہ عقل مند دونوں جہانوں کے لیے رحمت ہے۔

اگر تُو انار خریدے تو کُھلا ہوا خرید' تاکہ اُس کا کُھلا ہونا تُجھے اُس کے دانے کے بارے میں بتا دے۔ اُس شخص کی مسکراہٹ بڑی مُبارک ہے جو موتی جیسا صاف اور آب دار دل اپنی جان کی ڈبیہ میں سے دکھاتا ہے۔ منحوس ہنسی اُس پوست کے پھول (گُلِ لالہ) کی سی ہے' جس کے منہ سے اُس کے دل کی سیاہی ظاہر ہو گئی۔ مسکراتا ہوا انار باغ کو مسکراتا ہوا بنا دیتا ہے۔ مردوں کی صحبت تُجھے مردوں میں سے بنا دے گی۔ تھوڑی سی دیر اولیاء رحمہم اللہ کی ہم نشینی' سو سالہ بے ریا عبادت سے بہتر ہے۔ اگر تُو ایک بیکار پتھر ہے لیکن جب کسی صاحبِ دل کے پاس پہنچے گا تو موتی بن جائے گا۔ پاک لوگوں کی محبت اپنے دل میں ڈال لے۔ خوش دل لوگوں کی محبت کے علاوہ دل نہ دے۔ دل تُجھے اہلِ دل کے کُوچے کی طرف کھینچتا ہے اور جسم تجھے پانی' مٹی کے قید خانہ کی طرف کھینچتا ہے۔ ہاں کسی دل والے سے لے کر دل کو خوراک دے۔ جا کسی نصیبہ والے کا نصیبہ تلاش کر۔ نیک کی صحبت تُجھے نیک بنائے گی اور بد بخت کی صحبت بد بخت بنا دے گی۔

بر سماعِ راست ہر کس چیر نیست	**لقمۂ ہر مُرغکے انجیر نیست**
سچی بات کا مزہ لینے پر ہر کوئی قادر نہیں ہے	ہر پرندے کی خوراک انجیر نہیں ہوتی

نعتِ مُصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم جو انجیل میں تھی

مصطفیٰ ﷺ کا نام انجیل میں تھا' جو پیغمبروں کے سردار اور صفا کے سمندر ہیں۔ اُن کے حلیہ اور شکل کا ذکر تھا۔ اُن کے جہاد اور روزے اور کھانے کا ذکر تھا۔ عیسائیوں کی ایک جماعت ثواب کے لیے جب اُن کے نام اور ذکر پر پہنچتے' اِس متبرک نام کو بوسہ دیتے اور حضور ﷺ کی تعریف کرتے۔ وہ لوگ اس سارے جھگڑے میں خوف و خطر سے دُور تھے۔ وہ سرداروں کے شر سے محفوظ تھے اور حضور ﷺ کے نام کی پناہ میں تھے۔ احمد ﷺ کا نور اُن کا ساتھی تھا۔ وہ جو فتنوں میں پھنسے رہے' ذلیل و خوار ہوئے' اُن کا مذہب و قانون تہ و بالا ہوگیا۔ جب نامِ احمد ﷺ کسی کا یار ہو جاتا ہے تو ایک مضبوط قلعہ بن جاتا ہے۔

ایک دُوسرے یہودی بادشاہ کی حکایت جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین کی تباہی کی کوشش کرتا تھا

پہلی نا قابلِ علاج خون ریزی کے بعد ایک اور یہودی بادشاہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قوم کی تباہی کی کوشش کرتا تھا۔ اِس کا اشارہ قرآن میں سورۃ البروج میں لکھا ہے۔ یہ بادشاہ بھی پہلے والے راستے پر عمل پیرا ہوا۔ جس کسی نے کوئی بُرا طریقہ ایجاد کیا' تا قیامت اُس پر اُس (طریقہ) کی لعنت کی جاتی ہے۔ نیک طریقہ ایجاد کرنے والوں کو قیامت تک اُس پر عمل پیرا ہونے والوں کی نیکیوں کا ثواب ملتا رہے گا۔ یہ میٹھا اور کھاری پانی لوگوں کی رگ رگ میں ہے اور صُور پھونکنے تک موجود رہے گا۔

اگر تُو غور کرے تو طالب علموں کی نیازمندی' پیغمبری جوہر کے شعلے ہیں۔ شعلے ہمیشہ جواہر کے ساتھ حرکت کرتے ہیں اور اَنوار اُس جانب جاتے ہیں جہاں وہ ہوتے ہیں۔ روشندان کی روشنی' سورج کے سفر کی وجہ سے گھر کے چاروں طرف دوڑتی ہے۔ جس کو کسی ستارے کے ساتھ وابستگی ہے اُس کی اپنے ستارے کے ساتھ دوڑ ہے۔ زُہرہ کی طرف میلان عیش کی طرف لے جاتا ہے۔ اگر مریخ جیسی خونریز عادت والا ہے تو لڑائی' جھگڑے اور بہتان وغیرہ کی جستجو کرے گا۔

اِن ستاروں کے پیچھے اور ستارے ہیں۔ اُن میں جلانے کا میلان اور نحوست نہیں ہے۔ وہ اِن سات آسمانوں میں نہیں ہیں۔ وہ خدا کے اَنوار کی گرمی میں ثابت قدم ہیں۔ وہ نہ آپس میں جُڑے ہوئے ہیں اور نہ الگ' یہ انسانوں کو سر جھکا کر چلنے والا بنا دیتے ہیں' یہ اللہ کے ولی ہیں۔ اِن کا نور غالب آنے والا اور اللہ کی دو انگلیوں کے درمیان ہے۔ اللہ اپنے نور کو رُوحوں پر نچھاور کرتا ہے' جن کے نصیبے اچھے ہیں اور جس نے اُس نور کا نچھاور پالیا اُس نے منہ خدا کے غیر سے موڑ لیا۔ جس کے پاس عشق کا دامن نہ تھا' اُس کو اُس نور میں سے کوئی حصہ نہ ملا۔ اجزاء کے رُخ ہمیشہ کُل کی طرف ہوتے

بس کلامِ پاک در دلہائے کور
بہت سے پاک کلام ہیں جو اندھے دلوں میں

می نپاید می رود تا اصلِ نور
نہیں ٹھہرتے اور اپنے اصل نور کی طرف چلے جاتے ہیں

ہیں۔ بلبلوں کو پھول کے مکھڑے کا عشق ہے۔ نیک لوگوں کے رنگ صفا کے مٹکے سے ہوتے ہیں اور بُروں کے میل کچیل کے سیاہ پانی سے۔ اس پاک رنگ کا نام "صِبْغَۃَ اللّٰہِ" ہے اور "لَعْنَتُ اللّٰہِ" اُس گندے پانی کی بدبو۔ جس طرح سمندر کا پانی واپس سمندر میں ہی جاتا ہے، اسی طرح ہمارے جسم سے عشق میں ڈوبی ہوئی جان بھی اپنی اصل کی طرف ہی لوٹ جاتی ہے۔

بادشاہ کا آگ جلانا، آگ کے پاس بُت رکھنا کہ جو بُت کو سجدہ کرے گا وہ آگ سے نجات پائے گا

دیکھو! اس یہودی کتے نے کیا تدبیر کی؟ آگ کے پاس ایک بُت کھڑا کر دیا کہ جو اس بُت کو سجدہ کرے گا، چھوٹ جائے گا اور اگر نہیں کرے گا تو بھسم ہو جائے گا۔ یہ اِس لیے تھا کہ اُس نے اپنے نفس کے بُت کو سزا نہیں دی تھی۔ اِس لیے اُس کے نفس کے بُت سے ایک نیا بُت پیدا ہو گیا۔ تمہارا نفس تمام بتوں کی ماں ہے کیونکہ وہ بُت سانپ ہے لیکن یہ (نفس) اژدہا ہے۔ نفس، لوہا اور پتھر ہے یہ بُت چنگاری ہے۔ چنگاری تو پانی ڈالنے سے بجھ جاتی ہے لیکن لوہے اور پتھر کے اندر چھپی ہوئی آگ پانی سے کہاں ٹھنڈی ہوتی ہے؟ یہ دونوں جب بھی ٹکرائیں گے چنگاری پیدا ہوگی۔

اِسی طرح نفس کے پیدا کردہ بُت فنا کیے جا سکتے ہیں لیکن نفس کی وہ قوت جو بُت پیدا کرتی ہے اُس کا ازالہ بہت مشکل ہے۔ اِس لیے اپنے نفس سے ہمیشہ ہوشیار رہنا چاہیے۔ باہر والا بُت کالا پانی ہے۔ لیکن نفس والا بُت تو کالے پانی کا چشمہ ہے۔ پتھر کا ایک ٹکڑا کئی گھڑے توڑ سکتا ہے لیکن وہی پتھر کا ٹکڑا چشمے کا منہ بند نہیں کر سکتا۔ بُت توڑنا آسان ہے لیکن نفس کے معاملے کو آسان سمجھنا نادانی ہے۔ اِس نفس کے ہر سانس کے ساتھ ایک مکر ہے اور ہر مکر میں سو فرعون غرق ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام کے خدا اور موسیٰ علیہ السلام کی طرف بھاگ، فرعونیت سے ایمان کا بیڑہ غرق نہ کر۔ اَحد اور احمد ﷺ سے تعلق پیدا کر۔ اے بھائی! اپنے جسم کے ابوجہل سے چھٹکارا حاصل کر۔

یہودی بادشاہ کا ایک عورت کو مع بچے کے لانا اور اُس کا بچے کو آگ میں ڈالنا اور آگ میں سے بچے کا بولنا

وہ یہودی ایک عورت کو مع بچے کے لایا۔ بُت کے سامنے آگ جل رہی تھی۔ بولا: اے عورت! اِس بُت کو سجدہ کر، ورنہ آگ میں جلا دی جائے گی۔ وہ عورت پاک دین والی اور مومنہ تھی۔ اُس یقین والی نے بُت کو سجدہ نہ کیا۔ اُس (بادشاہ) نے اُس کے بچے کو چھینا اور آگ میں ڈال دیا۔ عورت ڈری اور دل کو ایمان سے ہٹایا۔ اُس نے چاہا کہ بُت کو سجدہ کر دے، بچہ چیخا کہ

واں فسونِ دیو در دلہائے کژ
اور شیطان کے منتر ٹیڑھے دلوں میں اُتر جاتے ہیں

می رود چوں کفش کژ در پائے کژ
جیسے کہ ٹیڑھی جوتی ٹیڑھے پاؤں میں

میں مرا نہیں ہوں۔ اماں! اندر آ جا میں اس جگہ اچھا ہوں اگر چہ بظاہر آگ میں ہوں۔ آگ نظر بندی کا ایک پردہ ہے ورنہ یہ ایک رحمت ہے۔ اسی طرح دُنیا کی سب اشیاء بھی رحمت کے آگے پردہ ہیں۔ اُس نے کہا: ماں! اندر آ جا اور سچائی کی دلیل دیکھ تاکہ اللہ کے محبوب بندوں کے عیش کو دیکھ۔ اندر آ اور آگ کی صورت میں پانی دیکھ۔ اندر آ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا راز دیکھ' جس نے آگ میں گلاب اور چنبیلی کے پھول پائے۔

تجھ سے پیدا ہوتے وقت بھی مجھے موت نظر آ رہی تھی اور تجھ سے نکل پڑنے کا بہت ڈر تھا۔ جب میں پیدا ہوا تنگ قید خانے سے چھوٹا۔ اچھے مقام اور کھلی دُنیا میں آ گیا۔ اب میں اس دُنیا کو رحم کی جگہ سمجھتا ہوں کیونکہ آگ میں میں نے بہت سکون دیکھا ہے۔ اب ایک دُنیا ہے' بظاہر معدوم' دراصل موجود اور اُس دُنیا کی موجودہ شکل ناپائیدار ہے۔ تو نے اُس کتے کی طاقت دیکھ لی۔ اندر آ اور اللہ کی رحمت اور مہربانی دیکھ۔ میں محبت کی وجہ سے تمہیں پکار رہا ہوں ورنہ مجھے تیری پرواہ نہیں ہے۔ اندر آ اور دوسروں کو بھی بلا لے کہ وہ بھی آگ میں بادشاہ کا دسترخوان بچھا دیکھ لیں۔ اے لوگو! سب اندر آ جاؤ کہ دین کے میٹھے پانی کے علاوہ سب عذاب ہے۔ اس گہرے سمندر کے اندر چھلانگ لگا دو تاکہ رُوح صاف اور لطیف بن جائے۔ ماں اندر آ گئی اور اُس نے بھی یہی کہنا شروع کر دیا اور اللہ کی مہربانیوں کے موتی پرونا شروع کر دیئے۔

ذوق کی وجہ سے لوگوں کا اپنے آپ کو آگ میں ڈالنا

اُس عورت اور بچے کا حال دیکھ کر لوگ بے خود ہو کر اپنے آپ کو آگ میں ڈال رہے تھے۔ وہ سب بغیر کسی کے بلائے' دوست کے عشق کی وجہ سے کھنچے چلے آ رہے تھے۔ اس لیے کہ ہر تُرش کو شیریں کر دینا اُس کی جانب سے ہے۔ یہاں تک کہ سپاہی لوگوں کو منع کرتے تھے کہ آگ میں نہ آؤ اور یہودی شرمندہ ہوا جا رہا تھا۔ لوگ آگ کی وجہ سے اپنے جسموں کو فنا کرنے کے لیے اور زیادہ عاشق ہو گئے۔ وہ دل کا بیمار پشیمان ہو گیا۔ شیطان نے اپنے آپ کو بھی منہ کالا دیکھا۔ وہ سیاہی جو وہ دوسروں کے منہ پر ملنا چاہتا تھا' اُس کے اپنے منہ پر اکٹھی ہو گئی۔

اُس شخص کا مُنہ ٹیڑھا رہ جانا جس نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کا تمسخر اُڑا دیا

جس نے احمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام تمسخر سے منہ ٹیڑھا کر کے لیا تو اُس کا اپنا منہ ٹیڑھا ہو گیا۔ وہ واپس آیا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! معاف کر دیجیے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مہربانیاں اور علمِ لدُنی حاصل ہے۔ میں نے جہالت کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تمسخر اُڑایا حالانکہ تمسخر کا مُستحق تو میں تھا۔ جب خدا چاہتا ہے کہ کسی کی پردہ دری

ایں سخن شیرست در پستانِ جاں	بے کشندہ خوش نمی گردد رواں
یہ باتیں جان کے پستان میں دُودھ کی طرح ہیں	چُوسنے والے کے بغیر اچھی طرح جاری نہیں ہوتی ہیں

کرے تو اُس کا میلان پاک لوگوں پر طعنہ زنی کی طرف کر دیتا ہے۔ اگر خدا چاہتا ہے کہ کسی کی عیب پوشی کرے تو عیب داروں کے عیب بھی نہیں بیان کرتا۔ جب خدا ہماری مدد کرنا چاہتا ہے تو ہمیں انکساری کی طرف مائل کر دیتا ہے۔ بڑی مُبارک ہے وہ آنکھ جو اُس کے لیے روتی ہے اور وہ دل بہت مُبارک ہے جو اُس کے لیے غَم بھَرا رہا ہے۔ ہر رونے کے بعد آخر ہنسی ہے اور انجام پر نظر رکھنے والا مُبارک انسان ہوتا ہے۔ جہاں کہیں آبِ رواں ہو سبزہ ہوتا ہے جہاں کہیں اشکِ رواں ہو رحمت ہوتی ہے۔ رہٹ کی طرح ،گریاں رہ، تاکہ تیری رُوح کے صحن میں سبزہ اُگے۔ سیّد الکونین ﷺ نے اُس آدمی کو معاف فرما دیا جب اُس نے شرمندہ ہو کر توبہ کر لی۔ تُو رحم چاہتا ہے تو آنسو بہانے والوں پر رحم کر۔

یہودی بادشاہ کا آگ پر غصّہ کہ کیوں نہیں جلاتی اور اُس کا جواب

بادشاہ آگ کی طرف متوجہ ہوا کہ اے بدمزاج! تیری دُنیا کو جلانے والی فطرت کو کیا ہوا؟ تُو جلاتی کیوں نہیں؟ تُو تو اپنے پُوجنے والی کو بھی نہیں بخشتی، تُجھے نہ پوجنے والے کیسے بچ گئے؟ کیا کسی نے تجھ پر جادو کر دیا ہے؟ یا تیری فطرت کےخلاف تیرا کام ہماری بدنصیبی کی وجہ سے ہے۔

آگ نے کہا: میں وہی آگ ہوں، میری گرمی دیکھنی ہے تو اندر آجا۔ میری طبیعت اور اصل نہیں بدلی۔ میں خدا کی تلوار ہوں، اجازت ہی سے کاٹتی ہوں۔ جس طرح ظاہری آگ خدا کے حکم کی پابند ہے، اسی طرح باطنی آگ بھی خدا کے حکم کی پابند ہے۔ جب وہ چاہتا ہے تو مزاج میں سوزش پیدا کرتا ہے اور جب چاہتا ہے تو عین غم، خوشی بن جاتا ہے۔ ہوا، مٹی، پانی اور آگ غلام ہیں۔ میرے اور تیرے اعتبار سے مردہ ہیں لیکن اللہ کے نزدیک زندہ ہیں، اور اُس کے حکم کے پابند ہیں۔ عاشق کی طرح، بے جان اور مسلسل۔ تُو لوہے پر پتھر مارے گا تو آگ نکلے گی، وہ بھی اسی کے حکم سے باہر نکلتی ہے۔ ظُلم کے لوہے اور پتھر کو باہم نہ ٹکرا کیونکہ یہ بھی مرد، عورت کی طرح بچے دیتے ہیں۔ یہ سب اسباب ہیں۔ تُو ذرا اونچا دیکھ کہ اسباب کو بھی کسی مُسبّب نے پیدا کیا۔ ان اسباب کو وہ مسبب عمل کرنے والا بناتا ہے اور جب چاہے معطل بھی کر دیتا ہے۔ وہ اسباب جو انبیاء علیہم السلام کے رہنما ہیں ان اسباب سے بالاتر ہیں۔ ان اسباب سے ہماری عقل واقف ہے اور اُن اسباب کو انبیاء علیہم السلام جانتے ہیں۔ آگ اور ہوا اللہ کے حکم سے وجود میں آتے ہیں۔ اُس کی شراب سے دونوں مست ہیں۔ اے بیٹا! بُردباری کا پانی اور غصہ کی آگ بھی تُو اللہ کی جانب سے دیکھے گا۔ ہوا کی جان اگر اللہ سے واقف نہ ہوتی تو قومِ عاد کے نیک و بد میں کیسے فرق کرتی۔

مُستمع چوں تشنہ و جُوئندہ شُد	واعظ ار مُردہ بود گوئندہ شُد
سُننے والا جب پیاسا اور طلب گار ہو	وعظ کہنے والا اگر مُردہ (بھی) ہو تو بولنے لگتا ہے

ہوا کا حضرت ہود علیہ السلام کی قوم کو ہلاک کرنا

مومنوں کے چاروں طرف حضرت ہود علیہ السلام نے ایک خط کھینچ دیا۔ جب ہوا اس جگہ پہنچتی، نرم پڑ جاتی۔ جو اس خط کے باہر تھا، ہوا اندر سے اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر رہی تھی۔ اسی طرح حضرت شیبان راعی رحمۃ اللہ علیہ اپنے ریوڑ کے چاروں طرف ایک نمایاں خط کھینچ دیتے، جب وہ جمعہ کی نماز کے لیے جاتے تاکہ بھیڑیا غارتگری نہ کرے۔ اس کے اندر کوئی بھیڑیا نہ گھستا اور نہ کوئی بکری باہر آتی۔ بھیڑیئے کی اور بکری کی حرص کی ہوا اس مردِ خدا کے دائرے میں بند تھی۔

اسی طرح اولیاء رحمۃ اللہ علیہم پر موت کی ہوا، باغ کی نسیم کی طرح خوشگوار ہوتی ہے۔ آگ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تکلیف نہیں پہنچائی۔ دین داروں کو شہوت کی آگ نہیں جلاتی اور سرکشوں کو زمین کی تہ میں لے جاتی ہے۔ دریا کی موج چونکہ خدا کے حکم سے اٹھی، موسیٰ علیہ السلام والوں کو قبطیوں سے الگ پہچان لیا۔ قارون کی زمین کو جب حکمِ خدا پہنچا، اس کی دولت اور تخت کو گہرائی میں کھینچ لیا۔ مٹی اور پانی نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پھونک کو چکھا، بال اور پر کھلے اور پرندہ بن گیا۔ جب تیرے منہ سے اللہ کی تعریف نکلتی ہے تو صبح کا رب اس کو جنت کا پرندہ بنا دیتا ہے۔ تیرا سُبحَانَ اللہ کہنا جو پانی اور مٹی کی طرح ہے، دل کی سچائی کی پھونک سے جنت کا پرندہ بنا۔ کوہِ طور موسیٰ علیہ السلام کے نور کی وجہ سے رقص کرنے لگا، باکمال صوفی بن گیا اور نقص سے پاک ہو گیا۔ اے عزیز! اگر پہاڑ صوفی بن گیا تو کیا تعجب ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جسم بھی تو مٹی کا ہی تھا۔

یہودی بادشاہ کا نصیحت کرنے والوں کی نصیحت پر طنز اور انکار

جب یہودی بادشاہ نے یہ عجائب دیکھے، سوائے طنز اور انکار کے اس سے کچھ نہ ہوا۔ نصیحت کرنے والوں نے کہا: حد سے نہ گزر، قتل کرنا چھوڑ دے، یہ برا کام ہے۔ اپنی جان کو زیادہ آگ نہ لگا۔ اس نے ان کے ہاتھ پاؤں بندھوا دیئے اور قید میں ڈال دیا۔ اپنے ظلم کے پیوند پر ایک اور پیوند لگا دیا۔ جب حالت یہاں تک پہنچی، آواز آئی: اے کتے! ٹھہر، ہمارا قہر آ پہنچا۔ آگ ابھری اور یہودیوں کو گھیر کر جلا ڈالا۔ ان کی اصل آگ ہی تھی۔ وہ اپنی اصل کی طرف چلے گئے۔

بچے کی ماں اپنے بچے کی جویا ہے۔ شاخیں جڑوں سے وابستہ ہیں۔ حوض کا پانی تھوڑا تھوڑا کر کے ہوا کے ذریعے اپنی اصل کی طرف لوٹ جاتا ہے۔ اسی طرح ہوا سانس کے ذریعے ہماری جانوں کو دنیا کے قید خانوں سے تھوڑا تھوڑا چراتی رہتی ہے۔ ہمارے پاک کلمات اللہ کی طرف چڑھتے ہیں۔ ہماری پرہیزگاری کی وجہ سے ہمارے سانس چڑھتے

ہیں، ہماری طرف سے بطور تحفہ۔ ذوالجلال کی رحمت سے اُن کلمات کا بدلہ دوگنا ہوجاتا ہے۔ پھر وہ ہمیں مجبور کردیتا ہے کہ ہم وہی کچھ حاصل کریں جو پہلے حاصل ہوچکا ہے۔ ہم فارسی میں اِسے کشش کہتے ہیں۔ یہ اُس طرف سے آتی ہے جس طرف سے یہ ذوق آتا ہے۔ ہر رُوح کی نظر اُس طرف رہتی ہے کہ جس طرف سے ایک دن کوئی مزہ حاصل کیا تھا۔ ہر جنس کو اپنی جنس سے ذوق ہوتا ہے یا کوئی چیز ایک دوسری جنس کو قبول کرلیتی ہے۔ روٹی اور پانی ہماری جنس کا نہ تھا لیکن ہماری جنس بن گیا، ہم میں اِضافہ کیا۔ اپنے انجام کے لحاظ سے وہ ہمارے ہم جنس بن گئے۔ لیکن اگر کسی غیر جنس سے ہمارا ذوق ہوگا تو عارضی ہوگا۔ پرندہ، شکاری کی سیٹی کا لُطف لیتا ہے لیکن جب وہاں اپنی جنس کو نہیں پاتا تو بھاگتا ہے۔ پیاسے کو ریت کا سُراب ذوق دیتا ہے لیکن اُس میں پہنچتا ہے تو پھر پانی کی تلاش میں بھاگتا ہے۔ خبردار! کوئی ملمع ساز تجھے راستہ سے نہ بھٹکائے۔ آؤ اس قصہ کی حقیقت کو قصہ کلیلہ و دِمنہ میں تلاش کریں۔

شکار کے جانوروں کا قصہ توکّل اور کوشش ترک کرنے کا بیان

ایک وادی میں سارے جانور شیر سے بہت تنگ تھے۔ وہ اُن میں سے کسی نہ کسی کو اُٹھا کرلے جاتا۔ اُنہوں نے تدبیر کی اور سب اُس کے پاس آئے کہ ہم تجھے پیٹ بھر کر خوراک مہیا کردیا کریں گے تُو ہمارے شکار کو نہ آیا کر اور ہمیں آزادی سے گھاس کھانے دیا کر۔ اُس نے کہا: سچ کہتے ہو کہ مکر ہے۔ میں تم لوگوں کے قول و فعل سے تباہ ہوں۔ تم نے وہ حدیث نہیں سُنی "مومن ایک سوراخ سے دو دفعہ نہیں ڈسا جاتا" میں پیغمبر ﷺ کے اِس قول کا قائل ہوں۔ سب نے کہا: اے سردار! احتیاط کو چھوڑ، کیونکہ وہی ہوتا ہے جو تقدیر میں ہو۔ شور و شر نہ کر۔ توکل کر، خدائی فیصلہ کا مقابلہ نہ کر۔

اُس نے کہا: بیشک توکل اچھی چیز ہے لیکن اَسباب اِختیار کرنا بھی نبی ﷺ کی سُنت ہے۔ اُنہوں نے بلند آواز سے فرمایا ہے کہ پہلے اونٹ کے پاؤں باندھو پھر توکل کرو۔ توکل ضرور کرنا چاہیے لیکن سبب کو ضرور کام میں لاؤ۔ توکل کی وجہ سے سُست نہ بن جاؤ۔ کوشش کے ساتھ توکل کرو۔ اگر تم کوشش سے باز رہے تو تم بے وقوف ہو۔

جانور بولے: کوشش تو کمزور لوگوں کا کام ہے۔ توکل میں غیر پر بھروسہ غلط ہے۔ رضا و تسلیم سے زیادہ محبوب کون سی چیز ہے۔ انسان کسب اِس لیے کرتا ہے کہ اُس کے عقیدے میں کمزوری ہو۔ وہ خدا پر پورا بھروسہ نہیں کرتا۔ انسان کی تدبیر اور کوشش ایک جال ہے جس میں وہ خود ہی پھنس جاتا ہے۔ فرعون کی تدبیر اور کوشش اسی قسم کی تھی۔ وہ بنی اسرائیل کے بچوں کا قتل کرتا رہا لیکن جس کو وہ مارنا چاہتا تھا، اُس کے اپنے گھر میں پلتا رہا۔ بہتر ہے اپنی صوابدید کو دوست کی

کے بود آوازِ چنگ از زیر و بم
از برائے گوشِ بے حِس اصم

سارنگی کی سُریلی آواز کسی بہرے کے لئے نہیں
بلکہ متاثر ہونے والے کے لئے ہے

صوابدید میں فنا کر دے۔ بچہ جب تک پکڑنے والا اور چلنے والا نہ تھا' باپ کی گردن پر سوار تھا۔ جب اپنے ہاتھ پاؤں کو استعمال کرنے لگا' مشقتوں اور مصیبتوں میں پڑ گیا۔ ہماری رُوحیں مزے سے جنت کے باغوں میں اُڑتی پھرتی تھیں۔ غصہ' حرص اور خوشی کے اعمال میں گرفتار ہوئیں تو اس دُنیا کی قیدی بن گئیں۔ ہم اللہ کے عیال ہیں' جو آسمان سے بارش عطا فرماتا ہے' وہ اپنے کرم سے روٹی بھی دے سکتا ہے۔

شیر کا توکل پر کوشش کو ترجیح دینا

لیکن خدا نے ہمارے پاؤں کے پاس سیڑھی رکھ دی ہے کہ کوٹھے پر رفتہ رفتہ چڑھ جا۔ تُو پیر رکھتا ہے تو اپنے آپ کو لنگڑا کیوں بناتا ہے؟ تُو ہاتھ رکھتا ہے تو پنجہ کیوں چھپاتا ہے؟ آقا نے غلام کے ہاتھ میں بیلچہ تھما دیا تو خود بخود معلوم ہو گیا کہ اِس کو کام میں لانا ہے۔ یہ اعضاء دیئے تو اشارہ یہی ہے کہ انہیں کام میں لاؤ۔ جب تُو اُس کے اشاروں کو سمجھ جائے گا اور محنت و ریاضت کرے گا تو کشفِ شہود ہوگا۔ تیرے یہی اعمال جو تُو اب کرے گا تیرا بوجھ ہلکا کر دینگے' تیرے کام آئیں گے۔ تُو اگر اب اُس کی راہ میں کوشش کرے گا تو وہ تجھے مقبول بنا دے گا۔ اب تُو وصل کا طالب ہے تو مجاہدہ کرنے سے وصال والا بن جائے گا۔

کوشش' قدرت کی عطا کی ہوئی نعمتوں کا شکر ادا کرنے کا نام ہے اور تیرا جبری ہونا اللہ کی نعمتوں کا انکار ہے۔ نعمت کا شکر ادا کرنا نعمت کو بڑھائے گا اور نعمت کا کفران' نعمت کو تیرے قبضہ سے نکال دے گا۔ اپنے آپ کو مجبور سمجھنا' سو جانا ہے۔ راستہ میں نہ سو جب تک تُو اُس درگاہ کو نہ دیکھ لے۔ اُس میوہ دار درخت کے نیچے کے سوا ہرگز کہیں نہ سونا تاکہ ہوا ہر لحظہ شاخ کو ہلائے تو تیرے لیے رُوح کا نُقل و توشہ مہیا کرتی رہے۔ خود کو مجبور سمجھنا تو ڈاکوؤں کے درمیان سو جانا ہے۔ بے وقت اذان دینے والا مرغ کب بچتا ہے؟ اگر اُس کے اشاروں پر ناک چڑھائے گا یعنی اُن کا فائدہ نہیں اُٹھائے گا تو تُو بے شک اپنے آپ کو مرد سمجھتا رہ' غور کرے گا تو عورت ہو گا۔ تیری عقل گم ہو جائے گی اور جس سَر سے عقل گم ہو جائے وہ دُم بن جاتا ہے۔ ناشکری نامبارک ہوتی ہے۔ ہاں اگر تم نے توکل کرنا ہے تو کاروبار کر' کما اور پھر توکل کر۔ خدا پر بھروسہ کر' ورنہ گمراہی میں پھنس جائے گا۔

جانوروں کا توکل

سب بولے: کوشش حریص لوگوں کا کام ہے۔ اگر اسباب اختیار کرنا مُفید ہوتا تو لاکھوں انسان جنہوں نے اسباب اختیار کیے محروم کیوں ہیں؟ لوگوں نے ہزار کوششیں کیں لیکن انہیں وہی ملا جو ازل سے اُن کے لیے مقرر ہوا۔ سب اپنی تدبیر اور کام سے عاجز آ گئے۔ اِس لیے کوشش کرنا وہم میں مبتلا ہونے

مثنوی را نیست پایانی اُمید پھر بھی مثنوی کے مضامین کے خاتمے کی اُمید نہیں	گر شود بیشہ قلم دریا مدید اگرچہ درختوں کی قلمیں بن جائیں اور سمندر سیاہی

کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔

عزرائیل علیہ السلام کا ایک شخص کو گھورنا اور اُس کا حضرت سلیمان علیہ السلام کے گھر کی طرف بھاگنا

ایک بھولا صبح سویرے حضرت سلیمان علیہ السلام کی عدالت میں آیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے پوچھا: کیا ہوا ؟تم اتنے پریشان کیوں ہو؟ اُس نے کہا کہ حضرت عزرائیل علیہ السلام نے بڑی خوفناک نظر مجھ پر ڈالی ہے۔ اُنہوں نے پوچھا: اب تو کیا چاہتا ہے؟ اُس نے کہا: ہوا کو حکم دیں کہ مجھے ہندوستان لے جائے، شاید میری جان بچ جائے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہوا کو حکم دیا کہ اسے ہندوستان میں لے جا کر چھوڑ دے۔ ہوا اُسے سومنات لے گئی۔

اب افلاس سے لوگ بھاگتے ہیں کیونکہ وہ حرص اور خواہش کا لقمہ ہیں۔ افلاس کا ڈر اُس شخص کے خوف کی مثال سمجھ اور حرص اور کوشش کو ہندوستان سمجھ۔ دوسرے دن دربار لگا تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے حضرت عزرائیل علیہ السلام سے پوچھا تُو نے اُس مسلمان کو غصہ سے کیوں دیکھا؟ اس لیے کہ وہ اپنے گھربار سے الگ ہو جائے؟ اُنہوں نے جواب دیا: اے لازوال جہان کے بادشاہ! اُس نے غلط سمجھا اور اُس کو اُس کے خیال نے غصہ دکھایا۔ اِس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے آج ہی اُس کی جان ہندوستان سے نکالنے کو کہا تھا۔ میں اُس کو یہاں دیکھ کر حیران ہوا اور فکر میں ڈوب گیا کہ سو پَر ہوں، تب بھی یہ موت کے وقت پر ہندوستان نہیں پہنچ سکتا۔ میں جب حکم کے مطابق اُس کی جان لینے ہندوستان پہنچا تو میں نے اُسے وہاں پایا۔ اے انسان! دُنیا کے تمام کاموں کو اس پر قیاس کر لے اور دیکھ کہ ہم کس سے بھاگیں اپنے آپ سے؟ یہ ناممکن ہے۔ ہم کس سے سرتابی کریں؟ خدا سے؟ یہ تو تباہی ہے۔

شیر کا پھر توکّل پر کوشش کو ترجیح دینا اور کوشش کے فائدے بیان کرنا

شیر نے کہا: انبیاء اور رسولوں علیہم السلام کی کوشش، نیکوں کی کوشش، مومنوں کے جہاد دیکھو۔ اللہ نے اُن کی کوشش دُرست کر دی کیونکہ بھلے کی ہر شے بھلی ہوتی ہے۔ اُنہوں نے کوششوں سے کامیابیاں حاصل کیں۔ اے عقل مند! جس قدر ہو سکے کوشش کر۔ جہاد تقدیرِ الٰہی کا مقابلہ نہیں ہے اِس لیے کہ یہ بھی تقدیرِ الٰہی نے ہم پر رکھا۔ تیرا سَر پھٹا ہوا نہیں ہے اس کو نہ باندھ، کچھ کوشش کر لے پھر آرام کر۔

جس نے دُنیا کی جستجو کی اُس نے باطل کی جستجو کی۔ جس نے آخرت کی جستجو کی اچھی حالت کی جستجو کی، دنیاوی کام کی تدبیر کرنا بے کار ہے۔ دُنیا چھوڑنے میں تدبیر کر۔ یہ دُنیا قید خانہ ہے اور ہم قیدی ہیں۔ یہاں سے آزادی کے لیے

سرنگ لگانے میں کوشش کر۔ دُنیا کیا ہے؟ اللہ سے غافل ہونا' نہ کہ سامان' سونا' چاندی یا بیوی بچے۔ وہ مال جو تُو نے اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا بوجھ اُٹھایا ہوا ہے' اُس کو رسول ﷺ نے اچھا مال فرمایا ہے۔ کشتی میں پانی کا بھر جانا کشتی کی تباہی ہے۔ کشتی کے نیچے پانی کا ہونا کشتی کے لیے مددگار ہے۔ چونکہ مال اور مُلک کو اُنہوں نے دل سے نکال دیا تھا۔ اِس لیے حضرت سلیمان علیہ السلام جن کے پاس جہان کی بادشاہت تھی' اپنے آپ کو مسکین کے علاوہ اور کچھ نہ سمجھتے تھے۔ سَر بندھا پیالہ گہرے پانی میں گیا۔ پیٹ میں ہوا ہونے کی وجہ سے پانی پر تیرا۔ جب دل میں فقیری کی ہوا بھر گئی' دُنیا کے پانی کے اُوپر پُرسکون ہوگا۔ پانی اُس کو غوطہ نہیں دے سکے گا کیونکہ اُس کا دل خدائی پھونک سے مسرور ہوگیا۔ خواہ یہ ساری دُنیا اُس کی مِلک ہو جائے' سلطنت کی اُس کی نگاہ میں کوئی جگہ نہیں ہے۔ پس دل کا دہانہ بند کر اور اُس پر مُہر لگا دے۔ "مِنْ لَّدُنْ" سے اُس کو بھر دے۔ کوشش حق ہے۔ دوا کرنا حق ہے اور درد بھی حق ہے۔ کما' کوشش کر اور جدّ وجُہد کرتا کہ "مِنْ لَّدُنْ" کا راز سمجھ لے۔ اگرچہ یہ تمام دُنیا جدّ وجُہد سے پُر ہے لیکن جاہل اور کاہل اس جدّ وجُہد کو شیریں نہیں سمجھتا۔

کوشش کی توکّل پر ترجیح ثابت ہوجانا

شیر نے اتنے دلائل دیئے کہ جبر کے قائل خاموش ہو گئے۔ شیر نے اُن سے کہا کہ اگر ہر روز اُس کا حصہ پہنچتا رہا تو وہ دوبارہ تقاضا نہ کرے گا۔ سب جانور بحث مباحثہ میں لگے ہوئے تھے۔ آخر اُن میں فیصلہ ہوا کہ قرعہ اندازی ہو اور جس کا نام قرعہ میں نکلے وہ شیر کا لقمہ بنے۔ سب نے اس تجویز کو قبول کر لیا اور اس پر عمل جاری ہوگیا۔

خرگوش کے شیر کے پاس تاخیر سے جانے پر شکاروں کی ناراضگی

جب خرگوش کی باری آئی تو وہ چیخا کہ یہ ظلم کب تک چلے گا؟ قوم نے کہا: ہم نے عہد کیا ہوا ہے اور بہت سوں نے اس وجہ سے اپنی قربانی پیش کی ہے۔ اے جھگڑالو! ہمیں بدنام نہ کر۔ جلدی جا' ورنہ شیر ناراض ہو جائے گا۔ اُس نے جواب دیا: اے یارو! ذرا مجھے مُہلت دو' ہوسکتا ہے میری تدبیر کی وجہ سے تم سب مصیبت سے بچ جاؤ۔ ہر پیغمبر اُمتیوں کو دُنیا میں اُن کی نجات کی طرف بلاتا رہا ہے۔ اِس لیے کہ وہ آسمان سے ہی باہر نکلنے کا راستہ دیکھ چکے تھے اور وہ نگاہ میں پُتلی کی طرح پوشیدہ تھے۔ انسانوں نے پُتلی کی طرح انہیں چھوٹا سمجھا اور پُتلی کی بڑائی کا کسی کو پتہ نہ چلا۔ قوم نے اُسے کہا: اے گدھے سُن! اپنے آپ کو خرگوش کے رُتبے پر رکھ۔ تجھ سے بڑے جانور یہ خیال اپنے دل میں نہیں لائے۔

اُس نے کہا: دوستو! مجھے اِلہام ہوا ہے۔ ایک کمزور کی سمجھ میں مضبوط رائے آ گئی ہے۔ اللہ نے جو کچھ شہد کی مکھی

چوں نماند خاک' بادش حف کند | خاک سازد بحر اُو چوں کف کند
جب مٹی بھی نہیں رہے گی اور ہوا اُسے صاف کر دے گی | تو سمندر جوش میں آ کر نئی مٹی بنائے گا

کو سکھایا ہے شیر اور گورخر کو کب پتا ہے۔ وہ اپنے علم کے دروازے سے حلوے سے بھرے ہوئے خانے بناتی ہے۔ جو کچھ اللہ نے ریشم کے کیڑے کو سکھایا، وہ ہاتھی نہیں جانتا۔ مٹی سے بنے ہوئے آدم علیہ السلام نے اللہ سے علم سیکھا تو فرشتوں کی عزت و آبرو کو شکست دے دی۔ اُس (شیطان) کے اندھے پن نے، جس نے اللہ کے معاملہ میں شک کیا، اپنی چھ لاکھ سال کی زُہد و عبادت کا گھمنڈ کیا، اُسے تباہ کر دیا۔ قطرۂ دل کو ایسا گوہر عطا کیا کہ سمندروں اور آسمانوں کو نہ ملا۔ اے صورت کے پجاری! تیری بے معنی جان نے اب تک صورت سے رہائی نہ پائی۔ محمد ﷺ اور ابوجہل بُت خانے میں گئے۔ اُن ﷺ کے جانے میں اور اُس کے جانے میں بہت فرق ہے۔ یہ اندر جاتے ہیں تو بُت اِن کے آگے سرنگوں ہو جاتے ہیں، وہ جاتا ہے تو خود ماتھا ٹیکتا ہے۔ جا اپنی صورت میں جان جیسے نایاب گوہر کو تلاش کر۔ قدرت نے اصحابِ کہف کے کتے کے سامنے شیروں کو سرنگوں کر دیا۔ قابلِ نفرت صورت سے کسی کو کیا نقصان ہے، اگر اُس کی رُوح نور کے سمندر میں ڈوبی ہوئی ہے۔

عقلمندی کی فضیلت اور نفعوں کا بیان

حضرت سلیمان علیہ السلام کا ملک اُن کے علم کی وجہ سے تھا۔ تمام جہان صورت ہے اور علم اُس کی جان ہے۔ اسی کی وجہ سے پہاڑ، جنگل، دریا اور دُنیا کی تمام مخلوق آدمی کی تابع ہو گئی ہے۔ آدمی کے چھپے ہوئے دشمن بہت ہیں۔ محتاط آدمی، سمجھدار انسان ہوتا ہے۔ اچھی اور بُری مخلوق ہم سے چھپی ہوئی موجود ہے اور اُن کی چوٹ ہر وقت دل پر لگتی ہے۔ تُو اگر نہر میں غسل کے لیے جائے تو پانی میں چھپا ہوا کانٹا تجھے تکلیف پہنچائے گا۔ اگرچہ کانٹا پانی کے نیچے چھپا ہے۔ چونکہ وہ تیرے چبھا ہے اس لیے تُو ہی جانتا ہے کہ وہ موجود ہے۔ حواس اور وسوسہ کے کانٹے ہر طرف سے حملہ کرتے ہیں۔ ٹھہر، تاکہ تیرے حواس تبدیل ہو جائیں، تاکہ تُو اِن چھپے ہوئے کانٹوں کو دیکھ لے اور مشکل حل ہو جائے۔ بعض چیزیں نظروں سے غائب ہیں لیکن اُن کے اثرات سے اُن کا وجود معلوم ہوتا ہے۔ ریاضات اور مجاہدوں سے حواسِ باطنی پیدا ہوتے ہیں تو نظروں سے غائب چیزیں مشاہدہ میں آجاتی ہیں۔

جانوروں کا خرگوش کی تدبیر اور راز معلوم کرنا

جانور کہنے لگے: اے خرگوش! جو کچھ تیری سمجھ میں آیا ہے ہمیں بتا۔ تُو شیر سے بھڑا ہے، تُو نے کیا تدبیر سوچی ہے؟ مشورہ عقل اور سمجھ عطا کرتا ہے۔ عقلیں، عقلوں کی مدد کرتی ہیں۔ پیغمبر ﷺ نے فرمایا: مشورہ کر لیا کرو۔ تُو جلدی بتا کہ تیرا کیا مقصد ہے؟ وہ کہنے لگا کہ ہر راز کہنے کے لائق نہیں ہوتا۔ بعض اوقات انسان جیتنے کی آرزو رکھتا ہے

چوں نماند بیشہ و سر در کشند	پیشہا از عینِ دریا سر کشند
جب جنگل نہ رہیں گے اپنا سر چھپا لیں گے	تو دریا میں سے نئے درخت سر نکال لیں گے

لیکن ہار جاتا ہے۔ دوست کا سینہ صاف ہوتا ہے' لیکن اگر اُس سے راز کہہ دیا جائے تو بعض اوقات اُس کے دل میں طرح طرح کے وسوسے پیدا ہو جاتے ہیں' جو اکثر مُفید نہیں ہوتے۔ سفر' سونا اور اپنی منزلِ مقصود کے بارے میں لب کشائی نہ کر' اس لیے کہ ان تینوں کے دشمن بہت ہیں۔ اگر اپنا راز کسی ایک سے کہہ دیا تو وہ پھر راز نہیں رہے گا۔ اگر چھپے ہوئے راز میں مشورہ طلب کرنا ہو تو اِس طرح کرو کہ سُننے والا تمہارا مقصد نہ سمجھ سکے اور مشورہ بھی دے دے۔ پیغمبر ﷺ ایسے مشورہ کرتے کہ رائے کو کسی مثال وغیرہ سے وابستہ کر کے فرما دیتے تاکہ مخالف اُس کا سَر پیر نہ سمجھ سکے اور خود اُس سے اپنا جواب نکال لیتے۔ اُن ﷺ کے مقصد کی غیر کو بُو بھی نہ لگتی۔

خرگوش کی شیر کے ساتھ چالاکی

خرگوش نے اپنی رائے نہ بتائی اور خود تدبیر سوچ لی۔ اپنا راز اپنے آپ ہی سے کہتا رہا۔ شیر کے پاس جانے میں ایک گھنٹہ تاخیر کی۔ شیر غصّے سے زمین پر پنجے مار رہا تھا اور غُرّا رہا تھا۔ اُس نے کہا: میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ اِن کمینوں کا عہد کچا ہوگا۔ ان کے مکر نے مجھے مار ڈالا۔ بے وقوف حاکم عاجز ہوتا ہے۔ بعض اوقات راستہ صاف نظر آتا ہے لیکن اُس کے نیچے جال ہوتا ہے۔

بعض جھوٹے پیروں کے بڑے بڑے القاب اور اُن کی میٹھی باتیں مرید کی زندگی کو برباد کر دیتی ہیں۔ ہماری عمر پانی کی طرح ہے اور وقت نہر کی طرح ہے۔ باطنی اخلاق و احوال (شیخ کے) تیری عمر کی نہر کا ریت ہیں۔ وہ ریت جس میں سے پانی اُبلے بہت کمیاب ہے' اُس کو تلاش کر۔ اے بیٹا! وہ ریت مردِ خدا ہے' جو اللہ سے جُڑا لیکن اپنے آپ سے جدا ہے۔ اُس سے دین کا میٹھا پانی اُبلتا ہے اور طلبگاروں کی اُس سے زندگی اور نشوونما ہے۔ جو مردِ خدا نہیں' اُسے خشک ریت سمجھو' جو تیری زندگی کا پانی چوس لے گا۔ شیخ کامل کی تربیت سے مرید حکمتوں کا سرچشمہ بن جاتا ہے۔ اُس کو علمِ لدُنّی حاصل ہو جاتا ہے اور وہ ظاہری اسباب سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ اُس کی عقل' رُوح سے سیکھتی ہے۔ عقل جو شروع میں اُس کی اُستاد تھی بعد میں اُس کی شاگرد بن جاتی ہے۔

جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ اے محمد ﷺ! اگر ایک قدم آگے بڑھاؤں تو میرے پَر جل جائیں گے۔ اُس نے جبر کا پایہ تھاما اور خود کو بیمار بنالیا۔ جب تُو نے اِس راہ میں اپنے پَیر کو نہیں توڑا تو کچھ حاصل نہ کیا۔ جس نے کوشش کی' راہ میں اپنے پَیر کو توڑا' اُس کے لیے بُراق پہنچا اور وہ سوار ہوا۔ وہ دین کا بوجھ اُٹھانے والا یعنی مجاہدہ و ریاضت کرنے والا تھا' سوار بن گیا۔ اللہ کے فرمان کو قبول کرنے والا تھا' مقبولِ بارگاہ بن گیا۔ اب تک بادشاہ کے فرمان مانتا تھا' اُس کے بعد سپاہیوں کا

فرمان روا بن گیا۔ اب تک ستارہ اُس پر اثر کرتا تھا' اب وہ اشارے سے چاند کو توڑنے والا بن گیا۔ تُو اپنے ایمان کو تازہ کرلے لیکن زبانی نہیں' جب تک اندر کوئی خواہش تازہ ہے' ایمان تازہ نہیں ہوتا۔ خواہش کے علاوہ اُس دروازے کا کوئی قفل نہیں ہے' اُسے توڑ۔ تُو اپنے فکر سے قرآن میں تاویل نہ کر' اپنے آپ کو بدل' اپنی فکر میں تبدیلی پیدا کر۔

مکھی کی ناقص تاویل کا بودہ پن

تیرے اَحوال اُس مکھی کی طرح ہیں' جو اپنے آپ کو کچھ سمجھتی تھی۔ جس نے اپنے ذرہ کو آفتاب سمجھ لیا تھا۔ بولی: میں بے شک عنقاء ہوں (خوبصورت پرندہ)۔ وہ مکھی پیشاب پر تیرتے ہوئے ایک گھاس کے تنکے پر سوار تھی' لیکن پیشاب کو ایک دریا اور اپنے آپ کو ملاح سمجھ رہی تھی۔ اُس کی نظر میں پیشاب لامحدود تھا۔ دراصل اُس کے پاس دیکھنے والی نگاہ ہی نہ تھی۔ اُس کا علم بھی اتنا ہی تھا جتنی اُس کی نگاہ تھی۔ باطل تاویل کرنے والا' مکھی کی طرح ہے۔ اگر مکھی اپنی رائے کے مطابق تاویل کرنا چھوڑ دے تو نصیبہ اُسے ہُما بنا دے۔ جس کی رُوح بلند ہوتی ہے وہ مکھی کی طرح تاویل نہیں کرتا۔ وہ چاہے مکھی کی طرح چھوٹا ہو' رُوح کی بلندی اُس کو بلند مقام عطا فرماتی ہے۔ اُس خرگوش کی طرح جس نے شیر پر حملہ کیا۔ اب اُس کی رُوح' اُس کے جسم کے مطابق کب تھی؟

خرگوش کے دیر سے آنے پر شیر کا رنجیدہ ہونا

شیر' تندی اور غصہ سے بھرا ہوا تھا۔ کہہ رہا تھا کہ جبر کا عقیدہ رکھنے والوں کے مکر نے مجھے مجبور کر دیا ہے کہ میں اُن کی چمڑی اُدھیڑ دوں کیونکہ وہ چھلکے کے سوا کچھ نہیں ہیں۔ چھلکا کیا ہوتا ہے؟ رنگ رنگ کی باتیں' جن کا کوئی وجود اور فائدہ نہیں ہے۔ چھلکا خراب گری کا عیب پوش ہوتا ہے اور اچھی گری کو غیرت کی وجہ سے چھپا کر رکھتا ہے۔

انسانوں میں ہوا' خواہش اور آرزو ہیں' جو کہ خراب گری کی طرح ہیں۔ زیادہ باتیں کرنے والے دراصل اپنی خامیوں پر پردہ ڈالتے ہیں۔ جب تُو نے خواہش کو ترک کیا تو اچھی گری بن گیا' یہی اللہ کا پیغام ہے۔ انبیاء علیہم السلام نے جو کچھ فرمایا وہ مُبارک اور پائیدار ہے۔ اُس کے مقابلے میں دُنیا کے بادشاہوں کے خطبے اور فرمان وقت کے ساتھ بدل جاتے ہیں۔ اس لیے کہ اُن کے فرمان' نفسانی خواہشات اور کرّوفر پر مبنی ہوتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کی عزت خدا کی طرف سے ہوتی ہے۔ بادشاہ اپنے نام سکوں پر کندہ کرواتے ہیں لیکن وہ بھی بالآخر مٹ جاتے ہیں۔ احمد ﷺ کا نام قیامت تک منقش ہے۔ احمد ﷺ کا نام تمام انبیاء علیہم السلام کا نام ہے کیونکہ جب سو آئے تو 99 ضرور ہمارے سامنے آئیگا۔ اس بات کا خاتمہ نہیں ہے' آؤ! خرگوش و شیر کے قصے کی طرف چلیں۔

نردبانِ آسمانست ایں کلام میرا یہ کلام' اللہ تک جانے کی سیڑھی ہے	ہر کہ ازایں بر رود آید بہ بام جو اسکے ذریعے چڑھے گا چھت پر پہنچ جائے گا

خرگوش بہت دیر کے بعد راستے پر پڑا تا کہ شیر کے کان میں ایک راز بیان کرے۔ دیکھو! عقل ایک لامحدود سمندر ہے لیکن اس سمندر کے لیے غوطہ خور چاہیے۔ ہماری صورتیں اِس شیریں سمندر میں اس طرح دوڑ رہی ہیں جیسے پانی کی سطح پر پیالے۔ پیالہ جب تک بھرا نہیں تیرتا رہے گا۔ جب بھر جائے تو ڈوب جائے گا۔ عقل چھپی ہوئی چیز ہے اور عالم ظاہر ہے۔ ہماری صورت ایک موج ہے۔ صورت کسی موجود (متعین) کو وسیلہ بنالیتی ہے۔ اُس وسیلہ کی وجہ سے سمندر اُس کو دُور پھینک دیتا ہے۔ جب تک دل راز عطا کرنے والے کو نہ دیکھ لے اپنے گھوڑے کو گمشدہ سمجھتا ہے روح اور اپنے جسم (نفس) کے گھوڑے کو تیز دوڑاتا ہے۔ وہ حیران فریاد اور جستجو میں ہے۔ ہر طرف اپنے گھوڑے (روح) کو تلاش کرتا پھرتا ہے اور پوچھتا ہے ہمارا گھوڑا کہاں ہے؟ کس نے چُرایا ہے؟ کوئی پوچھے: اے صاحب! یہ جو آپ کی ران کے نیچے ہے یہ کیا ہے؟ ہاں! یہ وہی گھوڑا ہے جس کی تم تلاش میں ہو۔ یہ شہ سوار اپنے گھوڑے سے اِس قدر غافل ہے کہ علامتیں بیان کر دینے کے باوجود بھی اُس کو نہیں پہچانتا۔ بتانے والا اُس کو نشانیاں بتاتا ہے لیکن وہ غور نہیں کرتا۔ ہماری جان (روح) نمایاں اور قریب ہونے کی وجہ سے گم ہے جس طرح مٹکا پانی سے بھرا ہو لیکن اُس کے کنارے خشک رہیں۔

اپنے اندر درد کو بڑھا تا کہ تمہیں اپنی رُوح کے رنگ نظر آئیں۔ رنگ کا دیکھنا بیرونی روشنی کے بغیر نہیں ہوتا یہی حال اندرونی خیال کے رنگ کا ہے کہ بغیر عالَمِ بالا کے انوار کے عکس دیکھے نہیں جا سکتے۔ یہ دلوں کی بینائی کا نور دلوں کے نور سے حاصل ہوتا ہے اور دل کی بصیرت کا نور ہی خدا کا نور ہے اور یہ عقل اور حس کے نور سے پاک اور بالکل جدا ہے۔ ایک مقابل دوسرے مقابل سے واضح ہوتا ہے۔ جیسے رات دن سے اور دن رات سے۔ نور کو بھی اُس کی ضد سے ہی پہچانا جا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے رنج کو اس لیے پیدا کیا کہ اُس کے ذریعے خوشدلی واضح ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ کی چونکہ کوئی ضد نہیں اس لیے وہ پوشیدہ ہے۔ ہماری نگاہیں اُس کا اِدراک نہیں کر سکتیں اور دل اِدراک کر لیتا ہے جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام اور پہاڑ کے ساتھ ہوا۔ صورت کی نسبت معنی سے ایسی ہے جیسی بات یا آواز کی خیال سے۔ تجھے یہ معلوم ہی نہیں کہ خیال کا سمندر کہاں ہے؟ لیکن جب تُو نے بات کو پاکیزہ بنایا اور عقل سے خیال کی موج اُٹھی اور پھر سمندر میں چلی گئی۔ صورت ایک بے صورت سے پیدا ہوئی اور پھر لوٹ گئی (ہم پھر سمندر کی طرف لوٹ گئے) "اِنَّا لِلّٰہِ" کا یہی مطلب ہے۔ پس تیرے لیے ہر لحظہ موت اور واپسی ہے۔ ہر دَم دُنیا نئی ہو جاتی ہے اور ہم ہر دَم اُس کے نئے ہونے سے بے خبر ہیں۔ نہر کے پانی کی طرح ہماری عمر ہر وقت نئی نئی آتی ہے جو جسم میں لگاتار آتی رہتی ہے۔ یہ تیزی کی وجہ سے لگاتار شکل

نے ببامِ چرخ کاں اخضر بود
اُس چھت پر نہیں جو نیلی نظر آتی ہے

بل ببامے کز فلک برتر بود
بلکہ وہ چھت آسمانوں سے بھی اوپر ہے

میں ہے۔ ایجاد کی تیزی کی وجہ اس کا یہ طول ہے۔ ایجاد کی یہ تیزی اللہ کی جانب سے ہے۔

خرگوش کا شیر کے پاس پہنچنا، شیر کا غصہ اور خرگوش کی معذرت خوشامد

شیر نے آگ، غصہ اور شور میں دیکھا کہ خرگوش دُور سے چلا آ رہا ہے۔ وہ دلیر بنا ہوا تھا تاکہ کسی قسم کی تہمت نہ آئے۔ شیر بولا: اے ناخلف! میں بڑے بڑے جانور چیر پھاڑ دیتا ہوں، ناقص خرگوش کیا ہوتا ہے کہ ہمارے حکم کو ٹال دے۔

خرگوش نے کہا: جان کی بخشش چاہتا ہوں۔ میرا ایک عذر ہے، اگر تُو اجازت دے تو کہوں، تُو بادشاہ ہے اور میں غلام ہوں۔ شیر بولا: کیا عذر ہے؟ بادشاہوں کے سامنے دیر سے آتے ہیں؟ تجھے ختم کر دینا چاہیے۔ احمق کا عذر اُس کے جرم سے بھی بدتر ہوتا ہے۔ اُس نے کہا: اے بادشاہ! میں نالائق ہوں، تُو اِسے لائق سمجھ کر عذر سُن لے، اپنے مرتبے کے صدقے میں۔ وہ دریا جو ہر نہر کو پانی دیتا ہے، ہر تنکے کو اپنے سر اور منہ پر رکھتا ہے، اِس کرم کی وجہ سے دریا کا کچھ گھٹتا نہیں ہے۔ اِس لیے سُن کہ میں صحیح وقت پر اپنے ایک ساتھی کے ہمراہ تیری طرف روانہ ہوا، راستے میں ایک اور شیر نے ہم دونوں کو شکار کرنے کا قصد کیا اور جھپٹا۔ میں نے کہا: ہم بادشاہ کے غلام ہیں۔ وہ بولا: شہنشاہ کون ہوتا ہے؟ میں تیرے بادشاہ کو بھی پھاڑ کھاؤں گا۔ میں نے کہا: میں اپنے بادشاہ کو اطلاع کر دوں کہ اُس نے میرے ساتھی کو یرغمال بنا لیا۔ میرا ساتھی مجھ سے بھی تین گنا موٹا تھا۔ اُس شیر کے روکنے کی وجہ سے دیر ہو گئی۔ ہاں آپ آئیں اور اُس بے شرم کو دفع کریں۔

شیر کا خرگوش کے ساتھ روانہ ہونا

اُس (شیر) نے کہا: میں دیکھوں وہ کہاں ہے؟ تُو آگے آگے چل تاکہ اگر یہ جھوٹ ہے تو تجھے سزا دوں۔ وہ رہبر کی طرح آگے آیا تاکہ اُس کو اپنے جال کی طرف لے جائے۔ اُس نے ایک گہرے کنویں کو شیر کی جان کا جال بنا رکھا تھا۔ اُس کے مکر کا جال شیر کا پھندا تھا۔ عجب خرگوش تھا کہ شیر کو اُچک لے گیا۔ ایک موسیٰ علیہ السلام فرعون کو بمعہ لشکر دریائے نیل تک لے جا رہا ہے یا وہ مچھر ہے جو نمرود کو مارے دے رہا ہے۔ یہ ہے اُس کی حالت جس نے دشمن کی بات سُنی۔ یہی حال اُس فرعون کا ہے جس نے ہامان کی بات سُنی۔

دشمن اگر تجھ کو دوستانہ بات کہے تو اُس کو جال سمجھ۔ اگر تجھے شکر دے تو اسے زہر سمجھ۔ لیکن جب قضا آتی ہے تو دوستوں اور دشمنوں میں امتیاز نہیں کیا جا سکتا۔ جب ایسی حالت ہو تو تُو گڑگڑانا شروع کر دے۔ زاری، تسبیح اور روزے کا

بامِ گردُوں را ازو آید نوا
آسمان کو اُس کے احکام پہنچتے رہتے ہیں

گردشش باشد ہمیشہ زاں ہوا
اِسی لئے اُس کی ہر چیز گردش میں ہے

سامان کر۔ روکہ خدا غائب سے سامان کرنے والا ہے۔ کہہ: اے معافی کے داتا! میرے عیبوں کی پردہ پوشی کر' گناہوں کا بدلہ نہ لے۔ موجودات میں سے جو چیزیں بھی ہیں' دل پر اُن کی اصل حالت ظاہر کر دے۔ قہر کی شراب سے جب تُو مَست کر دیتا ہے تو معدُوم چیزوں کو موجود کی صورت عطا کرتا ہے۔ مستی کیا ہے؟ آنکھ کا آنکھ کے دیکھنے سے بند ہو جانا' یہاں تک کہ موتی' پتھر' اون ایک جیسے نظر آنے لگیں۔ مستی کیا ہے؟ حِسوں کا بدل جانا۔ ایک عام سی لکڑی کا نگاہ میں صندل بن جانا۔

حضرت سُلیمان علیہ السلام اور ہُدہُد کا قصہ

جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے خیمہ لگایا' تمام پرندے حاضر تھے۔ ایک ایک کر کے اُن کے پاس دوڑے آئے اور اُن کے ساتھ گھل مِل گئے۔ ہمزبانی قرابت کی وجہ سے ہی ہوتی ہے۔ انسان نامحرموں کے ساتھ قیدی کی طرح ہوتا ہے۔ بہت سے ہندو اور تُرک ہمزبان ہوتے ہیں اور دو تُرک بیگانوں کی طرح۔ محرمی کی زبان' دل کی زبان ہے۔ بغیر بولے' بغیر اشارے یا لکھنے کے دل سے لاکھوں باتیں کرنے والے پیدا ہو جاتے ہیں۔ ہر پرندہ اپنے ہُنر اور عقل کے مطابق اپنی تعریف کر رہا تھا۔

جب کسی آقا کے پاس غلام آتا ہے تو وہ اُس کے سامنے اپنا ہُنر پیش کرتا ہے۔ ہُدہُد اور اُس کے پیشے کی بات ہوئی تو اُس نے کہا: اے شاہ! ایک چھوٹا سا ہنر میرے پاس ہے۔ مختصر بات بہتر ہوتی ہے۔ اُنہوں نے پوچھا: کون سا؟ اُس نے کہا کہ جب میں بلندی پر ہوتا ہوں تو یقین کی آنکھ سے دیکھتا ہوں اور زمین کی گہرائی میں بھی پانی کو دیکھ لیتا ہوں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فوجی ضروریات کے لیے سفر میں اُسے اپنے پاس رکھ لیا۔ اُسے فرمایا کہ تُو ہمارا ساتھی بن تاکہ ہمارے لیے پانی مہیا کرے۔ اِس خوبی کی بدولت وہ ہمیشہ اُن کے ساتھ رہنے لگا۔

کوّے کا ہُدہُد کے دعوے میں طعنہ زنی اور ہُدہُد کا جواب

جب کوّے نے یہ سُنا' حسد کی وجہ سے حضرت سلیمان علیہ السلام سے کہا کہ ہُدہُد جھوٹ بولتا ہے۔ کہنے لگا: اگر اُس کی نظر ایسی ہوتی تو ایک مُٹھی مٹی کے نیچے جال نہ دیکھ لیتی اور یہ جال میں کیوں پھنستا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا: اے ہُدہُد! تو کیا تیرے لیے جھوٹ بولنا اور شیخی مارنا جائز ہے؟

اُس (ہُدہُد) نے کہا: اے بادشاہ! اِس فقیر کےخلاف دشمن کی بات نہ سُن۔ اگر میرا دعویٰ غلط ہے تو میرا سر جدا کر دے۔ کوا چونکہ خدا کی قضا کا منکر ہے' اگر لاکھ عقل رکھتا ہو' کافر ہے۔ قضا و قدر کا منکر کافر ہے۔ میں ہوا میں سے جال کو

گفت پیغمبر کہ حق فرمودہ است
پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے

مَن نگنجم ہیچ در بالا و پست
میں اُوپر نیچے (کہیں) نہیں سما سکتا ہوں

دیکھتا ہوں اگر میری عقل کی آنکھ کو قضا بند نہ کر دے۔ جب قضا آتی ہے' عقل سو جاتی ہے۔ قضا سے کچھ نہیں چھپایا جا سکتا۔ کوے کا قضا سے منکر ہونا بھی قضا ہی سے سمجھ۔

حضرت آدم علیہ السلام کا قصہ' قضا کا اُن کی آنکھ بند کر دینا صاف ممانعت کی نگاہ داشت سے اور ممانعت کو ترک کرنا اور تاویل کرنا

ابو البشر حضرت آدم علیہ السلام کو عَلَّمَ الْاَسْمَآءَ عطا فرمایا گیا جس کی ہر رگ میں لاکھوں علم ہیں۔ ہر چیز کا نام اور اُس کی حقیقتیں اُن کی جان کو حاصل تھیں۔ جو نام کسی شے کو دیا' وہ نہ بدلا۔ کسی کو چُست کہا تو وہ سُست نہ ہوا۔ جو آخر میں مومن ہے اُسے شروع میں ہی دیکھ لیا اور جو کافر ہو گا' اُن پر ظاہر ہو گیا۔ جو آخرت کو دیکھے وہ مومن ہے اور جو چراگاہ پر نظر رکھے' بے دین ہے۔ ہمارے نزدیک ہر شے کا نام اُس کے ظاہر پر ہے' اللہ کے نزدیک اُس کے باطن پر۔ موسیٰ علیہ السلام کے نزدیک لکڑی کا نام عصا تھا لیکن اللہ کے نزدیک اژدہا ہے۔ اِس جگہ عمر رضی اللہ عنہ کا نام بُت پرست تھا لیکن آخرت میں مومن۔ جس کا نام ہمارے نزدیک مَنی تھا' اللہ کے سامنے ایک پیاری صورت' جیسے تُو میرے سامنے ہے۔ عدم میں یہ مَنی ایک صورت ہی تھی' جو اصلی حالت میں خدا کے سامنے موجود تھی' اِس لیے ہمارا نام وہی حقیقت بنا' جو اللہ کے سامنے ہمارا انجام تھا۔ انسان کا نام انجام کے اِعتبار سے رکھتے ہیں نہ کہ اُس پر جو چند روز کے لیے ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کی آنکھ نے پاک نور کے ذریعے دیکھا اور ہر چیز کی حقیقت اُن پر ظاہر ہو گئی۔ جب فرشتوں نے اللہ کے اَنوار اُن پر پائے تو سَر بسجود ہو گئے اور خدمت کے لیے دوڑے۔ جب فرشتوں نے اُن سے اللہ کے نور کا مشاہدہ کیا تو سب اُن کے سامنے سجدے میں گر گئے۔ جس آدم علیہ السلام کا نام لے رہا ہوں اگر میں قیامت تک اُن کی مدح کروں تو قاصر رہوں۔ وہ سب یہ جان گئے لیکن جب قضا آئی' ایک ممانعت کی سمجھ میں اُن سے غلطی ہوئی۔ ممانعت حرام ہونے کی وجہ سے تھی یا کسی تاویل کی وجہ سے تھی اور اُنہیں وہم میں ڈالتا تھا۔ جب تاویل نے اُن کے دل پر قابو حاصل کیا کہ ممانعت صرف وقتی تھی۔ طبیعت حیرانی میں گیہوں کی طرف دوڑ پڑی۔ جب باغبان اپنے پَیر میں چُبھے ہوئے کانٹے نکالنے میں مصروف ہوا چور نے موقع پا لیا اور تیزی سے سامان لے بھاگا۔ جب اُنہیں حیرت سے چھٹکارا مِلا' راستہ پر آئے' دیکھا کہ چور سامان لے جا چکا تھا۔ پھر' "اے ہمارے ربّ! ہم نے ظلم کیا" کہا اور آہ کی یعنی اندھیرا چھا گیا اور راستہ گم ہو گیا۔

در دلِ مومن بگنجم اے عجب
تعجب ہے' مومن کے دل میں سما جاتا ہوں

گر مرا جوئی دراں دلہا طلب
اگر میری تلاش کرے تو ان دلوں میں تلاش کر

قضا سورج کو چھپا لینے والا ابر ہے۔ اس سے شیر اور اژدہا چوہے کی طرح بن جاتے ہیں۔ ہد ہد بولا: اگر میں قضا کے وقت جال نہیں دیکھ سکتا تو میں تنہا ہی قضا کے راستے میں بے خبر نہیں ہوں۔ قابلِ مبارکباد ہے وہ شخص جو نیکی کرے زور کو چھوڑ دے اور زاری کرے۔ اگر قضا تجھے ڈھانپ بھی لے تو آخر کار قضا ہی تیری دستگیری کرے گی۔ اگر قضا سو بار تیری جان لینا چاہے تو قضا ہی اُس کا علاج بھی کرے گی۔ اللہ کی جانب سے مصائب تنبیہ کرنے کے لیے آتے ہیں۔ یہ عین رحمت ہوتے ہیں تاکہ تجھے غفلت سے بیداری حاصل ہو ورنہ امن اور سکون کی زندگی غفلت کا سبب بن جاتی ہے۔

کنویں کے پاس آکر خرگوش کا شیر سے پیچھے ہٹنا

کنویں کے پاس آکر خرگوش جو کہ پہلے آگے آگے جا رہا تھا' پیچھے کو ہٹا۔ شیر نے کہا: تُو پیچھے کیوں ہٹتا ہے؟ آگے آ۔ خرگوش بولا: ڈر کے مارے میرا رنگ زرد ہو رہا ہے اور رُوح کانپ رہی ہے۔ حق تعالیٰ نے پیشانی کو حال بتانے والا فرمایا ہے۔ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ "تُو ان کو پیشانی سے پہچانتا ہے" پہچاننے والے کی نگاہ پیشانی پر پڑتی ہے۔ رنگ' بُو اور آواز چیزوں کی حالت کی خبر دیتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "انسان اپنی زبان میں چھپا ہوا ہے نہ کہ چادر میں"۔ سرخ چہرے کی رنگت شکر کی صدا رکھتی ہے۔ زرد چہرے کی رنگت صبر اور تکلیف کو ظاہر کرتی ہے۔

مجھ میں وہ چیز آگئی ہے جس سے سب انسان' جانور' جمادات' نباتات مات کھا گئے۔ مجھ میں وہ چیز آگئی ہے جو جس چیز میں آجائے اُس کو شکستہ کر دیتی ہے۔ اس چیز کا اثر ہر جگہ دیکھ لو۔ باغ کبھی جوڑا پہنتا ہے' کبھی ننگا ہو جاتا ہے۔ سورج جو آگ کی طرح برآمد ہوتا ہے' دوسرے وقت اوندھا ہو جاتا ہے۔ چاند اپنے پورے حُسن کے ساتھ آتا ہے پھر ہلال کی طرح ہو جاتا ہے۔ یہ زمین زلزلہ میں جاڑے کے بخار میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ یہ ہوا جو رُوح سے وابستہ ہے' جب قضا آتی ہے تو گندی بن جاتی ہے۔ جب کُلیات کو رنج اور درد کا اثر ہوتا ہے تو جُزو کا چہرہ زرد کیوں نہ ہوگا۔ خصوصاً وہ جُزو جو پانی' مٹی' آگ اور ہوا کا مجموعہ ہو۔ اس کائنات میں ہر جُزو نے اپنی اصل سے ملنا ہے۔ اس دُنیا میں جتنی صلح نظر آتی ہے یہ عارضی ہے' بالآخر ان اجزاء کے دل لڑائی ہی کی طرف دوڑیں گے۔ خرگوش نے پھر کہا کہ وہ شیر اس کنویں میں مقیم ہے اور میرا دوست اُس کے پاس ہے۔ اگر تُو مجھے اپنی بغل میں لے لے تو میں کنویں تک تیرے ساتھ جا سکتا ہوں۔

شیر کا کنویں میں جھانکنا' اپنے اور خرگوش کے عکس کو دیکھنا

شیر نے خرگوش کو اپنی بغل میں لے لیا۔ جب اُنہوں نے کنویں کے پانی میں دیکھا

ابلہاں تعظیمِ مسجد می کنند — در جفائے اہلِ دل جِد می کنند
بے وقوف لوگ مسجد کی تعظیم تو کرتے ہیں — لیکن اہل دل پر ظلم کرنے کی کوشش کرتے ہیں

تو شیر نے گرم مزاجی میں پانی میں اپنا ہی عکس دیکھا اور اُس کو اپنا دشمن سمجھ کر خرگوش کو چھوڑ دیا اور خود کنویں میں کود گیا۔ اُس کنویں میں جو اُس نے خود ظلم کر کے کھودا تھا۔

ظالموں کا ظلم ایک اندھیرا کنواں ہوتا ہے۔ جو جتنا زیادہ ظالم ہے اُس کا کنواں اتنا ہی زیادہ گہرا ہے۔ اگر تُو کمزوروں پر ظلم کرتا ہے تو سمجھ لے کہ اتھاہ کنویں میں جا رہا ہے۔ ریشم کے کیڑے کی طرح اپنے گرد تار نہ تَن، کمزوروں کو بے حمایتی نہ سمجھ۔ قرآن میں اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ "جب اللہ کی مدد آئی" کو پڑھ لے۔ اگر تُو ہاتھی ہے تو غرور نہ کر، طیرًا ابابیل کی سزا تیرے لیے تیار ہے۔ اگر کوئی کمزور زمین میں امان کا خواہاں ہوتا ہے تو آسمان کے سپاہیوں میں شور مچ جاتا ہے۔

اے ظالم! ظلم کی جو صفت تُو لوگوں میں دیکھتا ہے اکثر تیری اپنی خصلت ہی ان میں ہوتی ہے۔ ظلم کر کے تُو زخم اپنے آپ پر لگا رہا ہے اور اپنے گرد لعنت کے تار بُن رہا ہے۔ جب تُو اپنی اس عادت کی گہرائی میں پہنچے گا تو پھر تجھے خود بخود معلوم ہو جائے گا۔ شیر کو گہرائی میں جا کر احساس ہوا کہ وہ اپنے عکس ہی کو اپنا دشمن سمجھ رہا تھا۔ لوگوں کو دیکھ کر عبرت پکڑ اور اپنی اصلاح کر۔ حضور ﷺ نے فرمایا: "ایک مومن دوسرے مومن کا آئینہ ہے"۔ اگر تمہاری آنکھوں پر غفلت کی پٹی بندھی ہوئی ہے تو تُو اَلْمُؤْمِنُ مِرْاٰةُ الْمُؤْمِنِ سے فائدہ اُٹھا سکتا اور حضور ﷺ نے فرمایا: "مومن کی فراست سے ڈرو کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے"۔ وہ تمہارے سارے عیب تاڑ لے گا۔ نیکی اور بدی کو الگ الگ پہچان۔

اے ہمارے ربّ! تُو ہم پر اپنی رحمت کا پانی چھڑک تاکہ ہماری نفسانی خواہشات کی آگ نور بن جائے۔ ہر شے کا تُو مالک ہے۔ تُو چاہے تو آگ میں پانی کی صفت پیدا ہو جائے۔ تُو ہمیں بن مانگے طرح طرح کی نعمتیں دیتا ہے۔ مانگنے سے کیوں نہ دے گا۔ تُو نے ہمیں جان، رزق وغیرہ بغیر مانگے ہی عطا کی ہیں۔ یہ ہمارا مانگنا بھی تیری مہربانی کی وجہ سے ہے کیونکہ تیری رحمت نہ ہو تو ہم رُجوع ہی نہیں کر سکتے۔ تُو بن مانگے ہمیں پوشیدہ خزانے دیتا ہے۔ جنت میں جانے تک سرورِ کائنات ﷺ کے طفیل ہمیں اسی طرح نوازتا رہ۔

خرگوش کا جانوروں کے پاس خوشخبری لے جانا کہ شیر کنویں میں گر گیا

خرگوش اپنی رہائی پر خوش، اپنی قوم کی طرف بھاگا۔ وہ موت کے پنجے سے چھوٹا تو تالیاں بجاتا ہوا اور رقص کرتا ہوا آیا۔ ہر پھل اور پتا اور شاخیں، درخت کی صورت زمین کی قید سے آزادی پر، بغیر زبان کے اللہ کے شکر اور اُس کی تسبیح کا راگ گاتے ہیں کہ عطا کرنے والے نے ہماری جڑ کی پرورش کی حتیٰ کہ ایک موٹا

سجدہ گاہ جملہ است آنجا خُداست وہ سب کی سجدہ گاہ ہے کیونکہ وہاں خُدا ہے	مسجدے کاں اندرونِ اولیاست اولیاء اللہ کے اندر جو مسجد ہوتی ہے

درخت بن گیا اور سیدھا کھڑا ہو گیا۔

پانی اور مٹی میں مقید جانیں جب پانی اور مٹی کی قید سے خوشی سے رہا کی جاتی ہیں تو اللہ کے عشق کی ہوا میں ناچتی ہیں۔ اُن کے جسم رقص کرتے ہیں اور جانوں کے متعلق نہ پوچھ اور جو لوگ مجسّم جان (رُوح) بن جاتے ہیں۔ اُن کے بارے میں بھی نہ پوچھ۔ شیر کے لیے شرمناک ہے کہ وہ خرگوش سے عاجز آ جائے۔ تُو خود بھی ایسے ہی ننگ میں مبتلا ہے اور پھر تُو چاہتا ہے کہ تجھے فخرِ دین کا لقب دیا جائے۔ اے انسان! تُو زمانے کے اس کنویں میں شیر کی طرح اور تیرا نفس خرگوش کی طرح ہے جو تیرا خون چوس رہا ہے۔ تیرا خرگوش صفت نفس مزے سے چرنے میں مشغول ہے اور تُو کنویں کی گہرائی میں گرتا جا رہا ہے۔

شکاروں کا خرگوش کے پاس جمع ہونا، اُس کی تعریف کرنا اور خرگوش کی شکاروں کو نصیحت "دُشمن کے مرنے پر خوش نہ ہونا"

سب جانور خرگوش کے گرد جمع ہو گئے اور وہ شمع کی طرح اُن کے درمیان بیٹھا تھا۔ وہ اُس سے پوچھ رہے تھے کہ یہ کارنامہ تُو نے کیسے سرانجام دے دیا؟ اُس نے جواب دیا: دوستو! خدا کی تائید تھی ورنہ خرگوش کی اس دُنیا میں کیا حیثیت ہے۔ اُس نے مجھے قوت عطا فرمائی اور دل کو نور دیا اور دل کے نور نے ہاتھوں اور پیروں کو طاقت دی۔

فضیلتیں اللہ کی طرف سے ملتی ہیں پھر اُسی کی جانب سے تبدیلیاں ہو جاتی ہیں۔ اس لیے اُس کے فضل پر جان اور دل سے سجدہ بجالاؤ۔ بار بار اللہ اہلِ مشاہدہ تک یہ بات پہنچاتا رہتا ہے کہ خبردار! زیادہ خوش نہ ہو تُو بھی اپنی باری سے وابستہ ہے۔ ہاں جس کی سلطنت باری سے بالاتر قائم کی جاتی ہے وہ دائمی دَور کے ساتھ رُوح کے ساتھی ہوتے ہیں۔ یہ دُنیا ایک ساعت کے لیے ہے جس نے اِس کو چھوڑ دیا وہ راحت میں ہے۔ اِسے چھوڑ دے اور اس کے بعد بقا کا پیالہ پی۔ اِس مُردار کو کتوں کے لیے چھوڑ دے اور غرور کے شیشے کو چورا چورا کر دے۔

ہم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف لوٹتے ہیں

اے بزرگو! ہم نے باہر کے دُشمن کو مارا ڈالا لیکن اُس سے زیادہ بدتر دُشمن باطن میں بچا رہ گیا۔ اِس دُشمن کو مارنا عقل و ہوش کا کام نہیں ہے۔ باطن کا شیر خرگوش کے قابو کا نہیں ہے۔ یہ نفس، دوزخ ہے اور دوزخ، اژدہا کی مانند ہے کہ وہ دریاؤں سے بھی نہیں بھرتا۔ سات سمندر پی لے پھر بھی اس کی سوزش کم نہ ہو۔ اِس دوزخ میں پتھر اور سنگدل انسان ذلیل ہو کر داخل ہوں گے۔

اولیاء را درون ہم نغمہاست
اُولیاء کے باطن میں نغمے ہیں

طالباں را زاں حیاتِ بے بہاست
اُن سے طالبوں کو انمول زندگی حاصل ہوتی ہے

وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ''جہنم کی خوراک انسان اور پتھر ہوں گے'' اللہ فرمائے گا: هَلِ امْتَلَئْتِ '' کیا تیرا پیٹ بھر گیا'' وہ کہے گی هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ یعنی اور لاؤ۔ پھر اللہ تعالیٰ لامکاں سے اُس پر قدم رکھ دے گا۔ اور وہ کُن سے ساکن ہو جائے گی۔

اللہ کے سوا کون ہے جو اِس کمان کو کھینچے۔ کمان میں سیدھا تیر ہی رکھتے ہیں۔ تیرے سارے تیر ٹیڑھے ہیں۔ تُو تیر کی طرح سیدھا ہو جا اور اللہ کی کمان سے چھوٹ جا۔ اب ہمیں باطنی جنگ کی طرف متوجہ ہونا ہے اور نبی ﷺ کے سہارے جہادِ اکبر میں لگے ہیں۔ خدا سے میں سمندر کو چاک کر دینے والی قوت چاہتا ہوں۔ دوسروں کو چیر نے پھاڑنے والا شیر بننا آسان ہے۔ شیر دراصل وہی ہے جو خود کو شکست دے دے تا کہ اللہ کی مدد سے اللہ کا شیر بن جائے اور نفس اور اُس کے فرعون سے نجات پائے۔

قیصرِ روم کے ایلچی کا پیغام لے کر امیر المومنین حضرت عمرؓ کے پاس آنا اور اُن کو کھجور کے درخت کے نیچے سوتا ہوا پانا

روم کے بادشاہ (قیصرِ روم) کا ایک ایلچی حضرت عمرؓ کے پاس آیا۔ لوگوں سے پوچھا کہ خلیفہ کا محل کہاں ہے؟ تا کہ میں اپنا گھوڑا اور سامان وہاں لے جاؤں۔ لوگوں نے کہا: اُس کا کوئی محل نہیں ہے۔ اُس کا محل تو اُس کی روشن جان ہے۔ گرچہ وہ سردار ہے لیکن فقیروں جیسی جھونپڑی میں رہتا ہے۔ تُو اُس کا محل نہیں دیکھ سکتا کیونکہ تیری آنکھوں میں پڑبال ہے۔ دل کی آنکھ کو پڑبال سے صاف کر لے تو اُس کے محل کو دیکھنے کی تمنا کر۔ جس کی جان ہوس سے پاک ہو وہ اُس محل کو دیکھ سکتا ہے۔

جب حضرت محمد ﷺ آگ اور دھوئیں سے پاک ہو گئے تو جس طرف رُخ کیا خدا کی ذات تھی۔ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ''تم جدھر کو رُخ کرو گے وہاں اللہ کی ذات موجود ہے'' جو وسوسہ کا دوست ہے وہ اللہ کی ذات کو کب دیکھ سکتا ہے؟ لوگوں کے درمیان اللہ اس طرح روشن ہے جیسا ستاروں میں چاند' اگر تو نہیں دیکھتا ہے تو یہ دُنیا تو معدُوم نہیں ہے۔ اپنے نفس کی انگلی کو آنکھ پر سے ہٹا لے پھر تُو جو کچھ چاہتا ہے دیکھ۔ حضرت نوح علیہ السلام نے قوم کو اللہ کی دعوت دی تو اُنہوں نے اپنے کانوں میں اُنگلیاں ٹھونس لیں اور اپنے اُوپر کپڑے اوڑھ لیے۔ اُنہوں نے فرمایا: تم نے خود دیکھنے اور سننے کے راستے بند کر لیے ہیں۔ آدمی تو بینائی ہے' باقی کھال ہے۔ دید تو دراصل محبوب کی دید ہے۔ دوست کا دیدار نہ ہو تو پھر اندھا ہونا اچھا ہے اور جو دوست باقی رہنے والا نہ ہو اُس کا دُور رہنا ہی بہتر ہے۔ لوگوں سے

نشنود آں نغمہا را گوشِ حس — کز ستمہا گوشِ حس باشد نجس
اُن نغموں کو حسّی کان نہیں سُنتے ہیں — اسلئے کہ (دُنیا کی) باتوں سے حسّی کان ناپاک ہو جاتے ہیں

ایسی باتیں سنیں تو ایلچی اور زیادہ مشتاق ہو گیا۔ سوچنے لگا' ایسا آدمی بھی دُنیا میں ہو گا کہ جو جسم میں جان کی طرح دُنیا سے پوشیدہ ہے۔

ایک بدو عورت نے اُس اجنبی کو دیکھ کر کہا کہ حضرت عُمر رضی اللہ عنہ اُس کھجور کے درخت کے نیچے ہیں۔ تُو اُس درخت کے نیچے مخلوق سے جدا' خدا کے سایہ کو سایہ میں سوتا دیکھ۔ وہ اُس جگہ آیا اور دُور کھڑا ہو گیا اور حضرت عُمر رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر کپکپی میں مبتلا ہو گیا اور اُس پر اللہ کی طرف سے ایک اچھی حالت طاری ہو گئی۔ محبت اور ہیبت دونوں ضدوں کو اُس نے اپنے جگر میں جمع دیکھا۔ اپنے آپ سے کہا: میں نے بڑے بڑے بادشاہوں کے دربار دیکھے ہیں لیکن اس شخص کی ہیبت نے میرے حواس گم کر دیئے ہیں۔ میں بڑے بڑے شکاری جانوروں سے لڑا ہوں۔ شیر کی طرح جنگوں میں لڑا ہوں۔ بہت سے زخم کھائے اور لگائے لیکن میرا دل ہمیشہ قوی رہا۔ یہ شخص بغیر ہتھیار کے زمین پر سویا پڑا ہے لیکن میں لرز رہا ہوں۔ یہ کیا بات ہے؟ یہ کسی مخلوق کی ہیبت نہیں ہے بلکہ خدا کی ہیبت ہے۔ جو شخص اللہ سے ڈرا اور جس نے تقویٰ اختیار کیا' اُس سے جن اور انسان ڈرتے ہیں۔ ایک گھنٹہ انتظار کے بعد حضرت عُمر رضی اللہ عنہ اُٹھے۔ اُس نے اُن کو سلام کیا اور تعظیم دی۔ اُنہوں نے اُسے پاس بلایا اور مطمئن کیا۔ اُس کے دل کا ڈر جاتا رہا۔ اُس گھبرائے ہوئے کو اُنہوں نے خوش کر دیا۔

امیر المومنین حضرت عُمر رضی اللہ عنہ کی ایلچی سے بات چیت اور اُس کا سوال کرنا

اس کے بعد اُنہوں نے اُس سے باریک باتیں کیں جو کہ اللہ پاک کی صفات کے بارے میں تھیں اور اولیاء رحمہم اللہ پر اللہ تعالیٰ کی نوازشوں کے بارے میں تاکہ وہ حال اور مقام کو سمجھ سکے۔

حال گویا ایک حسین دلہن کا جلوہ ہے اور مقام دلہن کے ساتھ خلوت۔ جلوہ تو شاہ و غلام سب دیکھتے ہیں لیکن خلوت میں بادشاہ کے سوا کوئی نہیں ہوتا۔ صوفیوں میں اہلِ حال بہت ہوتے ہیں لیکن صاحبِ مقام کم ہیں۔ اُنہوں نے اُس کو جان (رُوح) کی منزلیں بتائیں اور اس کے سفر یاد دلائے۔ اُس زمانہ کی یاد دلائی جو قیدِ زمان سے خالی تھا اور اس مقامِ قدس کی جو جلالی تھا اور اُس نورانی ہوا کی جس میں رُوح ایک پرندکی طرح پرواز کرتی تھی۔ جب حضرت عُمر رضی اللہ عنہ نے ایلچی کی طبیعت کو اَسرار کا طالب پایا اور معلوم کیا کہ وہ استعداد رکھتا ہے تو پاک بیج' پاک زمین میں بو دیا۔

ایلچی نے پوچھا کہ رُوح عالَمِ بالا سے زمین پر کیوں آ گئی اور لاتعداد پرندے پنجرے میں کیسے آ گئے؟ اُنہوں نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے رُوح پر افسوں اور افسانے پڑھ دیئے۔ وہ معدوم جو آنکھ اور کان نہیں رکھتے جب اُن پر افسوں پڑھا جاتا ہے تو وہ جوش میں آ جاتے ہیں اور معدوم چیزیں وجود کی جانب قلابازیاں کھاتی ہوئی جاتی ہیں۔ پھر

طالبِ حکمت شو از مردِ حکیم
مردِ دانا سے، دانائی کا طالب بن جا

تا ازو گردی تو بینا و علیم
تاکہ تُو اُس سے صاحبِ بصیرت اور عالم بنے

جب موجود پر اُس نے افسوں پڑھا تو اُس کو عدم میں تیز دوڑا دیا۔ جسم کو کوئی آیت سُنا دی تو وہ جان بن گیا۔ سورج سے کہا، تو وہ چمکدار بن گیا۔ پھر اُس کے کان میں خوفناک بات کی تو اُس پر گرہن ہو گیا۔ پھول کے کان میں کچھ کہا تو وہ شگفتہ ہو گیا۔ لعل سے کچھ کہا تو وہ چمکدار بن گیا۔ معلوم نہیں زمین کے کان میں کیا کہا کہ وہ منتظر اور خاموش ہو گئی ہے۔ اُس بولنے والے نے اَبر کے کان میں نہ جانے کیا کہہ دیا کہ وہ مشک کی طرح آنکھ سے پانی بہاتا ہے۔

جو شخص تردّد میں گرفتار ہے اللہ نے اُس کے کان میں کوئی مُعمّا ڈال دیا ہے تاکہ اُسے دو گمانوں میں مبتلا کر دے کہ یہ کروں یا وہ کروں لیکن پھر اللہ کی طرف سے ایک جانب کا رُجحان پاتا ہے تو اُس طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ اگر تُو اپنی جان کے ہوش کو تردّد میں مبتلا نہیں کرنا چاہتا تو وسوسہ کی روئی کو اپنے کان سے نکال دے تاکہ آسمان سے تیرے کان میں آواز آئے۔ اِس طرح تیری جان کا کان وحی کی جگہ بن جاتا ہے۔ وحی کیا ہے؟ ایک پوشیدہ حس کی گفتگو ہے۔ جان کے کان اور آنکھ اِس حس کے علاوہ ہیں اور عقل کا کان اور گمان کی آنکھ اِس سے خالی ہیں۔ یاد رکھو! یہ حالت جبر نہیں ہے۔ یہ اللہ سے معیت ہے۔ یاد رکھو! جبر کو صرف وہی پہچان سکتے ہیں جن کے دل کی آنکھ خدا نے کھول دی ہے۔ غیب اور آنیوالی چیزیں اُن پر منکشف ہو گئی ہیں۔ اُن کا اختیار اور جبر دوسرا ہی ہے۔ اِن لوگوں کی طبیعت ہرن کا نافہ ہے۔ باہر خون ہے لیکن اندر مشک ہے۔ اختیار اور جبر جب تجھ میں تھا تو ایک خیال تھا۔ جب اُن میں پہنچا تو نورِ جلال بن گیا۔ روٹی جب تک دسترخوان پر ہے بے رُوح ہے، انسان کے جسم میں پہنچ کر وہ بشاش رُوح بن جاتی ہے۔ رُوح اُس کو سلسبیل کے ذریعے متغیر کرتی ہے۔ اب دیکھ کہ یہ رُوح کی طاقت ہے تو "رُوح کی رُوح" کی کیا طاقت ہو گی؟ روٹی ہمارے بدن کی غذا ہے۔ اُس رُوح کی غذا کیا ہو گی؟ آدمی جو گوشت کا ایک ٹکڑا ہے، جان کے زور سے پہاڑ، سمندر اور کان پھاڑ دیتا ہے لیکن جان کی جان کا زور وَانْشَقَّ الْقَمَرُ (چاند پھٹ گیا) ہے۔ اِس لیے اگر دل راز کو کھول دے تو جان عرش کی جانب دوڑ جائے۔

حضرت آدم علیہ السلام کا اپنی لغزش کو اپنی طرف اور شیطان کا اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا

یعنی رَبَّنَا ظَلَمْنَا (اے ہمارے رب! ہم نے ظلم کیا) اور رَبِّ بِمَآ اَغْوَیْتَنِیْ (اے میرے رب! مجھے تو نے کیوں گمراہ کیا) میں فرق کا بیان۔ اللہ کے فعل اور ہمارے فعل، دونوں کو دیکھ۔ ہمارے فعل کو موجود سمجھ کیونکہ اگر مخلوق کا فعل موجود نہ ہوتو ہم کسی کو کیوں کہیں کہ تُو نے ایسا کیوں کیا؟ اللہ کی آفرینش ہمارے جملہ افعال کی موجد ہے لیکن ہمارا یہ فعل ہمارے اختیار میں ہے لیکن اُن کی جزا کبھی

منبعِ حکمت شود حکمت طلب
دانائی کا طالب، دانائی کا چشمہ بن جاتا ہے

فارغ آید اُو ز تحصیل و سبب
وہ تحصیلِ علم اور سببِ ظاہری سے بے نیاز ہو جاتا ہے

سانپ ہے اور کبھی دوست۔ کیونکہ بولنے والا یا لفظوں کو دیکھتا ہے یا مطلب کو' اگر وہ معنیٰ کی طرف گیا تو حروف سے غافل ہوا کیونکہ کوئی آنکھ ایک ہی وقت میں آگے اور پیچھے کب دیکھ سکتی ہے؟ جب ایک جان حروف اور معنیٰ پر حاوی نہیں ہو سکتی' تو جان دونوں کی خالق کیسے ہو سکتی ہے؟

لیکن اے بیٹا! اللہ سب پر حاوی ہے۔ اُس کو ایک کام دوسرے سے نہیں روکتا۔ انسان اپنے اَحوال کا خود خالق نہیں ہے بلکہ انسان کے تمام اَفعال کا خالق بھی اللہ ہی ہے۔ اِس لیے کہ خالق کا اپنی مخلوق پر علمی احاطہ ہونا ضروری ہے ورنہ وہ اُسے پیدا ہی نہ کر سکے گا۔ چونکہ انسان کو اپنے اَفعال کی حقیقت کا علم مکمل طور پر نہیں ہوتا اِس لیے وہ اپنے اَفعال کا خالق بھی قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اللہ کے قول ''کُن'' نے ہماری جان کو مست کر دیا ہے اور جس کو اُس نے پیدا کیا ہے وہ اُس کو کیوں نہ جانے گا؟

شیطان نے کہا: تُو نے مجھے کیوں گمراہ کیا؟ اُس نے اپنے فعل کو چھپا لیا۔ آدم علیہ السلام نے کہا: ''ہم نے اپنے اُوپر ظلم کیا''۔ وہ ہماری طرح اپنے فعل سے غافل نہ تھے۔ اُنہوں نے ادب کی وجہ سے اللہ کے فعل کو چھپا دیا اور اپنے اُوپر گناہ لے لینے سے اُنہوں نے پھل کھایا۔ توبہ کے بعد اُس نے پوچھا: اے آدم! کیا وہ جرم اور مصیبتیں جو تُو نے اُٹھائیں میں نے پیدا نہیں کی تھیں؟ کیا وہ میری تقدیر اور قضا نہ تھی۔ تُو نے عذر کے وقت اُس کو کیوں چُھپایا؟ حضرت آدم علیہ السلام نے کہا: میں ڈرا اور ادب کو نہ چھوڑا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''میں نے بھی تیرے لیے اس کا لحاظ رکھا''۔ سچ ہے جو شخص تعظیم کرتا ہے عزت پاتا ہے۔ پاک چیزیں' پاک لوگوں کے لیے ہیں۔ ہر موقع پر اُس کا شکر ادا کرے گا اور اُسے خوش رکھے گا تو پھر دیکھ وہ کیا کرتا ہے۔

جبر کو اختیار سے جدا سمجھنے کے لیے ایک مثال سُن۔ ایک وہ ہاتھ ہے جو رَعشہ کی وجہ سے خود بخود ہل رہا ہے اور ایک ہاتھ کو تُو خود ہلا رہا ہے۔ دونوں حرکتوں کو اللہ کی پیدا کردہ سمجھ لیکن اثرات مختلف ہیں۔ جس کو تُو ہلا رہا ہے' اِس سے تُو شرمندہ ہے لیکن رَعشہ والا کبھی شرمندہ نہیں ہوتا۔ یہ عقلی بحث ہے اور عقل حیلہ گر ہے۔ عقلی بحث اپنی جگہ اہمیت رکھتی ہے لیکن رُوحانی بحث دوسری ہی چیز ہے۔ جس زمانے میں عقلی بحث مہیا تھی' حضرت عمر رضی اللہ عنہ' ابوجہل کے ہمراز تھے۔ عمر رضی اللہ عنہ جب عقل سے رُوح کی طرف آئے' اُن کی بحث میں ابوالحکم' ابوجہل بن گیا۔ عقل اور حواس کے اِعتبار سے وہ پورا ہے' اگرچہ رُوح کے اِعتبار سے وہ جاہل ہے۔ رُوحانی بحث یا عجیب ہے' یا اُس سے بھی بڑھ کر اِس لیے کہ وہ بینا جس کی روشنی چمک رہی ہے لاٹھی اور لاٹھی پکڑنے والے سے بے نیاز ہے۔

مرتبہ اِنساں بدستِ اَولیا اِنسان کا مرتبہ اولیاء کے ہاتھ میں ہے	**سُغبہ چُوں حیواں شناش اے کیا** فرماں بردار حیواں کی طرح سمجھ' اے عقلمند!

وَہُوَ مَعَکُمْ اَیْنَمَا کُنْتُمْ ”وہ تمہارے ساتھ ہے جہاں بھی تم ہو“

ہم پھر قصہ کی طرف لوٹتے ہیں لیکن ہم اِس قصہ سے باہر ہی کب تھے۔ اگر ہم جہل میں مبتلا ہیں تو وہ اللہ کا قید خانہ ہے۔ اگر علم سے بہرہ ور ہیں تو یہ اُس کا محل ہے۔ اگر سو جائیں تو یہ اُس ہی کی مستی ہے۔ اگر بیدار ہیں تو اُسی کے داستان گو ہیں۔ اگر روئیں تو اُس کا صاف پانی بھرا ابر ہیں۔ اگر غصہ اور لڑائی میں ہیں تو اُس کا قہر ہیں اور اگر صلح و معذرت میں ہیں تو اُس کی مہر کا پرتو ہیں۔ اِس پیچ در پیچ دُنیا میں ہم پھر کیا ہیں؟ ہم الف کی طرح ہیں، جس کے پاس کچھ نہیں ہے۔ اگر تُو الف کی طرح خالی ہو جائے تو اِس راستہ کا یگانہ انسان بن جائے۔ کوشش کر کہ اِس فانی دُنیا کی اشیاء سے دل کو ہٹا لے۔ اِس بات کو یہیں ختم کر دیں کہ انسان کی تمام صفات دراصل اللہ کی مختلف صفات کا مظہر ہی تو ہیں۔ آؤ روم کے ایلچی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بات کریں۔

ایلچی کا امیر المومنین سے رُوحوں کے اِس آب وگل کے جسم میں مُبتلا ہونے کا سبب پُوچھنا

تمام باتوں کے بعد ایلچی کے دل میں روشنی پیدا ہو گئی۔ اُس نے اصل کو معلوم کر لیا اور فروع کو چھوڑ دیا اور حکمت کی بات پوچھی کہ رُوح جیسی مُصفّٰی چیز کو جسموں میں قید کرنے میں کیا حکمت ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: انسان معنیٰ اور آواز جیسی آزاد چیزوں کو لفظوں میں قید کر دیتا ہے تو اِس میں اُس کی کوئی نہ کوئی حکمت ہوتی ہے۔ تو جو ذات خود فائدوں کی خالق ہے تو اُس کے افعال میں بھی ضرور حکمت ہے۔ رُوح کو قید کرنے کے لاکھوں فائدے ہیں اور اُن میں سے ہر ایک ہمارے لاکھ فائدوں سے بہتر ہے۔ اگر انسان کا کلام فائدے سے خالی نہیں، جو کہ جُز ہے، تو کُل کے کُن کہنے کا کلام فائدے سے خالی کیسے ہوگا؟ بولنے سے اگر فائدہ نہ ہو تو بولنا چھوڑ دے اور اگر ہو تو اعتراض چھوڑ دے اور شکر گزار بن جا۔ غیر مُفید سوال کرنا دُرست نہیں ہوتا اور مُفید سوال بھی اعتراض کی صورت میں نہیں بلکہ شکر گوئی کے طریقے پر ہونا چاہیے۔ کیونکہ انسانوں کا شکر گزار ہی اللہ کا شُکر گزار ہوتا ہے اور دراصل انسان کا شکر گزار ہونا اللہ کا شکر گزار ہونا ہے۔

حدیث ”مَنْ اَرَادَ اَنْ یَجْلِسَ مَعَ اللّٰہِ فَلْیَجْلِسْ مَعَ اَھْلِ التَّصَوُّفِ“ جو اللہ کے ساتھ بیٹھنے کا قصد کرے، وہ اہلِ تصوف کے ساتھ بیٹھے

اِس جگہ پہنچ کر ایلچی، شاہ بن گیا اور اللہ کی قدرت پر فریفتہ ہو گیا۔ نہ اُس کو سفارت یاد رہی اور نہ پیغام۔ قطرہ فنا ہو کر سیلاب بن گیا۔ روٹی کا تعلق جب آدم علیہ السلام سے ہوا مردہ روٹی زندہ اور باخبر ہو گئی۔ بہت ہی قابلِ مبارک باد

عقلِ عقلند اَولیا و عقلہا | بر مثالِ اُشتراں تا اِنتہا
اَولیا عقل کی عقل ہیں اور سب عقلیں | آخیر تک اونٹوں کے کاروان کی طرح ہیں

ہے وہ شخص جو خودی سے نکل گیا اور کسی زندہ کے وجود سے وابستہ ہو گیا۔ افسوس ہے اُس زندہ پر جو کسی مردہ کا ہم نشین ہوا۔

جب تُو سچے قرآن کی پناہ میں آ گیا تو گویا انبیاء علیہم السلام کی رُوح سے گھل مل گیا۔ قرآن میں انبیاء علیہم السلام کے حالات ہیں' جو اللہ کے پاک دریا کی مچھلیاں ہیں۔ اگر تُو صرف پڑھتا ہے اور عمل نہیں کرتا تو اُسے انبیاء علیہم السلام اور اولیاء رحمہم اللہ کا دیدار سمجھ۔ اگر تُو عمل کرے گا تو جب اُن کے قصے پڑھے گا تو تیری جان کا پرندہ پنجرے میں تنگ آ جائے گا۔ وہ پرندہ نادان ہے کہ جو قید ہو اور چھٹکارا نہ چاہے۔ جو رُوحیں پنجرہ سے آزاد ہو گئی ہیں' انبیاء علیہم السلام اور شائستہ مُرشد ہیں۔ باہر کی دُنیا سے اُن کی آوازیں آ رہی ہیں کہ تیرے چھٹکارے کا راستہ یہی ہے' یہی ہے۔ اس پنجرے سے رہائی چاہتا ہے تو اپنے آپ کو رنجور اور زار و نزار بنا لے تاکہ شہرت سے نکل آئے۔ مخلوق کی شہرت ایک مضبوط بیڑی ہے اور راستے کو طے کرنے کے لیے یہ لوہے کی بیڑی سے کم نہیں ہے۔

سوداگر جو بغرضِ تجارت ہندوستان جا رہا تھا اور ایک قیدی طوطی کا ہندوستان کی طوطیوں کو پیغام بھیجنا

ایک سوداگر کے پاس ایک طوطی تھی جو کہ پنجرے میں قید تھی۔ ایک دفعہ سوداگر نے ہندوستان جانے کا قصد کیا اور گھر میں سے ہر ایک سے پوچھا کہ واپسی پر اُس کے لیے کیا لائے؟ ہر ایک نے اپنی خواہش ظاہر کی۔ اُس نے طوطی سے بھی پوچھا کہ کیا سوغات چاہتی ہے؟ تو طوطی نے کہا کہ وہاں میری ساتھی طوطیاں ہوں گی' اُن کو میرا حال بیان کر دینا کہ وہ طوطی تمہیں ملنے کے لیے مُشتاق ہے اور قید سے رہائی کی تدبیر اور رہنمائی چاہتی ہے۔ اگر مجھ سے کوئی کوتاہی ہوئی ہے تو کیا بُرے کے ساتھ بُرا سلوک کرنا چاہیے؟ پھر تم میں اور مجھ میں فرق کیا رہا۔

اے الٰہی! جو سلوک غصہ میں تُو ہم سے کرتا ہے وہ سارنگی کی آواز سے زیادہ خوشگوار ہے۔ تیرا بظاہر ظلم دُنیا کی دولت سے بہتر ہے۔ تیرے ظلم میں بھی شیرینیاں اور لطافت ہے' جو ہر ایک نہیں پہچان سکتا۔ اگر تیرے ظلم کی حقیقت کا انکشاف ہو جائے تو عالم اگر رو رہا ہو تو خوشی سے ہنسنے لگے۔ طوطی نے کہا کہ میں اللہ کے قہر اور مہربانی پر عاشق ہوں۔ اس لیے کہ میرا عشق اِن دونوں مخالف چیزوں کے منبع سے ہے۔ عشق کیوں نہ ہو کیونکہ اس کے بغیر چارہ ہی نہیں ہے۔ عشق کی وجہ سے محبوب کی طرف سے آنے والی سب ناگواریاں عاشق کو گوارہ ہوتی ہیں۔ اس لیے وہ کل کا عاشق ہے اور خود اُسی کا جز ہے گویا اپنے آپ پر ہی عاشق ہے۔

آنچہ تو در آئینہ بینی عیاں | پیر اندر خشت بیند پیش ازاں
تُو جو کچھ آئینے میں ظاہر دیکھتا ہے | پیر پتھر میں سے اُس سے پہلے دیکھ لیتا ہے

عقولِ الٰہی کے پَردار پرندوں کا ذِکر

جان کی طوطی کا بھی یہی حال ہے۔ وہ کہاں ہے جو اُن پرندوں کا محرم ہو؟ جب ایسی رُوح دردِ فراق سے نالاں ہوتی ہے تو ساتوں آسمانوں میں شور مچ جاتا ہے۔ ایسی رُوح سے اللہ تعالیٰ کے نامہ و پیام جاری رہتے ہیں۔ وہ ایک بار ''یا رَبّ'' کہتی ہے تو جنابِ باری کی طرف سے ساٹھ بار لبیک کی صدا آتی ہے۔ اُس کی لغزش خدا کے نزدیک اُس کی اطاعت سے بہتر ہوتی ہے۔ اُس کا کفر ایمان سے بڑھ کر ہوتا ہے۔ اُس کا جسم زمین پر لیکن رُوح لامکان میں ہوتی ہے۔ وہ لامکان جو سالکوں کے تصور سے بالا ہوتا ہے۔ بہتر یہی ہے کہ دَم نہ ماریں اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

سوداگر کا جنگل میں طوطیوں کو دیکھنا اور پیغام پہنچانا

سوداگر نے یہ پیغام قبول کرلیا اور وہ ہندوستان میں پہنچا تو جنگل میں اُس نے چند طوطیوں کو دیکھا اور اُن تک امانت پہنچادی۔ پیغام سُنتے ہی اُن میں سے ایک طوطی کانپنے لگی۔ گری اور دَم توڑ دیا۔ سوداگر بہت پریشان ہوا کہ بلاوجہ ایک پرندے کی ہلاکت کا باعث بنا۔ اُسے اپنی زبان پر بہت افسوس ہوا کہ اُسے نقل یا شیخی کے طور پر استعمال نہیں کرنا چاہیے کیونکہ لفظ کے منہ سے نکلنے سے کبھی کبھی بہت نقصان ہوسکتا ہے۔

توحید کو تاریک دل عوام کے سامنے بیان کرنا تباہی اور بربادی کا سبب بنتا ہے۔ دل کے اندھوں کے آگے اسرار کی باتیں بیان کرنے سے بھی فساد کا خطرہ ہوتا ہے۔ کبھی کبھی ایک بات جہان کو ویرانہ بنا دیتی ہے اور کبھی لومڑیوں کو شیر بنا دیتی ہے۔ رُوحیں اپنی اصل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسا دَم رکھتی ہیں۔ وہ ایک وقت میں زخم اور دوسرے میں مرہم بن جاتی ہیں۔ اگر تُو شکر جیسی بات بھی کہنا چاہتا ہے تو پھر بھی صبر کر۔ عقل مندوں کو صبر مرغوب ہوتا ہے۔ جو بات کرنے کے معاملے میں صبر اختیار کرتا ہے آسمان سے بلند ہوجاتا ہے۔

شیخ فریدالدین عطار قدس سرہٗ کے قول کی تفسیر

اے عقل مند! تو صاحبِ دل ہے۔ تُو درجۂ کمال پر پہنچ جانے کی وجہ سے زہر بھی کھائے گا تو وہ تیرے لیے شہد ہے۔ صاحبِ دل کسی مُضر چیز سے نقصان نہیں اُٹھا سکتا۔ اس لیے کہ وہ نقائص سے صحت یاب ہوچکا ہے اور پرہیز سے نجات پاگیا ہے۔ لیکن اِس راہ کا طالب ابھی بخار میں مبتلا ہے۔ اُسے صبر کرکے اپنے مراتب اور بلند کرنا ہیں۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے گستاخ! کسی مُرشد کی کبھی برابری مت کر کیونکہ اگر مُرشد سے جھگڑا کرے گا تو تیرا نقصان ہوجائے گا۔ اگر تُو نمرود ہے تو آگ میں نہ جا اور اگر جانا چاہتا ہے تو پہلے ابراہیم علیہ السلام بن۔ اگر تُو تیراک نہیں ہے تو

پیر ایشانند کایں عالم نبود
وہ اُس وقت بھی پیر ہیں جبکہ یہ عالم بھی نہیں تھا

جانِ ایشاں بود در دریائے جود
اُن کی رُوحیں پہلے سے دریائے حق میں موجود تھیں

اپنے آپ کو پانی میں مت ڈال۔ ایک مردِ کامل، ناقص چیزوں سے بھی نفع حاصل کر سکتا ہے۔ وہ اگر خاک لے لے تو سونا ہو جائے اور ناقص سونے کو خاک بنا دیتا ہے۔ سچا انسان چونکہ اللہ کا مقبول ہوتا ہے اُس کے کاموں میں اُس کا ہاتھ خدا کا ہاتھ ہے۔ ناقص کا ہاتھ دھوکے اور مکر کے جال میں ہوگا۔ بیمار انسان جو بھی لیتا ہے، بیماری پیدا ہوتی ہے۔ کامل انسان بظاہر کفر کی بات کرتا ہے تو دین بن جاتا ہے۔ اِس لیے کامل کے ساتھ معاملہ کرنے میں ہوش سے کام لے۔

جادوگروں کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تعظیم کرنا کہ پہلے آپ لاٹھی ڈالیئے

فرعون لعین کے زمانے میں جادوگروں نے کینہ پروری کی وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جھگڑا کیا لیکن انہوں نے اُن کو معزز مان کر کہا کہ آپ پہلے عصا ڈالیں۔ دین کی اِس تعظیم نے جادوگروں کو خرید لیا اور جب اُن کے مرتبے کو پہچان لیا تو اس جرم میں اپنے ہاتھ پیر کٹوا بیٹھے۔ لقمہ اور نکتہ، کامل کے لیے حلال ہے۔ تُو کامل نہیں ہے نہ کھا۔ یعنی دعویٰ نہ کر گونگا بن جا اِس لیے صرف سُن۔

بچہ جب دودھ پیتا ہے تو ایک مدت تک کان بن کر چپ رہتا ہے۔ ہر سالک کے لیے ضروری ہے کہ وہ ترکِ لذائذ کرے اور تصوّف کے باریک مسائل پر کلام نہ کرے۔ اُس کے لیے کمال حاصل ہونے تک صرف سُننا ہی چاہیے۔ ہاں جب کامل ہو جاتا ہے تو اُس کا کام تعلیم دینا ہو جاتا ہے۔ اِس راہ میں ایک مدت تک ہونٹ سینے چاہیں اور بات کرنے والوں سے بات سیکھنی چاہیے۔ ہر بولنے کے لیے پہلے سُننا ضروری ہوتا ہے۔ صرف اللہ تعالیٰ ہی کی گویائی سننے سے بے نیاز ہے۔ وہ مُوجد ہے اور کسی اُستاد کے تابع نہیں۔ باقی سب ہر کام میں اُستاد کے تابع اور مثال کے محتاج ہیں۔

اپنے باطن کی تکمیل کا طریقہ یہ ہے کہ علیحدگی اختیار کر کے انکساری اختیار کی جائے۔ حضرت آدم علیہ السلام رونے کے لیے زمین پر آئے۔ اگر تُو آدم علیہ السلام کی پُشت میں سے ہے تو پھر جستجو میں رہ۔ دل کی آگ اور آنکھ کے پانی سے اپنی رُوح کی غذا تیار کر۔ اے نفاست پسند! تو آنسوؤں کا ذوق کیا جانے، تُو ندیدوں کی طرح روٹی کا عاشق ہے۔ اگر تُو جان کے تھیلے کو روٹی سے خالی کر لے تو یہ موتیوں سے بھر جائے۔ جو لقمہ انسان کی جان میں نور اور کمال بڑھاتا ہے، وہ حلال کمائی سے حاصل کیا ہوا ہوتا ہے۔ حلال لقمہ سے علم اور دانائی پیدا ہوتی ہے۔ عشق سے دل کی نرمی پیدا ہوتی ہے۔ جب تُو دیکھے کہ لقمہ سے حسد، مکر، جہل اور غفلت پیدا ہو رہی ہے تو اُس کو حرام سمجھ۔ لقمہ بیج ہے اور اِس کا پھل خیالات ہیں۔ حلال لقمہ کے منہ میں آنے سے عبادت کا رُجحان اور آخرت میں جانے کا پختہ ارادہ پیدا ہوتا ہے۔ اِس سے حضوری حاصل ہوتی ہے۔ دل اور آنکھوں میں نور پیدا ہوتا ہے۔

شاہ آں داں کو ز شاہی فارغ ست
اصل شاہ وہ ہے جو دُنیاوی بادشاہت سے بے نیاز ہے

بر مہ و خورشید نورش بازغ ست
اُس کا نُور، سُورج اور چاند کے نُور پر غالب ہے

سوداگر کا طوطی کو بتانا کہ اُس نے ہندوستان میں کیا دیکھا

سوداگر نے واپسی پر ہر ایک کی سوغات اُس کے حوالے کی۔ طوطی نے کہا: میرا تحفہ کہاں ہے؟ وہ بولا کہ تمہارا پیغام دے کر میں اب تک پچھتا رہا ہوں۔ اُس نے پوچھا: کس بات سے آپ کو شرمندگی ہوئی؟ وہ بولا: جب میں نے تمہارا پیغام طوطیوں کو سُنایا تو ایک طوطی کو تیرے درد کا احساس زیادہ ہوا۔ وہ اچانک کپکپائی اور مر گئی۔ بعد میں مَیں شرمندہ ہوا کہ میں یہ بات نہ کہتا تو بہتر تھا۔ ناحق طوطی کی جان گئی۔

اچانک بات کا منہ سے نکل جانا بھی ایسے ہی ہے جیسے تیر کمان میں سے نکل جائے۔ ویسے تمام اَسباب بغیر شرکت سب خدا کے پیدا کردہ ہیں' اگرچہ اُن کی نسبت ہماری طرف ہو۔ زید نے عَمرو پر تیر چلایا اور عمرو سال بھر درد سے بے قرار رہا۔ تیر چلانے والا زید مر گیا۔ اگر زید درد کا موجب ہوتا تو اُس کی موت پر درد بھی مر جاتا لیکن ایسا نہیں ہوا۔ ہم درد کو اُس کی طرف منسوب کریں گے' اگرچہ یہ سب اللہ کی کارفرمائی تھی لیکن اللہ کا کوئی دوست جب کبھی اپنے کسی فعل سے شرمندہ ہوتا ہے تو اللہ اُس سبب سے پیدا ہونے والے نتائج کے دروازے بند کر دیتا ہے اور نتائج مرتب نہیں ہوتے۔ اللہ کی جانب سے اولیاء رحمہم اللہ کو قدرت حاصل ہوتی ہے کہ چھوٹے ہوئے تیر واپس آ جائیں۔

اللہ کے قرب کا دروازہ اولیاء رحمہم اللہ پر کھلا ہوتا ہے۔ چونکہ اللہ یاد دلانے اور بھلانے پر قادر ہے اور تمام مخلوق کے دلوں پر حاکم ہے تو خواہ ہُنر موجود ہو' انسان کام نہیں کر سکتا۔ قرآن پاک میں ہے۔ ''تم نے نیک لوگوں کا مذاق اُڑایا تو اُنہوں نے تمہارے دلوں سے میری یاد بھلا دی''۔ دنیاوی بادشاہ جسموں پر حکومت کرتے ہیں اور اولیاء رحمہم اللہ دلوں پر حکمران ہوتے ہیں۔ جیسے جسم میں پُتلی ایک چھوٹی سی چیز ہے لیکن اُس کی بڑائی کا کسی نے پتہ نہ لگایا' اِسی طرح اولیاء رحمہم اللہ بظاہر معمولی انسان ہوتے ہیں لیکن اُن کے کارنامے عظیم ہوتے ہیں۔ وہ دن میں اپنی توجہ کے ذریعے دلوں میں بہترین خیالات پیدا کرتے ہیں اور اُن کے دلوں کو وسواس سے پاک کر دیتے ہیں اور لوگوں کی جبلّات کے مطابق اُن کے اَحوال کا سبب بنتے ہیں۔

طوطی کا اُس طوطی کی حرکت کے سُن کر مر جانا اور مالک کا رونا

جب اِس طوطی نے سُنا کہ اُس طوطی نے کیا کیا' وہ پھڑ پھڑائی' گری اور ٹھنڈی ہوگئی۔ مالک نے جب اُسے اِس طرح پڑا دیکھا تو تڑپ گیا۔ تو روتے ہوئے بولا: اے طوطی! تجھے کیا ہوا؟ اے میری زبان! تُو سراسر میرا نقصان ہے۔ تُو آگ بھی ہے اور خرمن بھی۔ پوشیدہ طور پر ہر ایک جان تجھ سے فریاد کرتی رہتی

مخزن آں دارد کہ مخزن عار اوست وہ ایسا خزانہ رکھتا ہے کہ ظاہری خزانہ اُس کیلئے ذلّت ہے	ہستی آں دارد کہ با ہستی عدوست وہ ایسا وجود رکھتا ہے جو ظاہری وجود کا دشمن ہے

ہے۔ اگرچہ وہ وہی کرتی ہے جو تُو اُسے کہے۔ تُو ایک خزانہ بھی ہے اور لاعلاج مرض بھی۔ دوستوں کی رہبر اور قاصد بھی تُو ہے اور شیطان اور کفر کی تاریکی بھی تُو ہے۔ انسان ہمیشہ رنج کا خوگر ہے ورنہ لَآ اُقْسِمُ پڑھ لے "ہم نے انسان کو رنج اور سختی میں پیدا کیا"۔

ہائے افسوس! دیدار کا خیال ہے لیکن اُس کے لیے اپنے موجود وجود سے جدا ہونا ہے۔ کون سا دل ہے جو اللہ کے سامنے سو ٹکڑے نہیں ہے۔ اللہ نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں تو اُس نے ہمیں اس عالمِ عنصری میں پیدا کیا۔ یہ طوطی دراصل تیرے اندر پوشیدہ ہے (رُوح)۔ تم اُسے اصل حالت میں نہیں دیکھ سکتے' ہاں جو اثرات اس کے ہونے سے جسم پر طاری ہوتے ہیں ہم اُن کو دیکھ سکتے ہیں۔ رُوح کے اُس عکس میں جو ہمیں جسم کی صورت میں نظر آتا ہے' مبتلا ہونا باعثِ رنج ہے لیکن رُوح میں مشغولیت اچھی چیز ہے۔

انسان اپنی حماقت سے تن پروری کے شوق میں اپنی رُوح کو فنا کر ڈالتا ہے۔ جو شخص اپنی رُوح کو فنا کر چکا ہو۔ اُس میں عشق کی آگ نہیں لگتی۔ ایسا شخص تلاش کر جو اس آگ کو قبول کر سکے۔ میں تو صحو کی حالت میں بھی عشق کو بیان نہیں کر سکتا' مستی کی حالت میں کیا بیان کر سکوں گا۔ عشق کی حقیقت کے بیان کے لیے حروف اور آواز کی کوئی حقیقت میں کیا بیان کر سکوں گا۔ عشق کی حقیقت کے بیان کے لیے حروف اور آواز کی کوئی حقیقت نہیں ہے' نہ ہی اِسے کسی زبان سے سمجھایا جا سکتا ہے۔ یہ تو کلامِ لفظی کو چھوڑ کر کلامِ نفسی کے ذریعے ہی بیان کیا جا سکتا ہے۔ یہ اَسرار نہ اللہ نے آدم علیہ السلام سے بیان کئے' نہ ابراہیم علیہ السلام و مسیحا علیہ السلام سے۔ قرآن پاک میں ہے: فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى یعنی "میں نے اپنے محبوب کو وحی کی جو کہ بلاواسطہ جبرائیل علیہ السلام تھی"۔

میں نے اپنی ہستی کو فنا کر دیا ہے اور ذاتِ الٰہی میں ڈوبا ہوا چاہتا ہے کہ اور ڈوب جائے۔ ایسی حالت میں خوشی اور مصیبت میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ جب اطاعت' کمال کو پہنچ جاتی ہے تو آقا اپنے غلام کی ہر بات پر سرِ تسلیم خم کرنے لگتا ہے اور معشوق اپنے عاشقوں سے عشق کرنے لگتا ہے۔ جس نے اپنے مولا کے لیے اپنے کو فنا کر دیا ہوتا ہے تو مولیٰ اُس کے لیے فنا ہو جاتا ہے۔ عاشقِ صادق' معشوق کے دل میں گھر کر لیتا ہے اور اس طرح خود معشوق بن جاتا ہے۔ پھر پانی خود پیاسوں کی تلاش میں پھرتا ہے۔ جب تک تُو اپنے دل کو محبت میں فنا نہیں کر دے گا تو وہ حقیقی دل نہیں ہوگا۔ جب تک تجھے اپنی ذات کا خیال رہے گا تُو دیدار کی خواہش نہ کر۔ جو سستا خریدتا ہے' سستا بیچ دیتا ہے۔ ایک بچہ موتی ایک روٹی کی ٹکیہ کے عوض دے دیتا ہے۔ عشق میں ڈوب جا کیونکہ اِس میں اگلوں' پچھلوں کے عشق بھی ڈوبے ہوئے ہیں۔ عارف'

بندگانِ حق رحیم و بُردبار
اللہ تعالیٰ کے رحیم و بُردبار بندے

خُوئے حق دارند در اِصلاحِ کار
تمام معاملات میں اللہ کی خُو اختیار کر لیتے ہیں

اسرارِ معرفت سے واقفیت کے باوجود اپنے آپ کو لاعلم ظاہر کرتا ہے کیونکہ ہر آدمی کے سامنے وہ مضامین بیان نہیں کئے جا سکتے۔

حکیم سنائی قدس سرہٗ کے قول "غیرت مندی" کی تفسیر

تمام دُنیا اس لئے غیرت مند بنی کہ اللہ پاک خود بے انتہا غیرت مند ہے۔ مخلوق کی غیرت غیرتِ حق کا پرتو ہے۔ وہ جسم میں جان کی طرح ہے اور جسمانی حرکات رُوح کی تابع۔ اسی طرح کائنات کے احوال بھی مشیّتِ باری کے تابع ہیں۔ جس کی توجہ کا مرکز ذاتِ الٰہی خود ہو اس کا ایمان کی طرف جانا اس کے لئے عیب ہے، یہ تو تنزل کی طرف جانا ہوا۔ جو بادشاہ کا ہمنشین ہو اس کا دروازہ پر بیٹھنا افسوس کی بات ہے۔ اعلیٰ مرتبہ چھوڑ کر ادنیٰ مرتبہ اختیار کرنا غیرت کا سبب ہے۔ یہ بھی غیرت کی بات ہے کہ دیدار کا موقع ہو تو اس کو چھوڑ کر خوشبو سونگھنے کو کافی سمجھے۔ اللہ کی غیرت گیہوں اور انسانوں کی بھوسے جیسی ہے۔ میں اس لئے روتا ہوں کہ اس کو رونا اچھا لگتا ہے۔ کڑوے آنسو بہا کر اس کے عاشقوں کے حلقے میں کیوں نہ داخل ہوں۔ حدیثِ قدسی ہے کہ اللہ کو دو قطرے بہت محبوب ہیں ایک وہ جو اللہ کے خوف سے آنکھ سے بہہ نکلے اور ایک شہید کے خون کا پہلا قطرہ۔ میں اپنے رنج اور درد کا عاشق ہوں کیونکہ اس سے میرا شاہ خوش ہوتا ہے۔ وہ آنسو جو محبوب کی یاد میں بہے وہ موتی ہے۔ میرا دل کہتا ہے کہ میں رنجیدہ ہوں۔ میں اس کے اس نفاق پر ہنستا ہوں کیونکہ میں اندر سے خوشی محسوس کرتا ہوں۔ اے خدا! مجھے ناز و کرشمہ نہ دکھا۔ تُو صدرِ مجلس ہے اور میں پامال ہوں، مجھ پر ظلم کرنا تیری شان کے شایاں نہیں۔

اے ذاتِ واحد! تُو "ما و مَن" سے آزاد ہے۔ یہ ممکنات تیرے عارضی تعینات ہیں۔ تُو واحد لطیفہ رُوح ہے جو مرد و زن کے عارضی جسم کو قائم کئے ہوئے ہے۔ جب سب مٹ جائیں گے تو یہ "ما و مَن و تو" ایک جوہر بن جائے گا اور یہی خالص دلبر ہے۔ بے شک تیری ذاتِ واجب الوجود ممکنات کے حجاب میں چھپی ہوئی ہے لیکن میری تمنا یہ ہے کہ بیان و سُخن سے گزر کر تیری ذات کا مشاہدہ کرلوں۔ لیکن یہ تمنا غلط ہے کیونکہ ہماری جسمانی آنکھ تیرا کب مشاہدہ کر سکتی ہے اور جب تک ہم غم اور شادی کے پابند ہیں اور ہم پر مادی عوارض طاری ہیں مشاہدہ ممکن نہیں۔ وہ دل جو طبعی کیفیتوں کا مقید ہے وہ دیدار کیسے کر سکتا ہے؟ یہ مانگی ہوئی اشیاء تو چند روز ہمارے ساتھ رہتی ہیں لیکن مشاہدہ اسی وقت ممکن ہے جب انسان میں لافانی صفات پیدا ہو جائیں۔

اے محبوبِ ازلی! بتا ہماری رُوح کو کب دیدار میسر آئے گا؟ تُو اپنے عاشق سے کیوں بہانے کرتا ہے؟ تُو اس بے

مہرباں بے رشوتاں یاری گراں | مشفقاں و مُستعاں غمخوارگاں
مہربان لوگ بغیر رشوت ہی یاری نبھاتے ہیں | وہ غمخواروں کے ساتھ شفیق اور مددگار ہوتے ہیں

جان جسم کی فریاد سُن لے۔ تُو قیوم ہونے کی بنا پر اس ساری کائنات کی جان ہے اور ہر روز ہر جگہ نئی شان اور نئے حُسن کے ساتھ ظہور کرتا ہے۔ جب اللہ کی عطا مجھے وجد و حال اور مستی میں مبتلا کرتی ہے تو آسمان کی گردش اُس کے آگے ہیچ ہے۔ شراب ہم سے مست ہوئی ہے۔ جسم ہماری وجہ سے پیدا ہوا۔ ہم شہد کی مکھی کی طرح ہیں اور جسم موم کی طرح خانہ خانہ میں بنا ہوا ہے۔

خواجہ سوداگر کی حکایت کی طرف رجوع

خواجہ پریشانی اور غم کی وجہ سے عجیب بہکی بہکی باتیں کر رہا تھا اور ڈوبنے والے کی طرح ہر تنکے کو ہاتھ مارتا تھا کہ کوئی اُس کی دستگیری کرے۔ ایسی پریشان حالی ہی دوست کو پسند ہے۔ سونے سے لاحاصل کوشش بہتر ہے۔ بدوں بیماری کے آہ و زاری جس طرح تعجب کا باعث ہے، اِسی طرح حضرتِ حق کی بے نیازی کے باوجود مشغولیت باعثِ تعجب ہے۔ اے بیٹا! کوشش میں لگے رہو۔ مرتے دم تک کوئی وقت ضرور آئے گا کہ عنایتِ خداوندی ہمراز ہوگی۔ جان کے مالک کے کان اور آنکھیں جھرو کے پر لگی ہوئی ہیں کہ کون مجھے درد سے پکارتا ہے۔

خواجہ کا مُردہ طوطی کو پنجرے سے باہر پھینکنا، اُس کا نصیحت کرنا اور اُڑ جانا

اُس نے طوطی کو پنجرے سے نکال کر باہر پھینکا اور وہ اُڑ کر شاخ پر بیٹھ گئی۔ خواجہ اُس کی اِس حرکت سے حیران ہوگیا اور پوچھا: اُس طوطی نے تجھے کیا سبق سکھا دیا کہ تُو نے تدبیر سے میری آنکھیں بند کر دیں۔ طوطی بولی: اُس نے مجھے سبق دیا کہ بول چال اور خوشی کو ترک کر دے کیونکہ تیری آواز نے تجھے قید میں ڈالا ہے۔ اِس لیے اگر نجات حاصل کرنی ہے تو میری طرح مردہ بن جا۔ دانہ بنے گا تو پرندے چگ لیں گے، کلی بنے گا تو بچے توڑ لیں گے۔

اِس دُنیا میں جس نے اپنے ظاہری حُسن اور کروفر کو بڑھانے کی کوشش کی، سینکڑوں آفتوں نے اُس کی طرف رُخ کیا۔ غصہ، حسد، رشک، شہوت اُس کو اپنی طرف کھینچیں گے۔ دُنیا آخرت کی کھیتی ہے۔ انسانوں سے خلوت اِختیار کر اور اللہ سے دوستی جوڑ۔ اگر تُو اُس کی پناہ حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا تو آگ اور پانی تیرے سپاہی بن جائیں گے جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہوا۔

تو ہم گردن از حُکمِ داور مپیچ
کہ گردن نہ پیچد ز حُکمِ تو ہیچ

آنکہ بدہد بے اُمید و سُود ہا
وہ جو بغیر کسی غرض کے تم کو دیتا ہے

آں خُدایست، آں خُدایست، آں خدا
وہی تو خدا ہے، وہ خدا ہے، وہ خُدا ہے

''تو اللہ کے حکم سے اپنی گردن کو نہ موڑ تا کہ تمہارے حکم سے کوئی اُور روگردانی نہ کرے''

طوطی نے کہا: اے خواجہ! اگر تُو اِس دُنیا سے نجات حاصل کرنا چاہتا ہے تو میری طرح ہو جا اور اس تاریکی اور قید سے رہا ہو جا۔ خواجہ نے کہا: یہ میرے لیے نصیحت ہے۔ میں اُس کا راستہ اختیار کروں گا' یہ صاف اور سیدھا راستہ ہے۔

لوگوں کی تعظیم اور شہرت کی مضرت

جسم' پنجرے کی طرح ہے' اِس لیے جان کے لیے اندرونی اور بیرونی لوگوں کے مکر کی وجہ سے کانٹا ہے۔ یہ بھی اُس کو اپنا دوست بتاتا ہے اور وہ اُسے کہتا ہے کہ تیرے جیسا کوئی موجود نہیں' تُو کمال' فضل' احسان اور سخاوت کا سر چشمہ ہے۔ یہ کہتا ہے کہ یہ عیش اور خوشی کا وقت ہے۔ پینے پلانے اور یاری دوستی کا وقت ہے۔ جب وہ لوگوں کو اپنا شیدائی دیکھتا ہے تو تکبر میں آپے سے باہر ہو جاتا ہے۔ وہ نہیں سمجھتا کہ اُس جیسے ہزاروں کو شیطان نے نہر کے پانی میں پھینک دیا ہے۔ دُنیا کی ہوشیاری اور چال بازی ایک مزیدار نوالہ ہے۔ اِسے نہ کھا کیونکہ وہ آگ بھرا ہے۔ اِس کا مزہ کھُلا لیکن آگ ڈھکی ہوئی ہے اور اِس کا دُھواں آخر میں ظاہر ہوتا ہے۔

مل کے یاروں سے ہوا شوقِ گناہ
آدمی کا آدمی شیطان ہے

بعض لوگ کہتے ہیں کہ لوگوں کی غلط مدح سرائی سے ہم پر کوئی اثر نہیں پڑتا' یاد رکھو! پڑتا ہے' لیکن غیر محسوس طور پر۔ جب تم کسی کی بُرائی سے متاثر ہوتے ہو تو جان لو کہ بے جا خوشامد سے بھی متاثر ہوتے ہو۔ تعریف چونکہ میٹھی ہوتی ہے' اس لیے اچھی لگتی ہے۔ بُرائی کڑوی ہوتی ہے' بُری لگتی ہے۔ حلوہ کھانے میں مزے دار ہوتا ہے لیکن شکر کی تاثیر کی وجہ سے ہی پھوڑے بھی نکلتے ہیں۔ مُسہل بظاہر کڑوا ہوتا ہے لیکن تُجھے گندے مواد سے پاک کرتا ہے۔ نَفس تعریفوں سے فرعون بن جاتا ہے' اِسے منکسر المزاج بنا۔ سرداری کی خواہش نہ کر۔ جب تک ہو سکے خادم بن۔ شیطان شر پھیلانے کے لیے آدمی کی طرف آتا ہے۔ تیری جانب نہیں آتا کیونکہ وہ جانتا ہے کہ تُو تو اُس کا بھی اُستاد ہے۔ اب اُسے تیرے پاس رہنے کی کیا ضرورت ہے۔

جو اللہ نے چاہا ہوا اور جو نہ چاہا نہ ہوا

جتنی باتیں اب تک ہم نے کی ہیں خدا کی عنایتوں کے بغیر ہیچ ہیں۔ خدا اور اُس کے مخصوص بندوں کی عنایتوں کے بغیر اگر کوئی فرشتہ بھی ہے تو اُس کا نامہ اعمال سیاہ ہے۔ اے خدا! تُو ہماری ظاہری اور باطنی حالت سے واقف ہے۔ اے! کہ

یا ولیِ حق کہ خُوئے حق گرفت
یا، اللہ کا دوست جس نے حق کی عادت اپنالی ہے

نُور گشت و تابشِ مُطلق گرفت
وہ نُور بن گیا ہے' اُس نے روشنی حاصل کرلی ہے

تیرے سامنے کسی کی یاد دُرست نہیں۔ تیری رہنمائی کی وجہ سے تُو نے ہمارے بہت سے عیب ڈھک دیئے۔ میری جان میں علم کا ایک قطرہ ہے' اُسے خواہشات اور مٹی والے جسم کی آلائشوں سے پاک کر دے۔ وہ قطرہ جو ہوا میں اُڑ گیا یا بہہ گیا تیری قدرت کے خزانے سے کب بھاگ سکتا ہے۔

ہزاروں چیزیں فنا ہو جاتی ہیں لیکن تیرا فضل ان کو پھر باہر نکالتا ہے۔ رات کے وقت تمام فکریں اور عقلیں نیند کے سمندر میں غرق ہو کر معدُوم ہو جاتی ہیں لیکن صبح ہوتے ہی وہ پھر مچھلیوں کی طرح سمندر سے سَر نکالتی ہیں۔ خزاں میں شاخیں اور پتے موت کے دریا میں چلے جاتے ہیں' پھر تیری جانب سے حکم ہوتا ہے کہ جو کچھ عدم نے کھایا ہے واپس کرے' تو پھر پودے نئے ہو جاتے ہیں۔ اے انسان! تجھ میں بھی ہر وقت خزاں اور بہار ہے۔ تُو بھی قدرت کے اِسی قانون کے مطابق نور کے سمندر میں ریاضت کے ذریعے ڈوب جا تو پھر دل کے باغ کو سبز اور تروتازہ دیکھ۔ جس جگہ پھول نہ تھا تُو نے وہاں ذاتِ باری کی خوشبو سونگھی' جہاں شراب نہ تھی تُو نے وہاں نشہ دیکھا۔ خوشبو ہی کی وجہ سے حضرت یعقوب علیہ السلام کی آنکھیں کھُل گئیں۔ بدی کی بدبو آنکھ کو تاریک کرتی ہے اور یوسف علیہ السلام (نبوت) کی خوشبو آنکھ کی مدد کرتی ہے۔ اگر تُو یوسف علیہ السلام نہیں ہے تو یعقوب علیہ السلام بن جا۔ آہ وزاری کر تاکہ یوسف علیہ السلام کی خوشبو تم تک پہنچ سکے۔

حکیم سنائی قدس سرہٗ کے قول کی تفسیر

ناز کرنے کے لیے گلاب جیسا چہرہ چاہیے' اگر نہیں رکھتا تو بدمزاجی کے قریب بھی نہ جا۔ حکیم سنائی غزنوی نے فرمایا: یوسف علیہ السلام کے سامنے ناز نخرے نہ دکھا' سوائے عاجزی اور یعقوبی آہ وزاری کے اور کچھ نہ کر۔ طوطی کے مرنے کا مطلب عاجزی سے اپنے آپ کو مردہ بنا لینا تھا تاکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دَم تُجھے زندہ کر دے۔ پتھر بہار میں کب سرسبز ہوتا ہے۔ مٹی بن جا تاکہ تجھ میں رنگ برنگ کے پھول کھِلیں۔ تُو بہت دیر پتھر بنا رہا ہے' اب آزمائش کے طور پر تھوڑی دیر کے لیے خاک بن کر تو دیکھ۔

امیرالمومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دَور میں فاقے کے روز اللہ کے واسطے سارنگی بجانے والا سارنگی نواز

تُو نے یہ سُنا ہے کہ حضرت عُمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ایک سارنگی بجانے والا گویا بڑی شان سے رہتا تھا۔ اُس کی آواز مجلسوں کو آراستہ کرتی تھی اور مُردوں میں جان ڈال دیتی تھی جیسے کہ حضرت اسرافیل علیہ السلام صور پھونک کر جسموں کو جان عطا کریں گے۔ اولیاء رحمہم اللہ کے اندر بھی نغمے ہوتے ہیں جن سے طالب انمول زندگیاں حاصل کرتے ہیں۔ اِن نغموں کو حسی کان نہیں سُنتے' اِس لیے کہ دُنیا کی باتوں سے حسی کان ناپاک ہو جاتے ہیں۔ پَری کا نغمہ انسان نہیں سُن سکتا کیونکہ اُن کے راز سے واقف نہیں ہوتا۔ اِسی

بندگانِ خاصِ علّامِ الغیوب
اللہ کے خاص بندے غیب سے واقف ہیں

درجہانِ جاں جواسیس القلوب
اور دُنیا میں لوگوں کے دلوں کے جاسُوس ہیں

طرح دل کا نغمہ تمام نغموں سے بلند تر ہوتا ہے۔ آدمی اور پری دونوں نادانی کے قیدی ہیں۔

اولیاء رحمۃ اللہ علیہم کا کام دنیا کے معاملات سے آگے کا ہے۔ جب تُو رہبر تلاش کرے گا تو تجھ پر کھلے گا۔ اگر میں اُن نغموں کا تھوڑا سا بیان کر دوں تو رُوحیں قبروں سے نکل پڑیں۔ دل کے کان کو نزدیک کر خبردار! اولیاء رحمۃ اللہ علیہم وقت کے اسرافیل ہیں اُن سے مُردوں کی نشوونما ہے۔ جسم کی قبر میں مردہ جانیں اُن کی آواز سے کفن میں تڑپنے لگتی ہیں۔ مُردوں کو زندہ کرنا خدا کی آواز کا کام ہے۔ جب رُوحوں کو زندگی مل جاتی ہے تو وہ اولیاء رحمۃ اللہ علیہم کے نغموں کی آواز کو خدا کی آواز سمجھتے ہیں۔ جب رُوحیں اولیاء رحمۃ اللہ علیہم کی آواز سے واقف ہو جاتی ہیں اور راستہ پر چل پڑتی ہیں اور خوش ہو کر کہتی ہیں کہ اللہ کی آواز پردہ میں اور بے پردہ وہ چیز عطا کرتی ہے جو اُس نے مریم علیہا السلام کو دی۔ اے لوگو! فنا نے تمہاری کھال کے اندر تمہیں نابود کر رکھا ہے۔ دوست کی آواز پر عدم سے واپس آ جاؤ۔ مُطلق آواز شاہ کی ہوتی ہے اگرچہ بندے کے حلق سے ہو۔ اُس کو خدا نے کہہ دیا ہے: میں تیری زبان اور آنکھ ہوں اور تیرے حواس اور تیری رضا اور ناراضگی ہوں۔ بِیْ یَسْمَعُ اور بِیْ یُبْصِرُ پڑھ لے۔

حدیث "مَنْ کَانَ لِلّٰہِ کَانَ اللّٰہُ لَہٗ" "جو شخص اللہ کے لیے ہوگیا، اللہ اُس کے لیے ہوگیا"

جب تُو عشق کی وجہ سے مَنْ کَانَ لِلّٰہِ بنا میں تیرا ہوگیا کیونکہ کَانَ اللّٰہُ لَہٗ ہے۔ تیرے کام کو کبھی میں تیرا اور کبھی میرا اپنا کہہ کر پکارتا ہوں۔ جس جگہ تھوڑی دیر کے لیے تیرے طاقچہ سے چمک جاتا ہوں اُس جگہ دُنیا کی مشکلات حل ہو جاتی ہیں۔ جہاں تاریکی ہوتی ہے میری تجلی سے شمسُ الضُّحیٰ بن جاتی ہے۔

اللہ نے آدم علیہ السلام پر اپنی جانب سے ناموں کا اظہار کیا اور دوسروں پر آدم علیہ السلام کے ذریعے نام منکشف ہوئے۔ پانی خواہ نہر سے لیا جائے یا مٹکے سے مٹکے کی مدد بھی تو نہر ہی سے ہے۔ روشنی سورج سے طلب کر یا چاند سے اے بیٹا! چاند کی روشنی بھی تو سورج سے ہی آئی ہے۔ جلد روشنی حاصل کرنے کی کوشش کر۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں۔ شراب خواہ مٹکے سے لے خواہ کدو سے کیونکہ یہ کدو بھی تو مٹکے سے سخت جُڑا ہوا ہے۔ اے نیک بخت! یہ تیری طرح کدو سے بے نیاز نہیں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وَالَّذِیْ یُبْصِرُ لِمَنْ وَجْھِیْ یَرٰی یعنی "جو اُس کو دیکھے جس نے میرا چہرہ دیکھا" جب چراغ نے شمع کی روشنی حاصل کر لی جس نے اُس کو دیکھا یقیناً اُس نے شمع کو دیکھا۔ اسی طرح اگر وہ سو چراغوں میں منتقل ہوئی آخری کا دیکھنا بھی اصل سے

در درونِ دل در آید چوں خیال
جب ہمارے دل میں کوئی خیال آتا ہے تو

پیشِ شاں مکشوف باشد سِرِّ حال
تمام پوشیدہ باتیں اُن کے سامنے ظاہر ہو جاتی ہیں

ہی ملاقات ہے۔ خواہ تُو آخری سے روشنی لے یا خواہ شمع سے سمجھ لے۔ خواہ دل و جان سے پہلے والے سے روشنی لے خواہ آخری سے کوئی فرق نہ سمجھ۔

حدیث" تمہارے رَب کی تمہارے زمانہ میں **اِنَّ لِرَبِّکُمْ فِیْ اَیَّامِ دَھْرِکُمْ نَفَحَاتٌ اَلَا فَتَعَرَّضُوْا** (الحدیث) "تمہارے رَبّ کی تمہارے زمانے میں خوشبوئیں ہیں' آگاہ' اُن سے وابستہ ہو جاؤ" خُوشبوئیں ہیں' آگاہ' اُن سے وابستہ ہو جاؤ!"۔ کے بارے میں پیغمبر ﷺ نے فرمایا: اللہ کی خوشبوئیں آگے بڑھتی ہیں۔ اپنے اوقاتِ خاص میں دل پر وارداتِ غیبی کے نزول کے لیے کان لگائے رہو۔ خوشبوئیں آتی ہیں۔ وہ تمہیں دیکھتی ہیں اور چل دیتی ہیں۔ جس نے چاہا' اُنہوں نے اُس کو جان بخش دی۔ ہوشیار! پھر خوشبو آئی' محروم نہ رہنا۔ جہنمی جان نے اُس سے آگ کو بجھانے والے کو پالیا (آنسو)۔ یہ طوبیٰ کی تازگی اور جنبش یعنی اولیاء ﷫ کے نفحات دوسری مخلوق کی جنبشوں کی طرح نہیں ہوتے۔ درحقیقت وہ نفحہ زمین و آسمان برداشت نہیں کر سکتے۔ اللہ نے فرمایا: "ہم نے یہ امانت آسمانوں' زمینوں اور پہاڑوں پر پیش کی' اُنہوں نے انکار کر دیا"۔

اے لوگو! لقمہ کی خاطر لقمان (عقل) کو ہاتھ سے نہ جانے دو۔ حرص کا کانٹا تمہارے اندر ہے لیکن تمہیں خبر نہیں ہوتی۔ لقمان کی جان' خدا کا باغ ہے۔ تُو نے کانٹے کو اپنی خوراک بنالیا ہے۔ یہ کانٹے خور جسم اونٹ ہے اور مصطفیٰ زادہ (رُوح) اُس پر سوار ہے۔ اے اونٹ! پھول کی گٹھڑی تیری پیٹھ پر ہے لیکن تیرا میلان پھر بھی کانٹوں کی طرف ہی ہے۔ تُو کہتا پھر رہا ہے' چمن کہاں ہے' چمن کہاں ہے؟ تیرے نفس کی حرص نے نَحْنُ اَقْرَبُ کے بھید کو تم سے چھپایا ہوا ہے۔

مردِ کامل اپنی رُوح سے ہم کلام ہوتا ہے کہ مجھے عشقِ الٰہی میں بے چین کر دے تاکہ میرا جسم بے قرار ہو جائے۔ اگر انسان اپنے نفس کی لذتوں کو چھوڑ دے تو قدرت کی طرف سے اُس کے لیے صدہا مسرّتیں آ جاتی ہیں۔ عاشق جب اللہ کی جانب سے شراب پالیتا ہے' تو اے دوست! عقل اُس جگہ بے کار ہو جاتی ہے۔ تھوڑی عقل عشق کی منکر ہوتی ہے جب تک فنا نہ ہو۔ جب تک فرشتہ فنا نہ ہو جائے شیطان ہے۔ عقل' قول اور فعل میں ہماری مددگار ہے لیکن جب عالمِ حال کے تحت آ جائے گی تو معدوم ہو گی۔ جان کمال ہے اور اُس کی آواز کمال۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے بلال! اپنی آواز سے ہمیں راحت پہنچا۔ اُس آواز سے جس سے آدم علیہ السلام مدہوش ہو گئے۔ مصطفیٰ ﷺ اُس حسین آواز سے مدہوش ہوئے اور تعریس والے پڑاؤ پر اپنی استغراقی کیفیت کی وجہ سے

گفت اطفالِ منَ اند ایں اولیا
اُس نے فرمایا ہے کہ اولیاء میرے بچے ہیں

در غریبی فرد از کار و کیا
عاجزی میں کام اور مشغولیت سے خالی ہیں

بروقت نماز ادا نہ کر سکے۔ وہ بابرکت نیند تھی کیونکہ اُس رات آپ کی رُوح نے اپنی دلہن کے سامنے دست بوسی کی۔ معشوق اور جان دونوں پوشیدہ ہیں۔ میں نے اگر اُس کے لیے دلہن کا لفظ استعمال کیا ہے تو تُو عیب گیری نہ کر کیونکہ وہ خود کہتا ہے کہ خبردار! یہ عیب نہیں ہے۔ یہ الفاظ صرف اُس کے لیے عجیب ہیں، جو عجیب کے علاوہ کچھ نہیں دیکھتا اور عالمِ غیب کی پاک رُوح عیب کب دیکھتی ہے؟ اللہ کے اِعتبار سے کفر بھی حکمت ہے اور ہمارے اِعتبار سے مصیبت، اگر سو خوبیوں کے ساتھ ایک عیب ہو تو وہ مصری میں لکڑی کی طرح ہے۔

بزرگوں نے خوب فرمایا ہے کہ پاک لوگوں کا جسم بھی جان کی طرح مُصفّٰی ہوتا ہے۔ عیب دیکھنے والا خاک میں ملا اور خاک ہوگیا۔ جب کہ یہ نمک میں گیا تو سب پاک ہوگیا۔ اُس نمک سے جس سے حضور ﷺ ملیح تر ہوئے۔ آپ ﷺ کی میراث کا وہ نمک باقی ہے۔ آپ ﷺ کے وہ وارث تیرے ساتھ ہیں، تلاش کرلے۔ وہ تیرے آگے بیٹھتے ہیں، جان لے نیچا اور اونچا، آگے اور پیچھے جسم کی صفات ہیں۔ پاک جان بغیر سمتوں کے ہے۔ تُو تو مَعدُوم ہے اور مَعدُوم کا آگا، پیچھا کب ہوتا ہے۔ تُو اگر وجود عدم سے نکل جائے تو ابدی زندگی حاصل کرلے۔ بارش کا دن ہے، رات تک چلا چل۔ سمجھ لے! دُنیا کی بارش کے علاوہ بھی ایک بارش ہے، جس کو صرف جان کی آنکھ دیکھتی ہے۔ اپنی جان کی آنکھ کھول تاکہ تمہیں اُس بارش کا سبزہ صاف نظر آئے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا حضور ﷺ سے سوال کرنا کہ بارش ہوئی اور آپ ﷺ کے بابرکت کپڑے نہ بھیگے!

ایک دن مصطفیٰ ﷺ قبرستان تشریف لے گئے کیونکہ اپنے ایک دوست کے جنازے میں جانا تھا۔ اُن کی قبر میں مٹی بھری اور اُس کے نیچے اُن کے دانے کو زندہ کردیا۔ مٹی میں دفن کیے ہوؤں کی مانند یہ درخت بھی ہیں، جو مٹی سے اپنے ہاتھ باہر نکالے ہوئے ہیں۔ لوگوں کی طرف سو اشارے کررہے ہیں اور جن کے کان ہیں وہ اُن کی تقریر سُن رہے ہیں۔ سبز زبان سے اور لمبے ہاتھوں سے خاک میں چھپے ہوئے راز بتارہے ہیں۔

برگِ درختانِ سبز در نظرِ ہوشیار
ہر ورقے دفتریست معرفتِ کردگار (حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ)

''درختوں کے پتوں کو بھی ہوشیاری سے دیکھ کہ کیسے بنے ہیں اور کیا کرتے ہیں۔ اُن سے بھی انسان کو اللہ کی معرفت کے اَن گنت نشانات ملیں گے''۔

از برائے امتحاں خوار و یتیم
وہ لوگوں کی آزمائش کیلئے بے وقعت اور یتیم ہیں

لیک اندر سِرّ منم یار و ندیم
لیکن دَر پردہ میں اُن کا مددگار اور ساتھی ہوں

قرآن میں ارشاد ہے: ''کائنات کی ہر چیز خدا کی تسبیح کرتی ہے تم نہیں سمجھتے ہو''۔ مختلف موسموں کے زیرِ اثر درختوں کی حالتیں بدلتی رہتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے دوستوں کے دلوں میں باغ و بوستان اُگا دیئے ہیں۔ جو پھول اپنے اندر سے خوشبو دے رہا ہے وہ تمام اسرار کا پتہ دے رہا ہے۔ اُن کی خوشبو منکروں کی ذلت کے ساتھ پردہ دری کرتے ہوئے دُنیا کا چکر کاٹتی ہے۔ اُن منکروں کی آنکھیں ہی نہیں ہیں۔ آنکھ تو وہ ہے جو جائے پناہ کو پہچان لے۔

جب پیغمبر ﷺ قبرستان سے لوٹے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف گئے۔ اُنہوں نے آپ ﷺ کے چہرہ مبارک کو دیکھا اور پورے جسم مبارک کو غور سے دیکھا۔ حضور ﷺ نے پوچھا: کیا بات ہے؟ تو بولیں: آج بارش برسی ہے لیکن آپ ﷺ تو بالکل خشک ہیں۔ فرمایا: سر پر کون سا کپڑا اوڑھا تھا؟ بولیں: آپ ﷺ کی چادر۔ حضور ﷺ نے فرمایا: اِسی لیے خدا نے تجھے غیبی بارش دکھائی۔ وہ دوسرے ابر کی بارش تھی جو کہ خدا کی خاص رحمت سے برستی ہے۔ لو اب حکیم سنائی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک قول کے معنی سُن تاکہ تُو خزانوں سے واقف ہو جائے اور تیری باطنی آنکھیں کھل جائیں۔

حکیم سنائی رحمۃ اللہ علیہ کا قول

حکیم سنائی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ''رُوح کی اقلیم میں بھی آسمان ہیں' جو دُنیا کے آسمان میں کارفرما ہیں' رُوح کے راستے میں پستیاں اور بلندیاں' اونچے پہاڑ اور دریا ہیں'' اُس پیرِ دانا نے جو اشارہ کیا ہے' درحقیقت سیپ میں موتی پرو دیا ہے۔ عالمِ غیب کا پانی دوسرا ہے۔ آسمان اور آفتاب دوسرا ہے اور وہ صرف خاصانِ خدا پر ظاہر ہوتا ہے' باقی لوگ شُبہ میں پڑ جاتے ہیں۔ ایک بارش پرورش کے لیے ہے اور دوسری مُرجھانے کے لئے۔ موسمِ بہار کی بارش نفع دیتی ہے لیکن خزاں کی بارش باغ کے لیے بخار کی طرح ہے۔ اِسی طرح عالمِ غیب میں بھی اِس کی قسمیں ہیں' جن سے نفع اور نقصان ہوتے ہیں۔ اولیاء اللہ رحمہم اللہ کا انفاس رُوحوں پر بہار کی بارش کا کام کرتا ہے۔ اس لیے نیک دل و جان میں سبزہ اُگتا ہے لیکن اِسی انفاس سے بدبختوں کی بدبختی میں اِضافہ ہو جاتا ہے۔ ہوا اپنا کام کر کے چلی جاتی ہے لیکن جو جان واقف تھی اُس نے اُسے اپنی جان پر ترجیح دی اور جو پتھر تھا اُس کی جان پہچاننے والی نہ بنی۔

موسمِ ربیع اور خریف کی سردی سے متعلق حدیثِ نبوی ﷺ

حدیث مبارکہ ہے ''موسمِ ربیع کی سردی کو غنیمت سمجھو، وہ تمہارے بدنوں پر وہی عمل کرتی ہے جو تمہارے درختوں پر اور موسم خریف کی سردی سے بچو کہ وہ تمہارے جسموں پر وہی عمل کرتی ہے جو درختوں پر'' اے جانِ مَن! پیغمبر ﷺ کی بات سُن۔ اُنہوں نے فرمایا: موسمِ بہار کے جاڑے سے ہرگز بدن نہ

آنچناں علمے کہ مُتنبہ بود	نومِ عالِم از عبادت بہ بود
اُس کا سونا جاہل کی عبادت کے مقابلے میں اچھا ہے	ایک عارف کی نیند عبادت سے بہتر ہوتی ہے

ڈھکو۔ یہ سردی دُنیا میں وقت کی تلاش کرنے والے عارفوں پر غنیمت ہوتی ہے۔ ننگے بدن باغوں میں جاؤ لیکن خزاں سے بچو۔ ظاہر والوں نے ظاہری معنیٰ لیے کیونکہ یہ جماعت بے خبر تھی۔ پہاڑ کو دیکھا لیکن اُس کے اندر کان کو نہ دیکھا۔ خزاں اللہ کے نزدیک نفس اور خواہش ہے۔ عقل اور رُوح عین بہار ہے۔ اگر تجھ میں ناقص عقل ہے تو کوئی مکمل عقل والا تلاش کرلے۔ تیری ناقص عقل اُس کی کامل عقل سے کامل ہوجائے گی۔ پاک سانس بہار کی طرح ہوتی ہے اور پتوں اور انگوروں کے لیے حیات ہے۔ اولیاء رحمہم اللہ کی نرم اور سخت بات سے پہلوتہی نہ کر۔ وہ چاہے گرم کہیں چاہے سرد، جہنم سے نجات کا ذریعہ ہیں۔ یاد رکھو! صدق اور یقین زندگی کا سرمایہ ہے۔ اگر دل کے باغ کا ایک تنکا کم ہوجائے تو عقل مند دل پر ہزاروں غم چھا جاتے ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرنا کہ آج کی بارش کا کیا راز تھا؟

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے محبت، عاجزی اور ادب سے سوال کیا کہ اے ہستی کے مغز! آج کی بارش کی کیا حکمت تھی؟ فرمایا: یہ بارش اُس غم کی تسکین کے لیے ہے جو آدم علیہ السلام کی نسل پر مصیبت کی وجہ سے ہے۔ اگر آدمی اُس آگ میں رہتا، دُنیا ویرانہ بن جاتی۔ انسانوں میں سے حرص نکل جاتی۔ اِس عالَم کا ستون غفلت ہے۔ ہوشیاری اِس عالَم کی آفت ہے۔ ہوشیاری اُس عالَم سے ہے کہ غالب آجائے تو یہ عالَم پست ہوجاتا ہے۔ ہوشیاری پانی ہے اور یہ عالَم مَیل ہے۔ اُس عالَم سے یہ بارش تھوڑی تھوڑی رِستی رہتی ہے تاکہ اِس عالَم سے حرص و حسد ختم نہ ہوجائے۔ اگر غیب سے رساؤ بڑھ جائے تو اِس عالَم میں نہ ہُنر رہے نہ عیب۔

سارنگی بجانے والے بوڑھے کی طرف رُجوع

وہ گویا جس کی آواز سے مستی کی وجہ سے عجیب خیالات پیدا ہوتے تھے اور مرغِ دل اُچھلنے لگتا تھا بوڑھا ہوگیا، تو اُس کی تمام جسمانی قوتیں جواب دے گئیں۔ اُس کی کمر ٹیڑھی ہوگئی اور آواز گدھے جیسی ہوگئی۔ کون سا خوش ہے جو ناخوش نہ ہوا ہو اور کون سی آواز ہے جو اپنا اثر نہ کھودے، سوائے اللہ کے پیاروں کی آواز کے جو اُن کے سینوں میں ہوتی ہے۔ صُور کا پھونکنا بھی اُسی آواز کی گونج ہے۔ اُن کے باطن کی وجہ سے بہت سے باطن مست ہیں۔ وہ فانی ضرور ہیں لیکن ہمارے وجود اُن کے وجود سے قائم ہیں۔ اُن کی باطنی آواز رازِ الٰہی کی لذت رکھتی ہے۔

بوڑھا کمزوری کی وجہ سے روٹی کا محتاج ہوگیا۔ پھر اُس نے صدقِ دل سے اللہ کے حضور زاری کی کہ میں ساری عمر

آں سکونِ سابح اندر آشنا
کامل تیراک کا سکون سے تیرنا

بہ ز جہدِ اعجمے با دست و پا
ایک اناڑی کے ہاتھ پاؤں مارنے سے بہتر ہوتا ہے

گناہ کرتا رہا لیکن پھر بھی تیری عطا میں کمی نہ آئی۔ اب میں تیرا مہمان ہوں' تیرے لیے سارنگی بجاؤں گا کیونکہ میں تیرا غلام ہوں اور پھر وہ مدینے کے قبرستان میں جا کر سارنگی بجاتا رہا اور روتا رہا' اس اُمید پر کہ اللہ کریم کھوٹے سکے بھی عمدگی سے قبول کرتا ہے۔ روتے روتے اُسے نیند آ گئی۔ اُس کی جان کا پرندہ قید سے چھوٹ گیا۔ اُس کی رُوح یہ قصہ گانے لگی کہ کاش مجھے اُسی جگہ رہنے دیتے کہ میں مست ہوتی اور اُس عالم کی تمام نعمتوں سے فائدہ اُٹھاتی۔ اُس جہان کی وُسعت میں کہ یہ جہان اُس کے مقابلے میں تنگ اور پست کے سوا کچھ نہیں ہے۔ یہاں کی تنگی نے مجھے پارہ پارہ کر دیا ہے۔ وہ عالم اور اُس کا راستہ اگر نظر آتا تو کوئی ایک لمحہ کے لیے بھی اِس جگہ نہ رہتا لیکن حکمِ الٰہی ہونا تھا۔ خبردار! لالچی نہ بن۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر نیند طاری کر دی تو اُنہوں نے خواب میں دیکھا اور وہ آواز سُنی جو صدا کی اصل ہے اور جس آواز کو ہر قوم کے لوگ بغیر کان اور ہونٹ کے سُن چکے ہیں۔ انسانوں پر ہی کیا' اِس آواز کو تو لکڑی اور پتھر بھی سُن سکتے ہیں۔ ہر وقت اُس جانب سے اَلَست کی آواز آتی ہے جس سے جوہر اور عرض مست ہو جاتے ہیں۔ تو میں نے لکڑی اور پتھر کے اِس آواز کو سننے کی جو بات کی ہے۔ اُس کے بارے میں ایک قصہ سُن لے۔

حضور ﷺ کی جُدائی میں حنانہ ستُون کا رونا اور اُس کی حضور ﷺ سے گفتگو

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا کہ جب حضور ﷺ ستونِ حنانہ پر بیٹھتے ہیں تو ہم آپ ﷺ کا چہرہ مبارک نہیں دیکھ سکتے۔ آپ ﷺ کے لیے منبر بنایا گیا تو ستونِ حنانہ رسول ﷺ کی جدائی میں سمجھداروں کی طرح روتا تھا۔ رسول ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم حیرت میں پڑ گئے۔ پیغمبر ﷺ نے فرمایا: اے ستون! تُو کیا چاہتا ہے؟ وہ بولا: میری جان آپ ﷺ کے فراق میں خون ہو گئی ہے۔ چونکہ میری جان آپ ﷺ کی جدائی میں جل گئی ہے اِس لیے آپ ﷺ کے بغیر میں کیوں نہ رووں۔ میں آپ ﷺ کی مسند تھا لیکن آپ ﷺ نے منبر بنوالیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: اے بھلے درخت! اگر تُو چاہتا ہے کہ تجھے کھجور بنا دیں اور لوگ تیرا میوہ کھائیں یا تجھے سرو بنا دیا جائے کہ ہمیشہ تر و تازہ رہے؟ وہ بولا کہ میں بقائے دائمی چاہتا ہوں۔ اُس ستون کو زمین میں دفن کر دیا گیا اور انسانوں کی طرح قیامت میں اُٹھایا جائے گا۔

یہ اس لیے کہا کہ تُو سمجھ جائے کہ جو خدا کا ہو گیا دُنیا کے کاموں کے لیے بے کار ہو گیا کیونکہ جو وہاں باریاب ہو جاتا ہے وہ دُنیا کے کام کا نہیں رہتا۔ وہ شخص جس پر اَسرار کی بخشش نہ ہوئی ہو وہ بے جان لکڑی کے رونے کی کب تصدیق کرے گا۔ دل میں نفاق رکھنے والا خدائی بھید نہیں سمجھ سکتا۔ یاد رکھو! آدھا وہم انسانوں کو پورے وہم میں تبدیل کر دیتا

یک نظر دو گز ہمی بیند ز راہ
ایک نظر صرف دو گز تک دیکھتی ہے

یک نظر دو کون دید و رُوئے شاہ
اور ایک نظر وہ ہے کہ دونوں جہانوں بلکہ شاہ کے چہرے کو بھی دیکھتی ہے

ہے۔ جو لوگ اَمرِ کُن کے واقف ہوتے ہیں وہی اِن رازوں کو سمجھ سکتے ہیں۔ اہلِ عقل میں شیطان شُبہ پیدا کرتا رہتا ہے جس سے وہ اُوندھے ہو کر گر جاتے ہیں۔ عقلی دلائل والوں کا پَیر لکڑی کا ہوتا ہے جو کہ بہت کمزور ہوتا ہے۔ لیکن اَمرِ کُن کے واقف صاحبِ بصیرت کے پاؤں کا جماؤ پہاڑ کی طرح ہوتا ہے۔

گر بہ اِستدلال کارِ دیں بُدے
فخرِ رازی رازدارِ دیں بُدے (مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ)

''اگر دین کے تمام مسائل کا مدار عقلی دلائل پر ہوتا تو فخر الدین رازی دین کے سب سے بڑے راز داں ہوتے''۔

جس طرح اندھا لاٹھی کا محتاج ہوتا ہے اِسی طرح عوام شیخِ کامل کی رہبری کے محتاج ہوتے ہیں۔ اندھے کی لاٹھی کیا ہے؟ قیاس اور دلیل۔ اُس خدا نے یہ لاٹھی تمہیں دی ہے کہ آگے بڑھو۔ غصہ سے وہ لاٹھی تم نے اُسی پر دے ماری۔ تم اندھے نہ بنو، کسی صاحبِ بصیرت کو درمیان میں لاؤ۔ اُس کا دامن پکڑو جس نے تمہیں لاٹھی دی۔ غور کرو آدم علیہ السلام نے نافرمانی سے کیا دیکھا۔ لاٹھی سانپ کیسے بن گئی اور ستون کیسے باخبر ہو گیا؟ رسولوں کے معجزوں پر غور کرو، اگر یہ بات عقل میں نہ آنے والی نہ ہوتی تو معجزوں کی ضرورت کیا تھی۔ جو عقل میں آنے والی بات ہوتی ہے تو اُسے قبول کرتا ہے لیکن عقل کی سمجھ میں نہ آنے والے طریقہ کو دیکھ، اُس کا ذریعہ مقبولِ بارگاہ شخص کا دل ہے۔ جس طرح آدمی کے ڈر یا حسد سے جن اور درندے دُور جزیروں میں بھاگ گئے اِسی طرح نبیوں کے معجزوں کے خوف سے منکروں نے بھی گھاس کے نیچے اپنا سر چھپا لیا۔ خدا رسیدہ لوگوں کا اِدراک عام عقلوں سے بالاتر ہوتا ہے۔ یہ اِدراک 'کشف اور ذوقِ حقیقی کے طفیل حاصل ہوتا ہے۔ اہلِ عقل مکاری سے اپنے آپ کو سمجھدار بتاتے ہیں۔ کھوٹے سکے بنانے والوں کی طرح بظاہر توحید اور شریعت کے الفاظ استعمال کرتے ہیں لیکن اُن کا باطن اندر سے کڑوی روٹی کی طرح ہوتا ہے۔ فلسفی کی مجال نہیں کہ خدائی اُمور میں دَم مارے۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ، سنگ ریزوں کا ابوجہل کے ہاتھ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر گواہی دینا

ابوجہل کی مُٹھی میں چند کنکر تھے۔ اُس نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ اگر تُو آسمان کے راز کا خبردار ہے تو بتا میرے ہاتھ میں کیا چھپا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں بتاؤں کہ کیا ہے یا وہی چیز بتائے؟ ابوجہل بولا: دوسری بات زیادہ انوکھی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ تیرے ہاتھ میں پتھر کے چھ ٹکڑے ہیں اور اُن کی تسبیح سُن۔ سنگریزوں نے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کا موتی پرو دیا۔

درمیانِ ایں دو فرقِ بے شمار
اِن دونوں دیکھنے والوں میں بے حد فرق ہے

سُرمہ جُو وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالسِّرَار
سُرمہ تلاش کر اور اللہ غیب کا جاننے والا ہے

ابوجہل نے غصّے سے پتھروں کو زمین پر دے مارا اور بولا: تجھ جیسا تو کوئی دوسرا جادوگر نہیں ہے۔ وہ حضور ﷺ کے حسد سے جل گیا اور رسول ﷺ کے سامنے سے ذلّت کے کنویں میں گر گیا۔ اُس نے مُعجزہ دیکھا اور بے دینی میں اور سخت ہو گیا۔ اُس کی آنکھ خاک کو دیکھنے والا شیطان بن گئی۔ اب ہم پیر چنگی کے قصّے کی طرف چلتے ہیں۔

امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بوڑھے سارنگی نواز کو پیغام پہنچانا

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو آواز آئی کہ میرا ایک محترم بندہ قبرستان میں ہے اُس کی ضرورت کو پورا کر اور بیت المال سے سات سو دینار اُس کے لیے لے جا اور کہہ جب یہ ختم ہو جائیں تو اور لے جانا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ آواز کی ہیبت سے اُٹھے اور قبرستان کی طرف دوڑے لیکن اُس بوڑھے کے سوا کسی کو وہاں نہ پایا۔ اُنہوں نے سوچا' اللہ پاک نے فرمایا ہے: ہمارا ایک پاک اور بابرکت بندہ ہے اور یہ سارنگی نواز کیسے مُقرّب ہو سکتا ہے' پھر قبرستان کا چکر لگایا لیکن بوڑھے کے علاوہ وہاں کوئی نہ تھا۔ جب اُن کو یقین ہو گیا کہ بوڑھے کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا تو ادب سے اُس کے پاس آئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو چھینک آئی تو بوڑھا اُٹھ بیٹھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا تو ڈر کے مارے کانپنے لگا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب اُس کے زرد چہرے کو دیکھا تو کہا کہ مجھ سے خوف نہ کھا۔ میں تو تیرے لیے خوشخبری لایا ہوں کہ اللہ نے تجھے سلام کہا ہے اور تیرا حال پوچھا ہے۔ اُسے رقم دی اور کہا: اِسے خرچ کر اور پھر اِسی جگہ آ جانا۔

یہ سب سُنا تو بوڑھا کانپ گیا۔ شرم سے پانی پانی ہو گیا۔ اُس کا درد حد سے بڑھ گیا اور وہ خوب رویا۔ سارنگی کو زمین پر مار کر ریزہ ریزہ کر دیا کہ اے کم بخت! تُو ستر سال میرے اور میرے رَبّ کے درمیان پردہ بنی رہی۔ اے خدا! مجھے معاف فرما تُو عطا کرنے والا ہے' میں نے اپنی ساری عمر ضائع کر دی ہے۔ میں نے اپنی عمر سے انصاف نہیں کیا۔ میں اپنا انصاف اُس کے سوا کسی سے حاصل نہیں کر سکوں گا جو میری ذات سے بھی زیادہ میرے قریب ہے۔ اب میری ہستی مجھ سے گم ہو گئی ہے تو میں اُسے دیکھ رہا ہوں اور اسی طرح رو رو کر وہ اپنے گزشتہ ستر سال کے گناہ گن رہا تھا اور مغفرت مانگ رہا تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اُس کو مقامِ گریہ سے جو کہ ہستی ہے، مقامِ اِستغراق کی طرف پھیر دینا

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اُسے فرمایا کہ یہ تیرا رونا بھی تیرے ہوش کی علامت ہے۔ اِس کے بعد اُس کو اِس حالت سے ہٹایا اور اِستغراق کی طرف لائے۔ گزشتہ واقعات کو یاد کرنا

اور آئندہ کی فکر دراصل خدا سے حجاب ہے۔ تُو دونوں کو جلا دے۔ کب تک تُو اِن دونوں سے نَے کی طرح پُر گرہ رہے گا۔ جب تک بانسری میں گرہ ہے' ہمراز نہیں بن سکتی۔ جب تک تُو خودی کے چکر کے ساتھ طواف کرتا ہے مُرتد ہے۔ خودی کے ساتھ تو خانہ کعبہ کا طواف بھی شرک ہے۔ ماضی اور مستقبل کے واقعات پر نہیں اُن کے پیدا کرنے والے پر نظر رکھ۔ کیوں تیری خبریں خبر دینے والے سے غیر متعلق ہیں۔ تیری توبہ بھی ایسی حالت میں گناہ سے بدتر ہے۔ فنا کا راستہ تو دوسرا ہی راستہ ہے۔ اُس میں ہوشیاری بھی گناہ ہے۔ خودی کی حالت میں توبہ کرنے سے توبہ کر۔ کبھی تُو نرم آواز کو قبلہ بناتا ہے' کبھی پھوٹ پھوٹ کر رونے کا بوسہ لیتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اُس کے لیے اسرار کا آئینہ بن گئے اور اُس کی جان باطن سے بیدار ہوگئی۔ بوڑھا رُوح کی طرح گریہ وخندہ سے آزاد ہوگیا۔ ایک جان چلی گئی اور دوسری جان زندہ ہوگئی۔ اُس کے باطن میں ایک حیرت پیدا ہوئی' جس سے وہ زمین و آسمان سے باہر ہوگیا۔ اُس کی جستجو کسبی نہ تھی بلکہ انجذابی تھی' جس کی کیفیت بیان نہیں ہوسکتی۔ وہ جلالِ ذوالجلال میں مستغرق ہوگیا۔ جو کچھ ذاتِ باری تعالیٰ کے متعلق کہا گیا ہے تقاضہائے غیبی کی بنا پر کہا گیا ہے ورنہ اِس کی شرح ناممکن ہے۔ بوڑھے کا حال یہاں تک پہنچا تو اُس کی جان کُل میں ڈوب گئی۔ اُس نے گفتگو سے دامن جھاڑا اور آدھی بات کہی اور آدھی اُس کے منہ میں ہی رہ گئی۔ اُس عیش وعشرت کو حاصل کرنے کے لیے لاکھوں جانیں قربان کر دینی چاہئیں۔ انسان کے جسم میں جان اور رُوح جاری پانی کی طرح غیب سے پہنچتی رہتی ہیں۔ اور ''دنیا سے چل'' کی آواز آتی رہتی ہے۔ یہی حال رُوحِ انسانی کا ہے' یہ غیب سے سُنتی ہے کہ جسم کی دُنیا سے نکل جا اور نئی دُنیا میں آجا۔

''ہر خرچ کرنے والا اللہ کے راستے کا مجاہد ہے نہ کہ خواہشات میں اُڑانے والا'' اور فرشتوں کی دُعا

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نصیحت کے لیے ہمیشہ دو فرشتے عُمدہ منادی کرتے ہیں کہ اے خدایا! دُنیا میں بخیلوں کو سوائے تباہی در تباہی کے کچھ عطا نہ فرما اور خرچ کرنے والوں کو اچھا بدلہ دے۔ موقع دیکھ کر خرچ کرنے والے اور نہ کرنے والے اچھے ہوتے ہیں۔ جب خرچ کرنے کا موقع آتا ہے تو اُن پر اثر ہو جاتا ہے۔ بہت سی جگہوں پر خرچ نہ کرنا' خرچ کرنے سے بہتر ہوتا ہے۔ اللہ کا مال اُس کے حکم کے بغیر خرچ نہ کر دتا کہ تم لاتعداد خزانے پاؤ اور کافروں میں شمار نہ ہو کیونکہ وہ اونٹوں کو ذبح کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر غالب آنے کے لیے (بدر میں)۔ اللہ تعالیٰ کا حکم کسی پہنچے ہوئے سے معلوم کرلے کیونکہ ہر دل خدا کے حکم کو معلوم نہیں کرسکتا۔ غلط راستے پر خرچ کرنے والوں کے بارے میں قرآن میں ہے کہ اُن کی فضول خرچیاں اُن کے

زانکہ درویشی ورائے کارہاست
کیونکہ درویشی دُنیوی کاموں سے جُداگانہ چیز ہے

دمبدم از حق مرایشاں را عطاست
اُن پر اللہ کی طرف سے ہر وقت بخشش ہوتی رہتی ہے

لیے حسرت کا باعث ہوں گی۔

عرب کے سرداروں کا قبولیت کی اُمید پر قربانی کرنا

بدر میں رسول ﷺ سے مکّہ کے سرداروں کی لڑائی میں قربانی قبولیت کی اُمید پر تھی۔ یہی وجہ ہے کہ مومن خوف سے نماز میں اِھدِنَا الصِّرَاطَ المُستَقِیمَ کہتا ہے۔ روپیہ خرچ کرنا سخی کے لیے مناسب ہے لیکن عاشق کی سخاوت اپنی جان سُپرد کر دینا ہے۔ اگر تُو خدا کے لیے روٹی دے گا تو تجھے روٹی ملے گی اور اگر تُو خدا کے لیے جان دے گا تو تجھے نئی جان دی جائے گی۔ اگر چنار کے پتے جھڑ جائیں تو خدا اُس کو نئے پتے عطا کرتا ہے۔ اگر سخاوت کی وجہ سے تیرے ہاتھ میں مال نہ رہا تو خدا کی مہربانی تجھے برباد نہ ہونے دے گی۔ جو کھیت بوتا ہے اُس کا ڈھیر خالی ہو جاتا ہے لیکن اُس کی کھیتی میں زیادتی ہو جاتی ہے اور جس نے ڈھیر میں رہنے دیا اور بخل کیا' تو گھن اور چوہے تو اپنا کام دکھا ہی دیں گے۔ یہ جہان عدم ہے' اصل مقصد کی تلاش کر۔ اسی طرح تیرا جسم صفر ہے' اس میں معنیٰ کی تلاش کر۔ اپنی کھاری اور کڑوی جان تُو تلوار کے سامنے کر دے اور میٹھے دریا جیسی جان خرید لے۔

خلیفہ، جو سخاوت میں حاتم طائی سے بڑھا ہوا تھا

پہلے زمانے میں ایک خلیفہ ہوا ہے جو حاتم طائی سے بھی بڑھ کر سخی تھا۔ اُس کی بخشش کی وجہ سے سمندر اور کانیں خالی ہو گئیں۔ وہ دُنیا میں وہاب (اللہ تعالیٰ) کا مظہر تھا۔ اُس کا دروازہ حاجت مندوں کا قبلہ تھا۔ عجم' روم' تُرک' عرب سب اُس کی عطا سے تعجب میں تھے۔ وہ ایسا آبِ حیات تھا کہ اُس کی وجہ سے عرب و عجم میں جان پڑ گئی۔

بدو جس سے اُس کی بیوی فقر و افلاس کے سبب جھگڑتی

ایک رات' بدو عورت نے' شوہر سے کہا: ساری دُنیا خوش ہے لیکن ہم محتاجی کی سختیاں جھیل رہے ہیں۔ نہ ہمارے پاس کچھ کھانے کو ہے' نہ پینے کو' نہ پہننے کو' نہ اوڑھنے کو۔ ہماری فقیری فقیروں کے لیے بھی باعثِ ذِلّت ہے۔ ہر اپنا پرایا ہم سے گریزاں ہے۔ اگر کوئی مہمان ہمارے پاس آ جائے تو میں رات کو سوتے میں اُس کی گدڑی اُتار لوں۔ ہم کب تک اِس ذِلّت کو برداشت کرتے رہیں گے۔

ضرورت مند مریدوں کا دھوکا کھانا، بناوٹی پیروں کو بزرگ سمجھنا اور کھرے کو نقل سے نہ پہچاننا

عقل مندوں نے کہا ہے کہ ہمیشہ محسنوں کا مہمان بننا چاہیے۔ ایسے کا نہیں کہ تیری کمائی کمینہ پن سے وصول کر لے۔ ایسا پیر روشنی نہ دے گا' تجھے تاریک بنا دے گا۔

کارِ پاکاں را قیاس از خود مگیر
پاک لوگوں کے کام کو اپنے پر قیاس نہ کر

گرچہ باشد در نوشتن شیر شیر
اگرچہ لکھنے میں شیر (درندہ) اور شیر (دُودھ) یکساں ہوتا ہے

جب اُس کے باطن میں نور نہیں ہے تو دوسرے اُس سے کب روشنی حاصل کریں گے؟ ایک چندھا کسی کی آنکھ کا کیا علاج کرے گا؟ اُس کا دل تاریک ہے اور زبان تیز۔ اُس میں خدا کی نہ بُو ہے نہ اثر۔ اُس نے درویشوں کی بعض باتیں چُرالی ہیں تاکہ گمان ہو کہ وہ کچھ ہے۔ وہ بایزید کی عیب جوئی کرتا ہے حالانکہ وہ خود اندر سے یزید ہے۔ کافی وقت چاہیے کہ انسان کا اصل بھید واضح ہو کہ جسم کی دیوار کے نیچے خزانہ ہے یا چیونٹی اور سانپ کا بل۔ کوئی مرید اگر کسی جھوٹے مدّعی کا معتقد ہو جائے کہ وہ کچھ ہے اور اپنے اعتقاد سے اعلیٰ مقام حاصل کر لے جو اُس کے پیر کو خواب میں بھی نہ دکھائی دے۔ وہ خود آگ اور پانی سے محفوظ رہے لیکن پیر محفوظ نہ رہ سکے۔ ایسا نادر کوئی کوئی ہوتا ہے۔

کبھی مرید کی باطنی روشنی کی وجہ سے جو کہ اُسے اپنے اخلاص کی وجہ سے حاصل ہو پیر کے حق میں مُفید ثابت ہو جاتی ہے۔ مرید اپنے نیک ارادے کی وجہ سے ایک مقام تک پہنچ جاتا ہے اگرچہ جس کو اُس نے رُوح سمجھا تھا' جسم ثابت ہوا۔ اُس کے لیے ایسے احوال رونما ہو جاتے ہیں کہ اُس کے ناچیز پیر نے سالوں میں نہیں دیکھے ہوتے۔ جیسے قبلہ کی دُرست سمت معلوم نہ ہونے کی صورت میں اگر اٹکل سے نماز پڑھ لی جائے اور وہ قبلہ رُو نہ بھی ہو' تو بھی نماز دُرست ہو جاتی ہے۔ ہمیں اپنے رُوحانی افلاس کو چُھپانے اور جھوٹی آبرو کے لیے بناوٹ نہیں کرنی چاہیے۔

بدّو کا اپنی بیوی کو صبر کا حُکم کرنا اور صبر کی فضیلت بیان کرنا

شوہر نے بیوی سے کہا کہ تُو آمدنی اور پیداوار کی کب تک جستجو کرتی رہے گی؟ سمجھدار انسان کمی بیشی کو نہیں دیکھتا کیونکہ یہ دونوں پانی کے بہاؤ کی طرح گزر جاتے ہیں۔ چاہے پانی صاف ہو یا گدلا' وہ ٹھہرنے والا نہیں ہے۔ اِس دُنیا میں ہزاروں جاندار بغیر کسی تردّد کے آرام سے گذر کر رہے ہیں۔ فاختہ درخت پر خدا کا شکر کرتی ہے حالانکہ اُس نے رات کا کچھ سامان نہیں کیا۔ بُلبل کہتی ہے: ''اے پروردگار! تجھ پر ہی بھروسہ ہے''۔ مچھر سے لے کر ہاتھی تک' اللہ کا کنبہ ہے اور وہ اِن کی بہتر پرورش کرتا ہے۔

یہ سب غم جو ہمارے سینوں میں پل رہے ہیں ہماری ہستی کے غُبار اور بگولے ہیں۔ یہ جڑ کھودنے والے غم ہمارے لیے درانتی کی طرح ہیں۔ اس طرح ہو گیا' اُس طرح ہو گیا' سب ہمارے وسواس ہیں۔ ہر غم و فکر موت کا ایک ٹکڑا ہے۔ اگر تُو نے موت کے جُزو کو اپنے لیے میٹھا بنا لیا تو سمجھ لے کہ خدا کُل کو بھی میٹھا کر دے گا۔ درد موت کے قاصد ہوتے ہیں۔ قاصد سے منہ نہ موڑ۔ جو شخص خوشگوار زندگی بسر کرتا ہے وہ تلخ موت مرتا ہے۔ جو شخص تن پروری ہی کرتا ہے' موت سے نہ بچ سکے گا۔ اے عورت! تُو میرا جوڑا ہے۔ جوڑے کو یکساں ہونا چاہیے۔ جوتے اور موزے کے جوڑے کو دیکھ۔

شیر آں باشد کہ مرد اُو را خورد	شیر آں باشد کہ مَردم را درد
شیر تو وہ ہے جس کو آدمی پیتا ہے	اور شیر وہ ہے جو آدمیوں کو پھاڑ ڈالتا ہے

دونوں میں سے اگر ایک جوتا پیر میں تنگ ہو تو پورا جوڑا ہی تیرے کام نہیں آتا۔ کبھی شیر اور بھیڑیے کا بھی جوڑا ہوا ہے؟ میں قناعت کی طرف آتا ہوں، تُو بُرائی کی طرف کیوں جاتی ہے؟۔

بیوی کی شوہر کو نصیحت "اپنی بساط سے بڑھ کر بات نہ کر کیونکہ جو تم کہتے ہو، کرتے نہیں، جو کہتے ہو اگر سچ ہے تو تجھے توکل کا مقام حاصل نہیں ہے"

عورت بولی: تُو عزت کا شیدائی ہے، تُو تکبر کی بات کرتا ہے۔ دنیاداری اور کروفر کی باتیں کب تک؟ تکبر، دعویٰ غرور اور بکواس کو دل سے نکال دے تاکہ تُو نجات پائے۔ تکبر بُرا ہے مگر مفلسوں سے اور بھی بُرا ہے۔ تیرا گھر مکڑی کے جالے کی طرح ہے اور تُو دعوے کرتا ہے۔ تُو نے صرف قناعت کا نام ہی سیکھا ہے۔ پیغمبر ﷺ نے فرمایا کہ ''قناعت تو ایک خزانہ ہے''۔ قناعت تو گنجِ رواں ہے۔ تُو مجھے بیوی نہ کہہ اور شوہر ہونے کا اظہار نہ کر۔ میں انصاف کی بنیاد پر بیوی ہوں نہ کہ مکاری کی بنیاد پر۔ تُو اپنی عقل کو میری عقل سے بڑا سمجھتا ہے، تُو نے مجھ کم عقل کو کیوں پسند کیا؟۔ منتر پڑھنے والا دشمن کی طرح (سانپ پر) منتر پڑھتا ہے اور سانپ اُس پر منتر پڑھتا ہے لیکن منتر پڑھنے والا اپنے کام کی حرص کی وجہ سے سانپ کے منتر کو محسوس نہیں کرتا۔ سانپ کہتا ہے کہ تُو مجھے اللہ کے نام پر پھانستا ہے لیکن اللہ ہی کا نام مجھے انصاف دلائے گا۔

مرد کی عورت کو نصیحت "فقیروں کو ذلت سے نہ دیکھ، اللہ کے معاملے میں کمال کے گمان سے نظر کر اور اپنے افلاس کی وجہ سے فقر و فقیروں پر طعنہ زنی نہ کر"

مرد بولا: اے بیوی! فقر باعثِ فخر ہے اور کسی میں کوئی عیب ہو بھی تو اُسے ننگا نہیں کرنا چاہیے۔ درویشی کا معاملہ ''تیری سمجھ سے بالا ہے''۔ درویشی دنیاوی کاموں سے جداگانہ چیز ہے۔ درویشوں کے لیے اللہ کی طرف سے ہر وقت بخشش ہے۔ یہ لوگ مُلک و مال کے علاوہ اللہ سے بھاری روزی پاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ عادل ہے اور عادل کمزوروں پر ظلم نہیں کرتے۔ مجھے لوگوں سے بالکل کسی قسم کا لالچ نہیں ہے۔ میرے دل میں قناعت کا ایک جہان آباد ہے۔

پس بداں ایں اصل را اے اصل جُو
اے راز کے طالب! اس حقیقت کو سمجھ لے

ہر کرا درد است اُو بُردست بُو
کہ جس کے پاس دردِ دل ہے اُس کو پتہ مل گیا ہے

ہر چیز کا حرکت کرتے نظر آنا اِس لیے ہے کہ وہ ہر چیز کو اپنے وجود کے حلقے سے دیکھتا ہے، یہاں تک کہ نیلے رنگ کے ذریعے سورج کو نیلا اور سرخ کے ذریعے سرخ دکھاتا ہے، جب چمک رنگ سے صاف ہو جاتی اور سفید ہو جاتی ہے تو تمام دوسری روشنیوں سے زیادہ صحیح دکھانے والی ہوتی ہے

ابو جہل نے احمد ﷺ کو دیکھا اور کہا: "تُو بد صورت ہے جو بنی ہاشم میں پیدا ہوا"۔ احمد ﷺ نے فرمایا: "تُو سچ کہتا ہے"۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اُن ﷺ کو دیکھا اور کہا: اے آفتاب! کہ تُو خوب روشن ہے۔ تیرے جیسا کوئی نہ مشرق میں ہے نہ مغرب میں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "اے عزیز! تُو نے سچ کہا کیونکہ تُو اِس ناچیز دُنیا سے آزاد ہے"۔ حاضرین نے پوچھا: اے سرورِ عالم ﷺ! آپ ﷺ نے دو متضاد باتیں کہنے والوں کو سچا کہا، ایسا کیوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: میں ایک نہایت صاف آئینہ ہوں۔ تُرک اور ہندوستانی مجھے وہی دیکھے گا جو وہ خود ہے۔ جس کے منہ کے سامنے آئینہ ہو وہ اچھے اور بُرے کو اِس میں دیکھے گا۔

بدو نے بیوی سے کہا: تُو مجھے لالچی کہتی ہے۔ اِس اٹکل سے باہر نکل، فقر تو رحمت ہوتا ہے۔ جہاں یہ نعمت ہو وہاں لالچ کہاں۔ تُو دو دن فقر کو آزما لے تاکہ فقر کے ذریعے تجھے دوگنی غنا نظر آئے۔ تُو فقر پر صبر کر لے اور اپنا رنج بھول جا کیونکہ فقر میں خداداد عزت ہے۔ غور کر قناعت کی وجہ سے ہزاروں جانیں شہد کے سمندر میں ڈوبی ہوئی ہیں۔ تلخی برداشت کرنے والی ہزاروں جانیں گلقند کے پھولوں میں لت پت ہیں۔ افسوس کہ اگر تیری جان میں اتنی گنجائش ہوتی تو میری جان سے دل کی شرح ظاہر ہوتی۔ یہ باتیں جان کے پستان میں دودھ ہیں۔ چوسنے والے کے بغیر اچھی طرح جاری نہیں ہوتی ہیں۔ سننے والا اگر پیاسا اور طلبگار ہو تو وعظ کہنے والا مردہ بھی ہو تو بولنے لگتا ہے۔ جب دروازے سے کوئی نامحرم آتا ہے تو مستورات پردے میں چھپ جاتی ہیں۔ اگر کوئی محرم آتا ہے، خدا اُسے سلامت رکھے، تو مستورات نقاب اُٹھا دیتی ہیں۔

جس چیز کو حسین بناتے ہیں، دیکھنے والی آنکھ کے لیے بناتے ہیں۔ سارنگی کی آواز کا زیر و بم بہرے بے حس کے لیے کب ہوتا ہے؟ اللہ نے خوشبو کو بیکار نہیں بنایا، سونگھنے والے ناک کے لیے بنایا ہے، بے حس ناک کے لیے نہیں۔

ہر کہ اُو بیدار تر پُر درد تر
جو زیادہ ہوشمند ہے وہی زیادہ پُر درد ہے

ہر کہ اُو آگاہ تر رُخ زرد تر
جو زیادہ باخبر ہے اُسی کا چہرہ زیادہ زرد ہے

بانسری کی آواز اللہ نے انسان کے لیے بنائی ہے' شیطان کے لیے نہیں۔ اللہ نے زمین و آسمان کو بنایا۔ درمیان میں نور و نار کو روشن کیا۔ زمین کو خاک والوں کے لیے اور آسمان کو وہاں رہنے والوں کی جگہ بنایا۔ نیچے رہنے والا انسان اُوپر رہنے والے کا مخالف ہوتا ہے۔ اگر میں دُنیا کو موتیوں سے بھر دوں مگر تیرا حصہ اُن میں نہ ہو تو میں کیا کروں۔ اے بیوی! اگر تُو جنگ نہیں چھوڑتی تو مجھے چھوڑ دے کیونکہ تنگ جوتے سے تو ننگا پیر بہتر ہوتا ہے اور خانہ جنگی سے' سفر کی تکلیف بہتر ہوتی ہے۔

عورت کا مرد کی رعایت کرنا اور اپنے کہے ہُوئے سے توبہ کرنا

عورت نے مرد کے غصّے کو دیکھا تو رونے لگی اور یہ بھی تو اُس کا ایک جال ہے۔ وہ بولی: میں تمہاری بیوی ہوں۔ میرا سب کچھ تیرا ہے۔ اگر فقیری سے میرا دل اُکھڑا ہے تو صرف تیرے لئے۔ تُو میرا جیون ساتھی ہے۔ میں نہیں چاہتی کہ تُو بے سروسامان رہے۔ میں تو تجھ پر قربان ہو جانا چاہتی ہوں۔ میں سونے' چاندی پر خاک ڈالتی ہوں۔ میرا سکونِ دل تو تُو ہے۔ وہ وقت یاد کر' جب میں بُت تھی' تُو پجاری۔ میں اب تیری مرضی کے بغیر کچھ نہ کروں گی۔ تُو میرے ساتھ فراق کی بات نہ کر۔ میں جانتی ہوں' میرا اللہ رخواہ خود تیرے اندر موجود ہے اور وہ تیری بلندیٔ اخلاق ہے۔ اُس کے رونے اور آہ وزاری سے مرد کا دل پگھل گیا۔ اُس کی بارش سے ایک بجلی چمکی اور مرد کے دل پر گری۔ قرآن میں ارشاد ہے' "لوگوں کو مرغوب چیزوں یعنی بیویوں کی دل بستگی بھلی معلوم ہوتی ہے"۔ حوا کو اسی لیے پیدا کیا گیا کہ آدم علیہ السلام کو سکون حاصل ہو۔ وہ ذات جس کی گفتگو سے عالم مست ہو جاتا' فرماتی تھی کہ "اے حمیرا! مجھ سے بات کر"۔

حدیث "بیشک عورتیں عقلمندوں پر اور جاہل اُن پر غالب ہیں"

پیغمبر ﷺ نے فرمایا کہ عورت عقل مندوں اور صاحبِ دلوں پر غالب ہے لیکن بدمزاج اور جاہل' عورت پر غالب آجاتے ہیں۔ اُن میں نرمی' مہربانی اور محبت کم ہوتی ہے کیونکہ اُن کی طبیعت پر حیوانیت غالب ہوتی ہے۔ محبت اور نرمی' انسانی وصف ہیں اور غصّہ اور شہوت' حیوانی وصف ہیں۔

مرد کا عورت کی درخواست قبول کرنا اور روزگار کے بارے میں اُس کے اعتراض کو اللہ کا اشارہ جاننا

یہ بات مُسلّم ہے کہ ہر گھومنے والے کے ساتھ گھمانے والا ہے۔ مرد اُس گفتگو سے ایسا شرمندہ ہوا جیسے ظالم مرتے وقت ظلم سے۔ دراصل جب قضا آتی ہے تو

ایں طبیبانِ بدن دانشور اند یہ بدن کے طبیب کتنے عقلمند ہیں	بر سقامِ تو ز تو واقف تر اند تیری بیماری پر تجھ سے زیادہ واقف ہیں

عقل اور سمجھ نہیں رہتی اور خدا کے سوا قضا کو کوئی نہیں جانتا۔ اِسی لیے متقیوں کے امام حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے فرمایا کہ قضا آتی ہے تو آنکھیں اندھی ہوجاتی ہیں۔ جب قضا گذر جاتی ہے تو انسان شرمندگی میں اپنے آپ کو کاٹتا ہے۔ مرد بولا: میں خطاوار ہوں۔ دراصل وجود وعدم دونوں اللہ کے حکم کے تابع ہیں۔

حضرت مُوسیٰ علیہ السلام اور فرعون دونوں ایک ہی مشیّت کے تابع ہیں جیسا کہ زہر و تریاق، تاریکی و روشنی اور فرعون کی اللہ تعالیٰ سے خلوت

موسیٰ علیہ السلام اور فرعون دونوں ایک ہی حقیقت کے تابع ہیں۔ بظاہر وہ راستہ پر ہیں اور یہ بے راہ۔

موسیٰ علیہ السلام دن میں بھی رَبّ کے سامنے روتے تھے اور آدھی رات کو فرعون بھی روتا تھا کہ اے خدا! میری گردن میں یہ کیسا طوق ہے؟ اگر طوق نہ ہوتو میں "مَیں" ہوں کون کہے؟ تُو نے موسیٰ علیہ السلام کو چاند کی شکل عطا کی اور مجھے سیہ رُو کردیا۔ میرا ستارہ، چاند سے بہتر تھا لیکن اِسے گرہن لگ گیا تو میں کیا کروں؟ ہم دونوں ایک ہی آقا کے غلام ہیں لیکن تیرا کلہاڑا جنگل میں شاخ کو کاٹ پھینکتا ہے۔ پھر ایک شاخ میں سے دوسری نئی شاخ پھوٹتی ہے اور دوسری کو تُو بے کار کردیتا ہے۔ کیا شاخ کو کلہاڑے پر کوئی قابو ہے؟ "نہیں" اِس قدرت کے طفیل جو کہ تیرا کلہاڑا ہے، کرم کر کے اِن کجیوں کو سیدھا کر دے۔ پھر وہ اپنے دل میں کہتا: عجیب بات ہے، رات میں مَیں رَبَّنَا کہتا ہوں لیکن جب موسیٰ علیہ السلام کے سامنے جاتا ہوں تو مجھے کیا ہوجاتا ہے؟ کھوٹا سکہ خوب چمکدار ہوتا ہے لیکن جب آگ کے سامنے جاتا ہے تو کالا ہوجاتا ہے۔ کیا ایسا تو نہیں ہے کہ ہمارا قلب اور جسم اُس کے فرمان کے تابع ہیں؟ ایک لحظہ میں اسے گودابنا دیتا ہے اور ایک لحظہ میں چھلکا۔ خدا جب کہے کھیتی بن جا، میں سبز ہوجاؤں اور جب کہے بدصورت بن جا، میں زرد ہوجاؤں۔ کُن کے حکم کے آگے سب مجبور ہیں اور وہ حکم، مکاں ولامکاں میں یکساں کارفرما ہے۔

بے رنگ (رُوح) جب رنگ کا پابند ہوگیا تو ایک موسیٰ کا دوسرے موسیٰ سے اختلاف ہوگیا۔ وجودِ مُطلق جب تعین کی قید میں آتا ہے تو اختلاف پیدا ہوگا۔ جب تُو بے رنگی میں آجائے، جو تُو رکھتا ہے تو معلوم ہوگا کہ موسیٰ وفرعون باہم صلح رکھتے ہیں۔ تعجب ہے، یہ رنگ بے رنگ سے پیدا ہوا ہے۔ بتاؤ، رنگ بے رنگ سے مختلف کیوں ہوا؟ تیل کا بیج پانی سے بڑھتا ہے لیکن آخرکار پانی کا مخالف کیوں ہوتا ہے؟ جب پھول، کانٹے سے اور کانٹا، پھول سے ہے تو ان میں جنگ کیوں ہے؟ یا کہ یہ جنگ نہیں ہے بلکہ کسی مصلحت کی وجہ سے دلالوں کی جنگ کی طرح مصنوعی ہے۔ درحقیقت نہ یہ ہے نہ وہ ہے، حیرانی ہے۔ ہماری ضرورت حقیقی خزانہ (ذات) ہے، تو خزانے تو ویرانوں میں دبے ہوتے ہیں۔ جس چیز کو تُو

پس طبیبانِ الٰہی در جہاں
تو اِس جہان رہنے والے خُدائی طبیب

چوں ندانند از تو بے گفتِ دہاں
گفتگو کے بغیر تیری رُوحانی بیماری کو کیسے نہ پہچان لیں گے

خزانہ سمجھ رہا ہے وہ تو تجھے اصل خزانے (استغراقِ حق) سے محروم کیے ہوئے ہے۔ وہم وخیال اور تدبیر کو تُو آبادی کی طرح سمجھ جہاں خزانہ نہیں ہوتا۔ آبادی وعمارت میں ہستی اور اختلاف ہوتا ہے اور فانی کو ہستیوں سے نفرت ہوتی ہے۔ فنا نفی الذات ہونا' ہستی کو رد کر دیتا ہے۔ ایک قوم جلانے والی آگ میں پھولوں کی طرح ہے (حضرت ابراہیم علیہ السلام) اور ایک قوم باغ میں رنج اور درد میں ہے۔ اہل اللہ کو اہلِ دُنیا سے نفرت ہوتی ہے لیکن نظریہ آتا ہے کہ دُنیادار اُن کو ذلیل سمجھ رہے ہیں۔

بدبخت لوگوں کے دوجہان سے محروم رہنے کا سبب جنھوں نے دُنیا اور آخرت میں خسارہ اُٹھایا

ایک فلسفی کا اعتقاد ہے کہ آسمان انڈے کی طرح ہے اور زمین زردی کی طرح' سوال کرنے والے نے پوچھا کہ زمین آسمان کے درمیان کیسے معلق ہے؟

اُس نے جواب دیا: کششِ شش جہات کی وجہ سے' جیسے مقناطیس لوہے کے ٹکڑے کو کھینچے رکھتا ہے۔ دوسرے نے کہا: آسمان مصفّی ہے وہ تاریک زمین کو کب کھینچے گا؟ وہ تو اُسے تیز ہواؤں کے درمیان اُسے اپنے سے دفع کرتا ہے۔ اللہ کے بندوں سے تُو اس لیے سرکشی کرتا ہے کہ وہ تیرے وجود سے رنجیدہ ہیں۔ اُن کے پاس کُہربا ہے۔ جب وہ اُس کو ظاہر کرتے ہیں' تیرے وجود کو تنکے کی طرح اپنا عاشق بنا لیتے ہیں۔ جب وہ کُہربا کو چھپا لیتے ہیں تو تیری اطاعت کو سرکشی بنا دیتے ہیں۔ جس طرح حیوان' انسان کے ہاتھوں میں قیدی ہوتے ہیں' اسی طرح انسانوں کا مرتبہ اولیاء رحمہم اللہ کے ہاتھوں میں ہے' حیوان کی طرح فرمانبردار۔

قرآن نے احمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا بندہ کہہ کر پکارا' تُو جہان کو "قُلْ يَا عِبَادِ" پڑھ لے۔ تُو اونٹ ہے اور عقل شتربان کی طرح ہے۔ اولیاء رحمہم اللہ عقل کی عقل ہیں اور عقلیں اونٹ کی طرح۔ ایک رہنما ہے اور لاکھوں جانیں۔ یہ تو ایک مثال ہے ورنہ اولیاء رحمہم اللہ کو شتربان سمجھنا غلط ہے بلکہ وہ آفتاب ہیں۔ تُو وہ آنکھ حاصل کر جو آفتاب کو دیکھ سکے۔ حیرت یہ ہے کہ ذرّہ میں سورج پوشیدہ ہے۔ بکری کے بچے کی کھال میں نرشیر ہے۔ گھاس کے نیچے چھپا ہوا دریا ہے۔ خبردار اشبہ میں اُس گھاس پر پاؤں نہ رکھنا۔ فقراء کے ساتھ حُسنِ ظن رکھنے سے کبھی نہ کبھی رہنما مل جاتا ہے۔ ہر پیغمبر دُنیا میں تنہا آیا لیکن اُس میں سو جہان چھپے ہوئے تھے۔ بیوقوفوں نے اُسے اکیلا اور کمزور سمجھا لیکن جو شاہ کا مصاحب ہو وہ کب کمزور ہوتا ہے۔ بے وقوفوں نے کہا کہ وہ ایک انسان سے زیادہ نہیں ہے۔ وہ عاقبت اندیش نہیں ہیں۔ پیغمبر' انسان کی صورت میں رونما ہوتا ہے لیکن کائنات پر اُس کا تصرّف ہوتا ہے۔ کامل ہونا' انجام پر نظر رکھنا ہے۔ اب حضرت صالح علیہ السلام کا قصہ

کاملاں از دُور نامت بشنوند کامل لوگ دُور سے تیرا نام سُنتے ہی	تا بقعرِ تار و پودت در روند تیرے تانے بانے کی گہرائی میں اُتر جاتے ہیں

سُن۔ الفاظ سے گزر جا اور اُن میں معنیٰ تلاش کر کیونکہ ظاہر بین انجام کو نہیں دیکھتا' تُو انجام پر نظر کرے گا تو عافیت کو پا لے گا۔

دشمنوں کا حضرت صالح علیہ السلام کی اُونٹنی کو حقیر سمجھنا، جب خدا چاہتا ہے کہ کسی لشکر کو ہلاک کرے تو اُن کی نگاہ میں دشمنوں کو حقیر دکھاتا ہے

وَيُقَلِّلُكُمْ فِىٓ اَعْيُنِهِمْ لِيَقْضِىَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا "اور وہ تم کو اُن کی نظر میں کم دکھاتا تھا تاکہ اُس کام کو سر انجام دے جو کرنا چاہتا ہے" حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی بظاہر ایک اونٹنی ہی تھی۔ لوگ پانی کی وجہ سے اُس کے دشمن ہو گئے' حالانکہ اُس نے قدرت کا دیا ہوا پانی پیا۔ اُنہوں نے اللہ کا پانی' اللہ سے روکا۔ اُس اونٹنی کی مثال نیکوں کے جسم کی سی ہے جو بدبختوں کی ہلاکت کا باعث بنی۔ خدا کے قہر کے داروغہ نے دیکھ لو اُن سے اونٹنی کے خون کے بدلے ایک پورا شہر طلب کیا۔

رُوح جو بمنزلہ حضرت صالح علیہ السلام کے ہے' وہ اونٹ جیسی چیز (بدن) پر سوار ہے اور گمراہ نفس اُس کی کونچیں کاٹنے والے کی طرح ہے۔ رُوح وصل کی خوشی میں ہے اور جسم فاقہ میں۔ رُوح تکالیف کو قبول کرنے والی نہیں ہے کیونکہ اللہ کا نور کافروں کا قمہ تر نہیں ہے۔ اللہ نے اُس کو جسم سے پیوست کر دیا ہے تاکہ ظالم اُس کو ستائیں اور مصیبت میں پھنسیں۔ وہ اس بات سے بے خبر ہیں کہ رُوح کا ستانا اللہ کا ستانا ہے کیونکہ مٹکے کا پانی نہر سے وابستہ ہے۔ ضرر سیپ کو پہنچتا ہے' موتی کو نہیں' اس لیے ولی کے جسم کی اونٹنی کا غلام بن جا تاکہ رُوح صالح علیہ السلام کے ساتھ تیری دوستی ہو جائے۔

حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا: چونکہ تم نے حسد برتا' تین دن کے بعد اللہ کا عذاب آئیگا۔ اگر بچنا چاہتے ہو تو وہ دیکھو اونٹنی کا بچہ پہاڑ کی جانب بھاگا جا رہا ہے' اُس کو پکڑ سکو تو یہ تدبیر ہے ورنہ تم بچ نہ سکو گے۔ وہ بھاگے لیکن کوئی اُس تک نہ پہنچ سکا' وہ چلا گیا' اُس پاک رُوح کی طرح جو کہ جسم کی نفرت سے خدا کی طرف بھاگتی ہے۔ اونٹنی کا بچہ ولی کے دل کی مثال ہے۔ اگر وہ دل صاف ہو جائے تو تم عذاب سے چھوٹ گئے ورنہ نا اُمید اور حسرت زدہ رہو گے۔

پہلے دن اُن کے چہرے زرد ہو گئے۔ دوسرے دن سُرخ ہوئے' توبہ کا وقت ختم ہو گیا۔ تیسرے دن حضرت صالح علیہ السلام کی پیشگوئی کے مطابق نا اُمیدی میں مبتلا ہو کر اونٹ کی طرح گھٹنوں کے بل آئے۔ جب تُو تعلیم حاصل کرنے کے لیے اُستاد یا اپنے پیر کے سامنے جائے تو دو زانو ہو کر بیٹھ۔ قہر ٹوٹا اور شہر نیست و نابود ہو گیا۔ حضرت صالح علیہ السلام خلوت سے شہر کی جانب آئے۔ اُن کے جسموں کے ٹکڑوں سے وہ رونا سُنتے تھے۔ رونا اور ہائے ہائے جب حد سے گزر گیا تو حضرت

بلکہ پیش از زادنِ تو سالہا　　دیدہ باشندت تُرا با حالہا
بلکہ تیری پیدائش سے بھی کئی سال پہلے　　تیرے سارے حالات سے واقف ہوتے ہیں

صالح علیہ السلام اُس رونے پر رونے لگے اور بولے: اے قوم! میں تمہاری وجہ سے خدا کے سامنے نالاں رہا ہوں۔ میں نے تمہیں اللہ کے حکم کے مطابق نصیحت کی۔ نصیحت کا دودھ محبت اور صاف دلی سے جوش میں آتا ہے۔ تم نے میری بات کو نہ مانا تو نصیحت کا دودھ میری رگوں میں ٹھٹھر گیا۔ اللہ نے میرا دل صاف کر دیا اور ناراضگی کو میری طبیعت سے جھاڑ دیا۔ میں پھر نصیحت میں لگ گیا ہوں۔ اے سرکش قوم! میرا غم تو تم تھے۔ وہ اپنی طرف متوجہ ہوئے کہ تُو کیوں رو رہا ہے؟ لیکن رحمت نے بے علت اُن پر تجلّی فرمائی اور قطرے بے وجہ ٹپکتے رہے۔ اُن کی عقل کہتی تھی کہ یہ رونا اُس قوم کے غلط کاموں پر اور سانپ جیسی زہر آور زبان پر اور اُن کی بُرائیوں پر ہے۔ وہ لوگ نیکیوں کے خریدار نہیں تھے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو جنت سے اِس لیے باہر لایا تاکہ اُن کو دوزخیوں کے انجام دکھائے۔

آیت **مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ ۝ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ ۝** "چلائے دو دریا مل کر چلنے والے، اُن دونوں میں ایک پردہ کہ ایک دوسرے پر زیادتی نہ کریں" جہنمیوں اور جنتیوں کو ساتھ ساتھ دیکھو اور اُن کے بیچ میں ایک پردہ ہے کہ خلط ملط نہیں ہیں، جس طرح کان میں مٹی اور سونا باہم ملے ہوتے ہیں لیکن الگ الگ۔ نیک اور بد موجود ہیں اپنی آنکھیں کھول، ہوسکتا ہے کہ تُو آگاہ ہو جائے۔

سمندر کا آدھا شکر جیسا اور دوسرا سانپ کے زہر کی طرح کڑوا ہے۔ اس جہان میں دونوں (نوری اور ناری لوگ) پانی کی موجوں کی طرح آپس میں ٹکراتے ہیں۔ نوری، صلح کی موجوں کو اُبھارتے ہیں اور سینوں سے کینوں کو نکالتے ہیں۔ اِس کے برعکس ناری محبتوں کو تہ و بالا کرتے ہیں۔ محبت، کڑووں کو مٹھاس کی طرف کھینچتی ہے اور عداوت، میٹھے کو تلخ بناتی ہے۔ کڑوا اور میٹھا اُس نگاہ سے نظر نہیں آتا لیکن انجام کے دریچے سے دیکھ سکتے ہیں۔

انجام پر نظر رکھنے والی آنکھ صحیح دیکھ سکتی ہے لیکن ابتدا (ظاہر) کو دیکھنے والی آنکھ دھوکا اور غلط ہے۔ اے لوگو! بہت سی چیزیں بظاہر شکر جیسی ہوتی ہیں لیکن شکر میں زہر چھپا ہوا ہوتا ہے، جو زیادہ سمجھدار ہو وہ پہچانتا ہے۔ بعض لوگ مصنوعی شیخ کو اُس وقت پہچانتے ہیں جب سامنے آئے۔ بعض اُس وقت جب اُس کے ہاتھ میں ہاتھ دیتے ہیں۔ بعض اُس کی حرکات و سکنات سے یا بَرت کر اور بعض اُس وقت جب اُس کی تعلیمات حلق تک پہنچتی ہیں۔ بعض اُس کی تعلیمات کا اثرِ بد اپنے بدن پر محسوس کرتے ہیں۔ بعض کچھ عرصے کے بعد اُس کی خباثت کو معلوم کر سکتے ہیں اور بعض کو اس کی بُری تعلیمات کا اثر قبر میں جا کر محسوس ہوتا ہے۔ غرض کہ بدعقیدہ پیروں کی تعلیمات کے مُضر اثرات محسوس کرنے میں

حالِ تو دانند یک یک مُو بمُو
وہ تیرے حال کا بال بال جانتے ہیں

زانکہ پُر بُودند از اسرارِ ہُو
کیونکہ وہ اللہ کے سب رازوں سے واقف ہیں

انسانوں میں بہت فرق ہے۔
اللہ کی طرف سے ہر کام کا ایک وقت مقرر ہے' اُس سے پہلے کام کی تکمیل نہیں ہو سکتی۔ راہِ طریقت میں بھی سمجھ آنے کے لیے وقت درکار ہے۔ ایک لعل کو روشن بننے کے لیے مدتوں سورج سے روشنی حاصل کرنی پڑتی ہے۔ اللہ پاک نے سورۃ انعام میں فرمایا کہ میں نے ہر کام کی معیاد ٹھہرادی ہے۔ خدا کرے سمجھ کے لیے تیرا رُواں رُواں کان بن جائے اور جو آبِ حیات (نسبت) تیرے پیر سے تجھے پہنچے تریاق بن جائے۔ جو کچھ اُنہوں نے دیا ہے اُسے آبِ حیات ہی سمجھ۔ رُوح جس طرح ظاہر بھی ہے اور باطن بھی اور یہ نکتہ کہ ہر چیز کے لیے معیاد مقرر ہے' آبِ حیات ہے لیکن اِس کے اثرات انسانی جبلّات کی وجہ سے متضاد بھی ہیں۔ جو لوگ اَسباب کو مؤثر بالذات اور اللہ کا غیر سمجھتے ہیں ہلاک ہوتے ہیں اور جو اَسباب کی کثرت میں وحدتِ حق کا مُشاہدہ کرتے ہیں اُن کے لیے خوشگوار ہے۔ جو غیرِ حق سمجھتے ہیں' اُن کے لیے زہر اور جو دوسرے ہیں اُن کے لیے دوا۔ غُربت کا خوف ایک انسان میں خوف اور دوسرے میں اُمید کا سبب بنتا ہے۔ باطنی حالت کے مطابق ایک کی نظر میں ظلم دوسرے کی نظر میں وفا بن جاتا ہے۔ ایک کے لیے ظلم تو دوسرے کے لیے عدل' ایک کے لیے جہل تو دوسرے کے لیے عقل' ایک کے لیے جان کا نقصان تو دوسرے کے لیے علاج۔ اِسی طرح معاملات میں ہر جگہ دل کے لیے مختلف ہوتا ہے لیکن انسانِ کامل اس کو خوب پہچانتا ہے۔

جو ولیِ کامل کرے' مُریدوں کے لیے کرنا گُستاخی ہے،
جاڑا پکے انگور کو نقصان نہیں پہنچاتا لیکن کچّے کو جلادیتا ہے

حلوہ طبیب کے لیے مضر نہیں لیکن مریض کے لیے نقصان دہ ہے۔ اگر ولی زہر کھائے اُس کے لیے تریاق ہے اور اگر طالب کھائے بے ہوش ہو جائے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام اللہ سے دُعا کرتے تھے "اے خدا! میری جیسی سلطنت میرے بعد کسی کو نہ دینا" بظاہر یہ حسد لگتا ہے لیکن یہ حسد نہیں ہے۔ اُنہوں نے سلطنت میں سو خطرے محسوس کیے' جسمانی' رُوحانی اور دینی' جس میں سے بچ کر گزر جانا آسان نہیں۔ اُن کی یہ دُعا بعد میں آنے والوں پر شفقت کی وجہ سے تھی کہ وہ لوگ اتنا بوجھ نہیں اُٹھا سکیں گے۔ سلطنت چلانے کے لیے حضرت سلیمان علیہ السلام جیسی ہمت والا انسان چاہیے' جو اُس کے رنگ و بُو سے صاف بچ کر نکل جائے۔ اتنی قوت کے ہوتے ہوئے بھی وہ سلطنت کے بوجھ سے پریشان تھے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے لاعلمی میں ایک مُشرکہ عورت سے نکاح کر لیا' جس کی پاداش میں اُن علیہ السلام کی انگوٹھی ایک جنّ کے قبضے میں چلی گئی' جس میں سلطنت کا راز مُضمر تھا۔ بہت پریشانی کے بعد وہ انگوٹھی پھر اُن علیہ السلام کو ملی تو اُنہوں نے تمام دُنیا کے بادشاہوں پر ترس کھایا اور دُعا

صُورتے کو فاخر و عالی بود
جن لوگوں کو اللہ نے فخر و بلندی عطا فرمائی ہے

اُو زِ بیتُ اللہ کے خالی بود
اُن کے دِل اللہ کا گھر ہی ہیں

کی کہ اگر تُو کسی کو سلطنت دیتا ہے تو اُسے وہ کمال بھی عطا کر جو تُو نے مجھے دیا ہے' لیکن میں جانتا ہوں کہ میرے بعد ایسا کوئی بادشاہ نہیں ہوگا جو اتنا بوجھ اُٹھا سکے۔

اعرابی اور اُس کی بیوی کے فقر اور شکایت کے قصّے کا خلاصہ

اعرابی اور اُس کی بیوی کے قصّے کو نفس اور عقل کی مثال سمجھ۔ اِس عالمِ سِفلی میں نفس اور عقل' نیک و بد کی صورت میں ضروری ہیں۔ نفس عورت کی طرح تدبیر کے درپے ہے' کبھی عاجزی کرتا ہے اور کبھی بڑائی کا خواہشمند ہے۔ عقل اِن باتوں سے واقف نہیں ہے۔ اُس کے دماغ میں اللہ کے غم کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اِس دُنیا میں ظاہر اور باطن دونوں کا موجود ہونا لازمی ہیں۔ اگر صرف باطن کو لیں تو یہ دُنیا بیکار ہو جائے' شریعت کا وجود نہ رہے۔ اگر محبت اور فکر' باطنی معاملہ ہوتا تو نماز اور روزے کی کیا ضرورت رہتی؟ لیکن اللہ سے محبت کے ظاہری اِظہار کے لیے ان چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔

دوستی ہونے کے باوجود دوست ایک دوسرے کو تحفے دیتے ہیں' جو دوستی کے اِظہار کے لیے ہوتے ہیں۔ چھپی ہوئی محبتوں کے گواہ ظاہری اَفعال ہی ہوتے ہیں۔ ظاہری اَفعال والے گواہ کوئی شراب سے مَست ہوتا ہے اور کوئی چھاچھ سے' لیکن چھاچھ والے کی مَستی اور ہاؤ ہُو بناوٹی ہوتی ہے۔ ریاکار' نماز روزے میں پوری جِدّ وجہد ظاہر کرتا ہے تاکہ گمان ہو کہ دوستی میں مَست ہے۔ جب تُو اصلیت دیکھے گا تو عین ریاکاری ہوگی۔ الغرض' ظاہری اَفعال تو اُس محبت کی علامت کے رہبر ہوتے ہیں۔ رہبر کبھی صحیح ہوتا ہے' کبھی غلط' کبھی برگزیدہ ہوتا ہے' کبھی ناکارہ۔ اے خدا! ہمیں تمیز عطا کر دے جو ہمیں غلط علامت کو صحیح علامت سے جدا کر کے سمجھا دے۔ تُو جانتا ہے کہ جس کو تمیز کیسے حاصل ہوتی ہے جبکہ جس یَنظُرُ بِنُورِ اللّٰہِ (وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے) بن جائے۔ جس شخص کے لیے اللہ کا نور امام بن جائے وہ آثار اور اَسباب کا غلام نہیں رہتا۔ جب باطن میں محبت شُعلہ زَن ہوتی ہے' وہ قوی ہو جاتی ہے اور اثر سے فارغ کر دیتی ہے۔ محبت کا ظہور بصورتِ اعمال ہوتا ہے لیکن محبت اور علامت میں بہت مناسبت بھی ہے اور دونوں جدا جدا بھی ہیں۔ درخت کی سبزی پانی کے وجود کو ظاہر کرتی ہے حالانکہ پانی اور درخت دو جداگانہ حقیقتیں ہیں۔ معاملات کی اگر حقیقت پر نظر ڈالیں تو ایک دوسرے سے بہت دُور ہیں لیکن باطن میں باہم مربوط۔ دانہ تین مختلف حقیقتوں' پانی' مٹی اور سورج سے ملتا ہے تو درخت بنتا ہے۔

عارفاں کہ جامِ حق نوشیدہ اند	رازہا دانستہ و پوشیدہ اند
عارف لوگ جنہوں نے حق کا جام پی لیا ہے	وہ سب راز جانتے ہیں مگر چھپاتے ہیں

اعرابی کا اپنی بیوی کی بات پر راضی ہونا اور قسم کھانا کہ اس کی رضامندی سے میرا مقصد کوئی حیلہ و آزمائش نہیں ہے

مرد نے کہا: جو تُو کہے گی میں تیرا حکم بجا لاؤں گا اور جو اچھائی بُرائی آئے گی اُس کو نظر انداز کر دوں گا۔ میں تجھ میں فنا ہو جاؤں گا کیونکہ میں عاشق ہوں اور عاشق کو محبت اندھا اور بہرا بنا دیتی ہے۔ عورت نے کہا: یہ بات تُو چالاکی سے تو نہیں کر رہا کہ میرا راز کھل جائے۔ اُس نے کہا: اللہ دلوں کے بھید جانتا ہے، جس نے آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا فرما کر برگزیدہ کر دیا۔ اُس جسم میں جو اُن کو دیا، تمام علوم بھر دیئے، جو لوحِ محفوظ میں موجود تھے۔ ابد تک کے حالات سے واقف کر دیا اور اپنے اسماء کی تعلیم کے ذریعے اُن کو سب کچھ پڑھا دیا۔ اُس علم کی تعلیم نے فرشتوں کو مدہوش کر دیا اور وہ کہنے لگے۔ سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا (اے خدا! تیری ذات پاک ہے، ہمیں بجز اُس کے کچھ معلوم نہیں، جو تُو نے ہمیں بتا دیا ہے) جو انکشافات حضرت آدم علیہ السلام کو ہوئے، آسمانوں پر رہتے ہوئے اُن (فرشتوں) کو حاصل نہ ہوئے اور ایک جان میں وہ سب کچھ سما گیا جس کے لیے ساتوں زمین و آسمان تنگ تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ فرماتا ہے کہ میں اُوپر نیچے کہیں نہیں سما سکتا۔ میں زمین و آسمان اور عرش میں بھی نہیں سما سکتا لیکن تعجب ہے مومن کے دل میں سما جاتا ہوں۔ اگر تُو مجھے ڈھونڈنا چاہے تو اُن دلوں میں تلاش کر۔ اللہ نے فرمایا ہے۔

فَادْخُلْ فِيْ عِبَادِيْ تَلْتَقِيْ
جَنَّةً مِّنْ رُّؤْيَتِيْ يَا مُتَّقِيْ

"میرے بندوں میں داخل ہو جا، تو پالے گا، اے پرہیزگار! میرے دیدار کی جنت کو"

عرش نے باوجود اپنی وسعت اور اپنے نور کے اُسے دیکھا تو بے قرار ہو گیا۔ عرش کی بڑائی اپنی جگہ، لیکن صورت کیا چیز ہے؟ جب معنی آ پہنچیں۔ ہر فرشتہ کہتا تھا کہ زمین میں ہم نے بڑی خدمات انجام دی ہیں لیکن زمین کے ساتھ یہ کیسا تعلق ہے، جبکہ ہمارا خمیر آسمان سے ہے۔ یہ نور تاریکیوں (ناسُوت) کے ساتھ کیسے زندہ رہ سکتا ہے؟ اب ہمیں معلوم ہوا اے آدم علیہ السلام! وہ ہماری زمین کے ساتھ محبت تیری خوشبو کی وجہ سے تھی کیونکہ تیرے جسم کا تانا بانا زمین تھی۔ تیرے خاکی جسم کو اس جگہ سے حاصل کیا اور تیرے پاک نور کو اُس جگہ چمکایا۔ پہلے پہل جب اللہ نے ہمیں زمین سے منتقل ہونے کا حکم دیا تو ہمیں بہت بھاری پڑا۔ ہم زمین پر تھے اور زمین سے غافل تھے۔ اُس خزانہ سے غافل تھے۔ جو اس میں موجود

ہر کرا اسرارِ حق آموختند
جن پر اللہ تعالیٰ کے راز ظاہر ہیں

مُہر کردند و دہانش دوختند
ان کے منہ پر مُہر لگا دی گئی ہے اور ہونٹ سی دیئے گئے ہیں

تھا۔ ہم نے اللہ سے کہا تھا کہ ہم تیری تسبیح کے لیے کافی ہیں۔ یہ انسان یہاں فتنہ و فساد پیدا کریں گے۔ اللہ کے حِلم نے ہمیں بولنے کا خوب موقع دیا لیکن اِنَّ رَحْمَتِیْ سَبَقَتْ عَلٰی غَضَبِیْ (میری رحمت میرے غصہ سے آگے ہے) کے مِصداق اُس نے ہماری گرفت نہیں کی تاکہ بعد میں کسی کو آدم علیہ السلام پر کوئی اعتراض کرنے کی گنجائش نہ رہے۔ سینکڑوں ماں باپ کی بُردباری اللہ کی بُردباری کے سامنے ہیچ ہے۔ اُن کے حِلم اللہ کے حِلم کے مقابلے میں ایسے ہیں جیسے سمندر کے آگے جھاگ جو کہ آتی جاتی رہتی ہے مگر سمندر اپنی جگہ قائم رہتا ہے۔ خاوند نے بیوی سے پوچھا کہ اب بتا میں کس طرح روزی حاصل کروں؟

عورت کا اپنے شوہر کے لیے روزی طلب کرنے کا راستہ متعین کرنا اور اُس کا قبول کر لینا

عورت نے کہا! بغداد میں اللہ کا خلیفہ حکومت کر رہا ہے۔ اگر تُو کسی طرح اُس سے وابستہ ہو جائے تو بادشاہ بن جائے گا۔ نصیبہ ور لوگوں کی مُصاحبت کیمیا ہوتی ہے۔ احمد ﷺ کی ایک نظر ابوبکر رضی اللہ عنہ پر پڑی تو وہ ایک تصدیق سے صدیق بن گئے۔ مرد نے پوچھا: بادشاہ کے یہاں مقبول کیسے ہوا جاتا ہے؟ اور میں کس ذریعے سے اُس کے پاس پہنچوں؟ کوئی تعلق یا تدبیر چاہیے، کیونکہ کوئی پیشہ بغیر اوزار کے کیسے چلے گا؟ وہ بولی: قرآن میں اللہ نے فرمایا: قُلْ تَعَالَوْا یعنی ''اے نبی ﷺ! کہہ دیجئے! چلے آؤ'' اور یہ کہہ کر بغیر حیلہ جانے کی شرم کو توڑ دیا ہے۔ جب شاہِ کرم میدان میں نکلتا ہے تو بے سروسامانی ذریعہ بن جاتی ہے۔ سامان تو انانیت کا موجب ہوتا ہے۔ یاد رکھو! ہر بے سروسامانی خود ذریعہ بن جاتی ہے۔ عاجزی سے سوال میں کامیابی ہوتی ہے۔ شوہر بولا: میں بے سروسامانی پیدا کئے بغیر اُس کا خیال کیسے کر سکتا ہوں کیونکہ گفتگو، قاضی القضاۃ کے سامنے مجرُوح ہو جاتی ہے، وہاں باطنی گواہ درکار ہے۔ سچائی، سوال کرنے والے کے حال کی گواہ ہونی چاہیے۔ وہاں اخلاص کی گواہی چاہیے۔

بدوی کا جنگل سے بارش کے پانی کا مٹکا ہدیہ میں لے جانا، اِس خیال سے کہ بغداد میں پانی کا قحط ہوگا

عورت بولی: سچائی یہ ہے کہ اپنے وجود (ہستی) سے اپنی کوشش سے علیحدہ ہو جائے۔ اس مٹکے میں ہمارا بارش کا پانی ہے، جو تیرا سرمایہ ہے۔ اِسے بادشاہ کے لیے تحفہ قرار دے۔ کہنا، ہمارے پاس اِس کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ اگرچہ اُس کا خزانہ جواہر سے بھرا ہے لیکن اُس کے پاس ایسا پانی نہ ہوگا۔

کاں دُعائے شیخ نے چوں ہر دُعاست
شیخ کامل کی دُعا عام دُعا کی طرح نہیں

فانی ست و گفتِ اُو گفتِ خُداست
کیونکہ وہ فانی ہوچکا اور اُس کا بولنا خُدا کا بولنا ہے

یہ مٹکا کیا ہے؟ ہمارا بدن ہے اور اس میں پانی ہمارے نمکین حواس ہیں۔ اے خدا! میرے اِس مٹکے کو اَللّٰہَ اشْتَرٰی کی مہربانی سے قبول فرمالے۔ قرآن میں ہے ”خدا نے مومنین سے اُن کی جانیں اور مال جنت کے عوض خرید لیے ہیں“۔ اِس مٹکے کے پانچ حواس اس کی ٹونٹیاں ہیں۔ اپنے حواس کو پاک کر کے اِس کُوزے کا راستہ سمندر کی جانب کر لے تاکہ کوزہ سمندر کی خصلت اِختیار کر لے۔ یہ ہدیہ جب تُو بادشاہ کے پاس لے جائے' وہ اِس کو پاک دیکھے اور ہوسکتا ہے کہ بادشاہ اِس کا خریدار بن جائے۔ ایسا ہوگیا تو اِس کا پانی لاانتہا ہو جائے گا۔ اپنی خواہشاتِ نفسانی کو قابو کر۔ بدو اپنے تحفے پر فخر کر رہا تھا کہ بادشاہوں کے لائق یہی تحفہ دُرست ہے۔ اُس کو معلوم نہ تھا کہ بغداد کے درمیان دجلہ جیسا دریا بہتا ہے۔ تُو اپنا مٹکا شاہ کی خدمت میں لے جا اور پھر تَجْرِیْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ (نہریں اُس کے نیچے جاری ہیں) کا نظارہ کر۔ اِسی طرح ہماری معلومات اور احساسات اُس صاف سمندر کے مقابلے میں ایک قطرہ ہیں۔ یہ معلومات اُس ذات سے حاصل کر جس کے پاس لوحِ محفوظ ہے۔

عورت کا ٹھلیا کو نمدہ میں سینا اور اُس پر مُہر لگانا

مرد نے کہا: اِس کُوزہ کو نمدے میں سی دے تاکہ بادشاہ اِس تحفہ سے اپنا روزہ کھولے' یہ تحفہ بے بہا ہے۔ یہ شہری لوگ نمکین پانی پینے کی وجہ سے اکثر بیمار رہتے ہیں۔ اے وہ کہ تیری جگہ کھاری پانی کا چشمہ ہے! تُو جیحوں اور فرات (دریا) کے پانی کی صفائی کو کیا جانے؟ تُو اِس فانی سرائے سے نہیں چھوٹا' تو صحو' سکر اور اِنبساط کو کیا جانے۔ مرد نے ٹھلیا اُٹھائی اور سفر پر روانہ ہوگیا وہ راستہ چلتا جاتا تھا' لیکن زمانے کی آفتوں سے ٹھلیا کو پہنچنے والے نقصانات کے خطرے سے بہت فکر مند تھا۔ عورت نماز میں کہہ رہی تھی۔ ”اے خدا! اُس کو سلامت رکھ“ ہمارے پانی کو کمینوں سے محفوظ رکھ۔ اِس موتی کو محفوظ رکھ کہ اِس موتی کے ہزاروں دشمن ہیں۔

مرد دارالخلافہ میں پہنچا' تو انعاموں سے بھرا اِک دریا دیکھا۔ ہر جانب ضرورت مند اُس دَر سے عطا اور خلعت پا رہے تھے۔ کافر' مومن' اچھے' بُرے انسان سے لے کر چیونٹی تک اہلِ ظاہر جواہر میں لدے ہوئے تھے اور اہلِ باطن نے حقیقت کا سمندر پایا تھا۔ ہر طرف سے آواز آتی تھی کہ اے سائل! آ جا کیونکہ سخاوت کو سائل کی ضرورت ہے۔ سخی سائیلوں کا محتاج ہوتا ہے۔

چُوں خُدا از خود سوال وگد کُند جب خُدا اپنے آپ ہی سے سوال کرے گا	پس دُعای خویش راچوں رَد کُند تو پھر اُسے رد کیسے کرے گا؟

جس طرح فقیر، سخی کا عاشق ہوتا ہے
اِسی طرح سخی بھی فقیر کا عاشق ہوتا ہے

جسطرح فقیر، سخی کا عاشق ہوتا ہے، سخی بھی فقیر کا عاشق ہوتا ہے۔ اگر فقیر کا صبر بڑھا ہوا ہو تو کریم اُسکے دروازے پر آجاتا ہے اور سخی کو صبر ہو تو فقیر اُسکے دروازے پر آتا ہے، لیکن صبر کرنا فقیر کا کمال ہے اور سخی کا عیب ہے۔ سخاوت ضرورت مند ہے اور طلبگار چاہتی ہے، جس طرح توبہ، توبہ کرنے والے کی مُتلاشی ہوتی ہے۔ سخاوت فقیروں کو اس طرح تلاش کرتی ہے جیسے حسین لوگ صاف آئینے کو تلاش کرتے ہیں۔ حسینوں کا چہرہ آئینے سے حسین بنتا ہے اور احسان کا چہرہ فقیر کے وجود سے ظاہر ہوتا ہے جبکہ فقیر سخاوت کا آئینہ ہے۔ خبردار! اُس پر پھونک نہ مار۔ اِسی لیے اللہ نے سورہ والضّحٰی میں فرمایا اے محمد ﷺ! فقیر کو نہ جھڑکیں۔ فقیر اللہ تعالیٰ کی سخاوت کے آئینے ہوتے ہیں اور جو لوگ اللہ سے وابستہ ہوتے ہیں، مجسّم سخاوت ہوتے ہیں اور جو اِن دونوں کے علاوہ ہے وہ مردہ ہے۔

فرق اُس شخص میں جو اللہ کا بھکاری ہے اور اُس کا پیاسا ہے
اور اُس شخص میں جو خُدا سے بے پرواہ اور غیر کا پیاسا ہے

وہ فقیر جو اللہ تعالیٰ کا پیاسا ہے، اُس کا کام ہمیشہ خدا کی جانب سے دُرست ہوتا ہے۔ لیکن وہ فقیر جو غیر کا پیاسا ہو، وہ ذلیل اور بھلائی سے خالی ہوتا ہے۔ وہ صرف فقر کی تصویر ہے، جاندار نہیں ہے۔ کتے کی تصویر کو ہڈی نہ ڈال۔ وہ لقمہ کے لیے فقیری کرتا ہے نہ کہ اللہ کے لئے۔ روٹی کا فقیر، مٹی کی مچھلی ہوتا ہے۔ مچھلی کی تصویر کو دریا سے کیا کام۔ ایسا فقیر عطیہ کی خاطر اللہ کا عاشق بنتا ہے۔ اُس کے حسن و جمال کا عاشق نہیں ہے۔ یاد رکھو! اَسماء اور صفات کا خیال ذاتِ خداوندی کا خیال تو نہیں ہوتا۔ خیال، مخلوق ہے اور پیدا شدہ ہے۔ کیا تُو نے لَمۡ یُولَدۡ نہیں سُنا؟ اپنے وہم کی تصویر کا عاشق، اللہ تعالیٰ کے عاشقوں میں سے کب ہو سکتا ہے۔ ہاں اِس خیال کا عاشق بھی اگر سچا ہو تو کبھی کبھی مجاز اُس کو حقیقت تک پہنچا دیتا ہے۔

میں تفصیل میں جانے سے ڈرتا ہوں کیونکہ کوتاہ عقل لوگوں کی بوسیدہ عقلیں تخیل میں سینکڑوں بُرے خیالات لائیں گی۔ سچی بات سننے پر ہر شخص قادر نہیں ہے۔ ہر پرندے کی خوراک انجیر نہیں ہوتی۔ مچھلی کی تصویر کے لیے دریا اور خشکی ایک ہی ہیں۔ اگر کاغذ پر کوئی غمگین تصویر بنائے تو اُس کو خوشی اور غم سے کیا واسطہ؟ وہ صورت غمگین ضرور دکھائی دیتی ہے لیکن غم سے خالی ہے۔ وہ خوشی یا غم جو دل میں چھپے ہوئے ہوتے ہیں، تصویر والی خوشی یا غم اُس کے سامنے کچھ نہیں ہیں۔ تصویر کی ہنستی ہوئی صورت سے تُو یہ فائدہ ضرور حاصل کر سکتا ہے کہ اپنا باطن دُرست کر لے اور غمگین تصویر کی

باقیاں ایں خلق باقی خوارِ اُو	**قُطب شیر و صید کردن کارِ اُو**
ساری مخلوق اُس کا بچا ہوا کھانے والی ہے	قطب شیر ہوتا ہے اور اُس کا کام شکار کرنا ہے

صورت ہمارے لیے ہے کہ ہمیں سیدھا راستہ یاد آ جائے۔ جسم کو جان کی اور جان کو جسم کی خبر نہیں کیونکہ ان دونوں کا مطمع نظر ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہے۔ جسم کے کپڑے (ظاہر) کو اُتار پھینک تا کہ تجھ پر رازِ خداوندی ظاہر ہو جائے۔

بدوی کے اعزاز کے لیے خلیفہ کے دربانوں اور نقیبوں کا آگے بڑھ کر اُس کے ھدیہ کو قبول کرنا

بدوی جب دارالحکومت پہنچا تو نقیب اُس کے پاس آئے۔ اُنہوں نے مہربانی سے گلاب اُس کے چہرے پر چھڑکا، بغیر گفتگو کے اُس کی حاجت اُن کی سمجھ میں آ گئی۔ اُنہوں نے پوچھا: اے سردار! تُو کہاں سے آیا ہے؟ اُس نے کہا: اگر تم میرے لیے ذریعہ معاش مہیا کر دو تو میں سردار ہوں ورنہ بے حقیقت۔ تم سب مجھے سردار نظر آتے ہو، تمہارا ایک دیدار بہت سے دیدار ہیں۔ اے نقیبو! کہ تم سب اللہ کے نور سے دیکھنے والے ہو، کیا اُس کے پاس سے میرے لیے کوئی انعام لائے ہو؟ تا کہ تم مجھ پر اپنی کیمیا اثر نگاہیں ڈالو، میں بہت دُور جنگل سے بادشاہ کی مہربانی کی اُمید پر آیا ہوں کیونکہ اُس کی مہربانی کی خوشبو کی وجہ سے ریت کے ذرّوں میں بھی جانیں پڑ گئی ہیں۔

میں یہاں دینار کے لیے آیا لیکن دیدار سے مست ہو گیا۔ میں ایک معمولی مقصد لے کر آیا تھا لیکن میرے ساتھ تو ایسے ہوا جیسے بدوی نے کنویں سے پانی نکالا تو یوسف علیہ السلام کے دیدار سے مشرف ہو گیا۔ موسیٰ علیہ السلام معمولی آگ لینے گئے تو وہ چیز حاصل کر لی جو آگ سے کنارہ کش کر دے۔ عیسیٰ علیہ السلام دشمنوں کے نرغے سے کودے تو چوتھے آسمان پر پہنچ گئے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے گیہوں کی طرف ہاتھ بڑھایا تو اُن کا وجود انسان کا گچھا بن گیا، جن میں سے انبیاء علیہم السلام اور رسول پیدا ہوئے۔ باز دانہ کھانے کے لیے جال میں پھنسا تو اُس کو بادشاہ کی کلائی پر جگہ ملی۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑنے کے لیے آئے، گرفتار ہو کر مسلمان ہوئے تو اُن کی نسل کو بادشاہت مل گئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی نیت سے آئے لیکن شریعت میں امیر المومنین بنا دیئے گئے۔

میں بھی اس دروازے پر ایک چیز کا طالب بن کر آیا ہوں، میں پانی کا تحفہ لایا ہوں تو بادشاہ تک آ پہنچا۔ روٹی نے انسان کو جنت سے نکالا لیکن مجھے روٹی نے جنت سے وابستہ کر دیا اور اب میں اُس آسمان جیسے دَر کا طواف کرتا ہوں کیونکہ میں رُوحانی دولت سے مالا مال ہو کر دُنیا سے بے نیاز ہو گیا ہوں۔

دُنیا کے عاشق کی مثال

دنیا کے عاشق کی مثال اُس دیوار کے عاشق جیسی ہے جس پر سورج چمکا ہو اور اُس نے یہ سمجھنے کی کوشش نہ کی ہو کہ یہ روشنی دیوار کی نہیں ہے سورج کی ہے، جو چوتھے آسمان

تا توانی در رضائے قُطب کوش
تُو بس قُطب کو راضی رکھتا رہ

تا قوی گردد کُند صیدِ وحُوش
تا کہ وہ قوی ہو جائے اور بڑے شکار کرے

میں ہے اور دیوار پر عاشق ہوگیا اور جب سورج کی روشنی سورج سے جا ملی تو محروم رہ گیا اور وَحِيلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُونَ ''اور آڑ کر دی گئی اُن میں اور اُن کی مراد میں'' دنیا میں گردش بے غرض نہیں ہوتی ہے' سوائے عاشقوں کے جسم و جان کے' جو کُل (ذاتِ خداوندی) کے عاشق ہوں۔ جب کوئی جُزو کسی جُزو کا عاشق ہوتا ہے تو اُس کا معشوق اپنے کُل کی طرف جلدی ہی چلا جاتا ہے کیونکہ تمام ممکنات فنا ہو کر ذاتِ اَحدیت میں مل جاتے ہیں۔ احمق نے جب سورج کی روشنی دیوار پر دیکھی تو یہ سمجھ کر کہ یہ پُر نور ہے اُس کا عاشق بن گیا اور یہ نہ سمجھا کہ یہ تو آسمان کے سورج کا عکس ہے۔ جب وہ روشنی اپنی اصل سے جا ملی تو کالی دیوار اپنی جگہ پر کھڑی تھی۔ مجاز کا عاشق تو اُس شکاری کی طرح ہے جو سایہ کو پکڑ لے' لیکن سایہ حقیقت کب ہے۔ شکار نے پرندے کے سائے کو مضبوطی سے پکڑ رکھا تھا لیکن درخت پر بیٹھا پرندہ اُس کی بے وقوفی پر ہنستا تھا۔ جُز پوری طرح کُل سے جُدا ہوا نہیں ہے' اُس سے الگ ہے۔ ورنہ رسولوں کو بھیجنے کی کیا ضرورت تھی؟ رسول ملانے کے لیے ہی تو آئے۔ جب ایک ہی ہیں تو وہ کس چیز کو ملائیں گے۔

بدوی کا اپنے تحفہ کو خلیفہ کے نوکروں کے سپُرد کرنا

بدوی نے اپنی پانی کی ٹھلیا نقیبوں کو پیش کر دی اور اس طرح اُس دریا میں خدمت کا بیج بو دیا۔ بولا: میرا یہ تحفہ بادشاہ کی خدمت میں پیش کر دو۔ یہ بارش کا میٹھا پانی ہے جو میں نے گڑھے میں جمع کیا تھا۔ نقیب اُس کی باتوں پر ہنس رہے تھے' لیکن انہوں نے تحفے کو جان کی طرح قبول کیا کیونکہ بادشاہ کی مہربانیوں کا اثر اُس کے کارندوں پر بھی ہوتا ہے۔ بادشاہ اچھا ہوگا تو کارندے بھی اچھے ہوں گے۔ تُو بادشاہ کو حوض اور خادموں کو ٹونٹیاں سمجھ' چونکہ پانی ایک ہی حوض سے آتا ہے' ہر ٹونٹی کا پانی خوش ذائقہ ہے۔ اگر حوض میں کھاری اور ناپاک پانی ہوگا تو ٹونٹی میں سے وہی نکلے گا' کیونکہ وہ حوض سے وابستہ ہے۔

رُوح چونکہ پورے بدن پر حکمرانی کرتی ہے اور وہ اِس عالم کی چیز نہیں ہے اور اِس دُنیا کے لحاظ سے وہ بے وطن ہے۔ اِس طرح رُوح کو بدن سے وہی نسبت ہے جو شاہ کو رعایا سے۔ پاک طبیعت' پاک نسب' عقل کی لطافت پورے بدن کو مہذب بنا دیتی ہے۔ اُس دریا کی لطافت کو دیکھ' جو کوثر کی طرح ہے اور اُس کے سنگریزے سب موتی اور گوہر ہیں۔ جس طرح رعایا بادشاہ کے اَوصاف قبول کر لیتی ہے اور شاگرد اپنے اُستاد کے اَوصاف اپنا لیتا ہے' اسی طرح وہ اُستاد جو راہِ خدا میں محو ہے' اُس کے شاگردوں کی جان بھی شاہ میں محو ہو جاتی ہے اور علم کی تمام قسموں میں سے مرنے کے بعد آخرت کے راستے کا سامان فقر ہی ہے۔

ضُعفِ قُطب از تن بُود از رُوح نے
قُطب محض جسمانی طور پر کمزور ہوتا ہے رُوح نہیں

ضُعف در کشتی بُود در نُوح نے
ضُعف کشتی میں ہو سکتا ہے نوح میں نہیں

ملّاح کے ساتھ کشتی میں نحوی کا قصّہ

ایک نحوی کشتی پر سوار ہوا اور اُس متکبر نے ملاح سے سوال کیا کہ کیا تُو نے نحو پڑھی ہے؟ اُس (ملاح) نے جواب دیا: نہیں۔ نحوی بولا: تیری آدھی عمر برباد ہوئی۔ ملاح کا دل ٹوٹ گیا لیکن وہ جواب سے خاموش رہا۔ ہوا نے کشتی کو بھنور میں ڈال دیا تو ملاح نے نحوی سے پوچھا: کیا تُو تیرنا جانتا ہے؟ وہ بولا: نہیں۔ ملاح بولا: تو پھر تیری ساری عمر برباد گئی کیونکہ یہاں محویت چاہیے نہ کہ نحو۔ اگر تُو نے اپنے آپ کو فنا کر دیا ہے اور مردہ بن گئے ہو تو یہ پانی تجھے سر پر اُٹھالے گا۔ اپنے جسمانی خصائل کو فنا کر دو تو تب اِس پانی سے نجات حاصل کر سکو گے۔ اگر تُو دُنیا میں علامۂ زمان بنا ہوا ہے تو اِس دُنیا کے فنا ہونے کو دیکھ۔

اُس بدوی کی پانی کی ٹھلیا ہمارے علوم و اعمال ہیں اور وہ (خلیفہ) خدا کے علوم کا دجلہ ہے۔ ہم ٹھلیا بھر کر دجلہ کی طرف لے جا رہے ہیں۔ اگر ہم اپنے آپ کو گدھا نہ سمجھیں تو گدھے ہیں۔ بدوُ دجلہ سے غافل اور بہت دُور تھا' اگر وہ دجلہ سے واقف ہوتا تو ٹھلیا کو منزل بمنزل نہ لے جاتا بلکہ اگر وہ دجلہ سے واقف ہوتا تو ٹھلیا کو پتھر پر مار دیتا۔ یہ مختصر ٹھلیا اپنے اور دجلہ کے درمیان حجاب نہ بنا اُس کو بیچ دے۔

تُو بچا بچا کے نہ رکھ اِسے ترا آئینہ ہے وہ آئینہ
کہ شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہِ آئینہ ساز میں (علامہ محمد اقبال ؒ)

خلیفہ کا ہدیہ کو قبول کرنا اور بخشش کرنا اُس حقیر ہدیے سے پوری بے نیازی کے باوجود

جب خلیفہ نے اُس کے حالات سُنے تو ٹھلیا کو اشرفیوں سے بھر دیا' بلکہ اور زیادہ دیا اور حکم دیا کہ یہ واپس لوٹے تو اسے دجلہ کی جانب لے جانا' وہ خشکی کے راستے آیا ہے اور دجلہ کا راستہ قریب ہوگا۔ اُنہوں نے ایسے ہی کیا اور وہ ساری گزشتہ تکالیف کو بھول گیا' جب اُس نے دجلہ کو دیکھا تو شرم سے جُھک گیا۔ عاجزی سے بولا: اے لکھ بخش بادشاہ! تیری مہربانی پر تعجب ہے کہ تُو پانی کا ہدیہ بھی قبول کر لیتا ہے۔

اے بیٹا! پوری دُنیا کو ٹھلیا سمجھ' جو لُطف اور خوبی سے کناروں تک بھری ہوئی ہے۔ وہ دجلہ کی ایک بوند ہے' جو اپنے پُر ہونے پر پھولی نہیں سماتی۔ اللہ فرماتا ہے کہ میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا' میں نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں۔ تو یہ کائنات کی پیدائش معرفتِ خداوندی کے لیے ہے۔ اُس نے مٹی کو اطلس پوش بادشاہ بنا دیا یعنی اپنا مظہر (خلیفہ) بنا دیا۔ جن لوگوں نے دجلہ کا ایک قطرہ دیکھ لیا ہے اُنہوں نے بے خودی میں اپنی ذات کی ٹھلیا پر پتھر مار دیا ہے۔ جن لوگوں پر علمِ باری کی

یار بیے دہ در مرمت کشتیش
اگر تُو شیخ کا خاص بندہ ہو گیا ہے

گر غلام خاص و بندہ گشتیش
تو تُو اُس کمزور کشتی کی مرمت میں مدد کر تا رہ

حقیقت منکشف ہو گئی ہو' انہوں نے اپنے حقیر علم کو خیر باد کہہ دیا ہے۔ اگر غور کرو تو اُن کی ٹھلیا ٹوٹنے سے اور مکمل ہو گئی ہے۔ ٹھلیا ٹوٹ گئی لیکن اُس کا پانی نہیں بہا۔ ٹھلیا کا ٹکڑا رقص اور حال میں ہے' لیکن ناقص عقل کو یہ ناممکن نظر آتا ہے۔

مقامِ فنا میں پہنچ کر انسان کو کمال حاصل ہو جاتا ہے۔ رگ رگ میں محبت کا نور سرایت کر جاتا ہے اور ذرّہ ذرّہ رقص اور حال میں مبتلا ہو جاتا ہے' اور خوبی یہ ہے کہ کمالِ ذاتی بھی فنا نہیں ہوتا کیونکہ اپنے کمالات کی طرف توجہ ہی نہیں رہتی۔ جب بھی تُو معنیٰ کا دروازہ کھٹکھٹائے گا تو تیرے لیے وہ کھول دیا جائے گا۔ اپنی فکر کا پَر پھڑ پھڑاتا کہ تجھے شہباز بنا دیا جائے۔ تیرے فکر کا پَر مٹی (عالمِ سفلی) سے بھرا ہوا ہے کیونکہ تُو روٹی کی شکل میں مٹی کھانے والا بن گیا ہے۔ وہ روٹی اور گوشت بھی مٹی ہی ہے۔ اس کو کم کھا تاکہ مٹی کی طرح زمین ہی میں نہ رہ جائے۔ ہم غذا میں تمام عمر مٹی کھاتے رہے' آخر کار بدلہ میں مٹی نے ہم کو کھالیا۔ جب تُو بھوکا ہوتا ہے تو کتا بن جاتا ہے' بدمزاج اور بدخصلت ہو جاتا ہے اور جب تیرا پیٹ بھر جائے تو مردہ ہو جاتا ہے' دیوار کی تصویر کی طرح بے خبر۔ اگر تُو ایک وقت میں مُردار ہے اور دوسرے وقت میں کتا ہے' تو شیروں کے راستے پر کب چل سکتا ہے؟ اپنے شکار کے ذریعے (پیٹ) کو کتے کے سوا کچھ نہ سمجھ۔ کتے کو ہڈی کم ڈال اِس لیے کہ جب کتے (نفس) کا پیٹ بھر جاتا ہے تو وہ سرکش ہو جاتا ہے اور شکار کی طرف اچھی طرح نہیں دوڑتا۔

اُس بدوی کو بے سروسامانی دولت کدہ تک کھینچ لائی اور بادشاہ نے اُس بے نوا پر احسان کر دیا۔ بے نوائی اختیار کی جائے تو دربارِ خداوندی میں رسائی ہو جاتی ہے۔ عاشق انسان جو کچھ بھی کہتے ہیں اُس میں فقر کی بُو ضرور ہوتی ہے۔ عاشق اگر بظاہر ٹیڑھی بات کرے تو وہ سیدھی ہوتی ہے۔ اُس کے شک کی بات میں بھی یقین کی خوشبو ہوتی ہے۔ اگر عارف' فقہ کا کوئی مسئلہ بیان کرتا ہے تو وہ بھی فقر و تصوّف بن جاتا ہے۔ اولیاء اللہ رحمہم اللہ کا جملہ کلام عشق پر مبنی ہوتا ہے۔ اُن کے بظاہر غلط محسوس ہونے والے کلمات بباطن مُفید ہوتے ہیں اور اعتبار تو باطن کا ہی ہے۔ شکر کی روٹی کا ظاہر روٹی لیکن باطن شکر ہے۔ اگر کوئی مومن سونے کا بُت پالے تو وہ سونے کو ضائع نہیں کرے گا' ہاں اس کی صورت کی ہیئت تبدیل کر دے گا۔ اصل سونا تو خدا کی دین ہے۔ اس پر بُت کی تصویر تو عارضی ہے۔ ایک پسو کی وجہ سے اپنی گودڑی کو نہ جلا۔ اولیاء رحمہم اللہ کی بات ظاہراً اگر ناگوار بھی ہے تو اُس کی وجہ سے حقیقت سے کنارہ کش مت ہو۔ بزرگوں کے ظاہری الفاظ سے درگزر کر کے معنیٰ تک پہنچ۔

اگر تُو حج کرنا چاہتا ہے تو کسی حاجی کو ہمسفر بنا' وہ چاہے کوئی صورت رکھتا ہو' اُس کے رنگ یا تصویر کو نہ دیکھ' اُس کے ارادے اور قصد کو دیکھ۔ اگر وہ کالا ہے اور تیرا ہم خیال ہے تو اُسے گورا سمجھ کیونکہ وہ تیرا ہم رنگ ہے' اعتبار باطن کا ہے۔

شیخِ نُورانی ز رہ آگہ کُند	با سُخن ہم نُور را ہمرہ کُند
نُورانی شیخ تمہیں حق کے راہ سے آگاہ کرتا رہے گا	باتوں کے ساتھ بھی نُور کے ساتھ بھی

اگر وہ گورا اور خوبصورت ہے اور تیرا اہم خیال نہیں تو اُس سے تعلق نہ رکھ۔ یہ قصہ بے ترتیب لکھ دیا گیا ہے جیسے کہ عاشقوں کا خیال بے سروپا ہوتا ہے۔ عاشق کے خیال کا سرا اِس لیے نہیں ہوتا کیونکہ اُس کا تعلق ازل سے بھی پہلے کا ہے۔ وہ پانی کے ایک قطرے کی طرح ہے کہ سروپا بھی رکھتا ہے اور بے سروپا بھی ہے۔ اگر قطرے کو دریا سے الگ کرلو تو اُس کی اِبتداء بھی ہے اور اِنتہا بھی اور اگر علیحدہ نہ کرو تو نہ اُس کی کوئی اِبتدا ہے اور نہ اِنتہا۔

بدوی اور اُس کی بیوی کا قِصہ دراصل خود ہمارا قِصہ ہے۔ اچھے صوفی کے لیے جو کچھ گزر گیا وہ ناقابلِ ذکر ہوتا ہے۔ جبکہ اُس کا فکر اُس کے حال میں مشغول ہوتا ہے۔ اُس کے ذہن میں انجام کا فکر بھی نہیں آتا۔ عقل کو شوہر سمجھ اور نَفس اور طبیعت کو عورت، عقل شمع ہے اور نَفس و طبیعت منکر ہیں۔ انکار کی بنیاد ایسے پڑی کہ کُل کے مختلف اجزاء ہیں۔ حقیقی جُزو اور کُل نہیں کیونکہ اللہ اجزاء سے پاک ہے۔ محض سمجھانے کے لئے، جیسے کہ پھول کی خوشبو پھول کا جُزو ہوتی ہے۔ اِس لیے اِس موضوع میں وسوسوں سے پرہیز کر کیونکہ پرہیز علاج سے بہتر ہوتا ہے۔ تیرا کام صرف صبر کرنا ہے کیونکہ صرف اِسی سے ذوق و وجدان پیدا ہوگا، جس سے سب اَشکال حل ہو جائیں گے۔ صبر سے رُوح میں ایسی طاقت پیدا ہو جائے گی کہ وساوس کی گنجائش نہیں رہے گی۔ تصوّف میں صبر ہی تمام مسائل کا حل خود بخود بہم پہنچا دیتا ہے۔ سُن لے! کہ مخلوق کی اُن کی طبائع کے مطابق مختلف حقیقتیں ہیں، جیسے حروفِ تہجی ایک لحاظ سے ''الف'' ہی ہیں لیکن شکلیں مختلف ہوگئیں، یعنی ایک پہلو سے مُتّحِد اور دوسرے سے مختلف ہیں۔

قیامت کا دن پیشی کا دن ہے۔ لیکن پیشی تو وہ چاہے گا جو شان و شوکت والا ہے۔ جو شخص آفتاب جیسا چہرہ نہیں رکھتا وہ رات کے اندھیرے کے سوا کیا چاہے گا کہ کہیں اُس کی رُسوائی نہ ہو جائے۔ اختلاف کے اَسباب پر غور کرنے کی بجائے اُن کے نتائج پر غور کرنا چاہیے۔ نیک اعمال والے لوگ قیامت کے دن مسرور ہوں گے لیکن بداعمال چاہیں گے کہ پیشی کا دن نہ ہی آئے تاکہ اچھے اور بُرے میں تمیز نہ ہوسکے۔ اِس لیے شیخِ کامل کے آگے اپنے مخفی افعال کہہ دے تاکہ تیری اِصلاح ہوسکے اور تُو رُسوا ہونے سے محفوظ ہو جائے۔ شیخِ کامل اگرچہ سب کی طرح ایک انسان ہے لیکن اپنے آپ میں پورا جہان ہے۔ وجودِ کُل کا نسخہ اُس کے ہاتھ میں ہے۔ وہ تیرے جسم (نَفس) کو ختم کردے گا تو رُوح ظاہر ہو جائے گا۔

پیر کی تعریف اور اُس کی تابعداری کرنے کا بیان

اے ضیاالحق حُسام الدین رحمۃ اللہ علیہ! اگرچہ تیرا جسم نازک اور لاغر ہے لیکن پھر بھی تیرے بغیر دُنیا کا

جہد کُن تا مستِ نُورانی شوی		تا حدیثت را شوَد نُورش رَوی
تُو کوشش کر تاکہ تُو مست اور نُورانی ہو جائے		تاکہ تیری بات کے ساتھ بھی نُور ہو

کام نہیں نکلتا۔ آغازِ کار تیرے ہاتھ میں اور منشا کے مطابق ہے۔ پیر چونکہ راہ کے اَحوال سے واقف ہے' اُس کا دامن تھام لے اور حقیقی راستہ پالے۔ میں نے ایک جواں بخت کو پیر کہا ہے کیونکہ وہ خدا کی جانب سے پیر ہے' عمر کی وجہ سے نہیں۔ وہ ایسا پیر ہے' جس کی ابتداء نہیں ہے۔ جیسے حضور ﷺ نے فرمایا: ''میں اُس وقت بھی نبی تھا جب آدم علیہ السلام کا صرف پُتلا بنا تھا'' اور پیری دراصل پیغمبری کا پَرتَو ہوتی ہے۔ پیر کا بڑھاپا اس کی کمزوری کی دلیل نہیں ہوتا' پرانی شراب زیادہ قوی ہوتی ہے۔ پیر کا توسّل اختیار کر کیونکہ یہ سفر پیر کے بغیر آفت اور خوف وخطر سے پُر ہے۔ تُو جس راستہ پر بارہا چل چکا ہے' اُس کے لیے بھی رہنما کے بغیر پریشانی ہے اور جس راستے کو تُو نے دیکھا ہی نہیں خبردار! اُس پر تنہا نہ جا۔

جو شخص بغیر پیر کے راستہ پر چلا' وہ شیطانوں کی وجہ سے گمراہ اور ہلاک ہوا۔ اگر پیر نہ ہو تو شیطانی وساوس تجھے بہت پریشان کریں گے۔ شیطان تجھے گمراہ کر کے پریشانی میں ڈال دے گا۔ تجھ سے زیادہ ہوشیار اور چالاک اس راستہ میں گمراہ ہو گئے۔ اُن کی گمراہی قرآن سے سُن کہ شیطان لوگوں کو سیدھے راستے سے لاکھوں سال کی مسافت پر لے گیا۔ اُن ہلاک شُدگان سے عبرت حاصل کر اور اُن کے راستے پر نہ چل۔ اپنے گدھے (نفس) کی گردن پکڑ لے اور اُسے راستے کی طرف کھینچ' راستہ جاننے والوں کی طرف آ۔ خبردار! گدھے کو نہ چھوڑ کیونکہ یہ سبزہ زار کا عاشق ہے۔ تُو نے اُسے ذرا ڈھیل دی تو یہ فوراً گھاس کی طرف بھاگے گا' گھاس کا عاشق گدھا' راستے کا دشمن ہے۔ اگر تُو راستے کا واقف نہیں ہے تو جو یہ گدھا چاہے اُس کے برخلاف کر' وہی سیدھا راستہ ہوگا۔ عورتوں سے مشورہ کر لیکن اُس کے خلاف عمل کر' ورنہ ہلاک ہو جائے گا۔ خواہشِ نفسانی اور آرزو سے دوستی نہ کر کیونکہ یہی تجھے اللہ کے راستے سے گمراہ کرتی ہیں اور پیر کی صحبت کے سوا کوئی چیز خواہشِ نفسانی کو پامال نہیں کرتی۔

آنحضور ﷺ کی امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کو وصیت "جب ہر شخص اللہ کا تقرب کسی قسم کی اطاعت کے ذریعے ڈھونڈے تو تُو عقلمند اور خاص بندے کی صحبت کے ذریعے تقرب چاہ تاکہ تُو اُن سب سے آگے بڑھ جائے"

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پیغمبر ﷺ نے فرمایا! جب لوگ اپنے خالق کا تقرب مختلف نیکیوں کے ذریعے چاہیں' تُو اللہ کا عقل اور اسرارِ الٰہی کے ذریعے تقرب چاہ' تُو درجوں میں سب بڑھ جائے گا' دنیا میں لوگوں کے نزدیک اور آخرت میں اللہ کے نزدیک۔ اے علی! تُو اللہ کا شیر ہے لیکن تُو شیری پر بھروسہ نہ کر۔ نخلِ اُمید کے سایہ میں رہ۔ اُس بے مثال کی نزدیکی

اپنے کمال اور نیکی کی بنیاد پر نہیں بلکہ اپنی محبت کے ذریعے حاصل کر۔ تُو اُس عقل مند کے سایہ میں آ جا جس کو راستے سے ہٹانے والا کوئی نہیں اور اُس کے ذریعے سے اللہ کا قرب حاصل کر۔ وہی ہے جو ہر کانٹے کو پھول بنا دیتا ہے اور اندھی آنکھ کو روشنی عطا کرتا ہے۔ اللہ کا خاص بندہ ہی دستگیری کرتا ہے اور طالبوں کو اللہ کی بارگاہ تک لے جاتا ہے۔ وہ رُوح کا سورج ہے، وہ سورج انسان کے جسم میں رُوپوش ہے۔ اے علی رضی اللہ عنہ! راہِ حق کی تمام اطاعتوں میں سے اُس کے مخصوص بندے کے سایہ کو اختیار کر۔ اس عقل مند کے سایہ کی پناہ لے تا کہ اپنے چھپے ہوئے دشمن سے نجات پا لے۔

جب تُو اپنے پیر کو پا لے تو خبردار! سرِ اطاعت اُس کے سامنے رکھ دے، اُس خضر علیہ السلام کے کام پر صبر کر۔ کہیں وہ یہ نہ کہہ دے کہ "هٰذَا فِرَاقُ"۔ وہ کشتی توڑ دے تو اعتراض نہ کر، بچے کو مار ڈالے تو رنج نہ کر۔ جب خدا نے اُس کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ قرار دیا ہے اور يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ فرما دیا ہے تو اللہ کا ہاتھ اُس کو مارتا یا زندہ کرتا ہے۔ اُس راستے پر جانے کے لیے یار چاہیے، تنہا جنگل میں نہ جا، ایسا کم ہوا ہے کہ کسی نے تنہا یہ راستہ طے کیا ہو، وہ بھی بزرگوں کی باطنی توجہ سے ہی ہوا ہے۔ یہ ہاتھ غیر حاضر لوگوں کو بھی لقمہ دے دیتے ہیں، تو حاضر مہمانوں کو کیا کیا نعمتیں دیں گے۔ اہلِ کشف اور اہلِ حجاب میں بے حساب فرق ہے، کوشش کر تا کہ اندر کا راستہ پا لے ورنہ زنجیر کی طرح دروازے سے باہر رہ جائے گا۔ پیر بنا لیا تو نازک دل نہ بن، گارے کی طرح ڈھیلا نہ ہو جا۔ پیر نرم بات کہے یا سخت، خوشی سے قبول کر تا کہ سردار بن جائے۔ اگر ہر تکلیف پر غصہ سے بھرے گا تو بغیر مانجھے کس طرح صاف ہو گا۔ اِس سلسلہ میں ایک قصہ سُن۔

ایک قزوینی کا کندھے پر گدوانا اور زخمِ سوزن کی وجہ سے شرمندہ ہونا

ایک قزوینی نائی کے پاس گیا کہ میرے جسم پر غضبناک شیر گود دے۔ میں چاہتا ہوں کہ شیر گدوا کر رزم و بزم میں پختہ کار نظر آؤں۔ اُس نے جب سوئیاں چبھونی شروع کیں تو تکلیف محسوس کرنے لگا اور چلانا شروع کیا۔ پوچھا کہ پہلے کیا بنا رہے ہو؟ اُس نے کہا: دُم بنا رہا ہوں۔ اِس نے کہا: دُم نہ بنا؟ شیر بغیر دُم کے بھی ہوتے ہیں۔ اِسی طرح جو عضو بھی وہ بنانے لگتا وہ اُسے روک دیتا کہ یہ نہ بنا۔ جب ہر عضو کے بنانے پر اُس نے انکار کیا تو نائی متعجب ہوا، اُس نے سوئی پھینک دی اور بولا: دُنیا میں کسی کو ایسا بھی پیش آیا ہو گا کہ بے دُم، بے سَر اور بے پیٹ کوئی شیر ہو۔ اگر تُو سوئی چبھنے کی تکلیف برداشت کرنے کی طاقت نہیں رکھتا تو خوفناک شیر کے بارے میں بات نہ کر۔

اے بھائی! سوئی کے درد پر صبر کر تا کہ تُو اپنے بے دین نفس کے ڈنک سے نجات پا لے۔ وہ لوگ جو اپنے وجود کی

شمس تبریزی کہ نورِ مطلق ست — آفتاب ست و ز انوارِ حق ست

شمس تبریزی جو مکمل نور ہے — سُورج ہے اور حق کے نُوروں میں سے ہے

تکلیف سے آزاد ہو گئے ہیں اور جن کے لیے قرآن میں فرمایا گیا ہے کہ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ (اللہ نے تمہارے تابع فرمان بنا دیا ہے اُن چیزوں کو جو آسمانوں میں ہیں اور زمین میں ہیں) اُنہوں نے اپنے بدن کے بے دین نفس کو کچل دیا ہے۔ جب اُن کا دل صبر کو روشن کرنا سیکھ جاتا ہے تو سورج انہیں نہیں جلا سکتا۔ سورۃ کہف میں اللہ نے فرمایا: ''سورج اُن کے غار سے کترا کر گزر جاتا ہے''۔ جو جزو کُل سے پورے طور پر وابستہ ہو جاتا ہے اُس کے لیے کانٹا پھول کی طرح پُر لطف ہو جاتا ہے۔ خدا کی عظمت کو ظاہر کرنا کیا ہے؟ اپنے آپ کو ذلیل اور مٹی بنا لینا۔ اللہ کی وحدانیت سیکھنا کیا ہے؟ اپنے آپ کو ''واحد'' کے سامنے فنا کر دینا۔ تُو اگر چاہتا ہے کہ منوّر ہو جائے تو اپنے وجود کو وجود عطا کرنے والے کے وجود میں فنا کر دے' تُو تانبے سے کیمیا بن جائے گا۔ تُو نے ''مَن و مَا'' کو مضبوطی سے پکڑ رکھا ہے اور ساری خرابی دو وجودوں کی وجہ سے ہے۔

بھیڑیے اور لُومڑی کا شیر کے ساتھ شکار کو جانا

شیر' بھیڑیا اور لومڑی شکار کے لیے پہاڑ پر پہنچ گئے تا کہ مِل جُل کر کوئی شکار گرفت میں لائیں۔ شیر کے لیے شکار میں بھیڑیے اور لومڑی کو ساتھ لینا باعثِ عار ہے۔ لیکن اُن کی عزت افزائی کے لیے اُن کو ساتھ رکھا۔ چاند کو ستاروں کے درمیان شرم آتی ہے لیکن مہربانی سے اُن کے ساتھ ہے۔ پیغمبر ﷺ کو بھی ساتھیوں سے مشورہ کرنے کا حکم ہوا' حالانکہ اُن کی رائے کے سامنے بھلا کسی اور کی رائے کی کیا حیثیت ہے۔ ترازو میں جو (اناج) سونے کا ساتھی بن گیا لیکن وہ رہے گا تو جو ہی۔ اُنہوں نے ایک پہاڑی گائے ایک بکرا اور خرگوش شکار کیے۔ اُن میں بھیڑیے اور لومڑی کی خواہش تھی کہ یہ انصاف سے تقسیم ہو۔ شیر پر اُن دونوں کے لالچ کا اثر پڑا۔

جو شخص اَسرار کے میدان کا شیر ہے' وہ جانتا ہے کہ جو کچھ کوئی دل میں سوچتا ہے۔ خبردار! اے وسوسوں کے عادی دل! اُس کے سامنے بُرے خیال سے اپنے آپ کو محفوظ رکھ۔ وہ تیرے دل کی حالت کو جانتا ہے لیکن پردہ پوشی کرتا ہے اور مسکراتا ہے۔ شیر کو جب اُن کے دل کے وسوسے معلوم ہوئے تو اُنہیں کھل کر نہ بتایا کہ اے کمینے فقیرو! میری بخشش کے آگے تمہارا یہ خیال ہے۔ تمہاری رائے کا وجود میری رائے سے ہے۔ نقش نقّاش کو کیا سمجھائے جبکہ اُن نقوش کی نگاہ تو اُس کی بخشی ہوئی ہے۔ خدا کے ساتھ بدگمانی کرنے والوں کا سر قلم ہونا چاہیے۔ تمہارے وجود کی ذلت سے آسمان کو نجات دلا دوں گا کہ یہ قصہ دُنیا کے لیے مثال بن جائے۔ شیر بظاہر مسکراتا جاتا تھا لیکن اُس کی مسکراہٹ پر مطمئن نہ ہو جانا۔ یہ دُنیا کی دولت وغیرہ اللہ تعالیٰ کی مسکراہٹیں ہیں' جنہوں نے ہمیں مغرور اور مست بنا دیا ہے۔ اے انسان! فقیری

رُوح را تاثیرِ آگاہی بُوَد
رُوح میں حق سے باخبری کی تاثیر ہوتی ہے

ہر کرا ایں بیش اللّٰہی بُوَد
جس کو یہ زیادہ حاصل ہے وہی اللہ والا ہے

اور بیماری بہشت ہے کیونکہ اُس کی وجہ سے مسکراہٹ کا جال اُکھڑ جاتا ہے۔

شیر کا بھیڑیے کو آزمانا اور شکار کو تقسیم کرنے کے لیے کہنا

شیر نے کہا: اے بھیڑیے! انصاف کی رسم تازہ کر اور اِس شکار کو تقسیم کر دے۔ تقسیم کرنے میں تُو میرا قائم مقام بن جا' تا کہ معلوم ہو جائے کہ تم میں کتنا جوہر ہے۔ بھیڑیا بولا: یہ گائے آپ کا حصہ ہے کیونکہ آپ بڑے اور شہ زور ہیں۔ بکری میری ہے کیونکہ میں متوسط ہوں اور لومڑی خرگوش لے لے۔ شیر نے بھیڑیے سے کہا: کیا بکتا ہے؟ جب مَیں موجود ہوں تو تُو میرے تیرے کی کیا بات کرتا ہے' میرے ہوتے ہوئے تُو خود کو دیکھتا ہے' آگے آ۔ وہ آگے آیا' تو اُسے پنجہ مارا اور پھاڑ ڈالا اور سزا میں اُس کی کھال کھینچ لی اور کہا: جب میرا دیدار تیری خُودی نہ مٹا سکا اور تُو نے میرے سامنے خود کو فانی نہ کیا تو تُجھے قتل کر دینا ضروری ہے۔ اگر چہ عنایت فرمائی کو میں غالب رکھتا ہوں لیکن کبھی کبھی انصاف کو بھی ترجیح دے دیتا ہوں۔

سوائے اللہ کی ذات کے ہر چیز فنا ہو جانے والی ہے۔ تو جو کوئی اپنی ذات کو ذاتِ باری تعالیٰ میں فنا کر دے گا' وہی بچے گا ورنہ ہلاک ہو جائے گا۔ جو اُس دروازے پر ''مَیں'' اور ''تُو'' کا اعلان کرے وہ مردود ہے صرف ''لا'' کے درجے والا ہی مقیم ہے۔ جو ذاتِ اَحد میں داخل ہو گیا اُس کے لیے فنا نہیں ہے۔ اُس کی طرف رُجوع کرنا ہے تو دوئی کو ختم کر کے آ۔

اُس شخص کا قصہ کہ جس نے دوست کے دروازے پر دستک دی اُس نے اندر سے پوچھا کہ کون ہے؟ اُس نے کہا کہ "مَیں" ہُوں اُس نے کہا کہ "تُو" ہے تو دروازہ نہیں کھولوں گا کیونکہ مَیں اُس کو دوست نہیں سمجھتا جو اپنے آپ کو "مَیں" کہے۔ واپس ہو جا، "مَیں" کہنے والے کا شرمندہ ہونا اور ایک سال تک بے وطنی، محنت اور مشقت برداشت کرنا اور مُعافی کے لیے دروازے پر واپس آنا۔ صاحبِ خانہ کا دریافت کرنا، دروازے پر کون ہے؟ اور اُس کا جواب میں کہنا کہ دروازے پر "تُو" ہی ہے اور اپنے وجود کا اِنکار

ایک شخص نے اپنے دوست کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ اُس نے پوچھا: کون ہے؟ وہ بولا ''مَیں'' ہوں۔ اُس نے کہا کہ واپس ہو جا۔ اِس خوان پر کچّے کی جگہ نہیں ہے۔ کچّے کو سوائے ہجر اور جُدائی کی آگ کے کون پُختہ کر سکتا ہے۔

وہ بے چارہ واپس چلا گیا اور ایک سال تک دوست کے فراق میں جلتا رہا۔ جب پُختہ ہو گیا تو پھر لوٹا۔ نہایت ادب سے دروازہ کھٹکھٹایا تا کہ بے ادبی نہ ہو جائے۔ دوست نے آواز دی' دروازے پر کون ہے؟ اُس نے جواب دیا'

اُو شفیع ست ایں جہان و آں جہاں　　ایں جہاں دَر دین و آں جا دَر جناں
وہ اِس جہان اور اُس جہان میں سفارشی ہیں　　اِس جہان میں دین کے اور اُس جہان میں جنت کے

دروازے پر تُو ہی ہے۔ اُس نے کہا: اب ”تُو“ ”مَیں“ ہے تو اے! ”مَیں“ اندر آ جا کیونکہ ایک گھر میں دو کی گنجائش نہیں ہے۔ جب سب ایک ہو جائیں دوئی نہیں رہتی۔ وہاں ”مَیں“ اور ”تُو“ ختم ہو جاتا ہے۔ سوئی میں دو دھاگے نہیں جاتے۔ جب تُو ایک بن گیا ہے تو سوئی میں آ جا۔

قرآن میں ارشاد ہے: کافر جنت میں نہ جائیں گے جب تک اونٹ سوئی کے ناکے میں نہ داخل ہو جائے۔ اونٹ کا وجود باریک نہیں ہو سکتا' ہاں ہو سکتا ہے' لیکن اس کام میں خدا کا ہاتھ چاہیے کیونکہ ہر ناممکن اُس کے ہاتھ سے ممکن ہو جاتا ہے۔ وہ ہر دم ”کن فکاں“ کے کام میں مصروف ہے۔ وہ ہر روز تین لشکر اس طرف روانہ کرتا ہے۔ ایک لشکر باپوں کی پُشت سے ماؤں کی جانب تاکہ وہ اُن کے رحم میں اُگے۔ ایک لشکر ماؤں کے رحموں سے دُنیا کی طرف تاکہ دُنیا نر اور مادہ سے بھری رہے۔ ایک لشکر دُنیا سے موت کی جانب تاکہ ہر شخص اپنے اچھے عمل کو دیکھے۔ اِن تینوں لشکروں کے علاوہ ایک طاقت اللہ کی جانب سے بدنِ انسانی میں پیدا کی جاتی ہے' جس کی وجہ سے انسان جماع پر قادر ہو جاتا ہے۔ اللہ کے لشکروں کا کوئی حد و حساب نہیں ہے۔

آ پھر دو پاکباز دوستوں کا قصہ سُن۔ دوست نے کہا: اے میرے سب کچھ! اندر آ جا' اب دوئی کی غلطی ختم ہو چکی ہے۔ اب ”کُن“ کے کاف اور ”ن“ کمند کی طرح کھینچنے والے بن گئے ہیں۔ اِس یکتائی سے دو وجودوں کا ایک ہونا مراد نہیں ہے' بلکہ عمل کی یکسانیت مراد ہے۔ جانور کے پَیر متعدد ہیں لیکن کام ایک ہی کرتے ہیں۔ قینچی کے دو بازو ہیں' کام ایک ہے۔ دو دھوبی کام کرتے ہیں لیکن کام ایک ہی ہیں۔ بظاہر ایک کپڑے کو تر کرتا ہے اور دوسرا خشک کرتا ہے۔ بظاہر وہ مختلف کام کرتے ہیں لیکن کام ایک میں ہیں۔ ہر نبی اور ولی کا الگ راستہ دکھائی دیتا ہے' لیکن اللہ تک لوگوں کو پہنچانے کے کام میں سب ایک ہیں۔

سُننے والے کی بے توجہی کی وجہ سے بات کرنے سے رُوگردانی کرنا

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کو مثنوی کی املا کرانے میں کچھ اِنقباض ہوا جس کی وجہ سننے والوں کی غفلت تھی۔ چونکہ سننے والوں کے مجمع کو نیند آ گئی ہے تو اللہ تعالیٰ نے چکی کے پاٹوں کو چلانے والا پانی بند کر دیا۔ اُس پانی یعنی اَسرار کی آمد دل میں ہے۔ ہونٹوں سے جاری ہونا تو تمہارے لیے ہے ورنہ اَسرار کے پانی کی نہر دل میں ہے۔ اے خدا! رُوح کو وہ مقام دکھا دے' جس میں بغیر حرف کے کلام ہوتا ہے۔ تاکہ پاک رُوح' عالمِ غیب کے میدان کی جانب سَر کے بل جائے۔ وہ عالَم جو کہ وسیع اور پُر فضا ہے اور یہ عالمِ شہود اُس عالم سے ساز و سامان پاتا ہے۔ عالمِ مثال' عالَمِ

قُوتِ جبریل از مطبخ نبود	بُود از دیدارِ خلّاقِ وجُود
جبریلؑ کی طاقت خوراک کی وجہ سے نہیں	بلکہ اللہ تعالیٰ کے دیدار کی وجہ سے ہے

غیب سے چھوٹا ہے۔ اسی وجہ سے یہ غم کا باعث بنتا ہے۔ پھر عالَمِ شہود عالَمِ مثال سے چھوٹا ہے اسی وجہ سے یہاں تنگی و غم بہت زیادہ ہے۔ یہ تنگی اُس کے مادی ہونے کی وجہ سے ہے بلکہ یہ عالَم تو قید خانے کی طرح تنگ ہے۔ یہاں کے حواس ہمیں ناسُوت کی طرف کھینچتے ہیں۔ عالَمِ توحید ان سب سے پرے ہے۔ اگر وہاں کی خواہش رکھتا ہے تُو اُس جانب قدم بڑھا۔ وہاں لفظوں کی ضرورت نہیں پڑتی۔

شیر کا بھیڑیے کو اُس کی بے ادبی پر سزا دینا

شیر نے بھیڑیے کا سر توڑ ڈالا اور دوہری سرداری کے تصور کو ختم کر دیا۔ حاکمِ مُطلق کے سامنے مردہ بن جانا چاہیے۔ پھر شیر نے لومڑی کا رُخ کیا اور بولا: شکار کو تقسیم کر دے۔ لومڑی عاجزی سے بولی: یہ نیل گائے آپ کا ناشتہ ہے' بکری دوپہر کے لیے اور خرگوش شام کی یخنی کے لئے۔ شیر بولا: اے لومڑی! تُو نے انصاف کو روشن کر دیا' تُو نے ایسا انصاف کہاں سے سیکھا؟ وہ بولی: اے دُنیا کے بادشاہ! بھیڑیے کے حال سے۔ شیر بولا: جب تُو مجسّم ہمارے لیے ہوگئی ہے' تو ''ہم'' ہوگئی' ہم تیرے ہیں اور یہ سب شکار تیرے لیے ہیں۔ جب تُو نے بھیڑیے کے حال سے عبرت حاصل کر لی ہے تو تُو لومڑی نہیں بلکہ میرا شیر بن گیا ہے۔ عقلمند وہ ہے جو عبرت حاصل کر لے۔ لومڑی نے شکر کیا کہ مجھے شیر نے بھیڑیے کے بعد بلایا۔

آخری زمانہ میں پیدا ہونے والوں کی فضیلت

خدا کا شکر ہے اُس نے دُنیا میں ہمیں اگلوں کے بعد پیدا فرمایا۔ اللہ پاک نے سرکش لوگوں کی سزاؤں کے حالات ہمیں بتا دیئے۔ اسی لیے ہمیں اُمتِ مرحومہ فرمایا گیا ہے۔ عقلمند انسان' تکبر اور مستی کو دماغ سے نکال دیتا ہے جب وہ فرعون اور قومِ عاد کے قصّے سنتا ہے۔ اگر تُو غرور کو اپنے سر سے نہیں نکالے گا تو بعد میں آنے والے لوگ تیرے حال سے عبرت حاصل کریں گے۔

حضرت نوح علیہ السلام کا قوم کو ڈرانا کہ مجھ سے نہ اُلجھو، مَیں تو خُدا کا نقاب ہُوں، تو تم خُدا سے اُلجھ رہے ہو، نہ کہ مجھ سے

حضرت نوح علیہ السلام نے نصیحت میں قوم سے کہا کہ خدا کی عطا کو قبول کر لینا۔ غور کرو ''مَیں'' مَیں نہیں ہوں۔ میں اپنی جان کے لحاظ سے مردہ ہوں لیکن محبوب کے ذریعے زندہ ہوں۔ میرے لیے موت نہیں ہے' کیونکہ میں بشری حواس کے اعتبار سے مردہ ہوں اور اللہ تعالیٰ میرا کان اور احساس اور بینائی بن گیا ہے۔ چونکہ میں نہیں ہوں تو یہ کلام اُس کی جانب سے ہے۔ اِس

ہمچنیں ایں قُوتِ ابدالِ حق
اِسی طرح ابدال کی قُوّت کو بھی سمجھ

ہم زِ حق داں نزطعام و نز طبق
اُس کا تعلق بھی حق کے ساتھ ہے نہ کہ کھانے

کے مقابلے میں جو بات کرے گا' کافر ہوگا۔

لومڑی کی اس صورت (نوح) میں شیر (ذاتِ اَحد) ہے۔ اسی لیے اِس لومڑی کے مقابلے میں دلیر نہ ہو جاتا۔ اگر حضرت نوح علیہ السلام کی مدد اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہ ہوتی تو طوفان دُنیا کو درہم برہم کیسے کر سکتا تھا۔ وہ ''ما'' ''مَن'' سے گزر کر آگ کی طرح تھے اور دُنیا کھلیان کی طرح۔ جو شخص اُس چھپے ہوئے شیر کے سامنے بھیڑیے کی طرح بے ادبی سے زبان کھولے گا' شیر اُسے پھاڑ ڈالے گا۔ کاش زخم جسم پر لگتا کہ دل اور ایمان تو سلامت رہتے۔

اب میں اصل راز کو ظاہر نہیں کر سکتا' ہاں اشارہ کرتا ہوں شاید تم سمجھ جاؤ۔ اُس لومڑی کی طرح کم کھاؤ۔ اللہ کے سامنے حیلہ بازی نہ کرو' مُلک کا مالک وہ ہے۔ یہ سلطنت اُس کے سُپرد کر دو۔ سیدھے راستے پر فقیر بن کر آ جاؤ تو شیر بھی اور اُس کا شکار بھی تمہارا مال ہے۔ اُس نے فرمایا: اَلَیۡسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبۡدَہٗ ''کیا خدا اپنے بندے کے لیے کافی نہیں ہے'' جو خدا پر بھروسہ کرتا ہے' وہ اپنے ساتھ بھلائی کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو کوئی لالچ نہیں ہے' دُنیا کی ہر چیز مخلوق کے لیے ہے۔ مُلک اور دولت' اللہ کے کس کام کی ہیں؟ اُس کے سامنے دل کی حفاظت رکھو۔ وہ راز' فکر اور طلب کو اِس طرح دیکھ لیتا ہے جس طرح دودھ میں بال۔ جو شخص بے نقش اور صاف سینہ والا ہوتا ہے' وہ غیب کے نقوش کا آئینہ ہوتا ہے۔ وہ مومن ہے' تُو بھی مومن ہے' تُو اُس کا آئینہ بن جا۔ دونوں مومن ہیں لیکن دونوں میں بے انتہا فرق ہے۔ جب وہ ہمارے اعمال کو کسوٹی پر رگڑتا ہے تو یقین کو شک سے جدا کر لیتا ہے۔ مومن' مومن کا آئینہ ہوتا ہے۔ مومن کامل کے قلب پر دوسرے مومنوں کے وسوسوں کا عکس پڑتا ہے۔

بادشاہ کا صُوفیوں کو اپنے سامنے بٹھانا، تاکہ اُن کی آنکھیں روشن ہو جائیں

بادشاہوں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ بائیں ہاتھ پر پہلوانوں کو کھڑا کرتے ہیں کیونکہ دل بائیں جانب ہے۔ اہلِ قلم اور محاسب کو دائیں طرف کیونکہ درج کرنے اور لکھنے کا عمل دائیں ہاتھ کا ہے۔ صوفیوں کو سامنے جگہ دیتے ہیں کیونکہ وہ رُوح کا آئینہ ہیں اور ظاہری آئینے سے بہتر ہیں۔ اے بیٹے! صوفیوں کے سینے ذکر و فکر سے منجھے ہوئے ہیں۔ آئینے کی صورت' اُن کے دل پر دُرست نقش اُبھرتے ہیں۔ جو اصل میں حسین ہو وہ آئینہ اپنے سامنے رکھتا ہے۔ جو شخص خوبصورت اور موزوں چہرہ رکھتا ہو' وہی آئینے کا طالب ہوتا ہے۔ ایک مثال سُن لے۔

حضرت یُوسف علیہ السلام کے ایک دوست کا دیدار کے لیے سفر سے آنا

ایک مہربان دوست حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس آیا جو کہ اُن کا بچپن کا ساتھی تھا۔ اُنہوں

جسمِ شاں را ہم ز نُور اسرشتہ اند　　تا ز رُوح و از مَلک بگذشتہ اند

اُن کا جسم بھی نورانی ہے　　اِسی لئے وہ رُوح اور فرشتوں سے بڑھ گئے

نے مل کر بچپن کے حالات وواقعات کے بارے میں گفتگو کی کہ انسان کو ترقیوں تک پہنچانے کے لیے اللہ انسان کو مختلف آزمائشوں میں ڈالتا ہے جیسے کہ یوسف علیہ السلام کو ڈالا گیا۔ گفتگو کرتے کرتے حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ آزمائشوں سے گزار کر اللہ کریم نے مجھے عزیزِ مصر بنا دیا ہے' پھر پوچھا کہ میرے لیے کیا سوغات لائے ہو؟ کیونکہ خالی ہاتھ دوستوں کی زیارت بغیر گیہوں کے آٹے کی چکی پر جانا ہے۔ اللہ تعالیٰ حشر کے دن مخلوق سے پوچھے گا: حشر کے دن کے لیے کیا تحفہ لائے ہو؟ کیا تمہیں واپس لوٹنے کی اُمید نہیں تھی۔ جس کی مہمانی کے وعدے کا تُو منکر ہے' اُس کے باورچی خانے سے راکھ کھائے گا۔ اگر تُو منکر نہیں ہے تو دوست کے پاس خالی ہاتھ کیوں آیا ہے؟

سونے اور کھانے میں تھوڑی سی کمی کردے اور اُس کی ملاقات کے لیے سوغات لے جا۔ صبح سویرے توبہ کرنے والوں میں سے ہو جا۔ ماں کے پیٹ کے بچّے کی طرح تھوڑی سی حرکت کرتا کہ تُجھے دُور دیکھنے والے حواس عطا ہو جائیں۔ جب رَحِم (دنیا) سے باہر آئے گا تو ایک وسیع میدان (عالمِ اَرواح) میں پہنچے گا۔ اِس دُنیا میں عبادت و ریاضت کرے گا تو تُجھے باطنی حواس مل جائیں گے۔ تُو اُس میدان میں پہنچ جائے گا جہاں انبیاء علیہم السلام گئے ہیں۔ اُس میدان میں دل کبھی نہیں گھبراتا۔ بیداری میں انسان کے حواس اُس پر سواری کرتے ہیں' جس سے تُو تھکتا ہے لیکن ریاضت سے تیرے حواس تھکیں گے اور تُو آرام سے سواری کرے گا۔ نیند کی حالت کو تُو ایک نمونہ سمجھ۔ اولیاء رحمہم اللہ اپنے حواس پر سوار ہوتے ہیں۔ اَصحابِ کہف کی طرح قیام اور چلنے پھرنے کی حالت میں بھی سوئے ہوئے ہیں۔ اُن کو اللہ کریم خود بلا تکلف حرکتیں دیتا ہے جبکہ وہ بے خبر ہیں۔ ایسے لوگوں کو اگر تُو کسی دشواری میں دیکھے تو وہ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (نہ وہ غمگین ہوتے ہیں) ہوں گے۔ اولیاء رحمہم اللہ اور انبیاء علیہم السلام سے جو کام ظاہر ہوتے ہیں اُن کا فاعلِ حقیقی دراصل اللہ تعالیٰ ہوتا ہے اور وہ خود بے خبر ہوتے ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے تحفہ دکھانے کے لیے کہا۔ اُس نے جواب دیا: میں نے آپ علیہ السلام کے لیے موزوں تحفے ڈھونڈنے کی بہت کوشش کی لیکن میری نگاہ میں کوئی تحفہ جچا نہیں کیونکہ آپ علیہ السلام کی شان کے لائق ڈھونڈنا میرے لیے مشکل ہو گیا۔ پھر آپ علیہ السلام کے حُسن کہ جس کا کوئی ثانی نہیں ہے۔ اُس کے لیے آئینہ سے بڑھ کر کوئی تحفہ نہیں ہو سکتا' جو سینہ کے نور کی طرح صاف شفاف ہو تاکہ اُس میں آپ علیہ السلام اپنے حُسن کو دیکھیں۔

ہستی کا آئینہ فنا ہے۔ فنا اختیار کرتا کہ تُو ہستی کو دیکھ لے۔ فنا دراصل اِس ہستی کی آلودگی سے صفائی ہے۔ نقائص' کمال حاصل کرنے کا سبب بن جاتے ہیں۔ نیستی اور فنا' بقائے دوام کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔ ضد' ضد کو خوب واضح کرتی

برق و فرزُوِی خُوب صادقیں
اللہ کے سچوں کے جسم تو بے شک فنا ہو جائیں

تَن فنا شُد واں بجا تا یوم دیں
لیکن اُن کا اللہ سے تعلق کبھی گم نہیں ہوتا

ہے۔ جس نے اپنے نقص کو دیکھ لیا اور پہچان لیا' وہ اپنی ذات کی تکمیل کی طرف تیز دوڑا۔ جو اپنے کمال کا گمان رکھتا ہے' ذُوالجلال کی طرف پرواز نہیں کرسکتا۔ کمال کے گھمنڈ سے زیادہ بدتر بیماری تیری رُوح میں اور کوئی نہیں ہے۔ تیرے دل اور آنکھوں سے بہت خون بہے تاکہ تکبر تجھ سے نکلے۔

شیطان کی بیماری ''مَیں بہتر ہوں'' ہی تھی۔ یہ مرض ہر مخلوق کے نفس میں موجود ہے۔ اپنے پانی کو صاف نہ سمجھ' اُس کے نیچے گوبر ہے۔ اگر تُو اپنے پانی کا اِمتحان کرے گا تو گوبر فوراً نظر آ جائے گا۔ انسان باطنی غلاظتوں کا علاج خود نہیں کرسکتا۔ اِس کے لیے شیخ کی طرف رُجوع کر۔ نہر کا پانی اپنے گوبر کو صاف نہیں کرسکتا۔ انسان کا علم اُس کے نفس کے جہل کو صاف نہیں کرسکتا۔ تیرے خیالات و اُمیدوں کی مکھیاں' تیرے اَحوال کی تاریکی جو کہ تیرا زخم ہے' اُس پر بیٹھی ہوئی ہیں۔ اگر پیر تیرے زخم پر مرہم لگا دے گا تو تیرے درد کو سکون میسر آئیگا۔ شیخ کی صحبت تیرے زخم کا مرہم ہے۔ اِسے ترک نہ کر اور کبھی اپنے آپ کو گناہ سے محفوظ نہ سمجھ۔ ایک قصہ سُن۔

وحی کے کاتب کا مُرتد ہوجانا، اِسلیے کہ وحی کا پَرتو اُس پر پڑا، اُس نے آیت پیغمبر ﷺ سے پہلے پڑھی اور بولا: "مجھ پر وحی نازل ہوئی ہے"

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے پہلے ایک بہت سرگرم کاتبِ وحی تھا۔ ایک مرتبہ وحی کا پَرتو اُس پر پڑا۔ حضور ﷺ وحی کے الفاظ لکھوا رہے تھے تو اُس کی زبان پر آنحضور ﷺ کے بولنے سے پہلے ہی وحی کے الفاظ فَتَبَارَكَ اللهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ جاری ہوگئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ٹھیک ہے لکھ لو۔ اِس سے اُسے یہ خیال پیدا ہوا کہ مجھ پر وحی نازل ہوتی ہے حالانکہ یہ حضور ﷺ کے پَرتَو کا اثر تھا۔ وہ نالائق اِس کے باوجود گمراہ ہوگیا۔ جب اُس کے خیالِ بد کا عکس رسول ﷺ پر پڑا تو اللہ کا قہر اُس پر نازل ہوا' وہ کتاب سے بھی اور دین سے بھی برطرف ہوا۔ کینہ کی وجہ سے حضور ﷺ کا دُشمن بن گیا۔ وہ توبہ بھی نہ کرسکا کیونکہ اللہ نے توبہ کا دروازہ اُس پر بند کردیا۔ اسی لیے سورۃ یٰسین میں فرمایا ''بے شک ہم نے کردیئے اُن کی گردنوں میں طوق تو وہ منہ اُٹھائے ہوئے ہیں اور کردی ہم نے اُن کے سامنے دیوار اور اُن کے پیچھے دیوار۔ ہم نے اُن کو اُوپر سے ڈھانپ دیا پس وہ نہیں دیکھتے''۔

دنیا کی محبوب چیزیں انسان کو محبوبِ حقیقی کے دیدار سے مانع آتی ہیں۔ لوہے کے بند کو جدا کیا جاسکتا ہے لیکن غیبی بند کی بجز رحمتِ الٰہی کوئی دوا نہیں۔ اگر تمہیں بھِڑ ڈنک مارے تو تم اُس کو فوراً دفع کرنے پر آمادہ ہوجاتے ہو لیکن اگر تجھ کو تیرے تکبر کے ڈنک نے زخمی کیا ہے تو غم زیادہ ہوگا اور درد کم نہ ہوگا۔ اِس کا علاج یہی ہے کہ فریاد سُننے والے کے سامنے

آں شود شاد از نشاں کو دید شاہ | چوں ندید او را نباشد اِنتباہ
وہ شاہ ہے جو نشانیوں سے اصل شاہ کو پہچان لے | جو نشانیوں کو نہ پہچانے خبردار نہیں ہوتا

فریاد کر کہ

اے مُحبِّ عفو از ما عفو کُن
اے طبیبِ رنجِ ناسُورِ کُہن (مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ)

''اے معافی کو پسند کرنے والے! ہمیں معاف فرما دے۔ اے پُرانے ناسور کی تکلیف کے طبیب''۔

حکمت کے عکس نے اُس بد بخت کو گمراہ کر دیا۔ اِس لیے خود پسند نہ بن اور برباد نہ ہو۔ تُو اپنے دل کے اندر جو روشنی محسوس کرتا ہے وہ تیرے پیر کی وجہ سے ہے۔ گھر اپنے اندر اگرچہ روشنی محسوس کر رہا ہے لیکن یہ تیرے روشن پڑوسی کی وجہ سے چمک رہا ہے۔ شکر کر گھمنڈ نہ کر۔ اِس عارضی چیز نے متکبروں کو اُمت سے دُور کر دیا ہے۔ میں اُس شخص کا غلام ہوں جو اپنے آپ کو عاجز و مسکین اور اپنے آپ کو کبھی کمال پر نہ سمجھے۔ سالک بہت سی منزلیں طے کر کے قرب تک پہنچتا ہے۔ یہ مقام آسانی سے ہاتھ نہیں آتا۔

لوہا سُرخ ہو گیا ہے تو یہ آگ کی وجہ سے ہے۔ اگر روشن دان سے گھر میں کچھ روشنی آئی ہے تو یہ سورج کی ہے' اگر دیوار کہے کہ میں روشن ہوں اور مجھ پر غیر کا عکس نہیں ہے تو سورج کہے گا: اے گمراہ! جب میں غائب ہو جاؤں گا تو پھر پتہ چلے گا۔ جسم اپنے حُسن و جمال پر ناز کرتا ہے تو رُوح جس نے اپنے آپ کو اُس میں چھپایا ہوا ہے' کہتی ہے: تُو کیا ہے؟ چند دن میری وجہ سے جی لیا۔ ذرا ٹھہر جا' میں تجھ میں سے رخصت ہو جاؤں' پھر تجھے دیکھوں گی کہ تُو کیا ہے؟ تیرے دوست تجھے قبر میں دفن کر دیں گے اور تجھے چیونٹیوں اور سانپوں کی غذا بنا دیں گے۔ تجھ پر اپنی جان قربان کرنے والا بھی تیری بدبو سے اپنی ناک بند کر لے گا۔ یہ تیرا حُسن' گویائی' آنکھ' کان سب رُوح کا اثر ہے۔

جس طرح رُوح کا اثر بدن پر ہے۔ اِسی طرح ابدال کا اثر میری رُوح پر ہے۔ جانِ جان' جب جان سے اپنا قدم پیچھے ہٹا لے تو سمجھ لے کہ جان' بے جان جسم کی طرح ہو جائے گی۔ میں اِسی وجہ سے زمین پر چہرہ رکھتا ہوں تاکہ یہ قیامت کے دن میری گواہ ہو۔ قیامت کو زمین لوگوں کی حالتوں کی گواہی علی الاِعلان دے گی۔ زمین اور اس کا خار و خس بولنے لگے گا۔ یہ سب چیزیں بولتی اور اہلِ دل اِن کی باتیں سُنتے ہیں' جیسے ستون حنانہ رونے لگا تھا۔ فلسفی اپنی عقل کے زور پر شیطان کا انکار کرتا ہے حالانکہ وہ خود شیطان ہی کی اطاعت میں حقائق سے انکار کرتا ہے۔ فلسفی نے اگر شیطان کو نہیں دیکھا ہے تو خود اپنے آپ کو دیکھ لے اُس میں شیطان کے اثرات موجود ہیں۔ جنوں کو بھی تو اُن کے اثرات سے ہی پہچانتے ہیں۔ جنون کی بھی یہی کیفیت ہوتی ہے۔ فلسفی کسی گروہ کے ساتھ مخصوص نہیں ہوتا

رُوح آنکس کو بہنگامِ اَلَست | دید ربِّ خویش و شُد بے ہوش و مست
اُس کی رُوح جس نے یومِ اَلَست میں | اللہ کو دیکھا اور بے ہوش اور مست ہو گیا

بلکہ ہر کج فہم فلسفی ہی ہوتا ہے کیونکہ رُوح سے اُس کا کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔

اے مومنو! تم میں سے بھی فلسفی ہو سکتا ہے۔ ایک مومن کے دل میں فاسد خیالات آ سکتے ہیں لہٰذا بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔ ایمان والے کا کام ہے کہ وہ بدخیالات کے خوف سے ہمیشہ لرزتا رہے۔ شیطان کا مذاق وہ اُڑاتا ہے جو اپنے آپ کو بڑا پارسا سمجھتا ہے۔ جب انسان کے مخفی حالات کھلتے ہیں تو اُس کے معتقد واویلا کرنے لگتے ہیں۔ جب تک انسان کسوٹی پر نہیں پرکھا جاتا کھرا کھوٹا یکساں معلوم ہوتا ہے۔ شیطان بہت ولی اللہ تھا' جب اُس کا باطنی عیب (تکبر) کھلا تو اصل ظاہر ہو گیا۔ رات کے وقت کھوٹا سونا' کھرے کی برابری کرتا ہے تو کھرا اُس کو کہتا ہے: اے دھوکے باز! ٹھہر جب تک کہ دن چڑھ جائے۔

بلعم باعور کی دُعا کہ "موسیٰ علیہ السلام اور اُن کی قوم کو اُس شہر سے جس کا انہوں نے محاصرہ کر رکھا ہے ناکام واپس کر دے" اور اُس کی دُعا کی قبولیت

بلعم باعور جو کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اُمت کا ایک بہت عبادت گزار تھا' شہر کنعان کا رہنے والا تھا۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کنعان پر چڑھائی کی تو لوگوں نے اُس سے کہا کہ وہ دُعا کرے کہ موسیٰ علیہ السلام کی فوج پسپا ہو جائے۔ وہ راضی ہو گیا' اُس پر اُس کا دین و ایمان بھی گیا اور نہایت ذلیل ہوا۔ ایسا موسیٰ علیہ السلام سے مقابلہ کرنے کی وجہ سے ہوا۔ پہلے اُس کے دَم کرنے سے بیمار اچھے ہو جایا کرتے تھے لیکن اِس وجہ سے اُس میں غرور و تکبر پیدا ہوا۔ اُس کو اور شیطان کو اللہ نے بُرائی میں مشہور کر دیا تاکہ لوگ اُن سے عبرت حاصل کریں۔ یاد رکھو! جس طرح حیوانات کو انسانوں کے لیے ذبح کیا جا سکتا ہے اِسی طرح انبیاء علیہم السلام کی خاطر نافرمان انسانوں کو قتل کرا دیا جاتا ہے۔ قرآن میں ہے: ''وہ کفارِ حق سے اِس طرح بھاگتے ہیں' جیسے گورخر' شیر سے''۔ اِس سلسلہ میں ایک قصہ سُن لے۔

ہارُوت و مارُوت کا اپنی پاکدامنی پر گھمنڈ، دُنیا کی سرداری چاہنا، فتنہ میں پھنسنا اور اُن کی سزا و عذاب

ہاروت و ماروت جیسوں نے تکبر کی وجہ سے مار کھائی۔ اُن کو اپنی پاکدامنی پر بہت گھمنڈ تھا مگر قضائے الٰہی کے سامنے کون دَم مار سکتا ہے۔ شیر کے مقابلے میں بھینس کو کیا اطمینان ہو سکتا ہے؟ آندھی بڑے درختوں کو اُکھاڑ دیتی ہے لیکن چھوٹی گھاس پر احسان کرتی ہے۔ انسان میں رُوح کی وجہ سے عقل ہے۔ رُوح' انسان کے سانس کو مختلف حرفوں کی آواز میں منہ سے خارج کرتی ہے۔ کبھی اچھے الفاظ منہ سے نکلتے ہیں' جو دوستی اور صلح کا سبب بنتے ہیں اور کبھی ایسے الفاظ جن سے دشمنی پیدا

اصلِ ارض اللہ قلبِ عارفست	لامکاں ست و ندارد فوق و پست
اللہ کی زمین کی اصل عارف کا دل ہے	وہ لامکاں ہے اور بلندی اور پستی نہیں رکھتا

ہوتی ہے۔ اللہ پاک نے پانی کو فرعون پر خوفناک بنا دیا۔ غزوۂ احزاب میں اُس نے ہوا کے ذریعے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی۔

شیخ ابنِ عربی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ موثرِ حقیقی تو اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ اِس کائنات میں آسمانوں اور زمینوں کی حیثیت اُس کے نزدیک تنکے سے زیادہ نہیں ہے۔ جس طرح سمندر تنکے پر اثر انداز ہے۔ اِسی طرح حضرتِ حق زمینوں اور آسمانوں پر حاکم ہے۔ جب قیامت میں کائنات کو دوبارہ وجود میں لائے گا تو اِس قدر جلدی تاثیر کرے گا جیسے آگ' پھونس میں کرتی ہے۔

اب ہاروت و ماروت کا قصہ سُن۔ جب دُنیا کے لوگوں کی بدکاری اور گناہ کے کام اُن پر ظاہر ہوتے تو وہ اُن پر غصے سے اپنے ہاتھ چباتے لیکن آنکھوں سے اپنا عیب نہ دیکھتے۔ بدصورت نے آئینہ دیکھا تو آئینہ پر غصہ کیا اور اپنا منہ پھیر لیا۔ خود بیں جب دوسروں کے گناہ دیکھتا ہے تو غصہ میں آگ ہو جاتا ہے۔ اِس تکبّر کو وہ دین کی حفاظت بتاتا ہے لیکن اپنے اندر کے بے دین نفس کو نہیں دیکھتا۔ دینی حمیت کی آگ سے تو دُنیا سرسبز ہوتی ہے۔

ہاروت اور ماروت سے خدا نے فرمایا کہ شکر کرو کہ تم شہوت جیسی چیز سے بچے ہوئے ہو' اگر میں وہ چیز تم پر کھول دوں تو آسمان تمہیں قبول نہ کرے۔ وہ پاکدامنی جو تم میں ہے' وہ میرے بچانے اور حفاظت کرنے کی وجہ سے ہے۔ اپنی عصمت کو میری جانب سے سمجھ نہ کہ اپنی جانب سے' ورنہ شیطان تم پر غالب آجائے گا۔ جیسا کہ رسول کریم ﷺ کے کاتبِ وحی کے ساتھ ہوا تھا۔ وہ اپنے آپ کو طائرانِ قدس کا ہمنوا سمجھ بیٹھا۔ حالانکہ وہ تو صدائے بازگشت کی طرح کی آواز تھی۔ اگر تُو بلبل کی چہچہاہٹ سیکھ بھی لے' تو تُو کیا جانے کہ پھول سے اٹھکیلیاں کرتے ہوئے وہ کیا کہتی ہے؟ اگر تُو اپنے گمان سے کچھ سمجھنے کی کوشش کرے تو وہ عین برعکس ہوگا۔

ایک بہرے کا بیمار پڑوسی کے گھر مزاج پُرسی کے لیے جانا اور بیمار کو رنجیدہ کرنا

ایک بہرے کو معلوم ہوا کہ اُس کا پڑوسی بیمار ہے۔ بہرے نے اپنے آپ سے کہا کہ مجھے بیمار پُرسی کے لیے جانا چاہیے لیکن میں اُس کی آواز تو سُن نہیں سکوں گا' ہاں اُس کے ہونٹوں کی جنبش سے قیاس کرلوں گا کہ وہ کیا کہتا ہے۔ جب میں پوچھوں گا: دوست کیسے ہو؟ تو وہ کہے گا: اچھا ہوں' میں کہوں گا: شکر ہے۔ میں پوچھوں گا: کیا کھایا ہے؟ وہ کہے گا شوربہ۔ میں کہوں گا: مناسب ہے۔ میں پوچھوں گا: معالج کون ہے؟ تو وہ کسی کا بتائے گا' میں کہوں گا کہ وہ آتا ہے تو تیرا کام اچھا ہو جائے گا' وہ جہاں جاتا ہے حاجت روا بن جاتا ہے۔

گر نہ رُوید خوشہ از روضاتِ ہُو
اگر اللہ کے باغوں سے کوئی خوشہ نہ پیدا ہو

پس چہ واسع باشد ارض اللہ بگو
تو بتا! اللہ تعالیٰ کی زمین کیسے وسیع ہے؟

یہ سوچ کر وہ بیمار کے پاس گیا' اُس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے پوچھا: کیسے ہو؟ وہ تکلیف میں تھا' بولا: مر رہا ہوں۔ بہرے نے انکل لگائی کہ شکر ہے' لیکن وہ تو ٹیڑھی لگی۔ پھر پوچھا: کیا کھایا ہے؟ وہ بولا: زہر۔ بولا: بہت اچھی دوا ہے۔ مریض اور تنگ ہوگیا۔ معالج کا پوچھا تو یہ بولا: ملک الموت۔ وہ بولا: تمہیں مبارک ہو' وہ بہت خوش قدم ہے' میں ابھی اُس کے پاس سے تیرے پاس آیا ہوں اور تیری خبر گیری کرنے کو کہا ہے۔ بہرا خوش خوش اپنے گھر لوٹا۔ بولا: شکر ہے میں نے اُس کا حق ادا کر دیا۔ بہرے پن کی وجہ سے اُس کا گمان اُلٹا تھا کہ خالص نقصان کو نفع سمجھا۔ وہ خوش تھا کہ میں نے پڑوسی کی عیادت کر دی۔ مریض کہہ رہا تھا کہ یہ تو میری جان کا دشمن تھا۔ وہ غصہ سے بھرا ہوا تھا۔ چونکہ اُس میں صبر کا مادہ نہ تھا تو وہ چاہ رہا تھا کہ جو کچھ اُس نے کہا ہے' میں اُسی پر پلٹ دوں۔ بیمار پُرسی دل کو آرام پہنچانے کے لیے ہوتی ہے' یہ تو اُس نے عداوت کی ہے۔

بہت سے انسان ہیں جو عبادت کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور ثواب کی اُمید رکھتے ہیں' لیکن وہ چھپی ہوئی گناہگاری ہوتی ہے۔ بہت سے وہ پانی جن کو تُو صاف سمجھتا ہے مکدّر ہوتے ہیں۔ اُس بہرے کی طرح جس نے یقین کیا کہ اُس نے نیکی کی ہے حالانکہ وہ بُرائی تھی۔ اُس نے (اپنی دانست میں) نیکی سے مریض کے دل میں آگ بھڑکا دی۔ اے لوگو! اس آگ سے بچو جو تم نے خود بھڑکائی ہے۔

پیغمبر ﷺ نے ایک ریاکار سے فرمایا: اے نوجوان! تُو نماز پڑھ' کیونکہ جو کچھ تُو نے پڑھا ہے نماز نہیں تھی۔ اسی لیے ہر نماز میں اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ (اے اللہ! ہمیں سیدھا راستہ دکھا) آیا ہے کہ اللہ! میری نماز کو گمراہوں اور ریاکاروں کی نماز کے ساتھ نہ ملا۔ جناب سمجھ رہے ہیں کہ عبادت کر رہے ہیں اور بے خبر ہیں کہ گناہ کی وجہ سے جان ہلاک کر رہے ہیں۔ جو قیاس' ناقص حس کی وجہ سے ہوگا' وحی کے مقابلے میں کچھ نہیں۔ تیری حس کا کان' حروف سُن بھی سکتا ہو تو سمجھ لے کہ تیرا غیب سننے والا کان بہرا ہے۔

جس نے سب سے پہلے صریح نص کے مقابلے میں قیاس کیا وہ شیطان تھا

سب سے پہلا شخص جس نے خدائی اَنوار کے مقابلہ میں قیاس کیا شیطان تھا۔ اُس نے کہا: آگ مٹی سے یقیناً بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''نسبت کچھ نہیں'' لَا اَنْسَابَ پرہیزگاری اور تقویٰ بزرگی کا مقام بن گیا ہے۔ یہ فانی دُنیا کی وراثت نہیں ہے بلکہ انبیاء علیہم السلام کا ورثہ ہے۔ ابوجہل کا بیٹا مومن بن گیا اور حضرت نوح علیہ السلام نبی کا بیٹا گمراہوں میں بنا۔ قیاس اور اَٹکل اَبر کے دن یا رات میں قبلہ کا بدل بن سکتے ہیں لیکن سورج اور کعبہ کے

سامنے ہوتے ہوئے قیاس نہ کر۔ محض اپنے خیال کو ذات نہ بنا لے۔

ابدال کے حالات کا صاحبِ اقوال کو پتہ نہیں ہوتا۔ تُو نے پرندوں کی بولی سیکھ لی اور سینکڑوں قیاس اپنی عقل سے گھڑ لیے لیکن اُس بیمار کی طرح تُو نے بہت سے دل شکستہ کر دیئے۔ خبردار! اپنے گمان کی وجہ سے آسمانی مراتب سے نہ گر پڑنا اگرچہ تم (فرشتے) ہاروت و ماروت ہو۔ غیرتِ خداوندی سے ہمیشہ ڈرتا رہ۔ ہاروت و ماروت یہی کہہ رہے تھے کہ ہم بہترین غلاموں سے بُرائی کیسے سرزد ہو سکتی ہے؟ اُن کے وسوسوں نے اُن میں خود بینی کا بیج بو دیا۔ وہ کہتے تھے ہم رُوحانی مخلوق ہیں۔ اے دُنیا والو! ہم مٹی اور پانی سے بنے ہوئے نہیں ہیں۔ ہم دُنیا پر عبادت بجا لائیں گے اور پھر آسمانوں پر چڑھ جائیں گے۔ ہم زمین میں امن و امان قائم کریں گے۔ اُنہوں نے آسمان کے حال کو زمین کے حال پر قیاس کیا' یہ دُرست نہیں' بہت فرق ہے۔

اِس کا بیان کہ اپنی حالت اور مستی کو چُھپانا چاہیے

رازدان حکیم سنائی رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ سُن۔ جس جگہ تُو نے شراب پی ہے وہیں سر رکھ دے' کوئی مَست جب کسی میخانہ سے بھٹک گیا وہ بچوں کے لیے مسخرہ اور کھلونا بن گیا۔ وہ اِدھر اُدھر ہر راستے پر گرتا ہے اور ہر احمق اُس پر ہنستا ہے۔ یاد رکھ! خدا کے مَست کے علاوہ بالغ کوئی نہیں ہے اور عام مخلوق بچے ہیں۔ بالغ وہی ہے جو نفسانی خواہشات سے نجات پا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: دُنیا کھیل کود کے سوا کچھ نہیں اور تم بچے ہو۔ رَبّ سچ فرماتا ہے کہ تُو کھیل کود سے باہر نہیں نکلا' تو بچہ ہی ہے۔ رُوح کی پاکیزگی کے بغیر تُو پاک کیسے ہو سکتا ہے؟ تُو دُنیا کے کاروبار کو بچے کے جماع کی طرح سمجھ۔ بچے کا جماع کیا ہوتا ہے؟ محض کھیل جس سے کچھ حاصل نہ ہو' جیسے بچے عموماً بانس کے گھوڑے پر سوار ہو کر اُس کو گھوڑا سمجھتے ہیں' اِسی طرح اہلِ ظواہر غیر حقیقی دلائل پر سوار ہیں۔

قرآن پاک میں آیا ہے ''وہ لوگ صرف گمان کا اتباع کرتے ہیں اور گمان حق بات کے مقابل کچھ مفید نہیں ہے''۔ یاد رکھو! حقائقِ باطنہ کا محض ظن کی بنیاد پر انکار دُرست نہیں ہے۔ سورج (اللہ) کی وضاحت میں نہ جھگڑ' حق کا سورج جب سر پر آ جائے گا تو پھر گمراہ اپنی سواریوں کو دیکھیں گے کہ اُنہوں نے اپنے پاؤں کو ہی سواری بنایا ہے' جس سے وہ کچھ سفر طے نہیں کر سکتے۔ بالکل اُسی طرح جیسے بچہ بانس کو اپنا گھوڑا سمجھ رہا تھا۔ علوم انسان کو راحت مہیا کرتے ہیں' لیکن ظنّی علوم وبالِ جان ہیں۔ علم اگر تن کے لیے ہے تو بوجھ بن جائے گا لیکن اگر دل کے لیے ہے تو مددگار ہو گا۔ دل کا علم وہ ہے جو اِلہام اور وحی سے حاصل ہو۔ اللہ نے فرمایا: يَحۡمِلُ اَسۡفَارًا ۚ یعنی اپنی کتابیں لادے ہوئے ہیں۔ وہ

ریع آں رانے حد و نے عد بود　　کمتریں دانہ دہد ہفصد بود

اللہ کی زمین کی پیداوار کی کوئی حد نہیں ہے　　معمولی دانہ ڈالو تو سات سَو ہو جاتے ہیں

علم بوجھ ہوتا ہے جو اللہ کی جانب نہ لے جاتا ہو۔ کسبی علوم کے بعد انسان کے دل میں ایک نور پیدا ہوتا ہے' وہی کیفیت ہے۔ اگر کسبی علوم کو بھی اللہ کی طرف اِدراک کی غرض سے حاصل کیا جائے تو بیکار نہیں ہے۔ وہبی علوم سے انسان میں سے کثافت اور بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے۔

مومن کو ہر حال میں اللہ کی ذات کا طالب رہنا چاہیے' محض اُس کے ناموں کو کافی نہیں سمجھ لینا چاہیے۔ ہاں اللہ کے اسماء اور صفات کا ذکر یا وِرد ذات تک پہنچنے کا ذریعہ ضرور ہے۔ دلالت کرنے والے کا وجود اُس چیز کے وجود کی علامت ہے جس پر وہ دلالت کرتا ہے۔ عوام کا خیال ہے کہ راستے میں چھلاوے ہوتے ہیں' جو انسان کو بھٹکا دیتے ہیں مگر جہاں چھلاوہ ہے وہاں راستہ بھی ضرور ہے۔ ہر اسم کا مسمّیٰ ضرور ہوتا ہے خواہ اُس کا وجود خارج میں ہو یا ذہن میں۔ ہاں منفعت صرف مسمّٰی سے ہے' نام سے نہیں۔ گ اور ل' گُل بنتے ہیں لیکن ان میں خوشبو تو نہیں' رنگ تو نہیں' پھول کا سا حُسن تو نہیں۔ تُو اگر نام اور حرفوں سے آگے بڑھنا چاہتا ہے تو اپنے آپ کو خود سے بالکل پاک کرلے۔ لوہے کی طرح لوہے پَن سے بے تعلق ہو جا۔ ریاضت کر کے بغیر زنگ کا آئینہ بن جا۔ اپنے آپ کو اپنے اَوصاف سے پاک کرلے تاکہ تُو اپنی پاک صاف ذات اِس حالت میں دیکھے کہ دل میں انبیاء علیہم السلام کے علوم ہوں' جو بغیر کتاب' بغیر دہرانے اور بغیر اُستاد کے پڑھے جائیں۔

پیغمبر ﷺ نے فرمایا کہ میری اُمت میں ایک وہ ہے جو میرے جوہر اور میری ہمت میں میرا شریک ہوگا۔ اُن کی جان مجھے اُس نور سے دیکھے گی جس سے میں اُن کو دیکھتا ہوں۔ مُشاہدہ کی یہ صورت عشق سے حاصل ہوتی ہے جو کہ رُوح کے لیے آبِ حیات ہے۔ حضرت ابوالوفا رحمۃ اللہ علیہ کُرد تھے۔ عربی نہیں جانتے تھے' حضرتِ حق تعالیٰ نے اُن کو ایک ہی رات میں علومِ عربیہ عطا فرما دیئے۔ صبح جب اُنہوں نے وعظ فرمایا تو کہا: ''شام کو میں کُرد تھا اور عربی سے ناواقف تھا لیکن اللہ نے کرم کیا کہ اُس نے رات میں عربی علوم عطا فرما دیئے اور میں صبح کو عربی ہو گیا''۔

نقاشی و مُصوری کے علم میں رُومیوں اور چینیوں کا مُقابلہ

چینیوں اور رومیوں میں نقاشی کے مقابلے پر تکرار ہوئی۔ بادشاہ نے کہا: میں تمہارا امتحان لوں گا۔ وہ دونوں گروہ اپنے اپنے فن میں ماہر تھے۔ آمنے سامنے کے دو گھر دونوں کو دے دیئے گئے۔ چینیوں نے بادشاہ سے طرح طرح کے رنگ طلب کئے۔ بادشاہ نے خزانہ کھول دیا۔ رومیوں نے کہا: نقش نگاری میں کوئی رنگ کام نہیں آئے گا' سوائے زنگ صاف کرنے کے۔ رومیوں نے دروازہ بند کیا اور متصل دیوار کو مانجھنے لگے تاکہ

پہلوئے تو پیشِ تو ہست ایں زماں تیرے پہلو میں' تیرے سامنے اب بھی موجود ہیں	اے بسا اصحاب کہف اندر جہاں اے (مخاطب) بہت سے اصحاب کہف دُنیا کے اندر

آسمان کی طرح صاف ہو جائے۔ یاد رکھو: رنگا رنگی (عالمِ کثرت) سے بے رنگی (عالمِ وحدت) کی طرف راستہ ہے۔ رنگ ابر کی طرح اور بے رنگی چاند کی طرح ہے۔ تُو ابر میں جو چمک اور روشنی دیکھتا ہے وہ ستاروں، چاند اور سورج کی سمجھ۔
جب چینی اپنے کام سے فارغ ہوئے تو انہوں نے خوشی سے ڈھول بجائے۔ بادشاہ آیا اور اس نے وہ نقش دیکھے جو عقل کو دنگ کر رہے تھے۔ اس کے بعد بادشاہ رومیوں کی طرف آیا اور پردہ اُوپر کھینچا گیا تو چینیوں کی تصویروں کا عکس صاف دیواروں پر پڑا۔ بادشاہ نے جو وہاں دیکھا، یہاں اس سے بہتر نظر آیا۔
اے بابا رومی! وہ صوفی ہیں جنہوں نے بغیر کسی قیل وقال کے اپنی لوحِ دل پر علومِ الٰہیہ کو منعکس کرلیا ہے۔ دل وہ آئینہ ہے کہ جب صاف ہوتا ہے تو لا انتہا صورتوں کو اپنے اندر منعکس کرلیتا ہے۔ جب انہوں نے لالچ، حرص، بخل اور کینہ سے اپنے سینے کو صاف کرلیا تو وہ غیب کی صورتوں کو قبول کرنے والا بن گیا۔ دل کے آئینے کی کوئی حد نہیں ہے۔ اُس میں سے وہ عرش، زمین، دریا، آسمان ہر شے کو دیکھ سکتا ہے۔ عقل اس جگہ خاموش ہے یا گمراہ کرتی ہے۔ قیامت تک کا ہر نیا نقش جو اس دل پر پڑتا ہے کسی حجاب کے بغیر اس میں نظر آتا ہے۔ انہوں نے علم کے چھلکے کو چھوڑ دیا اور معنی کے مغز کو پکڑ کر عَیْنُ الْیَقِیْن کا جھنڈا بلند کر دیا۔ موت جس سے سب خوفزدہ ہیں، یہ لوگ اس پر ہنستے ہیں کیونکہ ان کے دل پر موت کا قابو نہیں ہے۔ ضرر سیپ کو پہنچتا ہے موتی کو نہیں۔ وہ لوگ خدا کی سچائی کی نشست گاہ پر جا بیٹھتے ہیں۔ وہ سینکڑوں نشان رکھتے ہیں اور مُطلق فنا ہیں۔ نشان کیا بلکہ وہ تو عین اللہ کا دیدار ہیں۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت زید رضی اللہ عنہ سے سوال کہ آج تم نے کس حالت میں صبح کی ہے اور اُن رضی اللہ عنہ کا جواب

ایک صبح، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے زید رضی اللہ عنہ سے فرمایا: تم نے صبح کس حالت میں کی ہے؟ انہوں رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: مومن بندہ ہونے کی حالت میں۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: اگر ایمان کا چمن کھلا ہے تو اس کی علامت بتاؤ۔ انہوں رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: میں روزہ کی وجہ سے دنوں پیاسا رہا ہوں اور عشق وسوز کی وجہ سے راتوں نہیں سویا ہوں، یہاں تک کہ دنیاوی اشیاء سے مجھے کچھ تعلق نہ رہا اور اللہ کا قرب حاصل رہا۔ وہاں تمام ملتیں ایک ہیں اور لاکھوں سال اور ایک گھنٹہ یکساں لگتے ہیں۔ وہاں ازل اور ابد میں وحدت ہے اور گم ہو جانے کی وجہ سے وہاں عقل کے لیے کوئی راستہ نہیں ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس راستے کا تحفہ کہاں ہے؟ لا! جو اس دنیا کے رہنے والوں کی فہم وعقل کے مناسب ہو۔ زید رضی اللہ عنہ نے کہا: جب لوگ آسمان کو دیکھتے ہیں تو میں عرش کو مع عرش کے باشندوں کے دیکھتا ہوں۔ جنت اور دوزخ اس طرح میرے سامنے ہوتے ہیں، جیسے پجاری کے

ہیں بجو ایں قوم را اے مُبتلا
اے مُصیبت زدہ! اولیاء اللہ کو تلاش کر

ہیں غنیمت دار شاں پیش از بلا
خبردار! مُبتلا ہونے سے پہلے ہی ان کو غنیمت سمجھ

سامنے بُت۔ میں لوگوں کی حالت کو جدا جدا پہچانتا ہوں کہ جنتی کون ہے اور دوزخی کون ہے۔

لوگ تو جنتی اور جہنمی کو قیامت میں پہچانیں گے لیکن اولیاء رحمہم اللہ اُن کو اِسی دُنیا میں پہچان لیتے ہیں۔ جیسے قرآن میں ہے ''جس روز بعض چہرے نورانی ہوں گے اور بعض چہرے کالے''۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ کی طرح اولیاء رحمہم اللہ کو بھی ایسا مُشاہدہ حاصل ہوتا ہے۔

قیامت سے پہلے رُوح نظروں سے چھپی ہوئی تھی اور اُس کے عیب نظر نہیں آ رہے تھے۔ جس طرح بچہ ماں کے پیٹ میں چھپا ہوتا ہے اور اُس کے اَوصاف ظاہر نہیں ہوتے۔ بدن' ماں کی طرح رُوح سے حاملہ ہے۔ موت' جننے کا درد اور ہلچل ہے۔ پہلی تمام رُوحیں منتظر ہوتی ہیں کہ یہ خود پسند بچہ کس حالت میں پیدا ہوتا ہے۔ بچے کا دوزخی یا جنتی ہونا ماں کے پیٹ میں رہتے ہوئے طے ہو جاتا ہے' البتہ عوام اُس کے پیدا ہونے کے بعد اُس کی جسمانی حرکتوں سے کسی فیصلہ پر پہنچتے ہیں۔ جب رُوح کا وجود دُنیا میں پیدا ہو جاتا ہے تو کالوں اور گوروں کا اِمتیاز نہیں رہتا۔ اگر وہ کالا ہوتا ہے تو اُس کو کالے لے جاتے ہیں اور گورے کو گورے لے اُڑتے ہیں۔ جب تک کوئی پیدا نہیں ہوتا' عالَم کے لیے مشکلات کا سبب ہے لیکن بہت کم لوگ ہیں' جو نہ جنے ہوئے کو پہچان لیں۔ اگر کوئی اللہ کے نور سے دیکھنے والا ہو کیونکہ چھلکے کے اندر اُس کے لیے راستہ ہوتا ہے۔ نُطفہ کا پانی اصل میں سفید اور خوشنما ہے۔ گورے اور کالے کی رُوح کا اثر اُس کو الگ الگ کر دیتا ہے۔ انسان کو خدا نے اَحسنِ تقویم پیدا کیا ہے۔ جنتی اور جہنمی وہ بعد میں بنتا ہے۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ کا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کرنا کہ لوگوں کے اَحوال مجھ سے چھپے ہُوئے نہیں ہیں

حضرت زید رضی اللہ عنہ نے کہا: میں ہر عورت اور مرد کو قیامت کے دن کی طرح صاف دیکھتا ہوں۔ بتا دوں کہ خاموش رہوں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہونٹوں کو دبائے رکھ۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے کہا: حق کا سورج اور ازل کا آفتاب کبھی بغل میں سمایا ہے؟ اُس کو روکا نہیں جا سکتا۔ اُس کے سامنے نہ جنون ٹکتا ہے نہ عقل۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی چیز کے پوشیدہ ہونے کی دو صورتیں ہیں' ایک تو یہ کہ اُس چیز کو چھپا دیا جائے' دوسرے یہ کہ اپنی آنکھ بند کر لی جائے۔ اللہ تعالیٰ کا پوشیدہ ہونا دوسری طرح کا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنی آنکھ پر اگر تُو ایک اُنگلی رکھ لے تو دُنیا کو سورج سے خالی پائے گا۔

یہی اللہ کی پردہ پوشی کی مثال ہے۔ صرف ایک پھولا اگر آنکھ کی پتلی پر ہو تو دُنیا کو چھپا دیتا ہے۔ انسان نے دُنیا کو مسخر کر لیا ہے۔ جس طرح چاہتا ہے اُس پر جہاز رانی کرتا ہے' تو جب یہ مسخر ہے تو خیالات کے دریا کو بھی تو قابو میں رکھو

سایۂ یزداں بُوَد بندہ خُدا	مُردہ ایں عالَم و زندہ خُدا
خدا کا بندہ اللہ کا سایہ ہوتا ہے	وہ اِس دُنیا کا مُردہ اور خُدا کا زندہ ہوتا ہے

اور لب بہ بند رہو۔ دل پر قابو حاصل کرو اور اُس کے مکاشفات کو ظاہر نہ کرو اور غور کرو کہ اگر اللہ نے سمندر کو انسان کا محکوم بنا دیا ہے تو دل بھی محکوم بن سکتا ہے۔ جنت کی نہریں' زنجیل اور سلسبیل' بزرگِ بہشتی کے حکم میں ہیں۔ جب یہ ہمارے حکم میں ہیں تو یہ ہماری طاقت نہیں ہے' خدا کے حکم کی وجہ سے ہے۔ سارے عمل ہمارے ہی اعضاء سے سرزد ہوتے ہیں لیکن یہ اُسی طرح ہے جیسے جادو جادوگر کے قابو میں ہوتا ہے۔ جس طرح آنکھ کے دو چشمے جو رواں ہیں جان کے فرمان اور دل کے حکم کے تابع ہیں۔ اگر وہ چاہے تو دنیاوی خوف سے بہنے لگیں' اگر وہ چاہے تو عبرت پکڑنے کی طرف چلی جائیں۔ اگر وہ چاہے تو نظر محسوساتِ عالم کی طرف چلی جائے اور اگر وہ چاہے تو چھپی ہوئی چیزوں کی طرف چلی جائے۔ اگر وہ چاہے تو کُلیات کی طرف چلی جائے اور اگر وہ چاہے تو جزئیات میں گھری رہے۔ اسی طرح پانچوں حواس ٹونٹی کی طرح ہیں۔ یہ دل کی حالت کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ جس طرف دل اُن کو اشارہ کرتا ہے' پانچوں حواس اُسی طرف روانہ ہو جاتے ہیں۔ ہاتھ اور پاؤں' دل کے حکم میں پھنسے ہوئے ہیں' جس طرح لاٹھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ میں۔ دل اگر چاہے تو پاؤں اُس کی وجہ سے رقص میں آ جائیں۔ دل اگر چاہے' ہاتھ کام میں لگ جائیں۔ ہمارے ظاہری ہاتھ' دل کے پوشیدہ ہاتھوں کے قبضے میں ہیں۔ وہ دل اندر ہے اور اُس نے جسم کو باہر بٹھا رکھا ہے۔ اگر وہ چاہے تو ہاتھ دشمن کے لیے آسان بن جائے' اگر وہ چاہے تو دوست کا یار بن جائے۔

تعجب ہے یہ عجیب تعلق ہے' عجیب مخفی سبب ہے۔ دل کو شاید مُہرِ سلیمانی مل گئی ہے جس نے پانچوں حواس کی مُہر اپنے ہاتھ میں تھامی ہوئی ہے۔ باہر کے پانچوں حواس اُس کے تابع ہیں۔ دس حواس ہیں' پانچ ظاہری' جیسے دیکھنا' سننا' ذائقہ' چھونا اور سونگھنا اور پانچ باطنی' جیسے حِس مشترک' خیال' وہم' حافظہ' متصرفہ۔ تمہارے پاس دل کی صورت میں مُہر سلیمانی ہے تو تجھے اپنے حواس پر حکمرانی کرنی چاہیے اور قوت نفسانیہ اور روحانیہ کو اپنی گرفت میں رکھنا چاہیے۔ اگر تُو اپنی اِس سلطنت میں فریب سے بچا رہے تو یہ دیو (شیطان) تجھ سے انگوٹھی نہیں چھین سکتا۔ اُس کے بعد دُنیا میں تیرا نام چمکے گا اور جسم کی طرح دونوں جہان تیرے محکوم ہوں گے۔ اگر تیرے ہاتھ سے جن انگوٹھی لے اُڑا تو تیری بادشاہت ختم ہوئی اور تیرا نصیبہ مردہ ہو گیا۔ اُس کے بعد "بندوں کے حال پر افسوس ہے" کہ کبھی اُن کے پاس کوئی رسول نہیں آیا جس کی اُنہوں نے ہنسی نہ اُڑائی ہو' ایسا نہ ہو جائے کہ قیامت تک کے لیے دل پر مُہر لگ جائے۔ اگر تُو شیطان کے وجود کا منکر ہے تو تُو حشر کے دن خوب دیکھ لے گا۔ اگر تُو حساب کتاب کا منکر ہے تو ترازو اور آئینہ سے کیسے جان بچائے گا۔ اب حضرت لقمان رحمۃ اللہ علیہ کا قصہ سُن۔

دامنِ اُو گیر زُوتر بے گُماں	تا رہی از آفتِ آخر زماں
اُس کا دامن شک و شبہ کے بغیر جلد تھام لے	تاکہ آخرت کی مصیبت سے تُو چھوٹ جائے

غلاموں اور ساتھیوں کا حضرت لُقمان رحمۃ اللہ علیہ کو مُتہم کرنا کہ ہم عُمدہ اور اچھے میوے لائے اور وہ اِس نے کھا لئے

حضرت لقمان رحمۃ اللہ علیہ اپنے آقا کے سامنے سب غلاموں میں حقیر تھے۔ آقا نے سب غلاموں کو اپنے پھلوں کے باغ میں بھیجا کہ پھل توڑ کر لائیں۔ حضرت لقمان رحمۃ اللہ علیہ گو سیاہ رُو تھے لیکن حکمت سے پُر تھے۔ دیگر غلاموں نے جمع شدہ میووں میں سے لالچ کی وجہ سے خوب کھایا اور واپسی پر آقا سے کہا کہ میوے حضرت لقمان رحمۃ اللہ علیہ نے کھائے ہیں۔ آقا' حضرت لقمان رحمۃ اللہ علیہ پر بہت بگڑا اور پوچھا کہ اُس نے ایسا کیوں کیا؟ اُنہوں نے کہا: اے آقا! خدا کے سامنے خیانت کرنے والا غلام پسندیدہ نہیں ہوتا۔ آپ اِمتحان لے لیجیے اور اُصلیت دکھانے کے لیے مسہل کا شربت پلا دیں۔ ہم سب کو پیٹ بھر کر گرم پانی پلایئے اور اُس کے بعد جنگل میں ہمیں تیز دوڑایئے۔ تب آپ کو بدکرداروں کا پتہ چل جائے گا۔ خوف کی وجہ سے سب غلاموں کو گرم پانی پینا پڑا اور اُن کو جنگل میں اونچی نیچی جگہ پر دوڑایا۔ سب کو قے آنے لگی اور جو کچھ اُن کے پیٹوں میں تھا پانی نے اُس کو باہر نکال دیا۔ حضرت لقمان رحمۃ اللہ علیہ کے پیٹ سے صاف پانی نکلا۔

اے انسان! جب حضرت لقمان رحمۃ اللہ علیہ کی دانائی یہ کرشمہ دکھا سکتی ہے تو ربّ کی حکمت کیا ہوگی۔ جس دن سب راز جن کو ہم چھپانا چاہتے ہیں ظاہر ہو جائیں گے۔ قرآن میں ہے: سُقُوۡا مَآءً حَمِیۡمًا فَقَطَّعَ "اُن کو گرم پانی پلایا اور ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے"۔ جُمۡلَۃُ الۡاِسۡتَارِ مِمَّا اَفۡضَحَتۡ "اُن کے تمام پردے ہٹائے اور رُسوا کر دیا"۔ کافروں کی سزا آگ اِسی وجہ سے بنی ہے کہ پتھر کی آزمائش آگ سے ہوتی ہے۔ اِس پتھر جیسے دل کو کتنی نصیحت کی گئی لیکن اِس نے قبول نہ کی۔ خراب زخم کو خراب دوا ہی ٹھیک کرتی ہے۔ خبیثات کے لیے خبیثوں کا ہونا دانائی ہے۔ بُرے کا جوڑ بُرا اور اچھے کا اچھا۔ پس تُو جو جوڑا چاہے بنا لے۔ اُس میں فنا ہو جا اور اُس کی صفات کو قبول کر لے۔ تُو جس راستے پر چلنا چاہے چل اور دوست کی صفات میں فنا اور ہم شکل ہو جا۔ نور چاہتا ہے تو نور کے لیے کمر کس لے۔ دُور ہونا چاہتا ہے تو تکبّر اور دُور ہو جا۔ اگر اِس برباد قید خانے سے رہائی چاہتا ہے تو دوست (اللہ) سے سَرکشی نہ کر۔ وَاسۡجُدۡ وَاقۡتَرِبۡ "سجدہ کر اور قریب ہو جا"۔

آنحضُور صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب میں حضرت زید رضی اللہ عنہ کا بقیہ قصہ

جبکہ 'بولنا' غیب کی پردہ دری کرتا ہے' وہ غیب کے پردوں کو بھی چاک کرتا ہے۔ اللہ کو غیب اور پردہ داری پسند ہے۔ راز کا چھپا ہونا بہتر ہوتا ہے اور ہر انسان کا اپنے خیال کے مطابق خوش رہنا بہتر

چُوں قبولِ حق بُود آں مردِ راست سچا انسان چونکہ اللہ کا مقبول ہوتا ہے اِس لیے	دستِ اُو در کارہا دستِ خُداست کاموں میں اُس کا ہاتھ خدا کا ہاتھ ہے

ہوتا ہے۔ اللہ چاہتا ہے کہ اُس سے نا اُمید بھی عبادت سے منہ نہ موڑیں۔ جو لوگ اُس کی عبادتوں میں مشغول ہیں وہ بھی اُمید سے مشرف ہیں۔ رحمت چاہتی ہے کہ سب پر نازل ہو ہر بُرے اور بھلے پر۔ اللہ چاہتا ہے کہ ہر حاکم و محکوم اُمید و بیم میں رہیں اور ڈرتے رہیں۔ یہ اُمید و بیم صرف پردہ پوشی ہی میں ہو سکتی ہے۔ اگر تُو راز کا پردہ چاک کر دے گا تو اُمید و بیم کی شان و شوکت تو گئی۔

حکایت ایک نوجوان نے دریا کے کنارے پر خیال کیا کہ ہمارا مچھیرا حضرت سلیمان علیہ السلام ہی ہے لیکن یہ تنہا اور چھپا ہوا کیوں ہے؟ اِس خیال میں وہ دو دل ہو رہا تھا کہ چہرہ سلیمان علیہ السلام پیغمبر اور بادشاہ کا ہے اور مچھیرا بنا ہوا ہے۔ آخر حضرت سلیمان علیہ السلام کو اُن کی بادشاہت واپس مل گئی اور شیطان دیو مارا گیا۔ اُنہوں نے انگلی پر اپنی انگوٹھی پہنی تو سب لشکر غلامی کرنے اور دیدار کے لیے حاضر ہو گئے۔ اُن میں وہ گمان کرنے والا بھی تھا۔ جب اُس نے اُن کی انگلی میں انگوٹھی دیکھی تو اُس کا گمان و خیال غائب ہو گیا۔

وہم اُس وقت تک رہتا ہے جب تک وہ پوشیدہ رہے۔ اٹکل صرف بغیر دیکھی ہوئی چیز کے لیے ہی ہوتی ہے۔ بارش ہوتی ہے تو زمین کی شادابی ظاہر ہو جاتی ہے لیکن وہ ابر کے حجاب میں چھپی ہوئی ہوتی ہے۔ اللہ نے فرمایا: ہمیں غیب پر ایمان لانے والے درکار ہیں۔ ظاہر ہو جانا گو کمال ہوتا ہے کیونکہ جانوں کو وہم سے رہائی دیتا ہے لیکن غیب میں مصلحت ہے کہ لوگ قیاس کرتے رہیں۔ غیب کی صورت میں عبادت خوب اور بہتر ہے۔ عبادت کرانے میں غیب کی حفاظت اچھی ہے۔ بادشاہ کا وہ خادم جو دُور ہو اور شرمائے' اُس سے کہیں بہتر ہے جو سامنے تعریف کرے۔ غائبانہ اطاعت کا بڑا درجہ ہے۔ خدا جس کو چاہتا ہے خود ہی علمِ وہبی عطا فرماتا ہے اور غیب سے مطلع کرتا ہے۔ تُو خاموش رہ کر اطاعت کرتا جا' جب مُشاہدہ ہو جائے گا تو کسی گواہ کی ضرورت نہ رہے گی۔ غیبت میں کام کی تھوڑی سی نگہداشت' موجودگی کی لاکھ کارگزاریوں سے بہتر ہے۔

ہمارے کاموں کا سب سے بڑا گواہ خود اللہ تعالیٰ' اُس کے فرشتے اور علماء ہیں اور رَبّ وہ ہے جو ہمیشہ رہے۔ لیکن جب خدا نے گواہی دی ہو تو فرشتے اور علماء کیا ہوتے ہیں کہ گواہی دیں۔ فرشتوں اور علماء کا ذکر اس لیے آیا کہ سورج کی موجودگی کی کمزور آنکھیں اور دل طاقت نہیں رکھتے۔ چمگادڑ سورج کی تاب نہیں رکھتی لہٰذا اُمید تو ڑ بیٹھتی ہے۔ تُو فرشتوں کو اُن چاندوں کی طرح سمجھ جو سورج سے روشنی حاصل کرتے ہیں۔ ہر مرتبہ کے دل کے لیے روشنی کا منبع اُس کی قوتِ برداشت کے مطابق ہوتا ہے۔ مرتبہ کے لحاظ سے اسی لیے فرشتوں کی بھی قسمیں ہیں اور اُن کے مرتبہ کے مطابق ہی ہر

جہل آید پیشِ اُو دانش شوَد
اُس کے سامنے جہل بھی آتا ہے تو عقل بن جاتا ہے

جہل شُد علمے کہ دَر ناقص روَد
جو علم ناقص میں چلا جائے وہ جہل بن جاتا ہے

ایک کو نور حاصل ہے۔ ہر انسان کا نیکی اور بدی کے اعتبار سے وہ فرشتہ ساتھی ہوگا جو اُس کے باطنی حال سے مطابقت رکھتا ہوگا۔ چندھے کی آنکھ میں سورج کی روشنی کی تاب نہیں ہے۔ جہاں تک کسی کو راستہ مل گیا' ستارہ ہی اُس کے لیے راستہ دکھانے والی شمع بن گیا۔

آنحضورﷺ کا حضرت زید رضی اللہ عنہ سے فرمانا کہ اِس راز کو اِس سے زیادہ کھُل کر نہ کہہ

پیغمبر ﷺ نے فرمایا: میرے صحابہ ستارے ہیں۔ اگر ہر شخص کے لیے وہ آنکھ اور طاقت ہوتی کہ وہ سورج سے نور حاصل کر سکتا تو پھر ستاروں کی کیا ضرورت ہے' پھر چاند کی ضرورت کیا تھی؟ چاند' ابر' خاک اور سایہ سے کہتا ہے کہ میں تم جیسا ہوں مگر مجھ پر وحی آتی ہے۔ تم سورج کا مشاہدہ نہیں کر سکتے۔ تمہاری طرح میں بھی بے نور تھا لیکن وحی کے سورج نے مجھے نور عطا کر دیا ہے۔ سورج کی بہ نسبت میں تاریک ہوں لیکن انسانوں کی تاریکی کے لیے میرے پاس نور ہے۔ میں اس لیے تمہاری طرح ضعیف ہوں تاکہ تُو برداشت کر سکے کیونکہ تُو سورج کا سامنا کرنے کا مردِ میدان نہیں ہے۔ میں شہد اور سرکہ کی طرح باہم مل گیا ہوں تاکہ تمہاری جگر کی بیماری تک پہنچ جاؤں۔ ہاں جب تُو اپنی (نفس) بیماری سے نجات پا جائے تو سرکہ چھوڑ دے اور شہد چاٹ۔ جب دل کا تخت خواہشات سے پاک ہو کر نور سے بھر گیا تو اَلرَّحۡمٰنُ عَلَی الۡعَرۡشِ اسۡتَوٰی کا مصداق ہو گیا۔ اِس کے بعد بلا واسطہ کا حکم ختم ہے۔ اب زید کہاں ہے کہ میں اُس کو روکوں کہ رُسوائی نہ کر۔ ہاں اِن رازوں کا کہنا دانائی نہیں ہے۔ ان کے اِظہار کے لیے قیامت آ رہی ہے۔ فنا فی اللہ میں واسطے ختم ہو جاتے ہیں۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ کی حکایت کی طرف واپسی

زید رضی اللہ عنہ اب فنا کے اُس مقام پر پہنچ چکے ہیں کہ خود اُن کو اپنی خبر نہیں ہے۔ وہ ایسے ستارے کی مانند ہو گئے ہیں جس پر سورج اپنی روشنی ڈال کر اُسے چمکا دے۔ اب تُو ستارے کا نشان تک نہ پائے گا۔ جب ہمارے لامحدود حواس اور قوتِ گویائی شہنشاہ کی دانش کے نور میں فنا ہو گئی تو وہ خود وہ نہ رہی۔ عالمِ اَرواح میں بھی ہمارے تمام حواس خدائی نور میں اسی طرح محو تھے جیسی محویت حضرت زید رضی اللہ عنہ پر طاری ہوئی ہے۔ "قیامت میں بس زور کی ایک آواز ہوگی تو بس لوگ ہمارے حضور میں حاضر کیے جائیں گے"۔

جس طرح ستارے دن میں چھپ جاتے ہیں اور رات آتے ہی مصروفِ عمل ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح جب انسان پر شب یعنی موت طاری ہوگی اور رُوح' عالمِ اَرواح میں پہنچ جاتی ہے تو ملائکہ اُس میں تصرف شروع کرتے ہیں۔

عالمِ برزخ میں رُوحوں پر غنودگی طاری ہوتی ہے۔ قیامت میں بیداری ہوگی اور سب جناب باری تعالیٰ کے حضور میں پہنچ جائیں گے اور عدم سے وجود کی طرف تیزی سے چلیں گے۔ تُو اِس حالت میں آنے سے انکار نہیں کر سکتا۔ عدم میں بھی رُوح نے آدم علیہ السلام کے جسم میں آنے سے انکار کر دیا تھا۔ مجبوراً اُس کو اس پنجرے میں آنا پڑا' یعنی اَحوالِ دُنیا میں مبتلا ہونا پڑا۔ یاد رکھو! عدم ہمیشہ خدا کے فرمان کے تابع ہے۔

سلیمان زندہ ہے' اے دیو! کام میں لگ جا۔ انسان دُنیا میں بڑے عہدوں کی کوشش بھی افلاس کے ڈر کی وجہ سے کرتا ہے جو اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ گویا انسان کا عہدے حاصل کرنا اللہ سے ڈرنا بھی ہے۔ یاد رکھ! خدائے خوب تَر کے عشق کے علاوہ جو کچھ بھی ہے چاہے شکر خوری ہے' جان کنی ہے' یعنی موت کی طرف سفر ہے' آبِ حیات حاصل کرنا نہیں۔ مخلوق کی نگاہیں موت کی مٹی کی طرف ہیں اور آبِ حیات (عشقِ الٰہی) میں سب شک کرتے ہیں۔ کوشش کر یہ سو (۱۰۰) شک نوّے (۹۰) بن جائیں اور روزانہ کم سے کم ہوتے رہیں۔ رات کو سفر کر' اگر سو گیا تو رات چلی جائے گی اور رُوح کی تاریکی کو دُور کرنے والی عقل کو رہنما بنا۔ کالی رات میں بہت نیکیاں ہوتی ہیں اور آبِ حیات اندھیرے میں ہی ملتا ہے۔ تُو غفلت سے سو گیا اور رات کا چور کام میں لگ گیا۔

تُو نہیں جانتا کہ اِس راہ میں تیرے دشمن کون ہیں۔ یاد رکھ! ناری' خاکیوں کے جانی دشمن ہیں۔ آگ' پانی اور اُس کی پیداوار کی دشمن ہے' جس طرح پانی اُس کی جان کا دشمن ہے۔ شیطان ناری ہے' اِس سے بچ۔ اِس کے علاوہ ایک اور آگ شہوت ہے' جس کے اندر گناہ اور لغزش ہے۔ بیرونی آگ پانی سے ٹھنڈی ہو جاتی ہے لیکن شہوت کی آگ جہنم تک لے جاتی ہے۔ شہوت کی آگ کا علاج دین کا نور ہے۔ جس طرح تمہارا نورِ ایمان کافروں کی آگ بجھا دیتا ہے' اُس آگ (شہوت) کو خدا کا نور بجھا دیتا ہے۔ ابراہیم علیہ السلام کے نور کو اُستاد بنا لے تاکہ تیرے نمرودِ نفس کی آگ سے تیرا لکڑی جیسا جسم نجات پالے۔ شہوت وہ آگ ہے جو پورا کرنے سے کم نہیں ہوتی' وہ روکنے سے کم ہو جاتی ہے۔ تُو اگر آگ پر ایندھن رکھتا جائے گا تو یہ کب بجھے گی؟ جب تُو ایندھن ہٹا لے گا آگ مردہ ہو جائے گی۔ اِس لیے کہ پرہیزگاری نے آگ پر پانی ڈال دیا۔ پاک باز لوگ نفس کی آگ سے محفوظ رہتے ہیں۔ ہاں جو لوگ کامل ہو گئے ہیں اُن کو جائز لذتیں مضر نہیں ہوتیں۔ ابتدائی مرحلوں میں اِن کا ترک کرنا لازمی ہے۔ اگر کوئی بیمار بھاری غذا کھائے گا تو بیماری میں اضافہ ہوگا اور اگر صحت مند کھائے گا تو اُس کی قوت بڑھے گی۔ زیادہ کھانا تجھ میں آگ کی طرح بیماری بڑھا دے گا۔ دونوں آگیں تیرا گھر برباد کر دیں گی۔ زندہ جسم اُن سے مردہ ہو جائے گا۔ مجھ میں اگر نار ہے تو وہ نور جیسی ہے۔ صحت کی آگ

اے خُنک آں مرد کز خُود رُستہ شُد
بہت ہی قابلِ مبارکباد ہے وہ شخص جو خُودی سے نکل گیا

در وجُودِ زندۂ پیوستہ شُد
وہ باقی کے وجُود سے وابستہ ہو گیا

جسم میں سرور کو بڑھاتی ہے۔ صحت کی آگ جب جسم میں بڑھتی ہے تو سو گنا مفید ہوتی ہے۔

امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں شہر میں آگ لگ جانا

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں شہر میں زبردست آگ لگ گئی۔ آدھا شہر جل چکا تھا۔ لوگ پانی اور سرکہ کی مشکیں اس پر ڈالتے تھے لیکن جیسے اُسے اللہ کی قدرت پہنچ رہی ہو وہ بڑھتی جا رہی تھی۔ لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے کہ آگ پانی سے نہیں بجھ رہی۔ اُنہوں نے فرمایا: یہ آگ اللہ کے قہر کی نشانیوں میں سے ہے اور تمہارے بخل کی آگ کا شعلہ ہے۔ اِس پر پانی ڈالنا چھوڑ ‏، روٹیاں تقسیم کرو۔ بخل سے توبہ کرو اور خیرات کرو۔ لوگ بولے: ہم تو بہت خیرات کرتے ہیں اور شروع سے ہی سخی ہیں۔ اُنہوں نے فرمایا: تم خیرات عادت کی وجہ سے کرتے ہو خدا کے لیے تم نے کبھی ہاتھ نہیں کھولا۔ تم خود نمائی اور شان و شوکت کے اظہار کے لیے ایسا کرتے ہو نہ کہ خوفِ خدا اور پرہیزگاری کی وجہ سے۔ مال بیج ہے‘ اسے شور زمین میں نہ ڈال۔ تلوار کو کسی ڈاکو کے ہاتھ میں نہ دے۔ دین داروں اور دشمنوں میں فرق کرنا سیکھ۔ کوئی اللہ کا مقرب تلاش کر۔ تم سمجھتے ہو کہ ہم نے بہت بڑی خدمت کی ہے۔

امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے چہرے پر ایک دشمن کا تھوکنا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا تلوار ہاتھ سے پھینک دینا

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے عمل کا اخلاص سیکھ۔ جہاد میں ایک مرتبہ اُنہوں نے ایک دشمن پہلوان پر قابو پا لیا۔ اُنہوں نے تلوار نکالی اور قتل کرنے لگے تھے کہ اُس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے چہرے پر تھوک دیا۔ اُس چہرے پر تھوکا کہ جس کے سامنے چاند بھی سجدہ میں جھکا ہوا ہے۔ ولیوں کے سردار حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی غصہ کی آگ کو بجھا دیا۔ اُنہوں نے تلوار ڈال دی۔ کافر اُن کے اِس عمل کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اُس نے پوچھا: میں آپ کے قابو میں تھا پھر آپ نے کیا دیکھ لیا کہ آپ کا غصہ فرو ہو گیا۔ کون سی ایسی شے آپ نے دیکھ لی کہ میری جان بخش دی اور میرے دل و جان میں ایک شعلہ سا کوند گیا ہے۔ بہادری اور مروّت میں آپ لاثانی ہیں۔ آپ تو موسیٰ علیہ السلام کے اُس اَبر کی طرح ہیں جس نے بنی اسرائیل کو چالیس سال تک بغیر محنت کیے رزق مہیا کیا۔ اگر وہ بند ہوا تو اُن لوگوں کی بدبختی اور حرص کی وجہ سے ہوا‘ لیکن احمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کے لیے وہ کھانا قیامت تک کے لیے باقی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”میں اپنے پروردگار کے پاس رات گزارتا ہوں وہ مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے“ اس بات کو بغیر کسی تاویل کے مان لے تاکہ اللہ تجھ پر اپنا خاص احسان فرمائے۔ تاویل کرنا خدا کی بخشش کو رد کرنا ہے۔ ہاں اگر تاویل

صد ہزاراں طبّ جالینوس بُود
جالینوس کی طب میں بے شمار علاج تھے

پیشِ عیسیٰؑ و دمش افسوس بُود
لیکن عیسیٰؑ اور اُن کی پھونک کے سامنے سب بیکار تھے

کرنی ہے تو اپنی کرُ احادیث کی نہ کر۔ اپنے دماغ کو بُرا کہہ باغ کو بُرا نہ کہہ۔ اے علی رضی اللہ عنہ! آپ نے جو کچھ دیکھا ہے اس میں سے کچھ بتا دو؟ آپ کی بُردباری کی تلوار نے مجھے قتل کر دیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ خدائی رازوں میں سے ہے۔ اِس لیے کہ بغیر تلوار کے قتل کرنا اُسی کا کام ہے۔ آپ کو مشاہدۂ حق حاصل ہے جس کے مختلف درجے ہیں۔ مُشاہدۂ حق غیبی جادو ہے۔ اے علی رضی اللہ عنہ! یہ راز کھول دیجیے۔ وہ نور جو آپ پر منکشف ہوا ہے اُس کا کچھ عکس مجھ پر بھی پڑا ہے۔ میں رات کا مسافر ہوں۔ آپ چاند ہیں' آپ مجھے دُرست راستے پر لے آئیں تا کہ میں غلطی اور بھول سے محفوظ ہو جاؤں۔ چاند تو بغیر بولے رہنما ہوتا ہے لیکن اگر بول پڑے تو نور' علیٰ نور ہو جاتا ہے۔ آپ تو علم کے شہر کا دروازہ ہیں اور بُردباری کے سورج کی شعاع ہیں۔ اے رحمت کے دروازے! قیامت تک کھلا رہ۔ ہر ہوا اور ہر ذرّہ ایک دریچہ ہوتا ہے اور جہاں دروازہ ہو وہ کب بند ہوتا ہے۔ اے شیخِ کامل! مجھے ایسا اطمینان دے دے کہ ہر ذرّے کا مُشاہدہ کر سکوں۔ مُشاہدہ کی وجہ سے مجھ پر حیرت کی کیفیت طاری ہے مگر میں بغیر شیخِ کامل کے کمال حاصل نہیں کر سکتا کیونکہ غیب سے مناسبت شیخِ کامل کے ذریعے ہی ہو سکتی ہے۔

اُس کا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سوال کہ یہ کیا ہوا کہ مجھ جیسے کے قتل پر آپ رضی اللہ عنہ قابو پا گئے لیکن آپ نے تلوار ہاتھ سے پھینک دی

اُس نومسلم ولی نے پوچھا: اے امیر المومنین رضی اللہ عنہ! پیٹ میں جب بچّہ ہوتا ہے تو مختلف ستارے اُس کی خدمت میں لگے رہتے ہیں لیکن جب اُس میں رُوح آ جاتی ہے تو سورج اُس کا مددگار بن جاتا ہے۔ آپ بتائیں کہ اُس جنین کا تعلق سورج کے ساتھ کس راستے سے ہوتا ہے؟ یہ ایک مخفی راستہ ہے جو ہمارے اِدراک سے دُور ہے۔ سورج کے راستے بہت سے ہیں۔ ایک راستہ وہ ہے جس سے سونا' کان میں سورج سے پرورش حاصل کرتا ہے۔ پتھر یاقوت بن جاتا ہے۔ وہی راستہ لعل کو سُرخ رنگ عطا کرتا ہے۔ ایک راستہ ہے کہ میووں کو پکاتا ہے۔ ایک راستہ وہ ہے کہ کسی حیران کو دل عطا کر دیتا ہے۔ آپ بتائیے' اے شہباز! جو بغیر سپاہیوں کے لشکروں کو شکست دے سکتے ہو۔ قہر کی جگہ آپ میں مہر کس وجہ سے پیدا ہو گئی؟ اژدھے کو چھوڑ دینا ہر ایک کا کام نہیں ہے۔

امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کا جواب دینا کہ انہوں نے تلوار کیوں ہاتھ سے چھوڑ دی؟

اُنہوں نے فرمایا: میرا تلوار چلانا صرف اللہ کے لیے ہے' میں اپنے جسم کا غلام نہیں ہوں۔ میں اسد اللہ ہوں' خواہشِ نفسانی کا شیر نہیں ہوں۔ تم نے سُنا کہ ''کنکریاں تُو نے نہیں پھینکیں

دیدنِ دانا، عبادت ایں بُود
عارف کو دیکھنا ایک عبادت ہوتی ہے

فتح ابوابِ سعادت ایں بُود
اُس سے نیک بختی کے دروازے کھُل جاتے ہیں

جبکہ پھینکیں" میں تلوار کی طرح ہوں جسے چلانے والا اللہ ہے۔ میں نے راستے سے اپنا سامان ہٹالیا ہے اور خدا کے غیر کو معدوم سمجھ لیا ہے۔ میں تو جنگ میں قتل نہیں کرتا بلکہ زندگی دیتا ہوں۔ میری تلوار سے لوگوں کو اللہ کا وصال ہوتا ہے۔ میں تنکا نہیں ہوں کہ ہوا سے ہل جائے، میں تو صبر اور حلم کا پہاڑ ہوں۔ غصہ، شہوت اور حرص کی ہوائیں اُس کو اُڑا لے جاتی ہیں، جو نیاز مند نہ ہو۔ تکبر کی ہوا، غرور کی ہوا اور خود پسندی کی ہوا اُس کے لیے اُڑتی ہے جو اہلِ علم نہ ہو۔ ہاں میں اللہ کی ہوا کے لیے ایک تنکا ہوں۔

غصہ بادشاہوں پر حکمران ہے لیکن میں نے اُسے قابو کیا ہوا ہے۔ اُس ہوا کے بغیر میں جھک نہیں سکتا کیونکہ عشقِ الٰہی کے بغیر میرا کوئی پیش رو نہیں ہے۔ اگرچہ میرا جسم تباہ شدہ ہے لیکن میں نور میں غرق ہوں میرا مقصد اَبْغَضَ لِلّٰہِ (اللہ کے لیے بُغض) ہے۔ میرے کسی فعل میں میری ذاتی غرض شامل نہیں ہوتی۔ میرے عمل کا یہ اخلاص لوگوں کی دیکھا دیکھی نہیں ہے۔ میری آنکھوں دیکھی بات یعنی عین الیقین ہے۔ میری آستین اللہ کے دامن سے وابستہ ہے اور میں ہمہ وقت اللہ تعالیٰ سے نور کا کسب کرتا رہتا ہوں۔ میرا اتنا کہہ دینا کافی ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "لوگوں سے وہی باتیں کہو جو وہ سمجھ سکیں۔ کیا تم چاہتے ہو کہ اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کو جھٹلا دیا جائے"۔ میری گواہی شریعت میں معتبر ہوتی ہے کیونکہ میں آزاد ہوں اور ایک آزاد کے آگے ہزاروں غلاموں کی گواہی کی کوئی حقیقت نہیں ہے، جو شہوت، حرص اور تکبر کے غلام ہیں اور تا موت اُن کے غلام رہیں گے۔ قرآن میں قساوتِ قلبی کا جو ذکر کیا ہے میں اُس سے پاک ہوں۔ قیامت میں قسی القلب لوگوں کے جگر بھی خون ہو جائیں گے۔ لیکن اس وقت ندامت اور خونِ جگر بہانے سے اُنہیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ ندامت اور اپنے جگر کو خون کرنے کی مُہلت اسی دُنیا میں ہے۔ عدل کے لیے گواہی کی عدالت شرط ہے اور اِس کے لیے گواہ کا حُر ہونا ضروری ہے۔ شیطان کا غلام عدل نہیں کر سکتا۔ قرآن میں حضور ﷺ کو شاہد فرمایا گیا کیونکہ وہ حُر ابن حُر تھے۔ میں جب حُر ہوں تو غصہ مجھے قیدی کب بنا سکتا ہے۔ یہاں تو اللہ تعالیٰ کی صفات کے سوا کچھ نہیں ہے۔

میرے اندر آ کر دیکھ لے اِنَّ رَحْمَتِیْ سَبَقَتْ عَلٰی غَضَبِیْ "بے شک میری رحمت میرے غضب پر سبقت لے گئی ہے"۔ اللہ کی مہربانی نے تیری جان بخش دی اور اُس کی رحمت غصے پر غالب آ گئی ہے۔ اب تجھے کوئی خطرہ نہیں ہے، تُو اب پتھر سے موتی بن گیا ہے۔ اب تُو مَیں اور مَیں تُو ہو گئے ہیں۔ تُو علی تھا اور میں علی کو کیسے قتل کرتا۔ تُو نے ایمان اختیار کر کے انتہائی عروج حاصل کر لیا۔ تُو نے تھوک کردہ گناہ کیا جو ہر طاعت سے بہتر ہے۔

نَم کہ از دریا درو راہے شود
وہ منکا جس میں دریا کی جانب سے راستہ بن جائے

پیشِ اُو جیحونہا زانو زند
اُس کے سامنے بہت سے جیحوں دریا با ادب ہو جاتے ہیں

اُس مرد کی معصیت بہت مُبارک تھی۔ کیا گلاب کے پھول کانٹے سے نہیں نکلتے؟۔ کیا عمر رضی اللہ عنہ کو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مٹانے کے ارادے نے قبولیت کے دربار تک نہیں کھینچا؟ کیا فرعون نے جادوگروں کو اُن کے جادو کی وجہ سے نہیں بلوایا کہ وہ خوش نصیب بن جائیں؟ سرکشی بعض اوقات ایمانِ کامل کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ اگر اُن میں سرکشی نہ ہوتی تو وہ کب عصا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مُعجزے دیکھ سکتے۔ یاد رکھو! نااُمیدی کو خدا نے فنا کر دیا ہے جبکہ گناہ اور معصیت طاعت بن گئی۔ جب وہ گناہوں کو تبدیل کر دینا چاہتا ہے تو بُرے کاموں کو عین طاعت کا ذریعہ بنا دیتا ہے۔ اِس سے شیطانِ رجیم مزید سنگسار ہو جاتا ہے اور ہماری طاعت کے حسد سے شق ہو کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا ہے۔ وہ کوشش کرتا ہے کہ ہم سے گناہ کرائے لیکن جب دیکھتا ہے کہ وہ تو طاعت قرار دے دیا گیا تو اُس کے لیے وہ بہت منحوس وقت ہوتا ہے۔ تُو اندر آ جا۔ میں نے تیرے لیے دروازہ کھول دیا ہے۔ تُو نے تھوکا، میں نے تجھے تحفہ دیا۔ جب میں ظالم کے ساتھ یہ سلوک کرتا ہوں تو محبت والے قدموں پر کس طرح جھکوں گا اور اپنے وفادار کو کیا کچھ عطا کروں گا۔ کچھ لے خزانے اور لازوال مُلک دوں گا۔ ایسی لازوال بادشاہی بخشوں گا کہ جس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ میں وہ مردِ کامل ہوں کہ اپنے قاتل پر بھی ڈنک کی بجائے شہد برساتا ہوں۔

امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خادم کے کان میں آنحضور کا فرمانا کہ علی کی شہادت تیرے ہاتھ سے ہوگی میں نے تجھے بتادیا ہے

میرے خادم کے کان میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ وہ ایک روز میرا سر قلم کرے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی کے ذریعے سے اُسے آگاہ کیا کہ میری ہلاکت اُس کے ہاتھ سے ہوگی۔ وہ مجھ سے کہتا ہے کہ آپ مجھے پہلے ہی مار ڈالئے تاکہ ایسی بُری خطا مجھ سے سرزد نہ ہو۔ میں اُس سے کہتا ہوں کہ جب میری موت تیرے ہاتھ سے ہے تو قضائے الٰہی کے آگے میں کیا کرسکتا ہوں۔ وہ میرے قدموں پر گرتا ہے کہ آقا! خدا کے لیے میرے دو ٹکڑے کر دیجئے تاکہ میرا انجام بُرا نہ ہو۔ میں کہتا ہوں کہ جا کیونکہ لکھنے والا قلم خشک ہو چکا ہے۔ میرے دل میں تیرے لیے کوئی بُغض نہیں ہے، اس لیے کہ میں اس بات کو تیری طرف سے نہیں سمجھتا۔ تُو تو اللہ کا آلہ کار ہے۔ اصل کرنے والا تو اللہ ہے۔ اُس نے پوچھا کہ پھر خون کا بدلا کیوں ہے؟ میں نے کہا: وہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور ایک مخفی راز ہے۔

اگر اللہ اپنے کسی فعل پر اعتراض کرتا ہے تو اپنے اعتراض سے وہ ایک باغ اُگاتا ہے۔ اُسے اپنے کام پر اعتراض کا حق ہے کیونکہ وہ قہر اور مہر میں یگانہ ہے۔ حوادث کی اس دُنیا میں وہی حکمران ہے اور افلاک میں بھی وہی تدبیر کا مالک

نُورِ خورشید ار بیفتد بر حدث
اُو ہماں نُور ست نپذیرد خبث

سُورج کے نُور کی شعاع اگر گندگی پر پڑے
وہ نُور ہی رہے گی نجاست کو قبول نہیں کرتی

ہے۔ اگر وہ اپنے بنائے ہوئے آلے کو خود توڑتا ہے تو ٹوٹے کو خود ہی جوڑتا بھی ہے۔ وہ اپنے کسی حکم کو منسوخ کر کے کوئی بہتر اَمر جاری کرتا ہے۔ جس شریعت کو خدا نے منسوخ کیا تو گھاس کو ختم کر کے اُس کے بدلے میں گلاب اُگا گیا۔ رات' دن کی روشنی کو منسوخ کرتی ہے پھر دن کی روشنی' رات کو منسوخ کرتی ہے اور دن کی حرارت پتھروں کو بھی نرم کر دیتی ہے۔ نور کی تبدیلی کے بعد بظاہر ظلمت مناسب معلوم نہیں ہوتی لیکن حقیقتاً اُسی ظلمت سے جانداروں کو آبِ حیات حاصل ہوتا ہے اور اُن کے قویٰ پھر کام کاج کے لیے تروتازہ ہو جاتے ہیں۔

اَضداد سے اَضداد پیدا ہوتی ہیں۔ جیسے دل کے اندھیرے میں ہی اللہ نور پیدا کرتا ہے۔ پیغمبر ﷺ کی جنگ' صلح کا دارومدار ہوتی ہے۔ اُنہوں نے لاکھوں سر اِس لیے قلم کر دیئے کہ دُنیا والوں کے سَروں کو امن حاصل ہو۔ باغبان' درختوں کی شاخیں اِس لیے کاٹتا ہے تاکہ اُن میں زیادہ پھل آئے۔ وہ باغ میں سے فالتو پودے اور گھاس پُھوس کاٹ دیتا ہے تاکہ باغ پھولے پھلے۔ بیمار دانت کو نکلوانا پڑتا ہے تاکہ درد سے نجات حاصل ہو۔ پس نقصانوں میں ترقیاں چھپی ہوتی ہیں اور شہیدوں کی زندگی فنا ہونے ہی میں ہے۔ جب دُنیا میں رزق کھانے والا حلق کٹ جاتا ہے تو یُرْزَقُوْنَ يَفْرَحُوْنَ (یعنی اُن شہیدوں کو رزق دیا جاتا ہے اور وہ خوش ہوتے ہیں) خوشگوار ہو کر آ جاتا ہے۔ جانور کا گلا جب انصاف سے کاٹا گیا تو انسان کے حلق نے نشوونما پائی۔ اگر انسان کا گلا اللہ کے نام پر کٹ جائے تو غور کرو اُس کو کتنی فضیلتیں ملیں گی۔ اُس کی تیمارداری اللہ کے شربت سے ہوگی۔ وہ حلق ''لَا'' سے آزاد ہو کر ''بلیٰ'' میں فنا ہو جاتا ہے۔

روٹی کے ذریعے تیری زندگی کب تک رہے گی۔ بید کی طرح تُو بے ثمر اِسی وجہ سے ہے کہ تُو نے روٹی کے لیے اپنی آبرو داؤ پر لگا دی۔ قربِ الٰہی حاصل کرنے کے لیے ترکِ دُنیا ضروری ہے۔ اس کے لیے کسی شیخ کا ہاتھ تھام لے جو تجھے تانبے سے سونا بنا دے گا۔ اگر تُو صاف کپڑے پہننا چاہتا ہے تو دھوبیوں کے محلے میں جانے سے منہ نہ پھیر۔ شیخ تیرے ٹوٹے ہوئے کو جوڑنے والا ہے تو اُس کا تجھے توڑنا تیرے جوڑنے کے لیے ہوگا۔ اگر تُو خود تقویٰ حاصل کرنے کی کوشش کرے گا تو شیخ تجھے اپنی طرف کھینچ لے گا کیونکہ یہ اُسی کا کام ہے۔ توڑنا اُسی کے لیے مناسب ہوتا ہے جو جوڑنا جانتا ہو۔ جو دینا جانتا ہے وہی کاٹنا بھی جانتا ہے۔ اگر وہ مجرموں پر قِصاص کا حکم نہ فرماتا تو یہ نہ فرماتا کہ قِصاص میں زندگی ہے۔ قاتل جو تقدیر کا اسیر ہے اُس کو بغیر حکمِ خداوندی کون مار سکتا ہے۔ جاڈر تارہ اور بُروں پر طعنہ زنی نہ کر۔ اپنے آپ کو اللہ کے سامنے عاجز سمجھ۔ دل سے اللہ کے سامنے گردن جھکا دے اور دوسروں پر مذاق اور طعنہ زنی نہ کر۔

من ندانم خیر اِلّا خیرِ اُو
مَیں اُس کی خیر کے علاوہ کسی خیر کو نہیں جانتا

صُمٌّ و بُکمٌ و عُمیٌ من از غیرِ اُو
اور اُس کے غیر سے گونگا، بہرہ اور اندھا ہوں

ابلیس لعین کی گمراہی میں حضرت آدم علیہ السلام کا تعجب اور غرور کرنا

ایک روز آدم علیہ السلام نے ابلیس کو حقارت کی نگاہ سے دیکھا۔ وہ خود پسند بن گئے اور ابلیس کے کام کی ہنسی اُڑائی۔ غیرتِ حق نے پکارا' اے آدم! تمہیں چھپے ہوئے رازوں کا علم نہیں ہے۔ اگر میں باطن کو ظاہر کردوں تو پہاڑ اُکھڑ جائیں۔ اگر سینکڑوں آدموں کی پردہ دری کروں تو سینکڑوں شیطان نومسلم ہو جائیں۔

حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کیا: میں نے اُس نظر سے توبہ کی' پھر کبھی ایسا خیال دل میں نہیں لاؤں گا۔ اے خدا! اِس بندہ کو معاف کردے اور اِس بات پر میری گرفت نہ کر۔ اے فریادیوں کی فریاد سننے والے! ہم کو ہدایت عطا کر۔ علوم اور مال داری میں کوئی فخر نہیں ہے۔ تُو نے جس دل پر کرم کر کے ہدایت دے دی ہے اُسے کج نہ کر اور بُری تقدیر کو ہم پر سے ٹال دے اور ہمیں اہل اللہ سے جدا نہ کر۔ تیری جُدائی سے زیادہ کڑوی چیز کوئی نہیں ہے اور تیری پناہ کے بغیر سوائے اُلجھن کے کچھ نہیں ہے۔

ہمارا سامان' ہمارا جسم' ہمارے ہاتھ پاؤں ہمارے دشمن ہیں کہ ہمیں بُرے کاموں کی طرف لے جاتے ہیں اور تیری امان کے بغیر کوئی کس طرح بچ سکتا ہے۔ اِن خطروں سے جان محفوظ نہیں ہوسکتی' جب تک جان کا محبوب سے وصال نہ ہو جائے۔ تُو راستہ نہ دے تو جان کا بچنا محال ہے۔ وہ جان جو تیرے بغیر زندہ ہو' دراصل مردہ ہے۔ اگر تو بندوں پر طعنہ زنی کرے تو دُرست ہے کیونکہ تُو تو عین مالک ہے اور کائنات کا ہر ذرّہ اور بڑی سے بڑی چیز تیرے سامنے حقیر ترین ہے۔ یہ بات اِس لیے دُرست ہے کہ تُو ہی اِن کو مکمل کرنے اور فنا کرنے کی ملکیت رکھتا ہے۔ تُو ہی عدم اور نیستی سے پاک ہے اور معدُوم کو موجود کرنے والا ہے۔ ہر خزاں میں باغ اُجڑ جاتا ہے' پھر کہتا ہے باہر آ اور تروتازہ ہو جا اور خوب صورت بن جا۔ ہم چونکہ بنائے ہوئے ہیں اِس لیے سوائے قانع ہونے کے کچھ نہیں ہیں۔ ہم نے شیطان سے رہائی پائی ہے تو صرف تیری مہربانی سے اور اگر تُو نہ چاہے تو ہم خود شیطان ہیں۔ تیرے سوا جو کچھ بھی ہے خواہ اچھا ہے یا بُرا جلانے والا اور مجسّم آگ ہے۔ تیرے سوا ہر چیز باطل ہے اور تیرا فضل ہی رحمت کی بارش برسانے والا ہے۔

امیرالمومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قصّہ کی طرف واپسی اور اُن کا اپنے قاتل سے چشم پوشی برتنا

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں دن رات اپنے دشمنوں کو دیکھتا ہوں اور مجھے بالکل غصہ نہیں آتا کیونکہ مجھے موت بھی زندگی کی طرح اچھی لگتی ہے۔ میری موت

گفت بیزارم زغیرِ ذاتِ تو　　غیر نبوُد آں کہ باشد مات تو

عرض کیا کہ میں تیرے غیر سے بیزار ہوں　　لیکن جو تجھ میں فنا ہو گیا وہ غیر نہیں ہے

نے میری زندگی کو مضبوطی سے پکڑا ہوا ہے۔ بے نوائی کا سامان ہمارے لیے اللہ کا عطیہ ہے۔ مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا (مر جاؤ قبل اِس کے کہ مرو) ہمارے ہی لیے ہے۔ موت کافروں کے لیے باعثِ خوف اور مومن کے لیے باعثِ امن ہے جیسے کہ دریا بطخ کے لیے قوت کا سبب اور مرغ کے لیے کمزوری کا سامنا ہے۔ اُس کا ظاہر موت اور باطن زندگی ہے۔ بچّہ کا ماں کے پیٹ سے پیدا ہونا اُس کا اِس دُنیا کی طرف اِنتقال ہے۔ جن لوگوں کو موت سے عشق ہو ان کے لیے وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ یعنی اپنے آپ کو ہلاک نہ کرو کا حکم نہیں ہے۔ یہ حکم اُن کے لیے ہے جن کی جان کا مرنا ہلاکت ہے لیکن جن کے لیے مرنا کامیابی ہے اُن کے لیے "سَارِعُوْا" یعنی جلدی کرو کا حکم آیا ہے۔ ممانعت تو مرغوب چیز کے لیے ہوتی ہے۔ مکروہ کے لیے نہیں۔ میرے لیے تو قرآن میں ہے کہ "نہ گمان کرو تم اُن لوگوں کو مردہ جو اللہ کے راستے پر قتل کیے گئے بلکہ وہ تو زندہ ہیں"۔

اُقْتُلُوْنِیْ یَا ثِقَاتِیْ لَائِمًا ۔۔۔ اِنَّ فِیْ قَتْلِیْ حَیَاتِیْ دَائِمًا

اِنَّ فِیْ مَوْتِیْ حَیَاتِیْ یَا فَتٰی ۔۔۔ کَمْ اُفَارِقُ مَوْطِنِیْ حَتّٰی مَتٰی

فُرْقَتِیْ لَوْ لَمْ یَکُنْ فِیْ ذَا السُّکُوْنْ ۔۔۔ لَمْ یَقُلْ اِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنْ

اے میرے معتمد لوگو! مجھے ملامت کرتے ہوئے قتل کر ڈالو۔ بیشک میرے مرنے میں میری ابدی زندگی ہے۔ اے نوجوان! میری موت میں میری زندگی ہے۔ میں اپنے وطن سے کب تک اور کتنا جدا رہوں؟ اگر اِس دُنیا میں سکونت سے میری جُدائی نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ نہ فرماتا: اِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ یعنی ہم اُسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ لوٹنے والا تو وہی ہوتا ہے جو اپنے شہر میں واپس آئے۔ زمانہ کے فرق سے وصال میں آئے۔

خادم کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاؤں پڑنا کہ اے امیر المومنین! مجھے مار ڈالیں اور اِس قضائے خداوندی سے چھڑا دیجیے

وہ خادم آیا اور میرے آگے زمین پر گر پڑا اور آہ وزاری کرتے ہوئے کہنے لگا! اے علی رضی اللہ عنہ! مجھے جلد قتل کر دیجئے تاکہ میں وہ بُرا وقت نہ دیکھوں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر ہر ذرّہ قاتل بن جائے اور اُس کے ہاتھ میں تیرے لیے خنجر ہو تو تیرا ایک بال بھی نہیں کاٹ سکتا' جبکہ تقدیر نے تیرے لیے ایسا لکھ دیا ہو لیکن تُو بے فکر رہ میں تیرا سفارشی ہوں۔ میں رُوح کا مالک ہوں' مَیں جسم کا غلام نہیں ہوں' میرے نزدیک اِس جسم کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ خنجر اور تلوار میرے لیے خوشبودار پھول بن

لیک دُرویشے کہ اُو تشنہ خُداست ۔۔۔ ہست دائم از خُدائش کار راست

لیکن وہ فقیر جو اللہ تعالیٰ کا پیاسا ہے ۔۔۔ اُس کا کام ہمیشہ خُدا کی جانب سے درست ہے

گئے ہیں۔ جو جسم کو اِس طرح مغلوب کر دے وہ امیری اور خلافت کی حرص کب کر سکتا ہے۔ بظاہر اگر وہ حکومت کے لیے کوشاں ہے تو اِس لیے کہ حاکموں کے لیے حکومت کرنے کی رہنمائی کرے۔ حاکموں کے لیے قانون نامہ تحریر کرے اور امارت میں نئی رُوح ڈال دے۔ اگلے عالم میں تُو اُن کی سرداری دیکھے گا۔

حضور ﷺ کا مکّہ کو فتح کرنا حُبِ دُنیا کے لیے کب تھا۔

پیغمبر ﷺ کا مکّہ کی فتح طلب کرنا، ملکِ دُنیا کی محبت کی وجہ سے نہ تھا کیونکہ خود فرمایا ہے "دُنیا مُردار ہے اور اس کے طلب گار کُتّے" بلکہ خُدا کے حُکم سے تھا

جس ذات نے ساتوں آسمانوں کے خزانوں سے دل کی آنکھ بند کر لی۔ جس کے دیدار کے لیے حوریں اور رُوحیں ہر طرف جمع تھے اور فرشتے راہ کی خاک پر گرے پڑتے تھے۔ یوسف علیہ السلام جیسے سینکڑوں جس کے مُشتاق تھے لیکن اُن کو اپنے دوست کے سوا کسی کی پرواہ کب تھی۔ اللہ کے جمال سے آپ ﷺ اس قدر بھرے ہوئے تھے کہ اُس میں انبیاء علیہم السلام کو بھی دخل نہ تھا۔ اُنہوں نے فرمایا: "میرے لیے ایک ایسا وقت آتا ہے جس میں سوائے میرے ربّ کے میرے اندر کسی کی گنجائش نہیں ہے"۔ سورۃ نجم میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "دیدارِ الٰہی کے وقت اُنہوں نے نظر اِدھر اُدھر نہ کی، نہ اُچٹی"۔

جب آسمانوں اور عقول کے خزانے رسول ﷺ کی نظر میں ایک تنکے کے برابر ثابت ہوئے تو مکہ، شام اور عراق کیا ہوتا ہے کہ وہ اُس کا اشتیاق ظاہر کرے۔ یہ گمان اور خیال تو مُنافق کا ہوسکتا ہے کیونکہ وہ اپنے حرص اور جہل پر قیاس کرتا ہے۔ تُو جب زرد رنگ کی عینک لگائے گا تو سورج کو بھی زرد دیکھے گا۔ اپنے زرد شیشے کو توڑ ڈال تاکہ تُو گرد اور مرد کی شناخت کر سکے۔ اُس شہسوار کے چاروں طرف غُبار اُڑ رہا ہے۔ تُو نے غُبار کو مردِ حق سمجھ لیا ہے۔ شیطان نے آدم علیہ السلام کی گرد دیکھی اور بولا کہ یہ مٹی کا بنا ہوا ہے۔ جب تک تُو معززینِ بارگاہِ الٰہی کو بشر سمجھتا رہے گا، یہ سمجھ لے کہ یہ سمجھ شیطان کی میراث ہے۔ اے سرکش! اگر تُو شیطان کی اولاد نہیں ہے تو تجھے اُس کتے کی میراث کیسے ملی۔

میں کتا نہیں ہوں، اسدُ اللہ ہوں اور اللہ کا شیر وہ ہے جو صورت پرستی سے چھوٹ جائے۔ دُنیا کا شیر سامان کی زیادتی تلاش کرتا ہے لیکن اللہ کا شیر آزادی اور موت کی جستجو کرتا ہے۔ چونکہ وہ موت میں سینکڑوں وجود دیکھتا ہے، اس لیے پروانے کی طرح اپنے وجود کو جلا دیتا ہے۔ موت کی تمنا سچوں کے گلے کا طوق ہے، اِسی لیے یہود کا اِسی سے اِمتحان لیا گیا تھا اور اُنہیں موت کی تمنا کرنے کے لیے کہا گیا تھا۔ ایک بھی یہودی نے اِس قدر ہمت نہ کی۔ حضور ﷺ نے فرمایا: اگر یہودی زبان سے یہ کہہ دیں تو دُنیا میں ایک بھی یہودی نہ بچے۔

بلکہ درویشاں وَرائے مُلک و مال بلکہ درویش مُلک و مال کے علاوہ	روزیٔ دارند ژرف از ذُوالجلال اللہ سے ایک بھاری روزی پاتے ہیں

امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اُس جوان سے فرمایا کہ جب تُو نے میرے منہ پر تھوکا تو نفس میں اشتعال پیدا ہوا اور آدھا جہاد اور آدھا میری خواہش نفسانی میں بٹ گیا' لیکن اللہ کے کام میں شرکت نہیں ہے۔ تُو مولیٰ کی مملوک ہے' میری مخلوق نہیں ہے۔ اللہ کے نقش کو اللہ ہی کے حکم سے توڑ دے۔ دوست کے شیشے پر دوست ہی کا پتھر مار۔ کافر نے یہ بات سُنی تو اُس کے دل میں ایک نور پیدا ہوا۔ اُس نے فوراً کفر سے توبہ کی اور بولا کہ میں نے آپ رضی اللہ عنہ کو کچھ اور سمجھا تھا۔ آپ تو خدائی اخلاق والی ترازو کے کانٹا ہیں۔ میں اب اُس شمع کا غلام ہوں جس نے آپ رضی اللہ عنہ کے چراغ کو روشن کیا ہے۔ اِس طرح اُس کے خاندان کے پچاس آدمیوں نے کلمہ توحید پڑھا اور ان کی بُردباری کی تلوار نے لوگوں کو لوہے کی تلوار سے بچالیا۔ بُردباری کی تلوار سینکڑوں لشکروں کو فتح کرنے والی ہے۔

دفترِ اوّل ختم شُد

شاہ آں باشد کہ از خود شہ بود
شاہ وہ ہوتا ہے جو اپنے باطن کا شاہ ہو

نے بمخزن ہا و لشکر شہ بود
نہ کہ خزانوں یا لشکر کی وجہ سے شاہ ہو

مثنوی مولوی معنوی

ہست قرآں در زبان پہلوی
(جامی)

انوار العلوم

اردو نثر

مثنوی مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ

دفتر دوم

عشق



مصنف

سلطان العارفین بحر رموز حقائق خزانہ علم و حکمت دانائے عشق و معرفت

حضرت مولانا جلال الدین محمد بلخی رحمۃ اللہ علیہ

المعروف بہ **مولانا روم** رحمۃ اللہ علیہ

مترجم

محمد عالم امیری

248-A



مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کے مزارِ اقدس کا صدر دروازہ

کعبۃُ العشّاق باشد ایں مقام
ہر کہ ناقص آمد ایں جا شُد تمام

ترجمہ : عُشاق کا کعبہؐ یہ مقام ہے یہاں ناقصوں کو کامل بنا دیا جاتا ہے۔

فہرست دفترِ دوم

تا بماند شاہی اُو سرمدی
اِس لئے کہ اُس کی شاہی ابدی ہے

ہمچو عزّ مُلکِ دینِ احمدی
جیسی کہ دینِ احمدی کی بادشاہی اور عزت

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
17	قیدیوں کا اُس مفلس قیدی کی قاضی کے وکیل سے شکایت کرنا	۲۶۹
18	اس شعر کے معنیٰ سے متعلق قصہ'انہوں نے ''اگر'' اور ''مگر'' کی شادی کر دی اور اُس میں سے ''کاش کہ'' نامی بچہ پیدا ہوا	۲۷۲
19	لوگوں کا ایک شخص کو ملامت کرنا جس نے ماں کو تہمت کی وجہ سے قتل کر ڈالا	۲۷۳
20	بادشاہ کا اُن دو غلاموں کا امتحان کرنا جن کو نیا خریدا تھا	۲۷۴
21	بادشاہ کا دونوں غلاموں میں سے ایک کو روانہ کر دینا اور دوسرے سے حالات معلوم کرنا	۲۷۵
22	بادشاہ کے سامنے غلام کا اپنے دوست کی سچائی اور وفاداری کی اپنے گمان اور پاکیزگی کی وجہ سے قسم کھانا	۲۷۶
23	بادشاہ کا غلام کی حالت پوچھنا	۲۷۹
24	غلاموں کا مخصوص غلام پر حسد کرنا	۲۸۰
25	ویرانہ میں باز کا چغدوں میں پھنس جانا	۲۸۱
26	پیاسے کا دیوار پر سے نہر میں مٹی کے ڈلے پھینکنا	۲۸۳
27	حاکم کا ایک شخص سے کہنا کہ کانٹوں کا جھاڑ جو تُو نے بویا ہے لوگوں کے راستے سے اُکھاڑ دے اور اُس کا عذر کرنا	۲۸۴
28	اچھے کاموں کو کل پر مؤخر کرنے کی آفت	۲۸۵
29	پانی کی ناپاکوں کو پاکی کی طرف بلانے کی مثال	۲۸۸
30	دوستوں کا شفاخانہ میں ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کی مزاج پُرسی کے لیے آنا	۲۸۸
31	مریدوں کا سمجھنا کہ ذوالنون رحمۃ اللہ علیہ پاگل نہیں ہوئے' قصداً ایسی صورت بنائی ہوئی ہے	۲۸۹
32	ذوالنون رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت کی طرف رجوع	۲۹۰

تو مگو مارا بداں شہ بار نیست
تُو یہ نہ کہہ کہ ہماری رسائی اُس بادشاہ تک نہیں ہے

بر کریماں کارہا دُشوار نیست
کریموں پر بڑے کام کرنا دُشوار نہیں ہوتے

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر

تو مگو مارا بداں شہ بار نیست
تُو یہ نہ کہہ کہ ہماری رسائی اُس بادشاہ تک نہیں ہے

بر کریماں کارہا دُشوار نیست
کریموں پر بڑے کام کرنا دُشوار نہیں ہوتے

در نیابد حالِ پختہ ہیچ خام
کوئی ناقص انسان کامل کا حال معلوم نہیں کرسکتا

پس سخن کوتاہ باید والسلام
اس لئے بات مختصر چاہیے، والسلام

درنیابد حالِ پختہ ہیچ خام
کوئی ناقص انسان کامل کا حال معلوم نہیں کر سکتا

پس سخن کوتاہ باید والسلام
اس لئے بات مختصر چاہیے، والسلام

پیر باشد نردبانِ آسماں
پیر آسمان تک رسائی کے لئے سیڑھی ہوتا ہے

تیر پرّاں از کہ گردد، از کماں
جیسے کمان کے بغیر تیر نشانے پر نہیں پہنچتا

اِبتدا دفترِ دوم

أعوذ بالله من الشيطان الرجيم

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ایک مدّت مثنوی لکھنے میں تاخیر ہوئی لیکن خون کے دودھ میں تبدیل ہونے میں وقت لگتا ہے۔ جب تک تیرا نصیب نیا بچہ نہ جنے، خون، شیریں دودھ نہیں بنتا۔ اُس دروازے (قربِ الٰہی) کی آفت، خواہشِ نفسانی اور شہوت ہے۔ اپنے منہ کو بند رکھ آنکھوں پر پٹی باندھ لے۔ اے منہ! تُو دوزخ کا دہانہ ہے اور اے دنیا! تُو برزخ کی طرح ہے۔ اس ناچیز دُنیا کے پہلو بہ پہلو نور ہے۔ جیسے خون کی نالیوں کے پہلو بہ پہلو صاف دودھ ہوتا ہے۔ تُو اِس میں ایک قدم بغیر احتیاط کے رکھے گا تو تیرا دودھ اور خون خلط، ملط ہو جائیں گے۔ نفس کی خوشی میں آدم علیہ السلام نے ایک قدم رکھا تو جنت سے جُدائی گلے پڑ گئی، فرشتہ اُن سے ایسے بھاگتا تھا جیسے شیطان۔ چند لقموں کی وجہ سے کس قدر آنسو بہانے پڑے۔ اگرچہ وہ گناہ جو اُن سے سرزد ہوا ایک بال برابر تھا لیکن آنکھ کی پُتلی کے سامنے ایک بال بھی پہاڑ بن جاتا ہے۔

گناہ سے بچ جانے کی ترکیب یہ ہے کہ اہلِ علم سے مشورہ کر لیا جائے۔ بُری صحبت سے بچنا نہایت ضروری ہے۔ پیر کی صحبت تنہائی کی عبادت سے زیادہ فیض رساں ہے کیونکہ اہل اللہ کی صحبت اللہ کے قرب کا سبب ہوتی ہے۔ جا! کسی خدا کے دوست کی تلاش کر، جب تُو نے ایسا کر لیا تو خدا تیرا بھی دوست بن جائے گا۔ جو خلوت کو پسند کرتے ہیں اور اِس کے فائدوں سے واقف ہیں، اُنہوں نے بھی تو خلوت پسندی کو یار ہی سے سیکھا ہے۔ گوشہ نشینی غیروں سے چاہیے نہ کہ یار سے۔ عقل دوسری عقل کے ساتھ ملنے سے دوگنی ہو جاتی ہے اور راستہ کو نمایاں کر دیتی ہے۔ نفس بھی نفس کے ساتھ مل کر دوگنا ہو جاتا ہے اور اندھیرا بڑھ کر راستے کو چھپا دیتا ہے۔

ہر کہ در رہ بے قلاوزے رَوَد	ہر دو روزہ راہ صد سالہ شَوَد
جو بغیر کسی رہبر کے راستے پر چلنے کی کوشش کریگا	دو دن کی راہ سَو سالوں جتنی ہو جائے گی

شیخ کی صحبت بہت کام کی چیز ہے مگر اس کے آداب سیکھ۔ اُس کی شان میں شک اور بدگمانی نہ کر۔ حدیث میں ہے اَلْمُؤْمِنُ مِرْاٰۃُ الْمُؤْمِنْ "مومن، مومن کا آئینہ ہوتا ہے"۔ جس طرح آئینہ عیب دکھا دیتا ہے اور اُس کو مشہور نہیں کرتا، اسی طرح ایک مومن کو دوسرے مومن کے ساتھ معاملہ کرنا چاہیے۔ غم میں، یار جان کا آئینہ ہو جاتا ہے۔ اس آئینے پر پھونک مار کر اُسے دھندلا نہ کر۔ اپنے شیخ کے سامنے لاف زنی نہ کر، خاموش رہ تاکہ آئینہ پر دُھند نہ آئے۔ مٹی نے اپنے آپ کو یار (بہار) کے سپرد کر دیا تو اُس میں سے لاکھوں کلیاں نکلیں۔ وہ درخت جو یار (بہار) کا ساتھی بنا، سَر سے پیر تک سرسبز ہو گیا۔ خزاں کے موسم میں جب اُس نے نامناسب ساتھی دیکھا تو فوراً اپنا سر لحاف میں چھپا لیا۔ بُرا ساتھی مصیبت ہوتا ہے۔ اُس کی صحبت سے سو جانا بہتر ہوتا ہے۔ جیسے اصحاب کہف دقیانوس کی صحبت سے بچ کر سو گئے۔ جو نیند عقل مندی سے ہے وہ نادان دوست کی صحبت سے بہتر ہوتی ہے۔ جب کوؤں نے باغ میں ڈیرے ڈال دیئے تو بُلبلیں چُپ ہو کر چُھپ گئیں۔ بدصحبت سے خلوت میں سو جانا ہزار درجہ بہتر ہے۔

آفتاب اگر اِس چمن کو چھوڑتا ہے تو اِس لیے کہ زمین کے نچلے حصّے کو روشن کرے۔ آفتاب کو فیض رسانی کے لیے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونا پڑتا ہے لیکن شیخ اپنی جگہ رہتا ہے اور زمین کے ہر حصّے کے باشندوں کو فیض پہنچاتا ہے۔ اگر تُو سکندر ہے تو سورج کے طلوع ہونے کی جگہ پر آ، اس کے بعد جہاں جائے گا نیک بخت ہوگا۔ اِس کے بعد تُو جہاں بھی جائے گا مشرق یعنی فیض ہی ہوگا۔ تیری موتی برسانے والی حس تیری رُوح ہی ہے۔ جسمانی حس گدھوں کا راستہ ہے۔

ظاہری، چکھنا، چُھونا، سُونگھنا، سُننا، دیکھنا، پانچ حسوں کے علاوہ چھ حسیّں اور ہیں جن کا تعلق رُوح سے ہے۔ وہ قلب، رُوح، نفس، سِر، خفی، اخفیٰ ہیں، انہی حسیات سے انسان کو معرفتِ حق ہوتی ہے۔ بدنوں کی حسیّں ظلمت سے روزی حاصل کرتی ہیں لیکن رُوح کی حسیّں براہِ راست سورج (ذاتِ الٰہی) سے غذا حاصل کرتی ہیں۔ اِس عالم میں بدنی حسوں کی اہمیت ہے لیکن آخرت کے بازار میں رُوح کی حسوں کی قیمت پڑے گی۔

اے الٰہی! ہم تجھے تیری صفات ہی سے پہچان سکتے ہیں۔ تُو کبھی سورج میں، کبھی دریا میں تجلّی دکھاتا ہے۔ کبھی کوہِ طور میں ہوتا ہے تو کبھی وہم سے بھی وراءُ الوراء ہو جاتا ہے۔ تیری ذات نہ "یہ" ہے اور نہ "وہ" ہے۔ تیری رُوح علم اور عقل کی ساتھی ہے، وہ نہ ترکی ہے اور نہ عربی۔ اے بے نقش! اتنے مظاہر کے ہوتے ہوئے تیری وجہ سے اہلِ تشبیہ بھی اور اہلِ توحید بھی حیران ہیں۔ تُو کبھی اہلِ تشبیہ کو مُوحِّد بنا دیتا ہے اور کبھی اہلِ توحید کا صورت کی وجہ سے رہزن بن جاتا

گرچہ شیری چوں رَوی رَہ بے دلیل
ہمچو رُوبہ دَر ضلالی و ذلیل

اگرچہ تُو شیر بھی ہو جب بغیر رہنما کے راستے طے کریگا
تو لُومڑی کی طرح گمراہی میں ذلیل ہوگا

ہے۔ جو شخص بھی حس میں پھنسا وہ معتزلی ہے سُنّی نہیں ہے۔ جس نے حسِ خداوندی کے ذریعے اُس کی کوئی نشانی دیکھ لی وہ عین اطاعت کے لیے اللہ کی جناب میں ہے۔ اِس لیے کہ اہلِ نظر اُس کی جناب میں اپنی عقل کی آنکھ بند کرلیتے ہیں۔ اگر حیوانی حس اُسے دیکھ سکتی تو گادڑ اور خر بھی اُسے دیکھ لیتے۔ لیکن اولادِ آدم علیہ السلام کے لیے، اُس نے اپنی پہچان کے لیے نفسانی خواہشات سے بالاتر ایک مخصوص حس پیدا فرمائی۔ اسی لیے بنی آدم علیہ السلام کو مکرم کہا گیا۔

تیرا خدا کو باصورت یا بے صورت کہنا اُس وقت تک بے کار ہے جب تک کہ تُو مجاہدے کر کے سراپا رُوح نہ بن گیا ہو۔ باصورت یا بے صورت کی پہچان تو وہی کرسکتا ہے جو خود چھلکے سے مغز بن چکا ہو۔ اگر تم میں استعداد ہی نہیں ہے تو مجبوری ہے، ورنہ صبر کر کیونکہ صبر کشادگی کی کُنجی ہے۔ صبر آنکھوں کے سامنے آئے ہوئے پردوں کو ہٹا دیتا ہے۔ دل کا آئینہ جب صاف ہوجائے گا تو تُو نقش کو بھی دیکھے گا اور نقاش کو بھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ستارے، چاند اور سورج کو معبود خیال کرنا دراصل خیال کا ارتقاء تھا کیونکہ اِس طرح وہ بظاہر بُت پرستی کر رہے تھے لیکن دراصل بُت شکنی کر رہے تھے جو (بت) توحید کی راہ میں حائل تھے۔ اسی طرح تصورِ شیخ دراصل بظاہر بُت پرستی ہوتی ہے لیکن شیخ کی محبت اپنی بے غرضی کی وجہ سے سالک کو اللہ تک پہنچا دیتی ہے کیونکہ شیخ کے تصور سے ہمیں اپنے نفس کی حقیقت اپنی نفی کر کے حاصل ہو جاتی ہے اور اس نفی سے ہی ذاتِ حق کا ادراک ہوتا ہے اور ہر غیر سے بے نیازی حاصل ہو جاتی ہے۔

تدبیر یہ ہے کہ ہم اپنے آپ کو دیکھیں، ہم اِس کے قابل بھی ہیں یا نہیں۔ اچھا بن جا کہ ہر اچھا، اچھوں کو ہی پسند کرتا ہے اور باطل، باطلوں کو جذب کرتا ہے۔ باقی رہنے والے باقی رہنے والوں سے خوش ہیں۔ آنکھوں کا نور بیرونی نور کا طالب ہے، ورنہ گھبراہٹ پیدا ہو جاتی ہے۔ اگر گھبراہٹ ہے تو سمجھ لے کہ دل کی آنکھ بند ہے۔ دل کی آنکھ لا انتہا نور کا مُشاہدہ چاہتی ہے۔ جب یہ طے ہے کہ ہم جنس، ہم جنس کا طالب ہوتا ہے تو اگر کوئی حسین کسی بدصورت کا طالب ہوتا ہے تو محض مذاق کے لیے ہوتا ہے۔ شیخ کے ذریعے فنا ہو کر مرید کو اپنی حقیقی تصویر نظر آ جاتی ہے۔ شیخ ایک آئینہ ہوتا ہے اور اُس میں دیکھ کر اپنی خوب صورتی اور بدصورتی پہچان لی جاتی ہے۔ وہ آئینہ بہت قیمتی ہے جو ہمارے نقائص ہم پر ظاہر کردے کیونکہ اُس کا تعلق عالمِ ملکوت کے ساتھ ہے، اِس لیے شیخِ کامل کو ڈھونڈ۔ حضرت مریم علیہا السلام کو دردِ زہ کھجور کے درخت کی طرف لے گیا۔ جب ہم نورِ مطلق کو تعینات کے دھوئیں سے جدا کردیں گے تو ذات کا نقش خود بخود سامنے آ جائے گا۔ جب تُو اپنی ذات کو اپنا خیال سمجھے گا تو تیرے نقش میں سے آواز آئے گی کہ میں "تُو" ہے اور "تُو" "میں" ہوں۔ شیخ کی چشمِ دل میں جو کہ ہمیشہ حقائق سے وابستہ ہے کوئی خیالی چیز نہیں سما سکتی۔ ناقص کی چشمِ دل میں غیر حقیقی

ہیں مپر الا کہ با پرِ ہائے شیخ　　　تا بہ بینی عونِ لشکر ہائے شیخ
خبردار! شیخ کے پَروں کے بغیر پرواز نہ کر　　　تاکہ تُو شیخ کے لشکروں کی مدد کو دیکھ سکے

چیزیں نمودار ہوتی ہیں کیونکہ ناقص کا تعلق عالمِ سفلی سے ہے۔ جب تک تیری ہستی کا ایک بال بھی رہے گا تیری ہستی تیرے خیال میں گم ہو جائے گی۔ ایک حکایت سُن۔

امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ایک شخص کا خیال کو چاند سمجھنا

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں رمضان آیا تو سب چاند دیکھنے کے لیے پہاڑ پر چڑھ گئے۔ ایک شخص بولا: چاند یہ ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آسمان پر چاند نہ دیکھا تو فرمایا کہ یہ چاند تیرے خیال کا چمکا ہے ورنہ میں جو کہ آسمانوں کو تجھ سے زیادہ دیکھنے والا ہوں مجھے چاند کیوں نظر نہیں آیا؟ فرمایا: جا ہاتھ تر کر اور ابرو پر مل اور پھر چاند کی طرف دیکھ۔ جب اُس نے ابرو کو تر کیا تو چاند کو نہ دیکھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تیرے ابرو کا بال کمان بن گیا اور تُو نے چاند کے بارے میں گمان کا تیر چلا دیا۔ تیرے ابرو کا ایک بال ٹیڑھا ہوا تو خیال نے نئے چاند کی شکل نمودار کر دی۔ ایک ٹیڑھا بال جب آسمان کا پردہ بن گیا تو اگر تیرے اور اجزاء ٹیڑھے ہو جائیں تو کیا ہو گا؟ جا جوں کے ذریعے اپنے اجزاء سیدھے کرا لے اور اپنا سر اُس چوکھٹ سے نہ ہٹا۔ یاد رکھ! غیروں سے ملنا' اپنوں سے ٹوٹنا ہے۔ شیطان تجھے اپنے فریب میں پھنسائے گا۔ اُس نے تو تیرے باپ کو بھی ہرا دیا تھا۔ شیطان تیرے دل میں رُتبے اور مال کی محبت ڈال دے گا جو کہ دونوں فانی چیزیں ہیں اور تجھے آبِ حیات سے دُور رکھے گا۔

ایک سپیرے کا دُوسرے سپیرے کے سانپ کو چُرانا

ایک چور بے وقوفی سے ایک سانپ پالنے والے کا (دولت سمجھتے ہوئے) سانپ اُٹھا کر لے گیا۔ سپیرا تو سانپ کے زہر سے بچ گیا لیکن چور کو سانپ نے کاٹ لیا۔ سپیرے نے دیکھا تو کہا کہ میں دُعا کرتا تھا کہ سانپ مجھے مل جائے۔ شکر ہے کہ میری دُعا قبول نہیں ہوئی۔ میں نے اپنا نقصان سمجھا تھا لیکن میں نفع میں رہا۔ میری بجائے وہ مارا گیا۔

بہت سی دُعائیں ایسی ہوتی ہیں' جو ہماری ہلاکت کا باعث بن سکتی ہیں۔ اللہ پاک اپنے کرم سے اُنہیں قبول نہیں کرتا۔ دُعا کرنے والا شاکی ہوتا ہے اور بُرا گمان کرتا ہے۔ یہ بدگمانی بُری چیز ہے۔ دُعا کرنے والا نہیں سمجھتا کہ اُس نے اپنی مصیبت کی دُعا کی تھی۔

پیر تابستاں و خلقاں تیر ماہ	خلق مانندِ شب اند و پیر ماہ
پیر، موسم بہار ہے اور مخلوق خزاں ہے	مخلوق رات جیسی ہے اور پیر چاند کی طرح

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھی کا اُن سے ہڈیوں کو زندہ کر دینے کی درخواست کرنا

ایک بے وقوف، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا سفر کا ساتھی بن گیا۔ اُس نے ایک قبر میں ہڈیاں دیکھیں۔ کہنے لگا: اے بلند ذات! تم مُردوں کو زندہ کرتے ہو، مجھے یہ کام سکھا دو تا کہ میں اچھا کام کروں اور ہڈیوں کو جاندار بنا دوں۔ اُنہوں نے فرمایا: چُپ رہ کہ یہ تیرا کام نہیں ہے، یہ کام اُن کے کرنے کا ہے کہ جن کا سانس بارش سے زیادہ تیز اور فرشتوں جیسا ہو۔ سانس کو پاک کرنے کے لیے عمریں درکار ہیں تا کہ انسان آسمانوں کے خزانوں کا امین بن سکے۔ تیرے ہاتھ میں لاٹھی تو ہے لیکن موسیٰ علیہ السلام جیسا اعجاز کہاں؟ وہ بولا: اگر میں وہ اَسرار پڑھنے کے لائق نہیں ہوں تو آپ تو ایسا کر سکتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اے خدا! کیا راز ہے؟ یہ بے وقوف اپنی قلبی بیماری کا غم کیوں نہیں کرتا؟ اُسے اِس مُردے کی جان کا غم کیوں ہے؟ اُس نے اپنے مُردے کو چھوڑا ہے اور غیر کے مُردے کی بھلائی چاہتا ہے۔ اللہ نے فرمایا: یہ بد بخت ہے، جو ہمیشہ کانٹے بوئے گا۔ تُو اِسے گلشن میں کہاں تلاش کرتا ہے۔ ایسا آدمی دوست کی طرف جائے گا تو سانپ بن جائے گا۔ اُس کے قول و فعل پر بھروسہ نہ کر۔

صُوفی کا خادم کو جانور کی خبر گیری کی نصیحت کرنا اور خادم کا لاحول پڑھنا

ایک صوفی گشت کرتے کرتے ایک خانقاہ میں پہنچا۔ اپنے سواری کے جانور کو اصطبل میں باندھ دیا اور دیگر ساتھیوں کے ساتھ مُراقبہ کرنے لگا۔ یار کی صحبت، دفتر یا حرف سے پاک ہوتی ہے۔ وہاں تو برف کی طرح سفید دل کے سوا کچھ نہیں۔ عقلمند کا توشہ قلم کے نشانات ہوتے ہیں اور صوفی کا تحفہ، انوارِ الٰہی کا شکار، جیسے شکاری ہرن کے قدموں کے نشان پر چل پڑتا ہے، آخر کار ہرن کا نافہ اُس کا رہنما بن جاتا ہے۔ اِس لیے کہ اُس نے نشاناتِ قدم (اللہ کی نشانیوں) کی قدر کی اور اِس طرح نافہ کی خوش بُو اُسے منزل تک لے گئی۔ سالِک فرطِ شوق میں مطلوبِ حقیقی کی منازلِ قرب طے کرنے لگتا ہے۔ پھر اللہ کی جانب سے جذب و کشش ہوتی ہے۔ جب اللہ کی جانب سے کشش ہو رہی ہو تو شیطانی مداخلت ممکن نہیں ہوتی۔ اِسی وجہ سے مجذوب، سالِک سے افضل ہوتا ہے کیونکہ اللہ کی جانب سے کشش ہر قسم کی عبادت سے بڑھ کر ہے۔ اللہ کی کشش کی وجہ سے ہی اولیاء رحمہم اللہ کی رُوحیں عالَمِ اَرواح میں ہی وہ سب کچھ حاصل کر لیتی ہیں، جو عوام کو عالَمِ ناسُوت میں آنے کے بعد حاصل ہوگا۔

مخلُوق کے پیدا کرنے میں اللہ تعالیٰ کا فرشتوں سے مشورہ

جب مخلوق کے پیدا کرنے پر مشورہ ہو رہا تھا تو فرشتوں نے تخلیق انسان اور اُس کی

کردہ ام بختِ جواں را نام پیر
میں نے خوش بخت کو پیر کہا ہے

کُو ز حق پیر ست نہ از ایام پیر
کیونکہ وہ خُدا کی جانب سے پیر ہے عمر کی وجہ سے پیر نہیں ہے

خلافت کے خلاف مشورہ دیا۔ اولیاء رحمہم اللہ کی رُوحیں چونکہ قدرت کے سمندر میں غرق تھیں اور منشائے الٰہی سے واقف تھیں، اُنہوں نے فرشتوں کے مشورہ کی ہنسی اُڑائی کیونکہ اللہ کے اعمال کے نتائج کا اُنہیں علم تھا۔ عالَمِ ناسُوت میں آنے سے قبل ہی اُنہوں نے چیزوں کا مُشاہدہ کیا ہوا تھا اور وہ اُن کی کیفیات سے واقف تھے، اور رُوحِ اعظم میں سب کا اشتراک ہے، لہٰذا تمام اولیاء رحمہم اللہ در حقیقت مُتّحِد اور ایک ہیں۔ تشخص کے اِعتبار سے اُن میں دُوئی ہے لیکن باطنی قوت کے اِعتبار سے ایک ہیں کیونکہ اللہ کا نور متعدد نہیں ہوسکتا۔ موجوں کا تعدُّد ہوا کی وجہ سے ہے ورنہ در حقیقت وہ ایک ہی ہیں۔ رُوحِ انسانی تعداد کے باوجود حقیقت میں مُتّحِد ہے۔ سورج کی روشنی کا تعدُّد مختلف قسم کے روزنوں کی وجہ سے ہے؛ در حقیقت وہ ایک ہی ہے۔ خدا کے نور میں تفرقہ ممکن نہیں۔

منزلِ مہِ مقصد کی کعبہ ہے نہ بُت خانہ
اِن دونوں سے آگے چل لے ہمتِ مردانہ (بیدم وارثی رحمۃ اللہ علیہ)

حکایت کے معنیٰ کی تقریر کا بند ہو جانا چونکہ سُننے والے کا رُجحان حکایت کے ظاہر کی طرف ہے

میں اَسرار کی وضاحت کردوں، لیکن نہیں کہہ سکتا کیونکہ شاید سننے والے کا دل حاضر نہیں ہے۔ پورا حال بیان کرنے کے لیے صوفی کا حال بیان کرنا ضروری ہو گیا ہے۔ ظاہری صوفی، بچوں کی طرح اخروٹ و منقّی سے دلچسپی رکھتا ہے، یعنی ظاہر سے۔ تُو اگر مرد ہے تو اِن دونوں چیزوں (ظاہری شان، جاہ طلبی، طمع وغیرہ) سے گزر جا۔ رُوح کی منازل طے کرنے کے لیے ریاضت کی طرف توجہ کر۔ اگر تُو کامیاب نہ بھی ہوا تو خدا کی مدد شاملِ حال ہو جائے گی لیکن بھُس (ظاہر) کو غلّہ (باطن) سے جدا کرلے۔

خادم کا چوپائے کی نگرانی اپنے ذمّہ لینا اور وعدہ خلافی کرنا

جب صوفیوں کا وجد و طرب ختم ہوا تو کھانا لایا گیا۔ صوفی کو اپنے جانور کا خیال آیا۔ اُس نے خادم سے کہا کہ جانور کی اچھی طرح سے خبر گیری کرے۔ خادم بولا: لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ میں ان کاموں میں ماہر ہوں۔ زیادہ تاکید کر کے شرمندہ نہ کریں۔ صوفی بار بار تاکید کرتا جاتا اور وہ ہر بار لَاحَوْلَ پڑھتا جاتا اور کہتا کہ ہمارے پاس ہر طرح کے مہمان آتے رہتے ہیں۔ میں سب کی اچھی طرح خدمت کرتا ہوں اِسی لیے تر و تازہ ہوں۔

خادم چلا گیا تو صوفی کو غفلت کی نیند آ گئی۔ خادم چند آوارہ مزاجوں کے پاس پہنچا اور صوفی کی نصیحتوں کا مذاق اُڑانے لگا۔ صوفی نے خواب میں دیکھا کہ بھیڑیا اُس کے گدھے کے ٹکڑے کر رہا ہے، وہ چیخا: ارے نوکر کہاں ہے؟ پھر

خود قوی تر می بُود خمرِ کہن　　خاصہ آں خمریکہ باشد مِن لَدُن
پُرانی شراب خود زیادہ قوی ہوتی ہے　　خصُوصًا وہ شراب جو لدُنی کی ہو

اُس نے دیکھا کہ گدھا کبھی کنویں میں گرتا ہے۔ وہ طرح طرح کے ناخوش گوار واقعات دیکھتا۔ مصیبت دُور کرنے کے لیے آیات کی تلاوت کرتا۔ پھر سوچتا یہ بُرائی کرنے والے بلاوجہ کیوں بُرائی کرتے ہیں؟ پھر کہنے لگا: شاید حسد کی وجہ سے کرتے ہوں۔ اُدھر گدھا بھوک اور تکلیف کی وجہ سے پریشان تھا، کہنے لگا: ناتجربہ کار مالک نے خادم پر کیوں بھروسہ کرلیا اور اُس کی چکنی چپڑی باتوں میں آ گیا۔ وہ کود رہا تھا اور اُس کی زبان کہاں تھی کہ اپنا حال بتاتا۔

قافلہ والوں کا گُمان کہ صُوفی کا گدھا بیمار ہے

چونکہ خادم نے گدھے کو رات کو کھانے کے لیے کچھ نہ دیا تھا۔ وہ کمزوری کے باعث گرنے لگا۔ لوگوں نے صوفی سے وجہ پوچھی تو اُس نے کہا کہ دراصل میں نے اپنا کام خادم پر چھوڑ دیا تھا اس لیے مجھے یہ پریشانی اُٹھانا پڑی۔ ہمیشہ اپنا کام خود کرنے کی عادت ڈالنی چاہیے اور لوگوں کی چکنی چپڑی باتوں میں نہیں آنا چاہیے' جیسے کہ میرے ساتھ ہوا۔ کئی لوگ بھی شیطان صفت ہوتے ہیں۔ باتوں میں پھنسا لیتے ہیں اور راستے سے بھٹکا دیتے ہیں۔ جو دُنیا میں شیطان کا دھوکا کھاتا ہے یعنی دوست نما دشمن سے تعظیم پر پھولتا ہے اور فریب کھاتا ہے تو پُل صراط پر گدھے کی طرح منہ کے بَل گرتا ہے۔ ایسے شریر دوستوں سے بچو اور لاپرواہ ہو کر نہ رہو۔ کئی لَاحَوْلَ پڑھنے والے شیطان بھی ہوتے ہیں۔ وہ تمہیں "جانِ دوست" کہے گا مگر تمہاری کھال کھینچ لے گا۔ کسی کی میٹھی باتوں سے دھوکا مت کھاؤ، جیسے خادم کی چرب زبانی سے صوفی مصیبت میں پھنس گیا۔

کچھ لوگ بیگانہ صرف غیر آدمی کو سمجھتے ہیں۔ یاد رکھو! تمہارا یہ جسمِ خاکی بھی بیگانہ ہے جو کہ تمہارا ساتھ نہ دے گا۔ اس لیے محض تن پروری بھی بیگانے کے کام میں لگنا ہے۔ تن پروری سے تمہاری رُوح جو کہ تمہاری اصل ہے، کمزور ہوتی ہے۔ گل سڑ جانے والی چیزوں کی نگہداشت زیادہ مناسب نہیں ہے۔ اللہ کے ذکر سے رُوح معطر ہوتی ہے اور منافق بظاہر خدا کا نام لیتا ہے لیکن اُس کے دل میں گندگی ہے۔ اُس کا عمل گندگی پر اُگے ہوئے سبزے کی طرح ہے' جو عارضی ہے۔ اچھی چیزیں اچھے لوگوں کے لیے ہیں اور بُرائیاں بُرے لوگوں کے لیے۔ کینہ دل کا بہت بڑا آزار ہے، درحقیقت عذاب النار ہے۔ اسی لیے کینہ ور دوزخ کا جزو ہے۔ یاد رکھو! جنتی اور دوزخی ہونے کا دارومدار خیالات اور اعتقادات پر ہے۔ یہی انسان کی خصوصیت ہے ورنہ گوشت پوست تو دوسرے حیوانات میں بھی ہے۔ اگر تیرا فکر پھول جیسا ہے تو تُو گلزار ہے اور اگر پیشاب کی طرح ہے تو تُو باہر پھینکا جائے گا۔

اپنی صحبت نیکوں کے ساتھ رکھ کیوں کہ ہم جنسوں سے ہم جنس ملائے جاتے ہیں۔ جلدی ناجنسوں سے رہائی حاصل

پیر را بگزیں کہ بے پیر ایں سفر
پیر (کا توسل) اختیار کر، یہ سفر بغیر پیر کے

ہست بس پُر آفت و خوف و خطر
آفت اور خوف و خطر سے پُر ہے

کر لے۔ عالمِ اَرواح میں نیک اور بد رُوحیں الگ الگ تھیں۔ عالمِ ناسوت میں آکر نیک و بد آپس میں مل گئے۔ انبیاء علیہم السلام اور اللہ کے نیک بندوں کی تعلیمات روشنی کی طرح ہیں۔ رات کے وقت مسافروں میں باہمی امتیاز نہیں ہوتا لیکن روشنی آتے ہی سب کچھ پہچانا جا سکتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام بمثل آنکھ کے ہیں' جو اچھے بُرے کو پہچان لیتے ہیں۔ اُن کی تعلیمات سے روشنی حاصل کرلو۔ قرآن میں قیامت کو دن بتایا گیا ہے کہ جب ہمارے خیالات اصل شکلوں میں ظاہر ہو جائیں گے۔ صوفیاء کی زبان میں ظاہر کو حقیقت اور مظاہر کو صورت کہا جاتا ہے، تمام کائنات اسمائے الٰہی کا مظہر ہے اور اسمائے الٰہی ظاہر اور حقیقت ہیں۔ اِس کائنات میں انسان' ذاتِ الٰہی کا مظہرِ اَتم ہے۔ قیامت کے دن کی حقیقت اولیاء رحمۃ اللہ علیہم کا باطن ہے۔ چونکہ وہ اللہ کے اِسمِ مُقسِط کے مظہر ہیں تو کھوٹے کو کھرے سے الگ کر سکتے ہیں۔ اُن کے قلوب میں کھرے کھوٹے کے جدا کرنے کی صلاحیت ہے اور پردہ پوشی کی بھی، لہٰذا یہ دن رات اُن کے قلوب کا عکس ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ نے وَالضُّحٰی فرمایا یعنی روشنی۔ اِس سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ مُبارک کا نور ہے، جس کی قسم خدا نے قرآن میں کھائی ہے۔ اگر ضحیٰ کے معنیٰ چاشت کے لیے جائیں تو پھر بھی اس قسم کی بنیاد اسی پر ہے کہ وہ نورِ مصطفوی کا مُظہر ہے ورنہ چاشت کا وقت تو فانی شے ہے جو کہ خدا کی قسم کے لائق نہیں ہے۔ خدا نے جو وَاللَّیل کی قسم کھائی ہے تو اِس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ستاری اور جسدِ عنصری مراد ہے جس میں نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم پنہاں ہے۔ چند دن وحی کی بندش سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پریشانی لاحق ہوئی تو یہود نے کہنا شروع کر دیا کہ اُن کی خدا تک رسائی نہیں ہے، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُن کے رُوح کی حقیقت کے بارے میں سوال کا جواب وحی کی روشنی میں دینا چاہتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پریشانی تب دُور ہوئی جب مَا وَدَّعَكَ (اس نے تمہیں چھوڑا نہیں ہے) نازل ہوئی تو جسمِ خاکی کے ابتلا سے وصل پیدا ہوگیا۔ کسی حالت کو عبادت کے ذریعے بیان کیا جاتا ہے۔ اِن دونوں یعنی حالت اور اُس کے بیان میں وہی نسبت ہے جو ہاتھ اور کاریگر کے اوزار کی ہے۔ اگر ہاتھ اور اوزار میں مناسبت ہے تو کام ٹھیک ہوگا' ورنہ غلط۔ اِسی طرح عبادت اگر حال کے مطابق ہے تو صحیح ہے، ورنہ غلط۔ ہر آلہ ہر ہاتھ میں صحیح کام نہیں کرتا۔ ہاتھ اور آلہ میں تناسب ضروری ہے۔ جیسے کہ کتے کے آگے گھاس نہیں ڈالی جاتی اور گدھے کے سامنے ہڈی نہیں ڈالی جاتی۔

منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے آپ کو فنا کر کے اَنَا الْحَق کہا' مقبول ٹھہرا، عبادت اور حال میں مطابقت تھی۔ فرعون نے بھی وہی بات کی' جو جھوٹ تھا، عبادت اور حال میں مطابقت نہ تھی۔ موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ کا عصا لکڑی سے اژدہا بن گیا، جو مُعجزہ ہونے کی وجہ سے اُن کی رسالت کا گواہ بنا۔ آلہ اور ہاتھ میں رُوحانی مناسبت تھی۔ جادوگروں کے ہاتھ رُوحانی

آں رہے کہ بارہا تو رفتہ جس راستہ پر تُو بارہا چلا ہے	بے قلاوز اندر آں آشفتہ بغیر رہنما کے تو اُس میں پریشان کیوں ہے؟

مناسبت سے متعلق نہ تھے۔ اُن کی لاٹھیاں بے کار ہوگئیں۔ جب ہاتھ کام کا نہ ہو تو اوزار کام نہیں کرے گا۔

اِس زندگی میں نتائج پیدا کرنے کے لیے جوڑے کی ضرورت ہوتی ہے لیکن خدا جوڑے اور آلے سے پاک ہے۔ جو خدا کو ایک سے زیادہ تعداد میں مانتے ہیں، ایسا اُن کے رُوحانی بھینگا پن کی وجہ سے ہے ورنہ وہ بھی ایک کے وجود کو مانتے ہیں۔ ضروری بات ہے کہ ایک کو مان کر اُسی کے تابع فرمان بنا جائے۔ گیند وہی صحیح ہے جو بلے کی مار کے مطابق حرکت کرے۔ اِس لیے ہر مُوحِد کو بھی چوگانِ قضا کے مطابق عمل کرنا چاہیے۔ اے اندھے! ہوش سے اُس کا کلام سُن۔ کان کے راستے سے آنکھ کا علاج کر اور بھینگے پَن کو دُور کر۔ پاک کلام اندھے دلوں میں نہیں ٹھہرتے، اصل نور کی طرف چلے جاتے ہیں۔ شیطانی منتر ٹیڑھے دلوں میں اُتر جاتے ہیں۔ اگرچہ دانائی کی باتوں کو تُو دہرائے، لکھ لے، زبانی یاد کرلے اور تُو ڈینگیں مار مار کر اُن کو بیان کرے، وہ تجھ سے علیحدہ رہیں گی، تجھ سے منہ پھیر لیں گی۔ اگر تُو خود خدا کی طرف متوجہ نہیں ہے جو کہ معارف کا سرچشمہ ہے تو تُو کہیں کا نہیں کیونکہ تیری زبان اور دل میں مناسبت نہیں ہے۔ رُوح اور جسم کی مناسبت اثر کے لیے ضروری ہے۔

بادشاہ کا گمشُدہ باز کو بُوڑھی عورت کے گھر پالینا

علم کو باز سمجھ جو بادشاہ سے بھاگا اور آٹا چھانتی بُڑھیا کے پاس آ گیا۔ اُس نے باز کو دیکھا تو اُس کے پاؤں باندھ کر اُس کے پَر کاٹ دیے، ناخن کاٹ دیے اور کھانے کے لیے اُس کے آگے گھاس ڈال دی۔ بولی: نااہلوں نے تیری خبر گیری نہ کی' ناخن اور پَر بڑھا دیے۔ اے دوست! جاہل کی محبت کو ایسا ہی سمجھ۔ وہ اگر تجھ سے ہمدردی بھی کرے گا تو تجھے زخمی کردے گا۔ بادشاہ ڈھونڈتے ڈھونڈتے بُڑھیا تک پہنچا تو باز کی حالت دیکھ کر رونے لگا۔ بولا: یہ تیرے بھاگنے کی سزا ہے۔ جنت کے راستے سے دوزخ کی طرف بھاگنے والوں کا یہی انجام ہوتا ہے۔ یہ بوڑھی، کمینی دُنیا ہے جو اِس کی طرف جُھکا ذلیل ہوا۔ دُنیا جاہل ہے (خدا سے دُور کرنے والی) عقل مند وہ ہے جو اِس جاہل سے نجات پالے۔

باز اپنے بازو بادشاہ کے ہاتھ پر ملتا تھا اور بغیر زبان کے کہتا تھا کہ میں نے خطا کی۔ اے کریم! اگر تُو نیک کے سوا کسی کی دُعا قبول نہیں کرتا تو شرمندہ کہاں سر جھکائیں؟ اے دوست! شاہ کی مہربانی پر جان کو گناہ میں نہ ڈال۔ وہ اگر چاہے تو ہر بُرائی کو بھلائی سے بدل دے اور کبھی اپنی عبادت کو کسی لائق نہ سمجھ، وہ اُسے خطا سمجھتا ہے۔ تُو تو عادت کے طور پر ذکر و دُعا کرتا ہے' جس نے تجھے مغرور کردیا ہے۔ تُو اپنے آپ کو خدا سے ہمکلام سمجھتا ہے۔ بہت سے لوگ اسی گمان

پس رہے راکہ ندیدستی تو ہیچ
پھر وہ راستہ جو تُو نے کبھی نہیں دیکھا ہے

ہیں مرو تنہا ز رہبر سر مپیچ
خبردار! تنہا نہ جا (اور) رہبر سے انحراف نہ کر

میں دُور جا پڑے۔ باز نے کہا: اے شاہ! میں شرمندہ ہوں۔ اگر چہ میرے پَر جاتے رہے لیکن جب تُو مجھے نوازے تو آسمان اور پہاڑ بھی میرے سامنے ہیچ ہیں۔ میں اگرچہ مچھر جتنا ہو جاؤں، نمرود کی سلطنت کو زیر و زبر کر دوں۔ کمزوری میں ابابیل جیسا ہوں مگر ہاتھیوں کے لشکر کو تباہ کر دوں۔ موسیٰ علیہ السلام جنگ میں ایک لاٹھی لے کر گئے تو فرعون کو ختم کر دیا۔

اللہ نے فرمایا: اے احمد صلی اللہ علیہ وسلم! زمین کیا ہے تُو چاند کو دیکھ اور اُسے چیر دے۔ تیرا دَور سب زمانوں سے اعلیٰ ہے۔ اِسی لیے موسیٰ علیہ السلام نے اِس دَور میں مقیم ہونے کی آرزو کی۔ اُنہوں نے کہا: اے خدا! یہ کیسا دَور ہے اس میں تو تیری رحمت سے دیدار ہوتا ہے۔ خدا نے کہا: اے کلیم! میں کریم ہوں۔ میں بندہ کو روٹی دکھا دیتا ہوں کہ اُس کے لالچ میں روئے۔ میں رحمت کا ایک چُھپا ہوا خزانہ تھا تو میں نے ایک ہدایت یافتہ اُمت پیدا کی۔ جن عطاؤں کو تُو چاہتا ہے، وہ اُس نے تجھے احمد صلی اللہ علیہ وسلم میں دکھا دیں۔ شکر کر تیرا سر بتوں کو سجدے کرنے سے بچ گیا۔ اگر تُو اِس کا شکر ادا کرنا چاہتا ہے تو کر تاکہ اپنے اندرونی بُت سے بھی چھٹکارا حاصل کر لے۔ تُو نے باپ سے سَستی میراث پالی تھی اور وراثت پانے والا انسان مال کی قدر کیا جانے؟ جب میں رُلاتا ہوں' میری رحمت جوش مارتی ہے اور رونے والا اُس لیتا ہے کہ "میں رحمت ہوں" میری رحمت خوب رونے پر موقوف ہے، اُس کے بعد رحمت کے دریا سے موج اُٹھتی ہے۔ بچہ نہ روئے تو دودھ کب جوش مارتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے اِلہام سے شیخ احمد خضرویہ رحمۃ اللہ علیہ کا قرض خواہوں کے لیے حلوہ خریدنا

شیخ احمد رحمۃ اللہ علیہ اپنی سخاوت کی وجہ سے ہمیشہ قرض دار رہتے۔ وہ مالداروں سے قرض لیتے اور فقیروں پر خرچ کر دیتے۔ خدا کے عاشقوں کی خدمت اُن کا کام تھا۔ اللہ اُن کا قرض کہیں نہ کہیں سے اُتار دیتا۔ جیسا کہ ایک مرتبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے خادم کو مہمانوں کی تواضع کے لیے گیہوں قرض لینے بھیجا، اُسے قرض نہ ملا، شرمندگی سے بچنے کے لیے اونٹ پر ریت لاد لایا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: گیہوں کی بجائے آٹا لے آئے ہو۔ خادم نے دیکھا تو واقعی آٹا ہی تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بازاروں میں اللہ نے دو فرشتے چھوڑ رکھے ہیں' جو ہر وقت دُعا کرتے ہیں کہ اے خدا! تُو خرچ کرنے والوں کو اور دے اور بخیلوں کو ہلاک کر دے، خاص طور پر وہ خرچ کرنے والا جس نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی طرح اپنی جان خرچ کرنے کے لیے پیش کر دی۔ اِسی لیے اللہ سے شہیدوں کو ہمیشہ باقی رہنے والی جان دے دی جاتی ہے جو ہمیشہ رنج و غم سے محفوظ رہتی ہے۔ تُو اِن لوگوں کے خاکی قالب کو کافروں کی طرح نہ دیکھ۔

ہر کہ اُو بے مُرشدے دَر راہ شُد
جو شخص بغیر پیر کے راستہ پر چلا

اُو زِ غُولاں گُمرہ و دَر چاہ شُد
وہ شیطانوں کی وجہ سے گمراہ اور ہلاک ہوا

مرنے کے دن تک شیخ اپنا کام کرتے رہے۔ موت کا وقت قریب آ گیا تو قرض خواہ اُن کے ارد گرد جمع ہو گئے۔ وہ نا اُمید اور سخت غصے میں تھے۔ شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ان بدگمانوں کو دیکھو کیا میرے اللہ کے پاس چار سو اشرفیاں نہیں ہیں؟ اتنے میں ایک حلوہ بیچنے والا لڑکا آیا۔ شیخ نے خادم کو اشارہ کیا کہ سارا حلوہ لے آؤ، وہ لے آیا تو شیخ نے اشارہ کیا کہ یہ عطا ہے، تبرک سمجھ کر سب کھاؤ۔ طباق خالی ہو گیا تو لڑکے نے قیمت مانگی۔ شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: میں کہاں سے دوں؟ میں پہلے ہی مقروض ہوں اور عدم کی طرف جا رہا ہوں۔ یہ سُن کر لڑکے نے آہ وزاری شروع کر دی اور شیخ کو بُرا بھلا کہنا شروع کر دیا، تو بہت سے لوگ جمع ہو گئے۔ لڑکا کہتا تھا کہ میرا اُستاد مجھے مار ڈالے گا۔ قرض خواہ شیخ سے کہنے لگے کہ یہ کیا تماشا ہے۔ ہمارے ساتھ اس بچے کو بھی پھنسا لیا۔ روتے چلاتے عصر کے وقت تک بچہ پریشان رہا۔ شیخ نے اپنا منہ لحاف میں چُھپا لیا۔ اُن کو مخلوق کی بدمزاجی سے کوئی تعلق نہ تھا، جیسے چاند کو کتوں کے بھونکنے کا کیا خوف؟ تنکے کی وجہ سے پانی اپنی صفائی نہیں چھوڑتا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم آدھی رات کو چاند شق کر رہے ہیں، ابولہب اپنی بکواس کر رہا ہے۔ غرض نیک لوگ اپنی نیکی نہیں روکتے۔ بچے کو چندہ کر کے پیسے ادا کیے جا سکتے تھے، لیکن شیخ نے باطنی توجہ سے اس سخاوت کو روک دیا اور کہا کہ کوئی اِسے کچھ نہ دے۔ عصر کی نماز ختم ہوئی تو ایک شخص ایک طباق لیے ہوئے آیا۔ کسی صاحبِ حال مالدار نے پیر کی خدمت میں ہدیہ بھیجا تھا۔ طباق کھولا تو لوگوں نے بزرگ کی کرامت دیکھی اور حیران ہو گئے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ عوام بزرگوں کی بات کی تہ تک نہیں پہنچ پاتے اور اپنے قیاس سے اٹکل پچو باتیں بنا لیتے ہیں۔ شیخ نے فرمایا: تمہاری سب گفتگو اور جھگڑا میں نے معاف کیا۔ اِس کا راز یہ تھا کہ میں نے اللہ سے درخواست کی۔ اللہ نے فرمایا: اگرچہ تھوڑے دینار ہیں لیکن بچے کے رونے پر موقوف ہے۔ بچہ درد سے رویا۔ بخشش کا دریا جوش میں آ گیا۔ اے بھائی! اپنے مقصد کا حصول دل کے رونے پر موقوف ہے۔ گڑگڑائے بغیر کامیابی مشکل ہے۔ اگر تُو چاہتا ہے کہ تیری مشکل حل ہو جائے تو اپنی آنکھ کے بچے کو اپنے جسم کی ضرورت کے لیے رُلا۔

ایک شخص کا ایک زاہد کو ڈرانا کہ کم رویا کر، کہیں تُو اندھا نہ ہو جائے

کسی نے ایک زاہد سے کہا کہ اتنا نہ رویا کر، کہیں تیری آنکھوں کو نقصان نہ پہنچے۔ زاہد بولا: دو کام ہی ہو سکتے ہیں۔ یا تو اُس حُسنِ ازلی کو یہ آنکھیں دیکھیں گی یا نہیں دیکھیں گی۔ اگر دیکھ لیں گی، تو پھر کاہے کا غم؟ اور اگر نہ دیکھ سکیں تو پھر ایسی آنکھوں کا برباد ہو جانا ہی بہتر ہے۔ آنکھوں کی بربادی کا رنج نہ

سایۂ رہبر بہ است از ذکرِ حق
کسی رہبر کا سایہ، حق کے ذکر سے بہتر ہوتا ہے

یک قناعت بہ کہ صد لوت و طبق
سینکڑوں کھانوں اور طباقوں سے قناعت بہتر ہوتی ہے

کر۔ وہ خدا جو مُردوں کو زندہ کر دیتا ہے، کیا وہ آنکھیں نہیں بخش سکتا؟ خدا سے جسم کی زندگی کا طالب نہ بن۔ جسم تو رُوح کا خیمہ ہے یا نوح علیہ السلام کی کشتی ہے۔ تم اُس کے وفادار سپاہی بنو۔ تمہارا بندوبست وہ خود کرے گا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دُعا سے ہڈیوں کے زندہ ہوجانے کے قصہ کی تکمیل

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ بے وقوف ساتھی نصیحت قبول نہیں کر رہا اور سمجھتا ہے کہ میں بخل کی وجہ سے اسمِ اعظم نہیں پڑھ رہا تو اُنہوں نے اسمِ اعظم پڑھ دیا۔ اللہ کے حکم سے اور اُس احمق کے انجام کے لیے اچانک ایک کالا شیر کودا۔ اُس نے پنجہ مارا' اُسے اُدھیڑ دیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پوچھا کہ تُو نے اِس قدر جلدی اُس کی سرکوبی کیوں کی؟ اُس نے جواب دیا: اِس لیے کہ اُس نے آپ علیہ السلام کو پریشان کیا۔ اُنہوں نے پوچھا: تُو نے اُس کا خون کیوں نہ پیا؟ وہ بولا: میں اپنی مقدر بھر روزی کھا کر طبعی موت مرا تھا' اس لیے اُسے نہیں کھا سکتا۔ اِس دُنیا سے بہت سے لوگ اپنا شکار کھائے بغیر ہی چلے گئے۔ وہ حرص کی وجہ سے اپنے لیے جمع کرتے رہے لیکن بغیر کھائے قبر میں چلے گئے۔ اُن کے مرنے پر لوگوں نے جشن منایا کہ اللہ نے اُن کی زندگی آسان کر دی۔ شیر نے کہا: اے مسیحا! یہ شکار تو عبرت کے لیے تھا کہ لوگ بزرگوں کو لاحاصل سوال کر کے پریشان نہ کریں۔

اُس بے وقوف کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسی ہستی کی صحبت میسر آئی جو کہ نہایت صاف پانی کی طرح تھی۔ اُسے اُن کے ذریعے اپنی رُوح کی پاکیزگی کا سامان کرنا چاہیے تھا لیکن اُس نے گدھے کی طرح اُس پانی میں پیشاب کر دیا۔ اُسے تو چاہیے تھا کہ کہتا: اے آبِ حیات کے چشمے! مجھے ابدی زندگی عطا کر۔ خبردار! حدیث میں آیا ہے کہ تیرا سب سے بڑا دشمن تیرا وہ نفس ہے جو تیرے دونوں پہلوؤں کے درمیان ہے۔ اپنی رُوح کو اِس جسم کی ہڈیوں اور خون کے مجموعے کے شر سے بچا۔ اگر تمہاری نگاہ میں چھلکے اور مغز میں کوئی فرق نہیں ہے تو تمہاری آنکھیں بے کار ہیں، اِمتحان کے وقت رُسوا ہو جائیں گی۔ اگر انسان لذائذِ جسمانی اور اُخروی نعمتوں میں فرق نہیں کر سکتا تو قابلِ معافی نہیں ہے۔ یہ تو اندھاپن ہے۔ تُو دوسروں پر روتا ہے کچھ عرصہ بیٹھ اور اپنے آپ پر رو۔ رونے والے ابر، تروتازہ شاخ کے پیدا ہونے کا سبب بنتے ہیں۔ اپنے مصائب پر رونے سے رُوح کو فروغ ہوتا ہے۔ فانی چیزوں کے لیے نہ رو۔ بقا کی کان میں سے لعل حاصل کر۔ فانی چیزوں پر دیکھا دیکھی رونے کو پُر خلوص رونے سے ختم کر دو۔ جب تک حال حاصل نہ ہو قال بے کار شے ہوتی ہے۔ بے عمل واعظ کی مثال نہر کے پانی کی اور بانسری کی ہے۔ نہر پانی سے خود کوئی فائدہ نہیں اُٹھاتی۔ اِسی طرح سوز، بانسری کے دل میں نہیں ہے، بجانے والے کے دل میں ہے۔ جو رونا دل کی چوٹ کی وجہ سے نہ ہو وہ تو نوحہ گروں

رحمتِ جُزوی بُوَد مر عام را　　　　رحمتِ کُلّی بُوَد ہمّام را
عام اِنسانوں میں جُزوی رحمت ہوتی ہے　　　　لیکن غمخوار (شیخ کامل) میں کُلّی رحمت ہوتی ہے

کی طرح ہے کہ جو اُجرت پر روتے ہیں۔

عشق کی چوٹ کا کچھ دل پہ اثر ہو تو سہی
دَرد کم ہو یا زیادہ ہو مگر ہو تو سہی (حضرت مقسم شاہ رحمۃ اللہ علیہ)

حضرت داؤد علیہ السلام کی آواز کا سوز، انسانوں کے علاوہ حیوانات کو بھی وَجد کی حالت میں لے آتا تھا۔ روٹی کے لیے اللہ اللہ نہ کر، لالچ کے بغیر ایسا کر، قرآن میں فرمایا گیا ہے اُن لوگوں کی مثال جو تورات کے حامل بنائے گئے ایسی ہے کہ گدھے پر کتابیں لدی ہوں کیونکہ اُنہوں نے عمل نہ کیا۔ اگر ظاہری عبادت کرنے والے کے ہونٹ کی بات دل پر چمکتی تو اُس کا جسم ذرہ ذرہ ہو جاتا۔

ایک دیہاتی کا شیر کو سہلانا، اِس خیال سے کہ وہ گائے ہے

ایک دیہاتی نے اپنی گائے کو باندھا۔ شیر نے اُس کی گائے کھالی اور اُس کی جگہ بیٹھ گیا۔ رات کے وقت دیہاتی گائے کے دھوکے میں شیر کو سہلاتا رہا۔ شیر نے دل میں کہا: اگر روشنی تیز ہوتی تو ڈر کے مارے اِس کا دل خون بنجاتا کیونکہ اب وہ مجھے اپنی گائے ہی سمجھ رہا ہے اِس لیے نڈر ہے۔ ناواقفیت کی وجہ سے دیہاتی شیر کو نہ پہچان سکا، اسی طرح اللہ تعالیٰ کی کماحقہٗ معرفت نہ ہونے کی وجہ سے انسان اُس کے نام کا متحمل ہو جاتا ہے ورنہ طور کی طرح اِس کا جسم بھی پارہ پارہ ہو جائے۔ قرآن میں ہے کہ اگر ہم اِس قرآن کو پہاڑ پر نازل کرتے تو تم دیکھتے کہ وہ خدا کے خوف سے پھٹ جاتا۔ چونکہ یہ دین ہمیں موروثی طور پر مل گیا ہے، ہم تقلید کی وجہ سے اِس کی قدر نہیں کرتے۔ غور و فکر کی بجائے اِس کو رٹنا بہت مضرّ ہے۔ سُنی سُنائی پر یقین رکھنے والے کا قصہ سُن۔

سماع کی خاطر صُوفیوں کا ایک مسافر صُوفی کی سواری کو بیچ ڈالنا

ایک صوفی سفر کے دوران ایک خانقاہ میں پہنچا۔ سواری کو اصطبل میں باندھ دیا اور اپنے ہاتھ سے اُسے پانی اور چارہ دیا اور پوری احتیاط کی، لیکن جب قضا آتی ہے تو احتیاط سے کیا فائدہ۔ دوسرے صوفیوں نے اُس کا گدھا بیچ ڈالا۔ مزے دار کھانا لائے کیونکہ کہتے ہیں ضرورت کے وقت مُردار کھانا بھی جائز ہو جاتا ہے۔ غُل مچ گیا کہ آج لذیذ کھانا ہوگا اور سماع و مستی ہوگی، کیونکہ تین دن سے بھوکے ہیں، کہاں تک بھیک پر گزارہ کریں؟ اُنہوں نے نفسِ امّارہ کو رُوح سمجھ کر اس کی پرورش شروع کردی۔ اُنہوں نے مہمانِ خصوصی کی خوب خاطر مدارت کرنی شروع کردی۔ اُس نے بھی بجائے آرام کرنے کے اُن کے عیش و طرب میں شامل ہونے کا فیصلہ کیا۔ سماع

رحمتِ جُزوی بکُل پیوستہ شو تُو رحمتِ جُزوی ہے، کُل کے ساتھ پیوستہ ہو جا	رحمتِ کُل را تو ہادی بین و رو کامل شیخ کو تُو رحمتِ کُلی سمجھ اور بس چل پڑ

شروع ہوا۔ خوب کھانا ہوا۔ لیکن حقیقی صوفی کسی حالت میں بھی بسیار خور نہیں ہوتا۔ کئی بناوٹی صوفی، حقیقی صوفیوں کی بدولت کھا کما لیتے ہیں۔ بطورِ تقلید وہ صوفی بھی اُن کے جوش وخروش میں شامل رہا۔

جب کھانا پینا، جوش اور سماع ختم ہوئے تو صبح کے وقت سب رخصت ہو گئے۔ صوفی نے بھی اپنا سامان اکٹھا کیا۔ اُصطبل میں گیا تو گدھے کو نہ پایا۔ اُس نے خادم سے پوچھا گدھا کہاں ہے؟ میں نے اُسے تیرے سُپرد کیا تھا۔ ابھی تُجھے قاضی کے پاس لے کر جاتا ہوں۔ خادم بولا: صوفیوں نے حملہ کر دیا، میں مجبور تھا، میں کیا کرتا؟ صوفی نے پوچھا: تُو نے اُس وقت مجھے کیوں نہ بتایا؟ میں اُن سے گدھا لیتا یا اُس کی قیمت وصول کرتا۔ اب وہ سب جا چکے ہیں، کس کو پکڑوں؟ تُو نے کیوں نہ مجھے آ کر اِس سے آگاہ کیا؟ خادم بولا: میں کئی مرتبہ یہ بتانے کے لیے آیا لیکن تُو بھی قوالوں کے ساتھ مل کر بڑے ذوق سے "گدھا چلا گیا" "گدھا چلا گیا" کا شور مچا رہا تھا۔ میں سمجھا کہ تمہیں معلوم ہے۔ تُو عارف انسان ہے۔ سب کچھ جانتے ہوئے ایسا کر رہا ہے۔ وہ صوفی بولا: سب یہی گا رہے تھے۔ میں بھی اُسی ذوق میں یہی گانے لگا۔ ہائے! بیہودہ لوگوں کی تقلید نے مجھے تباہ کر دیا، جنہوں نے روٹی کی خاطر ذوق کا مظاہرہ کیا۔ ایسی تقلید پر لعنت ہو۔

اچھے دوستوں یعنی مُرشد کی تقلید کرنی چاہیے۔ مُرشدِ کامل کی تقلید کا عکس مرید پر پڑتا ہے تو سالِک کو کمال حاصل ہوتا ہے۔ پھر مُقلِد محقق بن جاتا ہے۔ شیخ سے منقطع ہونے سے تربیت نہیں ہو سکتی۔ شیخ سے فائدہ حاصل کرنے کے لیے بُرے اخلاق کا ترک ضروری ہے۔ مجھے مزید ارکھانے کے لالچ اور سماع کے ذوق کے لالچ نے دھوکے میں رکھا۔ لالچ بُرا ہے۔ اگر وہ آئینہ (دل) میں بھی پیدا ہو جائے تو نفاق آئینے کو مُلکدّر کر دیتا ہے۔ ترازو ہمیشہ سچ بتاتی ہے، کہتی ہے کہ لالچ سے تُو قارون کی طرح امیر بن جائے گا لیکن آخر قبرستان میں جائے گا۔ ترازو کی طرح ہر نبی بھی حقیقت ظاہر کر دیتا ہے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اپنی ساری دولت حضور ﷺ پر قربان کر دی کیونکہ وہ یار کے دیدار کے طالب ہوئے۔ لالچ میں پڑ کر انسان کسی نصیحت کو قبول نہیں کرتا۔ مال وجاہ کا لالچ انسان کو بے بصیرت بنا دیتا ہے۔ مئے حق کا مَست آزاد ہوتا ہے۔ حدیث ہے "دنیا مُردار ہے، اِس کے طلب گار کتے ہیں۔"

قاضی کے اعلانچیوں کی شہر کے چاروں طرف ایک مُفلس کی تشہیر کرنا

ایک خانہ خراب شخص قید میں تھا۔ خواہ مخواہ قیدیوں کا کھانا کھا جاتا۔ قید خانے کے سب لوگ اُس کے لالچ کی وجہ سے پریشان تھے۔ جو شخص رحمان کی رحمت سے دُور ہو، چاہے

بادشاہ ہو، نظر کا بھکاری ہے۔ اِس دُنیا کا کوئی گوشہ درندے اور چرندے کے بغیر نہیں ہے۔ حق کی خلوت گاہ کے بغیر کہیں راحت نہیں ہے۔ دُنیا بھی قید خانہ ہے۔ محنت و مُشقت اور فکر و غم سے بچنا محال ہے۔ ہاں اچھے خیالات واحد سہارا ہیں۔ بُرے خیالات انسان کو موم کی طرح پگھلا دیتے ہیں۔ انسان اچھے خیالات کی بِنا پر دشمنوں میں بھی راحت سے زندگی گزار سکتا ہے۔ اچھے خیالات دشمنوں کو دوست بنا دیتے ہیں۔

صبر بڑی قیمتی دولت ہے۔ حدیث میں ہے کہ ''صبر ایمان کا حصہ ہے۔'' خیالات جس طرح اثرات کے اِعتبار سے مختلف ہیں اسی طرح اپنی ذات کے بارے میں بھی مختلف ہیں۔ ایک ہی انسان کے بارے میں ہمارا خیال ہوتا ہے کہ ڈسنے والا سانپ ہے لیکن کوئی دوسرا اُسے اپنا دوست خیال کرتا ہے۔ سانپ سمجھنے والے کی نظر میں اُس کی بُرائیاں ہیں، دوست سمجھنے والے کے خیال میں اُس کی بھلائیاں ہیں۔ ہر شخص میں کچھ بُرے یا بھلے اخلاق ہوتے ہیں۔ سو ہمیشہ کسی کے اچھے اخلاق پر نگاہ رکھنی چاہیے۔ حضرت یوسف علیہ السلام باپ کے نورِ نظر تھے لیکن بھائیوں کی نظر میں بُرے تھے۔ جسم کی آنکھ دل کی آنکھ کی تابع ہے۔ دل کی آنکھ کا تعلق رُوح سے ہے، جس کا مسکن عالمِ بالا ہے۔ اِس لیے انسان کو عالمِ اَرواح کے کاروبار میں لگنا چاہیے۔ انسان مکانی ہے لیکن اُس کی اصل لامکانی ہے۔ اس لیے اُسے چاہیے کہ یہ دُکان بند کردے اور وہ کھول لے۔

قیدیوں کا اُس مفلس قیدی کی قاضی کے وکیل سے شکایت کرنا

دوسرے قیدیوں نے قاضی کے وکیل سے شکایت کی کہ یہ قیدی بہت تکلیف دہ ہے۔ یہ سب کی روٹی کھا جاتا ہے۔ آپ حکم دیں کہ یہ قید خانہ سے چلا جائے۔ قاضی تک شکایت پہنچی تو قاضی نے اُسے کہا کہ تو اپنے موروثی گھر کی طرف چلا جا۔ قیدی بولا: مجھ پر اِحسان کر، میری جنت تو تیرا قید خانہ ہے۔ مجھے یہاں سے نکالو گے تو میں بھوک سے مرجاؤں گا۔ وہ شیطان کی طرح کہتا تھا۔ میں اِس دُنیا کے قید خانے میں خوش ہوں تاکہ اپنے دشمن (آدم علیہ السلام) کی اولاد کو ہلاک کروں، لوگوں کی روٹی دھوکے سے چھین لوں، کبھی اُنہیں افلاس سے ڈراؤں، کبھی بے حیائی کی طرف لے جاؤں۔

سُن لو! اِس دُنیا کے قید خانے میں مومن اور شیطان کی وہی صورت ہے جو دوسرے قیدیوں کی اور اُس پیٹو قیدی کی تھی۔ عبادات سے جو بھی نیکی حاصل ہوتی ہے شیطان اُسے اُڑانے کی کوشش میں ہے۔ وہ ایک ہے لیکن اُس کی اولاد بہت ہے، کیونکہ شیطانی اثر سے انسان بھی شیطان بن جاتے ہیں۔ ہر وہ چیز جو انسان کو عبادت سے باز رکھے اُسے

صحتِ ایں حس ز معموری تن
اِس حس کی تندرستی بدن کی تندرستی سے ہے

صحتِ آں حس ز تخریب بدن
اور اُس حس کی تندرستی بدن کی شکستگی سے ہے

شیطانی اثر سمجھو۔ شیطان کی تباہ کاری کے لیے اُس کا مجسّم ہو کر سامنے آنا ضروری نہیں ہے۔ وہ انسانی خیالات میں شیطنیت مِلا دیتا ہے۔ انسان کی تباہی اُس کے فاسد خیالات کی وجہ سے ہوتی ہے جو کہ کشادگی، دُکان، علم، گھر، پیشے، عہدے، زر، اولاد، بیوی یا کوئی اور بکواسی خیالات ہیں، جو حضوری کے راستے میں حائل ہو جاتے ہیں۔ خبردار! اِن خیالات کو سَر سے نکال دے۔ ہر وقت لَاحَوْلَ پڑھتا رہ، زبان سے نہیں دل سے۔ اگر مفلس کا افلاس ثابت ہو جائے تو اُسے قید میں رکھنے کا کوئی جواز نہیں۔ قاضی نے کہا کہ اُس مفلس کو شہر بھر میں گھماؤ اور اُس کی مفلسی کا یقین کر لو۔ ہمارے خدا نے شیطان کی مفلسی کا قرآن میں اعلان فرما دیا ہے کہ کوئی اُس کا مددگار یا سفارش کرنے والا نہ بنے۔

انسان کو خدا نے دُنیا کے قید خانے میں اس لیے مقید کیا ہے کہ عملِ صالح سے اُس کا افلاس یا مالداری ثابت کی جا سکے۔ اللہ نے شیطان کی مفلسی کا اعلان اِسی لیے کیا کہ کوئی اُس کے ساتھ کسی قسم کا معاملہ نہ کرے اور اُس سے بچ جائے۔ یہ دغاباز ہے بے وفا ہے۔ یہ بظاہر شرافت کا لبادہ بھی اوڑھ لیتا ہے لیکن ہمیشہ لُوٹتا ہے، لالچ میں نہ پڑ، اس سے بچ جانے کے لیے اللہ سے مدد طلب کر۔ یاد رکھو! تمام تاثرات اللہ کی اجازت پر ہی موقوف ہیں۔ آنکھ، کان وغیرہ اپنا کام جب کرتے ہیں جب خدا چاہتا ہے۔ قیامت کے دن سب کچھ اصل حالت میں عیاں ہو جائے گا۔

حدیث میں ہے کہ خدا نے ہر بیماری کا علاج پیدا فرمایا ہے۔ لہٰذا حق و باطل میں اِمتیاز نہ کر سکنے کے مرض کی بھی دوا ضرور ہے اور وہ بھی اللہ کی تائید سے ہی حاصل ہو سکتی ہے، بشرطیکہ ہم دردِ دل کے ساتھ اُس سے طلب کریں۔ اپنے علاج کے لیے عالَمِ ملکوت کی طرف دھیان رکھو۔ اللہ نیست سے ہَست کرتا ہے اِس لیے اپنے آپ کو نیست بنا لے۔ اللہ ہی انسان کو ایسی دُعا کی توفیق عطا فرماتا ہے جس کو وہ قبول کرتا ہے۔ اُس کی غفاریت سے دل کو اطمینان ہے اور قہاریت سے ڈرنا چاہیے۔ اللہ اگر راضی ہو جائے تو سیّات کو حسنات میں بدل دیتا ہے۔ جب وہ پانی اور مٹی سے اشرف المخلوقات بنا دیتا ہے تو بُرائیوں کو بھلائیوں میں تبدیل کرنا اُس کے لیے کیا مشکل ہے۔ اُس نے معمولی آب و گِل میں یہ نسبتیں پیدا فرما دیں اور اُس کو ایسا ذی حِس بنا دیا کہ غم و شادی کے جذبات اُس میں پیدا کر دیے۔ پھر اِنہی انسانوں میں سے بعض کو بے نیاز کر کے اپنا بنا لیا۔

وہ سب چیزیں جو ہمیں اللہ سے غافل کر دیں دُنیا ہیں۔ اُس کا عشق اختیار کر، وہ ظاہر ہے اور معشوق پوشیدہ ہے۔ دُنیا کی چیزوں کے عشق سے پرہیز کر کیونکہ وہ فانی ہیں۔ معشوقِ حقیقی سے عشق کر۔ صورت سے عشق نہ کر، صورت گر سے کر کیونکہ صورت فانی لیکن صورت گر باقی ہے۔ صورت کا اِدراک حواس سے ہوتا ہے۔ اگر صورت ہی معشوق ہے تو

ہیں گریز از جوقِ اکالِ غلیظ
خبردار! زیادہ کھانے والوں کی جماعت سے بھاگ کر

سُوئے اُو کہ گُفت مِیتَم حفیظ
اللہ کی طرف جا، جو تمہاری حفاظت کا ضامن ہے

جانوروں کو بھی صورت سے عشق ہونا چاہیے کیونکہ صورت کو تو وہ بھی دیکھتے ہیں، لیکن اُن میں عشق نہیں ہے۔ ہاں معشوق کی وفا سے عشق میں اِضافہ ہوتا ہے۔ یاد رکھ! اللہ تعالیٰ ہی اصل جمال ہے اور ممکنات پر تو اُس کا پَر تَو ہی پڑتا ہے۔ بعض لوگ مجازی معشوق کو معشوقِ حقیقی کا مظہر قرار دے کر اُس سے عشق کرتے ہیں اور اپنے آپ کو صورت پرستوں سے افضل سمجھنے لگتے ہیں۔ یہ محض عقلی ڈھکوسلے ہیں۔ یاد رکھو! عقلی دلائل سے حقیقت نہیں بدلتی۔ حسین معشوق بھی بڑھاپے میں بدصورت بن جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے جمال کو آہستہ آہستہ اُن کے جسموں سے واپس لے لیتا ہے۔ قرآن میں اللہ فرماتا ہے: ''اور جس کو ہم بڑی عمر دیتے ہیں اُس کو بناوٹ میں گھٹاتے ہیں۔''

اصل بات انسان کی خود پسندی کے مِٹ جانے پر ظاہر ہوتی ہے۔ اُس وقت تمام ممکنات میں اُس کو وجودِ واحد ہی نظر آنے لگتا ہے۔ ذاتِ خداوندی کو صرف مجاہدات کے ذریعے ہی پہچانا جا سکتا ہے۔ اصل تو وہ ہوتی ہے جو تیری خودی کو ختم کر دے اور تجھے صورت سے بے نیاز کر دے۔ اِس لیے صاحبِ بصیرت کو اصلی مقصود کے در پے ہونا چاہیے، فروعات میں نہیں پھنسنا چاہیے۔ جب مقصود حاصل ہو جاتا ہے تو اُس کے لوازمات خود بخود مہیا ہو جاتے ہیں۔ ایک چیز، ایک چیز کے اِعتبار سے مقصود بالذات ہوتی ہے اور دوسری چیز کے اِعتبار سے وہ اصلی مقصد نہیں ہوتی۔ گدھا' پالان کے اِعتبار سے مقصود ہے لیکن کمائی کے اِعتبار سے اصل مقصد نہیں ہے، بلکہ گدھے سے کما کر کھانا اصلی مقصد ہوتا ہے۔ اِس لیے اصل مقصد سے ہی سروکار رکھنا چاہیے اور اگر گدھا بھی نہ ہو تو منزل کی طرف پیدل چل پڑنا چاہیے۔

نفسِ امّارہ کی حیلہ جوئی کی وجہ سے مجاہدات سے باز نہ رہنا چاہیے کیونکہ انسان کو ہر حال میں اپنا فریضۂ عبادت تو بجالانا ہی ہے۔ اِس لیے کہ بغیر عمل کے کوئی پھل نہیں ملتا۔ ''کسی نے نہ کاٹا' جب تک کہ کچھ بویا نہیں''۔ ہاں بعض حالات میں خصوصی رحمت ہو جاتی ہے۔ جس غیبی خزانے کے لالچ میں تُو پڑا ہے' کما کر کھانا اُس میں کب مانع ہے؟ اگر خصوصی رحمت سے کچھ ملنا ہے تو وہ خود ہی مل جائے گا۔ یاد رکھو! اگر مگر میں پھنسنا عمل میں مانع بنتا ہے اور اُس سے سوائے افسوس کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ اگر مگر میں پھنسنا یقین کے منافی ہے اور یقین ہی عینِ ایمان ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ''اگر مگر کا خیال شیطانی کام کا دروازہ کھولتا ہے''۔ بہت سے انسان ''شاید کہ ہو'' اور ''اگر'' میں مر گئے اور آخرت کے درخت کا پھل نہ چکھ سکے۔ اِس مفہوم کی وضاحت کے لیے قِصّہ سُن۔

یا بسُوئے آنکہ اُو ایں حفظ یافت	گر نتانی سُوئے آں حافظ شتافت
اگر تم براہِ راست اللہ سے رابطے میں نہیں ہو تو	پھر کسی خدا رسیدہ شیخ کو واسطہ بنا لو

اِس شعر کے معنیٰ سے متعلق قصّہ، اُنہوں نے "اگر" اور "مگر" کی شادی کردی اور اُس میں سے "کاش کہ" نامی بچّہ پیدا ہوا

ایک مسافر رہنے کے لیے گھر تلاش کر رہا تھا۔ ایک دوست اُسے ایک گرے ہوئے گھر کے پاس لے گیا۔ دوست نے کہا کہ اگر اس کی چھت ہوتی، اگر اس میں کمرہ بنا ہوا ہوتا، تو یہ گھر آباد ہوتا تو تیرا اور ہمارا گھر خوب آباد ہوتے۔ ہم کو پڑوس کی وجہ سے آرام ملتا۔ مسافر بولا: اے بھائی! کاش کہ یہ گھر آباد ہوتا، لیکن اب تو اس میں سکونت نہیں کی جاسکتی۔ اگر مگر کے خیالی مکان میں رہائش نہیں ہوسکتی۔

سب یہ چاہتے ہیں کہ آخرت کی کامیابی حاصل ہو لیکن شیطان اُن کو اللہ کی راہ سے اگر مگر کے چکر میں روک دیتا ہے اور بعد میں وہ حسرت میں جلتے ہیں۔ ہر انسان نیک عمل چاہتا ہے لیکن شیطان کی مُلمّع سازی سے وہ پہچان نہیں سکتا۔ وہ اُس کے بُرے اعمال و خیالات اور نفس کی شرارتوں کو مزین کر کے دکھا دیتا ہے۔ اگر کوئی ایسا صاحبِ باطن ہو کہ خود اس فریب کو سمجھ سکے اور نیکی و بدی میں اِمتیاز کر کے عمل کرے تو ٹھیک ورنہ اپنے آپ کو کسی شیخ کامل کے سُپرد کر دے تاکہ شیطانی اور رحمانی خیالات و اعمال میں فرق کرسکے۔ بُرے اور بھلے میں تمیز صرف نورِ فراست سے ہی ہوسکتی ہے۔ اگر یہ کسوٹی تمہارے پاس نہیں ہے تو تنہا آگے نہ بڑھ کیونکہ نفس، چھلاوے کی صورت، بقا کے راستے کے سفر سے تمہیں دُور کرنے کی تگ و دو کرتا ہے۔ یہ چھلاوے کی آواز انسان کے اندرونی جذبات ہیں، جو مال و جاہ اور جھوٹی عزت سے متعلق ہوتے ہیں۔ اصل کو فانی چیز سے جدا کر لینے کی اِستعداد پیدا کرتا کہ نفس کے دھوکے سے بچا رہے۔

صبر و استقلال دل کی آنکھ کھول دیتا ہے اور جب قلب کی آنکھ کُھل جائے گی تو اصل حقیقت خود بخود واضح ہو جائے گی۔ پھر تُو ایسا سمندر بن جائے گا جس میں موتی پیدا ہوتے ہیں اور عالمِ بالا کی سیر کرنے لگے گا۔ ہر مصنوع، صانع کے وجود پر اِستدلال کرتا ہے، اِس لیے اللہ کو مصنوعات و مخلوقات میں دیکھا جاسکتا ہے۔ اللہ کی صنعت اُس کے لیے پردہ پوش ہے، تو اب اُس کو کارگاہِ عالم ہی میں دیکھا جاسکتا ہے۔ کاریگر کارخانے میں ہوتا ہے، اُس کو باہر تلاش کرنا بے وقوفی ہے۔ اِس کارخانہ، قدرت میں کام اور کاری گر کو اکٹھا دیکھ۔ جو اپنے وجود میں محو ہو وہ یہ کارخانہ نہیں دیکھ سکتا۔ اپنی ہستی کو فنا کرنے کے بعد ہی وجودِ واحد کا (جو کہ باقی ہے) مُشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔ فرعون اپنی ہستی کی طرف متوجہ تھا، اس لیے کارگاہِ عدم سے اندھا تھا۔ اُس کی اِن حرکتوں پر خدا کا فیصلہ زیرِ لب مسکراتا تھا۔ اُس نے اپنی خودی میں بنی اسرائیل کو ختم کرنے کے سب جتن کیے لیکن قدرت نے اُس کی تباہی کا سامان اُس کے گھر میں سے ہی مہیا فرما دیا۔ موسیٰ علیہ السلام اُس

خود شناسی کار باشد اے فلاں
اے فلاں خود کی پہچان اصل کام ہے

کارِ دیگر ہیچ و پوچ و ہیچ داں
باقی سب کام بالکل فضول ہیں

کے گھر میں ہی پرورش پاتے رہے۔ نفس جو ہمیشہ اپنی تن پروری کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور دوسروں پر دشمنی کا گمان کرتا رہتا ہے، اُس کی مثال فرعون جیسی ہی ہے۔ انسان کا جسم اُس کا فرعون ہے۔ وہ باہر بھاگا پھرتا ہے کہ دشمن کہاں ہے؟ اور نفس، جسم کے گھر میں نازوں میں پل رہا ہے۔

لوگوں کا ایک شخص کو ملامت کرنا جس نے اپنی ماں کو تہمت کی وجہ سے قتل کر ڈالا

ایک شخص نے اپنی ماں کو مار ڈالا۔ لوگوں نے پوچھا: اے کمبخت! تُو نے ماں کا حق بھی نہ پہچانا؟ اُسے قتل کر دیا۔ اِس نے جواب دیا کہ اب مئی اُس کی پردہ پوش ہوگئی ہے۔ اِس نے کہا: وہ ایک شخص کے ساتھ بدنام ہوگئی تھی، اِس لیے میں نے اُسے مار ڈالا۔ اُس نے کہا: تُو نے اُس شخص کو کیوں نہ مارا؟ تو بولا: پھر میں کتنے لوگوں کو قتل کرتا۔ وہ قتل ہوگئی تو لوگوں کے خون سے چھٹکارا پالیا۔ یہ بدعادت ماں تیرا نفس ہے کہ ہر جانب اُسی کا فساد ہے۔ اُسی کی وجہ سے تُو زمانے کے ساتھ ہر طرف اُلجھتا ہے۔ کیوں نہ اُسی کو قتل کر تاکہ لوگوں کے ساتھ جھگڑنے اور معذرت کرنے سے بچ جائے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا نبیوں کے نفس مرے ہوئے نہ تھے؟ پھر اُن کے ساتھ لوگوں کو حسد اور دشمنی کیوں تھی؟ بات یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء رحمہم اللہ کے دشمن، اُن کے دشمن نہ تھے بلکہ اپنے دشمن تھے کیونکہ دشمنی کے نقصانات اُنہیں کو پہنچتے تھے۔ اُن پاک لوگوں کی دشمنی سے اُنہوں نے اپنی رُوح کے مراتب کو نقصان پہنچایا۔ چمگادڑ خود ہی آفتاب کی روشنی سے محروم رہتا ہے۔ لوگ اُس یکتا کی آنکھ کا حجاب کب ہیں۔ لوگوں نے خود ہی اپنی آنکھوں کو اندھا اور اپنے کو بہرہ بنالیا ہے۔ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء رحمہم اللہ کے دشمنوں نے اپنے جہل کی وجہ سے اپنے آپ کو تباہ کرلیا۔ حسد کی بنیاد دوسرے کے مال و جاہ کی زیادتی ہے۔ حاسد کا مال تو کم ہوتا ہی ہے، حسد کر کے وہ خود ذہنی پریشانی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ شیطان نے حضرت آدم علیہ السلام سے حسد کیا اور اپنے آپ کو سو مصیبتوں میں پھنسالیا۔ ابوجہل کو ابوالحکم کہا جاتا تھا کیونکہ لوگوں کے فیصلے کرتا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی کی وجہ سے ابوجہل بن گیا۔ نیک خصلت ہونا سب سے بڑی خوبی ہے۔ اللہ نے اپنے اور اپنے بندوں کے درمیان انبیاء علیہم السلام کو واسطہ اِسی لیے بنایا ہے تاکہ حاسدوں کا مخلصوں سے اِمتیاز ہو جائے۔ خدمت گزاری اور خوش خلقی ہی کام کی چیزیں ہیں۔ اگر اللہ رسولوں کا واسطہ نہ بناتا تو حاسدوں کا حسد ظاہر نہ ہوتا۔ اللہ کو کوئی بھی اپنے برابر کا تصور کر کے حسد نہ کرتا۔ انسان کے حسد کی بنیاد اِسی پر ہے کہ وہ دوسروں کو اپنے برابر سمجھتا ہے اور پھر اُن کی بڑائی پر حسد کرتا ہے۔

تا نیفتد بر تو مردے را نظر جب تک تجھ پر کسی کامل کی نظر نہ پڑے	از وجود خود کجا یابی خبر تُو خود سے کیسے باخبر ہو سکتا ہے

رسولوں کا سلسلہ ختم ہونے سے حاسدوں کا سلسلہ ختم نہیں ہوا۔ اب اولیاء اللہ رحمۃ اللہ علیہم کی ذات حاسدوں کے پرکھنے کی کسوٹی ہے۔ قُطبُ الاقطاب ہمیشہ زمین پر زندہ اور امامِ وقت ہوتا ہے۔ اُس امام کے لیے نسل کوئی خصوصیت نہیں ہے۔ ہر دَور کا قُطبُ الاقطاب، امام حیّ وقائم ہوتا ہے۔ مہدی بھی وہی ہے اور ہادی بھی وہی ہے۔ اُس کی یہ خوبیاں مخفی ہوتی ہیں۔ وہ لوگوں کی نگاہوں کے سامنے ہوتا ہے۔ اُس کی عقل اُس کے لیے منجانب اللہ پیغام رساں ہے اور تمام اولیاء رحمۃ اللہ علیہم اُس ہی کے نور سے فیض پاتے ہیں۔ وہ نور ہے اور اولیاء رحمۃ اللہ علیہم اُس سے مستفید ہیں، وہ بمنزلہ قندیلوں کے ہیں۔ دیگر بزرگ جو اُن اولیاء رحمۃ اللہ علیہم سے مُنوّر ہیں اُن کی مثال طاقچہ کی ہے جو قندیل سے مُنوّر ہوتا ہے۔

اولیاء رحمۃ اللہ علیہم کے مختلف طبقات ہوتے ہیں، جو قُطبُ الاقطاب پر جا کر ختم ہو جاتے ہیں۔ آخری صف والے زیادہ تجلی کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ دوسرے تیسرے درجے کے اولیاء رحمۃ اللہ علیہم بھی مجاہدات کے ذریعہ ترقی کر کے اور حجابات طے کر کے عارف کامل بن جاتے ہیں۔ عالَمِ محسوسات میں جس طرح ہر آگ کو ہر چیز برداشت نہیں کر سکتی اسی طرح ہر شخص تجلی کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ جو آنچ جوار کے لیے مُفید ہے وہ سبزیوں پر ڈال دی جائے تو وہ جل کر خاک ہو جائیں۔ وہ درویش جو مجاہدات کی بھٹی میں تپتا ہے اُس کی حالت لوہے کی طرح ہے۔ وہ اُس آگ کو براہِ راست بدن پر لے لیتا ہے۔ پانی اور پانی کی پیداوار بغیر دیگ یا توے کے تیار نہیں ہوتیں جیسے چلنے میں پَیر کے لیے جوتا۔ اس لیے کہیں پہنچنے کے لیے واسطہ ضروری ہے۔ قُطبُ الاقطاب عالَم میں بمنزلہ دل کے ہے۔ ہمارے جسم کے سارے کمالات بھی دل کی وجہ سے ہیں۔ خدا کا منظورِ نظر قُطبُ الاقطاب ہوتا ہے اور وہ دوسرے اولیاء رحمۃ اللہ علیہم کو فیض پہنچاتا ہے۔ اولیاء رحمۃ اللہ علیہم کے مراتب کا مسئلہ عوام کی سمجھ سے بالاتر ہے اِس لیے عوام کے ذہن کے مطابق اُن سے بات کرتا ہوں۔ فقیر دروازے پر سے بھیک مانگے تو کچھ مل جائے گا لیکن اگر گھر میں گھسے گا تو اُس کی گت بن جائے گی۔ ایک قِصّہ سنو۔

بادشاہ کا نئے خریدے گئے دو غُلاموں کا اِمتحان کرنا

ایک بادشاہ نے دو غلام خریدے اور دونوں سے کچھ بات کہی اور سُنی۔ انسان کی شخصیت اُس کی زبان کے پیچھے چُھپی ہوتی ہے۔ جب آدمی بول پڑتا ہے تو زبان کا پردہ ہٹ جاتا ہے۔ ذہین آدمی بَرجستہ بھی ایسی بات کہہ جاتا ہے کہ دوسرا سو بار سوچ کر بھی نہ کہہ سکے۔ ایک غلام کی باتوں کے بارے میں فرمایا کہ اُس سے حق و باطل میں اِمتیاز ہو جاتا تھا۔ اِس پر شُبہ ہوا کہ یہ صفت تو قرآن میں بھی نہیں ہے ورنہ دُنیا میں کوئی گمراہ نہ رہتا۔ بے شک قرآن میں یہ خوبی ہے لیکن دیکھنے والے کی آنکھ کی کجی اُس میں آڑے آ جاتی ہے۔ اِس لیے تُو اپنی نظر کو صحیح کر

آب گُفت آلُودہ را دَرمن شتاب ایک گندے کو پانی نے کہا مجھ میں آ جا	گُفت آلُودہ کہ دارم شرم زآب گندے نے کہا کہ مجھے تم سے شرم آتی ہے

لے، قرآن کی فرقانیت واضح ہو جائے گی۔ صحیح فکر خدا کی عطا ہے۔ کسی شُبہ کا حقیقی جواب صحیح فکر سے حاصل ہوتا ہے۔ دوسروں کا جواب سننے سے نہیں۔ سُنی سُنائی بات اور صحیح فکر والی بات میں وہی فرق ہے جو دلالہ میں اور محبوبہ میں ہوتا ہے۔ صحیح فکر اہلِ حال کی ہوتی ہے کیونکہ وہ اُس کیفیت میں خود مبتلا ہوتے ہیں اور اہلِ قال کی بات سُنی سُنائی ہوتی ہے۔ کسی بُری بات کے نتیجہ کو سُن کر انسان اُس سے پرہیز کرتا ہے لیکن یہ ممکن ہے کہ وہ اُس بُرائی کو پھر کر بیٹھے لیکن اگر انسان خود انجامِ بد میں پھنس جائے تو ایسی نصیحت حاصل ہوتی ہے کہ بُرائی کا اِرتکاب ممکن نہیں رہتا۔

آگ کے جلا دینے کی اگر کوئی مخبرِ صادق خبر دے اور اُس سے جو یقین آگ کے جلانے پر ہوگا وہ علم الیقین ہے۔ کسی کو آگ میں جلتے دیکھ کر جو یقین حاصل ہوگا وہ عین الیقین ہوگا اور خود اپنا ہاتھ آگ میں جلانے سے جو یقین حاصل ہوگا وہ حق الیقین ہوگا۔ ہاں اگر رحمتِ خداوندی سے کان کو بھی کمال حاصل ہو جائے تو وہ بھی آنکھ کا کام کرنے لگتا ہے اور سُننا دیکھنے کا قائم مقام بن جاتا ہے۔

بادشاہ کا دونوں غلاموں میں سے ایک کو روانہ کر دینا اور دُوسرے سے حالات معلوم کرنا

جب بادشاہ نے اپنے ایک پیارے غلام کو ذہین سمجھا تو دوسرے کو اپنے قریب بلایا۔ اُس کی گفتگو اور منہ کی بُو سے وہ ناخوش ہوا۔ کہا کہ گندہ ذہن ہونے کی وجہ سے تُو ہم مجلس تو بنے گا مگر قریب نہیں آئے گا۔ تجھ سے نامہ و پیام کا کام لیا جائے گا۔ لیکن اُسے آزمانے کے لیے ذہین غلام کو حمام میں بھیج دیا تا کہ نہا دھو کر آئے۔ دوسرے سے کہا کہ تُو تو بہت عقل مند ہے اور تیرے ساتھی نے ہمیں تجھ سے حسد کی وجہ سے بَرگشتہ کر دیا تھا۔ وہ بولا کہ وہ تو چور اور بد چلن ہے، کم ہمت ہے، ایسا ہے اور ویسا ہے۔

دوسرے سے پوچھا تو وہ بولا: وہ میرے بارے میں سچ کہتا ہے۔ اُس کے کہنے کو میں تُہمت قرار نہیں دیتا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ مجھ میں عیبوں کو دیکھتا ہو کیونکہ میں اپنے اندر نہیں دیکھتا ہوں۔ اگر ہر شخص پہلے ہی سے اپنا عیب دیکھ لیتا تو اپنی اِصلاح سے کب فارغ ہوتا۔ دوسروں کے عیب نکالنے والے لوگ اپنے آپ سے غافل ہیں اِسی لیے دوسروں کے عیب بیان کرتے ہیں۔ جو شخص اپنے چہرے کو دیکھتا ہے اُس کا نور لوگوں کے نور سے بڑھا ہوا ہوتا ہے۔ اگر وہ مر بھی جائے تو اُس کا نور باقی رہتا ہے۔ ایسے لوگوں کو اپنے عیب ایسے صاف نظر آتے ہیں جیسے دوسروں کے۔ بادشاہ نے کہا کہ تُو بھی اُس کے عیب اُسی طرح کہہ دے جس طرح اُس نے تیرے عیب بیان کیے ہیں۔ اُس نے کہا: اے بادشاہ! میں اُس کے عیب بتاتا ہوں۔ اُس کا عیب محبت اور وفاداری ہے۔ سچائی، ذہانت اور ہمدردی ہے۔ سخاوت ایسی کرتا ہے کہ ضرورت

گفت آب ایں شرم بے من کے رود　　بے من ایں آلودہ زایل کے شود
پانی نے کہا کہ یہ شرم میرے سوا کون دُور کرے گا　　میرے بغیر تیری یہ گندگی کیسے دُور ہو گی

مند کو جان تک دے دے۔ سخاوت تو وہی اعلیٰ ہوتی ہے کہ جزا کی تمنا پیشِ نظر نہ ہو۔ اگر ایک جان دینے کے بدلے میں بہت سی جانیں مل جانے کا یقین ہو جائے تو جان دینے میں کوئی بھی بخل نہ کرے۔ جب یقین ہو جائے کہ حدیث کے مطابق انسانوں کو ہر عمل کا بدلا دس گنا ملے گا تو لوگ بڑھ کر نیک اعمال کریں۔ دراصل شیطان' فقر سے ڈرا کر انسان کو سخاوت سے روکتا ہے۔ بادشاہ نے کہا کہ دوست کی اتنی تعریف نہ کر کیونکہ میں اُس کو آزماؤں گا۔

بادشاہ کے سامنے غُلام کا اپنے دوست کی سچائی و وفاداری کی اپنے گمان و پاکیزگی کی وجہ سے قسم کھانا

غلام نے کہا: خدا کی قسم، جو مالک، مہربان اور رحم والا ہے۔ وہ خدا جس نے حقیر مٹی سے بڑے بڑے رُوحانی شہسوار پیدا کیے۔ اُن کو خاکیوں کے مزاج سے پاک کر دیا، اُن کو صاف نور بنا کر آسمان والوں سے بھی آگے کر دیا۔ آدم علیہ السلام، شیث علیہ السلام، نوح علیہ السلام، ابراہیم علیہ السلام جو بے دھڑک دنیاوی آگ میں گھس گئے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام جنہوں نے نور کی وجہ سے سرِ خنجر کے سامنے رکھ دیا۔ حضرت داوٗد علیہ السلام اُس نور کی بدولت لوہے کو نرم کر دیتے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام اُس نور کی وجہ سے دیو اور پری پر حاکم بن گئے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے جب نور کے اثر سے سرِ خدائی حکم کے آگے رکھ دیا تو بیٹے کی خوش بُو سے آنکھوں کو روشن کیا۔ حضرت یوسف علیہ السلام اُسی نور کی بدولت خواب کی تعبیر بتانے لگے۔ اُسی نور سے موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کی سلطنت کو لقمہ بنا لیا۔ حضرت جرجیس علیہ السلام سات سات مرتبہ جان نثار کر کے پھر اُسی نور سے زندہ رہے۔ حضرت یونس علیہ السلام نے اُسی نور سے مچھلی کے پیٹ میں آرام فرمایا۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام نے اُسی نور کے ذوق میں مست ہو کر سر سونے کے طشت میں رکھ دیا۔ حضرت شعیب علیہ السلام اور حضرت ایوب علیہ السلام ساری عمر اُسی نور کی بدولت شکر گزار بندے بنے رہے۔ حضرت خضر علیہ السلام اور حضرت الیاس علیہ السلام نے اُس نور کے جام کو نوش کیا تو آبِ حیات پا لیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اُسی نور کی بدولت چوتھے آسمان کی بلندی تک پہنچ گئے۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسی نور کی طاقت سے چاند کو دو ٹکڑے کر دیا۔ اُسی نور سے ابوبکر' صدیق رضی اللہ عنہ بنے۔ عمر رضی اللہ عنہ حق و باطل میں امتیاز کرنے والے بنے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ 'ذوالنورین بن گئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ' جان کے جنگل میں شیرِ خدا بن گئے۔ حسنین کریمین اُسی نور کی بدولت عرش کے دو موتی بن گئے۔ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نور کے لشکر کی مدد سے بلند مرتبہ پر پہنچے۔ حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ نے اسی وجہ سے قطب العارفین کا لقب پایا۔ حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ خدا کے خلیفہ اور خدائی سانس والے بن گئے۔ حضرت ابراہیم ادھم رحمۃ اللہ علیہ انصاف کے بادشاہوں کے بادشاہ بن گئے۔ حضرت

چشمِ اسپ از چشمِ شہ رہبر بود
گھوڑے کی آنکھ سوار کی آنکھ کی وجہ سے رہبر ہے

چشمِ او بے چشمِ شہ مُضطر بود
اُس کی آنکھ شہ کی آنکھ کے بغیر معذور ہے

شفیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ تیز نگاہ والے بنے اور حضرت فضیل رحمۃ اللہ علیہ اس راہ سے شاہ کے منظورِ نظر ہو گئے۔ حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ کے لیے ادب' بشارت دینے والا بنا۔ حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ شکر خانہ بن گئے۔ حضرت سرّی سقطی رحمۃ اللہ علیہ فنا ہوئے تو شاہوں کے تخت پر جگہ پائی۔ ہر زمانے میں اللہ کی رحمت اُن کی پاک جان اور رُوح پر رہی۔

لاکھوں دیگر اولیاء رحمۃ اللہ علیہم اللہ کو ایسے محبوب ہیں کہ خدا رشک کی وجہ سے اُن کو مخفی رکھتا ہے۔ اُسے گوارا نہیں کہ لوگ اُنہیں پہچانیں۔ اولیائے کاملین مچھلیوں کی طرح ہوتے ہیں۔ جس طرح مچھلی پانی کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی اسی طرح یہ لوگ تقربِ الٰہی کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے۔ خدا کی پوری صفات میں اُس کا کوئی نام ظاہر نہیں کرسکتا اور ملکیتیں خواہ کتنی ہی مضبوط کیوں نہ ہوں وہ ملکیتِ خداوندی کی بہ نسبت ہیچ ہیں۔ شاہ پوچھے گا: تیرے پاس کیا ہے؟ دریا کی تہ سے کیا موتی لایا ہے؟ مرتے وقت تیری ظاہری حس بے کار ہو جائے گی، صرف رُوح کا نور، جو کہ تیرے دل کا رفیق ہے، تیرے کسی کام آسکے گا۔ قبر میں اس آنکھ کو تو مٹی بھر دے گی۔ تو کیا قبر میں روشنی کرنے کے لیے رُوح کا نور ہے؟ حیوانی رُوح' موت آنے پر فنا ہو جاتی ہے۔ تو کیا تم نے کوئی نیکی خدا کے دربار میں پیش کرنے کے لائق رکھی ہے؟ کیا وہ جوہر تیرے پاس موجود ہے جو کسی دوسری چیز کا محتاج نہ ہو؟ نماز و روزہ، حرکات اور اقوال کا مجموعہ ہیں۔ اُن کا وجود دوسرے زمانے میں قائم نہیں رہے گا۔ یہ اَعراض ہیں۔ اِن کو ایک جگہ سے دوسرے جگہ منتقل نہیں کیا جاسکتا۔ اَعراض کو جوہر میں تبدیل ہونا چاہیے جیسے پرہیز سے مرض جاتا رہتا ہے۔ کوشش کر اور پرہیز یعنی جوہر حاصل کرلے جس سے کڑوا منہ میٹھا ہو جاتا ہے۔ کھیتی باڑی کرنا عرض ہے لیکن زمین کی مٹی جو جوہر ہے تبدیل ہو کر اناج بن جاتی ہے۔ نکاح عرض ہے۔ جس کا جوہر بچہ ہے۔ باغ کا لگانا عرض ہے۔ اُس کا پھل جوہر ہے جو کہ مقصود ہے۔ دربارِ خداوندی میں اَعراض کو پیش نہیں کیا جائے گا بلکہ رُوح پیش ہوگی جو کہ جوہر ہے۔ تجھے اپنے اعمال کی پیداوار دکھانی پڑے گی۔ بکری جوہر ہے لیکن اُس کا سایہ عرض ہے۔ بکری کی قربانی سے تقرب حاصل ہوگا نہ کہ سایہ کی قربانی سے۔

غلام نے بادشاہ سے کہا کہ اگر عبادات کو اَعراض کہہ کر ناقابلِ اِنتقال کہا جائے گا تو عبادات کی اہمیت ختم ہو جائے گی اور عابدوں میں مایوسی پیدا ہو جائے گی۔ اگر آپ کہتے ہیں کہ عرض ساتھ رہنے والا نہیں ہے تو سب کچھ باطل ہوگا۔ شاہ نے کہا کہ ہر عمل نیت کے لحاظ سے شکل اختیار کرے گا۔ نیت ہی اصل جوہر ہے۔ ماں باپ کی ہمبستری عرض ہے۔ اُس نے بچے کی جوہری صورت اِختیار کرلی۔ ایک انجینئر کا ذہنی خاکہ جوہری کی صورت میں مکان بن جاتا ہے۔ ہر پیشہ میں کاری گر ایک تصور (نیت) قائم کرتا ہے جو عرض ہوتا ہے اور پھر وہ تصور جوہری صورت اِختیار کرلیتا ہے۔ خیال پہلے آتا

چشمِ اسپاں جز گیاہ و جز چَرا
گھوڑے کی آنکھ گھاس چرنے کے سوا کچھ نہیں دیکھتی

ہر کجا خوانی بگوید نے چرا
اُسے اگر بلاؤ تو وہ گھاس ہی کی طرف بھاگے گا

ہے' اُس کے بعد عمل ہوتا ہے۔ عالمِ ازل میں عالمِ کائنات بھی صورِ علمیہ ہی کا مجموعہ تھا، اُس کے بعد تمام اشیاء کا وجود ظاہر میں ہوا۔ باغ لگانے کا نقشہ ذہنی ہوتا ہے اور اُس کے پھل' پھول' درخت تصوراتی ہوتے ہیں، بعد میں عملی صورت وجود میں آتی ہے۔ تصور کا نتیجہ سب سے آخر میں ظہور میں آتا ہے۔ شاخ اور پھول مقصود نہیں ہوتے، مقصود پھل ہوتا ہے جو سب سے بعد میں وجود میں آتا ہے۔ اِسی طرح حدیث قُدسی کے مطابق ''اے محمد ﷺ! اگر تمہارا وجود پیشِ نظر نہ ہوتا تو میں عالم کو پیدا نہ کرتا۔'' حضور ﷺ اصل مقصد تھے' اِس لیے سب کے بعد میں ظہور پذیر ہوئے۔

عَرض کے پیدا کرنے کا اصل مقصد جوہر کو پیدا کرنا ہوتا ہے۔ جیسے پھل کو پیدا کرنے کا مقصد اُس کا مزہ یا استعمال ہوتا ہے۔ قرآن میں ہے ''بے شک انسان پر ایسا وقت آیا جب وہ کچھ بھی نہیں تھا۔'' یعنی سب اشیاء پہلے مثالی صورتوں میں تھیں اور پھر عالمِ شہود میں آئیں، جنہیں ہم اپنے حواس سے پہچانتے ہیں۔ اِسی طرح رُوح کے اِنتقال کا عمل بھی اِس دنیاوی زندگی کے اعمال کے نتیجے کے طور پر عالمِ ثانی کے جوہر کے طور پر ظاہر کیا جائے گا۔ اس عالم کے اعمال جو کہ عرض ہیں، اُن کا جوہر، عالمِ ثانی کی خلعت کے طور پر ظاہر ہوگا (جو کہ جوہر ہے)۔

عرض اور جوہر کی وہی نسبت ہے جو انڈے اور مرغی کی ہے۔ انڈے سے مرغی اور مرغی سے انڈہ بنتا ہے۔ اِسی طرح عرض سے جوہر اور جوہر سے عرض بنتے رہتے ہیں۔ بادشاہ نے پوچھا: تمہاری بات مان لیتا ہوں کہ عرض' جوہر بن جاتا ہے تو تمہارا کوئی عمل جوہر بنا؟ غلام نے جواب دیا: عرض، بصورتِ جوہر دُنیا میں نمایاں نہیں کیا جاتا۔ قدرت کا یہی قانون ہے' ورنہ یہ دُنیا آزمائش کی جگہ نہ رہے۔ لوگوں کے اِس دُنیا کے اعمال جوہر کی صورت میں دوسری دُنیا میں نمایاں ہوں گے۔ مومنوں کے اچھی صورتوں میں اور کافروں کے بُری صورتوں میں۔ اِس دُنیا کے اعمال کی جزا پوشیدہ ہے لیکن خاصانِ خدا کی نظروں میں ظاہر ہے۔ بادشاہ عارفِ کامل تھا' اُس نے پوچھا: تُو اپنا عمل بتا کہ کس صورت کا ہے' میں سمجھ لوں گا کہ اچھا ہے یا بُرا ہے۔ غلام نے کہا کہ جب آپ کا کشف اتنا بڑھا ہوا ہے تو مجھ سے کیوں پوچھتے ہو؟ شاہ نے کہا کہ اللہ کی سُنّت یہی ہے کہ وہ زبان سے کہلواتا ہے، حالانکہ وہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔ اِسی لیے اُس نے عالم کو بنایا ہے اور اِسے عالمِ تکلیف قرار دیا ہے کیونکہ انسان کبھی بے کار نہیں بیٹھتا، اچھا یا بُرا کوئی نہ کوئی کام ضرور کرتا رہتا ہے۔ انسان کو کام پر اِسی لیے مجبور کیا گیا ہے تا کہ اُس کی پوشیدہ نیکی یا بدی کا وجود مشاہدہ میں آجائے۔ انسان کی بے چینی اس بات کی دلیل ہے اور اُس کا قلبی تقاضہ ہے کہ وہ عمل کرے۔ اللہ نے دُنیا کو عالمِ اسباب بنایا اور سبب کا ایک اثر متعین کیا، جو اُس سے وجود میں آجاتا ہے۔ ایک سبب کی وجہ سے ایک مُسبّب وجود میں آتا ہے اور پھر مُسبّب سبب بن کر کسی دوسرے

نُورِ حق بر نُورِ حِسّ راکب شود جب نُورِ حق حِسّی نُور پر سوار ہو جاتا ہے	واں گہے جاں سُوئے حق راغب شود تو جان حق تعالیٰ کی طرف راغب ہو جاتی ہے

مُسبّب کو موجود کر دیتا ہے۔ باپ، بیٹے کے وجود کا سبب بنا اور مُسبّب ہوا۔ پھر وہ پوتے کے وجود کا سبب بن گیا۔ یہی سلسلہ نسل در نسل چلا آتا ہے۔ بادشاہ اور غلام کی گفتگو یہاں تک ہوئی کہ بادشاہ نے غلام کے اعمال کی صورتیں دیکھنے کا ذکر کیا۔ چونکہ بادشاہ عارف کامل تھا' ہو سکتا ہے اُس نے اپنے کشف سے دیکھ لیا ہو۔

بادشاہ کا غُلام کی حالت پُوچھنا

بادشاہ نے غلام کی باتیں سُنیں تو اُسے ایک طرف بٹھا دیا اور دوسرے غلام کو طلب کر لیا۔ دونوں ایک دوسرے سے بے خبر تھے۔ بادشاہ نے اُسے کہا: اے نیک خُو! تُو بہت خوب صورت ہے، جو بھی تیرا چہرا دیکھے خوش ہو جاتا ہے۔ اگر تجھ میں وہ باتیں نہ ہوتیں جو پہلے غلام نے تیرے متعلق بتائی ہیں' اُن کا افسوس ہے، اُس نے شاہ سے پوچھا: جلدی بتائیں اُس بے ایمان نے آپ کو میرے بارے میں کیا بتایا ہے؟ شاہ نے اُسے کہا کہ پہلے تُو اُس کے بارے میں بتا جو تُو جانتا ہے میں پھر بتاؤں گا۔ وہ غلام غصّے میں آ گیا اور ملامت میں حد سے گزر گیا۔ جب شاہ نے اُس کے منہ سے لعنت ملامت سُنی تو فرمایا: میں تجھے اور اُسے سمجھ گیا ہوں تیری رُوح گندی ہے اُس کا صرف منہ گندہ تھا، تُو دُور ہو جا۔

دنیا بھر کے بزرگوں نے فرمایا ہے: ''انسان کی راحت زبان کی حفاظت میں ہے''۔ حدیث میں آیا ہے کہ ریاکاری کی تسبیح کوڑے پر اُگا ہوا سبزہ سمجھ۔ خوب سمجھ لے کہ اچھی صورت، بُری عادتوں کے ہوتے ہوئے چار دانے جَو کے برابر بھی نہیں ہے۔ اگر کسی کی صورت حقیر ہو لیکن اُس کے اخلاق اچھے ہوں تو اُس کے قدموں میں جان دے دے۔ ظاہری صورت تو فنا ہونے والی چیز ہے البتہ باطن ہمیشہ باقی رہے گا۔ اگر تُو عقل مند ہے تو صورت کو نہ دیکھ سیرت پر غور کر۔ سیپ کو نہ دیکھ موتی حاصل کر۔ جسموں کے یہ سیپ دُنیا میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ زندہ ہیں لیکن ہر سیپ میں موتی نہیں ہوتا۔ قیمتی موتی نایاب ہوتے ہیں۔ اُن کو تلاش کر۔ انسان تو بہت سے ہیں لیکن پاکیزہ رُوح کہیں کہیں ملے گی۔ جسم کی بڑائی کوئی خوبی نہیں ہے ورنہ پہاڑ' لعل سے بڑھ کر ہوتا۔ انسان کا بدن کتنا بڑا ہے مگر شرافت تو آنکھ ہی کو حاصل ہے۔ فکر و خیال بھی ایک معنوی چیز ہے جو صد جہان کو یعنی ''ظاہر'' کو زیر و زبر کر ڈالتا ہے۔

بادشاہ کا ایک خیال ہو، اُس سے سینکڑوں ملک تباہ ہو جاتے ہیں۔ بادشاہ کا ایک جسم اپنی باطنی خوبیوں کی وجہ سے ہزاروں لشکریوں کے جسموں پر حکومت کرتا ہے۔ اور شاہ کا جسم اُس کے خیال اور فکر کا فرمانبردار ہوتا ہے۔ اللہ جب کسی بات کا ارادہ کرتا ہے تو کلمہ کُن سے وہ پیدا ہو جاتی ہے اور جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کو تباہ کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو وہ فوراً تباہ ہو جاتی ہے۔ اصل خوبی باطن کی ہے نہ کہ ظاہر کی۔ انسان کی فضیلت عقل و خرد کی وجہ سے ہے جو معرفتِ حق پیدا کرتی

اسپ بے راکب چہ داند رسم و راہ
گھڑسوار کے بغیر گھوڑا راہ کو کیا جانے

شاہ باید تا بداند شاہراہ
شاہ درکار ہے تاکہ وہ شاہراہ کو بھجے

ہے۔ تُو نے غیر مقصود کو مقصود اور مقصود کو غیر مقصود سمجھ لیا۔ عالمِ غیب ظاہر سے اہم ہے، حقیقت بیں نظر پہچان لیتی ہے۔ آگ لطیف عنصر ہے، نظر نہیں آتی۔ نظر جب آتی ہے جب وہ کسی کثیف جسم میں لگ جاتی ہے۔ ارادۂ الٰہی جو نظر نہیں آتا اُس کی تاثیرات بھی قیامت کے دن ظاہر ہو جائیں گی۔ بڑے سے بڑے وجود فنا ہو جائیں گے، صرف محبت کرنے والا اللہ حیّ ہوگا۔

غُلاموں کا مخصُوص غُلام پر حسد کرنا

ایک بادشاہ نے اپنے کرم سے ایک غلام کو پسند کر لیا اور اپنے پاس اُسے بہت زیادہ عزت کا مقام دیا۔ بادشاہ محمود تھا اور غلام ایاز۔ دونوں کی رُوح آپس میں جُڑی ہوئی تھی۔ اصل معاملہ تو جسموں کے کام میں لگنے سے پہلے قائم ہوتا ہے۔ ایک عارف دوسرے عارف کو ٹھیک طرح پہچان لیتا ہے۔ عارف بھٹکتے نہیں ہوتے۔ عارف لوگ اللہ تعالیٰ کی تدبیر کو ہمیشہ اپنے اُوپر مسلّط دیکھتے ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ تُو اپنی ہر تدبیر اپنے دوست کے سامنے ڈال دے۔ اہم کام وہی ہے جو خدا نے قائم کر رکھا ہے۔ اے دوست! جب کہ تُو دوست کا پابند ہے، جو بوئے اُسی کے لیے بو۔ نفس چور ہے، اُس کے کام میں نہ لگ۔ لاکھوں عقلیں بھی دوست کے ارادے کے آگے بے کار ہیں۔

اللہ کا عالمِ تدبیر کو پیدا کرنا بے فائدہ نہیں ہے۔ لیکن تدبیر بھی کوئی بے فائدہ شے نہیں ہے۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر چیز ہر شخص کے لیے مُفید ہو۔ ایک چیز ایک کے لیے بے فائدہ ہے تو دوسرے کے لیے کار آمد ہے۔ یوسف علیہ السلام کے حُسن کا فائدہ سب کو تھا لیکن اُن کے بھائیوں کے لیے نہ تھا۔ نغمۂ داؤدی سب کو محبوب تھا لیکن منکروں کے لیے نہیں۔ نیل کا پانی آبِ حیات سے بڑھ کر تھا لیکن فرعونیوں کے لیے خون بن گیا۔ مومن کے لیے شہادت زندگی ہے لیکن کافر کے لیے موت۔ اللہ نے ہر نعمت، ہر ایک کے لیے پیدا نہیں کی۔ بعض لوگ بیماری کی وجہ سے مٹی کو غذا بنا لیتے ہیں لیکن حقیقت میں تو وہ غذا نہیں ہوتی۔ اس سے انسان کو نقصان ہی ہوتا ہے۔ دنیاوی غذائیں رُوح کو کمزور کر دیتی ہیں۔ رُوحوں کی اصل غذا تو نورِ خدا ہوتا ہے جو کہ آسمانی غذا ہے۔ آسمانی غذا، اللہ کے مخصوص بندوں کی غذا ہوتی ہے۔ اُس کے کھانے کے لیے عالمِ ناسُوت کے وسائل کی ضرورت نہیں ہوتی۔ قرآن پاک میں شہیدوں کے لیے فرمایا گیا ہے کہ وہ اپنے خدا کے پاس زندہ ہیں اور اُن کو غذا دی جاتی ہے۔ دُنیا داروں اور اہلُ اللہ کی غذاؤں میں فرق ہوتا ہے۔ اسی طرح جسم کے مختلف اعضاء کی غذائیں بھی مختلف ہوتی ہیں مثلاً دل کی غذا، دوست سے ملاقات اور حصولِ علم ہے۔ چشمِ بصیرت کی غذا، انسان کے باطنی اَوصاف ہیں۔

فقر خواہی آں بصحبت قائم ست　　نے زبانت کار می آید نہ دست

اگر تُو فقر کی خواہش رکھتا ہے تو شیخ کامل کی صحبت اختیار کر　　تمہاری زبان یا ہاتھ اِس راہ میں بے کار ہیں

ہر ایک چیز کسی دوسرے سے مل کر کچھ نہ کچھ قوت حاصل کرتی ہے جیسے میاں بیوی کی ہمبستری سے بچہ پیدا ہوتا ہے۔ پتھر اور لوہے کو رگڑنے سے چنگاریاں پیدا ہوتی ہیں۔ چمن کی سیر سے سکون میسر آتا ہے۔ انسان خوش ہوتا ہے تو قوائے باطنی میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ رخساروں میں خون دوڑتا ہے تو چہرہ سُرخ ہو جاتا ہے۔ مُنافقوں کا شیطان سے ملاپ اُن کے شر میں اضافہ کرتا ہے۔ چونکہ باہمی میل جول سے کچھ نہ کچھ حاصل ہوتا ہے اس لیے اچھی صحبت سے بھی ضرور فائدہ پہنچتا ہے۔ اولیاء رحمہم اللہ، ذاتِ باری سے نور حاصل کرتے ہیں۔ اِس لیے وہ ذات اُن کا مشرق کہلا سکتی ہے ورنہ اللہ کے لیے نہ مشرق ہے نہ مغرب۔ اُس کی ذات ہر طرف ہر وقت نور فشاں ہے۔

میں باوجود آفتاب ہونے کے پھر بھی مزید تقرب حاصل کرنے کے لیے اُس شمس (حضرت شمس تبریزی رحمۃ اللہ علیہ) سے لپٹا ہوا ہوں۔ میرا یہ لپٹنا بھی اُسی شمس کا عطا کردہ ہے۔ جس طرح نتائج، قبضۂ قدرت میں ہیں، اُسی طرح اَسباب بھی قبضۂ قدرت میں ہیں۔ وصول الی اللہ کی سعی میں لاکھوں بار مایوسیاں پیدا ہوتی ہیں۔ میں مایوس ہو کر صبر کر کے بیٹھ جاؤں، یہ ممکن نہیں ہے۔ مایوس کرنا بھی اللہ ہی کا فعل ہے، اگر یہ ایمان ہو جائے تو اللہ کے ساتھ مزید تعلق پیدا کر دیتا ہے۔ اچھے ہوں یا بُرے سب نے وجود اُسی ذات سے حاصل کیا ہے۔ جن کو بصیرت حاصل نہیں، وہ اس طرف دھیان نہیں دیتے اور مردودِ بارگاہ ہو جاتے ہیں۔ جو لوگ اَسباب کو من جانب اللہ نہیں سمجھتے وہ اَسباب کو قبلہ گاہ بنا لیتے ہیں۔ منکرین کی کج فطرتی اُن کو تباہ کر دیتی ہے۔ بعض اوقات اولیاء اللہ رحمہم اللہ ایسا تصرف کر دیتے ہیں کہ منکر اُن کے قدموں میں آگرتا ہے۔ جو اُن کے قریب آتے ہیں ضرور فیض یاب ہوتے ہیں۔ ہاں! حسد کرنے والے اپنے نَفس کے امراض کی شفا حاصل کرنے سے محروم رہتے ہیں۔ آفتاب کا کام روشنی پہنچانا ہوتا ہے لیکن اگر کوئی خود ہی آنکھیں بند کر لے تو کیسے فائدہ پائے۔ اصل طالب تو وہ ہوتا ہے کہ اگر کسی وقت فیض نہ بھی ملے تو منکر نہ بنے بلکہ کوشش جاری رکھے کیونکہ اللہ تو اُس کی نیت سے واقف ہے۔ ایک وقت ضرور آئے گا کہ مناسبت پیدا ہو جائے گی اور فیض حاصل ہونے لگے گا۔ اگر منکر بن گیا تو تباہی ہے۔

وِیرانہ میں باز کا چُغدوں میں پھنس جانا

بادشاہ کا باز ایک ویرانے میں اُلوؤں میں جا گرا۔ وہ شاہ کی خوشنودی کے نور سے مُنوّر تھا لیکن قضاء نے اُسے اندھا کر دیا۔ اُلو اُس کے سر میں ٹھونگیں مارتے۔ اُنہوں نے شور مچا دیا کہ باز ہماری جگہ پر قبضہ کرنے آیا ہے۔ اسی طرح عارفین کی بھی کبھی کبھی آزمائش ہوتی ہے۔ وہ بھی قضائے الٰہی سے راہ گم کر بیٹھتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کے بارے میں بھی منکرین یہی

کہتے ہیں کہ یہ ہمیں ہماری سرزمین سے نکالنے کے لیے آیا ہے۔ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء رحمہم اللہ ہمیشہ اُن کو یہی جواب دیتے۔

خرم آں روز کزیں منزلِ ویراں بروم　　راحتِ جاں طلبم وز پئے جاناں بروم

نذر کردم کہ گر آید بسر ایں غم روزے　　تا درِ میکدہ شاداں وغزل خواں بروم

”وہ شادمانی کا دن ہوگا جب میں اس ویرانے (دنیا) سے جاؤں۔ اپنی جان کے آرام اور اپنے محبوب کی طرف جاؤں۔ میں اپنا سب کچھ قربان کردوں اگر اس غمِ دنیا سے اپنے مے خانے تک خوش اور ناچتا گاتا جاؤں گا“۔

باز کہتا تھا: ارے بے وقوفو! یہ تو ویرانہ ہے، تمہیں یہ جگہ آباد نظر آتی ہے۔ میرے لیے تو شاہ کی کلائی واپسی کی جگہ ہے۔ میں تو اپنے مالک کا قرب چاہتا ہوں۔ اُلو کہتے: یہ اس کی بکواس ہے کہ اس کی شاہ سے دوستی ہے اور اُس کی کلائی پر بیٹھتا ہے۔ اکثر منکروں نے بھی اسی طرح دھمکیاں دی ہیں لیکن انبیاء علیہم السلام اور اولیاء رحمہم اللہ کو ستانے پر بستیاں ویران کردی گئیں۔ اولیاء رحمہم اللہ کو ستانے سے عوام تو درکنار بڑے بڑے صاحبانِ علم و ہنر برباد ہوئے ہیں۔ خدا نے انبیاء علیہم السلام کی حفاظت کا وعدہ کیا ہے۔ خدا جب کسی کو رُوحانی عروج عطا فرماتا ہے تو اُس کی رُوح کی ترقی بھی اچھی پرورش حاصل کرتی ہے۔ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء رحمہم اللہ کی صحبت سے لوگ کامل بن جاتے ہیں۔ اُن کی اتباع سے ہی نجات حاصل ہوتی ہے۔ اُن کے درد کی دوا خدا کا دیدار ہوتا ہے۔ مُقربین کا رونا عشق کی وجہ سے ہوتا ہے، جو اُن کے مراتب کی بلندی پیدا کرتا ہے۔ اللہ اُن کی رُوحوں کو واپس بلانے کے لیے ”ارۡجِعِیۡ“ (تُو واپس آجا) فرماتا ہے۔

باز بولا: یہ اسی طرح سے ہے جیسے میں شکار کرچکتا ہوں تو واپس بلانے کے لیے طبل بجایا جاتا ہے۔ میں بادشاہ کا ہم جنس نہیں ہوں لیکن اُس کے نور کی تجلی مجھ پر پڑتی ہے۔ ہم جنسیت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ ہم صورت ہوں۔ لوگ ہم جنس، تعلق اور مناسبت کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ پانی اور مٹی، پیداوار میں باہم تعلق رکھتے ہیں حالانکہ اُن کی شکل و صورت جدا جدا ہے۔ انبیاء علیہم السلام و اولیاء رحمہم اللہ ”اللہ“ کے ہم جنس تو نہیں ہیں لیکن اُنہوں نے اپنی ہستیوں کو اُس کے لیے فنا کردیا ہے۔ اُن حضرات نے اپنے آپ کو مٹی میں ملا دیا ہے اور اُس مٹی پر اُس کے نقشِ قدم ہیں۔ کافر انبیاء علیہم السلام کو صورتاً اپنے جیسا دیکھ کر منکر بنتے تھے اور مخالفت کرتے تھے جو دراصل اللہ کی مخالفت ہوتی ہے۔ ہماری رُوح بدن کے ساتھ ملی ہوئی ہے، کیا یہ بدن سے کسی طرح مُشابہ ہے؟ تو یہ کافر، صورت کی عدمِ مُشابہت سے تعلق کا کیوں انکار کرتے ہیں؟

دانشِ آنزا ستاند جاں زجاں　　نے ز راہِ دفتر و نے از زباں

یہ علم رُوح سے رُوح کے ذریعے ملتا ہے　　نہ کہ کتابوں سے یا زبان سے

جب آنکھ کی چربی، نورِ چشم کا مظہر اور دل کا قطرۂ خون، نور کا مظہر ہو سکتے ہیں تو ایک انسان کے نورِ حق سے متجلی ہونے میں کیا شک ہے۔ چیزوں کا باہمی تعلق پوری طرح سمجھنا مشکل ہے۔

اِسی طرح تعلق مع اللہ کی کیفیت بیان کرنا بھی ممکن نہیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے کسی انسان کے دل کو متاثر کیا تو وہ حاملِ امانت ہوگیا۔ جس طرح حضرت مریم علیہا السلام کے گریبان میں پھونک ماری اور وہ حضرت مسیح علیہ السلام سے حاملہ ہوگئی۔ حضرت مریم علیہا السلام تو ایک انسان مسیح علیہ السلام سے حاملہ ہوئیں، مومن کا قلب تجلیاتِ رَبّ کا حامل ہوگیا۔ حاملِ حق شیخ کے قلبی نور سے تمام دُنیا مُستفید ہوتی ہے۔ بزرگوں سے فیض حاصل کرنے والے اپنے پہلے بزرگوں کی شہرت اور نمود کا سبب بنتے ہیں۔ قیامت میں سب کے وجود ظاہر ہو جائیں گے۔ اِسی طرح مستفیدین بزرگوں کے وجود کو نمایاں کرتے ہیں اور اسی طرح یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔ یہی چیز بزرگوں کے سلسلے کہلاتی ہے۔ جو بزرگ اللہ تعالیٰ کی جانب سے لوگوں کی اِصلاح پر مامور ہوتے ہیں، اُن کا وعظ ونصیحت کرنا ذکرِ الٰہی سے ہم معنیٰ ہوتا ہے۔ ذکر ونصیحت سے خدا سے شرفِ ہمکلامی حاصل ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے لبیک کی صدا آتی ہے۔ جب کہ ذکر سے شرفِ ہمکلامی حاصل ہو تو کون بدنصیب ہوگا جو ذکر کرنے سے باز آئے گا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے "لَبَّيْكَ"، یعنی "میں حاضر ہوں" اللہ کو پکارنے والے کے جواب میں کہا جاتا ہے۔ فَاذْكُرُونِىٓ أَذْكُرْكُمْ "تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا" اللہ تعالیٰ کا یہ جواب شنیدنی نہیں ہے بلکہ ذوقی ہے۔ یہ جواب ذوقی کیسے ہے؟ ایک قصہ سُن۔

پیاسے کا دِیوار پر سے نہر میں مٹی کے ڈلے پھینکنا

ایک نہر کے کنارے ایک دیوار تھی جس پر ایک پیاسا بیٹھا تھا۔ وہ دیوار اُس کے لیے پانی تک پہنچنے میں رکاوٹ تھی۔ اچانک اُس نے ایک اینٹ اُکھاڑ کر پانی میں پھینکی، پانی کی آواز سے اُس کو (پانی) حاصل کرنے کا ذوق پیدا ہوا اور وہ ایک ایک اینٹ اُکھاڑ کر پانی میں پھینکتا رہا۔ اُس سے جو آواز پیدا ہوئی، وہ پیاسے کے لیے ایسی ہی تھی جیسے ذاکر کے لیے لبیک کی آواز۔ پانی پکارتا تھا: ارے! تجھے میرے اینٹ مارنے سے کیا فائدہ ہے؟ پیاسے نے کہا: اِس سے دو فائدے ہیں، یہ کام میں کبھی نہیں چھوڑوں گا۔ پیاسا جس طرح اَبر کو دیکھ کر خوش ہوتا ہے، پانی کی آواز سُن کر بھی خوش ہوتا ہے۔ حضرت اسرافیل علیہ السلام کے صُور کی آواز سے مُردے زندہ ہو جائیں گے۔ جو پیاس سے مر رہا ہو، پانی کی آواز سے اُس کو ایک زندگی مل جاتی ہے۔ فقیر جب خیرات دینے والے کی آواز سنتا ہے تو اُس میں نشاط پیدا ہوتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے خدائی سانس یمن کی جانب سے پہنچتا ہے۔ شفاعت کے وقت

چوں بدادی دستِ خُود در دستِ پیر
جب تم اپنا ہاتھ کسی کامل شیخ کو پکڑا دو

پیرِ حکمت کُو علیم ست و خبیر
تو جان لو کہ وہ دانا اور باخبر ہے

آنحضور ﷺ کے الفاظ کی خوشبو گنہگار کے لیے جاں فزا ہوگی۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام کے کُرتے کی خوش بُو بہت دُور سے محسوس کر لی تھی جو اُن کی خوشی کا سبب بنی۔ دوسرا فائدہ یہ ہے کہ ہر اینٹ جو میں اُکھاڑتا ہوں، پانی کے نزدیک ہوتا جاتا ہوں۔ اینٹ کا اُکھڑنا پیاسے کے لیے پانی سے وصل کو قریب کر رہا ہے۔ اِسی طرح انسان کا عاجز و پست ہونا اور سجدہ میں گرنا قربِ خداوندی کا سبب ہے جیسا کہ قرآن میں کہا گیا ہے وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ "سجدہ کر اور قریب ہو جا"۔ جب تک انسان تن پروری کرے گا اور ذکر سے دُور رہے گا اپنی گردن کو اونچا رکھے گا۔ یعنی یہ وہی دیوار ہے جو پانی کے وصل سے مانع ہے۔ ذاتِ خداوندی کا سجدہ اور قرب تب حاصل ہوگا جب تنِ خاکی کی اینٹ ایک ایک کر کے اُکھاڑ دی جائیں گی۔ جو وصل کا زیادہ پیاسا ہوگا وہ وصل کے اسباب جلد حاصل کرنے کی کوشش کرے گا۔ اُس پیاسے کو پانی کی آواز سے شراب کا سا نشہ حاصل ہو رہا تھا۔ جوانی کی عبادت اور مجاہدہ بہت افضل ہوتا ہے۔ جوانی کے مجاہدات بہت جلد ثمر آور ہو جاتے ہیں۔ تر و تازہ زمین میں تخم ریزی بہتر پیداوار کرتی ہے۔ جوانی میں ظاہری اور باطنی حواس صحیح حالت میں ہوتے ہیں۔ بڑھاپے میں عبادت کے ثمرات حاصل نہیں ہوتے کیونکہ زمین شور زدہ ہوتی ہے۔ کیونکہ اس عمر تک پہنچتے پہنچتے بُرائیوں کی جڑ مضبوط اور اُس کو اُکھاڑنے کی طاقت نہ ہونے کے برابر ہوتی ہے۔

حاکم کا ایک شخص سے کہنا کہ کانٹوں کا جھاڑ جو تُو نے بویا ہے لوگوں کے راستے سے اُکھاڑ دے اور اُس کا عُذر کرنا

ایک سنگدل باتونی شخص نے لوگوں کے راستے میں کانٹوں کا جھاڑ لگا دیا۔ رستہ چلنے والے اُسے ملامت کرتے مگر وہ اُسے نہ اُکھاڑتا۔ جھاڑ بڑھتا رہا اور لوگوں کو زخمی کرتا رہا۔ حاکم کو خبر ہوئی۔ اُس نے بھی اُسے اُکھاڑنے کا حکم دیا مگر وہ پھر بھی ٹال مٹول کرتا رہا۔ حتیٰ کہ وہ ایک تن آور درخت بن گیا۔ حاکم نے کہا کہ تُو کل کل کرتا جائے گا اور یہ درخت جوان ہوتا جاتا ہے اور اُکھاڑنے والا بوڑھا ہوتا جاتا ہے۔ جلدی کر اُس کو اُکھاڑ دے اور وقت ضائع نہ کر۔

ہر بُری عادت کو ایک خاردار جھاڑ سمجھ۔ بارہا یہ تیرے پَیر میں چُبھا ہے۔ بارہا تُو اپنے فعل پر نادم ہوا ہے۔ تیری وجہ سے لوگوں کو پریشانی ہوئی لیکن تُو نے کچھ نہ کیا۔ تُو غافل ہے لیکن اپنے زخموں سے تو غافل نہ بن۔ بہادر بن، کلہاڑا پکڑ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرح خیبر کے اِس دروازے کو اُکھاڑ دے، یا اپنے آپ کو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کی طرح اپنی آگ کو دوست کے نور کے ساتھ وابستہ کر دے تاکہ اُس کا نور تیری آگ کو بجھا دے۔ اُس کا ملنا تیرے کانٹے کو

چُوں گرفتی پیر ہیں تسلیم شو	ہمچو مُوسیٰ زیرِ حُکمِ خضرؑ رَو
جب پیر بنالے خبردار! سر اطاعت رکھ دے	مُوسیٰ علیہ السلام کی طرح حضرت خضرؑ کے حکم کے ماتحت چل

گلستان بنادے گا۔ ناراور نور ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ قہر اور مہر ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ نور، نار کو اور مہر، قہر کو ختم کر دیتی ہے بُرے لوگ، بھلوں کی صحبت سے اسی لیے دُور بھاگتے ہیں کہ اُن کا مزاج ناری ہے اور بھلوں کا آبی۔

شیخ، ترکِ لذات کا حکم دیتا ہے اور عوام گریز کرتے ہیں۔ شیخ کی صحبت سے جب اخلاقِ رذیلہ کا ازالہ ہوتا ہے تو مرید خود اُس کی کیفیت محسوس کرتا ہے۔ اخلاقِ رذیلہ کے ازالہ سے اگر نفس میں بے چینی ہو تو اس سے پریشان نہیں ہونا چاہیے کیونکہ آگ پر پانی ڈالنے سے سُوں سُوں تو ہوتی ہے۔ بُرے اعمال سے اچھے اعمال بھی تباہ ہو جاتے ہیں۔ حدیث میں ہے کہ ''حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جیسے آگ لکڑی کو۔'' بعض گناہ ایسے ہوتے ہیں کہ اُن سے تمام نیکیاں ختم ہو جاتی ہیں۔ نفس کی اصلاح کے بعد اعمال کے سبب اچھے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

مولانا نے ایک قصہ بیان فرمایا ہے کہ تین مچھلیاں تھیں، ایک عاقل، ایک نیم عاقل اور ایک بے وقوف۔ شکاری جال لے کر آیا تو عقل مند فوراً دریا کی تہہ میں چلی گئی اور نجات پا گئی۔ بقیہ دو پھنس گئیں، نیم عاقل نے کچھ عقل سے کام لیا اور اپنے آپ کو مردہ بنالیا۔ شکاری نے اسے مردہ سمجھ کر پھر دریا میں پھینک دیا۔ بے وقوف نے جال میں اُچھل کود شروع کی، شکاری نے اُس کے کباب بنالیے۔ ساٹھ سال کی عمر بھی ایک جال ہے، اس سے پہلے پہلے دریائے حقیقت میں غوطہ لگالے! ورنہ آگ میں بُھننا پڑے گا۔ کیونکہ ساٹھ سال تک بھی نیکی نہ کی ہو تو بڑی رُسوائی ہے۔ خبردار اے مسافر! بے وقت ہو گیا ہے اور زندگی کا سورج کنویں میں ڈوب جانے کے لیے تیار ہے۔ اب بڑھاپے میں جوانی کا کام کرلے، جتنا بیج بچ گیا ہے اتنا ہی بو دے تا کہ آخرت میں اُس کے پھل اور پتے دیکھ سکے۔ جب تک یہ چراغ بجھا نہیں ہے اس کے لیے تیل اور بتّی مہیا کرلے۔

اچھے کاموں کو کل پر مُوخّر کرنے کی آفت

خبردار! ایسا نہ کہہ کہ کل شروع کروں گا۔ آج کا کام کل پر نہ ڈال۔ اس معاملے میں صرف باتوں سے کام نہیں چلے گا۔ سخاوت اور خیرات کو اپنا۔ بدن کی سخاوت یہ ہے کہ جسمانی لذتوں اور شہوتوں سے پرہیز کیا جائے اور اُس کو عبادت میں مصروف کیا جائے۔

حدیث میں ہے کہ سخاوت بہشت کا ایک درخت ہے۔ جو شخص سخی ہے اُس نے اِس درخت کی ایک شاخ کو پکڑ رکھا ہے۔ وہ شاخ اُس کو نہیں چھوڑتی جب تک کہ اُس کو بہشت میں داخل نہیں کرلیتی۔ اے انسان! تو حُسن کا یوسف ہے اور یہ جہان کنواں ہے اور رسی خدا کے حکم پر صبر کرنا ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ اُس نے ہمیں نجات کا ذریعہ بھی بتادیا ہے جو کہ توبہ

صبر کن بر کارِ خضرؑ اے بے نفاق
اے مخلص! خضرؑ کے کام پر صبر کر

تا نہ گوید خضر رَو ھٰذا فراق
تاکہ خضرؑ یہ نہ کہہ دے کہ جا یہ جدائی ہے

واستغفار ہے۔ اِس ذریعے سے خدا کے مقرّبوں میں داخل ہو جاؤ۔ جب کوئی بگولا اُٹھتا ہے تو گرد وغبار نظر آتا ہے اور ہوا جو کہ اُس کی اصل ہے نگاہوں سے چھپی رہتی ہے۔ انسان بگولے کو دیکھ کر سمجھتا ہے کہ گرد اُڑ رہی ہے۔ عالَمِ شہود میں بھی دراصل غیب کام کر رہا ہے، جیسے بگولے میں ہوا۔ اِس لیے اصل عالمِ غیب کو سمجھو۔ ہمارے ظاہری حواس، عالَمِ شہود کو دیکھتے ہیں۔ لیکن اللہ کے محبوب بندوں کی نظر عالمِ غیب کو دیکھتی ہے۔ عالَمِ ظاہر میں جو کچھ عمل ہو رہا ہے محض چھلکا ہے، فنا ہو جانے والا۔ اصل مُحرّک تو عالمِ غیب میں ہے جو ظاہری نظروں سے پوشیدہ ہے۔ حسی نظر صرف عالَمِ شہود کی چیزوں ہی کو جان سکتی ہے لیکن ظاہری آنکھ کا سوار بھی اللہ کا غیبی نور ہی ہے۔ گھوڑے کی آنکھ کی رہبری سوار کی آنکھ کرتی ہے ورنہ گھوڑے کے مدِ نظر تو گھاس اور دانہ ہی ہوتا ہے۔ اِسی طرح حسی آنکھ کے پیشِ نظر صرف لذائذِ دنیوی ہوتی ہیں۔ اگر نورِ بصر پر نورِ حق سوار ہوتا ہے تو اُس کو آخرت کی نعمتیں نظر آتی ہیں۔ نورِ بصیرت کے بغیر محض نورِ بصارت سے وصول اِلَی الْحَقّ ممکن نہیں ہے۔ قرآن میں "نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ" سے یہی مراد ہے۔

نورِ حسی انسان کو دُنیا کی طرف اِس لیے لے جاتا ہے کہ اُس کے جملہ محسوسات عالمِ اسفل کے ہیں۔ جن لوگوں کو نورِ حق حاصل ہو جاتا ہے اُن کی باتوں اور بھلے کاموں سے سمجھ لیا جاتا ہے کہ اُن کو نورِ حق حاصل ہے۔ نورِ بصارت جو کہ مادی چیز ہے وہ بھی نظر نہیں آتا تو نورِ بصیرت جو کہ نورِ ایمان ہے اور غیبی چیز ہے کیسے نظر آ سکتا ہے۔ اِس جہان نے عالَمِ غیب کی مہربانی سے عاجزی اختیار کر لی ہے۔ یہ عالم ہر اُس تصرّف کو قبول کر لیتا ہے جو عالَمِ غیب اُس میں کرتا ہے۔ کوئی قلم بغیر ہاتھ کے نہیں لکھتا' نہ کوئی گھوڑا بغیر سوار کے گھڑ دوڑ میں دوڑتا ہے۔ ظاہر ہے عالم کے جملہ تصرّفات کا کوئی کرنے والا ہے۔ قضا و قدر کے جس قدر تیر ہیں۔ وہ علیم و قدیر کے چلائے ہوئے ہیں اور اُن میں اُس کی کوئی حکمت پوشیدہ ہے۔

جنگِ بدر میں حضور ﷺ نے ایک مُٹھی خاک دشمنوں کی طرف پھینکی جس نے آندھی کے گرد وغبار کی طرح دشمنوں کی آنکھوں کو متاثر کیا۔ اگر کوئی تیر تجھے آ کر لگے تو اُسے قضا و قدر کی طرف سے سمجھ، اُس پر غم و غصہ نہ کر۔ غصہ کی حالت غلط بینی کا باعث ہوتی ہے۔ انسان کو ہمیشہ قضا پر راضی رہنا چاہیے۔ اِس جہان میں جو ذات حقیقتاً متصرّف ہے وہ ہماری نگاہوں سے پردہ میں ہے۔ ہر انسان کا دل قبضۂ قدرت میں ہے، جسے وہ ایک آن میں اُلٹ پلٹ دیتی ہے۔ ہر سالک کو چونکہ بہت سے مراتب طے کرنے ہوتے ہیں اِس لیے اُس کی راہ میں بہت سے خطرے بھی لاحق ہوتے ہیں۔ سالک مراتب حاصل کرنے کے بعد ہی مقامِ امن میں پہنچتا ہے۔ کمال حاصل کرنے کے بعد خطرات کا ازالہ ہو

دستِ اُو را حق چو دستِ خویش خواند
جب خُدا نے اُس کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ قرار دیا ہے

تا یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ براند
یہاں تک "اللہ کا ہاتھ اُس کے ہاتھ پر ہے" فرمایا ہے

جاتا ہے اور پھر نقصان کی طرف نہیں لوٹتا۔ کمالِ ابدیت کے بعد انسان کو ربّ کی طرف سے سلطانی عطا ہوتی ہے اور اُس سے باطنی تصرّفات سرزد ہوتے ہیں۔

مریدین کے دل، شیخ کے تصرّف سے کبھی قبض میں مبتلا ہوتے ہیں، کبھی بسط میں۔ پیر کے دل پر نقشِ خداوندی ہوتا ہے اور مرید کے دل پر پیر کا نقش اُبھرتا ہے۔ ہر حلقہ یا سلسلہ کے یکے بعد دیگرے جس قدر مرید ہوتے چلے جائیں گے اُن کی یہی صورت ہوگی۔ پیر کے دل کے نقشِ خداوندی کی وجہ سے مرید کے دل پر شیخ کی توجہ کی وجہ سے اَسرار و حکمت کے لاکھوں چشمے پھوٹتے ہیں اور خدانخواستہ شیخ کی توجہ کے ہٹ جانے سے یا بند ہو جانے سے معارف، کفریہ خیالات کا سبب بن جاتے ہیں۔ کوہ طور نے جب اُس پر خدا کی تجلّی پڑی قبول کرلی۔ پہاڑ تو فیوض کو قبول کرلے اور انسان اپنے اندر یہ صلاحیت پیدا نہ کرے تو بڑے شرم کی بات ہے۔ اِسی زندگی میں انسان کے دل اور اعضاء پر اللہ کے قرب کے فیوض طاری ہونے چاہئیں۔ ضروری ہے کہ بدن کو مجاہدات کے تیشہ سے اُکھاڑ پھینکا جائے۔ خواہ اس سے زندگی میں تکلیف محسوس ہو۔

اگر مجاہدات سے مقامِ فنا حاصل کرلیا تو مقامِ احسان حاصل ہو جائے گا۔ یہ مقام انسان کو بھلوں کی صحبت ہی سے حاصل ہوسکتا ہے۔ مقامِ فنا میں پہنچ کر انسان خدائی رنگ میں رنگا جاتا ہے، جیسے لوہا آگ میں فنا ہو کر لوہا ہوتے ہوئے بھی آگ کی صفات کا حامل ہو جاتا ہے۔ جیسے وادی ایمن میں درخت میں سے ''اِنِّیْ اَنَا اللّٰهُ'' کی آواز آتی تھی۔ منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ کے اَنَا الْحَق کہنے کی وجہ یہ تھی کہ وہ فنائیتِ کُلّی کی وجہ سے صفاتِ خداوندی سے مُتصف ہوگئے۔ جیسے لوہا سُرخ ہو کر زبانِ حال سے اپنے آگ ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اِسی طرح بعض اہل اللہ بھی جب اخلاقِ خداوندی حاصل کرلیتے ہیں تو وحدت کے مُدّعی ہو جاتے ہیں۔ انسان میں جب اخلاقِ خداوندی پیدا ہو جاتے ہیں تو اُس میں مسجود ہونے کی صفتِ خداوندی پیدا ہو جاتی ہے۔ ذاتِ حق کو آگ سے تشبیہ نہیں دی جاسکتی۔ یہ بات محض سمجھانے کے لیے تھی اِس لیے اِس معاملے میں خاموش رہنا بہتر ہے۔ ذات وصفات کی بحثیں ناپیدا کنار سمندر ہیں، اُن میں نہ گھسنا چاہیے۔ میرے (مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ) جیسے سینکڑوں عالم بھی مل جائیں تو ان بحثوں کو نہ سلجھا سکیں۔ (فرماتے ہیں) بے شک یہ ایک نازک کام ہے لیکن میں ذات وصفات کے ذکر کے بغیر صبر نہیں کرسکتا۔ میں بطخ کی طرح ہوں جو اپنے آپ کو دریا کے سُپرد کر دیتی ہے کہ جس طرف چاہے بہالے جائے۔ ذات وصفات کے ذکر میں غلبہ حال میں کبھی سوئے ادب بھی ہو جاتا ہے۔ لیکن ذکر کرنا بہرحال ذکر نہ کرنے سے بہتر ہے۔ شیخ خدائی حوض کی طرح ہوتا ہے، جس کا تعلق

زندہ چہ بُود جانِ پایندش کُند زندہ کیا ہوتا ہے اُس کو ابدی زندگی عطا کرتا ہے	دستِ حق میراندش زندش کُند اللہ تعالیٰ کا ہاتھ اسکو مارتا ہے تو اُسکو زندہ کرتا ہے

دریائے باطن سے ہوتا ہے۔ شیخ کے باطن کا اِتصال ذاتِ باری سے ہے۔ نیک لوگوں کو بھی شیخ کا دامن تھامنا چاہیے۔ ورنہ اُن کی محدود پاکی کسی دن ختم ہو جائے گی۔

پانی کی ناپاکوں کو پاکی کی طرف بُلانے کی مثال

کسی ناپاک کو پانی میں جانے سے شرم محسوس نہیں کرنی چاہیے۔ یعنی باطنی طہارت حاصل کرنے کے لیے شیخ سے تعلق قائم کرنے میں حجاب نہیں ہونا چاہیے۔ انسان کے بدن میں دو حوض ہیں، ایک بُرے خصائل کا مخزن ہے دوسرا بھلائیوں کا۔ بھلائیوں کا مخزن حوضِ دل ہے۔ دونوں قسم کے اخلاق کے مخزن ملے جُلے ہیں۔ راہِ سلوک میں اگر کوئی غلطی بھی ہو جائے تو بھی منازل طے کرنے میں توقف نہیں ہونا چاہیے۔ دربارِ حق کی حاضری شکرّ سے بھی زیادہ شیریں ہے۔ اگر اس کے حصول میں جان بھی چلی جائے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ عشقِ الٰہی کے سلسلے میں ملامت کی پروا نہیں کرنی چاہیے۔ عشق وہی کام کرتا ہے جو آگ کی بھٹی کرتی ہے۔ فنا کے بعد ہی بقا حاصل ہوتی ہے۔ یاد رکھو! غمِ عشق، جاں گداز نہیں بلکہ جان فزا ہے۔ عاشق کے لیے غم موجب اطمینان ہوتا ہے۔ سمندر پالتو مرغ کے لیے ہلاکت لیکن بطخ کے لیے باعثِ مسرّت ہوتا ہے۔ عشق کی پیدا کردہ کیفیات انسان میں نئی قسم کے جنون پیدا کرتی ہیں، جو کہ باعثِ صد رحمت ہوتے ہیں۔

دوستوں کا شفاخانہ میں ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کی مزاج پُرسی کے لیے آنا

ذوالنون (مچھلی والا) حضرت ثوبان بن ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کا لقب پڑ گیا جو کہ بہت بڑے بزرگ تھے۔ ایک سفر میں کشتی میں سوار تھے، کشتی میں سے ایک تاجر کا قیمتی موتی چوری ہو گیا۔ لوگوں نے اُن پر اِلزام لگایا۔ عاجز آ کر اُنہوں نے دُعا شروع کی تو سینکڑوں مچھلیاں اپنے اپنے منہ میں موتی لیے ظاہر ہوئیں۔ اُنہوں نے ایک موتی پکڑ کر تاجر کو دے دیا۔

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ذوالنون رحمۃ اللہ علیہ کا عشق بہت اعلیٰ درجے کا تھا۔ وہ اپنے عشق میں دُنیا کے ریاکاروں کا پردہ فاش کر دیتے تھے۔ فتنہ پیدا کرنا ممنوع ہے۔ لیکن ذوالنون رحمۃ اللہ علیہ مجبور تھے۔ اُن کو قید خانے میں ڈال دیا گیا۔ حق گو بزرگوں کی جان کو خطرے لاحق ہوتے ہیں۔ عوام بزرگوں کے باطن کو نہیں سمجھتے، اُن کے ظاہر پر اُنہیں ملامت کرتے ہیں۔ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ لاکھوں موتیوں والا سمندر ایک قطرے میں ہے اور معرفت کا آفتاب ایک ذرّے میں ہے۔ لوگ ایسے آفتابوں کی قدر نہیں کرتے اور اگر اختیار اور اقتدار بے عقلوں کے ہاتھ میں ہو

یار باید راہ را تنہا مرو　　از سرِ خود اندریں صحرا مشو
راہِ عشق میں کوئی راستہ کا یار چاہیئے تنہا نہ جا　　اِس جنگل میں تنہا نہ جا

تو منصور رحمۃ اللہ علیہ جیسے ضرور سولی چڑھ جاتے ہیں۔ گم گشتہ قوموں نے نبیوں سے کہا کہ ہم تمہیں منحوس سمجھتے ہیں۔

بعض محبت کرنے والے بھی کبھی کبھی جہالت کے مرتکب ہوتے ہیں۔ عیسائی کہتے ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دے دی گئی۔ اگر وہ اپنے آپ کو نہ بچا سکے تو یہ اُن کے ذریعے اپنی نجات کے کیسے قائل ہیں۔ اولیاء رحمہم اللہ کا وجود بھی انبیاء علیہم السلام کی طرح عذاب کے دفع کرنے کا موجب ہوتا ہے۔ وَاَنْتَ فِيهِمْ (آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے۔ جب تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُن میں موجود ہیں اُن پر عذاب نہ آئے گا) لیکن اگر لوگ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء رحمہم اللہ کو ستانے لگ جائیں تو عذاب سے نہیں بچ سکتے۔ لوگ حسد کی وجہ سے انبیاء علیہم السلام اور اولیاء رحمہم اللہ کے مخالف ہوتے ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو بھائیوں نے حسد کی وجہ سے کنویں میں گرا دیا لیکن بعد میں مجبور ہو کر اِقرار کرنا پڑا۔ اُنہوں (بھائیوں) نے کہا تھا کہ اُنہیں بھیڑیا کھا گیا' اِسی لیے آخرت میں حاسدوں کا حشر بھیڑیوں کی شکل میں ہوگا۔ حرامخور کا حشر خنزیر کی صورت میں ہوگا۔ زنا کاروں کی شرمگاہیں سڑتی ہوں گی۔ دلوں میں چھپی ہوئی گندگیاں نمایاں ہو جائیں گی۔ انسانوں کے باطن میں بھی بہت سی بُری خصلتیں ہوتی ہیں۔ جو خصلت زیادہ غالب ہوگی، اُسی پر اِس کا حشر ہوگا۔ صحبت سے انسانوں میں اچھے یا بُرے اخلاق جڑ پکڑتے ہیں۔ حیوانات' انسانوں کی صحبت سے متاثر ہوتے ہیں تو انسان پر کیسے اثر نہ ہوگا۔ انسان کی صحبت سے کتے میں کام کرنے کی حرص پیدا ہو جاتی ہے اور وہ بھیڑوں کا چرواہا بن جاتا ہے۔ قطمیر نامی اصحاب کہف کا کتا محض اچھی صحبت کی وجہ سے جنت میں جائے گا۔ صحبت کی وجہ سے ایک سینے سے خیالات دوسرے سینے میں منتقل ہوتے ہیں۔ اِس لیے مُفید راستے سے کچھ حاصل کرنا ہے تو عارفوں کے دل کے پاکیزہ خیالات حاصل کرو۔

مُریدوں کا سمجھنا کہ ذُوالنُّون رحمۃ اللہ علیہ پاگل نہیں ہُوئے، قصداً ایسی صُورت بنائی ہُوئی ہے

ذوالنون رحمۃ اللہ علیہ قید خانہ میں خوش تھے۔ اُن کے بارے میں لوگوں کی مختلف آراء تھیں۔ کوئی کہتا تھا: جان بوجھ کر دیوانے بنے ہوئے ہیں، کوئی کہتا تھا: خدا نے دیوانہ بنا دیا ہے۔ کوئی کہہ رہا تھا کہ یہ ممکن نہیں کہ اُن جیسے عقل مند سے دیوانگی کی باتیں سرزد ہوں۔ کوئی کہتا: عقل مند لوگ باعث ننگ کام کرنے لگے ہیں' اِس لیے اُنہوں نے اپنے آپ کو دیوانہ بنا کر اُن کے زُمرے سے خود کو خارج کر لیا ہے اور کوڑے سے اپنے آپ کو پٹوا رہے ہیں۔ جیسے موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں چمڑہ لگنے سے مردہ زندہ ہو گیا تھا اور اُس نے قاتل کا پتہ دیا تھا۔ یہ بھی فنا ہو کر اَسرارِ الٰہی منکشف کریں گے تا کہ شیطان جو کہ انسانوں کا قاتل ہے کے مکر و فریب کو پہچان جائیں۔

ہر کہ تنہا نادر ایں رہ را بُرید
(ایسا کم ہے کہ تنہا کسی نے یہ راستہ طے کیا ہو)

ہم بعونِ ہمتِ مرداں رسید
(وہ بھی بزرگوں کی باطنی توجہ کی وجہ سے پہنچا ہوگا)

ذُوالنُّون مصری رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت کی طرف رُجوع

وہ لوگ قید خانہ میں اُن رحمۃ اللہ علیہ کے پاس پہنچے اور کہا: اے عقل کے دریا! آپ پر یہ جنون کا اِلزام کیسا ہے؟ ہم سے نہ چھپائیں، ہم دوست ہیں، ہمارے ساتھ ایسی بے رخی اچھی نہیں۔ جب ذوالنون رحمۃ اللہ علیہ نے اُن کی باتیں سنیں تو اُن کو آزمانے کا ارادہ کیا۔ اُن سے گالی گلوچ کرنے لگے اور اُن پر پتھر پھینکنے لگے۔ وہ ڈر کے مارے بھاگ گئے۔ یہ ہنسے اور بولے: یہ کیسے دوست تھے؟ دوستوں کو جان کی فکر کب ہوتی ہے؟ دوست کے ستانے سے دوست کب بھاگتا ہے؟ دوستی چھلکا ہے اور دوستی کی تکلیف اُس کا مغز ہے۔ دوستی کی علامت تو یہی ہے کہ راضی برضاء رہا جائے۔

حضرت لُقمان رحمۃ اللہ علیہ کے آقا کا اُن کی ذہانت کو آزمانا

حضرت لقمان رحمۃ اللہ علیہ اگرچہ غلام زادے تھے لیکن اپنے آقا کی نظر میں بہت عزیز تھے کیونکہ نفسانی خواہشات سے آزاد تھے۔ ایک بادشاہ نے ایک بزرگ سے کہا: مجھ سے کچھ مانگ لیں۔ بزرگ نے کہا: اے بادشاہ! تجھے شرم آنی چاہیے۔ اِس مقام سے بلند ہو کر بات کر۔ میرے دو حقیر غلام ہیں اور وہ دونوں تیرے حاکم ہیں۔ بادشاہ بولا: وہ کون سے؟ بزرگ بولا: ایک غصہ اور دوسرا شہوت۔ اے بادشاہ! شاہ وہ ہے جو بادشاہی سے بے نیاز ہو۔ ایسا انسان وہ خزانہ رکھتا ہے جس کے سامنے تیرا خزانہ ذلت ہے۔ یہ دُنیا عجیب ہے، یہاں قیمتی چیز کو کم قیمت اور کم قیمت کو قیمتی سمجھا جاتا ہے۔ اپنی ظاہری عزت اور ذلت کے خیال سے بے عقلی کے کام کرتے ہیں۔ کپڑوں سے انسان کو پہچانتے ہیں، اُس کی حقیقت پر نظر نہیں رکھتے۔

بعض لوگ ظاہری مکاری اور چرب زبانی کو دیکھ کر کسی کے زُہد کے قائل ہو جاتے ہیں۔ کسی کو حقیقی طور پر پہچاننے کے لیے نورِ قلبی درکار ہے، جس کے ذریعے بغیر بات کئے اور کام دیکھے انسان کو پہچانا جا سکتا ہے۔ کامل پیر پر مرید کے دل کے اَحوال منکشف ہو جاتے ہیں۔ جس طرح خیالات انسان کے دل میں گھس جاتے ہیں اِسی طرح اللہ کا خاص بندہ بھی دل میں گھس کر پوشیدہ اَحوال جان لیتا ہے۔

حضرت لقمان رحمۃ اللہ علیہ نے جان بوجھ کر ظاہری طور پر غلامی اِختیار کر رکھی تھی۔ دراصل وہ آقا تھے۔ اللہ کے بندے بعض اوقات اجنبی جگہوں پر مصلحت کی بناء پر اکثر اپنے آپ کو غلام اور غلام کو شاہ ظاہر کر دیا کرتے ہیں۔ اپنے آپ کو بادشاہ ظاہر کرنے میں بہت سے خطرات ہوتے ہیں۔ بہت سے بزرگ اپنی بزرگی کو چھپانے کے لیے معمولی کام اِختیار کر لیتے ہیں تاکہ عوام کی نگاہوں سے چُھپے رہیں۔ جو لوگ حرص و ہوا کے غلام ہوتے ہیں وہ ہمیشہ اپنی بڑائی ظاہر کرنے

دستِ پیر از غائباں کوتاہ نیست پیر کا ہاتھ غیر حاضر لوگوں سے بھی، کوتاہ نہیں ہے	دستِ اُو جز قبضۂ اللہ نیست اُس کا ہاتھ اللہ تعالیٰ ہی کا ہاتھ ہے

میں لگے رہتے ہیں۔ بزرگ ہمیشہ فروتنی سے کام لیتے ہیں۔ حقیقت میں لقمان رحمۃ اللہ علیہ آقا ہیں اور اُن کا آقا غلام ہے۔ اسی طرح اس عالم میں اور آخرت میں بہت سی چیزیں ہیں، جو ظاہر کے برعکس ہیں۔

کمال کو دوسروں کی نگاہوں سے چھپانا بھی ایک کمال ہے لیکن اپنی نگاہوں میں اپنے کمالات، کمال نہ ہوں تب کمال ہے۔ اپنے آپ کو غلام سمجھتے ہوئے مزدوری کیے جاؤ تب ہی اپنی بُرائیوں کو اپنے آپ سے چُرا کر غائب کر سکو گے۔ کبھی افیون کھلا کر لوگ اپنی خودی کو مٹاتے ہیں کیونکہ خودی کے مٹنے سے اِصلاح ہوگی۔ موت کے وقت جسمانی تکلیف کی طرف توجہ ہوتی ہے تو رُوح چوری چلی جاتی ہے۔ انسان کی جس چیز کی طرف توجہ رہے وہ بچ جاتی ہے اور جس سے غفلت برتتا ہے چوری ہو جاتی ہے۔ قیمتی چیز یعنی اللہ کی طرف توجہ رکھو۔ جس چیز کی انسان کو فکر ہوتی ہے اُس کی جانب چور نہیں آتا۔ تاجر کا مال پانی میں گرنے لگتا ہے تو وہ قیمتی سامان کو قابو کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اللہ کی محبت قیمتی چیز ہے، یہ ساتھ جاتی ہے، اِس لیے اس کی حفاظت کر۔

اِمتحان کرنے والوں پر حضرت لقمان رحمۃ اللہ علیہ کی بزرگی ظاہر ہونا

جب حضرت لقمان رحمۃ اللہ علیہ کے آقا نے اُن کو پہچان لیا تو اُن کا غلام بن گیا۔ محبت کی وجہ سے اُن کا جھوٹا کھاتا، جو وہ نہ کھاتے اُسے ضائع کرا دیتا۔ اُن کی محبت سے مستی حاصل کرتا تھا۔ تحفے میں کہیں سے خربوزے آئے۔ آقا نے لقمان کو بلوایا۔ اپنے ہاتھ سے ایک قاش کاٹی اور لقمان کو دی۔ وہ اُسے شکر سمجھ کر کھا گئے۔ چونکہ اُنہوں نے خوشی سے کھایا تھا لہٰذا آقا قاشیں دیتا رہا۔ وہ سترہ قاشیں کھا گئے، ایک بچ گئی۔ جب اُس نے کھائی تو کڑواہٹ سے منہ جل گیا۔ تھوڑی دیر بے چین رہا۔ جب ٹھیک ہوا تو پوچھا: اے جانِ عالم! تم نے اِس قدر کڑواہٹ کیسے کھالی؟ کیوں نہ کوئی عذر کر دیا کہ نہیں کھا سکتا؟ حضرت لقمان رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: تیرے سخی ہاتھ سے اِس قدر اچھے اچھے کھانے کھائے ہیں، مجھے شرم آتی ہے اگر تیرے ہاتھ سے ایک کڑوی چیز نہ کھاؤں۔ اگر میں ایک کڑوی چیز پر واویلا کروں تو مجھ پر لعنت ہے۔ تیرے محبت بھرے ہاتھ نے خربوزے میں کڑواہٹ چھوڑی ہی کب تھی۔ محبت کی وجہ سے کڑوی چیزیں میٹھی ہو جاتی ہیں۔ کانٹے پھول بن جاتے ہیں، قید خانہ چمن بن جاتا ہے، آگ نور بن جاتی ہے، محبت کا ڈنک شہد بن جاتا ہے۔ محبت سے گھر روشن ہو جاتا ہے۔ محبت مُردوں کو زندہ کر دیتی ہے، بادشاہ غلام بن جاتے ہیں۔ یہ محبت بھی سمجھ کا نتیجہ ہوتی ہے۔ ناقص عقل نے عشق کب جنا ہے۔ ناقص عقل بھی عشق پیدا کرتی ہے لیکن غیر واقعی معشوق کے ساتھ۔ ناقص عقل جب کسی چیز پر محبوبِ حقیقی کا عکس دیکھتی ہے تو اُس کی گرویدہ ہو جاتی ہے اور دھوکا کھا جاتی ہے، جیسے پرندہ شکاری کی سیٹی کی آواز

غائباں را چوں چنیں خلعت دہند	حاضراں از غائباں لاشک بہند
جب وہ غیر حاضر لوگوں کو ایسا انعام دیتے ہیں	تو لامحالہ حاضر لوگ غیر حاضروں سے بہتر ہیں

سے دھوکا کھا کر جال میں پھنس جاتا ہے۔ باعثِ لعنت وہ بُرائی ہوتی ہے جس کا ازالہ ممکن ہو اور نہ کیا جائے۔

بے عقل انسان عاقلوں کی صحبت میں رہ کر عقل حاصل کرسکتا ہے۔ ہر سرکش کافر کا کفر عقل کی کمی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ ناپائیدار عشق ایسا ہی ہے جیسے دریا کی جھاگ پر گھوڑا دوڑانے کی کوشش یا آسمانی بجلی کی روشنی میں خط پڑھنے کی کوشش۔ عقل وہ ہے جو انجام پر نظر رکھے۔ نفس کوتاہ اندیش ہے، فوری فائدے کا طالب ہے۔ اگر انسان وساوسِ قلبی میں مبتلا ہو تو اُن کے دَر پے نہ ہو بلکہ یہ مراقبہ کرے کہ یہ وسوسے بھی اللہ کی جانب سے ہیں تو وساوس کی نحوست ختم ہو جاتی ہے اور عروج کی سعادت حاصل ہو جاتی ہے۔ انسان کے اَحوال کی تبدیلی میں مصلحت یہ ہے کہ عاقبت کی قدر اُسی کو ہوتی ہے جو مصیبت میں پھنس چکا ہو۔ قرآن پاک میں ہے: اَلسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ ○ اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ یعنی دائیں، بائیں والوں یعنی جنتیوں اور دوزخیوں سے آگے گزر کر سابقوں یعنی مُقرّبوں میں داخل ہو جاؤ۔ عقلِ کامل ہو تو ایسی ہو جیسی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جو کہ دشمنوں کی آگ میں بھی آخرت کا منظر دیکھ رہے تھے۔ جسم کی دُنیا غلطی میں مبتلا کرنے والی ہے۔ سوائے اُس کے جو خواہشِ نفسانی سے بچا۔

بادشاہ کے خاص غلام پر غلاموں کا حسد

باغبان اپنے سب درختوں کو پہچانتا ہے اور اُن سے اُن کی حیثیت کے مطابق معاملہ کرتا ہے۔ ایک درخت ایسا قیمتی ہوتا ہے کہ جو بہت سوں سے بڑھا ہوا ہوتا ہے۔ بظاہر سب درخت یکساں ہیں۔ اِسی طرح پیر بھی سمجھتا ہے کہ کون سا مرید آخر میں کون سے مرتبے پر ہوگا۔ حاسدوں کی آنکھ جانوروں کی آنکھ جیسی ہوتی ہے جو محض جسمانی غذا ہی کو دیکھتی ہے۔ حاسدوں کے اعمال کے پھل تلخ تھے اِسی لیے وہ خفیہ طور پر خاص غلام کی جڑ دُنیا سے کاٹنا چاہتے تھے۔ یہ نہیں جانتے تھے کہ اُس کی جڑ اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں تھی۔ بادشاہ اُن کے رازوں سے واقف تھا لیکن ابوبکر ربابی رحمۃ اللہ علیہ کی طرح خاموش تھا جو کہ ایک ولی تھے اور سات سال تک بالکل خاموش رہے۔ بادشاہ اُن کی تدبیروں پر ہنستا تھا کہ اُنہوں نے سب کچھ بادشاہ ہی سے سیکھا تھا۔ وہ شاگرد بدبخت ہے جو اپنے اُستاد سے مقابلہ کرے۔ اُستاد بھی وہ جو رُوحانی اُستاد ہے، جس کے سامنے ہر شخص کا ظاہر و باطن یکساں ہے۔

حدیث میں ہے ”مومن کی فراست سے ڈرو، وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔“ معصیتوں والے دل میں سوراخ ہوتے ہیں۔ وہ بہت کوشش کرتا ہے کہ میرا راز کسی کو پتہ نہ چلے مگر اُس کے جعلی پردے کے پیچھے دل کا ہر سوراخ راز بتا دیتا ہے۔ پیر، مرید کے دل کی حالت معلوم کر لیتا ہے۔ مرید کا دل بتا دیتا ہے کہ وہ جھوٹا ہے۔ پیر اپنی شرافت کی وجہ سے مرید

کے راز کا اظہار نہیں کرتا اور اُس کی ہاں میں ہاں ملا دیتا ہے۔ پیر' مرید کے کاموں سے خوش ہو کر ہنسے تو مرید فیوض سے مالا مال ہو جاتا ہے۔ اگر مرید حسِ باطن سے بے بہرہ ہو تو وہ نہ تو فیوض کو سمجھے گا' نہ اُن کی آمد کو اور نہ ہی اُن سے محرومی کو۔ کورِ باطن کو جب یہ نظر نہیں آتا کہ اُس کی رُوح پر خزاں طاری ہے تو وہ پیر کے غصّے کے اثرات کو بھی نہیں سمجھ سکتا۔ یاد رکھو! پیر کی ناراضگی سے قلب سیاہ ہو جاتا ہے۔ جس طرح کاتب کا اثر کاغذ پر آتا ہے' اِسی طرح پیر کا اثر رُوح پر پڑتا ہے اور مرید کی قلبی حالت ہی اُس کی اچھائی یا بُرائی کا معیار ہے۔ شیخ کے انوار مختلف انواع کے ہوتے ہیں، جیسے دھنک کے مختلف رنگ ہوتے ہیں، اولیاء رحمہم اللہ "اللہ" کے مظہر ہوتے ہیں۔ بلقیس نے حضرت سلیمان علیہ السلام کا خط اُن کا مظہر سمجھ کر قبول کر لیا اور ہُد ہُد کی حقارت کو مدِ نظر نہ رکھا۔

حضرت سُلیمان علیہ السلام کی تعظیم کا عکس بلقیس کے دِل پر ہُد ہُد کی صُورت کے ذریعے

اُس بلقیس پر سو گنا رحمت ہو جس کو خدا نے سینکڑوں مردوں کی عقل عطا فرمائی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہُد ہُد کے ذریعے اپنا خط اُسے بھیجا۔ ظاہری آنکھ میں وہ ہُد ہُد تھا مگر چونکہ وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا قاصد تھا۔ لہٰذا باطنی نگاہ نے اُسے عنقا سمجھا۔ وہ چیزیں جو بظاہر حقیر ہوتی ہیں لیکن بباطن عظیم، اُن کے بارے میں عقل اور حس میں جنگ ہوتی رہتی ہے۔

کافر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری بشریت کو دیکھتے تھے اور اُن کی رُوحانی عظمت جس کا کرشمہ شقُّ القمر کا معجزہ ہے اُس کو نہیں دیکھتے تھے۔ محض ظاہر کو دیکھنے والی نگاہ عقل و مذہب کی دشمن ہوتی ہے۔ اللہ نے فرمایا: "آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما دیجیے، کیا اندھا اور بینا برابر ہو سکتے ہیں۔" اِس آیت میں اندھے سے وہ مراد ہیں' جو قلبی نظر سے محروم ہیں۔ کافروں کی ظاہر بین نظر نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا صرف ظاہر دیکھا' رُوحانی قوتوں کو نہ دیکھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو ایک عظیم خزانہ تھے اِس میں اُنہیں صرف کوڑی اور دمڑی نظر آئی۔ ایک قطرہ جو دریائے وحدت کا پیغام بر بنا ساتوں سمندر اُس قطرے کے پابند ہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام کی مٹی چونکہ اللہ کے لیے چست ہی، اُس مٹی کے آگے مملوک نے سر رکھ دیا۔ مٹی کو دیکھ لے! تیزی سے عرش سے بھی اونچی چلی گئی۔ لطافت آب و گل کی نہیں، ایجاد کرنے والے خدا کی دَین ہے۔ وہ حاکم ہے' جو چاہے وہ کرتا ہے۔ چاہے تو درد کو دوا بنا دے۔ آسمان کے راستے کو پَیروں سے طے کرا دے۔ کِس کی مجال کہ کہے "کیوں"۔ تُعِزُّ مَنۡ تَشَآءُ (جس کو چاہے عزت دے) ایک خاکی کو عرش پر بلا لیا اور آتشی کو کہا کہ جا شیطان بن کیونکہ میں تصرّف کرنے میں ہمیشہ باقی رہنے والا ہوں۔ میرا کام بغیر کسی علت کے ہوتا ہے۔ کسی کسی وقت اپنی عادت کو بدل

نرم گوید سخت گوید خوش بگیر
(پیر) نرم بات کہے یا سخت خوشی سے قبول کر

تا کند بر جملہ میرانت امیر
تاکہ تجھے تمام سرداروں کا سردار بنا دے

دیتا ہوں۔ میں سمندر کو کہہ دوں آگ بن جا۔ آگ کو کہہ دوں گلشن بن جا۔

آیت "اگر تمہارا پانی نیچے اُتر جائے" پر فلسفی کا انکار

قرآن میں اللہ نے فرمایا ہے کہ اگر میں پانی کو پوشیدہ کردوں تو چشمے خشک ہو کر ریگستان بن جائیں۔ ایک فلسفی بولا: ہم زمین کھود کر پانی نکال لیں گے۔ رات کو فلسفی سویا تو ایک مرد کو دیکھا۔ اُس نے فلسفی کے منہ پر طمانچہ مارا اور دونوں آنکھوں سے اندھا کردیا اور اُسے کہا: اگر تُو سچا ہے تو کھود کر روشنی نکال لے۔ اگر وہ توبہ کرتا اور روتا تو اللہ کی مہربانی سے نور ظاہر ہوجاتا لیکن توبہ بھی تو اپنے بس میں نہیں ہے۔ اس کے لیے بھی توفیقِ الٰہی کی ضرورت ہے۔ حضرت شعیب علیہ السلام جیسا کوئی کہاں ہے کہ اُن کی دُعا سے پہاڑ پر بونے کے لیے مٹی بن گئی یا مقوقس (شاہِ مصر) کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی وجہ سے پتھریلی زمین پیداوار والا کھیت بن گئی۔ اسی طرح بداعتقادی انسان کے دل کو پتھر بنا دیتی ہے۔ ہر دل کو سجدہ کرنے کی بھی اجازت نہیں ہے۔ لیکن خبردار! اس بھروسے پر گناہ نہ کر کہ میں توبہ کرلوں گا۔ صرف وہی دُعا گناہ مٹاتی ہے جو سوزشِ دل اور آنسوؤں سے ہو۔ کیونکہ پھل پکنے کے لیے گرمی اور پانی کی ضرورت ہوتی ہے اور اعمال کا پھل دل کی گرمی اور آنکھ کے آنسوؤں سے پکتا ہے۔ جیسے موسم بہار کی بہاریں اَبر و برق پر موقوف ہیں، اسی طرح دل کی کھیتی اندرونی سوزش اور آبِ چشم پر موقوف ہے۔ جب بہار آتی ہے تو چشمے بہہ نکلتے ہیں۔ اسی طرح دل کے سوتے دل کی گرمی اور رونے سے کھلتے ہیں۔ موسمِ بہار میں تو بہارانِ چمن کو خدا نیا لباس عطا فرماتا ہے۔

ایک عابد برگ و درختانِ سبز کو معرفتِ کردگار کا ذریعہ بتاتا ہے لیکن جو معرفت سے خالی ہے اُس کی نظر مصنوع پر جا کر رک جاتی ہے، صانع تک نہیں پہنچتی۔ نشانی سے وہ خوش ہوتا ہے جس نے شاہ کو دیکھا ہو۔ جس نے عہدِ الست کے وقت اپنے رَبّ کو دیکھا ہو وہی نشانیوں سے مست ہوگا۔ اسی طرح آیاتِ الٰہیہ سے اللہ کی ذات پر دلالت ہوتی ہے۔ ایک عارف کو آیات دیکھ کر ذاتِ حق یاد آجاتی ہے۔ مثلاً اگر خواب میں کوئی آکر تم سے کوئی وعدہ کرے اور نشانیاں بتا دے تو جب وہ نشانیاں سامنے آئیں گی تو تم پر کیسی کیفیت طاری ہوگی۔ مثلاً مقصد پورا ہوجانے کی پہلی نشانی یہ ہے کہ صبح کو ایک سوار آئے گا، دوسری یہ ہے کہ وہ بغل گیر ہوگا، تیسری یہ ہے کہ وہ ہنسے گا، چوتھی یہ ہے کہ وہ ہاتھ باندھ کر سامنے کھڑا ہوگا، پانچویں یہ ہے کہ تُو یہ خواب کسی سے بیان نہ کرسکے گا۔ حضرت زکریا علیہ السلام کو جب حضرت یحییٰ علیہ السلام کی پیدائش کی بشارت دی گئی تھی تو تین روز تک بات نہ کرنے کا حکم بھی دیا گیا تھا۔ یہ وہ ہے جس کے لیے وہ راتوں کو روتے رہے

آید از خواجہ رہِ افگندگی　　نآید از بندہ بغیر از بندگی
آقا سے خاکساری کا طریقہ آتا ہے　　اللہ کے بندے سے بندگی کے سوا کچھ نہیں آتا ہے

اور صبح سویرے عاجزی سے دُعائیں کرتے رہے۔ اُنہوں نے اپنی نیند اور چہرے کی رونق سب اس تمنا میں گنوادی۔ وہ آگ کی طرح جلتے رہے۔ کسی مطلوب کے عاشقوں کو اس طرح کی آزمائشوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔

اے شاہ سوار! تیری دولت ہمیشہ باقی رہے۔ عاشقوں پر رحم کر اُن کو معذور سمجھ۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ''جس نے کوشش کی اُس نے پایا''۔ عاشق مقصد حاصل ہونے کی جو جو نشانی دیکھتا، اُس میں جان پڑتی جاتی تھی جیسے پانی کو دیکھ کر مچھلی میں جان پڑ جاتی ہے۔ اُس کے لیے محبوب کی نشانیاں آیاتِ قرآن کی طرح یقینی ہیں۔ انبیاء علیہم السلام میں جو نشانیاں ہیں اُن سے وہی متاثر ہوتا ہے جس کو حق تعالیٰ سے شناسائی ہو۔ انبیاء علیہم السلام کی نشانیاں ذرّوں کی طرح بے شمار ہیں۔ دیوانہ عاشق اُن کو کیا گن سکتا ہے۔ اُن کی لاتعداد نشانیوں میں سے کچھ بیان کی جاتی ہیں۔ اللہ کی ذات اور نشانیوں کا بیان صحیح طور پر ممکن نہیں۔ کوئی تجلی غیرت میں آ گئی تو پھونک ڈالے گی۔ ہر قسم کا فائدہ اللہ کی مہربانی پر موقوف ہے۔ اُس کا ذکر کرو، یہ مفید ہے۔ خواہ ہم اُس کی حمد و ثناء میں اُس کی شایانِ شان باتیں نہ بھی کہہ سکیں لیکن اُس کی ذات اور صفات کو ممکنات کی صفات سے تشبیہ دے کر سمجھا جاتا ہے۔ ظاہر ہے اُس کی ہر مثال ناقص ہوگی۔ خدا کی ذات مثالوں سے پاکیزہ ہے۔ لیکن چوں کہ انسان مادی چیزوں کو سمجھنے کا عادی ہوتا ہے اِس لیے مادی چیزوں کی مثال دے کر ہی اُس کو اللہ کی صفات سمجھائی جاسکتی ہیں۔ اگر اللہ کی تعریف میں ہم یہ کہیں کہ وہ انسان کی طرح عاجز نہیں ہے تو یہ ایسا ہی ہے کہ کسی بادشاہ کی تعریف میں ہم یہ کہیں کہ وہ جولاہا نہیں ہے۔

ایک چرواہے کی دُعا پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا انکار

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک چرواہے کو راستے میں دیکھا۔ وہ کہہ رہا تھا: اے کریم! تُو کہاں ہے؟ تاکہ میں تیرا نوکر بنوں، میں تیرے جوتے سیوں، تیرے سر میں کنگھی کروں، تیرے کپڑے دھوؤں، تیری جوئیں ماروں، تجھے دودھ پیش کروں، اگر تُو بیمار ہو تو تیرا غم خوار بنوں، تیرے پیر دباؤں، تیرے ہاتھ چوموں، سوتے وقت تیرا بستر صاف کروں۔ اگر مجھے تیرے گھر کا پتہ مل جائے تو صبح و شام، دودھ اور گھی تیرے لیے لاؤں۔ میری ساری بکریاں تجھ پر قربان، تیری ذات کے لیے میری یہی آہ و زاری ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا: تُو کس سے مخاطب ہے؟ اُس نے کہا: جس نے ہمیں پیدا کیا اور یہ زمین و آسمان بنائے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بولے: تُو پاگل ہو گیا ہے۔ تُو یہ کیا کفر بک رہا ہے۔ اپنے منہ میں روٹی ٹھونس لے، تُو نے اپنی بکواس سے عالم کو بدبودار بنا دیا ہے۔ کیا تُو جانتا ہے کہ خدا حاکم ہے؟ اور اس طرح کی خدمت سے بے نیاز ہے۔

پس ازاں عالم بدیں عالم چناں	تعبیتہا ہست برعکس ایں بداں
اس عالم سے عالمِ آخرت تک	بہت سی بناوٹی باتیں ہیں تو اُن کو اُلٹا سمجھ

اگر یہ گفتگو اُس بندے کے لیے ہے جس کے بارے میں خدا نے فرمایا ہے کہ ''وہ'' میں ہوں۔ میں بیمار ہوا تُو میرا حال پوچھنے نہ آیا کیونکہ ''وہ'' میں تھا۔ اللہ کے خاص بندے کے لیے بھی یہ گفتگو بے ادبی ہے، جس سے دل مردہ ہو جاتے ہیں۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا جنت کی عورتوں کی سردار ہیں لیکن اگر تُو کسی مرد کو فاطمہ کہے گا تو وہ بُرا مان لے گا۔ ہاتھ پیر ہونا ہماری تعریف ہے خدا کی نہیں۔ چرواہا بولا: اے موسیٰ علیہ السلام! تُو نے تو میرا منہ سی دیا۔ شرمندگی سے میری جان جل رہی ہے۔ اُس نے کپڑے پھاڑے اور بیابان کی طرف نکل گیا۔

چرواہے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی حضرت موسیٰ علیہ السلام پر خفگی

اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی آئی: تُو نے ہمارے بندے کو ہم سے جدا کر دیا، تُو دُنیا میں ملانے کے لیے آیا ہے نہ کہ جدا کرنے کے لیے۔ حدیث ہے: حلال چیزوں میں سے ''طلاق'' اللہ کو سب سے زیادہ ناپسند ہے کیونکہ طلاق سے میاں بیوی جدا ہو جاتے ہیں۔ ہر انسان اپنی استعداد کے مطابق اور اپنے الفاظ و جذبات میں تعریف کرتا ہے۔ جب دل میں عقیدت ہو تو اِس کی تعریف بہر حال مقبول ہے۔ اگر کوئی عام انسان جن الفاظ میں حمد کرے وہ باعثِ تعریف ہے لیکن وہی الفاظ اگر کوئی عالم استعمال کرے تو وہ اُس کی بُرائی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لونڈی سے پوچھا: خدا کہاں ہے؟ اُس نے جواب دیا: آسمانوں میں ہے۔ یہ کہنا اُس کے لیے نور بنا۔ حضور نے اُس کے اسلام کو معتبر مانا۔ اگر یہی جملہ کوئی عالم کہے تو کفر ہے۔ انسان جو کچھ بھی تقدیس میں کہتا ہے اللہ کی ذات اِس سے بلند ہے، لہٰذا جو کوئی بھی اِس معاملے میں کچھ کہے' اُسے نہ روکو۔ اللہ کے حکم کی پابندی سے اللہ کا کوئی فائدہ نہیں۔ عمل کر کے بندہ اپنے آپ کو رحم کا مستحق بناتا ہے۔

ہر ملک کے لوگ اپنی لغت میں اُس کی تعریف کر سکتے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے ''ہم تمہاری صورتوں اور مالوں کو نہیں دیکھتے تمہاری نیتوں اور اعمال کو دیکھتے ہیں''۔ ہم تو صرف عاجزی کے طلب گار ہیں، چاہے گفتگو عاجزی کی نہ ہو۔ منہ سے بولنا اور دل میں چھپانا کب تک؟ ہمیں تمہارا سوز چاہیے۔ اے موسیٰ علیہ السلام! آداب جاننے والے دوسرے ہیں اور سوختہ جان دوسرے۔ عاشقوں کا کام ہمیشہ جلنا ہے۔ اگر وہ غلط بات بھی کہتے ہیں تو اُن کو خطا کار نہ کہو۔ شہید خون میں لتھڑا ہو تو اُس کو نہ دھو۔ کعبہ کے اندر قبلہ رُو ہونے کی رسم نہیں ہے۔ عشق کا مذہب تمام مذہبوں سے جدا ہے۔ عاشقوں کا مذہب اللہ تعالیٰ ہے۔ عاشق غم سے غمگین نہیں ہوتا۔

شیخ فعالست بے آلت چو حق پیر اللہ کی طرح بغیر آلے کے تصرف کرتا ہے	با مُریداں دادہ بے گفتے سبق اور بغیر بولے مُریدوں کو سبق دے دیتا ہے

اللہ نے اُس کے بعد موسیٰ علیہ السلام

حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی آنا، گڈریے سے معذرت کے سلسلہ میں

کے دل میں اپنی بہت سی باتیں ڈال دیں، وہ باتیں جو بیان نہیں کی جاسکتیں۔ مشاہدہ اور گفتگو کو ملا دیا اور ازل سے ابد تک پرواز کروادی۔ آگے کی تشریح عقل سے بالاتر ہے۔ اگر تشریح کروں تو قیامت تک بھی تھوڑی سی بیان ہو۔ مجبوراً میں نے اپنی زبان کو تاہ کرلی ہے۔ اگر تُو چاہتا ہے تو اپنے اندر سے پڑھ لے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کی یہ ناراضگی سُنی تو گڈریے کی تلاش میں بھاگ پڑے۔ اُس کے قدموں کے نشان ڈھونڈتے تھے لیکن دیوانوں کے پیروں کی رفتار دوسروں سے جدا ہوتی ہے۔ وہ کبھی سُر اُٹھائے بھاگتا ہے، کبھی پیٹ کے بل سرکتا ہے۔ مجنوں لیلیٰ کا نام زمین پر لکھتا پھرتا تھا۔

آخر کار اُس کو پالیا اور کہا: تمہیں مُبارک ہو، اجازت آگئی ہے۔ تُو جیسے چاہے اُسے یاد کر۔ تیرا کفر دین ہے اور تیرا دین جان کا نور ہے۔ اب تُو بے تامل زبان کھول۔ وہ بولا: اے موسیٰ علیہ السلام! میں بولنے سے گزر گیا ہوں۔ میں سِدرۃ المنتہیٰ سے آگے گزر گیا ہوں۔ تُو نے کوڑا مارا تو میرا گھوڑا جست لگا کر آسمان سے پار ہو گیا۔ اب میری حالت بیان سے باہر ہے۔

ہر شخص آئینے میں اپنا ہی عکس دیکھتا ہے۔ اللہ تو اس بات پر قادر ہے کہ اپنی تعریف اپنی شان کے مطابق کردے۔ ہم میں یہ استعداد نہیں ہے۔ ہم جو بھی تعریف کرتے ہیں گڈریے کی طرح کی تعریف ہے۔ ہماری تعریف خدا کے اعتبار سے ناقص ہے، جو تعریف تمہارے اعتبار سے بہتر بھی ہے کاش اس کی بجائے تمہارے دل میں سوز و گداز ہو۔ قیامت کے دن جب حجابات اُٹھ جائیں گے تو تمہیں پتہ چل جائے گا کہ ذاتِ باری وہ نہ تھی جو تم نے سمجھی تھی۔ ہماری ناقص تعریف کو اللہ اپنی رحمت سے قبول کرلیتا ہے۔ ہماری باطنی نجاست صرف رحمت کے پانی ہی سے دُھل سکتی ہے۔ سجدہ میں ہم جب سُبحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی کہتے ہیں، تو کہتے ہیں ہمارا سجدہ تیرے لائق نہیں۔ یہ سجدہ خدمت میں پیش کرنا گستاخی ہے لیکن تیری ذات وہ ہے کہ جو بُرائی کا بدلا بھلائی سے دیتی ہے۔

اللہ نے قرآن میں فرمایا ہے "اللہ اُن کی بُرائیوں کو بھلائیوں میں بدل دیتا ہے"۔ اللہ کی صفتِ حلم زمین میں پائی جاتی ہے۔ ہم اِس پر گندگی پھینکتے ہیں یہ وہاں پھول اُگا دیتی ہے۔ قیامت کے دن کافر سمجھے گا کہ وہ زمین سے بھی بدتر ہے۔ زمین بُرائی کا بدلہ بھلائی سے دیتی ہے اور اُس (کافر) نے اللہ کی نعمتوں کے بدلے میں کفر کیا۔ زمین نے ناپاکیوں کو پاک کیا' کافر نے پاکیوں کو ناپاک کیا۔ وہ قیامت میں کہے گا کاش میں مٹی ہوتا کہ بُرائی کا بدلہ بھلائی سے

دل بدستِ اُو چو موم نرم رام دل اُسکے ہاتھ میں موم کی طرح نرم ہو جاتا ہے	مُہر اُو گہ ننگ سازد گاہ نام اور اُس پر کبھی قبض کی اور کبھی بسط کی کیفیت طاری ہوتی رہتی ہے

دے سکتا۔ جمادات سے ہی ترقی کر کے نوعِ حیوانی وجود میں آئی۔ زمین میں دانہ ڈالتے ہیں تو پھل پھول اُگا دیتی ہے۔ سفر کی حالت میں انسان کی صحیح فطرت ظاہر ہو جاتی ہے۔ مٹی بن جانے کی خواہش اگر عجز و نیاز سے ہو تو اللہ کو بہت پسند ہے جیسا کہ بعض بزرگوں سے اس کا اظہار ہوا۔

مجھے خاک میں ملا کر میری خاک بھی اُڑا دے
تیرے نام پر مٹا ہوں مجھے کیا غرض نشاں سے (بیدم وارثی رحمۃ اللہ علیہ)

تمہاری رُوح کا میلان ہمیشہ عالمِ بالا کی طرف ہونا چاہیے۔ رُوح کو اوندھا نہ کر۔ غروب ہو جائے گا اور لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ "میں غروب ہونے والوں کو پسند نہیں کرتا۔"

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ظالموں کے غلبے کے راز کا سوال کرنا

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی: اے کار ساز کریم! میں اِس دُنیا میں ہونے والی اچھی بُری چیزوں کے بارے میں پوچھتا ہوں کہ اِس میں آپ کا مقصد کیا ہے کہ ایک نقش بنانا اور پھر اُس میں فساد کا بیج بو دینا۔ ظلم، فساد، خون خرابہ، میں جانتا ہوں کہ اِس میں تیری حکمت ضرور ہے لیکن میں یہ راز معلوم کرنا چاہتا ہوں جیسے تُو نے فرشتوں پر اپنا راز ظاہر کر دیا تھا۔ تُو نے آدم علیہ السلام کو کھلم کھلا علم میں فرشتوں کے سامنے پیش کر دیا اور اُن کے شکوک رفع فرما دیے۔ اُن کو سمجھا دیا کہ انسان کے متضاد قویٰ ہی خلافتِ خداوندی کے اہل اور صفاتِ خداوندی کا مظہر ہو سکتے ہیں۔

ہر چیز کی خوبی اُس کے انجام سے ظاہر ہوتی ہے۔ قیامت میں معلوم ہوگا کہ موت جیسی تلخ چیز کے پیدا کرنے میں خدا کی حکمت یہ تھی کہ وہی اُخروی نعمتوں کے حصول کا سبب بنے۔ خون اور نطفہ جیسی گندی چیزوں کے قوام کا حُسن جب ظاہر ہوتا ہے، جب انسان جوان اور حسین بن جاتا ہے۔ تختی پر سب سے پہلے نقش مٹا دیا جاتا ہے پھر اُس پر حسین نقش بنائے جاتے ہیں۔ انسان رو رو کر دل کو خون بنا دیتا ہے تو پھر اُس پر اَسرار نمودار ہوتے ہیں۔ عقل مند انسان نقصان میں چھپے ہوئے فائدے کو سمجھ جاتا ہے۔ قدرت نے تخریب میں تعمیر کا راز چھپا رکھا ہے۔ دین دار اپنے آپ کو تکلیف میں اِسی لیے مبتلا کرتا ہے کہ آخرت میں راحت میسّر آئے۔

انسان نفس کی خواہشوں کے خلاف عمل کرتا ہے تو جنت پاتا ہے۔ شہوتوں کو پورا کرنے میں لگا رہتا ہے تو دوزخ میں جاتا ہے۔ جنگوں کی مشقتیں برداشت کرنے کے بعد تختِ شاہی حاصل ہوتا ہے۔ محنت کی کمائی پر صبر کرنے سے

تن مپوشاں زانکہ دینت راست پُشت پہلو تہی نہ کر کیونکہ وہ تیرے دین کی پُشت پناہ ہیں	از حدیثِ اولیاء نرم و درشت اولیاء کی نرم اور سخت بات سے

انسان دولت کا مالک بنتا ہے۔ جب محنت و مشقت کے بعد راحت ہے تو ظالموں کی پیدائش، مظلوموں کی راحت کا سبب بنے گی۔ ظالموں کی پیدائش میں یہی حکمت ہے۔ جب تک انسان ظاہری حواس کی قید و بند میں ہے اُس کی نظر اسباب پر ہوتی ہے۔ اُس کو اَسباب اختیار کرنے ضروری ہیں۔ جب حواس سے آزاد ہو جاتا ہے تو ہر چیز کو بغیر اَسباب کے قدرتِ الٰہی سے سمجھتا ہے۔ تب اُس کے لیے ترکِ اَسباب جائز ہے۔ اِسی وجہ سے انبیاء علیہم السلام کے معجزات اَسباب سے متعلق نہیں ہوتے بلکہ محض اللہ کی قدرت سے اُن کا ظہور ہوتا ہے۔ ریاضات کی وجہ سے ظاہری حواس سے انسان آزاد ہو جاتا ہے تو تمام اشیاء کو بھی وہ اللہ کی قدرت سے سمجھتا ہے، اَسباب سے متعلق نہیں کرتا۔

عام انسانوں کے لیے اَسباب کا اِختیار کرنا ایسا ہی ضروری ہے جیسا مریض کے لیے طبیب لیکن کاملین (اَسباب) اِختیار کرنے سے پاک ہو جاتے ہیں۔ دراصل خاص مقام اور تجلی پیدا نہ ہونے کی وجہ جسم پروری ہوتی ہے۔ علم و معرفت رُوح کا حصہ ہے۔ نَفس اِس سے بے بہرہ ہے۔ نَفس خواہشات کے لیے واویلا کرتا ہے، تُو اُن کو پورا کر دیتا ہے۔ یاد رکھ! رُوح کی پرورش کر، نَفس کو رُوح پر غالب نہ بنا۔ جس طرح حدیث میں عورتوں کے بارے میں ہے "موخر کرو اُن کو جب کہ موخر کیا ہے اُن کو اللہ نے" اِسی طرح نَفس کو عقل سے موخر رکھنے کا حکم ہے۔ اگر تُو عقل سے نَفس کو مغلوب بنا دے گا تو نَفس میں بھی عقل کے خواص پیدا ہو جائیں گے۔ جب انسان کی رُوح کمزور ہو تو نَفس کو بہت زیادہ غلبہ حاصل ہو جاتا ہے۔ شیخ کا کام مردہ رُوحوں کو زندہ کرنا ہوتا ہے۔ اُس کی تربیت میں کسی بات سے دل کو رنج بھی پہنچے تو برداشت کرنا چاہیے کیونکہ ذریعہ صحت وہی ہے۔

اے عیسیٰ علیہ السلام! یہود نے آپ کے ساتھ کیا کیا؟ اے یوسف علیہ السلام! بھائیوں نے آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ لیکن آپ لوگوں کا کام تو درگذر کرنا ہی ہے۔ اِسی طرح شیخ کی توجہ، رُوح کو بالیدگی بخشتی ہے لیکن صفراوی مزاج والے بدکردار لوگ ہمیشہ حسد کے دردِ سر میں مبتلا رہتے ہیں۔ جس طرح سورج باوجود نالائقوں کے سب کو منوّر کرتا ہے اِسی طرح، اے شیخ! آپ بھی اپنے مریدوں کی بدکرداریوں کی وجہ سے اُن کو فیض سے محروم نہ کر دیں۔ ہم اِسی قابل ہیں کہ ہم سے آپ کو تکلیف پہنچے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ! میری قوم کو ہدایت دے دے۔ عقل مند کی سختی سے نالائقوں کی اِصلاح ہوتی ہے کیونکہ عقل مند علم و معرفت پر عمل کرتا ہے اور جاہل محض زبان ہی سے ذکر کرتا ہے۔ اس لیے عقل مندوں سے دوستی اچھی ہے۔ نادان دوست سے دانا دشمن بہتر ہوتا ہے۔

گرم گوید سرد گوید خوش بگیر
گرم کہیں یا سرد کہیں خوشی سے تسلیم کر

تاز گرم و سرد بجہی وز سعیر
تاکہ گرم و سرد جہنم سے نجات پالے

ایک امیر کا اُس سونے والے کو تکلیف دینا جس کے مُنہ میں سانپ گُھس گیا تھا

ایک عقل مند گھوڑے پر سوار کہیں جا رہا تھا۔ اُس نے دیکھا کہ ایک سوئے ہوئے آدمی کے منہ میں سانپ گھس رہا تھا۔ اُس کو زور زور سے کوڑے مارنے لگا۔ وہ اُٹھا، سوار اُس کو مارتا ہوا ایک سیب کے درخت تک دوڑاتا لے گیا۔ وہاں بہت سے سیب اُسے کھانے کو کہا۔ اتنے کھلائے کہ منہ سے باہر نکلنے لگے۔ وہ چیخا کہ اے سردار! کیوں میری جان کے دشمن بنے ہو؟ ایک ہی دَم تلوار مار کر ختم کردو۔ کیوں بے خطا مجھ پر ظلم کر رہے ہو؟ سوار نے پھر اُسے کوڑے مارنے شروع کئے اور اُسے بھگایا۔ دوڑتے دوڑتے اُسے زبردست قے آئی کیونکہ اُس کا پیٹ بھرا ہوا تھا۔ سب کچھ کھایا ہوا باہر نکل آیا تو سانپ بھی اُس میں باہر نکل آیا جب اُس نے اپنے پیٹ میں سے سانپ نکلتا دیکھا تو سوار کے سامنے سجدہ ریز ہوگیا۔ اِسی طرح اللہ کی قدرت کے راز قیامت میں کھلیں گے۔ حضور ﷺ کے مقام کا بھی اُس وقت منکرین کو پتہ چل جائے گا۔ جان لو کہ سوار نے عقل مندی سے اُس کے پیٹ کا سانپ نکال دیا۔ اِس لیے عقل مند کی دشمنی بے وقوف کی دوستی سے بہتر ہوتی ہے۔

ایک شخص کا ریچھ کی چاپلوسی اور وفاداری پر بھروسہ کرنا

ایک اژدہا ایک ریچھ کو پکڑ کر کھینچ رہا تھا۔ ایک بہادر نے دیکھا تو اُس کی مدد کو پہنچا۔ بہادروں کا کام ہی یہ ہے کہ وہ مظلوموں کی مدد کو دوڑیں۔ بہادروں کی محبت بغیر کسی غرض اور رشوت کے ہوتی ہے۔ اُن کا مقصود ہی مہربانی کرنا ہوتا ہے۔ وہ مہربانی کرنے کی اِس طرح جستجو کرتے ہیں، جیسے شکاری، شکار کی۔ دوا کا محل درد ہے، اِسی طرح بخشش وعطا کا محل فقر ہے۔ پانی کا محل نشیب ہے۔ پیاس پیدا کرو تا کہ پانی تم تک پہنچے۔ قرآن میں ہے کہ "اپنے اندر پستی پیدا کرو، رحمت کے پانی کا محل بن جاؤ گے۔" کسی مقام پر نہ رکو، فضلِ بے پایاں کے طالب رہو۔ اِس قدر مجاہدے کرو کہ آسمان تمہاری قدم بوسی کرنے لگے۔ پھر اَسرارِ حق سُن سکو گے۔ چشمِ بصیرت کو وسواس کے پڑبال سے صاف کرلو تا کہ اَسرارِ غیب دیکھ سکو۔ حواسِ باطنہ کو نفسانی خواہشوں سے صاف کرلو تب عالَمِ غیب کی لذتوں سے مُستفید ہو گے۔ اعلیٰ صلاحیتیں پیدا کرو تا کہ خود مظہرِ کمالات بن سکو۔ تمہارا جسم تمہارے لیے بیڑی ہے۔ اس بیڑی کو اُتار پھینک پھر تجھے نیا نصیبہ حاصل ہوگا۔

خدا کی رحمت کو متوجہ کرنے کا سب سے قوی سبب انسان کی گریہ وزاری ہے۔ ماں بچّے کو دودھ پلانے کا بہانہ ڈھونڈتی ہے۔ اللہ نے انسان کے پیچھے ضرورتیں لگا دی ہیں جن کی بدولت انسان گریہ زاری کرتا ہے۔ گویا ضرورتیں

مثل بچہ کے ہیں۔ اللہ کے کاموں میں لگنے کی وجہ سے رزق کی کمی کا اندیشہ شیطانی وسوسہ ہوتا ہے۔ شیطان تمہیں فقر سے ڈراتا ہے۔ لیکن نظر ہمیشہ نتیجہ پر ہونی چاہیے۔ جو آواز تمہیں عالمِ بالا کی طرف لے جانا چاہے اُسے عالمِ بالا کی آواز سمجھو۔ جو آواز لالچ پیدا کرے اُسے بھیڑیئے کی آواز جان۔ عزت کی بلندیاں جگہ کے اعتبار سے نہیں ہوتیں بلکہ عقل و جان کی طرف سے ہوتی ہیں۔ چقماق کی وجہ سے چنگاریاں بنتی ہیں۔ اُس کو شرفِ زمانی حاصل ہے لیکن مقصود چونکہ چنگاریاں ہیں اِس لیے وہ مقدم ہیں۔ شاخ کو پھل پر تقدمِ زمانی حاصل ہے لیکن شرف میں پھل مُقدم ہے۔

اژدہے میں طاقت تو تھی تدبیر نہ تھی۔ بہادر میں طاقت بھی تھی اور تدبیر بھی۔ بہادر اژدھے پر غالب آ گیا۔ لیکن انسان کو اپنی تدبیر پر گھمنڈ نہیں کرنا چاہیے کیونکہ خدا کی تدبیر انسان کی تدبیر سے زیادہ قوی ہے۔ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ (بے شک اللہ تدبیر کرنے والوں میں سب سے بہتر ہے) اِس لیے اپنی تدبیر کو بھی خدا کی عطا کردہ سمجھو۔ مصائب میں پھنس کر ذاتِ حق سے غفلت ہو جاتی ہے لیکن جب انسان اِس کو من جانب اللہ سمجھ لیتا ہے تو غم کا ازالہ بھی ہو جاتا ہے۔

یہی نور ہے۔ اپنی آنکھ کو نورِ معرفت کا عادی بنانا چاہیے۔ جس شخص کو نورِ معرفت حاصل ہو جاتا ہے۔ وہ ہمیشہ انجام پر نظر رکھتا ہے۔ فوری شہوتیں پوری کرنے سے آخرت کی خوشیاں مَعدُوم ہو جاتی ہیں۔ عاقبت میں شیخ قدرت کے صدہا جلوے دیکھتا ہے۔ اِنتہائی بے وقوفی ہے کہ قدرت کا معمولی کرشمہ دیکھ کر اپنے آپ کو شیخِ کامل سے مُستغنی سمجھ لیا جائے۔

سامری نے نیل عبور کرتے ہوئے فرشتے کے گھوڑے کی تاثیر دیکھی کہ اُس کے قدم کے نیچے سبزہ اُگ پڑتا۔ اُس نے اِس مٹی سے یہ کام لیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی غیر حاضری میں چاندی سونے کا بچھڑا بنا کر وہ مٹی اُس پر ڈالی۔ اُس میں زندگی کے آثار پیدا ہو گئے تو قوم کو اُس کی پرستش پر لگا دیا اور موسیٰ علیہ السلام سے مقابلہ کرنے لگا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اُسے بددعا دی تو یہ حال ہو گیا کہ کسی کے جسم سے اُس کا جسم مل جاتا تو اُسے بخار ہو جاتا۔ بعض اوقات انسان بھلائی کے لیے تدبیر کرتا ہے وہی اُس کی ہلاکت کا باعث بن جاتی ہے۔ اِس ہلاکت سے بچنے کا یہی طریقہ ہے کہ اپنے آپ کو شیخ کے حوالے کر دیا جائے۔ مرید میں چاہے جو بھی کمالات ہو جائیں اُس کا شیخ سے گہرا تعلق ضروری ہے۔ اپنے آپ کو شیخ سے مُتحِد کر دو۔ اِنسان اِس دھوکے میں تباہ ہو جاتا ہے کہ اپنے جیسے انسان کو شیخ کیسے بنا لے۔ شیخ کی رضامندی شکر کی طرح ہے۔ اگر شیخ کا دامن تھامے رہو گے تو تمہیں وساوس کی ہلاکت سے نجات مل جائے گی۔ اگر تم میں صلاحیت نہیں تو گریہ وزاری کرو۔ اللہ کسی شیخ کی طرف رہبری کر دے گا۔ ریچھ چیخا چلایا تو بہادر اُس کی مدد کو پہنچا۔

چہ غُلام ار بَرِ درے سگِ باوفاست	در دلِ سالار اُو صد رضاست
غلام کیا، اگر دروازے پر کُتا وفادار ہے	آقا کے دل میں اُسکے لیے سینکڑوں رضامندیاں ہیں

ایک اندھے بھکاری کا لوگوں سے یہ کہنا کہ وہ دو اندھے پن رکھتا ہے

ایک اندھا کہہ رہا تھا: اے لوگو! میں دو گُنا اندھا ہوں۔ مجھ پر دو گُنا رحم کرو۔ لوگوں نے پوچھا: یہ دو گُنا اندھا پن کیا ہے؟ ایک اندھا پَن تو نظر آ رہا ہے۔ دوسرا کہاں ہے؟ وہ بولا: دوسرا اندھا پَن یہ ہے کہ میرے قول اور نالہ میں درد نہیں ہے، اِس لیے دو گُنا رحم کے قابل ہوں۔ لوگوں کو اُس کی پُر درد گفتگو سُن کر اُس پر رحم آ گیا۔ چونکہ اُس نے شکوہ دردمندوں کے سامنے کیا لہٰذا اُس کا اثر ہوا۔

اگر کسی کی آنکھ اندھی ہو، آواز میں خُود اپن ہو اور فریاد میں درد بھی نہ ہو تو تین اندھے پن جمع ہو جاتے ہیں۔ لیکن تین قسم کے اندھے کو مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ کیونکہ وہ بخشش کرنے والے جو بغیر سبب دیتے ہیں، ہوسکتا ہے اُس کے بدنصیب سر پر ہاتھ رکھ دیں۔ جب ریچھ کی فریاد اُس کے بچاؤ کا سبب بن گئی تو تیرا رونا بھی ایسا ہونا چاہیے کہ ناپسندیدہ نہ ہو۔ قرآن میں ہے کہ کافروں سے کہا جائے گا ''دور رہو۔ اِسی میں پڑے رہو۔ مجھ سے کلام نہ کرو''۔ یہ کفار سے اُس وقت کہا جائے گا جب وہ جہنم سے نکلنے کے لیے واویلا کریں گے۔ اُن کے قبول نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اُنہوں نے حقوق النّفس یا حقوق العِباد کو تلف کیا۔

ریچھ کی وفاداری پر بھروسہ کرنے والے کا بقیّہ قصّہ

ریچھ نجات پا کر اُس بہادر کا ساتھی بن گیا۔ تھکن کی وجہ سے وہ نیک آدمی لیٹ گیا اور تعلق خاطر کی وجہ سے ریچھ اُس کا محافظ بن گیا۔ ایک شخص وہاں سے گزرا تو پوچھا: یہ ریچھ تیرا کون ہے؟ اُس نے ساری بات بتائی تو وہ شخص بولا: ریچھ سے دل نہ لگا کیونکہ بے وقوف کی دوستی دشمنی سے بدتر ہوتی ہے۔ بہادر نے کہا: تُو یہ بات حسد کی وجہ سے کہہ رہا ہے۔ ریچھ کو نہ دیکھ اُس کی محبت کو دیکھ۔ وہ بولا: بے وقوفوں کی محبت فریب دینے والی ہوتی ہے۔ میرے ساتھ آ جا۔ ہم جنس کو نہ چھوڑ۔ بہادر بولا: اے حاسد! جا اپنا کام کر۔ وہ بولا: بھلے آدمی ریچھ کو چھوڑ دے تاکہ میں تیرا دوست بن جاؤں۔ میرے دل میں تیرے متعلق خطرہ ہے، میرا یہ خطرہ خواہ مخواہ نہیں ہے، اللہ کے نور کی وجہ سے ہے۔ میں مومن ہوں اور اللہ کے نور سے دیکھتا ہوں۔ نصیحت کرنے والے نے ریچھ والے کا ہاتھ پکڑا لیکن اُس نے اُس سے ہاتھ چھڑا لیا۔ چونکہ وہ بدد ماغ تھا، نصیحت کرنے والے کے بارے میں کوئی بھلا خیال اُس کے دل میں نہ آیا۔ اس کی بجائے اُس کا نیک گمان ریچھ پر تھا۔ بدبختی کی وجہ سے وہ جہل کا تابع بن گیا۔

مرسگے را لقمۂ نانے ز در
کسی کتے کو کسی دروازے سے روٹی مل جاتی ہے

چُوں رسد بر در ہمی بندد کمر
تو وہ اُسی دروازے پر کمر بستہ غلامی کرتا ہے

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ایک بچھڑے کو پوجنے والے سے فرمانا کہ تیری سمجھ کہاں گئی؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب بنی اسرائیل کے ساتھ دریائے نیل پار کیا تو بطور معجزہ راستہ بالکل خشک ہو گیا تھا۔ میدان تیہ میں بنی اسرائیل پر چالیس سال تک آسمان سے من وسلویٰ اُترتا رہا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا کی ضرب سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ نے بہت سے معجزے عطا فرمائے تھے۔

بنی اسرائیل میں سے ایک جادوگر سامری نامی نے دریا پار کرتے وقت حضرت جبرائیل علیہ السلام کے گھوڑے کے قدموں کی مٹی حاصل کر لی اور دھات سے بنے ہوئے بچھڑے کے بُت پر ڈال دی، جس سے اُس میں زندگی کے آثار پیدا ہو گئے۔ اِس طرح سامری نے بنی اسرائیل کو گمراہ کر دیا۔ اُن میں سے ایک سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا: اے بدبخت! تُو نے میرے اتنے معجزے دیکھے اور پھر بھی میری پیغمبری پر شک کیا اور سامری کی جادوگری کا قائل ہو گیا۔ کیا بچھڑا خدائی کے لائق ہوسکتا ہے؟ تُو نے اللہ کے نور سے آنکھیں چرائیں۔ تیری عقل پر تُف ہے۔ بچھڑا صرف بولا تو تُو نے اُسے مان لیا اور میرے تعجب خیز معجزے دیکھے اور بھول گیا۔

لغو لوگوں کو لغو چیز ہی اچھی لگتی ہے۔ ہر جنس اپنی جنس کی طرف متوجہ ہوتی ہے۔ بھیڑیا حضرت یوسف علیہ السلام کا ساتھی کب ہوسکتا ہے لیکن اگر بھیڑیے پَن سے نجات حاصل کرلے تو اصحابِ کہف کے کتے کی طرح انسان بن جاتا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نیک سیرت تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کو دیکھ کر ہی پکار اُٹھے کہ یہ چہرہ جھوٹا نہیں ہے۔ ابوجہل اصحابِ درد میں سے نہ تھا شقُّ القمر پر بھی یقین نہ کیا۔ انسان کا آئینۂ دل صاف ہو تو اچھی بُری صورت میں امتیاز کیا جاسکتا ہے۔

نصیحت کرنے والے اِنسان کا حد درجہ نصیحت کے بعد ریچھ سے دھوکے میں پڑے ہوئے آدمی کی نصیحت کو ترک کر دینا

اُس مسلمان نے بے وقوف ریچھ والے پر لاحول پڑھی اور نصیحت کرنا بند کر دی۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا گیا کہ ''اُن سے اِعراض کریں'' کیونکہ اُن پر نصیحت بے اثر ہوگی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قریش کے سرداروں کو قرآن سُنا رہے تھے۔ اِس اثنا میں صحابی اُمِ مکتوم رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے اور قرآن سنانے کی فرمائش کی، یہ صحابی نابینا تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے پر ناگواری کے آثار پیدا ہوئے اور اُن سرداروں سے گفتگو کو ختم کرنا پسند نہ کیا تو سورۂ عبس نازل ہوئی۔ اللہ کو اِمِ

ہم براں در باشدش باشش قرار
اُسی دروازے پر اُس کی بود و باش ہوتی ہے

کفر داند کرد غیرے اختیار
اور کسی غیر کی طرف دیکھنے کو وہ کفر سمجھتا ہے

مکتوم ؓ کی محبت پسند آئی فرمایا: اے احمد ﷺ! اللہ کے نزدیک یہ اندھا سینکڑوں بادشاہوں سے زیادہ بہتر ہے۔ یہاں مال مُفید نہیں ہے، عشق سے اور آہ سے بھرا سینہ درکار ہے۔ اگر کافر سردار آپ کو نہیں مانتے تو نہ مانیں۔ چمگادڑوں کی سورج سے نفرت اُس کے روشن ہونے کی دلیل ہے۔ گوبر کا کیڑا اگر گلاب سے رغبت کرنے لگے تو اُس کا گلاب ہونا مشکوک ہو جائے گا۔ کامل کا انکار تو اُس کے کمال کی دلیل ہے۔

ایک دیوانے کا جالینوس کی خوشامد کرنا اور جالینوس کا اُس سے خوف زدہ ہونا

جالینوس نے اپنے شاگرد سے جنون کی دوا مانگی۔ شاگرد بولا: اے صاحبِ کمالات! آپ جنون کی دوا مانگتے ہیں؟ اُس نے کہا: مجھے ایک دیوانے نے غور سے دیکھا ہے۔ اگر مجھ میں اُس کی جنسیت نہ ہوتی تو وہ کب میری طرف توجہ کرتا، کوئی ایسی بات ضرور ہوگی جو مجھ میں اور اُس میں مشترک ہوگی۔ اِسی لیے وہ میری طرف متوجہ ہوا ہے۔

ایک پرندے کے غیر جنس پرند کے ساتھ رہنے کا سبب

ایک عقل مند نے جب ایک کوے اور لقلق کو اکٹھے دیکھا تو حیران ہوا۔ جستجو کی کہ اِن میں قدرِ مشترک کیا ہے؟ جس کی وجہ سے یہ اکٹھے ہیں۔ غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ دونوں لنگڑے ہیں۔ ساتھ رہنے کے لیے قدرِ مشترک کا ہونا ضروری ہے۔ نبی جو کہ عرش کا شہباز ہے اور منکر جو کہ زمین کا اُلو ہے، کیسے مانوس ہو سکتے ہیں۔ علّیین کا خورشید سجّین کی چمگادڑوں کے لیے اجنبی ہے۔ ایک وہ جو اپنے کرم سے مخلوق کو شرمندہ کرتا ہے، وہ اپنی بے سروسامانی پر شرمندہ کے برابر کیسے ہو سکتا ہے۔ اگر گندگی کا کیڑا باغ کی خوشبو سے بھاگے تو وہ نفرت باغ کا کمال ہے۔ اللہ کے نیک بندوں کی غیرت کا تقاضہ یہ ہے کہ خدا کے دشمن اُن سے دُور رہیں۔ بُروں کا بھلوں سے میل، بھلوں کے نقصان کا سبب بنتا ہے۔

آنحضور ﷺ کا سینہ مُبارک کئی بار شق کیا گیا تا کہ اُن کو مکمل طور پر پاک کر دیا جائے۔ یہ منشائے الٰہی تھا تا کہ دوسرے اُن کی برابری کا دعویٰ نہ کر سکیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کے دو کمالات تھے ایک تو فرشتوں کا اُنہیں سجدہ کرنا جو کہ مقبول مخلوق تھی اور دوسرے شیطان کا سجدہ سے انکار کیونکہ وہ نامقبول مخلوق تھی۔ اگر شیطان بھی سجدہ کر دیتا تو آدم علیہ السلام کا دوسرا کمال مفقود ہو جاتا۔ حضرت آدم علیہ السلام کے کمال پر جس طرح فرشتوں کا سجدہ گواہ ہے اُسی طرح شیطان کا انکار بھی گواہ ہے۔

چوں فراموشت شود تدبیرِ خویش　　　بخت یابی اے جواں از پیرِ خویش
جب تیری تدبیر ناکام ہو جائے　　　تو اپنے پیر سے نصیبہ حاصل کرلے

ریچھ کی چاپلوسی پر بھروسہ کرنے کا بقیہ

وہ شخص سو گیا اور ریچھ اُس کی مکھیاں اُڑاتا تھا۔ ضد سے مکھیاں پھر واپس آ جاتی تھیں۔ ریچھ کو مکھیوں کی اِس حرکت پر بہت غصہ آیا۔ اُس نے پہاڑ سے ایک بھاری پتھر اُٹھایا اور اُس شخص کے منہ پر بیٹھی ہوئی مکھیوں پر مارا اور اُس کے منہ کا قیمہ بنا دیا۔ بے وقوف کی دوستی ریچھ کی دوستی جیسی ہوتی ہے۔ اُس کا عہد و پیمان مضبوط نہیں ہوتا۔ اُس کی باتیں زیادہ مگر وفاداری کمزور ہوتی ہے۔ بے وقوف کی عقل پر اُس کا نفس حاکم ہوتا ہے اور وہ حاکم کی کسی قسم کی پابندی برداشت نہیں کرتا اور عہد کو توڑتا رہے گا۔ مومنوں سے اللہ کا خطاب ہے ''اپنے عہدوں کی حفاظت کرو''۔ جو شخص یہ سمجھ لے کہ عہد کس سے کرتا ہے تو وہ عہد کی خوب حفاظت کرتا ہے۔ بعض بندگانِ خدا' فنائیت کے اُس مقام پر ہوتے ہیں کہ اُن کے ساتھ کیا ہوا عہد' اللہ کے ساتھ سمجھا جاتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیمار صحابی کی بیمار پُرسی اور بیمار پُرسی کا فائدہ

حضور ﷺ کے ایک صحابی بیمار پڑے گئے اور حضور ﷺ اُن کی عیادت کے لیے گئے۔ عیادت کے بہت سے فائدے ہیں پہلا تو یہ کہ ہو سکتا ہے بیمار شخص برگزیدہ بندہ ہو، جب تیری آنکھ باطن کو دیکھنے والی نہیں ہے تو ہر وجود میں خزانہ سمجھ۔ دُنیا' اولیاء رحمہم اللہ سے خالی نہیں' تلاش جاری رکھو' اگر مل جائے تو جان قربان کر دو۔ بیمار اگر دشمن ہے تو دوست بن جائے گا۔ اچھا معاشرہ پیدا کر اور ہر چھوٹے بڑے کی عیادت کر۔ تمہارے لیے بہتر ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس وحی آنا ''تو میری بیمار پُرسی کو کیوں نہ آیا؟''

موسیٰ علیہ السلام کے پاس اللہ کی ناراضگی پہنچی کہ ید بیضا رکھتا ہے اور خدائی نور سے ناواقف ہے' میں بیمار ہوا تُو پوچھنے نہ آیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا: اے اللہ! تُو تو ہر نقصان سے پاک ہے۔ یہ کیا راز ہے؟ اللہ نے فرمایا: ''میرا ایک خاص بندہ بیمار ہوا۔ وہ ''مَیں'' ہی تھا۔ اُس کی بیماری میری بیماری ہے''۔ تُو اگر اولیاء رحمہم اللہ کے پاس حاضر ہوگا تو میرا ہم نشین ہوگا۔ بھلوں سے جدا ہونے والوں کو شیطان بے سہارا پاتا ہے تو اُس کا سر چبا جاتا ہے۔

باغبان کا صُوفی مولوی اور سیّد کو جُدا کرنا اور اُن کو سزا دینا

ایک باغبان نے ایک مولوی ایک صوفی اور ایک سیّد اپنے باغ میں بلا

چوں فراموشِ خودی یادت کنند | بندہ گشتی وانگہ آزادت کنند
جب تُو اپنی انا کو بھول جائیگا تجھے یاد کیا جائے گا | تو غلام بن جائے گا تو تجھے آزادی نصیب ہو جائیگی

اجازت آئے ہوئے دیکھے۔ اُس نے سوچا یہ جماعت ہیں اور میں اکیلا اُن کا مقابلہ نہ کرسکوں گا۔ اُن سے ایک ایک کر کے نبٹنا چاہیے۔ اُس نے صوفی سے کہا کہ میرے گھر جا اور اپنے ساتھیوں کے لیے کمبل لے آ۔ وہ چلا گیا تو مولوی اور سیّد سے کہا کہ آپ تو ہمارے لیے فتویٰ لکھتے ہیں اور سیّد ہمارے نبی ﷺ کی اولاد ہیں۔ یہ صوفی کون ہوتا ہے کہ آپ جیسے عالی مرتبت اصحاب کا ہم نشین ہے۔ آپ لوگ ایک ہفتہ باغ میں رہیں اور عیش کریں لیکن صوفی کو ذلیل کر کے نکال دیں، وہ خود ڈنڈا لے کر صوفی کے پیچھے گیا اور اُسے اکیلا پا کر اُس کا سر پھاڑ دیا۔ صوفی یاروں کی بے وفائی دیکھ کر بولا: تم نے مجھے غیر سمجھ لیا۔ یاد رکھو! جو کچھ میں نے چکھا تمہیں بھی چکھنا ہے۔ یہ دُنیا پہاڑ ہے۔ تیری گفتگو گونج کی طرح تیری طرف لوٹتی ہے۔

صوفی سے نپٹنے کے بعد سیّد سے کہا کہ آپ میرے گھر جائیں، میں نے آپ کے لیے ناشتہ تیار کرایا ہے، نوکر سے لے آئیں۔ وہ روانہ ہوگیا تو مولوی سے کہا کہ آپ تیز نگاہ والے ہیں اور اِس میں کوئی شک نہیں کہ بہت پہنچے ہوئے ہیں۔ یہ سیّد ہونے کا بے دلیل دعوے کرتا ہے۔ کون جانے اُس کی ماں نے کیا کیا ہے' ایسے بہت سوں نے دُنیا کو بے وقوف بنا رکھا ہے۔ جس کسی کا سر چکرا رہا ہو اُسے سارا گھر چکراتا محسوس ہوتا ہے۔ باغبان بکواس تھا اپنا باطن بیان کر رہا تھا۔ مرتد تھا اِس لیے خاندانِ نبوت کے لیے بُرا کہتا تھا۔ مولوی کو اپنے ہاتھ پر کر کے اُس نے سیّد کی بھی خوب پٹائی کر ڈالی۔ سیّد اُس کی مار سے رونے لگا اور مولوی سے کہا: اب تُو اکیلا ہے' مار کھانے کے لیے تیار ہو جا۔ میں اِس ظالم سے تو تمہارا بُرا ساتھی نہیں تھا۔ اب مولوی کی باری آ گئی۔ باغبان نے کہا: تُو کس شرعی حق سے میرے باغ میں داخل ہوا۔ مولوی بولا: تمہیں حق ہے کہ مجھے مارے کیونکہ میں اپنے دوستوں سے کٹ گیا ہوں۔ بیمار پُرسی اِسی تعلق کی وجہ سے ہے کیونکہ تعلق محبت بڑھاتا ہے۔

آنحضورﷺ کے مریض پُرسی کا بقیہ

حضور ﷺ نے صحابی کو نزع کی حالت میں پایا۔ اگر تُو اولیاء رحمہم اللہ کی حاضری سے دُور ہو گیا تو سمجھ خدا سے دُور ہوگیا۔ شاہوں کا سایہ طلب کر اور ہر وقت ڈرتا رہ اور کوشش کرتا کہ تُو اِس سایہ کی وجہ سے سورج سے بہتر ہو جائے۔ اگر سفر کرنا ہے تو اِس نیت سے کر اور اُن سے کبھی غافل نہ ہو۔ انہیں ہر جگہ تلاش کر۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ (اور اللہ زیادہ بہتر جانتا ہے)۔

گر تو خواہی حُرّی و دِل زندگی
اگر تُو آزادی اور دِل کی زندگی چاہتا ہے

بندگی کُن بندگی کُن بندگی
تو غُلامی کر غلامی کر غلامی کر

ایک شیخ کا بایزید رحمۃ اللہ علیہ سے کہنا "میں کعبہ ہوں تو میرا طواف کرلے"

اُمت کے شیخ بایزید رحمۃ اللہ علیہ عمرہ کرنے کے لیے مکہ جارہے تھے۔ وہ راستے میں خاصانِ خدا کی تلاش میں رہتے تاکہ اُن سے فیض حاصل کرتے رہیں۔ سفر کا مقصد کسی ولی اللہ کی زیارت کو بنالو۔ سفر کے دوسرے فوائد خود بخود حاصل ہوجائیں گے۔ کاشتکار گیہوں بوتا ہے تو بھوسا خود بخود حاصل ہوجاتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سفرِ معراج' باری تعالیٰ کی زیارت کے مقصد سے تھا لیکن عرش، ملائک، دوزخ، جنت خود بخود دیکھے گئے۔ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہوتا ہے۔ مومن کی نیت' عمل سے بہتر اور مُنافق کا عمل' نیت سے بہتر ہوتا ہے۔

ایک مُرید کا مکان بنانا اور پیر کا امتحان لینا

ایک مرید نے نیا گھر بنایا۔ اُس کے شیخ نے پوچھا: یہ روشن دان کس لیے بنایا ہے؟ وہ بولا: روشنی کے لیے۔ اُنہوں نے فرمایا: اگر تُو کہتا کہ اذان کی آواز کے لیے ہے تو بہتر ہوتا کیونکہ روشنی تو پھر بھی آنی ہی ہے۔ تمہاری نیت کو اللہ پسند فرماتا۔

حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بوڑھے کو دیکھا اور اُس میں مردانِ حق آگاہ کی شان پائی۔ وہ شیخ دل کی آنکھ سے عالمِ ملکوت کی سیر سے محظوظ ہورہے تھے۔ اہل اللہ کی آنکھیں بند ہوتی ہیں تو دل عالمِ ملکوت کے روشن دان بن جاتے ہیں۔ بایزید رحمۃ اللہ علیہ اُن کے سامنے بیٹھے۔ احوال دریافت کیا اور اُن کو نادار اور عیال دار پایا۔ اُنہوں نے پوچھا: بایزید کہاں جاتے ہو؟ اُنہوں (بایزید رحمۃ اللہ علیہ) نے جواب دیا: کعبہ کے طواف کو جاتا ہوں۔ میرے پاس راستے کا خرچہ دو سو درہم ہیں۔ شیخ غلبۂ حال میں تھا، بولا: وہ درہم میرے سامنے رکھ دے اور میرے گرد سات بار طواف کرلے، حاجت مند پر رقم خرچ کر' یہ حج سے بہتر ہے۔ اُس خدا کی قسم جس کو تیری رُوح نے دیکھا ہے، اُس نے اپنے گھر پر مجھے فضیلت عطا کی ہے۔ میرا وجود بھی اُس کے اَسرار کا گھر ہے۔ جب سے اُس نے یہ گھر بنایا ہے وہ اُس میں مقیم ہے، جب کہ کعبہ میں وہ کبھی نہیں گیا۔ خبردار کبھی مت سمجھنا کہ اللہ مجھ سے جدا ہے۔ اللہ نے کعبہ کو ایک بار اپنا گھر کہا' مجھے ستر بار "اے میرے بندے" کہا۔ اِتحاد کی وجہ سے اہل اللہ کی زیارت گویا خدا کی زیارت ہوتی ہے۔ اِس گفتگو سے بایزید رحمۃ اللہ علیہ کے مقامات بڑھے اور اپنی ولائت میں کمال حاصل ہوا۔

از خودی بگذر کہ تا یابی خدا
اپنی انا سے گزر جا تاکہ خدا کو پالے

فانی حق شو کہ تا یابی بقا
ذاتِ حق میں فنا ہوجا تاکہ تُو بقا حاصل کرلے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جان لینا کہ اُس شخص کی بیماری کا سبب دُعا میں گُستاخی تھی

جب حضور ﷺ نے اُس بیمار کو دیکھا تو اُس کے ساتھ اچھا معاملہ کیا۔ وہ ایسے ہو گیا جیسے ابھی پیدا ہوا ہو۔ وہ بولا: مبارک ہے یہ بیماری جس کی وجہ سے شاہ میرے گھر آئے۔ مُبارک ہے یہ درد جو مجھے آدھی رات کو جگا دیتا ہے، اللہ نے اپنی مہربانی سے ایسے درد پیدا کیے۔ میرا مرض خزانہ بن گیا کیونکہ اس میں رحمتیں حاصل ہوئیں اور میں مقبولِ بارگاہ ہو گیا۔

تکلیف پر صبر کرنا رحمتوں کا سبب بنتا ہے۔ پستیوں کے پیچھے بلندیاں پوشیدہ ہیں۔ تیرا نفس ہمیشہ بُرے مشورے دیتا ہے، اُن کے خلاف عمل کر۔ یہ نصیحت تمام انبیاء علیہم السلام اور اولیاء رحمہم اللہ نے کی ہے۔ نفس کا مشورہ نہ مان۔ نبیوں اور ولیوں کا کہا مان۔ مشورہ ہمیشہ عقلِ سلیم والے سے کرنا چاہیے۔ ہو سکتا ہے نفس کا مقصد یہ ہو کہ تُو سمجھ لے کہ نفس اب مطمئنہ ہو گیا ہے اور مجاہدات کو ترک کر دے۔ اپنے یار کے پاس جانا نہ چھوڑ۔ مرید کی عقل، شیخ کی عقل کے ساتھ مل کر قوی ہوتی ہے۔ میں نے نفس کے بہت سے مکر دیکھے ہیں۔ وہ اپنے مکر سے اچھے اور بُرے کی تمیز ختم کر دیتا ہے۔ تجھے ہمیشہ تازہ تازہ وعدے دیتا ہے، جن کو ہزاروں بار اُس نے توڑا ہوتا ہے۔

نفس کی مکاریاں بھی قضاءِ خداوندی سے ہیں اور قضاءِ خداوندی ہی اُن کا علاج کر سکتی ہے۔ نفس پہلے ایک معمولی کیڑا ہوتا ہے اور علاج نہ ہو تو بڑھتے بڑھتے اژدہا بن جاتا ہے۔ خدا کا حکم ہے: ”اُسے پکڑ لے، نہ ڈر“ تاکہ تیرے ہاتھ میں اژدہا لاٹھی بن جائے۔ نفس نے ہمارے اندر دوزخ بھڑکا رکھی ہے۔ اے مُرشدِ پاک! تمہارا پھونکنا اس آگ پر قابو پا سکتا ہے۔ یہ مکار سمندر میری نظر میں بڑا لیکن تمہیں چھوٹا نظر آتا ہے؟ جیسے حضور ﷺ کو کفار کا لشکر مختصر نظر آیا تھا۔ اُن کو کم دکھانا مُبارک تھا کیونکہ یہ اللہ کی رہنمائی کی وجہ سے تھا۔ جس شخص کا کامیابی میں خدا مددگار نہ ہو وہ سمجھ لے کہ اس کو خرگوش بھی شیر نظر آتا ہے اس لیے ہر وقت ہر کام میں اللہ کی نُصرت طلب کرنی چاہیے۔ مبتدی کو اپنا نفس ایک حقیر چیز نظر آتی ہے، وہ اس کی اِصلاح کو معمولی بات سمجھتا ہے۔ غور سے سُن لو! نفس نے بڑے بڑوں کو تباہ کر دیا ہے اُس کی پہچان اہلِ حق ہی کا حصہ ہے۔ فرعون احمق تھا، اُسے اس خوش نصیبی کا مُستحق نہ سمجھا گیا۔

ایک کیڑا جو درخت کی لکڑی میں پیدا ہوا وہ اُس درخت کی اِبتدا سے ناواقف ہے۔ ہماری عقل بھی حادث ہونے کی بنا پر حقیقت سے واقف نہیں ہے۔ عقل ایک مجرّد چیز ہے جو کیڑے کی شکل میں متشکل ہو سکتی ہے۔ عام انسانوں میں بھی عقل جو صرف عالَم کے حدوث کا ادراک کر سکتی ہے، اُس کا علم تقلیدی ہوتا ہے جو کہ حقیقت تک نہیں پہنچتا اور انسان

از خودی بگذر کہ تا یابی خدا
اپنی انا سے گزر جا تاکہ خدا کو پالے

فانیِ حق شو کہ تا یابی بقا
ذاتِ حق میں فنا ہو جا تاکہ تُو بقا حاصل کرے

اِس سے دھوکے میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ تقلیدی علم سے جہل اور دیوانگی کی بے عقلی بہتر ہے۔ اس لیے ناقص عقل جس چیز کو اچھا سمجھے اُس کو بُرا سمجھنا چاہیے۔ ناقص عقل جسے آبِ حیات سمجھے وہ دراصل زہر ہے اور جسے زہر سمجھے وہ آبِ حیات ہے۔ ناقص عقل والا انسان اپنی تعریف سے خوش ہوتا ہے۔ تمہیں چاہیے کہ منہ پر تعریف کرنے والے کو دُور کردو۔ منہ پر تعریف کے سرمائے کو نیکیوں سے کسی مفلس کے سُپرد کردو۔ عقل جس چیز کو عزت سمجھتی ہے وہاں سے گریز کرو۔

آقا سے ڈوم کا عُذر کہ اُس نے بدکار عورت سے نکاح کیوں کیا

ایک آقا نے ڈوم سے کہا کہ تُو نے رنڈی سے کیوں نکاح کرلیا؟ مجھے بتایا ہوتا۔ میں تمہاری شادی کسی پردہ نشین سے کرادیتا۔ وہ بولا: میں نے جان بوجھ کر رنڈی سے نکاح کیا ہے کہ دیکھوں یہ کیسے رہتی ہے؟ اسی طرح عقل کے ذاتِ باری کے ساتھ معاملات کے نقصانات محسوس کرکے دیوانگی کا تجربہ کرنا چاہتا ہوں اُمید ہے مُفید رہے گا۔

سوال کرنے والے کا تدبیر سے بزرگ کو باتوں پر آمادہ کرلینا جنہوں نے اپنے آپ کو دیوانہ بنا رکھا تھا

حضرت بہلول دانا رحمۃ اللہ علیہ ایک بزرگ تھے جنہوں نے مصلحتاً اپنے آپ کو دیوانہ بنا رکھا تھا۔ بانس کا گھوڑا بناکر دن بھر بچوں کے ساتھ کھیلتے رہتے تھے اور خاموش رہتے تھے، لیکن جب بولتے تو بڑی دانائی کی باتیں کرتے۔ ایک شخص نے کسی سے پوچھا کہ میں کسی عقل مند سے ملنا چاہتا ہوں۔ وہ بولا: یہاں ایک بنے ہوئے دیوانے کے علاوہ کوئی عقل مند نہیں ہے۔ سارا دن بچوں سے کھیلتا رہتا ہے۔ اگرچہ دُنیا کی رُوح ہے لیکن اپنی دیوانگی میں چُھپا ہوا ہے۔ لیکن ہر دیوانے کو خدا رسیدہ مت سمجھ لینا۔ اُس کو پہچاننے کے لیے یقین کی آنکھ ہے تو تب اُس سے بات کرورنہ دُور رہ۔ جب تُو ولی کو اصل حالت میں پہچاننے کی صلاحیت نہیں رکھتا تو دیوانگی میں پوشیدہ کو کیسے پہچانو گے۔ جس کی باطن کی آنکھ کھلی ہے وہی کمبل کی آغوش میں کلیم کو پہچان سکتا ہے۔ ہاں مگر ولی خود جس کو چاہتا ہے اپنی ولایت سے روشناس کرادیتا ہے۔ محض عقل سے کسی ولی کو نہیں پہچانا جا سکتا۔ عقل کے ذریعے تو عام انسان کو بھی نہیں پہچانا جاسکتا۔

ایک اندھے فقیر پر کُتّے کا حملہ

ایک کتا کسی اندھے فقیر پر جھپٹا۔ اِسی طرح بعض بے بہرہ لوگ درویشوں کے درپے آزار ہوتے ہیں حالانکہ وہ مقبولانِ بارگاہ میں سے ہوتے ہیں۔ وہ کتا جو سدھایا ہوا ہوتا ہے جنگل میں شکار کرتا ہے۔ بے ہُنر کتے گلی میں اندھے فقیر کے پیچھے پڑتے

مکر کن در راہِ نیکو خدمتے
پُرخلوص خدمت کرنے سے ہی تُو مخدوم بن سکتا ہے

تا نبوت یابی اندر اُمتے
اِس طرح تُو اُمت میں رہ کر نبوت کا رتبہ پالے گا

ہیں۔ علم کی یہ فضیلت ہے کہ کتا بھی اس سے راہ یاب ہو جاتا ہے، تو علم حاصل کر کے انسان بھی فضیلتیں حاصل کر سکتا ہے۔ اصحابِ کہف کے کتے کو اللہ نے نور عطا فرمادیا جس سے اُس نے مالک کو پہچان لیا۔ اے خدا! وہ نور ہمیں بھی عطا فرما جس سے ہم اپنے مالک کو شناخت کرلیں۔ پہچاننے کے لیے آنکھوں کی ضرورت نہیں ہوتی۔ زمین کی آنکھیں نہیں ہیں پھر بھی وہ پہچانتی ہے۔ اُس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پہچان لیا۔ وہ اُن کے لیے خشک ہو گئی اور وہ دریا عبور کر گئے۔ قارون کو پہچان کر ہی اپنے اندر دھنسا لیا۔ حضرت نوح علیہ السلام کی نجات کے لیے پانی کو نگل گئی۔

چاروں عناصر کی آنکھیں نہیں ہیں لیکن وہ اللہ کو خوب پہچانتے ہیں۔ انسان اپنی آنکھوں سے غیر اللہ کو خوب پہچان لیتا ہے لیکن باوجود انبیاء علیہم السلام کے ڈرانے کے اللہ سے غافل بنا ہوا ہے۔ اللہ نے امانت کا بوجھ آسمان، زمین اور پہاڑوں پر ڈالنا چاہا تو وہ اُس سے ڈر گئے اور اُسے قبول نہ کیا۔ اُن کے ڈرنے کی وجہ یہ تھی کہ اُسے برداشت کرنے کے لیے حیوانیت کے اُوصاف ضروری تھے، جن میں خدا سے غفلت کا مادہ بھی شامل ہے۔ اُنہوں نے کہا کہ ہم سے یہ نہیں ہو سکے گا کہ مخلوق کے ساتھ زندہ ہوں لیکن خدا کے تعلق میں مردہ بن جائیں۔ حیوانیت میں بھی خدا سے اُنس قلبِ سلیم کا کام ہے جو کہ ہمیں حاصل نہیں۔ اگر کوئی چور کسی اندھے کا سامان چرالے جائے تو اندھا روتا ہے۔ وہ چور کو نہیں پہچان سکتا، جب تک کہ چور خود اُس سے نہ کہے کہ میں چور ہوں۔ اگر انسان نورِ جسم اور نورِ باطن سے محروم ہو تو اپنے چور کو نہیں پہچان سکتا۔ جب چور مان جائے تو اُس کے ساتھ سختی کرنی چاہیے تاکہ وہ چوری کا پورا پتہ دے دے۔ یہی معاملہ انسان کا اپنے نفس کے ساتھ ہوتا ہے۔

اپنے نفس سے جہاد کرنے کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جہادِ اکبر فرمایا ہے۔ نفس سب سے پہلے انسان کی بصیرت چراتا ہے تاکہ انسان حکمت و دانائی سے محروم ہو جائے جو کہ صرف اہلِ دل ہی سے حاصل کی جا سکتی ہے۔ جس کا باطن اندھا ہو باوجود ظاہری حواس کی دُرستی کے اپنے اندر پیدا ہونے والے شیطانی اثرات محسوس نہیں کر سکتا۔ حکمت صرف اہلِ دل کے پاس ہوتی ہے اور عوام دراصل بے حس پتھر کی طرح ہوتے ہیں۔ اِسی لیے مشورہ چاہنے والے نے حضرت بہلول رحمۃ اللہ علیہ سے رُجوع کیا۔ وہ اُن کے پاس آیا اور کہا کہ اے بچّہ بنے ہوئے باپ! اپنا راز بتا دو۔ اُنہوں نے جواب دیا کہ ناسُوتی انسان کو لاہوت کے رازوں کا علم نہیں ہوتا۔

محتسب کا ایک بدمست پڑے ہوئے کو قید خانہ کی طرف بُلانا

اِس قصّے کا مقصد یہ بتانا ہے کہ ناسُوتی انسان، لاہُوتی رازوں سے

دست را مسپار جز در دستِ پیر
اپنے شیخ کے علاوہ کسی کا ہاتھ نہ تھام

حق شدست آں دستِ اُو را دستگیر
کیونکہ اُس کے ہاتھ کو اللہ کی دستگیری حاصل ہے

واقف نہیں ہوتا۔ ایک کوتوال نے کسی مست کو پڑے ہوئے پایا تو پوچھا کہ کیا تُو نشہ میں ہے؟ بتا تُو نے کیا پیا ہے؟ اُس نے جواب دیا: جو کچھ صراحی میں ہے وہ میں نے پیا ہے۔ کوتوال نے پوچھا: صراحی میں کیا ہے؟ مَست نے کہا: جو میں نے پیا ہے۔ کوتوال اور مَست میں یہی سوال جواب چلتا رہا تو کوتوال نے کہا کہ تجھے قید خانہ میں جانا پڑے گا اس لیے ہائے ہائے کہو۔ مَست خوشی سے نعرے لگاتا رہا اور بولا: اے کوتوال! جانے دے۔ میں تو پہلے ہی ننگا ہوں، اگر مجھ میں کہیں جانے کی طاقت ہوتی تو میں گھر نہ چلا جاتا۔ اگر میں عقل منداور اپنے قابو میں ہوتا تو کسی عزت والی جگہ پر ہوتا۔ میرے پاس سے چلا جا اور کوئی خانقاہ تلاش کر اور نذر یا بخشش حاصل کر لے۔

شیخ بہلول رحمۃ اللہ علیہ کو دوبارہ باپ جیسے میں لگا کر باقی حال معلوم کرنا

حضرت بہلول رحمۃ اللہ علیہ نے مشورہ چاہنے والے سے کہا: اگر مجھ میں عقل ہوتی اور میں اپنے قابو میں ہوتا تو دوسرے مشائخِ طریقت کی طرح شان سے زندگی گزارتا۔ تُو نے غلط انتخاب کیا۔ راز دریافت کرنا ہے تو کسی لمبی داڑھی والے بزرگ کے پاس کسی خانقاہ میں جا۔ حضرت بہلول رحمۃ اللہ علیہ بانس کے گھوڑے پر سوار تھے، کہنے لگے: ہٹ جا' کہیں گھوڑا لات نہ مار دے۔ سوال کرنے والا پیچھے پڑا رہا اور پھر پوچھا: میں ایک عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہوں۔ کیسی عورت مناسب رہے گی؟ اُنہوں نے فرمایا: عورتیں تین قسم کی ہوتی ہیں، دو وبال ہیں اور تیسری خزانہ ہے۔ ایک عورت تو مجسّم شوہر کی ہوتی ہے۔ دوسری آدھی شوہر کی اور آدھی اجنبی۔ عورت کی تیسری قسم وہ ہوتی ہے جو شوہر سے بالکل بیگانہ ہوتی ہے۔ مشورہ چاہنے والے نے پوچھا: میرے لیے کیسی بہتر رہے گی؟ وہ بولے بے شادی شُدہ عورت سے شادی کرلے کیونکہ وہ ہمہ تن شوہر کی ہوتی ہے۔ اگر بیوہ ہو تو اُس کا کچھ تعلق پہلے خاوند سے بھی رہتا ہے۔ پہلے شوہر سے بچہ ہوگا تو اُس کی محبت اُدھر بھی جائے گی۔

بہلول رحمۃ اللہ علیہ پھر بچوں کے ساتھ کھیل میں مشغول ہو گئے۔ آدمی پیچھے بھاگا کہ اے شاہ! ایک سوال رہ گیا ہے۔ آپ عقل میں تو سب سے آگے ہیں لیکن اپنے آپ کو پاگل پن میں کیوں چُھپا رکھا ہے؟ وہ بولے: دفینہ ہمیشہ ویرانوں میں ہوتا ہے۔ اس لیے میں نے اپنے ظاہر کو دیوانہ بنا رکھا ہے۔ اب اگر میں عقل کا اِظہار کروں تو دیوانگی ہوگی۔ دراصل دیوانہ تو وہ ہے جو اپنی عقل کی نمائش کرے اور بوقتِ ضرورت اُس کو چُھپانے کے لیے دیوانہ نہ بنے۔ اِس کی مثال اُس شخص کی سی ہے جس کی گرفتاری کے لیے کوتوال آرہا ہو اور پھر بھی وہ گھر میں نہ چُھپے۔ جو عقل پختہ اور پائیدار ہوتی ہے اُسے نمائش کی ضرورت نہیں ہوتی۔ میری عقل اِس سے افضل ہے کہ میں اُسے دنیاوی معاملات میں خرچ کروں۔ وہ علم

عقلِ کامل را قرینِ کُن با خِرد
اپنی عقل کو شیخ کی عقل کے قریب کر

تا کہ باز آید خِرد زاں خوی بد
کہ وہ تمہیں تمہارے نفس کے شر سے بچا لے گا

دنیاوی علم ہوتا ہے کہ جس کی طرف لوگ توجہ نہ دیں تو بتانے والے کو تکلیف محسوس ہوتی ہے۔ ایسے علم والا داد کا طالب ہوتا ہے، وہ علم چونکہ صرف دُنیا کے حصول کے لیے ہوتا ہے اس لیے اگر قرآن کا بھی ہے تو دنیاوی علم ہی ہے۔ حقیقی علم کا منشا دُنیا سے خلاصی اور تَقَرُّبْ اِلَی اللّٰهِ ہوتا ہے۔ جس طالب علم کا مقصد دُنیا کا حصول ہو اُس کی مثال چوہے کی سی ہے جو روشنی سے بھاگتا ہے۔ یہ بھی نورِ معرفت سے بھاگتا ہے۔ وہ طالب علم جس کو خدا عقلِ سلیم عطا فرما دے وہ عالمِ بالا کی طرف پرواز کرتا ہے۔ وہ علم جس میں حقانیت کی رُوح نہ ہو اور محض لفظی ٹیپ ٹاپ ہو' بے جان ہوتا ہے اور داد دینے والوں کا محتاج ہوتا ہے۔ اگر داد دینے والے نہ ہوں تو فنا ہو جاتا ہے۔

حضرت بہلول رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: میرے علم کا خریدار خدا خود ہے' اسی لیے یہ علم میرے لیے عروج کا باعث ہے۔ قرآن میں ہے کہ اللہ نے مومنوں سے اُن کے جان و مال خرید لیے ہیں اس عوض پر کہ اُن کے لیے جنت ہے۔ میری جان کی قربانی کا خون بہا اللہ کا جمال ہے۔ میں ہر وقت اپنا خون بہا کھاتا ہوں، ایک مُشتِ خاک کیا خریداری کر سکتی ہے۔ وہ عالم جو اپنے علم کی انسانوں سے داد کا طالب ہو مٹی کھانے والے کی طرح ہے۔ وہ ہمیشہ زرد رُو اور شرمندہ رہے گا۔ کسی صاحبِ دل سے اُس کا دل خرید لو۔ اُس کے نور سے تمہارا چہرہ گلِ بابونہ کی طرح سُرخ رہے گا، جو ہمیشہ کی خوشی اور جوانی کی علامت ہے۔

جو دل مادی اشیاء کا طالب ہو وہ تو دل ہی نہیں' ورنہ ایک بُڑھیا چیز کسی گھٹیا چیز کی طالب کیسے ہو سکتی ہے۔ چونکہ دل کا مادی اشیاء سے ہٹ جانا مشکل کام ہے اِس لیے اللہ سے التجا کرو کہ مہربانی فرما کر ہمیں ہمارے نَفْس سے خود خرید لے۔ ہم مجبوروں کی یہ بیڑی تیرے سوا کوئی نہیں کھول سکتا۔ اِس سلسلے میں ہمارے ذاتی کوشش بے کار ہے۔ تُو ہماری شہ رگ سے بھی قریب ہے۔ ہم یہ دُعا نَفْس کے فریب سے نجات کے لیے کر رہے ہیں لیکن یہ بھی تیری ہی توفیق ہے۔ خون اور انتڑیوں میں کچھ تیرے کرم کے سوا کوئی منتقل نہیں کر سکتا۔ آنکھوں میں نور پیدا کرنا بھی تیرا ہی کام ہے۔ زبان سے حکمت اور دانائی کی باتیں کانوں کے ذریعے رُوح تک پہنچانا جس سے انسان میں ہوش مندی پیدا ہو' یہ بھی تیری ہی مہربانی سے ہے۔ قرآن میں ہے کہ اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گننا چاہو تو شمار نہیں کر سکو گے۔ اُس کی نعمتوں کا شکریہ ادا کرنا خود ایک نعمت ہے۔ اب اُس کا شکریہ ادا کرو گے تو ایک اور نعمت آ موجود ہوگی اور یہ سلسلہ چلتا ہی رہے گا کبھی ختم نہ ہوگا۔ ہم اُس کے شکریے سے عاجز ہیں' بس یہی ہمارا شکر ہے۔

دستِ تو از اہلِ آں بیعت شود　　کہ یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ بود

تیرا ہاتھ اُن بیعت کرنے والوں میں شامل ہو جائے گا　　جن کے ہاتھ پر اللہ کا ہاتھ ہے

آنحضورﷺ کا اُس بیمار کو نصیحت کرنے کا بقیہ

حضور ﷺ نے اُس بیمار سے پوچھا کہ کیا تُو نے کوئی ایسی دُعا کی ہے جو تیرے لیے مصیبت بن گئی ہے؟ حضور ﷺ کی توجہ کی وجہ سے اُسے بھولی ہوئی دُعا یاد آ گئی۔ اُس نے کہا: جب میں گناہ میں ڈوب گیا۔ گناہ گاروں کے عذاب کے بارے میں آپ ﷺ کے ارشادات نے مجھے ڈرا دیا۔ میں ہاروت و ماروت کی طرح آہ کرتا تھا اور کہتا تھا کہ عالمِ آخرت کی تکلیف کی کوئی حد نہیں ہے۔ مجھے بجائے آخرت کے یہیں دُنیا ہی میں سزا دے دی جائے اور دُنیا کو چھوڑ کر بدن کو مجاہدہ میں ڈالوں اور آخرت کے عذاب سے چھوٹ جاؤں۔ اِس بیماری نے مجھے بہت تکلیف دی ہے اور میں عاجز آ گیا ہوں۔ اپنے اچھے اور بُرے سے بھی بے خبر ہو گیا ہوں۔ اگر آپ ﷺ تشریف نہ لاتے تو میں تو تباہ ہو گیا تھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: خبردار! ایسی دُعا نہ کرنا۔ ایک چیونٹی کیا طاقت رکھتی ہے کہ کہے کہ خدا! مجھ پر پہاڑ رکھ دے۔ اُس نے کہا: اے شاہ! میں توبہ کرتا ہوں۔ آپ ﷺ 'موسیٰ علیہ السلام' کی طرح ہیں اور ہم گناہ کی وجہ سے تیہ میں مبتلا ہیں۔ جتنی مسافت طے کر لیں پھر پہلی منزل پر ہی ہوتے ہیں، توبہ کرتے ہیں اور پھر گناہ کر بیٹھتے ہیں۔

مُوسیٰ علیہ السلام کی قوم اور اُن کی شرمندگی کا تذکرہ

توبہ کرنے سے قربِ الٰہی حاصل ہو جاتا ہے لیکن پھر گناہ کر بیٹھتے ہیں اور پھر پہلی منزل پر آ جاتے ہیں۔ بنی اسرائیل سوچتے تھے کہ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام ہم سے خوش ہوتے تو ہم ضرور تیہ سے باہر نکل جاتے لیکن وہ ناراض بھی نہیں ہیں کیونکہ ہم پر مَن و سلویٰ برابر اُتر رہا ہے۔ پتھر سے پانی کے چشمے پھوٹ پڑے ہیں۔ کیونکہ وہ ہمارے معاملے میں دو دِلے ہو گئے ہیں، کبھی ناراض ہوتے ہیں کبھی راضی، یہ کب ہوگا کہ وہ بُردبار بن جائیں۔ اُس بیمار صحابی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر کر کے اُن کے فضائل بیان کیے۔ دراصل وہ فضائل آپ ﷺ کے ہیں لیکن چونکہ منہ پر تعریف کرنے سے آپ ﷺ کو ناگواری ہوتی ہے اس لیے اُنہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر کر دیا ورنہ حضرت موسیٰ علیہ السلام خود اس بات کو پسند نہ فرماتے کہ آپ ﷺ کی موجودگی میں اُن کی تعریف کی جائے۔

ہم نے بندگی کا عہد کیا' جو ہزاروں بار ٹوٹا۔ اللہ نے ربوبیت کا عہد کیا' جو ہر وقت برقرار ہے۔ ہم کبھی اطاعت و عبادت کرتے ہیں' کبھی نافرمانی کرتے ہیں۔ یہ سب کچھ قدرتِ خداوندی کا ظہور ہے جو ہماری مختلف کیفیتوں میں ظاہر ہوتا ہے۔ اے اللہ! اگر تُو ہمیں اِمتحان میں نہ ڈالے گا تو دیگر رُسوائیاں ڈھکی چھپی رہیں گی۔ اے میرے پروردگارِ کریم! تیرا جمال اور کمال لامحدود ہے اور بندے کی خطائیں لامحدود ہیں لیکن تُو پردہ پوشی کرنے والا ہے۔ ہماری پردہ پوشی کے

ظاہری اسباب ختم ہو چکے ہیں۔ نیکی کی تمام قوتیں ہم فنا کر چکے ہیں، اُن کے صرف آثار باقی ہیں، مہربانی کر کے جو کچھ باقی ہے اُس کی حفاظت فرما تا کہ بالکل تباہی نہ ہو۔ ہم پر رحم اپنے قدیم رحم کے طفیل کر دے، جو گناہ گاروں کو معاف کرنے کے لیے ہماری تلاش میں ہے۔

اے انسانوں میں رحم کا مادہ رکھنے والے! اگر ہمارے یہ دُعائیہ الفاظ تمہیں پسند نہیں آئے تو تُو ہی وہ دُعا سکھا دے جیسے کہ تُو نے آدم علیہ السلام کو خود سکھا دی تھی، جس سے اُن کی لغزش معاف ہو گئی۔ شیطان نے جو فکر حضرت آدم علیہ السلام کے نقصان کے لیے کیا وہ اُن کے لیے نفع کا سبب بن گیا اور توبہ کی قبولیت کے بعد اُن کو مزید قرب حاصل ہو گیا۔ شیطان نے اپنے مکر کی طرف دھیان کیا۔ اللہ کی تدبیروں کو ذہن میں نہ رکھا اور اپنے مکر سے خود ہی برباد ہو گیا۔ شیطان کے لیے اللہ کی لعنت اُس کی آنکھ کی پٹی بن گئی اور وہ اپنے انجام کو نہ دیکھ سکا۔ اللہ نے حضرت آدم علیہ السلام کا دھیان توبہ کی طرف کر دیا اور وہ کامیاب ہو گئے۔

جب کوئی اللہ کی لعنت میں گرفتار ہوتا ہے تو کج بیں، حاسد اور متکبر اور کینہ ور بن جاتا ہے۔ بُرائی کا وبال ہمیشہ خود بُرائی والے کو بھگتنا پڑتا ہے۔ اگر تکبر نہ ہو تو انسان اپنی بُرائی کو بُرائی سمجھ کر اس کا ازالہ کر لیتا ہے۔ اگر انسان اپنی خطا پر درد محسوس کر لے تو نجات ہو جاتی ہے۔ گناہوں کے ازالہ کے لیے دردِ دل ضروری ہے۔ ماں کو اگر دردِ زہ نہ ہو تو بچّے کی خوش خبری کیسے سُنے؟ بھلائی کی طاقتیں دل میں حمل کی طرح ہیں اور رُوح حاملہ ہے۔ نصیحت کرنے والے کی نصیحت سے اگر درد پیدا نہیں ہوتا تو بھلائی کی طاقتیں اپنا عمل نہیں کر سکتیں۔ جس میں درد کا مادہ نہ ہو وہ بے درد ڈاکو کی طرح ہے، وہ متکبر ہے۔ تکبر کا آخری درجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان اپنے آپ کو فاعلِ حقیقی سمجھنے لگتا ہے جیسے کہ فرعون نے اپنے آپ کو اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی کہا۔ اُس کا ایسا کہنا انتہائے تکبر کی وجہ سے تھا۔ اُس نے یہ الفاظ بے موقع ادا کئے۔ باموقع یہ الفاظ کہنا دُرست ہے، جیسا کہ منصور رحمۃ اللہ علیہ نے وحدت الوجود کے غلبہ میں اپنے آپ کو فنا کر کے صفتِ خداوندی سے متصف ہو کر کہے۔ تکبر کو زیر کرنے کی ترکیب یہ ہے انسان مجاہدات کے ذریعے اُسے قتل کر ڈالے۔ نفس کو مارنے سے انسان کی نجات ہو جاتی ہے۔ اگر بچھو کا ڈنک توڑ دیا جائے تو وہ بے ضرر ہو جاتا ہے۔

نفس کو صرف شیخ کے زیرِ سایہ مارا جا سکتا ہے، لیکن شیخ کا دامن پکڑنا بھی خدا کی تائید کے بغیر ممکن نہیں۔ مرید کو شیخ کا دامن مضبوطی سے تھامنا چاہیئے کیونکہ اُس کو باطنی قوت شیخ کے ساتھ گہرے تعلق سے حاصل ہوتی ہے۔ جنگ بدر میں "وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ" (تُو نے نہیں پھینکا جبکہ پھینکا) کہہ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کو اپنا فعل قرار دیا یعنی مرید کو مرادِ ہی

تا نخوانی لَا وَ اِلَّا اللہ را جب تک تُو کلمے اِلَّا اللہ کیطرف نہیں آئے گا	در نیابی منہج ایں راہ را عشق کی راہ پر نہیں پڑ سکے گا

سے قوت حاصل ہوتی ہے۔ اگر وصول اِلَی الْحَق میں دیر لگے تو گھبرانا نہ چاہیے۔ جس طرح خدا کا عذاب دیر سے آتا ہے اور سخت آتا ہے اسی طرح رحمت بھی آزمائشوں کے بعد متوجہ ہوتی ہے اور پھر قرب کی کیفیت بھی اسی شدت سے حاصل ہوتی ہے۔ حضور ﷺ پر وحی کا نزول رُک گیا تو یہود نے کہا کہ اللہ نے اُن پر رحمت ختم کردی ہے تو سورۃ وَالضُّحٰی کا نزول ہوا اور حضور ﷺ کی خوب تسلی کرا دی گئی۔ انسان میں بُری قوتوں کا پیدا ہونا بھی اللہ کا فعل ہے کیونکہ بدی اور خوبی کا خلق بھی اللہ کا کمال ہے۔ اگر ہم کہیں کہ بدی کا خالق وہ نہیں ہے تو اُس کے کمال کا نقص ہوگا۔

اِس معنیٰ کے بیان میں ایک مثال کہ ہم ایمان لائے اچھی اور بُری تقدیر پر

ایک نقاش نے اچھے اور بُرے نقش بنائے۔ یوسف علیہ السلام کا نقش حسین ترین ہے اور شیطان کا بھیانک، اگر دونوں نقش مکمل ہیں تو نقاش کے کمال پر دلالت ہیں۔ حسین نقش سے ہر شخص لطف اندوز ہوتا ہے۔ حسین نقش کو حسین ترین بنانا مصوّر کا کمال ہے اور بھیانک نقش کو انتہائی بدصورت بنانا بھی اُس کا کمال ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ بدصورت بنانے کی طاقت نہیں رکھتا تو یہ اُس کے ناقص ہونے کی دلیل ہے اور وہ ہر طرح کے نقص سے پاک ہے۔ لہٰذا اُسے مومن اور کافر دونوں کا خلّاق ماننا پڑے گا۔ کافر اور مومن دونوں اُس کو سجدہ کرتے ہیں لیکن دونوں کے سجدے میں فرق ہے۔ مومن کا سجدہ اختیاری اور رضائے قلب سے ہے اور کافر کا سجدہ اضطراری ہے۔ اضطراری فعل میں قصد یا ارادہ نہیں ہوتا۔ بدصورت کہتا ہے اے اللہ! تو خوب صورت اور بدصورت کا پیدا کرنے والا ہے۔ خوب صورت کہتا ہے کہ اے شاہ! تُو عیبوں سے پاک ہے۔ تُو جو چاہے وہ کرتا ہے۔ اچھے اور بُرے کو پھول اور کانٹے کی طرح پیدا کرتا ہے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بیمار کو نصیحت کرنا اور دُعا سکھانا

حضور ﷺ نے بیمار کو نصیحت فرمائی کہ انسان کو ہمیشہ ہر حالت میں اپنی بھلائی کے لیے دُعا کرنی چاہیے۔ قیامت پر پُل صراط پر سے مومن و کافر دونوں کو گزرنا ہوگا جو جہنم پر قائم کیا جائے گا۔ مومن اُس پر سے گزر کر جنت میں پہنچ جائے گا۔ اُس پر سے گزرتے ہوئے دوزخ کا منظر مومن کے لیے سبز باغ کا منظر بن جائے گا۔ اُس نے چونکہ اپنے نفس کی جہنمی صفات کو مجاہدات کے ذریعے زائل کر دیا تو آخرت میں بھی وہ صفات تبدیل ہو جائیں گی۔ اُس نے مجاہدات سے اپنے نفس کی بُرائیوں کو بھلائیوں میں تبدیل کر دیا۔ جب انسان اللہ کی خوشنودی کے لیے نفس کی بُرائیوں کو زائل کر دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُسے آخرت کی بُرائیوں سے محفوظ فرما دیتا ہے۔ اُس کی بُرائیاں

آب دیدہ تا چہ دیدہ است از نہاں آنسو نے پوشیدہ طور پر کیا دیکھ لیا ہے	تا بداں شُد او زِ چشمہ خود رواں کہ چشمے سے خود ہی رواں ہو گیا ہے

بھی بھلائیوں میں تبدیل کر دی جاتی ہیں۔ اللہ کی محبت کے باغ میں دریائے معرفت کے کنارے سے ذکر و تسبیح کی بُلبلیں نغمے گاتی ہیں۔

قرآن کہتا ہے: مہربانی اور اِحسان کا بدلہ مہربانی اور اِحسان ہے۔ اُن لوگوں نے اپنی جانیں اللہ کے لیے گروی رکھ دی ہیں۔ جب تک دوست کا خیال اُن کے دلوں میں موجود ہے یہ فِدا کاری کرتے رہتے ہیں۔ اُس کے وہ عاشق جو اِس کی بارگاہ کے اندر حاضر ہیں، اُنہوں نے عشقِ الٰہی کی شمعیں جلا رکھی ہیں۔ لوگوں کو اُن کی صحبت اِختیار کرنی چاہیے۔ اِس طرح وہ عاشق اُنہیں اپنے دل میں جگہ دیں گے اور شرابِ معرفت سے مَست کر دیں گے۔ اِن کے دل میں تُو جگہ بنا لے، تیری جگہ آسمان میں بن جائے گی۔ اِن عاشقانِ خدا کی صحبت میں اُنہیں وحدتِ حقیقی کا جلوہ نظر آئے گا اور وہ سب چیزوں میں ایک ہی وجود دیکھے گا۔ اُن کی صحبت سے غیبی اَسرار مُشاہدے میں آ جائیں گے۔

جھوٹ اور فریب سے کب تک مدد حاصل کرتے رہو گے۔ انسانوں کے لیے دُنیاداروں کی جھوٹی تعریفوں سے بزرگوں کی کڑوی باتیں زیادہ مُفید ہیں۔ بزرگوں کی سختی جھیلنے سے نفع ملتا ہے۔ مادی جسم جو ایک بے حس چیز ہے، رُوح کی صحبت میں حَسّاس ہو جاتا ہے۔ اِسی طرح مرید شیخ کی محبت سے ابدی زندگی حاصل کر لیتا ہے۔ یہ زندگی کا اعلیٰ اصول ہے کہ جو اُستاد کا ادب نہ کرے گا اور صحبت برداشت نہ کرے گا ہمیشہ محروم رہے گا۔ عام طور پر اُستاد سے بھاگنے کا سبب یہ ہوتا ہے کہ وہ اُستاد کو اپنی منشا کے مطابق چلانا چاہتا ہے۔ جب اس میں کامیابی نہیں ہوتی تو بھاگتا ہے۔

اگر مرید شیخ کی مرضی کے مطابق مجاہدے کرے تو اپنی اور دوسروں کی ہدایت کا سبب بن جائے۔ دین پر دُرست طرح سے عمل کرنے سے رُوح کی اصلاح ہوتی ہے اور اِس طرح بقا حاصل ہو جاتی ہے۔ دین کی نامردی دُنیا میں تو چُھپ سکتی ہے لیکن آخرت میں سامنے آ جائے گی۔ دُنیا میں دُنیا کے کاموں کی اُجرت ملتی ہے' آخرت میں آخرت کے کاموں کی اُجرت ملے گی۔ قرآن میں دُنیا کو کھیل کود کہا گیا ہے۔ دنیاوی کاروبار صرف نمائش ہے، اِس کی بقا نہیں ہے۔ جیسے ایک بچہ دوسرے بچے سے جماع کرے تو یہ محض جماع کی نقل ہوگی، بچہ پیدا نہیں ہوگا۔ دنیاوی کاروبار کو بچوں کی فرضی دُکان کی طرح اور موت کو رات تصور کرو۔ جس طرح فرضی دُکان والا بچہ شام کو بلا کمائی کے گھر کو تنہا لوٹتا ہے' اِسی طرح موت آنے پر تم بلا کمائی تنہا کوچ کرو گے۔ دین کی کمائی عشقِ خُداوندی اور باطنی جذب ہے اور اُس کی قابلیت خدا داد ہے۔ نفس کا تقاضہ فانی لذّتیں حاصل کرنا ہے۔ نفسِ امّارہ اگر کسی بھلے کام کی ترغیب دیتا ہے تو اُس کے پسِ پُشت کوئی دھوکا ہوتا ہے۔

خوفِ حق گر باشد آں گریہ خوشست	**زانکہ آں آبے دفعِ آتش ست**
اگر یہ اللہ کے خوف سے ہے تو بہتر ہے	کیونکہ یہ پانی آگ کو بُجھانے کے کام آئے گا

شیطان کا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو نماز کے لیے بیدار کرنا

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ لوگوں کی ملاقاتوں سے تھک کر محل کا دروازہ بند کر کے سو گئے۔ کسی نے اچانک اُنہیں جگا دیا اور چُھپ گیا۔ اُنہوں نے سوچا یہ گستاخی کس نے کی؟ اُنہوں نے چکر لگا کر جستجو کی تو وہ پردے کے پیچھے منہ چُھپا رہا تھا۔ اُنہوں نے نام پوچھا تو بولا: ”ابلیس“۔ اُنہوں نے پوچھا: تُو نے مجھے کیوں جگایا؟ اُس نے کہا: نماز کا وقت جا رہا ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ عبادات کو فوت ہونے سے پہلے پورا کر لو۔ اُنہوں نے کہا: تُو تو ایمان کا ڈاکو ہے تُو مجھ پر مہربان کیوں ہوا؟ شیطان نے کہا: میں ایک زمانے میں مُعلم الملکوت تھا۔ میں فرشتوں کو نیکی کی تعلیم دیتا تھا۔ لیکن اپنے وطن کی ابتدائی محبت دل سے نہیں نکلی تھی۔ مجھ پر اللہ کے بے حد احسانات ہیں میں اُنہیں کیسے بھلا سکتا ہوں۔ اگر وہ ناراض ہے تو میں اُس کے کرم سے مایوس نہیں ہوں کیونکہ وہ فرماتا ہے: ”میری رحمت میرے غضب سے بڑھی ہوئی ہے“ اگر خدا کسی کو اپنے دربار سے دُور کرتا ہے تو اس لیے کرتا ہے کہ دربار کی قدر معلوم ہو جائے۔ جب جُدائی کی سزا ملتی ہے تو وصل کی قدر ہوتی ہے۔

دنیا کے پیدا کرنے میں اللہ کا اپنا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ مخلوق تو خود محتاج ہے، اِس سے اللہ تعالیٰ کو کیا فائدہ ہو سکتا ہے۔ اللہ اپنی ناراضگی میں ایسا کوئی سبب پیدا فرما دیتا ہے جس سے بندے کو تکلیف پہنچتی ہے تو لوگ سبب پر نظر کر کے کڑھتے ہیں۔ میں اسباب والے پر نظر رکھتا ہوں۔ مہربانی اُس کی قدیم صفت ہے اور قہر بعد کی۔ میں قدیم صفت کو پیشِ نظر رکھتا ہوں اور مایوس نہیں ہوتا۔ حضرت آدم علیہ السلام کو میرا سجدہ نہ کرنے کی وجہ میرا حسد تھا اور وہ حسد عشقِ خداوندی کی وجہ سے تھا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ کوئی میرے محبوب کا مُقرّب بنے۔ رقیب یہ پسند نہیں کرتا کہ کوئی دوسرا اُس کے محبوب کا ہم نشین ہو۔ دوستی اور عشق میں رقیب کا حسد کرنا لازمی ہے، جیسے چھینک کے ساتھ دُعا لازمی ہے۔ آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کرنے کی بازی میں نے کھیلی اور میں مصیبت میں پھنس گیا۔ میں نے اُس کی ذات سے بازی ہاری ہے لہٰذا میں اس ہارنے میں بھی لُطف اندوز ہوتا ہوں۔ میری اِس مصیبت سے رہائی بھی اُسی کے اِختیار میں ہے، چاہے کفر ہے یا ایمان ہے، سب اُسی دربار کا بنایا ہوا ہے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ابلیس کے سامنے دوبارہ تقریر

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اُسے کہا کہ تُو نے مجھ جیسے لاکھوں کو گمراہ کیا ہے۔ تُو آگ ہے، جس کا کام جلا ڈالنا ہے۔ میں تیرے مکر کے سامنے کوئی چیز نہیں ہوں۔ تُو وہ پرندہ ہے جس کی سیٹی کی آواز سے پرندے جال

اللہ اللہ اللہ اے وافی مُرید	گرچہ در تقلید ہستی مُستفید
اے وفادار مُرید! اللہ کے لئے رو	اگرچہ کسی کی تقلید میں ہو فائدہ ہوگا

میں پھنس جاتے ہیں۔ تُو نے نوح علیہ السلام کی قوم کو برباد کیا۔ قومِ عاد کو عذاب میں گرفتار کیا۔ قومِ لوط تیری وجہ سے سنگسار ہوئی۔ نمرود تیری وجہ سے مرا۔ فلسفی فرعون کی عقل تُو نے اندھی کر دی۔ ابولہب تیری وجہ سے نالائق بنا۔ تُو نے ابوالحکم کو ابوجہل بنا ڈالا۔ تُو مکاری کا سمندر ہے اور لوگ تیرے سامنے قطرے کی طرح ہیں۔

ابلیس کا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو تیسری مرتبہ جواب

ابلیس بولا: مجھے خدا نے کھرے اور کھوٹے کا امتحان بنایا ہے۔ میں اچھوں کا بھی دوست ہوں، اور بُروں کا بھی۔ میں اگر لوگوں کے سامنے چارہ ڈالتا ہوں تو یہ دیکھنے کے لیے کہ جانور کس قسم کا ہے۔ اللہ کا قہر اور مہر باہم ملے ہوئے ہیں۔ اِن دونوں سے خیر و شر پیدا ہوئے۔ سیدھی بات ہے اگر کوئی انسان نَفس کی غذا کی تلاش میں ہے تو بُرا ہے اور اگر رُوح کی غذا کی تلاش میں ہے تو اچھا ہے۔ اگر جسم کی پرورش میں لگا رہے تو گدھا ہے، اگر رُوح کے سمندر میں جاتا ہے تو موتی پاتا ہے۔ نبی طاعات کا سبق دیتے ہیں اور اُن کے دشمن شہوتیں پیش کرتے ہیں۔ نیکی اور بدی کو پیدا کرنے والا میں نہیں ہوں۔ میں تو صرف بلانے والا ہوں۔ بھلے کو میں بُرا کیسے بنا سکتا ہوں۔

ایک کالے نے آئینے پر تھوک دیا کہ اُس کی کالی صورت دکھاتا ہے۔ آئینہ بولا: میری خطا کیا ہے؟ اُس کو خطاوار کہہ جس نے مجھے شکلیں اصلی حالت میں دکھانے والا بنایا۔ میں تو انسانوں کی بُرائی پر گواہ ہوں۔ جن دلوں میں ایمان کا پانی نہیں ہوتا میں صرف اُن کو تباہ کرتا ہوں۔ بدعمل کی اِصلاح کے سامان تو ہیں لیکن بداصل کی اِصلاح ناممکن ہے۔ اگر تم سمجھ گئے ہو کہ میں اچھوں کے ساتھ اچھائی کرتا ہوں اور ناقابلِ اصلاح کو تباہ کرتا ہوں تو میں نے تمہیں دین ہی کے لیے جگایا ہے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اے ڈاکو! حجت نہ کر۔ بے ایمانی سے میرے گرد چکر نہ لگا۔ ڈاکو اگر سامان خریدنے والے کی شکل اِختیار کرے تو مکاری اور چالاکی ہے۔

شیطان کے مکر سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا اللہ سے نالہ وزاری کرنا اور مدد چاہنا

اُنہوں نے عرض کی: اے میرے رب! نہ معلوم یہ کیا چال چل رہا ہے۔ شیطان پر محض دلائل سے بغیر فضلِ خداوندی غلبہ حاصل کرنا ممکن نہیں ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کو تُو نے تمام اَسماء کی تعلیم دی لیکن پھر بھی شیطان نے اُنہیں دھوکا دے دیا اور وہ رَبَّنَا ظَلَمْنَا کا رونا روتے تھے۔ اے شیطان! تیری ہر بات میں شر ہے اور اُس میں لاکھوں جادو چھپے ہوئے ہیں۔ سچ بتا تُو نے مجھے نماز کے لیے کیوں جگایا؟ وہ بولا: جو

تا نگوئی دیدم آں شہ می گریست
جب وہ شاہ آنسو بہا رہا ہو تو تُو یہ نہ کہہ

من چو او بگریستم کایں منکر یست
کہ میں اُسکی طرح رویا، یہ شیخ کی فضیلت کا انکار ہے

شخص بدگمان ہو وہ کوئی سچی بات بھی نہیں سنتا۔ تمہارا مجھے بُرا سمجھنا تمہارے نفس کا دھوکہ ہے۔ اپنے نفس سے رہائی کی دُعا کرو۔

شیطان حشر میں بھی یہی کہے گا کہ مجھے ملامت مت کرو اپنے نفس کو ملامت کرو۔ انسان شیطان سے تو دُور بھاگتا ہے لیکن خود اُس کا اپنا نفس شیطان سے بھی زیادہ شریر ہے۔ اِس سے بے توجہی برتتا ہے۔ انسان کا نفس لذتوں کے پیچھے دوڑتا ہے اور اپنے انجام کی ہلاکت سے غافل ہوتا ہے۔ خواہشِ نفس انسان کو اندھا بنا دیتی ہے۔ شیطان کہتا ہے مجھے بدی سے نفرت ہے۔ تھوڑی سی بدی مجھ سے ضرور ہوئی اور اِس کے لیے میں شرمندہ ہوں۔ اے لوگو! کینہ و حرص تو عناصرِ اربعہ کی پیداوار ہیں اور میں تو عناصرِ اربعہ سے نہیں بنا ہوں۔ میں خود اپنی خطا کی بخشش کا اُمیدوار ہوں۔ چونکہ میں بدنام ہوں، اس لیے ہر بُرائی تم مجھ سے منسوب کر دیتے ہو۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا شیطان سے مقصد کی حقیقت پھر معلوم کرنا

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: تُو مجھے سچ بتا دے کہ تو نے مجھے نماز کے لیے کیوں جگایا؟ شیطان نے جواب دیا کہ اگر میں سچ بتا دوں گا تو آپ کیسے یقین کر لیں گے جب کہ آپ میرے بارے میں شک میں مبتلا ہیں۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ سچ اور جھوٹ کی علامتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بتا دی ہیں۔ وہ یہ کہ جھوٹی بات سُن کر مومن کا دل مطمئن نہیں ہوتا اور سچی بات سُن کر مطمئن ہو جاتا ہے۔ جس طرح پرندہ دانے پر لپکتا ہے اُسی طرح مومن کا دل سچائی کی طرف لپکتا ہے۔ یہ علامت صرف خالص مومن کی ہے، اگر کسی کا دل گناہوں کی وجہ سے بیمار ہو اس کے لیے یہ علامت نہیں ہے۔ جب دل امراض سے خالی ہو وہ ہر علم رکھتا ہے۔ چونکہ آدم علیہ السلام میں گندم کھانے کی حرص پیدا ہو گئی تھی لہٰذا وہ شیطان کے جھوٹ کو نہ پہچان سکے اور دھوکا کھا گئے۔ لوگ دُنیا میں تمنا اور حرص میں مبتلا ہیں اس لیے تیرے مکر کو قبول کر لیتے ہیں۔ ایک قصہ سُن لے۔

قاضی کا قضیات کی مصیبت کا شکوہ اور اُسکے نائب کا جواب

لوگوں نے ایک قاضی کو مسند نشین کیا تو وہ رونے لگا۔ اُس کے نائب نے پوچھا: یہ تو خوشی کا وقت ہے تم روتے کیوں ہو؟ قاضی بولا: مُدّعی اور مدّعا علیہ دونوں معاملے کی اصل سے واقف ہوتے ہیں اور قاضی کو حالات کا کچھ علم نہیں ہوتا، وہ اُن کے معاملات کو کیسے جان سکتا ہے؟ نائب بولا: فریقین اگرچہ معاملے کو جانتے ہوتے ہیں لیکن اُن کے دلوں میں خود غرضی سمائی ہوتی ہے اس لیے جھگڑتے ہیں۔ انسان میں بے غرضی

گریۂ اُو زغم نیست و زفرح
شیخ کا رونا نہ تو غم سے ہے اور نہ خوشی سے

رُوح داند گریۂ عین الملح
اُس کا رونا شوقِ خداوندی ہے رُوح جانتی ہے

ہوتو معاملہ واضح ہو جاتا ہے۔ خلوص، جہل کو علم سے بدل دیتا ہے اور خود غرضی بڑے سے بڑے عالم کو جاہل بنا دیتی ہے۔ اگر تُو رشوت نہ لے گا تو حقیقت دیکھ لے گا ورنہ نہیں۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے نفسانی غذا ترک کر دی ہے اس لیے میں جان لوں گا کہ تُو سچ بول رہا ہے یا جھوٹ، تُو سچ بتا دے کہ تُو نے مجھے کیوں جگایا؟

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا شیطان سے جگانے کی وجہ کا اقرار کرا لینا

وہ بولا: شیخ سُن لیجیے اگر آپ کی نماز باجماعت نکل جاتی تو آپ کے لیے یہ دُنیا اندھیر ہو جاتی۔ نقصان اور درد کے آنسو بہتے۔ اِس عاجزی کے نور کی وجہ سے آپ کو دو سو نمازوں کا اجر ملتا، کجا نماز اور کجا عاجزی کا نور۔ ایک صحابی مسجد کی طرف جا رہا تھا۔ لوگ مسجد سے نکل رہے تھے۔ اُس نے پوچھا: جماعت کا کیا ہوا؟ کسی نے کہا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم جماعت ختم کر کے دُعا سے بھی فارغ ہو گئے ہیں۔ اُس جماعت سے محروم نمازی نے ایسی آہ بھری جس میں درد تھا اور دل کے خون کی بُو تھی۔ ایک شخص نے اُس سے کہا: میں اپنی نماز کا ثواب تجھے دیتا ہوں تُو اِس آہ کے ثمرات مجھے دے دے۔ یہ مان گیا، وہ عاجزی اور تضرّع کو لیے گھر لوٹا۔ رات کو خواب میں غیبی آواز نے اُسے کہا: تُو نے تو آبِ حیات خرید لیا۔ اُس کی اِس پسندیدگی کے احترام کی وجہ سے تمام لوگوں کی نماز قبول ہو گئی۔

میں اگر آپ کو نہ جگاتا اور نماز کے جانے پر جو آہ و فغاں آپ کرتے اور اُس کا جو اجر آپ کو ملتا اُس سے دُور رکھنے کے لیے میں نے آپ کو جگا دیا۔ میں تو آپ کا دشمن ہوں، آپ کا نفع نہیں دیکھ سکتا۔ بعض باتیں بظاہر بھلی معلوم ہوتی ہیں لیکن اُن کی تہ میں شرارت ہوتی ہے۔

ایک شخص کے پکارنے کی وجہ سے چور کا بچ نکلنا جب کہ مالک چور کو پکڑنے کے قریب تھا

ایک شخص نے چور کو اپنے گھر میں دیکھا اور اُس کے پیچھے دوڑا۔ چور آگے آگے تھا اور وہ اُس کے پیچھے، چور دوڑتے دوڑتے تھک گیا۔ قریب تھا کہ وہ شخص چور کو پکڑ لے کہ پیچھے سے کسی نے آواز دی کہ واپس آ اور دیکھ یہاں کیا حال ہے۔ اُس نے سوچا یہ کوئی میرا خیر خواہ ہے اور زیادہ بڑے خطرے سے بچانا چاہتا ہے۔ اُس نے چور کا پیچھا چھوڑ دیا اور اُس کی طرف آ گیا۔ وہ شخص بولا: یہ دیکھو چور کے پَیروں کے نشان ہیں۔ چور اُدھر بھاگا ہے۔ اُس نے کہا: اے بے وقوف! تُو نے مجھے واپس اِس لیے بلایا ہے؟ میں نے تو چور کو تقریباً پکڑ ہی لیا تھا۔ میں اپنے دشمن کو پکڑ کر گھسیٹتا، تُو نے اُسے چھڑا دیا کہ یہ نشان ہے۔ میں اصل مقصد تک پہنچ چکا تھا، تُو مجھے اسباب اور وجوہ بتا رہا ہے۔ کسی کو ذات کی تجلی حاصل ہو جائے تو اُسے صفات کی تجلی کی ضرورت نہیں رہتی۔ جب

گریۂ او خندۂ او زاں سریست	زانچہ وہم و عقل باشد آں بریست
شیخ کا رونا اور ہنسنا اللہ کی طرف سے ہے	جو عقل یا خیال سے الگ ہے

کوئی شخص پانی کی تہہ میں پہنچ جاتا ہے تو اُس کی نظر پانی کے رنگ کی طرف نہیں ہوتی۔ اگر کوئی ذات کی تجلی کے بعد صفات کی تجلی میں مستغرق ہو جائے تو اُس نے اپنا مرتبہ گرا لیا۔ عام لوگوں کی نیکیاں مقربین کے لیے گناہ کی طرح ہیں۔

ایک بادشاہ کا اپنے وزیر کو معزول کر کے کوتوال بنا دینا

اگر بادشاہ کسی وزیر کو کوتوال بنا دے تو بادشاہ اُس کا دشمن ہوگا۔ لیکن اگر کسی وزیر کو کوتوال بنا دیا جائے تو سمجھو کہ وزیر سے کوئی قصور ہوا ہے۔ ایسا ضرور وزیر کی کسی نادانی کی وجہ سے ہی ہوا ہے۔ لائق آدمی تو اپنا حصہ ہمیشہ بڑھاتا ہے۔ کج روی کی ایک مثال قرآن سے سُن۔

منافقوں کا مسجدِ ضرار بنانا

بعض اوقات بظاہر ایک معاملہ اچھا نظر آتا ہے لیکن اُس میں بُرائی پوشیدہ ہوتی ہے۔ مسجد بنانا بظاہر ایک اچھا فعل ہے لیکن منافقوں نے مسجدِ ضرار انتشار پیدا کرنے کے لیے، ''مسجد قُبا'' کے مقابلے میں بنائی۔ اُن کا یہ فعل بدنیتی پر مبنی تھا۔ اُنہوں نے کہا کہ ہم نے یہ مسجد اس لیے تعمیر کی ہے کہ بارش کی مجبوری اور ضرورت میں یہاں نماز ادا کر لیا کریں۔ جتنی زیادہ مسجدیں ہوں گی اتنا ہی اچھا ہے، عبادت زیادہ کی جائے گی۔ یہ سب اُن کی جھوٹی باتیں تھیں۔ اگر سچی ہوتیں تو اُن کا مقصد ضرور پورا ہوتا۔ جھوٹی باتوں کی مثال گندگی پر اُگے ہوئے سبزے کی سی ہے۔ بے وفاؤں کی مہربانی پُرانے پل کی طرح ہوتی ہے۔ انسان بے خبری میں اُس پر سے گزرتا ہے تو پل بیٹھ جاتا ہے۔ لشکروں کو شکستیں بھی عموماً بے وفاؤں کی وجہ ہی سے ہوتی ہیں۔

منافقوں کا آنحضورﷺ کو بہکانا کہ مسجدِ ضرار میں تشریف لے جائیں اور آپﷺ کا اُن کے مکر کو نہایت بُردباری سے ظاہر نہ کرنا

مُنافق جو حرکتیں کرتے تھے حضورﷺ اُن کی حقیقتوں سے واقف ہوتے ہوئے بھی شرافتِ نفس کی وجہ سے اُن کا اظہار نہ فرماتے تھے۔ وہ فرماتے: میں تم سے زیادہ تم پر مہربان ہوں۔ اُنہوں نے حضورﷺ سے مسجد میں چلنے کی درخواست کی لیکن وحی کے ذریعے منافقوں کے اصل احوال سے اُنﷺ کو باخبر کر دیا گیا۔ حضورﷺ غزوۂ تبوک پر تشریف لے گئے۔ مُنافق پھر آئے اور اُنﷺ کو وہاں چلنے کو کہا۔ اللہ کا حکم آ گیا کہ اُن کو صاف انکار کر دو۔ آنحضورﷺ نے اُن کو فرمایا: ''چُپ رہو ورنہ تمہاری جملہ سازشیں کھول دوں گا''۔ مُنافقوں نے یہ چال صحابہ میں انتشار پیدا کرنے کی غرض سے کی تھی۔ حضورﷺ نے صحابہ کو آگاہ کرنے کے لیے اُن کی سازشوں کا ذکر فرما دیا۔ مُنافق اُس وقت تو شرمندہ ہو کر چلے گئے لیکن بعد میں قرآن کو لے کر آئے اور اُس کی قسمیں اُٹھائیں۔ قرآن

گریۂ اُو خندۂ اُو زاں سر یست
شیخ کا رونا اور ہنسنا اللہ کی طرف سے ہے

زانچہ وہم و عقل باشد آں بریست
جو عقل یا خیال سے الگ ہے

نے فرمایا کہ مُنافق اپنی قسموں کو ڈھال بناتے ہیں۔ جھوٹے لوگ ہمیشہ زیادہ قسمیں کھاتے ہیں۔ اللہ نے قرآن میں فرمایا: خدا گواہی دیتا ہے کہ ضرور مُنافق جھوٹے ہیں۔ آپ ﷺ مسجدِ ضرار میں ہرگز قیام نہ کریں۔ اُن کی تمام قسمیں جھوٹی ہیں۔

صحابہ رضوان اللہ علیہم میں سے ایک کا شبہ کے ساتھ سوچنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پردہ پوشی کیوں نہیں فرماتے

ایک صحابی نے حضور ﷺ کی جانب سے مُنافقوں کی تکذیب کو کرم اور ستر پوشی کے خلاف سمجھا۔ صحابی کے دل میں یہ بات مُنافقوں سے محبت کی وجہ سے پیدا ہوئی۔ وہ سویا تو خواب میں اُسے مسجدِ ضرار گندگی سے پُر نظر آئی۔ اُس کے پتھروں سے کالا دُھواں اُٹھ رہا تھا اور اُس کے حلق میں گھس رہا تھا۔ وہ فوراً اُٹھے۔ اُنہوں نے سمجھ لیا کہ یہ خواب اُن کے لیے تازیانہ ہے۔ حضور ﷺ جس غصّے کا اِظہار فرما رہے تھے وہ بہتر تھا بہ نسبت اُس علم کے جس کو میں نے اچھا سمجھا اور اُس کو بہتر سمجھنے کی بدولت نورِ ایمان سے محروم ہو رہا ہوں۔ وہ لوگ جو حقیقت سے محروم ہوں اُن کے اعمال کی ہر تہہ پیاز کے چھلکے کی طرح بے مغز اور بدبودار ہوگی۔ مُنافقوں کا مسجدِ قُبا کو برباد کرنے کا ارادہ اُسی طرح کا تھا جیسا ابرہہ کے لشکر کا خانہ کعبہ کو برباد کرنے کا تھا۔ سب صحابہ کو اسی طرح کے خواب دکھائے گئے۔ صحابہ چونکہ اصلی مسلمان تھے، قرآنی احکام پر بے دلیل ایمان رکھتے تھے اور آنکھ بند کر کے حضور ﷺ کے احکام پر عمل کرتے تھے۔

وہ شخص جو اپنا گُمشُدہ اُونٹ تلاش کرتا تھا

تیرا اونٹ گم ہوگیا اور تُو چُستی سے اُس کی تلاش میں سرگرداں ہوگیا۔ تُو لوگوں سے پوچھتا پھرتا ہے اور کہتا ہے کہ جو میرے اونٹ کی خبر بتائے گا انعام پائے گا۔ کمینے لوگ تیرا مذاق اُڑائیں گے، مگر جس میں قبولِ حق کی استعداد ہوتی ہے وہی حق کو قبول کرتا ہے۔

اللہ کی ذات نظروں سے غائب ہے اور لوگ طرح طرح سے اُس کی صفات بیان کرتے ہیں۔ ذاتِ باری کے بارے میں فلاسفہ کا قول ہے کہ ذات خالص ہے اور صفات فرضی ہیں۔ بعض لوگ کُل صفات کو مانتے ہیں اور کیفیت کی تفصیل نہیں کرتے۔ بعض ذات کے عرفان کے مدعی ہیں لیکن حقیقت سے خالی ہیں۔ اُن سب گروہوں کی نہ سب باتیں صحیح ہیں اور نہ سب غلط ہر باطل کے ساتھ کچھ نہ کچھ حق ضرور ملا ہوا ہوتا ہے۔ کھوٹے سکّے میں ملاوٹ کے ساتھ کچھ اصل بھی ضرور ہوتا ہے۔ جھوٹے آدمی کے جھوٹ میں کچھ نہ کچھ سچ بھی ملا ہوتا ہے۔ اگر کجی کے ساتھ سیدھا پَن نہ ہوتو

ہر کسے را خدمتے دادہ قضا
قُدرت نے ہر ایک کے لیے ایک خدمت عطا کی ہے

در خورِ آں گوہرش دَر ابتلا
جو کہ اس کی استعداد کے مطابق آزمائش ہے

کوئی خریدار نہیں بنے گا۔

سب مذاہب میں حق اور باطل ملا جلا ہے۔ ہر مذہب کی ہر بات کو باطل نہیں کہا جا سکتا۔ حق میں باطل اُسی طرح چھپا ہوتا ہے جس طرح شبِ قدر دوسری راتوں میں۔ پوشیدہ رکھنے میں یہ حکمت ہے کہ اصل کی تلاش جاری رہے۔ مصنوعی فقراء میں بھی کوئی اللہ کا بندہ ہوتا ہے۔ عقل مند مومن کو چاہیے کہ اُن میں تلاش کرے، اگر سب سودے بے عیب ہوں تو ہر بے وقوف سوداگر بن بیٹھے۔ اگر سب معیوب ہوں تو عقل کا کوئی کام نہیں رہتا۔ جو لوگ انبیاء علیہم السلام کی ہدایت کے ماتحت اعمالِ حسنہ کا کاروبار کرتے ہیں وہ نفع میں ہیں لیکن دنیاوی نفع مدِ نظر نہیں ہونا چاہیے۔ فرعون اور ثمود نے دنیاوی نفع کو نفع سمجھا، اُن کا حشر دیکھ لو۔

ہر چیز کی آزمائش تاکہ اُسکی بھلائی اور بُرائی ظاہر ہو جائے

چونکہ دُنیا میں نہ خیرِ محض ہے اور نہ شرِ محض۔ اس لیے ہر چیز پر غور کر لینا چاہیے۔ قرآن میں ہے: ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ إِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَهُوَ حَسِيرٌ (پھر بار بار نظر کو لوٹا وہ کھسیانی ہو کر تھکی ماندی تیری طرف واپس ہوگی) کیا تُو آسمان میں کوئی شگاف دیکھتا ہے۔ اگر وہ آسمان کو غور سے دیکھنے کی تاکید کرتا ہے تو زمین پر کتنی بار نظر ڈالنا اُسے پسند ہوگا۔ اپنے اخلاق میں سے اچھے بُرے میں تمیز کرنے کے لیے بھی عقل پر زور دینے کی ضرورت ہے۔ زمین پر مختلف عوارض اس لیے قائم کیے گئے ہیں کہ زمین کی مخفی چیزوں کی پہچان ہو جائے تاکہ لعل اور سنگ الگ الگ پہچانے جائیں۔

اللہ کی صفات قہر و مہر بھی پوشیدہ چیزوں کو خوف اور اُمید کی وجہ سے ظاہر کرنے کے لیے ہیں۔ مجاہدہ کرنے والے پر بھی کبھی قبض اور کبھی بسط کی حالتیں آتی رہتی ہیں کہ خاکی جسم رُوح کے خزانے کو باہر نکالے۔ جسم نے رُوح کی دولت کو چُرا رکھا ہے۔ اللہ کی طرف سے جنتوں اور نعمتوں کے وعدے اور انجامِ بد اور جہنم کی وعیدیں بھی اسی لیے ہیں تاکہ اچھے اور بُرے میں اِمتیاز ہو جائے۔ عقل کے علاوہ شیخِ کامل بھی یہی کام کرتا ہے لیکن شیخ کو پہچاننے کے لیے فطرتِ سلیمہ کی ضرورت ہے۔ سلیم فطرت والا عہدِ الست سے اُس ذوق سے واقف ہے۔ اِس لیے وہ ذوق کی ہر حالت کو پہچان لے گا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو دودھ پلا کر صندوق میں بند کر کے دریا میں بہانے کا حکم اِسی لیے دیا گیا کہ وہ اپنی ماں کے دودھ سے آشنا ہو کر غیر دودھ پلانے والیوں سے منہ موڑ لیں۔ شیخِ کامل کا دیا ہوا ذوق ناقص شیخ مہیا نہیں کر سکے گا۔

ہر کسے را خدمتے دادہ قضا	در خورِ آں گوہرش در ابتلا
قُدرت نے ہر ایک کے لیے ایک صفت عطا کی ہے	جو کہ اس کی استعداد کے مطابق آزمائش ہے

جب انسان تلاشِ حق میں نکلتا ہے تو مختلف لوگوں سے اُس کا واسطہ پڑتا ہے۔ بعض صحیح لوگ ہوتے ہیں بعض غلط، اگر انسان میں فطرتِ سلیمہ موجود ہو اور اُس میں عہدِ اَلَستُ کی بُو ہو تو وہ صحیح اور غلط کی پہچان کر لے گا۔ بعض لوگوں میں حقیقی طلب نہیں ہوتی، وہ دیکھا دیکھی پیر کے ساتھ لگ جاتے ہیں۔

اگر کوئی صحیح نشانیاں بتانے والا مل جائے تو اونٹ والے کو اُس کے اونٹ کی تلاش میں آسانی رہتی ہے۔ اُس کے بیان پر خوش ہوتا ہے اور اُس کے بتائے ہوئے راستے پر چلتا ہے کہ اونٹ تک پہنچ جائے۔ اُس کی جسمانی اور رُوحانی طاقت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ وہ اُسے کہتا ہے کہ جب تُو نے مجھے صحیح نشانیاں بتادی ہیں تو میرے ساتھ چل اور اُس کو پکڑوا دے۔ جو گمشدہ اونٹ کا متلاشی نہیں اور محض مقابلے یا نقل کی وجہ سے تلاش کا مدّعی بن گیا ہے اُس کے لیے صحیح علامتیں بھی کوئی معنی نہیں رکھتیں۔ وہ تو صرف حقیقی طالب کی نقل اُتار رہا ہے۔ صحیح طالب کی خوشی سے اُس نقال کو بھی یہ محسوس ہوا کہ وہ حقیقی طالب تھا لیکن اس طرح اُس کو بھی اپنے پُرانے گمشدہ اونٹ کا خیال آ گیا جسے اُس نے فراموش کر رکھا تھا۔ صحیح طالبوں کے ساتھ اگر کوئی نقال لگ جائے تو بعض اوقات اُس کو اپنی گمشدہ چیز بھی یاد آ جاتی ہے اور تلاش سے وہ اُسے حاصل کر لیتا ہے۔ اُس میں اخلاص پیدا ہو جاتا ہے اور اُس کی طلب بھی حقیقی ہو جاتی ہے۔ وہ کہتا ہے تیری نقالی کرنے نے مجھے حقیقی طلب تک پہنچا دیا۔

وہ شخص قابلِ مُبارک باد ہے جو اپنا عیب دیکھے۔ اگر کوئی اپنا عیب بتائے تو اُسے اپنے لیے تسلیم کرے۔ اگر وہ عیب تجھ میں نہیں ہے تو مطمئن نہ ہو۔ ہوسکتا ہے وہ عیب تجھ میں ظاہر ہو جائے، اپنے عیب کو تسلیم کرنا انکساری اختیار کرنا ہے جو اللہ کی رحمت کا سبب اور مقام ہے۔ شیطان مُعلّمُ المَلَکُوت تھا پھر بھی ابلیس بنا۔ تو انسان کو اپنے بارے میں مطمئن نہ ہونا چاہیے۔ دوسروں کی عیب جوئی کی بجائے اپنے عیوب کی نگرانی کرنی چاہیے۔ جب تک اپنا عیب زائل نہ کرلو دوسرے کو طعنہ نہ دو۔ خدا کا شکر کرو کہ تم دوسروں کے لیے باعثِ عبرت نہیں بنے۔

غزوں کا ایک شخص کو قتل کرنے کا ارادہ کرنا کہ دُوسرا ڈرے

یہ ترکوں کی ایک غارت گر قوم تھی۔ اُنہوں نے ایک گاؤں کے دو آدمیوں کو پکڑ لیا اور اُن میں سے ایک کے ہاتھ پاؤں باندھ دیئے اور اُسے مارنے لگے۔ اُس نے کہا: مجھے قتل کیوں کرنا چاہتے ہو جب کہ میں مفلس ہوں؟ وہ بولے: اِس لیے کہ تیرے دوست پر دہشت طاری ہو اور وہ اپنی دولت دے دے۔ وہ بولا: وہ تو مجھ سے بھی مسکین ہے۔ پہلے اُسے قتل کرو تا کہ میں روپے کا پتہ بتا دوں۔ خدا کا کرم دیکھو کہ ہم آخری زمانے میں

آئے اور قومِ نوح علیہ السلام اور قومِ ہود علیہ السلام کی ہلاکت ہمیں دکھادی۔ اُن کو برباد کیا تاکہ ہم سبق حاصل کرلیں۔

اُن لوگوں کی حالت کا بیان جو انبیاء علیہم السلام اور اولیاء رحمۃ اللہ علیہم کے وجُود کی نعمت کے ناشکرے ہیں

اللہ نے پہلی قوموں کا کمینی دُنیا سے عشق اور ہوس کا ذکر کیا ہے اور نصیحت کرنے والوں کے ساتھ اُن کے سلوک کا ذکر کیا ہے۔ اُن کے بُرے اَحوال اور بُرے انجام ہمارے سامنے کھول دیے ہیں، تُو اُن سے عبرت کیوں حاصل نہیں کرتا۔ اگر کوئی بزرگ لوگوں کی بُرائی پر برداشت سے کام لیتا ہے تو تُو کہتا ہے یہ عاجز ہے، کسی کا کیا بگاڑ لے گا۔ اگر غصہ کرے تو تُو اُنہیں مغرور کہہ دے گا۔ تُو اُن سے مُنافقت برتتا ہے۔ دین پر عمل نہ کرنے کی وجہ بال بچوں کی مصروفیت بتاتا ہے۔ بغیر کوئی عمل کیے بزرگوں سے باطنی توجہ چاہتا ہے تاکہ ولی بن جائے۔ یہ تیری ساری مجبوریاں خدا اور دین کے معاملے میں ہیں شیطان اور کھانے کمانے کے معاملے میں نہیں ہیں۔ دُنیا کے لیے بھاگا پھرتا ہے اور دین کے معاملے میں بے عمل صابر بن کر بیٹھا ہے۔ دُنیا کے کاموں میں پوری توجہ دینا دراصل اللہ سے بے نیازی ہے۔ بے عمل کا بغیر جستجو کیے یہ کہنا کہ اللہ غفور و رحیم ہے بخش دے گا، شیطانی وسوسہ ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے معبود کی تلاش میں فرمایا، میں دونوں جہانوں میں جب تک اپنے رَبّ کو نہ پہچان لوں کسی کی طرف نگاہ نہیں اُٹھاؤں گا۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ حال ہے تو اُن لوگوں پر تعجب ہے، جو خدا کی ذات و صفات کو پہچانے بغیر زندگی بسر کرتے ہیں۔ خدا کی معرفت کے بغیر کھانا پینا جانوروں کا کام ہے۔ قرآن میں خدا نے اُنہیں چوپائے کہا ہے۔ جس نے معرفت حاصل کیے بغیر زندگی گزاری اگرچہ وہ کتنا ہی قابل اور ہوشیار ہو اُس نے دُنیا کی زندگی بھی فضول گنوائی اور آخرت کا توشہ بھی حاصل نہ کیا۔ تُو جو کہتا ہے کہ اللہ غفور ہے بخش دے گا، یہ تیرے نفس کا دھوکا ہے۔ اگر تُو رَبّ کو مانتا ہے تو اس غم میں کیوں مرا جارہا ہے کہ ہاتھ میں روٹی نہیں۔

ایک بوڑھے کا طبیب سے اپنی بیماریوں کی شکایت کرنا اور اُس کا جواب

اِس حکایت کا مطلب یہ ہے کہ جب کسی کے نفس کی بُرائی ظاہر کی جاتی ہے تو اُس کے نفس کو بہت بُرا لگتا ہے لہٰذا نفس کا علاج ضروری ہے۔ ایک بوڑھے نے طبیب سے کہا: دماغ کمزور ہوگیا ہے، کمر میں درد ہے، کھانا ہضم نہیں ہوتا، سانس رُکتا ہے، شہوت کم ہوگئی ہے، کمر جھک گئی ہے۔ طبیب بولا: یہ سب کچھ بڑھاپے کی وجہ سے ہے۔ بوڑھا بولا: اے بددماغ! تیرے علم نے تجھے یہی سکھایا ہے۔ کیا ہر مرض کا علاج

چشمِ احمد بر ابُوبکرؓ زده
احمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ ابُوبکر رضی اللہ عنہ پر پڑی

اُو زیک تصدیق صدیقے شُده
وہ ایک تصدیق سے صدیق ہوگئے

نہیں ہے؟ تُو بالکل گدھا ہے۔ طبیب بولا: اے بوڑھے! تیرا یہ غصہ بھی بڑھاپے کی وجہ سے ہے۔ تیری تمام تکلیفیں تیرے بڑھاپے کی وجہ سے ہیں۔ سوائے اس بوڑھے کے جس کو رُوحانی طاقت حاصل ہوتی ہے۔

انبیاء علیہم السلام اور اولیاء رحمہم اللہ کے جسم بوڑھے لیکن ہمت جواں ہوتی ہے۔ لوگوں کا اُن سے حسد اور بُغض کامل لوگوں کے کمال کی دلیل ہے۔ اگر حاسد یہ جان لیں کہ اُن کے ساتھ قیامت میں کیا ہونے والا ہے تو وہ کبھی کاملین کے ساتھ بُرا سلوک نہ کریں۔ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء رحمہم اللہ کے جسموں کے اجزاء، اللہ کی بہشت اور دوزخ کے مظہر ہیں۔ چونکہ وہ اخلاقِ خداوندی حاصل کر چکے ہیں اس لیے اُن کے مراجب تصور سے بالاتر ہیں۔ جو فکرِ انسانی میں سما جائے وہ فانی ہے، خدا نہیں ہوسکتا۔ خدا وہی ہے، جسے عقل سمجھ نہ سکے۔ کاملین کے گستاخ کبھی جرأت نہ کریں اگر یہ جان لیں کہ اُن کے باطن میں کیا ہے۔ بے وقوف لوگ مسجد کی تعظیم تو کرتے ہیں لیکن بزرگوں کے دل کی تعظیم نہیں کرتے جو کہ حقیقی مسجد اور خانۂ خدا ہے۔ اولیاء رحمہم اللہ کے دل کو ستانا قوم کی ہلاکت کا سبب بنتا ہے۔ گستاخوں کی نگاہ صرف اولیاء رحمہم اللہ کے جسم پر ہے' اُن کی رُوح اُن کے پیشِ نظر نہیں ہے۔ اگر کسی پر خدائی گرفت نہیں ہوتی تو یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ کبھی گرفت نہ ہوگی۔

بچّہ، جو اپنے باپ کے جنازے کے آگے روتا تھا اور شیخ چلّی کی بات

پہلے قصے میں بتایا گیا تھا کہ ہر انسان میں وہ خصلتیں موجود ہیں' جو برباد شدہ قوموں میں تھیں لیکن وہ اُن سے غافل ہے۔ اس قصے میں ایک بچہ اپنے باپ کے جنازے کے ساتھ روتا جاتا ہے اور کہہ رہا ہے کہ یہ لوگ تمہیں وہاں لے جا رہے ہیں' جو جگہ بہت تنگ ہوگی۔ آرام کی کوئی چیز وہاں موجود نہیں ہوگی، نہ قالین، نہ چراغ، نہ کھانے، نہ پانی، نہ دوست، نہ رشتہ دار، آپ کا خوبصورت بدن اُس میں کیسے رہے گا؟ شیخ چلّی یہ باتیں سُن رہا تھا وہ اپنے باپ سے کہنے لگا: ابا! خدا کی قسم، اِسے ہمارے گھر لے جا رہے ہیں۔ یہ ساری علامتیں تو ہمارے گھر جیسی ہیں۔

شیخ چلّی نے قبر جیسی تمام علامتیں اپنے گھر میں دیکھیں، اسی طرح ہلاک شدہ قوموں کی علامتیں ہر انسان میں موجود ہیں۔ جس دل میں خدا کا نور نہ ہو وہ اللہ کی محبت سے بے ذوق ہے۔ اِس دل سے تو قبر کا گڑھا بہتر ہے۔ اپنے دل کو اِس گڑھے سے نکالنا انسان کا اپنا کام ہے۔ جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام عارضی طور پر قید خانہ میں چلے گئے تھے اور پھر باہر نکلے۔ تُو بھی اپنے دل کو قید خانے سے باہر نکال۔ حضرت یونس علیہ السلام نے مچھلی سے نجات کے لیے تسبیح پڑھی تو مچھلی کے پیٹ سے آزاد ہوئے۔ تُو بھی تسبیح پڑھ۔ قرآن میں ہے کہ اگر یونس علیہ السلام تسبیح نہ پڑھتے تو قیامت تک مچھلی کے پیٹ میں

یک زمانے صحبتے با اولیاء　　بہتر از صد سالہ طاعتِ بے ریا
تھوڑی سی دیر بھی اولیاء کی ہم نشینی　　سو سالہ بے ریا عبادت سے بہتر ہوتی ہے

رہتے۔

ازل میں اللہ نے تمام رُوحوں سے اپنی تسبیح کا اور ربوبیت کا اقرار لیا تھا۔ انسان کا عبادت کی طرف رُجحان بھی عہدِ اَلَستُ کی علامت ہے۔ اگر کسی انسان میں عہدِ اَلَستُ کی فطرتِ سلیمہ باقی نہیں رہی تو وہ اولیاء اللہ رحمہم اللہ سے اُس کو حاصل کر لے۔ دُنیا کو سمندر، جسم کو مچھلی اور رُوح کو یونس علیہ السلام سمجھ۔ جس طرح حضرت یونس علیہ السلام نے تسبیح کی برکت سے مچھلی کے پیٹ سے نجات پائی ورنہ وہ قیامت تک وہیں رہتے۔ تم بھی اپنی رُوح کو تسبیح کے ذریعے جسم کی مچھلی سے نجات دلاؤ ورنہ مچھلی تمہیں ہضم کر لے گی۔ اولیاء اللہ رحمہم اللہ رُوحانی مچھلیاں ہیں اُن کی خواہش ہے کہ تُو اُن سے فیض حاصل کرے۔ اپنے حالات پر صبر اختیار کر۔ جس طرح پُلِ صراط سے گزر کر جنت میں داخلہ ہے اسی طرح صبر سے رُوحانی کشادگی حاصل ہوگی۔ صبر کی تلخی برداشت کرو گے تو اللہ کے بندوں کی طرح صبر کی لذّت سے بھی آشنا ہو گے۔ اگر کوئی مردِ خدا نہیں ہے تو اُس کا عروج عارضی ہے۔ فقیروں (گداگروں) کے جھنڈے محض روٹی مانگنے کے لیے ہوتے ہیں اُن کی نمازیوں کے جھنڈوں سے کوئی نسبت نہیں۔

ایک بچے کا موٹے آدمی سے ڈرنا اور آدمی کا کہنا کہ مجھ سے نہ ڈر، مَیں مَرد نہیں ہُوں

ایک بچہ ایک موٹے تازے آدمی کو دیکھ کر ڈرا کہ نہ معلوم یہ کیا کرے گا۔ موٹا آدمی بولا: میرا بھاری بھرکم بدن ہی خوفناک ہے۔ ہمت اور بہادری سے خالی ہوں۔ تُو میرے اُوپر سوار ہو کر اونٹ کی طرح مجھے ہانک سکتا ہے۔ بہت سے انسان بظاہر بہادر دکھائی دیتے ہیں لیکن اندر سے بزدل شیطان ہوتے ہیں۔ ایک ڈھول درخت پر لٹکا ہوا تھا۔ درخت کی شاخیں ہوا سے اُس پر ضرب لگا دیتی تھیں، کسی لومڑی نے اُس سے ڈر کر اپنا چھوٹا شکار چھوڑ دیا۔ بنے ہوئے شیوخ کی بھی یہی صورت ہوتی ہے کہ عوام اُن کی باتوں اور جسموں کے دھوکے میں آ جاتے ہیں۔ اگر کوئی بزدل میدان میں بہادری کے ہتھیار باندھ کر نہ آتا تو بچا رہتا۔

مکروفریب کا جال (ہتھیار) خود انسان کا پیدا کردہ ہے اور وہی اُس کی ہلاکت کا باعث بنتا ہے۔ حیلے چھوڑ دے، خلوص سے اللہ کو طلب کر، اپنے آپ کو سادہ لوح بنا لے اور بدبختی سے بچ جا۔ فرشتوں کی طرح کہہ دے ہمارے پاس علم نہیں ہے، سوائے اِس کے جو تُو نے ہمیں سکھایا۔ اُس راستے میں جس نے اپنی عقل اور حیلے پر گھمنڈ کیا بے وقوف ہے۔ آخرت کے معاملے میں صرف کارآمد عقل ہی سے رہنمائی مل سکتی ہے ورنہ پُرخلوص جہل چالاکی کی عقل کے مقابلے

گر تو سنگِ خارہ مرمر شوی
اگر تُو سنگِ خارہ ہے تُو سنگِ مرمر بن جائے گا

چُوں بصاحبِ دل رسی گوہر شوی
جب کسی صاحبِ دل کے پاس پہنچے گا تو موتی بن جائے گا

کامیاب ہو جاتا ہے۔

بُدّو، جس نے بورے میں ریت بھری اور عقل مند کا اُسے ملامت کرنا

ایک بدو اونٹ پر گیہوں کا بورا لے جا رہا تھا۔ وزن دونوں طرف برابر رکھنے کے لیے دوسری طرف ریت کا بورا تھا۔ اونٹ وزن زیادہ ہونے کی وجہ سے بیٹھ گیا۔ ایک سوال کرنے والے نے اُس سے پوچھا: تم نے کیا بھرا ہوا ہے؟ وہ بولا: ایک بورے میں گیہوں ہے اور وزن برابر کرنے کے لیے دوسرے میں ریت ہے۔ عقل مند نے کہا: بجائے ریت بھرنے کے گیہوں کو ہی آدھا آدھا بھر لیتے۔ بدو کی عقل میں یہ تجویز نہ آئی تھی، وہ بہت خوش ہوا۔ اُس نے پوچھا: اے دانا! اپنا کچھ اَحوال بتا؟ تُو بادشاہ ہے یا وزیر ہے؟ تُو کتنا امیر ہے؟ تُو بہت عقل مند ہے، تیرے پاس تو خزانے ہوں گے۔ اُس نے کہا: میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ روٹی کی اُمید پر مارا مارا پھرتا ہوں۔

بدو نے کہا: اتنی عقل کے ہوتے ہوئے اتنا افلاس تو بدبختی کی دلیل ہے۔ تیرا ساتھ میرے لیے بہتر نہیں ہے۔ میری بے وقوفی تیری عقل سے بہتر ہے۔ تو اپنی عقل اور دانائی کو کم کر لے تاکہ بدبختی کم ہو جائے۔ وہ چالاکی اور دانائی جو فطری ہو اور اللہ کے نور سے بے فیض ہو، بدبختی کا سبب بنتی ہے۔ دُنیا کی سمجھ ظن اور شک بڑھاتی ہے اور دین کی سمجھ آسمان پر لے جاتی ہے۔ عقل والے اکثر مکر اور حیلے سیکھتے ہیں۔ سمجھ تو وہ ہے جس سے شاہ کی طرف راستہ کھلے، دینِ احمدی کی سلطنت لازوال ہے۔ نظرِ بد اُس سلطنت سے دُور ہے۔

دریا کے کنارے سُلطان ابراہیم اَدھم رحمۃ اللہ علیہ کی کرامت

ابراہیم ابن ادہم رحمۃ اللہ علیہ ایک دریا کے کنارے بیٹھے تھے۔ وہ پہلے بادشاہ ہوتے تھے اور بعد میں درویشی اِختیار کر لی۔ اُن کے امیروں میں سے ایک نے اُنہیں پہچان لیا اور اُن کی حالت دیکھ کر حیران رہ گیا۔ بزرگ لوگ عام لوگوں کے دلی وساوس کو تاڑ لیتے ہیں۔ بزرگوں کے سامنے جا کر بُرے وسوسے نہیں لانے چاہئیں۔ لوگ احمق ہیں، دنیاوی بادشاہوں کے سامنے اخلاص سے جاتے ہیں اور بزرگوں کی مجلس میں فاسد خیالات لے کر جاتے ہیں۔ اگر تُو کور باطن ہے تو بزرگوں کے سامنے زیادہ ذلیل بن کر جا۔ شیخ اُس امیر کے وسوسے کو تاڑ گئے اور اپنی سوئی جس سے گدڑی سی رہے تھے دریا میں پھینک دی اور پھر سوئی دریا سے واپس مانگی۔ مچھلیاں سونے کی لاکھوں سوئیاں ہونٹوں میں لیے نمودار ہوئیں۔ ابن ادہم رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اے خدا! مجھے تو صرف اپنی سوئی چاہیے۔ ایک اور مچھلی اُن کی سوئی

منہ میں لیے حاضر ہوئی۔ ابراہیم ادہم رحمۃ اللہ علیہ نے سردار سے کہا: دُنیا کی شاہی کا طلب گار نہ بن، رُوحانی شاہی طلب کر۔ عالمِ غیب ایک باغ ہے، جس کا تھوڑا سا حصہ اِس دُنیا میں رکھ دیا گیا ہے۔ عالمِ غیب مغز ہے اور یہ دُنیا اُس کا ادنیٰ چھلکا ہے۔ اگر عالمِ غیب کے باغ میں قدم نہیں پہنچتا تو اُس کی خوشبو حاصل کرنے کی کوشش کر۔ خواہشاتِ نفسانی کے زکام کو دفع کر۔ عاشقوں کی صحبت میں جا، جب عالمِ غیب کی خوشبو سونگھے گا تو رُوح عالمِ غیب کی طرف کھینچے گی اور آخر کار سینے میں تجلیاتِ رَبّ کا ظہور ہوگا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص میں وہی عالمِ غیب کی خوشبو تھی جس سے حضرت یعقوب علیہ السلام کی نابینا آنکھیں روشن ہوگئیں۔ یہی عالمِ غیب کی خوشبو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں محسوس ہوتی۔ فرمایا: میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز ہے۔ لطائفِ ستہ، قلب، رُوح، نفس، سِر، خفی، اخفیٰ ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں۔ اگر ایک مصفّٰی ہو جائے تو دوسرے بھی غذا حاصل کرتے ہیں۔ قلب کو ذکر کی غذا ملتی ہے تو دوسرے لطائف بھی متاثر ہوتے ہیں۔ آنکھ متاثر ہوتی ہے تو اُس سے دل بھی اثر پکڑتا ہے اور اُس میں کیفیتِ اخلاص، صدق اور عشق پیدا ہو جاتی ہے۔ عشق سے اخلاص پیدا ہوا تو اُس سے دیگر حواس متاثر ہو جاتے ہیں اور اُن میں وصلِ محبوب کا ذوق پیدا ہو جاتا ہے اور اِس طرح رحمتِ خداوندی سے عالمِ غیب سے تعلق قائم ہو جاتا ہے۔ ہر لطیفہ دوسرے لطائف کے لیے جنت کے عرفان کی پیغام بَری کا کام دینے لگتا ہے۔ اِس طرح لطائف کے باہمی تعلق میں کسی تاویل کی گنجائش نہیں رہتی۔

جب مرید کے حواس شیخ کے حواس کے تابع ہو گئے تو آسمان و زمین تک شیخ کے تابع ہو جائیں گے۔ چھلکا بھی اُسی کی ملکیت ہوتا ہے جو مغز کا مالک ہو۔ جسم اور رُوح کی وہی نسبت ہے جو کہ آستین اور ہاتھ کی۔ عقل اور رُوح کے مخفی ہونے میں فرق ہے۔ عقل رُوح کے اعتبار سے زیادہ مخفی ہے۔ رُوح دوسرے کی رُوح کو جلدی پہچان لیتی ہے اور عقل دیر میں۔ ہر انسان نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عقل کو جان لیا اور اُن کو عقل مند کہا لیکن بہت سارے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبولِ وحی کی اِستعداد کو نہ پہچان سکے۔ وحی کی اِستعداد کی بھی کچھ علامتیں ہیں لیکن چونکہ وہ نادر ہوتی ہیں اِس لیے عقل اُن کو نہیں پہچانتی اور اُن علامتوں کو جنون کا اثر سمجھتی ہے، کبھی حیران ہو جاتی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام کے کاموں کو ناموزوں سمجھا اور اِعتراض کیا۔ اَسرارِ غیبی کو سمجھنے میں جب حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے عظیم پیغمبر کی عقل ناکارہ ہوگئی تو ہم جو ہے جیسی عقل والے کب اُس کا ادراک کر سکتے ہیں۔ تحقیقی علم والا خاموشی سے اللہ کے ساتھ خرید و فروخت میں لگا رہتا ہے **اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ**

سنگِ سُرمہ چونکہ شُد در دیدگاں
سُرمہ کا پتھر جب آنکھوں میں پہنچا

سنگِ بینائی شُد ایں جا دیدہ باں
بینائی کا پتھر آنکھ کا نگہبان بن گیا

بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ "خدا نے مومنوں سے اُن کی جانیں اور مال جنت کے عوض خرید لیے ہیں"۔ ہر علم کا خریدار اُس کے مناسب ہوتا ہے۔ حضرتِ آدم علیہ السلام کے علوم کے خریدار فرشتے تھے نہ کہ دیو، پری۔ جن لوگوں کا تعلق صرف عالمِ سِفلی سے ہے اُن کا تعلق چوہے کے علم کی طرح صرف خوراک سے ہے۔ لہٰذا اُن کو اتنی ہی عقل عطا ہوئی۔

دنیا کو اگر زمین کی ضرورت نہ ہوتی تو زمین نہ بنتی، اگر دُنیا کو آسمانوں کی ضرورت نہ ہوتی تو وہ پیدا نہ کئے جاتے۔ سورج، چاند ستارے سب ضرورت کے تحت ہی پیدا کئے گئے ہیں۔ اشیاء کا وجود اُن کی ضرورت کی شدت کی وجہ سے ہے۔ تُو اپنی احتیاج اور ضرورت کو بڑھا تا کہ دریائے کرم جوش میں آئے۔ دُنیا کا یہی دستور ہے کہ جب تک فقیر اپنی مجبوری اور ضرورت کا اظہار نہیں کرتا اُس کو کوئی کچھ نہیں دیتا۔ عالَمِ ناسُوت میں پھنسے ہوئے اگر ضرورت محسوس کریں تو خدا اُن کو نورِ بصیرت عطا فرما دے۔ جب ان کو نورِ بصیرت عطا ہو جائے تو اُن کی عالَمِ لاہُوت کی طرف پرواز شروع ہو جائے گی۔ پھر اُن پر اَسرارِ خداوندی کھلیں گے اور وہ بلبل کی طرح نغمہ سرائی کرنے لگیں گے۔

جسم اور رُوح کی نسبت اگر مفہوم سے ہوتی ہے تو صرف اِس قدر جیسا کہ پانی کی نہر سے یا پرندے کی گھونسلے سے۔ اُن کا تعلق درحقیقت غیر معلوم ہے۔ رُوح کی قوتِ فکریہ میں ہمیشہ اچھے بُرے خیالات آتے جاتے رہتے ہیں۔ جیسے پانی بظاہر ٹھہرا ہوا نظر آتا ہے لیکن رواں ہوتا ہے، اِسی طرح سے رُوح ملاءِ اعلیٰ کی طرف سے رَواں ہے لیکن اِس کا احساس نہیں ہوتا۔ سطحِ آب کی روانی خس وخاشاک کے گزرنے سے معلوم ہو جاتی ہے۔ اِسی طرح رُوح کی قوتِ فکریہ میں مختلف خیالات کے آنے سے اُس کی روانی معلوم کی جاسکتی ہے۔ رُوح کی قوتِ فکریہ کی سطح پر جو چھلکے ہیں وہ غیبی پھلوں کے چھلکے ہیں۔ اُن چھلکوں کا مغز غیبستان میں تلاش کر۔ لامحالہ اُس کا کوئی منبع ہے۔ عام عارفوں کی رُوح کی روانی تیز ہے، اِس لیے اُن پر غم وغصہ کے خس وخاشاک زیادہ دیر نہیں ٹھہرتے۔

ایک اجنبی شخص کا ایک شیخ پر طعنہ زنی کرنا اور اُن کے مُرید کا اُس شخص کو جواب دینا

ایک بے وقوف نے ایک شیخ پر تُہمت رکھی کہ وہ بُرا آدمی ہے تو مریدوں کا کیا دستگیر ہوگا۔ ایک شخص نے اُس سے کہا: بڑوں پر تُہمت دھرنا بہت بُری بات ہے۔ تُو نے جو بُرائیاں اُن میں بیان کی ہیں وہ اُن میں نہ ہوں گی۔ اگر ہوں بھی تو فنائیت کے غلبے کی وجہ سے اُس بُرائی کو شرعی اِعتبار سے معصیت نہیں سمجھا جائے گا کیونکہ اگر دریا میں ایک مُردار گر جائے تو شرعی طور پر اُسے گندہ قرار نہیں دیا جاسکے گا۔ مختلف مقامات پر اشیاء کے احکام بدل جاتے ہیں۔ قطرہ نجاست تھوڑے پانی کو نجس بنا سکا زیادہ کو نہیں۔ آگ نے نمرود

کو نقصان پہنچایا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نہیں۔
رُوح اور نفس کے اِعتبار سے احکام میں فرق ہے کیونکہ رُوح، مشاہدۂ حق میں لگی ہو تو قابلِ گرفت نہیں، نفس کے لیے دلیل کی ضرورت پڑے گی۔ اِسی طرح راہرو کے لیے دلیل چاہیے لیکن جو منزلِ مقصود پر پہنچ گئے وہ ان چیزوں سے بے نیاز ہو گئے۔ باپ صاف بول سکتا ہے لیکن بچّے کے لیے تُتلا کر بولتا ہے۔ بڑا عالم بچّے کو پڑھاتے وقت الف خالی با کے نیچے ایک نقطہ کہتا ہے تو اپنے لیے نہیں بلکہ مبتدی کے لیے بولتا ہے ورنہ وہ اُس مقام سے بلند ہے۔ عارف اگر اِستدلال سے کام لیتے ہیں تو اپنے لیے نہیں بلکہ دوسروں کو سمجھانے کے لیے۔ اسی طرح شیخ کو بھی مریدوں کی اِستعداد کے مطابق تعلیم دینی چاہیے تاکہ وہ سمجھ سکیں۔ اُس نے اِعتراض کرنے والے سے کہا کہ شیخ کی مثال تیز تلوار کی ہے اُس سے بھڑ کر اپنے آپ کو ہلاک نہ کر کیونکہ وہ اخلاقِ خداوندی کے ساتھ مُتصف ہے اور اسی طرح لامحدود ہے۔ شیخ لامحدود دریا ہے تو محدود کفر اُس کے اِعتبار سے غیر موجود ہے۔
خدا کے سوا سب کچھ فانی ہے۔ فنا کے بعد جب ذاتِ باری سے وحدت ہو گئی تو پھر کفر و ایمان اُن کی صفت نہیں بن سکتے۔ فانی چیزیں جو شیخ کے ساتھ ہیں وہ اُس کی حقیقتِ غیر فانی کے لیے پردہ ہیں۔ اس لیے عوام اُسے نہیں دیکھ سکتے۔ اُس کا جسمانی سَر حقیقی سِر کو چُھپائے ہوئے ہے۔ اُن دونوں میں اِس قدر فرق ہے جتنا کفر و ایمان میں۔ اسی لیے ظاہر ہی پر تکفیر اور لعن طعن ہوتے رہتے ہیں۔ کافر اور مردہ تو درحقیقت وہ ہے جو شیخ کا منکر ہے اور اُس کے اَوصاف سے جاہل ہے۔ کیونکہ اگر کوئی شیخ کے اَوصاف سے جاہل ہے تو مردہ ہے۔ انسان کی جان حیوان کی جان سے زیادہ قوی ہے چونکہ اُس کا علم بڑھا ہوا ہے۔ جو اِدراک اور حواس انسان اور حیوان میں مشترک ہیں، فرشتہ اُن سے بالاتر ہے۔ لہٰذا کثرتِ معلومات کی بنا پر وہ انسان سے افضل ہے۔ اگرچہ دوسرے اعتبارات سے انسان افضل ہے۔ اہل اللہ کی جان فرشتوں سے زیادہ قوی ہوتی ہے اِس لیے حضرت آدم علیہ السلام مسجودِ ملائکہ ہوئے۔ جب اہل اللہ کی جان سب جانوں سے قوی ہے تو دیگر جانداروں کی جانیں اُس کے حکم کے تابع ہیں۔ اسی لیے مچھلیوں نے ابراہیم ادہم رحمۃ اللہ علیہ کا حکم مانا اور سوئیاں لے کر حاضر ہو گئیں۔

حضرت ابراہیم ادھم رحمۃ اللہ علیہ کا بقیہ قصّہ

جب اُس امیر نے مچھلیوں کو حضرت ابراہیم ادہم رحمۃ اللہ علیہ کے تابع فرمان دیکھا تو اُس پر وجد طاری ہو گیا۔ اُس نے اپنی لاعلمی پر افسوس کیا کیونکہ پہلے اُس کے دل میں وسوسہ آ گیا تھا کہ شاہی چھوڑ کر فقر اختیار کر لینے پر تعجب تھا۔ اُس پر اَسرار کا دروازہ

از حضورِ اَولیا گر بگسلی
اگر تُو اَولیا کی صحبت سے دُور رہا

تو ہلاکی زانکہ جُزوی نے کُلی
تو تُو برباد ہے کیونکہ تو جُزو ہے نہ کہ کُل

کھل گیا اور وہ اُن کے عشق میں دیوانہ ہو گیا۔

اگر کوئی مرید فیض حاصل نہ کر سکے تو اس میں شیخ کو کوئی نقصان نہیں ہوتا۔ شیخ ازلی دریا ہوتا ہے، کوئی پیاسا رہے تو اُس میں کوئی کمی نہیں آتی۔ بد ایک آگ کی صورت اور شیخ آبِ کوثر ہے۔ آگ کو پانی ختم کر دیتا ہے، آگ پانی کو نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ شیخ میں عیب تلاش کرنے والا بہشت میں کانٹا تلاش کرتا ہے حالانکہ کانٹا تو وہ خود ہے۔ شیخ میں عیب تلاش کرنے والا خود عیب دار ہوتا ہے۔ جس ہنر کو شیخ ہنر نہ سمجھیں وہ ہنر نہیں ہے اور جس یقین کو شیخ یقین نہ سمجھے وہ یقین نہیں ہے۔ پیر قبلہ کی مانند ہوتا ہے اُس کی طرف دُور سے بھی رُخ کرنے سے فیض حاصل ہو جاتا ہے۔ گدھا دلدل میں پھنسا ہو تو نکلنے کی تگ و دو کرتا ہے۔ یہ دُنیا بھی دلدل ہے اِس سے بھی نکلنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اگر کوئی بداعمالی سے نکلنے کی کوشش نہ کرے تو گدھے سے بدتر ہے۔

ایک شخص کا دعویٰ کرنا کہ خُدا گُناہ کی وجہ سے میری گرفت نہیں کرتا اور حضرت شعیب علیہ السلام کا اُس کو جواب

ایک شخص یہ کہتا تھا کہ خدا نے میرے بہت سے عیب دیکھے ہیں لیکن اپنے کرم کی وجہ سے مجھے نہیں پکڑتا۔ خدا نے حضرت شعیب علیہ السلام کو وحی کی کہ یہ واقعہ کے خلاف کہتا ہے۔ تُو گرفتار ہے اور کہتا ہے: خدا میری گرفت نہیں کرتا۔ مسلسل گناہ کرنے والے کو اپنے گناہ کے اثر کا اور اُس پر اللہ کی گرفت کا احساس نہیں رہتا۔ نئی دیگ پر دھوئیں کا اثر نمایاں ہوتا ہے لیکن جہاں تہ بہ تہ دُھواں جم چکا ہو وہاں اُس کا اثر نظر نہیں آتا۔ جب کسی کو اپنے گناہ کا احساس ہی نہیں ہوگا تو وہ یا اللہ یا اللہ کہہ کر کہاں روئے گا۔ اب اُس کو اپنا گناہ، گناہ ہی نہیں لگتا۔ جب انسان کو گناہ کے بارے میں احساس ہی نہیں رہتا تو وہ توبہ بھی نہیں کرتا۔ دل کے لوہے کو گناہوں کا زنگ کھانے لگتا ہے۔ تو جب تک گناہ کا احساس اُسے آہ وزاری کی طرف نہیں لے جائے گا وہ مردہ دل رہے گا۔ انسان کو چاہیے کہ اپنی مایوسیوں کو دربارِ خداوندی میں پیش کر کے اِصلاحِ اَحوال کی دُعا کرے۔

حضرت شعیب علیہ السلام کی وحی اُس نے سُنی تو اُس کے دل میں روشنی پیدا ہوئی۔ گناہ پر گرفت کی پہلی نشانی یہ ہے کہ ہر طرح کی عبادت کرنے کے باوجود انسان ذوق اور لطفِ عبادت سے محروم رہتا ہے۔ اصل چیز ظاہری عبادت کا مغز اور رُوح یعنی ذوق ہے ورنہ وہ عبادت بے مغز کا اخروٹ ہے۔ بغیر ذوقِ عبادت کے اُس کی عبادت میں شجر و ثمر پیدا نہیں ہوں گے۔

سایۂ شاہاں طلب ہر دم شتاب
دین کے شاہوں کا سایہ طلب کر

تا شوی زاں سایہ بہتر ز آفتاب
تاکہ تُو اُس سایہ کی وجہ سے سُورج سے بڑھ جائے

اُس بیگانے اِنسان کا شیخ پر طعنہ زنی اور اُس کو مُرید کے جواب دینے کا بقیہ قصّہ

وہ خبیث، شیخ کے بارے میں بکواس کر رہا تھا (کیونکہ بھینگے کو ہمیشہ ٹیڑھا نظر آتا ہے) کہ وہ شرابی ہے، میں نے خود دیکھا ہے۔ ورنہ آج رات کو میرے ساتھ چل اور آنکھوں سے دیکھ لے، اُس مجلس کے ایک روشن دان کے ساتھ جہاں شیخ شراب کی مجلس میں تھا۔ وہ دن میں مکاری سے بزرگ بنا رہتا ہے اور رات کو فسق و فجور کرتا ہے۔ اُس نے شیخ کے ہاتھ میں بھرا ہوا جام دیکھا تو پوچھا: اے شیخ! آپ تو فرماتے تھے کہ شراب کے جام میں شیطان پیشاب کر دیتا ہے۔ شیخ نے کہا: اللہ نے میرے جام کو پُر کر دیا ہے۔ اِس میں شیطان کے پیشاب کے قطرے کی گنجائش ہی نہیں ہے۔ شیخ کے جام سے مراد شیخ کا اپنا جسم ہے۔ پورا جسم نورِ حق سے پُر ہے۔ شیطان کے اثرات کی گنجائش ہی نہیں۔

سورج کا نور اگر کوڑی پر پڑے تو وہ (سورج) نجس نہیں ہوگا۔ شیخ نے مرید کی بدگمانی دُور کرنے کے لیے اُسے جام دکھایا۔ وہ شہد سے پُر تھا۔ پھر فرمایا جاؤ میرے لیے شراب لاؤ کیونکہ میری بھوک کی تکلیف بڑھ گئی ہے۔ میں مُضطر کے حکم میں ہوں جس کے لیے جان بچانے کے لیے حرام کھانا جائز ہے۔ وہ شراب خانے میں گیا ہر مٹکے میں شراب کی جگہ شہد بھرا ہوا تھا۔ مرید نے شرابیوں سے دریافت کیا کہ کیا معاملہ ہے کسی مٹکے میں شراب نہیں ہے۔ شیخ کی اِس کرامت سے شرابی بے حد متاثر ہوئے۔ بولے: آپ نے شراب کو ناپاکی سے تبدیل کر دیا' ہماری جان کو بھی ناپاکی سے تبدیل کر دیجیے۔ اگر سارا عالم خون ہو جائے تو بھی اللہ کا بندہ حلال کے سوا کچھ نہیں کھاتا۔

اُمّ المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کرنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بے مُصلّے کے جہاں جائیں نماز پڑھ لیتے ہیں

ایک دن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ مجمع یا تنہائی میں جہاں موقع ملتا ہے نماز پڑھ لیتے ہیں اور ادنیٰ و ناپاک جگہ میں چلے جاتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ساری زمین میرے لیے سجدہ گاہ بنا دی گئی ہے اور جگہ پاک کر دی گئی ہے میں ہر جگہ نماز ادا کر سکتا ہوں۔ دیگر اُمتوں کو حکم تھا کہ صرف عبادت گاہوں میں ہی عبادت کریں۔ پانی نہ ہو تو میرے لیے زمین سے تیمم کر لینا بہتر پاکی ہے۔

اگر خدا کا کوئی بندہ زہر بھی کھالے تو اللہ اُس کی تاثیر ہی بدل دیتا ہے اور گناہ گار کا نماز روزہ بھی مقبول نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق پر اپنا پَر تَو ڈال دیتا ہے، ورنہ ابابیل پرندہ، ہاتھیوں کو کیسے کچل دیتا؟ بڑوں سے ہمسری کا دعویٰ کرنا اور

رَو بجُنب اندر پناہِ مُقبلے
کسی با اقبال کی پناہ میں جا پڑ

تُو کہ آزادت کُند صاحب دلے
شاید کوئی صاحبِ دل تجھے آزادی دلا دے

جھگڑنا ہلاکت کا باعث بن جاتا ہے۔ چوہے کی اونٹ سے کوئی مناسبت نہیں۔ انسان میں صلاحیت نہ ہو تو پیدا کرنے کی کوشش کرو۔ اگر کشتی بانی کی صلاحیت نہیں ہے تو کشتی کنارے کنارے لے جانی چاہیے۔ پہلے تجارت کا فن سیکھ پھر دکان کر۔ آزادانہ زندگی بسر کرنے کی ہمت نہ ہو تو غلام بن کر رہنا چاہیے۔ جب تک کمال حاصل نہ ہو کسی شیخ کے تابع رہو۔

انسان بزرگوں سے ہمسری تکبر کی وجہ سے کرتا ہے اور اِس قسم کی بُرائیاں نفس کے تقاضے سے پیدا ہوتی ہیں۔ جب انسان بُرائیوں کو بار بار کرتا ہے تو نفس کی اس خواہش میں جماؤ پیدا ہو جاتا ہے اور اگر کوئی بُرائی سے روکے تو اُس پر غصہ آتا ہے۔ شیطان کو سرداری کی عادت پڑ گئی تھی اس لیے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کیا۔ حُبِّ جاہ، نفس کا بہت بڑا رذیلہ ہے۔ اولیاء اللہ رحمۃ اللہ علیہم کے پاس تریاق ہے لہٰذا جاہ و مرتبہ اور عزت کی خواہش کا سانپ اُن پر اثر نہیں کرتا۔ جب کوئی کسی کی عادت کے خلاف اُس کو نصیحت کرتا ہے تو وہ سمجھتا ہے کہ نصیحت کرنے والا اپنی بڑائی جتاتا ہے۔ اگر انسان میں وہ بُرائی نہیں ہوتی تو نصیحت سے اُس کو ناگواری نہیں ہوتی۔ غصہ آنے کی وجہ یہی ہے کہ دراصل تیری بُری عادت مستحکم ہو گئی ہے۔ اِس لیے اپنی غلط نفسانی خواہشات کو اِبتداہی میں دبا دینا چاہیے ورنہ وہ خطرناک صورت اِختیار کر جاتی ہیں۔ عیب دار ہمیشہ اپنے عیب کو معمولی سمجھتا ہے۔ جب اُس کا کوئی رذیلہ زائل ہوتا ہے تو تب وہ سمجھتا ہے کہ یہ رذیلہ کس قدر خطرناک ہے۔ جو شیخ تیری حقیقت بدل دے وہ اکسیر ہے۔ صاحبِ دل لوگ ہمیشہ دنیاوی عزتوں سے گریزاں اور متنفر ہوتے ہیں۔ اگر تُو اولیاء اللہ رحمۃ اللہ علیہم پر تُہمت دھرے گا تو حقیر ترین بن جائے گا اور شیطان کا تابع ہو جائے گا۔

اُس درویش کی کرامت جس پر کشتی میں چوری کرنے کی تُہمت لگائی گئی

ایک کشتی میں ایک درویش سوار تھا۔ وہ ایک کامل مرد تھا۔ کشتی میں سے کسی کی اشرفیوں سے بھری تھیلی گم ہو گئی۔ سب لوگوں کی تلاشی لی گئی۔ درویش سویا ہوا تھا اُنہوں نے کہا: اِس کو بھی جگا کر اِس کی تلاشی لو۔ اُنہوں نے درویش سے کہا کہ تُو اپنی گدڑی اُتار کر ننگا ہو جا تاکہ شک رفع ہو جائے۔ درویش نے خدا سے التجا کی کہ اِن کمینوں نے تیرے غلام پر اِتہام لگایا ہے۔ اُس نے دُعا کی۔

یَا غِیَاثِیْ عِنْدَ کُلِّ کُرْبَةٍ　　یَا مُعَاذِیْ عِنْدَ کُلِّ شِدَّةٍ

یَا مُجِیْبِیْ عِنْدَ کُلِّ دَعْوَةٍ　　یَا مَلَاذِیْ عِنْدَ کُلِّ مِحْنَةٍ

اے ہر مصیبت میں میرے فریاد رس! اے ہر مصیبت میں میری پناہ! اے ہر ہر پکارنے والے کا جواب دینے والے! اے ہر مشقت میں میرے ملجا!

صفعِ شاہاں خور مخور شہدِ خساں　　تا کہ گردی ز اقبالِ کساں

شاہوں کا تھپڑ کھالے مگر کمینوں کا شہد مت کھا　　تاکہ تو صاحبِ دل لوگوں کی توجہ سے انسان بن جائے

فقیر کے دل سے آہ نکلی تو دریا میں چاروں طرف سے مچھلیاں نمودار ہوئیں۔ ہر مچھلی کے منہ میں ایک قیمتی موتی تھا۔ چونکہ وہ موتی اللہ کی جانب سے تھے اِس لیے بے مثل تھے۔ درویش نے چند موتی لے کر کشتی میں پھینک دیئے اور خود شاہوں کی طرح ہوا میں چوکڑی لگا کر بیٹھ گیا۔ ہوا میں سے کہنے لگا کہ میں تمہارے ساتھ کشتی میں نہیں بیٹھوں گا تا کہ تم مجھ، چور فقیر کے ساتھ نہ رہو۔ میں اپنے خدا کے ساتھ رہتا ہوں۔ میرا خدا نہ تو مجھ پر تہمت دھرتا ہے اور نہ مجھے رُسوا کرتا ہے۔

ایسا مقام، پاک نفس فقیروں کو ملتا ہے، جن کی تعظیم میں "سُوْرَۃُ عَبَسَ" نازل ہوئی، جب کہ آنحضور ﷺ نے ایسے ہی کسی فقیر سے ذرا بے التفاتی کا معاملہ کیا تھا۔ اللہ والوں کی فقیری صرف تعلق مع اللہ کے لیے ہوتی ہے نہ کہ لوگوں کو پھنسانے کے لیے۔

صُوفیوں کا شیخ کے سامنے ایک صُوفی کو طعنہ دینا کہ بہت بولتا اور کھاتا ہے

مجھ پر بسیار گوئی کا اِلزام مت لگاؤ۔ میں تو سو نصیحتوں میں سے ایک نصیحت کی بات کرتا ہوں۔ اس حکایت میں بھی یہی بتایا گیا ہے۔ چند صوفیوں نے اپنے شیخ کے سامنے اپنے ایک ساتھی کی شکایت کی کہ اِس میں تین بُری عادتیں ہیں (1) زیادہ باتیں کرتا ہے۔ (2) زیادہ کھاتا ہے۔ (3) زیادہ سوتا ہے۔ شیخ نے فقیر سے کہا تم نے وہ حدیث نہیں سنی خَیْرُ الْاُمُوْرِ اَوْسَطُھَا "ہر کام میں میانہ روی رکھو"۔ جیسا کام ساتھی کرتا ہے تُو بھی ویسا ہی کر، ورنہ اختلاف پیدا ہو جائے گا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی گفتگو اپنے لحاظ سے تو مناسب تھی لیکن حضرت خضر علیہ السلام کے لحاظ سے زیادہ تھی۔ اِس لیے اُن میں علیحدگی ہوگئی۔ اُنہوں نے کہا تھا: ''سوال نہ کرنا اور اعتراض نہ کرنا۔ اب میری مرضی کے بغیر میرے ساتھ رہو گے تو بھی باطنی طور پر الگ ہی رہو گے''۔ اگر نماز میں کوئی ناپاک ہو جائے اور پھر بھی رکوع اور سجدے کرتا رہے تو وہ اُٹھک بیٹھک ہوگی، نماز نہ ہوگی۔ اگر تُو بسیار گو ہے تو بسیار گو لوگوں کے ساتھ رہ تا کہ تیرا بولنا زیادہ نہ گِنا جائے۔ اہلِ اللہ سے اگر اِستفادہ نہ ہو سکے تو حاضری کا کوئی فائدہ نہیں۔ کپڑے پہننے والے اور دھوبی کا جوڑ ہے، ننگے اور دھوبی کا کوئی جوڑ نہیں۔ یا تم بھی علائق دنیوی ختم کر کے اہلِ اللہ کی صحبت اِختیار کرو، ورنہ اُن سے علیحدگی اختیار کرلو۔

شیخ سے فقیر کا عُذر

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سوالات کے جوابات اللہ تعالیٰ نے حضرت خضر علیہ السلام کی زبان سے دلائے اور اُن جوابات سے حضرت موسیٰ علیہ السلام مطمئن ہو گئے۔ اُس

زانکہ زایشاں دولت و خلعت رسد
صاحبِ دل لوگوں کی صحبت سے اللہ کا قُرب حاصل ہوتا ہے

در پناہِ رُوحِ جاں گردد جسد
اور اُن کی رُوح کی پناہ میں جسم بھی رُوح بن جاتا ہے

درویش کے پاس بھی حضرت خضر علیہ السلام کی ہی میراث تھی۔ درویش نے کہا: بے شک درمیانی راہ دانائی کی بات ہے لیکن کسی چیز کا درمیانی ہونا نسبتی بات ہے۔ ہر چیز کسی دوسری چیز کے اعتبار سے درمیانی ہے۔ کسی اعتبار سے کم ہوگی کسی اعتبار سے زیادہ ہوگی۔ نہر کا پانی اونٹ کے لحاظ سے کم اور چوہے کے لحاظ سے زیادہ ہوگا۔ ایک شخص دس رکعتیں پڑھ کر تھک جاتا ہے تو وہ اُس کے لحاظ سے زیادہ ہیں۔ ایک شخص پانچ سو رکعتیں پڑھ کر بھی نہیں تھکتا تو اُس کے اعتبار سے پانچ سو رکعتیں کم ہوں گی۔

ایک پاکباز کے لیے جان دینا آسان ہے لیکن بخیل کی ایک روٹی دیتے ہوئے جان نکلتی ہے۔ میری خوراک اِن کے اعتبار سے زیادہ ہے لیکن میرے اپنے اعتبار سے اوسط ہے۔ وسط تو اُس چیز کا معلوم کیا جا سکتا ہے جس کی ابتداء ہو اور انتہا ہو لیکن لامحدود کا وسط متعین نہیں ہو سکتا۔ رہی سونے کی بات تو میں سوتا ضرور ہوں لیکن سونے میں بھی دل یادِ خدا میں ہوتا ہے جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میری دونوں آنکھیں سوتی ہیں لیکن میرا دل نہیں سوتا''۔ حواسِ ظاہر کا تعلق تو اِسی دُنیا سے ہے لیکن دل کے حواس کا تعلق عالمِ آخرت سے ہے۔ جس کا دل یاد میں لگا ہو وہ اِس دُنیا میں بھی جنت کے باغوں میں ہے۔ میں دُنیا میں رہتے ہوئے عالمِ بالا کی سیر کرتا ہوں۔ میرا جسمِ ناسُوتی اِن لوگوں کے ساتھ ہے لیکن دل (رُوح) فکر و اندیشہ سے پاک ہے۔ عام لوگ اپنے خیالات کے تابع ہوتے ہیں اِس لیے غم و فکر میں مبتلا رہتے ہیں۔ اولیاء رحمہم اللہ کثرتِ ذکر سے اپنے آپ پر اِستغراق طاری رکھتے ہیں اور فکروں سے آزاد رہتے ہیں۔ وہ دُنیا میں اپنے مقام سے نزول اِختیار کر کے عوام میں شامل ہوتے ہیں تاکہ وہ (عوام) اُن سے فائدے حاصل کریں۔ اَسرار کی باتیں اُن لوگوں کے نزدیک محض دعویٰ ہیں، جو اِس ذوق سے واقف نہیں۔ اصحابِ ذوق کے لیے یہ باتیں حقیقت ہوتی ہیں۔ ویسے راہِ سلوک میں چلنے والوں کو کم کھانا، کم بولنا اور کم سونا چاہیے۔

اِس دعوے کی سچائی کے بیان میں جو صاحبِ حال کے نزدیک حق اور بیگانوں کے لیے دُوری ہے

اگر تُو میرا دوست ہے اور میری جان کا واقف ہے تو اگر میں آدھی رات کو کہوں کہ میں تیرے سامنے ہوں تو یہ دونوں دعوے تیرے لیے حق ہوں گے کیونکہ تُو میری آواز کو پہچانتا ہوگا اور اپنا ہوگا۔ سامنے ہونا اور اپنا ہونا دو دعوے ہیں۔ اپنوں کی آواز کو ہر کوئی پہچانتا ہے۔ عقلِ سلیم اِن دونوں دعووں کو سمجھے گی اور ثبوت کی طالب نہ ہوگی۔ جو اللہ کی طرف سے اِلہام سے محروم ہیں وہ اپنے اور بیگانے کی آواز میں امتیاز نہیں کر سکتے۔ اُن کے سامنے کسی بزرگ کا کچھ کہنا بے کار ہوگا۔ وہ اپنی نادانی کی وجہ

یار چوں با یارِ خود بنشستہ شُد
مُرید جب شیخ کے سامنے بیٹھتا ہے تو شیخ کے

صد ہزاراں لوحِ دل دانستہ شُد
قلب کے اَسرار اُجاگر ہونے میں اُسکے دل پر منکشف ہو جاتے ہیں

سے فوراً انکار کر دیں گے۔ جو لوگ عقل مند ہیں اور اُن کو حق سے مناسبت ہے وہ فوراً بزرگوں کی باتوں پر یقین لے آتے ہیں اور کسی دلیل کے بھی طالب نہیں ہوتے۔

حکمت و دانائی کو مومن کی گم شدہ میراث کہا گیا ہے۔ اپنی چیز گم کرنے والا جب گم شدہ چیز کو دیکھتا ہے تو فوراً پہچان لیتا ہے۔ اُس کو کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اس کی مثال یوں ہے کہ اگر پیاسے سے کہا جائے کہ جلدی آ! پیالے میں پانی ہے، لے لے تو فوراً دوڑ پڑے گا۔ اگر ماں اپنے دودھ پیتے بچے کو کہتی ہے کہ دودھ پی لے تو بچہ فوراً اُس کا دعویٰ مان لیتا ہے۔ جن لوگوں کے دلوں میں ذوقِ حق ہوتا ہے نبی ﷺ کا چہرہ اور اُن ﷺ کی آواز ہی اُن کے لیے مُعجزہ ہوتی ہے، وہ کسی مُعجزے کے طالب نہیں ہوتے۔ نبی کی دعوت پر فوراً سرِ تسلیم خم کر دیتے ہیں۔ اسی طرح قرآن میں ہے کہ ”جب ہمارے بندے تم سے ہمارے بارے میں پوچھتے ہیں تو کہہ دو کہ میں اُن کے بالکل قریب ہی ہوں“۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام اور حضرت عیسٰی علیہ السلام کا ماں کے پیٹ میں ایک دُوسرے کو سجدہ کرنا

حضرت یحییٰ علیہ السلام کی والدہ جب اُن سے حاملہ تھیں تو حضرت مریم علیہا السلام کے روبرو بیٹھی تھیں۔ حضرت یحییٰ کی والدہ نے حضرت مریم علیہا السلام سے آہستہ سے کہا: مجھے یقین ہے کہ آپ کے پیٹ میں بادشاہ ہے اور باخبر رسول ہے کیونکہ میرے پیٹ کے بچے نے آپ کے حمل کو سجدہ کیا ہے تو میرے بدن میں درد ہوا ہے۔ حضرت مریم علیہا السلام بولیں میں نے بھی اپنے پیٹ میں اُس کے سجدے کو دیکھا ہے۔ بے وقوف لوگ کہتے ہیں کہ جھوٹ اور غلط ہے کیونکہ حضرت مریم علیہا السلام اپنے حمل کے دوران کسی کے ساتھ نہ رہیں، شہر سے باہر رہیں اور جب تک فارغ نہ ہوئیں اندر نہ آئیں، باہر ہی جن کر اُن علیہ السلام کو خاندان میں لائیں۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کی والدہ نے اُن کو کہاں دیکھا کہ یہ بات ہوئی لیکن اس بات کو صرف وہ سمجھتا ہے جو صاحبِ دل ہے۔ جن لوگوں نے مجاہدات کے ذریعہ اپنے بدن کو چھلنی بنا دیا ہو وہ آنکھیں بند کر کے دُور کی چیزیں دیکھ لیتے ہیں۔ اُنہوں نے اگر ظاہری طور پر نہیں دیکھا ہے تو نتیجہ اَخذ کرو کہ اللہ کے نیک بندوں کی تعظیم کرو۔

افسانے سُن کر تم خود اُن سے کوئی صحیح نتیجہ نکال لیتے ہو۔ بلبل اور گُل کا قصہ سُن کہ کیسے آپس میں گفتگو کرتے ہیں۔ لفظوں کی مثال پیمانہ کی سی ہے اور معنیٰ کی مثال غلے کی سی ہے۔ مقصود غلہ ہے نہ کہ پیمانہ، یہ دیکھ کہ پروانے کا شمع سے کیا باطنی تعلق ہے اور اس سے نتیجہ حاصل کر لے۔ ٹیڑھی باتیں ٹیڑھوں کو سیدھی نظر آتی ہیں۔ اگر تُو بھینگے کو کہے کہ چاند ایک ہے تو وہ اِس بات کو جھوٹ سمجھے گا۔ اگر تُو کہے گا کہ دو ہیں تو سچ جان لے گا۔ اے بیٹا! جو جھوٹ کا ہم جنس ہے سچ اُس کے

لوحِ محفوظ ست پیشانیِ یار یار کی پیشانی لوحِ محفوظ کی طرح ہوتی ہے	رازِ کونینش نماید آشکار اُس سے دونوں جہانوں کے راز معلوم ہو جاتے ہیں

لیے معتبر نہیں ہوتا۔

اُس درخت کی تلاش کہ جو بھی اُس کا میوہ کھائے کبھی نہ مرے

ایک عقل مند نے کہا کہ ہندوستان میں ایک ایسا درخت ہوتا ہے کہ جو اُس کا میوہ کھالے وہ کبھی بوڑھا نہیں ہوتا اور نہ مرتا ہے۔ وہاں کے بادشاہ نے اِس بیان کے لفظوں کی طرف توجہ کی اور یہ سمجھا کہ شاید واقعی کوئی ایسا درخت ہے جس سے مستقل زندگی حاصل ہو جاتی ہے اور اُس کی تلاش میں ایک صاحب کو روانہ کر دیا۔ وہ شخص سالوں گھومتا رہا۔ لوگ اُس کا مذاق اُڑاتے تھے اور مختلف جھوٹے نشان اُس درخت کے بتا دیتے تھے۔ آخر کار وہ ڈھونڈتے ڈھونڈتے عاجز آ گیا۔ اُس نے بادشاہ کی طرف واپسی کا ارادہ کیا۔ وہ چلتا جاتا تھا اور آنسو بہاتا جاتا تھا۔

شیخ کا اُس درخت کے راز کی تشریح کرنا

ایک عالم، شیخ جو عارف تھا وہ شخص اُن کے پاس پہنچ گیا۔ کہنے لگا: اے شیخ! میں ایک مایوس آدمی ہوں اور آپ کی مہربانی کا طلب گار ہوں۔ بزرگ نے پوچھا: کیوں پریشان ہو؟ تو اُس نے سارے حالات عرض کر دیے۔ شیخ ہنسا اور کہا کہ اے بھولے! یہ علم کا درخت ہے جو عالی شان ہے اور علمِ باری اُس کا سرچشمہ ہے اور وہ آبِ حیات ہے۔ تُو نے درخت کے ظاہری معنی مراد لیے ہیں اسی لیے تو معنی سے محروم ہے۔ چونکہ لوگ علم کے ثمرات سے فائدہ اُٹھاتے ہیں اس لیے اِسے درخت کہا گیا ہے۔ شیخ نے فرمایا لفظ "درخت" کو نہ چمٹ اس کے ثمرات پر دھیان دے۔ معانی کے مقابلے میں اسماء کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ اسماء کے معانی سے دل لگا۔ اُن سے تُو ذات تک پہنچ جائے گا۔ جو کہ صفات کی حقیقت ہے۔ لوگ اسماء کے پابند ہو کر اسی اختلاف اسماء میں سرگرداں ہیں اور اِن کی حقیقت تک رسائی نہیں ہے۔ لفظوں کے پابند لوگ محض لفظی اختلاف کی وجہ سے باہمی اختلاف میں پھنسے رہتے ہیں۔ اگر حقیقت کو سمجھ لیں تو وحدت ہی وحدت پیدا ہو جائے۔

انگور کے معاملے میں چار آدمیوں کا جھگڑنا کیونکہ وہ ایک دُوسرے کی زبان نہیں سمجھتے تھے

ایک شخص نے چار آدمیوں کو ایک درہم دیا کہ انگور لے کر کھالیں۔ اُن میں ایک ایرانی، ایک تُرکی، ایک رُومی اور ایک عربی تھا۔ اُن کی زبانیں مختلف تھیں۔ ایرانی نے کہا: ہم نے انگور لینے ہیں، عرب بولا: نہیں عنب لینے ہیں، تُرکی نے کہا: نہیں اوزم لینے ہیں، رومی بولا: نہیں استافیل لینے

ہیں۔ وہ آپس میں جھگڑنے لگے۔ ایک بزرگ جو سب کی زبانیں جانتا تھا بولا: لاؤ درہم مجھے دو میں تمہاری سب تمنا پوری کر دیتا ہوں۔ اگر تم بغیر کھوٹ کے اپنے دل کو میرے سپرد کر دو تو جھگڑا ختم ہو جائے گا اور تم میں اتفاق پیدا ہو جائے گا۔

اُن چاروں کا اتحاد عارضی تھا جو نا سمجھی سے ختم ہو گیا۔ اسی طرح عارضی گرمی سردی کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔ سرکہ سرد ہے، آگ پر گرم کرنے سے گرم ہو جائے گا لیکن تاثیر تو سرد ہی رہے گی۔ انگور کے شیرے کی تاثیر گرم ہے عارضی ٹھنڈک اُس کی تاثیر کو ٹھنڈا تو نہیں کرے گی۔ شیخ کی ریاکاری بھی اصولِ شریعت کے مطابق ہوتی ہے اور حقیقت ہوتی ہے اور عوام کا اخلاص بھی چونکہ حقیقت سے دُور ہے اِس لیے مؤثر نہیں۔ شیخ حقیقت سے واقف ہوتا ہے اُس کی بات موجبِ اِتحاد ہوتی ہے۔ وہ مریدوں کو ایک لڑی میں پرو دیتا ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام حقیقت سے باخبر تھے تو سب جانوروں میں اِتحاد کا باعث بن گئے۔ چیتے اور ہرن اُن کے ساتھ مُتّحِد ہو گئے۔ تُو چیونٹی کی طرح دانے کے لیے نہ دوڑ سلیمان علیہ السلام کی جستجو کر۔ سلیمان علیہ السلام (شیخ) کو تلاش کرے گا تو دونوں جہان کی دولت مل جائے گی۔ ہر دَور میں کوئی نہ کوئی حقیقی ڈرانے والا ضرور موجود ہوتا ہے اُسے تلاش کرو تا کہ وہ تمہارے اختلاف دُور کر دے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے مسلمان ایک جان بن گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کے طفیل ماں کی طرح ایک دوسرے پر شفیق بن گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب مسلمان ایک جان کی طرح ہیں ورنہ اوس اور خزرج ایک دوسرے کے جانی دُشمن تھے۔ سب جھگڑے "مَن و تو" کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں، کوشش کر خالص وحدت ہو جائے۔ انگوروں میں باہمی یکسانیت تو ہوتی ہے لیکن تشخص ہر ایک کا الگ الگ ہوتا ہے لیکن انگور کے شیرے کی طرح مختلف تشخص رکھنے والے لوگ یکجان ہو گئے۔ کچا انگور اور پکا انگور یکجان ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتے اُن میں یکسانیت نہیں ہوتی۔ جو لوگ کچے رہے اور یگانگت پیدا نہ کر سکے جیسے کہ ابو جہل اور عبد اللہ بن ابی وغیرہ۔ یہ نہ بھائی بنے اور نہ مسلمانوں سے مُتّحِد ہوئے۔ جو لوگ ازلی طور پر کافر ہوتے ہیں اُن کے متعلق اظہار بھی مناسب نہیں ہے۔ یہ چُھپا رہنا ہی بہتر ہے کہ کون کافرِ ازلی ہے اور کون مومنِ ازلی۔۔ کورِ باطن، کافر کے باطن کے اَحوال بھی مسلمانوں کو سُنانا بہتر نہیں۔ وہ دُھواں ہیں اور مسلمان باغِ ارم، دھوئیں کا باغ سے دُور رہنا بہتر ہے۔ وہ لوگ جن میں فطری صلاحیت ہوتی ہے اہلِ دل کی صحبت میں یکجان ہو جاتے ہیں اور بہت جلد اُن میں یکسانیت پیدا ہو جاتی ہے جس سے مومنین میں وحدتِ تامّہ ہو جاتی ہے۔

نجم اندر ریگ و دریا رہنما است
ستارہ صحرا میں اور سمندر میں راہ دکھاتا ہے

چشم اندر نجم نہ کو مقتدا است
اس لیے اُس پر اپنی نظر جمائے رکھ تا کہ ہدایت پا جائے

جب تک "مَن و تو" ہے، تو باہمی اختلاف کا امکان رہتا ہے لیکن وحدت کے بعد نزاع کا امکان باقی نہیں رہتا، اِس لیے کہ کوئی اپنے آپ سے دشمنی نہیں کر سکتا۔

عشق، مُتّحِد الوجود بنا دینے میں کامل اُستاد ہے۔ عشق ذرّوں کو ایسے جوڑ دیتا ہے جیسے کمہار مختلف اجزاء کو جوڑ کر گھڑا بنا دیتا ہے۔ یہ مثال موزوں نہیں ہے' جانوں کا اتحاد تو اِس سے بہت بڑھا ہوا ہوتا ہے۔ مومنین کی رُوحوں کے اتحاد کی مثالیں سناؤں تو تھک جاؤ گے۔ ہم دنیاوی اُلجھاؤ اور گتھیوں کے سلجھانے کے عاشق بن گئے ہیں۔ اِس سلسلے میں ہم اُس پرندے کی طرح ہیں' جو جال کی گرہ کھولنے اور باندھنے میں مہارت پیدا کر رہا ہو۔ ایسا کرنے والا پرندہ یقیناً چمن کی سَیر سے محروم رہے گا اور پوری عمر اسی کام میں صرف کر دے گا۔ دُنیا کے دھندوں کو سلجھانے والا اپنے آپ کو تباہ کر لے گا لیکن دُنیا اُس کے قابو میں نہیں آئے گی۔ بڑے بڑے دنیاداروں کے ساتھ دُنیا نے غداری کی ہے۔

اُن چاروں مردوں کی لڑائی معاملہ کو حل نہ کر سکی لیکن غیب سے ایک مرد آیا اور اُس نے کام کر دکھایا۔ مسلمانوں کے لیے حکم ہے کہ جہاں کہیں ہوں نماز کے وقت قبلہ رُخ ہو جائیں۔ لیکن اِس کے ساتھ ہی ہر ایک کو متوجہ اِلَی الْحَقّ ہو جانا چاہیے۔ یہی چیز اتحاد پیدا کر دے گی۔ بزرگ حضرات' سلیمانِ وقت ہیں اور ہم اتنے اندھے ہیں کہ اُنہیں نہیں پہچانتے۔ وہ بزرگ جو طائرانِ قدس ہوں اُن کے تربیت یافتہ لوگ کبھی ظلم نہیں کرتے بلکہ معذوروں کی خدمت کرتے ہیں۔ یاد رکھو! شیخ کے زیرِ تربیت تھوڑا سا مجاہدہ بھی بہت زیادہ مُفید ہوتا ہے۔ جتنے عیب اُس کے پاس لے کر جاؤ گے اُن سب سے نجات مل جائے گی۔

بطخ کے بچےّ جن کو گھریلو مرغ نے پالا

اے سالک انسان! تُو بطخ کے اُس انڈے کی طرح ہے، جس کو گھریلو مرغ نے اپنے پَروں کے نیچے لے کر پالا ہے۔ تیری ماں پانی سے تعلق رکھتی تھی لیکن دایہ کا تعلق خشکی سے ہے۔ تیرا تیرنے کی طرف میلان ماں (رُوح) کی طرف سے ہے اور خشکی کی طرف میلان دایہ (جسم) کی وجہ سے ہے۔ دایہ کی خشکی چھوڑ اور بطخوں کی طرح حقیقت کے سمندر میں آجا۔ اگر تجھے دایہ پانی سے ڈرائے تو نہ ڈر۔ جسمِ انسانی، رُوحانی عروج کے راستے میں رکاوٹ بنتا ہے' اِسے زیادہ اہمیت نہ دے۔ جسم خاکی ہے اور رُوح بحرِ وحدت سے وابستہ ہے۔

تُو "کَرَّمْنَا" (ہم نے بنی آدم کو عزت دی) کی وجہ سے خشکی اور دریا دونوں میں قدم رکھتا ہے۔ جس طرح حضور ﷺ بشر ہونے کی حیثیت سے اِس عالَمِ دُنیا سے متعلق تھے اور ساتھ ہی اُن کی رُوح مسلسل وحی (عالَمِ بالا) سے

متعلق رہتی تھی۔ یہی حال شیخ کا بھی ہوتا ہے۔ شیخ بحر کی طرح ہے اور ہم مرغِ آب ہیں۔ شیخ ہماری سب باتیں سمجھتا ہے۔ دریائے وحدت میں جب شیخ کی طرح گھسو گے تو تمہاری حفاظت کے لاتعداد سامان پیدا ہو جائیں گے جو ہر طرح کے خطرات سے تمہیں محفوظ رکھیں گے۔ تُو اپنے آپ کو بڑا سمجھتا ہے اس لیے شیخ کے ہاتھ میں ہاتھ دینے میں غیرت کے خلاف محسوس کرتا ہے۔ اِس لیے شیخ کی حقیقت تجھ پر عیاں نہیں ہوتی۔

اگر انسان کو انجام کی بھلائی پر یقین ہو تو اُس کے لیے مقصد کے حصول کی تکالیف آسان ہو جاتی ہیں۔ انسان اپنی غفلت کی وجہ سے ادنیٰ مطلوب میں لگا رہتا ہے اور اعلیٰ مقصد سے غفلت برتتا ہے۔ دنیاوی اَسباب کو ہی سب کچھ سمجھ لیتا ہے اور اَسباب کو پیدا کرنے والے کی طرف اُس کی توجہ نہیں جا سکتی۔ جو خوش قسمت اَسباب کے پیدا کرنے والے پر نگاہ رکھتا ہے اَسباب اُس کی نگاہ میں ہیچ ہو جاتے ہیں۔

حاجیوں کا ایک دَرویش کی کرامات پر حیران ہونا، جو گرم ریت پر بیٹھا ہوا تھا

صحرا میں ایک عبادت گزار زاہد تھا۔ حاجی وہاں سے گزرے تو اُسے اکیلے گرم ریت پر مصروفِ عبادت دیکھ کر حیران رہ گئے کیونکہ صحرا کی گرمی ہلاک کر دینے والی تھی۔ وہ اِس قدر تکلیف دہ مقام میں اپنی عبادت میں اِس قدر خوش تھا جیسا کہ کوئی سبزہ و گل میں مسرور ہو یا جیسے بُراق کی سواری پر ہو۔ وہ خشوع و خضوع اور عاجزی سے بھرا ہوا اپنے دوست سے اِستغراق میں کھڑا ہوا راز و نیاز کر رہا تھا۔

وہ گروہ کھڑا ہو گیا کہ درویش اپنی نماز سے فارغ ہو جائے۔ جب وہ اِستغراق سے نکلا تو اُنہوں نے دیکھا کہ اُس کے ہاتھوں اور چہرے سے وضو کا پانی ٹپک رہا ہے۔ اُنہوں نے اُس سے پوچھا: یہ پانی کہاں سے آیا ہے؟ اُس نے آسمان کی طرف اشارہ کر دیا۔ وہ کہنے لگے: اے دین کے بادشاہ! تُو اپنا راز ہم پر کھول دے تاکہ تیری حالت ہمیں یقین عطا فرما دے۔ اُس نے اُن کی دُعا کی قبولیت کے لیے آسمان کی طرف توجہ کی کہ اے مولا! میں عالمِ بالا سے رزق کی تلاش کا عادی ہوں کیونکہ تُو نے میرے لیے وہاں کا دروازہ کھول دیا ہے، تُو حاجیوں کی دُعا قبول فرما لے۔ تُو نے مجھے وَفِی السَّمَآءِ رِزْقُکُمْ ''اور آسمانوں میں ہے تمہارا رزق'' کا مُشاہدہ کرا دیا ہے۔ اتنے میں ایک اَبر آیا اور اُس نے برسنا شروع کر دیا۔ ہر جگہ پانی پانی ہو گیا۔ حاجیوں میں سے کچھ کو یقینِ کامل کی دولت نصیب ہو گئی۔ کیونکہ ہدایت اور یقین عطا کرنا اللہ ہی کے اِختیار میں ہے۔ اُن ہی میں سے کچھ لوگ کھوٹے اور کچے تھے یعنی اَبدی ناقص تھے، وہ محروم رہے۔ بات ختم ہوئی۔

دفترِ دوم ختم شد

زاں کہ گردد نجم پنہاں زاں غبار
کیونکہ اُس گرد سے ذوق کا چاند چھپ جائے گا

چشم بہتر از زبانِ با عثار
اس لئے غلطیاں کرنے سے صرف دیدار بازی بہتر ہے

گفت پیغمبر کہ ہست از اُمّتم
پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری اُمت میں ایسے لوگ ہوں گے

کو بود ہم گوہر و ہم ہمّتم
جو میرے جوہرِ علم اور ہمت میں شریک ہوں گے

●

مر مرا زاں نور بیند جانِ شاں
اُن کی رُوح مجھے اُس نور سے دیکھے گی

کہ من ایشاں را ہمی بینم بداں
جس سے میں اُن کو دیکھتا ہوں یعنی نورِ الٰہی

●

رومیاں آں صوفیانند اے پدر
اے بابا صوفی رومیوں کی طرح اپنی لوحِ دل کو صاف کیے ہوئے ہیں

بے ز تکرار و کتاب و بے ہنر
بغیر کسی علم اور کتاب اور سیکھنے کے

●

لیک صیقل کردہ اند آں سینہا
لیکن انہوں نے اپنے سینوں کو مانجھ کر صاف کر لیا ہے

پاک ز آز و حرص و بخل و کینہا
لالچ اور حرص اور بخل اور کینوں سے

خاکِ پاکاں لیسی و دیوارِ شاں
بھلے لوگوں کی دیوار کی مٹی چاٹنا

بہتر از عام و رز و گلزارِ شاں
عام لوگوں کے باغ کے انگوروں سے بہتر ہے

مثنوی مولوی معنوی

ہست قرآں در زبان پہلوی
جامی

انوار العلوم

اردو شرح

مثنوی مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ

مصنف

سلطان العارفین بحر رموز حقائق خزانہ علم و حکمت دانائے عشق و معرفت

حضرت مولانا جلال الدین محمد بلخی رحمۃ اللہ علیہ

المعروف بہ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ

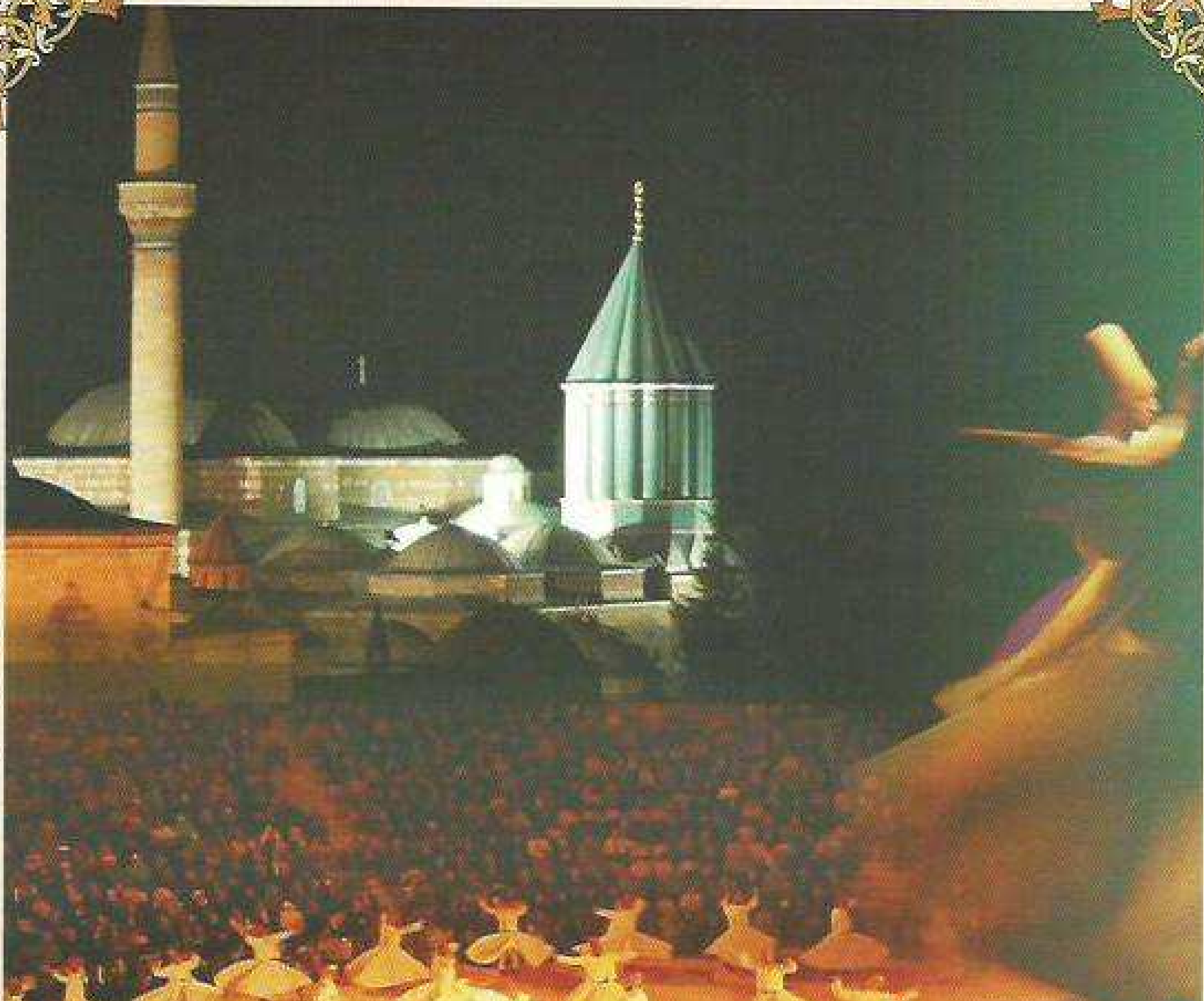


مترجم

محمد عالم امیری

دفتر سوم

342-A



مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کے مزارِ اقدس کا ایک بیرونی منظر

بشنو از نے چوں حکایت می کند
وز جدائیہا شکایت می کند

ترجمہ: بانسری سے سن! کیا حکایت کرتی ہے اور جدائیوں کی کیا شکایت کرتی ہے؟

فہرست دفترِ سوم

بندۂ یک مردِ روشن دل شوی   بہ کہ بر فرقِ سرِ شاہاں روی
کسی روشن دل مرد کا خادم ہو جانا   بادشاہوں کے درباری ہونے سے بہتر ہے

بر دلِ خود کم نہ اندیشۂ معاش
اپنے دل پر روزی کی فکر کو کم کر دے

عیش کم ناید تو بر درگاہ باش
معاش کم نہیں ہوگی بس اللہ کے دربار میں حاضر رہ

تُرک چوں باشد بیابد خر گہے
سپاہی جب بھی آتا ہے تو رہنے کی جگہ مل ہی جاتی ہے

خاصہ چوں باشد عزیز در گہے
خصوصاً جب کہ وہ دربار میں باعزت ہو

جزوِ ہر خاکے بخاکستان برد
خاک کا ہر ذرہ خاکستان میں چلا جاتا ہے

موجِ بحرِ جاں سُوی جاناں برد
اور جان کے سمندر کی لہر اُسے محبوب کی طرف لے جاتی ہے

لِلْخَبِيثَاتِ الْخَبِيثُونَ حکمت ست
خبیثات کے لئے خبیثوں کا ہونا ہی لائق ہے

زشت را هم زشت جفت و بابت ست
بُرے کا بُرا ہی جوڑا اس لائق ہے

ابتداء دفترِ سوم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اے ضیاء الحق رحمۃ اللہ علیہ! تیسرا دفتر لکھنا ضروری ہے کیونکہ تین بار کرنا سُنّت ہے۔ طہارتِ ظاہری، وضو اور غسل وغیرہ میں بھی تین بار دھونا مسنون ہے۔ لہٰذا طہارتِ باطنی جو کہ مثنوی کے مضامین سے حاصل ہوتی ہے اُس کے لیے بھی تیسرے دفتر میں تیسری بار مضامین کا لانا بہت مناسب رہے گا۔ اپنی جسمانی کمزوری کو بہانہ نہ بنا اور عذر نہ کر کیونکہ تیری قوت جسم اور رگوں کی محتاج نہیں ہے بلکہ عطائے خداوندی ہے۔ جس طرح سورج کی روشنی ظاہری اَسباب کی بنا پر نہیں ہے اسی طرح تمہاری طاقت بھی اَسبابِ ظاہری سے متعلق نہیں ہے۔ آسمانوں کا قیام بھی ظاہری اَسباب سے متعلق نہیں ہے۔ جبرائیل علیہ السلام کی یہ قوت کہ بازو سے بستیوں کو اُلٹ دیا بھی کسی جسمانی غذا کی وجہ سے نہ تھی۔

اولیاء اللہ رحمۃ اللہ علیہم کی قوت بھی من جانب اللہ ہوتی ہے۔ یہ کسی مادی چیز کی محتاج نہیں ہوتی۔ ابدال کے اجسام بھی نورانی ہوتے ہیں اور وہ انسانی رُوح اور تمام فرشتوں سے بڑھے ہوئے ہوتے ہیں۔ نفسانی رذائل کو آپ کے مزاج نے مغلوب کر رکھا ہے۔ کیونکہ آپ کا مزاج اللہ کے اخلاق سے بنا ہے۔ آپ کو اِسی وجہ سے اللہ سے اِتحاد حاصل ہو چکا ہے۔ عوام کی سمجھ کے گلے سے یہ مضمونِ وحدت نہیں اُترتا کیونکہ عوام وہ حلقوم ہی نہیں رکھتے جو ان مضامین کو نگل سکے لیکن اے ضیاء الحق رحمۃ اللہ علیہ! آپ میں وہ طاقت ہے کہ پتھر کے گلے میں سے بھی اس مضمون کو اُتار سکتے ہیں۔ ان مضامین کو کوہِ طور نے سمجھ لیا حالانکہ وہ پتھر ہے۔ کوہِ طور کا رقص معرفت کی شراب پی لینے ہی کی وجہ سے تو تھا۔ ایک انسان دوسرے کو لقمہ تو دے سکتا ہے لیکن حلق عطا کرنا تو صرف خدا کا کام ہے۔

پس تو ہر جُفتے کہ میخواہی بگیر
پس تُو اپنے لئے جو جوڑا چاہے بنالے

محو اُو باش و صفاتش را پذیر
اُس میں فنا ہو جا اور صفات کو قبول کرلے

تعلیم و تربیت دینا تو انسانی فعل ہے لیکن طالب کے اعضاء کا اُسے قبول کرنا اور اُن میں قبولیت کی استعداد پیدا کرنا اللہ ہی کا کام ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر عضو کو اور رُوح کو اُس کے مناسب حلق بھی بخش دیتا ہے۔ اللہ ہر عضو کو اور رُوح کو حلق اُس وقت بخشتا ہے جب انسان خدائی اخلاق سے موصوف ہو جائے۔ اور بھی معارفِ الٰہیہ اُس وقت حاصل ہوتے ہیں جبکہ انسان میں اُن کے اخفاء کی پوری صلاحیت پیدا ہو جائے اور نااہلوں کے سامنے اُن کو ظاہر نہ کرنے پر اُس کو قدرت حاصل ہو جائے۔ اللہ نے زمین کو بھی یہ حلق عطا کیا ہے۔ وہ پانی پیتی ہے اور سینکڑوں قسم کی گھاسیں اُگا دیتی ہے۔ حیوانات کو اسی حلق کی وجہ سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اُن کی غذا گھاس میں ہے۔ حیوانات اور نباتات سے انسان اپنی غذا حاصل کرتا ہے لیکن ایک مقررہ مدّت کے بعد جب وہ مرتا ہے تو وہی خاک اُسی خدائی حلق کی وجہ سے انسان کو اپنی خوراک بنا لیتی ہے۔

کائنات میں باہمی تنازع للبقاء کا نظام جاری ہے اور کائنات کا ہر ذرہ دوسرے کو کھانے کے لیے اپنا منہ کھولے ہوئے ہے۔ پتے جو کہ حیوانات کی غذا ہیں اُن کو بھی اللہ تعالیٰ خوراک فراہم کرتا ہے۔ کائنات میں جو چیزیں دوسروں کی پرورش کرتی ہیں اُن کی خدا پرورش کرتا ہے۔ گیہوں خود رزق ہے لیکن اگر اُس کو رزق مہیا نہ ہو تو اُس کی پرورش بھی نہ ہو۔ عالمِ امکان میں سب چیزیں ایک دوسرے کو فنا کر رہی ہیں۔ ہاں بقا صرف اُن کو حاصل ہے جو مقبولِ بارگاہِ الٰہی ہیں۔ عالمِ امکان میں سب چیزیں فنا ہو جاتی ہے لیکن دوسرے عالم میں موت نہیں ہے۔ وہاں بقا ہی بقا ہے۔ جب کوئی انسان مجموعۂ فضائل بن گیا تو وہ مجسّم باقی رہنے والی نیکی بن گیا۔ اِسی لیے اولیاء رحمہم اللہ اور بزرگ یک رُوح ہزار قالب ہوتے ہیں۔ اِس جہان میں جو کھانے والے ہیں اور خود کھائے جاتے ہیں اُن کا تو صرف حلق اور گلا ہے لیکن جو لوگ اپنے نفس پر غالب ہیں اور اللہ کی مرضیات سے مطلوب ہیں وہ ہی صاحبِ عقل و رائے ہوتے ہیں۔

اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی کو حلق عنایت فرمایا تو وہ جادوگروں کی لاٹھیوں اور رسیوں وغیرہ کو نگل گئی اور پھر موٹی بھی نہ ہوئی کیونکہ اُس کا کھانا حیوانی کھانا نہ تھا۔ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی کے حلق تھا اسی طرح یقین کا بھی حلق ہوتا ہے جو وساوس کو نگل جاتا ہے۔ پس جس طرح خارجی اشیاء کا حلق ہوتا ہے اُسی طرح معنوی اشیا بھی نگل جانے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔ اگر انسان میں منفی معنوی اشیاء یعنی وساوسِ شیطانی کو نگل جانے کی صلاحیت پیدا ہو جائے اور اِس طرح اپنی رُوح کو مادی ضروریات کے احساس سے پاک کر لے تو اُس کی جسمانی اور رُوحانی روزی خدائی ہو جاتی ہے۔ اپنی عقل اور دل کو مادی اشیاء کی محبت سے پاک کر لیں تو نظامِ ہضم کے بغیر تازہ غذا میسر آ جاتی ہے جیسے

پس تو ہر راہے کہ می خواہی بُرد	محو و ہم شکلِ صفاتِ دوست شو
پس تُو جس راستہ پر چلنا چاہے، چل	دوست کی صفات میں فنا اور ہم شکل بن جا

حضرت مریم علیہا السلام کو ملا کرتی تھی۔ اس کے لیے مزاج کا بدلنا شرط ہے۔ غلط خوراک کھانے سے انسانی جسم میں امراض پیدا ہو جاتے ہیں لیکن جب مادی مزاج میں تبدیلی آجاتی ہے تو انسان اَنوارِ الٰہی کا محل بن جاتا ہے۔

دایۂ قدرت جب بچے کا دودھ چھڑاتی ہے تو طرح طرح کے میوے کھلاتی ہے۔ جب تک بچہ شیر خوار رہتا ہے بے شمار لذیذ غذاؤں سے محروم رہتا ہے۔ اِسی طرح دنیاوی لذّتوں کا دودھ چھوڑنے پر اُخروی نعمتیں موقوف ہیں۔ جس طرح بچہ کا دودھ چھڑانا اُس کے لیے غذاؤں کی ترقی کا سبب بنا اِسی طرح اگر لذاتِ جسمانی ترک کرو گے تو رُوحانی غذائیں بہتر سے بہتر حاصل ہوں گی۔ جسمانی لذات کے ترک سے حکمتیں حاصل ہوں گی اور ذاتِ خداوندی کی طلب پیدا ہوگی۔ اگر ماں کے رحم میں بچے سے کوئی کہتا کہ باہر بڑی منظم اور خوبصورت دُنیا ہے جہاں بہت سی نعمتیں ہیں تو بچہ اس خارجی عالَم کی باتوں کا انکار کرتا ہے۔ اِسی طرح عوام عالَمِ آخرت کی باتوں کا انکار کرتے ہیں۔

ابدال لوگوں کو بتاتے ہیں کہ یہ دُنیا تاریک اور تنگ کنواں ہے اور اِس کے باہر ایک وسیع بے بُو اور بے رنگ عالَم ہے۔ وہ (لوگ) نہیں سُنتے کیونکہ اِس دُنیا کا لالچ ایک موٹا اور گہرا پردہ بن گیا ہے۔ لالچ کانوں کو سننے اور آنکھوں کو دیکھنے سے روک دیتا ہے۔ جس طرح خون کے لالچ نے بچے کو باہر آنے سے روک دیا تھا۔ وہ خون کے علاوہ کسی اور غذا سے واقف نہیں تھا۔ اِس دُنیا کا لالچ تیرے لیے بھی پردہ بن گیا ہے۔ اور یقین کو تجھ سے پوشیدہ کر دیا ہے۔ لالچ حق کو باطل کر کے دکھاتا ہے۔ بچے لوگوں کی طرح تُو لالچ سے بیزار ہو جاتا کہ اُس درگاہ تک پہنچ سکے۔ تیری رُوح کی آنکھ روشنی اور حق دیکھنے والی بن جائے اور تُو خوف سے نجات پا جائے۔ ایک مثال سُن شاید تجھے رُوح کا نور حاصل ہو جائے۔

لالچ کی وجہ سے ہاتھی کے بچوں کو کھانے والوں کا قصہ اور نصیحت کرنے والوں کی نصیحت کو ترک کر دینا

ہندوستان میں ایک عقل مند نے کچھ دوستوں کو دیکھا کہ بھوکے ننگے تھکے ہوئے چلے آرہے ہیں۔ عقل مند کی محبت نے جوش مارا۔ اُس نے اُنہیں سلام کیا اور کہا کہ میں جانتا ہوں تم تھکے ہارے ہو اور بھوکے بھی ہو لیکن اے دوستو! خدا کے لیے ہاتھی کے بچے کو نہ کھانا۔ یہ خوب موٹے تازے پلے ہوئے ہیں لیکن یاد رکھو! اِن کی ماں ہر وقت گھات میں رہتی ہے۔ اِس لیے اُس کے قابلِ رحم بچے سے بچو۔ اے بیٹے! اولیاء رحمۃ اللہ علیہم بھی اللہ کے بچے ہوتے ہیں۔ وہ ہر وقت اُن سے باخبر ہوتا ہے۔ وہ غیر حاضری میں بھی کام میں لگے ہوتے ہیں۔ اولیاء رحمۃ اللہ علیہم بظاہر بے سہارا اِس لیے بنائے گئے ہیں کہ عوام کی آزمائش ہو سکے۔

نُور خواہی مُستعدِ نُور شو　　　دُور خواہی خویش بین و دُور شو

نُور چاہتا ہے تو نُور کے لئے مُستعد بن جا　　　دُور ہونا چاہتا ہے تو متکبّر بن اور دُور ہو جا

سب اولیاء رحمہم اللہ سیرت کے اعتبار سے ایک ہوتے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام کی ایک لاٹھی فرعون کی سلطنت کو بغیر اللہ کی مدد کے کیسے زیروزبر کرسکتی تھی اور قومِ لوط کی بستیاں صرف ایک بددُعا سے کیسے غرق ہوسکتی ہیں۔ تُو اُن کے نشان اب بھی شام میں جا کر دیکھ سکتا ہے۔

یہ تمام واقعات ایسے ہیں کہ سن کر پہاڑوں کے جگر خون ہوجائیں لیکن انسان کیسی مخلوق ہے کہ اُن کو عبرت کی نگاہ سے نہیں دیکھتے۔ اُن کو اونٹ میں اُون کے علاوہ کچھ نظر نہیں آتا۔ انسان اِس دُنیا کے نفع اور نقصان کا ذرہ ذرہ دیکھتا ہے اور دُنیا کی خوشی پر ناچتا ہے۔ ایسا مناسب نہیں۔ انسان اپنی ہستی کو مٹائے، لالچ اور شہوت سے آزاد ہوتب خوشی منانے کا موقع ہے۔ نیک لوگ جب اپنے بُرے اخلاق، حسد و کبر وغیرہ سے نجات پا جاتے ہیں اور نقائص سے پاک ہوجاتے ہیں تو قدرت کی طرف سے اُن کے لیے تالیاں بجانے اور رقص کے اسباب مہیا کردیے جاتے ہیں۔ سمندر کی لہریں دیکھو کیسے ناچتی ہیں اور درختوں کے پتے کیسے تالیاں بجاتے ہیں۔ تم ان پتوں کے تالیاں بجانے کو نہیں سمجھتے کیونکہ اُن کو سننے کے لیے دل کے کان درکار ہیں نہ کہ بدن کے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کانوں کے بارے میں قرآن میں آیا ہے:

اُذُنُ خَیْرٍ لَّکُمْ یعنی اُن کے کان صرف نیکی سننے والے ہیں۔ وہ ہماری بھلائی کے لیے مجسّم کان اور آنکھ ہیں۔ اُن کی رحمت دودھ پلانے والی ہے اور ہم بچوں کی طرح ہیں۔ اس بات کی اِنتہا نہیں۔ آؤ ہاتھی والوں کو دیکھیں۔

ہاتھی والوں کا بقیہ قصّہ

ہاتھی ہر منہ کو سونگھتا ہے تا کہ کہیں اپنے بچے کے کباب کی خوشبو پالے اور پھر بدلہ لے۔ تُو اللہ کے بندوں کا گوشت کھاتا ہے اُن کی غیبت کرتا ہے تو سزا ضرور پائے گا۔ اللہ بھی اِسی طرح تمہارے منہ سونگھے گا۔ قبر میں منکر نکیر اس خوشبو سے واقف ہیں۔ اُن سے منہ نہیں چھپایا جاسکے گا۔ وہاں کوئی حیلہ کارگر نہیں ہوگا۔ مَلکُ الموت کا گرز بظاہر نظر نہیں آتا لیکن بیمار بعض اوقات دیکھتا ہے اور گھر والوں سے کہتا بھی ہے کہ دیکھو مجھے کون مار رہا ہے؟ وہ کہتا ہے کہ یہ وہمی بات نہیں ہے بلکہ جان نکالنے کے لیے مجھے مارا جارہا ہے۔ ہمیں یہ باتیں وہم نظر آتی ہیں لیکن بیمار جو کچھ دیکھتا ہے ہم نہیں دیکھ سکتے۔ اُس کے دیکھنے کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ اُس کی نظر حرصِ دُنیا سے خالی ہوچکی ہوتی ہے۔

اگر پہلے ہی سے حرص کو ختم کرلیا جاتا اور عذاب کی کیفیت نظر آجاتی تو نیک اعمال کرسکتا تھا۔ اب آنکھ کا کھلنا بے وقت ہے اور بے وقت کا کام ہلاکت کی طرف لے جاتا ہے۔ جیسے کہ بے وقت اذان دینے والا مرغ ذبح کردیا جاتا ہے۔ ہر آن انسان کے جسم کے اجزاء فنا ہوتے رہتے ہیں اور اُن کی جگہ دوسرے اجزاء لیتے رہتے ہیں۔ اس لیے تُو

ہمیشہ اپنے ایمان کی نگرانی کرتا رہ۔ ہر وقت ہر جگہ پر عوض ضرور رکھتا رہ تا کہ تُجھے وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ (سجدہ کر اور قریب ہو جا) کا مقصد حاصل ہو جائے۔ دُنیا کے کاموں میں کوشش کرو لیکن آخرت کے کاموں میں اِنہماک رکھو۔ اگر آخرت کے کام نہیں کرو گے تو دنیا سے ناکام جاؤ گے۔ قبروں کی آبادی کتبے لگانے سے نہیں ہوتی بلکہ اپنی قبرِ دل کی صفائی سے بنا۔ اپنی خودی کو اللہ کی خودی میں فنا کر دے۔ ایک بدکار اچھا لباس بھی پہن لے تو اُسے سکونِ قلب تو حاصل نہیں ہوگا۔ نیک عمل انسان گدڑی میں بھی ہو تو اُس کا دل باغ باغ ہوتا ہے۔ نصیحت کرنے والے نے مسافروں سے کہا کہ بھوک کے وقت گھاس کھا لینا لیکن ہاتھی کے بچے کا شکار نہ کرنا۔ میں نے نصیحت کا حق ادا کر دیا ہے۔ اب خدا حافظ۔

مسافروں میں سے ایک نے نصیحت کو مان لیا اور گوشت نہ کھایا لیکن باقی ایسا نہ کر سکے۔ اُسے فقیر کی بات یاد تھی۔ وہ جاگتا رہا اور باقی سب کبابوں سے پیٹ بھر کر سو گئے۔ اُس نے دیکھا ایک خوفناک ہاتھی آیا۔ اُس نے اس کے منہ کو تین بار سونگھا اور بُو نہ پا کر چلا گیا۔ پھر اُس نے ہر سوئے ہوئے کے منہ سونگھے۔ ہاتھی نے اُن سب کو پھاڑ ڈالا۔ اِس لیے اے مخلوق کا خون پینے والے! توبہ کر لے۔ لوگوں کے مال کو اُن کا خون سمجھ۔ کسی کے مال کو تباہ کرنا اُس کی جان کو تباہ کرنے کے برابر ہے۔ مکر کرنے والے کو اُس کے مکر کی بُو رُسوا کر دیتی ہے۔ وہ ذات جو ایک اچھی خوشبو یمن سے سونگھ لیتی ہے وہ میرے اور تیرے باطن کی بُو کو کیوں نہ محسوس کرے گی۔ وہ ہم سب کی بُو کو پہچانتے ہیں لیکن اپنے کرم سے ہم سے چُھپاتے ہیں۔

ہر اچھی اور بُری بُو آسمانوں پر پہنچتی ہے۔ ہم سو رہے ہوتے ہیں ہمارے منہ کی بُو آسمانوں کا سفر کر لیتی ہے۔ ہماری تکبر کی بُو، غصہ کی بُو، حرص کی بُو، پیاز کی بُو کی طرح سانس کے ساتھ ہونے کی وجہ سے پہچان لی جاتی ہے۔ اگر تُو انکار کرے گا تو یہ بُو تیرے خلاف گواہی دے گی۔ گناہوں کی بُو کی وجہ سے ہماری دُعائیں مردود ہو جاتی ہیں اور دل کا ٹیڑھا پَن زبان سے ظاہر ہو جاتا ہے۔ اِسی طرح اخلاص کے ساتھ بعض نامناسب لفظ بھی بارگاہ میں قبول ہو جاتے ہیں۔ اگر دُعا میں اخلاص نہیں ہے تو بہتر الفاظ بھی مردود قرار دیئے جاتے ہیں۔ دوستوں کی غلطی بیگانوں کی اچھائی سے بہتر ہوتی ہے۔

دوستوں کی غلطی کے بیان میں جو محبوب کے نزدیک غیروں کی ٹھیک بات سے بہتر ہے

حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان میں حیّ کو عاجزی کی وجہ سے "ہیّ" پڑھتے تھے۔ مُنافقوں نے کہا: اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم! ایسا دُرست نہیں ہے کسی فصیح موذّن کو مقرر فرمایئے۔

ور رہے خواہی ازیں سِجن خرب
اگر اس برباد قید خانے سے رہائی چاہتا ہے

سر مکش از دوست وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ
دوست (اللہ تعالیٰ) سے سرکشی نہ کر اور سجدہ کر اور قریب ہو جا

نبی کریم ﷺ جوش میں آ گئے اور فرمایا: بلال کا "ہس" کہنا شور و غل کے سینکڑوں حیّ سے بہتر ہے۔ مجھے جوش نہ دلاؤ ورنہ تمہارے دل کی ساری بُرائیاں تم پر ظاہر کر دوں گا۔ اگر تمہاری دُعاؤں میں اچھا دم نہیں ہے تو بہتر ہے کسی صفائی والے سے اپنے لیے دُعا کراؤ۔

حضرت مُوسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا فرمان "مجھے اُس مُنہ سے پُکارو جِس سے تُو نے گُناہ نہ کیا ہو"

اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا: اے موسیٰ علیہ السلام! مراد مانگتے وقت اُس منہ سے مانگ جس سے تُو نے گناہ نہ کیا ہو۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: الٰہی! میرا منہ تو ایسا نہیں ہے۔ اللہ نے فرمایا: تو پھر دوسرے کے منہ سے مانگ کیونکہ دوسرے کے منہ سے تُو نے کوئی گناہ نہیں کیا۔ ایسے عمل کر کہ دوسرے تیرے لیے دُعا کریں۔ تیرا منہ اگر دُعا کرنے کے لائق نہیں ہے تو غیر کا منہ تیری اس مجبوری کے لیے عُذر خواہ ہو جائے گا۔ اگر اپنے منہ سے دُعا کرنی ہے تو منہ کو اور رُوح کو پاک کر لینا چاہیے۔ اللہ کا ذکر پاک ہے۔ جب اس سے پاکی حاصل ہو جاتی ہے تو ناپاکی خود بخود اپنا بوریا بستر باندھ کر باہر ہو جاتی ہے۔ ضدّیں ضدّوں کو دفع کرتی ہیں۔ روشنی آتی ہے تو رات بھاگ جاتی ہے۔ اِسی طرح اللہ کا پاک ذکر رُوح کو حاصل ہوتا ہے تو نہ پلیدی رہتی ہے اور نہ ناپاک منہ۔

نیاز مند کا اللہ کہنا، اللہ کا لبّیک کہنا ہے

ایک شخص رات کے وقت اللہ اللہ کرتا تھا اور اس سے خوب لُطف حاصل کرتا تھا۔ شیطان نے اُسے کہا: تم بُت کی طرح کب تک ایسے کرتے رہو گے۔ اللہ کی طرف سے تو لبّیک کا جواب آج تک نہیں آیا۔ وہ دل شکستہ ہو گیا اور لیٹ گیا۔ اُس نے خواب میں حضرت خضر علیہ السلام کو دیکھا۔ اُنہوں نے پوچھا: تُو نے اللہ کا ذکر کیوں چھوڑ دیا؟ اُس نے جواب دیا: میرے پاس لبّیک نہیں آ رہا۔ مجھے ڈر ہو گیا ہے کہ میں مردُودِ بارگاہ ہوں کیونکہ ذکر کا جواب نہیں آتا۔ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا: اے سادہ دل! مجھے خدا نے اِس لئے بھیجا ہے کہ تجھے بتاؤں کہ تیرا اللہ اللہ کہنا ہی تو ہماری لبّیک ہے اور تیری عاجزی اور درد و سوز تمہاری طرف ہمارا قاصِد ہوتا ہے۔ کسی شخص کو عبادت کی توفیق ہونا اللہ کی جانب سے قبولیت کی دلیل ہے۔ یہ اللہ کا کرم ہی ہے کہ وہ اپنی یاد میں لگا لے۔ اللہ کا عشق اُس کی رحمتوں کو متوجہ کر دیتا ہے۔ تو دُعا کرنے والے کا ایک مرتبہ یا ربّ کہنا اللہ کی جانب سے چند بار لبّیک کہنا بن جاتا ہے۔ جس سے خدا ناراض ہوتا ہے اُسے کبھی دُعا کی توفیق ہی نہیں ہوتی۔ اللہ نے اُسے دردِ سر سے بھی محروم رکھا ورنہ وہ ہی دُعا کا سبب بن جاتا۔ وہ بیماری جو اللہ کی طرف رُجوع کرا دے وہ اللہ کی رحمت ہوتی ہے۔

خاکِ پاکاں لیسی و دیوارِ شاں　　بہتر از عام و رز و گلزارِ شاں

بھلے لوگوں کی دیوار کی مٹی چاٹنا　　عام لوگوں کے باغ کے انگوروں سے بہتر ہے

حدیث میں ہے کہ جب اللہ کسی سے محبت کرتا ہے تو اُسے تکلیف میں مبتلا کر دیتا ہے تا کہ اُس کی عاجزی کو سُنے۔ درد اور زاری کے ساتھ دُعا عشق کا نتیجہ ہوتا ہے۔ گھُٹ گھُٹ کر رونا ابتدائی حالت میں ہوتا ہے۔ جب انسان درد اور رونے کی حالت میں ''اے مددگار'' اور ''اے معین'' پکارتا ہے تو آواز صاف ہوتی ہے اور اُسی میں انتہائی غم کی کیفیت ہوتی ہے۔ جب جذبۂ الٰہی طاری ہوتا ہے تب انسان درد کے ساتھ گریہ کرتا ہے۔ اصحابِ کہف کے کتے میں جذب پیدا ہو گیا تھا۔ اصحابِ کہف کا کتا اُن اصحاب کے فیضِ محبت سے برابر مئے وحدت پی رہا ہے۔ اے بھائی! ایسے کئی معمولی لباس والے اہل اللہ ہوتے ہیں جنہیں کوئی نہیں جانتا۔ تیرے لئے یہ ضروری ہے کہ جامِ محبت کی طلب میں صبر کے ساتھ اپنی جان دے دے۔ ایک مجاہد جنگ کی سختیوں پر صبر سے کام لیتا ہے تو فتح یاب ہوتا ہے۔

صبر کشادگی کا راستہ ہے۔ تمام معاملات میں احتیاط اور پُختہ کاری سے کام لینا ضروری ہے۔ غفلت انسان کو منزل سے دُور کر دیتی ہے۔ ہر خواہشِ نفس کے پیچھے بھاگنے والا تنکے کی طرح ہوتا ہے۔ شیطان طرح طرح سے انسان کو دھوکے دیتا ہے لیکن انسان کی پُختہ کاری یہ ہے کہ وہ شیطان کے فریب میں نہ آئے اور اُس کے دامِ فریب سے بچ جائے۔ شیطان کے خوش نما فریب میں بہت سی مُضرتیں پوشیدہ ہیں۔ دُنیا کی دولت کی جھنکار انسان کو اُس کے فریب میں پھنسا دیتی ہے۔ یاد رکھو! قناعت بہت بڑی دولت ہے کیونکہ دُنیا کی چمک دمک چند روزہ ہے اِس کو دھوکا سمجھو۔ ایک قصہ سُن لے۔

ایک دیہاتی کا شہری کو فریفتہ کرنا اور خوشامد و عاجزی سے دعوت دینا

پچھلے زمانے میں ایک شہری ایک دیہاتی کا دوست بنا۔ دیہاتی جب شہر میں آتا تو اُس کے گھر میں ٹھہرتا اور اُس کی مہمانی کا لُطف اُٹھاتا۔ ایک مرتبہ دیہاتی نے شہری سے کہا: جناب آپ کبھی گاؤں تشریف لائیں۔ اپنے بال بچوں سمیت آئیں اور آ کر دیہات کی بہار دیکھیں۔ شہری اُس سے ٹالنے کے بہانے کرتا رہتا لیکن دیہاتی ضد کرتا رہا کہ میرے بال بچے آپ کے منتظر ہیں۔ شہری نے کہا: میں دل و جان سے حاضر ہوں لیکن ہر نقل و حرکت اللہ ہی کے قبضے میں ہے۔ اسی طرح کے دیہاتی کے وعدوں اور خوشامدوں کی وجہ سے شہری کے بال بچوں نے بھی منت سماجت کی کہ ہمیں دیہات میں لے جائیں تا کہ یہ بھی ہماری مہمان نوازی کا حق ادا کریں۔ شہری نے کہا: یہ تو ٹھیک ہے لیکن اس مقولے پر بھی غور کرو کہ ''اُس شخص کے شر سے بچنا جس کے ساتھ تُو نے احسان کیا ہو'' دوستی بھی اُن نیکیوں میں سے ہے جو آخری وقت میں کام آتی ہیں۔ میل جول دو قسم

بندہ یک مردِ روشن دل شوی	بہ کہ بر فرقِ سرِ شاہاں روی
کسی روشن دل مرد کا خادم ہو جانا	بادشاہوں کے درباری ہونے سے بہتر ہے

کے ہوتے ہیں ایک تو وہ ہے جو دوستی ٹوٹ جانے کا سبب بنتا ہے اور دوسرا وہ ہوتا ہے جس سے دوستی میں مزید مضبوطی آتی ہے۔ خیال کرنا چاہیے کہ کہیں میل جول دوستی توڑ ہی نہ دے۔

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ ہر قدم احتیاط سے اُٹھاؤ' ایسا نہ ہو کہ کہیں پھنس جاؤ۔ غلطی سے بچنے کے لئے پہلے عقل سے کام لو اور اپنے تجربے کو کام میں لاؤ اور اگر سمجھو کہ میں ایسا نہیں کر سکوں گا تو کسی دیدہ ور کو اپنا راہبر بناؤ۔ اندھا بھی چلنے کے لئے قدم اُٹھاتا ہے تو احتیاط کرتا ہے کہ کہیں گڑھے میں نہ پڑ جائے۔

اہلِ سبا کا قصہ، نعمتوں کا اُن کو سرکش بنا دینا، اللہ کی نعمت اور شکر کی فضیلت

قرآن میں سبا والوں کا قصہ آیا ہے۔ اللہ نے اُن کو خوب فارغ البالی بخشی۔ اُنہوں نے خوبصورت قلعے' محلات اور باغات تعمیر کیے لیکن اُن بدطینتوں نے اُس کا حق ادا نہ کیا۔ وہ وفاداری میں کتوں سے بھی کم نکلے۔ کتا بھی جہاں سے اُسے لقمہ ملتا ہے وہاں کا وفادار نگہبان بن جاتا ہے۔ وہ کسی غیر کو اختیار کرنا کفر سمجھتا ہے۔ اگر کوئی اجنبی کتا اُدھر آ جائے تو وہ بھونک کر اُس کو تنبیہ کرتا ہے کہ وہ اپنے پہلے مالک اور اُس کے مکان کو کیوں چھوڑ آیا ہے۔ جس طرح کتے کا پہلے مکان کو چھوڑ دینا بے وفائی ہے اِسی طرح بزرگوں کے در سے مستفید ہو کر اُسے چھوڑنا بھی بے وفائی ہے۔ مرید اپنے شیخ کے در سے بہت سی رُوحانی غذائیں حاصل کرتا ہے۔ سُکر' وجد اور بے خودی رُوح کی غذائیں ہیں۔ اصل غذا وہ ہوتی ہے جو تمہاری رُوح کی پرورش کرے نہ کہ جسم کی۔ اہلِ دل کا دستر خوان حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے گرجے کی طرح ہوتا ہے جہاں سے سب فائدہ اُٹھاتے ہیں۔

مُصیبت زدوں کا ہر صُبح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے گرجا میں دُعا سے شفا حاصل کرنے کے لیے جمع ہونا

جسمانی اور رُوحانی مریض ہر صبح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے گرجے میں جمع ہو جاتے تا کہ وہ اُن کو تکلیف سے نجات دیں۔ وہ اپنی عبادات سے فارغ ہو کر چاشت کے وقت باہر آتے اور کمزور بیماروں کے غول' اُمید اور انتظار میں دروازے پر بیٹھے دیکھتے تو دُعا کرتے اور کہتے کہ جاؤ! اللہ نے تمہاری حاجتیں پوری کر دی ہیں۔ تمام مریض مصیبتوں سے ایسے آزاد ہو جاتے جیسا کہ اونٹ زانو کا بند کھولنے سے آزاد ہو جاتا ہے۔ اُس نیک بزرگ کی دُعا سے اللہ لوگوں کے دردوغم دُور کر دیتا اور وہ خوشی سے دوڑتے ہوئے واپس جاتے۔ اے انسان! تُو بھی اللہ کے نیک بندوں سے بہت دفعہ فیض حاصل کر چکا ہے۔ اُن کے در کو چھوڑنا ایسا ہے جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے گرجا گھر سے منہ موڑنا۔ تیری ناشکری نے تجھے وہ شہد بھلا دیا جو تُو نے ان بزرگوں کے

مستی کاید ز بُوئے شاہِ فرد　　صد خُم مے در سر و مغز آں نکرد

وہ مستی جو اُس شاہ کی خوشبو سے پیدا ہو گی　　شراب کے سو مٹکے بھی پیدا نہیں کر سکتے

در سے پیا تھا۔ لامحالہ اہلِ دل کا دل تُو نے زخمی کر دیا اور وہ راستہ تجھ پر بند ہو گیا۔ اب بھی توبہ کر لے۔ ابر کی طرح عاجزی سے رو تاکہ اُن کے باغ کا دروازہ تیری طرف کھلے۔ اگر تجھ میں کچھ کمال بھی پیدا ہو گیا ہے تب بھی اُس در کو نہ چھوڑ۔ بے وفائی تو کتوں کے لئے بھی عار اور ذلت ہے' تُو نے اُس کو اپنے لئے کیوں پسند کر لیا؟

سورۃ توبہ میں اللہ تعالیٰ نے وفاداری پر فخر فرمایا ہے کہ اللہ سے بڑھ کر زیادہ عہد پورا کرنے والا اور کون ہے؟ اُس کے حکم کے مطابق اچھوں سے اچھائی کرو اور بُروں سے بُرا سلوک کرو۔ ماں کا حق بہت بڑا ہے لیکن اللہ کا حق اُس سے بھی بڑا ہے۔ ماں کے پیٹ میں بھی تیری پرورش اللہ ہی نے کی۔ اُس کے بعد ماں کے پستان میں دودھ بھی اللہ ہی نے پیدا کر دیا۔ اللہ نے فرمایا ہے کہ میرے اُس احسان کو یاد کرو کہ نوح علیہ السلام کی کشتی کے ذریعے تمہارے باپ دادا کو بچایا۔ میں نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے تو پھر تُو اس قدر احسانات کے باوجود میرے ساتھ وفا نہ کرنے والوں کو کیوں دوست بناتا ہے۔ میں بھول اور بدگمانی سے پاک ہوں۔ میں باقی ہوں۔ تُو فانی انسانوں سے دوستی کرتا ہے۔ حالانکہ دوستی کے لائق کوئی فانی نہیں بلکہ باقی ہوتا ہے۔ انسان تو ہر حال میں انسان کا ساتھ چھوڑ دیتا ہے' چاہے اچھا ہو یا بُرا۔ اُس ذات کے ساتھ تعلق پیدا کرو جو قیدِ زمان و مکان سے پاک ہے۔ اِس طرح کا تعلق پیدا کرو کہ جب تُو جسمانی زندگی گزارے وہ تیرے ساتھ ہو اور جب تو رُوحانی زندگی گزارے تو لامکان میں تیرے ساتھ ہو۔ اُس کو اپنا ساتھی بنا جو کہ انسان کی بُرائیوں کو بھلائیوں میں تبدیل کر دیتا ہے۔

جب انسان کوئی غلطی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُسے تنبیہہ فرما کر بُرائی سے نکال کر بھلائی کی طرف متوجہ فرما دیتا ہے۔ اگر کوئی مقررہ عبادت فوت ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ انسان میں ایک اِنقباضی کیفیت پیدا کر دیتا ہے۔ یہ تنبیہہ ہوتی ہے کہ انسان اپنا معمول نہ چھوڑے۔ اِنقباضی کی یہی کیفیت آخر میں ایک زنجیر بن جائے گی جس سے فرار ناممکن ہو جائے گا۔ گناہ کرنے کے بعد انسان میں ایک دلی تنگی پیدا ہو جاتی ہے' وہ اسی گناہ کا اثر ہوتا ہے۔ جب انسان اس گناہ پر اصرار کئے جاتا ہے تو وہی دلی تنگی ظاہری گرفت بن جاتی ہے۔ اِبتدائی اِنقباضی کیفیت زیادہ پکی ہو کر سزا کی صورت اختیار کر لے گی۔ اِسی طرح نیکی' انسان کی رُوح کے لئے اِنشراحی کیفیت پیدا کر دیتی ہے۔ اِنقباضی کیفیت کا احساس ہو تو توبہ کے ذریعے اُس کا علاج کر کے ازالہ کیا جا سکتا ہے۔ نیکی پر انشراحی کیفیت پیدا ہو تو اُس میں اضافے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اگر اللہ کی رحمت سے انشراحی کیفیت میں پھل پیدا ہوں تو احباب کو اُس سے فیض پہنچانا چاہیے۔ کسی کی دی ہوئی نعمت کا کفران یہ بھی ہے کہ محسن کا شکر ادا نہ کیا جائے۔

مستی کاید ز بوئے شاہِ فرد
وہ مستی جو اُس شاہ کی خوشبو سے پیدا ہو گی

صد خُمِ مے در سر و مغز آں نکرد
شراب کے سو مٹکے بھی پیدا نہیں کر سکتے

سبا والوں کا باقی قصہ

سبا والوں نے کفران کی یہ صورت اختیار کی کہ اُن نعمتوں کو نعمت نہ سمجھا اور اللہ سے اُس کیخلاف تمنا شروع کر دی اور جھگڑا کیا۔ اہلِ سبا پر یہ کرم تھا کہ اُن کی آبادیاں قریب قریب تھیں تاکہ سفر کی مشقت سے بچ سکیں۔ چاروں طرف سرسبز باغات تھے تاکہ اُن سے فائدہ اُٹھائیں لیکن اُنہوں نے اِن دونوں چیزوں کو نعمت نہ سمجھا۔ انسانی نفس کی ایک یہ بھی خاصیت ہے کہ وہ ایک حالت پر راضی نہیں رہتا۔ گرمیوں میں جاڑوں کی اور جاڑوں میں گرمیوں کی تمنا کرنے لگتا ہے۔ اسی لئے نفس کو قتل کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ نفس کی خاصیت ایک گوکھرو کی سی ہے کہ اس کو جس جانب بھی رکھیں یہ ضرور زخم پہنچائے گا۔ نفس کے کانٹے کو پھونکنے کی ترکیب یہی ہے کہ ہر خواہش کو ترک کر دیا جائے۔ اہلِ سبا نے یہاں تک زیادتی کی کہ وبا کو نسیم سحری سے اچھا سمجھنے لگے۔ نصیحت کرنے والوں نے انہیں کفر اور فسق سے روکنا چاہا تو وہ اُن بزرگوں کی جان کے درپے ہو گئے لیکن اللہ کی قضا آتی ہے تو انسان مجبور ہو جاتا ہے۔ اگر بدبختی کی وجہ سے آنکھ آنکھ کے سُرمے ہی کو نہ دیکھ سکے جو اُس کا علاج ہے تو پھر سوائے اللہ سے مدد مانگنے کے کوئی چارہ ہی نہیں رہتا۔ زاری کرنے سے انسان قضا کی مار سے بچ جاتا ہے۔ ایسی حالت میں زاری سے اللہ کی مدد طلب کرو۔

اللہ کے غضب کے آثار دیکھ کر بھی جو ہوش میں نہ آیا وہ ضرور مصیبتوں میں گرفتار ہوگا۔ نصیحت کرنے والوں نے اُنہیں نیکی کی دعوت دی لیکن اُنہوں نے نہ مانا اور اُن کو غمگین کیا۔ اُن سے جواب میں کہا کہ ہم خود اپنی بھلائی کو سمجھتے ہیں ہمیں تمہاری نصیحت کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم سردار ہیں اور کسی کے تابع نہیں بن سکتے۔ تمہاری دوستی کی ہمیں ضرورت نہیں ہے۔ اُن کے دماغوں میں جاہلیت گھسی ہوئی تھی اور بدبختی کا کوا اُن پر سوار تھا۔ اُنہوں نے اُن یوسفوں (بزرگوں) کو ذلیل کیا اور پھر اس کی سزا بھگتی۔ اہلِ سبا کے لئے یوسف خود اُن کا دل تھا جو طالبِ حق تھا لیکن اُس دل کو اُنہوں نے نفسِ امارہ کا قیدی بنا دیا۔ یعنی رُوح کو جسم کے ستون کے ساتھ باندھ دیا اور اُسے مادی غذائیں کھلانی چاہیں۔ اُس کی غذا تو ذکرِ الٰہی تھا۔ وہ تو لقاءِ دوست کی بھوکی تھی۔

رُوح انسان کے ظلم و ستم کی خدا سے شکایت کرتی ہے۔ وہ اُسے فرماتا ہے: صبر کرو۔ رُوح کہتی ہے: اے دوست! مجھے جلدی اپنے پاس بلا لے مجھے نفس کے ہاتھوں مادی تکالیف برداشت کرنی پڑ رہی ہیں۔ جیسی آنحضور ﷺ کو یہود کے ہاتھوں اور حضرت صالح علیہ السلام کو ثمود کے ہاتھوں برداشت کرنی پڑی تھیں۔ رُوح کہتی ہے: اب مجھے فراق برداشت نہیں۔ تُو مجھے اپنے پاس بلا لے یا خود میرے پاس آ جا۔ خدا سے جُدائی کی کیفیت تو کفار بھی برداشت نہیں کر سکیں گے

خاکِ گور از مردِ حق یابد شرف
ایک مردِ خُدا کی وجہ سے اُس کی قبر کی مٹی شرف پا لیتی ہے

تا نهد بر گورِ اُو دل رُوی و کف
یہاں تک کہ دل اُس پر جھک جاتا ہے اور ہاتھ اور مُنہ اُس پر رکھ دیتا ہے

چہ جائیکہ مومن برداشت کرے۔ فراق میں بے گانوں کا یہ حال ہے تو اپنوں کا کیا حال ہوگا۔

دیہاتی کی دعوت پر خواجہ کا گاؤں جانا

دیہاتی نے ایسی خوشامد کی' شہری خواجہ کی ہوشیاری کو دیوانہ بنا دیا۔ یاد رکھ! جو بات بھی تیرے لیے دوست سے جُدائی کا سبب بنے اُس کو نہ سُننا چاہیے۔ معمولی فائدے کے لئے بڑا نقصان گوارا نہیں کرنا چاہیے۔ سورۃ جمعہ میں قِصہ بیان کیا گیا ہے کہ ایک بار مدینہ میں گیہوں کا آٹا فروخت کرنے والا قافلہ آیا' اُس وقت آنحضور ﷺ نمازِ جمعہ پڑھا رہے تھے۔ صحابہ آٹا خریدنے کے شوق میں حضور ﷺ کو نماز پڑھاتے چھوڑ کر چلے گئے۔ اِس پر صحابہ موردِ عتاب بنے۔ اُنہوں نے تھوڑے فائدے کے لئے بڑا نقصان کیا اور آنحضور ﷺ کا ساتھ چھوڑ دیا۔ صرف دس' بارہ صحابہ وہاں موجود رہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: حضور ﷺ کی صحبت تمہارے لئے بہتر تھی۔ رزّاق تو میں ہوں۔ گیہوں کو بھی تو میں ہی رزق دیتا ہوں تو تمہارے توکل کو کیسے ضائع کرتا۔ تم لوگ گیہوں کے لئے اُس سے جدا ہو گئے جس نے گیہوں آسمان سے بھیجا ہے کیونکہ نبی سے جدا ہونا خدا سے جدا ہونا ہے۔ تُو پانی کی بطخ سے کم نہیں' جو دعوت دینے والے باز کو جواب دیتی ہے۔ باز' بطخ سے کہتا ہے کہ تُو پانی سے نکل اور دیکھ جنگل میں کیسے شکر بکھری پڑی ہے۔ بطخ نے کہا: اے باز! جا کیونکہ پانی میرے لئے امن کا قلعہ ہے۔ خشکی کی عُمدہ خوراک میرے کسی کام کی نہیں ہے۔

شیطان انسان کے لئے ایسا ہی ہے جیسا باز بطخوں کے لئے تھا۔ جب شیطان دُنیا کی محبت کا لالچ دلائے اُس کو دھتکار دو اور روزی کے بارے میں انسان کو توکل سے کام لینا چاہیے۔ پختہ کار خواجہ نے بہت عُذر کئے کہ میں دیہات کو چلا جاؤں گا تو یہاں کاروبار کا انتظام نہیں ہو سکے گا۔ لیکن اُس کے تمام حیلے تقدیرِ خداوندی کا مقابلہ نہ کر سکے۔ قضا کے مقابل آدمی مجبور ہوتا ہے۔ زمین' سورج کی تپش برداشت کرنے پر مجبور ہے' اِسی طرح انسان قضا کے ہاتھوں لاچار ہے۔ انسان کو چاہیے کہ اپنے آپ کو حضرت ایوب علیہ السلام کی طرح اللہ کے سُپرد کر دے کیونکہ اُس نے قرآن میں فرمایا ہے: اے انسانوں! ہم نے تمہیں زمین کی مٹی سے پیدا کیا اور اسی میں ہم تمہیں لوٹائیں گے۔ دیکھ لو خاکساری اختیار کرنے والے کو سرخروئی حاصل ہوتی ہے۔ بیج' مٹی میں مل کر نشوونما پاتا ہے۔ تُو خاکی بن جائے گا تو میں تجھے بڑے رُوحانی مراتب سے نوازوں گا۔ پانی آسمان سے زمین کی طرف آیا تو زمین سے نکل کر انسان کا جُزو بنا اور انسانی صفات اختیار کر کے عرش تک پہنچا۔ عالم کے اجزاء حرکت و سکون میں یہی کہتے ہیں کہ ہم تیری طرف لوٹنے والے ہیں۔ ان پوشیدہ اجزاء کے ذکر اور تسبیح نے آسمان میں غلغلہ مچا رکھا ہے۔ آخر کار شہری خواجہ کی ثابت قدمی کا پہاڑ دیہاتی کی خوشامد

خاکِ گور از مردِ حق یابد شرف
ایک مردِ خدا کی وجہ سے اُس کی قبر کی مٹی شرف پا لیتی ہے

تا نہد بر گورِ اُو دل رُوی و کف
یہاں تک کہ دل اُس پر جھک جاتا ہے اور منہ اُس پر رکھ دیتا ہے

کے سیلاب کے آگے نہ ٹھہر سکا۔ قضا ہر جگہ کارفرما ہے۔ اِسی لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا تھا ہم اللہ کی قضا سے اللہ ہی کی قضا کی طرف فرار اختیار کرتے ہیں۔ قضا سے کوئی تدبیر رہائی نہیں دلا سکتی۔

اہلِ ضروان کی تدبیر کہ وہ فقیروں کی زحمت سے بچ کر باغوں کے پھل توڑ لیں

یمن میں صنعاء کے قریب ایک گاؤں ضروان تھا۔ اُس کے باشندوں کا قصّہ قرآن میں مذکور ہے۔ اُنھوں نے فقراء کو اللہ کی نعمتوں سے محروم رکھنے کے لئے خفیہ سرگوشی کی تا کہ خدا اُن کی سازش سے بے خبر رہے۔ قرآن میں ہے اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَھُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ۔ ”بے شک وہ اللہ جانتا ہے اُن کو جن کو اُس نے پیدا کیا ہے اور وہ مہربان اور باخبر ہے“۔ اب شہری خواجہ کی داستان بھی سُن لے کیونکہ وہ درد سے بھری ہوئی ہے۔ تُو غور سے سُنے گا تو اُس کے دل کا دُھواں خارج ہو جائے گا۔ تُو اگر اللہ کی رحمت سے سیراب ہے اور تیرا سلوک راہِ حق پر ہے تو براہ مہربانی ہمیں بھی اپنی معیت کا شرف بخش دے۔ تردّد کی کیفیت عروج کے لئے مُضر ہے۔ اِس لئے اگر ہرن کا نافہ حاصل کرنا ہے تو ہرن کے نقشِ قدم پر چل کر ہی حاصل کیا جا سکتا ہے۔ یاد رکھ! آثار ہی سے ذات تک رسائی ہوگی۔ اگر تُو اِس راہ پر مجاہدات کر رہا ہے تو مشکلوں سے نہ ڈر۔ خوف کا طاری ہونا اِس بات کی علامت ہے کہ جلد ہی لَا تَخَفْ کا مقام حاصل ہوگا جو ہر طرح کے خوف سے بالکل خالی ہے۔

غرض شہری خواجہ اور اُس کے گھر والے سفر کی تیاری میں لگ گئے کہ گاؤں جا کر وہاں کی زندگی کا لُطف اُٹھائیں گے۔ اندر سے عقل اُن کو کہہ رہی تھی کہ زیادہ خوش نہ ہو۔ اُسی پر خوشی محسوس کرو جو اللہ نے تمہیں دیا ہے۔ اُس کے غیر سے خوش ہونے کی کوشش نہ کرو۔ جن کی عقل پختہ نہیں ہوتی وہ ہمیشہ دنیاوی لذّتوں کی طرف دوڑ پڑتے ہیں۔ یاد رکھ! قدرت پوشیدہ ہے لیکن اُس کے تیر دیکھنے والوں کو نظر آتے ہیں۔ تیر ہم پر مسلسل چل رہے ہیں لیکن کمان چھپی ہوئی ہے۔ اُن تیروں کی مار ہی کی وجہ سے تو ہم توانا جوانی سے لاغر بڑھاپے کی طرف چلے جاتے ہیں۔ اے لوگو! دل کی دُنیا کو آباد کرو۔ یہ ایک مضبوط قلعہ ہے؛ جس میں طرح طرح کے گلشن اور باغیچے ہیں۔ قلب کی دُنیا گویا شہر کی دُنیا ہے اور خارجی دُنیا گاؤں کی طرح۔ گاؤں ایک ناقص شیخ کی طرح ہوتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے کہ ”جس نے دیہات کی سکونت اِختیار کی وہ سخت دل بن گیا“۔ گاؤں میں ایک دن رہنے سے انسان ایک مہینے کے لئے بے عقل ہو جاتا ہے۔ شہر گویا شیخِ کامل ہے جو تیرے ظاہری حواس پر بندھی پٹی کھول دیتا ہے۔ اگر تُو اب تک اپنے باطن کی اِصلاح نہیں کر سکا ہے تو فکر نہ کر اپنے ظاہر ہی کو دُرست کرنے کی کوشش کر کیونکہ

مجاز حقیقت تک پہنچنے کا ایک پُل ہے۔ پہلے صورت بنی اور پھر اُس میں جان پیدا کی گئی۔ ہر میوے کی ابتداء صورت ہے۔ لذت جو کہ اس پھل کا معنیٰ ہے بعد میں آیا۔ خواجہ اور اُس کے گھر والے خوشی خوشی سفر پر چل پڑے ہیں۔ سفر وسیلہ ظفر ہوتا ہے۔ سفر کے بغیر چاند کب حسین بنتا ہے اگر مقصد محبوب ہو تو انسان کے لئے راہ کی سختیاں خوشگوار بن جاتی ہیں۔ انسان محبوب بیوی کی خاطر دن بھر کمائی کرتا ہے۔ لیکن یاد رکھو! فانی اشیاء کی محبت عارضی ہوتی ہے۔

ماں باپ کی محبت، دودھ پلانے والوں کی محبت، سب چند روزہ ہوتی ہیں۔ بچے کی مکتب سے نفرت بھی عارضی ہے۔ صرف مجازی محبوب پر حقیقی محبوب کا سایہ پڑ جاتا ہے، اس لئے وہ محبوب بن جاتا ہے۔ اس لئے محبت کے لائق حقیقی محبوب ہی ہے۔ ایک وقت وہ آتا ہے کہ یہ حُسن اپنی اصل کی طرف لوٹ جاتا ہے۔ پھر یہ حسین خوبصورت نہیں رہتا۔ جب عارضی حُسن جاتا رہتا ہے تو اُسی محبوب سے نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔ دُنیا کی جن حسین چیزوں پر ذاتِ باری کے پرَتو سے عارضی حُسن ہے اُن پر فریفتہ نہیں ہونا چاہیے۔ دیوار پر روشنی عارضی ہے یہ سورج سے آ رہی ہے۔ پانی آسمان سے آ رہا ہے۔ پرنالے پر اپنی توجہ نہ کر۔ اس میں پانی وقتی طور پر آ رہا ہے۔

مجنوں کا لیلیٰ کے کوچے کے کُتّے کو نوازنا

اس حکایت کا مطلب ہے کہ محبوب کے دَر کے کتے کو بھی لوگ محبوب رکھتے ہیں۔ مجنوں، لیلیٰ کے کوچے کا اُسی طرح طواف کرتا تھا جس طرح حاجی خانہ کعبہ کا طواف کرتا ہے۔ وہ اُس کو چومتا تھا۔ ایک بیہودہ نے اُسے کہا: اے پاگل! تُو اس غلیظ کتے کو کیوں چومتا ہے؟ وہ کتے کے بہت سے عیب گنوا رہا تھا لیکن عیب جاننے والا غیب جاننے والے کا راز نہ پا سکا۔ مجنوں کہنے لگا: تُو کتے کے ظاہر کو نہ دیکھ۔ میرے اندر آ اور میری آنکھ سے اِسے دیکھ۔ اس کتے کا ایک بال بھی شیروں کی قیمت سے زیادہ ہے۔ اے انسان! اگر مجازی محبوب کے کتے کے ساتھ یہ تعلق ہو سکتا ہے تو دیکھ لے محبوبِ حقیقی سے متعلق چیزوں سے کس قدر محبت ہونی چاہیے۔ اگر انسان صورت پرستی سے بلند ہو جائے تو پھر حقیقت کی جنت کی سیر کر سکتا ہے۔ اگر انسان اپنا بُت توڑ دے تو پھر ہی بُت شکنی کر سکتا ہے۔ خود کو ختم کر کے ہی حیدری قوت حاصل ہو سکتی ہے۔

شہری خواجہ اور اُس کی اولاد صورت پرستی میں مبتلا ہو گئے تھے۔ اِسی لئے دیہاتی کی چکنی چپڑی باتوں سے دیہات کو جانے پر راضی ہو گئے کہ وہاں جا کر خوب عیش کریں گے۔ انہوں نے دیہاتی کی باتوں کو اپنے لئے کرم سمجھا اور اندھا دُھند گاؤں کی طرف چل دیئے۔ وہ گاؤں در گاؤں پھر رہے تھے کیونکہ زیادہ خوشی کے زیرِ اثر اُنہوں نے صحیح راستہ بھی

معلوم کرنے کی طرف توجہ نہ دی۔ جو شخص کسی اُستاد اور شیخ کی رہبری کے بغیر چلے گا۔ اُس کا یہی حال ہوگا جو اُس خواجہ اور اُس کے بیوی بچّوں کا ہوا۔ یاد رکھو! اَسبابِ ظاہری کے بغیر مقصد کو پہنچنا بالکل ایسا ہی نادر ہے جیسا ماں باپ کے بغیر بچّے کا پیدا ہونا۔ صرف معروف طریقے سے ہی محنت کرنے سے مقصد حاصل ہوسکتا ہے۔ یہ صرف آنحضور ﷺ ہی کی خصوصیت تھی کہ اُستاد کے بغیر براہِ راست ذاتِ خداوندی سے اُن کو علوم حاصل ہوئے۔ عوام کو قلم ہی کے ذریعے تعلیم دی جاتی ہے۔ "عَلَّمَ بِالْقَلَمِ" غرض خواجہ اور اُس کے خاندان نے راستے میں بہت رنج اور تکلیف دیکھی۔

خواجہ اور اُس کے خاندان کا گاؤں میں پہنچنا اور دیہاتی کا اُن کے ساتھ سلوک

اب تکلیفیں دیکھ کر خواجہ اور اُس کے خاندان کو گاؤں سے نفرت سی ہونے لگی۔ ایک ماہ کے تکلیف دہ سفر کے بعد وہ لوگ دیہاتی کے گاؤں پہنچ گئے۔ دیہاتی بدنیتی سے اِدھر اُدھر ہو جاتا تاکہ کہیں وہ اُس کے باغ کے طرف نہ آ جائیں۔ ایسے مجسّم مکر اور شرارت کا چہرہ مسلمانوں سے چھپا رہنا ہی بہتر ہوتا ہے۔ ایسے ہی خبیث چہرے کے بارے میں اللہ نے فرمایا ہے (جیسے ابوجہل کے چہرے کے بارے میں فرمایا) کہ ہم ضرور اُس کی پیشانی پکڑ کر گھسیٹیں گے۔ دیہاتی کے گھر والوں نے دروازہ بند کرلیا اور اُن کی رات جاڑے میں گزرتی اور دن سورج کی گرمی میں بسر ہوتا۔ اُن کے پاس اپنا روپیہ پیسہ ختم ہوگیا اور اب وہ مجبوراً اُس کے دروازے پر پڑے رہتے۔ خواجہ دیہاتی کو سلام کرتا تو وہ اُس سے پوچھتا کہ آپ کون لوگ ہیں؟ دیہاتی اُس کے سامنے اپنی بزرگی کی باتیں بگھارنے لگ جاتا۔ شہری کہنے لگا کہ یہ دن تو قیامت جیسا ہے کیونکہ اُس دن بھائی بھائی کو بھی نہیں پہچانے گا۔

اُس نے کہا کہ میں وہی ہوں جس کے دسترخوان سے تم خوب خوب کھاتے رہے ہو۔ کیا تو مہینوں میرا مہمان نہیں رہا؟ کہتے ہیں جب حلق نعمت کھاتا ہے تو منہ شرماتا ہے۔ دیہاتی نے کہا کہ یہ کیا بکواس ہے میں تو تجھے جانتا ہی نہیں ہوں۔ پانچویں روز رات کو بارش ہوگئی، خواجہ نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ بڑی مشکل سے دیہاتی باہر آیا تو خواجہ نے کہا کہ میں نے سب حق چھوڑے۔ جاڑے اور تکلیف سے میری جان نکلی جا رہی ہے۔ ہمیں کم از کم کوئی ایسی جگہ دکھا دے کہ ہم بارش سے بچ کر لیٹ جائیں۔ دیہاتی نے اُن کو باغبان کی اُس کوٹھڑی میں ڈال دیا جس میں رہ کر وہ رات کے وقت تیر کمان لے کر بیٹھ جاتا تاکہ رات کو آنے والے بھیڑیوں کو مارے۔ دیہاتی کہنے لگا: تُو وہی خدمت کر اور اُس کوٹھڑی میں رہ جا اور میرے انگوروں کی بھیڑیے سے حفاظت کر۔ شہری اور اُس کے گھر والے ٹڈیوں کی طرح ایک دوسرے پر چڑھے ہوئے تھے اور کہہ رہے تھے: اے خدا! یہی ہماری سزا ہے۔ جو کمینوں کو اپنا دوست بنائے اُس کے ساتھ ایسا ہی ہوتا ہے۔

ہرچہ آید بر تو از ظلماتِ غم
تجھ پر جو غم کی اندھیریاں آتی ہیں

آں ز بیباکی و گستاخی ست ہم
وہ تمہاری کسی بیباکی اور گستاخی کی وجہ سے بھی ہیں

جو بزرگوں کی صحبت چھوڑ کر دُنیا کے لالچیوں کی طرف دوڑتا ہے وہ نہ گھر کا رہتا ہے نہ گھاٹ کا۔ یہی حال اُس شہری خواجہ کا تھا۔

بزرگوں کی صحبت میں تکلیفیں اُٹھانا دُنیا داروں کی لُطف اندوزیوں سے بہتر ہوتا ہے۔ اُس کوٹھڑی میں بے شمار مچھر اور پسو تھے لیکن خواجہ، بھیڑیے کے خوف میں اِس قدر مبتلا تھا کہ اُسے اُن کو اُڑانے کی فرصت بھی نہ تھی۔ اچانک اُس نے دیکھا کہ ایک بھیڑیا آتا ہے۔ خواجہ نے تیر چھوڑا تو وہ جانور کو لگا اور وہ گر پڑا۔ دیہاتی نے شور مچایا: اے نامراد! تُو نے میرے گدھے کے بچے کو مار دیا کیونکہ اُس کے گرنے سے جو گوز نکلا ہے میں اُسے پہچانتا ہوں۔ تُو نے بھیڑیے کو نہیں میرے گدھے کے بچے کو مار دیا ہے۔ خواجہ اُچھل پڑا۔ اُس نے دیہاتی کا گریبان پکڑ لیا اور کہا: اے دیوانے! تُو اپنے گدھے کی بُو کو پہچانتا ہے تو مجھے کیوں نہیں پہچانتا؟ تُو کہتا ہے کہ میں صرف اللہ کے معاملے میں ہوش میں ہوں اور اپنے معاملے میں بے خبر ہوں۔ تیرے دعوؤں کا اللہ نے امتحان لیا ہے۔ تُو مقامِ فنا میں پہنچنے کا دعویٰ کر رہا تھا۔ اللہ نے ثابت کر دیا ہے کہ تُو غلط دعوے کر رہا تھا۔ جب کوئی عشقِ الٰہی کا دعویٰ کرتا ہے تو اُس کی آزمائش شروع ہو جاتی ہے اور خاصانِ خدا دعوے کی حقیقت کو پہچان لیتے ہیں۔

کسی مُدّعیٔ کمال کو صاحبِ کمال اور عوام کی جانب سے پہچاننے کے بارے میں اشارہ

اگر کوئی درزی ہونے کا دعویٰ کرے تو بادشاہ اُس کے سامنے قیمتی کپڑا ڈال دیتا ہے کہ اسے سی کر دکھا تاکہ دعوے کا سچ اور جھوٹ ظاہر ہو جائے۔

اگر ہر نا اہل کے امتحان کا طریقہ نہ ہوتا تو ہر ہیجڑا رستم ہوتا۔ یاد رکھو! اللہ کا مست تو صُور پھنکنے سے بھی ہوش میں نہیں آتا۔ اللہ کی شراب سچی ہوتی ہے جھوٹی نہیں ہوتی۔ تُو اپنے آپ کو جُنید اور بایزید بتاتا ہے لیکن اپنے مکر کو کیسے چُھپا سکے گا۔ بہتر یہی ہے کہ اپنے آپ کو سالکوں سے کم تر سمجھ۔ تُو اپنے آپ کو خدا کا عاشق بتاتا ہے لیکن دوستی کالے شیطان سے رکھتا ہے۔

یاد رکھ! اولیاء رحمہم اللہ کا قرب محض خالق و مخلوق کا قرب نہیں ہوتا۔ وہ خاص قسم کا قرب ہوتا ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو جو قربِ الٰہی حاصل تھا۔ اُس کا نتیجہ یہ تھا کہ اُن کے ہاتھ میں لوہا نرم ہو جاتا تھا۔ محض خالقیت اور مخلوقیت کے تعلق سے یہ بات پیدا نہیں ہو سکتی۔ اللہ ہر انسان کی شہ رگ یا اس سے بھی زیادہ قریب ہے۔ وہ اپنی رزّاقیت کے اعتبار سے بھی ہمیشہ ہمارے نزدیک ہے۔ یہ قرب تو سب انسانوں کو حاصل ہوتا ہے۔ اللہ کا اصل قرب اُن کو حاصل ہوتا ہے جو اللہ کے

مقرّب ہوں۔ اُن کو عشق کا قرب حاصل ہوتا ہے۔ اے جھوٹے! تیری غیر واقعی مستی کا اظہار بعد میں شرمندگی کا موجب بنے گا لیکن کاملوں کی دیوانگی بھی عقل مندوں کے لئے باعثِ رشک ہوتی ہے۔ ہاں اگر انسان حقیقت تک پہنچ جائے تو بے شک شوق سے وجد کرے اور فنافی اللہ کے مقام پر پہنچ کر انسان اگر مخلوق کو نہ پہچانے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

گیدڑ کا رنگ کے مٹکے میں گر کر رنگین ہونا اور مور بن جانے کا دعویٰ کرنا

ایک گیدڑ رنگ کے مٹکے میں گر گیا۔ باہر نکلا اور اپنے آپ کو رنگین دیکھا تو کہنے لگا کہ میں تو جنت کا مور ہوں۔ اُس نے اپنے آپ کو گیدڑوں پر پیش کیا اور مور ہونے کا دعویٰ کر دیا۔ سب نے کہا کہ یہ تیری غلط قسم کی مستی ہے۔ تکبر نے تجھے ہم سے جدا کر دیا ہے تُو نے مکر کیا ہے تاکہ اپنی ڈینگوں سے لوگوں کو حسرت دلائے۔ یہی حال بناوٹی پیروں کا ہوتا ہے کہ باہر سے کچھ اور ہوتے ہیں اور اندر سے کچھ اور۔

ایک شیخی خورے کا ہر صبح ہونٹوں اور مونچھوں کو دُنبہ کی چربی سے چکنا کرنا تاکہ ظاہر ہو کہ چکنا کھایا ہے

ایک ذلیل شخص کو دُنبے کی چربی کا ٹکڑا ملا۔ ہر روز وہ اُس سے اپنی مونچھوں کو چکنا کرتا اور باہر جا کر لوگوں سے ڈینگیں مارتا کہ میں نے مرغن کھانے کھائے ہیں۔ ثبوت کے لئے اپنی چکنی مونچھوں پر ہاتھ پھیرتا لیکن اندر سے اُس کا بھوکا پیٹ بلا آواز پکارتا کہ جھوٹوں پر لعنت ہو۔ جسم کے سب اعضاء مونچھوں کو بددُعا دیتے۔ دوسرے سب اعضاء کہتے کہ اگر تُو اپنی بھوک کا اظہار کسی سے کر دیتا تو شاید کوئی سخی تجھے کھانا دے دیتا جس سے تیری بھوک مٹ جاتی۔ انسان کو کبھی غلط بیانی سے کام نہیں لینا چاہیے۔ سچائی ہمیشہ مُفید ہوتی ہے۔ اپنی خامی کو چُھپانا اچھا نہیں ہوتا۔ اس کا اظہار کر کے علاج کرانا چاہیے۔ اگر انسان کا باطن بُرا ہو تو اُسے کم از کم بھلائی کی شیخی تو نہ مارنی چاہیے کیونکہ جب حقیقت کھل جائے گی تو رُسوائی ہوگی۔ اگر تیرے چربی کے ٹکڑے کو بلی لے گئی تو تُو بدنام ہو جائے گا۔ اے جھوٹے بنے ہوئے درویش! اس طرح اپنی رُسوائی کا سامان نہ کر۔ اگر انسان کو کوئی کمال کا مقام حاصل ہو بھی جائے تو اس کا بھی فخریہ اظہار ہر جگہ نہ کرتا پھرے۔ اولیاء رحمۃ اللہ علیہم اپنی بصیرت سے کھوٹے کھرے کو پرکھ لیتے ہیں۔ اِسی طرح اُن اولیاء رحمۃ اللہ علیہم کے بھی امتحان اور آزمائش ہوتے ہیں۔ اللہ نے فرمایا ہے يُفْتَنُونَ فِي كُلِّ عَامٍ مَّرَّتَيْنِ "وہ ہر سال میں دو مرتبہ آزمائے جاتے ہیں"۔ خبردار! خود پسند ہرگز نہ بن۔ بلعم باعور جو کہ ایک درویش تھا اور شیطان دونوں اپنی ابتدائی کامیابیوں پر مغرور ہو گئے اور آخر کار تباہ ہوئے۔ یاد رکھو! انسان کی شیخی انسانوں اور اللہ تعالیٰ کے کرم کی منافی ہوتی ہے۔ جب پیٹ نے مونچھوں کو بددُعا دی اور اپنے آپ

پیش اہلِ تن ادب بر ظاہر ست
اہل ظاہر کے سامنے صرف ظاہری ادب ہی ضروری ہے

کہ خدا زایشاں نہاں را ساتر ست
لیکن اہل باطن کے سامنے خیالات کا ادب چاہیے

کو اللہ کے سپرد کر دیا تو بلی چربی کے ٹکڑے کو لے بھاگی۔ اُس شیخی خورے کا چھوٹا بچہ مجمع میں آیا اور زور زور سے کہنے لگا: ابا وہ چربی جو آپ مونچھوں کو لگاتے تھے اُسے بلی لے بھاگی ہے۔ میں نے پکڑنے کی بہت کوشش کی لیکن وہ میرے ہاتھ نہیں آئی۔ وہ شرمندہ ہوا اور لوگ اُس پر ہنسنے لگے۔ لوگوں کو اُس کی حالت پر رحم آ گیا۔ اُنہوں نے اُس کا پیٹ بھر دیا۔ جب اُس نے شریف لوگوں کی سچائی کا ذوق دیکھا تو تکبر سے توبہ کر لی۔ تو بھی سچائی کو اپنا پیشہ بنا اور دونوں جہانوں میں نیک نام ہو جا۔

فرعون کا خُدائی کا دعویٰ، اُس گیدڑ کی مانند ہے، جو خود کو مور کہتا تھا

فرعون نے غرور سے اپنی داڑھی میں موتی پرو رکھے تھے۔ وہ بھی اسی گیدڑ کی نسل سے تھا جس نے عارضی رنگ کی وجہ سے اپنے آپ کو مور کہنا شروع کر دیا تھا۔ اُس کو مال، دولت اور جاہ کا عارضی رنگ تھا۔ وہ اللہ کے برگزیدہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے پر آ گیا۔ تکبر انسان کو اس طرح ہلاک کر دیتا ہے جس طرح سانپ ہلاک کرتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کے معجزوں نے اُس کے تکبر کو رُسوا کر دیا۔ وہ جھوٹا سونا تھا کسوٹی کے سامنے آیا تو سیاہ پڑ گیا۔ تُو جو کچھ اپنے آپ کو ظاہر کرتا ہے اس پر تیرا امتحان ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو بتا دیا کہ مُنافق خواہ بظاہر بہت اچھے نظر آتے ہیں لیکن تم اُن کو اُن کے لہجے سے پہچان لوگے جس طرح ٹوٹا ہوا برتن آواز سے پہچان لیا جاتا ہے۔

ہاروت اور ماروت نے آزمائش پر دلیری کی اور اپنے آپ کو اللہ کے دیدار کے مَست کہا حالانکہ یہ اُن کے اِستدراج کی مَستی تھی۔ وہ اِمتحان میں پڑے تو تباہ ہوئے۔ ایک بکرا مَست ہو گیا۔ اُس نے ایک بکری دیکھ لی تھی۔ وہ اس مَستی میں ایسا ہو گیا کہ گڑھے اور ہموار زمین میں بھی فرق نہ کرتا۔ شہوت کی مَستی میں بھی انسان اندھا ہو جاتا ہے اور اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال دیتا ہے۔ شہوت سے مغلوب بکرا، بکری کی طرف بھاگا جو کہ دوسرے پہاڑ پر کھڑی تھی، تو اُسے وہ شکاری نظر نہ آئے جو درمیان میں گھات میں تھے۔ بکرا آسانی سے شکار ہو گیا۔ اے انسان! تو بھی شہوت کی مَستی کے بال سے آزاد ہو جا۔ خدائی مَستی اختیار کر لے۔ قربِ الٰہی کی مَستی جس شخص کو حاصل ہو جاتی ہے دُنیا کی مستیاں اُس کی نظر میں ہیچ ہوتی ہیں۔ جب تک انسان نے شیریں پانی نہ پیا ہوُ اسے کھاری پانی ہی شیریں لگتا ہے۔ فرشتوں اور رُوحوں کو قربِ الٰہی کی ایسی مَستی حاصل ہوتی ہے کہ اُن کے دل اس سے وابستہ ہو جاتے ہیں اور وہ دُنیا کی مستیوں کے اسباب ہی کو ختم کر دیتے ہیں۔ کفار کی رُوحیں قربِ الٰہی کی مَستی سے محروم ہیں۔

پیشِ اہلِ دل ادب بر باطن ست ۔۔۔ زانکہ دل شاں بر سرائر فاطن ست

اہلِ دل کے سامنے باطنی ادب کی ضرورت ہے ۔۔۔ کیونکہ اُن کا دل باطنی احوال پر ہی لگتا ہے

بعض اوقات قربِ الٰہی سے جو مستی حاصل ہوتی ہے شیطان کے اثر سے استدراج میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ وہ ہمیشہ انسان کو غرور پر اُکساتا ہے۔ مستی وہی دُرست ہوتی ہے جو انسان میں عاجزی پیدا کرنے کا باعث بنے۔ ہاروت و ماروت نے مستی میں اپنے آپ کو بڑا سمجھا۔ اُنہوں نے کہا: ہم اگر زمین پر ہوتے تو وہاں عدل وانصاف اور عبادات ووفا کا بیج بوتے۔ انسانوں نے دُنیا میں ظلم وستم کا بازار گرم کر رکھا ہے۔ خبردار! اپنے آپ کو آزمائش میں نہ ڈال۔ آزمائش کی راہ میں بہت سی قومیں تباہ کر دی گئی ہیں۔ اپنے پاک بندوں کی تعریف میں اللہ نے فرمایا: ''اور اللہ کے نیک بندے وہ ہیں' جو زمین پر خاکساری سے چلتے ہیں''۔ نیک لوگ احسان کی وادی میں سوچ سمجھ کر عاجزی سے قدم اُٹھاتے ہیں۔ جو لوگ خود کو مٹا دیتے ہیں اُن کے کان کھلے ہوئے ہوتے ہیں اور عنایتِ خداوندی اُن کی آنکھیں کھول دیتی ہے۔ اللہ کی محبت ہی غضبِ الٰہی کو ختم کر سکتی ہے لیکن جب تک توفیقِ الٰہی نہ ہو تو کوشش بھی بے کار ہوتی ہے۔

فرعون کی حضرت موسٰی علیہ السلام کی پیدائش روکنے میں ناکامی

فرعون کے حکم پر ہزاروں نجومی جمع ہوئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری اللہ کی طرف سے اُنہیں خواب میں دکھائی گئی۔ سب منجموں اور معبّروں نے کہا کہ ہم اِس بچّے کا راستہ ہی بند کر دیں گے اور ایسی تدبیریں کریں گے کہ کوئی اسرائیلی عورت اُس رات کو حاملہ نہ بن سکے۔ پھر اُنہوں نے اعلان کرایا کہ اے اسرائیلیو! آج بادشاہ کی طرف سے تمہاری دعوت ہے تاکہ وہ تمہیں آج بلا نقاب اپنا دیدار کرائے۔ اُس زمانے میں اسرائیلیوں کے لئے ناممکن تھا کہ وہ کبھی فرعون کا دیدار کر سکیں۔ جو اسرائیلی فرعون کو دیکھنے کی جرأت کرتا اُسے سخت سزا دی جاتی۔ اسرائیلی اعلان سے بہت خوش ہوئے کہ فرعون کا دیدار بھی ہوگا اور وہ بخشش بھی کرے گا۔ تمام اسرائیلی اِس لالچ کی وجہ سے گھروں سے باہر میدان میں جمع ہو گئے۔ اِسی طرح ایک حیلہ گر مغل حاکم نے مصر والوں میں سے ہر ایک کو ایک جگہ جمع کر لیا۔ ایک ایک کو بادشاہ کے سامنے لاتے۔ بادشاہ دیکھتا تو کہتا: نہیں' یہ نہیں ہے۔ اُسے ایک کونے میں بٹھا دیتے۔ سب لوگ جمع ہو گئے تو اُس نے سب کی گردن اُڑا دی۔ مصریوں کا قتلِ عام اِس لئے ہوا کہ وہ اذان کی آواز پر توجہ نہیں دیتے تھے اور نماز نہیں پڑھتے تھے۔

یاد رکھو! عذابِ الٰہی سے نجات کا باعث جس طرح مؤذن کی پکار کو قبول کرنا ہے اِسی طرح فقیروں اور محتاجوں کی صدا پر توجہ دینا بھی ہے۔ اُنہی دُنیا دار فقیروں میں کوئی صاحبِ دل بھی ہوگا لہٰذا سب کی خدمت کرو۔ اسرائیلیوں کے جمع ہونے کے بعد فرعون نے اُن کو اپنا دیدار کرایا اور انعامات دیئے اور اُس رات اُن کو میدان میں رکھ کر عورتوں سے علیحدہ

گفت شیطاں کہ بما اغویتنی
شیطان نے کہا کہ تُو نے مجھے کیوں گمراہ کیا؟

کرد فعلِ خود نہاں دیوِ دنی
کمینے شیطان نے اپنے فعل کو چھپا لیا

رکھا۔ بادشاہ خوشی خوشی اپنے محل کو لوٹا۔ فرعون کا خزانچی عمران جو کہ اسرائیلی تھا اُس کے ساتھ ہی شہر میں لوٹا۔ فرعون نے کہا: اے عمران! تُو بھی یہیں سو جا۔ وہ فرعون کا منظورِ نظر تھا۔ وہ اُس کے کام سے بہت خوش تھا۔ اُس کے خیال میں بھی یہ کہاں تھا کہ اُس کی تباہی عمران ہی کے ہاتھوں لکھی جا چکی ہے۔ فرعون چلا گیا اور عمران وہیں سو گیا۔ رات کو اُس کی بیوی شہوت سے بھری ہوئی اُس کے ساتھ لیٹ گئی۔ عمران نے پوچھا: تُو یہاں اس وقت کیوں آئی ہے؟ اُس نے جواب دیا: محبت اور اللہ کے حکم کی وجہ سے۔ عمران اپنے اُوپر قابو نہ پا سکے اور امانت اُس کے سپرد کر دی۔ اُنہوں نے بیوی کو واپس بھیج دیا اور تاکید کر دی کہ اس بات کا کسی سے ذکر نہ کرے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم پر سختیوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑیں۔ اسی وقت میدان میں سے لوگوں کے نعروں کی آواز آئی۔ فرعون فوراً ننگے پاؤں محل سے باہر آ گیا اور پوچھا کہ شور و غل کیسا ہے؟ عمران نے جواب دیا: لوگ آپ کے دیدار کی وجہ سے خوشیاں منا رہے ہیں۔ اُس نے جواب دیا: ہو سکتا ہے ایسا ہو مگر میں اس آواز سے بہت ڈر محسوس کر رہا ہوں۔ میرے دل میں اندیشے پیدا ہو چلے ہیں۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی ماں کے رحم میں آئے تو آسمان پر ایک ستارہ نمودار ہو گیا۔ جیسا کہ جب کوئی نبی اپنی ماں کے شکم میں آئے تو ہوتا ہے۔ عمران نے فرعون سے کہا: میں جا کر اس شور کی وجہ معلوم کرتا ہوں۔ اُنہوں نے نجومیوں سے پوچھا کہ یہ شور کیسا ہے؟ بادشاہ اس کی وجہ سے سو نہیں سکا۔ نجومیوں نے خاک اپنے سروں پر ڈالی اور آہ و فریاد کرنے لگے۔ اُنہوں نے کہا کہ ہمیں قدرت نے عاجز کر دیا ہے۔ وہ بچہ جسے ہم پیدا ہونے سے روکنا چاہتے تھے وہ وجود میں آ گیا ہے۔ اُس کی پیدائش کا ستارہ نمودار ہو گیا ہے اور ہم آنسوؤں کے ستارے گرا رہے ہیں۔ عمران یہ خبر سُن کر دل میں بہت خوش ہوئے مگر بظاہر غم و فکر کا اظہار کرنے لگے۔ اُنہوں نے اپنے آپ پر بناوٹی غصہ طاری کیا اور منجموں کو بُرا بھلا کہنے لگے اور میدان سے واپس لوٹ آئے اور فرعون کے پاس آ کر تمام صورتحال بیان کر دی۔

بادشاہ نے نجومیوں سے کہا کہ میں نے تمہارے کہنے پر عمل کیا اور اسرائیلیوں میں اتنا مال تقسیم کیا۔ اُن کو بیویوں سے الگ رکھا، پھر بھی تم کامیاب نہ ہوئے۔ میں تم سب کو پھانسی پر لٹکا دوں گا۔ وہ کہنے لگے: اب ہم اس بچے کی پیدائش کے وقت تدارک کر سکتے ہیں۔ اگر نہ کر سکیں تو ہمیں بے شک قتل کروا دینا۔ لیکن اللہ کی قضا کا مقابلہ کرنے والا ذلیل ہوتا ہے۔ جو بھی خالق کی مرضی سے ٹکرائے گا تباہ ہو جائے گا۔

گُفت آدم کہ ظَلَمْنَا نَفْسَنَا
آدم علیہ السلام نے کہا ہم نے اپنے اُوپر ظلم کیا

اُو ز فعلِ خود نبُد غافل چُو ما
وہ اپنے فعل سے ہماری طرح غافل نہ تھے

فرعون کا مکاری سے بنی اسرائیل کی اُن عورتوں کو میدان میں بلوانا، جن کے حال میں بچے ہوئے تھے

فرعون نے اعلان کروا دیا کہ جن عورتوں کے ہاں بچے پیدا ہوئے ہیں اُن کو انعام دیا جائے گا۔ سب میدان میں جمع ہو جائیں۔ عورتیں آ گئیں تو فرعون نے حکم دیا کہ بچوں کو عورتوں سے لے کر قتل کر دیا جائے۔ اُس نے سب بچوں کو قتل کروا دیا۔ اُس کے بعد فرعون نے سپاہیوں کو دائیوں سمیت اسرائیلیوں کے گھروں میں داخل کیا تا کہ معلوم کریں کہ کوئی بچہ زندہ تو نہیں رہ گیا۔ عمران کی بیوی میدان میں نہیں گئیں کیونکہ اُنہیں شک تھا کہ فرعون کوئی خرابی نہ کر دے۔ سپاہی اُن کے گھر میں داخل ہو گئے تو ماں نے اللہ کی وحی کی وجہ سے بچے کو تنور میں ڈال دیا۔ آگ نے موسیٰ علیہ السلام کے جسم پر کوئی اثر نہ کیا۔ سپاہیوں نے گھر کی تلاشی لی اور ناکام واپس آ گئے تا کہ کہیں اور موسیٰ علیہ السلام کو تلاش کریں۔ پھر موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو وحی ہوئی کہ اسے دریا میں ڈال دو۔ اُنہوں نے بچے کو دریائے نیل میں بہا دیا۔ باہر فرعون لاکھوں بچوں کو قتل کروا رہا تھا لیکن اللہ نے فرعون سے بالاتر کو پیدا کر دیا۔ فرعون سے بالاتر حضرت موسیٰ علیہ السلام تھے جنہوں نے اُس کی سلطنت کو تباہ و برباد کر دیا۔ ہر طاقت سے بالا ایک طاقت ہوتی ہے اور سب سے بالا اللہ کی طاقت ہے۔

خدائی طاقت ایک لامحدود سمندر کی طرح ہے اور دوسری طاقتوں کے دریا اُس کے سامنے نہر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ساری دنیاوی تدبیریں صرف ایک موجود یعنی اللہ کے سامنے مَعدُوم ہیں۔ فرعون میں جس قدر بُری خصلتیں تھیں وہ ہر انسان کے نفسِ امّارہ کی ایک فی صد ہے۔ نفسِ انسانی میں جو فرعونی خصلتیں موجود ہیں، خود کسی انسان کو سُنائی جائیں تو وہ گھبرا جائے۔ دوسروں کی بیان کی ہوئی باتیں انسان قصہ کہانی کے طور پر سنتا رہتا ہے لیکن اپنے اندر موجود اِن خصلتوں سے جاہل اور ناواقف رہتا ہے۔ ہر انسان کو بُرائی کرنے کے پورے مواقع میسر نہیں آتے ورنہ وہ بھی وہی کام کرے جو فرعون نے کئے تھے۔

ایک سپیرا جو ٹھٹھرے ہُوئے سانپ کو مُردہ سمجھ کر بغداد لے آیا

ایک سپیرا پہاڑ کی جانب گیا تا کہ وہاں سے سانپ پکڑ کر لائے۔ جو تلاش کرتا ہے وہ پا لیتا ہے۔ طالب چاہے چست ہو یا سُست ہو اگر اُس میں طلبِ صادق ہے تو وہ اُسے ضرور پا لے گا۔ انسان کے لئے ضروری ہے کہ اپنی معذوریوں کو نظرانداز کر کے خلوص سے طلب کی جستجو میں لگ جائے اور طلب کے جس قدر بھی طریقے ہوں اُن کو اختیار کرے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنی اولاد سے کہا تھا:

در گنہ اُو از ادب پنہانش کرد	زاں گنہ بر خود زدن اُو بر بخورد
اُنہوں نے ادب کی وجہ سے اپنا گناہ کہا	اپنے اُوپر گناہ لے لینے سے اُنہوں نے پھل کھایا

''یوسف علیہ السلام کی تلاش میں لگ جاؤ اور کبھی اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا''۔ اپنے محبوب کو تلاش کرنے میں خوب کوشش کرو۔ اگر محبوب کی خبر دینے والے کو جان بھی دینی پڑ جائے تو آمادہ ہو جانا چاہیے۔

یاد رکھو! انسان کی صفات' اللہ کی صفات کا مظہر ہوتی ہیں اور تمام صفات کی اصل اللہ کی صفات ہیں۔ جس طرح خوبیاں ذات کی طرف رہنما ہیں' اسی طرح انسانوں کی بُرائیاں بھی رہنما ہیں کیونکہ ہر بُرائی کا انجام کوئی نہ کوئی اچھائی ہوتی ہے۔ انسان کی بے سروسامانی عمدہ حالت کا پیش خیمہ ہے کیونکہ اللہ نے فرمایا ''ہر سختی کے بعد آسانی اور آسانی کے بعد سختی ہے''۔ لڑائیاں صلح کا پیش خیمہ ہوتی ہیں۔ کبھی لڑائی صلح پر منتج ہوتی ہے اور کبھی مقصود حاصل ہوتا ہے۔ کبھی انسان لڑائیوں سے گھبرا کر خدا کی طرف رجوع کرتا ہے تو گویا خدا سے صلح ہوئی۔ انسان تکلیفیں اُٹھاتا ہے تو راحت نصیب ہوتی ہے۔ غصہ بُرا ہے لیکن یہ والدین کی طرف سے ہو تو شفقت کی بنا پر ہوتا ہے۔ کبھی مخلوق کی زیادتیاں شفقتِ خداوندی کا سبب بن جاتی ہیں۔ محبوب کی جفا کے نتیجے میں وفا نمودار ہو جاتی ہے۔ جس طرح بھلائی کو اللہ تعالیٰ کی طرف رہنما بنایا جاتا ہے۔ اسی طرح بُرائی کو بھی اللہ تعالیٰ کی طرف رہنما بنا لے۔ بُرائی سے بھلائی حاصل کرنا ایک بالمقابل چیز سے دوسری بالمقابل چیز کا سراغ لگانا اسی طرح ممکن ہے جیسا حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا سانپ بنا حالانکہ دونوں متضاد چیزیں ہیں۔ اسی طرح اس عالم کی دوسری چیزوں کو بھی سمجھ لے۔ سپیرے نے سانپ تماشے کے لئے پکڑا حالانکہ وہ سبب ہلاکت ہے جو تماشے کی ضد ہے۔ سپیرے نے سانپ اس لئے پکڑا کہ وہ لوگوں کو دکھا کر حیرانی میں ڈال سکے اور یہ اُس کی نادانی تھی۔ جس طرح پہاڑوں میں سانپ ہوتے ہیں اسی طرح خود انسانوں میں بُرے اخلاق کے اژدہے موجود ہیں۔ تُو باہر والے سانپ کو دیکھنے کا کیوں مشتاق بنتا ہے۔ خود اپنے اندر کا سانپ دیکھ لے۔ انسان کی سانپ پر حیرانی ایسی ہے جیسے پہاڑ سانپ پر حیران ہو۔

انسان نے اپنی رفعت اور بلندی کو نہیں سمجھا۔ وہ اشرف المخلوقات پیدا کیا گیا تھا لیکن وہ ارذل مخلوق بن گیا۔ صد ہزاراں کائنات انسان کے اعلیٰ مقام پر حیران ہے لیکن حیرانی کی بات ہے کہ یہ خود اپنی حماقت سے ایک ادنیٰ مخلوق کو دیکھ کر حیران ہوتا ہے۔ غرض سپیرے نے سانپ کو پکڑا اور اُسے اپنی روزی کے لئے کھینچ کر بغداد میں لے آیا۔ وہ ٹھٹھرا ہوا تھا۔ زندہ تھا لیکن بظاہر مردہ نظر آتا تھا۔ یاد رکھ! اس کائنات کی جتنی چیزیں ہیں جن کو ہم جماد مانتے ہیں' وہ بھی دراصل ٹھٹھری ہوئی ہیں اور حشر میں جب اصل سورج اُن پر پڑے گا تو اُن کا ٹھٹھراپن ختم ہو جائے گا اور اُن کا حس و ادراک نمودار ہو جائے گا جیسا کہ اُس اژدہا کے معاملے میں ہوا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی جو بے حس و حرکت تھی جب اس

آفریدم در تو آں جرم و محن پیدا کیا تھا تجھ میں وہ جرم اور مصیبتیں	بعدِ توبہ گفتش اے آدم نہ من توبہ کے بعد اُس سے کہا اے آدم! کیا میں نے نہیں

دُنیا میں سانپ بن گئی تو عقل سمجھ گئی کہ جمادات میں بھی حرکت نمودار ہو سکتی ہے۔ انسان بھی تو مٹی کا بنا ہوا ہے اور پھر اُس میں حس و حرکت آ گئی۔ اِسی طرح دوسرے جمادات کو بھی سمجھ لو۔ جماداتِ عالم اِس دُنیا کے اِعتبار سے مردہ لیکن عالمِ آخرت کے اِعتبار سے زندہ ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ اُن کے آخرت والے رُخ کو ہماری طرف موڑ دیتا ہے تو اُن کی زندگی ظاہر ہو جاتی ہے۔ لوہا اِسی وجہ سے حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاتھ میں نرم ہو جاتا تھا اور ہوا اِسی وجہ سے حضرت سلیمان علیہ السلام کے تخت کو اُٹھائے پھرتی تھی۔ دریائے نیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بات کو سمجھ لیا اور فرعون کو غرق کر دیا اور اُن کو پار اُتار دیا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چاند کی طرف اشارہ کیا تو وہ شق ہو گیا۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلی کے اشارے کو سمجھ گیا۔ زمین نے قارون کو ایک اژدہا کی طرح نگل گیا۔

مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ ستون جس کے سہارے کھڑے ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دیا کرتے تھے۔ جب منبر تیار ہو جانے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کا سہارا نہ لیا تو رو پڑا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک موقع پر ہر پتھر اور درخت نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا۔ کائنات کا ہر ذرہ دلالتِ حال سے اپنے سننے اور دیکھنے کی کیفیت کو بتاتا ہے۔ جب کوئی انسان اپنی قوتِ احساسِ رُوحانی کھو بیٹھے تو وہ جمادات کی رُوح کا محرم نہیں بن سکتا۔ اگر انسان اپنی جمادیت ختم کر کے رُوحانیت حاصل کرے تو کائنات کی تسبیح کا شور سُن سکتا ہے۔ قرآن میں ہے کہ ”ہر چیز اللہ کی تسبیح پڑھتی ہے لیکن تم اُس کی تسبیح کو نہیں سمجھتے“۔ یہ رُوحانی باتیں بہت طویل ہیں۔ اِس لئے اب پھر اژدہا کے قصے کی طرف آتے ہیں۔ اژدہے والے نے دجلہ کے کنارے مجمع لگایا اور سارے بغداد میں شور مچ گیا کہ سپیرا ایک عجیب نادر چیز پکڑ کر لایا ہے۔ لاکھوں بیوقوف اُسے دیکھنے کے لئے جمع ہو گئے۔ ہجوم کی وجہ سے مرد کو عورت کا پتہ نہیں لگتا تھا۔ اژدہا پردوں وغیرہ میں لپٹا ہوا تھا۔ دھوپ لگی اور اُس نے حرکت شروع کی تو مجمع نے جوش میں شور مچایا۔ آہستہ آہستہ وہ حرکت کرنے لگا۔

اُس اژدہے کی مثال ایسی تھی جیسے کوئی بھیڑ سوئے ہوئے بھیڑیے کو جگا دے یا کوئی خود ملکُ الموت کے پاس چلا جائے۔ انسان کو بھی اپنے نفس کو اِسی قسم کا اژدہا سمجھنا چاہیے۔ اگر اَسباب مہیا ہو جائیں تو تمہارا نفس سب سے پہلے تمہیں ہی ہلاک کرے گا۔ تمہارا نفس قابلِ رحم نہیں ہے۔ اُس کو مردانہ وار مشقتوں میں مبتلا رکھو تاکہ اللہ کا وصل حاصل ہو سکے۔ سپیرے نے اژدہے کو گرمی اور آرام پہنچایا تو وہ سرکش ہو گیا۔ سرکش ہو کر اژدہے نے جو فتنے بپا کیے وہ بیان سے باہر ہیں۔ انسان کو غلط فہمی ہے کہ وہ نفس کو آرام پہنچا کر اِس سے وفا کی اُمید رکھے۔ اژدہے کو مارنے کے لئے تو کسی موسیٰ علیہ السلام کی ضرورت ہوتی ہے۔

نے کہ تقدیر و قضائے مَن بُداں کیا وہ میری تقدیر اور قضا نہ تھی؟	چُوں بوقتِ عُذر کردی آں نہاں تُو نے عُذر کے وقت اس کو کیوں چھپایا؟

فرعون کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دھمکانا اور اُن کا خواب

سپیرے کے اژدہے کو دیکھ کر مجمع میں بھگدڑ مچ گئی اور بہت سے آدمی مارے گئے۔ اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی کو اژدہا بنتے دیکھ کر بھی تماشائیوں کا مجمع بھاگا تھا اور بہت سے لوگ مارے گئے۔ فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا: تیری وجہ سے یہ لوگ مارے گئے ہیں۔ تُو نے لوگوں کے دلوں میں خوف پیدا کر دیا ہے۔ گو میں ابھی تیرا مقابلہ نہیں کر سکا ہوں لیکن میں بدلہ ضرور لوں گا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اپنے معاملات میں مختار ہے، میری اس میں کوئی شرکت نہیں ہے۔ دُنیا میں رُسوائی جس میں اللہ کی رضامندی ہو مجھے منظور ہے۔ میں نے اپنی رُسوائی کی بات کہنے کو تو کہہ دی ہے لیکن مجھے اللہ کی رحمت سے یقین ہے کہ وہ مجھے رُسوا نہیں کرے گا۔ غلبہ اور عزت تو اللہ اور اُس کے غلاموں کے لئے ہے۔ اسی لئے آدم علیہ السلام باعزت ہوئے اور شیطان رُسوا ہوا۔ فرعون کہنے لگا کاغذ اور قلمدان اور حکم میرا ہے۔ جب میری رعایا مجھے پسند کرتی ہے تو کیا تُو ہی سب سے زیادہ عقل مند ہے کہ مجھے ناپسند کر رہا ہے۔ تُو گھمنڈ نہ کر میں دُنیا بھر کے جادوگر جمع کر دوں گا۔ صرف چالیس دن کی اور مُہلت چاہیے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اللہ کا غلام ہوں۔ تُو ایک بڑا بادشاہ ہے لیکن میں اپنے ربّ کا پابند ہوں۔ جب تک اُس کا حکم نہ ہوگا میں لڑتا رہوں گا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اللہ نے وحی بھیجی کہ اُس کو مُہلت دے دے تاکہ یہ اپنی پوری کوشش کرے۔ میں وہ کروں گا جو کسی کے خیال میں بھی نہ آئے۔ اُنہوں نے فرمایا: حکم آ گیا ہے جا تُجھے مُہلت ہے۔ وہ واپس اپنی قوم کے پاس جا رہے تھے۔ پیچھے پیچھے اُن کا اژدہا تھا جو محبت کی وجہ سے دُم ہلاتا جا رہا تھا۔ جب وہ واپس پہنچے اُنہوں نے اُسے پکڑ لیا تو وہ پھر لاٹھی بن گیا۔ اُنہوں نے فرمایا: تعجب کی بات ہے ہمارے لئے یہ سانپ کا مُعجزہ خورشیدِ راہِ ہدایت ہے لیکن دشمن کے لئے تاریک رات، جس میں اُن کو کچھ نظر نہیں آتا۔ تعجب ہے کہ فرعون کے لشکری اس کی پہچان کی علامتوں کو کیوں نہیں دیکھ رہے اور اس مُعجزے کے قائل کیوں نہیں ہو رہے۔ اُن کے حواس موجود ہیں لیکن پھر بھی اللہ نے اُن کی نظر بندی کر رکھی ہے۔ میں نے ان لوگوں کے سامنے ہدایت کے گلدستے پیش کئے ہیں لیکن وہی پھول اُن لوگوں کے لئے کانٹے بن جاتے ہیں۔

ہدایت کے جام صرف اُن لوگوں کا حصہ ہوتے ہیں، جو اپنی خودی کو فنا کر چکے ہوں یعنی جو دُنیا کے معاملے میں خفتہ اور آخرت کے معاملے میں بیدار ہوں۔ عالمِ بالا کی چیزیں جو ہمیں خواب میں نظر آتی ہیں اُن لوگوں کو عالمِ بیداری میں نظر آنے لگتی ہیں۔ جو لوگ دنیاوی افکار میں مبتلا ہوں وہ اُن خوابوں سے بھی محروم ہوتے ہیں۔ جب تک اُن کا یہ فکر بند

نہ ہو جائے وہ حلق نہیں کھلتا۔ اُس فکر کا صفایا کرنے کے لئے حیرت درکار ہے۔ حیرت بعض اوقات ذکر اور فکر دونوں کو نگل لیتی ہے۔ مقامِ حیرت میں پہنچ کر سالک نہ تو ذکرِ الٰہی پر قادر رہتا ہے اور نہ دنیاوی افکار اُس پر قبضہ کر سکتے ہیں۔ جو لوگ دنیاوی معاملات میں بہت ہنرمند ہیں۔ وہ بظاہر دوسروں سے آگے نظر آتے ہیں لیکن درحقیقت وہ پیچھے ہیں۔

اللہ نے قرآن میں فرمایا ہے: ''اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ'' یعنی ہم اللہ ہی کے لئے ہیں اور اُسی کی طرف واپس ہونے والے ہیں۔ اِس کا مطلب یہ ہے کہ بکریوں کا ریوڑ جو جنگل میں چرنے گیا ہے وہ گھر واپس لوٹے۔ جو بکری جانے میں سب سے پیچھے ہوگی واپسی میں وہی آگے ہو جائے گی۔ پیچھے رہنے کی وجہ سے اُن لوگوں کو رنج تھا لیکن واپسی میں جب وہ آگے ہو جائیں گے تو خوش ہوں گے۔ اسی لئے اولیاء اللہ رحمہم اللہ دنیاوی معاملات میں اپنے آپ کو جان بوجھ کر پیچھے رکھتے ہیں۔ وہ دُنیا کی چیزوں کی محبت اپنے دل میں زیادہ نہیں رکھتے۔ وہ لوگ عبادت گزاری میں بے سروسامانی کی حالت میں بھی قائم رہتے ہیں اور وہ جانتے ہیں کہ مشقتیں برداشت کرنے سے ہی اُخروی حاجتیں میسر آئیں گی۔

آزمودم عقلِ دُور اندیش را
بعد ازیں دیوانہ سازم خویش را

''میں نے اپنی کامیابی کے لیے اپنی دُور اندیش عقل کو بھی آزمایا لیکن مجھے آخرِ کار دیوانگی ہی میں پناہ ملی''۔

عالمِ آخرت کی رہنمائی کے لئے اُسی عالم کی عقل چاہیے نہ کہ اس عالم کی۔ اُس علم کی ضرورت ہے جو براہِ راست ذاتِ باری سے حاصل ہوا ہو۔ ایسا علم نہ ہو کہ جو صرف عقل کے دلائل سے حاصل کیا گیا ہو اور کتاب و سُنّت سے اُس کا تعلق نہ ہو۔ یاد رکھو! دنیاوی مشاغل میں پس ماندگی بہتر ہے تاکہ واپسی میں سبقت حاصل ہو جائے۔ حدیث شریف میں ہے ''ہم دُنیا میں سب اُمتوں سے بعد میں ہیں لیکن قیامت میں سب سے آگے ہوں گے'' پھل، درخت پر سب سے بعد میں لگتے ہیں لیکن سب سے زیادہ اہمیت اُن ہی کو حاصل ہوتی ہے۔ فرشتوں نے امتحان کے وقت کہا تھا: لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ''ہمیں صرف وہی علم حاصل ہے جو تُو نے ہمیں سکھایا ہے'' لہٰذا اگر انسان بھی دُنیا کے مکرو فریب کے علم سے فارغ ہوگا تو اُس کو عَلَّمْتَنَا یعنی خداوندی علم حاصل ہو جائے گا۔

آنحضور ﷺ نے کسی دنیاوی مکتب سے تعلیم حاصل نہیں کی تھی محض اللہ کے دیئے ہوئے علم نے ہی اُن کو اس مرتبہ پر پہنچایا۔ جس طرح خزانے ویرانوں میں ہوتے ہیں اسی طرح حضرتِ حق اپنی امانت بھی ایسے شخص کے دل میں ودیعت

کرتے ہیں جس کی زیادہ شہرت نہ ہو۔ جس طرح خزانہ غیر معروف ویرانہ میں ہوتا ہے اسی طرح حقیقی خوشی بھی غم میں مخفی ہوتی ہے۔ یہاں طبیعت میں یہ اشکال پیدا ہوگا کہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء رحمہم اللہ بھی تو مشہور شخصیتیں ہیں تو پھر یہ کہنا کہ خزانہ غیر معروف ویرانہ میں ہوتا ہے، کیسے صحیح ہوگا؟ اس کا جواب عقل یہ دے گی کہ اگر شہرت مقصود بن جائے تو بہت مضر ہے اور اگر فقر اور لالچ کے باوجود شہرت من جانب اللہ ہو تو وہ مقبولیت کے خلاف نہیں ہے۔ عقلِ راست کے ذریعے اشکالات کا جواب سوچنے کے لئے بہتر یہ ہے کہ عشق کی آگ دل میں روشن کی جائے۔ یہ آگ ہر قسم کے شکوک وشبہات کے خس وخاشاک کو جلا کر یقین کی دولت حاصل کرنے میں مدد دیتی ہے۔ عشق کی وجہ سے دل اشکال کو دُور کر دیتا ہے۔ دل کے گوشے میں اُس سے جو نور پیدا ہوتا ہے وہ محض حق کی عطا ہے۔

جب انسان اپنے دل کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو اُس پر اَسرار کھلتے ہیں۔ درد کے وقت انسان ''یا ربی'' کہتا ہوا اللہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو اسی طرح دیگر شکوک ومشکلات کا جواب بھی اُسی جانب سے حاصل کرنا چاہیے۔ قرآن میں ہے: اِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهٗ مُنِيْبًا اِلَيْهِ ثُمَّ اِذَا خَوَّلَهٗ نِعْمَةً مِّنْهُ نَسِيَ مَا كَانَ يَدْعُوْۤا اِلَيْهِ۔ ''جب انسان کو کوئی نقصان یا تکلیف پہنچتی ہے تو وہ اللہ کو پکارتا ہے اُس کی طرف مکمل رُجوع کرتے ہوئے، پھر جب وہ اُس کو نعمت عطا فرماتا ہے تو وہ بھول جاتا ہے اُس کو کہ جو وہ اُس سے مانگتا تھا'' اور اسی طرح جیسے رنج وغم کے وقت یاد کرتا تھا اب یاد نہیں کرتا ہے۔ یہ کیفیت اس لئے ہے کہ خدا پر پورا یقین نہیں ہے ورنہ اُن کا اللہ کی طرف رُجوع دائمی ہوتا۔ جس شخص کے دل اور عقل پر کوئی پردہ ہوتا ہے کبھی ذاتِ باری اُس کے لئے پوشیدہ ہوتی ہے اور وہ اُس کے راستے سے بھی بے خبر ہو جاتا ہے اور کبھی اُس کی یاد میں گریبان چاک کرتا ہے۔ دنیاوی عقل والوں کا ایسا ہی حال ہوتا ہے لیکن راہِ سلوک کے مسافروں کی زندگی میں ایک ایسا مقام بھی آتا ہے کہ انوار وتجلیات کی فراوانی سے پیدا ہونے والی حیرت سے وہ مبہوت ہوکر رہ جاتا ہے اور اُس کو نہ ذکر کا خیال آتا ہے نہ فکر کا۔ عبادات میں مجاہدات اصل ہیں۔ اُن کی وجہ سے انسان کا قلب معارف واَسرار کا گنجینہ بن جاتا ہے۔ علماءِ ظاہر نے اپنے آپ کو صرف باتوں ہی میں اس قدر آلودہ کر لیا ہے کہ وہ خود اُن باتوں ہی کی طرح افسانہ بن گئے ہیں۔ ہم گریہ وزاری میں معدوم افسانہ بنے ہوئے ہیں تاکہ سجدہ کرنے والوں کے ساتھ نشست وبرخاست حاصل کرلیں۔

اے بھائی! کام کے آدمی کے لئے یہ کہانی نہیں ہے۔ اُسے اچھی حالت اور دوست کے دربار کی حاضری درکار ہے۔ ظاہری علماء میں دین کی حقانیت نہیں رہی۔ وہ اچھی حالت اور دوست کے دربار کی حاضری جیسے انعامات سے محروم

ہر کہ در خلوت بہ بینش یافت راہ	اُو ز دانشہا بجوید دستگاہ
جس کو خلوت میں مشاہدہ نصیب ہوجائے	وہ ذکر اور اسباق کا متمنی نہیں رہتا

ہیں۔ میں جو یہ قصّے بیان کر رہا ہوں یہ گزشتہ لوگوں کے نہیں ہیں بلکہ تمہارے اپنے احوال ہیں۔ ان قصوں کا مقصد رُجوع اِلی اللہ ہے۔ ان کو وہ قصّے کہانیاں نہ سمجھو جن سے میں روک رہا ہوں۔ مُنافقوں نے قرآن کو بھی محض پچھلے لوگوں کی کہانیاں قرار دیا اور اِن قصّوں کا جو اصل مقصود تھا اُسے نہ سمجھا۔ یہی حال میری کتاب کا ہے۔ قرآن ایک صفتِ خداوندی ہے جو زمان و مکان سے بالاتر ہے۔ وہاں ماضی و مستقبل نہیں ہے بلکہ وہ ہر زمانے کے لئے ہے۔ قرآن کے اعتبار سے ماضی و مستقبل دو چیزیں نہیں ہیں، تُو ان کو دو سمجھتا ہے۔ نسبت کے بدلنے سے احکام بدل جاتے ہیں۔ ایک شخص ایک کی نسبت سے باپ ہے تو وہی شخص دوسرے کے اِعتبار سے بیٹا ہے۔ چھت کسی کے اِعتبار سے نیچے ہے کسی کے اِعتبار سے اُوپر ہے۔ خدا کی ذات وصفات کو مثالوں سے سمجھنا ممکن نہیں ہے کیونکہ وہ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ہے۔ چونکہ اِس دریا کا کنارا نہیں ہے، اِس لئے، اے مشک! اپنے لب بند کر لے۔ آؤ فرعون کے قصّے کی خبر لیں۔

فرعون کا جادُوگروں کو بُلوانا

فرعون نے اپنے درباریوں سے جو اُس کے چاروں طرف بیٹھے ہوئے تھے، کہا: اس میں کوئی شک نہیں کہ موسیٰ علیہ السلام بہت ماہر جادوگر ہے۔ یہ چاہتا ہے کہ اپنے جادو کے زور سے ہمیں مُلک سے نکال دے۔ تم لوگوں کا کیا مشورہ ہے؟ درباریوں نے مشورہ دیا کہ موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کے معاملے کو چند دن کے لئے ملتوی رکھیں اور شہروں میں جادوگروں کو جمع کرنے کے لئے ہرکارے روانہ کر دیں اور وہ آپ کے پاس ہر ماہر جادوگر کو لے آئیں۔ دو بہت مشہور جادوگر تھے۔ سِحر کا اثر عموماً سفلیات پر پڑتا ہے لیکن وہ اپنے جادو سے علویات کو بھی متاثر کر دیتے تھے۔ وہ دونوں جادوگری میں مُجتہد تھے اور کسی کے مُقلِّد نہ تھے۔ اُن کے پاس بادشاہ کے دو سفیر آئے اور کہا کہ بادشاہ نے تمہیں طلب کیا ہے کیونکہ دو فقیر آئے ہیں اور اُنہوں نے بادشاہ کے قلعہ پر ڈیرہ جما لیا ہے۔ اُن کے پاس ایک لاٹھی ہے جو اژدہا بن جاتی ہے۔ بادشاہ اور اُس کی فوج سب اُس کے سامنے عاجز ہیں۔ اُن کو دفع کرنے کی کوئی تدبیر کرو۔ بادشاہ تمہیں بہت سارا انعام دے گا۔ اُن دونوں پر بھی خوف طاری ہوا کہ وہ کون ہے جس نے بادشاہ اور اُس کی فوج کو خوفزدہ کر دیا ہے۔ اُس کے پاس کس قدر طاقت ہوگی؟ اُن کے دل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق محبت کا جذبہ بھی پیدا ہوا کہ شاید وہ اللہ کے برگزیدہ ہوں۔ اُنہوں نے اپنی ماں سے پوچھ کر اپنے باپ کی قبر دریافت کی۔ وہ اُن کو اُس کی قبر پر لے گئی۔ پہلے اُنہوں نے تین روزے رکھے تاکہ اپنے باپ کی رُوح سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حقیقت معلوم کر لیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی کا اژدہا بننا منجانب اللہ کوئی معجزہ ہے یا جادو ہے؟ اگر معجزہ ہے تو ہم اُس کی تعظیم کر کے راہِ ہدایت پر آ جائیں۔

مگر از چشمِ خودت آں خوب را	بیں بچشمِ طالباں مطلوب را
اصل محبوب کو تُو اپنی آنکھ سے نہ دیکھ	معشوق کو عاشق کی آنکھ سے دیکھ

اُن دونوں بھائیوں کے باپ کی رُوح نے اُنہیں خواب میں بتایا کہ اِس معاملے میں صاف صاف بتانا ممکن نہیں ہے۔ یہ پوشیدہ بات مجھے معلوم ہے لیکن بتانے کی اجازت نہیں ہے۔ ہاں ایک علامت بتا دیتا ہوں جس سے تم سمجھ جاؤ گے کہ یہ جادو ہے یا مُعجزہ۔ سِحر اور مُعجزہ میں یہ فرق ہے کہ سِحر کا تعلق محض سِحر کرنے والے کی توجہ اور تصرّف سے ہے لیکن مُعجزے کا تعلق نبی کی توجہ اور ہمت سے نہیں ہے بلکہ وہ خدائی ارادے کے ماتحت ظہور پذیر ہوتا ہے۔ اس لئے جادوگر کی غفلت کے وقت سِحر کا کوئی اثر نہیں رہتا اور نبی کی نیند اور غفلت سے مُعجزہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ وہ مُعجزہ ہر حال میں قائم رہتا ہے۔ اگر تم نے اُس کی لاٹھی اُس کے سوتے ہوئے ہونے کی حالت میں چُرا لی تو وہ جادوگر ہے اور اُس کا علاج تمہارے پاس موجود ہے لیکن اگر نہ اُٹھا سکو تو اُسے خدائی معجزہ سمجھو۔ وہ شخص یقیناً اللہ کا برگزیدہ رسول ہے۔ اگر یہ مُعجزہ ہے تو فرعون اِس پر قابو نہ پا سکے گا بلکہ ذلیل ہوگا۔ چونکہ مُعجزے کا تعلق ذاتِ خداوندی سے ہے، وہاں غفلت کا کوئی تصور نہیں ہے۔ لہٰذا اُس کی حفاظت مکمل ہوتی ہے جبکہ ساحر کی حالت اُس گڈریے کی سی ہوتی ہے کہ جب وہ سو جائے تو بھیڑیا اُس کی بکری لے جاتا ہے۔

قرآن کو عصائے مُوسیٰ علیہ السلام، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وِصال کو مُوسیٰ علیہ السلام کی نیند اور جادوگروں کو قرآن (جو خُدا کی حفاظت میں ہے) میں تغیّر کرنے والے سمجھو

اللہ نے قرآن میں قرآن کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے "ہم نے ذکر (قرآن) نازل کیا ہے اور ہم ہی اِس کی حفاظت کرنے والے ہیں" اللہ نے فرمایا: میں تیری کتاب اور مُعجزے کا نگہبان ہوں۔ نہ اِس میں زیادتی ہو سکے گی اور نہ کمی۔ اللہ نے قرآن میں فرمایا: وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ "میں نے تمہارے ذکر کو بلند کر دیا" اور پھر فرمایا: لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِهِ "اس کے کلمات کو کوئی بدلنے والا نہیں ہے"۔ میں تمہارا نام بڑھاتا رہوں گا۔ میری تم سے اتنی محبت ہے کہ تیری ناراضگی میری ناراضگی ہوگی۔ مکّہ کی ابتدائی زندگی کے دوران مسلمان، حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے تعلق کو چھپاتے تھے۔ نمازیں بھی چھپ کر پڑھتے تھے۔ اللہ نے فرمایا: میں تیرے دین سے سارے عالم کو منوّر کروں گا اور مخالفوں کی آنکھیں چکاچوند ہو جائیں گی۔ اللہ کا وعدہ سچا ہوا اور مسلمانوں نے قیصر و کسریٰ جیسی عظیم سلطنتوں کو مغلوب کر لیا۔ اب چونکہ قیامت تک کوئی نئی شریعت نہیں آئیگی تیرے خادم بلند مرتبہ حاصل کر لیں گے۔

تم دین کے مِٹنے کے خیال سے نہ ڈرو، تم جادوگر نہیں ہو، تم سچے ہو اور قرآن تمہارے لئے موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی کی طرح ہے۔ اگرچہ تم مٹی کے نیچے سوئے ہوئے ہو لیکن یہ پاک کلام باخبر ہے۔ تم سو جاؤ، تمہارا سو جانا مُبارک ہے۔ تمہارا

بلکہ زو کُن عاریت چشم و نظر　　　پس ز چشمِ اُو بروی اُو نگر
بلکہ اسے دیکھنے والی نظر اُسی سے مانگ لے　　　پھر اُس کی آنکھ سے اُس کے چہرے کو دیکھ

نور تمہارے مخالفوں پر آسمان سے نشانہ لگائے ہوئے ہے۔ ملحدین، فلسفی لوگ، قرآن پر کوئی بھی اعتراض کریں۔ نورِ محمدی ﷺ اُن کو پارہ پارہ کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو بھی وعدے کئے اُن کو صرف پورا ہی نہیں کیا بلکہ اُن سے زیادہ کیا۔ دونوں جادوگر اپنے باپ کی قبر سے اُٹھ کر مصر کی طرف روانہ ہوگئے۔ وہاں پہنچے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قیام گاہ کی تلاش شروع کی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام انہیں کھجوروں کے ایک نخلستان میں مل گئے۔ وہ سوئے ہوئے تھے لیکن دُنیا بھر کے بیدار تھے۔ اُن کی آنکھیں بند تھیں لیکن عرش و فرش اُن کی نگاہ میں تھے۔ بہت سے بیدار آنکھ والے سوئے ہوئے دل والے ہوتے ہیں۔ آب و گل کی دُنیا والوں کی آنکھ کیا دیکھ سکتی ہے۔ جو شخص دل کی بینائیاں رکھتا ہے اگر سو بھی جائے تو اُس کی سو بینائیاں کھل جاتی ہیں۔ اگر تو صاحبِ دل نہیں ہے تو جاگ اور نفس سے لڑتا رہ اور دل کا طالب بن اور اگر تیرا دل بیدار ہوگیا ہے تو آرام سے سو جا۔

پیغمبر ﷺ نے فرمایا: ''میری آنکھ سوتی ہے مگر نیند میں بھی میرا دل نہیں سوتا''۔ بیدار دل سوتے ہوؤں پر اللہ کی ہزاروں رحمتیں نازل ہوں۔ اے معنیٰ کو سمجھنے والے! دل کی بیداری کی خوبیاں ہزاروں مثنویوں میں بھی بیان نہیں ہو سکتیں۔ جب جادوگروں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پاؤں پھیلائے سوتے دیکھا تو لاٹھی کو چُرانے کی کوشش کی۔ جب تھوڑا سا آگے بڑھے تو لاٹھی میں حرکت پیدا ہوئی۔ وہ دونوں وہیں خوف سے خشک ہوگئے اور انہیں یقین ہوگیا کہ وہ طاقت آسمانی ہے کیونکہ ہر قسم کے جادو سے تو وہ خود واقف تھے۔ اگر کوئی شخص جادو اس غرض سے سیکھے کہ وہ مُعجزے اور سحر میں فرق کر سکے تو جائز ہے لیکن ویسے جادو کرنا مطلقاً ناجائز اور حرام ہے۔ اِس واقعے کے زیرِ اثر وہ دونوں جادوگر بیمار ہو گئے۔ اُنہوں نے فوراً ایک آدمی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس معذرت کے لئے بھیجا کہ ہم نے اللہ کے رسول کا جرم کیا ہے تو ہم نے اللہ ہی کا جرم کیا ہے۔ ہمیں معاف کر دیا جائے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں معاف کر دیا اور وہ دونوں اچھے ہو گئے۔ وہ ایمان لے آئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: تم پر دوزخ حرام ہوگئی لیکن ہماری اِس ملاقات کا ذکر فرعون سے نہ کرنا اور اجنبی بن کر فرعون کے سامنے میرے مقابلے پر آنا اور ہر طرح کے جادو کے کرتب کرنا۔

فرعون کے سامنے جادُوگروں کا جمع ہونا، اِنعام پانا اور مُوسیٰ علیہ السلام سے مُقابلے کے دعوے کرنا

جادوگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے روانہ ہوگئے اور دل میں چاہتے تھے کہ وقت جلد آ جائے کہ ہم حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے کا اِظہار کر دیں۔ جادوگروں نے فرعون سے کہا: اے شاہ! آپ کا اقبال بلند ہو، ہم ضرور جیتیں گے۔ فرعون نے سب جادوگروں کو بہت سے زر و جواہر

آدمی دیدست باقی پوست ست
آدمی تو رُوح کی بینائی ہے باقی کھال اور گوشت ہے

دید آنست آنکہ دیدِ دوست ست
دید تو دراصل غائب محبوب ہی کی دید ہے

دیئے اور کہا کہ جب جیت کر آؤ گے تو اور بہت سے انعام دوں گا۔

میں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قِصّہ تفصیل سے بیان کیا ہے اور اب یہ از حد دلچسپی کا موجب بن گیا ہے لیکن مقصود صرف قِصّہ بیان کرنا نہیں ہے۔ یہ قِصّہ تو بہت پُرانا ہے۔ اے بھلے آدمی! یہ قِصّہ بیان کرنے کا مقصود تو وہ نور ہے جو موسیٰ علیہ السلام کے پاس تھا۔ موسیٰ علیہ السلام کے قِصّے کے واقعات صرف آڑ کے لئے بیان کئے گئے ہیں۔ مقصودِ اصلی تو وہ نور ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عطا کیا گیا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام اور فرعون تو تیرے وجود میں موجود ہیں۔ اِن دونوں مقابل شخصیتوں کو اپنے اندر تلاش کرنا چاہیے۔ موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا قِصّہ قیامت تک کے لئے ہے۔ روشنی دوسری نہیں ہے' چراغ الگ الگ ہیں۔ ہر نبی کا نور اُمت کے کسی ولی میں منتقل ہوتا رہتا ہے اور جس صفتِ خاص کا کوئی نبی مربوب ہوتا ہے اُسی صفت کا کوئی ولی بھی مربوب ہوتا ہے۔ اَشخاص بدلتے رہتے ہیں لیکن اُس صفتِ خاصہ کا نور منتقل ہوتا رہتا ہے۔ اگر تُو جسموں پر نگاہ رکھے گا تو بھٹک جائے گا اور اگر نور کو دیکھتا رہے گا تو نجات پا جائے گا۔ یاد رکھ! تعدّد اور دوئی صرف جسم کی ہے نور کی نہیں۔ مومن اور کافر کے نکتہ نگاہ کے فرق ہی سے اختلاف پیدا ہوا ہے۔

اندھیری رات میں ہاتھی کی شکل اور کیفیت میں اختلاف

ہاتھی ایک اندھیرے کمرے میں تھا۔ بہت سے لوگ اُس کے بارے میں جاننے کے لئے اندر گھس گئے۔ ہاتھی کو مختلف لوگوں نے مختلف زاویہ نگاہ سے دیکھا تو اُن کے عقیدے میں اختلاف پیدا ہو گیا چونکہ آنکھوں سے دیکھا نہیں جا سکتا تھا' ہاتھوں کا سہارا لیا۔ ایک کا ہاتھ سونڈ پر پڑا: اُس نے کہا: ہاتھی پرنالے کی شکل کا ہے۔ ایک کا ہاتھ کان پر پڑا' اُس نے کہا: پنکھے جیسا ہے۔ ایک کا ہاتھ پیر پر پڑا' وہ سمجھا ستون کی طرح ہے۔ ایک کا اُس کی کمر پر پڑا' وہ بولا: ہاتھی ایک تختے کی طرح ہے۔ اسی طرح ہر شخص جس جس عضو تک پہنچا' جہاں کہیں ہاتھی کے بارے میں سنتا وہی خیال سامنے لاتا۔ چونکہ ہاتھی کا تصور سب کے ذہنوں میں مختلف تھا۔ اِس لئے اُنہوں نے اُس کو مختلف عبارتوں میں لکھا' کسی نے اسے دال لکھا تو کسی نے الف۔

انسان کی حِسی آنکھ اُن لوگوں کی ہتھیلی کی طرح ہے جیسے اُن کی ہتھیلی کی دسترس پورے ہاتھی پر نہ تھی اسی طرح یہ ظاہری آنکھ کسی چیز کی پوری حقیقت کو نہیں دیکھ سکتی۔ یہ شب و روز کی اختلافی کیفیت ظاہر پرستی کی وجہ سے ہے۔ انسانی اجسام کی حرکت رُوح کی وجہ سے ہے لیکن افسوس یہ ہے کہ انسان تن پروری کرتا رہتا ہے اور رُوح سے غفلت برتتا ہے۔ ہمارے اجسام کی حالت دریا کی جھاگ کی طرح ہے کہ وہ نظر آتی ہے' لیکن اصل تو پانی ہے۔ اگر خوش قسمتی سے انسان کو

چُونکہ دیدِ دوست نہ بُود کور بہ	دوست کو باقی نباشد دُور بہ
جبکہ دوست کا دیدار نہ ہو' اندھا ہونا اچھا ہے	جو دوست باقی رہنے والا نہ ہو' اُس کا دُور ہونا اچھا ہے

رُوح کا مشاہدہ ہو گیا ہے تو اب اُس کو آگے قدم بڑھا کر ذاتِ حق کا مشاہدہ کرنا چاہیے۔ رُوح کے لئے افاضہ حیات کرنے والی ذات قدیم ہے۔ اُسی نے کائنات کو حیات بخشی ہم ذاتِ حق کی جو تعبیرات کرتے ہیں وہ ناقص ہیں۔ خود اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے جو تعبیرات فرمائی ہیں وہی صحیح ہیں۔ اب اگر مثالوں سے اُس کی ذات وصفات کو بیان کیا جائے تو تم اُسی مثال پر دل جما لو گے اور اگر بالکل ذکر نہ کیا جائے تو یہ بھی افسوسناک بات ہے۔

عوام تقلید کی دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں اور صفات کے بیان پر یقین کے بغیر اپنے یقین کو ظاہر کرنے کے لئے گھاس کی طرح سر ہلانے لگتے ہیں۔ عوام تقلید سے تحقیق کی طرف منتقل ہونے کے لئے پیش قدمی نہیں کرتے ہیں اور نہ ہی کم از کم تقلید ہی کو ترک کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ دراصل انسان جب سِفلی زندگی کا عادی ہو جاتا ہے تو اُس کے لئے اِسے چھوڑنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اگر انسان اِس سِفلی زندگی کو خیرباد کہہ دے تو وہ دل کی دُنیا میں پہنچ کر سِرِّ وحدت حاصل کر سکتا ہے۔ بچّے کو جب تک لذیذ غذائیں نہیں ملتیں وہ دودھ پلانے والی سے چمٹا رہتا ہے، جب غذائیں ملنے لگتی ہیں تو دودھ سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ اِسی طرح جب تک انسان عالمِ سِفلی سے چپٹا ہوا ہے اُسرار کی لذّت سے بے خبر ہے۔ جب وہ لذّت حاصل ہونے لگے گی تو عالمِ سِفلی کو نگاہ بھر کر بھی نہ دیکھے گا۔ انسان عالمِ سِفلی سے اپنی غذا حاصل کرنے کا عادی ہو گیا ہے۔ حالانکہ اُس کی اصلی غذا وہ ہے جو دل اور رُوح کی غذا ہے اور جو عالمِ ملکوت سے حاصل ہوتی ہے۔ کوشش کرتے رہنے سے رفتہ رفتہ وہ استعداد پیدا ہو جائے گی جس سے مُشاہدۂ حق حاصل ہو جائے گا۔

عالمِ ملکوت کی طرف تمہارا عروجی سفر اِسی طرح ہوگا جس طرح اِس عالَم کی طرف نزولی سفر ہوا تھا لیکن وہ سفر چونکہ تمہاری مدہوشی میں ہوا ہے اِس لئے تمہیں نہ وہ سفر یاد ہے اور نہ اُس سفر کے طے کرنے کے راستے یاد ہیں۔ اگر تم اِس آنے کے سفر کی باتیں یاد کرنا چاہتے ہو تو جسمانی اور مادی ہوش وحواس کو مجاہدات کے ذریعے ختم کر کے رُوحانی ہوش اختیار کر لو۔ جسمانی کانوں کو بند کر کے رُوح کے کان کھول لو پھر تمہیں وہ باتیں یاد آ جائیں گی اور تم عہدِ اَلَست کی آواز سُن لو گے۔ انسان اور دُنیا کی مثال درخت اور پھل کی سی ہے۔ پھل جب تک کچا ہوتا ہے شاخ سے اُس کا جوڑ مضبوط اور سخت ہوتا ہے۔ جوں جوں وہ پکتا ہے شاخ کا اور اُس کا جوڑ کمزور ہو جاتا ہے۔ اِسی طرح خام انسان دُنیا کو چمٹا رہتا ہے اور جب اُس میں پختگی آ جاتی ہے تو دُنیا سے تعلق کمزور ہو جاتا ہے۔ بچّہ جب تک پیٹ سے چمٹا ہوا ہے اُس کی غذا خون ہے۔ جب وہ باہر آتا ہے تو دودھ پیتا ہے جو بہتر غذا ہے۔ اِسی طرح جب تک انسان دُنیا سے چمٹا رہتا ہے اُس کی غذا خون جیسی نجس چیزیں ہی رہتی ہیں۔ کچھ اُسرار تو میں نے تمہیں بتا دیئے ہیں لیکن کچھ ایسے ہیں کہ میں نہیں بتا سکتا۔ وہ

پیشِ شاہاں گر خطر باشد بجاں
بادشاہوں کے حضور اگرچہ جان کا خطرہ ہوتا ہے

لیک نشکیبند عالی ہمتاں
لیکن بُلند ہمت حضوری کو ترجیح دیتے ہیں

تجھے رُوح القدس بتائے گا۔ رُوح القدس سے یہاں مراد جبرائیل علیہ السلام نہیں کیونکہ اُن کا بتانا تو صرف انبیاء علیہم السلام کے ساتھ خاص ہے بلکہ دوسرے ملائک مراد ہیں' جو اللہ مومنوں پر اُتارتا ہے (تَتَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِکَۃُ)۔ وہ باتیں نہ میں تمہیں بتاؤں گا اور نہ فرشتہ بلکہ خود تجھے وہ مقام حاصل ہو جائے گا یعنی تو خود اپنے آپ کو بتائے گا اُس وقت "مَن و تو" کا امتیاز ختم ہو جائے گا۔

اِس مقام پر انسان خود ہی کہنے والا اور خود ہی سننے والا ہوتا ہے۔ یہ ایسے ہے کہ جیسے خواب کی حالت میں جب انسان ایک جگہ سے دوسری جگہ کی طرف جاتا ہے تو یہ مقامات خارج میں نہیں ہوتے ہیں۔ خود اُس کے اپنے اندر ہوتے ہیں تو گویا کہ وہ چلنے والا خود اپنے پاس سے چل کر اپنے پاس گیا ہے۔ انسان خواب میں سنتا ہے کہ کوئی دوسرا اُس سے باتیں کر رہا ہے حالانکہ وہ کوئی دوسرا نہیں ہے بلکہ وہ خود ہی کہہ رہا ہے اور خود ہی سُن رہا ہے۔ انسان بظاہر عالَمِ صغیر ہے لیکن حقیقت میں یہ عالَمِ کبیر ہے۔ ایک انسان کی شخصیت سینکڑوں شخصیتوں کا مجموعہ ہے اور ایک گہرا سمندر ہے۔ انسان بیداری اور خواب کی حالت میں ایک لامحدود شخصیت ہے۔ اِس راہ کے اَسرار کے بارے میں انسان کو خاموشی اِختیار کرنی چاہیے' جب تک کہ خود اللہ تعالیٰ اُن کو ظاہر نہ فرما دے۔ یاد رکھو! اَسرار تحریر و تقریر میں نہیں لائے جا سکتے۔ اِس کیفیت کو حاصل کرنے کے لئے اپنے دعوے ترک کر دے اور کسی صاحبِ حال مُرشد کا سہارا لے لے۔ حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے نے سہارا لینا پسند نہ کیا تو تباہ ہوا۔

حضرت نوح علیہ السلام کا اپنے بیٹے کو بُلانا اور اُس کی سرکشی

حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا: خبردار کنعان! اِدھر آ جا اور اپنے باوا کی کشتی میں بیٹھ جا تا کہ تُو طوفان میں غرق نہ ہو جائے۔ اُس نے کہا: میں نے تیرنا سیکھا ہے اور بلند پہاڑ پر چڑھ جاؤں گا۔ وہ مجھے بچا لے گا۔ اُنہوں نے فرمایا: ایسا نہ کہہ' پہاڑ ذاتِ باری کے سامنے تنکا ہے۔ آج وہ اپنے دوست کے سوا کسی کو پناہ نہیں دے گا۔ تُو اگر ناز سے ایسا کہہ رہا ہے تو بھی یہ غلط ہے۔ اُس کا کوئی بیٹا باپ یا رشتہ دار نہیں ہے۔ وہ باپ کا ناز کہاں برداشت کرے گا۔ وہاں کسی ناز کی گنجائش نہیں ہے۔ اُس کے دربار میں صرف عاجزی اور زاری کام دیتی ہے۔ وہ بولا: اے باپ! میں نے بچپن میں جبکہ کمزوری اور ناتوانی کا وقت ہوتا ہے۔ تمہارا کہنا نہیں مانا تو اب جبکہ میں طاقت ور ہوں اور عقل رکھتا ہوں کیسے مان سکتا ہوں۔ پھر ایک موج اُن دونوں کے درمیان آ گئی اور وہ ڈوب گیا۔ قرآن میں اللہ نے فرمایا: "اے نوح علیہ السلام! وہ تمہارا بیٹا تمہارے اہل میں سے نہیں ہے۔ اُس کے عمل اچھے نہیں ہیں" جب کوئی عضو بے کار ہو

شاہ چوں شیریں تراز شکر بود	جاں بشیرینی رود خوشتر بود
شاہ چونکہ شکر سے بھی میٹھا ہوتا ہے	اُس مٹھاس کیلئے جان بھی چلی جائے تو بہتر ہے

جائے تو اُسے جدا کرنا ضروری ہو جاتا ہے ورنہ تمام جسم پر اُس کے خراب اثرات پڑتے ہیں۔

حضرت نوح علیہ السلام پر حقیقت واضح ہو گئی تو بیٹے کی بربادی کا شکوہ ختم ہو گیا اور اُنہوں نے معذرت شروع کر دی۔ حضرت نوح علیہ السلام چونکہ ذاتِ باری میں فنا ہو چکے تھے تو اُن کو ذاتِ باری سے متصل بھی نہیں کہا جا سکتا کیونکہ اِتصال، دوئی کو چاہتا ہے اور مُنفصل بھی نہیں کہا جا سکتا کیونکہ وصول الی اللہ کی کیفیت ناقابلِ بیان ہے۔ ذاتِ باری فکر و خیال سے بالاتر ہے۔ عاشق عموماً اپنی محبوبہ کے نشانات سے گفتگو کیا کرتے ہیں۔ لیکن دراصل روئے سخن محبوبہ کی طرف ہوتا ہے۔ اسی طرح دوسروں سے گفتگو کرتے ہوئے بھی اللہ کے عاشقوں کا روئے سخن اپنے محبوب ہی کی طرف ہوتا ہے۔ اِسی طرح، اے ذاتِ پاک! دوسروں سے بات کرتے وقت بھی میرا روئے سخن تیری ہی طرف ہوتا ہے۔ عاشق کا رُخ گو محبوبہ کے ٹیلوں اور کھنڈرات کی طرف ہوتا ہے لیکن مقصود محبوبہ کا ذکر ہوتا ہے۔ اب میرے اور تیرے درمیان کوئی تیسرا واسطہ ہی نہیں رہا۔ اب تُو نے اُن اشخاص کو ہی ختم کر دیا جو باتیں کرنے میں درمیانی واسطہ ٹیلوں کی طرح تھے۔ اب مجھے صرف ایسے مخاطبوں کی ضرورت ہے کہ میں اُن کے ساتھ تیرا ذکر کروں تو وہ بھی تیرا ہی ذکر کریں۔ دُنیا داروں کے سامنے جب دین کی بات کی جاتی ہے تو وہ دم بخود رہ جاتے ہیں۔ ایسے لوگ صلحاء کی صحبت کے لائق نہیں ہوتے۔ ایسے لوگوں کا زیرِ زمین چلے جانا ہی بہتر ہے۔

اللہ نے فرمایا: اے نوح علیہ السلام! اگر تیری خواہش ہے تو صرف کنعان کو ہی نہیں بلکہ میں سب کو زندہ کر دوں۔ تیرے بیٹے کے معاملے میں میں تیری دل شکنی نہیں کرنا چاہتا۔ حضرت نوح علیہ السلام نے عرض کیا: اب میں کنعان کی نجات کا خواہاں نہیں ہوں۔ تیری مرضی پر راضی ہوں، تیری مرضی ہو تو مجھے بھی غرق کر دے۔ تیرا حکم مجھے جان سے زیادہ پیارا ہے۔ تیری ذات کے سوا میرا کوئی منظورِ نظر نہیں ہے اور اگر کوئی منظورِ نظر ہے بھی تو وہ بھی تیرے لئے ہی ہے۔ میں تو تیرا اور تیرے فعل کا عاشق ہوں۔ مخلوق کا عاشق نہیں ہوں۔ اللہ کے فعل کا عاشق باعزت ہوتا ہے اور اُس کی بنائی ہوئی چیز کا عاشق کافر ہے۔ ان دونوں باتوں میں نہایت باریک فرق ہے۔ وہ پیچانتا ہے جو تاڑنے میں ممتاز ہے۔

دو احادیث اَلرِّضَا بِالْکُفْرِ کُفْرٌ اور مَنْ لَّمْ یَرْضٰی بِقَضَائِیْ وَلَمْ یَصْبِرْ عَلٰی بَلَائِیْ فَلْیَطْلُبْ رَبًّا سِوَائِیْ

ایک سوال کرنے والے نے مجھ سے یہ سوال کیا کہ حدیث "کفر پر رضامندی کفر ہے" اور "جو شخص میری قضا پر راضی نہ ہو اور میری نازل کردہ بلا پر صبر نہ کرے اُسے چاہیے کہ میرے سوا کوئی اور خدا تلاش

ہر کجا باشد شہِ مارا بساط
جہاں ہمارے شاہ (محبوب) کا ڈیرہ ہو

ہست صحرا گر بود سَمّ الخیاط
وہیں ہماری جنت ہے چاہے سوئی کے سوراخ کی طرح ہو

کرے"۔ اِن دونوں حدیثوں میں تعارض ہے۔ ظاہر ہے کہ کفر بھی خدا کی قضاء ہے۔ اِس پر راضی کیسے رہا جائے؟ سمجھنا چاہیے قضاءِ کفر جو اللہ کا فعل ہے اِس پر رضا ضروری ہے اور یہ عین ایمان ہے لیکن کفر قضاء کا فعل ہے اور مخلوق ہے۔ اِس سے محبت کرنا کفر ہے۔ کفر و نفاق بھی اللہ کی قضاء ہے' ہاں اگر میں اس پر راضی ہو جاؤں تو گمراہی ہے۔ کفر قضائے خداوندی کا اثر ہے جو انسان کے کسب سے انسان میں ظاہر ہوتا ہے۔ سمجھ لو کہ قضاءِ کفر' کفر نہیں ہے لیکن قضاءِ کفر پر رضا' کفر پر رضا نہیں ہے۔ کفر بُری چیز ہے' اُس پر رضا مندی بھی کفر ہے لیکن قضاءِ کفر اور خلق کفر اللہ کے اعتبار سے صفتِ کمال ہے۔ اُس صفت پر راضی ہونا کفر نہیں ہے بلکہ عین ایمان ہے جیسا کہ ایک اعلیٰ مصور بھیانک تصویر بھی اِسی مہارت سے بنا سکتا ہے جیسی خوبصورت تصویر۔ لیکن علمِ کلام کی بحثیں ذوقِ عشق کے منافی ہوتی ہیں۔ علمِ کلام کی نکتہ آفرینیاں علماء عموماً اپنے علمی کمال کو ظاہر کرنے کے لئے کرتے رہتے ہیں۔ اہلِ عشق اُن سے الگ رہتے ہیں۔ اس بیان میں ایک مثال سُن لو۔

مثال کہ حیرت، بحث و فکر سے مانع ہے

ایک کھچڑی بالوں والا آدمی نائی کے پاس آیا کہ میں نے نئی شادی کی ہے' میری داڑھی میں سے سفید بال نکال دے۔ نائی نے اُس کی ساری داڑھی مونڈ دی اور اُس کے سامنے رکھ دی کہ لے خود ہی چُن لے۔ میں اپنا اور کام کرتا ہوں۔ اے نیک انسان! دین دار شخص اِس قسم کی اُلجھاؤ پیدا کرنے والی باتوں کو دھیان میں نہیں لاتا۔ صاحبِ عشق تو اپنی لگن میں لگا رہتا ہے۔ فضول بحثوں کے لئے اُس کے پاس وقت ہی نہیں ہوتا۔ جو لوگ دین سے اور عشق سے خالی ہوتے ہیں وہ لایعنی بحثوں میں پڑتے ہیں۔ دردمند لوگ تو اللہ کے احکام بجالاتے رہتے ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم چونکہ دردِ حق میں مبتلا رہتے تھے اِسی لئے انہیں قرآن حفظ کرنے کا وقت ہی نہیں ملتا تھا۔ صحابہ میں حافظِ قرآن بہت کم تھے۔ ایک ایک آیت کے معانی میں تفکر کے اندر اُن کا سارا وقت گزر جاتا۔ مشہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے صرف چار حافظ تھے۔ (۱) ابی بن کعب رضی اللہ عنہ' (۲) معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ (۳) زید بن ثابت رضی اللہ عنہ (۴) ابوزید رضی اللہ عنہ۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مغز اور معانی قرآن سے پُر تھے۔ اُن کے لئے الفاظ کی زیادہ اہمیت نہیں تھی۔ جب کوئی پھل پک جاتا ہے تو اُس میں مغز بھر جاتا ہے اور چھلکا گھٹ جاتا ہے اور رقیق ہو کر پھٹنے لگتا ہے۔ محبوب و محبّ دو جُداگانہ چیزیں ہوتی ہیں۔ جب تک اُن میں دوئی رہتی ہے وصلِ حقیقی حاصل نہیں ہو سکتا۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فنایت کا درجہ حاصل ہو گیا اور دوئی ختم ہو گئی۔ ایسی حالت میں

ہر کُجا کہ یُوسفے باشد چو ماہ	جنّت ست آں ار چہ باشد قعرِ چاہ
ہر وہ جگہ جہاں چاند جیسا یوسف ہو	وہ جنّت ہے' چاہے وہ گہرا کنواں ہی ہو

ذاتِ باری کی تجلی اوصافِ بشریت کو ختم کر دیتی ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں وحیء الٰہی نے فنائیت پیدا کر دی تھی۔ لہٰذا مُشاہدۂ حق اور اشغال بالعمل، حفظِ قرآن کا موقع ہی نہیں دیتا تھا۔ قرآن کے اَسرار اور گہرے معنیٰ کو سمجھتے ہوئے الفاظ کو یاد کر لینا بہت ہی بڑے انسان کا کام ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مُشاہدۂ حق سے جو مَستی حاصل تھی اُس کے ہوتے ہوئے حفظِ قرآن کے آداب کا پابند ہو جانا ہر انسان سے ممکن نہیں ہے۔ مُشاہدۂ حق کی مَستی اِستغناء پیدا کر دیتی ہے۔ اِس کے ہوتے ہوئے نیازمندی کی نگہداشت دو متضاد چیزوں کو جمع کرنا ہے۔ مقامِ حیرت میں پہنچ کر امتیاز باقی رکھنا ناممکن ہے۔ تحیرِ محمود کے مقام پر عبد و معبود کا فرق قائم رکھنا یہ صرف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی کر سکتے تھے۔ قرآن کے معانی اور اَسرار و حِکم کو جانے بغیر الفاظ کو رٹ لینا اور اُن ہی سے عشق کرنا ایسا ہی ہے جیسے کہ اندھے کو لاٹھی سے عشق ہوتا ہے۔

ایسے حافظِ قرآن کی مثال اُس صندوق کی سی ہے جس میں قرآن محفوظ کر دیا جائے۔ نہ صندوق کو اُس کے اَسرار و معانی کا علم ہے اور نہ ہی اُس حافظِ قرآن کو۔ کہنے والے نے کہا کہ جو لوگ قرآن کے اَسرار اور معانی سے بے بہرہ ہیں وہ صرف الفاظ رٹتے ہیں۔ وہ آیتوں کے پُر شدہ صندوق ہیں لیکن جو لوگ محض قرآن کے لفظوں کے حافظ ہیں وہ بھی اُن سے بہتر ہیں، جو الفاظ سے بھی محروم ہیں۔ وہ لوگ جن کے سینے قرآن کے الفاظ سے بھی خالی ہیں اُن لوگوں سے بہتر ہیں جن کے سینے خیالاتِ فاسدہ اور باطل عقائد سے بھرے ہوئے ہیں۔ غرض کہ جو لوگ واصل بحق ہیں اُن کو کسی رہنما کی ضرورت نہیں ہے۔ جب مقصود حاصل ہو جائے تو اُس کا اتہ پتہ معلوم کرنا لغو بات ہے۔ جو شخص بالاخانے پر پہنچ گیا اُس کے لئے سیڑھی کو تلاش کرنا بے کار ہے۔ اب واصل بحق اگر اللہ سے قرب کے وسائل اور ذرائع کا ذکر کرے تو دوسروں کی تعلیم کے لئے کرے۔ جب محبوب تک رسائی ہو جائے تو قاصد اور نامہ و پیغام کی جستجو بیکار بات ہے۔

ایک عاشق کا اپنے معشُوق کے سامنے عِشق نامہ پڑھنا اور معشُوق کا اُس کو ناپسند کرنا

معشوق کے پاس بیٹھ کر اُس کے لئے لکھے ہوئے خطوط پڑھنا معشوق کی ناگواری کا سبب ہوتا ہے۔ عاشق نے معشوق کو خط لکھا اور پھر اُسی کو معشوق کے سامنے پڑھنا شروع کر دیا۔ معشوق نے سارا مضمون سُن کر کہا کہ اگر یہ خط میرے نام تھا تو وصل کی حالت میں اس کا پڑھنا عُمر کو ضائع کرنا ہے۔ عاشق تو محوِ دیدار ہو کر سب کچھ بھول جاتا ہے۔

تو حالِ دِلم پُرسی مَن از رُخِ تو حیراں
خواہم کہ سُخن گویم آواز بروں ناید

چُوں خدا خواہد کہ پردہ کس دَرَد
جب خُدا چاہتا ہے کہ کسی کی پردہ دری کرے

میلش اندر طعنۂ پاکاں بَرَد
اُس کا میلان پاک لوگوں پر طعنہ زنی کیطرف کر دیتا ہے

''تُو میرے دل کا حال پوچھتا ہے اور میں تیرے رُخ کی تجلّی سے حیران ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ کچھ بولوں لیکن آواز نہیں نکال سکتا''۔

عاشق نے معشوق سے کہا: تُو حاضر تو ہے لیکن تیرا شباب ڈھل گیا ہے۔ اب پہلے جیسا لُطفِ محبت حاصل نہیں ہو رہا۔ معشوق نے جواب دیا کہ تُو میری ذات کی ایک حالت پر عاشق ہوا ہے اور احوال میں تو تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں یعنی میری پوری ذات تیری معشوق نہیں ہے بلکہ میری ذات تیرے معشوق کا ایک جزو ہے۔ میں تیرا معشوق نہیں تھا بلکہ وہ جوانی معشوق تھی جو میری ذات میں موجود تھی لہٰذا میں صندوق تھا اور جوانی اُس کے اندر والی نقدی کی طرح تھی اور عشق صندوق سے نہیں تھا بلکہ نقدی سے تھا۔ اے دوست! عارضی حُسن معشوق بنانے کے لائق نہیں ہوتا۔ عشق اُسی ذات کے ساتھ ہونا چاہیے جو لازوال ہے۔ انسان کی ابتداء بھی وہی ہے اور منتہیٰ بھی وہی ہے۔ قرآن میں ہے ''اللہ ہی شروع میں پیدا کرتا ہے۔ پھر وہی دوبارہ پیدا کرے گا پھر تم اُس کے پاس لوٹ کر جاؤ گے''۔ اللہ کے وصل کے بعد پھر کسی اور معشوق کا منتظر نہ بن کیونکہ ''وہی ظاہر ہے اور وہی باطن ہے''۔ هُوَ الظَّاهِرُ وَهُوَ الْبَاطِنُ۔

عاشقِ خدا ہر قسم کے احوال پر حاکم ہوتا ہے۔ زمانہ اور احوال اُس کے محکوم ہو جاتے ہیں۔ وہ اپنی توجہ سے جسموں کو رُوح بنا دیتا ہے۔ حال وہ کیفیت ہوتی ہے جو قلب پر بغیر کسی تکلّف اور کوشش کے محض خداوندی عنایت سے وارد ہوتی ہے جیسے قبض وبسط اور ذوق وشوق وغیرہ اور یہ کیفیت کسی نفسانی صفت کے ظہور کے وقت زائل ہو جاتی ہے لیکن جس کو عشقِ الٰہی میں فنا کا درجہ حاصل ہو جائے وہ اُن احوال کا محکوم نہیں رہتا۔ جو شخص احوال کا تابع ہے وہ کامل نہیں ہے۔ فنا کے درجہ پر پہنچ کر سالک کی یہ حالت ہو جاتی ہے کہ جس حال کی اُس کو خواہش ہو وہ پیدا ہو جاتا ہے اور چاہے تو موت جیسی تلخ چیز بھی شیریں بن جاتی ہے یعنی وہ صاحبِ تصرّفات ہوتا ہے۔ جو احوال کا محکوم ہوتا ہے اُس میں قویٰ بشری کا غلبہ رہتا ہے اور اُس کو کبھی عروج اور کبھی نزول کی کیفیتوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔

ابن الوقت وہ صوفی ہوتا ہے جو احوال وتجلیات پر قابو نہ رکھ سکے۔ ایسے صوفی سے اِضطرارً خوارق اور کرامات کا ظہور ہو جاتا ہے۔ ابوالوقت وہ صوفی ہوتا ہے جو صاحبِ مقام ہوتا ہے اور اُس کو احوال پر پورا قابو ہوتا ہے اور اُس کو رُوح اور نفس پر پوری قدرت حاصل ہوتی ہے۔ اُس سے اکثر کرامات کا ظہور نہیں ہوتا کیونکہ وہ ان باتوں کو اللہ کی سُنّت کے خلاف سمجھتا ہے۔ جو چیز متغیر ہو جانے والی ہو وہ معشوق اور معبود بنانے کے قابل نہیں ہوتی جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا تھا: لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ''میں اِن زوال پذیر چیزوں کو پسند نہیں کرتا''۔ جن چیزوں کا حُسن اور کمال زوال پذیر ہو اُن

ور خدا خواہد کہ پوشد عیب کس
اور اگر خُدا چاہتا ہے کہ کسی کی عیب پوشی کرے

کم زند در عیب معیوباں نفس
تو عیب داروں کے عیب بھی نہیں بیان کرتا

کو صفاتِ باری کا صرف مظہر سمجھو انہیں حقیقی محبوب نہ بناؤ۔ انسان کی اپنی ذات کی اچھائی یا بُرائی طلب میں رکاوٹ نہیں بنی چاہیے۔ اُس کو ہر وقت عشق اور معشوقِ حقیقی کو پیشِ نظر رکھ کر مسلسل جدّ وجہد کرتے رہنا چاہیے اور بالکل نا اُمید نہیں ہونا چاہیے۔

تو مگو مارا بداں شہ بار نیست
بر کریماں کارہا دُشوار نیست

''تو یہ نہ کہہ کہ میں شاہ کو نہیں پا سکتا کیونکہ کرم کرنے والوں پر ایسا کرم کرنا مشکل نہیں ہوتا''۔

اگر کوئی طالب نکما یا کمزور ہے تو اُسے گھبرانا نہیں چاہیے کوشش کرتے رہنا چاہیے۔ طلب کو صادق رکھنا چاہیے۔ اُس کی کمزوری ہی مطلوب تک رہنما بن جائے گی۔ طلب کا اضطراب اور بے قراری لامحالہ مطلوب تک پہنچا دیتی ہے۔ دراصل طلب اور جستجو کامیابی کی اصل ضامن ہیں۔ اگر اپنے میں طلب کا جذبہ موجود نہیں ہے تو طلبگاروں کے ساتھ لگ جانا چاہیے' تو بھی مقصود حاصل ہو جائے گا۔ نیکوں کی صحبت تاثیر سے خالی نہیں ہوتی۔ اگر کوئی ضعیف یا کمزور طالبِ حق ہے تو اُس کو حقیر نہ سمجھو۔ اگر کسی بزرگ کی صحبت سے کچھ حاصل ہو جائے تو صرف اِستعداد پیدا ہوگی۔ اگر طلب اور جستجو ہی ختم کر دی تو وہ اِستعداد بھی ضائع ہو جائے گی۔ انسان کا یہ خیال بالکل غلط ہے کہ بلا محنت اور مُشقت کے کچھ حاصل ہو سکے گا۔ جو شخص محبوب کی طلب میں دوڑتا ہے وہ ضرور آخر کار اُسے پالیتا ہے۔

وہ شخص جو حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانے میں دن رات عاجزی سے دُعا کرتا "اے اللہ! مجھے کمائی کی تکلیف کے بغیر روزی عنایت فرما"

حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانے میں ایک طالب نہایت عاجزی اور زاری سے جگہ جگہ یہی دُعا کرتا تھا کہ اُسے بغیر محنت کے مال مل جائے۔ میں جس اہلیت کا ہوں مجھ سے وہی کام لے' مجھ پر روزی کمانے کی تکلیف نہ ڈال۔ جب تُو نے مجھے کاہل پیدا کیا ہے تو رزق بھی مجھے کاہلی کے راستے سے ہی عطا فرما۔ جس طرح زمین کاہل ہے اور تُو اسے غذا ابر بھیج کر پہنچاتا ہے۔ بچہ میں محنت کی صلاحیت نہیں ہوتی تو ماں کے ذریعے اُس کو رزق پہنچاتا ہے۔ مجھ میں بھی محض طلب ہے اور کوئی ذریعہ اختیار کرنے کی طاقت نہیں ہے۔ ان باتوں پر لوگ ہنستے کہ یہ بے وقوف کیا کہتا ہے۔ اللہ نے ہر ایک کو ایک پیشہ اور طلب دی ہے اور کمائی' تکلیف اور محنت کے راستے سے ہی آتی ہے۔ اللہ کے نبی داؤد علیہ السلام نے بھی زِرہ بنانے کا پیشہ اختیار کیا ہے۔ وہ خدا کے دوست ہیں۔ اُن کے منہ سے زبور سُن کر انسان کیا پہاڑ اور

چُوں بسے ابلیس آدم رُوئے ہست
چونکہ بہت سے شیطان بھی انسانی چہرے والے ہیں

پس بہر دستے نشاید داد دست
اس لیے ہر ہاتھ میں ہاتھ نہ پکڑانا چاہیے

جنگلی جانور بھی وجد میں آجاتے تھے اور ایک دوسرے سے بے خبر ہو جاتے تھے۔ اِن تمام عزتوں کے باوجود بھی وہ اپنی روزی محنت کر کے کماتے ہیں۔ اُس شخص کے اچانک خزانہ مل جانے کی تمنا تو ایسی ہی ہے جیسے کہ کوئی سیڑھی کے بغیر آسمان پر چڑھ جانے کی تمنا کرے۔

اللہ عاجزی سے دُعائیں کرنے والوں کو بہت پسند فرماتا ہے۔ آخر ایک دن اچانک اُس دُعا کرنے والے کے گھر میں ایک گائے گھس آئی کیونکہ دُعا کی قبولیت کا موقع ہے' اِس لئے' اے الٰہی! جس طرح پیٹ میں بچہ چُھپا ہوتا ہے اسی طرح باطن میں خدا کی جانب سے کاموں کی تکمیل کا تقاضا چُھپا ہوتا ہے۔ میرے دل میں بھی مثنوی کے اِتمام کے لئے معانی اور قوافی کا تقاضا چُھپا ہوا ہے۔ تیری مدد کے بغیر زمانے کی کیا طاقت ہے کہ کسی سے شعر کہلوا سکے۔ تمام غیر ذی رُوح چیزیں فرمانِ الٰہی کے تابع ہیں۔ دُنیا کی ہر چیز اللہ کی تسبیح کرتی ہے لیکن ہر ایک کی تسبیح کرنے کا طریقہ جُداگانہ ہے۔ انسان جمادات کی تسبیح کو نہیں سمجھ پاتا اِس لئے اُس کی تسبیح خوانی کا انکار کر دیتا ہے۔ ہر فرقہ اپنے جس اعتقاد کے مطابق اللہ کی تسبیح کرتا ہے۔ دوسرے لوگ اِس سے ناواقف ہوتے ہیں۔ اگر دو انسان باہمی ایک دوسرے کی تسبیح کو نہیں سمجھتے ہیں تو جمادات کی تسبیح کو کیسے سمجھ سکتے ہیں۔

سُنّی فرقہ اپنے اعتقاد کے مطابق اللہ کی پاکی بیان کرتا ہے اور جبری فرقہ اپنے اعتقاد کے مطابق بیان کرتا ہے اور وہ ایک دوسرے کی تسبیح کو نہیں سمجھتے۔ جبری کہتے ہیں کہ سُنّی گمراہ ہیں۔ جہاں قرآن میں انسان کو قُم کا حکم ہوا ہے جس کے معنیٰ ہیں ''کھڑے ہو جاؤ'' تو یہ اِس بات کی دلیل ہے کہ یہ فعلِ انسانی' انسان کی قدرت میں ہے' ورنہ اُس کو یہ حکم نہ دیا جاتا۔ یہ دلیل جبری عقیدے کے خلاف ہے لیکن جبری اِس دلیل سے بے خبر ہے۔ دراصل اَزل میں یہ اختلافات مقدر کر دیئے گئے ہیں تاکہ حق و باطل کا فیصلہ ہو سکے۔ قہر کو مِہر سے ہر شخص جدا سمجھتا ہے لیکن مِہر میں جو قہر پوشیدہ ہو اور وہ قہر جو مِہر کے اندر ہو اُس کو سوائے باخدا انسان کے کوئی نہیں جانتا' جس کے دل میں رُوح کی کسوٹی ہو۔ باپ کا بچے پر تعلیم کے لئے سختی کرنا قہر میں مِہر ہے اور اللہ کا کافروں کو دنیاوی نعمتوں میں فراخی دینا مِہر میں قہر ہے۔

اِن باتوں کو صرف خاصانِ خدا ہی سمجھتے ہیں۔ عام لوگ مِہر میں پوشیدہ قہر اور قہر میں پوشیدہ مِہر کے بارے میں مشکوک ہوتے ہیں لیکن حقائق تک پہنچنے کے لئے یقین کی پرواز مکمل ہے نہ کہ ظن اور شک کی۔ شک و گمان' حقیقت تک پہنچنے کے لئے گرتا پڑتا چلتا ہے لیکن جب انسان مرتبۂ یقین پر پہنچ جاتا ہے تو پھر اُس کی رُوحانی پرواز سیدھی اور سچی ہوتی ہے اور انسان ٹھوکروں سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ انسان کو جب یقین کی وجہ سے علم کا اعلیٰ مرتبہ حاصل ہو جاتا ہے تو لوگوں کی

حرفِ دُرویشاں بُدزدد مردِ دُوں
کمینہ آدمی فقراء کے چند کلمات چرا لیتا ہے

تا بخواند بر سلیمے زاں فسُوں
تاکہ کسی بھولے بھالے پر وہ منتر پڑھ سکے

مدح اور قدح سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ وہ حاسدوں اور خوشامدیوں کی باتوں سے قطعاً متاثر نہیں ہوتا۔ وہ بہرحال مطمئن رہتا ہے۔ کانوں کے ہلکے لوگ ہی لوگوں کی مدح اور قدح سے متاثر ہوتے ہیں۔

وہم اور خیال کی وجہ سے مکار بچوں کے اُستاد کا بیمار پڑنا

ایک مکتب کے بچے اُستاد کی طرف سے زیادہ محنت کی وجہ سے تنگ ہو گئے۔ اُنہوں نے مشورہ کیا کہ اُستاد کو کسی پریشانی میں مبتلا کیا جائے۔ وہ کہہ رہے تھے کہ اُستاد کو کوئی بیماری نہیں لگتی تاکہ ہم چند روز کام کی دشواری سے چھوٹ جائیں۔ ایک ذہین نے کہا کہ وہ اُستاد سے کہے گا کہ آپ کا رنگ زرد کیوں ہو رہا ہے؟ کہیں آپ کو بخار تو نہیں ہے؟۔ اس سے اُستاد کے دل میں کچھ وہم پیدا ہوگا' پھر دوسرا بچہ یہی کہے گا۔ اُستاد کو بیماری کا خیال اور بڑھے گا۔ اِسی طرح مسلسل سننے سے اُستاد کو اپنی بیماری کا یقین ہو جائے گا۔ سب ساتھیوں نے ذہین بچے کی تعریف کی اور سب نے وعدہ کیا کہ کوئی بات بدلی نہیں کرے گا۔ انسانوں کی عقلوں میں ایسا ہی فرق ہے جیسا معشوقوں کی صورتوں میں۔ آنحضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ انسان کی خوبی اُس کی زبان میں چھپی ہوئی ہے۔ لوگوں میں عقلوں کا فرق ہوتا ہے۔ عقلیں تجربہ کار لوگوں کی رائے سے بڑھ جاتی ہیں اور بعض اوقات بچے وہ خیال ظاہر کر دیتے ہیں کہ بوڑھے کبھی سوچ بھی نہیں سکتے۔ عقل کی وہ زیادتی جو فطری ہے وہ اِس سے بہتر ہے جو کوشش اور تعلیم کی وجہ سے حاصل ہو۔

صبح ہوئی تو ذہین بچہ آگے آیا۔ اُس نے اُستاد کو سلام کیا اور بولا: خدا خیر کرے آپ کے چہرے کی رنگت پیلی ہے۔ اُستاد نے کہا: مجھے کوئی تکلیف نہیں ہے' جاؤ! بیٹھ جاؤ۔ اُستاد نے انکار کر دیا لیکن کچھ وہم اُس کے دل میں بیٹھ گیا۔ دوسرا لڑکا اندر آیا' اُس نے بھی وہی کہا تو وہم تھوڑا سا اور بڑھ گیا۔ اِسی طرح سُنتے سُنتے اُستاد حیرانی میں پڑ گیا۔ بالکل اِسی طرح لوگوں کے سجدوں نے فرعون کے دل کو بیمار کر دیا اور وہ خدائی کے دعوے پر دلیر ہو گیا۔ وہم و گمان ناقص عقل کے لئے مصیبت ہوتے ہیں۔ زمین پر دو گز چوڑا راستہ ہو تو انسان اِس پر آسانی سے بھاگ سکتا ہے لیکن اگر اونچائی پر دو گز راستہ ہو تو اُسے وہم ہوتا ہے کہ گر پڑے گا۔ ایسے ہی وہم نے اُستاد کو ڈرا دیا۔ وہ گھر آیا اور بیوی سے لڑنے لگا کہ تُو نے مجھے آگاہ نہیں کیا؟ بیوی نے پوچھا: آپ اتنی جلدی کیوں آ گئے؟ اُستاد نے کہا: کیا تُو اندھی ہے؟ میری رنگت اور حالت دیکھ کر بچے غیر ہو کر میرے لئے رو رہے ہیں اور تمہیں خیال ہی نہیں ہے۔ مجھے جلدی سے بستر بچھا دے۔ بیوی نے بستر بچھا دیا لیکن اُس کے غلط وہم نے اُسے پریشان کر دیا کہ اگر میں کچھ کہوں گی تو وہ ناراض ہو جائے گا کہ مجھے گھر سے نکالنا

حرفِ درویشاں بسے آموختند
بہت سے لوگوں نے درویشوں کے چند حرف سیکھ لئے ہیں

منبر و محفل بداں افروختند
اور اُن سے اپنے منبر اور محفل کی رونق بڑھائی ہے

چاہتی ہے۔

بچے آہستہ سے وہاں بیٹھ گئے اور خاموشی سے سبق پڑھنے لگے کیونکہ اُستاد نے چھٹی نہیں دی تھی۔ ذہین بچے نے کہا: دوستو! سبق بلند آواز سے پڑھو۔ اُستاد کا سر اونچی آواز سے درد کرنے لگا۔ اُس نے بچوں کو چھٹی دے دی۔ ماؤں نے بچوں سے گھر واپس آنے کی وجہ پوچھی تو اُنہوں نے اُستاد کی بیماری کے بارے میں بتایا۔ ماؤں نے کہا: خود جا کر معلوم کریں گی کہ یہ مکر ہے یا حقیقت۔ صبح سب مائیں اُستاد کے پاس پہنچیں۔ اُستاد بولا: مجھے خود اپنی بیماری کے بارے میں پتہ نہیں تھا۔ مجھے بچوں نے بتایا ہے ورنہ زیادہ مصروف رہنے کی وجہ سے مجھے اپنی بیماری کا پتہ ہی نہیں تھا۔ اگر انسان پورا کسی خیال میں مصروف ہو تو وہ اپنی تکلیف سے بھی بے خبر ہو جاتا ہے۔ مصر کی عورتوں نے اپنی ذہنی مصروفیات ہی کی وجہ سے ترنج کی بجائے اپنے ہاتھ کاٹ لئے اور انہیں پتہ بھی نہ چلا۔

جسم، رُوح کے لباس کی طرح ہے، ہاتھ، رُوح کے ہاتھ کی آستین اور پاؤں رُوح کے موزے ہیں

جان لو کہ ہمارا جسم لباس کی مانند ہے۔ تُو پہننے والے کو تلاش کر لے۔ تمہاری رُوح ذاتِ باری سے متعلق ہے۔ خواب میں تُو جو ہاتھ پاؤں دیکھتا ہے وہ اِس مادی جسم کے نہیں ہوتے یعنی تُو اپنے ظاہری بدن کے علاوہ بھی ایک باطنی بدن رکھتا ہے۔ تُو جان کے اِس ظاہری جسم میں سے نکل جانے سے نہ ڈر۔ رُوح کے جسم سے نکلنے کے بعد بھی ایک زندگی ہے اور اُس کی پرواز بہت بلند ہے۔

ایک دَرویش کا پہاڑی میں خلوت نشین ہونا لوگوں سے جُدائی اور اُس کی شیرینی کا بیان اور اِس فضیلت میں داخل ہونا کہ مَیں اُس کا ہم نشین ہُوں جو مجھے یاد کرے

جسمِ عنصری کے کسی حصّے کے الگ ہو جانے سے رُوح میں نقصان نہیں آتا ہے۔ ایک قِصّہ سُن لے۔ ایک پہاڑ میں ایک درویش مقیم تھا اور تنہائی میں زندگی گزارتا تھا۔ حدیث شریف میں ہے کہ ہر شخص کے لئے وہ کام آسان ہے جس کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے۔ اُس درویش کو لوگوں میں رہنے کی بجائے تنہائی میں رہنا پسند تھا۔ ہمارے ہاتھ پاؤں بھی کسی کام میں تب ہی حرکت کرتے ہیں کہ اگر اُس کام کی دلی خواہش پیدا ہو۔ اِسی طرح عالمِ بالا کی طرف میلان سعادت کی علامت ہے اور نیک کاموں کے صادر ہونے کا سبب بنتا ہے۔ دنیاوی کاموں کی طرف میلان تباہی کا سبب ہے۔ عقل مند وہ ہے جو تباہی سے پہلے تباہی کے اسباب کی اِصلاح کر لے۔ جاہل تباہی کے بعد روتا ہے جو بے سود ہوتا

یا بجُز آں حرف شاں روزی نبُود　　یا در آخر رحمت آمد رَہ نمُود

یہ نقالی کبھی ہمیشہ نقال نہیں رہتی ہے　　یہ کبھی اللہ کی رحمت سے راہ بھی دکھا دیتی ہے

ہے۔ دنیاوی زندگی میں اگر آخرت کی رُسوائیوں سے نجات حاصل کر لے گا تو حشر میں ندامت سے بچ جائے گا۔

ایک صاحب ایک سُنار کے پاس آئے کہ ترازو دے دو میں نے سونا تولنا ہے۔ اُس نے جواب میں کہا: جاؤ میرے پاس چھلنی نہیں ہے۔ اُس شخص نے کہا: مذاق مت کرو میں نے کانٹا مانگا ہے تم چھلنی کی بات کر رہے ہو' کیا تم بہرے ہو؟ سُنار بولا: میں ٹھیک بات کر رہا ہوں بہرہ نہیں ہوں' میرے پاس جھاڑو نہیں ہے۔ شخص کہنے لگا: میں تجھ سے سونا تولنے کے لئے کانٹا مانگ رہا ہوں اور تم چھلنی اور جھاڑو کی بات کر رہے ہو۔ اگر یہ مذاق نہیں ہے تو کیا ہے؟ سُنار بولا: میں مذاق نہیں کر رہا' حقیقت بیان کر رہا ہوں۔ تم ایک بوڑھے آدمی ہو تمہارے ہاتھ لرزتے ہیں۔ سونے کی کترنیں تولتے وقت زمین پر گریں گی' تو اُن کو سورنے کے لئے جھاڑو مانگے گا۔ پھر اس میں مٹی مل جائے گی جسے تُو علیحدہ کرنے کے لئے چھلنی مانگے گا۔ میں پہلے ہی ساری باتیں سمجھ گیا ہوں اور تیرے معاملے کا انجام مجھے نظر آ گیا ہے۔ میں نے اُس کو مدِ نظر رکھتے ہوئے جوابات دیئے ہیں۔ جو ابتداءِ کار کو دیکھے اور انجام پر نظر نہ رکھے وہ اندھا ہوتا ہے۔ چونکہ زندگی کا مدار آخرت پر ہے اور بادشاہی کا انجام بھی اس دُنیا سے خالی ہاتھ جانا ہے تو درویشی بادشاہی سے بہتر ہوئی۔

پہاڑ پر رہنے والے درویش نے عہد کیا تھا کہ وہ کوئی پہاڑی میوہ توڑ کر نہیں کھائے گا۔ صرف نیچے گرے ہوئے ہی کھائے گا۔ ایک زمانے تک وہ اپنے اس عہد پر قائم رہا لیکن اللہ کی طرف سے آزمائش کا وقت آ پہنچا۔ اِس لئے عہد کرتے وقت ہمیشہ انشاء اللہ کہہ لیا کرو تاکہ آزمائش سے بچے رہو۔ اللہ نے فرمایا ہے: میں دل میں خواہش پیدا کر کے تمہیں آزماتا ہوں۔ پرندہ جال کو دیکھتا ہے لیکن پھر بھی جانتے بوجھتے لالچ میں جال میں پھنس جاتا ہے۔ قضاءِ خداوندی پوشیدہ ہے اور صرف اُس کا اثر ہی ہمیں اُس سے واقف کراتا ہے۔ اِسی طرح عشق کا معاملہ ہے۔ ایک امیر زادہ ایک معشوقہ کے عشق میں مبتلا ہو گیا اور اُس کے لئے اپنی ساری جائیداد کو تباہ کر دیا۔ خاندان میں اور باہر ہر جگہ ذلیل ہو گیا لیکن پھر بھی معشوقہ کے حصول کے لئے ہر خاص و عام سے دُعا کا طالب ہوتا تھا۔ اُس کے ہاتھوں میں یا پاؤں میں کوئی بیڑیاں نظر نہیں آتیں۔ اُس چُھپے ہوئے بند کو آنحضور ﷺ اور اولیاء رحمۃ اللہ علیہم دیکھ سکتے ہیں۔ ابولہب کی بیوی کی گردن کی رسی آنحضور ﷺ کو نظر آ رہی تھی۔ اِن چیزوں کا دیدار اُس وقت ہوتا ہے جب انسان دنیوی حواس ختم کر کے خود فراموشی کے مقام پر پہنچ جائے۔ اللہ اُن کو نورِ بصیرت عطا فرما دیتا ہے اور وہ سب چُھپی ہوئی علامتیں دیکھ لیتے ہیں۔ اس درویش کے قصے کی طرف واپس چلیں۔

ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ پانچ دن تک کوئی پھل زمین پر نہ گرا۔ وہ بھوک سے بے تاب ہو گیا اور اُس میں صبر کی طاقت

ملتِ عشق از ہمہ ملت جُداست
عِشق والوں کا مذہب سب مذہبوں سے جُدا ہے

عاشقاں را مذہب و ملت خُداست
عاشقوں کا مذہب صرف اللہ کا قُرب حاصل کرنا ہے

نہ رہی۔ اُس نے درخت سے پھل توڑ کر کھا لیا۔ لیکن اُسے اپنی عہد شکنی کا جلد ہی احساس ہو گیا۔ ہر عہد کی وفا ضروری ہوتی ہے لیکن ایسا بھی خداوندی توفیق ہی سے ہو سکتا ہے اگر عہد کو پورا کرنے کے لئے اللہ کا فضل شاملِ حال نہ ہو گا تو پھر رُسوائی ہے۔ اللہ نے فرما دیا ہے کہ اپنے عہدوں کو پورا کرو۔ اُس درویش نے جیسے ہی عہد توڑا تو وہ آفت میں پھنس گیا۔ وہاں چوروں کا ایک گروہ تھا جو چوری کر کے اسی پہاڑ میں آ کر چُھپ گیا۔ کوتوال کے آدمی جلد ہی وہاں آ پہنچے اور سب کو گرفتار کر کے باندھ لیا۔ پکڑے جانے والوں میں وہ درویش بھی تھا۔ سب کے ہاتھ اور پاؤں جدا کر دینے کا حکم صادر ہو گیا۔ اُس درویش کا ابھی ہاتھ ہی کٹا تھا کہ کسی معزز نے اُسے پہچان لیا کہ یہ تو فلاں بزرگ ہیں۔ ان کا ہاتھ کیوں کاٹ دیا۔ کوتوال کو اطلاع ہوئی تو بھاگا ہوا آیا اور معافی کا طالب ہوا۔ اُس نے کہا: مجھے معاف کر دیں مجھے علم نہیں تھا کہ آپ بے قصور ہیں۔ درویش نے کہا کہ ہاتھ کے کٹنے کا سبب میں جانتا ہوں۔ تم فکر نہ کرو۔ یہ میرا نصیبہ تھا۔ خدا کے ساتھ اُلجھنے کا کون حوصلہ کر سکتا ہے۔ لوگ اکثر اپنی شرمگاہ اور حلق کی بدبختی کی وجہ سے رُسوا ہوتے ہیں۔

بسا اوقات نیک عادت قاضی، حلق کی وجہ سے رشوت خور ہوا اور ذلیل ہوا۔ عشق کی وجہ سے حج پر گیا ہوا حاجی واپسی پر فسق و فجور میں پھنس گیا۔ اسی لئے بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اندر نماز میں سُستی دیکھی تو اپنے آپ پر ایک سال تک پانی نہ پینے کی پابندی لگا دی۔ دین کی خاطر انہوں نے یہ ادنیٰ سی بات کی جس کی وجہ سے اللہ نے اُن پر ایسا فضل کیا کہ انہیں قطب العارفین کا درجہ دے دیا۔ جب حلق کی وجہ سے اُن بزرگ کا ہاتھ کٹ گیا تو انہوں نے بھی شکوہ نہ کیا۔ ایسے محبوب لوگوں کے لئے ایک دروازہ بند ہوتا ہے تو دس کھول دیئے جاتے ہیں۔ لوگوں میں اُن کا نام ٹنڈا شیخ مشہور ہو گیا۔ ویسے اُن کا اصل نام ابوالخیر تیناتی رحمۃ اللہ علیہ تھا۔ تنہائی میں ایک شخص نے انہیں دیکھا کہ وہ دونوں ہاتھوں سے اپنی جھولی بُن رہے ہیں۔ اُنہوں نے کہا: اے میری جان کے دشمن! تُو کہاں منہ اُٹھائے میری جھونپڑی میں گھس آیا؟ اب جب تک میں مر نہ جاؤں یہ راز پوشیدہ رکھنا لیکن اس بات کا ہر جگہ چرچا ہو گیا۔

اُنہوں نے عرض کیا: یاالٰہی! تُو ہی حکمتوں کو جانتا ہے۔ میں نے اس بات کو ہزار چُھپانا چاہا لیکن تُو نے ظاہر کر دیا۔ اللہ نے اُن کو الہام میں فرمایا کہ ہم نے یہ پسند نہ کیا کہ ہمارے بندے تم سے بدگمان رہیں کہ تم چور ہو۔ ضرورت کے وقت کٹا ہوا ہاتھ دُرست کرنا تمہاری تسلی کے لئے نہیں ہے۔ تمہیں تو پہلے ہی ہماری ذات سے تسلی اور اطمینان ہے۔ ایسا اس لئے کیا گیا ہے کہ تم اِس مقام سے آگے بڑھ گئے ہو کہ جسمانی ہاتھ پاؤں کو اصلی سمجھو اور اُن کے فنا ہونے سے ڈرو۔ فرعون نے جادوگروں کے ہاتھ پاؤں کاٹ دینے کی دھمکی دی لیکن وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے کیونکہ اُن کا

غرقِ عشقے شو کہ غرق ست اندریں
عشق میں ڈوب جا کہ اِس میں

عشق ہائے اوّلین و آخریں
سب اگلے پچھلوں کے عشق غرق ہیں

دل ایمان سے منوّر ہو چکا تھا اور جسم کی زندگی کو عارضی سمجھتے تھے۔ وہ سمجھ چکے تھے کہ جسم کی اصل حقیقت تو رُوح ہے۔ اِس لئے وہ عارضی وجود کے فنا ہونے کے وہم سے بے خوف ہو گئے تھے۔ عالمِ خواب میں ہم اگر اپنے جسم کے ٹکڑے ہوتے ہوئے دیکھیں تو اس سے جسم کو کوئی ضرر نہیں پہنچتا۔ اِسی طرح جسمِ عنصری کے ٹکڑے ہو جانے سے اصل جسم کو کوئی نقصان نہیں ہوتا۔ آنحضور ﷺ نے ایک شخص کے اس سوال پر کہ دُنیا کیا ہے؟ فرمایا: سونے والے کا خواب ہے۔ پھر اُس نے پوچھا: دُنیا اور آخرت میں کتنا فاصلہ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: پلک جھپکنے کے برابر فاصلہ ہے اور حضور ﷺ نے فرمایا کہ لوگ نیند میں ہیں جب مریں گے تو بیدار ہو جائیں گے۔ عالمِ دُنیا اور اُس کے موجودات سب وجودِ باری کے سایہ ہیں۔

انسان حالت خواب میں دیکھتا ہے کہ وہ بیدار تھا اور اب سویا ہے تو جس طرح خواب میں خواب کو دیکھتا ہے۔ اِسی طرح اُس عالَم کی بیداری اور خواب کو سمجھو۔ خدا اِس جسم کا بنانے والا ہے' اگر وہ اس جسم کو فنا کرتا ہے تو جب چاہتا ہے پھر بنا دیتا ہے۔ اِسی لئے جن کو چشمِ بصیرت حاصل ہوتی ہے وہ دُنیا کے خطرات سے نہیں ڈرتے۔ خچر نے اونٹ سے کہا کہ سفر میں اونچے نیچے راستوں پر مَیں منہ کے بل گر جاتا ہوں لیکن تم آسانی سے گزر جاتے ہو اور نہیں گرتے اِس کی کیا وجہ ہے؟ اُس نے جواب دیا کہ میں پیش بینی سے کام لیتا ہوں اور گردن اُبھار کر دُور تک دیکھ لیتا ہوں۔ تیری نظر بالکل تھوڑے فاصلے پر ہوتی ہے انجام پر نہیں۔ اہل اللہ اور عوام کی مثال اونٹ اور خچر کی سی ہے۔ اللہ جب شکمِ مادر میں بچے کو پیدا کرتا ہے تو اُس میں غذا کے اجزاء کو جذب کرنے کی طاقت پیدا کر دیتا ہے۔ اِسی طرح رُوح میں بھی اجزاء کو جذب کرنے کی قوت عطا فرما دے گا۔ انسان جب نیند سے بیدار ہوتا ہے تو اُس کے حواس فوراً واپس لوٹ آتے ہیں۔ اِسی طرح حشر میں اجزائے بدن فوراً لوٹ آئیں گے۔

اللہ کے حکم سے بوسیدہ ہو جانے کے بعد حضرت عزیر علیہ السلام کے گدھے کے اجزاء کا جمع ہو جانا اور اُن کے سامنے اُس کا سالم گدھا بن جانا

قیامت میں انسانوں کے جسم کے اجزاء جو بوسیدہ ہو چکے تھے اس طرح جمع ہو جائیں گے جیسے کہ حضرت عزیر علیہ السلام کے گدھے کے اجزاء جمع ہو گئے تھے۔ حضرت عزیر علیہ السلام ایک مرتبہ ایک ویران سی بستی کے پاس سے گزرے تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ تو اِس کو کیسے آباد کرے گا؟ تو اللہ نے اُن پر اور اُن کے گدھے پر فوراً موت طاری کر دی۔ سو برس تک وہ مردہ حالت میں رہے تو پھر اُن کو زندہ کر دیا۔ اس عرصے میں گدھا بالکل گل سڑ چکا

علتِ عاشق ز علتہا جدا است
عاشق کی بیماری عام بیماریوں سے جُدا ہوتی ہے

عشق اُصطرلابِ اسرارِ خدا است
عشق، خُدا کے بھیدوں کا اُصطرلاب ہے

تھا۔ حضرتِ حق نے اُن کے سامنے اُس کے اجزاء کو جمع کر دیا اور وہ پھر زندہ ہو گیا تو فرمایا کہ اِس طرح میں اِس بستی کو آباد کروں گا۔ حضرتِ حق کا انسانوں کا سا ہاتھ نہیں ہے۔ انسان جب سوتا ہے تو اُس کے ہوش وحواس جاتے رہتے ہیں لیکن انسان سونے سے نہیں ڈرتا کیونکہ اُسے یقین ہے کہ بیدار ہوتے ہی وہ حواس واپس آ جائیں گے۔ اسی طرح اگر قیامت کی زندگی کا یقین ہو جائے تو انسان موت سے خوفزدہ نہیں ہو گا۔

ایک شیخ بزرگ کا اپنی اولاد کے مرنے پر گھبراہٹ کا اظہار نہ کرنا

ایک بزرگ شیخ تھے جو کہ اللہ کے بہت برگزیدہ تھے۔ آنحضور ﷺ نے فرمایا ہے: اولیاء اللہ رحمہم اللہ بھی نبوت کے کامل اتباع کی وجہ سے اُمت میں نبیوں کی طرح ہوتے ہیں۔ اُن کی بیوی نے ایک دن اُن سے کہا: آپ بہت سخت دل ہیں۔ آپ کی اولاد آپ کے سامنے موت کا شکار ہو گئی ہے اور میں اُن کی جدائی کی وجہ سے رو رو کر بے حد کمزور ہو گئی ہوں۔ حشر کے دن ہم آپ کے کرم کے اُمیدوار ہیں۔ پیغمبر ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن میں مجرموں کو روتا نہیں چھوڑوں گا۔ میری اُمت کے نیک لوگ تو ویسے ہی اپنے اعمال کی وجہ سے بخشے جائیں گے۔ میری سفارش گنہگاروں کے لئے ہو گی۔ ہاں میری سفارش سے نیک لوگوں کے مراتب ضرور بلند ہوں گے۔ اُن لوگوں کی سفارشیں کام آئیں گی۔ یہ شُبہ ہو سکتا ہے کہ شفاعت میں تو دوسرے کی ذمہ داری اپنے اُوپر لینا ہے اور یہ قرآن کی آیت: وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی یعنی ”کوئی بوجھ اُٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اُٹھائے گا“ کے خلاف ہو گا۔

حضور ﷺ نے فرمایا: یہ آیت دُرست ہے لیکن میں تو بوجھ جیسا نہیں ہوں۔ اللہ نے میرا مرتبہ بہت بلند کیا ہے لہٰذا میں دوسروں کا بوجھ اُٹھا لوں گا۔ اِسی طرح اللہ کے مقبول بندے بھی اللہ کے ہاتھ میں ایسے ہی ہیں جیسے شکاری کے ہاتھ میں کمان۔ شیخ، اللہ کی مرضی کے تابع ہوتا ہے۔ شیخ کون ہے؟ وہ نہیں، جس کے بال سفید ہو گئے ہوں بلکہ شیخ وہ ہے جو اپنی ہستی کو فنا کر چکا ہو۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بچپن ہی میں بڑے شیخ تھے۔ اگر انسان میں خودی اور غرور ہے تو خواہ اُس کے بال سفید ہوں وہ شیخ نہیں ہے۔ اگر اُس کا بال برابر بھی اپنا وصف باقی ہے تو وہ دنیادار ہے عرشی نہیں ہے۔ بیوی نے پوچھا: پھر ہم آپ سے کیا اُمید رکھیں کہ آپ ہماری سفارشیں کریں گے۔ شیخ نے فرمایا: اے بیوی! یہ نہ سمجھ کہ مجھ میں محبت اور شفقت نہیں ہے۔ ہمیں تو کافروں کی جانوں پر بھی رحم آتا ہے۔ کتوں پر بھی رحم آتا ہے کہ اُن کو کیوں پتھر مارے جاتے ہیں۔ ہم کاٹنے والے کتے کے لئے بھی دُعا کرتے ہیں کہ اللہ! اُن کی یہ بدعادت چھڑا۔ انبیاء علیہم السلام سب کے لئے

عاشقی گرزیں سر و گرزاں سرست
عاشقی خواہ اِدھر کی ہے، خواہ اُدھر کی ہے

عاقبت مارا بداں شہ رہبرست
جان لے کر اُس شاہ تک ہماری راہ نُما ہے

رحمت ہوتے ہیں۔ مخلوق کو اللہ کی طرف بلاتے ہیں اور اللہ سے اُن کے لئے توفیق کی دُعا کرتے ہیں۔ ہر انسان کے دل میں تھوڑی بہت رحمت ضروری ہوتی ہے لیکن شیخ جو اُمت کا درد مند ہوتا ہے اُس میں کُلی رحمت ہوتی ہے۔

رحمتِ کُلی دراصل اللہ تعالیٰ کی ہے لیکن شیخ نے چونکہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ سے وابستہ کر دیا ہے اِس لئے اُس کی رحمت بھی رحمتِ کُلی ہے اِس لئے چاہیے کہ انسان اپنے آپ کو کسی شیخ سے وابستہ کر دے۔ انسان جزوی رحمت کا حامل ہونے کی وجہ سے رحمتِ کُلی کو نہیں پہچانتا اور ہر کس و ناکس کو رحمتِ کُلی سمجھ بیٹھتا ہے۔ بیوی نے شیخ سے کہا: تم کو سب پر رحم آتا ہے تو پھر اپنی اولاد کے مر جانے پر تمہارے آنسو کیوں نہیں ہیں؟ کیونکہ رحم کے گواہ تو آنسو ہی ہوتے ہیں۔ عقل مند شیخ غصہ میں گرما گئے اور فرمایا: اے بوڑھی! دل کی آنکھیں مُردوں اور زندوں سب کو دیکھتی ہیں۔ میں مُردوں کو بھی مجسّم اپنی نگاہوں سے دیکھتا ہوں تو پھر غم کیسے کروں۔ رونے کی وجہ ہجر و فراق ہے۔ عام لوگوں کو مُردے خواب میں نظر آتے ہیں، مجھے بیداری میں بھی نظر آتے ہیں۔

حواس عقل کے پابند ہیں اور عقل رُوح کے تابع ہوتی ہے۔ رُوح پر جب تک دنیاوی خیالات کا غلبہ رہتا ہے وہ اِدراکات سے محروم رہتی ہے۔ جب وہ دنیاوی خیالات کے خس و خاشاک سے صاف ہو جاتی ہے تو اُس کو باطنی اِدراکات حاصل ہونے لگتے ہیں، لیکن اگر خداوندی توفیق شاملِ حال نہ ہو تو نفسانی خواہشات رکاوٹ بنی رہتی ہیں۔ انسان تباہ ہوتا ہے، خواہشات مسکراتی ہیں اور عقل روتی ہے۔ جب انسان عقل کے تابع ہوتا ہے تو محاسنِ ظاہری اُس کے محکوم بن جاتے ہیں۔ انسان کو نیند کی حالت میں خواب اِسی لئے نظر آتے ہیں کہ حواسِ ظاہری معطل ہو جاتے ہیں۔ جب عقل کا غلبہ ہو تو وہ بیداری میں بھی حواس کو معطل کر سکتی ہے اور خواب والی چیزیں بیداری میں بھی نظر آ جاتی ہیں۔

ایک نابینا شیخ کا قرآن پڑھتے وقت اللہ کے حکم سے بینا ہو جانا

ایک شخص ایک شیخ کے گھر اُن کا مہمان ہوا۔ اُس نے گھر میں قرآن کو رکھا ہوا دیکھا۔ وہ حیران ہوا کہ شیخ تو نابینا ہے اور تنہا ہے۔ یہ قرآن کیوں رکھا ہوا ہے؟ پہلے اُس نے سوچا کہ شیخ سے پوچھ لوں لیکن پھر فیصلہ کیا کہ صبر کر کے انتظار کرتا ہوں تا کہ یہ راز معلوم کر لوں کیونکہ صبر کشادگی کی چابی ہے۔ صبر کڑوا ہوتا ہے لیکن اُس کا پھل ہمیشہ میٹھا ہوتا ہے۔ حضرت لقمان علیہ السلام، حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس گئے اور دیکھا کہ وہ ہاتھوں سے فولاد کے حلقے بنا رہے تھے۔ اُنہوں نے حیرت کا اظہار کیا کہ وہ کیا بنا رہے ہیں۔ پھر سوچا کہ صبر کرتے ہیں تو خود بخود پتہ چل جائے گا کہ یہ حلقے کیوں بنائے جا رہے ہیں۔ صبر سے انسان جلد مقصد حاصل کر لیتا ہے۔ وہ خاموش رہے۔

ہر چہ گویم عشق را شرح و بیاں
میں عشق کی تشریح کا بیان جو کچھ بھی کرتا ہوں

چوں بعشق آیم خجل باشم ازاں
جب عشق میں پڑتا ہوں تو اُس سے شرمندہ ہوتا ہوں

حضرت داؤد علیہ السلام نے زرہ بنالی اور اُس کو پہنا اور پوچھا: اے جوان! لڑائی میں زخم سے بچنے کے لئے یہ لباس اچھا رہے گا؟ لقمان علیہ السلام نے فرمایا: واقعی صبر اچھا ساتھی ہے اِسی لئے سُوْرَۃُ الْعَصْرِ میں صبر جیسی کیمیا کا ذکر کیا ہے۔ یہ مصائب کو راحت میں تبدیل کر دیتا ہے۔

مہمان نے صبر کیا اور اُس کے سوال کا جواب مل گیا۔ اُس نے دیکھا کہ نابینا شیخ دیکھ کر قرآن پڑھ رہے ہیں اور ہر سطر کے نیچے دُرست انگلی رکھ رہے تھے۔ اُنہوں نے مہمان کو بتایا کہ مجھے قرآن کی تلاوت سے جان کے برابر محبت ہے۔ حدیثِ قُدسی ہے اللہ نے فرمایا: ''میں وہی کرتا ہوں جو میرا بندہ میرے بارے میں سوچتا ہے''۔ اگر اللہ کے ساتھ اچھا گمان ہوگا تو خیر حاصل ہوگی اور بُرا گمان ہوگا تو شر حاصل ہوگا۔ اللہ تعالیٰ تمہاری نیتوں کے مطابق عوض ضرور عطا فرما دیتا ہے، چاہے وہ تمہاری منشا کے مطابق نہ ہو۔ آنکھ کا مقصد دیکھنا ہوتا ہے جب وہ بغیر آنکھ کے حاصل ہو جائے تو ہمیں آنکھوں کا کیا شکوہ ہوسکتا ہے۔

بعض اولیاء رحمۃ اللہ علیہم کا بیان جو خُدائی احکام پر راضی ہیں اور اللہ سے اپنا حکم لوٹانے کی درخواست بھی نہیں کرتے

اب تک یہ سمجھایا تھا کہ بعض اولیاء رحمۃ اللہ علیہم تو ایسے ہیں کہ اگر مقصود حاصل ہو جائے تو سبب کے موجود نہ ہونے پر شکوہ نہیں کرتے لیکن کچھ بزرگ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ کسی حالت میں بھی شکوہ پسند نہیں کرتے اور اللہ کی قضا کیخلاف دُعا کو بھی حرام سمجھتے ہیں۔ ایسی حالت مغلوب الحال اولیاء رحمۃ اللہ علیہم کی ہوتی ہے ورنہ انبیاء علیہم السلام دُعائیں نہ کرتے۔ اصل کمال یہ ہے کہ ہر حال میں راضی برضا ہوتے ہوئے دُعا بھی کی جائے۔ جب کوئی ولی مصائب کو مرضیٔ خدا سمجھ کر اُس سے لذت حاصل کرتا ہے تو وہ تکلیف اُس کے لئے باعثِ راحت بن جاتی ہے۔ حضرت بہلول رحمۃ اللہ علیہ ایک بلند پایہ بزرگ تھے۔ اُنہوں نے ایک درویش سے پوچھا کہ آپ کے اَحوال کیسے ہیں؟ اُنہوں نے جواب دیا کہ جس کے ارادے کے مطابق دُنیا کے کام چل رہے ہوں اور کوئی چیز اُس کی منشا کیخلاف نہ ہو رہی ہو تو ایسے شخص کے مزاج دریافت کرنے کا کیا مطلب ہے۔ حضرت بہلول رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: ذرا تفصیل سے بتائیں کہ ایسا کیسے ہوسکتا ہے۔ یہ بات ایسے سمجھائیں کہ ہر ایک کی عقل میں آجائے۔ اچھے بیان کرنے والے کا یہ کمال ہوتا ہے کہ اُس کی تقریر سے عوام وخواص فائدہ حاصل کرتے ہیں۔ قرآن کے معانی اور مطالب سے ہر شخص اپنی فہم کے مطابق فائدہ اُٹھاتا ہے۔

دراصل قرآن کے تہ بہ تہ سات معنی ہیں۔ ان سب تہوں میں عوام وخواص کے لئے اپنی سمجھ کے مطابق غذا موجود

عقل در شرحش چو خر در گِل بخفت
عقل اُس کی شرح میں مٹی میں پھنسے گدھے کی طرح سوگئی

شرحِ عشق و عاشقی ہم عشق گفت
عشق اور عاشقی کی شرح بھی عشق نے ہی کی ہے

ہے۔ درویش نے حضرت بہلول رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ یہ تو سب جانتے ہیں کہ دُنیا کے ذرّے ذرّے پر اللہ کی حکمرانی ہے اور کائنات کا ہر حرکت وسکون اُس کے حکم سے ہے۔ جب بندہ راضی بہ رضائے الٰہی ہو جائے تو اللہ کا ہر حکم اور فعل اُس کی مراد بن جاتا ہے اور یوں سمجھا جائے گا کہ کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے گویا اُس بندے کی مرضی کے مطابق ہو رہا ہے۔ جب اللہ کے تمام فیصلوں اور احکام پر بندہ راضی ہو گیا تو اللہ کے احکام اُس کا مطلوب بن گئے ہیں۔ ایسے بندے کا ایمان بھی محض مولا کی رضامندی کے لئے ہے نہ کہ جنت کے لالچ کی وجہ سے اور کفر سے نفرت بھی رضاءِ مولیٰ کی وجہ سے ہے نہ کہ دوزخ کے ڈر سے۔ اللہ کی ہر مرضی اُسے ایسے مرغوب ہے جیسے حلوہ۔ ایسی حالت میں تو یقیناً یہ کہا جائے گا کہ دُنیا کے سب کام اُس بندے کے حکم سے چل رہے ہیں۔ جب سب کام اُسی کی مرضی سے چل رہے ہیں تو دُعا بے معنیٰ ہے۔ ایسے لوگ دُعا بھی اُسی وقت کرتے ہیں جب انہیں معلوم ہو جائے کہ اللہ کی مرضی یہی ہے۔ وہ دُعا وغیرہ سے اُسی وقت دست بردار ہو گیا تھا جب اُس نے عشقِ الٰہی کا دَم بھرا تھا۔ یہ باتیں ہر سالِک نہیں سمجھ سکتا۔ اس سلسلے میں حکایت سنو۔

دقوقی رحمۃ اللہ علیہ اور اُن کی کرامات

دقوقی رحمۃ اللہ علیہ ایک بزرگ تھے۔ سچے عاشق اور صاحبِ کرامت۔ لوگ اُن سے چاند اور سورج کی طرح روشنی حاصل کرتے تھے۔ دقوقی رحمۃ اللہ علیہ کہیں زیادہ دیر نہیں ٹھہرتے تھے کہ ایسا نہ ہو کہ کسی جگہ سے محبت ہو جائے۔ اِس لئے ہمیشہ سفر میں رہتے۔ سفر میں اُن کو ہمیشہ مُشقتیں برداشت کرنا پڑتیں لیکن اُن کے مدِنظر ہمیشہ ذاتِ باری تعالیٰ رہتی اور باز کی طرح معارف واسرارِ الٰہی کا شکار کرتے رہتے۔ وہ بدمزاج بھی نہیں تھے اور لوگوں سے متنفر بھی نہ تھے۔ محض اللہ کے ساتھ خلوت کو پسند کرتے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے لوگو! میں تم پر باپ کی طرح مہربان ہوں''۔ اِس لئے دقوقی رحمۃ اللہ علیہ بھی لوگوں سے محبت اور شفقت کا معاملہ کرتے۔ جو شخص بھی نبی سے کٹ جاتا ہے وہ اپنا نقصان خود کرتا ہے۔ یہ مثال ناقص ہے جیسے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اُسد کہتے تھے کہ شیر کی مثل مگر اُن میں اور شیر میں بہت فرق ہے۔

دقوقی رحمۃ اللہ علیہ علومِ ظاہری میں بھی امام تھے اور نہایت دیندار تھے۔ وہ اِن بزرگیوں کے ہوتے ہوئے بھی ہمیشہ بزرگوں کی جستجو میں رہتے اور اُن سے ملاقات کی تمنا کرتے۔ وہ ہمیشہ دُعا کرتے: الٰہی! جن بزرگوں کو میں جان لوں گا' اُن کا خادم ہوں اور جو میری جان پہچان میں نہیں ہیں۔ ملاقات کے وقت اُن کو بھی مجھ پر مہربان کر دے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ میری محبت کے ہوتے ہوئے اور کیا چاہتا ہے؟ وہ کہتے: یا الٰہی! تُو نے میرے دل میں نیاز مندی کا راستہ

بندہ دائم خلعتِ اِدرار جُوست
عام انسان تو ہمیشہ دُنیا کی شان و شوکت چاہتا ہے

خلعتِ عاشق ہمہ دیدارِ اُوست
لیکن عاشق کی خلعت تو صرف حق کا دیدار ہی ہے

کھول دیا ہے۔ گو میں سمندر میں بیٹھا ہوں لیکن گھڑیا کا لالچ بھی رکھتا ہوں۔ تیرے عشق میں لالچ اور حرص ایک اعلیٰ مرتبہ ہے۔ جو راہِ سلوک کے مرد ہوتے ہیں اُن کی اِس راہ میں حرص ترقی کرتی رہتی ہے۔ نامردوں کی حرص بُرے اَفعال کی طرف ہوتی ہے۔

اے لوگو! دقوقی رحمۃ اللہ علیہ کی دوسرے بزرگوں سے ملاقات کی تمنا اسی طرح کی تھی جیسی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات کے لئے کی تھی۔ اللہ کی طرف سفر کی کوئی اِنتہا نہیں ہے۔ اِس میں ہر وقت بلند مقام کی طلب ہمیشہ جاری رہتی ہے۔ اپنی غلط فہمی سے اگر تم کسی مقام کو صدر سمجھ رہے ہو تو وہ صدر مقام نہیں بلکہ راستے کی ایک منزل ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کلیم اللہ کا درجہ حاصل تھا جو اعلیٰ قرب کا مقام ہے مگر پھر بھی اُنہوں نے کہا: قرآن میں ہے ”جب موسیٰ علیہ السلام نے کہا' اپنے جوان ساتھی کو کہ میں نہ پیوں گا جب تک نہ پہنچ جاؤں جہاں ملتے ہیں دو دریا یا چلتا جاؤں قرنوں“ یعنی جستجو کی مُشقت مطلوب کے مقابلے میں ہیچ ہے کیونکہ عاشق کی سَیر جسمانی بلکہ رُوح کے بل بوتے پر ہوتی ہے۔ اس سَیر میں قریب و بعید کوئی چیز نہیں ہوتی۔ اُس میں نہ تھکن ہوتی ہے اور نہ دوریٔ منزل کا تصور آتا ہے۔ عاشقوں کی سَیرِ جسمانی' رُوحانی سَیر کے تابع ہوتی ہے۔ رُوحانی سَیر کو ہر شخص محسوس نہیں کرسکتا' جسمانی سَیر کو سب دیکھ لیتے ہیں۔ عاشق کے مدِ نظر یہ ہوتا ہے کہ وحدت کو جسمِ انسانی میں مُشاہدہ کروں اور آفتاب کو ذرّہ میں دیکھوں۔

دقوقی رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ چلتے چلتے میں شام کے وقت ایک ساحل پر پہنچا۔ میں نے دُور سے اچانک سات شمعیں دیکھیں۔ اُن شمعوں کا نور آسمان کی فضا تک پھیلا ہوا تھا۔ میں حیران ہوگیا کہ یہ شمعیں کس نے روشن کی ہیں کہ عام مخلوق اُن کا مُشاہدہ نہیں کرسکتی۔ یقیناً اُن کی بندش وہ کر رہا ہے جو جس کو چاہے ہدایت دے۔ پھر اُنہوں نے دیکھا کہ وہ ساتوں شمعیں ایک ہوگئیں۔ اُن ساتوں شمعوں کے باہمی اِتصال کی کیفیت ناقابلِ بیان ہے۔ یہ صرف دیدنی ہے بیان نہیں ہوسکتا۔ دراصل وہ نوری شمعیں سات اولیاء رحمۃ اللہ علیہم کا نور تھا جو عوام کو نظر نہیں آسکتا۔ وہ دوڑ کر آگے بڑھے کہ یہ اللہ کی نشانیوں میں سے کیا چیز ہے لیکن وہ بے ہوش ہوکر گر پڑے۔ وہ ہوش میں آئے تو اُن شمعوں کی طرف بھاگے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں حیران ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی کیا کاریگری ہے کہ یہ شمعیں انسانی صورت اِختیار کر رہی ہیں۔ پھر ہر فرد ایک درخت کی شکل اِختیار کرگیا۔ اُن درختوں کے پتے اِس قدر گھنے تھے کہ شاخیں نظر نہیں آتی تھیں اور کبھی پھل اِس قدر ہو جاتے تھے کہ اُن میں پتے چُھپ جاتے۔ اُن کی جڑیں بھی تر و تازہ دکھائی دیتی تھیں۔ جب کوئی پھل زور میں آکر پھٹتا تو اُس میں سے نور کے کوندے ٹپکتے تھے۔ ایک اور تعجب خیز بات یہ تھی کہ وہاں لاکھوں لوگ موجود تھے جنہیں سایہ کی سخت

دَر نگنجد عشق دَر گفت و شنید	عشق دَریائیست قعرش ناپدید
عشق کا بیان گفت و شنید میں نہیں آتا	وہ تو ایسا سمندر ہے جس کی گہرائی کا پتہ نہیں

ضرورت تھی۔ وہ کمبل وغیرہ پھیلا کر سایہ کرتے تھے لیکن اُن درختوں کا سایہ اُنہیں نظر نہیں آتا تھا۔ شاید اللہ نے اُن کی نگاہوں پر مُہریں لگا دی تھیں۔

ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اُن لوگوں کو اُن اولیاء رحمۃ اللہ علیہم سے ملنے کی تمنا بھی نہیں تھی اور وہ اپنی آنکھوں پر لگی مُہر وں کو زائل کرنے کی تدبیر بھی نہیں کرتے۔ وہ لوگ علوم و اَسرارِ خداوندی کی طرف توجہ نہیں کرتے اور دنیاوی علوم کے حصول کے لئے دست و گریبان ہیں۔ اُن اولیاء رحمۃ اللہ علیہم کے نور کا ہر حصہ اس بات کی تمنا کرتا تھا کہ کاش قوم اُس کو پہچان لے اور اُس کے ذریعے راہِ نجات پر چل پڑے۔ اُس نور کی پکار پر غیرتِ خداوندی کی طرف سے آواز آئی کہ اُن کو دعوت نہ دو۔ اُن کی آنکھوں پر مُہر لگا دی گئی ہے۔ اب اُن کے لئے کوئی چارہ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے والوں کے جواب میں منکرین یہی کہتے ہیں کہ اُس کے دماغ میں خشکی آ گئی ہے۔ اِس لئے ایسی باتیں کرتا ہے۔ دعوت دینے والے کو تعجب ہوتا ہے کہ باوجود اس قدر علامتوں کے یہ لوگ دعوت کو کیوں قبول نہیں کر رہے۔ دُنیا کے معاملات میں سب عقلمند ہیں لیکن رُوحانی باغ کے منکر بن رہے ہیں۔

داعی اِس بات سے بعض اوقات شک میں پڑ جاتا ہے کہ میں سب کچھ حقیقت میں دیکھ رہا ہوں' خواب تو نہیں ہے۔ میں اِس نور سے نفع بھی حاصل کر رہا ہوں اور طلب اور ضرورت کے باوجود بھی منکرین اس رُوحانی انعام سے انکار کر رہے ہیں۔ منکر کہتے ہیں یہاں نہ باغ ہیں اور نہ پھل۔ یہ شخص کیوں اُنہیں دعوت دے رہا ہے اور داعی کہتے ہیں کہ اتنے بڑے بڑے واقعات وہم کیسے ہو سکتے ہیں اللہ ہی نے اُن کے دلوں پر مُہر لگا دی ہے جس کی وجہ سے یہ اندھے بہرے ہیں۔ نہ کچھ سُنتے ہیں اور نہ دیکھتے ہیں۔ اِس قسم کے جھگڑے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قریش نے بھی کئے۔ اسی طرح اُن کے انکار پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی تعجب ہوتا تھا۔ دوسری طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر ابولہب کو تعجب ہوتا تھا۔

دقوقی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اُن سات درختوں کا کبھی ایک بن جانا اور کبھی پھر سات بن جانا میرے لئے نہایت حیرت کا سبب تھا۔ پھر اور عجب بات یہ ہوئی کہ اُن سات درختوں نے صف بندی کی اور اُن میں سے ایک امام بن گیا۔ درختوں کی نماز پر مجھے تعجب ہوا۔ پھر مجھے قرآن کی آیت یاد آئی وَالنَّجۡمُ وَالشَّجَرُ يَسۡجُدٰنِ یعنی "زمین پر پھیلی ہوئی بیلیں اور درخت اللہ کو سجدہ کرتے ہیں"۔ تھوڑی دیر کے بعد میں نے دیکھا کہ وہ سات درخت پھر سات انسان بن گئے اور بیٹھ کر التحیات پڑھ رہے ہیں۔ میں آنکھیں مَل کر دیکھتا تھا کہ یہ کون عظیم لوگ ہیں۔ جب میں اُن کے قریب گیا اور انہیں سلام کیا تو اُنہوں نے جواب دیا اور میرا نام لیا۔ میں نے پوچھا: آپ کو میرا نام کیسے معلوم ہوا؟ تو وہ بولے کہ اولیاء رحمۃ اللہ علیہم کی

ہر کرا جامہ ز عشقے چاک شُد | اُو ز حرص و عیب کُلّی پاک شُد
جس کا جامہ عشق کی وجہ سے چاک ہُوا | وہ حرص اور عیب سے بالکل پاک ہُوا

حقیقتوں کی طرف توجہ ہوتی ہے اور وہ معرفتِ حق میں مُستغرق ہوتے ہیں اس لئے وہ ہر بات سے واقف ہوتے ہیں۔

یاد رکھو! صحبت میں بڑی تاثیر ہوتی ہے۔ بیج مٹی اور پانی کی صحبت میں رہتا ہے تو انگور بن جاتا ہے دانہ اپنے آپ کو مٹی میں ملاتا ہے تو اُس کا ظاہر ختم ہو جاتا ہے اور باطن جلوہ گری کرتا ہے۔ اُن بزرگوں نے مجھے مُراقبہ کرنے کا حکم دیا۔ میں مُراقبہ کرتے ہی دورِ زمانہ سے باہر آ گیا۔ عالَم کے سارے تغیرات دورِ زمانہ کی وجہ سے ہیں۔ جو شخص دورِ زمانہ سے باہر ہوگا تو وہ کم وکیف سے بالاتر ہو جاتا ہے۔ جو انسان چوں وچرا سے آزاد ہو جائے تو وہ خدائے بیچوں کا ہمراز بن جاتا ہے۔ جو لوگ زمانے کے مقیّد ہیں وہ لازمانی ذاتِ باری کی طرف راہ یاب نہیں ہو سکتے۔ طلب وجستجو میں تو سالِک اور غیر سالِک ایک جیسے ہوتے ہیں اور بے زمانہ پن سے واقفیت صرف تحیرّ کی راہ سے ہوتی ہے۔ یہ راستہ انسان کے اپنے بس میں نہیں ہے۔ اگر انسان اپنے نگہبانِ غیبی کو نہیں دیکھ سکتا ہے تو اُس کے وجود کو اِس ہی سے سمجھ لے کہ انسان ہر چند کوشش کرتا ہے اور اِس کوشش میں آزاد بھی ہوتا ہے لیکن مقصد تک نہیں پہنچ پاتا۔ اِس سے معلوم ہوا کہ کوئی نہ کوئی غیبی بندش ہوتی ہے۔ نماز کا وقت ہو گیا ہے اے دقوقی رحمۃ اللہ علیہ! امامت کے لئے آگے آ جاؤ۔ تم ایسے امام ہو جس کی باطنی چشم کھلی ہوئی ہے اور امامت کے لئے ایسا ہی شخص موزوں ہوتا ہے جو روشن ضمیر ہو۔

تیری نماز بے سُرُور تیرا اِمام بے حضُور
ایسی نماز سے گُزر ایسے اِمام سے گُزر (علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ)

کسی اندھے کو امام نہیں بنایا جاتا کیونکہ وہ اپنی ظاہری گندگی کو نہیں دیکھ سکتا اور پاک نہیں ہوسکتا۔ امامت کے لئے اندھے حافظ اور فقیہ سے روشن آنکھوں والا کم علم بہتر ہوتا ہے کیونکہ وہ ظاہری گندی کو دیکھ سکتا ہے۔ لیکن اگر انسان دل کا اندھا ہے تو وہ مجسّم شر ہے۔ ظاہری اندھے پر تو ظاہری نجاست ہوتی ہے جسے آسانی سے دُور کیا جا سکتا ہے لیکن باطن کے اندھے میں باطنی نجاست ہوتی ہے جسے دُور کرنا بڑا دشوار ہوتا ہے۔ باطنی نجاست صرف آنسوؤں سے دُھلتی ہے۔ خدا نے کافر کو نجس اُس کی باطنی نجاست ہی کی وجہ سے کہا ہے۔ ظاہری نجاست کی بدبو زیادہ دُور تک نہیں جاتی لیکن باطنی نجاست کی بدبو آسمانوں تک پھیلتی ہے۔ میں نے جو نکتے بتائے ہیں وہ تمہاری عقل کے مطابق ہیں۔ کوئی پورا سمجھدار ملے گا تو تفصیل سے بات کروں گا۔ انسان کے بدن اور فہم کی مثال گھڑے اور اُس کے پانی کی سمجھو۔ بدن کی ٹھلیا میں حواسِ خمسہ پانچ سوراخوں کی طرح ہیں۔ اگر ٹھلیا کے سوراخ بند نہ کیے جائیں تو ٹھلیا میں پانی یا برف نہیں رہے گی۔

اگر حواسِ خمسہ کی حفاظت نہ کی جائے تو فہم ضائع ہو جائے گی۔ اِسی لئے اللہ نے نبی ﷺ کو حکم دیا کہ اے

جسمِ خاک از عشق بر افلاک شُد
خاکی جسم عشق کی وجہ سے آسمانوں پر پہنچا

کوہ در رقص آمد و چالاک شُد
پہاڑ ناچنے لگا اور ہوشیار ہو گیا

نبی ﷺ! آپ ﷺ مومنوں سے کہہ دیجئے کہ وہ اپنی نگاہیں پست رکھیں"۔ بیہودہ گفتگو سے بھی فہم برباد ہو جاتی ہے۔ کان سے غلط باتیں سُنے گا تو فہم برباد ہو گی۔ اولیاء رحمۃ اللہ علیہم کے حواسِ خمسہ کے ذریعہ بھی فہمِ حق کا گھٹاؤ ہوتا ہے لیکن وہ اس کا عوض اور بدل حاصل کر لیتے ہیں۔ وقت نہیں ہے ورنہ میں سمجھاتا کہ کہ اولیاء رحمۃ اللہ علیہم کو یہ عوض اور بدل کہاں سے حاصل ہوتا ہے۔ بڑے دریاؤں کا پانی خرچ ہوتا رہتا ہے جیسے سمندروں سے بُخارات بن کر بادل بنتے ہیں۔ التحیات میں جو سلام پیش کیا جاتا ہے اُس میں سب نبیوں کی تعریف ہے جیسے کہ پیالوں کو طشت میں ڈال دیا جائے۔ درحقیقت مُمدوح تو ایک ہی ہے اور اِسی اِعتبار سے مذہب بھی ایک کے علاوہ نہیں ہیں۔ ہر تعریف چاہے کہیں ہو اللہ کے نور ہی کی طرف جاتی ہے اور صورتوں اور شخصوں کی تو عارضی ہوتی ہے۔ اگر کوئی اُن صورتوں کو یا اشخاص کو اصل سمجھ بیٹھے تو گمراہ ہے۔ مجازی معشوقوں کے عشق کا نتیجہ محض شہوت پر مبنی ہوتا ہے۔ خیالی معشوق سے اگر عشق بھی ہو تو وہ حقیقت تک پہنچنے کے لئے ہو۔

عشقِ مجازی، حقیقی عشق کا پُل ہوتا ہے۔ عشقِ مجازی کو حقیقت تک پہنچنے کا ذریعہ بنانا چاہیے۔ لوگ عشقِ مجازی میں شہوت کی طرف دھیان کر کے اپنے عشق کے پَر کو جو حقیقت تک پرواز کا سبب بن سکتا تھا برباد کر بیٹھتے ہیں۔ اِس بات کی تفصیل کی حد نہیں ہے۔ جیسے ہی اُن بزرگوں نے تکبیرِ تحریمہ پڑھی، وہ دقوقی رحمۃ اللہ علیہ کی اقتداء میں دُنیا و مافیہا سے بے خبر ہو گئے۔ تکبیر تحریمہ کا مطلب ہی یہ ہے کہ جیسے قربانی کے جانور پر تکبیر کہہ کر چھری چلا دی جاتی ہے اِسی طرح نمازی دربارِ خداوندی میں اپنے نَفس کی قربانی پیش کرتا ہے۔ اِس لئے جب تم تکبیر پڑھو تو فوراً نَفسِ اَمّارہ پر چھری پھیر دو۔ تکبیر کے وقت رُوح کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح بناؤ اور جسم کو حضرت اسماعیل علیہ السلام سمجھو۔ اللہ اکبر کہنے کے بعد جسم، شہوت اور حرص وغیرہ (مکروہات) کے اِعتبار سے مردہ ہو جانا چاہیے اور قیامِ نماز کی حالت کو ایسا سمجھو جیسا کہ قیامت میں حضرتِ حق کے دربار میں صفیں باندھ کر کھڑے ہوں گے اور حساب و کتاب اور سوال و جواب ہونگے۔

نماز میں گویا اللہ تعالیٰ تم سے سوال کر رہا ہو کہ تم کو جو زندگی کی مُہلت دی ہے اُس میں تُو نے میرا کیا کام کیا ہے؟ میں نے جو روزی اور طاقت دی تھی وہ کس کام میں صرف ہوئی؟ جو حواسِ خمسہ اور ہاتھ پاؤں دیئے، وہ تُو کس کام میں لایا؟ جب یہ حالت ہو تو رکوع میں جا کر انسان شرمندگی محسوس کرتا ہے اور پھر جھک کر تسبیح کرتا ہے۔ اللہ کا حکم ہوتا ہے کہ سَر اُٹھا اور جواب دو۔ تو پھر کھڑا ہو جاتا ہے اور بے بس ہو کر سجدے میں گر جاتا ہے۔ پھر سر اُٹھانے کا حکم ہوتا ہے۔ وہ سر اُٹھاتا ہے لیکن شرمندگی سے پھر سجدے میں گر جاتا ہے۔ قعدہ میں جب پھر اللہ اپنی نعمتوں کا سوال کرتا ہے اور پھر

عاشق از حق چوں غذا یابد رحیق	**عقل آنجا گم شود گم اے رفیق**
عاشق جب اللہ کی جانب سے شراب کی غذا پالیتا ہے	لے دوست! عقل اُس جگہ بالکل بیکار ہو جاتی ہے

(انسان) دیکھتا ہے کہ اُس کے پاس تو کوئی سرمایہ نہیں ہے تو گھبرا کر سفارشی کی تلاش کرتا ہے۔ دائیں جانب جب سلام کرتا ہے تو گویا انبیاء علیہم السلام اور کراماً کاتبین سے سفارش کی گزارش کرتا ہے۔ وہ گویا کہتے ہیں کہ اب وقت نکل گیا ہے تو بائیں طرف سلام کر کے رشتہ داروں اور دوستوں سے مدد کا طلبگار ہوتا ہے۔ رشتہ دار بھی مایوس کر دیتے ہیں۔ جب ہر طرف سے مایوس ہو جاتا ہے تو پھر دربارِ حق میں دل شکستہ ہو کر دستِ دُعا دراز کرتا ہے کہ الٰہی! تیرے سوا میں کس سے اُمید کر سکتا ہوں۔ تب اُمید ہوتی ہے کہ اللہ اُس پر رحم کر دے اور اُس کی گلوخلاصی ہو جائے۔ اگر جماعت میں تُو امام کی حرکات و سکنات پر سرِ تسلیم خم کرتا ہے تو گویا اللہ کی ہر ہدایت پر عمل کر رہا ہے اور اپنی خطاؤں کی سزا پر اپنی رضا کا اظہار کر رہا ہے۔

حالتِ نماز میں دقوقی رحمۃ اللہ علیہ کا کشتی والوں کے ڈوبنے کی فریاد سُننا

نماز کے بارے میں ہم نے جو اشارے سمجھائے ہیں اُن سے نتیجہ نکال لے اور نماز میں محض ٹھونگے نہ مار۔ اس نماز میں مقتدی بھی بہترین تھے اور امام بھی۔ انہوں نے دیکھا کہ ایک کشتی دریا میں ڈوب رہی ہے اور مسافر فریاد کر رہے ہیں۔ مصیبت میں پھنستے ہیں تو سب لوگ مخلص بن جاتے ہیں اور خدا سے دُعائیں مانگنے لگتے ہیں۔ جن لوگوں نے تمام عمر سجدہ نہ کیا ہو وہ بھی سجدے میں سر رکھ دیتے ہیں۔ جب دُنیا کے تمام وسیلے بے کار ثابت ہوتے ہیں تو پھر انسان خدا کی طرف رُجوع کرتے ہیں۔ شیطان کے پرستار جب پریشانی میں خدا کی یاد کرتے ہیں تو شیطان گھبراتا ہے اور اُن کو پکار کر کہتا ہے کہ خبردار! خدا کی طرف رُجوع نہ کرو ورنہ دو خرابیوں میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ وہ ہیں توبہ کے بعد بدعہدی اور پھر گناہ۔ کیونکہ اِس مصیبت سے نجات پانے کے بعد تم نہ کبھی روؤ گے اور نہ یاد کرو گے کہ خدا نے تمہاری دستگیری کی تھی۔ شیطان کی یہ آواز صرف نیک لوگ ہی سمجھ رہے ہوتے ہیں کہ یہ شیطانی آواز محض نیکی سے روکنے کے لئے ہے۔ اسی لئے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جاہل کو جو کچھ انجام کار میں کرنا پڑتا ہے وہ عقل مند انسان ابتداءِ کار ہی میں کر گزرتا ہے۔ وہی گریہ وزاری جو کشتی والے اب کر رہے تھے وہ اولیاء رحمۃ اللہ علیہم پہلے ہی کر لیتے ہیں۔

آنچہ دانا کند کند ناداں
لیک بعد از خرابیٔ بسیار

"جو کچھ دانا پہلے ہی کر لیتا ہے۔ بے وقوف بھی کرتا ہے مگر بہت زیادہ تکلیف اُٹھانے کے بعد"۔

عقلِ جزوی عشق را منکر بود
تھوڑی سی عقل عشق کی منکر ہوتی ہے

گرچہ بنماید کہ صاحب سر بود
اگرچہ بظاہر نظر آتا ہے کہ رازداں ہو گی

اس لئے بہتر ہے کہ انسان پہلے ہی مصائب میں پھنسنے سے ڈرتا رہے اور توبہ و استغفار کرتا رہے۔ احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ انسان کبھی مطمئن نہ ہو اور ہر وقت کسی نہ کسی بلا سے بچنے کی تدبیر کرتا رہے اور اللہ سے اپنی حفاظت کی دعائیں کرتا رہے۔ لوگ فقر اور غریبی سے ڈرتے ہیں۔ اگر فقر اور غریبی پیدا کرنے والے خدا سے ڈریں تو اُن پر زمین کے خزانے منکشف ہو جائیں۔ دقوقی ؒ نے کشتی والوں کو آہ و فغاں کرتے دیکھا تو اُن کے رحم کو جوش آ گیا اور اُن کے آنسو اُبل پڑے۔ اُنہوں نے کہا: الٰہی! اِن کے اعمال کو نہ دیکھ' اِن کو سلامتی سے ساحل پر پہنچا دے۔ ہم نے حرص و ہوس میں اپنے آپ کو جلا ڈالا ہے لیکن یہ دُعا کرنی بھی تو تُو نے ہی ہمیں سکھائی ہے۔ دقوقی ؒ کی اِس وقت وہی حالت تھی جس طرح ماں بے چین ہو کر اپنے بچوں کے لئے دُعا کرتی ہے۔

جب انسان بے خود ہو کر دُعا کرتا ہے تو چونکہ وہ خود فنا فی اللہ ہوتا ہے اِس لئے یہ دُعا بھی اُس کی طرف سے نہ ہوگی۔ فانی فی اللہ کی دُعا بھی اللہ کی طرف سے ہوتی ہے اور قبولیت بھی اُسی کی طرف سے ہوتی ہے۔ خاصانِ خدا چونکہ خدائی اخلاق سے متّصف ہو جاتے ہیں۔ اس لئے اپنی صفتِ رحم کی وجہ سے دستگیر بن جاتے ہیں۔ اِس لئے تُو اپنا تعلق اہلِ حال اولیاء ؒ سے کسی مصیبت میں مبتلا ہونے سے پہلے قائم کر لے۔ دقوقی ؒ کی دُعاؤں کی وجہ سے کشتی مصیبت سے نکل آئی اور کشتی والے سمجھے کہ اُن کی کوشش کی وجہ سے ایسا ہوا ہے۔

اِس کی مثال ایسی ہی ہے کہ لومڑی شکاری کی گرفت سے اپنے پاؤں کے ذریعے بچی لیکن وہ اپنی بے وقوفی سے سمجھتی ہے کہ دُم کی وجہ سے بچی ہے۔ اے لوگو! ہماری نجات کا اصل ذریعہ بزرگانِ دین ہیں' ہم اِسے اپنی تدبیر سمجھتے ہیں۔ ایسی تقریریں اور باتیں کرتے ہیں کہ لوگ مرعوب ہو جائیں اور اُن مکاریوں کے ذریعے لوگوں کے دلوں پر حکومت کرنا چاہتے ہیں۔ جو خود گڑھے میں گرا ہوا ہے وہ دوسروں کو اپنا معتقد بنا کر کیوں گڑھے میں گراتا ہے۔ ہاں اگر تجھے کوئی اعلیٰ مقام حاصل ہے تو بے شک دوسروں کو مُعتقِد بنا کر اِس مقام پر کھینچ لا۔

یاد رکھ! جو کچھ تُو اپنی تدبیروں سے حاصل کرنا چاہتا ہے۔ وہ اولیاء ؒ کی دُعاؤں سے بدرجۂ اولیٰ حاصل ہو جائے گا۔ اللہ فرماتا ہے: ''ہماری نظر دل پر ہوتی ہے لیکن تیرا دل وہ نہیں ہے جو منظورِ نظر ہو سکے''۔ اگر دل میں سفلی جذبات ہیں تو اُس میں اور صورت میں کوئی فرق نہیں اور صورت تو منظورِ خدا نہیں ہوتی۔ پیغمبروں ؑ اور اولیاء ؒ کا دل آسمانوں سے بھی بالاتر ہوتا ہے۔ تُو اپنے دل کو منظورِ خدا نہ سمجھ اور اولیاء ؒ سے جُڑ جا۔ اُن کے دل عالَمِ ناسوت کی آلودگیوں سے پاک ہوتے ہیں۔ اولیاء ؒ عوام کے دلوں کو اپنی طرف کھینچ سکتے ہیں لیکن عوام کی انانیت اُس راہ کی

عشق را صد ناز و استکبار ہست
عشق کے سینکڑوں ناز ہیں، وہ بہت مغرور ہے

عشق با صد ناز می آید بدست
وہ بہت مشکلوں سے ہاتھ آتا ہے

رکاوٹ ہے۔ اِس دُنیا کی ہر چیز دل کے مُصفّٰی ہونے میں رکاوٹ ہے۔ دُنیا کی ہر چیز انسان کو شباب کی طرح مدہوش بناتی ہے اور اپنی محبوب چیز حاصل نہ ہونے سے ویسی ہی اینٹھن ہوتی ہے جو شراب کے نہ ملنے سے ہوتی ہے۔ اِس لئے مناسب یہی ہے کہ دُنیا کی چیزوں کو بقدرِ ضرورت ہی استعمال کیا جائے۔ تیرا دل تو دنیاوی لذّتوں کا عاشق ہے۔ یہ دل کہلانے کے لائق نہیں ہے۔ اِس کو دودھ اور شہد سے لذّت ملتی ہے۔ مگر یاد رکھو! ہر لذیذ چیز کی لذّت دل کے تابع ہے۔

اگر دل میں لذّت ہے تو اُس چیز میں بھی ہوگی ورنہ نہیں۔ تو جو دل کسی دنیاوی چیز سے لذّت حاصل کرے وہ دل اصل نہیں ہو سکتا۔ حقیقی دل انبیاء علیہم السلام اور اولیاء رحمہم اللہ کا دل ہوتا ہے۔ اللہ کی طرف سے اُس دل کو سلامتی عطا کر دی جاتی ہے اور وہ اپنے اختیار سے دُنیا والوں کو سلامتی تقسیم کرتا ہے۔ جو صحیح طریقے سے اپنا دامن پھیلائے گا یعنی اولیاء رحمہم اللہ کی جانب نیاز مندی سے رُجوع کرے گا اُسے یہ نعمت ملے گی۔ اِس دُنیا میں جو تم سونا چاندی اپنے دامن میں بھرتے ہو یہ بھی پتھر ہی ہیں، جیسے بچے کھیلتے ہوئے مٹی کی ٹھیکریاں دامن میں بھر لیتے ہیں اور اپنی کم عقلی سے اُسے دولت تصور کرتے ہیں۔ ہر سفید بالوں والا پیر نہیں ہوتا۔ اِس کے لئے عقلِ کُل میں سے حصہ درکار ہے۔

دقوقی رحمۃ اللہ علیہ کی دُعا کے متعلق بزرگوں کا ردِ عمل اور اُن کا غائب ہو جانا

کشتی ساحل پر آ گئی تو بزرگوں میں کھسر پھسر شروع ہوئی کہ ایسا کام کس نے کیا ہے کہ جس کا اُسے اِختیار نہیں تھا۔ سب نے کہا: ہم نے نہ زبان سے دُعا کی ہے نہ دل سے کیونکہ اللہ کے فعل کے خلاف دُعا کرنا گویا اللہ پر اِعتراض کرنا ہے۔ ہمارے اِس امام نے درد کی وجہ سے یہ دُعا کی ہوگی۔ دقوقی رحمۃ اللہ علیہ کے دیکھتے دیکھتے وہ لوگ غائب ہو گئے اور دقوقی رحمۃ اللہ علیہ اُن بزرگوں کے پھر دیدار کی حسرت میں سالوں روتے رہے۔ اب تم اُن کے رونے پر یہ اِعتراض کر سکتے ہو کہ دقوقی رحمۃ اللہ علیہ خود بزرگ تھے تو اُن انسانوں کی یاد میں کیوں روتے تھے؟ اے بھائی! ایسا تُو نے اِس لئے سمجھا کہ تُو اُن کو بشر سمجھتا ہے حالانکہ جب وہ فنا فی اللہ تھے تو خواصِ بشری سے مُعرّیٰ اور محض رُوح تھے؟ ہر انسان کو محض بشر سمجھنا اور اُس کے باطنی فضائل پر نظر نہ کرنا یہ شیطانی نظر ہے۔ شیطان نے حضرت آدم علیہ السلام کے ظاہری جسم کو دیکھا اور اُن کے باطنی اَوصاف پر نظر نہ کی۔ اے دقوقی رحمۃ اللہ علیہ! تم لوگوں کی باتوں کی پروا مت کرو۔ ان بزرگوں کے فراق میں خوب آنسو بہاؤ۔ اللہ پاک نے فرمایا ہے: اُدۡعُوۡنِیۡۤ اَسۡتَجِبۡ لَکُمۡ "مجھ سے مانگو میں قبول کروں گا"۔ اور جو تمام نفسانی بیماریوں سے خالی ہوتا ہے اُس کی دُعا ضرور قبول ہوتی ہے۔

عشق چوں وافی ست وافی میخرد　　در حریفِ بے وفا می ننگرد
عشق چونکہ وفادار ہے، وفادار کا ہی خریدار ہے　　بے وفا دوست کی طرف دھیان نہیں کرتا

بغیر مشقت حلال روزی طلب کرنے والے کا مزید قصہ

وہ شخص ہر روز بغیر کسی تکلیف اُٹھائے حلال روزی مانگا کرتا تھا۔ اُس کے گھر میں گائے گھس آئی۔ اُس نے اس کو پکڑ کر ذبح کر لیا۔ پیچھے ہی گائے کا مالک بھی آ گیا اور کہا کہ بتا تُو نے میری گائے کیوں ماری؟ اُس نے کہا: میں ساری عمر اللہ سے بغیر مشقت حلال رزق مانگتا رہا ہوں۔ میرے گھر میں گائے آ گئی۔ یہ میری روزی ہے جو اللہ نے بھیجی۔ گائے کے مالک کو غصہ آ گیا۔ اُس نے فقیر کو دو تین ہاتھ جڑ دیئے کہ کیا صرف دُعا کرنے سے کسی دوسرے کا مال حلال ہو جاتا ہے۔ وہ اُسے حضرت داؤد علیہ السلام کی عدالت میں گھسیٹ لایا۔ وہ کہہ رہا تھا: اے لوگو! اگر دُعا سے کوئی دوسروں کے مال کا مالک بنا کرتا تو دُنیا دُعا کر کے دوسروں کے مالوں پر قابض ہو جایا کرتی۔ ایک انسان دوسرے انسان کی چیز کا مالک محض دُعا کر کے کیسے بن سکتا ہے۔ یہ تو سراسر غصب ہے۔ لیکن فقیر نے لوگوں کی باتوں سے عاجز آ کر آسمان کی طرف منہ کر کے مناجات شروع کر دی کہ میں نے خواب میں دیکھا تھا کہ میری دُعا ضرور قبول ہو گی جیسے حضرت یوسف علیہ السلام نے خواب میں دیکھا تھا کہ سورج اور ستارے انہیں سجدہ کر رہے ہیں۔

اُن کو اس خواب پر کامل یقین تھا اس لئے وہ نا اُمید نہیں ہوئے اور اللہ کی قدرت سے کئی مرحلے طے کر کے کامیاب ہوئے۔ اُن کے دل میں وحی اس طرح ثابت ہوئی جس طرح ہر مومن کے دل میں عہدِ اَلست کی آواز گونجتی ہے۔ اس کی وجہ سے اُس کے تمام دنیاوی مصائب آسان ہو جاتے ہیں۔ جس میں عہدِ اَلست کا ذوق نہیں ہو گا وہ ہمیشہ اپنے آپ کو مصیبت میں ہی سمجھے گا اور جس شخص نے عہدِ اَلست کے معاملہ میں کوئی خواب دیکھا ہو گا اُس میں بندگی کا ذوق پختہ ہو جائے گا۔ جس نے کوئی خواب نہیں دیکھا ہو گا وہ اگر کچھ ارادات مندی رکھتا بھی ہو گا تو تذبذب کے ساتھ۔ وہ اللہ کے شکر کے ساتھ ساتھ شکوے بھی کرے گا۔ اللہ جب اپنے فضل سے کسی کا انشراحِ صدر کر دیتا ہے جیسا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا' تو وہ سب راز سمجھ جاتا ہے۔ گائے والے نے کہا: سچ بات کہہ! آسمان کی طرف منہ کر کے مکاری کیوں کرتا ہے۔ اللہ کے عشق اور قرب کی ڈینگیں کیوں مارتا ہے۔ اِدھر فقیر سجدے میں گرا ہوا اللہ سے التجا کر رہا تھا کہ لوگ میرے خلوص کو شک کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ مجھے رُسوا نہ کر۔ جب' اے اللہ! تُو نے خود گائے کو میرے گھر میں بھیج دیا تو میرا اُسے ذبح کرنا غلطی کیسے ہوئی۔

حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا: اے شخص! تیرے گائے کے اس قبضے کی کوئی شرعی دلیل نہیں ہے۔ جو بوتا ہے وہی کاٹتا ہے کیونکہ مالک ہوتا ہے۔ دوسرے کی ملکیت میں تصرف کرنا تو ظلم ہے۔ تُو غلط باتیں نہ کر۔ تُو مالک کو گائے کی قیمت ادا

غیرِ جسم و غیرِ جانِ عاشقاں سوائے عاشقوں کے جسم اور جان کے	بے غرض نبود بگردش دَر جہاں دُنیا میں کوئی گردش بے غرض نہیں ہوتی ہے

کر۔ گائے ذبح کرنے والے نے کہا: آپ اللہ کے نبی ہو کر بھی لوگوں جیسی باتیں کرتے ہیں۔ اُس نے دُعا کی: اے اللہ! حضرت داؤد علیہ السلام کے دل میں وہی بات پیدا کر دے جو تُو نے میرے دل میں پیدا کی تھی جس سے میں گائے ذبح کرنے پر آمادہ ہو گیا۔ وہ اتنا رویا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کا دل بے چین ہو گیا۔ اُنہوں نے مدّعی سے کہا: آج جاؤ! میں کل فیصلہ کروں گا۔ میں اللہ سے دُعا کروں گا کہ راز کھول دے۔

مجھے نماز میں اللہ کی طرف وہی توجہ ہوتی ہے جس کے بارے میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قُرَّةُ عَيْنِي فِي الصَّلٰوةِ ''میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے''۔ رُوح کا دریچہ اللہ کی طرف کھل جاتا ہے تو اصل حالات معلوم ہو جاتے ہیں۔ انسان کے لئے اصل کام یہ ہے کہ مجاہدات کے ذریعے رُوح میں دریچہ کھولا جائے۔ تُو اس لئے مجاہدات نہیں کرتا کہ تُو نہیں سمجھتا کہ اصل نور ذاتِ باری کا نور ہے۔ سورج کا نور تو محض اُس نور کا ایک عکس ہے۔ اس ظاہری نور کو تو حیوان بھی دیکھتے ہیں۔ اگر انسان میں اور حیوان میں کوئی فرق نہیں ہے تو قرآن پاک میں یہ آیت کیوں ہے
وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ اٰدَمَ ''ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی''۔

میں ذاتِ باری تعالیٰ میں فنا ہوں اور اپنے اور ذاتِ باری میں کوئی امتیاز اور دوئی نہیں پاتا۔ باوجود اس اتحاد کے پھر نوافل اور خلوت میں جانا دوسروں کو تعلیم دینے کے لئے ہے۔ وحدت کا راز فاش کرنے کی اجازت نہیں ہے ورنہ حضرت داؤد علیہ السلام سارے راز ظاہر کر دیتے۔ غیب نے اُن کو اَسرار بیان کرنے سے روکا۔ حضرت داؤد علیہ السلام خلوت میں چلے گئے اور اللہ سے اصل حالات معلوم کرنے کے لئے متوجہ ہو گئے اور اللہ نے اُنہیں اصل راز سے واقف کر دیا۔ اِدھر وہ دونوں شخص اپنے اپنے حق میں شور مچا رہے تھے۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے فیصلہ کیا کہ اے جوان! تُو ذبح کرنے والے کو گائے معاف کر دے۔ اللہ نے تیری پردہ پوشی کی ہے تُو اس معاملے کو مت کرید اور رُسوا نہ ہو۔ اُس نے کہا: آپ اللہ کے نبی ہیں۔ یہ کیسی شریعت بیان کر رہے ہیں؟ یہ گھر میں بیٹھے بٹھائے میری گائے کا مالک کیسے بن سکتا ہے؟ اس طرح اُس نے اپنا پردہ خود ہی فاش کروا دیا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے اُسے فرمایا: تُو میرا فیصلہ مان لے تو رُسوائی سے بچ جائے گا۔ نبی کا فیصلہ نہ ماننے سے پورا معاملہ کھل جائے گا۔ تُو آرام سے رہ رہا تھا اور مال و دولت سے مزے اُڑا رہا تھا۔ تُو نے اُس کی قدر نہ کی۔ وہ فیصلہ سے راضی نہ ہوا اور واویلا کرنے لگا۔

حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا کہ اب صرف گائے کی معافی اور مال بخشنا کافی نہیں ہے بلکہ تیری اولاد اور بیوی بھی اس کے غلام ہیں۔ لوگ وہاں جمع تھے اور حضرت داؤد علیہ السلام کے فیصلے کو ظلم قرار دے رہے تھے چونکہ انسان کا نفس خود ظالم

عاشقانِ کُل نہ ایں عُشّاقِ جزو
کُل کے عاشق، نہ کہ یہ جزو کے عاشق

ماند از کُل آنکہ شُد مُشتاقِ جزو
جو جزو کا عاشق ہوا وہ کُل سے (دُور) رہ گیا

ہے۔ اِس لئے وہ ظالم ہی کی حمایت کرتا ہے۔ ہاں اگر انسان اپنے نفْس کا سر قلم کر دے تو وہ ظالم اور مظلوم میں امتیاز کر سکتا ہے۔ نفْس کتا ہے اور ہمیشہ غریب اور کمزور پر حملہ کرتا ہے۔ شرم و حیا شیروں میں ہوتی ہے جو کبھی ہمسائے کا حق نہیں چھینتے۔ لوگوں کی ناراضگی کو دیکھا تو حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا: دوستو! تم سب میرے ساتھ آؤ، جنگل میں چلیں، تاکہ میں اصل راز ظاہر کر دوں۔ سب لوگ اُن کے ساتھ جنگل میں ایک بہت بڑے درخت کے پاس پہنچے۔ اُنہوں نے فرمایا: اس درخت کی جڑ میں گائے کا دعویٰ کرنے والے نے اس فقیر کے دادا کو قتل کر دیا تھا۔ یہ اُس کا غلام تھا اور یہ فقیر اُس وقت بچہ تھا۔ اِسے کچھ معلوم نہیں ہے۔ اُس نے اپنے آقا کے بچوں کو کوئی حق نہیں دیا اور اُن کے دادا کی ہر چیز پر قبضہ کر لیا۔ اُس کا ظلم پردہ میں رہتا اگر یہ اس کو گائے معاف کر دیتا۔

کافر اور فاسق خود اپنی پردہ دری کراتے ہیں۔ جن ہاتھوں اور پاؤں سے یہ اس دُنیا میں ظلم کرتے ہیں یہی وہاں اُن کے خلاف گواہی دیں گے۔ جو ذات خود دُنیا میں تمہارے اعضاء کو تم پر مُسلّط کر کے اِقرار کرا دیتی ہے، وہ حشر میں دوسرے مُوکّل پیدا فرما دے گی جو تم سے خود تمہارے جرائم کا اِقرار کرائیں گے۔ ایسا ضروری نہیں کہ ہمارا ظلم مشہور ہو۔ تیرا نفْس خود اپنے آتشیں مزاج کی وجہ سے تجھے جہنم میں لے جائے گا۔ گائے کا دعویٰ کرنے والے نے گائے حاصل کرنے کے لئے کیسے واویلا کیا حالانکہ اُس نے اُسی گائے ذبح کرنے والے کا وہ سب مال مارا تھا جو اُس کو اپنے دادا کے ورثے میں ملتا۔ اُس نے جو ظلم کئے تھے اگر وہ زاری کرتا تو ہو سکتا تھا کہ اللہ تعالیٰ اُس کے آقا سے معاف کرا دیتا۔ اللہ تعالیٰ صاحبِ حق کو راضی کر کے حقوق العباد بھی معاف کرا سکتا ہے۔ اگر قتل خطا ہوتا ہے تو اِس کا بدلہ اور دِیت قاتل کے رشتہ داروں سے دلوایا جاتا ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا: اِس کی مشکیں کس دو تا کہ اِس کا ظلم ظاہر کر دیا جائے۔ اے خبیث! تُو نے اس کے دادا کو قتل کیا، اس کا مال اُڑا لیا۔ تیری بیوی اس کی لونڈی تھی۔ اس لئے جو اُس سے پیدا ہوا وہ بھی اس کا غلام ہے۔ تیری تمام کمائی اور مِلک اِس (فقیر) کی ہے۔ تُو نے شرعی فیصلہ چاہا تھا سو سُن لے۔ تُو خود بھی گائے ذبح کرنے والے کا غلام ہے۔ تیرا آقا تجھ سے پناہ چاہ رہا تھا لیکن تو نے اُسے قتل کر دیا۔ اِس جگہ کو کھود، اُس میں سے اُس کا سر اور چھری برآمد ہو گی۔ جب کھودا گیا تو چھری اور سر برآمد ہو گئے۔

یہ دیکھا تو لوگ حضرت داؤد علیہ السلام سے معذرت چاہنے لگے کیونکہ جو نبی سے بدگمان ہوں وہ تباہ ہو جاتے ہیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے گائے ذبح کرنے والے کو قصاص لینے کا حکم فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کے انصاف کا تقاضا یہی ہے کہ وہ ہر انسان کے دل میں مقتول کے بارے میں جستجو پیدا فرما دیتا ہے۔ اس طرح قاتل جلد یا بدیر گرفت میں آ جاتا ہے۔ لوگ

لُطفِ عقلِ خوش نہادِ خوش نسب
پاک طبیعت، پاک نسب، عقل کی لطافت

چُوں ہمہ تن را دَر آرَد دَر اَدَب
جس طرح تمام بدن کو مہذب کر دیتی ہے

حضرت داوٗد علیہ السلام کے اس مُعجزے کو دیکھ کر اُن کے سامنے سربسجود ہو گئے کہ ہم کور باطن تھے آپ علیہ السلام کے فرمان کو نہ سمجھ سکے حالانکہ ہم نے دیکھا تھا کہ طالوت اور جالوت کی لڑائی میں پتھروں نے آپ سے کہا تھا کہ ہمیں لے کر چلیں۔ طالوت کی موت کا سبب ہم بنیں گے۔ آپ زبور پڑھتے ہیں تو پہاڑ بھی آپ کے ہم آواز ہوتے ہیں۔

نفس عقل حضرتِ حق تعالیٰ یا شیخ یعنی حق کے نائب کی حقیقت

اے عقل مند! گائے کو ذبح کرنے والے کی مثال عقل ہے اور گائے کا بدلہ لینے والے کو نفس سمجھ۔ حضرت داوٗد علیہ السلام کی مثال اللہ تعالیٰ ہے یا وہ شیخِ کامل جو دُنیا میں اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہوتا ہے۔ جس طرح گائے کے مُدّعی کے قتل سے عالَم زندہ ہوا تُو اپنے نفس کو قتل کر تو عالَم زندہ ہو جائے گا۔ اس نفس نے تیری عقل کو فنا کر رکھا ہے اور خود آقا بن بیٹھا ہے۔ اِس کو عقل کا غلام بنا۔ نفس دراصل عقل کا غلام تھا لیکن چالاکی سے آقا بن گیا ہے۔ غذائے رُوح اُس وقت حاصل ہوگی جب تُو اپنی تن کشی کرے گا جو کہ گائے کی طرح ہے اور بدن نفس کے لئے ایسا ہی ہے جیسا کہ گائے مُدّعی کے لئے تھی۔ جس طرح نوجوان، گائے کے مُدّعی کے آقا کا پوتا تھا اِسی طرح نفس کے اِعتبار سے عقل کو سمجھو۔ نفس، عقل کا قاتل ہے۔ بلا مُشقت روزی رُوحوں کی روزی ہے جو انبیاء علیہم السلام کے ذریعے ملتی ہے لیکن گائے کی قربانی پر موقوف ہے، جو تیرا بدن ہے۔

میں نے مئے عشق پی ہوئی ہے اور مدہوش ہو گیا ہوں ورنہ غذائے رُوح حاصل کرنے کی پوری بات بتاتا۔ اس سُرور کا سبب میں نے اپنے فعل کو بتایا ہے یہ محض کہنے کی بات ہے ورنہ ہر چیز خزانۂ غیب سے آتی ہے اور اس کا سبب ذاتِ خداوندی ہے۔ اگرچہ ہر چیز کا حقیقی سبب ذاتِ خداوندی ہے لیکن اَسبابِ ظاہری اختیار کرنا میں نے انبیاء علیہم السلام سے سیکھا ہے۔ اِس لئے میں نے بھی ظاہری سبب کی طرف دھیان کر لیا۔ انبیاء علیہم السلام نے معجزات دکھا کر ثابت کر دیا ہے کہ اَسبابِ ظاہری کے علاوہ بھی اور اَسباب ہیں۔ بغیر کسی سبب کے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے دریائے نیل پھٹ گیا۔ اُن کے لئے مَن و سلویٰ اُترا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عزت بغیر ظاہری اَسباب کے حاصل ہوئی اور ابولہب باوجود تموّل کے تباہ ہوا۔ ابابیلوں کی کنکریوں نے ہاتھیوں کے بدن چھلنی کر دیئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے گائے ذبح کر کے گوشت مقتول کے جسم پر مارا تو اُس نے قاتل کا پتہ بتا دیا۔ انسان کی نظر ہمیشہ اَسباب پر ہوتی ہے لیکن اَسباب میں تاثیر بھی مُسبّبُ الاسباب کی وجہ سے ہے۔ مُسبّبُ الاسباب کا مؤثر ہونا دنیاوی عقل سے سمجھ میں نہیں آتا۔ اس کے لئے مجاہدوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ دنیاوی عقل محض چھلکے کی طرح ہے لیکن نورِ حق دلوں پر طلوع ہوتا ہے۔

عشقِ شنگِ بے قرار و بے سکوں
عشق، شوخ، بے چین، بے قرار ہو کر

چوں درآرد کُلِّ تن را در جنوں
کس طرح سارے بدن کو جنون میں مبتلا کر دیتا ہے

اگر رُوح پر پَر توِ خداوندی نہیں ہے تو وہ رُوح مردہ ہے۔ اِسی لئے قرآن نے کافروں کو مردہ قرار دیا۔ میری مثنوی کی باتیں اگر اب تمہیں سمجھ میں نہیں آرہی ہیں تو آئندہ نسلوں میں ایسے لوگ ہوں گے جو یہ اَسرار بیان کرسکیں گے۔ اُن کے اقوال کی تصدیق میری مثنوی سے ہوگی۔ جس طرح اُس نوجوان نے خدا سے بغیر محنت روزی طلب کی تھی تم بھی کرو۔ ایک وقت ایسا آئے گا کہ تمہیں بغیر کسی واسطے کے فیضِ خداوندی حاصل ہونے لگے گا۔ روٹی میں جو چُھپا ہوا نفع ہے وہ محض اللہ کی عطا ہے۔ وہ نفع' اللہ تعالیٰ روٹی کے واسطے کے بغیر بھی عطا فرما دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ وہ طاقت جو ہمیں روٹی کھا کر حاصل ہوتی ہے اپنے اولیاء رحمہم اللہ کو بغیر روٹی کے بھی عنایت فرما دیتا ہے۔ رُوحانی رزق ہمیشہ شیخ کے ذریعے حاصل ہوگا جیسا کہ اُس نوجوان کو حضرت داؤد علیہ السلام کے انصاف سے رزق حاصل ہوا۔ شیخ کی صحبت نَفس کو رام کردیتی ہے۔ گائے کے مُدّعی کی مثال نَفس کی سی ہے۔ وہ تب ہی مطیع بنا جب اُس نے حضرت داؤد علیہ السلام کا فیصلہ سُنا۔ اِسی طرح نَفس شیخ کی صحبت سے مطیع ہوگا۔ عقل' نَفس کا شکار تب ہی کرے گی جب شیخ یار بن جائے۔ اپنے نَفس کو کھینچ کر شیخ کے پاس لے جا۔

نَفس بہت ہی مکار ہے۔ اس کے مکروں کی تفصیل نہیں۔ نَفس کی زبان شیخ کی صحبت میں کوتاہ ہو جاتی ہے اور وہ مکاری کی باتیں نہیں کرسکتا۔ اس مُدّعی نے بہت سی غلط دلیلیں پیش کر کے تمام لوگوں کو دھوکا دے دیا تھا لیکن حضرت داؤد علیہ السلام اُس کے فریب میں نہ آئے تھے۔ نَفس اگر نیکی کی دعوت دیتا ہے تو اس میں بھی کوئی فریب چُھپا ہوتا ہے۔ عقل جیسی شریف چیز پر کمینے نَفس کا غلبہ اس وجہ سے ہو جاتا ہے کہ تُو عقل سے بیگانہ ہوگیا ہے اور تُو نے اپنے اندر نَفس کو بسا لیا ہے۔ اب نَفس کا کتا اپنے گھر پر رہ کر شیر ہوگیا ہے اور عقل بے چاری ماری ماری پھر رہی ہے۔

نَفس بھی دل کی وحی سے مغلوب ہوتا ہے جیسا کہ مُدّعی گاؤ' حضرت داؤد علیہ السلام کی قلبی وحی سے مغلوب ہوگیا تھا' ورنہ شہر والے تو اُس کو سچا سمجھ رہے تھے۔ جو نَفس کا ہم جنس ہوتا ہے وہ اُس کی بات کو سچا سمجھ لیتا ہے۔ شیخ چونکہ داؤد علیہ السلام کی طرح ہے وہ اُس کے فریب میں نہیں آتا ہے۔ مگر شیخِ کامل تو وہی ہوتا ہے جو جسمیت کو ختم کر کے مُجسّم رُوح بن جائے اور اس طرح مظہرِ خدا بن جائے جس طرح دل مظہرِ خدا ہے۔ عوام باطنی مریض ہیں اور بیماری' بیمار کی مددگار ہوتی ہے۔ دُنیا میں بہت سے مکار اور فریبی ہیں' جو شیخ ہونے کے مُدّعی بن جاتے ہیں اور اگر انسان میں پہچاننے کی قوت نہیں ہوتی ہے تو وہ خود اُن کے مکر میں پھنس جاتا ہے۔ یہ احمق جنہیں سچے اور جھوٹے پیر کی پہچان نہیں ہے اُس بے وقوف پرندے کی طرح ہے جو شکاری کی سیٹی کو اپنے ہم جنس کی آواز سمجھ لیتا ہے اور پھنس جاتا ہے۔ ایسے احمقوں میں کھرے کھوٹے کی پہچان

ہیچ عاشق خود نباشد وصل جُو کوئی عاشق خود بخود وصل کا طالب نہیں ہوتا	کہ نہ معشوقش بُوَد جویائے اُو جب تک اُس کا معشوق اُس کا طالب نہ ہو

نہیں ہے۔ ایسے احمق سے گریز کرنا چاہیے خواہ وہ کتنا ہی نکتہ رس اور ذہین ہو۔ حماقت کا مرض عذابِ الٰہی اور لاعلاج ہے۔

بیوقوفوں کی وجہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا پہاڑی کی بُلندی پر بھاگ کر جانا، ایک شخص کا اُن کا پیچھا کرنا اور سوال کرنا

حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابنِ مریم اس طرح پہاڑ کی طرف بھاگے جا رہے تھے جیسے گویا کوئی شیر اُن کے پیچھے دوڑا آ رہا ہو۔ ایک شخص اُن کے پیچھے دوڑا آتا تھا اور پوچھ رہا تھا کہ آپ کیوں لوگوں سے بھاگ رہے ہیں؟ اُنہوں نے کہا: میں ایک احمق سے بھاگ رہا ہوں۔ اُس شخص نے کہا: آپ میں تو اتنی طاقت ہے کہ آپ کے دَم کرنے سے اندھے اور بُرے اچھے ہو جاتے ہیں، آپ ایک احمق سے اس طرح خوف زدہ کیوں ہیں؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: تیرا کہنا دُرست ہے۔ میں مُردے کو زندہ کر سکتا ہوں۔ مٹی سے پرند بنا کر پھونک مار دیتا ہوں تو وہ زندہ ہو کر اُڑ جاتا ہے۔ میں اسمِ اعظم بھی جانتا ہوں لیکن احمق پر اسمِ اعظم اثر نہیں کرتا کیونکہ احمق ہونا عذابِ الٰہی ہے۔ اگر آزمائش میں کوئی مبتلا ہوتا ہے تو اُس پر رحم کیا جاتا ہے لیکن احمق پر جوتے برسائے جاتے ہیں۔ حماقت کا اثر اللہ تعالیٰ کی ایک مُہر ہے جس پر کوئی تدبیر مؤثر نہیں ہوتی۔ احمقوں اور بے وقوفوں سے اِس طرح بھاگو جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھاگے تھے۔ بے وقوف کی صحبت انسان کے اَوصاف آہستہ آہستہ چُراتی رہتی ہے۔ گرمجوشی کو اُن کی صحبت کاہلی میں تبدیل کر دیتی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا احمق سے بھاگنا دراصل ہم لوگوں کی تعلیم کے لئے تھا۔ اُن کو تو نورِ حق کی گرمی حاصل تھی۔ وہ احمق کی حماقتوں سے کب متاثر ہو سکتے تھے۔

اہلِ سبا، اُن کی بے وقوفی اور انبیاء علیہم السلام کی نصیحت کا اُن پر اثر نہ ہونا

سبا ایک بہت بڑا شہر تھا۔ بچوں کی کہانیوں اور افسانوں میں اُس کا ذکر آتا ہے۔ بچوں کی کہانیوں اور افسانوں کو ایسے ہی نہ سمجھ۔ اُن کی مذاق کی باتوں میں بھی حکمت کے موتی ہوتے ہیں۔ وہ بہت بڑا شہر تھا لیکن اللہ کے نزدیک اُس کی وُقعت ایک مٹی کے پیالے سے زیادہ نہ تھی۔ اُس کی آبادی تو دس شہروں جتنی تھی لیکن وہاں کے لوگ کھانے کے پکے اور اَفعال کے کچے تھے۔ ایسے لوگ جن کی رُوح محبوبِ حقیقی سے وابستہ نہ ہوا گر لاکھوں ہوں تو سمجھو آدھا شخص بھی نہیں۔ وہ لوگ دنیاداری کے معاملات میں بڑے بینا لیکن آخرت کے معاملے میں اندھے تھے۔ وہ شہر مال و دولت کے اِعتبار سے خزانہ تھا لیکن نیکی اور بھلائی اُس میں ذرہ برابر بھی نہ تھی۔ اُن کی حالت اُس اندھے کی سی تھی جو کہے کہ میں سب کچھ دیکھ رہا ہوں۔ اُس بہرے کی سی تھی جو کہے کہ میں سب کچھ سُن رہا ہوں اور اُس ننگے کی سی تھی

لیک عشقِ عاشقاں تن زہ کُند
لیکن عاشقوں کا عشق اُنہیں لاغر بناتا ہے

عشقِ معشوقاں خوش و فربہ کُند
اور معشوقوں کا عشق اُنہیں موٹا تازہ کرتا ہے

جو کہتا تھا کہ لوگ میرے کپڑے کا دامن کاٹ رہے ہیں۔ وہ ایسے ہو گئے تھے جیسے کھا کھا کر موٹے ہو گئے ہوں اور کواڑوں کی درز میں سے نکل بھاگیں۔ کواڑ کی درز سے موت کا راستہ مراد ہے جو کسی کو نظر نہیں آتا۔ کواڑوں کی درز بھی نظر نہیں آتی۔

یہ بظاہر مزاحیہ اور افسانوی باتیں ہیں لیکن تُو ان سے نتائج نکال لے۔ یہ قصہ بے کار نہیں ہے۔ اس قصے میں بہرے سے انسان کی تمنائیں مراد ہیں۔ تمنا اور اُمید دوسروں کی موت کی خبر سُنتی ہے اپنی موت کی خبر سے بہری ہوتی ہے اور دُنیا میں اپنے منتقل ہونے کو نہیں دیکھتی۔ قصہ میں اندھے سے مراد حرص ہے جو اپنے محبوب سے اندھی ہے اور دوسروں کے عیب خوب دیکھتی ہے۔ ننگے سے مراد وہ شخص ہے جو نیک اعمال سے خالی اور آخرت کی دولت سے مُفلس ہے۔ کامیاب دُنیا دار دراصل مُفلس ہے کیونکہ دنیوی دولت آخرت میں کوئی فائدہ نہ پہنچا سکے گی۔ دُنیا دار ننگا پیدا ہوا اور تقویٰ کے لباس سے ننگا مرے گا۔ جب اُس پر دُنیا کی دولت کی حقیقت کھل جائے گی جس پر چوروں سے ڈرتا تھا تو اپنے اُوپر ہنسے گا۔ ایسے لوگوں کی حالت اُس بچّے کی سی ہوگی جس کے پلّو میں کنکریاں بندھی ہوں اور وہ اُن کنکریوں کے لٹنے سے ڈرتا ہو اور ایک کنکری بھی گر جائے تو رونے لگے اور کنکری اُسے دے دو تو ہنسنے لگے۔ اِس دُنیا کی جمع شُدہ دولت ایسی ہی ہے جیسے کوئی خواب میں دولت کو دیکھے۔ جو شخص خواب میں اپنے مال کو چوروں کے ہاتھوں لٹنے سے ڈرتا ہے۔ بیدار ہونے پر اُسے اپنے آپ پر ہنسی آئے گی۔

دنیادار عقلمندوں کو قرآن نے بے علم کہا ہے۔ دنیادار عالم یہ کہتا ہے کہ لوگ میرا وقت ضائع کرتے ہیں جس سے میرے علم کو خطرہ ہوتا ہے حالانکہ وہ نہیں سمجھتا کہ اُس کا وقت اُس کے لئے قطعاً غیر مُفید ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ لوگ آ کر مجھے بے کار بناتے ہیں حالانکہ جو اُس کی مصروفیتیں ہیں وہ خود بیکاری کے مترادف ہیں۔ یہ دنیادار عالم علوم آخرت سے خالی ہے لیکن سمجھ رہا ہے کہ دوسرے اُس کے علوم کو برباد کر رہے ہیں۔ وہ دُنیا کے لاکھوں علوم کا عالم ہے لیکن اپنی رُوح کے بارے میں ظالم اور جاہل ہے۔ فقیہ اتنا تو جانتا ہے کہ یہ بات جائز ہے اور یہ بات ناجائز ہے لیکن اُس کو اپنا کچھ پتہ نہیں ہوتا کہ وہ خود کس حالت میں ہے۔ دوسروں کے حال سے واقف اور اپنے حال سے ناواقف ہونا حماقت ہے۔ تمام علوم کی اصل تو یہ ہے کہ انسان اپنے بارے میں یہ علم حاصل کرے کہ قیامت کے دن اُس کا کیا حال ہوتا ہے۔ دین کے اصول جاننا تو ضروری ہے لیکن اُس سے زیادہ ضروری یہ ہے کہ اپنی رُوح کے بارے میں غور کرے کہ وہ نیک ہے یا نہیں۔

چوں دریں دل برقِ مہرِ دوست جست	اندراں دل دوستی میداں کہ ہست
جب اِس دل میں دوست کی محبت کی بجلی کوندی	سمجھ لے کہ اُس دل میں بھی محبت ہے

سبا شہر کی خوش حالی اور اُن کی ناشکری کا بیان

سبا والوں کے بڑے وسیع باغ اور چراگاہیں اور جائیدادیں تھیں۔ پھل اس قدر کثرت سے ہوتا کہ اُن کو محنت کرنے کی ضرورت ہی نہ پڑتی۔ ہر طرف دولت اور رزق کے انبار لگے رہتے کہ چور کو چوری کرنے کی ضرورت ہی نہ پڑتی لیکن وہ لوگ ذاتِ باری کا بالکل شکریہ ادا نہ کرتے۔ اُن کی طرف انبیاء علیہم السلام کو بھیجا گیا کہ اُن کو سیدھا راستہ دکھائیں۔ وہاں تیرہ پیغمبر آئے اور اُنہیں کہا کہ اللہ کی نعمتوں کا شکریہ ادا کرو اور سَروں کو اُس کے آگے سجدوں میں جھکا دو۔ شکرانے کے طور پر اللہ کی عبادت کرو۔ سبا والوں نے جواب میں کہا: ہم تو اِن نعمتوں سے تنگ دل ہیں اور اب ہمارے لئے نہ عبادت میں لذّت رہی ہے اور نہ گناہ میں۔ چیزوں کی فراوانی انسانی نظروں میں اُس کی قدر و قیمت کھو دیتی ہے۔

انبیاء علیہم السلام نے کہا کہ تمہارے دل میں مرض پیدا ہو گیا ہے، جس نے حق شناسی کو تباہ کر دیا ہے اور تم نعمتوں کو زحمت سمجھنے لگے ہو۔ بیمار کو اگر دُرست غذا بھی دی جائے تو وہ اُس کی بیماری میں اِضافہ کرتی ہے۔ اِس لئے جو لوگ تمہارے خیر خواہ ہیں وہ تمہیں بیگانے لگتے ہیں حالانکہ وہی تمہارے پیارے ہیں۔ اِس بیماری کا اثر ہے کہ تم شُکر کو بُری چیز سمجھتے ہو۔ اِس بیماری سے تو آبِ حیات بھی زہر لگتا ہے۔ ہر نصیحت کرنے والا تمہیں بُرا لگتا ہے۔ جو دوستی عقل کی بنیاد پر ہوتی ہے اُس میں اِضافہ ہوتا رہتا ہے اور جو دوستی نفسانی غرض پر مبنی ہوتی ہے وہ دن بدن گھٹتی رہتی ہے۔ نفسانی دوستی کسی غرض کی وجہ سے ہوتی ہے۔ اگر ایسا دوست بنانا چاہتے ہو جس سے کُل کو نفرت نہ ہو تو کسی عقل مند سے دوستی کرو۔ نفسانی مریض کا علمی اور عملی ذوق فنا ہو جاتا ہے۔ اُسے عُمدہ قسم کے علمی نکتے بُرے لگتے ہیں۔

اگر قلبی بیماری کا علاج ہو جائے تو پرانی باتوں میں بھی نئے نکتے نظر آنے لگتے ہیں۔ جسمانی طبیب تو نبض دیکھ کر بیماری معلوم کرتے ہیں لیکن انبیاء علیہم السلام اور اولیاء رحمہم اللہ بلاواسطہ دل کو دیکھ لیتے ہیں۔ وہ انسانوں کو بتاتے ہیں کہ تمہارا کون سا فعل اور قول مُہلک ہے اور کون سے اَفعال اور اقوال اللہ سے قریب کرتے ہیں اور کون سے اللہ سے دُور کرتے ہیں۔ اگر ایسا دوست بنانا چاہتے ہو جس سے کُل کو نفرت نہ ہو تو عقل کی بنیاد پر عقلمند سے دوستی کرو۔ انبیاء علیہم السلام انسانوں کے لئے نیکی اور بدی کو خوب واضح کر کے بیان کرتے ہیں۔ اُس کے بعد انسان کو اِختیار ہے کہ وہ بدی کا راستہ اِختیار کرے یا بھلائی کا۔ انبیاء علیہم السلام چونکہ وحیِ الٰہی سے رہبری حاصل کرتے ہیں اس لئے کبھی غلطی پر نہیں ہوتے۔

تمام انبیاء علیہم السلام کہتے ہیں "ہم تم سے اس کام کی مزدوری نہیں مانگتے ہیں ہماری مزدوری تو اللہ ہی کے ذمہ ہے"

در دلِ تو مہرِ حق چوں شُد دو تو جب تیرے دل میں اللہ کی محبت دو گنی ہُوئی	ہست حق را بے گماں مہرے بتو سچ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو بھی تجھ سے محبت ہے

لوگوں نے کہا کہ اپنی نبوت پر گواہ لاؤ۔ تم کیسے انبیاء علیہم السلام ہو کہ بازاروں میں چلتے پھرتے ہو اور کھاتے پیتے ہو؟ تم ہماری ہی طرح کے ہو تو ہماری کیا اِصلاح کر سکتے ہو؟ تمہیں بڑا بننے کے شوق نے پیغمبری کا دعویٰ کرایا ہے۔ نبیوں نے کہا: جو شخص ہماری رسالت کو نہیں دیکھتا ہے اور گواہ طلب کرتا ہے یہ بات خود اِس بات کی گواہ ہے کہ وہ اندھا ہے۔ جو شخص علی الاعلان نبیوں کی مخالفت کرے گا تو ہمیشہ کے لئے بدبختی میں مبتلا ہو جائے گا۔

قرآن میں ہے "جب قرآن پڑھا جائے تو تم کان لگا کر خاموشی سے سنو تا کہ تم پر رحم کیا جائے"۔ اِس کے علاوہ انبیاء علیہم السلام اور رسولوں کے سامنے زیادہ گفتگو مناسب نہیں ہے۔ اُن کے لئے ہر طرح کی قربانی کرو تا کہ اللہ تمہاری ایسی تعریف کرے کہ آسمان کو اِس پر حسد آئے۔ جب اُن رُوحانی اَطبّاء کی دلداری کی جائے گی تو انسان پر خود اپنی حقیقت کھل جائے گی۔ لوگوں نے کہا: اللہ کا قاصِد انسان نہیں ہونا چاہیے' کسی انسان کا ہمراز ہونا عقل میں نہیں آسکتا۔ اُنہوں نے کہا: ہمیں تو تمہاری باتیں خرگوش اور چاند والا قِصّہ لگتی ہیں۔

خرگوشوں کا قصہ، جنہوں نے ایک خرگوش کو ہاتھی کے پاس قاصد بنا کر بھیجا

تمام جانور ہاتھیوں کے چشمے پر آنے سے تنگ تھے کیونکہ اُن کے ڈر سے جانور پانی پینے نہیں جا سکتے تھے۔ سب نے مل کر تجویز سوچی کہ کوئی ہاتھیوں کو یہاں آنے سے روکے۔ ایک بوڑھے خرگوش نے پہاڑی پر چڑھ کر آواز دی کہ اے ہاتھیو! ٹھہر جاؤ۔ چاندرات میں چاند چشمے کے پانی میں نظر آ رہا تھا۔ اُس نے کہا: میں چاند کا قاصِد ہوں اور سب سے کہہ رہا ہوں کہ چاند کہتا ہے: چشمہ میری ملکیت ہے۔ اگر یہاں پانی پیو گے تو میں تمہیں اندھا کر دوں گا۔ میں نے چاند کا حکم تم تک پہنچا دیا ہے۔ آگے تم خود ذِمّہ دار ہو۔ میرے قاصِد ہونے کی دلیل یہ ہے کہ جب چاندرات میں تم پانی پیتے ہو تو چاند ہلتا ہے۔ ہاتھیوں کا بادشاہ سب سے پہلے آگے آیا۔ وہ پانی میں داخل ہوا تو چاند کا عکس ہلنے لگا۔ اُس کو خرگوش کی باتوں کا یقین آ گیا اور وہ ڈر کر بھاگ گئے۔ اہلِ سَبا نے کہا ہم ایسے بے وقوف نہیں ہیں کہ ہاتھیوں کی طرح تمہاری باتوں میں آ جائیں۔

انبیاء علیہم السلام نے کہا کہ ہماری نصیحت سے تمہارے انکار کی بیڑیاں اور سخت ہو گئی ہیں اور تمہارے لئے دوا نے زہر کا کام کیا ہے۔ جب کسی پر غضبِ خداوندی ہوتا ہے تو نورِ ہدایت اُس کے لئے مزید اندھیرے کا سبب بن جاتا ہے۔ جس کو اللہ کے تقرب سے وہ مرتبہ حاصل ہو جو آسمان سے بھی بلند ہے وہ تمہاری سرداری کا کیا خواہش مند ہو سکتا ہے۔ ایسی آنکھ شیطانی ہو گی جسے حضرت آدم علیہ السلام مٹی کا پتلا نظر آئے اور اُن کے باطنی اوصاف نظر نہ آئیں۔ اہلِ سَبا سے انبیاء علیہم السلام

عشق ہائے کز پئے رنگے بود
وہ عشق جو رنگ و روپ کی خاطر ہوتا ہے

عشق نبود عاقبت ننگے بود
عشق نہیں ہوتا، انجام کار ذلّت اور رسوائی ہوتی ہے

نے کہا: چونکہ تم بُت پرستی میں مبتلا ہو اِس لئے لعنت اور اندھا پن تم پر مسلط ہو گیا ہے۔ اُس کی علامت یہ ہے کہ پتھر کے بُت کو تم اللہ کا شریک سمجھ رہے ہو مگر عقل اور جان کو اللہ کا ہمراز سمجھنے میں تمہیں اشکال پیش آ رہا ہے۔ بُت جسے تم نے اپنے ہاتھوں سے بنایا اللہ کا شریک ہو گیا لیکن انسان جو کہ اللہ کا بنایا ہوا ہے، تمہارے نزدیک اللہ کا ہمراز نہیں ہو سکتا۔

حکیم سنائی رحمۃ اللہ علیہ نے الٰہی نامہ میں جو باتیں سمجھائی ہیں وہ یہ ہیں کہ کفار کی محرومی اور اُن کی عجیب عقل پر تعجب کی ضرورت نہیں ہے۔ اِس میں اللہ کی حکمتیں مُضمر ہیں اور وہی اپنی حکمتوں کو خوب سمجھتا ہے۔ اُس کے فیصلوں میں بحث کرنا بیکار ہے۔ اُس کے ہر کام میں مناسبت ہے۔ اُس نے جسموں اور رُوحوں میں بھی مناسب اَوصاف پیدا کیے ہیں۔ اگر اُس نے ایک رُوح کے لئے کفر کی صفت پیدا فرمائی ہے تو وہی صفت اُس کے لئے مناسب ہے۔ انسان کا دل اور آنکھ قدرت کی دو انگلیوں کے قبضے میں ہیں اور وہ جس طرف چاہتی ہے اُن کا رُخ موڑ دیتی ہے۔ اپنے دل کو ہمیشہ اس حال میں رکھیں کہ وہ سمجھتا ہو کہ وہ کس ذات کے قبضے میں ہے۔ انسان اور انسان میں جو فرق ہے وہ قیامت کے چوراہے پر ظاہر ہو گا۔ قلمِ تقدیر کے لکھے ہوئے سے نجات کا راستہ صرف عاجزی اور گریہ ہے۔ عقلمند لوگ اپنے دل کے اَحوال سے اپنی اچھائی اور بُرائی کا اندازہ لگا لیتے ہیں لیکن انسانی عقل اللہ تعالیٰ کی ذات اور اُس کے معاملات کو سمجھنے سے قاصر ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسا نبی بھی اِس حقیقت سے ناواقف رہا کہ اُس کے عصا میں اللہ نے کیا قوت رکھی ہے۔ وہ اُس کو محض لاٹھی سمجھتے رہے حالانکہ وہ اژدہا تھا۔ جب اُس نے اپنے ہونٹ چلائے تب اُن پر راز منکشف ہوا۔ تو جب موسیٰ علیہ السلام کا علم بھی ناقص ہے تو تم اپنی نفسانی خواہشوں کی حقیقت کو جو کہ دراصل شیطانی جال ہیں کیسے سمجھ سکتے ہیں۔ اللہ کے کسی فعل پر اِعتراض اِسی طرح ہے جیسے شیطان نے کہا تھا کہ اے اللہ! تُو نے مجھے آگ سے بنایا اور اِس آدم کو مٹی سے لہٰذا میں اِس سے افضل ہوں تو اُس کو سجدہ کیوں کروں۔ قارون سے کہا گیا کہ اللہ نے تجھے جو دولت دی ہے اُس کے ذریعے آخرت کا طالب بن تو اُس نے جواب میں کہا کہ یہ دولت تو مجھے میرے علم اور تدبیر سے حاصل ہوئی ہے، اس میں کسی کا کیا دخل ہے۔ نمرود بھی ایسی ہی حماقت کی وجہ سے خدائی کا دعویٰ دار بنا اور تباہ ہوا۔ فرعون نے یہی غلطی کی اور دریا میں غرق ہوا۔ قومِ عاد نے بھی ایسی ہی مثالوں کو سوچا تو اُن کی ہڈیاں بھی ریزہ ریزہ ہو گئیں۔ ہر بدبخت کو ہمیشہ ایسا ہی نتیجہ دیکھنا پڑا۔

عشق زندہ در رواں و در بصر　　ہر دمے باشد ز غنچہ تازہ تر

زندہ کا عشق رُوح اور آنکھ (ظاہر و باطن) میں　　ہر وقت غنچے سے بھی زیادہ تر و تازہ رہتا ہے

حضرت نوح علیہ السلام کے کشتی بنانے کے وقت قوم کے مذاق کی مثال کا بیان

حضرت نوح علیہ السلام کشتی بنانے لگے تو سینکڑوں مذاق کرنے والے جمع ہو گئے۔ وہ کہتے تھے: کشتی کی ضرورت تو دریا میں ہوتی ہے جہاں پانی ہو یہ کشتی کیا خشکی پر دوڑے گی؟ اس کشتی کو پَر لگا دو تا کہ اُڑنے لگے۔ مذاق میں کوئی کہتا: اس کا پچھلا حصہ ٹیڑھا ہے۔ کوئی کہتا: اِس گدھے کا پالان کہاں ہے؟ حضرت نوح علیہ السلام جواب دیتے کہ میں کشتی خدا کے حکم سے بنا رہا ہوں اور تمہارے مذاق اُڑانے سے اپنے کام میں کوتاہی نہیں کر سکتا۔ جس طرح آج تم میرا مذاق اُڑا رہے ہو اسی طرح آئندہ دیکھنا ہم تمہارا مذاق اُڑائیں گے۔

ایک مثال سُن لے۔ ایک چور رات کے وقت کسی مکان کی دیوار کی جڑ میں گڑھا کھود رہا تھا۔ صاحبِ خانہ جو کہ بیمار تھا اُس نے کھٹ کھٹ کی آواز سنی تو کوٹھے پر چڑھ کر پوچھا کہ تُو کون ہے؟ اور کس کام سے لگا ہے؟ اُس نے جواب دیا کہ ڈھول بجا رہا ہوں۔ اُس نے پوچھا: ڈھول کی آواز تو سُنائی نہیں دے رہی۔ اُس نے جواب دیا: اس کی اصل آواز تُو کل سُنے گا' جب تیرا سب کچھ لُٹ چکا ہو گا۔ جب میں لُوٹ کر چلا جاؤں گا۔

اِسی طرح تُو خرگوش کو شیطان سمجھ جو تیرے نَفس کے سامنے قاصد بن کر آیا۔ تیرا نَفس ہاتھی ہے اور پانی سے مراد وہ آبِ حیات ہے جو خضر علیہ السلام نے حاصل کر لیا تھا۔ شیطان' نَفس کو گمراہ کر کے آبِ حیات سے محروم کر دیتا ہے۔ اہلِ سبا نے اِس قِصّہ کو اُلٹ کر کے خرگوش سے انبیاء علیہم السلام مراد لئے۔ انبیاء علیہم السلام کو دھوکے باز خرگوش سے تشبیہ دینا کفر ہے۔ اے اہلِ سبا! تمہاری تو حقیقت ہی کیا ہے؟ انبیاء علیہم السلام کی ناراضگی بہت سے شہروں کی تباہی کا سبب بنی ہے۔ اِس کی وجہ سے پہاڑ شق ہوئے ہیں۔ حضرت لوط علیہ السلام کی ناراضگی سے بستیاں ویران کر دی گئیں۔ اللہ کے بندے کی ناراضگی کی وجہ سے ہی ابرہہ کے ہاتھیوں کا لشکر ابابیلوں کے کنکروں سے ہلاک ہوا۔ حضرت نوح علیہ السلام کی ناراضگی سے قوم پر پانی کا طوفان آیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ناراضگی سے قومِ فرعون پانی میں غرق کر دی گئی۔ حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو ذبح کرنے کی وجہ سے قوم چیخ کے عذاب سے ہلاک ہوئی۔ پھر بھی تم عبرت نہیں پکڑتے۔ جب انسان خود ہی اپنے آپ کو اندھا بنا لے تو وہ نور سے محروم کر دیا جاتا ہے۔

انبیاء علیہم السلام کے معجزوں سے تو غیر ذی رُوح بھی متاثر ہوتے ہیں لیکن سنگدل انسان متاثر نہیں ہوتا۔ عقل اور انصاف ہو تو انسان حقیقت کو سمجھ لیتا ہے لیکن اہلِ سبا عقل اور انصاف سے بے بہرہ تھے۔ اہلِ سبا! اِن شریف رسولوں کا کہنا مان لو۔ یہ عاشقانِ خدا ہیں' اِن کی تصدیق کرو۔ یہ مجسّم نور ہیں' اِن کی اتباع قیامت کی رُسوائیوں سے بچائے گی۔ قیامت

عشق آں زندہ گزیں کو باقی ست
اُس زندہ کا عشق اختیار کر جو کہ سدا رہنے والا ہے

وز شرابِ جانفزایت ساقی ست
اور جانفزا شراب سے تجھے سیراب کرنے والا ہے

میں ہم نے اِن حضرات کا سامنا کرنا ہے۔ اگر دُنیا میں کہنا نہ مانو گے تو وہاں کام نہ چلے گا۔ یہ رہنما اس قدر مخلص ہیں کہ تم سے کسی دولت کے طلبگار نہیں۔ انبیاء علیہم السلام جو کچھ خدا کے بارے میں گواہی دے رہے ہیں اُس کو سنو۔ آسمان تک بھی اِس کے تابع فرمان ہے' تم بھی اِس کے تابع بن جاؤ۔ اللہ کی اطاعت کی دو صورتیں ہیں ایک تو یہ ہے کہ پہلے نافرمانوں کا انجام دیکھ لو یا آخرت کے معاملہ میں پختہ کاری' احتیاط اور ہوشیاری برتو۔ احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ آخرت کے لئے اعمالِ صالحہ کا توشہ لے لے۔ اگر نعوذ باللہ آخرت کا معاملہ محض افسانہ بھی ہے تو اعمالِ صالحہ کر لینے میں کوئی مضرت بہرحال نہیں ہے اور اگر آخرت کا معاملہ حقیقت ثابت ہوا تو یہ اعمالِ صالحہ کام آئیں گے اور قیامت حقیقتاً ہوئی اور اعمالِ صالحہ نہ ہوئے تو لامحالہ تباہی ہے۔

اِس لئے احتیاط یہی ہے کہ نیک کام کر لئے جائیں۔ حاسد شیطان ہر ابنِ آدم کے پیچھے لگا ہوا ہے۔ اُس نے چالاکی سے حضرت آدم علیہ السلام کو ایسا بدحال کر دیا کہ انہیں لغزش پر اس قدر رونا پڑا کہ اُن کی تری سے زمین پر گھاس اُگ آئی۔ اے جسم کے پجاریو! اس (شیطان) کے سر پر ہمیشہ لَاحَوْلَ کی تلوار چلاتے رہو۔ چونکہ تمہیں وہ نظر نہیں آتا اِس لئے اُس کے مارنے کے لئے صرف لَاحَوْلَ کی تلوار ہی کام دے سکتی ہے۔ شیطان بھی اسی طرح شکار کھیلتا ہے کہ نفسانی شہوات کے دانے ڈال دیتا ہے اور خود چھپا رہتا ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ دانہ چگو اور جال میں نہ پھنسو لہٰذا دانہ دیکھ کر ہی بھاگ جاؤ۔ جو شیطانی لذتوں سے بچے گا وہ جنت کے باغوں میں غذائیں حاصل کرے گا۔

اُس پرند کے حال کی تباہی جس نے لالچ سے پُختہ کاری چھوڑ دی

ایک پرند ایک درخت کی شاخ پر بیٹھا تھا۔ اُس کی آنکھ دانے پر جمی ہوئی تھی اور حرص اُسے اُس دانے کی طرف کھینچ رہی تھی۔ حرص نے اُسے عقل سے خالی کر دیا۔ اُس نے دانا کھایا اور شکاری کے جال میں پھنس گیا۔ شکاری نے اُسے ذبح کیا اور کھا لیا۔ ایک اور پرند بھی تھا جو اُس دانے کو دیکھ رہا تھا۔ اُس نے لالچ نہ کیا اور اپنی نظر جنگل کی طرف لگا لی۔ اِس طرح جال سے نجات پا گیا۔ انسان کو اس سے عبرت حاصل کرنی چاہیئے' ورنہ برباد ہو جائے گا۔ پختہ کاری انسان کو کامیابی کی طرف لے جاتی ہے۔ اللہ نے ہر کام کے ساتھ اُس کا جوڑ لگا دیا ہے۔ گناہ کے ساتھ توبہ کا جوڑ لگا ہے۔ تُو گناہ کرتا ہے اور پھر توبہ کرتا ہے' نادانی سے توبہ توڑ دیتا ہے۔ تُو پھر توبہ کر لے اللہ ضرور قبول فرمائے گا' لیکن ایسا ہمیشہ نہیں ہوتا۔ توبہ کا شکر یہ تو یہ ہے کہ پھر کبھی معصیت کی طرف رُخ بھی نہ کرے۔

توبہ کے بعد گناہ معاف ہو جاتے ہیں لیکن بار بار توبہ کرنے اور توڑنے والوں کی حالت تو اُن کتوں کی سی ہے جو جاڑے میں سردی کی تکلیف سے دُبلے ہو جاتے ہیں اور سوچتے ہیں کہ آئندہ گرمیوں میں اپنے لئے پتھروں کا گرم گھر

عشق آں بگزیں کہ جملہ انبیاء
اُس کا عشق اختیار کر کہ تمام نبیوں نے

یافتند از عشقِ اُو کار و کیا
اُس کے عشق سے عزت و شرف پایا

بنائیں گے تا کہ جاڑوں کی تکلیف سے بچ جائیں۔ گرمی کے موسم میں جاڑوں کی تکلیف ختم ہو جاتی ہے۔ وہ آرام سے درختوں کی چھاؤں میں سوتے رہتے ہیں اور خوب موٹے ہو جاتے ہیں اور سمجھنے لگتے ہیں کہ وہ کسی گھر میں نہیں سما سکیں گے۔ جب انسان مصیبت میں مبتلا ہوتا ہے تو توبہ کے ذریعے اپنے لئے آرام گاہ بنانے کا سوچتا ہے۔ مصیبت سے نجات پاتے ہی اپنی توبہ کو بھول جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر اُس کا شکریہ ادا کرنا نعمت سے بھی زیادہ اچھا ہے۔ شکر گزار بندہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کر لیتا ہے۔ شکر اور نعمت میں وہی نسبت ہے جو بدن اور رُوح میں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''اگر تم شکر کرو گے تو ہم نعمتوں میں اضافہ کر دیں گے''۔ اللہ تعالیٰ جس کو شکر کی نعمت عطا فرما دیتا ہے تو وہ بڑا اور بے نیاز بن جاتا ہے۔ دولت کو فقیروں میں تقسیم کرتا ہے۔ اللہ کی جانب سے ایسی غذائیں حاصل کرتا ہے جن کی وجہ سے تن پروری اور دوسرے لوگوں کا دروازہ کھٹکھٹانے سے آزاد ہو جاتا ہے۔ شکر مزید نعمتوں کا سبب بنتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا کفر انسان کو کافر بنا دیتا ہے۔ جبری کافروں نے کہا: اگر ہم اپنے اختیار میں ہوتے تو تمہاری نصیحت کو ہم یقیناً مان لیتے لیکن اگر اللہ تعالیٰ نے ہمارے دلوں پر مُہر لگا دی ہے تو ہم کیا کر سکتے ہیں۔ جب خدا نے ہمیں منکر بنایا ہے تو اب ہم کس کی گفتگو سے مومن بن سکتے ہیں۔ اگر کوئی پتھر کو لعل بننے کو کہے تو یہ کہنا سب بیکار ہے۔ جن صفات پر اللہ نے چیزوں کو پیدا فرمایا ہے اُن میں تبدیلی ناممکن ہے۔ ہر چیز کا ایک حصہ مقرر ہے' اُس کو وہی حاصل ہوگا۔ ہماری کوشش سے پہاڑ کیسے بن سکتا ہے۔

انبیاء علیہم السلام نے جواب میں کہا: صفات دو قسم کی ہیں۔ ایک میں تبدیلی ناممکن ہے اور دوسری میں ممکن ہے۔ ایک چیز میں مبغوض ہونے کی صفت ہوتی ہے پھر وہی چیز محبوب بن جاتی ہے تو اُس کی یہ صفت بدل گئی۔ ریت میں گل و گلزار بن جانے کی صفت ہو سکتی ہے۔ اس طرح بعض امراض لاعلاج ہیں اور بعض قابلِ علاج۔ گونگا پن کا علاج نہیں ہے لیکن سر درد کی کیفیت علاج سے ٹھیک ہو سکتی ہے۔ جو دوائیں امراض کا اِزالہ کرتی ہیں اُن دواؤں اور امراض میں ایک مناسبت ہوتی ہے۔ اہلِ سبا نے کہا: اگر ہم تسلیم بھی کر لیں کہ اَوصاف میں تبدیلی اور امراض کا علاج ممکن ہے تو ہمارا وصف اور مرض ناقابلِ علاج ہے۔ اِس کی دلیل یہ ہے کہ سالہا سال سے تم لوگ ہمیں نصیحتیں کر رہے ہو لیکن ہمارے دل اور بھی سخت ہو گئے ہیں۔ اگر ہمارا مرض قابلِ علاج ہوتا تو کچھ تو فائدہ ہوتا۔

انبیاء علیہم السلام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی رحمت سے نااُمیدی بُری چیز ہے۔ بہت سے معاملے شروع میں مشکل نظر آتے ہیں پھر آسان ہو جاتے ہیں۔ نااُمیدیوں کے بعد اُمیدیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ ہم مانتے ہیں کہ تم سنگدل ہو گئے ہو لیکن یہ

سر ندارد چُوں ازل بُودست پیش
(عاشق کے خیال کا) سر نہیں ہوتا ہے کیونکہ "ازل" بھی پہلے کا ہے

پا ندارد با ابد بُودست خویش
(وہ) انتہا نہیں رکھتا ہے (اسلئے کہ) ابد سے وابستہ ہے

سمجھ لو کہ تبلیغ رسالت میں ہمیں تمہارے قبول کرنے یا انکار سے بحث نہیں ہے' ہم تو اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کر رہے ہیں۔ اگر وہ ہمیں ریت میں بیج بونے کا حکم دے گا تو ہم بو دیں گے خواہ وہ اُگے یا نہ اُگے۔ چونکہ تمہیں تبلیغ کرنے کا بھی ہمیں حکم ہے اس لئے ہم اُس کے احکام تمہیں پہنچا رہے ہیں۔ ہمیں اِس سے سروکار نہیں کہ کوئی ہماری بات قبول کرتا ہے یا نہیں۔ ہم اللہ ہی کے بندے ہیں اور اُسی کی خاطر لوگوں کی دشمنی مول لے رہے ہیں۔ تبلیغ میں ناکامی ہمارے راستے کی رکاوٹ نہیں ہے۔ دل گرفتہ وہ ہوتا ہے جو دوست سے مجبور ہو۔ ہمیں تو ہر وقت قربِ الٰہی حاصل ہے۔ ہمارا محبوب جو کہ حضرتِ حق ہے۔ ہر وقت ہمارے ساتھ ہے۔ اُس کی رحمتیں ہر وقت ہم پر نچھاور ہوتی رہتی ہیں۔ ہمارے دل اُس کی محبت سے گلزار ہیں۔

جب انسان پر رُوحانیت کا غلبہ ہو جاتا ہے تو زمان و مکان کی قید سے رہائی ہو جاتی ہے۔ جسم زمان و مکان کا پابند ہے۔ اصحابِ کہف پر رُوح کا غلبہ تھا تو اُن کے لئے تین سو نو سال ایک روز کے برابر تھے۔ اُنہوں نے کہا تھا کہ ہم تو اس حالت میں ایک دن یا دن کا کچھ حصہ رہے ہیں جبکہ رُوح زمان و مکان سے مقید نہیں ہے تو اُس کے لئے نہ بڑھاپا ہے اور نہ تھکن۔ اس عالم کی یہ مستی قربِ الٰہی کی وجہ سے ہے۔ جس نے کسی چیز کو چکھا نہ ہو وہ اُس کا ذائقہ نہیں جان سکتا۔ جس طرح دوزخ' جنت کا تصور بھی نہیں کر سکتی اِسی طرح اہلِ دُنیا اس مستی کو سمجھ ہی نہیں سکتے۔ انبیاء علیہم السلام کی اطاعت کر لینے والے نجات پا جاتے ہیں اور جو اُن کے منکر ہوتے ہیں وہ ابدی عذاب میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اہلِ سبا بولے: تم اپنے آپ کو باسعادت قرار دیتے ہو لیکن ہم تمہیں نحوست سمجھتے ہیں کیونکہ ہم فکروں سے فارغ تھے تم نے ہمیں فکرمند بنا دیا۔ ہم متفق تھے' اب ہم میں اختلاف پیدا ہو گیا ہے۔

انبیاء علیہم السلام نے کہا: جو بُرائیاں تم نے بتائی ہیں اُن کا سبب ہم نہیں ہیں۔ ہم تو تمہیں عذاب سے ڈراتے ہیں' جو تم پر نازل ہونے والا ہے۔ اِس لئے کہ نبی اپنی آنکھوں سے وہ عذاب دیکھ لیتا ہے جو منکروں پر نازل ہونے والا ہوتا ہے۔ تمہاری مثال اُس مریض کی سی ہے جس کو طبیب مُضر چیز کھانے سے روکے اور وہ طبیب پر اُلٹے الزام دھرے۔ تم لوگ نجومیوں اور طبیبوں کی بات مان لیتے ہو جو کہ محض گمان سے بات کہتے ہیں لیکن ہماری پیشن گوئیاں جو بالکل صحیح ہوتی ہیں اُن کو تسلیم کرنے کے لئے تم تیار نہیں ہو۔ تمہاری حالت یہ ہے کہ عذاب کا اژدہا تمہاری طرف بڑھ رہا ہے۔ ایک شخص بالاخانے سے اُسے دیکھ رہا ہے لیکن تم کہتے ہو کہ سانپ کی بات سُنا کر ہمیں غمگین نہ کرو اور خوشی کی زندگی گزارنے دو۔ جب اژدہا ڈس لے گا تو تمہاری ساری خوشیاں کڑوی ہو جائیں گی۔ پھر تم بتانے والوں سے یہ کہو گے کہ تُو میرے کپڑے پھاڑ ڈالتا تو میں مان لیتا۔ تُو مجھے پتھر مارتا تو میں آگاہ ہو جاتا۔

بلکہ چوں آب ست ہر قطرہ ازاں بلکہ وہ پانی کی طرح ہے اور اُس کا ہر قطرہ	**ہم سر ست و پا و ہم بے ہر دواں** سَر اور پَیر بھی رکھتا ہے اور بغیر سَر و پا بھی ہے

وہ جواب میں کہے گا: تُو میری بات سے آزردہ ہوتا تھا۔ وہ جواب دے گا کہ میں اب کون سا خوش ہوں۔ وہ کہے گا: میں تو شرافت سے کام لیتا تھا۔ تجھے مصیبت سے بچانے کے لئے نصیحت کرتا تھا لیکن تُو نے اِس نصیحت کی بالکل قدر نہ کی۔ کمینوں کا یہی طریقہ ہوتا ہے کہ تم اُن سے بھلائی کرو تو وہ اُس کے بدلے میں تم سے بُرائی کرے گا۔ انسان کا نفس ایسا ہی کمینہ ہے اُس کے ساتھ بھلائی کرنا اور اُس کو مضبوط بنانا مناسب نہیں ہے۔ اُس کو مجاہدوں سے کمزور کرتے رہو۔ کسی شریف سے شرافت کرو گے تو وہ ستر گنا شرافت برتے گا۔ کمینے پر جور و جفا کرو گے تو وہ اطاعت کرے گا۔ کافر بھی ایسا ہی کرتے ہیں۔ دُنیا میں اُن کو اللہ کی نعمتیں ملیں تو کفر بڑھا لیکن دوزخ کے عذاب میں خدا کو مانیں گے اور پکاریں گے۔ اللہ نے زمین اور آسمان کو حکم دیا کہ دونوں آؤ خوشی سے خواہ جبر سے تو دونوں نے کہا: ہم خوشی سے حاضر ہیں۔ اطاعت کرنی ہی پڑتی ہے خواہ خوشی سے خواہ مجبوری سے۔

جن و اِنس کی تخلیق کا باعث عبادت اور اطاعت ہے۔ اگر خوشی سے نہیں کریں گے تو جبراً کرنی پڑے گی۔ مومن جنت اور دُنیا میں اطاعت گزاری کرے گا اور کافر دوزخ میں کرے گا۔ انسان میں بہت سے کام کرنے کی صلاحیتیں ہیں لیکن اُس کی تخلیق کا اصل مُدّعا عبادت گزاری ہے۔ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ "میں نے نہیں پیدا کیا جنوں اور انسانوں کو مگر عبادت کے لئے"۔ کسی کتاب کی تصنیف اور اشاعت کا اصل مقصد اُسی فن و علم کو جاننا ہے جس فن کی وہ کتاب ہے۔ اگر تم اُس کا تکیہ بناؤ گے تو وہ تکیہ تو بن جائے گا لیکن یہ تمہاری غلطی ہوگی۔ اسی طرح اگر انسان عبادت نہ کرے گا بلکہ دوسرے کاموں میں لگے گا تو یہ اُس کی غلطی ہوگی۔ تلوار کا اصل مقصد اُس کے ذریعے فتح پانا ہے۔ وہ کھونٹا بھی بن سکتی ہے لیکن تُو اُس سے کھونٹے کا کام لے گا تو تیری حماقت ہوگی۔ ہر انسان کی تخلیق کا مقصد عبادت ہے لیکن ہر ایک کا عبادت خانہ جدا ہے۔ شریف کا مَعبد تو "کَرَّمْنَا" یعنی اکرام کیا گیا اور لئیم کا معبد "اَسْقَمْتُهٗ" ہے یعنی بیمار کیا گیا۔ شریف انسان انعاماتِ الٰہی کے وقت عبادت گزار بنتا ہے اور کمینہ مصیبت میں مبتلا ہو کر۔

اللہ نے ظالم بادشاہ متکبّروں کو تابع بنانے کے لیے بنائے جیسے حضرت موسٰی علیہ السلام نے بیت المقدس میں متکبّروں کے جُھک کر گزُرنے کے لیے کھڑکی بنائی،

جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بیت المقدس میں ایک کھڑکی بنائی جس میں سے جُھک کر گزرنا پڑتا تھا تاکہ بنی اسرائیل کے متکبّر وہاں سے جُھک کر گزریں۔ اِسی طرح اللہ نے متکبروں کے لئے ظالم بادشاہوں کا وجود اور

دوزخ بنائی۔ دوزخ کو بھی ایک چھوٹی کھڑکی ہی سمجھو کیونکہ وہاں کافر بھی سجدہ کریں گے۔ اُن متکبّر لوگوں کے سجدے اللہ تعالیٰ کے لائق نہیں تھے کیونکہ اُن کو اللہ سے کوئی مناسبت نہیں۔ یہ انسان ہیں لیکن انسانیت سے خالی ہیں۔ نیکوں کی اور اُن کی مثال وہی ہے جو گنے اور نرکل کی ہے۔ یہ لوگ چوہے کی طرح بلی سے تو ڈرتے ہیں لیکن شیر سے جو کہ بدرجہا افضل ہے نہیں ڈرتے۔ دوزخ اور ظالم لوگوں کی شکل میں اللہ نے اپنے جو کتے پالے ہوئے ہیں یہ لوگ اُن سے ڈرتے اور اُن کی اطاعت کرتے ہیں۔ بالا اور برتر خدا کو ماننا شریفوں کا کام ہے۔ اُن منکرین کے لیے ادنیٰ 'رَبّ' ہیں' لہٰذا یہ اُن ہی کو پوجتے ہیں۔ شیروں سے ڈرنا چوہوں کا کام نہیں بلکہ ہرن جیسے پاکیزہ اور معصوم جانور کا کام ہے۔ اب اُن کے اُن معبودوں کا زیادہ ذکر نہیں کرنا چاہیے ورنہ وہ معبود دل میں سمجھ بیٹھیں گے کہ ہم بھی کچھ ہیں۔ جبھی تو ہمارا اس قدر ذکر کیا جا رہا ہے۔

محنت اور مشقت کی زندگی گزارنے والے لوگ شاکر ہوتے ہیں اور عموماً مالدار سَرکش ہو جاتے ہیں۔ ایک قِصّہ سُن لو: ایک صوفی نے جب اپنا دسترخوان خالی دیکھا تو وجد میں آ گیا اور رقص کرنے لگا۔ دوسرے صوفی بھی اُس کے ساتھ شامل ہو گئے وہ خوب نعرے مار رہے تھے حتیٰ کہ مَست اور بے خود ہو گئے۔ ایک لغو انسان نے صوفی سے پوچھا کہ تمہارا دسترخوان تو روٹی سے خالی ہے اِس پر اتنی خوشی اور مَستی کس لئے ہے؟ صوفی نے جواب دیا کہ تو طالبِ وجود ہے ہماری بات کو نہیں سمجھ سکتا۔ ہم روٹی کے نہ ہونے ہی کے طالب ہیں۔ عشق ہمیں روٹی کا کام دیتا ہے۔ ہم ہر چیز کی فنا کے طالب ہیں۔ جس طرح عاشقوں کا نفع بغیر سرمایہ کے ہوتا ہے' اِسی طرح وہ بغیر پَروں کے پرواز کرتے ہیں' جیسے ننّے شیخ بغیر ہاتھ کے جھولی بُن لیتے تھے۔

امتیاز وجودات میں ہوتا ہے' عدموں میں یکسانیت ہے لہٰذا عاشقانِ خدا ایک رنگ ہوتے ہیں۔ ہر شخص اپنے سے مناسبت رکھنے والی بات کو سمجھتا ہے ورنہ اِعتراض کرتا ہے۔ اُس بے وقوف نے صوفی پر اِسی لئے اِعتراض کیا کہ وہ فنا کے ذوق سے ناواقف تھا۔ شیرخوار بچّہ صرف دودھ کے مزے سے واقف ہوتا ہے اور اُسی کی لذّت کو سمجھتا ہے۔ کھانوں کی لذّت کو نہیں سمجھ سکتا۔ پَری کی غذا صرف خوشبو ہے۔ انسانوں کے لئے کھانے درکار ہیں۔ وہ محض خوشبو سے پیٹ بھر جانے کو نہیں سمجھ سکتا۔ اشیاء کے اَحوال ہر شخص کے اِعتبار سے جُداگانہ ہیں۔ جس شخص کے مناسب جو حال ہے وہ اُسی کو سمجھ سکتا ہے۔ دریائے نیل حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اُن کی قوم کے لئے راستہ بنا لیکن فرعون اور اُس کا لشکر اِسی میں ڈوب گیا۔ آندھی سے قومِ عاد برباد ہوئی اور حضرت ہود علیہ السلام اور اُن کی قوم کے لئے فتح کا سبب بنی۔ آگ حضرت ابراہیم علیہ السلام

غیرِ معشوق ار تماشائی بوَد　　عشق نبوَد ہرزہ سودائی بوَد

جو کوئی اصل محبوب کے علاوہ کسی کا دیوانہ ہے　　وہ عاشق نہیں بلکہ سودائی ہے

کے لئے گلزار بنی لیکن وہ نمرود کے لئے باعثِ ہلاکت تھی۔ درد و غم عاشقوں کی غذا ہے اور کمینے اس طرح حلوہ بھی کھا جاتے ہیں تو اُن کو بدہضمی ہو جاتی ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے چہرے سے خدائی پیالہ پینے اور حضرت یوسف علیہ السلام کی خوشبو سے اللہ کی خوشبو حاصل کرنے میں حضرت یعقوب علیہ السلام اور حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کے درمیان فرق

چیزوں کے احوال مختلف اشخاص کے اعتبار سے مختلف کی ایک اعلیٰ مثال حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا چہرہ، حضرت یعقوب علیہ السلام کے لئے کچھ تاثیر رکھتا تھا اور دوسروں کے لئے اُس کی تاثیر دوسری تھی۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی خوبیاں حضرت یعقوب علیہ السلام کو نظر آئیں، بھائی نہ دیکھ سکے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام، حضرت یوسف علیہ السلام کے غم میں اپنے آپ کو ہلاک کئے دے رہے تھے، اُن کے بھائی اُن کو کنویں میں ڈال کر مارنے کی فکر کر رہے تھے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے چہرے کا دسترخوان حضرت یعقوب علیہ السلام کے لئے انوار و برکات سے پُر تھا، بھائیوں کے لئے خالی تھا۔ جن لوگوں کے دل نجاست سے پُر ہوں اُن کو انوار نظر نہیں آتے۔ اسی لئے کفار کو اللہ کا دیدار نہیں ہوگا۔ نماز میں کیفیات اس شخص کو میسر آئیں گی جو قلب کو مُصفّٰی کر کے حضورِ قلب کے ساتھ نماز ادا کرے گا۔ عاشقوں کی جانوں کے لئے عشق غذا ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام میں حضرت یوسف علیہ السلام کی طلب صادق تھی اس لئے انہیں دُور ہی سے اُن کی خوشبو محسوس ہو گئی۔ وہ شخص جو حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس لے کر گیا وہ طلبِ صادق سے خالی تھا۔ اُس کو اس قمیص میں کوئی خوشبو معلوم نہ ہوئی اور حضرت یعقوب علیہ السلام سینکڑوں میل سے اس خوشبو کو محسوس کر رہے تھے۔ جو عالم بے عمل ہوتے ہیں اُن کی مثال اس قمیص لانے والے کی سی ہے۔ عالمِ بے عمل کے وعظ سے اور علم سے جاہل جن میں طلبِ صادق ہوتی ہے فائدہ اُٹھا لیتے ہیں۔ بے عمل عالم کے پاس ایک عارضی چیز ہے جو موت کے بعد اُس کے لئے فائدہ مند نہیں۔ یہ تمام تقسیم اللہ کی جانب سے ہے۔ جس کا جو حصہ ہے وہ اُس کو ملتا ہے، طالب کا اُس میں کوئی دخل نہیں۔ ایک شخص کے نصیب میں وہ خیالات ہوتے ہیں، جو اُس کے لئے موجبِ راحت ہوتے ہیں لیکن دوسرے کے لئے وہ خیالات ہیں، جو اُس کو تباہ کر دیتے ہیں۔ نیک خیال کے نتیجے میں انسان کو راحت و آرام ملتا ہے اور بُرے خیال والا عالم

عشق آں شعلہ است کو چوں بر فروخت　　ہر چہ جز معشوق باقی جملہ سوخت

عشق وہ شعلہ ہے جب روشن ہو جاتا ہے　　تو سوائے طلبِ محبوبِ حقیقی کے ہر خواہش کو جلا دیتا ہے

کی تباہی کا سبب بنتا ہے۔

خیالات کی یہ تقسیم اللہ کی جانب سے ہے۔ انسان یہ نہیں سمجھ سکتا کہ کون سے خیالات آرام دہ ہیں اور کون سے خیالات تباہ کُن ہیں۔ انسان کو یہ پتہ نہیں چلتا کہ اُس کے دل میں خیالات کس راہ سے آتے ہیں۔ انسان اپنے لئے اچھے اور بُرے خیالات کو خدا کی مدد ہی سے پہچان سکتا ہے کیونکہ یہ خیالات اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے ہیں' انسان کے ساختہ نہیں ہیں۔ خیالات کے آنے کی راہ عدم میں ہے اور اُن کی راہ اگر معلوم کرنی ہو تو اللہ کے فضل کا دامن پکڑو۔ اُس کا دامن اللہ کے احکام ہیں۔ تُو اُن سے وابستہ ہو جا۔ بعض لوگ نیک بخت ہوتے ہیں اور بعض بد بخت۔ اِس کی مثال یوں ہے کہ ایک شخص باغوں اور نہروں سے لُطف اندوز ہے۔ اُس کے پاس ہی ایک شخص گرمی اور پیاس کی تکلیف برداشت کر رہا ہے۔ تکلیف اُٹھانے والا راحت اُٹھانے والے پر متعجب ہے اور راحت اُٹھانے والا تکلیف اُٹھانے والے پر۔ راحت اُٹھانے والا تکلیف اُٹھانے والے سے کہتا ہے کہ تُو بھی اِدھر آ جا کیوں تکلیف اُٹھاتا ہے۔ وہ کہتا ہے: میں اِدھر نہیں آ سکتا ہوں۔ یہی حال مومن اور کافر کا ہے۔ یہ دونوں اپنی اپنی جگہ قائم ہیں۔ نہ یہ اُس کا کہنا مانتا ہے اور نہ وہ اِس کا۔ ہر ایک تقسیمِ خداوندی کے مطابق اپنا حصہ حاصل کر رہا ہے۔

پچھلے زمانے میں ایک حاکم تھا۔ اُس کا ایک غلام سُنقُر نامی تھا۔ صبح کے وقت حاکم کو حمام کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اُس نے سُنقُر کو حکم دیا کہ حمام میں استعمال کا سامان اُٹھا۔ وہ دونوں حمام کی طرف چل پڑے۔ راستے میں مسجد تھی اور سُنقُر کے کان میں اذان کی آواز آئی۔ سُنقُر نماز کا فریفتہ تھا' بولا: اے آقا! آپ اِس دکان پر ٹھہریں کہ میں نماز ادا کر لوں۔ سُنقُر مسجد میں چلا گیا اور آقا دکان پر بیٹھ گیا۔ وہ اپنے غرور کی شراب میں مَست تھا' تھوڑی ہی دیر کے بعد پریشان ہو گیا۔ جب امام اور دوسرے نمازی باہر آ گئے تو وہ اور غصے میں آ گیا۔ اِدھر سُنقُر نماز ادا کرنے کے بعد اوراد و وظائف پڑھنے میں مصروف ہو گیا۔ کافی دیر انتظار کرنے کے بعد آقا نے آواز دی کہ تُو باہر کیوں نہیں آتا اور کیا تُو میری آواز سُن رہا ہے؟ تُجھے کس نے پکڑا ہوا ہے جو تُجھے باہر نہیں آنے دیتا؟ سُنقُر نے اندر سے آواز دی کہ مجھے وہ باہر نہیں آنے دے رہا۔ آقا نے پوچھا: وہ کون ہے؟ جس نے تجھے اندر روکا ہوا ہے اور باہر آنے نہیں دیتا۔ سُنقُر نے جواب دیا کہ یہ وہی ذات ہے جو تجھے مسجد کے اندر آنے سے روکے ہوئے ہے۔

وہ ایک ہی سمندر ہے جو مچھلیوں کو باہر نکلنے سے روکتا ہے اور خشکی کے جانوروں کو اندر آنے سے روکتا ہے۔ ہر چیز اپنی جنس کو کھینچتی ہے اور غیر جنس کو دفع کرتی ہے۔ دریا اور مچھلی کا تعلق ایک ہے لہٰذا دریا مچھلی کو کھینچتا ہے اور خشکی کے

ہر چہ جز عشقِ خدائے احسن ست
خُدائے خُوب تر کے عشق کے علاوہ جو کچھ ہے

گر شکر خوا ریست آں جاں کندن ست
اگر وہ شکر خوری بھی ہو تو جان کَنی ہے

جانوروں کی اصل مٹی ہے پانی غیر جنس ہونے کی وجہ سے اُسے روکتا ہے۔ جنسی غیرت کا قُفل بہت سخت ہوتا ہے یہ صرف اللہ کے فضل سے ہی کھلتا ہے۔ اِس لئے تم راضی برضاءِ خداوندی ہو جاؤ تب یہ قُفل کھلے گا۔ انسان اگر اپنی کوشش سے یہ قفل نہ کھول سکے تو شیخ کی طرف رُجوع کرے۔ مرید کو جب خود فراموشی حاصل ہو جاتی ہے تو تب شیخ اُس کو یاد کرتا ہے۔ جب مرید شیخ کا غلام بن جاتا ہے تو شیخ اُس کو علائقِ دنیوی سے آزادی عطا کر دیتا ہے۔ اگر اُس آزادی کے طالب ہو اور دل کی زندگی چاہتے ہو تو عبادت اور اطاعت کرو۔ خودی کو چھوڑ کر فنافی اللہ حاصل کرنے پر بقاءِ دوام حاصل ہوتا ہے۔ سچوں سے وصال اِس وقت حاصل ہوتا ہے جب انسان اپنے آپ کو فنا کر ڈالے۔

انبیاء علیہم السلام کا منکروں کے قبول سے مایوس ہو جانا

انبیاء علیہم السلام اُن منکروں کے انکار سے مایوس ہو گئے۔ اُنہوں نے مایوس ہو کر یہ سوچا کہ اِن کو نصیحت کرنا تو ایسا ہی بیکار ہے جیسا کہ ٹھنڈے لوہے کو کوٹنا یا سوراخ دار پنجرے میں پھونک بھرنا۔ اُنہوں نے پھر سوچا یہ سب اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر سے ہے جب تک اُدھر سے کشش نہ ہو اُن کی ہدایت ناممکن ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اصل حکمران ہے اور جو کچھ ہے عالَمِ بالا کی طرف سے ہے۔ قضا و قدر کے فیصلے کے پیشِ نظر عمل و سعی کو ترک نہیں کیا جا سکتا۔ ہمیں تو پیغام پہنچانے کا حکم ہے خواہ مُفید ہو یا نہ ہو۔ یہ تو مرنے کے بعد پتہ چلے گا کہ انسان جہنمی ہے یا جنتی لیکن زندگی میں اُس کو عمل کرتے رہنا چاہیے۔ دُنیا کے سارے کاروبار توقع اور اُمید پر مبنی ہیں۔ تجارت کرنے والا سمندری سفر کی تکلیف اِسی لئے برداشت کرتا ہے کہ اُسے اُمید ہوتی ہے کہ وہ اِس طرح نفع کما سکتا ہے۔ جب دُنیا کے کاروبار موہوم نفع کی بنیاد پر چلتے ہیں تو دین کا کاروبار اِس کا زیادہ مُستحق ہے کہ موہوم نفع کی بنیاد پر کیا جائے۔

عبادات رحمت اور قبولیت کی اُمید پر ہی کرنا ضروری ہے۔ مصائب پر صبر مقبولیت کا سبب ہے۔ انسان میں جب یہ برداشت پیدا ہو جائے کہ تلخ باتوں سے اُس میں تلخی پیدا نہ ہو تو وہ شہد کی طرح شیریں بن جاتا ہے۔ انسان مصائب جھیل کر ہی پختہ ہو کر خوش ذائقہ بنتا ہے۔ جب چنے کو یہ احساس ہو گیا کہ مصائب تکمیل کا ذریعہ ہیں تو وہ اپنے آپ کو پکوانے کے لئے خندہ پیشانی سے راضی ہو جاتا ہے۔ اِسی طرح اِن مصائب اور مجاہدوں کے ذریعے ہی ہم آغوشِ رحمت میں راہ پا سکتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کے معجزات اور زندگیاں سب اللہ تعالیٰ کی رحمت کا ہی مظہر ہوتی ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کے علاوہ بھی ایسے لوگ ہوتے ہیں جو اللہ سے نفع حاصل کئے ہوئے ہوتے ہیں وہ اولیاء رحمۃ اللہ علیہم ہیں۔ اولیاء رحمۃ اللہ علیہم کی ایک جماعت وہ ہوتی ہے جن کو ابدال بھی نہیں پہچان سکتے تو عوام اُنہیں کیا پہچانیں گے۔ جو انبیاء علیہم السلام کے لفیے ہیں وہ سب اُن کو حاصل

کسب دیں عشق ست و جذبِ اندروں
دین کی کمائی عشق اور باطنی جذبہ ہے

قابلیت نورِ حق داں اے حروں
اے باغی! اصل قابلیت تو نورِ حق ہے

ہیں۔ وہ اولیاء رحمہم اللہ اور اُن کی کرامتیں اللہ کے حریم میں پوشیدہ ہیں اور وہ اللہ کی رحمتوں سے مستفید ہیں۔ دین کے بارے میں تیری سستی اس لئے ہے کہ تجھے یہ خبر نہیں ہے کہ حضرتِ حق کی رحمتیں ہر وقت اور ہر جگہ تجھے اپنی طرف بلاتی ہیں۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا رومال کو تنور میں ڈالنا اور اُس کا نہ جلنا

اس حکایت سے یہ حقیقت بتانا مقصود ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء رحمہم اللہ کے حکم سے آگ، پانی کا کام کر دیتی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے گھر میں ایک شخص مہمان ہوا۔ وہ بیان کرتا ہے کہ اُن رضی اللہ عنہ کا دستر خوان چکنائی وغیرہ سے پیلا ہو گیا۔ اُنہوں نے لونڈی سے کہا کہ اُسے تنور میں ڈال دو۔ سب مہمان حیران رہ گئے۔ وہ اُس کے دھوئیں کے منتظر تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد اُسے تنور سے نکال لیا تو وہ پاک، سفید اور میل کچیل سے صاف تھا۔ لوگوں نے پوچھا: اے صحابی! یہ جلا کیوں نہیں اور صاف کیسے ہو گیا؟ اُنہوں نے فرمایا کہ ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ منہ اس سے پونچھا تھا، اب یہ نہیں جلتا۔ اے شریف آدمی! اگر ایک بے جان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قرب حاصل ہو جانے سے ایسی فضیلت عطا ہو گئی تو عاشق کو کیا کچھ نہ ملے گا۔ اگر کعبے کو اینٹ پتھر ہوتے ہوئے ایسا مقام مل گیا تو انسان کو اِس سے زیادہ شرافت عطا ہو سکتی ہے۔

مہمانوں نے لونڈی سے پوچھا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ تو اِس راز سے واقف تھے "تو نے کیوں بے سوچے سمجھے رومال آگ میں ڈال دیا؟" لونڈی نے جواب دیا کہ میں یہ سمجھے ہوئی تھی کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ غلط حکم نہیں دے سکتے تھے۔ میں اللہ کے نیک بندوں سے اُمید رکھتی ہوں کہ یہ کپڑا کیا چیز ہے اگر یہ مجھے بھی حکم دیں کہ آگ میں کود جا' تو میں پکے اعتقاد سے اللہ کے بھروسے پر اپنا سر اُس میں ڈال دوں گی۔ اے دوست! مردوں کا اعتقاد اُس خادمہ سے کم نہیں ہونا چاہیے کہ مرد کا دل اگر اُس خادمہ سے کم درجے پر ہے تو وہ دل نہیں ہے بلکہ پیٹ ہے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عرب کے اُس قافلے کی فریاد پہنچنا جو کہ پانی کی پیاس سے مرنے کے قریب تھا

پانی نہ ہونے کی وجہ سے عربوں کے ایک قافلے کی حالت بہت خراب ہو گئی۔ اچانک وہاں سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ قافلے کے لوگ اور جانور پیاس سے بے حال ہو گئے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اُن لوگوں کی حالت پر بہت رحم آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جلدی کرو، اس ٹیلے کے پیچھے پہنچو۔ ایک حبشی ایک اونٹ پر پانی کی مشک لے کر جا رہا ہے' اُسے اونٹ سمیت

کسب فانی خواہدت ایں نفسِ خس تیرا یہ کمینہ نفس فانی چیزوں کا خواہشمند ہے	چند کسبِ خس کنی بگذار و بس کب تک تو کمینی کمائی کرے گا، بس اب چھوڑ دے

میرے پاس پکڑ کر لے آؤ۔ وہ لوگ اس حبشی کو پکڑ کر لے آئے۔ اُس نے پوچھا: مجھے کس کے پاس لے کر جا رہے ہو؟ اُنہوں نے کہا کہ اُس کے پاس لے کر جا رہے ہیں' جو جانوں کے نور ہیں اور مخلوقات میں سب سے بلند مرتبہ ہیں' اُنہوں نے آنحضور ﷺ کی تعریف کی۔ حبشی بولا: تو پھر تو یہ وہی جادوگر ہے جس نے کچھ لوگوں کو اپنے جادو سے مغلوب کر لیا ہے۔ میں اُس کے پاس بالکل نہیں جاؤں گا۔ وہ اُسے کھینچ تان کر زبردستی نبی اکرم ﷺ کے پاس لے آئے۔ آپ ﷺ نے پیاسوں سے فرمایا کہ اپنے برتنوں میں اس مشک سے پانی بھر لو۔ خود بھی پی لو اور اونٹوں کو بھی پلا دو۔

آنحضور ﷺ کی برکت سے پانی اتنا زیادہ ہو گیا کہ ابر کو بھی اُس مشک پر رشک آنے لگا۔ حبشی کی ایک مشک سے سارا قافلہ اور جانور سیراب ہو گئے۔ یہ واقعہ غیر معمولی تھا۔ دراصل یہ پانی مشک سے نہیں آ رہا تھا۔ مشک تو ایک پردہ تھا۔ اصل پانی غیبی چشمے سے آ رہا تھا۔ اللہ کی یہ قدرت ہے کہ پانی کو ہوا میں اور ہوا کو پانی میں تبدیل کر دیتی ہے۔ اُس کی قدرت بغیر اَسباب' اشیاء کو عدم سے وجود میں لے آتی ہے۔ چونکہ انسان بچپن ہی سے اشیاء کے وجود کو اَسباب سے متعلق کرتا آیا ہے' اِس لئے اُس مشک کو آڑ یا سبب بنا دیا گیا۔

چونکہ ہم مُسبّبُ الاسباب یعنی ذاتِ خداوندی سے غافل ہیں اس لئے اَسباب کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ جب سب اَسباب مُنقطع ہو جاتے ہیں تب انسان اللہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اُس کو پکارتا ہے۔ تب اللہ فرماتا ہے کہ تعجب ہے' اب کیوں میری طرف متوجہ ہوا ہے؟ بندہ اپنی عاجزی سے عرض کرتا ہے: الٰہی! میری توبہ' میں اب اَسباب پر سہارا نہیں کروں گا۔ اِس توبہ کرنے والے سے اللہ فرماتا ہے: ہم جانتے ہیں انسان عہد میں بہت کمزور ہے' توبہ کرنے کے بعد بھی وہی کچھ کرنے لگتا ہے' جس سے توبہ کی تھی۔ قرآن پاک میں ہے: جہنمی کہیں گے کہ اے رب! ہمیں دُنیا میں لوٹا دے تو ہم نیک کام کریں گے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اگر وہ لوٹا بھی دیئے جائیں تو پھر پلٹ جائیں گے۔ اللہ فرمائے گا: ''ہمارا کام اِحسان اور وفا ہے' خواہ بندہ بدعہدی اور گناہ ہی کرے''۔ چونکہ انسان نے اصل ذات کا مُشاہدہ نہیں کیا اس لئے اُس کی اَسباب سے وابستگی قابلِ معافی ہے۔ حبشی کے مَشکیزے کے پانی کی کثرت کو دیکھ کر قافلے کے لوگ حیران رہ گئے۔

سب کو سیراب کرنے کے بعد آنحضور ﷺ نے غلام سے کہا کہ جاؤ۔ حبشی غلام کے دل میں اللہ نے ایمان کا پودا اُگا دیا۔ اُس کی آنکھیں روشن ہو گئیں اور اُس کے سامنے اَسباب کی کوئی حقیقت ہی نہ رہی۔ وہ حبشی غلام اپنی آنکھوں میں آنسو بھر لایا اور اُسے اپنا آقا اور گھر یاد ہی نہ رہے۔ اللہ نے اُس کی حالت میں ہلچل پیدا کر دی اور وہ مقامِ حیرت

عاشقِ صُنعِ خُدا با فر بُوَد
جو اللہ کے فعل کا عاشق ہو وہ بامُراد ہے

عاشقِ مصنُوعِ اُو کافر بُوَد
اور اللہ کی کسی بنائی ہُوئی چیز کا عاشق کافر ہے

میں چلا گیا۔ آنحضور ﷺ نے اُس پر بہت شفقت فرمائی اور حیرت سے اُسے مقامِ صَحو میں لائے۔ اُس نے حضور ﷺ کا ہاتھ پکڑا اور اُسے اپنے چہرے پر مَلا اور دست بوسی کی۔ اُس حبشی کا رنگ جو رات کی طرح سیاہ تھا' دن کی طرح منوّر ہو گیا۔ وہ خوشی کی مستی میں اس طرح روانہ ہوا کہ اُسے اپنے تن من کی خبر نہ تھی۔ اُسے واپس آنے میں تاخیر ہو گئی تھی۔ اُس کے آقا نے اُسے دیکھا تو حیران رہ گیا۔ اُس نے گاؤں والوں کو بلا لیا کہ اونٹ اور پکھال تو میرے ہیں لیکن کالے چہرے والا غلام کہاں گیا؟ غلام کے چہرے کا نور اُن سب پر غالب آ رہا تھا۔

مالک نے سوچا کہ شاید اس شخص نے غلام کو مار دیا ہو اور اونٹ اُسے یہاں لے آیا ہو۔ آقا نے پوچھا: اے شخص! تو کون ہے اور میرا غلام کہاں ہے؟ اُس نے جواب دیا: اے آقا! میں ہی تیرا غلام ہوں۔ آقا بولا: تُو تو مجھے کوئی تُرک یا یمنی لگتا ہے' حبشی نہیں ہے۔ اُس نے کہا: آقا میں تیرا غلام ہی ہوں لیکن اللہ کی مہربانی کے ہاتھ نے مجھے منوّر کر دیا ہے۔ میں صدر سے ملا ہوں اور اُس نے مجھے بدر بنا دیا ہے۔ آقا نے کہا: میں نہیں مانتا' تُو بتا کہ میرا غلام کہاں ہے اور اُس کے ساتھ کیا ہوا؟ غلام بولا: اے آقا! اگر میں تمہیں وہ سب راز کی باتیں بتا دوں جو مجھے خریدنے کے بعد میرے اور تیرے درمیان ہوئی ہیں تو پھر تو تجھ کو یقین آ جائے گا۔ اگرچہ میری رنگت بدل گئی ہے لیکن رُوح اور اُس کے معاملات تو رنگ و نسل سے مبرا ہیں۔

جس طرح اُس آقا کی نظر محض رنگ پر تھی اور جسم پر تھی اور اس لئے وہ غلام کو نہیں پہچان رہا تھا اسی طرح جو ظاہر بین ہیں اور صرف جسم کو پہچانتے ہیں وہ اولیاء رحمہم اللہ کو نہیں پہچانتے ہیں۔ جس کو پیاس ہوتی ہے وہ مٹکے اور مشک پر نظر نہیں کرتا' وہ پانی کو دیکھتا ہے۔ جو جان کو پہچانتے ہیں وہ تعدُّد اور تشخص سے مبرّا ہوتے ہیں۔ وہ دریائے وحدت میں ڈوبے ہوئے ہوتے ہیں۔ رُوح کی پہچان صرف رُوح کے ذریعے ہی ہوتی ہے لہٰذا اپنی رُوح کے ذریعے اولیاء رحمہم اللہ کو شناخت کرو۔ اُن کو اپنا دوست سمجھو اور اُس آقا کی طرح نہ بنو جس نے اپنے غلام کو گمان سے غیر سمجھا۔

اپنی رُوح کو اولیاء رحمہم اللہ کی رُوح کا غیر مت سمجھو۔ دونوں رُوحوں میں وحدت ہے۔ محض اُن کی قرارگاہ کی صورت مختلف ہونے کی وجہ سے بظاہر اختلاف ہے جیسا کہ حقیقتِ ملکیہ نے بال و پَر اختیار کر لئے تو اُس میں پرواز کی قوت آ گئی۔ عقل نے ادراکِ حق کی شان و شوکت حاصل کر لی۔ چونکہ فرشتے اور عقل میں حقیقی وحدت ہے لہٰذا وہ ایک دوسرے کے مددگار ہیں۔ اُن دونوں میں اِس طرح کا اتحاد ہے جیسا کہ ایک چیز کی رُو اور پشت میں اتحاد ہوتا ہے۔ اِسی اتحاد کی وجہ سے دونوں اللہ تعالیٰ کو پہچاننے میں متّحِد ہیں اور دونوں آدم علیہ السلام کے لئے مددگار اور سجدہ کرنے والے ہیں۔ جس طرح

درمیانِ ایں دو فرقے لس خفیست
اِن دونوں باتوں میں باریک فرق ہے

خود شناسد آنکہ در رُویت صفیست
لیکن جو پہچانتا ہے وہی تاڑنے میں ممتاز ہے

فرشتے اور عقل میں اتحاد ہے اسی طرح نفس اور شیطان میں اتحاد ہے' اسی لئے یہ دونوں آدم علیہ السلام کے دشمن اور حاسد بنے۔ نفس اور شیطان نے آدم علیہ السلام کا صرف جسم دیکھا تو سجدے سے انکار کر دیا۔ عقل اور فرشتے نے اُن کے نورِ باطنی کو دیکھا تو اُن کے سامنے جھک گئے۔ عقل اور فرشتے کی آنکھیں اُس نور سے روشن ہو گئیں۔ عقل اور فرشتے کی وحدت اور نفس اور شیطان کی وحدت کا بیان اس لئے پوری طرح بیان نہیں ہو سکتا کیونکہ تم اس کے سمجھنے کے اہل نہیں ہو۔ تمہارے سامنے اس بات کی تشریح ایسی ہی ہے جیسے یہودی کے سامنے انجیل کی تلاش یا بہرے کے سامنے سارنگی بجانا۔

اللہ نے جو کچھ پیدا فرمایا، حاجت کی بنا پر پیدا کیا اپنے آپ کو محتاج بناؤ کہ وہ عطا کرے

جو لوگ اسرار سمجھنے کے اہل ہوتے ہیں وہ تفصیل بتائے بغیر معاملات کی اصل حقیقت تک پہنچ جاتے ہیں۔ اصل چیز تو طلبِ صادق اور حاجت کا اظہار ہے۔ اگر وہ موجود ہے تو حقائق خود بخود سمجھ میں آ جاتے ہیں۔ حضرت مریم علیہا السلام کو حاجت اور ضرورت ہوئی تو اللہ نے بچے کے ذریعے تشریح کرا دی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام گہوارے میں ہی اُن کی پاک دامنی کے شاہد بن گئے۔ جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام' مریم علیہا السلام کے جزوِ بدن تھے اور گواہ بن گئے اسی طرح تمہارا ہر جزوِ بدن قیامت میں تمہارا گواہ بن جائے گا۔ اگر تُو تشریح کا مستحق نہیں ہے تو بڑے سے بڑا مقرر بھی تمہیں نہیں سمجھا سکے گا۔ اللہ نے جو کچھ پیدا فرمایا ہے' وہ مخلوق کی ضرورت پوری کرنے کے لئے ہے۔ آسمانوں کی تخلیق بھی مخلوق کی ضرورت اور احتیاج کی وجہ سے ہے۔ تو جو بھی محتاج ہو گا اور اُس میں طلبِ صادق ہو گی' وہ ضرور مقصود حاصل کرے گا۔ رحمت کی اصل اور سرمایہ انسان کا اندرونی درد ہے جہاں ضرورت ہوتی ہے وہاں ضرورت کی چیز پہنچ جاتی ہے۔ درد ہو تو دوا حاصل ہو جاتی ہے۔ فقیر ہو تو سامان مل جاتا ہے۔ پانی کی تلاش نہ کر پیاس پیدا کر' پانی خود بخود تیرے پاس پہنچ جائے گا۔

جب بچہ پیدا ہوتا ہے اور اُس کی خوراک صرف دودھ ہوتی ہے تو قدرت اُس کی ماں کے پستان میں دودھ پیدا فرما دیتی ہے۔ تُو بھی اپنی ضرورت کے لئے جدّ وجہد کر۔ ضرورت پیدا کر لے گا تو غیب سے پانی کی آواز آنے لگے گی۔ غرض کہ مطلوب کی فکر میں نہ پڑو' حاجت پیدا کرو' مطلوب خود حاصل ہو جائے گا۔ جب گھاس کو پانی کی ضرورت ہوتی ہے' انسان خود اُس تک پہنچا دیتا ہے۔ اسی طرح تُم حاجتِ حقیقی پیدا کر لو' قدرت خود مطلوب تک پہنچا دے گی۔ رُوحوں کی کھیتی کے لئے ابرِ رحمت' کوثر کا پانی لئے ہوئے موجود ہے۔ صرف تم ضرورت پیدا کرو۔ اللہ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے: سَقَاهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُورًا یعنی پلائی اُن کو اُن کے ربّ نے پاک شراب۔

دلبراں بر بیدلاں فتنہ بجاں
معشوق عاشقوں کی جان کیلئے امتحان ہوتے ہیں

جملہ معشوقاں شکارِ عاشقاں
کیونکہ تمام معشوق عاشقوں کو عشق میں مبتلا کر دیتے ہیں

وہ غلام جس پر نبی اکرم ﷺ نے مہربانی فرمائی، اپنے گاؤں میں پہنچ کر لوگوں کو آنحضور ﷺ کے کرم کی باتیں بتانے لگا۔ وہاں کی ایک عورت آنحضور ﷺ کے پاس آئی۔ دو مہینے کا بچہ اُس کی گود میں تھا۔ بچے نے فوراً کہا: اے اللہ کے رسول! آپ ﷺ پر سلام ہو"۔ اُس کی ماں غصے سے بولی: چپ رہ، یہ بات تجھے کس نے سمجھائی؟ بچہ بولا: وہ تو تیرے سر پر ہے لیکن تُو دیکھ نہیں رہی۔ اپنی نگاہ اُوپر کر جبرائیل علیہ السلام وہاں موجود ہیں اور وہی مجھے یہ سب کچھ بتا رہے ہیں۔ وہ مجھے رسول ﷺ کی صفات بتا رہے ہیں۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے بچے سے پوچھا: اے بچے: تیرا نام کیا ہے؟ اُس بچے نے جواب دیا اللہ کے نزدیک میرا نام عبدالعزیز ہے لیکن چند نالائقوں کے نزدیک عبدالعزیٰ ہے۔ میں عزیٰ سے بیزار ہوں۔ اُسی وقت جنت سے ایک خوشبو آئی جسے ماں اور بچے دونوں نے سونگھا اور آنحضور ﷺ کے گرویدہ ہو گئے۔ سچ ہے، جس کی تعریف خدائے پاک کرے اُس کی تصدیق بے جان و جاندار سب کرتے ہیں۔

ایک اور واقعہ سُن لو۔ اذان ہوئی، سب لوگ نماز کے انتظار میں تھے۔ رسول اکرم ﷺ نے بھی وضو کیا۔ دونوں پاؤں دھوئے اور موزے پکڑنے کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ اتنے میں ایک باز نے جھپٹا مارا اور آپ علیہ السلام کے ہاتھ سے موزہ اُچک لیا۔ وہ موزے کو ہوا میں لے گیا اور پھر اُس نے موزے کو اُلٹ دیا۔ اُس میں سے ایک سانپ نیچے گرا۔ باز، موزہ واپس لایا اور عرض کیا کہ میں نے یہ گستاخی خیر خواہی کے لئے کی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اُس کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ ہم نے تو اسے ظلم سمجھا تھا لیکن درحقیقت یہ بات وفاداری کی تھی۔ اگرچہ اللہ نے ہمیں ہر غیب دکھا دیا ہے لیکن اس وقت میں تنزلِ اختیاری کی حالت میں تھا۔ باز بولا: مجھے موزے میں سانپ کے ہونے کا اِنکشاف آپ کے کشف کا عکس اور پَرتَو ہی ہے۔ اِسی طرح اولیاء اللہ رحمہم اللہ کی صحبت سے کشفِ باطنی حاصل ہو جاتا ہے۔ تاریک دل لوگوں کی صحبت دل کو بے نور بنا دیتی ہے۔ اللہ کے نیک بندوں کا پَرتَو نورانی ہوتا ہے اور خدا سے دُور رہنے والوں کا ظلماتی ہوتا ہے۔ انسان کو پریشانیوں سے گھبرانا نہیں چاہئے بلکہ صبر کرنا چاہیے۔ ہر پریشانی کے بعد راحت ضرور آتی ہے۔ کسی بھی تکلیف پر اللہ کے ساتھ بدگمانی نہیں کرنی چاہیے۔ عام لوگوں کے ساتھ تعلقات میں بھی خندہ پیشانی سے کام لینا چاہیے۔ پھول کی پتیاں اگر بکھر بھی جائیں تو اُن کی مسکراہٹ ختم نہیں ہوتی۔ اللہ کی راہ میں حقیقت یہی ہے کہ انسان اِس بات کا عادی ہو جائے کہ "ہر چہ از دوست می آید نیکوست" یعنی جو کچھ دوست کی طرف سے آتا ہے بہتر ہی ہے۔ وہ عقل قابلِ مُبارک باد ہے جو قضا پر راضی ہو اور اُس پر شکوک و شبہات کا غبار بالکل نہ ہو۔ قرآن میں فرمایا گیا ہے: لِكَيْلَا تَأْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ یعنی کسی فوت شدہ چیز پر غم نہ کرو۔ انسان کی ایک مصیبت بہت سی بڑی مصیبتوں سے نجات کا سبب بنتی ہے۔

ہر کہ عاشق دیدیش معشوق داں
جس کو تُو عاشق دیکھے، اُس کو معشوق سمجھ

کو بہ نسبت ہست ہم ایں و ہم آں
کیونکہ نسبت کی وجہ سے وہ یہ بھی ہے اور وہ بھی ہے

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ایک شخص کا جانوروں کی زبان سیکھنے کی درخواست کرنا اور اُن کا اللہ کی اجازت سے قبول کر لینا

ایک شخص حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا اور عرض کی کہ مجھے حیوانات کی زبان سکھا دیں۔ اُن کی باتوں سے شاید میں کوئی دین کی عبرت حاصل کرلوں کیونکہ انسانوں کی باتیں تو روٹی، پانی اور مکروفریب ہی کے لئے ہوتی ہیں۔ ہوسکتا ہے حیوانات آخرت ہی کے بارے میں گفتگو کرتے رہتے ہوں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: یہ خیال نہ کر کیونکہ اس میں بہت سے خطرات ہیں۔ عبرت اور آگاہی کتاب یا گفتگو سے حاصل نہیں ہوتی۔ یہ خدا کا عطیہ ہوتا ہے۔ روکنے سے انسان اور مُصِر ہوجاتا ہے۔ وہ شخص بھی اُن کے پیچھے پڑ گیا۔ اُس کے اِصرار سے عاجز آکر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ کی اور عرض کرنے لگے۔ اللہ نے فرمایا: اُس کو سکھا دو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: الٰہی! اگر اُس کو سکھادوں گا تو وہ اِس کے نتائج سے شرمندہ ہوگا اور افسوس کرے گا۔ بااختیار اور باقدرت ہونا ہر شخص کے لئے بہتر نہیں ہوتا۔ قدرت کا نہ ہونا انسان کو پرہیزگار بنا دیتا ہے۔

فقر میں انسان کو بہت سے گناہوں پر قدرت نہیں رہتی اس لئے فقر باعثِ فخر ہے۔ مال دار اپنے مال کے ذریعے بہت سے گناہوں میں ملوّث ہوجاتا ہے اِس لئے مردُود ہوتا ہے۔ مال کی وجہ سے اِس میں غلط قسم کی تمنائیں پیدا ہوجاتی ہیں جن سے وہ فکر میں مبتلا ہوجاتا ہے اور اُس کی یہ عادت ایسی بگڑ جاتی ہے کہ وہ ہر وقت تمناؤں اور خواہشوں میں گھرا رہتا ہے۔ اللہ نے کہا: اب تو وہ جانوروں کی باتیں سمجھنے سے عاجز ہے لیکن اگر ضد کرتا ہے تو اُسے یہ قدرت دے دے۔ انسان کا اِختیار ہی اُس کو جزا اور سزا کا مستحق بناتا ہے۔ بے اختیار کے فعل کا کوئی اِعتبار نہیں ہے۔ عبادات میں چونکہ انسان کو اِختیار حاصل ہے اِسی لئے اُن میں خوبی ہے۔ آسمان کی گردش اضطراری ہے اِس لئے اُس پر نہ ثواب ہے اور نہ عتاب۔ اللہ تعالیٰ جب محاسبہ کرے گا تو صرف اِختیاری اَفعال ہی کا کرے گا۔ کائنات کی ہر چیز اللہ کی تسبیح خواں ہے لیکن یہ اُس کی اِضطراری تسبیح ہے اِس لئے اُس کا کوئی ثواب نہیں۔ انسان کو کَرَّمْنَا کی فضیلت اِسی لئے حاصل ہوئی ہے کہ اُس میں بُرائی کی بھی قدرت ہے اور بھلائی کی بھی۔ قرآن پاک میں اللہ نے فرمایا: ”ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی“ نیک عمل کرنے والے دوسروں کے لئے بھی راحت کا سبب بنتے ہیں اور کافر سب کے لئے مصیبت ہوتے ہیں۔ انسان کی جتنی بھی تعریفیں ہوئی ہیں وہ سب اُس کے اِختیاری اَفعال پر ہیں۔ دوزخ میں جاکر دوزخی بھی عبادت کریں گے لیکن وہ اُن کی اضطراری عبادت ہوگی جو غیر معتبر ہے۔ انسان کو اُس وقت کی قدر کرنی چاہیے جس میں اُسے اختیار

عشق چوں دعوی جفا دیدن گواہ
عشق ایک دعویٰ ہے اور برداشت کرنا اُس کا گواہ ہے

چوں گواہت نیست شد دعوی تباہ
اگر تکلیف کی برداشت کی گواہی نہیں تیرا دعویٰ تباہ ہے

حاصل ہے اور وہی اُس کے نفع کا سرمایہ ہے۔ جب قدرت باقی نہ رہے گی تو نیکی کرنا کچھ معنی نہیں رکھتا۔
حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اُسے بہت سمجھایا کہ ایسا تمہارے لئے نقصان دہ ہوگا مگر اُس کے بہت زیادہ اصرار پر اُنہوں نے اُسے مرغ اور کتے کی بولی سمجھنا سکھا دیا۔ اُنہوں نے فرمایا کہ اللہ کی طرف سے اتنا ہی سکھانے کی اجازت ملی ہے۔ صبح کے وقت آزمائش کرنے کے لئے وہ گھر کے دروازے پر کھڑا ہوگیا۔ خادمہ نے اندر سے دسترخوان لاکر جھاڑا اور اُس میں سے بچا ہوا روٹی کا ٹکڑا گرا۔ مرغ نے فوراً وہ ٹکڑا اُچک لیا۔ کتے نے اُسے کہا کہ تم ظالم ہو، تُو تو مٹی میں سے گرے پڑے دانے تلاش کر لیتا ہے اور میں ایسا کرنے سے عاجز ہوں۔ اگر تُو روٹی کا ٹکڑا چھوڑ دیتا تو اُسے میں کھا کر گزارہ کر لیتا۔ مرغ نے کہا: غم نہ کر کیونکہ اللہ اِس سے بہتر بدلہ دے گا۔ کل آقا کا گھوڑا مرجائے گا تم گوشت کھانا۔ اُس شخص نے جب یہ سُنا تو فوراً گھوڑا فروخت کر دیا اور مرغ، کتے کے سامنے شرمندہ ہوا۔
دوسرے دن پھر مرغ روٹی کا ٹکڑا لے اُڑا۔ پھر مرغ اور کتے کے درمیان وہی گفتگو ہوئی۔ اِس مرتبہ مرغ نے کتے سے کہا کہ وہ گھوڑا دوسری جگہ جا کر مرگیا ہے۔ لیکن کل اُس کا خچر مرجائے گا اِس لئے تیرا پیٹ یقیناً بھر جائے گا۔ اُس شخص نے اُس دن خچر بھی بیچ دیا۔ تیسرے دن پھر ایسا ہی واقعہ ہوا۔ کتا مرغ سے بولا: اے جھوٹوں کے سردار: تُو مجھے بھوکا مارنے پر تُلا ہوا ہے۔ مرغ بولا: اُس نے خچر جلدی سے بیچ دیا اور وہ وہاں جا کر مرگیا لیکن کل اُس کا غلام مرجائے گا۔ خوب روٹیاں پکیں گی جو کتوں میں اور مانگنے والوں میں تقسیم کی جائیں گی۔ اُس شخص نے غلام کو بھی بیچ ڈالا اور نقصان سے بچ گیا اور اپنی جانوروں کی باتیں سمجھنے کی خوبی کی وجہ سے بہت خوش تھا کہ جب سے یہ بولی سیکھی ہے بُری قضا کی آنکھ سے بچ گیا ہوں۔ اگلے دن ٹکڑے سے محروم کتے نے کہا: او بکواسی مرغ! تُو کب تک مجھ سے چکر کرے گا اور جھوٹ بولے گا؟ مرغ بولا: میری قوم جھوٹ نہیں بولتی۔ ہمیں اگر کہیں بند بھی کر دیا جائے تو مؤذن کی طرح صبح وقت پر اذان دے دیتے ہیں۔
جس طرح مرغ آسمانی سورج کے طلوع ہونے سے آگاہ ہو جاتا ہے اِسی طرح اولیاء رحمہم اللہ حق تعالیٰ کے پاسبان ہیں اور انسانوں میں جو اَسرارِ خداوندی ہیں اُن کو پہچان لیتے ہیں۔ مرغ سے تو کبھی کبھار غلطی ہو ہی جاتی ہے اور معصوم تو صرف انبیاء علیہم السلام ہیں یا جبرائیل علیہ السلام جو وحی لاتے تھے۔ مالک نے مرغ کی بات کو سُن کر غلام کو بیچ دیا اور غلام دوسرے گھر میں جا کر مرگیا۔ مالک نقصان سے بچ گیا لیکن وہ نہیں جانتا تھا کہ آگے قضا اُس کے لئے کیا انتظام کر رہی ہے۔ یاد رکھو! اگر تیرے مال کا کچھ نقصان ہوتا ہے تو غم نہ کر، اُس میں کوئی نہ کوئی نفع ضرور ہوتا ہے۔ کتے کے بُرا بھلا کہنے سے مرغ نے

عشق چوں دعویٰ جفا دیدن گواہ　　چوں گواہت نیست شُد دعویٰ تباہ
عشق ایک دعویٰ ہے اور برداشت کرنا اُس کا گواہ ہے　　اگر تکلیف کی برداشت کی گواہی نہیں تیرا دعویٰ تباہ ہے

بتایا کہ فکر نہ کرو مالک اپنے نقصان دوسروں پر ڈالتا رہا ہے لیکن اب وہ خود کل مر جائے گا۔ اُس کے غم میں وارث گائے ذبح کریں گے۔ کل تجھے خوب چکنی غذا کھانے کو ملے گی۔ وہ بے وقوف اپنی تھوڑی سی تکلیف سے بھاگا لیکن نتائج پر نگاہ نہ رکھی۔

درویشوں کے مجاہدے اور جسم کی بے آرامی اِسی وجہ سے ہوتی ہے کہ اُن کا نفع حاصل ہو۔ انسان جو کچھ بھی کرتا ہے بدلے کے لالچ میں کرتا ہے۔ بے غرض کام تو اللہ تعالیٰ کی ہی صفت ہے۔ اولیاء رحمہم اللہ چونکہ اخلاقِ خداوندی حاصل کر لیتے ہیں۔ اِس لئے اُن کے کام بھی بے غرض ہوتے ہیں۔ اللہ کے کام بے غرض اِس لئے ہیں کہ وہ بے نیاز ہے اور انسان کے کام غرض پر اس لئے ہیں کہ وہ محتاج ہیں۔ بچہ بھی جب تک ایک دوسری اچھی چیز نہیں دیکھ لیتا پہلی چیز کو نہیں چھوڑتا۔ دُنیا کے سارے کام عوض اور بدلے کی بنیاد پر چلتے ہیں۔ ہم کسی کو سلام کرتے ہیں تو بدلے میں اُس کے سلام کا انتظار ضرور کرتے ہیں۔ صرف اللہ کی طرف سے جو سلام بھیجا جاتا ہے وہ غرض سے خالی ہوتا ہے۔ تُو بھی اُس سلام کی جستجو کر۔ میں نے اہلُ اللہ کی زبان سے اللہ کا پیام وسلام سُنا ہے۔ میں اُسی سلام کی توقع پر عوام کا سلام دل و جان سے قبول کرتا ہوں اور سنتا ہوں کہ شاید اُن ہی میں سے کوئی اِس طرح کا سلام ہو۔ اہلُ اللہ کا سلام اللہ کا سلام اِس وجہ سے ہوجاتا ہے کہ اُنہوں نے اپنے آپ کو فنا کر دیا ہے اور اب وہ فنا فی اللہ اور باقی باللہ ہیں۔ اِس لئے اُن کی زبانوں پر اَسرارِ خداوندی ہوتے ہیں۔ مجاہدوں اور ریاضتوں سے جسم کو فنا کیا جاتا ہے تو رُوح زندہ اور قوی ہو جاتی ہے۔ اہلُ اللہ کو یہ درجہ اِسی لئے حاصل ہوتا ہے۔

جانوروں کی بولی سیکھنے والے نے جب مرغ کی زبانی اپنی موت کی خبر سُنی تو گھبرا گیا اور فوراً حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس حاضر ہوا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ دوسری چیزوں کو فروخت کر کے جس طرح تُو نقصان سے بچتا رہا ہے اِسی طرح اب اپنے آپ کو بھی فروخت کر دے۔ تُو نے اپنا نقصان دوسروں کے گلے ڈالا۔ یہ باتیں جب تک بھید میں تھیں میں اِسی وقت سمجھ گیا تھا لیکن تُو اپنے بُرے انجام کو اب سمجھا ہے۔ وہ کہنے لگا: مجھے اب اور شرمندہ نہ کریں۔ میں بہت نالائق ہوں میں نے نالائقی کی لیکن آپ مہربانی فرما کر اچھا بدلہ عطا کر دیں۔

موسیٰ علیہ السلام نے کہا: اللہ کی سُنت عام طور پر یہی ہے کہ قضا و قدر نہیں ٹلتی ہے لیکن میں انصاف کرنے والے سے یہی کہوں گا کہ مرتے وقت تُو ایمان ساتھ لے جائے۔ ایمان کے ساتھ جائے گا تو ٹھیک رہے گا۔ مومن کی اصل زندگی حاصل ہو جائے گی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام ابھی یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ اُسے متلی شروع ہو گئی اور نزع کی کیفیت طاری ہو

دِل مگر مُہرِ سُلیمان یافتہ است
دل کو شاید مُہرِ سُلیمانی مل گئی ہے

کو مُہارِ پنج حس بر تافت است
جس نے پانچوں حواس کی مُہار موڑ رکھی ہے

گئی۔ اے انسان! تُو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نصیحت سُن لے اور قضا و قدر سے ٹکرانے کی کوشش نہ کر۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اُس کے لئے دُعا کی' یاالٰہی! اِس گنہگار کی خطا پر گرفت نہ فرما اور اپنی شہنشاہی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اُسے معاف فرما دے۔ اُس نے زیادتی کی ہے' میں نے اُسے بہت سمجھایا لیکن یہ نہ مانا۔ اژدہے پر صرف اُس شخص کو ہاتھ ڈالنے کا حق ہے جس کی لاٹھی اژدہا بننے کی صلاحیت رکھتی ہو۔ اِسی طرح جو اپنے ہونٹ بند نہیں رکھ سکتا اُس کے لئے غیب کے راز جاننا مناسب نہیں ہے۔ یہ شخص اہل نہ تھا' راز سے واقفیت حاصل کر کے تباہ ہوا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دُعا پر اللہ نے فرمایا: ہم نے اُسے ایمان عطا کیا۔ اگر تم چاہو تو ہم اُسے دوبارہ زندگی بخش دیں اور صرف اُسے ہی نہیں بلکہ تمام مُردوں کو زندگی بخش دیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: یاالٰہی! یہ دُنیا تو فنا کی جگہ ہے۔ اگر زندہ ہو بھی گیا تو پھر مرے گا۔ اِس لئے اُسے دائمی زندگی بخش دے اور دوسرے مُردے بھی جو آپ کے دربار میں حاضر ہو چکے ہیں اُن پر بھی رحم فرما کیونکہ قرآن میں فرمایا گیا ہے "یقیناً تمام مخلوق ہمارے سامنے حاضر شُدہ ہے"۔ اے لوگو! سمجھ لو کہ جسم اور مال کا نقصان جان کے لئے نفع اور وبال سے رہائی کا سبب بنتا ہے۔ انسان کا فرض ہے کہ مجاہدے کر کے جسم کو گھٹائے تاکہ رُوح کا بڑھاؤ حاصل ہو جائے چونکہ جسم کے گھٹاؤ سے رُوح کی بالیدگی ہوتی ہے۔ اِسی طرح انسان کو قدرتی طور پر جو جسمانی تکالیف پہنچتی ہیں وہ بھی اختیاری مجاہدوں کا کام کرتی ہیں اُن پر انسان کو صبر اور شکر کرنا چاہیے۔ جو جسمانی مصائب بحکمِ خداوندی پہنچتے ہیں وہ ریاضت اور مجاہدے کا کام کرتے ہیں۔ گو اللہ نے اپنے حکم سے مجاہدے پر لگا دیا ہے اِس لئے وہ مصائب شکریے کا سبب ہیں۔

ایک عورت کی اولاد کا زندہ نہ رہنا، اُس کا اللہ سے شکوہ اور اللہ تعالیٰ کا اُسے جواب

اِس حکایت کو سنو اور اِس سے نصیحت حاصل کر لو۔ ایک عورت ہر سال بچہ جنتی لیکن وہ چھ ماہ کا بھی نہ ہوتا کہ مر جاتا۔ وہ عورت روئی کہ اے خداوندا! میں نو ماہ تک حمل کی مصیبت جھیلتی ہوں اور صرف تین چار ماہ اپنے بچے سے خوشی حاصل کرتی ہوں۔ اُس عورت کے لگاتار بیس بچے اِسی طرح مرے تو اُن مصائب نے اِس کے لئے مجاہدوں کا کام کیا اور اُس پر اَسرارِ غیب نمودار ہونے لگے۔ ایک رات خواب میں اُس نے جنت دیکھی۔ حدیثِ قُدسی ہے کہ "میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے وہ چیزیں تیار کی ہیں جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کان نے سُنا اور نہ وہ کسی کے دل میں گزریں"۔ اللہ تعالیٰ نے جس طرح اپنے نور کو چراغ محض انسانوں کے فہم کے لئے فرما دیا ہے اِسی طرح جنت کا بھی ذکر ہے۔ دراصل جنت کی حقیقت انسانی فہم سے

پنج حسّے از بروں میسورِ اُو
باہر کے پانچوں حواس اُس کے تابع ہیں

پنج حسّے از دروں مامُورِ اُو
اندر کے پانچوں حواس اُس کے محکوم ہیں

بالاتر ہے۔ وہ عورت اُس (جنت) کو دیکھ کر اُس کی تجلّی سے مَست ہوگئی۔

اُس نے ایک محل پر اپنا نام لکھا ہوا دیکھا۔ اُس کو وہاں بتایا گیا کہ یہ نعمت تمہیں دینے کے لئے بنائی گئی تھی لیکن تم عبادات میں ذرا کاہل تھیں۔ اللہ نے تمہارے لئے یہ مصیبتیں مقدر کر دیں تاکہ وہ عبادت کے قائم مقام بن جائیں۔ جب تک اُسرارِ غیبی کی دیکھنے والی آنکھیں میسر نہ آ جائیں انسان، انسان نہیں بنتا۔ جس قدر مصائب ہیں اُن میں حکمتیں ہیں اور وہ مصائب بسا اوقات انسان کے فائدے کے لئے نازل کیے جاتے ہیں۔ اس طرح سمجھو کہ کسی شخص میں خون کی زیادتی تھی لیکن وہ فصد نہیں کھلوا رہا تھا۔ قدرت نے اُس کی نکسیر جاری کر دی جس سے وہ بخار سے بچ گیا۔ ہر پھل میں مغز ہوتا ہے جو چھلکے سے افضل ہے۔ اِسی طرح انسان میں مغز ہے جو رُوح ہے اور چھلکا اُس کا جسم ہے۔ اگر انسان، آدم علیہ السلام کی اولاد ہے تو اُس کو اپنے باپ کی طرح رُوح کا مربی اور طالب بننا چاہیے۔ حفاظت کی چیز رُوح ہے، جسم نہیں۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا لڑائی میں بغیر زرہ کے لڑنا

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ جو کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے۔ جنگ کے زمانے میں ہمیشہ بغیر زرہ کے لڑائی میں جاتے تھے۔ حالانکہ جوانی کے زمانے میں وہ ہمیشہ زرہ پہن کر لڑائی میں جایا کرتے تھے۔ لوگوں نے اُن سے دریافت کیا کہ اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا! آپ اپنے آپ کو جان بوجھ کر ہلاکت میں نہ ڈالیں۔ جب آپ جوان تھے تو اپنی پوری حفاظت کیا کرتے تھے۔ آپ جانتے ہیں تلوار تو یہ نہیں دیکھتی کہ مقابل جوان ہے یا بوڑھا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ قتل ہو جائیں۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فیض حاصل ہونے سے پہلے میں اس موت کو موت سمجھتا تھا اور اب اِس موت کو ابدی زندگی سمجھتا ہوں۔ اب مجھے دنیاوی زندگی آخرت کی زندگی کے مقابلے میں بالکل حقیر نظر آتی ہے۔ اب عالمِ غیب کا میدان دیکھتا ہوں جس میں خیمہ در خیمہ اللہ کے نور کے سپاہی مقیم ہیں۔ میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کا شکر گزار ہوں جن کی وجہ سے مجھے عالمِ غیب کے اسرار نظر آتے ہیں۔ جو شخص شہادت اور موت کو ہلاکت سمجھتا ہو اُس کے لئے "لَا تُلْقُوْا" کا حکم ہے اور جو شخص موت اور شہادت کو اَسرارِ غیبی کا دروازہ کھلنا سمجھتا ہے اُس کے لئے "سَارِعُوْا" کا حکم ہے۔ وَسَارِعُوْا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ "اور تم جلدی کرو اپنے رَبّ کی جانب سے مغفرت کی طرف"۔

اِس کا مطلب ہے کہ یہ موت خود نعمت کی طرف دعوت ہے۔ اُن لوگوں کے لئے ہے جو اِس کو اللہ کی مہربانی سمجھتے

ہمچنیں ہر پنج حِس چوں نازِہ
اسی طرح پانچوں حواس ٹونٹی کی طرح

بر مُرادِ امرِ دل شُد جائزہ
دل کی مُراد کے مطابق چلنے والے بن گئے ہیں

ہیں۔ جو لوگ موت کو مصیبت سمجھتے ہیں اُن کے لئے یہ بلا ہی ہے۔ جو موت کو یوسف علیہ السلام کی طرح محبوب سمجھتا ہو وہ اُس پر جان قربان کر دیتا ہے۔ موت ہر انسان کے ساتھ وہی معاملہ کرتی ہے جس کی وہ موت سے توقع رکھتا ہے۔ جو اُسے دوست سمجھتا ہے اُس کے ساتھ دوستوں کا معاملہ کرتی ہے۔ جو اُس کو دشمن سمجھتے ہیں اُن کے ساتھ دشمنوں کا سا معاملہ کرتی ہے۔ موت کی مثال آئینہ کی سی ہے۔ انسان جیسا خود ہے ویسا ہی اُس کے لئے آئینہ ہے۔ اگر خود حسین ہے تو آئینہ بھی اُس کے لئے حسین ہے اور اگر خود کالا اور بھدا ہے تو آئینہ میں بھی کالا اور بھدا ہی ہوگا۔ جو موت سے ڈرتا ہے تو دراصل اپنے آپ سے ہی ڈرتا ہے۔ اگر انسان خود بھیانک ہے تو اُس کو موت بھی بھیانک نظر آئے گی۔ موت کی اچھائی بُرائی خود انسان کی اندرونی اچھائی بُرائی کی طرح ہے اور جو اچھائی یا بُرائی انسان کو پیش آتی ہے وہ خود اُس کی اپنی کاشتہ اور پرداختہ ہوتی ہے۔ انسان کے اَفعال کی جزا اور سزا صورت کے اِعتبار سے مُشابہ نہیں ہوتی جیسے کام کی اُجرت اور اُس کا معاوضہ مُشابہ نہیں ہوتے۔

اگر انسان دُنیا میں کسی بُرائی سے مُتہم ہوتا ہے تو وہ ضرور کسی ایسے مظلوم کی بددُعا کا نتیجہ ہوتا ہے جس پر اُس نے ظلم کیا ہو۔ اگر تُو کہے کہ میں نے تو کسی پر تُہمت نہیں دھری' مجھے سزا تُہمت کی صورت کیوں ملی؟ تو یہ تیری غلطی ہے۔ تُو نے کوئی نہ کوئی دانہ بویا جس کا پھل پایا۔ حالانکہ دانہ اور پھل میں بھی کوئی مُشابہت نہیں۔ انسان کے نُطفہ کے نتیجے میں جو بچہ پیدا ہوتا ہے وہ کبھی تو خدمتگار اور مددگار ہوتا ہے اور کبھی سانپ کی طرح مُوذی۔ اگر انسان کا نُطفہ سانپ بن سکتا ہے تو لاٹھی سے سانپ بننے پر تعجب کیوں ہے۔

انسان کی عبادت کا ثمرہ جنت ہے اور جو نیک اعمال وہ کرتا ہے وہ پرندوں کی شکل میں جنت میں ہوں گے۔ انسان جو کارِ خیر کرتا ہے اُسے درختوں کی صورت جنت میں ملیں گے۔ عبادت کا ذوق' شہد کی نہر اور عشقِ الٰہی کی مَستی وشوق' شراب کی نہر بنے گا۔ ان نہروں کے اَسباب نہروں کے مُشابہ نہیں ہیں۔ یہ سب چیزیں اور اُن کے اَسباب جس طرح اب بندوں کے اِختیار میں ہیں' جنت میں بھی اُن کے اِختیار میں ہونگے۔ جس طرح دُنیا کی اشیاء انسان کو جلاتی ہیں تو دوزخ کی آگ بھی جلائے گی۔ انسان کی وہ باتیں جو دوسرے لوگوں کے لئے سانپ اور بچھو کا کام کرتی ہیں وہ ہی دوزخ کے سانپ اور بچھو بنیں گی۔ انسان دُنیا میں لوگوں کو دھوکے دے کر پریشان کرتا تھا اِسی طرح دوزخ میں خود کو پریشان دیکھے گا۔ دوستوں سے جھوٹے وعدے کر کے اُن کو انتظار کی تکلیف میں مبتلا کر کے منتظر بناتا تھا اب خود (حساب کے) انتظار کی تکلیف اُٹھائے گا۔ انسان اپنے غصہ کی آگ کو بجھانا چاہے گا تو وہ راکھ میں دب جائے گی اور کسی بھی

ہر طرف کہ دل اشارت کرد شاں | می رود ہر پنج حس دامن کشاں
جس طرف دل نے اُن کو اشارہ کیا | پانچوں حواس نازو انداز سے اُسی طرف رواں ہو جاتے ہیں

وقت پھر نمودار ہو جائے گی۔ دین کے نور کو غصّے کی آگ کو بجھانے والا پانی سمجھو اگر وہ حاصل ہو جائے تو پھر آگ سے کوئی خطرہ نہیں ہے۔ پانی، آگ کو بجھاتا ہے اس لئے آگ، پانی کی پیداوار کو جلاتی ہے۔ تُو اپنے آپ کو اہل اللہ کے پاس لے جا جو کہ پورے کے پورے نور میں غرق ہیں لیکن یہ بات خوب سمجھ لو کہ حقیقی اہل اللہ اور بناوٹی بظاہر یکساں نظر آتے ہیں لیکن دونوں متضاد ہیں اگر ایک پانی ہیں تو دوسرا تیل جو آگ کو اور پھیلا دیتا ہے۔ حقیقی شیخ اور بناوٹی میں بہت فرق ہوتا ہے۔ اُن کی مثال الہام اور وسوسہ کی ہے۔ الہام اور وسوسہ دونوں دل کے بازار میں آ کر اپنے اپنے سامان کی تعریف کرتے ہیں تا کہ انسان اُن کی طرف راغب ہو جائے۔ اِس لئے کوئی بھی سودا کرتے وقت تین دن تک غور کر لو۔

حدیث میں ہے کہ ایک صحابی نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ میں کاروباری ہوں اور معاملے میں دھوکا کھا جاتا ہوں۔ آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ تم معاملہ کرتے وقت یہ کہہ دیا کرو کہ تین دن تک کا اختیار مجھے ہے۔ کوئی معاملہ جلد بازی میں نہ کرو۔ حدیث شریف میں ہے کہ ”توقف کرنا اللہ کی جانب سے اور جلد بازی شیطان کی جانب سے ہے“۔ کتے کو بھی لقمہ ڈالو تو وہ بھی کھانے سے پہلے سونگھتا ہے۔ اِسی طرح ہمیں عقل کے ذریعے ہر بات کو پرکھ لینا چاہیے۔ خدا کو یہ قدرت حاصل ہے کہ ایک لمحہ میں سینکڑوں مکمل انسان پیدا کر دے لیکن اُس کا عمل بتدریج ہوتا ہے۔ اللہ کے عمل میں آہستگی انسانوں کی تعلیم کے لئے ہے کہ وہ بھی اپنے کاموں میں یہی طریقہ استعمال کریں۔ جس طرح عمل اور اُس کے نتیجے میں مُشابہت ضروری نہیں ہے۔ اِسی طرح یہ بھی سمجھنا چاہیے کہ بظاہر دو عمل صورت میں یکساں ہو سکتے ہیں لیکن اُن کے نتائج مختلف ہوتے ہیں۔ بہی اور سیب کا بیج صورت میں یکساں ہوتے ہیں لیکن نتیجے مختلف ہیں۔ اِسی طرح انسانوں کے جسم اور صورتیں یکساں ہیں لیکن اعمال کے نتائج رُوح پر مختلف مُرتب ہوتے ہیں۔ اِسی طرح نیک اور بد کی موت یکساں نظر آتی ہیں لیکن موت کے نتائج ہر شخص پر مختلف مُرتب ہوتے ہیں۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا خوشی اور مستی میں وصال

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کمزور ہو گئے اور اُن کے چہرے پر موت کے آثار ظاہر ہونے لگے۔ اُن کی بیوی نے دیکھا تو کہا کہ ہائے میں لٹ گئی۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ بولے: نہیں یہ خوشی کا موقع ہے۔ اب تک میں اس زندگی سے مصیبت میں تھا۔ تُو کیا جانے موت کس قدر عیش اور اچھی چیز ہے۔ اُن کا چہرہ گلاب جیسا ہو رہا تھا۔ اُن کی آنکھوں کا نور اس بات کی گواہی دے رہا تھا۔ جن لوگوں کا دل سیاہ ہے اور بلال رضی اللہ عنہ کو سیاہ رُو کہتے ہیں، انہیں معلوم نہیں کہ کالا رنگ حقارت کی دلیل نہیں ہے۔ آنکھ کی پُتلی سیاہ لیکن اُس کی فضیلت بے حد ہے۔ بلال رضی اللہ عنہ کو آنکھ کی پتلی جیسا افضل وہی

چُوں خُدا خواہد کہ ماں یاری کُند
جب خُدا ہماری مدد کرنا چاہتا ہے

میلِ مارا جانبِ زاری کُند
تو ہمیں انکساری کی طرف مائل کر دیتا ہے

ذاتِ گرامی کہہ سکتی ہے۔جس کو خود تمام انسانوں میں وہی مرتبہ حاصل ہو جو آنکھ کی پتلی کو تمام اعضاء میں حاصل ہے۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے حقیقی اَوصاف تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کے صحابہ رضی اللہ عنہم سمجھ سکے۔ دوسرے لوگ اُن کے صحیح مرتبے کو حقیقی طور پر نہیں جان سکتے صرف تقلیدی طور پر اُن کو جانتے ہیں۔ بیوی بولی: آپ تنہا رخصت ہو کر مسافر بن رہے ہیں۔ اپنے خاندان اور گھر والوں سے دُور ہو رہے ہیں۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ایسا نہیں ہے، آج کی رات میری جان مسافرت سے وطن کو جا رہی ہے۔ بیوی بولی: یہ بڑے دُکھ اور غم کا مقام ہے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ بولے: نہیں یہ بڑی خوش نصیبی ہے۔ بیوی بولی: اب ہم آپ کا چہرہ کہاں دیکھیں گے؟ اُنہوں نے فرمایا: اب میں خدا کے حلقہ میں ہوں گا۔ خدا کا حلقہ ہر ایک کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔ اگر تُو اپنی نظر بند رکھے اور پستی کی طرف نہ جائے تو اِس حلقہ میں رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ کا نور اس طرح چمکتا ہے جیسے انگوٹھی میں نگینہ۔ میں اب مَعارِف اور اَسرار کا خزانہ بن گیا تھا اور اس جسم میں اُسے سنبھالنے کی گنجائش نہیں تھی۔ میں جب تک گدا تھا میری رُوح اس حقیر جسم میں رہ سکتی تھی، اب جبکہ میں مَعارِف کا شاہ بن گیا ہوں تو اب وسیع جگہ کی ضرورت ہے کہ انبیاء علیہم السلام اسی وجہ سے دُنیا کو ترک کر کے آخرت کی طرف روانہ ہو جاتے ہیں۔

جو لوگ مردہ دل ہوتے ہیں اُن کے لئے یہ دُنیا ہی شان و شوکت والی ہے۔ یہ اہلِ دُنیا کے لئے وسیع لیکن اہلِ باطن کے لئے تنگ ہے۔ اگر یہ دُنیا تنگ نہیں ہے تو پھر اس کے باشندوں میں ہنگامہ آرائی کیوں ہے؟ یہاں کی تنگی کا احساس اس وقت ہوتا ہے جب انسان سوتا ہے۔ وُسعت کے باوجود یہ دُنیا ہمیں کبھی کبھی تنگ محسوس ہوتی ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے ظالموں کے چہرے بظاہر خوش باش نظر آتے ہیں لیکن اُن کی رُوح تنگی کی وجہ سے آہ وفغاں کر رہی ہوتی ہے۔ اولیاء اللہ رحمۃ اللہ علیہم کی رُوح عالمِ بیداری میں بھی اسی طرح آزاد ہوتی ہے جس طرح عوام کی رُوح نیند کے وقت۔ اُن کی مثال اصحابِ کہف کی سی ہوتی ہے جو دُنیا کے لحاظ سے نیند میں تھے اور آخرت کے اِعتبار سے بیدار تھے۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے فرمایا زندگی کی حالت میں رُوح اِس جسم میں ٹیڑھی میڑھی رہتی ہے جیسے بچّہ ماں کے پیٹ میں ٹیڑھا میڑھا ہوتا ہے۔ بدن پر موت کی تکلیف ایسی ہی ہے جس طرح بچّہ پیدا ہونے میں ماں کو دردِ زہ کی تکلیف ہوتی ہے۔ موت کے بعد رُوح ملاءِ اعلیٰ کی سَیر کرتی ہے۔ موت کی تکلیف جسم کو ہوتی ہے اور رُوح اِس درد کی وجہ سے قید سے آزاد ہو جاتی ہے۔ اس دُنیا میں ہر انسان دوسرے کے درد سے ناآشنا ہے سوائے اہل اللہ کے جو کہ اللہ کی رحمت سے ہر اَحوال سے باخبر ہوتے ہیں۔

اے خُنک چشمیکہ اُو گریانِ اُوست
بڑی مُبارک ہے وہ آنکھ جو اُس کے لیے روتی ہے

وے ہمایوں دِل کہ اُو بریانِ اُوست
اور وہ دل بہت مُبارک ہے جو اُس کے لیے جل بھن رہا ہے

سُستی اور غفلت سب جسم کی وجہ سے ہے کیونکہ یہ ارضی اور سفلی ہے

انسان کی سب خصلتیں مادی بدن کی وجہ سے ہیں۔ چونکہ زمین فلک کے درمیان ہے لہٰذا اُس کے جس حصے پر سورج کی روشنی پڑتی ہے وہاں دن ہوتا ہے ورنہ رات۔ اب اگر زمین اس دائرے سے خارج ہو جائے تو پھر اُس کی یہ صفت بدل جائے گی۔ اسی طرح اگر مجاہدات کے ذریعے جسمانی حجاب رفع کر دیا جائے تو رُوح ہمیشہ منوّر رہے گی اور اُس پر غفلت کے آثار طاری نہیں ہوں گے۔ تمام کدورات جسم ہی کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔ رُوح اُن کا مخزن نہیں۔ چہرے کا رنگ انسانی حالات کے اَسباب کی وجہ سے کبھی سُرخ، کبھی زرد، کبھی سفید ہوتا رہتا ہے۔ اِسی طرح رُوح میں بھی کدُورتیں مختلف اَسباب کی وجہ سے پیدا ہوتی رہتی ہیں ورنہ وہ خود مصفّٰی شے ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جب انسان مجاہدات کے ذریعے دوبارہ اصل حیات حاصل کر لیتا ہے تو اَسباب کو لات مار دیتا ہے اور مُسبّبُ الاَسباب ہی کو مؤثرِ حقیقی سمجھنے لگتا ہے۔ جب تک ایسا نہیں ہوتا انسان اَسباب ہی کے مؤثر ہونے پر جما رہتا ہے۔ اَسباب سے بے نیاز ہو جانے سے رُوحیں ملاءِ اعلیٰ کی سَیر کرتی رہتی ہیں۔ جس طرح دوسری رُوحیں اور عقلیں لامکاں میں رہتی ہیں یہ بھی لامکانی بن جاتا ہے۔ ایسی کامل رُوح کے سامنے ہماری عقلیں ہیچ ہیں اور اِس رُوحِ کامل کا اِلہام نَص کی طرح ہوتا ہے۔ وہ شخص جو قرآن اور حدیث میں مذکورہ احکام سے اُن چیزوں پر حکم لاتا ہے جن کا حکم قرآن و حدیث میں موجود ہے۔ اُس کے پاس اگر کوئی قرآن کی آیت یا حدیث بطورِ نَص کے موجود ہوتی ہے تو وہ اُس کے ذریعے حکم بیان کرتا ہے ورنہ کسی نَص پر قیاس کر کے حکم جاری کرتا ہے۔ رُوحِ قدسی کا احساس بھی بمنزلہ نَص کے ہے اور ہماری عقل و اِدراک بمنزلہ قیاس کے ہے جو نَص میں مؤثر ہے اور عقل کی تدبیر رُوح کی تاثیر سے ہے۔ اگر رُوح نے عقل میں تاثیر بھی کر دی ہے تب بھی عقل مؤثر ہے اور عقل کی تدبیر رُوح کی تاثیر سے ہے۔ اگر رُوح نے عقل میں تاثیر بھی کر دی ہے تب بھی عقل کو رُوح کی ہمسری مناسب نہیں ہے۔ اِس میں وہ اَسباب و علامات کہاں ہیں، جو رُوح میں ہیں۔ عقل بسا اوقات رُوح کی تاثیر کو رُوح سمجھ بیٹھتی ہے۔ یہ اُس کی غلطی ہے۔

تاثیر اور رُوح میں وہی فرق ہے جو سورج اور اُس کے نور میں ہے۔ جب یہ معلوم ہو گیا کہ نور اور چیز ہے اور سورج دوسری چیز ہے تو سالِک کو صرف نور پر ہی اکتفا نہیں کرنا چاہیے بلکہ سورج تک پہنچنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ دُنیا میں جو آثارِ قدرت ہیں وہ فانی ہیں لیکن جس کا وصول ذات تک ہو جائے گا وہ دائمی نور میں مُستغرق رہے گا۔ اب نہ اُس کی

از پئے ہر گریہ آخر خندہ ایست
ہر رونے کے بعد بالآخر ہنسی ہے

مردِ آخر بیں مُبارک بندہ ایست
انجام پر نظر رکھنے والا مُبارک انسان ہے

جسمانی کثافتیں نور سے مانع ہوں گی اور نہ مظاہرِ قدرت کا فنا ہونا اُس کے لئے فراق کے غم کا سبب بنے گا۔ ایسا شخص وہی ہوگا جو لاہُوتی ہوگا یا اگر وہ ناسُوتی ہے تو اُس نے مجاہدوں کے ذریعے اپنے ناسُوتی پن کو ختم کر دیا ہے۔ خاکی اور ناسُوتی' ذات کے جلوؤں کی تاب نہیں لاسکتا۔ اُس کو اِس طرح سمجھو کہ اگر سورج زمین پر ہمیشہ چمکے تو وہ برداشت نہیں کر سکے گی اور اِس میں کوئی چیز اُگانے کی طاقت ہی نہیں رہے گی۔ مچھلی چونکہ آبی چیز ہے' وہ دائمی طور پر پانی کو برداشت کر سکتی ہے۔ سانپ خشکی کی چیز ہے' وہ ہمیشہ سمندر میں نہیں رہ سکتا۔

اِسی طرح لاہُوتی اور ناسُوتی کو سمجھو۔ کبھی ناسُوتی مکار لاہُوتی بننے کی کوشش کرتا ہے تو بحرِ وحدت اُس کو رُسوا کر دیتا ہے۔ ہاں ایسے لاہُوتی انسان ہوتے ہیں' جو ناسُوتیوں کو لاہُوتی بنا دیتے ہیں۔ اگر تُو ناسُوتی ہے تو لاہُوتیوں کی محبت اختیار کر' وہ تجھے دریائے وحدت میں تیرنا سکھادیں گے۔ یہ لاہُوتی اولیاء رحمہم اللہ ایک قسم کا جادو کرتے ہیں جس سے انسان کی ماہیت تبدیل ہو جاتی ہے لیکن اُن کا جادو حلال جادو ہوتا ہے۔ یہ لوگ بہت سی ناممکن باتوں کو اپنے تصرّفات سے ممکن بنا دیتے ہیں۔ اُن کی صحبت میں بُرے اخلاق' اچھے اخلاق میں تبدیل ہو جاتے ہیں لیکن منکرین اُن کو صرف بشر ہی کہتے رہتے ہیں۔ اُن اہل اللہ کی صحبت کی تاثیر کا اگر میں قیامت تک بھی بیان کروں تو وہ ختم نہیں ہوگا۔ جو لوگ میری اِس طرح کی باتوں سے ملول ہوتے ہیں وہ یہ سمجھتے ہیں کہ مکرّر بیان کرنا بیکار ہے لیکن اِن مضامین کا اعادہ مجھے نئی زندگی بخشتا ہے۔ روشنی کی تکرار شمع کو نئی زندگی بخشتی ہے۔ سورج کی شعاعوں کے مکرّر پڑنے سے زمین میں سونے کی کان پیدا ہو جاتی ہے۔ بعض اوقات ایک مکدّر کے محفل میں بیٹھے ہونے سے بزرگوں کی محفل مکدّر ہو جاتی ہے اور مضامین عالیہ کی آمد بند ہو جاتی ہے۔

یہ اولیاء اللہ رحمہم اللہ دلوں کو پیغام دیتے ہیں اور اَسرارِ الٰہی سُناتے ہیں۔ ایسے اولیاء رحمہم اللہ کا مزاج شاہانہ ہوتا ہے اور وہ مریدوں کی اِصلاح کے لئے اُن سے خدمت گزاری کے خواہاں رہتے ہیں۔ مرید کے لئے محض ذکر و فکر ہی کافی نہیں ہے' شیخ کے آداب اور خدمات بجالانا بھی ضروری ہے۔ شیخ کی پوری اطاعت ہوتی ہے' تب وہ کہیں نسبت کی امانت مرید کے سُپرد کرتا ہے۔ معمولی ادب سے کام نہیں چلے گا' شیخ کے شایانِ شان ادب ضروری ہے۔ ایسا ادب جو شیخ میں شکر گزاری کی کیفیت پیدا کر دے۔ جب تک طلبِ صادق نہ ہو اَسرار کی تعلیم نہیں دی جاسکتی لیکن اولیاء رحمہم اللہ کو لوگوں کی بے رغبتی کے باوجود اُن پر اَسرار کی بارش کرتے رہنا چاہیے۔ جو مُبلّغ سامعین کی بے رغبتی کے باوجود اَسرار بیان کرتے رہتے ہیں وہ قابلِ مُبارکباد ہیں۔ بے توجہ لوگوں کے سامنے اَسرار بیان کرنے سے اگر شرمندگی طاری ہو تو اُس کو

ہر کجا آبِ رواں سبزہ بود
جہاں کہیں آبِ رواں ہو' سبزہ ہوتا ہے

ہر کجا اشکِ رواں رحمت شود
جہاں کہیں اشکِ رواں ہو' رحمت ہوتی ہے

برداشت کر لے۔ کامل مُرشد کو ایسے حالات میں بھی پشیمانی نہیں ہوتی ہے۔ جس طرح ہر جانور اپنے دشمن کی بُو سونگھ کر بھاگ جاتا ہے اِسی طرح پشیمانی مُرشدِ کامل کی خوشبو سے بھاگ جاتی ہے۔

ہر جانور کا دُشمن کی بُو کو پہچاننا اور بچنا، اُس کے لیے بربادی ہے جو
جو کسی ایسے کا دُشمن بن جائے جس سے فرار یا مقابلہ ممکن ہی نہ ہو

ہر جانور اپنے دشمن کی بُو کو پہچان لیتا ہے اور اُس سے بچنے کی کوشش کرتا ہے لیکن سب سے بدبخت چمگادڑ ہے کہ جو سورج سے دشمنی رکھتی ہے۔ حالانکہ جانتی ہے کہ اُس سے بچ نہیں سکتی۔ سورج کی روشنی ہر جگہ پہنچ جاتی ہے اور چمگادڑ اُسے روک نہیں سکتی۔ اِسی طرح سب سے بدبخت وہ ہے جو آفتابِ حقیقی یعنی ولی سے دشمنی برتے۔ اولیاء رحمۃ اللہ علیہم کا کرم ہے کہ وہ منکرین کے لئے بھی دُعا گو ہوتے ہیں اور اُن کا نقصان نہیں سوچتے۔ اولیاء رحمۃ اللہ علیہم کے ساتھ دشمنی بُری ہے۔ دشمنی اگر کی بھی جائے تو ایسے شخص کے ساتھ کی جائے جس کو انسان مغلوب کر سکے۔ اولیاء رحمۃ اللہ علیہم تو اللہ کے شیر ہوتے ہیں۔ اولیاء رحمۃ اللہ علیہم کے ساتھ عام انسان کی دشمنی ایسی ہی ہے جیسے قطرہ سمندر سے دشمنی کرے جو کہ محض اُس کی حماقت ہے۔ عوام کی دشمنی اولیاء رحمۃ اللہ علیہم کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتی کیونکہ اُن کا دشمن تو اللہ تعالیٰ کا دشمن ہوا۔

ولی کا دشمن، اللہ کا دشمن ہوا اور یہ خود اپنے ساتھ دشمنی ہے۔ اللہ سے انسان کی دشمنی، اللہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ اللہ تعالیٰ کا جلال بے پایاں ہے۔ اِسی طرح اُس کی رحمت بھی بے پایاں ہے۔ انسان کا رحم، غم سے ملا جلا ہوتا ہے۔ کسی مجبور کو دیکھ کر انسان پر غم طاری ہوتا ہے پھر اُس کی رحمت اُبھرتی ہے۔ اللہ کی رحمت اِن باتوں سے پاک ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات کی حقیقت تک رسائی ناممکن ہے اِسی طرح اُس کی صفات بھی عقل سے بالاتر ہیں۔ اُس کی صفتوں کو اُن کے اثرات سے سمجھا جا سکتا ہے۔ ہماری عقلوں میں اُن صفات کی حقیقت کو بھی سمجھنے کی صلاحیت نہیں ہے، جس طرح بچہ جماع کی حقیقت کو نہیں سمجھ سکتا۔ جب حقیقت کو سمجھنا مشکل ہوتا ہے تو اُس چیز کو مثالوں سے سمجھایا جاتا ہے۔ وہ علم جو مثال سے حاصل ہو اُس کو اِس چیز کا علم بھی کہا جا سکتا ہے۔ لیکن چونکہ مثال سے اس چیز کا کُلّی علم حاصل نہیں ہو سکتا، اُس کی کچھ سمجھ آتی ہے مکمل نہیں تو اُسے اِس چیز کا جہل بھی کہا جا سکتا ہے کیونکہ حقیقت تو نامعلوم ہے۔

عوام کے علم کی حالت ایسی ہی ہوتی ہے لیکن انسان کو کوشش کرنی چاہیے کہ اپنے اندر وہ صلاحیت پیدا کرے جس کے ذریعے چیزوں کی حقیقت معلوم ہو سکے۔ کامل لوگ ماہیتوں اور اُن کے راز سے بھی واقف ہوتے ہیں، جو کہ حقیقتِ الٰہیہ ہے۔ اللہ کی ذات اور اُس کی صفات عقل اور سمجھ سے دُور تر ہیں، پھر بھی کامل اولیاء رحمۃ اللہ علیہم اُن سے واقف

گفت اندر نُبے کاں اُمّتاں	کہ بر ایشاں آمد آں قہرِ گراں
قرآن میں ہے کہ جن اُمتوں پر عذاب آیا	اُن پر بڑا عذابِ الٰہی نازل ہوا

ہوتے ہیں۔ وہ کامل لوگ جبکہ ذات وصفاتِ اَحدیت کا علم حاصل کر لیتے ہیں تو کائنات کی ذات وصفات اُن پر کیسے مخفی رہ سکتی ہیں۔ فلسفی کی عقل جب تک کہ چیز وقوع میں نہ آجائے اُسے ناممکن کہتی ہے۔ جب اُس کا وقوع ہو جاتا ہے تو ممکن سمجھتی ہے۔ فلاسفہ پہلے زمین کو متحرک نہیں مانتے تھے لیکن ثبوت مل جانے پر زمین کو متحرک مان لیا گیا ہے۔ جب انسان مجاہدے کرتا ہے تو پانچوں ظاہری حواس اور پانچوں باطنی حواس کی قید سے آزاد ہو جاتا ہے اور کشف وشہود کے مقام پر پہنچ جاتا ہے۔

ایک چیز کے بارے میں اقرار و اِنکار کا جمع ہونا اور نہ ہونا جہت و نسبت کے اختلاف کی وجہ سے ہے

جنگِ بدر میں آنحضور ﷺ نے ایک مُٹھی مٹی دشمنوں پر پھینکی جس کی وجہ سے وہ اندھے اور شکست خوردہ ہو گئے۔ چونکہ آنحضور ﷺ نے اپنے ہاتھ سے وہ مٹی پھینکی تو پھینکنے کی نسبت آنحضور ﷺ کی طرف گئی اور چونکہ اُس پھینکنے نے وہ کام کیا جو آنحضور ﷺ کا ذاتی نہ تھا اِس لئے پھینکنے کی آنحضور ﷺ سے نفی کر دی گئی۔ انبیاء علیہم السلام کے بارے میں جو فرمایا گیا ہے وہ اولیاء رحمہم اللہ پر بھی صادق ہے لیکن منکرین اُن کو ایسا ہی جانتے ہیں جیسا کہ وہ اپنی اولاد کو جانتے ہیں۔ پھر فرمایا گیا ہے کہ اولیاء رحمہم اللہ میرے دامن میں چُھپے ہوئے ہیں اور اُن کو میرے سوا کوئی نہیں جانتا ہے۔ چونکہ جاننا اور نہ جاننا دو حیثیتوں سے ہے لہٰذا دونوں باتیں دُرست ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام کو تیرا جاننا اور نہ جاننا بھی اسی اعتبار سے سمجھ لے۔ حیثیت اور جہت بدل جانے سے دو متضاد حکم بہت سی چیزوں پر لگائے گئے ہیں۔

کسی کی فنا اور بقا کا مسئلہ بھی اسی نوعیت کا ہے کہ مختلف حیثیتوں سے اُس کو فانی اور باقی کہا جاتا ہے یعنی اگر وہ موجود ہے تو اپنی ذات کے اعتبار سے نہیں ہے بلکہ وہ تو اپنی ذات کے اعتبار سے فانی ہے لیکن اُسے بقا باللہ حاصل ہے۔ دن میں سورج کے سامنے شمع روشن کرو تو اُس پر متضاد حکم لگ سکتے ہیں۔ چونکہ آفتاب کی روشنی کے سامنے اُس شمع کی روشنی ماند پڑ گئی ہے تو کہہ سکتے ہیں کہ وہ روشن نہیں ہے اور اس حیثیت سے کہ اگر اُس کی لو پر روئی رکھو تو وہ جل جائے گی تو تم کہہ سکتے ہو کہ شمع روشن ہے۔ اگر دو سو من شہد میں ایک سیر سرکہ ملا دو تو کہہ سکتے ہیں کہ سرکہ معدوم ہے۔ چونکہ چکھنے میں اس کا مزہ نہیں آتا اور یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ سرکہ موجود ہے کہ وزن کریں گے تو معلوم ہو جائے گا۔ ہرن جب شیر کے سامنے بے ہوش ہو گیا تو وہ فانی بھی ہے اور باقی بھی ہے۔ فنا و بقا میں یہ مثالیں جو دی گئی ہیں وہ حضرتِ حق کے شایانِ شان نہیں ہیں لیکن اُس کا بیان کرنا عشق ومحبت کے جوش میں ہوا ہے۔

چُوں تضرّع می نہ کردند آں نفس	تا بلا زایشاں بگشتے باز پس
اُنہوں نے اُس وقت آہ وزاری کیوں نہ کی	تاکہ اُن پر سے بلا ٹل جاتی

عشقِ الٰہی کا دعویٰ ایک درجہ میں برابری کا دعویٰ ہے۔ اس لئے عاشق اور معشوق میں لامحالہ کوئی نسبت ہوتی ہے اور ممکن واجب کے ساتھ کوئی مناسبت نہیں رکھتا۔ عاشق، عشق کی مستی میں گستاخانہ باتیں بول جاتا ہے لیکن وہ گستاخی اُس وقت گستاخی ہے جب اُس کی نسبت عاشق کی طرف ہو لیکن چونکہ اُس کو فنا کا درجہ حاصل ہے اور وہ باتیں اُس کی ذات سے منسوب نہیں ہیں اس لئے وہ گستاخی نہیں ہے۔ اُس کا باادب ہونا اور بے ادب ہونا بھی نسبت کے اختلاف سے صحیح ہے۔ اگر وہ باتیں اُس کی ذات کی طرف منسوب ہوں تو بے ادب ہے اور اگر ذاتِ باری کی طرف ہوں تو یہ باادب ہے۔ بباطن چونکہ اُس کو فنافی الذات کا مرتبہ حاصل ہوگیا ہے اس لئے اُس کا اپنا کوئی دعویٰ ہے نہ کوئی ذات۔ فنا کے بعد فاعل بننے کی صلاحیت ہی باقی نہیں رہتی لہٰذا فعل کی اُس کی طرف نسبت نہیں کی جاسکتی۔

صدرِ جہاں کا وکیل، جو متہم ہوگیا تھا، جان کے ڈر سے بُخارا سے بھاگ گیا، پھر عشق نے اُسے کھینچا کہ محبوب کے لیے جان دینا آسان ہوتا ہے

اس قصّے میں یہ بتانا مقصود ہے کہ وہ وکیل اپنی جان سے قطع نظر اپنے بادشاہ کے سامنے پیش ہوگیا۔ اسی طرح عاشق اپنی ذات وصفات سے قطع نظر کرلیتا ہے۔ بُخارا کے صدرِ جہاں (گورنر) کا ایک غلام متہم ہوگیا اور اُس کے دربار سے غائب ہوگیا۔ دس سال تک مارا مارا پھرتا رہا لیکن اُس کے عشق کے باعث بے بس ہوگیا۔ دوستوں کی جدائی عقل کو ایسا مبہوت کردیتی ہے جس طرح تیرانداز کمان ٹوٹ جانے سے پریشان ومبہوت ہوجاتا ہے۔ خدا کی رحمت سے جُدائی میں جہنم پُرسوز بنی ہوئی ہے۔ بید کا درخت طاقت کے فراق میں لرزتا ہے۔ فراق کے اثرات کا بیان قیامت تک ممکن نہیں۔ اس کے اثرات کی تفصیل میں پڑنے کی بجائے اَلْاَمَان، اَلْاَمَان کہنا چاہیے۔ دُنیا کی خوش کُن چیزوں نے بہت سوں کو فراق کی سختی میں مبتلا کیا ہے۔ اگر مبتلا ہونے سے پہلے ہی تُو اس چیز کو اپنے دل سے ہٹالے گا تو فراق کی مصیبت سے بچ جائے گا۔ جس طرح حضرت مریم علیہا السلام نے خدا کی پناہ حاصل کی تھی، تُو بھی خدا کی پناہ حاصل کرلے۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام کا آدمی کی صُورت میں حضرت مریم علیہا السلام کے سامنے آنا اور اُن کا اللہ کی پناہ مانگنا

حضرت مریم علیہا السلام نے لوگوں سے گوشہ تنہائی اختیار کرلیا تھا۔ وہ برہنگی کی حالت میں تھیں کہ جبرائیل علیہ السلام اُن کے سامنے نمودار ہوئے۔ جبرئیل علیہ السلام کے ظاہر ہونے سے حضرت مریم علیہا السلام گھبرا گئیں، برہنہ تھیں، وہ سمجھیں کوئی خرابی پیش نہ آئے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام ایسی حسین صورت میں

آں بہا کانجاست زاری راکجاست	چُوں تضرُّع را برِ حق قدرہاست
زاری کی جو قدر وہاں ہے اور کہیں نہیں ہے	کیونکہ اللہ کے ہاں آہ وزاری کی بہت قدر ہے

نمودار ہوئے کہ اگر حضرت یوسف علیہ السلام اُن کو دیکھتے تو اُن کے حُسن سے مبہوت ہو کر اسی طرح اپنا ہاتھ کاٹ لیتے کہ جس طرح زنانِ مصر نے اُن کو دیکھ کر اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے۔ حضرت مریم علیہا السلام نے گھبرا کر فرمایا ''میں خدا کی پناہ پکڑتی ہوں'' حضرت مریم علیہا السلام کی یہ عادت تھی کہ ہر پریشانی میں وہ خدا کی پناہ چاہ لیتی تھیں کیونکہ اللہ کی پناہ سے بہتر اور کوئی قلعہ نہیں ہے۔ اثر، مؤثر کے وجود کی دلیل ہوتا ہے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا: میں اللہ کے وجود کی دلیل ہوں۔ اس کے علاوہ ذاتِ باری کی جو تعبیرات ہیں وہ صحیح تعبیرات نہیں ہیں۔

ہماری دلیل اور ادراک کی وجودِ باری سے وہی نسبت ہے جو خرِ لنگ اور ہوا پر سوار کی نسبت ہے۔ ذاتِ حق انسان سے قریب بھی ہے اور اس کے اِدراک سے بعید بھی ہے۔ انسان کے جس قدر ادراکات ہیں' کوئی بھی اس کی حقیقت تک پہنچ کر مطمئن نہیں ہے لیکن پھر بھی جستجو جاری رہنی ضروری ہے۔ انسانوں کے اِدراکات مختلف ہیں اور کسی کا اِدراک تیز ہے اور کسی کا اِدراک ہر وقت متردّد۔ تجلّیِ الٰہی کے اُمیدوار کے لئے ہر حال میں کوشش میں لگے رہنا ضروری ہے۔ بعض لوگ تجلّی کے اِدراک سے محروم ہو کر بیٹھ جاتے ہیں لیکن ایسا دُرست نہیں ہے۔ جیسے شکاری ایک آنکھ بند کر کے منتظر رہتا ہے کہ شکار آئے اِسی طرح ہمہ وقت الٰہی شکار کے منتظر رہو۔ تجلّی کی جو معمولی سی جھلک نظر آئے اُس کے ہمیشہ انتظار میں رہو' مایوسی سے یہ بھی نہ سوچو کہ وہ واقعی کوئی تجلّی تھی یا محض غیر واقعی خیال تھا۔ اِن حالات میں سالک کے لئے مناسب ہے کہ وہ آرام کرے تا کہ اُس میں طاقت پیدا ہو اور پھر مجاہدہ کر سکے۔ اللہ نے رات کو اسی لئے پیدا کیا ہے کہ انسان اس میں آرام کرے اور دن بھر کی تھکن دُور ہو جائے۔

اگر رات نہ ہوتی تو کمائی کے لالچ میں تم ہر وقت مصروفِ کار رہ کر بدن کو تباہ کر لیتے۔ رات انسانوں کے لئے اللہ کی بڑی نعمت ہے۔ قبض کی حالت میں وہ تمام قُوائے باطنی مجتمع ہو جاتے ہیں' جو بسط کی حالت میں خرچ ہو رہے تھے۔ قبض کی حالت میں سالک کو غمگین نہیں ہونا چاہیے۔ اُس کو بھی اپنے لئے مُفید سمجھنا چاہیے جیسے مختلف موسم اپنے اپنے لحاظ سے مُفید ہوتے ہیں۔ بسط کی حالت میں خوش رہنا بھی طفلانہ حرکت ہے' اس کے زیادہ خواہش مند نہ بنو۔ بچے ہمیشہ عارضی خوشیوں سے خوش رہتا ہے۔ عقل مند کے پیشِ نظر آخرت رہتی ہے۔ دنیاوی لذتوں کو قصائی کے بکرے کو کھلائی گھاس سمجھو۔ اصل خوراک تو دین کا لقمہ ہے جو کہ اہلِ یقین کا طریقہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''تم اُس کا رزق کھاؤ''۔ اِس رزق سے مراد حکمت ہے نہ کہ دنیاوی غذائیں۔ یہ رزق وہ ہے جس پر کوئی اُخروی مواخذہ نہیں ہوگا۔ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔

باتضرع باش تا شاداں شوی	گریہ کن تا بے دہاں خنداں شوی
اِس زندگی میں آہ و زاری کر	تاکہ تمہیں بعد میں دائمی رُوحانی مسرت حاصل ہو جائے

اندروں از طعام خالی دار
تا درآں نورِ معرفت بینی (سعدی رحمۃ اللہ علیہ)

"یعنی اپنے پیٹ کو خوراک سے خالی کر تاکہ تو اس میں معرفت کا نور دیکھے"

دنیوی لذتیں ترک کرنے سے اسرارِ خداوندی کا رزق حاصل ہونے لگے گا۔ میں نے یہ مضمون پوری طرح واضح نہیں کیا۔ اگر راستے کو پورا سمجھنا ہو تو حکیم سنائی کا "الٰہی نامہ" پڑھو۔ قصۂ مختصر یہ کہ انسان کو آخرت کی فکر کرنی چاہیے۔ شکر اور مٹھائیاں کھانا تو بچوں کا کام ہوتا ہے، آخرت کا اس دُنیا میں غم تجھے دائمی خوشی کی مٹھائی عنایت کرے گا۔ عقلمند انسان انگور میں شراب اور عاشق، مُعْدوم میں موجود کو دیکھتا ہے۔ تُو بھی غمِ امروز کے پیچھے مسرّتِ فردا کو دیکھ لے۔ جب کوئی مزدور کسی انسان سے اپنی مزدوری وصول کرتا ہے تو خوش ہوتا ہے، تو اللہ کی جانب سے جو مزدوری ملے گی اس کے لئے کیوں نہ مشقت برداشت کر لی جائے۔ یہ ایسی مزدوری ہوگی جو قبر میں تیرے کام آئے گی۔ آنے والی موت کے دن کے لئے اسی دُنیا میں مردہ بن جا تاکہ سرمدی عشق کا ساتھی بن جائے۔ موت سے پہلے ہی دُنیا اور اس کی لذتوں کو خیرباد کہہ دو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہر مشکل کے ساتھ آسانی ہے اور ہر تنگی کے بعد کشادگی ہے۔ اپنی مٹھی کو نہ ہمیشہ کھلا رکھنا مناسب ہے اور نہ ہمیشہ بند۔ پرند کی پرواز اسی وقت دُرست ہوتی ہے جب دونوں پَر بروقت کھلیں اور بروقت بند ہوں۔

جبرائیل علیہ السلام کا حضرت مریم علیہا السلام کو کہنا "میں اللہ کا قاصد ہُوں، مجھ سے پریشان نہ ہو اور نہ چھپو"

جب حضرت مریم علیہا السلام، حضرت جبرائیل علیہ السلام کے اچانک سامنے رُونما ہو جانے سے تڑپیں تو رُوح الامین علیہ السلام نے کہا: آپ مجھ سے نہ ڈریں۔ میرے وجود سے ڈر کر نہ بھاگیں۔ میں تو مُلکِ عدم سے آیا ہوں۔ میں مجسّم بھی ہوں اور ایک خیال کی صورت بھی ہوں۔ جب کوئی خیال تمہارے دل میں آتا ہے تو تم کہاں بھاگ کر جا سکتے ہو؟ لَاحَوْلَ کا مطلب ہے کہ طاقت صرف اللہ ہی کی ہے۔ تو جو چیز خود اللہ ہی کی طاقت سے نمودار ہو اُس پر لَاحَوْلَ پڑھنا بے کار ہے۔ اب تک جبرائیل علیہ السلام کو نہ پہچاننے کا بیان تھا۔ پہچان بہت اچھی چیز ہوتی ہے۔ اگر حضرت مریم علیہا السلام جبرائیل علیہ السلام کو پہچان لیتیں تو اُن سے ہرگز نہ ڈرتیں۔ اے انسان! تیرا محبوبِ حقیقی تو تیرے پاس ہے اور تُو اُس کو نہیں پہچانتا ہے اور نہ اس سے محبت کرتا ہے۔ خدا کے ساتھ تیرا معاملہ بالکل غیروں کا سا ہے۔ خدا کی اس قدر مہربانیاں ہوتے ہوئے اُس سے دُور رہنا بڑی بے وفائی ہے۔ اللہ کی

کہ برابر می نہد شاہِ مجید
اشکِ را در فضل با خونِ شہید

کیوں کہ اللہ نے فضیلت میں
آنسو اور شہید کے خون کے قطرے کو برابر رکھا ہے

رحمت کے اُسباب ہماری نافرمانی کی وجہ سے زحمت کے اُسباب بن گئے ہیں۔ دُنیا کا بھی یہی دستور ہے کہ اگر دوست سے دوستی نہ برتو تو وہ دشمنی پر اُتر آتا ہے یعنی دوست کا جسم تمہارا دشمن بن جاتا ہے۔ پہلے تمہاری کسی نازیبا حرکت کی وجہ سے اُس کے مزاج میں تغیر آتا ہے اور وہی مزاج کا تغیر بڑھتے بڑھتے نفرت کا سبب بن جاتا ہے۔

محبت کی وجہ سے اُس وکیل کا صدرِ جہاں کے پاس بُخارا واپس آجانا

غلام وکیل کا دل صدرِ جہاں کی طرف کھنچ رہا تھا اور وہ خود بخود بُخارا کی طرف جا رہا تھا۔ ہر انسان کے لئے اُس کا بُخارا ہی اُس کی محبت کا مرکز ہے۔ جب تُو شیخ کے سامنے ہے تو بُخارا میں ہے۔ اِس بُخارا کو ہرگز ذِلّت سے نہ دیکھنا۔ شیخ کا دل تمہارا بُخارا ہے۔ اس دل میں اُس وقت جگہ پاؤ گے جبکہ اپنے آپ کو اُس کے آگے خوار اور ذلیل بنالو گے۔ معشوق جو کچھ بھی عاشق کے بارے میں سوچے وہ عاشق کے نزدیک بھلا ہی ہوتا ہے۔ خوش نصیب ہے وہ جس کا نفس فرمانبردار ہو گیا۔ صدرِ جہاں کی جُدائی جو اُس کے دل میں تھی۔ اُس نے اُسے پریشان کر دیا۔ اُس نے سوچا میں ابھی جاتا ہوں اور اپنے آپ کو صدرِ جہاں کے قدموں میں ڈال دیتا ہوں۔ میں کہوں گا: میں نے اپنی جان تمہارے سامنے ڈال دی ہے تُو جو چاہے کر۔ تیرے سامنے قتل ہونا کسی دوسری جگہ شاہ ہونے سے بہتر ہے۔ میں تیرے بغیر اپنی زندگی کو پھیکا سمجھتا ہوں۔

اگر صدرِ جہان نے اپنا دل سنگِ خارا کی طرح بھی بنالیا ہے تو عاشق کے نزدیک وطن کی محبت کے یہ معنی ہیں کہ جہاں اُس کا محبوب ہے اِس جگہ سے بھی محبت کرے۔ ایک شخص نے ایک عاشق سے پوچھا: تُو نے دُنیا بھر کے شہر دیکھے ہیں بتا کون سا شہر سب سے اچھا ہے؟ اُس نے جواب دیا: وہ شہر جس میں میرا محبوب رہتا ہے۔ جہاں یوسف علیہ السلام ہو وہی جنت ہے چاہے وہ کنواں ہو۔ محبوب کے ساتھ تکلیف دہ مقام بھی راحت کا سبب ہے۔ محبوب کی جُدائی میں اگر جنت بھی ہو تو دوزخ کی طرح ہے۔ راستے میں جو دوست بھی اُسے ملا اُس نے مشورہ دیا کہ اگر تُو وہاں جا رہا ہے تو دیوانہ ہے کیونکہ صدرِ جہاں تجھے قتل کرادے گا۔ خدا نے تجھے موقع دیا ہے کہیں اور بھاگ جا۔ اُس نے جواب دیا کہ میں عشق کا قیدی ہوں اور اِس عشق کو وہ ڈرانے والے نہیں دیکھ رہے۔ جس طرح اُس وکیل پر ایک غیبی موکل مُسلّط تھا اِسی طرح ہر عشق کے سپاہی پر ایک اور سپاہی مُسلّط ہے جو اُس کی نگہبانی کرتا رہتا ہے۔

عقل کا تقاضا ہے کہ انسان گرفتار کرنے والے سپاہیوں سے گریز کرے۔ انسان اِس برباد کرنے والے سپاہی سے غافل ہے ورنہ وہ اللہ سے دُعا کرتا اور اپنی نجات چاہتا۔ یہ سپاہی ہمیں محبوب کی طرف جانے سے روکتا ہے۔ انسان اپنے

رحمتِ اُو بیحدست و بیکراں
اللہ کی رحمت کی کوئی حد نہیں ہے

اُو حکیم ست و کریم و مہرباں
وہ بہت بڑا دانا، کریم اور مہربان ہے

آپ کو آزاد سمجھتا ہے اِسی لئے اُس غیبی سپاہی کو نہیں دیکھ پاتا۔ وہ زوال پذیر دولت اور رُتبے سے دھوکے میں پڑتا ہے اور وہی دولت اور رُتبے کی محبت اُس کو تباہ کر دیتی ہے۔ اگر انسان دولت اور غرور سے نجات پا جائے تو وہ عالمِ بالا کی طرف پرواز کر سکتا ہے۔ اُس نے کہا: اے نصیحت کرنے والے! چُپ ہو جا' تیری نصیحت میری قید کو زیادہ سخت کر رہی ہے۔ تُو عشق کو نہیں جانتا۔ عشق کا سبق تو وہ ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ جیسے درس دینے والے لوگوں نے بھی دردِ عشق کا سبق بیان کرنے کی ہمت نہیں کی۔ یہ کیفیت گُفتنی نہیں ہے۔ عاشقوں کو موت سے ڈرایا نہیں جا سکتا۔ وہ تو خود اپنی موت کے خواہاں ہوتے ہیں۔ عاشقوں کے لئے صرف وہی موت نہیں جو زندگی ختم ہونے پر آتی ہے بلکہ اُن کی موت کی بہت سی قسمیں ہیں۔ اِسی لئے فرمایا گیا ہے ''مرنے سے پہلے مر جاؤ''۔ عاشق سینکڑوں موتیں رکھتا ہے اور ہر وقت ایک جان قربان کرتا ہے۔ اس کو ہر جان قربان کرنے پر دس جانیں اور حاصل ہو جاتی ہیں۔

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را
ہر زماں از غیب جانِ دیگر است (احمد جام رحمۃ اللہ علیہ)

''جو لوگ اللہ کے عشق سے شہید ہو جاتے ہیں اُنہیں ہر لحظہ ایک نئی جان عطا کر دی جاتی ہے''۔

عاشق کی موجودہ زندگی دراصل موت کی طرح ہے اور موت ہی حقیقی زندگی ہے۔ داستانِ عشق کے اظہار کے لئے سینکڑوں زبانیں ہیں لیکن اُن کو سمجھنے والے بہت کم ہیں۔ معشوق کی صفات کا بیان کسی زبان میں بھی مکمل نہیں ہو سکتا۔ عاشق کی زبان ہی سے عشق کی داستان بیان ہو سکتی ہے۔ عاشق یہ داستان بیان کرنے سے کسی مجبوری کی بنا پر توبہ بھی کر لے تو قابلِ اعتبار نہیں کیونکہ وہ پھر اِسی توبہ پر توبہ کر لیتا ہے اور سُولی پر بھی وہ داستانِ عشق بیان کرنی شروع کر دیتا ہے۔ وہ عاشق بھی بُخارا میں کسی درس کے لئے نہیں جا رہا۔ وہ اپنی جان کو صدرِ جہان پر قربان کرنے جا رہا ہے۔ عاشق کا اُستاد تو حُسنِ دوست ہوتا ہے اور اُس کی کتاب دوست کا چہرہ ہوتا ہے۔

ہر چیز کا ذکر عاشق میں ایک خاصیت پیدا کر دیتا ہے اور اُس سے عاشق بہت سے معنی اَخذ کر لیتا ہے کیونکہ ہر صفت ایک ماہیت رکھتی ہے اور اُس سے عاشق اپنے مقصود کی طرف پہنچ جاتا ہے۔ چنانچہ بہت سے اولیاء رحمہم اللہ کے قصّے مشہور ہیں کہ معمولی الفاظ سے جن کے بظاہر کوئی خاص معنی نہیں ہوتے' اُن پر وجدانی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے یعنی وہ رہٹ کی آواز سے بھی وجد میں آ جاتے ہیں۔ بُخارا میں بہت سے علوم و ہُنر ہیں' جو تم سیکھ سکتے ہو لیکن مکمل جب بنو گے کہ خواری جو کہ لوازمِ عشق میں سے ہے ضرور اختیار کر لو۔ اُس وکیل کو علم الیقین کی فکر نہ تھی بلکہ وہ مشاہدہ اور عین الیقین

زور را بگزار و زاری را بگیر
زور کو چھوڑ اور زاری کو پکڑ لے

رحم سُوئے زاری آید اے فقیر
تاکہ ذاتِ باری کی طرف سے رحمت پائے

حاصل کرنا چاہتا تھا۔ جس کو مُشاہدہ حاصل ہو جاتا ہے وہ محض ذکرِ اَسماء وصفات کا مُتمنّی نہیں رہتا ہے۔ اُس کے لئے خبریں اور عقلی دلائل بے کار ہو جاتے ہیں۔ مُشاہدہ حاصل ہو جائے تو علم قوی ہو جاتا ہے اور عام لوگوں کا آخرت کا علم محض خبروں کی بنیاد پر ہوتا ہے۔

اُس عاشق کا بُخارا کی طرف رُخ کرنا

اُس عاشق نے اپنا رُخ بُخارا کی طرف کیا اور اُس کی تعریف کرنے لگا۔ اے بُخارا! تُو نہایت حسین مقام ہے، تیرے جنگل چمن جیسے اور جیحوں دریا کا پانی تالاب جیسا خوبصورت ہے۔ اے بُخارا! تیری محبت نے مجھ سے میری عقل اور دین چھین لئے ہیں۔ میرا مقام تو جوتیوں کی صف میں ہے اور صدرِ جہاں کا مقام بہت بلند ہے۔ جب اُس کی نظر بُخارا پر پڑی وہ بے ہوش ہو گیا۔ لوگوں نے اُس کے منہ پر عرقِ گلاب چھڑکا۔ انہیں کیا معلوم کہ یہ عشق کی بے ہوشی ہے اور یہ تو معشوق کی خوشبو سے ہی رفع ہو گی۔ تم میں ایسی بے ہوشی کے راز سے واقفیت کی قابلیت نہیں ہے۔ تُو بظاہر انسان ہے لیکن اُس کی عظمت سے عاری ہے۔ تُو اپنی عقل پر بھروسہ کرتا ہے اور اَسرارِ غیبی سے غافل ہے۔ قرآن میں ہے: وَاَنۡزَلَ جُنُوۡدًا لَّمۡ تَرَوۡهَا ''اور اُس لشکر کو اُتارا جس کو تم نہیں دیکھتے تھے''۔

یہ اگرچہ فرشتوں کی جماعت کے بارے میں فرمایا گیا ہے لیکن لشکرِ عشق کا بھی ایسا ہی حال ہے۔ جس نے بھی اُسے دیکھا تو کہا کہ بادشاہ تیرے خون کے درپے ہے۔ تُو صدرِ جہاں کا پسندیدہ مشیر تھا۔ ایک قصور میں اتہام میں پھنس گیا اور بھاگ گیا جبکہ تُو اُس سے بچ گیا تھا تو پھر کیوں آ پھنسا ہے۔ کیا تجھے بے وقوفی یہاں لے آئی ہے یا موت؟ قضا، عقل کو احمق بنا دیتی ہے۔ جب قضا آتی ہے تو ایسا ہو جاتا ہے کہ بھاگنے کا موقع نہیں رہتا اور فضا تنگ ہو جاتی ہے۔ اُس نے جواب دیا: اے لوگو! میں ایسا ہو چکا ہوں جیسے اِستسقاء کا مریض ہوتا ہے۔ اگرچہ جانتا ہوں کہ پانی مجھے مار ڈالے گا لیکن پھر بھی پانی کا عشق مجھ میں کم نہیں ہوگا۔ اگر عشق کی وجہ سے میری موت واقع ہو جائے تو میری موت پاکیزہ ہوگی کیونکہ میں خونِ جگر کے سوا اب کوئی خوراک نہیں رکھتا۔ میں اپنے محبوب صدرِ جہاں سے بھاگ جانے پر شرمندہ ہوں۔ محبوب سے کہہ دو کہ مجھ پر اپنا غصہ اُتار لے۔ قرآن میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے گائے ذبح کر کے اُس کا گوشت مقتول پر مارا تو وہ مقتول زندہ ہو گیا لہٰذا میرے مرنے کو موت خیال مت کرو۔ یہ تو دوسروں کی زندگی ہے۔ میں مقتول ہو کر ہر عاشق کی حیات کا سبب بنوں گا۔

اے عاشق! تُو بھی جسم کو جو کہ بمنزلہ گائے کے ہے مجاہدات کے ذریعے فنا کر دے تو تمہاری نظری رُوحیں جو حواس

گر کُنی زاری، بیابی رحمِ او　　رحمِ او در زاریِ خود باز جو

اگر زاری کرے گا تو اللہ کا رحم حاصل کرے گا　　اُس کا رحم اپنی آہ و زاری کے ذریعے تلاش کرلے

کے ذریعے غیر محسوس ہیں، زندہ ہو جائیں گی۔ انسانی جسم کی ساخت اِس طرح ہوتی ہے کہ نباتات اپنی غذا جمادات سے حاصل کرتے ہیں تو وہ اجزاء اپنی جمادیت چھوڑ کر نباتیت اِختیار کر لیتے ہیں۔ پھر حیوان اپنی غذا نباتات سے حاصل کرتے ہیں تو اجزائے نباتات اپنی نباتیت چھوڑ کر حیوانیت اِختیار کر لیتے ہیں۔ وہی حیوانی اجزاء جسمِ انسانی کو بناتے ہیں۔ جب انسان مرتا ہے تو یہ مادی جسم، جسمِ مثالی بن جاتا ہے اور انسان ملائیکہ کی صفت میں آ جاتا ہے۔ پھر اس جسم سے مجھے مَلَکِیَّتْ کو بھی ختم کرنا ہے کیونکہ وہ بھی فانی ہے اور عدمِ اضافی اختیار کر کے بحرِ واحدانیت میں شامل ہو جاتا ہے۔ موت تو اس تاریکی کی طرح ہے، جس کو عبور کر کے آبِ حیات حاصل ہوتا ہے۔

اے عاشق! تُو عشق کا دعویٰ کرتا ہے اور پھر جان کے ڈر سے محبوب سے کیوں بھاگتا ہے؟ یہ نہیں دیکھتا کہ لاکھوں عاشقوں کی جانیں خوشی میں اُس کی تیغِ عشق کے سامنے تالیاں بجا رہی ہیں اور مرنے کی مشتاق ہیں۔ جب تجھے دریائے اُحدیت نظر آئے تو اپنے قطرۂ حیات کو اِس میں ڈال دے۔ تو وہ قطرہ اپنا تشخص ختم کر کے باقی بقاءِ حق ہو جائے گا۔ پھر اُس میں نہ کوئی کمی آئے گی اور نہ تغیر پیدا ہوگا۔ چونکہ میں اپنے محبوب سے بھاگا تھا اب اُس کے قدموں میں قربان ہو جاؤں گا۔ وہ فراق میں روتا ہوا صدرِ جہاں کی جانب چلتا جا رہا تھا۔ اُس نے اپنے مرنے کی پوری تیاری کر لی تھی۔ سب لوگ اِس انتظار میں تھے کہ دیکھیں اب اُسے کیا سزا ملتی ہے۔ یہ احمق ہے کہ اُس نے نار کو نور سمجھا ہے لیکن وہ عشق کے کرشمے سے ناواقف تھے۔ ایک قِصّہ سُن لے۔

مسجد جو مہمان کو مار ڈالتی

اِس قصے سے یہ بتانا مقصود ہے کہ بعض اوقات لوگ جس چیز کو ہلاکت کا سبب سمجھتے ہیں۔ وہ کامیابیوں کا سبب بن جاتی ہے۔ قصبہ رَے میں (جہاں کے امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ تھے) ایک مسجد تھی۔ کوئی شخص رات کے وقت اُس میں موت کے ڈر کی وجہ سے سوتا نہیں تھا۔ کوئی کہتا کہ اُس میں جادو ہے، جس کی وجہ سے رات کو اُس میں ٹھہرنے والا مارا جاتا ہے۔ کوئی کہتا پریاں ہیں، جو رات کو قتل کر دیتی ہیں۔ کوئی کہتا کہ مسجد کو تالا لگا دو کہ کوئی مسافر غلطی سے اُس میں نہ سو جائے۔ ایک مہمان وہاں ٹھہرنے کے لئے آ گیا اور اُس نے مسجد کے بارے میں یہ سب باتیں سُنیں۔ وہ بہادر تھا، اُس نے سوچا کہ آزمانا چاہیے۔ اگر میرا جسم ہلاک بھی ہوگا تو کیا مضائقہ ہے اصل رُوح تو باقی رہ جائے گی۔ قرآن میں اللہ نے حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں فرمایا وَنَفَخْتُ فِيهِ مِن رُّوحِي یعنی آدم میں مَیں نے اپنی رُوح پھونک دی۔ اگر جسم فنا ہو گیا تو وہ اللہ کی پھونک تو باقی رہے گی تو میں پھر نفخِ حق کی صورت زندہ رہوں گا اور جب تک اُس کے صُور کا نفخہ اِس عالَم میں نہ آئے گا تو پھر یہ

گُفت حق گر فاسقی و اہلِ صنم
حق نے فرمایا ہے چاہے تُو فاسق ہے یا بُت پرست

چُوں مرا خوانی اجابتہا کُنم
جب تُو مجھے پُکارے گا مَیں قبول کروں گا

میرے تن سے وابستہ ہو جائے گا۔ میں رُوح کو تن سے جدا رکھنا چاہتا ہوں کیونکہ اِس فخِ حق کے لئے یہ جسم بہت تنگ جگہ ہے۔

قرآن میں یہود کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''تم موت کی تمنا کرو اگر سچے ہو'' اُنہوں نے یہ تمنا نہ کی۔ میں اللہ کی محبت اور ولایت میں سچا ہوں اِس لئے موت کا متمنی ہوں۔ لوگوں نے اُسے سمجھایا کہ اِس مسجد میں جو کوئی بھی رات کو سویا ہے وہ صبح مرا ہوا ملا ہے۔ ہم تمہاری بھلائی کے لئے یہ نصیحت کرتے ہیں کہ اِس مسجد میں نہ ٹھہر۔ اُس نے جواب دیا: اے ناصحو! میں زندگی کی دُنیا سے پیٹ بھر چکا ہوں اور بے حِس ہو چکا ہوں اور موت کا متلاشی ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ اِس دُنیا کی دکان کے اُوپر سے کود جاؤں اور معرفتِ خداوندی کی کان میں پہنچ جاؤں۔ پرندے کو پنجرے میں کچھ اچھا نہیں لگتا۔ پنجرے کا دروازہ ٹوٹنے پر وہ کس قدر خوش ہوتا ہے۔ البتہ وہ پرند جو اپنے پنجرے کے چاروں طرف بلیاں دیکھے تو وہ بے شک پنجرے میں ہی رہنا پسند کرلے۔ جالینوس یونان کا مشہور حکیم تھا اور چونکہ وہ محض علومِ عقلیہ ہی سے واقف تھا اور آخرت کا اُسے کوئی علم نہیں تھا اِس لئے وہ دُنیا میں جیتے رہنے کا متمنی تھا۔ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء رحمہم اللہ اِس دُنیا میں رہتے ہیں لیکن آخرت کے باغات کی سیر کرلیتے ہیں۔ اِس لئے وہ اِس جہان سے بے نیاز ہیں۔ جس کے دل میں نور نہیں ہے وہ ایسا چوہا ہے جس نے صرف بلیوں کی آوازیں سُن رکھی ہوں اور چھپنے کی جستجو کرے اسی لئے وہ اِس دُنیا کو پسند کرتا ہے جو کہ چوہے کے بل کی طرح ہے۔ وہ اِس دُنیا میں رہ کر دُنیا ہی کے ہُنر سیکھنے پر اور دُنیا کو سنوارنے پر ہی اکتفا کرتا ہے۔ وہ وہی پیشے اختیار کرتا ہے جس سے اسی دُنیا کی ترقی ہو۔ اِس لئے کہ اُسے عالمِ آخرت سے رغبت نہیں ہے۔ جسم کے پنجرے میں بلی اپنا پنجہ مرگی، بخار، پیچش، چیچک یا اور کسی بدنی بیماری کی صورت میں داخل کردیتی ہے۔ یہ بلی موت ہی ہے اور امراض اُس کے پنجے ہیں۔ موت بیماریوں کے ذریعے اپنی طرف بلاتی ہے۔ انسان دوا کرنے کی مُہلت چاہتا ہے۔ اگر مرض نے مُہلت دے دی تو دوا کے ذریعے بچ جاتا ہے لیکن اگر وہ مُہلت نہ دے تو فوراً موت اپنی کارروائی کر دیتی ہے۔ انجام کار مرض کا پیادہ آجائے گا اور وہ مُہلت نہیں دے گا۔ اِس لئے مناسب یہی ہے کہ اُس دربار میں حاضری کے لئے قبل از وقت تیاری کرلی جائے۔ اِس دُنیا میں خواہشات کا اِنہماک نورِ خداوندی سے انسان کو جدا کر دیتا ہے لیکن موت سے فرار ممکن نہیں ہے۔

لوگوں نے مسجد کے مہمان سے کہا کہ بہادری نہ دکھا تاکہ تیری جان بچ جائے۔ ناتجربہ کار آدمی مصیبت میں پھنس کر بچنے کی تدبیر کرتا ہے جو کہ بعد میں مشکل ہوتی ہے۔ مصیبت کے آنے سے پہلے اُس کے بارے میں اچھا غور سوچا جا

تو دعا را سخت گیر و می شخول
تُو خوب دل لگا کر دُعائیں کر اور آنسو بہا

تو مشو ہیچ از دعا کردن ملول
اور دُعاؤں کے کرنے سے کبھی نہ تھک

سکتا ہے۔ اولیاء اللہ رحمۃ اللہ علیہم موت سے خائف نہیں ہوتے کیونکہ اللہ کی طرف سے اُن کی بُری صفات بھی اچھی صفات میں تبدیل کردی جاتی ہیں۔ پھونک بھری ہوئی مشک میں ایک سوئی چبھودی جائے تو اُس کی ہوا خارج ہوجاتی ہے۔

بزدل لوگ ایک ہلکی سی تکلیف بھی برداشت نہیں کرسکتے۔ خدا سے عشق و محبت ایک دعویٰ ہے اور اُس کا گواہ مجاہدہ ہے۔ دعویٰ بغیر گواہ کے ناقابلِ اعتبار ہوتا ہے۔ مجاہدے کی جفا دراصل اُس بُرائی پر ہے جس کے ازالہ کے لئے مجاہدہ کرایا جاتا ہے۔ عالمِ محسوسات میں اس کی مثال یہ ہے کہ کمبل جھاڑنے کے لئے اُس پر لکڑی ماری جاتی ہے تو وہ دراصل کمبل پر نہیں بلکہ گرد پر ماری جاتی ہے۔ ماں بچے کو کوستی ہے اور مرنے کی بددعا دیتی ہے تو اُس کا مقصد اُس کی بُری عادت کی موت ہوتی ہے۔ جو لوگ مجاہدات کی سختی سے بھاگتے ہیں وہ انسانیت کو تباہ کرتے ہیں۔ مُنافقوں کو اُن کے دوستوں نے جہاد میں جانے سے روکا تو یہ لوگ نامرد بن گئے۔ اُن کے بارے میں قرآن میں آیا ہے "اگر وہ تمہارے ساتھ مل کر نکلتے تو زیادہ خرابیاں ڈالتے"۔ تھوڑے سے بہادر بزدلوں کے مجمع سے برتر ہوتے ہیں۔ کڑوے اور شیریں بادام اگرچہ صورت میں ایک جیسے ہوتے ہیں لیکن اُن کے باطن میں بہت فرق ہے۔ یہی حال مومنوں اور مُنافقوں کا ہے۔ چونکہ کافروں کو اگلی زندگی کے بارے میں شکوک و شبہات ہیں اس لئے اُن کے دل ہمیشہ خوف زدہ رہتے ہیں۔ جو شخص راستے سے ناواقف ہوتا ہے وہ تیزی سے منزل طے نہیں کرسکتا اور معمولی سے اندیشے سے ٹھہر جاتا ہے۔ راہ سے واقف انسان کسی کے شُبہ ڈالنے سے بھی سُست نہیں پڑتا۔ انسان کی طبیعت کی رنگینی انسان میں شکوک و شبہات پیدا کرتی ہے اور اُسے بلند مقام سے نیچے گرادیتی ہے۔ جنگِ بدر کے موقع پر شیطان نے سراقہ نجدی کی صورت میں ظاہر ہو کر ابوجہل وغیرہ کو ورغلایا تھا۔

شیطان کا قُریش کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کے لیے کہنا کہ مَیں مدد کروں گا اور جنگ کے وقت بھاگ جانا

قرآن پاک میں ہے: "اور جب شیطان نے اُن کی حرکتوں کو اُن کو اچھا کر کے دکھایا اور کہا، آج لوگوں میں سے کوئی ایسا نہیں، جو تم پر غالب آسکے اور میں تمہاری پُشت پناہ ہوں۔ پھر جب دونوں جماعتیں آمنے سامنے آئیں تو وہ الٹے پاؤں چلتا بنا اور کہا: مجھے تم سے کوئی سروکار نہیں۔ میں وہ چیز دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھتے ہو۔ میں اللہ سے ڈرتا ہوں"۔ جنگِ بدر میں مدد کا وعدہ کر کے شیطان اُن کے لشکر کو لے آیا۔ اُس نے اُن سے وعدہ کیا کہ میں تمہاری مدد پر ہوں لیکن جب اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کو فرشتوں کی صورت میں دیکھا تو وہ خود پیچھے کی طرف بھاگا۔ حارث ابن حشام کو سُراقہ کی شکل میں آکر شیطان

ما بروں را ننگریم و قال را
اللہ نے فرمایا کہ میں ظاہر کو یا صرف قال کو نہیں دیکھتا

ما دروں را بنگریم و حال را
مَیں باطن کو دیکھتا ہوں اور حال کی کیفیت دیکھتا ہوں

نے جنگ کے لئے تیار کیا تھا۔ حارث چلایا: اے سُراقہ کی شکل میں آنے والے! کل تُو نے اِس طرح کیوں نہیں کہا؟ وہ بولا: بھاگ جاؤ۔ میں وہ کچھ دیکھ رہا ہوں جو تمہیں نظر نہیں آرہا۔ میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا۔

یہی حال نَفس اور شیطان کا ہے۔ اس لئے نَفس کا دھوکا دینا شیطان کا دھوکہ دینا ہی ہے۔ فرشتہ اور عقل بھی اِسی طرح ایک چیز ہے صرف نام علیحدہ علیحدہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمتوں کی وجہ سے اُن کو دو صورتوں میں نمودار فرمایا ہے۔ جس طرح ہم نے شیطان کی دشمنی کا قِصّہ سُنایا ہے اسی طرح تیرا دشمن تیرا نَفس تیرے اندر موجود ہے۔ وہ یکدم گوہ کی طرح حملہ کر کے سوراخ میں گھس جاتا ہے۔ انسان کے دل میں اُس کے رہنے کے بہت سے سوراخ ہیں۔ چونکہ شیطان کا کام دھوکا دے کر گھس جانا اور چُھپ جانا ہے اسی لئے قرآن میں اُس کو خناس یعنی چھپ جانے والا کہا ہے۔
انسان اپنے اندر چُھپی ہوئی نفسانی خواہش کی وجہ سے بُرے لوگوں سے مغلوب ہو جاتا ہے۔ انسان کے اندر جو سپاہی ہے اور جس کو شہوت کہا جاتا ہے وہ انسان کو بُرائیوں پر مجبور کر دیتا ہے۔ وہی چوری اور دیگر جرائم کراتا ہے۔ تب ہی بیرونی سپاہیوں کو اُس پر ظلم کرنے کا موقع ملتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ تمہارا سب سے بڑا دشمن تمہارے دونوں پہلوؤں کے بیچ میں ہے۔

نَفس اور شیطان ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔ یہ دُنیا کے لالچ میں پھنسا کر انسان کو ایسا گمراہ کرتے ہیں کہ وہ آخرت میں دائمی عذاب کو سہل سمجھنے لگتا ہے۔ اِس نَفس سے یہ بھی بعید نہیں کہ وہ انسان کے لئے اُس کی ابدی موت کو آسان کر دے۔ یہ اپنے جادو سے اِس طرح کے سینکڑوں کام کر جاتا ہے۔ یہ تنکے کو پہاڑ اور پہاڑ کو تنکا دکھا دیتا ہے۔ شیطانی فریب میں انسان بھلائیوں کو بُرائیاں اور بُرائیوں کو بھلائیاں سمجھنے لگتا ہے۔ شیطان نیکوں کو بد اور بدوں کو مُغالطہ میں ڈال کر نیک ظاہر کر دیتا ہے۔ جس طرح جادو بظاہر تبدیلِ حقائق کرتا ہے اِسی طرح شیطان حقائق کو نَفس الامر میں بدل ڈالتا ہے۔ نَفسِ اَمّارہ وسوسے ڈال کر انسان میں جادوگری کرتا ہے۔ نَفس کی اِس جادوگری کا علاج یہ ہے کہ بزرگوں سے تعلق پیدا کرے۔ اللہ نے جو مرض پیدا فرمایا ہے اُس کا تریاق بھی پیدا فرما دیا ہے جو جادوگروں کے جادو کا توڑ کر دیتا ہے۔ آنحضور ﷺ نے گفتگو کو جادو سے تعبیر کیا ہے۔ بیان بھی جادو ہے لیکن اصل جادو وہ ہے جو جادوگروں کے جادو کا توڑ کر دیتا ہے۔ وہی دراصل تریاق ہے۔ یہ تریاق اولیاء رحمہم اللہ اور بزرگانِ دین کا بیان ہے اور تمام نفسانی اغراض سے پاک ہوتا ہے۔ تُو اپنے مُرشد کے باطنی علوم سے تعلق پیدا کر لے۔

ناظرِ قلبیم اگر خاشع بود	گرچہ گفتِ لفظ نا خاضع بود
ہم دِل کی حالت کو دیکھتے ہیں کہ کتنا عاجز ہے	اگرچہ لفظی گفتگو عاجزی کی نہ ہو

مسجد کے مہمان کو ملامت گروں کا پھر نصیحت کرنا

لوگوں نے کہا: خبردار! مسجد میں نہ ٹھہر اور مسجد کو موت کا بہانہ بننے کا اِلزام نہ دے۔ تجھ جیسے بہت سوں نے پہلے یہ شیخی ماری ہے اور پھر شرمندہ ہوئے ہیں۔ خواہ مخواہ اپنے آپ کو مصیبت میں نہ پھنسا۔ اُس نے جواب دیا: اے دوستو! میں اُن بھوتوں میں سے نہیں ہوں جو لَاحَوْلَ سے بھاگ جائیں۔ تمہاری یہ دھمکیاں جو مسجد میں سونے پر مجھے دے رہے ہو اُن مصائب کے مقابلے میں جو میں جھیل چکا ہوں کچھ بھی نہیں ہیں۔ میں اُن لوگوں میں سے ہوں جو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی طرح جان دینے سے دریغ نہیں کرتے۔ قرآن میں جو یہ ارشاد ہے: قُلْ تَعَالَوْا یعنی آ جاؤ تو یہ سمجھو کہ یہ فرمان میرے ہی لئے ہے۔ انسان جو کچھ کسی غریب کو دیتا ہے بسا اوقات اُس کے دینے میں اُس کے پیشِ نظر اس غریب کی حاجت کو رفع کرنا ہوتا ہے اور بعض اوقات اُس کے پیشِ نظر یہ بھی ہوتا ہے کہ خدا مجھے اُس کا عوض اور بدلہ آخرت میں عطا فرمائے گا۔ یہ دوسری صورت پہلی صورت کے مقابلے میں بہتر ہے۔

جس شخص کو اجرِ اُخروی پر یقین ہوتا ہے۔ وہ بہت جلد عطاو بخشش کرتا ہے۔ دنیاوی کاروبار میں بھی نفع کی خاطر لوگ اپنا مال خرچ کرتے ہیں۔ جب تک انہیں نفع کی اُمید ہوتی ہے (لوگ) اُس وقت تک اپنا سرمایہ لگانے میں ہچکچاتے نہیں۔ علم و ہنر میں بھی جب انسان کو شرافت نظر آتی ہے تو انسان جان پر کھیل کر بھی اُن کو حاصل کرتا ہے لیکن جب تک انسان اعلیٰ چیز سے بے خبر ہوتا ہے تو ادنیٰ ہی پر اکتفا کرتا ہے۔ یہ تصورات کی دُنیا اس وقت تک ہی پیاری ہے جب تک وصال حاصل نہیں ہے۔ وصال کے بعد یہ چیزیں بے حقیقت رہ جاتی ہیں۔ یہ حقائق کوئی محرمِ راز ہی سمجھ سکتا ہے۔ مہمان نے کہا: قرآن میں ہے ''اللہ نے مومنوں سے اُن کی جانیں خرید لی ہیں'' انسان کو اپنی جان اور مال اُس وقت تک پیارا ہے جب تک اُس کو اُن کی اُس قسمت کا یقین نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ عطا فرمائے گا۔ حقیقی چیز کے بارے میں گمان بھی ترقی کر کے یقین کا درجہ حاصل کر لیتا ہے۔ لیکن بعض لوگ اجرِ اُخروی کے بارے میں گمان کے درجے پر رہتے ہیں اور اُن کو یقین کا درجہ حاصل نہیں ہوتا۔ یقین کے بعد مُشاہدے کا درجہ ہے۔

اللہ نے سُوْرَۃُ التَّکَاثُر میں فرمایا ہے: ''تم ضرور جان لوگے۔ پھر تم ضرور جان لوگے۔ اگر تم یقینی طور پر جان لوگے تو ضرور دوزخ کو دیکھ لوگے۔ پھر تم عینُ الیقین سے اُس کو دیکھ لوگے''۔ یعنی شک کے بعد علم کا درجہ ہے۔ علم کے بعد یقین کا اور یقین کے بعد مُشاہدے کا۔ مہمان نے کہا: اب مجھے مُشاہدے کا درجہ حاصل ہو چکا ہے اس لئے میں شک و شُبہ سے پاک ہوں جبکہ مجھ پر بے حساب تجلیات پڑ رہی ہیں تو میں اُس ذات کا عاشق ہوں۔ تمام ملکیتیں اللہ ہی کی

ایں زمیں از حِلم حق دارد اثر	تا نجاست برد و گلہا داد بر
اِس زمین میں اللہ نے عاجزی بھر دی ہے	اِسی لئے گندگی کو ختم کر کے گُل و گلزار بنا دیتی ہے

ہیں۔ پھر ڈر کس بات کا؟ اب تو اگر میں کوئی شیخی بھی بھگاروں تو وہ بھی اُسی کی طرف سے ہوگی کہ مجھے اللہ سے اتنی قربت حاصل ہے کہ اب نہ تو خوف ہے اور نہ ڈر۔ انبیاء ﷺ کو چونکہ قربِ الٰہی حاصل ہوتا ہے اِس لئے وہ نڈر ہوتے ہیں اور شاہوں کے بڑے بڑے لشکروں سے بھڑ جاتے ہیں۔ وہ قوموں میں بکریوں کے چرواہوں کی طرح ہوتے ہیں' جو اُن کی حفاظت کرتے ہیں۔ اگر نبی قوم پر ناراض بھی ہوتا ہے تو اُس کا سبب قوم کی محبت ہی ہوتی ہے۔ عاشق سے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب تُو میرا عاشق ہے تو تجھے میری مرضی پر راضی رہنا ہے۔ تُو میرا وصال حاصل کرنے کے لئے تکلیف میں مبتلا ہو کر ٹھنڈی آہیں بھرتا ہے۔ میں یہ بھی کرسکتا ہوں کہ بغیر تکلیف اُٹھائے تجھے اپنا وصال عطا کر دوں لیکن تجھے جو تکالیف پہنچ رہی ہیں وہ تیرے نفع کے لئے ہیں۔ سفر میں انسان زیادہ تھکتا ہے تو اقامت کی لذت میں اِضافہ ہوتا ہے۔ اگر مقصد بلا محنت حاصل ہوتا ہے تو انسان اُس کی قدر نہیں کرتا۔ تُو اِس راہ میں جس قدر مصائب برداشت کرے گا اُسی قدر وصل کی لذت میں اِضافہ ہوگا۔

مصیبت میں مومن کے بھاگنے اور بے صبری کی مثال اور چنے اور بی بی کے درمیان گفتگو کا بیان

بی بی نے چنے کو ہانڈی میں ڈالا اور نیچے آگ جلادی۔ چنا زبانِ حال سے فریاد کر رہا تھا کہ تُو مجھے خرید کر لائی اور اب اِس سخت گرمی میں مجھے ذلیل کر رہی ہے۔ بی بی نے کہا: میرا تجھے یہ جوش دینا تیرے ہی بھلے کے لئے ہے۔ میں ایسا اس لئے کر رہی ہوں کہ جوش کھا کر تُو انسان کی غذا بن جائے اور چنے سے انسان کی جان بن جائے۔ حدیثِ قدسی ہے کہ "میری رحمت میرے غضب سے پہلے ہے" پہلے رحمت اِس وجہ سے کہ اُس رحمت کی وجہ سے اُس کی پرورش ہو کر وہ اِمتحان کے قابل بن جائے۔ رحمت کی وجہ سے ہی تو گوشت و پوست بنا ہے اگر وہ نہ ہو تو عشق کس چیز کو گھلائے گا۔ اگر عشق کی بنیاد پر انسان پر مصیبتیں آتی ہیں اور وہ ثابت قدم رہتا ہے تو پھر خدا کی مہربانی اُس کو قرب و وصال کی بشارت دیتی ہے۔ رنج بھی اللہ کا بھیجا ہوا مہمان ہوتا ہے اگر اُس کے ساتھ اچھا معاملہ کیا گیا ہوگا اور اُسے صبر سے برداشت کیا ہوگا تو وہ اُس شاہ کے دربار میں جا کر تعریف کرے گا تو مُنعم کے انعام کا حقدار ٹھہرے گا۔

بی بی نے کہا: اگر تُو میرا ہے تو میری طرح شکر گزاری کر۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کرنے پر آمادہ ہو گئے تھے۔ میں تجھے فنا کر رہی ہوں۔ یہ بظاہر فنا ہے لیکن درحقیقت بقا ہے کیونکہ تُو انسانی جان کا حصہ بن جائے گا۔ چنے کی حالت اِبتلاء سے پہلے اچھی تھی مگر ابتلا کے بعد بدرجہا بہتر ہے۔ اب چنا ترقی کر کے حیوان کا جزو بن

تا بپوشد او پلیدیہائے ما
یہاں تک کہ وہ ہماری گندگیوں کو چھپا لیتی ہے

در عوض بر روید از وے غنچہا
اور اُس کے عوض غنچے اُگا دیتی ہے

گیا اور انسانی اجسام کا حصہ بن کر افکار کی غذا بن گیا اور اعلیٰ مقام پر پہنچ گیا۔ حیوان نباتات سے خوراک حاصل کرتا ہے۔ نباتات کی موت اس طرح اُس کی ترقی کا باعث بن گئی۔ منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ نے کہا تھا کہ "اے یارو! مجھے قتل کردو کہ میرے قتل ہونے ہی میں میری زندگی ہے"۔ جب یہ ثابت ہوگیا کہ موت ہی ترقی کا سبب ہے لہٰذا اُن کا قول صحیح ثابت ہوا۔ جس طرح اناج انسان کی غذا بن کر اُس کا جزو بن جاتا ہے اِسی طرح سچا فعل اور قول فرشتے کی غذا بن کر بلندی حاصل کرتا ہے۔

انسانی رُوحوں کے قافلے عالمِ بالا سے دُنیا میں کاروبار کے لئے آتے ہیں اور نفع ونقصان کما کر واپس جاتے ہیں۔ تو اِس طرح اصل مقام عالمِ بالا ہی ہے۔ اِس لئے جب دُنیا سے جانا ہی ہے تو خوشی سے سُرخ رُو ہوکر جاؤ۔ بی بی نے چنے سے کہا: میں یہ تلخ باتیں تجھے اس لئے کہہ رہی ہوں تاکہ تیری تلخی دُور ہو جائے۔ اِس طرح جب انسان میں برداشت کا مادہ پیدا ہو جاتا ہے تو وہ پختہ ہو کر شیریں بن جاتا ہے۔ جب چنے پر ظاہر ہوگیا کہ مصائب تکمیل کا ذریعہ ہیں تو وہ برداشت کرنے پر راضی ہوگیا۔ بی بی نے کہا: جب میں جمادات سے ترقی کر رہی تھی تو کہتی تھی کہ یہ ترقی اس لئے ہے کہ میں انسان کا علم اور صفت بن جاؤں۔ اب جبکہ رُوح بن گئی ہوں تو اب رُوحِ حیوانی سے بلند مرتبہ حاصل کرنا چاہیے۔ ترقیوں کے اِس ذکر سے یہ شُبہ ہوا کہ اُن کے ذکر سے اللہ کے ساتھ اتحادِ ذاتی تک ترقی نہ سمجھ لی جائے۔ اِس لیے مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: اللہ سے دُعا کرتا کہ تُو صحیح مطلب سمجھ سکے اور گمراہ نہ ہو۔ اللہ سے اتحادِ ذاتی کا عقیدہ گمراہی ہے۔

جس طرح قرآن سے کج فہم گمراہ ہوتے ہیں اِسی طرح مثنوی سے بھی ہو سکتے ہیں۔ اس میں قرآن کا قصور نہیں ہوتا بلکہ اُن کی کور باطنی کا قصور ہے۔ مسجد کا مہمان عالمِ آخرت کا طلبگار تھا' جس طرح حضرت امام حسین علیہ السلام اور حضرت منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ ممکن ہے کہ یہ ہوا ہو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب نمرود نے آگ میں ڈالا تو جبرائیل علیہ السلام نے آ کر مدد کرنے کی خواہش ظاہر کی ہو۔ اُنہوں نے کہا: میری رُوح اب حیوانی نہیں رہی کہ ایک شعلے سے ختم ہو جائے۔ اگر انسانی جان آتشِ شہوت اور آتشِ غضب وغصہ کا ایندھن نہ بنے تو وہ خوب پھلے پھولے۔ خود بھی مُنوّر بنے اور دوسروں کو بھی منور کرے۔ اِس دُنیا کی یہ آگ کرۂ آتشی کا پَرتو ہے اور پَرتو اور سایہ ناپائیدار چیزیں ہیں۔ یہ اس طرح سمجھ لو جیسے انسان کا قد اور اُس کا سایہ۔ پَرتو اور سائے ہمیشہ اصل کی طرف لوٹ جاتے ہیں۔

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے مثنوی پر اعتراضات پر عقلاً کوئی رنج نہیں ہے۔ میں اعتراضات کا جواب بھی

زاری و گریہ قوی سرمایہ ایست
زاری اور گریہ کرنا بڑا سرمایہ ہے

رحمتِ کُلّی قوی تر دایہ ایست
اور اللہ کی رحمت ہماری بہت بڑی دایہ ہے

نہ دیتا مگر اِس لئے دیتا ہوں کہ اِعتراض کرنے والوں کی دولتیاں سادہ دل لوگوں کو گمراہ کردیں گی۔ حکیم سنائی غزنوی رحمۃ اللہ کے بقول یہ لوگ نورِ معرفت سے محروم ہیں۔ اُن کی پہنچ قرآن کے صرف الفاظ تک ہے۔ یہ مُعترضین کہتے ہیں کہ مثنوی میں ابواب اور فصول قائم کر کے تصوّف کے مراتب کا ذکر ہونا چاہیے تھا تاکہ سالک کے لئے ہر منزل اور مقام کی نشاندہی ہو جاتی۔ یہ تو ایک گورکھ دھندہ معلوم ہوتی ہے۔ جب اللہ کی کتاب آئی تو اُس پر بھی لوگوں نے اِسی طرح کے اِعتراض کئے تھے کہ پرانی کہانیاں اور افسانے ہیں۔ آدم علیہ السلام گندم، شیطان اور سانپ کا ذکر ہے۔ ہود علیہ السلام اور ابراہیم علیہ السلام اور آگ کے قصے ہیں۔ نوح کی کشتی، کنعان، اسماعیل علیہ السلام کے ذبح، جبرائیل علیہ السلام اور کعبہ اور ہاتھی والوں کا ذکر ہے۔ یونس علیہ السلام اور لوط علیہ السلام کی قوموں کی باتیں ہیں۔ مریم علیہا السلام اور کھجور، زکریا علیہ السلام اور یحییٰ علیہ السلام، صالح علیہ السلام اور اونٹنی اور پانی کی تقسیم کا بیان ہے۔ الیاس علیہ السلام اور عزیر علیہ السلام کا قِصہ ہے۔ قارون کے زمین میں دھنسنے کا تذکرہ ہے۔ ایوب علیہ السلام کے صبر اور تیہ میں اسرائیلیوں کی باتیں ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام طور، درخت اور عصا کا ذکر ہے۔ ذوالقرنین علیہ السلام، عیسیٰ علیہ السلام، خضر علیہ السلام اور ارمیاء علیہ السلام کا ذکر ہے۔ احمد صلی اللہ علیہ وسلم کے چاند کو ٹکڑے کرنے کی بات ہے۔ یہ باتیں سب جانتے ہیں۔ وہ بیان کہاں ہیں، جو عقلوں کو گم کردیں۔ تو انہیں فرمایا گیا کہ اگر تمہیں یہ آسان لگتی ہیں تو ان جیسی ایک آیت ہی بنالاؤ۔ جن اور انسان لگ جاؤ اور ایک آیت بنالاؤ۔

حدیث "قرآن کا ظاہر اور باطن ہے اور اُس کے باطن کا باطن ہے اور ایسا سات باطنوں تک ہے"

قرآن کے ایک تو الفاظ ہیں، ترجمہ اور معنیٰ ہیں۔ پھر اُن معنیٰ کے معنیٰ ہیں۔ اِسی طرح تہ در تہ سات معنیٰ تک یہ سلسلہ ہے۔ اُن معانی کے کچھ مرتبوں تک فہم و فراست کے تفاوت کے اِعتبار سے مُجتہدین اور علماء کی پہنچ ہے اور کچھ مراتب سے صرف اہلُ اللہ کا تعلق ہے۔ یہ واضح رہے کہ اَسرار کے بیان میں وہی معنیٰ معتبر ہوں گے جو الفاظِ قرآنی اور ظاہر کیخلاف نہ ہوں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ ایسے اَسرار تک پہنچ جاتے تھے کہ دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم اُن میں حیران ہو جاتے تھے۔ معنیٰ کی اس تہ میں سب کی عقلیں گم ہو جاتی تھیں۔ قرآن کی چوتھی منزل کے آگے کا باطن سوائے خدائے لاشریک کسی نے نہیں دیکھا۔ یہ حدیث جو عنوان میں مذکور ہے وہ بالکل غلطی سے محفوظ ہے۔ اے دوستو! صرف قرآن کے الفاظ ہی کو نہ دیکھو بلکہ اُس کے تہ در تہ معانی کی طرف اپنی توجہ کرو۔ محض ظاہر پر نظر کرنا شیطانی کام ہے جیسا کہ شیطان نے حضرت آدم علیہ السلام کے صرف ظاہری جسم کو دیکھا۔

دایۂ و مادر بہانہ جُو بود ۔۔۔ تا کہ آں طِفلِ اُو گریاں شود
دایہ اور ماں بہانہ ڈھونڈتی ہیں ۔۔۔ کہ کب بچہ روئے تو دودھ دیں

قرآن کے الفاظ کی مثال اور اُن میں پوشیدہ معنیٰ کی مثال انسان کی صورت اور اُس کے باطنی اور رُوحانی اَوصاف کی سی سمجھو۔ ایک انسان خواہ کتنا بھی قریبی عزیز ہو تم اُس کے باطنی اَوصاف سے غافل رہتے ہو۔ باوجود قرب کے انسان کے باطنی اَحوال عوام سے پوشیدہ رہتے ہیں۔ تو یہ نہ سمجھو کہ اولیاء رحمہم اللہ اپنے آپ کو چھپانے کے لئے جنگلوں اور پہاڑوں میں چلے جاتے ہیں۔ بزرگوں کی خلوت نشینی اپنے آپ کو چھپانے کے لئے نہیں ہے۔ اُن کے اَوصاف تو بہرحال عوام سے چھپے رہتے ہیں بلکہ یہ لوگوں کو ترکِ دُنیا کی تعلیم دینے کے لئے ہوتے ہیں۔ اولیاء رحمہم اللہ عوام میں رہتے ہوئے بھی اُن سے سو پہاڑوں کی بلندی پر ہیں۔ اُن کے اَوصاف تک لوگوں کی پہنچ کہاں ہے۔ اُن کو چھپنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ وہ باطنی طور پر عوام سے بہت دُور ہوتے ہیں۔ اگر عام آدمیوں کے اَوصاف تک پہنچنا دشوار ہے تو حضرت آدم علیہ السلام کے اَوصاف تک کیسے پہنچا جا سکتا ہے۔

اولیاء رحمہم اللہ اور اُن کے کلام کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا پھونک مارنا سمجھو جو بظاہر تو معمولی چیزیں تھیں لیکن اُن کے باطنی کمال و اَوصاف حیرت انگیز تھے۔ حدیث شریف میں ہے کہ ”تمام بنی آدم کے قلوب ایک قلب کی طرح اللہ تعالیٰ کی دو انگلیوں کے درمیان ہیں۔ اُن کو جس طرح چاہتا ہے پلٹتا ہے“ یعنی جس طرح عصاءِ موسیٰ علیہ السلام اور دمِ عیسیٰ علیہ السلام میں حضرتِ حق تعالیٰ کے خاص تصرّفات ہیں۔ اُسی طرح مومن کے دل پر بھی حضرتِ حق تعالیٰ کے خصوصی تصرفات ہوتے ہیں۔ اُن کے باطنی اَوصاف ایسے ہیں کہ اُن کی گرد بھی آنکھوں کو روشن کر دیتی ہے اور اُن کی ہمتِ مردانہ پہاڑوں کو ہلا دیتی ہے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قدموں سے کوہِ طور رقص کرنے لگا۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے بارے میں پہاڑوں اور پرندوں کو حکم ہوا تھا کہ وہ اُن کے ہم نغمہ بن جائیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام اور پہاڑ اللہ کے عشق میں ہم نغمہ بن گئے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام سے فرمایا تھا کہ تُو میرے فراق میں مبتلا ہے اور دوستوں سے جدا ہے۔ فراق کا غم فرو کرنے کے لئے محفل اور قوالوں کی ضرورت ہوتی ہے لہٰذا میں پہاڑوں میں یہ کیفیت پیدا کر دیتا ہوں تاکہ تُو سمجھ لے کہ جب پہاڑ کا نالہ بغیر ہونٹ اور منہ کے ہو سکتا ہے تو ولی کے نالے بھی بغیر لب و دنداں ہو سکتے ہیں۔ اولیاء رحمہم اللہ کے دل کے نالوں کو اُن کے کان سُنتے ہیں تم نہیں سُن سکتے لیکن اگر اُن کی اِس کیفیت پر یقین کر لو تو تمہاری سعادت ہے۔ اولیاء رحمہم اللہ کے رُوحانی مکالمات جاری رہتے ہیں اور پاس بیٹھنے والے اُن سے بے خبر رہتے ہیں۔ رُوحانی مکالمہ حسی کانوں سے نہیں سُنا جا سکتا۔ عوام رُوحانی مکالموں سے بہرے ہیں۔ اولیاء رحمہم اللہ سے اعتقاد اچھا رکھنے سے ہو سکتا ہے کبھی

زابرِ گریاں شاخ سبز و تر شود
بادل برستا ہے تو درخت زیادہ سرسبز ہو جاتے ہیں

زانکہ شمع از گریہ روشن تر شود
اور شمع آنسو بہاتی ہے تو زیادہ روشنی دیتی ہے

سننے کے قابل ہو جائیں۔ میں مثنوی لکھنے پر اعتراض کرنے والوں کے اعتراضات سے لکھنا بند نہیں کروں گا اور نہ اعتراضات کی طرف توجہ دوں گا۔ اس سلسلے میں ایک حکایت سنو۔

ایک بچھیرا اور ماں پانی پی رہے تھے۔ وہاں کچھ لوگ سیٹیاں بجا رہے تھے اور بچھیرا سیٹیوں کی آواز سے بدک رہا تھا۔ ماں نے پوچھا: تم کیوں تسلی سے پانی نہیں پی رہے ہو؟ بچھیرے نے کہا: مجھے اُن سیٹیوں سے ڈر لگتا ہے اور میں اپنا دھیان پانی کی طرف نہیں کر سکتا۔ ماں نے کہا: بیٹا جب سے یہ دُنیا بنی ہے فضول کام کرنے والے یہاں رہے ہیں۔ تُو اپنا کام کرتا جا' اُن سے نہ گھبرا۔ پانی تیزی سے بہتا جا رہا ہے' تُو صرف پانی کی طرف دیکھ۔

اس دُنیا میں اگر تجھے کوئی با کرامت ولی نظر نہیں آتا تو بے دیکھے ہی تُو اُن سے تعلق پیدا کر لے۔ کچھ عرصہ بعد تمہیں اُس کی بزرگی کا یقین آ جائے گا۔ اگر اندھے کو نہر کا پانی نظر نہ آئے تو اُسے چاہیے کہ اس نہر میں اپنی ٹھلیا ڈبو کر دیکھے۔ وہ پانی سے بھر جائے گی تو پانی کے ہونے کا یقین آ جائے گا۔ اُس کو معلوم ہو جائے گا کہ اب نفسانی خواہشات مجھے نہیں اُڑا سکتیں۔ جو لوگ بیوقوف ہیں اور بزرگوں سے فیض یاب نہیں ہیں اُن کی ٹھلیا ہلکی رہتی ہے اور خواہشات کی ہوا اُسے اُڑائے پھرتی ہے۔

شیخ کے ساتھ تعلق کشتی کے لنگر کی طرح ہے۔ چونکہ تجھ میں عقل کا لنگر نہیں ہے۔ تُو بزرگوں کی عقل سے لنگر حاصل کر لے۔ یہ مدد پہلے دل کو حاصل ہوتی ہے پھر اُس سے آنکھیں منوّر ہوتی ہیں۔ نورِ حسّی اور نورِ باطنی کا اصلاً تعلق دل سے ہوتا ہے اور اُس سے آنکھ میں منتقل ہو جاتا ہے۔ تجلیاتِ ربّ کا نزول دل پر ہوتا ہے۔ جبکہ آسمانی پانی کا نزول دل پہ ہوتا ہے تو ہمیں اس بچھیرے کی طرح پانی پینے میں لگا رہنا چاہیے اور معترضین کی سیٹیوں سے نہیں بدکنا چاہیے۔ سالک' پیغمبروں کا پیرو ہوتا ہے۔ تو جس طرح پیغمبروں نے طعنہ زنی کی وجہ سے اپنا کام نہیں چھوڑا سالک کو بھی نہ چھوڑنا چاہیے۔ مسجد کا مہمان مسجد میں لیٹ گیا لیکن اُس کو نیند نہ آئی۔ اس لیے کہ وہ عشق میں ڈوبا ہوا تھا اور ڈوبے ہوئے کو نیند سے کیا واسطہ۔ عاشق کی نیند تو اس طرح کی ہوتی ہے جیسے تیرتی ہوئی مچھلی کی۔ غیبی آواز نے اُس مہمان کو ڈرانا چاہا لیکن وہ ڈر غیر واقعی تھا۔

اسی طرح شیطان سالک کو ڈراتا ہے جو محض دھمکی ہوتی ہے۔ جب انسان دین داری اختیار کرنے کا عزم کرتا ہے تو شیطان اُسے فقر و فاقہ سے ڈراتا ہے کہ دین کے کاموں میں لگے گا تو کمائی سے محروم ہو کر مفلس ہو جائے گا۔ ایسی ہی باتوں کے دل میں آنے سے دین پر چلنے کا ارادہ کرنے والا گمراہی کی طرف لوٹ پڑتا ہے اور دُنیا میں لگ جاتا ہے اور

باش چوں دولاب نالاں چشم تر　　تا ز صحنِ جانت بر روید خضر
رہٹ کی طرح نالاں اور گریاں رہ　　تاکہ تیری رُوح کے صحن سے سبزہ اُگے

دل میں سوچنے لگ جاتا ہے کہ ابھی نیکی کرنے کا بہت وقت ہے۔ پڑوسی کی موت سے کچھ تنبیہ ہوتی ہے اور وہ دین کی طرف دوڑتا ہے لیکن شیطان پھر اُس کو دھوکے دیتا ہے اور اسی طرح انسان سال ہا سال کشمکش میں گزار دیتا ہے۔ شیطان کی اندرونی آواز نہ دین کی راہ پر چلنے دیتی ہے اور نہ رُوحانی غذا کھانے دیتی ہے۔ اُن کی رُوحوں پر ایسی ہی مایوسی طاری رہتی ہے جیسی کافروں کی رُوحوں پر مرنے کے وقت طاری ہوگی۔ شیطانی آواز کے جب ایسے اثرات ہیں تو خدائی آواز کے اثرات کیسے ہوں گے۔ خدائی آوازیں بھی شیطانی آوازوں کی طرح تمہیں آتی ہیں۔ اگرچہ خدائی آواز شیطانی آواز سے بڑھی ہوئی ہے لیکن تم پر اُس کے اثرات اِس لئے مرتب نہیں ہوتے کہ تم اُس کے اہل نہیں ہو۔

جس طرح باز کی ہیبت بہت بڑی ہوتی ہے۔ اُس کے مقابلے میں مکھی کی ہیبت بالکل نہیں ہوتی لیکن مکھی' باز سے متاثر نہیں ہوتی۔ اگر تم خدائی آواز کے اہل ہوتے تو لامحالہ اُس سے متاثر ہوتے' جس طرح چکور' باز سے متاثر ہو جاتا ہے۔ مکھی چونکہ باز کا شکار نہیں ہے لہٰذا وہ متاثر نہیں ہوتی۔ جس طرح مکھی' مکڑی سے متاثر ہے اِس طرح تم شیطان کی آواز سے متاثر ہو۔ خدائی آواز کے اہل اولیاء اللہ رحمہم اللہ ہیں' لہٰذا اُن پر وہ اثر انداز ہے۔ مکڑی (شیطان) کی آواز کا اُن پر کوئی اثر نہیں ہے۔ اِس لئے قرآن میں شیطان کو خطاب کر کے کہا گیا۔ "بے شک میرے بندوں پر تیرا کوئی دبدبہ نہیں ہے" امتیاز اِس لئے رکھا گیا ہے کہ اولیاء اللہ رحمہم اللہ اور غیر اولیاء باہمی ممتاز رہیں۔ مہمان نے مسجد میں سے آواز سُنی تو وہ بالکل خوف زدہ نہ ہوا کیونکہ موت کی علامات اہل اللہ کے لئے خوشی کا سبب ہوتی ہیں۔

اہلِ دُنیا چونکہ نورِ باطنی سے خالی ہیں اِس لئے وہی موت جو اہلُ اللہ کی خوشی کا باعث ہے وہ اہلِ دُنیا کے لئے تکلیف کا سبب ہے۔ عید کا نقارہ بجتا ہے تو عید منانے والے خوش ہوتے ہیں۔ جب مسجد میں سے آواز آئی تو اس مہمان ولی کو کس قدر فائدہ پہنچا۔ اُس مہمان نے جواب میں اپنے دل کو آواز دی تو جسم ٹوٹ گیا اور ہر طرف سونا برسنے لگا۔ وہ مرد اُس پر حیران رہ گیا۔ اُس سونے کا جو ذکر آیا ہے اُس سے اہلِ ظاہر اور دنیادار دنیاوی سونا سمجھیں گے حالانکہ اُس سے مراد انوار و برکاتِ خداوندی ہیں۔ جس طرح بچے اپنی ٹھیکریوں کو سونا سمجھتے ہیں اُسی طرح دنیادار اُس سونے کو جو حقیقتاً ٹھیکرا ہے سونا سمجھتے ہیں۔ بچوں کے سامنے جب سونے کا ذکر کرو گے تو وہ ٹھیکرے مراد لیں گے۔ اِسی طرح دنیاداروں کے سامنے سونے کا ذکر کرو گے تو وہ یہی دنیاوی سونا ہی سمجھیں گے۔ اِس سونے سے مراد تجلیاتِ رَبّ ہیں۔ دنیاوی سونے چاندی سے تو دل مزید حریص بنتا ہے لیکن جب اُس پر رَبّ کی تجلی پڑتی ہے تو اُس کو تمنا حاصل ہوتی ہے۔ اُس مہمان کے لئے مسجد شمع کی طرح ہوئی اور یہ اُس شمع کا پروانہ تھا۔

کامِ خود موقوفِ زاریِ دِل ست | **بے تضرع کامیابی مشکل است**
ہمارے مقصد کا حصول دِل کے رونے پر منحصر ہے | گڑگڑائے بغیر کامیابی مشکل ہے

اُس مسافر کے لئے مسجد کی آواز ایسی ہی ثابت ہوئی جیسے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے وہ آگ تھی جو درخت کے پاس اُنہیں نظر آئی تھی۔ وہ آگ نہ تھی بلکہ نور تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اللہ کی بے شمار عنایتیں تھیں۔ اُن کو نار کی ضرورت پڑی تو اللہ نے نور کو نار کی شکل میں نمودار فرما دیا کہ وہ اِس طرف متوجہ ہو جائیں۔ جب کوئی عام انسان کسی ولی کو دیکھتا ہے تو اُس کو اِس میں صرف بشری اَوصاف ہی نظر آتے ہیں۔ ولی میں اَوصافِ بشری کا نظر آنا خود اُس شخص کی طبیعت کا عکس ہے۔ چونکہ وہ خود انہی اوصاف سے متصف ہے لہٰذا اُس کو صرف وہی نظر آتے ہیں حالانکہ وہ ولی اُن سے پاک صاف ہوتا ہے۔ ولی کو حضرت موسیٰ علیہ السلام والا درخت سمجھو جس پر بظاہر آگ تھی لیکن دراصل نور تھا۔ اُس ولی سے اِتصال پیدا کر لے تب تجھ پر اُس کی حقیقت کھلے گی۔ ایک چیز کا بظاہر نار اور حقیقتاً نور ہونا اِس بات سے بھی سمجھو کہ سالک کو ترکِ دُنیا نار معلوم ہوتی ہے لیکن جب وہ راہِ سلوک پر چل پڑتا ہے تو اُس کو معلوم ہوتا ہے کہ ترکِ دُنیا دراصل نور ہے۔ دنیاوی آگ دُور سے نور معلوم ہوتی ہے لیکن اُس کے پاس جائیں تو جلا دیتی ہے۔ لیکن عشق کی آگ دُور سے آگ نظر آتی ہے لیکن عاشقوں کے لئے پھول ہیں۔ اِس بات کی حقیقت اُس کے قریب آنے سے کھلتی ہے۔

عاشق کا صدرِ جہاں سے ملنا

جس طرح سے مسجد کے مہمان نے اپنے آپ کو شمعِ عشق پر قربان کرنے کی ٹھان لی تھی۔ اُسی طرح صدرِ جہاں کے اُس عاشق نے بھی اپنے آپ کو شمعِ عشق کا پروانہ بنا دیا تھا۔ اُس کے عشق کی سوزش نے صدرِ جہاں کے دل پر ویسا ہی اثر کیا۔ صدرِ جہاں اُس کے لئے دُعائیں کر رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ اُس نے قصور کیا۔ ہم نے دیکھ لیا لیکن اُس نے میری رحمت کی طرف دھیان نہیں کیا۔ وہ اپنی خطا ہی کو دیکھتا رہا اور ہماری محبت پر اُس نے غور ہی نہ کیا اور بھاگ گیا۔ وہ خطا کار ہے۔ وہ اپنے دل کے چور کی وجہ سے ہم سے ڈرتا ہے۔ ہم تو نڈروں کو ڈراتے ہیں۔ جو پہلے ہی ڈر رہا ہو اُسے کیا ڈرائیں۔ انسان کا باطن درخت کی جڑ کی طرح ہے۔ جس طرح کی جڑ ہوگی ویسے ہی پتے نکلیں گے۔ جن دلوں میں وفا کے درخت کی جڑ ہے اُن کے پھل آسمان پر ہیں۔ ایسا اِس لئے ہے کہ وہ اُن درختوں میں سے ہے جس کی جڑ تو زمین پر ہے لیکن شاخیں آسمان پر پہنچی ہوئی ہیں جبکہ عشق کا پھل آسمان پر پیدا ہوتا ہے تو صدرِ جہاں کے دل میں کیوں پیدا نہ ہوگا۔

دل سے دل تک راہ ہوتی ہے۔ دو دل دو جسموں کی طرح بالکل جدا نہیں ہوتے۔ اُن میں باہمی اِتصال ہوتا ہے۔ جسموں کی جدائی اور دلوں کے اِتصال کو یوں سمجھو کہ دو چراغوں کے دیے الگ الگ ہوتے ہیں مگر اُن کے نور میں باہمی اِتصال ہوتا ہے۔ صدرِ جہاں کے دل میں محبت اِس لئے قائم تھی کیونکہ عاشق کے دل کی محبت پر معشوق کے دل کی محبت کا

خارِ محرومی بگُل مُبدَل شود	گر ہمی خواہی کہ مُشکل حل شود
اور محرومی کا کانٹا پھول بن جائے	اگر تُو چاہتا ہے کہ مشکل حل ہو جائے

اثر ہوتا ہے۔ عاشق کے دل میں محبت تب ہی پیدا ہوتی ہے جبکہ پہلے معشوق کے دل میں محبت پیدا ہو چکی ہو۔ عشق کا اثر دونوں کے دلوں پر ہوتا ہے لیکن عشق کے اثرات چونکہ دونوں پر جُداگانہ ہیں اس لیے عشق، عاشق کو لاغر بنا دیتا ہے اور معشوق کو تروتازہ بناتا ہے۔ تو یہ شبہ کیا جاتا ہے کہ معشوق کے دل میں عشق نہیں ہے۔ اب یہ بھی سمجھ لو کہ بندے کے دل میں عشقِ الٰہی کا ظہور اس محبت کا اثر ہے جو اُس بندے کی خدا تعالیٰ میں ہے۔ پیاسا اگر پانی کا طالب ہے تو پانی بھی پینے والے کا طالب ہوتا ہے۔ پیاسے کی پیاس، پانی کے دل کے جذبہ کے اثر سے ہے۔

جس طرح خالق و مخلوق میں باہمی محبت و عشق کا رشتہ ہے اس طرح کائنات میں آپس میں بہت سے جذب اور عشق ہیں۔ دُنیا کی اشیاء جوڑا جوڑا ہیں اور ہر ایک اپنے جوڑے کا عاشق ہے۔ اسی طرح آسمان اور زمین میں بھی باہمی عشق و رغبت ہے۔ یہ عشق زن و شوہر کی طرح کا ہے۔ آسمان جو کچھ زمین کے سپرد کرتا ہے زمین اُس کی جان کی طرح پرورش کرتی ہے۔ آسمان ہی زمین کو گرمی، تری اور نمی پہنچاتا ہے۔ جس طرح شوہر، بیوی کے لئے کمائی میں سرگرداں رہتا ہے۔ اسی طرح آسمان زمین کے لئے سرگرداں رہتا ہے۔ یہ زمین، آسمان کے وہی کام کرتی ہے جو بیوی، شوہر کے لئے کرتی ہے۔ بچہ جنتی ہے، اس کو دودھ پلاتی ہے۔ زمین اور آسمان چونکہ ذی حس چیزوں کی طرح عمل کرتے ہیں اُن کو بھی حسّاس سمجھو۔ جیسے بیوی کے بغیر شوہر لاولد ہوتا ہے اسی طرح اگر زمین نہ ہوتی تو آسمان پیداوار سے محروم ہوتا۔ نر و مادہ میں آپس میں میلان اسی لئے ہے کہ ہر ایک کام کی تکمیل دوسرے کے بغیر ممکن نہیں ہے اور رات اور دن بظاہر دو مختلف چیزیں نظر آتی ہیں لیکن یہ دونوں اپنے اپنے کام میں ایک دوسرے کے محتاج ہیں۔

حیوانی جسم چار عناصر خاک، آب، باد اور آتش سے مرکّب مانا گیا ہے۔ اِن عناصر میں سے ہر ایک کا کُرّہ ہے جو اُن کا مخزن ہے۔ انسان کے جسم کے چاروں عناصر ہر وقت اپنے اپنے کُرّہ کی طرف لوٹنا چاہتے ہیں۔ اُن عناصر کے متفرق ہو جانے کا نام موت ہے۔ کُرّہ خاکی، انسان کے خاکی حصّے کو اپنی طرف آ جانے کی دعوت دیتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ میں اگرچہ مرکز سے جدا ہوں اور یہ میرے لئے تکلیف دہ ہے لیکن میں ابھی اس جسم کا پابند ہوں۔ یہی حال دوسرے عناصر کا ہے۔ بیماری اُن عناصر کے جدا ہونے کا سبب بنتی ہے اور عناصر اپنے اپنے مراکز کی طرف پرواز کر جاتے ہیں۔ اُن عناصر کی پرواز کے لئے حکمتِ خداوندی موت کے وقت تک مانع ہی رہتی ہے۔ اللہ نے قیامت کے وقت کا علم اپنے لئے مخصوص فرما دیا ہے۔ جب تمام عناصر اپنے مراکز کی رفاقت چاہتے ہیں اور اپنی اصل کے لئے بے چین ہیں تو رُوح جو کہ حسّاس بھی ہے اپنی اصل سے علیحدہ رہنے میں کس قدر بے چین ہوگی۔ رُوح، اجزائے عنصری سے کہتی رہتی ہے کہ

کردہٗ بر دیگراں نوحہ گری ۔۔۔ مُدتے بنشیں و بر خود می گری

تُو دُوسروں کے لیے روتا رہا ہے ۔۔۔ کچھ دیر اپنے پر بھی رو کر دیکھ لے

میں عرشی ہوں اور تم فرشی ہو۔ مجھے اپنے مرکز سے جدا رہنا بہت ناگوار ہے۔ چونکہ جسم فرشی اجزاء سے بنا ہے اس لئے اُس کا میلان فرشی چیزوں کی طرف ہوتا ہے۔

رُوحِ انسانی کی اصل رُوحِ اعظم ہے لہٰذا رُوح کا میلان ابدی زندگی اور حَیٌّ وَ قَیُّوْمٌ کی طرف ہے اور جسم کا میلان صرف کھانے پینے کی طرف ہے۔ جس طرح رُوح شرف کی طرف مائل ہے اُسی طرح شرف بھی رُوح کی طرف مائل ہے۔ قرآن پاک میں مومنوں کے بارے میں کہا گیا ہے یُحِبُّهُمْ وَیُحِبُّوْنَهٗ یعنی ''خدا اُن سے محبت کرتا ہے اور وہ خدا سے محبت کرتے ہیں''۔ معلوم ہوا کہ جس طرح رُوح، رُوحِ اعظم کی طرف مائل ہے اُسی طرح رُوحِ اعظم بھی رُوح کی طرف مائل ہے۔ اگر میں اُس رُوح اور رُوحِ اعظم کے اِتحاد کی بات کروں گا تو یہ مثنوی بہت ضخیم ہو جائے گی۔ خلاصہ یہ ہے کہ ہر معشوق اپنے عاشق کا عاشق ہوتا ہے۔ جبکہ عشق طرفین میں ہوتا ہے تو عاشق کا عشق، معشوق کے چکر کٹواتا ہے اور معشوق کا عشق اُس میں حُسن کا اِضافہ کرتا ہے۔ معشوق کا عشق اُس کے رُخساروں کو گلنار بناتا ہے اور عاشق کا عشق اُسے جلاتا ہے۔ کُہربا میں بھی عشق ہے لیکن بے نیازی کے ساتھ، لہٰذا وہ اپنی جگہ پر قائم رہتی ہے۔ تنکے میں بھی عشق ہے جو اُسے کُہربا کی طرف کھینچ لاتا ہے۔

اب کائنات کے ذکر کو چھوڑ کر صدرِ جہاں کے عاشق کی طرف چلتے ہیں۔ عاشق کی سرد آہوں کا اثر صدرِ جہاں پر ہوا اور وہ اُس پر مہربان ہو گیا لیکن صدرِ جہاں کے عشق کے لئے اُس کی عزت اور مرتبہ اپنے معشوق کی تلاش میں مانع تھا۔ صدرِ جہاں کا عشق تو اُس کا مشتاق تھا لیکن اُس کی سلطنت عشق کے لئے مانع بن رہی تھی۔ کشش دونوں میں تھی لیکن کس کی کشش دوسرے کی کشش کا اثر تھی اِس میں عقل حیران ہے۔ حضرتِ حق اپنی محبوبیت کے اِظہار کے لئے عاشقوں میں جذبہ عشق پیدا کرتا ہے لیکن یہ ایسی تقریر ہے کہ عوام اِسی سے اللہ تعالیٰ کی احتیاج اور ضرورت کا نتیجہ نکال لیں گے۔ اِس لئے اُس کا بیان مناسب نہیں ہے۔ حضرتِ حق تعالیٰ اجازت نہیں دیتا ہے کہ اِس امر کی وضاحت کی جائے۔ مجھے اِس ارادے سے روکنے والی وہی ذات ہے جو انسانوں کے پختہ عزم و ارادہ کو روک دیتی ہے۔ انسان سینکڑوں پختہ ارادے کرتا ہے اور ارادے کو پورا بھی نہیں کر سکتا۔ اِس سے معلوم ہوا کہ روکنے والی کوئی خاص ذات ہے۔ اللہ تعالیٰ اُن ارادوں کو اِس لئے فسخ کراتا ہے کہ لوگوں کو اُس کی معرفت حاصل ہو جائے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''میں نے اپنے خدا کو اپنے ارادوں کے فسخ ہونے سے پہچانا''۔ اللہ تعالیٰ ہمارے دل میں سو ارادے پیدا فرما دیتا ہے اور پھر اُن کو ناکام بھی کر دیتا ہے۔ جب پہلا ارادہ ناکام ہوتا ہے تو انسان سمجھتا ہے کہ کوئی

نالہ مسکن کاے تو علامُ الغیوب　　زیرِ سنگِ مکرِ بد ما را مکوب

گریہ زاری کرا در کہ اے خدا تو غیب کا جاننے والا ہے　　مجھے بُرے مکر جیسے پتھر کے نیچے نہ کچل

ذات فسخ کرنے والی ہے۔ جب انسان کی تدابیر ناکام ہوتی ہیں تو اُس کو قضاءِ خداوندی اور خدا کا یقین ہو جاتا ہے۔ کبھی ارادے پورے بھی ہو جاتے ہیں کہ انسان مایوس نہ ہو اور ارادے کی نیت کو ہی نہ چھوڑ بیٹھے۔ وہ ارادہ چھوڑ دے گا تو ارادے کے ناکام ہونے سے جو معرفتِ خداوندی حاصل ہوتی ہے وہ نہ ہوگی۔ اہلِ عقل باوجود ارادے کی پختگی کے، پھر محرومی سے ذاتِ باری کی معرفت حاصل کرتے ہیں۔ حدیث ہے ''جنت کو ناپسندیدگیوں سے گھیر دیا گیا ہے'' یعنی جنت میں جانے کے لئے وہ اسباب ہیں، جو انسانی طبیعت کو ناگوار گزرتے ہیں۔ اہلِ عقل کی نامرادی جبری ہے لیکن عاشقوں کی محرومی اختیاری ہوتی ہے۔ اہلِ عقل مجبوری کے بندے ہیں اور عاشقانِ حق اُس محرومی میں وصلِ حق کی نعمتیں حاصل کرتے ہیں۔ قرآن میں ہے ''پھر حق تعالیٰ آسمان پر استویٰ ہوا اور وہ ایک دُھواں تھا۔ پھر اُس نے آسمان اور زمین سے کہا تم دونوں فرماں برداری کرو خوشی سے یا جبراً''۔

اِس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ کچھ لوگ اطاعت کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں، جیسے کہ کفار کے وہ قیدی کہ جب قید ہو کر آئے تو آنحضور ﷺ کو غضبناک نظروں سے دیکھ رہے تھے حالانکہ وہ اُن کو جنت کی طرف کھینچ کر لے جا رہے تھے۔ آنحضور ﷺ اُن قیدیوں کا نہ فدیہ قبول فرما رہے تھے اور نہ روپیہ پیسہ اور نہ ہی اُن کے پاس کوئی سفارش پہنچ سکتی تھی۔ وہ قیدی دل میں یہی کہہ رہے تھے کہ لوگ اُن کو رحمتِ عالم کہتے ہیں حالانکہ یہ لوگوں کے گلے کاٹ رہے ہیں۔ وہ دل ہی دل میں حضور ﷺ پر طعنہ زنی کر رہے تھے۔ وہ کہہ رہے تھے ہم طاقت ور ہوتے ہوئے اِن بے سروسامان لوگوں سے شکست کھا کر قیدی بنے ہوئے ہیں۔ اِس کی وجہ ہماری غلط روی ہے یا ہم پر ستاروں کی نحوست ہے یا جادو ہوا ہے۔ پھر دل میں کہتے کہ اُنہوں نے جادو کیا تو ہم نے بھی تو جادو کیا تھا۔ وہ کارگر کیوں نہیں ہوا؟ قرآن میں ہے کہ ''اے مکہ والو! تم فتح مانگتے تھے (کہتے تھے جو حق پر ہو اُس کو فتح حاصل ہو) تو فتح آ گئی۔ اب اگر تم باز رہو گے تو تمہارے لئے بہتر ہے اور اگر تم پلٹے تو ہم بھی پلٹیں گے اور تمہارا جتھہ تمہیں فائدہ نہ پہنچا سکے گا خواہ کتنا ہی زیادہ ہو اور بیشک اللہ مومنوں کے ساتھ ہے''۔

کفار کہتے تھے کہ ہم نے بتوں اور خدا سے دُعائیں مانگی تھیں کہ جو حق پر ہو اُسے فتح ہو جائے تو لگتا ہے مسلمان حق پر ہیں۔ پھر اپنے اِس خیال کی تردید کرتے اور سوچتے کہ ہماری شکست اور مسلمانوں کی شکست میں بہت فرق ہے۔ ہم شکست سے پست ارادہ ہو جاتے ہیں لیکن مسلمان شکست کے بعد زیادہ اُبھرتے ہیں۔ یہ شکست سے پست ہمت نہیں ہوتے بلکہ اِن میں قوتِ ایمانی اور بڑھ جاتی ہے۔ مسلمانوں کی بے سروسامانی ان کے ایمان کی علامت ہے اور مومن کی

اے بسا نازا کہ گردد آں گناہ	افگند مر بندہ را از چشمِ شاہ
شاہ کے سامنے کیے ہوئے بعض ناز گناہ بن جاتے ہیں	اور بندے کو اُس کی نگاہ سے گرا دیتے ہیں

شکست اُس کے اعمال واخلاق کی اِصلاح کردیتی ہے جیسے مُشک وعنبر کی ڈلی کو اگر توڑ دیا جائے تو خوشبو زیادہ پھیلتی ہے۔ کافروں کی شکست کی مثال لید کی سی ہے کہ اگر کریدیں گے تو زیادہ بدبو پھیلے گی۔ مسلمانوں اور کافروں کی شکست کو ایک جیسا نہیں سمجھنا چاہیے۔ مسلمانوں کی شکست چونکہ مزید تقویت کا باعث ہے اسی لئے قرآن میں صلح حُدیبیہ کی بظاہر ناکامی کو فتح مبین قرار دیا گیا کیونکہ آئندہ آنے والے واقعات نے یہی ثابت کردیا ہے۔

صلح حُدیبیہ میں آنحضور ﷺ کو حکم ہوا کہ عُمرہ کیئے بغیر واپس ہو جاؤ اور اِس ناکامی سے رنجیدہ نہ ہو کیونکہ یہ ناکامی بہت سی فتوحات کا سبب بنے گی۔ اگر فتوحات اور غنیمتیں نہ بھی ہوں تب بھی یہ جماعت وہ ہے جس کو رضا کا مقام حاصل ہے کہ جس میں غم بھی اِسی طرح خوشگوار ہوتا ہے جس طرح خوشی۔ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے فرمایا کہ سالک کو رضا کا مقام اُس وقت حاصل ہوتا ہے جبکہ غم بھی اُس کے لئے ایسا ہی خوشگوار ہو جیسا کہ خوشی۔ اِس جماعت کے لوگ فقر میں شہنشاہی اور خزاں میں بہار کے لُطف اُٹھاتے ہیں۔ اگر کنویں کی گہرائی میں اُن کو معیتِ حق حاصل ہے تو وہ آسمان کی بلندی سے بہتر ہے۔ بڑائی دراصل معیتِ حق ہے۔ اونچائی یا نیچائی میں خود کوئی فضیلت اور بڑائی نہیں ہے۔ اللہ کا قرب، بلندی اور پستی سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ ترکِ ہستی سے ہوتا ہے۔ جب مقامِ فنا حاصل ہو جائے تو اسرارِ خداوندی ظاہر ہوتے ہیں۔ قیدی کہہ رہے تھے کہ آنحضور ﷺ کو اگر فنائیت حاصل ہے اور وہ اللہ کے مُقرّب ہیں تو ہماری تباہی پر کیوں خوش ہو رہے ہیں۔ وہ ہمیں قید میں دیکھ کر خوش کیوں ہیں یقیناً اُن کی خوشی اِس بنا پر ہے کہ اُنہوں نے ہم پر فتح پائی ہے۔ اللہ والے تو سب انسانوں پر مہربان ہوتے ہیں خواہ انسان بھلے ہوں یا بُرے۔ اُن کی یہ خفیہ باتیں نبی اکرم ﷺ نے بھی سُن لی تھیں۔

حضور ﷺ کے کان اِس جہان کے کان نہ تھے بلکہ خدائی کان تھے جن کے لئے آہستہ بات اور بلند آواز یکساں تھیں۔ جن لوگوں کو قربِ الٰہی حاصل ہو جاتا ہے وہ صِفاتِ حق سے متصف ہو جاتے ہیں۔ لوحِ محفوظ کے اَسرار شیاطین آسمانوں پر پہنچ کر بھی نہیں سُن سکتے لیکن آنحضور ﷺ اپنی جگہ پر سُن لیتے تھے۔ اَسرارِ خداوندی حاصل کرنے کا واحد ذریعہ پیغمبر ﷺ کی ذاتِ گرامی ہے۔ آنحضور ﷺ نے جب قیدیوں کی بات سُن لی تو فرمایا: میرا ہنسنا جنگ کے کسی معاملے سے متعلق نہیں ہے۔ تم لوگ کافر ہو اِس لئے مردہ ہو۔ مُردے کو مارنا تو بہادری نہیں ہے۔ میں تو تمہیں پہلے ہی اِس طرح بندھا ہوا دیکھ رہا تھا۔ خاندان اور سلطنت پر ناز کرنا ایسا ہی ناپائیدار ہے جیسا کہ اونٹ کا سیڑھی پر ٹکاؤ۔ جب سے میں جسم کی مادیت سے آزاد ہو گیا ہوں ہر آنے والے واقعہ کو اِسی طرح دیکھ لیتا ہوں جیسے کہ وہ میرے سامنے ہو رہا

ایں آبادست آں راہِ نیاز
عاجزی کا راستہ اطمینان لاتا ہے

ترکِ نازش گیر و باآں رہ بساز
کسی نیکی پر ناز نہ کر بلکہ عاجزی سے مانوس ہو جا

ہو۔ کسی چیز کے معدوم ہونے کی حالت میں اُس کے وجود کو دیکھ لیتا ہوں۔ میں ازل سے ہونے والے واقعات سے بھی باخبر ہوں۔ حضرت آدم علیہ السلام کی پشت میں سے اُن کی اولاد کو چیونٹیوں کی شکل میں نکال کر اُن سے عہدِ الست لیا گیا تھا تو میں نے اُس وقت تم کو اوندھا دیکھا تھا۔ تمہاری شکست میرے لئے کوئی نئی بات نہیں ہے۔ کائنات کے بارے میں جو علم مجھے ازل میں حاصل ہوا تھا' کائنات کے وجود کے بعد اُس میں کوئی اِضافہ نہیں ہوا۔ میں نے ازل ہی میں تمہیں قہرِ الٰہی میں مبتلا دیکھا تھا۔ وہ قہر بھی ایسا تھا جسے تم مِہر سمجھتے ہو۔ میرا یہ جہاد مُلک گیری کے لئے نہیں ہے۔ میرا کام تو لوگوں کو حیاتِ ابدی عطا کرنا ہے۔ میرا جنگ کرنا عالَم میں فساد کو رفع کرنے کے لئے ہے۔ میں اپنی شان وشوکت کے لئے جہاد نہیں کرتا بلکہ مُفسدین کو ختم کر کے عالَم میں امن پیدا کرنا چاہتا ہوں۔ میری مثال اُس شخص کی سی ہے جس نے آگ روشن کی۔ جب آگ خوب پھیل گئی تو پروانوں اور اُن جانوروں نے جو آگ میں گرتے ہیں اس میں گرنا شروع کر دیا۔ پس میں تمہاری کمر کو پکڑتا ہوں کہ تم کو آگ سے بچاؤں لیکن تم اس میں گھسے پڑتے ہو۔ جس چیز کو تم اپنی فتح سمجھتے ہو یہی تمہاری نحوست ہے۔ تم ایک دوسرے کو اژدہے کے منہ میں جانے کی دعوت دیتے ہو۔

سرکش عینِ غلبہ میں مغلوب اور عینِ فتح مندی میں بھی قیدی ہے

ایک چور نے کسی خواجہ کو مغلوب کیا اور اُس کا سونا اکٹھا کرنے لگا۔ اتنے میں حاکم آ گیا اور اُسے پکڑ کر باندھ لیا۔ اگر وہ خواجہ کو چھوڑ کر بھاگ جاتا تو بچ جاتا۔ چور کا خواجہ پر غالب آ جانا ہی اُس کی مغلوبیت ہے۔ اللہ تعالیٰ قصداً کفار کو غلبہ عطا فرما دیتا ہے تا کہ وہ غلبہ کے غرور میں مبتلا ہو کر جال میں پھنسیں جبکہ غلبہ کا غرور تباہی کا باعث بنتا ہے تو اُس غرور میں مبتلا ہو کر کسی پسپا ہوتے ہوئے کا پیچھا نہیں کرنا چاہیے اور کمزوروں پر زیادتی کرنے سے باز رہنا چاہیے۔ حدیث شریف میں ہے ''کیا جنتیوں کا پتہ بتا دوں' ہر کمزور جس نے کمزوری اختیار کی ہو۔ وہ اللہ کے بھروسے قسم کھائے تو اللہ اُس کی قسم ضرور پوری کرتا ہے''۔ اہلِ جنت کی کمزوری کمال ہوشیاری اور اپنے اَفعال سے بدظنی کی بنا پر ہوتی ہے۔ کمزوری' کبھی عقل کی کمی سے آتی ہے اور کبھی بزدلی کی وجہ سے' کبھی مذہب پر یقین نہ ہونے سے' لیکن اہلِ جنت کی کمزوری ان وجوہ سے نہیں ہے۔ صلح حُدیبیہ کے موقع پر مومنوں کی بظاہر مغلوبیت کے متعلق اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا ''اور اگر شہرِ مکّہ میں کچھ مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں نہ ہوتیں تو تم اُن کے حال سے واقف نہ تھے اور تم اُن کو پامال کر ڈالتے اور نادانستہ تم کو اُن سے نقصان پہنچ جاتا تو ابھی معاملہ یکسو کرا دیا جاتا مگر اللہ نے اُس وقت حُدیبیہ میں اپنی حکمت سے لڑائی نہ ہونے دی کہ اللہ اس عرصہ میں جس کو چاہے اپنی رحمت میں داخل کرے۔ اگر مکّہ کے

رہنے والے مسلمان کہیں کوئی گئے ہوتے تو اہلِ مکّہ کو جس جس نے کفر کیا سب کو دردناک عذاب کی سزا دیتا"۔

"وہ خدا ہی تو ہے جس نے تمہیں کافروں پر فتح دی۔ اُن کے ہاتھوں کو تم سے روک دیا اور تمہارے ہاتھوں کو اُن سے روک دیا اور اس وقت جو کچھ تم کرتے تھے اللہ سب دیکھتا تھا" غلبے کے وقت بھی آنحضور ﷺ اپنے آپ کو عاجز ہی سمجھتے تھے اور اس غلبے کو محض تائیدِ خداوندی سے جانتے تھے۔ جنگِ بدر میں جبکہ آنحضور ﷺ نے ایک مٹھی مٹی پھینکی اور اُس سے کافر مغلوب ہوئے تو اُس کے بارے میں قرآن میں اللہ نے فرمایا: "جب تم نے مٹی پھینکی تو تم نے نہیں پھینکی اللہ نے پھینکی" حضور ﷺ نے قیدیوں سے فرمایا کہ "تم پر میری ہنسی اس وجہ سے نہ تھی کہ تم قیدی بن گئے تھے میں تو اس لئے ہنس رہا تھا کہ میں تمہیں قید کر کے جنت کی طرف لے جا رہا ہوں اور اس بات پر تعجب کر رہا ہوں کہ باوجود دشمنی کے تمہیں آگ سے بچا کر سبزہ زار میں لے جا رہا ہوں"۔ جب توفیقِ الٰہی شاملِ حال ہوتی ہے تو وہ انسان کو بخوشی یا جبراً راہِ راست پر لے آتی ہے۔ عام انسان خوف اور ڈر سے راہِ ہدایت پر چلتے ہیں اور اولیاء اللہ رحمہم اللہ اپنی خوشی اور بصیرت سے راہِ راست پر چلتے ہیں۔

انسان مجاہدہ کرے تو اُس کو نورِ باطنی حاصل ہو جاتا ہے جس سے راہِ ہدایت اُس کے لئے آسان ہو جاتی ہے۔ بچّے اولاً مکتب میں جانے سے گھبراتے ہیں لیکن اگر عمل کا ثواب آنکھوں سے نظر آنے لگے تو پھر عبادت گزاروں کو دیکھ کر رشک آنے لگے۔ اہلُ اللہ کی عبادت محض عشق کی بنیاد پر ہوتی ہے اور عام انسان کی مثال اُس بچّے کی سی ہے جو اپنی دودھ پلانے والی سے صرف دودھ کے لالچ میں محبت کرتا ہے۔ جو لوگ جنت کے لالچ یا دوزخ کے ڈر سے اللہ کے عاشق ہیں وہ لوگوں کی دیکھا دیکھی ایسا کر رہے ہیں۔ عشق کی کوئی بھی حالت ہو۔ اللہ ہی کی کشش اُس کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ چاہے کوئی عشق میں جنت کا اُمیدوار ہے یا ذاتِ باری کا عاشق ہے' صرف وصال کا طالب ہے اور ہجر سے ڈرتا ہے' ان دونوں کی طلب اللہ ہی کی پیدا کردہ ہے۔

معشوق کا عاشق کو جذب کرنا، اِس طریقہ پر کہ عاشق نہ اُسکو جانتا ہے' اور نہ اُس کی اُمید رکھتا ہے اور نہ اُس کے دِل مں آتا ہے اور اِس کشش کا اثر عاشق میں کچھ ظاہر نہیں ہوتا، سوائے خوف سے مِلی ہُوئی مایُوسی کے اور طلب کی ہمیشگی کے

معشوق کی کشش ایسی ہوتی ہے کہ وہ عاشق کو محسوس نہیں ہوتی۔ میلان دونوں طرف ہوتا ہے لیکن معشوق کا پوشیدہ میلان ہوتا ہے

گر نخواہم داد خود ننمایمش
اگر میں دینا نہ چاہوں تو اُسے نہ دکھاؤں

چونش کردم بستہ دل بکشایمش
جب میں اس دل کو تنگ کرتا ہوں تو کشادہ بھی کرتا ہوں

اور عاشق کا کھلم کھلا۔ حاکمِ بخارا صدرِ جہاں کے عاشق کا عشق ایسا ہے کہ اِس کا بیان ضروری ہے۔ اُس کی خواہش ہے کہ موت سے پہلے اپنے معشوق کا چہرہ دیکھ لے۔ معشوق کا دیدار عاشق کے لئے آبِ حیات ہوتا ہے۔ اُس کے بعد موت نہیں آسکتی۔ جس معشوق کا دیدار موت کو دفع نہ کرسکے وہ دراصل معشوق ہی نہیں ہے۔ عشق کا صحیح کارنامہ تو یہی ہے کہ اُس میں موت آجائے۔ صحیح ایمان کی علامت یہی ہے کہ اُس میں جان قربان کرنا اچھا لگے۔ اگر ایمان میں یہ کیفیت نہیں ہے تو وہ ایمان ناقص ہے۔ تم اپنا صحیح دوست اُسی کو سمجھو گے جو تمہارے لئے جان دے دے۔ جب وصال کے شوق میں مرنا آسان ہوجائے تو پھر وہ موت' موت ہی نہیں ہوتی محض ایک نقل مکانی ہے۔ موت تو ایک ناگوار چیز ہے۔ جب ناگواری ختم ہوگئی تو موت' موت ہی نہ رہی۔ صحیح دوست تو اللہ تعالیٰ ہے اور دُنیا میں وہ دوست' دوست ہے جو اللہ والا ہے۔

جب اُس بخاری عاشق نے صدرِ جہاں کو دیکھا تو وہ بے حس و حرکت ہوگیا اور سر سے پاؤں تک ٹھنڈا پڑ گیا۔ اُسے ہوش میں لانے والی سب تدبیریں ناکام ہوگئیں۔ معشوق کی خوشبو کے سوا عاشق کی بے ہوشی کا کوئی علاج نہیں ہے۔ صدرِ جہاں نے جب اُس کی یہ حالت دیکھی تو سواری سے اُتر کر اُس کے پاس آگیا۔ اُس نے کہا کہ عشق کا معاملہ بھی عجیب ہے۔ عاشق' معشوق کو ڈھونڈتا ہے اور اُس کے سامنے آنے پر فنا ہوجاتا ہے۔ خدا کے عاشق کا بھی یہی حال ہونا چاہیے کہ عاشق کو فنا کا درجہ حاصل ہوجائے۔ اپنی اِس فنا کو بھی کچھ نہ سمجھو کیونکہ وہاں ہزاروں فانی ہیں۔ عاشق کا وجود معشوق کے ظاہر ہوجانے پر اِس طرح ختم ہوجانا چاہیے جیسے سورج کے آتے ہی سایہ غائب ہوجاتا ہے یا جیسے جنون آنے پر عقل رخصت ہوجاتی ہے یا آندھی آنے سے مچھر بھاگ جاتا ہے۔

مچھر کا حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں ہوا کی فریاد کرنا

مچھر نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے کہا کہ آپ ہر ایک کے ساتھ انصاف کرنے والے ہیں۔ آپ دُنیا کی ہر ایک چیز پر حکومت کرتے ہیں' میں بھی آپ سے انصاف کا طالب ہوں کیونکہ آپ لوگوں کی مشکلیں حل کردیتے ہیں۔ ہم کمزور سے کیڑے ہیں۔ آپ کی قدرت اِنتہا پر ہے اور ہماری کمزوری انتہا پر ہے۔ آپ کا ہاتھ خدا کا ہاتھ ہے۔ مہربانی کرکے ہمیں فکر اور تکلیف سے نجات دلا دیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا: تمہیں کس نے تکلیف پہنچائی ہے؟ میں کسی کو کسی دوسرے پر ظلم کی اجازت نہیں دے سکتا۔ میں نے تو تمام شیطانوں کو بیڑیوں میں جکڑ کر رکھا ہے کہ کسی کو تکلیف نہ پہنچائیں۔ میں مظلوموں کی فریاد سنتا ہوں۔ تم مجھے بتاؤ کہ تم کس کے ہاتھوں تنگ ہو؟ مچھر

رحمتم موقوفِ آں خوش گریہ ہاست
میری رحمت خوب رونے پر موقوف ہے

بعد ازاں از بحرِ رحمت موج خاست
پھر اُسکے بعد رحمت کے دریا میں موج اُٹھتی ہے

بولا: حضور ہم ہوا کے ہاتھوں پریشان ہیں۔ ہم اُس کے مقابلے میں سوائے فریاد کرنے کے کچھ نہیں کر سکتے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: اے اچھی بھنبھناہٹ والے! اللہ نے مجھے فرمایا ہے کہ جب فیصلہ کرنے لگوں تو دونوں فریقوں کو اچھی طرح سُن لوں اور پھر انصاف کروں۔ مدّ عا علیہ کی غیر حاضری میں مدّعی کے قول پر فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔ چونکہ فریقین کی موجودگی ضروری ہے اس لئے مدّ عا علیہ کو بھی حاضر کیا جائے۔

مچھر نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی بات کو تسلیم کرتے ہوئے عرض کیا کہ مدّ عا علیہ آپ کے زیرِ فرمان ہے اس لئے اُس کو بھی حاضری کا حکم دیجئے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہوا کو طلب کر لیا۔ ہوا تیزی سے حاضر ہوئی تو مچھر بھاگ نکلا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے مچھر سے کہا: تُو یہاں ٹھہر تا کہ دونوں کی موجودگی میں فیصلہ کر سکوں۔ جس طرح ہوا کا وجود مچھر کی فنا ہے اُسی طرح وصلِ حق واصل کی فنا ہے۔ وصل سے اگرچہ بقا باللہ حاصل ہوتی ہے لیکن اُس سے پہلے مقامِ فنا طے کرنا پڑتا ہے۔ ممکن کا وجود ظل ہے اور سایہ ہے اور ذاتِ باری نور ہے۔ نور کے ظہور کے وقت سایہ معدُوم ہو جاتا ہے۔ وہ اپنی ذات کے اعتبار سے معدُوم ہے اور چونکہ اُس کو بقا باللہ حاصل ہے اس لئے موجود ہے۔ ایسے انسان میں ہستی اور نیستی کا اجتماع حیران کُن ہے۔

معشُوق کا بے ہوش عاشق کو نوازنا تا کہ وہ ہوش میں آ جائے

صدرِ جہاں در پردہ اُس پر عنایت کر رہا تھا۔ اُس بے ہوش کے رخساروں پر صدرِ جہاں کے آنسو گر رہے تھے اور وہ اُسے بے ہوشی سے ہوش میں لا رہا تھا تا کہ اُس سے باتیں کرنے لگے۔ صدرِ جہاں نے اُس کے کان میں کہا: فراق میں تیری جان بے چین تھی۔ اب جبکہ میں تیرے پاس ہوں تو تیری جان کیوں بھاگ گئی ہے؟ انسان کے عشقِ خداوندی میں مبتلا ہونے کی یہ مثال ہے کہ ایک مرغ ایک اونٹ کو اپنا مہمان بنا لایا۔ جب اونٹ نے اُس کے گھر میں قدم رکھا تو گھر کو برباد کر دیا۔ یہی حال انسان اور عشقِ الٰہی کا ہے کہ جب وہ مہمان بن کر آتا ہے تو خانۂ مرغ جو کہ عقل و ہوش ہیں وہ ختم و فنا ہو جاتے ہیں۔ قرآن پاک میں ہے: ''ہم نے امانت آسمانوں اور زمینوں پر پیش کی۔ اُنہوں نے اسے اُٹھانے سے انکار کر دیا اور اِس سے ڈر گئے۔ انسان نے اِس امانت کو اُٹھا لیا۔ یقیناً وہ بڑا ظالم اور جاہل تھا''۔ وہ امانت عشقِ الٰہی ہی تھی۔ انسان کی نادانی دیکھو کہ وہ اس مشکل کام میں پھنس گیا۔ عشقِ الٰہی میں مبتلا انسان کو ظالم کہا گیا ہے کیونکہ وہ اپنے آپ کو فنا کرتا ہے لیکن یہ ایسا ظلم ہے جو سب انصافوں سے بڑھا ہوا ہے۔

تا نگرید طفل کے جوشد لبن
بچہ نہ روئے تو ماں کا دودھ کب جوش مارتا ہے

تا نگرید ابر کے خندد چمن
اگر ابر نہ روئے تو چمن کیسے خوشگوار ہو

صدر جہاں نے اس بے ہوش کا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ اس کا سانس تب لوٹے گا جب میں اُسے سانس عطا کروں گا۔ جب یہ میری سانس سے ہوش میں آئے گا تو پھر اس کی رُوح میری طرف متوجہ ہوگی۔ میری عطا کردہ جان میں میری اعلیٰ بخششیں قبول کرنے کی صلاحیت ہوگی۔ اُس کی پہلی جان نامحرم تھی۔ وہ میرا چہرہ نہیں دیکھ سکتی تھی۔ میں اُس پر ایسی پھونک ماروں گا کہ تمام آلائشِ بشری سے پاک ہوجائے اور ہمارا وصل ہوجائے۔ اے میرے عاشق! تیری ہستی اور بے ہوشی ہماری وجہ سے ہے اور تیری ہستی ہماری ہستی سے قائم ہے۔ میں تمہیں ایسے اَسرار کی تعلیم دوں گا جو مادی ہونٹوں سے نہیں سُنائے جاسکتے۔ یہ باطنی اَسرار ہیں۔ اب تُو اپنے وہ کان کھول جو تیرے ظاہری کانوں کے علاوہ ہیں۔ یہ خوشخبری سُن کر اُس مُردے میں جان پڑنے لگی۔ یہ عاشق مٹی سے تو گیا گزرا نہ تھا کہ بادِ صبا کے جھونکوں سے ہی اُس میں جان پڑ جاتی ہے اور اُڑنے لگتی ہے۔ سارے عالَم کو دیکھ ایک کرشمے سے عدم سے وجود میں آ گیا۔

صدر جہاں کی باتیں سُن کر وہ ہوش میں آ گیا۔ رقص کرنے لگا اور سجدہ میں گر گیا۔ اُس مدہوش نے ہوش میں آ کر صدر جہاں سے کہا کہ آپ کی ذات میرے لئے عنقا ہوگئی تھی۔ میں تو اس آرزو میں بیہوش ہوا ہوں کہ آپ کے کان کو اپنا دردوغم سُنا سکوں۔ آپ کی مجھ پر مہربانیوں کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ آپ کا دُنیا میں کوئی ثانی نہیں ہے۔ میری بات اور آہ و بکا بمنزلہ کڑک کے ہے جو میری آنکھوں کے اَبر سے آنسو بہانا چاہتی ہے۔ میں روتا ہوں تو زبانی شکوے سے محروم ہوجاتا ہوں اور شکوہ کرتا ہوں تو رو نہیں سکتا۔ اب اُس کی یہ حالت ہوگئی کہ کبھی روتا کبھی ہنستا اور کبھی شکوے کرتا۔ اُس کی حالت دیکھ کر لوگ حیران تھے۔ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اُس عاشق میں ہجر زیادہ دردناک تھا یا یہ وصال زیادہ دردناک ہے۔

اے لوگو! عشق کے اَحوال دونوں جہاں کے اَحوال سے جدا ہیں۔ پاگل میں ایک دیوانگی ہوتی ہے لیکن عاشق میں بہت دیوانگیاں ہوتی ہیں۔ عشق خود ایک پوشیدہ چیز ہے لیکن اُس کے آثار بہت کھلے ہوئے ہوتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام باوجود اپنی بلندیوں کے اِس کی تمنا کرتے رہے ہیں۔ عشق اُن کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتا۔ اگر عشق کی اپنی کوئی زبان ہوتی تو وہ اپنا اور عاشقوں کا حال بیان کرسکتا۔ کوئی دوسرا عشق کی حقیقت بیان نہیں کرسکتا۔

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں چونکہ میں عاشقوں کا محرمِ راز ہوں لہٰذا عشق کی حقیقت سمجھانے کی کوشش کرتا ہوں لیکن میری یہ کوشش ایسی رائیگاں ہے جس طرح پنجرے میں پھونک بھرنا۔ اے رومی! تیرے عشق کی حقیقت کو بیان کرنے کے دعوے تیرے پراگندہ خیال ہیں، جو شب کی بے چینی کے اثرات ہوتے ہیں۔ تُو پہلے کوئی محرم تلاش کر پھر اُس سے بات کرنا۔ تو خود عاشق اور مست ہے اور زبان چلاتا ہے۔ یہ تو بڑی حیرت انگیز بات ہے۔ جب تُو زبانِ عشق کے

چوں بانبازیست عالم برقرار	ہر کسے کارے گزیند زافتقار
یہ (دُنیا) ایک دوسرے سے شرکت کی وجہ سے قائم ہے	ضرورت کی وجہ سے ہر ایک کوئی کام کرتا ہے

نازو انداز کا بیان شروع کرتا ہے تو آسمان اللہ کو پکار کر اُن رازوں کے مخفی رہنے کی دُعا کرتا ہے لیکن عشق کے راز کو چھپانا ایسا ہی ہے کہ جیسے کوئی چنگاری کو روئی میں چھپائے۔ میں عشق کو چھپانا چاہتا ہوں تو عشق میرے کان پکڑ کر کہتا ہے کہ مجھے چھپا کر دیکھ، تو کیسے چھپا سکتا ہے۔ میں اُسے کہتا ہوں کہ اپنے آپ کو پوشیدہ کرلو۔ وہ کہتا ہے کہ یہ ممکن نہیں ہے۔ میری مثال اُس شراب کی سی ہے جو مٹکے میں مقید ہے اور اُس کے آثار سرِ محفل نہیں ہیں۔

میں بھی رُوح میں مقید ہوں لیکن آثار کھلے ہوئے ہیں۔ عام شراب پینے والا شرابی کبھی سیر نہیں ہوتا اور ہمیشہ پیتے رہنے کا خواہش مند ہوتا ہے۔ جب ظاہری شراب کی یہ صورت ہے تو شرابِ عشق سے کیسے سیری ہوسکتی ہے۔ عشق کی جستجو کرے گا تو وہ تیری رُوح کے لئے آبِ حیات کا کام کرے گا اور تیرا بدن اُس کے لئے جام بن جائے گا۔ جب عشق توفیق کی شراب کو جوش دیتا ہے تو پھر ابریق بدن پارہ پارہ ہو جاتا ہے اور وہ علائق جسمانی سے آزاد ہو جاتا ہے۔ اب یہ کیفیت ہوگی کہ عشق، عاشق اور معشوق میں اتحاد ہو جائے گا۔ پانی اور ساقی اور مست ایک ہو جائیں گے۔ اگر یہ اتحاد تیری سمجھ میں نہیں آتا تو تردید نہ کر اور معاملہ اللہ کے سپرد کر دے۔ انگور کے شیرے کے تمام خواص ساقی کا پرتو ہیں۔ اگر کوئی انکار کرے تو اُس سے دریافت کر کہ انگور کے شیرے میں یہ خواص کہاں سے آئے ہیں؟ انسان اچھی طرح جانتا ہے کہ کوئی کام، کام کرنے والے کے بغیر وجود میں نہیں آتا تو لامحالہ ایک ذات ہے جو ان تمام چیزوں پر تصرف کئے ہوئے ہے اور وہ یقیناً حق تعالیٰ کی ذات ہے۔

لمبے ہجر اور اِمتحان میں مُبتلا عاشق کا قصّہ

ایک جوان کسی عورت پر عاشق ہو گیا لیکن اُس کو کسی طرح اِس کا وصل میسر نہیں آتا تھا۔ وہ بے دل، پریشان، دیوانہ ہوا پھرتا تھا۔ عشق انسان کے لئے ابتداء ہی سے خونی ہوتا ہے اور پوری پوری دشمنی کرتا ہے تاکہ کچا اور نااہل ہے تو بھاگ جائے۔ وہ عاشق کسی کو قاصد بناتا تو وہ رقیب بن جاتا۔ اگر خط لکھتا تو پڑھنے والا اُس کی محبوبہ کو غلط پڑھ کر سُناتا۔ وہ صبا کے ہاتھ پیغام بھیجتا تو صبا گرد آلود ہو جاتی۔ غرض کہ کوئی تدبیر معشوق تک حالِ دل پہنچانے میں کام نہ دیتی۔ پیغام رسانی کے سب اسباب بے کار ہو گئے۔ محبوب کا انتظار اُسے مغموم بنا دیتا اور اسی طرح اُس پر مایوسی طاری ہو گئی۔ اب یہ حالت ہو گئی کہ کبھی وہ عشق کو بلائے بے درماں سمجھتا اور کبھی اُسی کو مدارِ زندگی بتاتا۔ کبھی اُس پر خودی کا غلبہ ہوتا اور خواہشات پیدا ہوتیں۔ کبھی بالکل فنا کے درجے میں پہنچ جاتا اور اپنے وجود ہی کو بھلا بیٹھتا۔ کبھی تنہائی کی وحشت میں گریہ وزاری کرتا اور کبھی محبوب کے خیال سے باتیں کرتا رہتا۔ جب وہ اپنے وجود کو فراموش کر دیتا تو محبوب

پابرہنہ گشتن بہ است از کفش تنگ
تنگ جُوتے پہننے سے پیر کا ننگا ہونا بہتر ہے

رنج غربت بہ کہ اندر خانہ جنگ
خانہ جنگی سے بچنے کیلئے سفر کی تکلیف بہتر ہے

سے اتحاد کا چشمہ جوش مارتا۔ بے سروسامانی اُس کے لئے موجبِ راحت بن گئی تھی۔

جب اُس کا عشق خواہشات کے خس وخاشاک سے پاک ہوگیا تو وہ عاشقوں کا رہنما بن گیا۔ بہت سے تو وہ لوگ ہوتے ہیں کہ طوطی کی طرح خوش بیان ہوتے ہیں لیکن اُن کا باطن بالکل خاموش ہوتا ہے۔ کچھ وہ لوگ جن کی رُوحیں خوش اور تروتازہ ہوتی ہیں مگر بظاہر تُرش رُو ہوتے ہیں۔ ظاہری طور پر حقیقی ولی اور بناوٹی ایسا ہی یکساں ہے جس طرح کہ قبرستان کی قبریں یکساں ہوتی ہیں لیکن حقیقتاً اُن میں ایسا فرق ہے جیسا کہ مُردوں میں ہوتا ہے۔ ہر قبر والے کی حالت جُداگانہ ہوتی ہے۔ مُردوں کا کیا ذکر زندوں میں بھی بظاہر یکسانیت ہے لیکن اندرونی حالات بہت مختلف ہوتے ہیں۔ انسان، انسان میں فرق اُس وقت ظاہر ہوتا ہے جب وہ بولتا ہے۔ بولنے سے بھی پوری حقیقت واضح نہیں ہوتی۔ اصل حالت کا پتہ لگانا بہت مشکل ہوتا ہے۔ لوگوں کے جسم سب ایک جیسے ہوتے ہیں لیکن رُوحیں مختلف ہوتی ہیں۔ آوازیں بھی انسانوں میں ایک ہی طرح کی ہوتی ہیں مگر چُھپا ہوا درد اور ناز مختلف ہوتے ہیں۔ جو شخص اصل حالت سے واقف نہیں ہوگا وہ ایک جیسی آوازوں کی وجہ سے سب کو ایک جیسا ہی سمجھے گا۔

درختوں کا ہلنا بھی بظاہر ایک جیسا ہی ہوتا ہے لیکن ایک کا ہلنا کلہاڑے کی چوٹ کی وجہ سے ہوتا ہے اور دوسرے کا بادِ صبا کے جھونکے کی وجہ سے۔ اگر انسان میں خود امتیاز کرنے کی طاقت نہیں ہے تو کسی صاحبِ بصیرت سے مشورہ کر لے۔ کسی کو پہچاننے کے لئے اُس آدمی کا سہارا لے لے جو خوش دماغ اور جو عاشقوں کی آنکھ کی پہچان رکھتا ہو۔ ویسے تو اِس دُنیا کا ہر کام سبب سے ہوتا ہے لیکن سبب میں مُسبّبیت پیدا کرنے والی ذات تو باری تعالیٰ ہی کی ہے۔ انسان کے لئے تو کوشش شرط ہے اور انسان کی کوشش رائیگاں نہیں جاتی۔ محبوب کی جستجو میں جب تم اُس کے کوچے پر دھرنا دے دوگے تو ضرور کبھی نہ کبھی اُس کا دیدار پالوگے۔ مٹی کھودتے رہوگے تو کنویں سے پانی ضرور نکل آئے گا۔ کھیت میں بوؤ گے تو اُس کی فصل ضرور کاٹو گے۔ لوہے پر پتھر مارو گے تو یہ سُنّت اللہ ہے کہ اُس میں آگ پیدا ہو جائے گی۔ وہ لوگ بدبخت ہوتے ہیں، جو سنتِ الٰہی کو پیشِ نظر نہیں رکھتے اور نادر الوقوع باتوں پر دھیان دیتے ہیں، جیسے کسی شخص نے کھیتی کی اور وہ جل گئی۔

شیطان نے عبادتیں کیں لیکن اُسے کچھ نہ ملا۔ ایسے لوگ لاکھوں انبیاء علیہم السلام اور اولیاء رحمہم اللہ کو نہیں دیکھتے کہ عبادات سے اُن کو کتنے بڑے درجات ملے۔ نادر واقعات کی مثالیں لاکر عبادت سے گریز کرنا ہی اگر دلیل ہے تو اتفاقاً ایسا بھی ہوتا ہے کہ روٹی کھانے سے انسان مرا ہے تو پھر روٹی کیوں نہیں چھوڑتے۔ کج بحثی اور جھگڑالو پن بدبختی کی دلیل ہوتی

گفت چوں شاہِ کرم میداں رود
جب شاہِ کرم میدان میں نکلتا ہے

عین ہر بے آلتی آلت شود
ہر بے سروسامانی میں سامان پیدا ہوجاتا ہے

ہے۔ کج بحثی چھوڑ کر عمل میں لگ جاؤ اور عمل بھی اللہ کے بھروسے پر کرو تو پھر یقیناً اُس عمل کا فائدہ ملے گا۔ انسان کو اُس کے عمل کا پھل ضرور ملتا ہے۔

وہ عاشق رات کے وقت گھوم رہا تھا کہ اُسے کوتوال آتا نظر آیا۔ وہ دوڑ کر قریبی باغ میں گھس گیا تا کہ چھپ جائے۔ باغ میں اُس کی محبوبہ شمع لئے موجود تھی۔ چونکہ کوتوال وصال کا سبب بنا تھا اِس لئے اُس نے کوتوال کو دُعائیں دینی شروع کر دیں۔ وہ خود کوتوال کے ڈر سے باغ میں چھپا تھا لیکن جب اللہ کا کرم ہوتا ہے تو پاؤں کا ٹوٹنا بھی پَر لگنا بن جاتا ہے۔ اللہ ایک ضد کو دوسری ضد کے حصول کا سبب بنا دیتا ہے۔ قرآن پاک میں ہے: عَسٰی اَنْ تَکْرَهُوْا شَیْئًا وَّهُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ ''کبھی تم ایک چیز کو ناپسند کرتے ہو اور وہی تمہارے لئے بہتر ہوتی ہے''۔ تمام راستوں کی کشادگی کا ذریعہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ اِس لئے ہر کام میں اُسی پر بھروسہ کرنا چاہیے۔ اُس عاشق کا بقیہ قصہ دفترِ چہارم میں بیان کیا گیا ہے۔

دفترِ سوم ختم شُد

زانکہ آلت دعویٰ ست و ہستی ست	کار در بے آلتی و پستی ست
کیونکہ سامان تو دعویٰ اور انانیت پیدا کرتا ہے	عاجزی اور محرومی سے کامیابی حاصل ہوتی ہے

انوار العلوم

فعل و قول آمد گواہانِ ضمیر — زیں دو بر باطن تو استدلال گیر
قول اور فعل دل کے گواہ ہیں — ان دونوں سے تو باطن پر دلیل حاصل کرلے

•

آں حقیقت را کہ باشد از عیاں — ہیچ تاویلے نگنجد درمیاں
وہ حقیقت جو مشاہدے میں آجائے — پھر اُس میں کسی تاویل کی گنجائش نہیں ہوتی

•

عشق در ہنگامِ استیلا و خشم — زشت گرداند لطیفاں را بچشم
عشق اور غصہ غلبہ کے وقت — عمدہ چیزوں کو آنکھ کو بُرا دکھاتا ہے

•

در دروں یک ذرہ نورِ عارفی — بہ بود از صد معرّف اے صفی
اگر باطن میں عرفان کا ایک ذرہ بھی ہو تو اُس سے جو کچھ معلوم ہوتا ہے — وہ سو وعظ کرنیوالوں کے الفاظ سے بہت بہتر ہوتا ہے

•

علتِ دیدن مداں پیہ اے پسر — ورنہ خواب اندر ندیدے کس صُوَر
اے بیٹا! آنکھ کی چربی کو دیکھنے کا سبب نہ سمجھ — خواب میں آنکھ بند ہے، پھر بھی تُو دیکھتا ہے

•

نیم تو مُشک ست نیمی پُشک ہیں — ہیں میفزا پُشک افزا مُشکِ چیں
دیکھ لے! تیرا آدھا مُشک اور آدھا مینگنی ہے — خبردار! مینگنی نہ بڑھا، رُوح کا مُشک بڑھا

مکر کُن تا کمتریں بندہ شوی — در کمی اُفتی خداوندہ شوی
ایسی تدبیر کر کہ تُو اپنے آپ کو عاجز بنالے — اگر عاجزی اختیار کرے گا تو آقا بن جائے گا

مثنوی مولوی معنوی

ہست قرآں در زبان پہلوی

جامی

انوار العلوم

اُردو نثر

مثنوی مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ

دفتر چہارم



مصنف

[illegible]

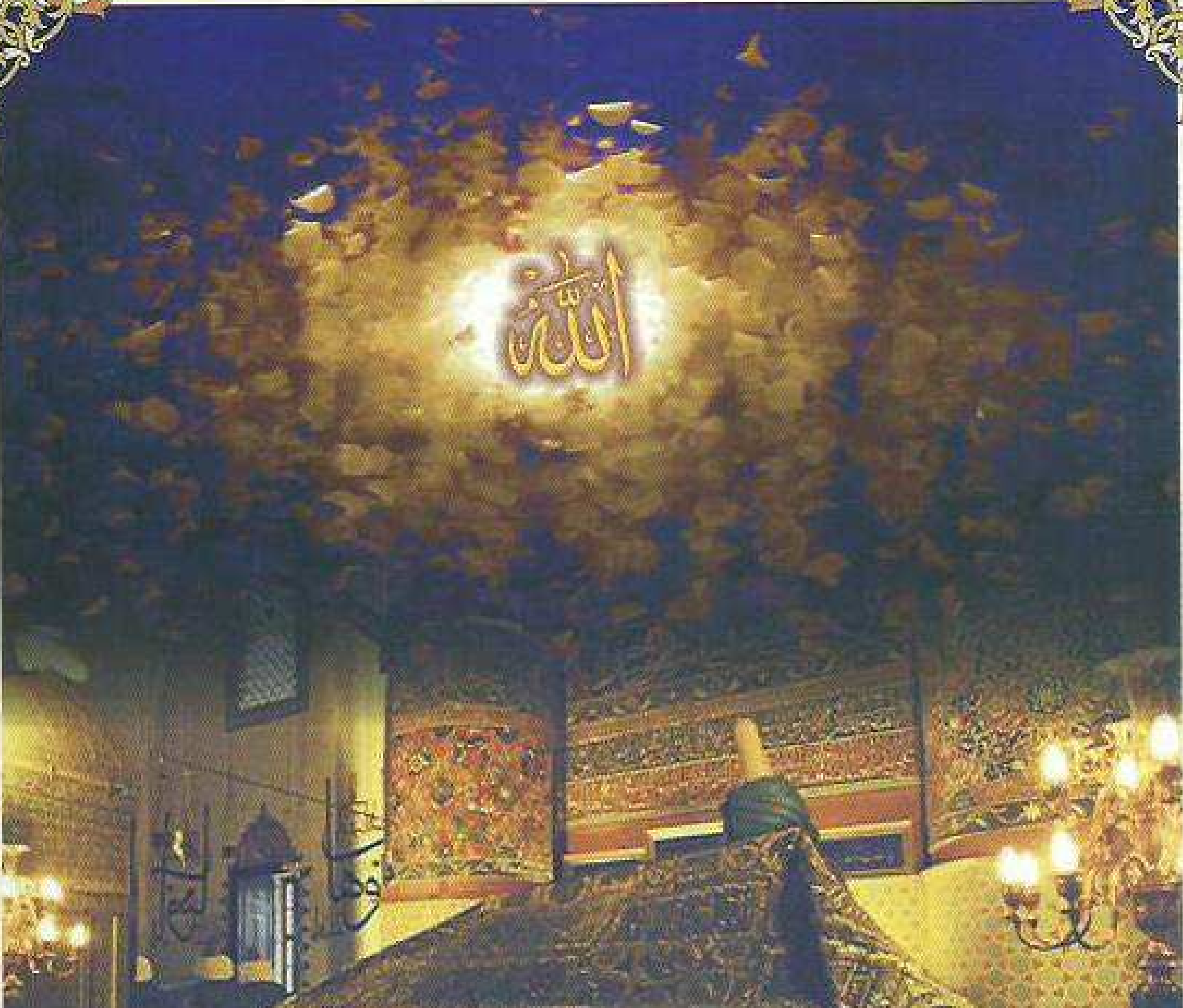
حضرت مولانا جلال الدین محمد بلخی رحمۃ اللہ علیہ

المعروف بہ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ

مترجم

محمد عالم امیری

468-A



مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کا مزار اقدس

من چہ گویم وصف آں عالی جناب
نیست پیغمبر ولے دارد کتاب

ترجمہ : میں اُس عظیم ہستی کی کیا تعریف کروں، وہ پیغمبر تو نہیں تھے لیکن اُن کو ایک کتاب ضرور عطا ہوئی ۔

فہرست دفترِ چہارم

جز خشوع و بندگی و اضطرار — اندریں حضرت ندارد اعتبار

سوائے عاجزی، غلامی اور بے چارگی کے — اُس کے دربار میں کسی شے کا بھی اعتبار نہیں

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر

گفت چوں شاہِ کرم میداں رود
جب شاہِ کرم میدان میں نکلتا ہے

عین ہر بے آلتی آلت شود
ہر بے سر و سامانی میں سے سامان پیدا ہو جاتا ہے

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
36	ایک شاہ کا شاعر کو عطیہ دینا اور حسن نامی وزیر کا اُسے دوگنا کرنا	۵۱۶
37	چند سال بعد شاعر کا پھر شاہ کے سامنے قصیدہ پڑھنا اور نئے حسن نامی وزیر کا طرزِ عمل	۵۱۶
38	کمینہ صفت وزیر اور فرعون کے وزیر ہامان کے کردار میں مشابہت	۵۱۹
39	حضرت سلیمان علیہ السلام کی جگہ پر دیو کا بیٹھنا۔ اُن علیہ السلام کے کاموں کی نقل اُتارنا اور دونوں کا فرق ظاہر ہونا	۵۲۰
40	تکمیل کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام کا ہر روز مسجد میں عبادت کے لئے آنا' لوگوں کی رہنمائی کرنا اور مسجد میں اُگی بوٹیوں کا اُن سے باتیں کرنا	۵۲۱
41	قابیل کا قبر کھودنے کا فن کوے سے سیکھنا	۵۲۱
42	ایک صوفی کا مراقبہ اور دوستوں کے سوال و جواب	۵۲۳
43	مسجد اقصیٰ کے کنارے خروب اُگنا	۵۲۴
44	آیت شریف "یٰاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ" کی تفسیر	۵۲۶
45	جواب نہ دینا بھی ایک جواب ہے' احمق کے سوال کا جواب خاموشی ہے	۵۲۸
46	انسانوں' فرشتوں اور حیوانات میں فرق	۵۲۸
47	عقل اور نفس کا مقابلہ مجنوں اور اُس کی اونٹنی کے جھگڑے کی طرح ہے	۵۳۰
48	تنخواہ گھٹنے پر بادشاہ کو غلام کی شکایت	۵۳۱
49	ایک فقیہ کی پگڑی کا قصہ	۵۳۱
50	دنیا سے دھوکہ کھانے والوں اور نفس کے قیدیوں سے خطاب	۵۳۳
51	حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دل میں ڈرنا اور اللہ کا فرمانا "تو نہ ڈر یقیناً تو اعلیٰ ہے"	۵۳۴
52	جھوٹے مُدعی کو دعوے سے باز رکھنا اور انبیاء علیہم السلام اور اللہ کی پیروی کا حکم دینا	۵۳۵
53	روزی کی طلب میں غلام کے رُقعہ لکھنے کا بقیہ قصہ	۵۳۵
54	تعریف کی حکایت جو آبرو کی خاطر کی جائے اور اُس کی باطنی بو جو ظاہر ہو رہی تھی	۵۳۶
55	خدائی طبیبوں کا دل اور دین کی بیماریاں لہجے' چہرے' آنکھوں کی رنگت اور دل کے راستے سے پہچان لینا کہ وہ دل کے جاسوس ہیں' ان کی ہم نشینی سچائی سے کرو	۵۳۷

زانکہ آلت دعویٰ ست و ہستی ست
کیونکہ سامان تو دعویٰ اور انانیت پیدا کرتا ہے

کار در بے آلتی و پستی ست
عاجزی اور محرومی سے کامیابی حاصل ہوتی ہے

ہست اُلوہیت ردائے ذوالجلال
اپنے آپ کو بڑا سمجھنا صرف اللہ ہی کے لئے ہے

ہر کہ دَر پوشد بر اُو گردد وبال
کوئی دُوسرا غرور و فخر کریگا تو اُس کیلئے وبال ہے

تاج از آن اُوست و آن ما کمر　　وائے اُو کز حدِ خود دارد گذر

تاج اللہ کی ملکیت ہے اور ہمارے لئے صرف خدمت گزاری ہے　　جو حد سے بڑھے اُس کی تباہی ہے

بیشتر اصحابِ جنت اَبلہ اند
اہلِ جنت میں سے بیشتر بھولے بھالے ہیں

تا ز شرِ فیلسوفی می رہند
اسی لئے فلسفی کے شر سے بچے رہتے ہیں

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
	رشتے سے ذِلّت محسوس کرنا۔	۵۸۰
104	ایک کابلی بُوھیا کا شہزادے پر جادو کرنا اور شہزادے کا عاشق ہونا۔	۵۸۱
105	زاہد جو قحط سالی میں باوجود مفلسی اور عیال داری کے مسکراتا تھا۔	۵۸۳
106	حضرت عزیر علیہ السلام کی اولاد کا انہی سے اپنے باپ کے احوال معلوم کرنا۔	۵۸۴
107	حدیث "میں اپنے رَبّ سے ہر روز ستر بار مغفرت چاہتا ہوں"۔	۵۸۵
108	آیت "اے مومنو! پیش قدمی مت کرو اللہ اور اُس کے رسول کے سامنے اور اللہ سے ڈرو" کا بیان	۵۸۷
109	خچر اور اونٹ کا قصہ	۵۸۸
110	خچر کا اونٹ کی پناہ پکڑنا اور اونٹ کا اُسے نوازنا۔	۵۸۹
111	ایک قبطی اور سبطی کا قِصّہ دریائے نیل کے بارے میں۔	۵۹۰
112	قبطی کا سبطی سے دُعائے خیر اور رہنمائی کی درخواست کرنا۔	۵۹۱
113	ایک بدکار عورت کا اپنے شوہر سے کہنا "امرود کے درخت پر سے انسان کو جو خیالات نظر آتے ہیں نیچے آنے سے دُور ہو جاتے ہیں"۔	۵۹۳
114	قبطیوں کا معاملہ سخت ہونا اور فرعون کا موسیٰ علیہ السلام کی سفارش چاہنا۔	۵۹۵
115	اِبتدائے پیدائش سے آدمی کے مراتب اور حالات کا بیان۔	۵۹۶
116	دوزخ کی مخلوق بھوکی اور نالاں ہے اور چاہتی ہے کہ اللہ اُن کو موٹا بنادے۔	۵۹۸
117	حضرت ذوالقرنین کا کوہ قاف کے پاس جانا اور اللہ کی عظمت کے بارے میں دریافت کرنا۔	۵۹۹
118	ایک چیونٹی کا دوسری عقل مند چیونٹی سے مکالمہ اور اسی طرح خیال کی ترقی کا بیان۔	۶۰۰
119	ذوالقرنین کا پھر پہاڑ سے سوال اور اُس کا اللہ کے عجائب کے بارے میں بیان۔	۶۰۰
120	آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے جبرائیل علیہ السلام کا اپنے آپ کو اصلی صورت میں ظاہر کرنا۔	۶۰۱

زیرکی ضدِ شکست ست و نیاز
چالاکی، عاجزی کی ضد ہے

زیرکی بگذار و با گولی بساز
ایسی ذہانت چھوڑ اور بھولا پن اختیار کر

ابتدا دفترِ چہارم

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ چاند کا نور اجسام پر پڑتا ہے اور مثنوی کا نور اَرواح پر پڑ رہا ہے۔ اے ضیاء الحق! تیری بلند ہمت نہ معلوم اِس کے مضامین کو کہاں تک لے جائے گی۔ (ضیاء الحق حسام الدین چلپی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کے وہی خلیفہ ہیں جو مثنوی کے لکھنے کا سبب بنے) تُو اس کو اُس طرف کھینچ رہا ہے جس سے تُو خوب واقف ہے (عالَمِ اَرواح)۔ تُو جدھر چاہتا ہے مثنوی کا رُخ موڑ دیتا ہے۔ بظاہر مولانا حسام الدین رحمۃ اللہ علیہ مثنوی کی اِس کشش کا سبب ہیں لیکن دراصل اس کی یہ کشش من جانب اللہ ہی ہے۔ جو صاحبانِ بصیرت ہیں وہ دیکھ رہے ہیں کہ مثنوی کے بیانات کہاں سے آ رہے ہیں۔ تُو جیسا چاہتا ہے خدا بھی ویسا ہی کرتا ہے کیونکہ وہ اپنے بندوں کی تمنا پوری کرتا ہے۔ جب کسی کو فنا حاصل ہو جاتی ہے تو باقی باللہ کا مرتبہ حاصل کر لیتا ہے اور اُس بندے کی مرضیات اللہ ہی کی مرضیات بن جاتی ہیں۔ چونکہ مثنوی حسام الدین رحمۃ اللہ علیہ سے فیض حاصل کر رہی ہے تو گویا اِس کے اوراق اپنے کھلے ہاتھوں سے شکریہ ادا کر رہے ہیں۔ قرآن میں ہے "اگر تم شکر کرو گے تو ہم زیادہ دیں گے"۔ اور قرآن میں ہے وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ "سجدہ کر اور قربت حاصل کر لے" ہماری طرف سے یہ جسمانی سجدہ، رُوحانی قرب کا باعث بنتا ہے۔ مثنوی کی نشو ونما کا اصل سبب حسام الدین رحمۃ اللہ علیہ کا جذب ہے۔ جس طرح حج والوں کے قافلے کا ایک سالار ہوتا ہے، آپ رحمۃ اللہ علیہ معارفِ الٰہی کے اس کارواں کے سالار ہیں۔ قافلۂ حج، زیارتِ کعبہ کے لئے جاتا ہے لیکن تیرا قافلہ ربِ کعبہ کی زیارت کو جا رہا ہے۔ ضیاء، رُوشنی کو کہتے ہیں اور حسام، تلوار کو، تو تمہاری ذات سورج ہے اور یہ دونوں اُس کی جنتیں ہیں۔ سورج کی تلوار اندھیرے کو کاٹتی ہے، اُسی طرح تُو دلوں کو اپنی ضیاء سے مُنور کر رہا ہے اور کفر وشرک کی جڑیں تلوار سے کاٹ رہا ہے۔

گریہ با صدق بر جانہا زند خلوص کے ساتھ گریہ رُوح پر ایسا اثر کرتا ہے	تا کہ چرخ و عرش را گریاں کند کہ آسمان اور عرش کو بھی رُلا دیتا ہے

جس طرح سورج افاضہ میں بڑھا ہوا ہے اُس طرح تم بھی چونکہ ضیاء ہو لہٰذا تم بھی افاضہ میں بڑھے ہوئے ہو۔ سورج کی روشنی ہر مال کے کھوٹے اور کھرے پن کو ظاہر کر دیتی ہے اِسی لئے بازار دن میں لگتے ہیں۔ اُسی طرح مولانا حُسام الدین رحمۃ اللہ علیہ چونکہ ضیاء ہیں' وہ بھی سالکوں کے لئے رحمت ہیں۔ جس طرح سورج کی روشنی تاجروں کے لئے باعثِ رحمت ہے' اُسی طرح راہِ سلوک کے مسافروں کے لئے آپ رحمت ہیں۔ جس طرح دھوکا دینے والے سورج کی روشنی سے نفرت کرتے ہیں اُسی طرح بناوٹی شیخ' مولانا حُسام الدین رحمۃ اللہ علیہ سے نفرت کرتے ہیں۔ کھوٹا مال' پرکھنے والے کی جان کا دشمن ہوتا ہے۔ اِسی طرح جو دُنیا کے کتے ہوتے ہیں وہ بزرگوں کے دشمن ہوتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کا مقابلہ ہمیشہ دنیاداروں سے ہوتا ہے جو کہ اُن کے دشمن ہوتے ہیں۔ فرشتے اُن انبیاء علیہم السلام کی سلامتی کے لئے دُعا کرتے ہیں کہ جو چراغِ ہدایت وہ انبیاء علیہم السلام لے کر آئے ہیں اُس کو دشمن بجھا نہ سکیں۔

جو اس مثنوی کو افسانہ سمجھے وہ خود افسانہ اور مُہمل ہے۔ ایک چیز دو شخصوں کے اِعتبار سے دو جُداگانہ حکم رکھتی ہے۔ دریائے نیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے پانی تھا اور قبطیوں کے لئے خون تھا۔ اِسی طرح یہ مثنوی بعض لوگوں کے لئے افسانہ ہے اور بعض کے لئے گنجینۂ معرفت۔ مولانا حُسام الدین رحمۃ اللہ علیہ کا کشف تھا کہ مثنوی کے منکر ایمان سے محروم ہیں۔

اب تیسرے دفتر والے عاشق کا قِصہ سُن۔ یہ عاشق رات کو معشوقہ کے فراق میں گھوم رہا تھا کہ راستے میں اُس نے کوتوال کو دیکھا تو اُس سے ڈر کر وہ ایک باغ میں گھس گیا۔ وہاں دیکھا تو اُس کی معشوقہ موجود تھی' تو وہ اُس کوتوال کو دُعائیں دینے لگا۔ بعض اوقات انسان کسی چیز کو ناپسند کرتا ہے اور اسی میں اُس کی بہتری ہوتی ہے۔ محبوبہ کا وجود تو درکنار یہ اُس کا سایہ تک نہ دیکھ پا رہا تھا۔ وہ آٹھ سال سے اُس سے نہیں ملا تھا۔ عشق کا یہی معاملہ ہوتا ہے کہ پہلے وہ پھنساتا ہے اور پھر تڑپاتا ہے۔ اِبتداء ہونٹوں کو جو چسکا لگا ہے اُس کی وجہ سے عاشق اُمید و بیم میں مبتلا رہتے ہیں اور جوشِ محبت سے تڑپتے ہیں۔ جب وہ عاشق کوتوال کے ڈر سے بھاگ کر باغ میں گھسا تو اُسے محبوب کا دیدار ہو گیا۔ وہ دیکھتا ہے کہ اُس کی محبوبہ ہاتھ میں چراغ لئے نہر میں اپنی انگوٹھی تلاش کر رہی ہے۔ وہ اللہ کے ساتھ کوتوال کو بھی دُعائیں دینے لگا۔

پولیس کے آدمیوں میں ظلم و ستم کا مادہ ہوتا ہے۔ اُن کی خواہش ہوتی ہے کہ لوگ جرائم میں مبتلا ہوں تاکہ وہ اُن سے منافع حاصل کریں۔ جبکہ کوتوال دوسرے لوگوں کے لئے تو باعثِ مصیبت تھا لیکن اُس عاشق کے لئے باعثِ راحت بن گیا۔ دُنیا کی کوئی چیز ہمہ وجود بُری نہیں ہوتی بلکہ کسی خاص نسبت سے اُس میں بُرائی ہوتی ہے۔ زہر اور قند بھی مُفید اور مُضر خاص نسبت سے ہیں۔ سانپ کا زہر سانپ کے لئے باعثِ زندگی ہے' انسان کے لئے موت کا سبب

گریۂ بے صِدق بے سوزش بُوَد
بناوٹی گریہ بغیر سوزش دل کے ہوتا ہے

دیو ڈوں بر گریہ اشں خنداں شُود
ایسے رونے کو دیکھ کر شیطان ہنستا ہے

ہے۔ پانی آبی جانور کی زندگی ہے، خاکی کے لئے موت ہے۔ کسی چیز کے نسبت کے اعتبار سے مُفید اور مُضر ہونے کے ہزاروں مدارج ہیں۔ زید کسی کے اعتبار سے شیطان ہے اور کسی کے اعتبار سے سلطان۔ جس کے لئے زید سلطان ہے وہ سلطان کی تعریفیں کرے گا۔ جس کے لئے وہ شیطان ہے وہ اُس کو کافر اور گردن زدنی قرار دے گا۔ اگر تُو زید کو اپنے لئے شکر بنانا چاہتا ہے تو اُس کے عاشقوں کی نظر سے اُسے دیکھ پھر تجھے اُس سے کوئی شکوہ نہیں رہے گا۔

"لیلیٰ را بچشم مجنوں باید دید" (اگر لیلیٰ کا جلوہ دیکھنا ہے تو مجنوں جیسی آنکھ حاصل کرو) محبوب کو اپنی نگاہ سے نہ دیکھے اُس کے عاشقوں کی نگاہ سے دیکھے۔ محبوب کے عاشقوں کی نگاہ سے بھی نہیں بلکہ خود اُس کی اپنی نگاہ سے دیکھنا چاہیے۔ جب انسان محبوب کو محبوب کی نگاہ سے دیکھے گا یعنی اللہ کو خود اللہ ہی کی نگاہ سے دیکھے گا تو متخلق باخلاق ہو جائے گا اور اپنے احساس کو فنا کر دے گا تو اُسے "کَانَ اللّٰہُ لَہٗ" یعنی "اللہ اُس کا ہو گیا" کا مقام حاصل ہو جائے گا۔ اُس میں بقا باللہ کی کیفیت پیدا ہو جائے گی۔ حدیثِ قُدسی ہے "جب میں اپنے بندے سے محبت کرتا ہوں تو میں اُس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اُس کی بینائی بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے"۔ ناپسندیدہ چیز جب کسی مرغوب چیز کا ذریعہ بن جاتی ہے تو وہ بھی مرغوب بن جاتی ہے۔ کوتوال معشوق کے وصال کا ذریعہ تھا لہٰذا وہ بھی محبوب ہو گیا۔

واعظ جو وعظ میں ظالموں، مُفسدوں اور بدوں کے لیے دُعائے خیر کرتا

ایک واعظ تاجر تھا۔ ڈاکوؤں نے اُس کا مال لُوٹا تو اُس نے خدا سے دُعائیں اور گریہ زاری شروع کر دی۔ اُس کو ہاتفِ غیبی نے کہا: مال کے لُٹ جانے پر تُو اِس قدر گریہ زاری کرتا ہے اور اپنی عمر کے برباد یا ضائع ہونے کا کوئی خیال نہیں۔ اِس تنبیہ سے وہ تاجر اللہ کی طرف متوجہ ہو گیا۔ چونکہ یہ ڈاکو اُس کے اللہ تک پہنچنے کا سبب بنے تو وہ اُسے محبوب ہو گئے اور وہ اُن کے لئے دُعا گو بن گیا۔ وہ ہمیشہ بُرے انسانوں کے لئے دُعا کرتا اور اچھے انسانوں کے لئے نہ کرتا۔ لوگوں نے اِعتراض کیا کہ بُرے لوگ تو دُعا کے مستحق نہیں ہوتے تُو اُن کے لئے کیوں دُعا کرتا ہے۔ اُس نے جواب دیا کہ اِن لوگوں کا مجھ پر بہت اِحسان ہے۔ میں اِن کے مظالم سے پریشان ہو کر راہ یاب ہوا ہوں اور اِن کے مظالم نے مجھے نیکی پر لگا دیا ہے۔ جب بھی میں دُنیا میں کسی کام پر اِن کے ساتھ لگتا تو یہ اِس قدر ظلم کرتے تھے کہ میں خدا کی طرف رُجوع کرتا تھا تو اِن کا ظلم مجھے دُنیا سے ہٹا کر اللہ کی طرف لگا دیتا تھا۔ جب انسان کسی رنج و مصیبت کا اللہ سے شکوہ کرتا ہے تو اللہ فرماتا ہے کہ اِس مصیبت کا شکوہ بیجا ہے۔ یہ مصیبت تو تجھے میری طرف متوجہ کر رہی ہے۔ شکوہ تو دراصل میری اُس نعمت کا ہونا چاہیے جو تجھ کو مجھ سے بے نیاز بناتی

راہزن ہرگز گدائے را نزد
راہزن کبھی کسی فقیر کو نہیں مارتا

گرگ گرگ مُردہ را ہرگز گزد
بھیڑیے نے کبھی کسی مُردہ بھیڑیے کو نہیں پھاڑا

تھی۔ چونکہ دشمن اللہ کی طرف رُجوع کا سبب بنتا ہے تو وہ دراصل تیرے لئے نافع اور کیمیا ہے۔ انسان کے دنیاوی دوست درحقیقت دشمن ہیں کیونکہ وہ تجھے خدا سے غافل بناتے ہیں۔

خارپُشت (جسے اردو میں سیہہ کہتے ہیں) پر اگر لاٹھی ماری جائے تو وہ بدن کو مضبوط اور موٹا کر لیتا ہے۔ اسی طرح مومن کی رُوح مصائب جھیل کر زیادہ قوی ہو جاتی ہے۔ چونکہ انبیاء علیہم السلام کی رُوح کو زیادہ مضبوط بنانا ہوتا ہے اسی لئے اُن کو زیادہ مصائب میں مبتلا کیا جاتا ہے۔ انسانی بدن کو مضبوط بنانے کے لئے اور اُس کی اصلاح کرنے کے لئے تیز مجاہدے اور عبادات کی ضرورت ہوتی ہے اور اِن عبادات کی مالش انہیں پاک و صاف کر دیتی ہے۔ اگر انسان اپنے اختیار سے مجاہدے نہیں کر سکتا تو اُسے آسمانی مصائب پر صبر کرنا چاہیے۔ وہ مصائب اُس کے لئے مجاہدوں کا قائم مقام بن جائیں گے۔ انسان کو سمجھ لینا چاہیے کہ خدا کی طرف سے اُس کا اِبتلاء اُس کی تطہیر کی تدبیر ہے۔ جب مصائب سے انسان اپنی باطنی صفائی محسوس کرتا ہے تو وہ مصیبت اُس کے لئے شیریں بن جاتی ہے۔ یہی کڑوی دوا کا حال ہوتا ہے۔ پاکیزہ انسان اپنی تخریب میں اپنی تعمیر سمجھنے لگ جاتا ہے اور ہار کو اپنے لئے جیت تصور کرتا ہے اور دوستی میں قتل ہونے تک کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ یہ حکمتِ خداوندی ہے کہ ظالموں کو اُن کے ظلم کی پاداش میں عذاب کا مستحق قرار دیا جاتا ہے اور اُن کے مظالم کو اللہ کے نیک بندوں کے لئے درجات کی ترقی کا سبب بنا دیتی ہے۔ ایمان کا تقاضا خلقِ خدا پر رحم ہے جو پولیس کے سپاہی میں نہیں رہتا اور اُس میں خلق اللہ سے کینہ پیدا ہو جاتا ہے جو اُس کے لئے گمراہی کی جڑ ہوتا ہے۔

ایک شخص کا حضرت عیسےٰ علیہ السلام سے دریافت کرنا کہ وجود میں سب سے سخت کیا چیز ہے اور حضرت عیسےٰ علیہ السلام کا جواب

ایک عقل مند نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے سوال کیا کہ وجود میں سب سے زیادہ سخت شے کون سی ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ اے جان! اللہ کا غصہ سب سے سخت ہے کہ اُس سے دوزخ بھی لرزتی ہے۔ اُس نے پوچھا کہ بتایئے! خدا کے غصے سے بچاؤ کی کیا صورت ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ اپنے غصے کو ترک کر دینا۔ قرآن میں مومنوں کی صفت میں فرمایا گیا ہے کہ وَالْکَاظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ "جو غصہ کو پی جاتے ہیں اور لوگوں کو معاف کر دیتے ہیں"۔ حدیث شریف میں ہے مَنْ لَّایَرْحَمْ لَایُرْحَمْ "جو شخص دوسروں پر رحم نہیں کرتا اُس پر رحم نہیں کیا جاتا" انتظام قائم کرنے کے لئے سپاہیوں کا وجود ضروری ہے لیکن یہی بات اُن کے لئے گمراہی کا سبب ہے کہ وہ اپنے وجود کو ضروری سمجھ کر ظلم پر جرأت کرتے ہیں لیکن اُن کی یہ ضرورت اُن کے لئے تعریف کا سبب نہیں بن سکتی۔ بہت سی گندی چیزوں کی بھی دُنیا کو

خضر کشتی را برائے آں شکست | تا تواند کشتی از فجار رست
حضرت خضرؑ نے کشتی اس لیے توڑی | تاکہ کشتی ظالموں کے ہاتھ سے محفوظ رہے

ضرورت ہے لیکن اِس ضرورت کی وجہ سے اُن کو پاک قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اب ہم اُس عاشق کے قصے کی طرف چلتے ہیں۔

عاشق کا خیانت کرنے کا اِرادہ کرنا اور معشوق کا چیخ پڑنا

چونکہ اُس سادہ لوح انسان نے اپنی محبوبہ کو اکیلا پایا تو اُس سے بغل گیر ہونے اور بوسہ لینے کا ارادہ کیا۔ معشوقہ نے اُسے ڈانٹ دیا۔ وہ بولا: تنہائی ہے اور میں وَصل کا پیاسا ہوں' اب صبر کی طاقت کہاں ہے۔ معشوقہ نے جواب دیا: جب تُو ہوا کو چلتا دیکھ رہا ہے تو سمجھ لے کہ ہوا کو چلانے والا موجود ہے۔ قرآن میں ہے "وہی قادرِ مُطلق ہے جو بارانِ رحمت سے پہلے ہواؤں کو بھیجتا ہے کہ لوگوں کو بارش کی آمد کی خوشخبری دے دیں" انسانوں کے پاس جو ہوا کا کچھ حصہ ہے وہ بغیر چلانے والے اور پنکھے کی حرکت کے حرکت نہیں کرتا۔ اِسی طرح کُل ہوا کو سمجھو وہ قدرت کے پنکھے کے بغیر کب حرکت کرے گی۔ ہمارے سانس کی ہوا کو بھی رُوح اور جسم مِل کر حرکت میں لاتے ہیں۔ رُوح نہ ہو تو ہوا جسم میں داخل نہیں ہوگی۔ یہی جسم اور رُوح' سانس کی ہوا میں اچھائی اور بُرائی کا تصرّف کرتے ہیں۔ کبھی اُسے گالی بنا دیتے ہیں' کبھی تعریف کے الفاظ بنا دیتے ہیں۔

عالم کی ہوا میں بھی اللہ کے تصرّفات ہیں۔ کبھی اُسے بادِ بہاری بنا دیتا ہے کبھی بادِ سموم۔ قومِ عاد کے لئے وہ آندھی بنی اور اُس نے اُن کو ہلاک کر دیا۔ حضرت ہود علیہ السلام کے لئے وہ خوشگوار بن گئی۔ انسان کی سانس کی ہوا میں بھی وہی مؤثر ہے کہ کسی کے لئے اُس کو شہد بنا دیتا ہے اور کسی کے لئے زہر۔ اِس طرح عام ہوا کو سمجھ لو کہ اُسے کسی کے لئے انعام بنا دیتا ہے اور کسی کے لئے قہر۔ قدرت کا پنکھا جو اُس ہوا کو حرکت دیتا ہے' اُس میں بھی قوموں کا اِبتلاء اور اِمتحان ہے۔ جب سانس کی ہوا میں راحت رسانی اور ایذا رسانی ہے تو لامحالہ کُل ہوا میں بھی یہ تاثیر ہوگی اور اُس کی یہ تاثیریں اللہ کے پنکھے کی پیدا کردہ ہیں۔ کھلیان میں بھوسے سے دانے الگ کرنے کے لئے تُو دیکھتا ہے کہ کاشتکار کس طرح اللہ کی خوشامد کرتے ہیں۔ ولادت کے وقت اللہ رحمِ مادر کو ہوا سے پھیلا دیتا ہے اور تب ولادت ہو جاتی ہے۔

جب یہ تصور پکا ہو جاتا ہے کہ ہوا کو چلانے والا خدا ہے تو اُس کے سامنے گریہ وزاری کی جاتی ہے ورنہ محض ہوا کے سامنے کون گریہ وزاری کرتا ہے۔ کشتی والے بھی بادِ موافق کے لئے اللہ سے دُعا مانگتے ہیں۔ دانتوں میں درد کے وقت لوگ بزرگوں سے دَم کرواتے ہیں۔ ان تمام باتوں سے معلوم ہوا کہ سب لوگ ہوا کو چلانے والا خدا کو مانتے ہیں اور سب عقل مندوں کو معلوم ہے کہ حرکت کرنے والے کے لئے کوئی ذات حرکت میں لانے والی بھی ضرور ہے۔ اگر تُو

چوں شکستہ می رہد اشکستہ شو
چونکہ ٹوٹے ہوئے میں ہی رہائی ہے اسلئے ٹوٹ جا

امن در فقر ست اندر فقر رو
امن صرف فقیری میں ہے سو فقیر بن جا

حرکت دینے والے کو نہیں دیکھ سکتا ہے تو اُس کو حرکت دینے سے اُس کے موجود ہونے کو ہی سمجھ لے۔ انسان کے جسم کو رُوح حرکت دیتی ہے لیکن انسان اُس رُوح کو نہیں دیکھ سکتا ہے۔ اُس عاشق نے کہا کہ اگر ادب کے سلسلے میں مجھ سے حماقت ہوئی ہے تو تُو اُس سے درگزر فرما اور میری وفاداری اور جستجو کی قدر کر کے مجھے مقرب بنا لے۔ محبوبہ نے کہا کہ تیرے ادب کی حالت تو یہ تھی جو دیکھ لی گئی۔ اب رہا تیرا وفا اور جستجو کا دعویٰ تو اُس کو بھی اِس پر قیاس کیا جا سکتا ہے۔ اِس پیالے سے جو کچھ ٹپکا ہے باقی بھی وہی کچھ ہی ہوگا۔

صُوفی کا قصہ جس نے اپنی بیوی کو ایک اجنبی کے ساتھ دیکھا

جس طرح وہ عاشق ڈھٹائی کا ثبوت دے رہا تھا اُسی طرح صوفی کی بیوی کی حالت تھی یعنی گھر کا ایک دروازہ تھا' یہ ممکن نہ تھا کہ وہ موچی کو کسی دوسرے دروازے میں سے نکالتی اور صوفی کا اُس وقت گھر میں آنے کا دستور نہ تھا۔ وہ جان بوجھ کر بے وقت گھر آیا کیونکہ اُسے اپنی بیوی کی طرف سے بدچلنی کا اندیشہ تھا۔ بیوی کو اطمینان تھا کہ صوفی شام ہی کو دکان سے لوٹے گا۔ حضرتِ حق انسان کی ہر طرح پردہ پوشی کرتا ہے لیکن کبھی کبھی اُسے رُسوا بھی کر دیتا ہے۔ اُس کی ستاری اِس لئے ہوتی ہے کہ شائد بندہ شرما کر خود ہی بُرائی کو چھوڑ دے۔ اللہ تعالیٰ اپنی صفتِ فضل کے اِظہار کے لئے پردہ پوشی کرتا ہے اور پھر اِظہارِ عدل کے لئے گرفت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ معاملہ اپنی دونوں صفتوں کے اِظہار کے لئے ہے۔ اللہ کا فضل انسان کو خوش خبری دینے والا ہے اور عدل مجرم کو خوف دلانے والا۔ صوفی کی بیوی پہلے بھی گناہ کر چکی تھی اور اللہ کی ستاری نے اُس کی پردہ پوشی کی تھی لیکن وہ یہ نہ سمجھی کہ غلطی ہر بار معاف نہیں کی جاتی۔ اُس بیوی کو قضاءِ خداوندی نے اِس طرح لاچار کر دیا ہے جس طرح اچانک موت مُنافق کو کرتی ہے اور اُس کو توبہ کا موقع بھی نہیں دیتی۔

عورت اور اُس کا یار مصیبت میں مبتلا ہونے کے ڈر سے خشک ہو گئے۔ صوفی نے دل میں کہا کہ میں تم دونوں سے بدلہ لوں گا لیکن صبر کے ساتھ۔ تمہارے اِس فعل کو اَن دیکھا بناؤں گا تا کہ محلے میں شور و شر نہ ہو۔ عورت اور موچی کو چھپنے کی گھر میں کوئی جگہ نہ تھی۔ قرآن پاک میں ہے "اے پیغمبر! تم سے یہ پہاڑوں کے بارے میں دریافت کرتے ہیں تو کہہ دو کہ میرا پروردگار اُن کو اُڑا دے گا۔ زمین ہموار میدان کر دے گا جس میں تُو نہ تو موڑ دیکھے اور نہ اونچ نیچ (کہ چھپو)"۔ بیوی نے موچی کو چادر اوڑھائی تا کہ صوفی اُسے مرد کی بجائے عورت سمجھے اور دروازہ کھول کر اُسے نکال دیا۔ چادر میں وہ مرد نہ چُھپ سکا اور اِس طرح اُس کا مرد ہونا ظاہر تھا۔ چونکہ صوفی نے طے کر لیا تھا کہ وہ اِس واقعہ کو اَن

چوں شکستہ می رہد اشکستہ شو
چونکہ ٹوٹے ہوئے میں ہی رہائی ہے اِسلئے ٹوٹ جا

امن در فقر است اندر فقر رو
امن صرف فقیری میں ہے سو فقیر بن جا

دیکھا بنادے گا تو تعجب سے بیوی سے دریافت کیا کہ یہ کون عورت تھی؟ اُس نے جواب دیا: ایک بڑے گھرانے کی باعزت خاتون تھی۔ میں نے دروازہ بند کردیا تھا تاکہ اچانک کوئی گھر میں نہ آجائے اور اُس کی بے پردگی اور بے عزتی نہ ہو۔ صوفی نے پوچھا کہ اگر وہ ایسی معزز عورت تھی تو کس کام سے آئی تھی؟ بتا؟ تاکہ میں اُس کا کام کردوں۔ بیوی نے کہا کہ وہ رشتہ لے کر آئی تھی اور ہماری لڑکی کو دیکھنا چاہتی تھی؛ چونکہ لڑکی مدرسے گئی ہوئی تھی وہ اُسے نہ دیکھ سکی تو کہنے لگی کہ خواہ بچی کی صورت کیسی ہی ہو میں تو اُسے اپنی دلہن بناؤں گی۔ صوفی نے کہا: لڑکی تو بہت غریب گھرانے کی اور لڑکا امیر گھرانے کا' یہ بے جوڑ بات ہے۔ اگر میاں بیوی یکساں ماحول کے نہ ہوں تو اختلاف رہتا ہے۔ ایسا پیوند عقل مندوں کے نزدیک اچھا نہیں ہے۔

بیوی کا کہنا کہ وہ جہیز کی فکر میں نہیں ہے، پردہ پوش ہے اور صوفی کا جواب

عورت نے کہا کہ وہ لوگ جہیز کے طالب نہیں ہیں وہ تو پردہ پوشی اور نیکی کے طلبگار ہیں' کہتے ہیں کہ ہم تو دولت سے عاجز آگئے ہیں۔ وہ عوام کی طرح مال کے لالچی اور حریص نہیں ہیں۔ وہ کہتے ہیں ہم تو ایسی لڑکی چاہتے ہیں' جو پردہ نشین ہو اور نیک ہو کیونکہ دونوں جہانوں میں ان ہی چیزوں سے بھلائی ہوتی ہے۔ صوفی نے کہا کہ اُن کو بتا دینا تھا ہم تو تنگ دست ہیں تاکہ بات چھپی نہ رہے۔ بیوی نے صوفی سے کہا کہ میں اپنی غُربت خوب بیان کرچکی ہوں لیکن وہ اپنی بات پر جمی ہوئی ہے' وہ ہماری غُربت سے بالکل پریشان نہیں ہے۔ وہ کہتی ہے کہ ہم مال کی وجہ سے یہ رشتہ نہیں کررہے ہیں بلکہ تم لوگوں کی سچائی اور شرافت کی وجہ سے کر رہے ہیں۔

صوفی نے اب تک بیوی سے ایسے باتیں کیں جس سے بیوی یہ نہ سمجھے کہ اُسے اس کی خیانت کی خبر ہے۔ اب اُس نے اپنی گفتگو میں ایسے طنزیہ فقرے استعمال کئے جس سے یہ ظاہر ہو جائے کہ وہ بیوی کی بدچلنی سے واقف ہو گیا ہے مثلاً یہ کہ اُس عورت نے یہ تو دیکھ لیا ہے کہ ہمارا گھر ایسا مختصر ہے کہ اِس میں سوئی بھی نہیں چُھپائی جاسکتی۔ اب رہی پاکی اور نیکی کی بات تو اگر اُس نے نصیحت حاصل کرنی ہے تو وہ ہم سے بھی زیادہ جانتی ہے۔ اُس کو ہمارے گھر کے پردے کا حال تو بہت اچھی طرح معلوم ہوگیا ہے۔ لڑکی کی پردہ پوشی کو باپ کیا بیان کرے اِس سے وہ خود ہی واقف ہوچکی ہے اور یہ بات روزِ روشن کی طرح اُس پر کھل گئی ہے۔

باغ والی معشوقہ نے عاشق کو یہ قصہ سُنا کر کہا یہ قصہ میں نے تُجھے اِس لئے سُنایا ہے کہ جب تیری بے ادبی کھل گئی

شکرِ نعمت چوں کُنی چوں شُکرِ تو تُو اپنے رب کا شکر کیسے ادا کرسکتا ہے	نعمتِ تازہ بود زِ احسانِ اُو جبکہ تیرا یہ شکر ادا کرنا بھی اُس کی عطا کردہ نعمت ہے

ہے تُو وفاداری کے وعدے نہ کر۔ تیری حالت اُس صوفی کی بیوی کی سی ہے۔ تُو بھی اب اُس کی طرح مکر و دغا کا جال بچھا رہا ہے اور ہر عیب سے اپنے آپ کو بری ظاہر کر رہا ہے۔ تُو لوگوں سے تو شرماتا ہے لیکن خدا سے نہیں شرماتا۔ چونکہ عاشق نے معشوقہ کو تنہا قرار دیا اور اُس کو یہ محسوس نہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے۔ وہ علیم ہے اور اُس کے احاطہ علمی سے کوئی واقعہ باہر نہیں رہ سکتا۔ وہ بصیر ہے اور اُس کی بصارت سے کوئی چیز نہیں چُھپ سکتی ہے۔ اسماءِ صفاتی جن صفات سے بنے ہیں وہ صفت حضرتِ حق تعالیٰ میں بدرجہ اتم موجود ہے۔ اللہ کا نام سمیع ہے وہ سب کچھ سنتا ہے تو اِس کا تقاضا ہے کہ انسان اپنی زبان سے کوئی بُری بات نہ نکالے اور یہ سمجھے کہ جو کچھ وہ کہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو سنتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو علیم اِسی لئے فرمایا ہے تاکہ ڈرتے ہوئے تُو کوئی بُری بات نہ سوچے۔

اللہ کے تمام اَسماء اُس کی قدیم صفات سے بنے ہیں جن میں اُن صفات کے معنیٰ موجود ہیں۔ ایسے نہیں جیسے کسی حبشی کا نام کافور رکھ دیا جائے حالانکہ نہ اُس میں کافور جیسی سفیدی ہو اور نہ خوشبو۔ اللہ کا نام اگر سمیع ہے تو مطلب ہے کہ اُس میں صفتِ سمع موجود ہے۔ وہ ذات اپنی تمام صفات سے خود متّصف ہے اور وہ تمام کائنات کی علّت ہے اور اُس کی صفات کا تعلق بھی تمام کائنات سے ہے۔ اگر اللہ کو اُس صفت سے متّصف نہ مانا جائے جس سے اسم وصفی بنا ہے تو یہ تمسخر ہوگا۔ بہرے کو سمیع کہنا اور اندھے کو ضیاء کہنا ایک مذاق ہوگا۔ باپ کے حاجی یا نمازی ہونے کی وجہ سے بچّہ کا نام حاجی یا نمازی محض پہچان کے لئے رکھ دینے میں کوئی حرج نہیں لیکن اگر یہی الفاظ اُس بچّے کی تعریف میں بولے جائیں جس میں وہ صفت نہیں ہے تو یہ ایک مذاق ہوگا۔

معشوقہ نے عاشق سے کہا کہ میں ملاقات سے پہلے ہی سمجھ گئی تھی کہ تو پکا شقی ہے۔ کسی چیز کا مُشاہدہ ہی علم کے لئے ضروری نہیں ہے۔ اُس چیز کے آثار سے بھی علم حاصل ہو جاتا ہے۔ آنکھیں دُکھنے میں جب سُرخ ہو جاتی ہیں اگرچہ سُرخی کو انسان نہیں دیکھتا ہے لیکن درد سے سمجھ جاتا ہے کہ آنکھیں سُرخ ہیں۔ تُو نے مجھے بے رکھوالے کا بکری کا بچّہ سمجھا اور بغیر نگہبان کے جانا۔ میرا محافظ وہ علیم وخبیر ہے اور وہ اُس ہوا کو بھی جانتا ہے جو میرے اُوپر سے گزرتی ہے۔ تیرا نفس شہوت پرست ہے جس میں رُوح کا کوئی نور نہیں ہوتا اور وہ اللہ کے معاملے میں اندھا اور بہرا ہوتا ہے۔ تُو آٹھ سال سے میرے فراق میں ہے اور چونکہ میں سمجھتی تھی کہ تُو جہل اور نادانی سے پُر ہے اِس لئے میں نے تیری کوئی پرواہ نہیں کی۔ جو شخص خود تباہی کی بھٹی میں گرا ہو اُس کے اَحوال معلوم کرنا بے وقوفی ہے۔

حمام کا ملازم پانی گرم کرنے والی بھٹی میں گوبر اور کوڑا کرکٹ ڈالتا ہے اور ہمیشہ گندہ رہتا ہے حالانکہ وہاں آنے

عجز تو در شکر شکر آمد تمام
شکر میں تیری عاجزی پورا شکر ہے

فہم کن دریاب قد تم الکلام
اس بات کو اچھی طرح سمجھ لے "بات ختم ہوئی"

والے نہا کر اپنا میل کچیل صاف کر کے نکلتے ہیں۔ اِس دُنیا کا مال بھٹی کے ایندھن کی طرح، دُنیا دار بھٹی کے ملازم کی طرح اور متقی حمام میں نہانے والوں کی طرح ہیں۔ متقی اِس دُنیا کے حمام سے نہا کر پاک صاف ہو کر نکلتے ہیں۔ دُنیا داروں میں دولت کی حرص نہ ہوتی تو یہ بھٹی گرم نہ ہوتی۔

ایک مسلمان کا کام یہ ہے کہ وہ بھٹی کی طرف رُخ نہ کرے، حمام میں داخل ہو۔ دنیاداروں نے اہلِ تقویٰ کو دُنیا کے کاموں سے فارغ کر دیا ہے ورنہ اُن کو خود مصروف ہونا پڑتا تو گویا دنیا دار متقیوں کے خدمتگار اور خادم ہیں۔ تقویٰ کے آثار انسان کے چہرے پر نمایاں ہوتے ہیں۔ دنیاداروں کے احوال اُن کی علامتوں سے پہچان لئے جاتے ہیں۔ اگر تم میں یہ استعداد نہیں ہے کہ دنیاداروں کے چہروں سے اُن کے احوال پڑھ لو تو اُن کی عادتوں سے اُن کے احوال سمجھ لو۔ اندھا چونکہ دیکھ نہیں سکتا وہ خوشبو سے چیز کی حقیقت سمجھ لیتا ہے۔ اگر تم اُن کی عادتوں سے اُن کے احوال نہیں سمجھ سکتے تو اُن کی گفتگو سے سمجھ لو۔ دنیادار کہے گا کہ آج میں نے بیس ٹوکرے گوبر کمایا۔ حرص سے بھی ایسے ہی شعلے پیدا ہوتے ہیں جیسا کہ گوبر کے اُپلوں سے۔ عقل مند گوبر اور سونے کو برابر سمجھتا ہے کیونکہ وہ بھی آتشِ حرص کو اسی طرح فروغ دیتا ہے جس طرح گوبر آگ کو اور اُس کا آتشِ حرص کو فروغ دینا، دنیاداروں کی کشش کا سبب ہے۔ جو دنیادار یہ کہہ رہا ہے کہ اُس نے مال جمع کیا ہے تو اُس نے دراصل آتشِ حرص کے لیے گوبر جمع کیا ہے۔ گوبر جمع کرنا اگرچہ کوئی فخر کی بات نہیں ہے لیکن بھٹی والوں میں یہ فخر ہی کی بات ہے۔ وہ فخریہ ایک دوسرے کے مقابلے میں کہتے ہیں کہ تُو نے چھ ٹوکرے جمع کیا ہے تو میں نے بیس ٹوکرے جمع کئے ہیں۔ یہی دنیاداروں کی حالت ہے۔

کھال رنگنے والا جو عطر کی خوشبو سونگھ کر بے ہوش ہو گیا

جس شخص کی نشوونما بھٹی کے ماحول میں ہوئی ہو اُس کے لئے گوبر کی بدبو خوش کن ہوتی ہے۔ اگر تم اُسے مُشک سنگھاؤ گے تو اِس سے اُسے تکلیف پہنچے گی۔ اگر تم بھی اُس کے بھٹی کے کاروبار میں شریک ہو جاؤ گے تو کچھ فائدہ حاصل نہ کر سکو گے۔ دُنیا داروں کی صحبت میں تمہاری بھی وہی حالت ہو جائے گی جو اُن دنیاداروں کی ہے۔

ایک چمڑہ رنگنے والا عطر فروشوں کے بازار میں گیا۔ اُسے وہاں عطر کی خوشبو لگی تو بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ لوگ جمع ہو گئے۔ اُن لوگوں نے ہزار کوشش کی لیکن وہ ہوش میں نہ آیا۔ اُنھوں نے اُس کے رشتہ داروں کو خبر کی کہ وہ بے ہوش ہوا پڑا ہے اور کسی ذریعے سے بھی ہوش میں نہیں آیا۔ اُس کا ایک بھائی پہنچا۔ وہ ایک سمجھدار آدمی تھا۔ وہ بولا: میں اس کا

ہست جنت راز رحمت ہشت در
اللہ کی رحمت سے جنت کے آٹھ دروازے ہیں

یک درِ توبہ است زاں ہشت اے پسر
اُن میں سے ایک توبہ کا دروازہ ہے

مرض جانتا ہوں۔ مرض کی وجہ معلوم ہو جائے تو علاج میں آسانی ہو جاتی ہے۔ وہ اُس کا مرض پہچان گیا۔ جالینوس نے کہا ہے کہ علاج کے لئے جس چیز کی مریض کو عادت ہو اُسے دے دو تو افاقہ ہو جائے گا۔ اُس کے بھائی نے کہا کہ میں اِس کی بیماری سمجھ گیا ہوں۔ میں اسے ہوش میں لے آؤں گا۔

قرآن میں ہے ''بُری چیزیں بُروں کے لئے ہیں اور اچھی چیزیں اچھوں کے لئے ہیں'' خبیثوں کو انبیاء علیہم السلام کی عُمدہ نصیحتیں اچھی نہیں لگتی تھیں کیونکہ وحی کا عطر اُن کے دماغ کے موافق نہیں تھا۔ کفار نے انبیاء علیہم السلام سے کہا کہ ہماری پرورش کھیل کود میں ہوئی ہے' ہمارا مزاج نصیحت سے میل نہیں کھاتا۔ اُن کفار پر افسوس ہے کہ یہ اپنے حرص میں اور اضافہ کرتے ہیں۔

اُن کفار کو چھوڑو' جو بازار میں بے ہوش پڑا ہے اُس کی خبر لو۔ اُس چمڑہ رنگنے والے کے بھائی نے وہاں سے لوگوں کو ہٹا دیا تاکہ کوئی اُس کے علاج سے واقف نہ ہو سکے۔ اُس نے اپنا سر اُس کے کان کی طرف کیا کہ لوگ سمجھیں کہ اُس کے کان میں کچھ پڑھ رہا ہے اور چپکے سے اُس کی ناک پر کتے کا پاخانہ مل دیا۔ جب اُس کے دماغ نے بدبو سونگھی تو اُسے ہوش آنا شروع ہو گیا۔ لوگ حیران ہو گئے کہ عجب منتر پڑھا ہے کہ فوراً ہوش آنا شروع ہو گیا ہے۔

بدکاروں کو بزرگوں کے قصّے سناؤ تو اُن کو مزا نہیں آتا۔ ہاں زنا اور عشق و محبت کی باتیں اُن کو خوش کرتی ہیں۔ بھلی باتیں جس کے مزاج کے موافق نہ ہوں تو یقیناً اُس نے بُری باتوں کی عادت ڈال رکھی ہے۔ قرآن میں ہے ''مُشرک نجس ہے''۔ چونکہ اُن کی نشوونما گندے ماحول میں ہوئی ہے اِس لئے قرآن نے انہیں نجس کہا۔ حدیث شریف میں ہے ''اللہ نے مخلوق کو اندھیرے میں پیدا فرمایا۔ پھر اُن پر اپنا نور چھڑکا تو جس پر وہ نور پڑا اُس نے ہدایت پائی اور جس پر نہ پڑا گمراہ ہو گیا''۔ گندے ماحول میں کسی بھلے کا پیدا ہونا ایک تعجب خیز بات ہے لیکن گندے ماحول میں پیدا شُدہ نیک انسان راسخ العقیدہ ہوتا ہے۔ معشوقہ نے عاشق سے کہا کہ تُو بھی اِس چمڑہ رنگنے والے کی طرح ہے' اِسی لئے گندے اخلاق کا عادی ہے۔ فراق کی گرمی سے تُو زرد پتہ بن گیا لیکن پُختہ پھل نہ بنا۔ تمہاری مثال تو یہ ہے کہ دھوئیں سے دیگ تو کالی پڑ گئی لیکن گوشت کچا رہا۔

مکّاری اور تلبیس سے عاشق کا عُذر خواہی کرنا اور معشوقہ کا سمجھ جانا

اب عاشق نے مکّاری سے عذر خواہی کی اور اپنے بُرے فعل کی غلط توجیہہ شروع کر دی۔ کہنے لگا کہ میں نے تو بوسہ لینے کی کوشش اس لئے کی تھی کہ تُجھے آزماؤں کہ تُو بُرائی پر رضامند ہوتی

آں ہمہ گہ باز باشد گہ فراز
وہ دروازے کبھی کھلتے ہیں کبھی بند ہو جاتے ہیں

واں درِ توبہ نباشد جُز کہ باز
لیکن توبہ والا دروازہ ہمیشہ کھلا رہتا ہے

ہے یا پاک دامن ہے۔ اگر چہ میں تجھے پہلے ہی سے نیک سمجھتا تھا لیکن مزید اطمینان کے لئے ایسا کیا تھا۔ تمہاری نیکی روز روشن کی طرح عیاں ہے' آزمانے سے اس پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔ دشمنوں نے انبیاء علیہم السلام کو آزمایا اور اُن سے معجزے طلب کئے تو اُن کی نبوت اور پختہ ہوگئی۔ تجھ میں اور مجھ میں اتحاد ہے۔ تیرا امتحان دراصل میرا امتحان ہے' اس میں تیرے بگڑنے کی کوئی بات نہیں ہے۔ میں نے دراصل اپنی آنکھ کو آزمایا ہے' اس لئے تیری ناراضگی بے موقع ہے۔ اس عالمِ خواب میں تُو ایک خزانہ ہے اور اگر خزانے کی جستجو کی جائے تو اس میں کوئی عیب نہیں ہے۔ میری یہ بیہودگی اس لئے تھی کہ امتحان کے بعد دشمنوں کے سامنے تیری نیکی کا اظہار کرسکوں۔ اگر میں نے تمہاری آبرو پر ہاتھ ڈالا ہے تو تلوار حاضر ہے' مجھے قتل کردے' تلوار سے قتل کردو جُدائی کے ذریعے نہیں اور اپنے ہاتھ سے قتل کرنا کسی دوسرے کے ہاتھ سے قتل نہ کروانا کیونکہ میں تمہارے ہاتھ کا غلام ہوں' دوسرے کے ہاتھ کا نہیں۔ خدا کے لئے جُدائی کی بات نہ کر اور جو چاہے کر۔ یہ میری غلطی بھی ہے تو اب اسے معاف کردے۔ میں اپنے فعل پر ندامت کا اظہار کرتا ہوں مجھے معاف کر دے۔

معشوق کا عاشق کے عُذر کو رد کرنا

معشوق نے کہا: تُو جھوٹ بولتا ہے۔ عقل مندوں کے سامنے عقلی دلائل پیش کرنا بیوقوفی ہوتی ہے۔ تیرے ہر مکر سے میں واقف ہوں۔ اگر ہم بندہ نوازی کی وجہ سے چشم پوشی کر رہے ہیں تو تجھے بے حیائی سے کام نہیں لینا چاہیے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے جیسے ہی غلطی کا ارتکاب ہوا تو حیلہ بہانہ کرنے کی بجائے فوراً معافی کے لئے کھڑے ہوگئے اور خاکستر پر بیٹھ گئے۔ بہانہ بازی میں ایک بہانے سے دوسرے بہانے کی طرف منتقل نہ ہوئے۔ جو شخص نگاہ انجام پر رکھ کر معافی کا طلبگار ہو وہ اچھا ہے۔ جس کو چشمِ بصیرت حاصل نہیں وہ توبہ بھی کرتا ہے تو اس پر قائم نہیں رہتا۔ حضرت آدم علیہ السلام کو چشمِ بصیرت حاصل تھی لیکن قضائے خداوندی کے سامنے مجبور تھے اور غلطی کر بیٹھے۔ چشمِ بصیرت والا بہت کم گمراہ ہوتا ہے۔ اگر چشمِ بصیرت نہیں ہے تو اُس کا یہ اندھا پن ہر وقت اُس کو مصیبت میں مبتلا کرتا رہتا ہے۔ پھر اُس کی یہ حالت ہوتی ہے کہ وہ یہ بھی نہیں سمجھتا کہ اس مصیبت کا سبب بیرونی ہے کہ اندرونی۔ اندھے پر مُشک نچھاور کرو گے تو وہ یہی سمجھے گا کہ وہ میرے بدن کی خوشبو ہے کسی کا کوئی احسان نہیں ہے۔ خدا کسی کو آنکھیں عطا فرمائے تو وہ اُس کی تربیت کرنے میں سینکڑوں ماں باپ سے بھی بہتر ہے۔ دل کی آنکھیں جسمانی آنکھوں سے بدرجہا افضل ہوتی ہیں۔

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ افسوس! اسرار کے بیان کے لئے بہت موانع پیش آگئے ہیں۔ اسرار و حکم اگر

چونکہ غم بینی تو استغفار کن	غم بامرِ خالق آمد کار کن
جب تُو غم دیکھے، تو توبہ کر	غم خُدا کے حکم ہی سے آتا ہے' زاری کر

پورے طور پر بیان نہ ہو سکیں تو بھی فائدہ سے خالی نہیں ہیں۔ اسرار موتی کی طرح ہوتے ہیں' اگر ٹوٹ بھی جائیں تو پس کر اُن کا سُرمہ آنکھوں کو روشن کر دیتا ہے۔ مجھے ٹوٹے ہوئے اسرار و حکم کو جوڑ کر کہنا ہی ہے' اللہ اُن کو صحیح حالت میں کر دے گا۔ گیہوں پس کر ہی روٹی پکانے کے لائق بنتی ہے۔ عاشق کا فرض ہے کہ وہ اپنی خطا پر ندامت کا اظہار کرے اور باتیں نہ بنائے۔ صحیح اولاد کا فرض ہے کہ وہ باپ کی بہترین سیرت اختیار کرے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے اپنی خطا پر اِنَّا ظَلَمْنَا "بے شک ہم نے ظلم کیا" کہنا شروع کر دیا تھا اور اُن کے لئے یہی مناسب تھا۔ شیطان نے اپنی غلطی پر اِصرار شروع کر دیا اور کہا کہ "تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اِسے مٹی سے' میں افضل ہوں' ابو جہل غلط تھا' اُس نے مُعجزہ دیکھ کر بھی شک کا اظہار کر دیا۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے معجزہ نہیں مانگا اور اُنہوں نے کہا کہ یہ چہرہ سچ کے علاوہ کچھ نہیں بولتا۔ امتحان لینا عاشقوں کا کام نہیں ہوتا۔

ایک یہودی کا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے قلعہ کی دیوار سے خود کو گرانے کا کہنا اور اُن کا جواب

ایک یہودی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اگر تمہیں یہ یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری حفاظت کرتا ہے تو کسی بلند قلعہ یا مکان سے اپنے آپ کو گرا کر دیکھو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہاں مجھے یقین ہے کہ وہ میرا محافظ ہے۔ یہودی نے کہا: تم کسی بلند مقام سے گر کر دکھاؤ تاکہ مجھے بھی یقین ہو جائے کہ تمہیں اپنے اعتقاد پر بھروسہ ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کو آزمانا اُس کے حضور میں گستاخی ہے' جو تباہی کا سبب بن جاتی ہے۔ آزمانے کا حق صرف اللہ کو ہے تاکہ بندوں کو یہ دکھا دے کہ تمہارا عقیدہ دراصل کیا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے جب غلطی کی تو یہ نہیں فرمایا کہ میں نے تو اے خدا! تیرے حلم کو آزمانے کے لئے غلطی کی ہے۔ ایک عاجز بندہ اللہ کا کیا امتحان لے سکتا ہے۔ انسان اپنا امتحان لے گا تو اُسے دوسروں کا امتحان لینے کی فرصت نہ ملے گی۔ جب تُو جان لے گا کہ تُو جنت کے قابل ہے تو سمجھ جائے گا کہ تُو جنتی ہے۔ اللہ امتحان کے بعد انعام کا مستحق قرار دیتا ہے اور بغیر امتحان لئے کسی باعزت کو ذلیل نہیں کرتا۔ موتی کوئی بھی عقلمند پاخانہ میں نہیں پھینکتا تو اللہ نیکوں کو کیسے دوزخ میں بھیج دے گا۔ جب بڑوں کا امتحان لینا بُری بات ہے تو مرید کا شیخ کا امتحان کرنا بھی گدھا پن ہے۔ شیخ کا امتحان لے گا تو انسان خود ذلیل ہو جائے گا۔ مرید شیخ کے سامنے ایک ذرہ ہے۔ مرید اپنے انداز سے ترازو بناتا ہے۔ شیخ اس ترازو میں کیسے سما سکتا ہے' لامحالہ وہ ترازو ٹوٹ جائے گا۔ شیخ کا امتحان لینا گویا شیخ پر تصرف کرنا ہے۔ نقش' نقاش کا کیا امتحان لے سکتا ہے۔ اگر کشف کے ذریعے شیخ کو آزماتا ہے تو یہ کشف بھی تو شیخ ہی کا دیا ہوا ہے۔ شیخ کو

چوں بخواہد عین غم شادی شود　　　عین بند پائے آزادی شود

جب وہ چاہتا ہے عین غم، خوشی بن جاتا ہے　　　خود بیڑی ہی آزادی بن جاتی ہے

آزمانے کا وسوسہ بھی دل میں آنا مرید کی تباہی کا سبب ہوتا ہے۔ جب مرید کے دل میں شیخ کے بارے میں ایسے وساوس پیدا ہوں تو مرید کو فوراً توبہ کرنی چاہیے اور اللہ سے اپنی اس گستاخی کی معافی مانگ لینی چاہیے۔ جب مرید پر شیخ کے بارے میں وسوسے آئیں تو وہ سمجھ لے کہ اس کے دین پر تباہی کے آثار نمودار ہوگئے ہیں۔

مسجدِ اقصیٰ اور خرُوب گھاس کا اُگنا اور حضرت داوٗد علیہ السلام کا مسجد کی تعمیر کا ارادہ کرنا اور پھر رُک جانا

حضرت سلیمان علیہ السلام سے پہلے حضرت داوٗد علیہ السلام نے مسجد اقصیٰ کی تعمیر کا ارادہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کو مسجد کی تعمیر سے روک دیا اور فرمایا کہ ہماری تقدیر میں تم اس کو تعمیر نہ کر سکوں گے۔ حضرت داوٗد علیہ السلام نے اللہ سے عرض کی کہ میری کیا خطا ہے کہ مجھے مسجد کی تعمیر سے روکا جا رہا ہے۔ حضرت داوٗد علیہ السلام جب خوش الحانی سے زبور پڑھتے تھے تو بہت سے سننے والے جاں بحق ہو جاتے تھے۔ حضرت داوٗد علیہ السلام نے فرمایا کہ میں زبور پڑھتے وقت جوش اور عشقِ خداوندی میں مغلوب ہوتا ہوں اور دستِ قدرت سے میرے ہاتھ بندھے ہوئے ہوتے ہیں۔

جو شاہ کا مجنون ہوتا ہے وہ قابلِ رحم اور فانی ہوتا ہے۔ اُس پر کوئی مواخذہ نہیں ہوتا ہے۔ اللہ نے فرمایا: اے مغلوب! تُو پوری طرح مَعدُوم نہیں ہے۔ صرف اپنے اوصاف کو اللہ کے اوصاف میں گم کر دینے کے اعتبار سے مَعدُوم ہوا اور جان لو کہ جو اس طرح کا مَعدُوم ہوتا ہے وہ اشرف الموجودات ہے۔ جس نے اپنے آپ کو اللہ کی صفات میں فنا کر دیا ہے تو اُس کی فنا تو دراصل بقا ہے۔ اب اُس فنا فی اللہ اور باقی باللہ کو یہ مقام حاصل ہے کہ تمام رُوحیں اُس کے زیرِ تصرّف ہیں اور تمام اجسام اُس کے زیرِ نگیں ہیں۔ جو ہم میں فنا ہو گیا وہ مُضطر نہیں ہے بلکہ وہ محبوب ہونے کی وجہ سے بااختیار ہے۔ بندہ کا اعلیٰ درجے کا اختیار تو یہی ہے کہ وہ ہماری مرضیات میں گم ہو جائے۔ اُس کو اگر اس اختیار میں لُطف نہ آتا تو اپنے آپ کو کیوں فنا کرتا۔ فانی فی اللہ اگرچہ دنیاوی لذّتوں کو مٹا دیتا ہے لیکن اُس کا یہ ترکِ لذات اُس کے لئے لذّت بن جاتا ہے۔ جو صفاتِ باری میں مغلوب ہو گیا وہ اللہ کی رحمتوں کے سمندر میں غرق ہو کر رحمتوں کا مُستحق ہو گیا لیکن وہ ایسا مَعدُوم نہیں ہے کہ کوئی بھی وجود اُس پر غالب آسکے۔ ایسا فانی فی اللہ موجودات پر حکمران بن جاتا ہے۔ اب نہ اُس کی کوئی مثال ہے نہ اُس کا کوئی مکان ہے اور نہ شان۔ وہ لازمانی ہے اور کم و کیف سے بھی جدا ہے۔ اِس معاملے میں نہ کوئی اَشکال اور نہ سوال و جواب کا موقع ہے، بس خاموشی اختیار کرلے۔

زِامتحاں شرمندہ خلقے بے شمار	زِامتحانہا جُملہ از تو شرمسار
آزمائش بہت سے لوگوں کو شرمندہ کر دیتی ہے	کیونکہ وہ اُس میں پُورے نہیں اُترتے

مومن آپس میں بھائی اور علما ایک جان ہیں انبیا علیہم السلام کا آپس میں اتحاد، اُن پر سلام، اگر تو اُن میں سے ایک کا بھی منکر ہے تو تیرا کسی نبی پر ایمان درست نہیں

اس بات کی شرح کہ مومن آپس میں بھائی ہیں اور علماء ایک جان ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کا آپس میں اتحاد اُن پر سلام ہو کہ اگر تُو اُن میں سے ایک کا بھی منکر ہے تو تیرا کسی نبی پر ایمان دُرست نہیں۔ اُن کا اِتحاد ایسا ہے کہ ہزاروں گھروں میں سے ایک کو برباد کردو گے تو سب برباد ہو جائیں گے کیونکہ اُن سب میں تفریق نہیں ہے

قرآن میں ہے کہ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ یعنی ''مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں''۔ مشہور مقولہ ہے کہ علماء ایک جان ہیں۔ قرآن میں ہے: لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ''ہم اس کے رسولوں میں کسی میں تفریق نہیں کرتے''۔ اسی لئے اُن میں سے ایک کا کفر سب کا کفر ہے۔ وہ گنتی میں متعدد ہیں لیکن اُن میں وحدتِ ایمانی ہے۔ رُوحِ انسانی جو ایک لطیفۂ ربانی ہے وہ رُوحِ حیوانی کے علاوہ ہے۔ حیوانات میں صرف رُوحِ حیوانی ہوتی ہے جو لطیف بخار ہے اور غذاؤں سے پیدا ہوتی ہے۔ چونکہ یہ ایک بخار ہے اس لئے مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ اُسے رُوحِ باد کہتے ہیں۔ اولیاء رحمۃ اللہ علیہم اور انبیاء علیہم السلام کی رُوحِ انسانی ایک قوی تر لطیفۂ ربانی ہے۔ رُوحِ حیوانی ہر حیوان میں جداگانہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک رُوحِ حیوانی اگر غذا حاصل کرتی ہے تو دوسری رُوح کو وہ غذا نہیں پہنچتی۔ اُن میں سے اگر غذا کی وجہ سے ایک گراں بار ہوتی ہے تو وہ گرانی دوسری کو نہیں ہوتی۔ ایک رُوحِ حیوانی کی خوشی دوسری کے رنج کا سبب ہے۔ ہم نے انبیاء علیہم السلام اور اولیاء رحمۃ اللہ علیہم کی رُوح کے لئے جمع کا صیغہ استعمال کیا ہے حالانکہ وہ رُوح ایک ہی ہے۔ اُس کا تعدد محض جسموں کے تعدد کی نسبت سے ہے۔ سورج کی دھوپ جب مختلف صحنوں اور مکانوں پر پڑتی ہے تو اُس میں تعدد ہے ورنہ وہ ایک ہی چیز ہے۔ رُوحِ انسانی کو سورج کے نور سے تشبیہ دینے سے بہت سے اشکالات پیدا ہو جائیں گے۔ مِثل اور مثال میں یہی فرق ہے کہ مِثل شے وہ کہلاتی ہے جو اُس شے سے ہر بارے میں متحد ہو اور مثال کا ہر صفت میں یکساں ہونا ضروری نہیں ہے۔ اگر ایک وصف میں بھی اتحاد ہے تو اُس کو اُس شے کی مثال کہہ سکتے ہیں۔ بہادر شخص کو شیر کہہ سکتے ہیں لیکن صرف مثال کے طور پر، حالانکہ دونوں میں بہت سی باتوں میں فرق ہے، صرف بہادری میں یکسانیت ہے۔ یہ مِثل نہیں ہے، بلکہ مثال ہے۔

اس دُنیا میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو رُوح کی مِثل ہو تاکہ اُس کے ذریعے رُوح کو سمجھایا جاسکے لیکن ایک ناقص

گر سیہ کردی تو نامہ عمرِ خویش
اگر تُو نے اپنا اعمال نامہ کالا کرلیا ہے

توبہ کُن زانہا کہ کردستی تو پیش
تو اپنے کئے ہُوئے پر توبہ کرلے

مثال پیش کی جاتی ہے۔ جسم کو ایک چراغ کی طرح اور رُوح کو اُس کی روشنی جیسا سمجھو۔ روشنی جب ہی ہو سکے گی جب اُس میں تیل اور بتی ہو۔ اِسی طرح جسم غذا کا محتاج ہے۔ انسان کے حواس اُسی وقت کام کرتے ہیں جب تک حوائج ضروری پورے ہوتے رہیں مگر ایک وقت ایسا بھی آتا ہے کہ حوائج بھی پورے ہوتے ہیں تب بھی وہ فنا ہو جاتے ہیں۔ جس طرح چراغ باوجود بتی اور روغن کے سورج نکلنے پر اپنے وجود کو گویا معدُوم کر دیتا ہے اسی طرح جب موت کا وقت آتا ہے تو یہ رُوحِ حیوانی اور حواس معدُوم ہو جاتے ہیں۔ اُن کے لئے موت کا وقت ایسا ہی ہے جیسے چراغ کے لئے دن کا نکلنا۔ جس طرح رُوحِ حیوانی کا بقا نہیں ہے اِسی طرح رُوحِ انسانی کا بھی بقا نہیں ہے۔ حشر میں تجلّیءِ رَبّ کے سامنے اس کا بھی بقا نہ رہے گا۔ اِس رُوحِ انسانی کی فنا گھاس پھوس کی فنا کی طرح نہیں ہے۔ رُوحِ انسانی کی فنا ایسی ہے جیسی کہ چراغ کی روشنی کی فنا سورج کی موجودگی میں ہوتی ہے۔

رُوحِ انسانی کی فنا کی دوسری مثال یہ ہے کہ پسّو کے کاٹے کا درد سانپ کے حملے کے وقت محو ہو جاتا ہے یا جیسے کہ کوئی شہد کی مکھیوں کے ڈر سے پانی میں محو ہو جاتا ہے۔ شہد کی مکھیاں اُس کا تعاقب کرتی رہتی ہیں کہ باہر نکلے تو پھر ڈنک لگائیں۔ رُوحِ انسانی کی محویت اسی طرح کی ہے۔ انسانی وساوس کا حال شہد کی مکھیوں کا سا ہے اور اُن سے بچاؤ ذکر اللہ کے پانی کے ذریعے ہی ہو سکتا ہے۔ جب انسان رُوحانی ترقی کرتا ہے تو خود اُس کی طبیعت ذکر اللہ کی صفائی حاصل کر لیتی ہے اور طبیعت وساوس کو دُور کرنے لگتی ہے اور اُس کو حبسِ دم اور ذکر خفی وغیرہ کی ضرورت نہیں رہتی ہے۔ اب خود سالِک کی طبیعت میں وہ خواص پیدا ہو جاتے ہیں' جو اذکار میں تھے۔ جس طرح رُوحِ انسانی بالکل فانی نہیں ہے' اِسی طرح بہت سے بزرگ وہ ہیں جن کی موت فنا محض نہیں ہے بلکہ اُن کے لئے موت کے معنٰی یہ ہیں کہ وہ صفاتِ باری میں مُستغرق ہیں۔ اللہ کی صفات میں وہ اِسی طرح معدُوم ہیں جس طرح چراغ کی روشنی سورج کی روشنی کے سامنے معدُوم ہوتی ہے اور ستارے سورج کی روشنی میں معدُوم ہو جاتے ہیں۔ قرآن پاک میں ہے کہ "بس ایک زور کی آواز ہوگی تو ایک دم سب لوگ ہمارے حضور لا حاضر کئے جائیں گے"۔ مُحضَرُوْنَ یعنی حاضر کئے جائیں گے کا لفظ ظاہر کرتا ہے کہ رُوحیں موجود تھیں' معدُوم نہ تھیں' تبھی حاضر کی گئیں۔

رُوحِ حیوانی کو بقا باللہ حاصل نہیں ہے اِس لئے وہ عتاب میں ہوگی اور جو رُوحِ انسانی بقا باللہ حاصل کرے گی اُس کو رویتِ باری حاصل ہوگی۔ رُوحِ حیوانی سے اتحاد اور اِتصال عذاب کا سبب ہے۔ اپنی رُوح کو سالکوں کی رُوح سے وابستہ کر لو تو دیدارِ الٰہی حاصل ہوگا۔ اَرواحِ حیوانی سے قطع نظر کرو کیونکہ اُن رُوحوں میں کوئی یگانگت نہیں ہوتی۔ اِسی لئے

عُمر گر بگذشت بیخش این دم است
اگر کافی عُمر گزر چکی ہے تو زندگی کی جڑ تو ابھی ہری ہے

آبِ توبہ اش دِہ اگر اُو بے نم است
اُس جڑ کو توبہ کا پانی دے دے

یہ باہمی اختلاف اور جنگ و جدل میں رہتی ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کی رُوح رُوحِ انسانی ہے جس میں وحدت ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی رُوحیں خورشیدِ وحدت کا نور ہیں جو باہمی مُتحِد ہیں۔ رُوحِ حیوانی وہی چراغ والی روشنی ہے۔ چونکہ اُن میں اِتحاد نہیں ہے اِس لئے کوئی انسان دوسرے انسان سے متاثر نہیں ہوتا ہے۔ رُوحِ حیوانی غذاؤں سے زندہ ہے اور پھر اُس کے لئے فنا ہے۔ اُن کی مثال چراغ کی طرح ہے' ایک گھر کا چراغ بجھ جائے تو دوسرے گھر کا جلتا رہتا ہے۔ رُوحِ انسانی کی مثال چاند کی روشنی کی ہے کہ جب طلوع ہوتا ہے تو سب گھروں میں نور پھیلتا ہے تو اُن تمام گھروں کے نور میں وحدت ہے۔ رُوحِ انسانی میں چونکہ وحدت ہے اِس لئے شیخِ کامل اپنی زندگی میں چاند کی طرح ہر مرید کو روشنی عطا کرتا ہے۔ جب وہ شیخ اپنی توجہ ہٹالیتا ہے تو مریدوں میں اِستفاضہ کی وہ پہلی سی کیفیت نہیں رہتی۔

میں نے ذاتِ مقدس اور اُس کے نور کی مثال سورج اور اُس کی روشنی سے دی ہے یہ صرف مثال ہے جو تمام حیثیتوں میں مثل لہٗ کی طرح نہیں ہوتی ہے۔ تیرے لئے یہ مثال ہدایت کا کام کرے گی اور فلسفی کے لئے جو اپنے دماغ کے ذریعے اَسرارِ معرفت میں قیاس کو دخیل بناتا ہے رہزن بنے گی اور اُس کو مزید گمراہ کردے گی۔ منکر اور مُعترض لوگ اپنے اِعتراضات کے ذریعے اپنے اِدراک کو نور سے محروم کردیتے ہیں اور ہمیشہ شک وشُبہ اور وہم میں مبتلا رہتے ہیں۔ گھوڑے پر قاعدے کے مطابق سوار ہوگا تو ہی فائدہ اُٹھائے گا اور اگر اُس کے پاؤں پکڑنے کی کوشش کرے گا تو لات کھائے گا۔ یہی مثال کلامِ حق اور اَسرارِ معرفت کی ہے کہ اُس پر صحیح طریقہ سے غور کرو گے تو فائدہ اُٹھالو گے اور مُعترضانہ نگاہ ڈالو گے تو تباہی ہوگی۔ راہِ سلوک کو آسان اور حقیر نہ سمجھ۔ اِس راہ میں بہت صبر اور استقلال کی ضرورت ہے جو نفس پر بہت شاق گزرتا ہے۔

حضرت سُلیمان علیہ السلام کے ہاتھ سے مسجدِ اقصیٰ کی تعمیر کا بقیہ قصہ

حضرت سلیمان علیہ السلام نے مسجد اقصیٰ کی تعمیر شروع کردی جو کہ کعبہ کی طرح پاک اور منیٰ کی طرح بابرکت تھی۔ پہاڑوں کے پتھر خود پکار اُٹھتے تھے کہ ہمیں لے جا کر تعمیر میں لگاؤ۔ جس طرح آدم علیہ السلام کی مٹی اور پانی پُرنور تھا جب اُن کا مجسمہ بنایا گیا۔ اِسی طرح اِس مسجدِ اقصیٰ کے پتھر' پانی اور مٹی پُرنور تھے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے مُعجزے سے وہ پتھر خود بخود تعمیر میں لگنے کے لئے آنے لگے اور مسجد کے در و دیوار میں زندگی پیدا ہوگئی۔ بہشتی در و دیوار میں بھی زندگی ہوگی۔

قرآن پاک میں ہے: اِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِیَ الْحَیَوَانُ یعنی ''بے شک آخرت کا گھر زندہ ہے''۔ انسان کا جسم' پانی

سیاٰتت را مُبدّل کرد حق　　تا ہمہ طاعت شوَد آں ماسبق

اللہ تیرے گناہوں کو تبدیل کردیتا ہے　　اور پہلے کا کیا ہوا سب کچھ عبادت بنادیتا ہے

اور مٹی سے بنا ہے اور اس میں زندگی ہے تو جنت کے درو دیوار میں زندگی کیوں نہ ہوگی۔ جنت کی ہر چیز میں حیات اور زندگی ہوگی اور وہ جنتیوں سے گفتگو کرے گی۔ جنت کی تعمیر انسانوں کے نیک اعمال سے ہوگی۔ دنیاوی مکان مردہ مٹی اور پانی سے بنتے ہیں اس لئے وہ مردہ ہوتے ہیں۔ جنت زندہ عبادتوں سے تعمیر ہوگی تو اُس میں زندگی ہوگی۔ جنت کے تخت، قلعے اور لباس سب زندہ ہوں گے۔ وہاں کے فرش بھی زندہ ہوں گے، اس لئے خود بچھیں گے اور لپٹیں گے۔ چونکہ گھر میں بھی زندگی ہوگی اس لئے وہ خود اپنے آپ کو صاف کرلے گا۔ جنت کا تخت خود بخود چلے گا۔ جنتی کی خواہش کے مطابق دروازے اور زنجیریں خود مطرب اور قوال کا کام کرنے لگیں گے۔

جھاڑو دینے والے کے بغیر جنتی گھر کے صاف ہوجانے پر تعجب نہ کرو۔ خود اپنے دل کو دیکھو۔ گناہوں سے آلودہ ہوتا ہے اور توبہ سے خود بخود صاف ہوجاتا ہے۔ دل کی زندگی کی پوری کیفیت سمجھانے سے زبان قاصر ہے۔ مسجد اقصیٰ کے مکمل ہونے پر حضرت سلیمان علیہ السلام روزانہ صبح کو مسجد میں تشریف لے جاتے اور لوگوں کو راہِ حق کی ہدایت کرتے۔ وہ لوگوں کو کبھی زبانی نصیحت فرماتے اور کبھی عملی طور پر عبادت کے ذریعے لوگوں کو ہدایت کرتے۔

امیرالمومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کی ابتدا کا قصّہ
"زبانی عبادت سے عملی عبادت بہتر ہوتی ہے"

عملی نصیحت میں حکم کا لہجہ بھی نہیں ہوتا اس لئے وہ ماتحتوں پر زیادہ اثر کرتی ہے۔ وہ ناصح جس کا عمل دوسروں کی نصیحت کا سبب بنے زیادہ بہتر ہوتا ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر کے تین درجے تھے۔ خطبے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب سے اُوپر کے درجے پر بیٹھتے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے احتراماً دوسرے درجے پر بیٹھنا شروع کیا اور حضرت عُمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانے میں تیسرے درجے پر بیٹھنا شروع کردیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پھر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم والے درجے پر بیٹھنا شروع کردیا۔ لوگوں نے وجہ پوچھی کہ آپ نے ایسا کیوں کیا ہے؟ تو آپ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ اگر تیسرے درجے پر بیٹھوں گا تو لوگ سمجھیں گے کہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسا ہوں۔ دوسرے درجے پر بیٹھوں گا تو لوگ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جیسا سمجھیں گے۔ اب میں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے درجے پر اس لئے بیٹھنا شروع کردیا ہے کہ مجھے اُن جیسا کوئی سمجھ ہی نہیں سکتا۔ وہ بہت دیر تک منبر پر خاموش بیٹھے رہے اور پھر یہ کہہ کر نیچے اُتر آئے کہ تمہارا امیر فعّال ہے اور یہ اس سے بہتر ہے کہ وہ صاحبِ قال ہو۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ منبر پر خاموش بیٹھے تھے اور کسی کی یہ مجال نہ تھی کہ اُن سے خطبہ دینے کو کہے یا اُٹھ کر چلا جائے اور اُس وقت وہ مظہرِ خداوندی بنے ہوئے تھے۔ وہ لوگ بھی اس مُشاہدے کے اثرات محسوس کررہے تھے۔ اندھا سورج

مرکبِ توبہ عجائب مرکبست
توبہ کی سواری عجب سواری ہے

بر فلک تازد بیک لحظہ زپست
ایک لحظہ میں نیچے سے آسمان تک پہنچ جاتی ہے

کی گرمی سے سورج کے طلوع کو سمجھتا ہے لیکن اُس نور کی گرمی انسان کو بینا بنا دیتی ہے۔ اُس نور کی گرمی سے اگرچہ ایک بے چینی محسوس ہوتی ہے لیکن دل میں اُس سے کشادگی اور وُسعت پیدا ہوتی ہے۔ جس میں مُشاہدہ کی صلاحیت نہیں ہوتی وہ بھی جس وقت اُس نور سے متاثر ہوتا ہے تو اپنے آپ کو بینا سمجھنے لگتا ہے۔ جس میں مُشاہدہ کی قوت نہیں ہوتی وہ خوشی میں مَست ہو کر سمجھتا ہے کہ مُشاہدہ ہو گیا۔ اِس کے لئے ضروری ہے کہ تھوڑی سی اور محنت کرے تب وہ بھی اِس مقام پر پہنچ جائے گا۔ یہ تو اُس شخص کی حالت تھی جسے مُشاہدہ حاصل نہیں لیکن جس کو حاصل ہے اُس کی حالت سوگنی ہوگی۔ اِس نور کے مُشاہدے سے جو کیفیت حاصل ہوگی اُس کی تشریح حکیم بوعلی سینا بھی اپنی عقل اور فلسفے کے زور سے نہیں کر سکتا۔

مقامِ مُشاہدۂ مجاہدے سے حاصل ہوتا ہے۔ یہ پردہ دلائل سے نہیں ہٹتا۔ جو شخص نبوت کے واسطے کے بغیر محض عقلی دلائل سے وصول الی اللہ کی کوشش کرے گا اُس کے لئے ہلاکت ہے کیونکہ عقل کا وہ ہاتھ جو اِس پردہ کو ہٹانے کی کوشش کرے گا خدائی تلوار وہ ہاتھ ہی کاٹ دے گی۔ عقل کے ہاتھ سے یہ پردہ ہٹانے کی کوشش دراصل ممکن ہی نہیں ہے۔ یہ اِس طرح کی فرضی بات ہے جیسے کوئی کہے کہ اگر خالہ کے خصیے ہوتے تو وہ خالو بن جاتی۔ زبانی دلائل سے مُشاہدہ تک پہنچنے کے لئے اگر میں بیس سال کا فاصلہ بتاؤں تو وہ بھی کم ہے۔ کہیں مُشاہدے کی دُوری سے گھبرا کر اِس کی کوشش نہ چھوڑ بیٹھنا کیونکہ جب اللہ تعالیٰ اِس فاصلے کو کم کرنا چاہیں گے تو فوراً کم کر دیں گے۔ ستاروں کا فاصلہ زمین سے کروڑوں سالوں کی مسافت کا ہے لیکن قدرت اُن کی روشنی فوراً زمین تک پہنچا دیتی ہے۔ جب چاند اور سورج وغیرہ اپنی روشنی سے زمین کی تاریکیوں کو مٹاتے ہیں تو اللہ تو اپنی صفات میں اُن سے بہت زیادہ مضبوط ہے۔ اللہ کی یہ قدرت ہے کہ مختلف آسمانی اجسام کے اثرات جو کہ مثبت ہوں یا منفی زمین کی مخلوق کے مطابق باوجود اتنے فاصلہ ہونے کے اُن کو زمین تک پہنچاتا ہے یا نقصان وہ اثرات کو درہم برہم کر دیتا ہے۔ آفتابِ حق کے سامنے اِن اثرات کی (جو سایہ کی طرح ہیں) کیا حقیقت ہے۔ جس طرح ستارے زمین پر اثر انداز ہوتے ہیں اسی طرح انبیاء علیہم السلام اور اولیاء رحمہم اللہ کا وجود ستاروں پر اثر انداز ہے۔

اہلِ عقل انسان کو عالمِ صغیر اور جہان کو عالمِ کبیر تصور کرتے ہیں لیکن اہل اللہ قربِ حق کی وجہ سے انسان کو جہانِ کبیر اور دُنیا کو جہانِ صغیر کہتے ہیں۔ ایسا اِس لئے ہے کہ اہلِ فلسفہ کی نگاہ صرف انسانی جسم پر ہے۔ یاد رکھو! اگر انسان کی تخلیق قدرت کا منشا نہ ہوتی تو اِس عالَم کو پیدا نہ کیا جاتا۔ درخت کی ٹہنی پہلے ہے اور پھل بعد میں لیکن پھل کو حاصل نہ کرنا ہوتا تو ٹہنی کے وجود کے کیا معنی۔ پھل مقصود نہ ہوتا تو کوئی درخت نہ بوتا۔ اِس لئے کہ زمانی طور پر پھل بعد میں ہے لیکن

مرکبِ توبہ عجائب مرکبست
توبہ کی سواری عجب سواری ہے

بر فلک تازد بیک لحظہ زپست
ایک لحظے میں نیچے سے آسمان تک پہنچ جاتی ہے

غائیت کے اِعتبار سے پہلے ہے۔

حدیث میں آنحضور ﷺ نے فرمایا: ''میں قیامت کے روز لوائے حمد اُٹھانے والا ہوں، جس کے نیچے حضرت آدم علیہ السلام اور تمام انبیاء علیہم السلام ہوں گے اور مجھے اِس پر کوئی فخر نہیں ہے''۔ یہ اِس لئے فرمایا کہ آدم علیہ السلام اور اُن کی اولاد کی تخلیق سے مقصود آنحضور ﷺ کی ذاتِ گرامی تھی۔ چونکہ مقصود حضور ﷺ کی تخلیق تھی اِس لئے حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں اگرچہ آخر میں بھیجا گیا ہوں لیکن چونکہ مقصود میں ہوں اِس لئے میں پہلے ہوں۔ چونکہ حقیقتِ آدم علیہ السلام کا ظہور حقیقتِ محمدیہ ﷺ سے ہوا اور آدم علیہ السلام مسجودِ ملائکہ اس لئے بنے کہ اُن کی پُشت میں نورِ محمدی ﷺ تھا۔ ہونے والی ہر چیز کا فکر اور تصور اُس کے وجودِ خارجی سے پہلے ہوتا ہے۔ یاد رکھو! ذکر اور مُشاہدہ کے درمیان فاصلے سے سالِک کو گھبرانا نہیں چاہیے۔ قدرت جب چاہے فاصلوں کو کم کر دیتی ہے۔ اگر سفر میں کامیابی ہو جاتی ہے تو راہ کا فاصلہ اور دشواری بالکل محسوس نہیں ہوتی۔ انسان کا دل ہزاروں میل کا فاصلہ طے کر کے کعبہ میں پہنچ جاتا ہے۔ اللہ کا کرم ہو تو جسم بھی دل کی رفتار اِختیار کر لیتا ہے۔ بہت سے بزرگوں سے ایسی کرامات ظاہر ہوئی ہیں۔ راستہ کی درازی اور کوتاہی جسم کے لئے ہے رُوح کے لئے نہیں ہے۔ معراج میں انبیاء علیہم السلام کے لئے یہی صورت پیش آتی ہے۔ مجاہدہ کرنے والے کو بس قیل وقال ختم کر کے عمل میں لگ جانا چاہیے۔ خدا سے اُمید ہے کہ وہ مُشاہدہ کی منزل تک پہنچا دے گا۔ دُنیا سے آنکھیں بند کر کے عمل کیا جائے تو منزل ضرور مل جاتی ہے۔ آنحضور ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سیرت پر عمل کر کے ایک انسان نجات حاصل کر سکتا ہے۔

سالِک کے لئے شیخ کی صحبت، کشتی نوح علیہ السلام کا کام کرتی ہے۔ سالِک خواہ کیسا ہی ہو راہِ سلوک بغیر شیخ کے مشکل ہے۔ شیخ، سالِک کی کبھی صفتِ جمال سے تربیت کرتا ہے اور کبھی صفتِ جلال سے۔ لیکن شیخ کی نرمی اور سختی دونوں رُوحانی مَدارج کی ترقی کا سبب بنتی ہیں۔ شیخ کی محبت اور غصہ دونوں کے اثراتِ مرید کے لئے مُفید ہیں لہٰذا اثر کے لحاظ سے ایک دوسرے کی ضد نہیں ہیں۔ شیخ اپنے قہر سے مرید کو متواضع بناتا ہے اور اُس میں اخلاقِ حسنہ کا سبزہ اُگاتا ہے۔ مرید کی اُس رُوحانی شادابی کو شیخ دیکھتا ہے۔ یاد رکھو! شیخ کے ساتھ بے اعتقادی فیض کے راستے کی سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ یمن میں رہتے تھے۔ وہ بہت بڑے عاشق رسول ﷺ تھے لیکن بعض مجبوریوں کی وجہ سے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر نہ ہو سکے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ''میں یمن کی جانب سے رحمٰن کی خوشبو سونگھتا ہوں''۔ حضور ﷺ کا یہ فرمان حضرت اویس رضی اللہ عنہ کی خوشبو کے بارے میں تھا۔

جود محتاج ست و خواہد طالبے
سخاوت کوئی طلب گار چاہتی ہے

ہم چنانکہ توبہ خواہد تائبے
جس طرح توبہ، توبہ کرنے والے کو چاہتی ہے

بزرگوں کی صحبت میں جو معراج ہوگی وہ ایسی معراج نہ ہوگی جیسے کہ دھوئیں یا غبار کا اُوپر کی طرف اُٹھنا بلکہ ایسی بامعنی معراج ہوگی جیسی کہ بانس کو معراج حاصل ہوئی کہ اُس میں شکر پیدا ہو جاتی ہے۔ فنا کا بُراق ایسا ہے کہ اگر تم فنا کا مقام حاصل کر چکو گے تو خود بخود تمہیں بقا کی طرف لے آئے گا۔ اس طرح فنا کے عروج کے بعد تم سیرِ نزولی کر کے پھر اپنی ہستی میں آ جاؤ گے۔ فنا کا مقام حاصل ہو جانے پر سالک دُنیا سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ شیخ کی صحبت میں جو سیر ہوتی ہے وہ ایسی ہی ہوتی ہے جس طرح جان معشوق کی طرف کھینچتی ہے۔ اس سیر میں ہاتھ پاؤں کام میں نہیں آتے اور یہ سیر ایسی ہی ہے جیسی رُوح کی سیر عدم سے وجود کی طرف ہوتی ہے۔ یہ عروج و نزول اور فنا اور بقا کا بیان اس درجہ کا ہے کہ اس کے بعد کسی عقلی دلیل کی ضرورت نہیں اگر سننے والا اپنے ہوش و حواس سے اسے سُن لے۔ پس مرید جس قدر بھی اعتقاد کے موتی برسائے گا اس میں خود اسی کا فائدہ ہے۔ اسی مناسبت سے بلقیس کا قصہ سنو۔

بلقیس کا شہر سبا سے حضرت سُلیمان علیہ السلام کو ہدیہ بھیجنا، حضرت سُلیمان علیہ السلام اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام

بلقیس یمن میں شہر سبا کی ملکہ تھی اس نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں ہدیہ بھیجا۔ جس میں چالیس اونٹ سونے کی اینٹوں سے لدے تھے۔ جب وہ قافلہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے علاقے میں پہنچا تو وہاں کا سارا فرش سونے کا بنا ہوا تھا۔ اُن لوگوں نے اتنا سونا دیکھا تو اپنے تحفے کی کوئی قدر نظر نہ آئی۔ اُنہوں نے سوچا کہ بہتر یہ ہے کہ یہ تحفہ پیش کرنے کی بجائے واپس لے جائیں کیونکہ یہاں سونا پیش کرنا نادانی کی بات ہے۔ اللہ کے معاملے میں عقلی باتیں بھی ایسی ہی بے کار ہوتی ہیں۔ پھر اُن لوگوں نے مشورہ کیا کہ ہمیں ہدیے کے اچھے یا بُرے ہونے سے مطلب نہیں ہونا چاہیے ہم تو حکم کے بندے ہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام اس مال کو دیکھ کر ہنسے اور فرمایا: میں نے صرف ایمان طلب کیا ہے مال نہیں مانگا۔ میرے پاس تو مسلمان ہو کر آ جاؤ۔ میں دُنیا کے ہدیوں سے بے نیاز ہوں۔ اللہ نے مجھے ایسی دولتیں دی ہیں کہ کوئی انسان حاصل کرنا تو درکنار اُن کی آرزو بھی نہیں کر سکتا۔ سورج کی شعاعوں سے زمین میں سونا بنتا ہے اس لئے تم سورج کی پوجا کرتے ہو۔ تمہیں تو اُس خدا کو پوجنا چاہیے جس نے سورج بنایا۔

کائنات کو اللہ نے انسان کے لئے بنایا ہے اس طرح تو سب کچھ انسان کا خادم ہے نہ کہ معبود۔ جب سورج کو گرہن لگتا ہے تو ایسی چیز کو پوجنا جو کہ خود مجبور ہو حماقت ہے۔ گرہن کو دُور کرنے کے لئے اللہ سے دُعائیں کی جاتی ہیں۔ رات کو سورج غائب ہو جاتا ہے اور رات کو اگر مصیبت آئے تو اُسے کیسے پکارو گے۔ یہ تو خود مخلوق ہے اس لئے خالق کی

جُود محتاج ست و خواهد طالبے	هم چنانکه توبه خواهد تائبے
سخاوت کوئی طلب گار چاہتی ہے	جس طرح توبہ، توبہ کرنے والے کو چاہتی ہے۔

عبادت کرنی چاہیے۔ اُس کے سامنے سجدہ ریز ہو گے تو مصائب سے نجات پا لو گے اور کائنات کے ہم راز بن جاؤ گے۔ پھر میں تمہیں اسرارِ الٰہی بتاؤں گا تو پھر تمہیں اُس سورج کا مُشاہدہ ہوگا جو آدھی رات میں بھی موجود ہے۔ ذات کا مظہر صرف پاک رُوح ہے اور وہ ہر وقت موجود ہے۔ دنیاوی دن کوئی چیز نہیں ہے۔ دن تو وہ ہے جب وہ آفتابِ حقیقت طلوع کرے۔ اگر وہ رات میں بھی تجلّی ڈال دے تو رات' رات نہیں رہتی۔ جس طرح دنیاوی سورج کے مقابلے میں ذرّہ بے حقیقت ہے' اسی طرح آفتابِ حقیقت کے مقابلے میں یہ سورج بے حقیقت ہے۔ یہ نورِ عرش کے مقابلے میں مسکین اور ناپائیدار ہے۔ اللہ تعالیٰ خود اس قدر شدید نور کو دیکھنے کی طاقت عطا فرما دیتا ہے اور انسان اُس کا مشاہدہ کر لیتا ہے۔ وہ آفتابِ حقیقت میں ایسی کیمیا ہے کہ اُس کے اثر سے دُھواں سورج بن گیا۔

قرآن میں مذکور ہے کہ ابتدا ایک مادہ دھوئیں کی شکل میں تھا جس سے آسمان بنایا گیا تو ظاہر ہے اُسی سے آسمانی کائنات بھی بنی ہوگی۔ یہ خدا کی کیمیا گری ہے کہ اُس نے دھوئیں سے سورج بنا دیا۔ جس طرح آسمان اور سورج اللہ تعالیٰ کی کاری گری سے بنے ہیں اسی طرح رُوح کے موتیوں کو بھی سمجھ لو۔ جسمانی آنکھ تو اُس سورج کو بھی نہیں دیکھ سکتی' مُشاہدۂ حق کیسے کرے گی؟ اِس کے لئے ربانی آنکھ کی ضرورت ہے۔ ربانی آنکھ نورانی ہے اور جسمانی آنکھ اُس کے مقابلے میں تاریک ہے۔

شیخ عبداللہ مغربی رحمۃ اللہ علیہ کا نُور اور اُن کی کرامات

شیخ عبداللہ مغربی رحمۃ اللہ علیہ کی اِس کرامت سے ربانی آنکھ کے حالات کا پتہ چلتا ہے۔ صوفیوں نے بیان کیا ہے کہ اُن کو آزمانے کے لئے ہم آدھی رات میں اُن کے پیچھے چل پڑے۔ وہ تاریک رات میں آگے آگے چل رہے تھے اور بغیر منہ موڑے پیچھے چلنے والوں کو ہدایات دے رہے تھے یعنی اُن کو اندھیرے میں نیچے کی سب چیزیں نظر آ رہی تھیں۔ دن نکلنے پر ہم نے اُن کی مزید کرامت یہ دیکھی کہ اُن کے پاؤں پر مٹی بھی نہ لگی ہوئی تھی تو ہم نے ازراہِ عقیدت اُن کے پاؤں چومے۔ اُن کے پاؤں پر کانٹے یا پتھر لگنے کا کوئی نشان نہ تھا حالانکہ وہ کانٹوں اور پتھروں پر چلے تھے۔

خدائی نور سالک کے آگے آگے چلتا ہے اور اُس کو مہلکات سے بچاتا ہے۔ قرآن پاک میں ہے کہ "یہ وہ دن ہوگا جبکہ اللہ اپنے پیغمبر ﷺ کو اور اُن لوگوں کو جو اُس کے ساتھ ایمان لائے ہیں رُسوا نہ کرے گا۔ اُن کے ایمان کی روشنی اُن کے آگے آگے اور اُن کے دائیں جانب چل رہی ہوگی۔ دُعائیں کرتے جاتے ہوں گے کہ اے ہمارے

من ز مکرِ نفس دیدم چیزہا — کو بَرَد از مکرِ خود تمییزہا
مَیں نے نفس کے مکر سے بہت چیزیں دیکھی ہیں — وہ اپنے مکر سے اچھا اور بُرا سمجھنے کی تمیز مٹا دیتا ہے

پروردگار! ہماری اِس روشنی کو ہمارے لئے آخر دم تک قائم رکھ'' اگرچہ اِس نور میں قیامت میں اِضافہ ہوگا لیکن یہاں بھی اُس کے اِضافے کی دُعا کرکے دیکھو۔ کیونکہ جب وہ غیر جاندار چیزوں کو نور عنایت کرسکتا ہے تو اشرفُ المخلوقات کو کیوں عطا نہ کرے گا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے یہاں سونے کی ارزانی دیکھ کر وہ سونے کا ہدیہ دینے پر شرمندہ ہو رہے تھے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کا بلقیس کے قاصدوں کو مع ہدیوں کے واپس کردینا اور بلقیس کو سُورج پرستی چھوڑ کر ایمان کی دعوت دینا

حضرت سلیمان علیہ السلام نے قاصِدوں سے کہا کہ واپس جاؤ۔ یہاں سے اور سونا بھی لے جاؤ تاکہ تمہاری حرص کی تسکین ہو۔ اللہ کے دربار میں سونے اور چاندی پیش کرنے کی بجائے اپنے دل پیش کرو۔ اپنے جسم کی بے بصیرتی کو اپنے آپ سے دُور کرکے کسی گندی جگہ پر پھینک دو۔ عاشق کی زینت اُس کی جسمانی کمزوری اور چہرے کی زردی ہے۔ ''رنگ زرد و آہ سرد و چشم تر'' (چہرے کا رنگ زرد ٹھنڈی آہیں اور آنکھیں پُرنم) وہاں ان تحفوں کی اہمیت ہے۔

وہ پرندہ جو دانے کے لالچ میں ہے اگرچہ بالاخانے پر پَر کھلا بیٹھا ہے لیکن انجام کے اعتبار سے وہ جال میں پھنسے ہی پھنسے۔ اُن کی للچائی ہوئی نظر دراصل اُس کے پاؤں میں پڑنے والی گرہ ہے۔ جب لالچی نظر پرندہ کو دانہ کی طرف کھینچ لائی ہے تو پرندہ کو سمجھ لینا چاہیے کہ شکاری اُس سے غافل نہیں ہے۔ پرند جس طرح یہ سمجھتا ہے کہ وہ شکاری کی غفلت سے فائدہ اُٹھا کر دانہ کھا جائے گا وہ خود جال میں پھنس جاتا ہے۔

عطّار جس کا باٹ مُلتانی مٹی کا تھا مٹی کھانے والا خریدار باٹ کی مٹی چوری کھاتے ہوئے اپنی شکّر کا نقصان کررہا تھا اور عطّار کا اُس کو اَن دیکھا کردینا

ایک عطار کے پاس ایک مٹی خور گیا تاکہ عُمدہ شکر خریدے۔ عطار کے ترازو میں مٹی سے بنا ہوا باٹ تھا۔ عطار بولا: میرا باٹ مٹی کا ہے اگر تو چاہے تو تول دوں۔ عطار مٹی کے باٹ سے کم چیزیں تولتا تھا۔ خریدار نے کہا کہ مجھے قند کی ضرورت ہے باٹ چاہے کوئی بھی ہوں۔ دکاندار دکان میں گیا تو مٹی کھانے والے لالچی نے باٹ میں سے مٹی کھالی اور سوچا کہ میں دکاندار کی غفلت سے فائدہ اُٹھا رہا ہوں حالانکہ وہ خود اپنا نقصان کررہا تھا یعنی باٹ کو چھوٹا کررہا تھا۔ لیکن مٹی کھانے والے کے لئے مٹی شکر

وعدہا بدہد تُرا تازہ بدست | کو ہزاراں بار آنہا را شکست
تیرے ہاتھ میں تازہ وعدہ دیتا ہے | لیکن اُن وعدوں کو ہزار بار توڑتا ہے

سے زیادہ مزیدار ہوتی ہے۔ مٹی چور دکاندار سے ڈرتا ہوا مٹی چُرا رہا تھا اور دکاندار نے اُس کو دیکھ لیا اور خود کو زیادہ مشغول کر دیا تا کہ وہ زیادہ مٹی چُرا سکے کیونکہ جس قدر وہ مٹی زیادہ چُرائے گا اسی قدر شکر کم چڑھے گی۔ اس طرح مٹی خور خود اپنا ہی نقصان کر رہا تھا۔ دکاندار دل میں کہنے لگا کہ میرا دیر کرنا میری بیوقوفی نہیں ہے بلکہ فائدہ مند ہے۔ جب گھر جا کر شکر تولے گا تو تجھے پتہ چلے گا کہ تُو خود بے وقوف ہے۔

ایک شخص کسی حسین کے ساتھ نظربازی کرتا ہے تو بظاہر تو وہ لُطف اندوز ہوتا ہے لیکن ہمیشہ کے لئے اپنے آپ کو پریشانی میں مبتلا کر لیتا ہے۔ حضور ﷺ کی حدیث ہے کہ "نظربازی شیطان کے تیروں میں سے زہریلا تیر ہے" دُنیا کی زیب و زینت ضعیف الایمان لوگوں کا جال ہے۔ مومنِ کامل تو آخرت کے دِلدادہ ہوتے ہیں۔

حضرت سُلیمان علیہ السلام کا قاصدوں کی دِلداری کرنا، نوازنا، ہدیہ قبول نہ کرنے کے عُذر کی تشریح

حضرت سلیمان علیہ السلام نے قاصدوں سے فرمایا کہ میں تمہیں ہلاکت سے بچانا چاہتا ہوں۔ زیادہ سونے کا مالک شاہ نہیں ہوتا۔ شاہ تو وہ ہے جو سونے کی ہلاکت سے بچ جائے۔ دنیادار اپنے آپ کو حاکم اور شاہ کہتا ہے جو کہ حقیقت کے بالکل اُلٹ ہے۔ اب تم میری طرف سے قاصد بن کر جاؤ۔ ہدیہ کو واپس کرنا تمہارے لئے مُفید ہے کیونکہ تم ایمان لے آؤ گے۔ تم اپنے واقعات جا کر بلقیس کو سناؤ اور بتاؤ کہ ہم چالیس منزل سونے پر چلتے رہے اور ہمیں سونے کا ہدیہ پیش کرتے ہوئے شرمندگی ہوئی تا کہ بلقیس یہ سمجھ جائے کہ ہم اُس کی دولت کے طالب نہیں ہیں۔

محشر کے دن زمین کو چاندی جیسا کر دیا جائے گا جس کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرما دے گا کہ اُس کے یہاں سونے چاندی کی کوئی قدر و منزلت نہیں ہے۔ ہم تو انسانوں کو ایمان عطا کر کے اُن کو زریں بنا دیتے ہیں"۔ مومنِ مخلص بن جاؤ گے تو کیمیا گر بن جاؤ گے۔ آخرت کے ملکوں کی خاطر دُنیا کی سلطنت کو خیرباد کہہ دو۔ یاد رکھو! تمہارا حکم تو تمہاری داڑھی پر بھی نہیں چلتا ہے ورنہ یہ تمہاری منشا کے خلاف سفید نہ ہوتی۔ اصل بادشاہت تو اُس کی ہے جو اللہ کے دربار میں سرِ نیاز جھکا دے۔ اللہ اُسے اس دُنیا کی حکومت کے علاوہ اور حکومتیں عطا فرما دیتا ہے۔ جب تم میں سجدہ کرنے کا ذوق پیدا ہو جائے گا تو تم سلطنتوں سے بیزار ہو جاؤ گے اور خدا سے دُعا کرو گے کہ بس یہی دولت کافی ہے۔

دنیاوی بادشاہ چونکہ بندگی کی مستی سے ناواقف ہیں اس لئے وہ سلطنت کے شوق میں مبتلا ہیں۔ اگر وہ واقف ہو جائیں تو حضرت ابراہیم ادھم رحمۃ اللہ علیہ کی طرح سلطنت پر لات مار دیں۔ لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ کو دُنیا کا نظام چلانا ہے اس

در وجودِ ما ہزاران گرگ و خُوک ہمارے وجود کے اندر ہزاروں بھیڑیے اور سُور ہیں	صالح و ناصالح و خُوب و خشُوک اچھے اور بُرے، نیک اور بد موجود ہیں

لئے لوگوں کو اُس لذت سے محروم کر دیا ہے اور وہ مگن ہیں کہ ہم دُنیا کے حاکم ہیں۔ دُنیا کی دولت دُنیا میں ہی رہ جاتی ہے اور رُوح پرواز کر جاتی ہے۔ وہ سُرمہ کہیں سے حاصل کرلے جس سے یہ چیزیں بے حقیقت نظر آئیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام رسی کے ذریعہ کنویں سے باہر آئے۔ تُو بھی عبادات کی رسی کے ذریعے دُنیا کے اس کنویں سے باہر نکل آ۔ جس وقت حضرت یوسف علیہ السلام کنویں سے برآمد ہوئے تھے تو ڈول نکالنے والا چیخ اُٹھا تھا کہ خوشخبری ہے یہ تو لڑکا ہے۔ اسی طرح تیری رُوح تیرے جسم کے کنویں میں سے نکل آنے پر خوشخبری دے گی۔ دُنیا میں نظر کا فریب ہے کہ دُنیا کی بے حقیقت دولت کو قیمتی دکھا دیتی ہے، جس طرح بچے کھیل کود میں ٹھیکریوں کو روپیہ پیسہ تصور کرتے ہیں۔ جو عارف باللہ ہو جاتے ہیں وہ تو خود کیمیا گر ہیں اُن کی نگاہ میں سونے کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی۔

ایک درویش کی بزرگوں سے بلا مشقت حلال روزی کی درخواست، اُن کی کڑوے پھلوں کی طرف رہنمائی اور اُن جنگلی کڑوے پھلوں کا شیریں بن جانا

اہل اللہ کی نظر میں دُنیا کا مال ہیچ ہوتا ہے اور اُن کی ہمت کیمیا کا کام کرتی ہے۔ ایک درویش نے ابدالوں کے گروہ سے کہا کہ مجھے ایسی تدبیر بتا دیجئے کہ مجھے بلا کمائے حلال روزی حاصل ہو جائے۔ درویش نے بتایا کہ وہ لوگ مجھے جنگل میں لے گئے۔ اُنہوں نے جنگلی پھل جھاڑے اور دُعا کی کہ میرے لئے یہ کسیلے پھل میٹھے ہو جائیں۔ اُن پھلوں کے کھانے سے میرے کلام میں وہ شیرینی پیدا ہوئی کہ لوگ اُس پر فریفتہ ہونے لگے۔ اولیاء اللہ رحمہم اللہ کو اپنی شُہرت اور عوام میں مقبولیت ناگوار ہوتی ہے۔ اُس درویش نے دُعا کی کہ اے دُنیا کے پالن ہار! یہ شُہرت تو فتنہ ہے۔ مجھے وہ انعام عطا فرما جو لوگوں سے پوشیدہ ہو۔ اللہ نے کرم کیا اور اُس کے لُطفِ کلام کی کیفیت زائل ہوگئی جو کہ عوام میں شُہرت کا سبب تھی اور دل میں ایک جذبہ و مسرّت پیدا ہو گیا۔ وہ قلبی کیفیت اِس قدر پُر مسرّت تھی کہ اگر جنت میں صرف وہی حاصل ہو تو اور کسی چیز کی تمنّا کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ اُس درویش کے ساتھ واقعہ سنو۔

اُس کا سوچنا کہ یہ سونا لکڑہارے کو دے دُوں جب کہ مَیں نے اللہ کے کرم سے حلال روزی پالی، لکڑہارے کا دِل میں اُس کی بات اور نیت سے رنجیدہ ہونا

ایک درویش جنگل سے تھکا ہارا لکڑیاں لا رہا تھا۔ میں نے سوچا کہ اللہ نے مجھے روزی کی فکر سے آزاد کر دیا ہے، جنگلی ناگوار پھل میرے لئے عمدہ بن گئے ہیں۔ میں اس غریب

حکم آں خواست کو غالب تر ست
حکم اُس خصلت کے مطابق ہوگا جو غالب ہوگی

چونکہ زر بیش از مس آمد آں زر ست
زیادہ سونے میں تھوڑا تانبا بھی ہو تو وہ سونا ہی تصور ہوگا

لکڑہارے کی مدد کر دوں۔ یہ دو تین دن میرے عطیہ سے اپنا کام چلا لے گا۔ لکڑہارے درویش کو اللہ تعالیٰ کے نور کی روشنی حاصل تھی اور دوسروں کے دل کی بات اُس پر ظاہر ہو جاتی تھی۔ وہ مجھے دیکھ کر بڑبڑایا۔ میں اُس کی بات اچھی طرح نہ سمجھا لیکن اُس کے غصّے کا اثر میں نے اپنے قلب پر محسوس کیا۔ وہ لکڑہارا بزرگ لکڑیوں کا گٹھڑ ازمین پر ڈال کر شیر کی طرح میری طرف آیا تو میں ڈر سے کانپنے لگا۔ میرے پاس آ کر اُس نے دُعا کی کہ اے خدا! اگر تیرے مقربانِ بارگاہ زندہ ہیں جن کی دُعا مقبول ہو جاتی ہے تو میں تیری وہ مہربانی چاہتا ہوں جس سے یہ سب لکڑیاں سونے کی ہو جائیں۔ اُس کی دُعا سے وہ لکڑیاں سونے کی ہو گئیں۔ اِس کے بعد اُس نے پھر دُعا شروع کی کہ تیرے مقبول بندے چونکہ شُہرت سے بھاگتے ہیں اور میری یہ کرامت میری شُہرت کا باعث بن جائے گی اِس لئے تُو اِن لکڑیوں کو اصل حالت میں کر دے تا کہ میری شُہرت نہ ہو چنانچہ وہ لکڑیاں پھر اصل حالت میں آ گئیں۔ اُس کے بعد وہ اپنی لکڑیاں اُٹھا کر چل دیا۔ میں اِس قدر مرعوب ہوا کہ میرے پاؤں نہ اُٹھے۔

یاد رکھو! جو اللہ تعالیٰ کے مخصوص بندے ہوتے ہیں عوام کی وہاں تک رسائی نہیں ہوتی اور اگر ہو جائے تو یہ اُن بزرگوں کی کشش کی وجہ سے ہوتی ہے۔ بزرگوں پر قربان ہو جانا چاہیے اور یہ نہ ہونا چاہیے کہ قرب حاصل ہوتے ہوئے گمراہی اِختیار کر لی جائے۔ اُن کی صحبت اور قرب کو اپنے لیے غنیمت سمجھو۔ اُس فقیر کی طرح نہ ہو جاؤ کہ مشہور ہے کسی بادشاہ نے اعلیٰ درجے کے دنبوں کی قربانی کی اور فُقرا میں تقسیم کرائی۔ ایک فقیر کو ایک ران ملی۔ اُس نے ایسے فربہ دُنبے کی ران پہلے نہیں دیکھی تھی، وہ بولا: یہ گائے کی ران ہے۔ یعنی اُس نے انعام کو نہ پہچانا اور اُس کی قدر نہ کی۔ صحبت کی قدر و قیمت کو پہچاننا چاہیے۔ اُس کی ناقدری نہیں کرنی چاہیے۔ بزرگوں کی صحبت اُن کی کشش سے حاصل ہوتی ہے۔

حضرت سُلیمان علیہ السلام کا قاصدوں کو ایمان لانے کے لیے بلقیس کی ہجرت میں جلدی کرنے کی ترغیب دینا

کشش بڑی عُمدہ چیز ہے۔ بلقیس اور اُس کی قوم کا حضرت سلیمان علیہ السلام تک پہنچنا بھی اُن کی کشش کی وجہ سے تھا۔ اُنہوں نے فرمایا: اِس وقت رحمتِ خداوندی کا سمندر جوش میں ہے، جلدی یہاں آ کر فیض یاب ہو جاؤ۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: اِس وقت جنت کے دروازے کھلے ہیں اور دعوتِ عام ہے۔ میرا ایلچی کیا ہوا دین اِختیار کر لو اور سورج پرستی چھوڑ دو۔ قاصدوں سے اُنہوں نے کہا کہ تم بلقیس سے جا کر کہو کہ سب یہاں آ جائیں اور سلامتی اِختیار کر لیں۔ جو طالب بھی نہیں ہے وہ بھی آ جائے۔ یہاں آ کر طلبِ صادق پیدا ہو جائے گی۔ ابراہیم ادھم رحمۃ اللہ علیہ کی طرح اپنے ملک کو خیرباد کہہ دو

اور ہمیشگی کی سلطنت حاصل کرلو۔

حضرت ابراھیم ادھم رحمۃ اللہ علیہ کی ہجرت کا سبب اور خراسان کی سلطنت کو چھوڑنا

شاہ ایک رات تخت پر سوئے ہوئے تھے۔ وہ عادل اور مُنصف تھے اِس لئے مطمئن دل سے سوئے ہوئے تھے۔ اُنہوں نے کوئی ڈنکا پیٹنے والے بھی نہیں رکھے ہوئے تھے۔ رباب کی آواز سے اُن کا مقصد وہی تھا جو عُشاق کا ہوتا ہے۔ وہ لوگ اُس آواز کو اُس وعدے کی یاد دلانے والی سمجھتے ہیں، جو عہدِ اَلَست کہلاتا ہے۔ نفیری اور ڈھول کی آواز اُن کے لئے نفخِ صورِ اسرافیل سے مُشابہ تھی۔ حکماء نے کہا ہے کہ یہ راگ آسمان کی گردش سے لئے گئے ہیں۔ موسیقی کے بارہ مقام آسمان کے بارہ برجوں سے، سات آوازیں سات سیاروں سے لی گئی ہیں۔ زمین اور آسمانوں کے درمیان ہوا ہے اور سب آوازیں ہوا ہی سے پیدا ہوتی ہیں۔ اُن ہی کی نقل، طنبورے اور گلے (حلق) کے ذریعے کی گئی ہے۔ مومن جانتے ہیں کہ یہ سارے الاپ اور نغمے حورانِ بہشتی کے گانے اور جنت کی نہروں کے چلنے کی آوازیں اور جنت کے درختوں کے ہلنے کی آوازوں سے بنے ہیں۔

ہم اگرچہ جنت میں نہیں تھے کہ وہاں اُن کو سُنتے لیکن چونکہ ہمارے بادا آدم علیہ السلام وہاں تھے اور ہم اُن کے اجزاء ہیں اِس لئے ہم نے بھی وہاں سُنے تھے۔ اِس آب و گِل کی دُنیا میں رہنے سے ہم جنت کی پوری باتیں بھول چکے ہیں۔ پھر بھی کچھ کچھ یاد کبھی کبھار آجاتی ہے۔ چونکہ وہ نغمے اب ہمارے جسم سے پیدا ہو رہے ہیں، جو آب و گِل سے بنا ہے اِس لئے اب اُس زیر و بم سے وہ مستی پیدا نہیں ہوتی جو جنت میں طاری ہوتی تھی۔ جنت کے لحن جب انسان ادا کرتا ہے تو اُس کی مثال یہ ہے کہ پانی اگر پیشاب میں مل جائے تو ظاہر ہے کہ اُس کی پاکیزگی اور لطافت ختم ہو جائے گی۔ پیشاب میں ملے ہوئے پانی میں پانی کے خواص کچھ نہ کچھ باقی رہ جاتے ہیں۔ اُس کو آگ پر ڈالا جائے تو آگ کو بجھا دے گا۔ اِسی طرح اُن لحنوں میں کچھ نہ کچھ اثرات باقی ہیں اور یہ لحن آتشِ غم کو بجھا دیتے ہیں۔ اِن نغموں کا سماع چونکہ وصلِ محبوب کا تصور پیدا کرتا ہے اِس لئے یہ عاشقوں کی غذا ہے۔ اگر سامع میں عالی جذبات ہوتے ہیں تو اُن میں اُبھار پیدا ہوتا ہے اور خیال تجسّم اِختیار کرلیتا ہے۔ عشق کی آگ اُن نغموں سے تیزی پکڑ لیتی ہے۔ جس طرح اُس پیاسے شخص کی پیاس اُن اخروٹوں کے پانی میں گرنے سے تیز ہو رہی تھی جو پانی میں گر کر آواز پیدا کر رہے تھے۔

ہر کہ در وے رفت اُو آں می شود	یک سنگ ست و در ہزاراں می رود
جس میں وہ گُھستا ہے وہ وہی بن جاتا ہے	ایک گُت ہے اور ہزاروں میں گُھس جاتا ہے

اُس پیاسے کی حکایت جو اخروٹ گہرے پانی میں پھینک کر پانی کی آواز سے مستی حاصل کر رہا تھا

ایک شخص پیاسا تھا۔ پانی گہرے گڑھے میں تھا۔ یہ پانی تک پہنچ نہیں سکتا تھا تو اُس نے اخروٹ کے درخت پر چڑھ کر اخروٹ توڑ کر پانی میں پھینکنے شروع کر دیئے۔ اخروٹ کے پانی میں گرنے سے جو آواز پیدا ہوتی تھی وہ اُس سے لُطف اندوز ہو رہا تھا۔ ایک عقل مند پاس سے گزرا۔ وہ پیاسے کا منشا نہیں سمجھتا تھا۔ اُس نے دیکھا کہ اخروٹ پانی میں ضائع ہو رہے ہیں تو کہنے لگا کہ اخروٹوں کا ضائع ہونا تیری خواہش کو بڑھا دے گا کیونکہ اخروٹ گہرے پانی میں غائب ہو جائیں گے۔ اخروٹ پھینکنے والے پیاسے نے عقل مند سے کہا کہ میرا مقصد اخروٹ توڑنا نہیں ہے۔ غور کر میرا مقصد کوئی اور ہے۔ میں اخروٹ اِس لئے پھینک رہا ہوں تا کہ گرنے سے پانی کی آواز سُن سکوں اور اس کے بُلبلوں کو دیکھ سکوں۔ پیاسے کا یہی شُغل ہوتا ہے کہ وہ حوض کے چکر کاٹے' پانی اور نہر کے چکر لگائے اور پانی کی آواز سُنے اور اُس کا یہ گھومنا ایسا ہی ہے جیسا کہ حاجی' کعبہ کا یا مرید شیخ کا طواف کرتا ہے۔

جس طرح پیاسے کا مقصود پانی کا طواف اور حاجی کا مقصود کعبہ کا طواف ہے' اِسی طرح مثنوی سے میرا مقصود اے حُسام الدّین رحمۃ اللہ علیہ! تم ہو۔ میری اِس مثنوی کی اِبتداء اور اِنتہاء اور سب کچھ تمہارے لئے ہے۔ اس میں تمہاری مدد شاملِ حال ہے اور مجھے اس کی تکمیل میں تمہاری مہربانیوں اور امداد پر بھروسہ ہے۔ اگر تم نے یہ مثنوی پسند کر لی تو میری نصیبہ وری اور عزت افزائی ہوگی کیونکہ تم میرے دل و جان کے سلطان اور شاہ ہو۔ بڑے لوگ ہر اچھی بُری چیز قبول کر لیتے ہیں اور پھر کبھی اُس کو رد نہیں کرتے ہیں۔ اے حُسام الدّین رحمۃ اللہ علیہ! جب تم نے مثنوی کو پودا لگایا ہے تو اب اِس کی آب یاری کرتے رہو۔ میں مثنوی کے ساتھ اس کے الفاظ میں تمہارے راز اور اَحوال بیان کر رہا ہوں۔ اور اس کے بولنے میں میری آواز نہیں بلکہ تمہاری آواز کام کر رہی ہے۔ یہ آواز اگرچہ تمہارے حلقوم سے نکل رہی ہے لیکن دراصل یہ خدائی آواز ہے۔ تم عاشقِ خدا ہو لہٰذا خدا سے کب جدا ہو۔

اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں سے وہ اِتصال ہے جس کی کیفیت ناقابلِ بیان ہے اور وہ اِتصال کسی قیاس میں نہیں آ سکتا ہے۔ یہ خدائی اِتصال انسانوں کے ساتھ ہے' بن مانسوں کے ساتھ نہیں اور انسان وہی ہے جو اپنے خالق کو پہچان لے۔ بہت سے انسان' شکل سے انسان ہیں لیکن اُن میں انسانیت بالکل نہیں ہے۔ جنگِ بدر میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مٹھی

خاک دشمنوں پر پھینکی جس سے وہ مبہوت ہو گئے۔ قرآن پاک میں اللہ نے فرمایا: اے نبی ﷺ! ''وہ خاک تم نے نہیں پھینکی بلکہ ہم نے پھینکی''۔ یہ وہ اتصال ہے جو میں سمجھا رہا ہوں لیکن افسوس تُو جسم بلا رُوح ہے اور مرتبۂ یقین کو نہیں پہنچ سکا ہے۔ (یہاں پر مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ مثنوی کے مُعترضین کو مخاطب کر رہے ہیں) تُو اپنے جسم کی سلطنت کو اِسی طرح خیر باد کہہ دے جس طرح بلقیس نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی خاطر سلطنت کو خیر باد کہہ دیا تھا۔

ہر بے ادب کی برداشت اور نرمی اور خاطر تواضع کی راہ اختیار کرنا

ایک طالب اور سالِک کا طریقہ یہ ہے کہ وہ ہر ناگواری کو برداشت کرے۔ جس کو تُو دیکھے کہ وہ کسی دوسرے کی بُرائی اور شکایت کر رہا ہے تو سمجھ لے کہ وہ خود بدعادت ہے کیونکہ بدگوئی میں مبتلا ہو گیا ہے۔ اچھی عادت تو اُس شخص کی ہے جو بُروں کو برداشت کر لے۔ کبھی شیخ بھی مرید کا شکوہ کرتا ہے لیکن اُس کا شکوہ لڑائی دنگے اور نفس کے تقاضے کی بنیاد پر نہیں ہوتا ہے بلکہ خداوندی حکم سے مرید کی اِصلاح کے لئے ہوتا ہے اور شیخ کا شکوہ ایسا ہی ہے جیسا کہ انبیاء علیہم السلام نے قوموں کا شکوہ کیا ہے۔ انبیاء علیہم السلام کا غصہ اور شکوہ خداوندی حکم سے ہوتا ہے۔ وہ تو اپنے نفسِ امارہ کو مار چکے ہوتے ہیں۔ اِس لئے اُن کا غصہ نفس کے لئے بھی نہیں ہوتا بلکہ حکمِ الٰہی سے ہوتا ہے۔ جنگِ احد میں آنحضور ﷺ کو مشرکین نے زخمی کر دیا تو آپ ﷺ نے یہ دُعا فرمائی ''اے اللہ! میری قوم کو ہدایت دے وہ میرے مرتبے کو نہیں جانتے ہیں''۔

حضرت سُلیمان علیہ السلام کا بلقیس کو پیغام، ''شرک پر اصرار نہ کر اور جلدی ایمان قبول کر''

حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کو پیغام بھیجا کہ جلدی آ کر مسلمان ہو جاؤ ورنہ خرابی پیدا ہو جائے گی، تیرا لشکر خود تیرا دشمن بن جائے گا بلکہ تیری جان خود تیری دشمن بن جائے گی۔ اللہ تعالیٰ جب کسی کو تباہ کرنا چاہتا ہے تو کائنات کا ذرہ ذرہ اُس کا دشمن بن جاتا ہے۔ قرآن میں ہے ''قومِ عاد آندھی سے ہلاک کر دی گئی'' ایک دوسری جگہ ہے ''جن لوگوں نے ہماری آیتوں کی تکذیب کی اُن کو ہم نے پانی میں ڈبو دیا'' اور فرمایا ''پس اُس کو سمندر نے ڈھانپ لیا'' اور فرمایا ''ہم نے اُس کو اور اُس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا'' اور فرمایا ''پھر کر دیا اُن کو جیسے کھایا ہوا بھُس'' حضرت داؤد علیہ السلام نے تین پتھر دشمنوں کی طرف پھینکے تو اُن کے صد ہا ٹکڑے ہو کر دشمنوں کو لگے اور وہ ہلاک ہو گئے۔ قومِ لوط کو سنگسار کر دیا گیا۔ قرآن میں ایک اور جگہ فرمایا ''تاکہ ہم اُن پر مٹی کے پتھر برسائیں'' اگر تشریح کی جائے کہ جمادات نے انبیاء علیہم السلام کی کیا کیا مدد کی تو مثنوی کی ضخامت

عِلّتِ ابلیس اَنَا خَیْرٌ بُدست
شیطان کی بیماری ''مَیں بہتر ہوں'' تھی

ویں مرض در نفسِ ہر مخلوق ہست
یہ مرض ہر مخلوق کے نفس میں موجود ہے

چالیس اونٹوں کا بوجھ ہو جائے گی۔ قرآن میں ہے کہ ''اور اُن کے ہاتھ ہم سے کلام کریں گے اور اُن کے پاؤں گواہی دیں گے اُن کاموں کی جو انہوں نے کئے''۔

اللہ تعالیٰ کے مخالف کو ڈرنا چاہیے کہ وہ اللہ کی کائنات کے لشکروں میں گھرا ہوا ہے۔ انسان کا ہر ہر جزو اللہ کا لشکر ہے لیکن فی الحال نفاق کی وجہ سے منکروں کا ساتھ دے رہا ہے۔ بیرونی لشکروں کو تو چھوڑ! انسان کے جسم کے اندر اللہ نے دشمن امراض کا لشکر چھپا رکھا ہے جو کسی وقت بھی حملہ کر سکتا ہے۔ انسان اپنے بارے میں بہت سی غلط فہمیوں میں مبتلا رہتا ہے اور دوسروں سے اپنے آپ کو مقبولِ بارگاہ اور مخلوق سے دُور سمجھتا ہے لیکن اگر تھوڑی دیر کے لئے مخلوق سے الگ ہو کر دیکھے پھر اُس کو معلوم ہو جائے گا کہ مخلوق سے اُس کو کیسا اُنس ہے۔ تُو نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ معبود ہے اور تم عابد ہو اور یہ دونوں جُداگانہ چیزیں ہیں۔ یہ غلط خیال ہے۔ تُو خود ذاتِ باری کا مظہر ہے اور حق تعالیٰ اپنی وحدت کے ساتھ تجھ میں ظاہر ہے اور ان مظاہر اور تعینات کی کثرت اُس کی وحدت کے منافی نہیں ہے۔

خود کُوزہ و خود کُوزہ گر و خود گِلِ کُوزہ
خود بر سرِ آں کُوزہ خریدار برآمد

''وہ خود ہی کوزہ ہے۔ خود ہی اُس کا بنانے والا اور خود ہی اُس کی مٹی ہے اور خود ہی اُس کوزے کا خریدار بھی ہے''۔

حضرت حق تعالیٰ قائم بنفسہٖ ہے۔ وہی عین موجود ہے۔ باقی نظر آنے والی اور محسوس ہونے والی موجودات اُس کا شئون ہیں اور اس کے ساتھ اُس کی وجہ سے قائم ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام تمام ذراتِ عالم کا اپنی ذات میں مشاہدہ کرتے تھے کیونکہ اُن کی حقیقت تمام حقائق الٰہیہ اور کونیہ کی جامع تھی۔ اُن کی اولاد کو بھی ایسا ہی ہونا چاہیے۔ جو کچھ اِس عالم میں ہے وہ قلبِ انسانی میں اُس کی وُسعت کی وجہ سے بدرجۂ اولیٰ موجود ہے۔ انسان خود عالمِ کبیر ہے اور دُنیا عالمِ صغیر ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلقیس پر واضح کر دیا کہ اُس کو طلب کرنے میں اُن کی کوئی ذاتی غرض نہیں ہے محض بوجہ اللہ اُس کو طلب کر رہے ہیں۔

حضرت سُلیمان علیہ السلام کا بلقیس پر واضح کرنا کہ ایمان کے بارے میں اُن کی کوشش ذاتی غرض سے نہیں بلکہ صرف اللہ کے لیے ہے

حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: میں اللہ کا ایسا رسول ہوں جو لوگوں کو اپنے دین کی دعوت دے۔ میں شہوت کی بنیاد پر تجھے یہاں آنے کی دعوت نہیں دے رہا ہوں۔ رسول میں اگرچہ عورتوں کی شہوت ہے لیکن وہ شہوت سے مغلوب نہیں ہوتے

عاقبت بین ست عقل از خاصیت
عقل طبعاً عاقبت بین ہوتی ہے

نفس باشد کو نہ بیند عاقبت
لیکن جو انجام کی طرف نہیں دیکھتا وہ نفس ہے

بلکہ شہوت پر ہمیشہ غالب رہتے ہیں۔ میں کسی حسین کی محبت کا قیدی نہیں بن سکتا۔ رسول اگر بُت کدہ میں جاتا ہے تو بُت سَرنگوں ہو جاتے ہیں، آنحضور ﷺ خانہ کعبہ میں گئے تو بُت سَرنگوں ہو گئے۔ ابو جہل جاتا تھا تو خود اُن کے سامنے سَرنگوں ہو جاتا تھا۔ یہ دُنیا شہوت کا گھر ہے اور مومن اور کافر سب اس میں مقیم ہیں۔ شہوت پاک لوگوں کی غلام ہوتی ہے جیسے سونا بھٹی میں جا کر اور چمکدار ہو جاتا ہے۔ کافروں کی مثال کھوٹے اور مُلمع شُدہ شے کی ہے جو کہ بھٹی میں جا کر کالی اور رُسوا ہو جاتی ہے۔ کھرا امتحان میں پڑ کر اور کھرا ہو جاتا ہے اور کھوٹے کا کھوٹ اور نمایاں ہو جاتا ہے۔ نبیوں کا مادی جسم لوگوں کے لئے حجاب بن جاتا ہے۔ مومن کا کام نبیوں کی رُوحانی طاقت کو دیکھنا ہوتا ہے۔ شیطان نے حضرت آدم علیہ السلام کے مٹی کے جسم کو دیکھا اور اُن کا منکر بن گیا۔ انبیاء علیہم السلام کی رُوحانی طاقت اور اَوصافِ خاکی جسم میں نہیں چھپ سکتے۔ کیا سورج پر خاک ڈالنے سے وہ چُھپ سکتا ہے۔ دریا کی سطح پر اگر گھاس آ جائے تو اُس کا بہاؤ کب چُھپ سکتا ہے۔ حضرت ابراہیم ادھم رحمۃ اللہ علیہ کی طرح تُو بھی ملک اور سلطنت کو خیر باد کہہ دے۔ اِس دنیاوی سلطنت کو پھونک ڈال۔

حضرت ابراھیم ادھم رحمۃ اللہ علیہ کا قصہ، خُدا اُن کی رُوح کو تازہ کرے

حضرت ابراہیم ادھم رحمۃ اللہ علیہ رات کے وقت تخت پر سوئے ہوئے تھے کہ چھت پر کسی کے چلنے کی آوازیں آئیں۔ اُنہوں نے سوچا کہ انسان کی تو یہ مجال نہیں کہ شاہی بالاخانے پر رات کو چڑھ آئے یہ کوئی بھوت پریت ہو سکتے ہیں۔ اُنہوں نے پوچھا: کون ہے؟ تو اُوپر سے اُن لوگوں نے جھانک کر کہا کہ ہم تلاش میں پھر رہے ہیں۔ اُنہوں نے پوچھا: کیا ڈھونڈتے ہو؟ اُنہوں نے جواب دیا: اپنے اونٹ ڈھونڈ رہے ہیں۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ آج تک محل کی چھت پر کسی نے اونٹوں کو تلاش نہیں کیا۔ وہ بولے: اگر اونٹ چھت پر تلاش کرنا غلط ہے تو خدا کو تخت و تاج پر تلاش کرنا کون سی دُرست بات ہے۔

اِس واقعے کے بعد اُن کے دل کے حالات بدل گئے اور وہ لوگوں کی نظروں سے غائب ہو گئے۔ حضرت ابراہیم ادھم رحمۃ اللہ علیہ کا لوگوں کی نظروں سے غائب ہونا یہ ہے کہ اُن کے اَوصافِ باطنی اور مَدارج کو لوگ نہ سمجھ سکے۔ اگرچہ وہ اُن کے سامنے تھے۔ اِس لئے کہ ظاہر بینوں کی نگاہ تو محض ظاہر پر ہوتی ہے۔ وہ اپنی آنکھوں سے اِستغراق کی وجہ سے دُور ہو گئے تو عنقا کی طرح اُن کی شُہرت ہو گئی۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعوت سے بلقیس کی رعایا کی مردہ رُوحیں زندہ ہو گئیں اور جسم میں دبی ہوئی رُوح نے سر اُبھارا۔ وہ لوگ آپس میں ایک دوسرے کو مُبارکباد دیتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ آسمانی دعوت ہے۔ اِس دعوت کا خاصہ ہی

عقل کو مغلوبِ نفس اُو نفس شُد
وہ عقل جو نفس سے مغلوب ہو نفس بن جاتی ہے

مُشتری مات زحل شُد نحس شُد
مشتری زحل سے مات کھا جائے تو منحوس ہو جاتا ہے

یہ ہے کہ اس سے لوگوں کے ایمان بڑھتے اور تر و تازہ ہو جاتے ہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کا جو یہ واقعہ ہم نے بیان کیا ہے اس کی یقینی باتیں تو اللہ کو معلوم ہیں۔ جو کچھ مشہور ہے وہ بیان کر دیا گیا ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کو اُس کے حال کے مناسب اور اُس کے ملک والوں کو ہر ایک کی اِستعداد کے مطابق رہنمائی کی۔ شکاری جس قسم کے پرندوں کا شکار کرتا ہے اِسی قسم کی سیٹی بجا کر اُن کو جمع کرتا ہے اور اُن کے حال کے مناسب دانہ ڈالتا ہے۔ دعوتِ سلیمانی کا یہ اثر ہوا کہ جو اجسام رُوحوں سے خالی تھے اُن میں بھی رُوحوں نے ہلچل مچادی اور وہ اجسام رُوحانیت کے غلبے سے اَرواح بن گئے۔ اِسی طرح عاشق، عوام میں چُھپے ہوئے ہوتے ہیں۔ لوگ سخی کو عام طور پر فضول خرچ کہتے ہیں اور اُس کی سخاوت سے اُس کو طرح طرح سے ڈراتے ہیں۔ اس طرح اُن کی نظروں سے اُس کی سخاوت پوشیدہ رہتی ہے۔ جب تک رُوح جسم میں دبی ہوئی ہے وہ ذلیل ہے لیکن جب رُوح کا غلبہ ہو جاتا ہے تو جسم میں بھی شرافت پیدا ہو جاتی ہے۔

ہرگز نہ میرد آنکہ دِلش زندہ شُد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما (حافظ رحمۃ اللہ علیہ)

''جس کا دل عشق کی زندگی حاصل کر لیتا ہے وہ کبھی نہیں مرتا۔ یہ بات زمانہ جانتا ہے کہ میں ہمیشہ کے لیے ہوں''۔

اللہ نے سلیمان علیہ السلام سے کہا کہ لوگوں کو اُن کی اِستعداد کے مطابق تعلیم دو۔ جو لوگ جبر کے لائق ہیں اور ترکِ عمل کر بیٹھے ہیں اُن کو عقیدے کا نقصان سمجھا دو۔ وہ لوگ جو ناقص اِختیار کے قائل ہیں اُن کو صبر عَنِ المَعاص کی تعلیم دو۔ جو لوگ عالمِ غیب سے تعلق رکھتے ہیں اُن کو عالمِ غیب کی باتیں بتا۔ جو لوگ نور سے محجوب ہیں اُن کو نور عطا کر۔ لڑنے والوں کو صلح پر آمادہ کر اور اہلِ حق اگر غلط بحثوں میں پڑے ہیں تو اُن کو راہِ حق کی علامات دکھا دے۔ غرض کہ ہر ایک کی اُس کے مناسبِ حال اِصلاح کر دے۔ دعوتِ سلیمانی ملنے پر بلقیس بھی ایمان کے شوق سے مُست ہو گئی اور اپنے ملک اور مملکت کی ہر چیز کی محبت دل سے نکال دی البتہ اُسے اپنے تختِ شاہی سے جو بہت قیمتی تھا تعلق خاطر رہا۔ اُس ملک میں سب لوگ حضرت سلیمان علیہ السلام پر ایمان لائے البتہ وہ لوگ جن میں اِستعداد اور قابلیت ہی نہ تھی وہ محروم رہے۔ میرے کلام سے کہیں یہ شُبہ نہ ہو کہ وحی میں یہ صلاحیت ہی نہیں ہے کہ وہ بدفطرت کو متاثر کر سکے بلکہ وہ بھی اگر توجہ کرے اور طلب پیدا کر لے تو خدا اُس کی بھی مدد کرتا ہے اور اُس میں صلاحیت پیدا فرما دیتا ہے۔

بلقیس اس دعوت کے بعد مال و دولت سے ایسی بے نیاز ہوئی جس طرح عاشق نام و ننگ سے بے نیاز ہو جاتا

عقل با عقلِ دگر دُوتا شود
عقل دُوسری عقل کے ساتھ مل کر دوگنی ہو جاتی ہے

نُور افزوں گشت و رَہ پیدا شود
روشنی بڑھ جاتی ہے اور راستہ نمایاں ہو جاتا ہے

ہے۔ جن غلاموں اور کنیزوں کو اُس نے ناز سے پالا تھا وہ اُس کے لئے سڑی ہوئی پیاز بن گئیں۔ تفریح کے تمام اسباب اُس کے لئے باعث تکلیف بن گئے۔ عشق اور غصہ کی خاصیت یہی ہے کہ جو چیزیں محبوب ہوتی ہیں اس حالت میں مردہ بن جاتی ہیں یعنی جب انسان لَآ اِلٰہَ کا قائل ہو جاتا ہے تو اُس کے لئے غیر اللہ ہیچ ہو جاتا ہے۔ کلمہ طیبہ کا حقیقی اثر یہی ہے کہ ماسوی اللہ نظروں میں بے وقعت ہو جاتا ہے۔

بلقیس کو سلطنت کی کسی چیز کو چھوڑنے کا افسوس نہ تھا۔ ہاں البتہ اپنے تخت کے چھوڑنے کا افسوس تھا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام بلقیس کی اس کیفیت سے باخبر ہو گئے چونکہ دل سے دل تک راہ ہو چکی تھی اور باہمی تعلق اُستوار ہو چکا تھا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام دُور سے چیونٹی کی آواز سُن لیتے تھے اور دُور سے انسانوں کے دلی راز سمجھ لیتے تھے۔ قرآن میں ہے کہ جب چیونٹیوں کے جنگل میں حضرت سلیمان پہنچے تو ایک چیونٹی نے کہا کہ اے چیونٹیو! اپنے بلوں میں گھس جاؤ تمہیں سلیمان علیہ السلام اور اُس کا لشکر پامال نہ کر دے تو حضرت سلیمان علیہ السلام اُس کی بات سُن کر ہنس پڑے۔

اگر میں اس کی تفصیل بیان کروں کہ بلقیس کو تخت سے کیوں محبت تھی تو گفتگو دراز ہو جائے گی لیکن پھر بھی مجملاً بیان کرتا ہوں۔ قلم، کاتب کا آلہ ہوتا ہے اور وہ اُس کے لئے باعث محبت ہوتا ہے۔ ہر کاریگر کا آلہ اُس کے لئے مُونس ہوتا ہے۔ محبت کا تقاضا تو یہ تھا کہ بلقیس اپنے تخت کو ساتھ لے آتی لیکن چونکہ اُس کی لمبائی چوڑائی بہت زیادہ تھی، اس کو منتقل کرنا ممکن نہ تھا۔ اس کو ٹکڑے کر کے اس وجہ سے نہیں لایا جا سکتا تھا کہ اُس پر بہت نازک اور باریک کام تھا جو کہ خراب ہو جاتا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام پر بلقیس کے قلب کی حالت واضح ہو گئی تو اُنہوں نے سوچا کہ رُوحانی عروج کے بعد تخت وغیرہ کی محبت مِٹ جائے گی۔ لیکن فی الحال چونکہ اُس کو تخت کے رہ جانے کا رنج ہے، اس لئے اُس کو منگوانا چاہیے۔ فنا کے بعد جب بقا حاصل ہو جاتی ہے تو تمام مادیات بے وقعت ہو جاتی ہیں۔ جب سمندر میں سے انسان کو موتی حاصل ہو جاتا ہے تو انسان اُس کے خس و خاشاک کی طرف دھیان نہیں کرتا۔

بلقیس کا تخت سے محبت کرنا اگرچہ بچگانہ فعل تھا، حضرت سلیمان علیہ السلام نے سوچا کہ پھر بھی اُس کا تخت منگوانا چاہیے تا کہ یہ تخت اُس کی جان کے لئے عبرت بن جائے۔ جیسے ایاز کے لئے اُس کی گدڑی اور چپل کہ اُن کو دیکھ کر وہ اپنی پہلی حالت یاد کرتا تھا۔ وہ یاد کیا کرے گی کہ اُس کی پہلی حالت کس قدر خراب تھی کہ وہ تخت جیسی چیزوں سے محبت کرتی تھی اور دُنیا کے خرافات میں پھنسی ہوئی تھی اور اب رُوحانیت کے اعلیٰ مقام پر فائز ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کی خلقت کے مراتب بیان فرما کر ظاہر فرمایا ہے کہ انسان کو اللہ نے اپنے فضل سے کہاں سے

نفس با نفسِ دگر دُو تا شود نفس بھی دُوسرے نفس سے مل کر دو گنا ہو جاتا ہے	ظلمت افزوں گشت و رہ پنہاں شود اندھیرا بڑھ جاتا ہے اور راہِ حق چھپ جاتا ہے

کہاں پہنچا دیا۔ اُس کی ابتداء تو اُن چیزوں سے ہے کہ جن کا نام لینے سے بھی اُسے شرم آتی ہے۔ قرآن میں اللہ نے فرمایا کہ انسان کو اللہ نے مٹی سے بنایا ہے۔ پھر اُس کو نُطفہ کیا پھر علقہ اور پھر مُضغہ بنایا اور پھر ہم نے اُسے نئی صورت عطا کی۔ انسان زبانِ حال سے اپنی ابتدائی حالت سے ترقی کرنے کا منکر تھا۔ انسان کو اس قدر فضیلت دینا اُس انکار کا دفیعہ ہے جو اُس کی فطرت کر رہی ہے۔ جس چیز کو انسان اپنے موافق سمجھے ہوئے تھا وہی حقیقت معلوم ہونے پر اُس کے مخالف پڑی۔

یہ ہماری حیات اور اِستعداد صرف اللہ کی قدرت سے آئی ہے۔ انسان اِبتدا میں نُطفہ تھا لیکن آج وہ اس حالت میں ہے کہ حشر و نشر کا انکار کر دیتا ہے۔ یہ اللہ ہی کی قدرت کا کرشمہ ہے تو دوبارہ اُس کا حشر نشر اللہ کی قدرت سے کیسے باہر ہو سکتا ہے؟ جب یہ ثابت ہو گیا کہ یہ جمادیت سے اِس مرتبے پر پہنچا ہے کہ اُس میں انکار کی صلاحیت پیدا ہو گئی تو اُس کی انکار کی یہ صلاحیت اِس بات کی دلیل ہے کہ تیرا (اُس کا) دوبارہ حشر ہو گا۔ انسان بننے تک مختلف مراتب تک اللہ کی کس قدر کاری گریاں ہیں۔ اُن کے ہوتے ہوئے حشر کا انکار کب تک اور کیسے ہو سکے گا۔ آب و گِل کا مرتبۂ انکار تک ترقی کرنا خود حشر کے انکار کی نفی کرتا ہے۔ گھر کے اندر سے خود اپنے اندر نہ ہونے کی خبر دینے کو خبر دینا نہیں سمجھ رہا ہے۔ اِس معاملے میں اور بہت سے دلائل دیے جا سکتے ہیں لیکن اس میں کم فہموں کے لئے لغزش کا خطرہ ہے اِس لئے خاموشی بہتر ہے۔ اب بلقیس کے تخت کے منتقل ہونے کی بات پھر شروع کرتے ہیں۔

بلقیس کے آنے سے پہلے حضرت سُلیمان علیہ السلام کا تخت حاضر کرنا

حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے دربار میں فرمایا کہ بلقیس کے تخت کو فوراً یہاں حاضر کرو۔ ایک جن نے کہا: میں آپ کی مجلس ختم ہونے سے پہلے پہلے وہ تخت یہاں حاضر کر دوں گا۔ حضرت آصف برخیا جو کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے وزیر اعظم تھے بولے: میں اِسمِ اعظم کی برکت سے فوراً وہ تخت حاضر کر دوں گا۔ اگرچہ وہ جن بھی جادو کا اُستاد تھا لیکن تخت کی آمد حضرت آصف کے دَم کرنے کی برکت سے ہوئی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اُس نعمت اور دوسری نعمتوں کے حصول پر اللہ تعالیٰ کی حمد بیان فرمائی۔ چونکہ وہ تخت لکڑی کا بنا ہوا تھا۔ اُنہوں نے اُسے لکڑی کے نام سے مخاطب کیا اور فرمایا کہ تُو احمقوں کو اپنی محبت میں پھنساتا ہے۔ احمق لوگ تراشیدہ لکڑی اور پتھر کے بتوں کو سجدے کرتے ہیں۔ یہ بُت کے پجاری اور بُت دونوں رُوح سے بے خبر ہیں۔ کبھی کبھی ان بتوں میں رُوح کا تھوڑا سا اثر آ جاتا ہے جس کی وجہ سے کبھی اُن سے حرکت یا کسی بات کا صدور ہو جاتا ہے۔ بُت پرست

بُت شکستن سہل باشد نیک سہل
بُت توڑنا، آسان اور بہت آسان ہوتا ہے

سہل دیدن نفس را جہل ست جہل
لیکن نفس کے معاملہ کو آسان سمجھنا نادانی ہی نادانی ہے

لوگ عبادت کی بازی بے موقع کھیلتے ہیں اور پتھر کے بُت کو حقیقی شیر سمجھ بیٹھتے ہیں۔ کبھی کبھی شیرِ حقیقی یعنی اللہ تعالیٰ اُن کے اِستدراج کے لئے بتوں سے بھی اِس طرح کی کرامات ظاہر کرادیتا ہے۔ اللہ ربُّ العالمین ہے لہٰذا کتوں کو بھی غذا مہیا فرمادیتا ہے اور بتوں میں بھی زندگی کے آثار پیدا ہوجاتے ہیں۔

حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کا بُتوں سے مدد چاہنا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر بُتوں کا سجدہ کرنا

حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی ماں ہیں۔ اُنہوں نے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دودھ چھڑایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر دادا کو دینے کے لئے مکّے آئیں، وہ انہیں حرمِ کعبہ میں حطیم میں لے گئیں۔ وہیں اُنہوں نے آواز سُنی کہ اے حطیم! تجھ پر آج بہت بڑی مہربانی ہوئی ہے۔ آج تجھ پر نور کی سخاوت ہوگی اور تُو آج بالائی رُوحوں کی منزل بنے گا۔ اس سے پہلے حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شقِ صدر کا واقعہ ہوچکا تھا۔ اس لئے بہت خائف رہتی تھیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت سخت نگرانی کرتی تھیں۔ حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا نے جب یہ آواز سنی تو بہت حیران ہوئیں کہ وہاں کسی طرف کوئی شخص موجود نہیں تھا۔ آواز کی جستجو میں حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو گود سے اُتار کر زمین پر بٹھا دیا اور آواز کی تلاش میں اِدھر اُدھر گئیں، جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے اَسرار کھل رہے تھے۔ ہر طرف سے بلند آوازیں اُن کے کانوں میں آرہی تھیں لیکن آواز دینے والا کوئی نہ تھا۔ وہ حیران تھیں اور کسی کو وہاں نہ پاکر بچّے کی طرف لوٹیں تو مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی جگہ پر نہ پایا۔ وہ غم میں اِدھر اُدھر تلاش میں دوڑیں، روئیں، چیخیں کہ میرا موتی کون لے کر گیا۔ مکّے والے بولے کہ ہمیں تو معلوم نہیں کہ یہاں کوئی بچہ تھا بھی کہ نہیں۔ اُنہوں نے اِس قدر آنسو بہائے کہ دوسرے لوگ بھی اُن کے غم میں رونے لگے۔ وہ غم میں رونے لگیں۔ ایک بوڑھا عرب لاٹھی پکڑے ہوئے سامنے آیا اور اس غم اور رونے کی وجہ دریافت کی۔

اُنہوں نے بتایا کہ میں احمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دایہ ہوں اور اُنہیں اُن کے دادا کے سُپرد کرنے لائی تھی۔ حطیم میں مجھے عجیب آوازیں سُنائی دیں۔ بچّہ کو چھوڑ کر آواز کا پیچھا کیا لیکن بے سود۔ واپس آئی ہوں تو بچّہ غائب ہے۔ میں اِس کی وجہ سے بہت پریشان ہوں کہ آج اُس اعتماد کو ٹھیس لگ گئی جو مجھ پر کیا گیا تھا۔ بوڑھا بولا: بیٹا! غم نہ کر۔ میں تمہیں اُس شاہ کے پاس لے چلتا ہوں جو بچّے کے بارے میں بتادے گا۔ حلیمہ رضی اللہ عنہا بولی: اے اچھی آواز والے بزرگ! میں تم پر قربان، مجھے فوراً اُس شاہ کے پاس لے چل جسے میرے بچّے کی خبر ہو۔ وہ بوڑھا اُسے مکّے کے مشہور بُت عُزّیٰ کے سامنے لے گیا اور کہا کہ ہم نے اپنے بہت سے گمشدہ اس کے ذریعے پائے ہیں۔ بوڑھے نے اُسے سجدہ کیا اور کہا کہ اے عرب کے خدا!

ہر نفس مکرے و دَر ہر مکر زاں
(اس نفس کے ہر سانس میں ایک مکر ہے اور اس کے ہر مکر میں

غرق صد فرعون با فرعونیاں
سو فرعون، فرعونیوں کے ساتھ غرق ہیں)

ہم نے تیری وجہ سے بہت سی ہلاکتوں سے نجات پائی ہے تیری مہربانیاں عرب پر بے شمار ہیں اور تیرا حق ادا کرنا عرب والوں پر فرض ہو گیا ہے۔ یہ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا تیری اُمید پر اپنے گمشدہ بچے کو حاصل کرنے آئی ہے۔ اُس کا نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ جونہی اُس نے یہ نام لیا تمام بُت اوندھے منہ گر پڑے اور کہا: اے بوڑھے! اس بچے کی تلاش کیوں کرتا ہے جس کی بعثت ہماری معزولی کا سبب ہے۔ جو واقعات بُت پرستوں نے ہمارے متعلق دیکھے ہیں وہ سب ختم ہو جائیں گے اور اس نام والے کی وجہ سے ہماری شان و شوکت ختم ہو چکی ہے۔ خدا کے لئے یہاں سے دفع ہو جا۔ کوئی انسان اژدہے کی دُم کو مسلے تو یہ خطرناک ہوتا ہے۔ اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آب و تاب کے سامنے ہماری شان ماند پڑ جائے گی۔ بوڑھے نے بُت کی یہ باتیں سُن کر گھبرا کر اپنی لاٹھی پھینک دی۔ وہ کانپنے لگا۔

حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا بولیں: اے بوڑھے! اگرچہ اس وقت میں ہوں مصیبت میں ہوں لیکن حیرت میں گم ہوں۔ کسی وقت ہوا مجھ سے باتیں کرتی ہے پتھر ادب سکھاتے ہیں کبھی اس بچے کو غیبی لوگ اُٹھا کر لے جاتے ہیں۔ میں کس سے فریاد کروں؟ میں پریشان ہو گئی ہوں۔ غیبی حالات اور واقعات کو میں راز میں رکھنا چاہتی ہوں۔ بس اتنا کہتی ہوں کہ میرا بچہ گم ہو گیا ہے میں اور کوئی بات کروں گی تو لوگ مجھے پاگل سمجھیں گے۔ بوڑھا بولا: اے حلیمہ (رضی اللہ عنہا)! اُن کی طرف سے فکر نہ کر۔ وہ گم نہیں ہوں گے بلکہ عالم اُن کی عظمت میں گم ہو جائے گا۔ تُو نے نہیں دیکھا کہ یہ عظیم بُت تیرے بچے کے نام سے سرنگوں ہو گئے۔ میں نے اپنی زندگی میں ایسا عجیب واقعہ نہیں دیکھا۔ اُن کی رسالت تسلیم نہ کرنے والوں کا انجام بُرا ہوگا۔ جب بتوں کا یہ حال ہوا ہے تو اُن کو پوجنے والوں کا تو بہت ہی بُرا حال ہوگا۔

حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کی رونے کی آواز دُور دُور تک جا رہی تھی۔ حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ آواز سُن کر فوراً سمجھ گئے کہ کیا واقعہ ہوا ہے۔ وہ بھی غم کی سوزش لئے ہوئے کعبہ کے دروازے پر آ گئے اور کہا کہ مجھ میں کوئی ایسی خوبی نہیں ہے جس کی وجہ سے میں تیرا ہمراز بنوں۔ میں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے پر تیری مہربانی کے آثار دیکھے ہیں۔ اگرچہ وہ ہمیں سے ہیں لیکن یہ آثار ہم میں سے کسی کے اندر نہیں ہیں۔ اُن کو بچپن میں ہی جو فضیلت تُو نے عطا کر دی ہے وہ سو سال کے مجاہدے سے بھی کسی کو حاصل نہیں ہو سکتی۔ میں اُن صلی اللہ علیہ وسلم کو سفارشی بناتا ہوں۔ اُن کے طفیل اُن کا حال ہمیں بتا دے کہ وہ کہاں ہیں؟ اُنہیں کعبہ کے اندر سے جواب ملا کہ تم عنقریب اُن کا چہرہ دیکھ لو گے۔ دو سو فرشتوں کی جماعت کے ساتھ وہ ہمارے پاس محفوظ ہیں۔ ہم اُن کے ظاہر کو عالم میں مشہور کر دیں گے اور باطن کو سب سے پوشیدہ رکھیں گے۔ پانی اور مٹی سے اللہ نے جو مخلوق بنائی ہے اس کے مختلف مراتب ہیں۔ کبھی ہم اُس سے ایسا شاہ پیدا

کر دیتے ہیں اور کبھی اُس کو خدا کے سامنے عاشق بنا دیتے ہیں۔ اِس خاک سے لاکھوں عاشق اور معشوق پیدا کیے جاتے ہیں، جو عشق کی وجہ سے نالہ و فریاد میں مصروف رہتے ہیں۔ ہمارے یہ کارنامے منکروں کے انکار کے باوجود جاری ہیں۔ مٹی کو یہ فضیلت ہم نے اُس کی فروتنی کی وجہ سے دی ہے کہ اس طرح کے لوگ پیدا ہوتے ہیں۔ زمین کا ظاہر غبار آلود ہے لیکن اُس کا باطن پُر انوار ہے جس سے لالہ و گل رونما ہوتے ہیں۔ زمین کا ظاہر پتھر لیکن باطن موتی ہے۔ اس کی ظاہری صورت باطنی خصوصیت کو چھپائے ہوئے ہے اور منکر ہے لیکن اس کا باطن پُر کمالات ہے۔

ظاہر اور باطن کی یہ جنگ جاری ہے کبھی ظاہر کو غلبہ ہو جاتا ہے کبھی باطن فتح حاصل کر لیتا ہے۔ بدصورت مٹی سے حسین و جمیل مخلوق کا پیدا کرنا اِس کے باطنی حُسن کا اظہار ہے۔ زمین بظاہر روتی ہوئی صورت ہے لیکن باطن میں مسرتیں موجزن ہیں۔ اللہ تعالیٰ جب چاہتا ہے چُھپے رازوں کو ظاہر کر دیتا ہے۔ اللہ آزمائش میں ڈال کر انسانوں کی باطنی خوبیاں واضح کر دیتا ہے۔ زمین نے بہت سے باکمال فرزند جنے ہیں لیکن سیّد الانبیاء ﷺ جیسا کوئی نہ جنا۔ زمین اور آسمان کے ملاپ سے جب سید الکونین ﷺ کا ظہور ہوا تو دونوں نے مسرت کا اظہار کیا۔ حضور ﷺ کی پیدائش سے زمین کو عروج حاصل ہوا کیونکہ جس کا ظاہر اور باطن خدا کے لئے باہمی جنگ میں ہو اُس کی رُوح پُر نور ہوتی ہے اور اُس کا نور نا قابلِ زوال ہوتا ہے۔

حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ کے بارے میں معلوم کرنا اور کعبہ سے جواب آنا

حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے پوچھا: بچہ اس وقت کہاں ہے؟ اُنہیں آواز آئی کہ غم نہ کرو وہ فلاں میدان میں درخت کے نیچے ہیں۔ وہ قریش کے سرداروں کو ساتھ لئے اُن کی تلاش میں چلے۔ گو اُن کے تمام آباؤ اجداد آدم علیہ السلام سے لے کر اب تک سردار ہوئے لیکن حضور ﷺ کے ذاتی فضائل کے مقابلے میں نسبی فضیلت ہیچ ہے۔ حضور ﷺ کا اصلی جوہر نسب سے بے نیاز ہے۔ وہ خیر الخلائق پیدا کئے گئے ہیں۔ اللہ کی جانب سے تو معمولی انعام بھی سورج سے بڑھا ہوا ہوتا ہے۔

حضرت سُلیمان علیہ السلام کا بلقیس کو ایمان کی دعوت دینا

حضرت سلیمان علیہ السلام نے پیغام دیا کہ اے بلقیس! اُٹھ اور اللہ کی سلطنت کو دیکھ۔ تیری بہنیں جو مقربانِ بارگاہِ خداوندی ہیں (جیسے حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا جو فرعون کی بیوی تھیں) کیا سلطنت کر رہی ہیں۔ تیری بہنیں یہاں عیش و مستی میں ہیں۔ اُٹھ نیک بختی کی یاد بن جا اور سَباء کی سلطنت سے بیزار ہو جا۔

ایں سخا شاخت از سروِ بہشت	وائے اُو کز کف چنیں شاخے بہشت
یہ سخاوت جنت کے درخت کی شاخ ہے	جو اس شاخ کو چھوڑ دیں اُن پر افسوس ہے

انسان کی دُنیا میں قانع ہونے اور دُنیا کی طلب میں حرص، اور رُوحانیوں کا نعرہ

دنیادار کی مثال اُس گلی کے کتے کی سی ہے جو اچھے شکاروں کو چھوڑ کر گدا اور فقیر پر لپکتا ہے۔ ایک کتے نے گلی میں اندھے فقیر پر حملہ کر کے اُس کی گدڑی پھاڑ دی۔ اندھے نے کہا کہ تیرے دوسرے ساتھی تو پہاڑ پر گورخر کا شکار کر رہے ہیں اور تُو اندھے پر جھپٹتا ہے۔ اے تنفرشیخ! اپنے مکر کو چھوڑ دے۔ تُو خود کھاری پانی ہے۔ تُو نے اندھے مریدوں کو اپنے چاروں طرف جمع کر لیا ہے۔ بہتر یہ ہے کہ باطنی کمال حاصل کر اور اُس کے ذریعے مریدوں کو فیض پہنچا۔ مردانِ حق غیبی فیوض سے بہرہ مند ہو رہے ہیں اور تُو مریدوں کو لوٹنے میں لگا ہوا ہے۔ حقیقی مشائخ تو صرف طالبِ خدا ہیں اور وہ مجسم شیر ہیں اور صرف شیر کا شکار کرتے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کے مشاہدے میں مُستغرق رہتے ہیں اور اُن کو عشق میں فنا کا درجہ حاصل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بزرگوں کے ذریعے اُن کے ہم جنسوں کا شکار کرتا ہے۔ جیسے شکاری مردہ جانوروں کی کھال میں بھس بھر کر اپنے ساتھ رکھتے ہیں تا کہ اُس کے ذریعے اُس کے ہم جنسوں کا شکار کریں، بزرگ بھی مردہ بن کر شکار کرتے ہیں۔ مردہ جانور بالکل شکاری کے اختیار میں ہوتا ہے۔ اُسی طرح بزرگ مردہ بن کر اللہ کے اختیار کے تحت ہو جاتے ہیں، جیسے کہ حدیث ہے کہ ”دل اللہ کی دو انگلیوں کے درمیان ہے۔ اللہ جس طرف چاہتا ہے اُسے پلٹ دیتا ہے“۔ مردہ جانور کے ذریعے جو شکار ہو وہ دراصل شکاری کا شکار بنتا ہے۔

فانی فی اللہ شیخ کہتا ہے کہ بظاہر میرے مُردار ہونے کو نہ دیکھ۔ خدائی عشق مجھے نجس ہونے سے بچائے ہوئے ہے۔ فقر و فنا کی وجہ سے میں مُردے کی صورت میں ہوں۔ حرکت جو کہ زندگی کا اثر ہے وہ پہلے میرے ارادہ سے تھی اب دستِ قدرت کے ذریعے ہے۔ جب انسان فرائض اور نوافل کے ذریعے اللہ کا قرب حاصل کر لیتا ہے تو اُس کے تمام اَفعال اللہ کی طرف منسوب ہو جاتے ہیں اور فقراء کا انتقام بڑے سے بڑے انسان کو خاک میں ملا دیتا ہے۔ فانی فی اللہ کے اَفعال کا صدور دستِ قدرت خود کرتا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مُردے کو زندہ کر لیتے تھے۔ اُن کا خالق، مُردے کو کیسے نہ زندہ کر دے گا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات بخشی کا انکار بھی جائز نہیں ہے۔

انسان اپنے تمام اَفعال میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کا مظہر بن جاتا ہے۔ وہ لاٹھی جو موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ میں ہے اُسے اکیلا نہ سمجھ کیونکہ بغیر خدا کے ہاتھ کے لاٹھی ایسی نہیں ہوتی۔ طوفانِ نوح علیہ السلام، قومِ ہود اور عاد کی آفتیں بھی اللہ کی لاٹھی ہی تھیں۔ مچھر بھی نمرود کے مقابلے میں لاٹھی ہی تھا۔ اگر میں خدائی لاٹھیوں یعنی عذاب کا ذکر کروں تو فرعون کی مکاریوں کا

دال عمارت کردنِ گور و لحد
قبر کی تعمیر اور لحد کی رونق

نے بسنگ ست و نہ چوب و نے لبد
صرف پتھروں، لکڑی اور قیمتوں یا سجاوٹ سے نہیں

پردہ چاک کردوں۔ فرعونوں کو دنیاوی لذتوں میں جو کہ حقیقتاً زہر ہیں مبتلا رہنے دو۔ نظامِ قدرت کی بقا کے لئے گنہگاروں کی بھی ضرورت ہے۔ آخر جہنم کی خوراک کی بھی تو پرورش ضروری ہے۔ قرآن میں ہے ”اے نبی ﷺ! اُن کو چھوڑے رکھو۔ وہ کھاتے اور نفع اُٹھاتے رہیں اور اُن کو تمنا غفلت میں ڈالے رکھے پھر عنقریب وہ جان لیں گے“ دوزخ کے کتے اُن کے دوزخ میں منتظر ہیں۔ غصہ کی بقا کے لئے مخالفت اور دشمنی کا وجود ضروری ہے ورنہ غصہ مر جائے گا۔ (صفتِ قہر) دوزخ‘ اللہ کے غصے کا مظہر ہے اس کے اظہار کے لئے دشمنوں کی ضرورت ہے اگر اللہ کی صفتِ غضب نہ رہے تو دوزخ ٹھنڈی ہو جائے۔ اگر صرف صفتِ رحمت ہی ہو اور صفتِ غضب نہ ہو تو بادشاہی کا کمال نہیں ہے۔ لہٰذا الوہیت کے لئے دونوں صفتوں کی ضرورت ہے۔ منکر اہلِ ذکر کا مذاق اُڑاتے ہیں۔ تو بھی اگر چاہے تو مذاق اُڑا لے اور پھر دیکھ انجام کیا ہوتا ہے۔ جو لوگ آیاتِ الٰہیہ کے ذکر سے محبت رکھتے ہیں اور اس دَر کی نیاز مندی اختیار کئے ہوئے ہیں‘ وہ قابلِ مُبارکباد ہیں۔

ہر ترکاری اپنی کیاری میں پرورش پاتی ہے اور سیرابی حاصل کر کے پُختہ ہوتی ہے۔ مخلص کا مُنافق کے ساتھ میل جول نہیں ہونا چاہیے۔ اپنے مسلک پر قائم رہ کر پختگی پیدا کر تاکہ اعلیٰ مقام حاصل ہو جائے۔ زعفران کو اپنی کیاری میں رہنا چاہیے‘ شلجم کی کیاری کا رُخ کرے گا تو اس میں بھی شلجم کی سی خاصیت آ جائے گی۔ اللہ نے مومن کا اور مُنافق کا مقام الگ الگ بنایا ہے۔ خدا کی زمین بہت وسیع ہے اس لئے خلط ملط ہونے کی ضرورت نہیں۔ عالمِ غیب کی زمین تو اس قدر وسیع ہے کہ اس میں تو دیو اور پَری بھی راستہ بھول جاتے ہیں۔ عالمِ غیب کے سمندروں‘ جنگلوں اور پہاڑوں کی وسعت تک تو وہم وخیال بھی نہیں پہنچ سکتا۔ دنیاوی زمین کی کائنات اِس غیب کی زمین کے اعتبار سے ایسی ہے جیسا کہ بحر وبر کے مقابلے میں ایک بال۔ سالِک کے باطن کا رُکا ہوا پانی جس کا بہاؤ پوشیدہ ہے‘ جاری پانی سے بدرجہا بہتر ہے۔ سالِک کی سَیر رُوح کی سَیر کی طرح مخفی اور پوشیدہ ہوتی ہے۔ چونکہ سامعین کی توجہ نہیں ہے۔ اس لئے فنا کے مقام کی باتیں بند کردو۔ ورنہ نقش برآب ہوں گی۔

حضرت سُلیمان علیہ السلام کا بلقیس کو دعوت کا بقیہ قِصّہ

حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کو عمل کی دعوت دی اور فرمایا کہ بدکرداروں کی محبت سے بچ۔ انسان جب تک زندہ ہے بااختیار ہے۔ عالمِ آخرت کی شاہی لازوال ہے اور وہاں صرف نیاز کام آتا ہے۔ جو شخص ناپائیدار حکومت سے دست بردار ہو کر ابدی سلطنت حاصل کر لے وہ مُبارکباد کے قابل ہے۔ تیری بہنوں

بلکہ خود را در صفا گورے کُنی	در منیِ اُو کُنی دفنِ منی
بلکہ اپنی قبر دل کی صفائی میں بنا	اپنی خودی کو اللہ کی خودی میں دفن کرے

نے پختگی کی سلطنت حاصل کر لی ہے اور تُو اپنی بے نور حکومت سے چمٹی ہوئی ہے۔

جس نے سلطنت حاصل کر لی ہے وہ اپنے باطنی کمالات کے باغ میں بیٹھا ہوا ہے لیکن بظاہر ملنے والوں کو وہ ایک کانٹا نظر آتا ہے۔ اُس کا باطنی باغ (مشاہدہ) ہر وقت اُس کے ساتھ رہتا ہے۔ لیکن وہ باغ عوام کی نظروں سے مخفی ہے۔ وہ خود اس باغ کے پھلوں سے نفع اندوز ہے اور اس باغ کی نہروں سے آبِ حیات پی رہا ہے۔ اس دُنیا کی سَیر کو چھوڑ اور رُوحانی سَیر کر جس کے لئے پاؤں اور بال و پر کی ضرورت نہیں ہوتی۔ معارفِ خداوندی سے لذّتیں حاصل ہوتی ہیں اور اس خوراک کے لئے لُقمے چبانے کی ضرورت نہیں ہے۔ عالمِ ملکوت میں تُو خود ہی ملکہ ہوگی۔ خود ہی لشکر اور تختِ شاہی ہوگی۔ تُو خود ہی نصیب ہوگی اور خود ہی نیک بخت ہوگی۔ اس عالَم میں اگر تُو نصیبہ وَر بھی ہے تو بخت اور چیز ہے اور تُو اور چیز۔ اس مُغائرت کی وجہ سے کسی وقت بھی تیرا تخت تجھ سے جدا ہو سکتا ہے اور تُو فقیر بن سکتی ہے۔ جب تجھ میں اور نصیبہ میں اِتّحاد ہو جائے گا تو پھر بخت کو تُو کبھی گم نہیں کرے گا کیونکہ کوئی اپنے آپ کو کب گم کرتا ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کا قِصّہ چل رہا تھا کہ درمیان میں بلقیس کا ذکر آ گیا۔ بہر حال وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس آ کر ایمان لے آئی۔ اب بقیہ قِصّہ سنو۔

حضرت سُلیمان علیہ السلام کا مسجدِ اقصیٰ کو حکمتوں کی وجہ سے خُدا کی تعلیم اور وحی کے ذریعہ تعمیر کرنے کا بقیہ قِصّہ، فرشتوں، جنّوں اور پریوں کی مدد

جب بلقیس کو دعوت کی تکمیل ہو گئی تو انہیں یعنی حضرت سلیمان علیہ السلام کو وحی ہوئی کہ بلقیس اور اُس کا لشکر عبادت کرنے لگے ہیں۔ اب ایک وسیع مسجد کی ضرورت ہے۔ اُنہوں نے مسجد کی بنیاد رکھی اور تمام جن و انس تعمیر کے کام میں لگ گئے۔ کچھ لوگ دل و جان سے کام کر رہے تھے اور کچھ بددلی سے تھے جیسا کہ عبادات میں انسانوں کا حال ہے۔ جس طرح مسجد کے کام میں جن لگے ہوئے تھے اسی طرح ہر انسان کو دیو سمجھو اور اُن کا قلبی رُجحان اُن کے لئے بمنزلہ زنجیر کے ہے۔ وہ اِسی زنجیر کے ذریعے اپنے اپنے کاموں میں لگے ہیں۔ خواہشِ نفسانی کی زنجیر دنیاوی معاملات میں کامیابی حاصل کرنے کی تگ و دو کی طرف کھینچتی ہے۔

زنجیریں دو قسم کی ہیں ایک ڈر کی اور دوسری عشق کی۔ دُنیا کے لوگوں کو تُو بے زنجیر نہ سمجھ۔ یہ کسی نہ کسی زنجیر سے ضرور بندھے ہیں۔ قرآن پاک میں ہے کہ "نہیں کوئی زمین پر چلنے والا مگر اللہ تعالیٰ اُس کی پیشانی کے بال پکڑے ہوئے

پس چو آہن گرچہ تیرہ ہیکلی
اگرچہ تُو اندر سے لوہے کی طرح کالا ہے

صیقلی کُن، صیقلی کُن، صیقلی
صیقل کر صیقل کر صیقل کر اور غیبی صورتوں کو دیکھنے لگ جا)

ہے''وہ مخفی زنجیر انسان کو مختلف کاموں کی طرف کھینچتی ہے۔ قرآن میں ابولہب کی بیوی کے بارے میں ہے کہ''اُس کے گلے میں مونجھ کی رسّی ہے''۔ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ رسی خواہشاتِ نفسانی کی رسی ہی تو ہے۔ ہر شخص کے اخلاق کے مطابق رسی اُس کے گلے میں ہے۔

انسان کی حرص اُس کے بُرے اعمال کو خوشنما کر کے پیش کر دیتی ہے۔ کوئلہ کالا ہوتا ہے' آگ اُسے سُرخ بنا دیتی ہے۔ جب آگ کا اثر ختم ہو جاتا ہے تو پھر کالا پن نمودار ہو جاتا ہے۔ بُرا عمل حرص کی وجہ سے حسین نظر آتا ہے۔ جب حرص کی آگ دُور ہو جاتی ہے تو اُس عمل کی بُرائی نظر آنے لگتی ہے۔ جو شخص کچے پھل کو پختہ سمجھے گا وہ احمق ہے۔ انسان میں حرص جال کو دانے کے طور پر دکھا دیتی ہے۔ ہاں کارِ خیر میں اگر حرص ہو اور وہ حرص جاتی بھی رہے تو بھی وہ عمل بہتر ہی دکھائی دے گا۔ دنیاوی کاموں میں لالچ کی چمک ہٹ جانے کے بعد اُن کاموں کی بدنمائی واضح ہو جاتی ہے۔ بچّہ گھوڑے کی حرص میں اپنے دامن کو گھوڑا بنا کر سوار ہو جاتا ہے۔ جب بڑا ہو جانے پر وہ حرص ختم ہو جاتی ہے تو پھر وہی بچہ دوسرے بچوں کی اس حرکت پر ہنستا ہے۔ غرض کہ انسان کی حرص اور لالچ بُرے کو بھلا دکھاتی ہے۔ ہر کہ شہد نظر آنے لگتا ہے۔

جو تعمیر انبیاء علیہم السلام کرتے ہیں اُس میں چونکہ کوئی حرص اور طمع شامل نہیں ہوتا اس لئے اُن کی تعمیروں کی رونق میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ دوسرے بھلے لوگوں نے بھی مسجدیں بنائیں لیکن اُن کو وہ مرتبہ حاصل نہ ہوا جو مسجدِ اقصیٰ کا ہے۔ کعبے کی روز افزوں عزت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اخلاص کی وجہ سے ہے۔ اُنہوں نے اخلاص سے مسجد حرام کی تعمیر کی تھی۔ کسی حرص یا کسی سے مقابلے میں تعمیر نہیں کی تھی۔ انبیا کی ہر چیز انوکھی ہوتی ہے۔ ہر نبی کو اللہ نے وہ مرتبہ عطا فرمایا ہے کہ جس میں لاکھوں حشمتیں اور عزتیں پنہاں ہوتی ہیں۔ ہر نبی کسی خاص الٰہی صفت کا مظہر ہوتا ہے۔ اُن حضرات کے فضائل بیان کرنے سے بھی دل اس خوف سے لرزتا ہے کہ اس میں کوتاہی نہ ہو جائے۔ چونکہ میں کما حقہٗ اُن کی تعریف نہیں کر سکتا اس لئے میری یہ تعریف ناقص ہے۔

درمیان میں اور باتیں آ گئیں اب ہم پھر مسجدِ اقصیٰ اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا ذکر شروع کرتے ہیں۔ مسجد کی تعمیر میں دیو اور پریاں مصروفِ کار ہیں۔ اگر وہ سرکشی کرتے ہیں تو فرشتے اُن کو سزا دیتے ہیں۔ اے مخاطب! تُو بھی حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرح بن جائے تو جن اور پریاں تیرے بھی خدمت گار بن جائیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام' جنوں پر ایک انگوٹھی کی تاثیر سے حکومت کرتے تھے۔ صخر نامی ایک جن نے وہ انگوٹھی چُرا لی تھی اور اُس کے ذریعے حکومت کرنے لگا۔

تا دلت آئینہ گردد پُر صُور	اندر و ہر سُو ملیحے سیم بر
تاکہ تیرا دل صُورتوں بھرا آئینہ بن جائے	جس میں ہر جانب چاندی کے جسم والا حسین اللہ ہو

تیری انگوٹھی تیرا دل ہے، تُو اِس کی حفاظت کر، کہیں شیطان اِسے نہ چُرا لے اور وہ تجھ پر حکومت کرنے لگے۔ تیری رُوح تیرے اندر ہے۔ اگر تُو اس کی اِصلاح کر لے گا تو وہ سلیمانی کرے گی۔ بناوٹی شیخ کی مثال اُس دیو کی سی ہے جس نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی چُرا کر اُس کے ذریعے حکومت کرنی شروع کر دی تھی۔ معمولی جولاہا اَطلس بُننے کی طرح ہاتھ تو چلا سکتا ہے لیکن اَطلس بُننے والے اور اِس جولاہے میں اور اُن کے کام میں بہت فرق ہے۔ یہی حال صحیح اور بناوٹی شیخ میں ہوتا ہے۔

ایک شاہ کا شاعر کو عطیہ دینا اور حَسن نامی وزیر کا اُسے دُگنا کرنا

اِس حکایت میں دو وزیروں کا ذکر ہے جن دونوں کا نام حسن تھا لیکن اُن کے کام میں بہت فرق تھا۔ شاعر نے بادشاہ کی خدمت میں قصیدہ پیش کیا۔ بادشاہ نے خوش ہو کر اُسے ایک ہزار اشرفیاں دینے کا حکم دیا۔ اُس کے حسن نامی وزیر نے سفارش کر کے دس ہزار اشرفیاں دلوادیں کہ ایسے اچھے شاعر کے لئے آپ جیسے سخی سے دس ہزار بھی تھوڑے ہیں کیونکہ آپ کا خزانہ اس قدر زیادہ ہے کہ یہ دس ہزار تو بچے کھچے کا دسواں حصہ بنتا ہے۔ اس بخشش کی وجہ سے شاعر کا سر بادشاہ کے شکر اور ثناء سے بھر گیا اور اُس نے جستجو کی کہ کس نے بادشاہ کو اس بڑے عطیہ دینے پر آمادہ کر لیا۔ لوگوں نے شاعر کو بتایا کہ فلاں وزیر جس کا نام حسن ہے وہ دل کا بھی حسین ہے اُس نے یہ عطیہ دلوایا ہے۔ شاہ کی عطا اپنی زبانِ حال سے شاہ کی تعریف کر رہی تھی۔

چند سال بعد شاعر کا پھر شاہ کے سامنے قصیدہ پڑھنا اور نئے حَسن نامی وزیر کا طرزِ عمل

چند سال کے بعد شاعر پھر محتاج ہو گیا۔ اُس نے سوچا کیوں نہ اُس بادشاہ کے دربار میں حاضری دوں جس کے کرم کو پہلے آزما چکا ہوں۔ سیبویہ نے لفظ "اللہ" کی جو تحقیق کی ہے اُس میں کہا ہے کہ یہ اسم مشتق ہے اور اَلِہَ سے بنا ہے جو دراصل وَلِہَ تھا جس کے معنی سرگشتہ ہوا اور گھبراہٹ ظاہر کرنے کے ہیں تو "اللہ" سیبویہ کے نزدیک اَلْاِلٰہ تھا۔ پہلی ہا اور دوسرے ہمزہ کو حذف کر کے لام کو لام میں مدغم کر دیا ہے اور یاء کو الف سے بدل دیا ہے۔ تو اللہ کو اللہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ مخلوق اپنی ضروریات میں اس کے سامنے تضرع وزاری کرتی ہے۔

اپنی ضروریات کو ہم نے تلاش کیا تو اُن کو تیرے پاس پایا یعنی ہماری ضروریات تُو ہی پورا کرنے والا ہے۔ لاکھوں مخلوق مصیبت میں اُس اللہ کی طرف رُجوع کرتی ہے۔ اگر عقل مندوں کی ضرورتیں اُس کے دَر سے پوری نہ ہوتیں تو وہ

دائما صیاد ریزد دانہا
شکاری نفس ہمیشہ دانہ ڈالتا ہے

دانہ پیدا باشد و پنہاں دغا
بظاہر دانہ ہے لیکن باطن میں اسکا دھوکا چھپا ہوا ہے

کیوں اُس کی طرف رُجوع کرتے۔ صرف عقل مند انسان ہی نہیں بلکہ ساری کائنات اپنی ضروریات اسی اللہ سے پوری کرتی ہے۔ عقل مند انسانوں کے علاوہ صرف جاندار ہی نہیں بلکہ بے جان کائنات بھی اللہ ہی سے سرمایہ حاصل کرتی ہے۔ آسمان اپنے وجود میں اُسی سے مُستفید ہیں۔ قرآن میں ہے ''اور آسمان لپٹے ہوئے ہیں اُس اللہ کے دائیں ہاتھ میں'' آسمان کہتا ہے کہ اے اللہ! تُو مجھے لمحے بھر کے لئے بھی نہ چھوڑ۔ زمین کہتی ہے اے اللہ! تو مجھے برقرار رکھ۔ مجھے پانی پر قائم رکھ۔ دوسرے بھی جو بخشش کرتے ہیں وہ بھی اُسی کے عطا کردہ مال میں سے بخشتے ہیں تو اُن کا دینا بھی دراصل اللہ ہی کا دینا ہے۔ بندوں میں یہ صفت' اللہ ہی کی صفت کا مظہر ہے۔ اللہ فرماتا ہے ''ضروریات میں صبر اور نماز سے مدد حاصل کرو'' یعنی صبر کے ساتھ نمازوں میں اُس سے دُعا کرو مُدّعا پورا ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ عطا کا سمندر ہے اور دوسرے سب خشک نہر ہیں۔ دوسروں کی عطا بھی دراصل اللہ ہی کی عطا ہوتی ہے۔ اُن میں سخاوت کا مادہ اُسی نے تو رکھا ہے۔ جب وہ منکروں کو بھی نوازتا ہے تو اپنی عبادت کرنے والوں کو کیوں نہ نوازے گا۔

شاعر بادشاہ کے حضور شعر پیش کر کے انعام چاہتا ہے اور سخی لوگ داد و دہش کے لئے روپیہ لئے ہوئے شاعروں کے منتظر رہتے ہیں کہ وہ آئیں تو اُنہیں انعام دیں۔ جو لوگ شاعروں کے قدردان ہیں اُن کے نزدیک ایک اچھا شعر ریشمی کپڑوں کے سینکڑوں گھڑوں سے بڑھا ہوا ہوتا ہے۔ خصوصاً اِس شاعر کے اشعار جو نئے عُمدہ مضامین شعر میں کہے۔ انسان کی فطرت ہے کہ پہلے وہ روٹی کی فکر کرتا ہے' جب اِس سے مستغنی ہوتا ہے تو مدح وثنا کا طالب بنتا ہے۔ پیٹ کے لئے جائز وناجائز سودھندے کرتا ہے پھر اُس کی خواہش ہوتی ہے کہ اُس کی مدح وثنا ہو تاکہ اُس کی شان و شوکت کی خوشبو پھیل جائے۔

خلق ما بر صُورت خود کرد حق
وصف ما از وصفِ اُو گیرد سبق (مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ)

''اللہ تعالیٰ نے ہماری تخلیق اپنی صورت پر کی ہے۔ ہمارے اوصاف اُسکے اوصاف سے سبق لیتے ہیں۔''

اللہ نے انسان کو اپنی صورت اور صفات پر پیدا فرمایا ہے۔ اللہ شُکر و رحم کا طالب ہے لہٰذا انسان میں یہ صفت ہے۔ اہلُ اللہ جب اپنی تعریف سُنتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ لوگ اُن کے مدّاح بن کر سیدھے راستے پر لگ رہے ہیں تو اُن کو بہت خوشی ہوتی ہے۔ اگر دُرست مشک میں پھونک بھرو تو وہ پھول جاتی ہے۔ اگر غیر واقعی تعریف ہو تو اُس کی مثال یہ ہے کہ پھٹی ہوئی مشک میں پھونک بھری جائے۔ اِحسان اور کارِخیر کبھی مردہ نہیں ہوتے۔ محسن مرجاتا ہے لیکن اُس کا

اِحسان زندہ رہتا ہے۔ اسی طرح ظلم بھی زندہ رہتا ہے اور ظالم مرجاتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے ''جب انسان مرجاتا ہے تو اُس کا عمل مُنقطع ہو جاتا ہے مگر تین چیزیں' صدقہ جاریہ' علمِ نافع اور نیک اولاد جو اُس کے لئے دُعا کرتی رہے''۔ نیک نامی بھی ایک نہ مرنے والا عمل ہے۔ وہ انسان بدبخت ہے جو اپنے پیچھے بُرے عمل چھوڑ گیا' جو مرنے والے نہیں ہیں۔ اُس شخص کے مرنے سے اُس کی جان نہیں چھوٹے گی بلکہ اُس کے بدعمل کی وجہ سے اُس کے گناہوں میں اور اِضافہ ہوتا رہے گا۔

اب ہم شاعر کی بات کی تکمیل کرتے ہیں۔ جو قصیدہ شاعر نے پیش کیا وہ بہت ہی عُمدہ تھا۔ شاہ کی عادت تھی کہ وہ ہمیشہ شاعروں کو ایک ہزار روپے انعام میں دیتا تھا۔ اِس دفعہ جب شاعر آیا تو پُرانا نیک نام وزیر دُنیا سے باعزت رخصت ہو چکا تھا۔ اُس کی جگہ پر جو نیا وزیر بنا تھا وہ بے رحم اور کمینہ خصلت تھا۔ دوسرے وزیر نے بادشاہ سے کہا کہ ہمیں خود اخراجات درپیش ہیں۔ ایک شاعر کو اس قدر انعام دینا مناسب نہیں ہے۔ میں ایک ہزار کے چالیسویں حصے پر اُس کو راضی کر لوں گا۔ لوگوں نے وزیر سے کہا کہ وہ گنا کھا کر سرکنڈے کب چبا سکے گا۔ وزیر نے لوگوں سے کہا کہ میں اُسے اتنا انتظار کراؤں گا کہ وہ عاجز اور پریشان ہو جائے گا۔ جب وہ انتظار میں سخت پریشان ہوگا تو معمولی انعام کو بھی غنیمت سمجھے گا۔

وزیر نے بادشاہ سے کہا کہ یہ معاملہ مجھ پر چھوڑ دیجئے۔ میں ایسے کاموں میں اُستاد ہوں' تقاضا کرنے والا خواہ گرم مزاج ہو میں اُسے ٹھنڈا کر لیتا ہوں۔ میں بڑوں بڑوں کو نرم کر لیتا ہوں۔ میں جو دوں گا وہ اُس پر راضی ہو جائے گا۔ بادشاہ نے وزیر سے کہا کہ تجھے اِختیار ہے جو چاہو کرو لیکن اُس کو خوش کر دینا۔ وزیر نے بادشاہ سے کہا: اُس جیسے لاکھوں سے میں نمٹ لوں گا۔ یہ معاملہ آپ مجھ پر چھوڑ دیں۔ وزیر نے انعام دینے میں ٹال مٹول شروع کر دی اور موسم پر موسم گزرتے گئے۔ شاعر جس قدر اپنی ضروریات ظاہر کرتا' وزیر حیلہ بازی میں اور اِضافہ کر دیتا۔ شاعر وعدے کے ایفا کے انتظار میں بوڑھا ہو گیا اور وزیر کی مکاری سے عاجز آ گیا۔ شاعر نے وزیر سے کہا کہ اگر مجھے انعام نہیں دینا ہے تو مجھے گالی ہی دے دے تاکہ یہ انتظار تو ختم ہو' میں تیرا شکر گزار رہوں گا۔ اُس نے چالیسواں حصہ اُسے دے دیا اور شاعر نے اُسے ہی زیادہ سمجھا کیونکہ انتظار کی تکلیف سے چھوٹ گیا۔

لوگوں نے اُس سے کہا کہ وہ سخی وزیر دُنیا سے چلا گیا ہے جو عطا کو دوگنا کر دیا کرتا تھا اور اپنا اِحسان بھی ساتھ ہی لے گیا لیکن اِحسان نہیں مرا۔ وہ چلا گیا اور اُس کی جگہ فقیروں کی کھال اُتارنے والا آ گیا۔ تُو اُس سے یہ عطا ہی لے کر

چند اندر رنجہا و در بلا	گفتی از دامم رہا کُن اے خُدا
کئی بار تُو نے تکلیفوں اور مصیبت میں	اللہ سے اس جال سے رہائی کیلئے فریاد کی ہے

چلا جا ورنہ یہ کوئی الزام رکھ کر یہ بھی تم سے چھین لے گا۔ وزیر سے متعلق لوگوں نے یہ بھی بتایا کہ تجھے تو خبر نہیں ہم نے اتنا بھی تجھے بہت کوششوں سے دلوایا ہے۔ شاعر نے اُن لوگوں سے کہا کہ یہ وزیر نہیں، ظالم سپاہی ہے اور یہ کہاں سے آیا ہے جو کہ لوگوں کے کپڑے بھی اُتار لیتا ہے۔ شاعر نے جب سُنا کہ اُس کا نام بھی حسن ہے تو اُس نے افسوس کا اظہار کیا کہ ایسے بھلے وزیر اور ایسے بُرے وزیر کا نام یکساں ہے۔ پہلے حسن کے قلم سے تو سخاوت ہوتی تھی اور یہ حسن اس قابل ہے کہ اُس کی داڑھی سے رسیاں بنائی جائیں۔ ایسا بدفطرت وزیر، شاہ اور سلطنت کے لئے رُسوائی کا باعث ہے۔ شاہ کا یہ دوسرا وزیر ویسا ہی ہے جیسا فرعون کا وزیر ہامان تھا۔

کمینہ صفت وزیر اور فرعون کے وزیر ہامان کے کردار میں مشابہت

فرعون کئی مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی گفتگو سے نرم ہوا لیکن اُس کا وزیر پھر اُس کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مدِ مقابل کر دیتا تھا۔ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کلام ایسا پُر تاثیر تھا کہ اُس کو سُن کر پتھر سے بھی دودھ ٹپکنے لگتا لیکن ہامان کی طبیعت بہت کینہ جُو تھی۔ فرعون جب ہامان سے مشورہ کرتا تو وہ فرعون کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیروی سے روک دیتا۔ ہامان بھڑکانے کے لئے کہتا کہ اب تک تو آپ شاہِ مصر ہیں لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیروی کر کے آپ اُن کے غلام بن جائیں گے۔ اے مخاطب! تیری عقلِ سلیم تیری خواہش سے مغلوب ہے، جس طرح فرعون، ہامان سے مغلوب تھا۔ خواہشِ نفسانی، مکاری سے اُس نصیحت کو ٹال دیتی ہے اور عقل سے کہتی ہے کہ یہ بات بہتر نہیں ہے، اُس پر فریفتہ نہ ہو۔

اُس شاہ پر افسوس ہے جس کا وزیر ہامان جیسا ہو، اُن دونوں کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ وہ شاہ مُبارکباد کے لائق ہے جس کا آصف جیسا وزیر ہو۔ جب بادشاہ بھی منصف ہو اور وزیر بھی بھلا ہو تو نور بالائے نور ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام اور اُن کا وزیر آصف، نور بالائے نور کا مصداق تھے۔ شاہ فرعون ہو اور وزیر ہامان تو بدبختی کے سوا کچھ نہیں ہے۔ ایسے شاہ کے لئے قیامت میں تاریکی بالائے تاریکی ہوگی، نہ وہاں عقل کام آئے گی اور نہ دولت۔ اگر کمینوں میں تجھے کوئی سعادت نظر آئے تو اُسے میرا اسلام کہہ دے۔ شاہ بمنزلہ رُوح کے اور وزیر بمنزلہ عقل کے ہے۔ اگر عقل خراب ہو جائے تو رُوح باقی نہیں رہتی۔ عقل جو فرشتے کی طرح ہے اگر ہاروتی فطرت اختیار کر لے تو اُس کے کارنامے خراب ہوتے ہیں۔ تُو خواہشِ نفسانی کو وزیر نہ بنا ورنہ تیری رُوح عبادت چھوڑ دے گی۔ انسان کی خواہشِ نفسانی حریص ہوتی ہے اور دنیاوی معاملات کی فکر کرتی ہے۔ عقلِ سلیم ہمیشہ آخرت کے معاملے کو سوچتی ہے۔ اُس کی دونوں آنکھیں اپنے انجام پر نظر رکھتی

تا چنیں خدمت کنم احساں کنم	خاک اندر دیدۂ شیطاں کنم
تو کہتا ہے کہ میں آیندہ خدمت کرونگا احسان کرونگا	اور شیطان کی آنکھ میں خاک جھونک دُوں گا

ہیں۔ خواہ انسان میں خود بھی عقل ہو لیکن عقلِ کامل کو ضرور شریکِ مشورہ کرلے۔ انسان کی اپنی عقل اور عقلِ کامل دونوں مل کر مصائب سے نجات دلا دیں گی۔

حضرت سُلیمان علیہ السلام کی جگہ پر دیو کا بیٹھنا، اُن کے کاموں کی نقل اُتارنا اور دونوں کا فرق ظاہر ہونا

صخر نامی دیو نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگشتری چُرا لی اور خود اُن کی جگہ بیٹھ گیا۔ اس قصے کی حقیقت نہیں ہے لیکن اِس کے ذریعے انسان کو ایک ضروری پیغام دیا گیا ہے کہ وہ دیو حضرت سلیمان علیہ السلام کے ظاہر کار سے واقف تھا لیکن حقیقت سے واقف نہ تھا تو اُس نے ظاہر کار کی نقل اُتارنی شروع کر دی لیکن اُن تمام کاموں کا باطن شیطانی تھا۔ جب دیو نے سلیمان علیہ السلام ہونے کا دعویٰ کیا اور اپنا نام بھی سلیمان علیہ السلام رکھا تو لوگوں نے کہا کہ یہ سلیمان تو بے نور ہے اور اِس سلیمان اور اُس سلیمان علیہ السلام میں بہت فرق ہے، ویسا ہی فرق جو دونوں حسن نامی وزیروں میں تھا۔

صخر کو جب شُبہ ہوا کہ لوگ مجھ سے بدظن ہو کر اصل سلیمان کی تلاش میں نہ لگ جائیں تو اُن کو بہکانے کے لئے کہنے لگا کہ اللہ نے ایک شیطان بھی میری صورت پر پیدا کیا ہے۔ کبھی وہ آ کر کچھ کام کر دیتا ہے تو اُس کی وجہ سے مجھ سے بدگمانی نہ کرنا۔ وہ تو ایسی باتیں کر رہا تھا لیکن نیک لوگوں پر اُس کی اصلیت کا عکس پڑ رہا تھا۔ نیک لوگوں کے ساتھ مکر کرنا آسان نہیں ہوتا۔ جو لوگ آخرت کی دولت کے مالک ہیں اُن کی عقلوں پر کوئی جادو، مکاری اور فریب پردہ نہیں ڈال سکتا۔

نیک لوگ اُس کی باتوں کا اِعتبار نہیں کرتے تھے اور اُسے بتاتے تھے کہ اگرچہ حضرت سلیمان علیہ السلام سلطنت سے معزول ہیں لیکن ان کی پیشانی میں نورِ نبوت ہے۔ اُن لوگوں نے دل میں یہ بھی کہا کہ اگرچہ تُو نے انگوٹھی چُرا لی ہے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے تخت پر قبضہ کر لیا ہے لیکن تُو دوزخ کا زمہریری حصہ ہے۔ اگر ہم غفلت سے بھی اُس کے سامنے اپنی پیشانی رکھیں گے تو غیبی پنجہ ہمیں روک دے گا کہ خبردار! اُس بدبخت کے آگے سجدہ نہ کر۔ اگر میں اِس بات کی تشریح کروں کہ اللہ تعالیٰ شیاطین کو کیوں مواقع عنایت کرتا ہے اور اُن کو ڈھیل دینے میں کیا اَسرار ہیں تو غیرتِ خداوندی مجھے روکتی ہے۔ قناعت کرو کہ میں کسی دوسری جگہ اِس کی شرح کروں۔ شیطان اپنا اچھا نام رکھ کر اکثر لوگوں کو دھوکا دیتا ہے۔ انسان کو چاہیے کہ مقطّع صورت اور بڑے نام اور القاب سے دھوکا نہ کھائے بلکہ باطنی اوصاف دیکھے۔ انسان کو اُس کے اخلاق اور اُس کے کارناموں سے پہچان۔ محض صورت اور بڑے نام سے دھوکہ نہ کھا۔

چوں خلاصی داد حق زامتحاں
لیکن جونہی اللہ تمہیں مصیبت سے نجات عطا کرتا ہے

ہمچناں شتی کہ بُودی ہمچناں
تو پھر ویسا ہی ہو جاتا ہے جیسا کہ پہلے تھا

تکمیل کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام کا ہر روز مسجد میں عبادت کے لیے آنا، لوگوں کی رہنمائی کرنا اور مسجد میں اُگی بُوٹیوں کا اُن سے باتیں کرنا

حضرت سلیمان علیہ السلام ہر صبح مسجدِ اقصیٰ میں جاتے اور وہاں کوئی نئی بوٹی اُگی ہوئی دیکھتے تو اُس سے اُس کا نفع و نقصان دریافت فرماتے۔ وہ بوٹی اپنا نام اور خواص و افعال انہیں بتا دیتی۔ پھر وہ اُن بوٹیوں کے خواص و فوائد طبیب حضرات کو بتا دیتے اور اس طرح وہ جسمانی بیماریوں کے علاج کرنے لگے۔ غرض بتانے کی وجہ یہ ہے کہ سب علوم کی اِبتداء وحی کے ذریعے ہوئی ہے۔ حدیث میں ہے کہ ایک نبی لکیر کھینچتے تھے (جس سے آئندہ کے واقعات معلوم ہو جاتے تھے) پس جس عالم کی لکیر اُن انبیاء علیہم السلام کی لکیر کے مطابق ہوتی ہے وہ دُرست ہے اور جس کی مخالف ہوتی ہے وہ غلط ہے۔ عام عقلِ انسانی میں سیکھنے کی صلاحیت ہے اور صاحبِ وحی اُس کو سکھا دیتا ہے۔ بعد میں علماء اور حکماء نے اپنی عقل اور تجربے سے علوم میں اضافے کیے ہیں۔ کوئی فن و ہُنر یا دستکاری بغیر اُستاد کے نہیں سیکھی جا سکتی۔ عقل اگرچہ موشگافیاں کرتی ہے لیکن اُستاد کے بغیر کوئی ہُنر نہیں سیکھا جا سکتا۔

قابیل کا قبر کھودنے کا فن کوے سے سیکھنا

قبر کھودنا اگرچہ معمولی فن ہے لیکن اگر اِس کی سمجھ قابیل میں ہوتی تو وہ کیوں ہابیل کی لاش کو سر پر اُٹھائے پھرتا۔ حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے قابیل نے اپنے بھائی ہابیل کو قتل کر دیا۔ وہ اُس کی لاش سر پر اُٹھائے پھرتا تھا کہ اُس کا کیا کرے۔ اُس نے دیکھا کہ ایک کوّا دوسرے مُردہ کوے کو لایا اور اُس نے زمین کھود کر اُس کو دفن کیا تو اُس کوے سے قابیل کو قبر کھودنے کا ہُنر آیا۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عقل کامل تھی۔ قرآن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں فرمایا گیا ہے: مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی یعنی "حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ نہ کج ہوئی اور نہ اُس نے سرکشی کی"۔ جو عقلِ صحیح کام کرتی ہے وہ خاصانِ خدا کا نور ہے جو اُن کو عطا کر دیا گیا ہے۔ تیرا نفس بھی چالاکی میں کوا ہے۔ اِس کے پیچھے نہ لگ ورنہ وہ تجھے گورستان پہنچا دے گا۔ دل چونکہ اَسرار کا مرکز ہے اس کے پیچھے چل۔ تیرا دل مسجدِ اقصیٰ کی طرح ہے اور اُس کے خیالات وہ بوٹیاں ہیں، جو مسجدِ اقصیٰ میں اُگتی تھیں۔

جس طرح حضرت سلیمان علیہ السلام اُن سے علم حاصل کرتے تھے تُو اپنے خیالات سے دل کا علم حاصل کرتا رہ۔ جس طرح کے خیالات پیدا ہوں گے اُن سے اپنے قلب کی حالت کا اندازہ لگا لے۔ زمین کی اچھائی یا بُرائی کا معیار اُس کی

جانِ خود را مست و بیہُش کردیش تُو نے اپنی جان کو اِس مست اور بیہوش کر لیا	چوں رہا کردت فراموش کردیش جونہی اُس نے تجھے مصیبت سے رہائی دی

پیداوار ہے۔ جو زمین گنا اُگائے وہ بہتر ہے اور جو زکل اُگائے وہ خراب ہے۔ خیالات دل کی زمین کی پیداوار ہیں، اُن سے دل کی اچھائی یا بُرائی معلوم ہو جائے گی۔ اگر مجلس میں سُخن فہم ہوتے ہیں تو کہنے والے کا دل کھلتا ہے۔ اگر سامعین نافہم ہوں تو نکتے فرار اختیار کر لیتے ہیں۔ جب سننے والے میں اہلیت نہ ہو تو خاموشی بہتر ہے۔ اسرار و حکم نااہلوں کو نہیں سنائے جاتے۔ سننے والوں کا جذبہ مضامین کی کشش کا سبب ہوتا ہے اور اُن کا جذبہ بھی صادق ہونا چاہیے۔ جس طرح چیزوں میں ظاہری کشش ہوتی ہے۔ اُسی طرح ایک پوشیدہ کشش ہے جو کبھی سیدھا چلاتی ہے اور کبھی ٹیڑھا اور انسان بندھا ہوا ہے لیکن نہ بندش نظر آتی ہے اور نہ کھینچنے والا۔

انسان کی مثال ایک اندھے اونٹ کی سی ہے جس کی مہار دوسرے کے قبضے میں ہوتی ہے۔ انسان کو ہمیشہ کھینچنے والے کی طرف دھیان دینا چاہیے۔ اگر انسان کا غیر محسوس کھینچنے والا ظاہر ہو جائے تو دُنیا دھوکے کا گھر نہ رہے۔ کافر کو گمراہی کی طرف کھینچنے والا زرد سیاہ کتا شیطان ہے۔ اگر اُسے یہ معلوم ہوتا تو وہ کب اُس کے پیچھے جاتا۔ گائے اگر قصائی کی حقیقت سے واقف ہو جائے تو کبھی بھی اُس کے پیچھے اُس کی دکان تک نہ جائے' نہ اُس کے ہاتھ سے چارہ کھائے' نہ اُس کو دودھ پلائے۔ اگر مجبوری میں قصائی کے ہاتھ کی گھاس کھاتی تو وہ کبھی ہضم نہ ہوتی۔ پس دُنیا کا کاروبار اس غفلت کی وجہ سے چل رہا ہے ورنہ دُنیا کی دولت کا خلاصہ بھاگ دوڑ اور مار پیٹ کے سوا کچھ نہیں ہے۔ آدمی جس کام میں محنت اور کوشش سے لگتا ہے۔ خدا اُس کے عیب اُس سے مخفی رکھتا ہے۔ تب ہی وہ لگا رہتا ہے۔ یہ بات صرف کام میں ہی نہیں ہے بلکہ فکر و خیال میں بھی ہے۔ اگر خیال کا عیب ظاہر ہو جائے تو آدمی اُس سے کوسوں بھاگے۔ جس حالت اور کیفیت میں انسان آخر میں شرمندہ ہو گا اگر ابتداءً اُس کی کیفیت معلوم ہو جائے تو اُس میں کبھی نہ لگے۔

قضاءِ خداوندی کا تقاضا یہی ہے کہ کام اور خیال کی بُرائی انسان پر ظاہر نہ ہو ورنہ قضا کے مطابق کام نہ ہو سکے گا۔ ایک تو یہ کام مقدر میں تھا پھر یہ پریشانی ایک دوسری قضائے خداوندی ہے۔ گناہ پر شرمندہ ہونا مُفید ہے۔ لیکن اعمالِ صالحہ میں لگ جانا زیادہ مُفید ہے۔ اگر انسان گناہوں پر شرمندگی میں پھنس کر رہ گیا تو انجام کار اس شرمندگی سے اُس کو اور شرمندگی ہو گی۔ اگر انسان گناہوں پر شرمندگی ہی کو اپنا شیوا بنا لے گا تو نتیجہ یہ ہو گا کہ آدھی عمر تو کاموں کی پریشانی میں گزرے گی اور آدھی شرمندگی میں۔ کوئی نیک عمل تو ہاتھ نہ آیا۔ پشیمانی کی عادت چھوڑ کر انسان کو اچھے عمل' اچھی صحبت اختیار کرنی چاہیے۔ اگر ایسا ہے کہ تیرے پاس کوئی نیک کام موجود ہی نہیں ہے اِس لئے تُو بُرے کام کی شرمندگی میں وقت گزار رہا ہے تو پھر یہ بتا کہ تُو شرمندہ کس کام کے چھوٹنے پر ہو رہا ہے؟ اگر تجھے نیک راستہ معلوم ہے تو اُس پر

از کہ بگریزیم از خود، ایں مُحال
ہم کس سے بھاگیں؟ اپنے آپ سے؟ یہ ناممکن ہے

از کہ برتابیم از حق ایں وبال
ہم کس سے سرتابی کریں؟ خدا سے! یہ تو تباہی ہے

چل اور اگر تجھے نیک راستہ معلوم ہی نہیں ہے تو تُو نے یہ کیسے سمجھا کہ تُو غلط راستہ پر تھا۔ جو شخص بدی کو نہیں سمجھتا ہے وہ نیکی کو نہیں سمجھ سکے گا۔ اِس لئے کہ ایک چیز کو اُس کی ضد ہی سے جانا جا سکتا ہے۔

ہماری نصیحت ہے کہ شرمندگی ختم کر کے عمل شروع کر۔ اگر تُو یہ کہے کہ شرمندگی ختم کرنے سے میں عاجز ہوں تو ایسا عجز تو گناہ چھوڑنے پر بھی تھا لہٰذا تیرا گناہ اِضطراری ہوا اور اِضطراری فعل پر شرمندگی لغو بات ہے۔ تیری عاجزی قضاءِ خداوندی سے اِختیار کے سَلب ہو جانے کی وجہ سے نہیں ہے۔ انسان کا عجز' قدرت سَلب ہو جانے کی وجہ سے نہیں ہوتا۔ انسان کی ہر تمنّا اس بنا پر ہے کہ اُس تمنّا کا عیب اُس سے پوشیدہ ہے۔ اگر اُس آرزو کا عیب واضح ہو جائے تو پھر انسان کھینچنے سے بھی اُدھر نہ جائے۔ جس کام سے انسان کو نفرت ہوتی ہے اُس کی وجہ یہی ہے کہ اُس کا عیب انسان پر ظاہر ہو جاتا ہے۔ دُعا کیا کرو کہ اے اللہ! بُرے کاموں کے عیب کو ہم سے مخفی نہ رکھ اور نیک کام میں کوئی عیب رونما نہ کر۔ حضرت سلیمان علیہ السلام اپنی عادت کے مطابق صبح صادق کے بعد مسجد اقصیٰ جاتے تھے اور نئی بوٹی تلاش کرتے تھے تاکہ اُس سے اُس کے فوائد و مُضرّات معلوم کرلیں۔ صوفی بھی حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرح اپنے دل کی مُصفّیٰ آنکھوں سے معارف کا راز معلوم کر لیتا ہے۔

ایک صُوفی کا مراقبہ اور دوستوں کے سوال و جواب

ایک صوفی نے باغ میں مُشاہدہ کے لئے اپنا سر زانو پر رکھا ہوا تھا یعنی مراقبے میں تھا۔ ایک نامحرم نے اسے سوتا ہوا سمجھا اور اُسے کہا کہ کیوں سوتا ہے؟ جبکہ قرآن میں ہے کہ "پس تم دیکھو اللہ کی رحمت (بارش) کے آثار (نباتات) کو وہ کس طرح زمین کو زندہ کر دیتا ہے اُس کے مردہ ہو جانے کے بعد" اُس صوفی نے کہا کہ اے احمق! دراصل رحمت کے آثار دل کے آثار ہیں جن کا مراقبہ میں مُشاہدہ ہوتا ہے اور یہ دُنیا کے باغ و بہار دل کی نشانیوں کے نشانات ہیں اور جس طرح اِن نشانات کا نقش اس نہر میں نظر آ رہا ہے جو باغ میں رواں ہے اُسی طرح یہ باغ و بہار دل کے آثار کا عکس ہیں۔ جو پانی میں نظر آتا ہے وہ اصل نہیں ہوتا بلکہ صرف عکس ہوتا ہے۔

کائنات کی ہر چیز کسی صفتِ خداوندی کا مظہر ہے اور قلبِ انسانی تمام صفات کا مظہر ہے۔ لہٰذا اصل وہ آثار ہیں' جو دل میں نمایاں ہوتے ہیں اور یہ کائنات اس سے درجہ دوئم کی چیز ہے۔ لہٰذا یہ اُس کا عکس ہے جیسا کہ اُس کا عکس پانی میں پڑتا ہے۔ اس دُنیا کو دھوکے کا گھر اِسی لئے فرمایا گیا ہے کہ یہ کائنات دل کے آثار کا عکس ہے۔ جو لوگ دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں وہ اِسی کائنات کو اصل اور جنت کدہ سمجھے ہوئے ہیں اور دل کی باغ و بہار سے بھاگتے ہیں اور اس کے

از کہ بگریزیم از خود، ایں مُحال
ہم کس سے بھاگیں؟ اپنے آپ سے؟ یہ ناممکن ہے

از کہ برتابیم از حق ایں وبال
ہم کس سے سرتابی کریں؟ خدا سے! یہ تو تباہی ہے

عکس کے حصول پر شیخی بھگارتے ہیں۔ جب اِس خوابِ غفلت سے بیدار ہوں گے تو اصل حقیقت نظر آ جائے گی لیکن اِس وقت کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ اُس وقت یہ لوگ قبرستان میں ہوں گے اور دارُالعمل سے جا چکے ہوں گے تو سوائے آہیں بھرنے کے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ جس شخص نے موت سے پہلے فنا حاصل کر لی اور اصل باغوں کا راز پا لیا' وہ قابلِ مبارک باد ہے۔

مسجدِ اقصیٰ کے کنارے خرُوب اُگنا

ایک روز عادت کے مطابق حضرت سلیمان علیہ السلام مسجد میں آئے تو ایک گوشے میں نئی بوٹی اُگی ہوئی دیکھی جو بہت ہی سرسبز اور شاداب تھی۔ بوٹی نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو سلام کیا اور اُس کی خوشنمائی سے حضرت سلیمان علیہ السلام کی طبیعت شگفتہ ہوئی۔ اُنہوں نے پوچھا: تمہارا نام کیا ہے؟ اُس نے جواب دیا: میرا نام خرُوب ہے اور جہاں میں اُگتی ہوں وہ جگہ ویران ہو جاتی ہے۔ میں مکان کی بربادی کی علامت ہوں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام سمجھ گئے کہ اُن کی وفات کا وقت قریب آ گیا ہے کیونکہ اُن کی زندگی میں اِس مسجد کی بربادی نہیں ہو سکتی تھی۔ جس دل کا جسم نمازی ہو وہ دل مسجد ہے اور بُری صحبت اُس کے لئے خرُوب کی بوٹی ہے۔ جب کسی بُرے دوست کی محبت دل میں اُگے تو مسجدِ دل برباد ہو جائے گی اور تو تباہ ہو جائے گا۔ سالک کے دل کی خرُوب اُس کے دل کا ٹیڑھا پن ہے جو اُسے مُرشد سے دُور کر دیتی ہے۔ شیخ کے سامنے اپنے آپ کو نادان اور مجرم سمجھ تا کہ وہ تمہاری اِصلاح کرنے میں دریغ نہ کرے۔ جب تُو اپنے جہل اور خطا کا اقرار کرے گا تو شیخ تجھے تعلیم دے گا۔

یاد رکھو! جہالت کے اِقرار کی ذِلّت جو واقعی ہے۔ جہالت کے فخر سے بہت بہتر ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے فوراً اعتراف کر لیا تھا' شیطان کی طرح عذر اور بہانے نہ بنائے۔ شیطان نے اپنی خطا کے سلسلے میں اللہ سے بحث شروع کر دی تھی۔ اُس نے گناہ پر جبر کو بہانہ بنایا اور کہا کہ تُو نے مجھے گمراہ کیا ہے اور اپنے اِختیار سے قطع نظر کر لیا۔ انسان گناہ خوشی سے کرتا ہے تو اُس خوشی کے ہوتے ہوئے جبر کا عذر کیسے دُرست ہوا۔ گناہوں کی طرف رقص کرتے ہوئے جانے کے ساتھ جبر اور اِکراہ کہاں جمع ہو سکتا ہے۔ نصیحت کرنے والوں کے ساتھ تُو زیادہ لڑائی کرتا ہے تو گناہوں کے ہاتھوں مجبور کیسے ہو گیا۔ نفسانی خواہشات کو پورا کرنے میں تُو بااختیار بنتا ہے اور بتقاضائے عقل نیک کام کرنے میں اپنی مجبوری ظاہر کرتا ہے۔ ہر نیک بخت خوب سمجھتا ہے کہ گناہ کر کے چالاکی سے اُس کے عذر پیش کرنا شیطانی کام ہے اور عشق و محبت جس کا تقاضا اطاعت ہے' آدم علیہ السلام کا کام ہے۔ اِس طرح کی چالاکی سمندر کو تیر کر پار کرنا ہے جس کا انجام ہلاکت

مکر کُن تا وارہی از مکرِ خود	مکر کُن تا فرد گردی از حسد
اچھی سوچ سے ہی تُو اپنے نفس کے مکر سے	اور حسد کی بُرائی سے نجات پائے گا

ہے۔ اللہ کے راستے میں چالاکی سے کامیابی ناممکن ہے۔ اِس معاملے میں شیطان نے کبر و کینہ اختیار کیا مارا گیا۔ چالاکی چھوڑ کر عشق کی حیرانی اختیار کرنی چاہیے تب مشاہدہ حاصل ہوگا۔

آنحضور ﷺ کی محبت پر اپنی عقل قربان کر دے اور اُن کے بتائے ہوئے راستے پر خدا کے بھروسہ پر چل پڑ۔ حضرت نوح علیہ السلام کے نافرمان بیٹے نے طوفان کے وقت حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی پر سوار ہونے سے انکار کر دیا تو عشق کی کشتی سے انکار کنعانی کام ہے۔ اُس نے کہا تھا کہ میں پہاڑ پر ٹھکانہ بنالوں گا جو مجھے بچالے گا۔ اُس نے یہ بھی کہا کہ میں حضرت نوح علیہ السلام کا اِحسان نہ لوں گا۔ کنعان سے پوچھو کہ خدا جس ذات کی حمد و ثنا کرتا ہے تو اُس کا اِحسان لینے سے گریز کیوں کرتا ہے؟ جبکہ وہ اللہ کے محبوب ہیں تو اُن کا اِحسان ہماری جانوں کو برداشت کرنا چاہیے۔ کاش اُس بدبخت کو تیرنا نہ آتا تو وہ ضرور حضرت نوح علیہ السلام کے ذریعے نجات کا طالب بن جاتا۔ بچے کو چونکہ حیلے اور تدبیریں نہیں آتیں، وہ ہر مصیبت کے وقت ماں کی پناہ پکڑتا ہے۔ وہ کنعان رَسمی علوم سے محروم ہوتا تو عقلی تدبیریں چھوڑ کر کسی باخدا سے الہامی علوم سیکھ لیتا۔ وَہبی علوم کے آگے کتابی علوم ہیچ ہیں۔ وَہبی علوم اور رسمی علوم میں وہی فرق ہے جو تیمم اور وضو میں۔ وضو پر اگر قدرت ہے تو تیمم بے کار ہے۔ شیخ اور ولی کے آگے اپنے آپ کو نادان بنالے تو رَسمی علوم کی حماقت سے نجات مل جائے گی۔

حدیث ہے اَھلُ الجَنَّۃِ بُلہٌ یعنی "جنتی بھولے بھالے ہیں" اَبلہ سے مراد وہ شخص ہے جو عشقِ خداوندی میں غافل اور دُنیا سے بے خبر ہے۔ نادان سے وہ نادان مراد نہیں جس میں مسخرہ پن ہو نہ وہ مراد ہے جو اپنی نادانی سے دُنیا جمع کرنے کا شوقین ہو۔ نادان سے وہ مراد ہے جو عشقِ خداوندی میں مقامِ حیرت میں ہو اور اُس کے گلے میں اللہ کے عشق کا طوق ہو۔ اِس طرح عشقِ الٰہی میں مدہوش ہو جس طرح مصر کی عورتوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کے عشق میں کیا تھا۔ اُنہوں نے محویت میں اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے اور اُن کو صرف رُخِ یوسف علیہ السلام کا ہوش تھا۔ عقلیں اللہ کا بہترین عطیہ ہیں تو اُس کی راہ میں ہی صرف ہونی چاہئیں۔ جو عقل مند ہیں وہ اپنی عقلوں کو اللہ کی ذات اور صفات کے سمجھنے میں صرف کرتے ہیں لیکن بے وقوف لوگ دُنیا کے کاموں میں عقل کا استعمال کرتے ہیں۔ اگر محویت کی بنا پر عقل نہ رہے تو پھر انسان کا ہر ہر رونگٹا عقل بن جاتا ہے۔

دنیاوی اُمور میں عقل سوزی ہے اور آخرت کے معاملے میں غور کرنے سے عقل، باغ و بہار بنتی ہے۔ جب عقل کی پیداوار کے باغ و جنگل کی طرف رُخ کرو گے تو اُس جنگل سے دین کے نکتے سنو گے اور تمہاری عقل تر و تازہ رہے گی۔

مکر کُن تا وارہی از مکرِ خود اچھی سوچ سے ہی تُو اپنے نفس کے مکر سے	مکر کُن تا فرد گردی از حسد اور حسد کی بُرائی سے نجات پائے گا

اِس راہِ عشق میں اپنی شان و شوکت کو ترک کر کے شیخ کے تابع بن جاؤ۔ جو شیخ کی اتباع نہیں کرے گا اُس میں عیب ہی عیب ہوں گے اور وہ پاک رُوحوں کو زخمی کرے گا۔ ایسے شخص کی زندگی سے موت بہتر ہے تا کہ رُوح کو ایسے ناپاک جسم سے نجات مل جائے۔ دیوانے سے ہتھیار چھین لینا عدل اور نیکی ہے۔ اگر دیوانے کے ہاتھ میں تلوار رہے گی تو وہ بہت نقصان پہنچائے گا۔ نااہل کے ہاتھ میں علم و مال اور مرتبہ ایسا ہی تباہ کُن ہے جیسے ڈاکو کے ہاتھ میں تلوار۔ بداصل انسان ہر چیز کا غلط استعمال کرے گا۔ جہاد کو اسی لئے جائز قرار دیا گیا ہے کہ دُنیا کے دیوانوں کی طاقت کو ختم کر دیا جائے تا کہ لوگ تباہ اور گمراہ نہ ہوسکیں۔ جان اور تن کو جدا کرنا گویا اُن کے ہاتھ سے تلوار چھین لینا ہے۔

جب تک بُرے آدمی کے ہاتھ میں ذرائع نہ تھے اُس کے عیوب چُھپے ہوئے تھے۔ وسائل کا بُرے ہاتھوں میں آ جانا گویا سانپ کا سوراخ میں سے نکل پڑنا ہے۔ جب نادان اور جاہل شاہ بن جائے تو اُس کے کارندے سانپ اور بچھو بن کر لوگوں کو کاٹتے ہیں۔ خود یہ شاہ بھی تباہ ہوتا ہے اور دوسروں کو بھی تباہ اور رُسوا کرتا ہے۔ نااہل بادشاہ، بخل کرے گا اور کسی کو کچھ نہیں دے گا اور اگر دے گا تو نااہلوں اور غیر مُستحقوں کو دے گا۔ ذلیلوں کو باعزت بنائے گا اور عزت والوں کو ذلیل کرے گا۔ وہ اُس کو عزت اور رتبہ اور منصب سمجھتا ہے حالانکہ وہ اُس کے لئے کنواں ہے۔ سمجھو کہ وہ مرتبہ کنویں میں گر گیا۔ اُس کو خود سلیقہ نہ تھا تو دوسروں کو کیا سلیقہ سکھائے گا۔ جس طرح جاہل بادشاہ کے ہاتھوں ملک تباہ ہوتا ہے اِسی طرح مردود شیخ کے ہاتھوں دین برباد ہوتا ہے۔ وہ خود راہِ طریقت سے ناواقف ہے تو اُس کے مرید تو برباد ہی ہوں گے۔ وہ مریدوں سے کہتا ہے کہ آؤ تمہیں مشاہدۂ حق کرادوں حالانکہ اُس نے خود بھی مشاہدہ تو دُور کنار پرچھائیں بھی نہیں دیکھی۔

آیت "یٰاَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ" کی تفسیر

روایات میں بیان کیا گیا ہے کہ جب آنحضور ﷺ پر غارِ حرا میں پہلی وحی آئی تو آپ ﷺ کانپ گئے اور گھبرا کر چادر اوڑھ کر لیٹ گئے۔ بعض میں ہے کہ آپ ﷺ قریش کی نافرمانی سے تنگ آ کر اور رنجیدہ ہو کر چادر اوڑھ کر لیٹے تھے۔ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ دوسری وجہ کو دُرست تسلیم کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ نااہلوں کی وجہ سے آپ ﷺ نے روپوشی اختیار کر لی تھی۔ اس لئے آپ ﷺ کو مُزّمّل یعنی کملی اوڑھنے والا کہا گیا۔ فرمایا گیا ہے کہ اگر تم روپوشی اختیار کرو گے تو لوگ گمراہی میں مبتلا رہیں گے۔ آپ ﷺ رات کو نماز میں قیام کیا کریں کیونکہ آپ ﷺ ایک شمع کی مانند ہیں اور شمع کا کام رات کو کھڑا رہنا ہوتا ہے۔ آپ ﷺ کے نورِ ہدایت سے عالم روشن ہوگا۔ ورنہ رُوح جو کہ شیر ہے وہ نفس سے جو کہ خرگوش کی طرح ہے

ہست صُوفی آنکہ شُد صفوت طلب
حقیقی صُوفی وہ ہوتا ہے جو باطنی صفائی کا طالب ہو

نہ لباسِ صوف نہ خیاطی و دَب
نہ وہ کہ جس نے صوفیوں جیسا لباس پہنا ہوا ہو

مغلوب رہے گی۔ آپ ﷺ اپنی اُمت کے لئے کشتی بان کی طرح ہیں اور رہنمائی وہی کر سکتا ہے جو صاحبِ عقل ہو خصوصاً دریائی راستے کی۔

آپ ﷺ اُٹھیئے کیونکہ ہر طرف شیطانی دَور دَورہ ہے۔ اِس وقت علمِ لدُنیہ کا فیضان پہنچانے والے عالَم میں آپ ﷺ ہی ہیں۔ رُوح اللہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام قوم سے روپوش ہو کر آسمانوں پر پہنچ گئے ہیں۔ مخلوقِ خدا کے لئے آپ ﷺ آفتابِ ہدایت ہیں۔ آپ کے لئے خلوت اور لوگوں سے جُدائی مناسب نہیں ہے۔ چاند آسمان پر اپنی سَیر جاری رکھتا ہے اور کتوں کے بھونکنے سے اپنی رفتار نہیں چھوڑتا۔ آپ ﷺ کے مخالف کتوں کی طرح ہیں' اُن کے بھونکنے سے آپ ﷺ اپنا طرزِ عمل تبدیل نہ کریں۔ قرآن پاک میں حکم ہے کہ قرآن پڑھا جاتا ہو تو خاموش ہو کر سنو لیکن یہ کتے اس حکم سے بے بہرہ ہیں اور بھونکے چلے جا رہے ہیں۔ یہ عالم بیمار ہے اور آپ ﷺ اس کی شفا ہیں۔ مخلوق اندھی ہے اور آپ ﷺ اِن کے رہنما ہیں' مخالفوں کی وجہ سے اپنا کام نہ چھوڑیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ جس نے اندھے کی چالیس قدم تک رہنمائی کی اُس کے اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔ آپ ﷺ اس اندھی مخلوق کی قیادت کیجئے' اُن کو قطار در قطار کھینچ کر لے جایئے۔

آپ ﷺ نبی آخر الزمان ہیں' اِن کے سوگ کو خوشی میں تبدیل کر دیجئے۔ جو لوگ شکوک و شبہات میں مبتلا ہیں اُن کو اس سے نکال کر یقین کی منزل میں پہنچا دیجئے۔ جو لوگ آپ کے خلاف مکر اور تدبیر کر رہے ہیں اُن کو میں ہلاک کر دوں گا۔ جو اندھے ہیں اُن کو اور اندھا بنا دوں گا اور ایسی تدبیر کروں گا کہ وہ زہر کو شکر سمجھ کر کھا جائیں' اِن مخالفوں کی عقلیں اور تدبیریں میری عقل اور تدبیر سے بڑھی ہوئی نہیں ہیں۔ اِن کا وجود میرے سامنے ایسے ہی ہے جیسے ایک نر ہاتھی کے مقابلے میں کمبل کا جھونپڑا۔ قیامت میں جب اسرافیل علیہ السلام صُور پھونکیں گے مُردے اُٹھ کھڑے ہوں گے۔ تم یہاں اپنا صُور پھونکو اور نبوت کا اعلان کر دو اور مردہ دلوں کو حیاتِ ابدی عطا کر دو۔ آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ میں اور قیامت ملے جلے بھیجے گئے ہیں۔ جس طرح قیامت حق اور باطل میں تفریق کرتی ہے میں بھی حق و باطل میں تفریق کرتا ہوں۔ جس طرح قیامت میں مُردے زندہ ہوں گے اسی طرح آنحضور ﷺ کی بعثت سے مردہ دلوں کو زندگی حاصل ہوگی اور ایسا ہی ہوا۔ اگر اِن مَعارف کے سننے کی اہلیت نہیں ہے تو پھر اُن کے بیان سے خاموشی بہتر ہے۔ اگر کوئی نادانی سے دُعا کرتا ہے اور اس کی دُعا ناقابلِ قبول ہوتی ہے تو سکوت اختیار کر لیا جاتا ہے۔

مقام کا تقاضا تھا کہ آپ ﷺ کے کارناموں کی تفصیل بیان کی جائے کہ کملی سے اُٹھ کر آپ ﷺ نے کیا کیا لیکن

وقت میں گنجائش نہیں ہے۔ ان کارناموں کی تفصیل بیان کرنے کے لئے تو عمر جاوداں بھی ناکافی ہے۔ بہترین نیزہ باز سے بھی اگر یہ کہا جائے کہ وہ گڑھے میں گھس کر نیزہ بازی کرے تو وہ بھی ذلیل ہو جائے گا اور صحیح بازی نہ کر سکے گا کیونکہ اس کام کے لئے وسیع میدان درکار ہے تو معارف کا بیان تنگ وقت میں اور وہ بھی عوام کے سامنے اس کی بھی یہی صورت ہے۔ پہلے کہا تھا کہ احمقوں کا جواب خاموشی ہے تو اعتراض ہوا کہ ان معارف کو بیان کرنے میں اس قدر طویل تقریریں کیوں ہو رہی ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ میں اللہ کی رحمت سے مجبور ہوں کیونکہ اُس کی رحمت کی موجِ کرم اچھی زمین اور شور زمین سب کو پہنچتی ہے۔

جواب نہ دینا بھی ایک جواب ہے، احمق کے سوال کا جواب خاموشی ہے

کسی بادشاہ کا ایک غلام بیوقوف اور شہوت پرست تھا۔ اپنے آقا کی معمولی خدمت بھی انجام نہ دیتا تھا اور آقا کا بدخواہ تھا اور اپنی اس عادت کو اچھا سمجھتا تھا۔ بادشاہ نے اُس کی تنخواہ کم کر دی۔ وہ کم عقل اور لالچی تھا' اس لئے سرکشی کرنے لگا۔ اگر وہ عقلمند ہوتا تو اپنا جائزہ لیتا اور خطا کی معافی چاہتا اور خطا معاف ہو جاتی۔ اُس غلام کی مثال اس گدھے کی سی ہے کہ جس کی ایک ٹانگ بندھی ہوئی ہو تو پھر بھی شرارت کرے تو اس کا دوسرا پاؤں بھی باندھ دیا جائے۔ دونوں پاؤں بندھنے پر کہتا ہے کہ میرا ایک پاؤں باندھنا ہی کافی تھا اور یہ نہیں سمجھتا کہ دونوں پاؤں بندھنا خود اُس کے اپنے کمینہ پن کی وجہ سے ہوا یعنی اگر وہ سمجھتا کہ میرا ایک پاؤں بھی میری شرارت کی وجہ سے ہی بندھا ہے تو وہ شرارت کو ترک کر دیتا اور پہلا پاؤں بھی کھل جاتا۔

اِنسانوں، فرشتوں اور حیوانات میں فرق

اللہ نے فرشتوں میں عقل رکھی جس کا مقتضاء طاعت و بندگی ہے لہٰذا فرشتوں سے گناہ کا صدور نہیں ہوتا اور ملائکہ کی غذا صرف عشقِ خداوندی ہے' حیوانات میں صرف شہوت رکھی جنسی ہو یا کھانے پینے کی۔ انسان میں عقل اور شہوت دونوں رکھیں۔ حیوانات میں صرف خواب وخور کی فکر ہے اور وہ شقاوت اور سعادت سے غافل ہیں۔ انسان رُوحِ انسانی اور جسم سے مرکّب ہے۔ رُوح میں مَلَکِیّت ہے اور جسم میں حیوانیت ہے۔ جسم کا تعلق عالمِ ناسُوت سفلی سے ہے اور رُوح کی پرواز عالمِ بالا کی طرف ہے۔ انسان کی اِن دونوں قوتوں میں باہم تصادم رہتا ہے۔ انسان رُوح کے تقاضوں کو پورا کرتا ہے تو فرشتوں سے بڑھ جاتا ہے کیونکہ اُس نے جسمانی خواہش کو مغلوب کیا۔ اگر انسان شہوت سے مغلوب ہو جاتا ہے تو حیوانات سے بدتر ہوتا ہے کیونکہ حیوانات میں تو عقل نہ تھی۔ فرشتوں میں اور حیوانات میں ان

متضاد طاقتوں کی کشمکش نہیں ہے۔ انسان اِن کی کشمکش کی وجہ سے عذاب میں ہے۔

اب انسانوں کی بھی تین قسمیں ہیں۔ ایک قسم وہ ہے جس نے خالصتاً مَلکیت اختیار کی جیسے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں کہ فرشتوں ہی میں جا شامل ہوئے۔ غصہ و حرص وغیرہ یہ سب چیزیں جسم کی بدولت ہیں۔ مجاہد لوگ اخلاقِ ذمیمہ کو ختم کرنے کے لئے ریاضت کرتے ہیں' جب وہ نہ رہے تو مجاہدوں کی بھی ضرورت نہیں رہتی۔ انسانوں کی ایک قسم وہ ہوتی ہے جو بالکل حیوانات کی طرح ہوتی ہے اُن میں مَلَکِیَّتْ کا مادہ تھا لیکن وہ کم ظرف تھے اس لئے آہستہ مَلَکِیَّتْ بالکل ختم ہوگئی۔ جس طرح رُوح نکل جانے سے جسم مردہ ہو جاتا ہے اِسی طرح جان کی جان نکل جانے سے رُوح مردہ ہو جاتی ہے۔ جب رُوح میں رُوح کے اَوصاف باقی نہ رہیں تو رُوح مردہ ہو جاتی ہے۔ ایسے لوگ زاغ صفت انسانوں کی پیروی کرنے لگتے ہیں تو یہ کوے کی طرح مکر' حرص' مُردار خوری کے عادی ہو جاتے ہیں۔

جب رُوح اپنے خواص کھو بیٹھے تو وہ جسم ہی ہے۔ جس رُوح میں رُوح کے خواص نہ رہیں وہ بہت پست اور ذلیل ہے۔ عالمِ ناسُوت میں اُن کی مشغولیت حیوانوں سے بھی بڑھ جاتی ہے اب یہ وہ مکاریاں کرتا ہے جو حیوانات سے بھی متصور نہیں ہیں۔ عالمِ ناسُوت کے حیوانات مُشقت نہیں اُٹھاتے ہیں لیکن مکار انسان وہ مُشقت اُٹھاتے ہیں۔ دُنیا کی محبت میں کی گئی دستکاریوں کا تعلق عالمِ ناسُوت سے ہے۔ ملاءِ اعلیٰ سے اُن کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ دُنیا میں جس قدر بھی علوم ہیں سب عالمِ ناسُوت کی تعمیر و ترقی کے لئے ہیں' جو حیوانات کی آخری منزل ہے۔ یہ علوم چند روزہ زندگی کے لئے ہیں اور احمق اہلِ عقل انہیں رموز تصور کرتے ہیں۔ راہِ طریقت اور اُس کی منازل' دل اور صاحبِ دل جانتا ہے اور دراصل وہ رموز کہلانے کے مستحق ہیں۔ جب انسان رُوحِ حیوانی کھو بیٹھے تو وہ حیوان ہے۔ اِسی لئے قرآن میں ایسے لوگوں کے بارے میں کہا گیا ہے کہ "وہ چوپاؤں کی طرح ہیں" رُوحِ انسانی بیدار ہے اور اُن کی رُوح سوئی ہوئی ہے۔ یہ رُوح' عقل اور مُقتضیات سے اِسی طرح غافل ہے جیسے کوئی سویا ہوا ہو اور اپنے حواس کو عقل کے مُقتضیات کے برعکس کام میں لائے۔ جب اُن میں بیداری آئے گی تو اُن کو حواس کے اُلٹا ہو جانے کا احساس ہوگا۔ نیند سے بیدار ہو کر انسان سمجھتا ہے کہ نیند کی حالت میں اُس کے حواس صحیح کام نہیں کر رہے تھے۔

قرآن پاک میں ہے کہ "ہم نے انسان کو بہترین ساخت پر پیدا کیا پھر ہم اُس کو کم تر سے کم تر مخلوق میں لوٹا لائے"۔ ایسے لوگوں کی صحبت سے بچنا چاہیے جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے چاند سورج کی اُلوہیت سے جُدائی اختیار کر لی تھی کہ میں غروب ہو جانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ ایسا انسان بدترین مخلوق ہے۔ اِس لئے کہ اُس میں بھلائی کی

ہر کہ اندر وجہِ ما باشد فنا
جو ہماری ذات میں فنا ہو جائے

کُلُّ شَیْءٍ ھَالِکٌ نبود جزا
اُس کی سزا "کُلُّ شَیْءٍ ھَالِکٌ" نہیں ہوتی ہے

اِستعداد نہیں ہے اُس نے اِسے خود تباہ کر دیا ہے۔ دیگر حیوانات میں اِستعداد ہی نہیں تھی لہٰذا وہ بہیمیت میں معذور ہیں۔ جب انسان نے اِستعداد ہی کو ختم کر دیا تو جو غذا وہ استعمال کرے گا مزید حماقت کا سبب بنے گی۔ یہ عام مومنین کی قسم ہے جن کا نفس لوامہ ہے۔ اِن انسانوں کی عقل و نفس، رُوح اور تن کی کشمکش میں رہتی ہے۔ پہلا گروہ جس کا بیان مستغرق مُطلق شُدہ میں تھا، اُن کا نفس، نفسِ مُطمئنہ ہے۔ دوسرا گروہ جس کا بیان "قسم دیگر باخراں مُلحق شدند" میں تھا اُس کا نفس، نفسِ امّارہ ہے۔ تیسرے گروہ کی کشمکش کو مجنوں اور اُس کی اونٹنی کے قصے سے واضح کیا گیا ہے۔

عقل اور نفس کا مقابلہ، مجنُوں اور اُس کی اُونٹنی کے جھگڑے کی طرح ہے

مجنوں کو معلوم ہوا کہ لیلیٰ آ رہی ہے تو وہ اُس کے استقبال کے لئے چلا۔ جس اونٹنی پر وہ سوار ہوا اُس کے بچّے کو گھر میں چھوڑ گیا۔ راستے میں اُس کی اور اونٹنی کی کشمکش شروع ہوئی۔ مجنوں چاہتا تھا کہ اونٹنی آگے بڑھے تاکہ لیلیٰ کا وصال ہو سکے۔ اونٹنی گھر کی طرف جانا چاہتی تھی تاکہ اپنے بچّے کے پاس پہنچے۔ مجنوں کو ذرا سی غفلت ہوتی تو اونٹنی پیچھے کو پلٹ جاتی۔ چونکہ مجنوں کا جسم عشق سے پُر تھا اِس لئے وہ اونٹنی کی ایسی حرکت سے بے ہوش ہوا جاتا تھا۔ انسان کی عقل اُس کے ہر کام کی نگرانی کرتی ہے مگر مجنوں تو عشق میں بے عقل ہو چکا تھا۔ ناقہ کو ہوش تھا وہ جب دیکھتی کہ اُس کی مہار ڈھیلی ہے فوراً سمجھ جاتی کہ مجنوں غافل ہے اور وہ پیچھے کی طرف چل پڑتی۔ جب مجنوں کو ہوش آتا وہ دیکھتا کہ اونٹنی میلوں پیچھے واپس ہو گئی ہے۔ مجنوں اِسی حالت میں کچھ عرصہ رہا۔ پھر اُس نے سوچا کہ دو متضاد سمتوں کے عاشقوں کا باہمی سفر طے نہیں ہو سکے گا۔ اونٹنی مجنوں کا راستہ کھوٹا کر رہی ہے اور مجنوں اونٹنی کے لئے خرابی ہے۔ مجنوں نے اونٹنی کو چھوڑ دیا اور خود چل پڑا۔

اِسی طرح جو شخص جسم کا ساتھ نہیں چھوڑے گا گمراہ ہی رہے گا۔ جان اور جسم کی بھی خواہشات جُداگانہ ہیں۔ اِن دونوں کا ساتھ نہیں نبھ سکتا۔ جان کی پرواز عالَمِ بالا کی جانب ہے اور جسم کو زمین پسند ہے۔ جب تک انسان کی رُوح جسم کے ساتھ رہے گی مقصد حاصل نہ ہوگا۔ حکیم سُنائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ کا عشق لیلیٰ کے عشق سے کم نہیں ہے۔ جب مجنوں، لیلیٰ کے عشق میں اونٹنی کو خیرباد کہہ سکتا ہے تو خدا کے عشق میں جسم کو اور اِس کی سواری کو خیرباد کہہ دینا چاہیے۔ اللہ کے راستے کا گیند بن جا اور لڑھکتا ہوا اُس کے دربار تک پہنچ جا۔ اِس سفر میں اِبتداءً تُو خود کوشش کرے گا پھر اللہ کی جانب سے کشش شروع ہو جائے گی۔ جذبِ خداوندی سے جو رفتار ہوگی وہ محض عطاءِ خداوندی ہے۔ یہ خدائی جذب، عام جذب نہیں ہے جو ہر راستے میں حاصل ہو جائے۔ یہ وہ جذب ہے جس کو آنحضور ﷺ کی مہربانی نے قائم کیا ہے اور اُن کے

کہ محمّد گفت بر دستِ صبا
جیسے محمّد نے فرمایا کہ صبا کے ذریعے

از یمن می آیدم بوئے خدا
مجھے یمن کی طرف سے خدا کی خوشبو آتی ہے

جانشینوں کو حاصل ہے۔

تنخواہ گھٹنے پر بادشاہ کو غلام کی شکایت

غلام کی اِنتہائی حماقت تھی کہ اُس نے شاہ کو غصے سے بھرا ہوا خط لکھا اور وہ بھی نازک مزاج شاہ کو۔

ایسی ہی مثال ہمارے جسم کی ہے۔ اس کو خط سمجھو اور دیکھو کہ یہ شاہ کے پاس جانے کے لائق ہے یا نہیں۔ اِس خط کو غور سے پڑھ کہ عبارت شاہ کے مناسب ہے یا نہیں۔ اگر نہیں تو خط پھاڑ دے۔ دوسرا لکھ اور تدبیر کر۔ جسم کے اِس خط کو کھولنا اور پڑھنا آسان نہیں ہے۔ اپنے جسم کے خط کو مخصوص لوگ ہی پڑھ سکتے ہیں۔ عوام کو اپنے دلوں کے رازوں کا احساس نہیں ہوتا ہے۔ ہم اپنے نیک کاموں کی فہرست پر اکتفا کر بیٹھتے ہیں جس میں صرف عنوانات ہوتے ہیں یعنی ظاہر کا اِعتبار کر لیتے ہیں۔ یہ عنوانات عوام کو پھنسانے کا جال ہے۔ وہ خط کے مضمون کو بھی عنوان جیسا سمجھ بیٹھتے ہیں یعنی باطن کو ظاہر جیسا سمجھ بیٹھتے ہیں۔ ایمان کا زبانی اقرار عنوان ہے۔ اصل ایمان تو دل میں ہے۔ اگر صرف زبانی ایمان ہے اور قلبی تصدیق نہیں ہے تو یہ نفاق ہے۔ جب تُو بادشاہ کے سامنے تحفہ میں کوئی بورا بھرا ہوا لے جا رہا ہے تو کم از کم یہ دیکھ لے کہ اِس میں کیا چیز ہے۔ اگر بادشاہ کے مناسب نہیں ہے تو بورا خالی کر لے اور اِس میں وہ کچھ بھر لے جو بادشاہ کے مناسب ہو۔ یہ بُری بات ہوگی کہ تُو معمولی ریت کا بورا بھر کر لے جائے۔ اگر انسان اپنے جسم کو اَخلاقِ حسنہ سے نہیں بھر سکتا تو کم از کم اتنا ہو کہ اخلاقِ رَذیلہ سے وہ خالی ہو۔

ایک فقیہہ کی پگڑی کا قصّہ

ایک فقیہ چیتھڑے اپنی پگڑی میں بھرے ہوئے تھا تاکہ وہ بڑی نظر آئے۔ وہ حطیم (مسجد) میں ایک مجلس میں شامل ہونا چاہتا تھا۔ اُس نے باہر سے پگڑی کو خوب بڑا کیا اور سجایا۔ پگڑی کا ظاہر تو بہشت جیسا لیکن اندر کپڑوں کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے بھر کر دکھاوے کا نشان بنا دیا تھا۔ صبح صبح بڑی شان سے وہ مدرسے کی طرف روانہ ہوا تاکہ اپنی شان دکھا کر نذرانے وغیرہ حاصل کرے۔ راستے میں کوئی چور کھڑا تھا۔ وہ اُس کی پگڑی اُتار کر بھاگا کہ کافی کپڑا ہاتھ لگے گا۔ فقیہ نے اُسے آواز دی کہ اے بیٹا! اسے پہلے کھول کر دیکھ تو لے پھر لے جانا' یہ پگڑی میں نے تجھے بخش دی۔ اُس نے بھاگتے بھاگتے پگڑی کو کھولنا شروع کیا تو چیتھڑے بکھر گئے اور چھوٹا سا کپڑے کا ٹکڑا بچ گیا۔ چور نے کپڑے کے ٹکڑے کو زمین پر پھینک دیا اور فقیہ پر ناراض ہونے لگا کہ اگر میں تیری پگڑی کے پیچھے نہ پڑتا تو کوئی اچھی چیز چُرا لیتا۔ یہ تُو نے کیا فریب کیا ہے؟ فقیہ بولا: ٹھیک ہے اِبتداء میں تجھے دھوکا لگا لیکن آخر میں تو میں نے تجھے سمجھا دیا تھا۔ یہ دُنیا بھی اوّل مکر کرتی

ہے لیکن آخر میں اپنے عیب ظاہر کر دیتی ہے۔

دنیا عالمِ کون وفساد ہے۔ اس میں بناؤ بھی ہے اور بگاڑ بھی ہے۔ بناؤ فریب دیتا ہے تو بگاڑ اس کا عیب ظاہر کر دیتا ہے۔ دُنیا کا بناؤ اور حسن انسان کو اپنی طرف کھینچتا ہے تو بگاڑ اس کی بے ثباتی ظاہر کرتا ہے۔ وہی لڑکا جو جوانی میں اپنے حُسن کی وجہ سے لوگوں کا آقا بنتا ہے بڑھاپے میں بے عقل ہو کر رُسوا ہوتا ہے۔ روغنی اور مزیدار غذائیں فضلہ بن کر بدبو پیدا کر دیتی ہیں اور زبانِ حال سے کہتی ہیں کہ میری پہلی حالت جال کا دانہ تھی۔ تُو پھنس گیا تو دانہ غائب ہو گیا۔ بڑے سے بڑا بہادر بڑھاپے میں ناکارہ ہو جاتا ہے۔ اِس لئے انسانوں کو دُنیا کے بناؤ کے بعد بگاڑ کو ہمیشہ اپنے پیشِ نظر رکھنا چاہیے۔ دُنیا کا بگاڑ ظاہر کر دیتا ہے کہ اُس کا بناؤ انسان کے لئے جال ہے۔ انسان کا یہ عذر بے کار ہے کہ دُنیا نے فریب دیا۔ تمام اجزائے عالم کا یہی حال ہے کہ اُن کی ابتداء بناؤ ہے اور انجام بگاڑ پر ہے۔ دُنیا کے انجام پر جو نظر رکھے گا وہ نیک بخت ہے۔ ہر چیز کے آغاز اور انجام کو دیکھ لے۔ شیطان کی طرح یہ نہ کر کہ کچھ دیکھ لے اور کچھ نہ دیکھے۔ اُس نے حضرت آدم علیہ السلام کا ایک جُزو دیکھا دوسرے پر نظر نہ کی، جسم کو دیکھا رُوح کو نہ دیکھا۔ مردوں کو عورتوں پر فضیلت اُن کی عاقبت بینی کی وجہ سے ہے۔ اگر طاقت کی وجہ سے ہو تو انسان سے شیر اور ہاتھی افضل ہونے چاہئیں۔

دنیا کے عروج و زوال پر ہمیشہ نظر رکھو۔ دُنیا کی ناپائیداری سے سبق حاصل کر کے متّقی خوابِ غفلت سے بیدار ہو جاتے ہیں۔ دُنیا کے جاہ و جلال پر بدبخت فریفتہ ہوتے ہیں۔ دُنیا کے عروج و زوال کی آواز سُن۔ زوال کی آواز کہتی ہے کہ دُنیا کی رونق ختم ہونے والی ہے۔ دُنیا کی رونق اپنی طرف بُلاتی ہے اور اُس کا زوال کہتا ہے کہ میرے قریب نہ آ۔ اگر انسان دُنیا کی ایک آواز قبول کر لیتا ہے تو دوسری آواز سے بے تعلق ہو جاتا ہے۔ ایک آواز کہتی ہے میری رونق دیکھ، دوسری آواز کہتی ہے دُنیا کے انجام کو دیکھ لے۔ اگر اُس نے صرف آغاز کی ہی آواز سُنی تو وہ اُس کے دل میں گھر کر لے گی اور پھر وہ انجام کی آواز سُننا پسند نہیں کرے گا۔ انسان جب آغاز پر فریفتہ ہوتا ہے تو انجام سے آنکھیں بند کر لیتا ہے۔

نظامِ عالم، جذب پر قائم ہے۔ ہر چیز کسی دوسری چیز کو کھینچتی ہے۔ کفر، کافر کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ نیکی، نیکوں کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ یہ معنوی کشش اور جذب ہے، ظاہری کشش کو بھی دیکھ لے کہ کہربا کاغذ کو اور تنکے کو کھینچتی ہے۔ مقناطیس لوہے کو کھینچتا ہے۔ تم میں جیسی صلاحیت ہوگی اُسی طرف سے تمہارے لئے کشش ہوگی۔ موسیٰ علیہ السلام کی کشش فرعون اور ہامان کی طرف نہیں ہے وہ اُن کو اچھے نہیں لگتے۔ گدھے کے معدے کو گھاس کی کشش ہے۔ اچھوں کی صحبت

از اویش و از قرن بُوی عجب | آں نبی را مست کرد و پُر طرب
اویش اور قرن سے عجیب خوشبو نے | اُس نبی کو مسرور اور مست کر دیا

اختیار کرنے کے لئے اُن کی کشش کو دیکھ لو کہ کس طرف ہے۔ اُن کی کشش کا تمہیں پتہ نہ چلے تو اُن کے شیخ کی کشش کو دیکھ لو اور اچھائی اور بُرائی کا فیصلہ کر لو۔ انسان چونکہ اشرف المخلوقات ہے' اُس کی غذا بدن کے اشرف حصّے سے حاصل ہوتی ہے۔ عارفِ باللہ' اشرف المخلوقات میں فردِ اعلیٰ ہے۔ اُس کو غذا اللہ کی جانب سے ملتی ہے۔ آنحضور ﷺ اور صدیقین کو اللہ سے براہِ راست غذا حاصل ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی تقسیم میں کسی پر جبر بھی نہیں ہوا اور نہ ہی کسی پر ظلم ہوا ہے۔ اپنی صلاحیت کے مطابق جب انسان کوئی بُرا کام کرتا ہے تو اُس کو شرمندگی ہوتی ہے۔ اگر جبر ہو تو پھر یہ شرمندگی نہیں ہونی چاہیے۔ ظالم' مظلوم کا نگہبان نہیں ہوتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ ہر بندے کا نگہبان ہے' رزق مہیا کرتا ہے' صحت دیتا ہے۔ لہٰذا خلاصہ یہ ہے کہ جب دربارِ خداوندی میں آنا جانا ہو تو اپنی حالت کو مدِّ نظر رکھو۔

دُنیا سے دھوکہ کھانے والوں اور نفس کے قیدیوں سے خطاب

جن لوگوں کو مِن جانب اللہ غذا حاصل ہوتی ہے اُن کے بالمقابل گروہ کا اب تذکرہ کیا جاتا ہے۔ ایک دُنیا دار شیخ کی مکاری بجلی کی کوند کی طرح ہے جس کے ذریعے راستہ طے نہیں کیا جا سکتا۔ اہلُ اللہ میں کبھی باہمی مخالفت نہیں ہوتی۔ وہ ایک دوسرے کا مال یعنی کمالات نہیں چھینتے۔ عالمِ آخرت کی نعمتیں ناقابلِ زوال ہیں اور اُس کی خوشی کبھی غم میں تبدیل نہیں ہوتی ہے۔ دنیادار اپنے نفس کے بندے ہیں اور نفس بے وفا ہوتا ہے اِس لئے دُنیادار بھی بے وفا ہوتے ہیں۔ نفس کا قبلہ فسق و فجور ہے۔ دنیادار خواہ کتنا ہی ذہین ہو جب وہ آخرت سے غافل ہے تو مردہ ہے۔ دُنیادار کو جب کبھی ہدایت میسّر آتی ہے تو یوں سمجھ لو کہ مردہ زندہ ہو گیا۔ نفس انسان کو دھوکے میں مبتلا کرتا ہے اور یقین دلاتا رہتا ہے کہ عمر دراز ہے' آئندہ نیکی کرنے کا موقع ہے' فی الحال دُنیا کے مزے اُڑا لو۔

وہ آواز تلاش کر جو کبھی گمنام نہ ہو اور وہ نور حاصل کر جس کے لئے غروب ہو جانا نہیں ہے اور وہ نور صرف اہلِ حق کے پاس ہے۔ اِس دُنیا کی ساری شان و شوکت اگرچہ انسان کو اپنی طرف کھینچتی ہے لیکن موت اُن کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی سمجھو جس نے جادوگروں کی جادوگری کو نگل لیا۔ اِسی طرح موت اُن تمام ہنرمندیوں کو نگل جائے گی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اِس معجزے سے دُنیا کی تاریکی چھٹ گئی تھی اور نورِ خداوندی اس تاریکی کو نگل گیا تھا۔ خدا کے اِس نورِ مطلق میں اُس تاریکی کو نگل جانے سے کوئی اضافہ نہ ہوا وہ پہلے ہی کامل و مکمل تھا۔ تمام دُنیا کا ایمان لانا خدا کی خدائی میں اضافہ نہیں کر سکتا۔ کائنات کو اللہ نے اس لئے پیدا فرمایا ہے کہ اُس کے پہچاننے کی نشانیوں میں اضافہ ہو جائے۔ وہ

چوں اویسؒ از خویش فانی گشتہ بود
چونکہ اویسؒ نے اپنے آپ کو فانی کر دیا تھا

آں زمینے آسمانے گشتہ بود
وہ زمین آسمان بن گئی تھی

فرماتا ہے کہ "میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا میں نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں تب میں نے مخلوق کو پیدا کیا"۔ ذات اور نشانیوں کے اِضافے میں فرق ہے۔ کسی ذات میں اِضافہ اس بات کی دلیل ہے کہ پہلے وہ ناقص تھی۔ ذاتِ قدیم حدوث اور نقصان سے بالا ہے۔ اگرچہ یہ مضمون مشکل ہے لیکن تُو ستّارہ، اللہ سمجھنے کی توفیق دے دے گا۔ معارف اور حقائق کے نکتے اللہ ہی کی توفیق سے سمجھ میں آتے ہیں۔

حضرت مُوسیٰ علیہ السلام کا دِل میں ڈرنا اور اللہ کا فرمانا "تُو نہ ڈر یقیناً تُو اعلیٰ ہے"

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ڈرنے کی وجہ جادوگر یا سانپوں کا خوف نہ تھا بلکہ یہ بات تھی کہ لوگ جادو اور مُعجزے میں فرق نہ کر سکیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں تمہارے معجزوں کو ظاہر کر دوں گا اور لوگ تیرے معجزوں اور جادو میں فرق سمجھ جائیں گے۔ میں مومنوں کے ایمان میں اِضافہ کر دوں گا۔ جادوگروں کا تمام جوش وخروش کافور ہو جائے گا اور تمہیں غلبہ نصیب ہوگا۔ چنانچہ عصا کے مُعجزے کے بعد بڑے بڑے جادوگروں کی کاری گری حقیر اور ذلیل کر دی گئی۔ ہر زمانے میں کوئی نہ کوئی ہُنر باعثِ فخر رہا ہے لیکن مُعجزے کے سامنے سب ہُنر ماند پڑ گئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دَور میں طِب کا زور تھا جو اُن کے دَم کے سامنے بے کار ہوگئی۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دَور میں فصاحت وبلاغت کا زور تھا جو قرآن کے سامنے ماند پڑ گئی۔ جادوگری کی شُہرت اب بصورتِ لعنت اور مُعجزے کی شُہرت بصورتِ رفعت وبلندی اب تک باقی ہے۔

کھوٹے کی رونق صرف اُس وقت تک ہوتی ہے جب تک کسوٹی نہ ہو۔ کسوٹی کے سامنے وہ بے رونق ہو جاتا ہے۔ یہی حال مُعجزوں کے مقابلے میں اُن ہُنر مندوں کا ہوا۔ جب کسوٹی نہ ہو تو کھوٹا کھرے کی برابری کا دعویٰ کرتا ہے۔ اگر گنہگار اپنے گناہوں پر زندگی میں نادم ہو جاتا ہے تو آخرت میں بدبختی سے نجات پا جاتا ہے اور توبہ کر کے اللہ کی رحمت کا اُمیدوار بن جاتا ہے۔ جب انسان اپنے گناہوں پر نادم ہوتا ہے تو رحمتِ خداوندی اُس کی دل شکستگی کو رفع کر دیتی ہے۔ جس نے آخرت کو پیشِ نظر رکھا رحمتِ خداوندی اُس کی دستگیری کرتی ہے۔ اُن لوگوں کے رُتبے جنہوں نے آخرت کا دھیان رکھا عوام کی جان اور آنکھ کے لئے باعثِ رشک ہیں۔ دُنیا میں ہر کھری چیز کی صورت میں ایک کھوٹی چیز بھی ہوتی ہے۔ جس میں دونوں میں امتیاز کرنے کی صلاحیت نہ ہو اُس کی تباہی یقینی ہے۔ جھوٹے شیخ اگر انبیاء علیہم السلام اور اولیاء رحمہم اللہ کی پیروی کریں تو راہِ راست حاصل کر سکتے ہیں۔

کہ نگنجیدم دَر افلاک وخلا
دَر عقول و دَر نفوسِ باعُلا

اللہ فرماتا ہے کہ میں آسمانوں اور خلا میں بھی نہیں سما سکتا
نہ ہی عقلیں اور نفوس میرا ادراک کر سکتے ہیں

جھوٹے مدعی کو دعوے سے باز رکھنا اور انبیاء علیہم السلام اور اللہ کی پیروی کا حکم دینا

مسیلمہ کذاب نے آنحضور ﷺ کی نقل میں نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا۔ چند لوگ اُس کے گرویدہ بھی ہو گئے لیکن چونکہ کھوٹا تھا ذلت کے ساتھ مارا گیا۔ یاد رکھ ہمیشہ کسی بھلے کی پیروی کر جسے دُنیا کا مال جمع کرنے کا لالچ نہ ہو۔ وہ سچا آدمی تجھے بتائے گا کہ کس طرف نجات ہے اور کس طرف تباہی ہے۔ بعض جھوٹے شیخوں نے سچے شیخوں کی چند باتیں رٹ لی ہیں لیکن حقیقت سے محروم ہیں۔ اگر کوئی ہُد ہُد کی بولی سیکھ بھی لے تو اُس کے پاس وہ نازِ سلیمانی کہاں ہے جو ہُد ہُد نے بلقیس کو سبا میں جا کر دکھایا تھا۔ حقیقی پروں سے اُڑنے والے اور فرضی پر لگانے والے میں امتیاز کرنا چاہیے۔

پہلی اُمتوں پر ہلاکت اسی وجہ سے آئی کہ اُنہوں نے صحیح رہنما اور غلط رہنما میں امتیاز نہ کیا۔ اللہ نے اُن کو امتیاز کرنے کی قوت دی تھی لیکن اُن کی حرص وطمع نے انہیں اندھا اور بہرا بنا دیا۔ اگر حقیقی اندھا ہو تو اللہ کی رحمت اُس کی دستگیری کرتی ہے اور اگر لالچ کا اندھا ہو تو اُس کی مغروری ناقابلِ معافی ہے۔ انسان خود اپنے حسد کی وجہ سے سزا اور تکلیف میں مبتلا ہو تو اُس کی معافی نہیں ہوتی۔ انسان کو چاہیے کہ کوئی کام کرنے سے پہلے اُس کے آغاز اور انجام دونوں کو دیکھے۔ جو صرف دُنیا کا بھلا دیکھتا ہے گویا وہ ایک آنکھ والا ہے۔ انسان کی آنکھ کو حیوانات کی آنکھ پر یہی فضیلت حاصل ہے کہ انسان انجام پر بھی نگاہ رکھ سکتا ہے۔

روزی کی طلب میں غلام کے رُقعہ لکھنے کا بقیہ قصّہ

وہ غلام بادشاہ کو رُقعہ لکھنے سے پہلے داروغۂ مطبخ کے پاس گیا کہ کچھ کھا لے۔ داروغہ نے اسے کم دیا، وہ بولا: اے کنجوس! اپنی بادشاہ کے لنگر سے تُو مجھے کم دیتا ہے۔ ایسا نہیں ہو سکتا کہ میری روزی پر بادشاہ کا دھیان ہو اور وہ کم کرنے کا حکم دے۔ داروغہ نے بہر چند سمجھایا کہ تیری روزی شاہی حکم سے کم کی گئی ہے لیکن وہ نہ مانا اور بولا کہ یہ تُو نے اپنے ارادے سے کیا ہے۔ داروغہ بولا: تیر کو نہ دیکھ چلانے والے بازو کی طرف توجہ کر۔ جنگِ بدر میں حضور ﷺ نے ایک مٹھی مٹی پھینکی تو اللہ نے فرمایا کہ یہ مَیں نے پھینکی ہے۔ یہ بات انتہاءِ قرب کی وجہ سے کہی گئی۔ جو لوگ قربِ فرائض سے ناواقف ہوتے ہیں وہ حقیقت اور مجاز کی فضول بحث میں پڑ جاتے ہیں۔

داروغے سے جھگڑنے کے بعد وہ غلام گھر گیا اور بادشاہ کو غصّے سے بھرا ہوا خط لکھا۔ اُس نے خط میں بادشاہ کی تعریف کی کہ تیری سخاوت اَبر سے بھی بڑھی ہوئی ہے لیکن وہ جو کچھ دیتا ہے روتے ہوئے دیتا ہے۔ بظاہر خط میں تعریف

کی گئی تھی لیکن اُس میں غصے کی بُو موجود تھی۔ انسان کے اعمال اگر حُسنِ نیت سے خالی ہوں تو بے رونق ہوتے ہیں، جیسے کہ اُس غلام کی تعریف تھی۔ اگر دل میں عداوت ہو اور زبان پر تعریف ہو تو اپنی تعریف سے ممدوح خوش نہیں ہوتا۔ انسان دل کی صفائی کے ساتھ اَلْحَمْد پڑھے اور تعریف کرے تو تیزی سے مراتب عالی حاصل کرسکتا ہے۔

بر زباں تسبیح و در دل گاؤ خر
ایں چنیں تسبیح کے دارد اثر

"زبان پر تسبیح اور دل میں گائے یا گدھے کا خیال ہو تو اِس طرح کی تسبیح کا کیا اثر ہوگا"۔

حدیثِ قدسی ہے کہ "اللہ تمہاری صورتوں اور مالوں کو نہیں دیکھتا ہے تمہارے دلوں اور عملوں کو دیکھتا ہے"۔

تعریف کی حکایت جو آبرو کی خاطر کی جاتی ہے اور اُس کی باطنی بُو جو ظاہر ہو رہی تھی

اِس حکایت کا خلاصہ یہ ہے کہ تعریف کرنے والے کی زبان پر تعریفی کلمات تھے لیکن دل شکر گزاری سے خالی تھا۔ اُس نے بظاہر خلیفہ کی تعریف لکھی۔ لوگوں نے اُس سے کہا کہ تیری خراب حالت اس بات کی گواہ ہے کہ تُو جھوٹ بول رہا ہے۔ تُو کہتا ہے کہ شاہ نے تجھے دس شاہی جوڑے دیے لیکن تیرا ننگا بدن گواہی دے رہا ہے کہ شاہ نے تجھے کوئی خلعت وغیرہ نہیں دی۔ اگرچہ تیری زبان خلیفہ کی تعریف کر رہی ہے لیکن تیرے اعضاء اس خلیفہ کی شکایت کر رہے ہیں۔ وہ بولا: جو کچھ مجھے شاہ سے ملا میں نے خیرات کر دیا اور اُس کے عوض اللہ سے عُمرِ دراز خرید لی۔ لوگوں نے کہا: تجھے اِس عظیم کام پر مُبارک ہو کہ دُنیا کا مال دے کر عُمرِ دراز حاصل کر لی لیکن اگر تُو نے اللہ کی رضامندی اور عشق میں تمام مال خیرات کر دیا ہے تو اُس کی کوئی علامت تجھ میں ظاہر ہونی چاہیے، جو نظر نہیں آتی۔ پانی بہہ کر نکلتا ہے تو کچھ نشانات ضرور چھوڑ جاتا ہے۔ تیرے چہرے کی تُرشی بتا رہی ہے کہ تیرا ایا کبازی کا دعویٰ گپ ہے۔

اگر طبیعت میں ایثار کا مادہ ہو اور انسان کا کردار صحیح ہو تو اُس کے سینکڑوں آثار ظاہر ہوتے ہیں۔ ایثار کا مادہ موجود ہو تو دل میں زندگی پیدا ہوتی ہے۔ اللہ کے راستے میں انسان ایثار کرے اور نیک نیت ہو تو نتائج اور آثار یقیناً نمایاں ہوں گے۔ اگر اللہ کی زمین میں ایک دانے کے سو نہ اُگیں تو پھر اللہ کی زمین کو وسیع کس اعتبار سے کہا جاسکتا ہے۔ مومن کا دل اللہ کی سرزمین ہے۔ دُنیا کی فانی زمین جب پیداوار دیتی ہے تو اللہ کی زمین کیسے پیداوار نہ دے گی اور دل میں نیکی کا بیج بونے سے اس کے ثمرات کیسے نہ ظاہر ہوں گے۔ قرآن میں ہے کہ "جو لوگ خدا کی راہ میں اپنا مال خرچ کرتے

ہیں اُن کی خیرات کی مثال اُس دانہ کی سی ہے جس سے سات بالیں پیدا ہوں اور ہر میں سو دانے ہوں" کوئی عارف باللہ جب اللہ کی تعریف کرتا ہے تو اُس کے اعضاء اُس کی گواہی دیتے ہیں۔ اُس عارف کو اللہ کی تعریف اعلیٰ مدارج پر پہنچا دیتی ہے۔ اُس کے اعضاء پر انوار و برکات رونما ہو جاتے ہیں۔ یہ حمد اِس عارف کو دُنیا سے نجات دلا کر جنتی بنا دیتی ہے۔ قرآن پاک میں اللہ کا ارشاد ہے کہ "جو لوگ پرہیزگار ہیں وہ جنت کے باغوں اور نہروں میں سچی (عزت کی) جگہ بادشاہ قادر کے مُقرّب ہوں گے" باغ کی حمد اُس کی بہار ہے اور اُس بہار کے گواہ اُس کی پیداوار اور چشمے وغیرہ ہیں۔ یاد رکھو! جب منہ سے پیاز کی بُو آ رہی ہو تو مشک کھانے کی شیخی نہیں بگھارنی چاہیے۔

انسان کا دل بڑے گھر کے مُشابہ ہے۔ دل کے گھر کے چُھپے ہوئے پڑوسی ہیں۔ دل کی کھڑکی کے شگاف سے وہ دل کے راز دیکھ لیتے ہیں۔ قرآن پاک میں ہے کہ "بے شک وہ شیطان اور اُس کی ذُرّیات تم کو دیکھتے رہتے ہیں جدھر سے تم اُنہیں نہیں دیکھتے۔ ہم نے شیطانوں کو اُن کا یار بنایا ہے جو ایمان نہیں لاتے ہیں" اولیاء اللہ رحمۃ اللہ علیہم اپنے کشف کے ذریعے دل کے اَحوال معلوم کر لیتے ہیں۔ جب شیاطین دل کی بات جان لیتے ہیں تو اولیاء رحمۃ اللہ علیہم کیوں نہ جان لیں گے۔ اگر انسان خود اُن کمالات سے محروم ہے تو اولیاء رحمۃ اللہ علیہم کو محروم نہ سمجھے جبکہ بدنی اطبّاء علامتوں کے ذریعے امراض کو پہچان لیتے ہیں تو رُوحانی اطبّاء علامات کے ذریعے رُوحانی امراض کو کیوں نہ جان سکیں گے بلکہ ان کو تو ظاہری علامات کی بھی ضرورت نہیں ہے۔

خُدائی طبیبوں کا دِل اور دین کی بیماریاں لہجے، چہرے، آنکھوں کی رنگت اور دِل کے راستے سے پہچان لینا کہ وہ دِل کے جاسُوس ہیں، اُن کی ہم نشینی سچائی سے کرو

جسمانی اطبّاء پیشاب کو دیکھ کر امراض کی پہچان کر لیتے ہیں۔ وہ نبض، رنگت اور سانس کے ذریعے بیمار کی تشخیص کر لیتے ہیں۔ رُوحانی اطبّاء کو علامات کی بھی ضرورت پیش نہیں آتی۔ رُوحانی طبیب تو انسان کی پیدائش سے قبل ہی اُس کی اندرونی کیفیت معلوم کر لیتے ہیں۔ یہ بات اِس لئے کی گئی ہے کہ حضرت بایزید بُسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ کی پیدائش سے قبل ہی اُن کے اَحوال معلوم کر لئے تھے اور لوگوں کو بتا دیئے تھے۔

ہست از رُوئے بقائے ذات اُو
اُس کی ذات کی بقا کے اعتبار سے وہ "ہے"

نیست گشتہ وصفِ اُو در وصفِ ہُو
اُس کی صفت، صفتِ خُداوندی میں گُم ہے

حضرت بایزید بُسطامی رحمۃ اللہ علیہ کا حضرت ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ کی پیدائش کے بارے میں سالوں قبل خوشخبری دے دینا اور تاریخ نویسوں کا اُس کو لکھ لینا

حضرت بایزید بُسطامی رحمۃ اللہ علیہ کا اصل نام طیفور ہے۔ اسی لئے اُن کے سلسلے کے لوگ طیفوری کہلاتے ہیں۔ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ بایزید رحمۃ اللہ علیہ کو ہم میں وہی نسبت ہے جو حضرت جبرائیل علیہ السلام کو فرشتوں میں ہے۔ حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ نے 72 سال کی عمر میں بسطام میں وصال فرمایا۔ حضرت ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ' سلطان محمود غزنوی کے دَور کے بزرگ ہیں۔ رُوحانیت اور اویسیت کے طور پر اُن کو حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ سے نسبت ہے۔ آپ نے چالیس سال تک عشاء کے وضو سے صبح کی نماز ادا فرمائی۔ 424ھ میں خرقان میں وصال فرمایا۔

ایک دن حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ جنگل میں سے گزر رہے تھے کہ مقام رے کی اطراف میں خرقان کی جانب سے اُنہیں خوشبو آئی۔ اُس خوشبو نے اُنہیں مَست کر دیا۔ اُن کی جان ہوا میں سے شراب پی رہی تھی۔ جب ہوا میں پانی موجود ہوتا ہے تو رُوح مستی کے لئے ہوا سے شراب بھی حاصل کر سکتی ہے۔ حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ کے لئے وہ ہوا جو خوشبو لاتی تھی پانی بن گئی اور پانی میں وہ کیفیت پیدا ہو گئی جو شراب میں ہوتی ہے۔ مرید نے حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا کہ آپ کیا سونگھ رہے ہیں؟ بظاہر کوئی پھول بھی نہیں ہے اور آپ پر عجیب و غریب کیفیات طاری ہو رہی ہیں۔ ویسے تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے دُور سے ہی حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص کی خوشبو سونگھ لی تھی۔ جو اَحوال اس وقت آپ پر طاری ہیں اُن کے بارے میں کچھ بتائیے۔ آپ نے ہمیں ایسے اَحوال کا عادی نہیں بنایا ہے کہ آپ خود تنہا مُستفید ہوں اور ہم محروم رہیں۔ شراب چھپ کر نہیں پی جا سکتی' اُس کا یقیناً اظہار ہو جاتا ہے۔ انسان اگر منہ کی بُو چُھپا لے تو آنکھوں کی مستی کیسے چُھپائے گا؟ شرابِ معرفت کی مستی تو لاکھوں پردوں میں بھی نہیں چُھپ سکتی۔ اُس شراب کی خوشبو سے جنگل اور صحرا تو بھرا ہوا ہے ہی اُس کی خوشبو تو آسمانوں سے بھی گزر گئی ہے۔ اُس شراب کے مٹکے کے منہ کو مٹی سے بند نہیں کیا جا سکتا۔ آپ کی باطنی توجہ نے معرفت کا جو راز حاصل کیا ہے وہ ہمیں بھی بتا دیجئے۔

حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حدیث مُبارکہ ہے کہ ''میں رحمان کے سانس کو یمن کی جانب سے محسوس کر رہا ہوں' عاشق جب اپنے آپ کو فنا کر دیتا ہے تو اُس میں سے معشوق کی خوشبو آنے لگتی ہے۔ اسی طرح حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ میں سے اللہ کی خوشبو آتی تھی۔ فنا کے بعد انسان اللہ کے اخلاق والا ہو جاتا ہے اور زمین سے آسمان بن جاتا

صُنع بیند مردِ محجُوب از صفات افعال وہ دیکھتا ہے جو صفات کے حجاب میں ہو	در صفات آنست کو گُم کرد ذات صفات میں وہ مقید ہے جس نے ذات کو گم کر دیا ہو

ہے۔ ہڑ کا جب مربہ بن جاتا ہے تو وہ اپنی خوشبو اور ذائقے سے علیحدہ ہو جاتی ہے۔ جو شخص فنا کا درجہ حاصل کر لیتا ہے تو اُس کی خودی اور انانیت ختم ہو جاتی ہے۔ اِس بات کا خاتمہ نہیں ہے تو حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ نے اِس غیبی بات کا کیا جواب دیا: یہ سُن۔

حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ کا جواب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب کے ہم معنیٰ تھا کہ مَیں یمن سے رحمٰن کی سانس محسوس کر رہا ہُوں

حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اتنے سال کے بعد گاؤں خرقان میں ایک بزرگ پیدا ہوگا جس کا مرتبہ بہت بلند ہوگا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی انکساری سے فرمایا کہ اُن کا رُتبہ مجھ سے بڑھا ہوا ہوگا۔ اُنہوں نے پیدا ہونے والے بزرگ کا پورا نام اور حلیہ بتا دیا۔ اُس کا نام ابوالحسن ہوگا۔ یاد رکھو! انسان تین چیزوں کا مرکب ہے۔ جسم، رُوحِ حیوانی اور رُوحِ انسانی۔ پہلی دونوں چیزیں فانی ہیں اور اُن کا حلیہ بھی فانی ہے اِس لئے اُن سے دل نہ لگانا چاہیے۔ رُوحِ انسانی جس کا تعلق ملاءِ اعلیٰ سے ہے اُس سے وابستگی ہونی چاہیے۔ بایزید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اُس بزرگ کا جسم زمین پر چراغ کی طرح ہوگا۔ اِس بات کو کہ اُس شاہ کا جسم زمین پر ہوگا اور نور آسمان تک ہوگا مثالوں سے سمجھ لو۔ سورج آسمان پر ہے اور اُس کا نور ہر گھر میں ہے۔ پھول ناک کے پاس ہوتا ہے اور اُس کی خوشبو دماغ کے اندر محسوس ہوتی ہے۔ ایک شخص اپنے گھر میں سویا ہوا ہوتا ہے اُس کی رُوح عدن میں کسی خوفناک چیز کو دیکھتی ہے اور اِس سے جسم پر پسینہ آ جاتا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص مصر میں تھی اور اُس کی خوشبو کنعان میں پہنچ رہی تھی۔

لوگوں نے حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ کے کہنے کے مطابق حضرت ابوالحسن رحمۃ اللہ علیہ کی تاریخ پیدائش لکھ لی۔ چنانچہ اُسی لکھی ہوئی تاریخ پر ہی اُن کی پیدائش ہوئی جو حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ نے بتائی تھی۔ حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے دو سو سال بعد حضرت ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ پیدا ہوئے۔ حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ کے بتائے ہوئے اوصاف کیوں صحیح نہ ہوتے اُنہوں نے لوحِ محفوظ سے پڑھ کر بتائے تھے۔ اُس لَوح کو لوحِ محفوظ اِس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ اُس میں لکھا ہوا غلطی سے محفوظ ہے۔ حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ کو اُن باتوں کی خبر وحیءِ الٰہی سے ہوئی۔ صوفیا اُسے وحیءِ دل کہتے ہیں۔ ہم اُسے وحیءِ دل ہی تسلیم کر لیتے ہیں۔ لیکن وہ دل جو خدا کا منظورِ نظر ہو اُس کی بات کبھی بھی غلط نہیں ہو سکتی۔ مومن کو جب وہ مرتبہ حاصل ہو جائے کہ وہ اللہ کے نور کے ذریعے دیکھنے لگے تو اُس کی صوابدید غلطی سے محفوظ ہوتی ہے۔

واصلاں چوں غرق ذات اند اے پسر
اے بیٹا! چونکہ واصل لوگ ذات میں مستغرق ہیں

کے کنند اندر صفاتِ اُو نظر
تو وہ اللہ کی صفات کی طرف نظر نہیں کریں گے

اُس غلام کی روزی کی کمی کی حکایت کی طرف رجوع اور اُس کا بیان کہ صُوفی کے دِل و جان کی روزی خُدائی کھانے سے ہوتی ہے

جب کوئی صوفی فقر کے غم میں مبتلا ہوتا ہے تو خود رزق اُس کو حاصل ہونے لگتا ہے۔ جنت اُنہی چیزوں سے حاصل ہوتی ہے جو نفس کو ناگوار گزرتی ہیں۔ خدا کی رحمت عاجز اور شکستہ دل پر نازل ہوتی ہے۔ متکبر اور مغرور پر خدا اور خلقِ خدا رحم نہیں کرتی ہے۔ جس صوفی پر رزق کی تنگی ہو وہ لائقِ مُبارکباد ہے۔ قریب ہے کہ وہ موت بلکہ دریا بن جائے۔ فقر کے بعد جو خدائی رزق حاصل ہوتا ہے جب صوفی اُس کی حقیقت کو سمجھ جاتا ہے تو اُس کو قربِ خداوندی حاصل ہو جاتا ہے۔ اب جسمانی رزق کی فراخی سے وہ خدائی رزق گھٹتا ہے تو وہ خوفزدہ ہو کر لرزنے لگتا ہے۔ وہ سمجھنے لگتا ہے کہ اُس رزقِ خداوندی کی کمی کسی خطا اور قصور کی بنا پر ہوئی ہے۔ وہ اُس غلام کی طرح پریشان ہوتا ہے جس نے جسمانی روزی گھٹنے کا رُقعہ لکھا۔ اُس غلام نے شاہ کو رُقعہ لکھا اور شاہ نے اُسے کوئی جواب نہ دیا اور کہا کہ اُس بے وقوف کو صرف روزی گھٹنے کا درد ہے اور جس بنیاد پر روزی گھٹی اِس کا کوئی خیال نہیں ہے۔ اُس کو میرے وصل اور فراق کا کوئی درد نہیں۔ لہٰذا ایسے احمق کا جواب خاموشی ہے۔ یعنی روزی کے بارے میں لکھا اور روزی دینے والے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یعنی یہ خودی اور انا میں مبتلا ہے، روزی کی فکر میں لگا ہے، روزی دینے والے سے غافل ہے۔ یہ فرع کا فکر کرتا ہے لیکن اصل سے غافل ہے۔

اِس عالَم کو ایک سیب سمجھو اور انسان کو اِس کے اندر کا کیڑا اور کیڑوں کی دو قسمیں ہیں۔ ایک کیڑا تو وہ ہے جو فرع اور سیب میں مشغول ہے اور اصل یعنی درخت اور باغبان سے غافل ہے۔ دوسرا وہ ہے جو اگرچہ سیب کے اندر ہے لیکن درخت اور باغبان سے واقف ہے۔ اُس کیڑے میں اِس قدر طاقت ہوتی ہے کہ وہ سیب کو پھاڑ کر باہر نکل جاتا ہے اور حجابات اُس کی نظر میں ہیچ ہوتے ہیں۔ یہ بظاہر کیڑا ہے لیکن حقیقتاً اژدھا ہے۔ یہ دوسری قسم باخدا لوگوں کی ہے جو دُنیا سے گزر کر آخرت تک پہنچتے ہیں۔ ایسے انسان میں ابتداءً یہ طاقت نہیں ہوتی بلکہ مشائخ کی مدد اور محبت سے یہ طاقت پیدا ہو جاتی ہے جیسے کہ وہ چنگاری جو لوہے سے نکلتی ہے ابتداءً کمزور ہوتی ہے لیکن جب روئی اور گندھک کی مدد اُسے حاصل ہو جاتی ہے تو اُس کے شعلے آسمان تک بھی پہنچ جاتے ہیں۔ انسان بھی ابتداءً دنیاوی مشاغل میں لگتا ہے لیکن اولیاء ﷺ کی مدد سے ملائکہ سے برتر ہو جاتا ہے۔ پھر اُس میں اتنا نور اور طاقت پیدا ہو جاتی ہے کہ دُنیا کو روشن کر دیتا ہے اور لوہے کے شہتیر کو سوئی سے اُکھاڑ سکتا ہے۔ یہ آگ جس کے شعلے آسمان تک پہنچے نہ رُوح ہے نہ رُوحانی، پھر بھی اُس کی پہنچ آسمان تک ہوگئی تو پھر رُوح اور رُوحانی کی طاقت کا اندازہ کرلو۔

آب خواہ از جُو بجُو یا از سُبو
پانی خواہ نہر سے لے یا مٹکے سے

کیں سبُو را ہم مدد باشد زجُو
کہ اِس مٹکے کی مدد بھی تو نہر سے ہی ہے

جسم پر رُوح کی شرافت کو اس سے سمجھ لو کہ جسم کی پرورش رُوح کرتی ہے۔ بغیر رُوح کے جسم کس قدر ذلیل شے ہے کہ اُسے مٹی میں دفن کر دیا جاتا ہے۔ جسم کی وُسعت دو گز سے زیادہ نہیں ہے لیکن رُوح کی پہنچ آسمانوں تک ہے۔ تم اپنی جگہ میں ہو رُوح کے لئے بغداد اور سمرقند تک پہنچ جانے کے لئے نصف قدم کی ضرورت ہے۔ آنکھ کی چربی کو دیکھو خود تو وہ سات ماشہ سے زیادہ نہیں ہے لیکن اُس کا نور آسمان تک جاتا ہے۔ نورِ چشم کا محتاج نہیں ہے بلکہ آنکھ نور کی محتاج ہے۔ رُوح کو جسمانی خواص کی ضرورت نہیں۔ جسم' رُوح کا محتاج ہے۔ یہ شان و شوکت تو ہم نے رُوحِ حیوانی کی دکھائی۔ رُوحِ انسانی جو اس سے زیادہ قوی ہے اُس کو اس پر قیاس کر لو۔ بحث سے گزر کر رُوح کے طالب بنو اور اُس رُوح تک پہنچو جو جبرائیل علیہ السلام کی جان ہے۔ جب یہ مرتبہ حاصل ہو جائے گا تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اُمتی کی ترقی پر خوشی سے تعجب کریں گے اور جبرائیل علیہ السلام تمہارے مقام سے فروتر ہونگے۔ معرفت اور اسرارِ معرفت کا بیان غیر محدود ہے۔ لڑکا بغیر جواب کے رنجیدہ ہے اُس کی بات بھی سنو۔

بادشاہ کی جانب سے رُقعہ کا جواب نہ آنے سے غلام کی پریشانی

رُقعے کا جواب نہ آیا تو غلام بہت پریشان ہوا کہ تعجب ہے' بادشاہ جواب کیوں نہیں دیتا؟ یا کہیں رُقعہ لے جانے والے نے خیانت نہ کر دی ہو اور وہ مُنافق ہو۔ اُس نے دوسرا خط لکھنے کے بارے میں سوچا کہ لکھتا ہوں اور کسی اور اچھے قاصد کو بھیجتا ہوں۔ اُس نے ساتھ ہی بادشاہ اور دوسرے سب لوگوں کو عیب دار قرار دیا۔ اُس نادان کو چاہیے تھا کہ پہلے اپنی خبر لیتا۔ دوسروں پر اِلزام دھرنے سے کیا فائدہ۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے تخت پر اُن کی لغزش کی وجہ سے ہوا کا ٹیڑھا چلنا

حضرت سلیمان علیہ السلام کے اِس قصے سے یہ سمجھانا مقصود ہے کہ اگر وہ غلام اپنی غلطی محسوس کر کے اُس کی تلافی کر لیتا تو سب کچھ ٹھیک ہو جاتا جیسا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے کیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے تخت پر ہوا ٹیڑھی چلی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: اے ہوا! ٹیڑھی نہ چل۔ ہوا نے کہا کہ اے سلیمان علیہ السلام! آپ بھی ٹیڑھا نہ چلیں۔ اگر خود ٹیڑھا چلتے ہیں تو مجھ پر غصہ نہ کریں' انصاف کریں۔ قرآن پاک میں ہے: ''بُرائی کا بدلہ اُس جیسی بُرائی ہے''۔ جس طرح ہوا نے کجروی اختیار کی تھی' حضرت سلیمان علیہ السلام کا تاج بھی ٹیڑھا ہو گیا جس پر وہ رنجیدہ ہوئے۔ تاج نے اُن سے کہا کہ اے امانت دار! جب آپ کے دل میں مناسب خیال نہیں ہے تو میری بھی راست رَوی کی اُمید نہ رکھئے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فوراً اپنے باطن کو ٹھیک کیا۔ اپنے خیال کی اصلاح کر لی اور دل میں جو خواہش

نُور خواہ از مہ طلب خواہی ز خور روشنی چاند سے طلب کر یا سُورج سے	نُورِ مہ ہم ز آفتاب ست اے پسر اے بیٹا! چاند کی روشنی بھی تو سُورج سے ہی ہے

پیدا ہوئی تھی اُس سے سُست پڑ گئے۔ اُس کے بعد اُن کا تاج فوراً سیدھا ہو گیا۔ پھر اُنہوں نے قصداً اُسے ٹیڑھا رکھا۔ وہ پھر سیدھا ہو گیا۔ اُنہوں نے آٹھ بار ایسا ہی کیا لیکن تاج سیدھا ہو جاتا۔ اُن کے سوال پر کہ تم خود سیدھے ہو جاتے ہو؟ تاج نے جواب دیا کہ جب آپ نے اپنے دل کو اُس نامناسب خیال سے صاف کر لیا ہے تو اب آگے کسی عمل اور جزا کے راز کو اور زیادہ واضح کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ اے اللہ! اگر میرے منہ سے تیری مرضی کیخلاف باتیں نکلیں اور غیب کے راز ظاہر کرنے لگوں تو میرا منہ بند کر دے۔

انسان کو جو تکلیف پہنچتی ہے دراصل وہ اُس کے کسی عمل کی سزا ہوتی ہے۔ اس لئے دوسروں پر الزام نہیں دینا چاہیے اور اِس غلام کی طرح نہیں کرنا چاہیے بلکہ اپنے آپ کو ہی قصوروار سمجھنا چاہیے۔ اُس غلام کی اپنی غلطی تھی جس کی وجہ سے اُس کی روزی کم ہوئی تھی اور وہ دوسروں سے لڑتا تھا۔ فرعون نے بھی یہی غلطی کی۔ اُس کی سلطنت کی بربادی کا اصل سبب حضرت موسیٰ علیہ السلام تھے جو اُس کے گھر میں پرورش پا رہے تھے اور وہ دوسرے بچوں کو قتل کروا رہا تھا۔ خطا تیرے نفس کی ہوتی ہے، تُو اُس سے خوش رہتا ہے اور دوسروں پر ناخوشی کا اظہار کرتا ہے۔ تُو بھی فرعون کی طرح ہے جو دشمن سے خوش تھا اور دوسروں کو ذلیل و خوار کر رہا تھا۔ انسان کی یہ فرعونیت ہے کہ اصل دشمن یعنی اپنے آپ کو بے قصور سمجھتا ہے اور دوسروں سے دشمنی کرتا ہے۔ قرآن میں ہے کہ ''جو مصیبت تمہیں پہنچتی ہے وہ تمہارے ہاتھوں کی کمائی ہے'' فرعون عقل میں دوسرے شہنشاہوں سے بڑھا ہوا تھا لیکن قضاءِ خداوندی نے اُس کو بے عقل اور اندھا بنا دیا تھا۔ اللہ کی مُہر بڑے سے بڑے عقل مند کو بے عقل جانور بنا دیتی ہے۔ بے عقلی کی خارش کی بیماری خدا کرے کافر کو بھی نہ لگے۔ قومِ نوح علیہ السلام کی حماقت کی وجہ سے طوفان آیا اور دُنیا برباد ہو گئی تھی۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا عقل مند کی تعریف اور احمق کی مذمت کرنا

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''بے وقوف ہمارا دشمن اور عقل مند ہمارا دوست ہے'' خلاصہ یہ ہے کہ عقل مند اگر کوئی بُری بات بھی کہتا ہے تو اُس میں کوئی مصلحت ہوتی ہے اور بیوقوف کی بھلائی میں بھی بُرائی ہے۔ بے وقوف سے محبت کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ اگر کوئی گدھے کی مقعد کو بوسہ دے۔ اِس بوسہ سے تمہیں نقصان ہی ہوگا، بیکار کپڑے خراب ہوں گے۔ اصل دسترخوان عقل ہے جس سے انسان باطنی غذا حاصل کرتا ہے۔ نان اور کباب اگر احمق بھی پیش کرے تو وہ دسترخوان نہیں ہے بلکہ مضرت رساں ہے۔ اُس کا نان و نمک تمہیں بھی بے عقل بنا دے گا۔ اگر احمق کے دسترخوان سے پینے کی چیزیں ملیں تو وہ انسان کی شراب نہیں ہے۔ اصل شراب تو نورِ عقل ہے؛

در نمکسار ار خرِ مُردہ فتاد	آں خری و مُردگی یکسو نہاد
نمک کی کان میں اگر گدھا گر کر مر گیا	تو اُس کا گدھا پن اور مُردہ پن جاتا رہا سراپا نمک بن گیا

رُوح کی پرورش اُسی سے ہوتی ہے۔

اندروں از طعام خالی دار
تا در آں نورِ معرفت بینی (شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ)

"اپنے پیٹ کو زیادہ کھانے سے خالی رکھ تا کہ اللہ کی معرفت کا نور اُس میں سے نظر آئے"۔

جسمانی غذاؤں میں اُسی نورانی غذا کا پرَتو ہے کہ جو اُن میں لذّت آئی ہے۔ حیوانی جان اُس نورانی جان سے جان بنی ہے۔ نور کی رُوحانی غذا کا ایک لقمہ کھا لوگے تو غذائے جسمانی ہیچ ہو جائے گی پھر تم اُس کی طرف دھیان بھی نہیں کروگے۔ عقل کی دو قسمیں ہیں ایک کسبی عقل ہے جو درسگاہوں سے حاصل ہوتی ہے۔ یہ عقل اگر حاصل ہو جائے تو دوسروں کی عقل سے بڑھ جاتی ہے۔ یہ عقل کتاب، اُستاد اور علوم سے حاصل ہوتی ہے۔ اُس عقل کے حاصل ہونے پر انسان حفاظت کرنے والی تختی بن جاتا ہے لیکن لوحِ محفوظ جس کی حق تعالیٰ ہر قسم کی غلطی سے حفاظت کرتا ہے وہ اُس کے علاوہ ایک چیز ہے۔ عقل کی دوسری قسم وہ ہے جو خدا کی عطا ہے۔ اُس کا سرچشمہ درسگاہ اور اُستاد نہیں ہے بلکہ خود رُوح کے اندر اُس کا چشمہ ہے۔ اُس چشمے سے جو پانی آتا ہے وہ نہ گندہ ہوتا ہے نہ اُس کا رنگ بدلتا ہے۔ اگر کسبی عقل کی راہیں بند ہو جائیں تو اُس عقل والے کو کوئی غم نہیں ہوتا کیونکہ وہ تو خانۂ دل سے موجزن ہوتی ہیں۔ کسبی عقل جو دوسروں سے حاصل کی جاتی ہے اگر اُس کے حصول کا ذریعہ مفقود ہو جائے تو انسان بے سروسامان رہ جاتا ہے لیکن اندرونی چشمہ اُس آفت سے محفوظ ہے۔ اِس لئے عقل کے رُوحانی چشمے کی جستجو کرنی چاہیے تاکہ دوسروں کا احسان نہ اُٹھانا پڑے۔

ایک شخص کا دُوسرے سے مشورہ کرنا، دُوسرے کا کہنا "کسی اور سے مشورہ کر کیونکہ مَیں تیرا دُشمن ہُوں"

انسان جب تردّد میں ہوتا ہے تو وہ کسی طرف پیش قدمی نہیں کرتا ہے۔ جب کوشش سے ایک شخص مشورہ لینے دوسرے کے پاس گیا تو وہ بولا کہ کسی اور سے مشورہ کر لے کیونکہ میں تیرا دشمن ہوں اور دشمن سے مشورہ کر کے کوئی کامیابی نہیں ہوتی ہے۔ تجھے کوئی دوست تلاش کر کے اُس سے مشورہ کرنا چاہیے۔ دوست، دوست کا خیر خواہ ہوتا ہے۔ دوستوں کی محفل میں بھٹی بھی باغ بن جاتی ہے اور دشمنوں کی صحبت باغ کو بھٹی بنا دیتی ہے لیکن خود غرضی کر کے دوستوں کو دشمن نہیں بنانا چاہیے۔ لوگوں کے ساتھ اللہ کی رضا کی خاطر بھلائی کرو۔ اگر مقصد بھی نہ ہو تو اپنی راحت کی خاطر دوسروں سے بھلائی کرو۔ جب لوگوں کے ساتھ بھلائی کرو گے تو وہ تمہارے دوست بن جائیں گے اور تمہارے دل میں تکلیف دہ خیالات نہ آسکیں گے۔ اگر تُو سب کو دوست نہیں

بنا سکتا تو پھر مشورہ کسی خالص دوست سے کر۔

مشورہ لینے والے نے کہا کہ میں جانتا ہوں کہ تُو میرا دشمن ہے لیکن تُو انسان ہے اور عقل مند ہے اور مُہمل نہیں ہے۔ مجھے یقین ہے کہ تیری عقل تجھے میرے ساتھ کجروی نہ کرنے دے گی۔ عقل والوں کا طبعی تقاضا اگرچہ دشمن سے بدلہ لینے کا ہوتا ہے لیکن اُن کی عقل اُن کی طبیعت اور نفس پر غالب آ جاتی ہے۔ عقل ایک مُنصف کوتوال ہے اور دل کے خیالات پر حاکم ہے۔ عقل کی مثال بلی کی سی ہے اور نفس چوہے کی طرح ہے۔ اگر نفس کا غلبہ ہے تو سمجھو وہاں عقل نہیں ہے اور اگر ہے تو مردہ ہے۔ ہم نے عقل کو بلی قرار دیا۔ یہ غلطی تھی، عقل تو شیر اور شیر افگن ہے۔ انسان میں لامحالہ نفسانی قوتیں ہوتی ہیں۔ عقل کے بھروسے پر اُن سے غفلت نہیں برتنی چاہیے۔ بس اِس قدر ہے کہ اگر عقل ہوتی ہے تو وہ قوتیں مضمحل ہو جاتی ہیں لیکن بالکل فنا نہیں ہوتیں۔ اے کامل انسان! تُو ہی عقل کی عقل اور جان کی جان ہے۔ معراج کے موقع پر آنحضور ﷺ کے عروج پر جبرائیل علیہ السلام بھی حیران تھے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بنی ہذیل کے ایک نوجوان کو لشکر کا سردار بنانا جبکہ بُوڑھے اور جنگ آزمُودہ موجُود تھے

اس قصے کا مقصد یہ ہے کہ بتایا جائے کہ بزرگی بہ عقل است نہ بسال (بزرگی کا تعلق عمر سے نہیں ہے بلکہ عقلِ حقیقی سے ہے)۔ آنحضور ﷺ نے لشکر کا سردار بنی ہذیل کے ایک نوجوان کو بنایا۔ فوج کا سردار سَر کی طرح ہوتا ہے۔ بغیر سردار کے فوج ایک بغیر سَر کا دھڑ ہے۔ شیخ بھی سردار ہوتا ہے۔ انسان کے اعمالِ خیر میں پژمردگی اس لئے ہوتی ہے کہ اُس نے کسی شیخ کو اپنا سردار نہیں بنایا ہوتا۔ کس کو شیخ اور پیر بنانے میں انسان کی عمل سے سُستی اور خدمت میں بخل اور خودی مانع رہتی ہے۔ شیخ سے گریز کرنے والے کی مثال اُس گدھے کی سی ہے جو بوجھ سے گھبرا کر پہاڑ کی طرف بھاگ پڑے۔ اُس گدھے کو مالک کہہ رہا ہے کہ پہاڑ میں سینکڑوں بھیڑیے ہیں جو تجھے ہلاک کر دیں گے۔ شیخ بھی بھاگنے والوں کو سمجھاتا ہے کہ بھاگنے میں ہلاکت ہے اور اگر ہلاکت نہ بھی ہو تو نعمتوں سے محرومی ضرور ہے۔ شیخ کی تعلیمات سے گھبرانا نہیں چاہیے بلکہ ایسا بن جانا چاہیے جیسے مردہ نہلانے والے کے ہاتھ میں۔ انسان کا نفس گدھا ہے، جب وہ انسان پر غالب ہو تو چونکہ حکم غالب پر لگتا ہے لہٰذا ایسے انسان کو گدھا کہا جائے گا۔ جن لوگوں پر نفس کا غلبہ ہوتا ہے اُن کو اللہ نے از راہ کرم گدھا نہیں کہا ہے بلکہ گھوڑا قرار دیا ہے۔ جب عرب، گھوڑے کو پکارتے ہیں تو لفظ "تعال" یعنی "آ جا" بولتے ہیں اِسی طرح قرآن نے آنحضور ﷺ کو کہا ہے کہ آپ اِن لوگوں کو "تَعَالَوْا" کہو۔ یہ اس لئے کہ چونکہ آپ ﷺ ظالم نفسوں کی اِصلاح پر معمور

صُورتِ تَن گو برو من کیستم
جسم کو کہہ دو "چلا جا" میں کون ہوں

نقش کم ناید چو من باقیستم
جب میں باقی ہوں تو مجھے صُورت کی کیا ضرورت ہے

ہیں کہ ''آؤ'' میں ریاضت کے ذریعے نفسوں کو مُرتاض بناؤں۔ ریاضت کرانے والوں کو دولتیاں بھی کھانی پڑتی ہیں کیونکہ اناڑیوں کو ریاضت کی طرف لانا مصیبت ہوتی ہے۔ نبی چونکہ قوم کی تربیت کرتا ہے لہٰذا اُسے زیادہ مصائب (دولتیاں) برداشت کرنے پڑتے ہیں۔ یہ حضرات (انبیاء علیہم السلام) سست رفتار گھوڑوں کو شاہی سواری کے لائق بناتے ہیں۔ اللہ نے قرآن میں فرمایا: قُلْ تَعَالَوْا ''اے نبی! لوگوں سے کہہ دے کہ آجاؤ''۔ اے مسکینو اور غریبو! میرے پاس آجاؤ۔ پھر فرمایا ''اور جو شخص کفر کرے تو اُس کا کفر کرنا تجھے غمگین نہ کرے'' ہر گھوڑا اپنے اصطبل کی طرف جاتا ہے تو جو اہلِ شقاوت ہیں اُن کا اصطبل وہ نہیں ہے جس کی طرف نبی دعوت دیتا ہے۔ جس طرح انسانوں میں استعداد کا اختلاف ہے۔ اسی طرح ملائکہ میں بھی ہے اسی لئے انہیں مختلف صفوں میں رکھا گیا ہے۔

ملائکہ اور انسانوں کی صلاحیت کے اختلاف کو اِس مثال سے سمجھو کہ سب بچے ایک ہی مکتب میں پڑھتے ہیں لیکن صلاحیت اور استعداد کے اعتبار سے بعض کو بعض پر فضیلت اور فوقیت حاصل ہوتی ہے۔ یہ صلاحیت کا اختلاف حواس میں بھی ہے۔ کان میں سننے کی صلاحیت ہے جو آنکھ میں نہیں ہے۔ آنکھ میں دیکھنے کی صلاحیت ہے جو کان میں نہیں ہے۔ اگر لاکھوں آنکھیں بھی مل جائیں تو کان کے برابر نہیں سُن سکتیں۔ تمام حواس کا یہی حال ہے، جو جس چیز کی صلاحیت رکھتا ہے وہ دوسرے میں نہیں ہے۔ حواسِ ظاہری اور حواسِ باطنی سب اپنی اپنی صلاحیت کے اعتبار سے اپنے اپنے کام میں لگے ہیں جیسا کہ ملائکہ کی مختلف صفیں اپنے اپنے کام میں لگی ہیں۔ اگر کسی میں دین کے قبول کرنے کی صلاحیت نہیں ہے تو وہ بد دینوں کی صف میں شامل ہوگا۔ نبی کا کام دعوت دینا ہے اور منکرین کے رویہ سے تنگ دل ہو کر دعوت دینا نہیں چھوڑ سکتا۔ اگر کوئی منکر ایک وقت میں انکار کرے تو ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی صلاحیت کے اعتبار سے آخر میں دعوت کو قبول کرلے۔

قرآن پاک میں ہے کہ ''اللہ تعالیٰ سلامتی کے گھر کی دعوت دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے سیدھے راہ کی رہنمائی کر دیتا ہے''۔ اے شخص! تُو خود اپنی خودی اور سرداری سے باز آجا اور کوئی سردار تلاش کر۔ خود سرداری کا طالب نہ بن۔ نصیحت مان اور کسی کامل کے دامن سے وابستہ ہوجا۔

ایک مُعترض کا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اُن ہذیلی کو لشکر کا سردار بنانے پر اعتراض

جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس ہذیلی کو لشکر کا سردار بنایا تو ایک احمق، حسد کی وجہ سے برداشت نہ کر سکا اور ہم نہیں مانتے کا اعلان کر دیا۔ اُس کا ایسا اعلان دُنیاداری کے غلبے کی وجہ سے

چوں نفخت بُودم از لُطفِ خُدا
(میں اللہ کے کرم سے نفخت تھا (پھونک تھا))

نفخِ حق باشم زنائے تن جُدا
(پھر اللہ کی پھونک ہو جاؤں گا، بدن کی بنسری سے الگ)

تھا۔ اختلاف کا بڑا سبب عام طور پر تکبر اور غرور ہوتا ہے۔ اس دُنیا سے نجات کی کنجی خود انسان کے ہاتھ میں ہے۔ ایسا صرف مجاہدات کر کے ہی ہوسکتا ہے۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ اُسے قید خانہ میں پڑا رہنا منظور ہوتا ہے لیکن مجاہدہ کی طرف کم آتا ہے۔ انسان معصیتوں میں آلودہ ہے حالانکہ رُوحانیت کی نہر اُس کے دامن سے ٹکرا رہی ہے جس سے اُس آلودگی کو دُور کیا جا سکتا ہے۔ رُوحانیات کی آرام گاہ اُس کے پہلو میں ہے۔ اُس کے ہوتے ہوئے بیقراری سے پہلو بدل رہا ہے لیکن اُس آرام گاہ میں داخل نہیں ہوتا۔ خدا کا نور مخفی ہے اور عابدوں کی جستجو اُس کے وجود کی گواہ ہے۔ دُنیا سے دل کی وحشت اور عالمِ آخرت کی جستجو راہ نجات کا پتہ دیتی ہے۔

دِل گواہ است کہ در پردہ دِل آرائے ہست
ہستیِ قطرہ دلیل است کہ دریائے ہست

''دل اِس بات کا گواہ ہے کہ محبوبِ حقیقی پردے میں چھپا ہوا ہے جیسے پانی کا قطرہ اس بات کی دلیل ہے کہ دریا ضرور کہیں ہے''۔

دُنیا سے وحشت انسان کو راہِ ہدایت کی جستجو کے لئے مجبور کرتی ہے۔ تلاش کرلو یعنی کثرت میں وحدت کا مُشاہدہ کرو۔ وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَمَا كُنْتُمْ ''وہ اللہ تمہارے ساتھ ہے' تم جہاں بھی ہو'' قرآن میں فرمایا گیا ہے'' زمین کی مُردنی کے بعد اُس کی تروتازگی اللہ کے وجود کی دلیل ہے''۔ رہائی کی توقع رہائی کے وجود پر دلالت کرتی ہے کیونکہ اگر رہائی کا وجود ہی نہ ہوتا اور رہائی کی خوشخبری دینے والے کی آمد کی اُمید نہ ہوتی تو رہائی کے لئے دروازے پر نگاہ کیوں لگی رہتی۔ اس لئے ہدایت کی توقع اُس کے وجود کی دلیل ہے۔ لاکھوں گنہگار آبِ رحمت کی جستجو میں ہیں' جو آبِ رحمت کے وجود کی دلیل ہے۔ راحت کی توقع پر بے راحتی میں بے چینی ہوتی ہے۔ اگر توقع نہ ہو تو قرار آ جائے۔ رُوح کی بے چینی آخرت کے آرام کی توقع کی وجہ سے ہے۔ بے قراری جب ہی ہوتی ہے جب کوئی متوقع آرام گاہ ہو۔ خمار جب ہی ہوتا ہے جب کسی خمار شکن چیز کی توقع ہو۔ شراب کا وجود ہی نہ ہو تو اُس کی طلب میں اعضاء شکنی نہیں ہوسکتی۔

حضور ﷺ کے حکم پر اِعتراض کرنے والے نے کہا کہ آپ ﷺ نے بھی تو یہی فرمایا ہے کہ ''پیشوا بوڑھا ہونا چاہیے''۔ بوڑھا اپنے اہل میں ایسا ہے جیسا کہ نبی اپنی اُمت میں'' اُس نے کہا کہ اس لشکر میں بہت سے بوڑھے ہیں' جو اِس نوجوان سے بڑھے ہوئے ہیں۔ بڑھاپا عقل کی پختگی کی دلیل ہے اور جوانی عقل کی خامی کی۔ نوجوان اگرچہ بدن سے چست ہوگا لیکن عقل کا پختہ نہیں ہے۔ اِسی طرح وہ بے ادب' پیغمبر ﷺ کے سامنے باتیں کرتا رہا۔ وہ نہیں جانتا تھا

نفس و شیطاں بُود ز اوّل واحدے
نفس و شیطان شروع سے ایک ہی تھے

بُود آدمؑ را عدو و حاسدے
آدمؑ کے دُشمن اور حاسد تھے

کہ مُشاہدے کے سامنے خبر بے کار ہوتی ہے اور وہ بغیر مُشاہدے کے بول رہا تھا۔ انسان خاموشی میں خیالات کو جمع کرتا ہے تب گفتگو شروع کرتا ہے۔ تو خاموشی سمندر ہے جس سے گفتگو کی نہر جاری ہوتی ہے۔ جب سمندر خود انسان کا طالب ہو تو اُس کو نہر کی تلاش نہ کرنی چاہیے۔ جب کسی کو کسی چیز کا مُشاہدہ حاصل ہو تو مُشاہدہ کرنے والوں کو اس چیز کی خبر دینا بے کار بات ہے۔ خبروں کا تعلق اُس شخص سے ہے جو اس چیز سے غائب ہو۔ جو شخص مُشاہدہ کر رہا ہو اُس کو خبریں سُنانا لغو کام ہے۔ مقصود حاصل ہو جانے کے بعد وسائل اور ذرائع بیکار ہو جاتے ہیں۔ جب تک سالِک کا طریقت میں بچپن ہے اُس کو ذرائع کی ضرورت ہے۔ جب وہ بلوغ پر پہنچ کر مُشاہدہ کر لیتا ہے تو وسائل سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ کاملین جو ابتدائی ذرائع اختیار کرتے ہیں وہ دوسروں کی تعلیم و تفہیم کے لئے ہوتے ہیں۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے ''جب قرآن پڑھا جائے تو اُس کی طرف کان لگاؤ اور خاموش رہو'' اگر صاحبِ مُشاہدہ تم سے اُس چیز کے بارے میں دریافت کرے تو اچھے پیرایہ میں مختصر بات کہہ دو ہاں اگر وہ تفصیل کا مطالبہ کرے تو عُمدہ طریق پر تفصیل کر دو۔

میرا اور ضیاء الحق رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی معاملہ ہے۔ میں اس صاحبِ مُشاہدہ کے سامنے کچھ مختصر کہتا ہوں لیکن اس کی جانب سے تفصیل کا مطالبہ ہوتا ہے اور چونکہ حُسام الدّین کا شوقِ سماع مجھے مثنوی کہنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ اے حُسامُ الدّین! آپ کو جب مُشاہدہ حاصل ہے تو محبوب کی باتیں سننے کا اس قدر شوق کیوں ہے؟ جواب یہ ہے کہ عشق کا تقاضا یہ ہے کہ عاشق کے تمام حواس معشوق سے بہرہ ور ہوں۔ آنکھ اگر دیکھتی ہے تو کان باتیں سننے کا مُشتاق ہوتا ہے۔ مَست چاہتا ہے کہ ساقی شراب سے صرف دہن کی لذّت حاصل نہ کرے بلکہ کان بھی اُس کا نام سنیں۔ منہ سے اگر جام لگا ہوا ہے تو کان اپنا حصہ مانگتا ہے۔ کان کو جواب ملتا ہے کہ تیرا حصہ وہ حرارتِ عشق ہے جو تجھ میں دیکھنے سے سرائیت کر رہی ہے۔ وہ کہتا ہے نہیں میں اُس سے زیادہ لذّت چاہتا ہوں اور وہ محبوب کا کلام سننے سے حاصل ہو گی۔

اعتراض کرنے والے کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب دینا

اُس معترض جوان نے ہذیلی نوجوان کو سردار بنائے جانے پر جب بہت زیادہ اِعتراض کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے خاموش ہو جانے کا اشارہ کیا کہ تُو واقف اَسرار کے سامنے کتنا بولے گا۔ مُعترض نے بات اچھے انداز میں کی تھی لیکن اُس کا منشا' حسد اور بدباطنی تھی۔ اے نالائق! تو مینگنی کو سونگھ کر اُس کے خوشبودار ہونے کا تاثر دیتا ہے اور خوشبوؤں کے ماہر کو دھوکا دینا چاہتا ہے۔ بڑوں کی بُردباری اُن کو سادہ ظاہر کرتی ہے لیکن دھوکا دینے والے کو اپنی طرف دیکھنا چاہیے کہ وہ کس کو دھوکا دے رہا ہے۔ بڑے لوگ مجرم سے اپنے آپ کو غافل بنا لیتے ہیں لیکن وہ سب کچھ سمجھتے

آنکہ آدمؑ را بدن دید اُو رمید
جس نے آدمؑ کو صرف بدن سمجھا وہ بدک گیا

وانکہ نُورِ مُوتمن دید اُو خمید
جس نے امانت رکھا ہوا نور دیکھا وہ جھک گیا

ہوتے ہیں کہ اُس کی نیت کیا ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی بُردباری کا معمولی حصہ سو پہاڑوں سے زیادہ مُتحمّل ہوتا ہے۔ اُن میں بُردباری ہوتی ہے کہ بڑے سے بڑا ہوشیار اور بینا دھوکا کھا جاتا ہے۔ اُن کی بُردباری میں شراب کی تاثیر ہوتی ہے جو انسان کو مدہوش کر دیتی ہے۔ جوان آدمی شراب کے نشے سے بوڑھوں کی طرح راستہ میں گر پڑتا ہے۔ جب معمولی شراب کے یہ اثرات ہیں تو عشقِ الٰہی کی شراب کے کیا کچھ اثرات نہ ہونگے۔ اصحابِ کہف عشقِ الٰہی کی شراب سے ایسے مَست ہوئے کہ نہ اُنہیں کھانا یاد رہا نہ سفر کرنا اور ایک غار میں تین سو نو سال سوتے رہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھ کر مصری عورتیں عشقِ الٰہی میں اُس کی شراب سے ایسی مَست ہوئیں کہ اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے۔ جن جادوگروں کو فرعون، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے میں لایا تھا وہ اس شراب سے ایسے مَست ہوئے کہ سُولی پر چڑھنا اُنہیں پیارا لگا۔ حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ غزوہ موتہ میں اسی شراب سے ایسے مَست ہوئے کہ ہاتھوں کے کٹنے کی اُن کو کوئی پروا نہ ہوئی۔

حضرت بایزید بُسطامی رحمۃ اللہ علیہ کا "سُبحانی ما اعظم شانی" کہنا، مُریدوں کا اِعتراض اور اُن کا جواب، زبانی گفتگو سے نہیں بلکہ مُشاہدہ کے راستے سے

حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ کے اس قصہ سے بھی شراب معرفت کا نشہ اور سُکر کی کیفیت کو ظاہر کرنا مقصود ہے۔ مَستی کے عالم میں اُنہوں نے سب لوگوں کے سامنے کہا کہ "میں خدا ہوں"۔ خبردار! صرف میری عبادت کرو۔ جب وہ حالت گزر گئی تو صبح کے وقت لوگوں نے کہا کہ آپ نے ایسا کہا تھا اور یہ ٹھیک نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا: اگر اب میں یہ کام کروں تو میرے چھریاں گھونپ دینا۔ اللہ تعالیٰ تو جسم سے پاک ہے اور میں مُجسّم ہوں۔ اگر اب ایسا کہوں تو مجھے قتل کر دینا۔ مریدوں نے چھریاں تیار کر لیں۔ پھر جب بھاری اِستغراق سے مَست ہو گئے تو وہ وصیت دل سے نکل گئی۔ عشق آیا تو عقل بھاگ گئی۔ عقل بمنزلہ شمع کے ہے اور عشق سورج کی طرح ہے۔ سورج نکلنے سے شمع بےکار ہو گئی۔ عقل کا بقاء اللہ کے حجابِ نور کی وجہ سے ہے۔ اگر وہ نور کا پردہ ہٹ جائے تو مخلوق اور عقل تاب نہیں لا سکتے اور فنا ہو جاتے ہیں۔ اِسی طرح سایہ کا وجود سورج کے پردہ پوش ہو جانے کی وجہ سے ہے اگر پردہ ہٹ جائے تو سایہ باقی نہ رہے۔ جب جن کسی پر چڑھ جاتا ہے تو آدمی سے آدمیت ختم ہو جاتی ہے۔ وہ جو کچھ کہتا ہے جن کی گفتگو ہوتی ہے۔ بایزید رحمۃ اللہ علیہ کا ایسا کہنا دراصل اُن کا کہنا ہی نہ تھا بلکہ وہ خود ذاتِ حق کا کہنا تھا جو اپنی جگہ بالکل صحیح تھا۔ جب انسان پر جن چڑھ جاتا ہے تو اُس وقت کے لئے اُس میں سے انسانیت کے اَوصاف ختم ہو جاتے ہیں۔ وہ جو کچھ کہتا ہے وہ نہیں بولتا بلکہ جن بولتا ہے۔ جب جن کو یہ طاقت حاصل ہے تو خود اُس جن کے خدا کی طاقت کیسی ہوگی۔ پھر اللہ تعالیٰ کی تجلیات کے

پس بصورت عالمِ صُغریٰ توئی — پس بمعنیٰ عالمِ کُبریٰ توئی
صُورت کے لحاظ سے تُو چھوٹا جہان ہے — لیکن باطن کے لحاظ سے تُو بڑا جہان ہے

سامنے ایک عاجز انسان اپنی حالت پر کب رہ سکتا ہے کیونکہ۔

گفتہ اُو گفتہ اللہ بود

گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

''اُس کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ اللہ ہی کے الفاظ ہوتے ہیں' اگرچہ وہ اللہ کے بندے کے حلق سے نکلے ہوں''۔

جب جن چڑھ جانے کے بعد اُس کی ماہیت بدل گئی تو جاہل تُرک عربی بولنے لگتا ہے حالانکہ اُس تُرک نے کبھی عربی نہیں سیکھی۔ جب تُرک پر سے جن اُتر جاتا ہے تو وہ عربی کا ایک لفظ بھی نہیں بول سکتا۔ شراب سے مست انسان شر سے نہیں ڈرتا تو یہ اُس کی فطرت نہیں ہے بلکہ شراب کا اثر ہے۔ اندھے سے کوئی راستہ دریافت نہیں کرتا تو معلوم ہوا کہ احکام کا تعلق ذات سے نہیں صفات سے ہے۔ تو جب صفتِ انسانیت کسی وجہ سے ختم ہو جائے تو کام اور بات محض ذات کی طرف منسوب نہیں کی جاسکتی۔ اگر کوئی شراب کا مست مستی کے عالم میں اپنے پُرانے راز کھولنے لگتا ہے تو تم کہتے ہو کہ یہ نہیں بول رہا شراب بول رہی ہے۔ جب شراب کے یہ کرشمے ہیں تو نورِ حق اور تجلیٔ ربّ جب انسان پر نازل ہو تو پھر اُس کی بات اُس تجلی کی طرف کیوں نہ منسوب کی جائے گی۔ قرآن کے الفاظ اگرچہ آنحضور ﷺ کے دہنِ مبارک سے ادا ہوتے تھے لیکن اُن کو آنحضور ﷺ کا کلام کہنے والا کافر ہے اور اُس کو خدا کا کلام قرار دیا جاتا ہے۔ اسی طرح اگرچہ وہ الفاظ بایزید رحمۃ اللہ علیہ کے منہ سے ادا ہوئے لیکن وہ خدا کا کلام تھا۔

حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ پر اُس کے بعد وہی مستی طاری ہوئی تو اِس بار اُنہوں نے پہلے سے بھی زیادہ سخت جملہ کہا اور کہنے لگے کہ ''میرے جبہ میں اللہ کے سوا کوئی نہیں ہے۔ اُس کو اِس جبہ میں تلاش کرلو۔ زمین و آسمان میں کیوں تلاش کرتے پھرتے ہو''۔ اِس جملے پر تمام مرید دیوانہ وار چھریاں لے کر اُن پر ٹوٹ پڑے اور اُن کے جسم پر چھریاں چلادیں لیکن جو شخص شیخ کے اندر تلوار گھساتا اُس کا زخم اُس کے اپنے جسم پر پڑتا۔ بایزید رحمۃ اللہ علیہ کے جسم پر کسی کی چھری کا زخم نہ لگا۔ جس مرید نے اُن کا گلا کاٹنے کے لئے حملہ کیا اُس کا خود گلا کٹ گیا۔ جس نے حضرت کی شخصیت کو سمجھا اور تھوڑی عقل سے کام لیا تو معمولی زخم لگایا' پھر بھی وہ زخم خود اُسی کے لگا۔ یہ سب کچھ رات میں ہوا۔ صبح کو جب نیم مردہ مریدوں پر یہ حقیقت کھلی تو سینکڑوں لوگ شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ آپ کے لباس میں کسی ایک شخص کا جسم نہیں ہے بلکہ دونوں جہان ہیں۔ اگر اِس میں انسانی جسم ہوتا تو خنجروں سے زخمی ہو جاتا۔

ظاہر آں شاخ اصل میوہ است
ظاہر میں ٹہنی پھل کی اصل ہے کیونکہ پھول اُس کے ساتھ لگا ہے

باطناً بہرِ ثمر شد شاخ ہست
باطن میں صرف پھل اُگانے کے لیے بنی ہے

جب کوئی دُنیا دار کسی بزرگ سے بھڑتا ہے تو وہ خود اپنا نقصان کرتا ہے۔ مقامِ فنا پر پہنچنے کے بعد اُس کا اپنا کچھ نہیں رہتا لہٰذا اُس کے اپنے نقصان کا کوئی امکان نہیں ہے۔ فانی کی خود اپنی صورت فنا ہو جاتی ہے اور وہ دوسروں کی صورتوں کا آئینہ بن جاتا ہے۔ اب اُس میں اُس کی اپنی صورت نظر نہیں آتی' جو غیر بالمقابل ہوتا ہے اُس کی صورت نظر آتی ہے۔ آئینہ پر تھوکنا اپنے منہ پر تھوکنا ہوتا ہے۔ اُس میں جو کچھ اچھائی یا بُرائی تجھے دکھائی دیتی ہے وہ خود تیری اچھائی یا بُرائی ہے۔ جب بُرائیاں اِس مقام تک پہنچیں تو ہونٹوں نے بولنے کا راستہ بند کر دیا اور لکھنے سے قلم عاجز آ گیا۔ اے رومی! خواہ کتنی ہی فصاحت حاصل ہو جائے اِن رازوں کو سر بستہ رکھنا چاہیے۔ بس اِس قدر اور بتائے دیتا ہوں کہ عشقِ الٰہی کا مست بالا خانے کی منڈیر پر بیٹھا ہوا ہے جہاں سے ہر وقت گرنے کا خطرہ ہے۔ یا تو وہ منڈیر سے نیچے اُتر کر بیٹھے یا بالا خانے سے ہی اُتر آئے ورنہ ہر وقت خطرہ میں ہے۔ قربِ الٰہی سے جو خوش وقتی حاصل ہو اُس کے بارے میں ہر وقت خوف زدہ رہنا چاہیے کہ کہیں وہ ہاتھ سے نہ جاتی رہے اور اُس خزانہ غیب کے راز کو لوگوں سے مخفی رکھنا ضروری ہے۔ مقامِ قرب حاصل ہونے پر جو خوشی ہے اُس کے بارے میں خوف یہ ہے کہ یہ مقام کہیں زائل نہ ہو جائے۔ بسا اوقات سالک کو اِس مقام کا احساس نہیں ہوتا لیکن اُس کی رُوح اُسے محسوس کرتی ہے۔

اقوامِ سابقہ قومِ نوح اور قومِ لوط پر جو عذاب آیا وہ اُن کے نقطۂ عروج پر پہنچنے کے بعد آیا۔ نزول وسقوط' عروج کے بعد ہی متصور ہوتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام کے نقشِ قدم پر چلو گے تو اُن کی طرح آئینہ بن جاؤ گے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جو قربِ الٰہی کا نشاط اور مستی حاصل تھی اُس معترض پر اُس کا پَرتَو پڑا جس کی وجہ سے وہ خوشی میں پاگل ہو گیا اور غلط اعتراضات شروع کر دیے۔ اُس شخص پر مستی نے جو بُرا اثر کیا' یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ مستی ہر جگہ بُرا اثر دکھاتی ہے' ہاں اگر کوئی بے ادب ہو تو اُسے زیادہ بے ادب بنا دیتی ہے۔ جس طرح کے جذبات انسان کے دل میں ہوتے ہیں مستی اُن کو اُبھار دیتی ہے۔ شراب کے اثر سے ذہین کی ذہانت بڑھ جاتی ہے اور بے عقل زیادہ بے عقلی کرنے لگ جاتا ہے۔ اگر انسان خود غرض نہیں ہے اور اُس میں عالی جذبات ہیں تو وہ جذبات اور اُبھر آتے ہیں۔ چونکہ حکم اکثریت پر ہوتا ہے اور اکثر لوگ اچھے جذبات کے حامل نہیں ہوتے۔ شراب سب کے لئے حرام کر دی گئی ہے۔ عوام کے لئے شراب کی اجازت ایسے ہی ہوگی جیسے ڈاکوؤں کے ہاتھ میں تلوار۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہذیلی کو اُس کے اعتراض کا جواب دینا

ہذیلی کو سردار بنائے جانے پر اعتراض تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ

کہ زدل تا دل یقیں روزن بود	نے جدا و دُور چوں دو تن بود
کیونکہ دل سے دل کو راہ ہوتی ہے	دو دل دو جسموں کی طرح الگ الگ نہیں ہوتے

''بزرگی بہ عقل است نہ بسال'' (بزرگی کا تعلق عمر سے نہیں ہے بلکہ عقلِ حقیقی سے ہے) محض عُمر کے لحاظ سے اگر عقل مندی کا حکم لگتا تو شیطان سے زیادہ عُمر والا کون تھا' وہ عقل مند کہلاتا۔ بچہ اگر صاحبِ کمال ہے تو وہ عقل مند ہے۔ بالوں کی سفیدی بھی عقل کی پختگی کی دلیل ہے لیکن یہ ظاہر بین لوگوں کے لئے ہے۔ جس کو نورِ بصیرت حاصل نہیں وہ ہمیشہ دلیل کا طالب ہوتا ہے اور علامتوں کا راستہ تلاش کرتا ہے۔ مقلد کے لئے یہ حکم ہے کہ وہ کسی بوڑھے سے مشورہ کرے لیکن اِس بوڑھے سے عُمر کا بوڑھا مراد نہیں ہے بلکہ صاحبِ بصیرت مراد ہے۔ وہ شخص مراد ہے جو تقلید سے نجات پا گیا ہو اور اللہ کے نور سے چیزوں کو دیکھتا ہو۔ اُس کی نگاہ کھال اور گوشت سے گزر کر باطن کو دیکھ لیتی ہو۔ ظاہر بیں انسان کھوٹے اور کھرے میں پہچان نہیں کرسکتا۔ بہت سے سکے جو صحیح ہوں کالے کر دیئے جاتے ہیں کہ چور دست درازی نہ کرسکے اور بہت سے سکے تانبے کے ہوتے ہیں جن پر سونے کی مُلمع کاری ہوتی ہے۔

حضور ﷺ نے فرمایا: ہم دل کو دیکھتے ہیں' ظاہر پر نظر نہیں رکھتے۔ قاضی ظاہر پر حکم لگاتا ہے۔ جب کوئی شخص اُس کے سامنے کلمہ شہادت پڑھے خواہ اُس کے دل میں تصدیق نہ ہو تو وہ اُس کو مومن قرار دے گا۔ بہت سے مُنافقوں نے اِسی طرح اپنا ایمان ظاہر کر کے سازشیں کی ہیں اور مسلمانوں کی خونریزی کی ہے۔ جب عقل پیدا ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے اُس کی بہت عزت افزائی فرمائی۔ اُس کو ایک یہ خوبی عطا فرمائی کہ وہ کسی کی محتاج نہیں ہے۔ اگر عقل مجسّم ہو کر دُنیا میں رونما ہو تو سورج کی روشنی اُس کے سامنے ماند پڑ جائے۔ اگر حماقت مجسّم ہو کر رونما ہو تو رات کی تاریکی اُس سے شرما جائے۔ انسان کو نورِ ہدایت سے تعلق پیدا کرنا چاہیے ورنہ بُری حالت میں موت آجائے گی۔ کور باطن' تاریکی کو پسند کرتا ہے اور ہدایت سے بھاگتا ہے اور ہر وقت اِس چیز کا طالِب ہے کہ دُنیا کی دولتیں کمائے۔ ایسے دولتمند انسانوں کو دیکھ کر دوسرے بھی گمراہ ہوجاتے ہیں۔

مُکمّل عاقل اور آدھے عقلمند اور مُکمّل اِنسان اور آدھے انسان کی علامت اور بے وجُود مغرُور بدبخت کی علامت

کامل عقلمند وہ ہوتا ہے جو نورِ باطن حاصل کرلے وہ دوسروں کا پیشوا بنے اور اپنے نور کا تابع اور پیرو ہو۔ یہ مرتبہ انبیاء علیہم السلام کا ہے اور انبیاء علیہم السلام کا فرض ہے کہ وہ اپنے اُوپر ایمان لائیں اور اپنی نبوت کی تصدیق کریں۔ نیم عاقل وہ ہے جو کسی صاحبِ نور کو اپنی آنکھ بنالے اور ہر چیز کو اُس کی آنکھ سے دیکھے۔ ہر معاملے میں اُس پر ایسا اعتماد کرے جس طرح ایک اندھا اپنے رہنما پر کرتا ہے۔ تیسرا وہ ہے جو نرا گدھا ہے' جس کو نہ خود نور حاصل ہے اور نہ کسی کو رہنما بنائے۔ خود

متّصل نبود سفالِ دو چراغ
دو چراغوں کے دیئے ملے ہُوئے نہیں ہوتے

نُورِ شاں ممزوج باشد در مساغ
اُن کی روشنی پھیلاؤ میں ملی ہُوئی ہوتی ہے

غفلت میں غرق ہے اور دوسرے کو رہنما بناتے وقت ذلت محسوس کرتا ہے۔ یہ تیسرا شخص اوہام اور خیالات کی وادیوں میں سرگرداں رہتا ہے۔ اُس کو خود تو نورِ باطن حاصل نہیں ہے اور اتنی عقل بھی نہیں ہے کہ کسی دوسرے سے نور حاصل کر لے۔ اگر کوئی مردہ بن کر اپنے آپ کو کسی عقلمند کے سپرد کر دے تو بھی بامِ عروج پر پہنچ جائے گا۔ احمق انسان نہ خود زندہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح اُس کے دَم میں اثر ہو اور نہ مردہ ہے کہ کسی عیسیٰ علیہ السلام نفس کے دَم سے زندہ ہو جائے۔ کچا انگور نہ کھانے کے قابل ہے اور نہ اُس سے شراب بن سکتی ہے۔ احمق انسان اوہام میں پھنسا رہتا ہے، عاقبت کی فکر نہیں کرتا، پھر ایسے وقت فکر کرتا ہے جب کوئی فائدہ مُرتب نہیں ہوتا ہے۔ بے وقت ندامت مُفید نہیں ہوتی۔

تالاب شکاریوں اور تین مچھلیوں کا قصہ

ایک تالاب میں تین موٹی نادر مچھلیاں رہتی تھیں۔ اُن مچھلیوں میں سے جو عقلمند تھی اُس نے شکاریوں کے ارادہ کو بھانپ کر سفر کر جانے کا ارادہ کر لیا اور وہاں سے چل دی کہ پیدائش اور قیام کی محبت کہیں مجھے میرے ارادے میں سُست نہ کر دے اور میں پکڑی جاؤں۔ دوسری دونوں مچھلیاں اُس کے ساتھ نہ گئیں اور پکڑی گئیں۔ اپنے مستقبل کے بارے میں کسی اہل سے مشورہ کر لے۔ اس وطن (دنیا) کی محبت کے دھوکے سے نکل جا۔ اگر تُو وطن چاہتا ہے تو اس حدیث کو سمجھ لے۔

حدیث "وطن کی محبت ایمان ہے" اور ایک شخص کا ناک میں پانی دینے کے وقت کی دُعا کو بے موقع پڑھنا، ایک دوست کا سُننا اور صبر نہ کر سکنا اور بتانا

اس حدیث میں وطن سے مراد آخرت ہے دُنیا کا وطن مراد نہیں۔ دُنیا کا وطن سمجھ کر دھوکا نہ کھانا۔ ہر دُعا کا ایک محل ہے اُس کو غلط مقام پر استعمال نہ کرنا چاہیے۔ اسی طرح حُبّ وطن کو غلط مقام پر استعمال نہ کرنا چاہیے۔ بزرگانِ دین وضو میں ہر عضو کو دھوتے وقت ایک خاص دُعا پڑھتے تھے۔ جب ناک میں پانی ڈالتے ہیں تو دُعا کرتے ہیں "اے خدا! مجھے جنت کی خوشبو سنگھا دے"۔ پھول کی خوشبو چمن کے لئے رہنما ہے، اسی طرح جنت کی خوشبو جنت کی رہنما ہے۔ پاخانے سے نکلتے وقت کی دُعا ہے کہ "اے اللہ! نجاستِ ظاہر کا ازالہ تو مجھ سے ممکن تھا وہ میں نے کر لیا لیکن باطنی نجاست تُو خود ہی پاک کر سکتا ہے"۔ یہ اللہ کی قدرت ہی کر سکتی ہے کہ وہ رُوح کو پاک کر دے۔ انسان کا مقدور یہی ہے کہ وہ نجاستِ ظاہری سے پاکی حاصل کر لے۔ نجاستِ ظاہری کی حد سے آگے کی پاکی اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ ایک آدمی نے استنجے

منتہای اختیار آنست خود	کاختیارش گردد اینجا مُفتقد
بندے کا اعلیٰ اختیار تو یہی ہے	کہ وہ ہماری مرضی میں خود کو گم کر دے

کے وقت وہ دُعا پڑھی جو ناک میں پانی دینے کے وقت کی ہے۔ جس طرح یہ بے محل دُعا ہے اسی طرح یہ بھی بے محل بات ہے کہ انسان احمقوں کے سامنے تواضع برتے اور اللہ کے برگزیدہ بندوں سے اکڑے۔ یاد رکھو! انسان کی اُلٹی چالیں اُس کی رفعت اور بلندی کے لئے مانع ہیں۔ پھول کی خوشبو دماغ کے لئے ہے اور پاخانہ کے سوراخ سے جنت کی خوشبو محسوس نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح وطن کی محبت دُرست ہے لیکن پہلے وطن کو پہچان۔

عقلمند مچھلی کا دانائی سے دُوسروں سے مشورے کے بغیر روانہ ہو جانا

مچھلی نے سوچا کہ اس راستے کے محرم نایاب ہیں اس لئے خاموشی سے رات کو نکل جانا چاہیے۔ سالک کو بھی یہی سوچنا چاہیے اور راہِ سلوک کی مشکلات کو خود ہی برداشت کرنا چاہیے۔ یہ محدود دُنیا چھوڑ کر لامحدود عشقی اختیار کرنی چاہیے۔ وہ تیزی سے بھاگی، راستے کی تکالیف برداشت کیں اور اپنے آپ کو دریائے ناپیدا کنار میں لے جا ڈالا۔ شکاری پیچھے ہو اور پھر غفلت کی نیند سونا بڑی غلطی ہے۔ شکاری جب جال لے کر آئے تو نیم عاقل مچھلی کو فکر ہوئی، اُس نے سوچا افسوس میں نے وقت ضائع کیا اور عقلمند مچھلی کے پیچھے نہ چلی گئی۔ اب بھی مجھے چل دینا چاہیے۔ گزرا ہوا وقت واپس نہیں آسکتا تاکہ اپنی غلطی کی تلافی ہو سکے۔

ایک پھنسے ہُوئے پرندے کی وصیّت کہ گزشتہ پر پشیمان نہ ہو، ناممکن بات کا یقین نہ کر، موجُودہ وقت کی اِصلاح کر اور پشیمانی میں وقت ضائع نہ کر

گزشتہ بات پر افسوس کرنا وقت کو ضائع کرنا اور لغو بات ہے۔ ایک شکاری نے ایک پرند پھانس لیا۔ پرندے نے کہا کہ اگر تُو مجھے ذبح کر کے کھا بھی جائے گا تو کیا فائدہ ہوگا۔ تُو بہت بڑے بڑے جانور کھا چکا ہے اور اُن سے تیرا پیٹ نہیں بھرا تو مجھے کھا کر تیرا کیا فائدہ ہوگا۔ تُو مجھے آزاد کر دے تو میں تجھے تین نصیحتیں کروں گا۔ میں پہلی نصیحت اُس وقت کروں گا جب تُو مجھے ہاتھ میں پکڑے گا۔ دوسری اس وقت کروں گا جب تُو مجھے چھوڑ دے گا اور تیسری اُس وقت کروں گا جب میں درخت پر جا بیٹھوں گا۔

تیرے ہاتھ میں جو نصیحت کرنی ہے وہ یہ ہے کہ اگر کوئی تجھے ناممکن اور محال بات کہے تو اس پر یقین نہ کرنا۔ اُس کے بعد پرندے نے کہا کہ میرے پوٹے میں ایک نادر موتی ہے جو تین تولے کا ہے۔ اگر تُو مجھے ذبح کرتا تو یہ موتی تیری دولت ہوتا چونکہ تیرا مقدر نہیں ہے اس لئے وہ موتی تیرے ہاتھ نہ آیا۔ پرندے کی اس بات کو سُن کر شکاری اس طرح آہ

اختیارش گر نبودے چاشنی　　کے بگشتے آخر او محو از منی
اگر اسے اپنی فنائیت میں مزا نہ آتا　　تو وہ اپنے اختیار کو ہم میں کیوں فنا کرتا؟

وفریاد کرتا تھا جس طرح حاملہ عورت بچہ جنتے وقت کرتی ہے۔ وہ پرندے کی اس گفتگو پر غمگین ہو کر آہ وزاری کرتا تھا۔ وہ بولا: اے پرندے! تُو نے حیلہ بازی کر کے مجھے تباہ کر دیا ورنہ میں موتی سے دولت مند ہو جاتا۔ پرندے نے جواب دیا: میں نے تجھے نصیحت کی تھی کہ گزری ہوئی بات پر افسوس نہ کرنا تو اب افسوس کیوں کرتا ہے؟ میں نے دوسری نصیحت یہ کی تھی کہ کسی ناممکن بات پر یقین نہ کرنا تُو نے میری ناممکن بات پر یقین کر لیا اور یہ نہ سوچا کہ چھوٹے پرندے کے پوٹے میں تین تولے کا موتی کیسے ہو سکتا ہے۔ جب شکاری کو کچھ سکون ہوا تو اُس نے پوچھا کہ تیسری نصیحت بھی سُنا دے۔ پرندہ بولا: تُو نے دو نصیحتوں پر خوب عمل کیا ہے جو تجھے تیسری نصیحت بھی سُنا کر ضائع کر دوں۔ اُس کے اس جواب میں تیسری نصیحت بھی مُضمر ہے کہ جو نصیحت قبول نہ کرے اُس کو نصیحت نہ کرو۔ پرندے نے طنزاً تیسری نصیحت بھی کہہ دی اور اُڑ کر جنگل میں چلا گیا۔

جاہل کو نصیحت کرنا ایسا ہی ہے جیسے شور زمین میں بیج بونا۔ مکمل عقلمندی تو یہی ہے کہ قبل از مصیبت دفیعہ کی تدبیر کر لے۔ نیم عقل مندی یہ ہے کہ مصیبت کے وقت ہی نجات کی صحیح تدبیر کرے۔ عقل مند مچھلی کے چلے جانے کے بعد نیم عاقل نے سوچا کہ وہ کیوں اچھے ساتھی سے چھوٹ گئی۔ اب افسوس کرنے میں وقت ضائع کرنا مناسب نہیں ہے۔ میں یہ تدبیر کرتی ہوں کہ اپنے آپ کو مردہ بنا لوں گی۔ حدیث شریف میں ہے کہ مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا یعنی ”نجات اسی میں ہے کہ مرنے سے پہلے ہی فنا کا درجہ اختیار کر لو“ مقامِ فنا اختیار نہ کرو گے تو فتنوں میں مبتلا ہو کر مرو گے۔ وہ مردہ بن گئی تو شکاری نے اُس کو الگ زمین پر پھینک دیا تو وہ لوٹتی پوٹتی پھر دریا میں گھس گئی۔ تیسری بے عقل مچھلی نے اُچھل کود شروع کر دی۔ اُس کی یہ کوشش بے وقت تھی۔ شکاری نے اُس کو جال سے پکڑ لیا تا کہ اُس کے کباب بنائے۔ عقل اُس پر طنز کر رہی تھی کہ کیا تیرے پاس تجھے عذاب سے ڈرانے والے نہ آئے تھے۔ وہ کہہ رہی تھی کہ بے شک ڈرانے والے آئے تھے لیکن میں نے اُن کا کہنا نہ مانا۔ وہ اپنے دل میں کہہ رہی تھی کہ اب اگر زندگی حاصل ہو جائے تو کسی عقل مند کا دامن ضرور پکڑوں گی۔ یہ حال اُن لوگوں کا ہے جو دُنیا میں بے عقلی کریں گے اور نصیحت نہ سُنیں گے۔

احمق کا گرفتاری کے وقت عہد کرنا اور نادم ہونا ہرگز مفید نہیں کیونکہ کوئی جھوٹا وفا نہیں کرتا

احمقوں کے وعدوں اور دعووں کا اعتبار نہیں ہے۔ قرآن میں ہے کہ اگر اُن کو دوبارہ زندگی بھی دے دی جائے تو یہ بدعہدی کریں گے۔ عہدوں کی وفا کرنا تو عقل والوں کا کام ہوتا ہے۔ پروانے میں عقل کی کمی ہے جس کی وجہ سے شمع کی آگ کی سوزش اُس کو یاد نہیں آتی۔ اُس کی

جملہ حسہائے بشر ہم بے بقاست | زانکہ پیشِ نورِ روزِ حشر لاست
انسان کے تمام حواس فانی ہیں | حشر کے روز نور کے سامنے اُن کی کچھ حقیقت نہیں

حرص اور بھول اُسے جلا دیتی ہے۔ ضبط کا مادہ، سمجھ، نگہ داشت اور یادداشت، عقل کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ انسان کی عقل اُس کو اُس کا عہد یاد دلاتی ہے۔ اُس کی بے عقلی یہ ہے کہ وہ اپنی حماقت کے آثار کو نہیں سمجھتا۔ انسان کی ندامت تکلیف کی وجہ سے تھی۔ تکلیف ختم ہوئی تو ندامت بھی ختم ہو جاتی ہے۔ اِس لئے اُس کی توبہ اور ندامت کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔

وہم عقل کا کھوٹا سکہ

شہوتِ نفسانی عقل کی ضد ہے۔ عقل اُس کی طرف مائل نہیں ہو سکتی۔ جو نفسانی خواہش کی طرف مائل ہو وہ عقل نہیں وہم ہے۔ وہم بھی سکہ ہے لیکن کھوٹا۔ عقل کھرا سکہ ہے۔ قرآن اور حضور ﷺ کی سیرتِ پاک کی کسوٹی پر پرکھنے سے دونوں میں امتیاز ہو سکتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام (جو عقلمند تھے) کے فرعون (جو وہمی تھا) کیساتھ سوال وجواب

حضرت موسیٰ علیہ السلام، فرعون کے پاس پہنچے اور اُس وقت وہ مقامِ فنا میں تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا میں عقلِ مجسم ہوں۔ اللہ کی دلیل اور لوگوں کو گمراہی سے بچانے والا ہوں۔ فرعون نے کہا کہ میں یہ باتیں سُننا نہیں چاہتا، تُو اپنا قدیم نام اور نسب بتا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: میرا نسب تو یہ ہے کہ میں خاکزادہ ہوں۔ میرا نام اللہ کا کمترین غلام ہے اور میں اللہ کے غلاموں اور لونڈیوں کی پشت وبطن سے پیدا ہوا ہوں۔ میں آدم علیہ السلام کی اولاد ہوں۔ آدم علیہ السلام کو اللہ نے آب و گل سے پیدا فرمایا تھا اور پھر اُسے جان و دل عطا کئے تھے۔ میرا خاکی جسم پھر خاک ہو جائے گا اور تجھ ظالم کے جسم کو بھی خاک میں ملنا ہوگا۔ تمام انسانوں کی اصل آب و گل ہے اور اُس کی سو علامتیں ہیں۔ پہلی علامت یہ ہے کہ انسان زمین کی پیداوار سے خوراک حاصل کرتا ہے اور اِسی سے پرورش پاتا ہے۔ دوسری نشانی یہ ہے کہ سب کو مر کر خاک میں مل جانا ہے اور تجھے بھی خاک میں جانا ہے اور تیرا یہ اقبال فانی ہے۔

فرعون نے غصّے سے کہا کہ تیرا ایک اور نام ہے اور وہ زیادہ مناسب ہے اور وہ ہے "فرعون کا غلام" "فرعون کے غلاموں کا غلام"، یعنی اُس غلام کی جان اور جسم کو فرعون ہی نے پرورش کیا۔ تُو غلام تو ہے مگر باغی اور سرکش، اور تُو وہی غلام ہے کہ ایک جرم کر کے مصر سے بھاگا تھا، یعنی ایک قبطی کو قتل کیا ہے۔ چونکہ تُو نے میرے حقوق ادا نہیں کئے اس لئے پردیس میں مارا مارا پھرا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: خدا کا کوئی شریک نہیں ہے۔ وہ واحد ہے اور اُسے کسی مددگار کی ضرورت نہیں ہے اور اپنے بندوں کا تنہا خدا ہے۔ جو اُس کی شرکت کا دعویٰ کرے گا تباہ ہو جائے گا۔ اُسی نے میری صورت کو بنایا ہے اگر کوئی دوسرا دعویٰ کرے تو وہ ظالم ہے۔ تُو میرا خدا کیسے ہو سکتا ہے تُو میری ایک ابرو بھی نہیں بنا سکتا۔

نورِ حس و جانِ ناپایانِ ما
ہماری رُوحِ انسانی کی فنا

نیست گُلّی فانی ولا چوں گیا
گھاس پھونس کی کُلّی فنا کی طرح نہیں ہے

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: غدار میں نہیں ہوں بلکہ تُو اللہ کا غدار ہے۔ مجھ سے قبطی کا قتل بلا ارادہ ہوا تھا۔ وہ کافر تھا اُس کی جان تو جان ہی نہ تھی۔ تُو نے ہزاروں بے قصور اولادِ یعقوب علیہ السلام کو قتل کیا ہے۔ اس کی سزا میں تُو طرح طرح کے عذاب بھگتے گا۔ اللہ نے تیری مرضی کے خلاف مجھے اپنی رسالت کے لئے منتخب کیا۔ فرعون کہنے لگا کہ ان باتوں کو چھوڑ، کیا میرے حقوق کا یہی تقاضا ہے کہ تُو مجھے برسرِ مجمع ذلیل کرتا ہے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اگر تُو خیر و شر میں میری اتباع نہ کرے گا تو قیامت میں ذلیل ہوگا اور وہ ذلت اس دُنیا کی ذلت سے بہت سخت ہے۔ یہاں تُو ایک مچھر کے کاٹنے کو برداشت نہیں کرتا تو قیامت میں سانپوں کا زہر کیسے پیئے گا۔ ظاہراً جس کو تُو بربادی سمجھتا ہے اُس میں ہی تیری آبادی ہے۔

تعمیر تخریب میں، دلجمعی پریشانی میں، دُرستگی شکستگی میں مُراد بے مُرادی میں اور وجود عدم میں ہے کا بیان، اِسی طرح ضدوں اور جوڑوں کا قیاس کرلو

ایک شخص نے زمین کو کھودنا شروع کیا۔ ایک بے وقوف بولا: تُو ہل چلا کر زمین کیوں خراب کر رہا ہے؟ اُس نے کہا: اے احمق! جا پہلے تعمیر اور تخریب میں فرق سمجھ۔ چمن اور کھیت تب ہی تیار ہوتا ہے جب پہلے زمین کو خوب ویران کیا جائے۔ زخم کو نشتر سے نہ چھیڑیں تو زخم کیسے اچھا ہوگا۔ درزی کپڑے کو کاٹ کر ٹکڑے نہ کرے تو لباس کیسے تیار ہو۔ نئی تعمیر کرنی ہو تو پرانی بنیادوں کو اُکھاڑنا ہی پڑتا ہے۔ سب کاریگروں کا یہی عمل ہے۔

حضرت مُوسیٰ علیہ السلام کا فرعون کو جواب

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: تیرے حقوق کا یہی تقاضا ہے کہ میں تجھے ہلاکت سے نجات دلا دوں۔ اگر تُو میری نصیحت کو قبول کرے گا تو ابدی ہلاکت سے نجات پا جائے گا۔ تُو نے اپنے نفس کو جو کہ ایک معمولی کیڑا تھا اُسے اژدھا بنا کر اپنے اُوپر مسلّط کرلیا ہے۔ اُس کے مقابلے کے لئے میں اپنے عصا کا اژدھا لایا ہوں۔ میرا سانپ تیرے اژدھا کو برباد کردے گا۔ اگر تُو راضی ہوگیا تو دونوں سانپوں سے بچ جائے گا ورنہ تیری ہلاکت ہے۔ فرعون نے کہا کہ تُو مکمل جادوگر ہے۔ تُو نے اپنے مکر اور جادو سے میری قوم میں اختلاف پیدا کردیا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اللہ کا پیغام پہنچا رہا ہوں۔ جادوگر اپنے عمل میں اللہ کے نام کا سہارا نہیں لیتا۔ وہ جادو میں شیطان کا نام استعمال کرتا ہے۔ آسمانی کتابوں میں میرا

ذکر کیا گیا ہے، مجھ پر وحی نازل ہوتی ہے۔ جادوگر کو وحی سے کیا واسطہ۔ تُو خود جیسا ہے مجھے بھی ویسا ہی سمجھ رہا ہے۔

انسان جیسا خود ہوتا ہے دوسروں کو بھی ویسا ہی سمجھتا ہے۔ انسان ہمیشہ اپنی حالت پر دوسروں کو قیاس کرتا ہے۔ جس کا اپنا سر چکرا رہا ہو وہ گھر کو گھومتا ہوا سمجھتا ہے۔ کشتی میں بیٹھا ہوا انسان سمجھتا ہے کہ ساحل پیچھے کو چل رہا ہے۔ اگر انسان تنگ دل ہوتا ہے تو دُنیا کو تنگ سمجھتا ہے۔ اگر خوش ہوتا ہے تو اُسے تمام دُنیا پُر مسرت معلوم ہوتی ہے۔ اسلام کے مرکز میں بھی مُنافق کو کفر و نفاق ہی نظر آئے گا۔ انسان جس چیز کی جستجو کرتا ہے وہی اُس کو نظر آتی ہے۔ جو شخص باطنی بصیرت سے خالی اور ظاہر بیں ہے اُس کو تمام عالَم میں صرف ظاہر نظر آئے گا۔ بیل اگر بغداد میں بھی پہنچے گا تو وہاں بھی اُس کو خربوزے کے چھلکوں کے علاوہ کچھ نظر نہ آئے گا۔ اَسبابِ ظاہری کا پابند انسان صرف اپنی طبیعت پر اعتماد کرتا ہے۔ اَسباب و علل سے گزر کر جب انسان اُس مقام تک پہنچتا ہے جہاں مُسبّبُ الاسباب کی قدرت کا عمل جاری ہے تو اُس کو ایک وسیع میدان ملتا ہے۔ اُس مقام پر پہنچ کر تجدّدِ امثال کے طریقہ پر اُس کو نئے عالم نظر آتے ہیں۔ انسان کی غفلت ہے کہ وہ اَسباب کی طرف نظر رکھتا ہے اور سبب پیدا کرنے والے سے غافل ہے۔

حواس کے مُدرِکات الگ الگ ہوتے ہیں

انسان کے ہر حِس کے مُدرکات جُداگانہ ہیں۔ ایک حِس دوسری حِس کے مدرکات سے بے خبر ہے۔

انسان اپنی عینک سے بزرگوں کو دیکھتا ہے اور اُس کی عینک خود پردہ اور حجاب ہے۔ صوفیا کی طرح حواس کو مُشاہدہ کے ذریعے پاک و صاف کرنا چاہیے۔ جب تیرے حواس پاک ہو جائیں گے تو بزرگوں کی حقیقت کو سمجھ لے گا۔ دیکھنا آنکھ کا کام ہے، کان کا نہیں۔ کان سننے کا ماہر ہے۔ ناک محبوب کا چہرہ نہیں دیکھ سکتی۔ اگر تمہاری حِس ٹیڑھی ہے تو وہ صحیح کام نہیں کرے گی۔ بھینگے کی آنکھ ایک چیز کو دو کر کے دکھاتی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے کہا: چونکہ تُو مجسّم مکر و فریب ہے اِس لئے تُو مجھ میں اور اپنے آپ میں فرق نہیں کر سکتا۔ تُو بھینگا ہے، مجھے اپنی آنکھ سے نہ دیکھ۔ مجھے میری آنکھ سے دیکھ پھر تُجھے عالَمِ غیب کا مُشاہدہ ہوگا۔ میرے عشق میں تُجھے خدا کا عشق نظر آئے گا۔ جب تُو جسم کی مادیت سے پاک ہو جائے گا تو تُجھے معلوم ہو جائے گا کہ کان اور ناک بھی آنکھ کا کام کرتے ہیں۔ جب بچّہ ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے تو اُس کے دوسرے حواس آنکھ کا کام کرتے ہیں۔ محض آنکھ کی چربی کو دیکھنے کی علّت نہ سمجھنا چاہیے۔ خواب میں انسان دیکھتا ہے اور اُس کی آنکھیں بند ہوتی ہیں۔ پری اور جن دیکھتے ہیں مگر اُن کی آنکھوں میں یہ چربی نہیں ہے۔ آنکھ کی روشنی اور چربی میں کوئی مناسبت نہیں ہے۔ خدا نے اُس میں یہ طاقت رکھی ہے کہ تو اُس کی قدرت میں یہ بھی ہے کہ وہ کسی اور چیز

لیک مانندِ ستارہ و ماہتاب
رُوحِ انسانی کی فنا ستاروں اور چاند کی طرح ہے

جُملہ محو اند از شُعاعِ آفتاب
جیسے سُورج کی روشنی میں ان کی حالت ہوتی ہے

میں دیکھنے کی طاقت رکھ دے۔ انسان خاکی اور جن ناری ہے لیکن اب اُن میں اور اُس کی اصل میں کوئی نسبت نہیں ہے۔

قومِ عاد پر جو ہوا مسلط ہوئی تھی وہ دیکھ دیکھ کر دشمنوں کو ہلاک کر رہی تھی۔ نمرود کی آگ کو بصارت حاصل تھی اسی لئے وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نہیں جلا رہی تھی۔ دریائے نیل کو بھی بصارت حاصل تھی۔ اس لئے اُس نے قبطیوں کو ڈبویا اور اسرائیلیوں کو نہ ڈبویا۔ پہاڑ میں بصارت تھی تب ہی تو وہ پتھر حضرت داؤد علیہ السلام کو پہچان گئے تھے اور اُن سے خواہش کی تھی کہ طالوت کو ہلاک کرنے کے لئے ہمیں ساتھ لے لو۔ زمین کو بصارت حاصل تھی اِسی لئے اُس نے قارون کو نگل لیا۔ اُستونِ حنانہ حضور ﷺ کے فراق میں رویا۔ اس کی وجہ اُس کی بینائی ہی تھی۔ سُوْرَۃُ الزِّلْزَالِ میں بیان ہے ''قیامت میں زمین سب راز ظاہر کردے گی''۔

اے فرعون! تجھ جیسے ظالم حاکم کے مقابلے کے لئے خدا کا مجھے بھیجنا اِس بات کی دلیل ہے کہ خدا کے علم میں یہ بات ہے کہ تیرے مرض کا علاج میں ہی ہوں۔ تُو نے کئی بار خواب میں دیکھ لیا ہے کہ خدا نے تیرے مقابلے کے لئے مجھے منتخب کرلیا ہے۔ وہ خواب تیرے حال کے مطابق تھے اور تجھے یہ بتانے کے لئے تھے کہ اللہ تعالیٰ ناقابلِ علاج مرض کا علاج بھی فرما دیتا ہے لیکن تُو اُن خوابوں کی غلط تاویلیں کر کے اندھا اور بہرا بنا رہا اور کہنے لگا کہ غفلت کی نیند میں ایسے خواب آیا کرتے ہیں۔ اطباء اور نجومی اُن خوابوں کا صحیح مطلب سمجھ رہے تھے لیکن وہ جانتے تھے کہ تو اُن کی بات نہیں مانے گا۔ اُن پر عتاب نازل کرے گا اس لئے وہ کہہ دیتے تھے کہ ہضم کی خرابی ان خوابوں کا سبب ہے۔ بادشاہوں کو اخلاقِ الٰہی اختیار کرنے چاہیں۔ خدا کا خُلق یہ ہے کہ اُس کی رحمت اُس کے غضب پر غالب ہے۔ شیطان کا غصہ اُس کی شفقت پر غالب ہے۔ بادشاہ میں بے موقع حلم بھی نہ ہونا چاہیے جس کی وجہ سے اُس کی بیوی اور متعلقین بگڑ جائیں۔ تُو ایسا ظالم بادشاہ ہے کہ بے قصور لوگوں کا خون کرتا ہے۔ اب اللہ نے میری لاٹھی کے ذریعے تیرے سینگ کو توڑا ہے۔

دُنیا والوں کا غارتگری کے لیے اُس جہان والوں کی سرحد تک حملہ کرنا جو کہ غیب کی سرحد ہے" اُن کا غافل ہونا" جب غازی جہاد نہ کرے تو کافر حملہ کرتا ہے

قہرِ خداوندی کے خلاف فرعون کی تدابیر اہلِ دُنیا کا عالَمِ غیب پر حملہ کرنا ہے۔ قدرت کی طرف سے ڈھیل ہوتی ہے تو کافروں کو جُرأت ہو جاتی ہے۔ فرعون نے نسل کشی شروع کی

آں دُعائے بیخوداں خود دیگر ست
عشق کے بیخودوں کی دُعا اور قسم کی ہوتی ہے

آں دُعا زو نیست گُفتِ داور ست
وہ دُعا اُس کی طرف سے نہیں اللہ کی طرف سے ہے

تا کہ موسیٰ علیہ السلام کا ظہور نہ ہو سکے۔ قومِ عاد کی طاقت سے سب قومیں ڈرتی تھیں اور یہی حال ثمود کا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اے فرعون! اب میں تیرا علاج شروع کرتا ہوں تا کہ تجھے معلوم ہو جائے کہ قدرت ہر فرعون کے لئے موسیٰ کو پیدا کر دیتی ہے۔ انسان کو نیکی اور بدی کا بدلہ ضرور ملتا ہے۔ اگر انسان اپنا محاسبہ کرتا رہے تو اُس کو پتہ چل جائے گا کہ ہر کام کا بدلہ ضرور ملتا ہے۔ اگر انسان محاسبہ کرتا رہے تو پھر محاسبہ کے دن یعنی قیامت کی اُس کے لئے ضرورت نہیں ہے۔ جو شخص دُنیا میں اِرشاداتِ خداوندی کو سمجھ لے گا اُس کے لئے قیامت کے صحیح اقوال کی ضرورت نہ رہے گی۔ چونکہ انسان اشارات کو نہیں سمجھتا اِس لئے مصائب میں مبتلا ہوتا ہے۔ اگر انسان کی کسی بُرائی پر اُس کی گرفت نہیں ہوتی ہے تو یہ اللہ کا کرم ہے۔ یہ نہیں ہے کہ اللہ کو اُس بُرائی کا علم نہیں ہے۔ انسان کے ہر فعل کا اُس پر نتیجہ مُرتب ہوتا ہے۔ اگر انسان اُس مرتبہ سے بڑھنے کی کوشش کرے تو مُراقب کے مرتبہ سے بڑھ سکتا ہے۔ انسان اپنے دل کو مصفّٰی کرے تو اُس پر آخرت منکشف ہو جاتی ہے۔ جس طرح کالا لوہا صیقل کے ذریعے صورتوں کو قبول کرنے لگتا ہے' اِس طرح انسان کا دل مجاہدات کے ذریعے غیبی صورتوں کو قبول کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ لوہے نے صیقل سے حُسن اختیار کر لیا۔ اگر انسان خواہشات کو ترک کر دے تو اُس کے دل کی صیقل ہو جائے۔

قرآن میں ہے کہ ''وہ لوگ زمین میں فساد پھیلاتے پھرتے ہیں اور خدا فساد پھیلانے والوں کو پسند نہیں کرتا'' مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے اِس آیت کے معنی قلب کی تیرگی کے لئے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے کہا کہ تُو نے بہت فساد پھیلایا ہے اب ایسا نہ کر۔ تیرے مزاج میں جو گندگی پیدا ہوگئی ہے اُسے زائل کر دے اور اُس میں آخرت کا مُشاہدہ کر۔ انسان کی طبیعت میں زر و جواہر چُھپے ہوئے ہیں۔ انسان طبیعت کو مصفّٰی کر لے تو وہ نظر آئیں گے۔ جب ہوا کثیف ہو جاتی ہے تو وہ سورج کے لئے بھی پردہ بن جاتی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے ڈھکے چُھپے واقعات بیان فرما دیئے تا کہ وہ اللہ کے علیم و خبیر ہونے پر ایمان لے آئے۔ فرمایا: اگرچہ تیرا دل تاریک ہے لیکن اللہ نے عبرت کے لئے بہت سے واقعات تجھ پر ظاہر کر دیئے ہیں' جو ظہور پذیر ہونے والے تھے۔ یہ واقعات تجھے اِس لئے دکھائے جا رہے تھے کہ تُو ظلم و ستم چھوڑ دے لیکن تُو نے بجائے توبہ کرنے کے مزید ظلم شروع کر دیئے۔ بُری صورتیں جو تجھے نظر آئیں یہ تیری ہی تھیں لیکن تُو اُن کو اپنی نہیں سمجھتا تھا۔

حبشی کی طرح جس نے اپنا سیاہ چہرہ آئینے میں دیکھا تو اُس نے اُسے آئینے کی خرابی سمجھا' تُو بھی اپنی بُری صورت کا ادراک نہیں کرتا۔ اُس حبشی نے یہ ظلم خود اپنی صورت پر کیا۔ تجھے کبھی خواب میں اپنا لباس جلا ہوا نظر آتا تھا' کبھی اپنے

آں دُعا حق میکند چوں اُو فناست
وہ دُعا، اللہ کرتا ہے کیونکہ وہ شخص تو اُس میں فنا ہے

آں دُعا و آں اجابت از خُداست
وہ دُعا اور اُس کی قبولیت خُدا کی طرف سے ہوتی ہے

آپ کو پاخانے میں اوندھا گرا ہوا دیکھتا تھا۔ کبھی اپنے آپ کو خون ملے پانی میں غرق دیکھتا تھا۔ اِسی طرح تُو طرح طرح کے ڈراؤنے خواب دیکھتا رہا ہے۔ تُو پتھروں اور پودوں سے اپنے جہنمی ہونے کی خبریں سنتا رہا ہے۔ اُس سے بھی خراب باتیں ہیں، جو تُو نے سُنی لیکن میں شرم کی وجہ سے بیان نہیں کرتا کہ تُو اور غضب ناک نہ ہو جائے۔ یہ تھوڑی باتیں تجھے بتائی ہیں تاکہ تمہیں معلوم ہو جائے کہ میں سب کچھ جانتا ہوں۔ تُو کہاں تک اپنی آنکھیں بند کرے گا۔ ابھی توبہ کا دروازہ کھلا ہے تُو بدکرداری سے توبہ کر سکتا ہے۔ جنت کے آٹھ دروازے ہیں جن میں سے ایک توبہ کا دروازہ ہے۔ باقی دروازے تو کبھی بند ہوتے ہیں اور کبھی کھلے لیکن توبہ کا دروازہ ہمیشہ کھلا رہتا ہے۔ بہت جلد اُس کی طرف رُجوع کر لینا چاہیے کیونکہ اُس کے بند ہو جانے کے بعد کوئی آہ وزاری کام نہ آئے گی۔

حضرت مُوسٰی علیہ السلام کا فرعون سے کہنا کہ میری ایک نصیحت مان لے اور اُس کے بدلے میں چار (۴) فضیلتیں حاصل کر لے اور فرعون کا اُن چار (۴) کے بارے میں دریافت کرنا

فرعون نے کہا کہ اِس بات کی تشریح کر دیں کہ ایک بات کو مان کر میں کیا چار فضیلتیں حاصل کر لوں گا۔ اُنہوں نے فرمایا کہ وہ ایک یہ ہے کہ تُو اعلان کر دے کہ اللہ کے سوا کوئی خدا نہیں ہے۔ وہی آسمانوں، ستاروں، انسانوں، دیو پری، دریا، پہاڑ اور ہر شے کا پیدا کرنے والا ہے۔ وہ بے مثال ہے اور اُس کی سلطنت غیر محدود ہے۔ وہ ہر انسان کے دل کے راز جانتا ہے، وہ متکبّروں پر زبردست ہے اور وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ فرعون نے پوچھا کہ اب وہ چار فضیلتیں بھی بتا دے جو مجھے اِس کے بدلے میں ملیں گی اور میرے کفر کا موٹا قُفل ٹوٹ جائے گا۔ میرے دل سے کینے کا زہر زائل ہو جائے گا اور ہو سکتا ہے کہ میں حکمِ خداوندی کے ذوق سے مَست ہو جاؤں۔ میری شور زمین میں بھی سبزہ پیدا ہو جائے۔ ہو سکتا ہے کہ میں تیری فضیلتوں پر ایمان لے آؤں۔ تُو جلدی مجھے وہ چاروں چیزیں بتا دے۔

حضرت مُوسٰی علیہ السلام کا چار (۴) فضیلتوں کی تشریح کرنا

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا پہلی تو یہ ہے کہ اگرچہ تُو اب بھی صحت مند ہے لیکن ایمان لانے پر آئندہ صحت مند رہنے کا وعدہ ہے۔ دوسری بات جو تُجھے حاصل ہو گی وہ درازی عُمر ہے۔ موت تو آنی ہی ہے لیکن ایسی حالت میں آئے گی کہ تُو دُنیا سے بامقصد جائے گا۔ تُجھے پھر مرنے کی ایسی تمنا ہو گی جیسی بچے کو دودھ کی ہوتی ہے۔

آں دُعا حق میکُند چوں اُو فناست
وہ دُعا، اللہ کرتا ہے کیونکہ وہ شخص تو اُسمیں فنا ہے

آں دُعا و آں اِجابت از خُداست
وہ دُعا اور اُس کی قبولیت خُدا کی طرف سے ہوتی ہے

دُنیا سے تنگ آ کر مرنے کی تمنا نہ ہوگی بلکہ تُو یہ سمجھ لے گا کہ جب تک یہ جسم ویران نہ ہوگا اِس کے اندر مدفون خزانہ ہاتھ نہ آئے گا۔ تُو جسمانی زندگی کو خزانۂ معرفت کے لئے پردہ سمجھے گا۔ جو لوگ جسم پروری میں لگے ہیں اُن کی مثال اِس کیڑے کی سی ہے جو ایک پتے کو چمٹا ہوا ہے اور اُس کی وجہ سے وہ انگور کی لذّتوں سے محروم ہے۔ جب اللہ کے کرم سے یہ کیڑا بیدار ہو جائے گا تو جہل اور نادانی کے کیڑے کو نگل جائے گا۔

کُنتُ کَنزًا مَّخفِیًا فَاَحبَبتُ اَن اُعرَفَ فَخَلَقتُ الخَلقَ لِاُعرَفَ "مَیں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا، مَیں نے چاہا کہ مَیں پہچانا جاؤں تو مَیں نے مخلوق پیدا کی تاکہ پہچان لیا جاؤں" کی تفسیر

مخلوق سے خدا کی معرفت کا مطلب یہ ہے کہ انسان خدائی صفات حاصل کر لیتا ہے تو اس کے ذریعے خدائی صفات کی معرفت ہوتی ہے۔ مجاہدات کے ذریعے جسم کو اگر فنا کر دیا جائے تو وہ خزانہ ہاتھ آتا ہے کہ اِس ویران شدہ گھر جیسے سینکڑوں اُس کے ذریعے تعمیر کر لئے جائیں گے۔ اِس جسم کو آخر کار تو فنا ہونا ہی ہے لیکن مزدوری محنت سے ملتی ہے۔ اگر اسے فنا کرنے میں تیری محنت شامل نہیں ہے تو غیبی خزانے تیری مزدوری کے طور پر تجھے نہیں ملیں گے۔ اس لئے کہ انسان کو تو اُس کی محنت اور سعی کا ہی ثمرہ ملتا ہے۔ جب خزانہ نمودار ہوگا اور وہ تیرا نہ ہوگا تو تُو افسوس کرے گا۔ اُس وقت نصیحت پر عمل نہ کرنے سے تُو افسوس کرے گا۔ جسم کا گھر تیری ملکیت نہیں ہے یہ تو کرائے کا اور عارضی گھر ہے۔ یہ کرایہ داری موت کے وقت تک کی ہے اور اِسی لئے ہے کہ اُس میں عمل کرے۔ کھانے پینے کے ذریعے تُو جسم کو دُرست کرتا ہے اور یہ نہیں سمجھتا ہے کہ اِس طرح تُو اُس کی شکست وریخت کی رفوگری کر رہا ہے۔ تُو اللہ تعالیٰ کے خلیفہ کی اولاد ہے۔ اِس عارضی دکان یعنی جسم کو مجاہدہ سے توڑ ڈال۔ اِس میں سے زر و جواہر کی کانیں برآمد ہوں گی۔ ایک وقت آئے گا کہ یہ عارضی جسم تجھ سے لے لیا جائے گا اور تُو اِس میں مدفون کان سے محروم رہ جائے گا۔ قرآن میں ہے "پھر اُن بندوں کے لئے حسرت ہے"۔

اِنسان کا اپنی ذہانت اور اپنے طبعی تصورات سے دھوکے میں پڑنا اور علمِ غیب طلب کرنا جو انبیاء علیہم السلام کا علم ہے

انسان اپنی ذہانت اور عقل مندی کے بھروسے پر علمِ نبوّت سے محروم رہ جاتا ہے۔ اُسے افسوس کرنا پڑتا ہے کہ مکان کے نقش ونگار میں مصروف ہو کر اُس کے خزانے سے محروم ہو گیا۔ وہ کہے گا کہ کاش میں مجاہدے کے تبر سے اس خزانے کو

واسطہ مخلوق نے اندر میان
دُعا کرنیوالا فانی ہے تو درمیان میں کوئی واسطہ نہیں ہے

بے خبر زان لا بہ کردن جسم وجان
فانی جسم وجان کو اُس دُعا کا احساس بھی نہیں ہوتا

کھو دیتا۔ حکیم سنائی رحمۃ اللہ علیہ نے خوب فرمایا ہے کہ

ہمہ اندر زمن بتو انیست
کہ تو طفلی و خانہ رنگینست

"جو کچھ بھی اس جہان میں ہے: وہ یہ ہے کہ تو ایک بچہ ہے اور ہر طرف رنگارنگی ہے"۔

حضرت موسٰی علیہ السلام کا فرعون سے چار (۴) فضیلتوں کی تشریح کرنا

فرعون نے کہا کہ تقریر بند کر دو اور تیسری فضیلت کی بات کرو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر تُو ایمان لے آئیگا تو تُجھے دونوں جہانوں کی دوہری بادشاہت مل جائے گی۔ جس میں تُجھے کسی دشمن کا بھی ڈر نہ ہوگا۔ کفر کی حالت میں اللہ نے تُجھے اتنا بڑا ملک دے رکھا ہے تو اگر تُو صلح کر لے گا اور ایمان لے آئے گا تو دیکھنا کتنی بڑی سلطنت تجھے حاصل ہوگی۔ اس کے علاوہ چوتھی چیز جو تُجھے ملے گی وہ یہ ہے کہ تُو بقیہ عمر بھر جوان رہے گا۔ یہ چیزیں جو میں نے بتائی ہیں ایسی ہی ہیں؛ جیسے بچے چھوٹی چھوٹی چیزیں ملنے پر خوش ہو جاتے ہیں۔

حدیث "لوگوں سے اُن کی عقلوں کے مُطابق بات کیا کرو، نہ کہ اپنی عقلوں کے انداز سے تاکہ اللہ اور اُس کا رسُول جھٹلا نہ دیا جائے"

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: چونکہ میرا واسطہ ایک بچے سے پڑ گیا ہے اس لئے میں ایسی باتیں کر رہا ہوں۔ جا، جسم کی جوانی لے لے۔ تُو موت تک اسی طرح رہے گا اور تُجھے بڑھاپا نہیں آئے گا۔ جا یہ تیرے لئے خوشخبری ہے، جیسے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ کو بغیر حساب جنت میں جانے کی دی تھی۔

حدیث "جو مجھے صفر کے نکل جانے کی خوشخبری دے گا مَیں اُسے جنّت کی خوشخبری دُوں گا اور حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ کی پہل"

اہلِ سُنّت کے مطابق بالاتفاق آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات مُبارک ربیع الاوّل میں ہوئی۔ آپ کا دلِ انتقال کے وقت سے پہلے ہی آگاہ ہو چکا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم روانگی کے مُشتاق تھے اور فرما رہے تھے "اب میں رفیقِ اعلیٰ کے پاس جانا چاہتا ہوں"۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص مجھے خوشخبری دے گا کہ صَفَر کا مہینہ ختم ہو گیا ہے اور ربیع الاوّل شروع ہو گیا ہے تو میں قیامت میں اُس کا سفارشی بنوں گا۔ حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ سب سے بازی لے گئے۔ جن لوگوں کو آخرت کی نعمتوں کا مُشاہدہ ہو جاتا ہے وہ اِس دُنیا سے منتقل ہونے پر خوشی محسوس کرتے ہیں۔ جو لوگ دُنیا میں رہنے پر خوش ہوتے ہیں وہ

جُملہ شاہاں پستِ پستِ خویش را
تمام بادشاہ اپنے جھکنے والے کے سامنے جھکے ہیں

جُملہ مستاں مستِ مستِ خویش را
اپنے عاشق کے تمام عاشق، عاشق ہوتے ہیں

بچوں کا سا مزاج رکھتے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اُن انعامات کا تذکرہ کر رہے تھے جو ایمان لانے پر فرعون کو انعام میں ملیں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے فرمایا کہ اگر تُو ایمان لے آئے گا تو تیرا اقبال بنا رہے گا۔ فرعون نے کہا: جب تک میں اپنی بیوی سے مشورہ نہ کرلوں اُس وقت تک کوئی جواب نہیں دے سکتا۔ حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا جو فرعون کی بیوی تھیں اُنہوں نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نصیحتوں پر عمل کرلے۔ وہ جذبات میں رونے لگیں اور گرمجوشی سے اُسے مُبارک باد دی اور کہا کہ تُو نے اُس وقت کیوں نہ ایمان قبول کرلیا۔ ایمان پر فرعون کی بخشش کا وعدہ تو ایسا تھا کہ جیسے اللہ شیطان کی دل جوئی کرے۔ وہ بولیں کہ اگر یہ بات سورج کے کان میں پڑتی تو فوراً اِس کی تمنا میں اوندھا ہو جاتا۔ اپنے جیسے گنہگار پر اللہ کی رحمت دیکھ کر تیرا پتہ کیوں نہ پھٹ گیا۔ اگر پتہ اللہ کے لئے پھٹ جائے تو اُسے شہیدوں کی طرح اللہ سے غذا ملتی ہے۔ نظامِ عالم کی بقا کے لئے خدا سے غفلت اور اندھے پن کی بھی ضرورت ہے لیکن غفلت حد سے بڑھی ہوئی ہے۔ اگر انسان ہر وقت اِستغراق میں رہے تو اُس کے علم کا سرمایہ گھٹ جاتا ہے لیکن تیری غفلت تو ناسور کی طرح کی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کو قبول کرنا تو ایسا ہے کہ ایک پھول کے عوض ایک چمن خرید لیا جائے۔

حدیث شریف میں ہے کہ ''جو شخص اللہ کا ہوا' اللہ اُس کا ہو گیا'' ایک حدیث قُدسی ہے کہ ''جو مجھ سے محبت کرتا ہے میں اُسے قتل کر دیتا ہوں اور جس کو میں قتل کرتا ہوں اُس کا بدلہ میں خود ہوں'' پانی کی بوند کو سورج کی گرمی' ہوا اور خاک ختم کر دیتی ہیں۔ جو قطرہ دریا میں مِل گیا بظاہر وہ فنا ہوا ہے' حقیقتاً وہ زیادہ محفوظ ہو گیا ہے۔ اپنی ذات کو فنا کر کے ذاتِ باری حاصل کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ قطرے کے عوض میں سمندر حاصل کرنا۔ قطرے کا دریا میں مل جانا قطرے کی عزّت ہے۔ ایسی سعادت قوتِ بازو سے حاصل نہیں ہو سکتی۔ حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا اب تک تُو ٹیڑھی چال چلتا رہا ہے اور گناہوں میں سربلندی حاصل کرتا رہا ہے۔ اس پر اللہ کا شکر کر کہ اب تک کے گناہ تیری رُسوائی کا باعث نہیں بنے۔ حیرت ہے کہ اس قدر گناہوں کے ہوتے ہوئے اللہ کا کرم تُجھے کیوں قبول کر رہا ہے۔ اُن چاروں باتوں کو فوراً قبول کر لے تاکہ بدلے میں تُجھے سینکڑوں عزتیں اور فائدے ملیں۔ فرعون بولا: میں ہامان سے ضرور مشورہ کروں گا کیونکہ وہ میرا وزیر ہے اور اُس سے رائے لینا ضروری ہے۔ آسیہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ہامان سے یہ راز نہ کہنا وہ اِس بات کے بارے میں واقف نہیں۔ گنجی بُڑھیا اور باز کا قصہ سُن۔

جُملہ خلقاں مُردہ مُردہ خود اند	جُملہ شاہاں بردہ بردہ خود اند
تمام لوگ اپنے مُردہ کے لئے مُردہ ہیں	تمام بادشاہ اپنے غلام کے غلام ہیں

بادشاہ کا باز اور بڑھیا

تو ہامان سے مشورہ کر کے سفید باز کو اس بڑھیا کو دے رہا ہے جو اپنی جاہلانہ بھلائی کے لئے اُس کے ناخن کاٹ دے گی۔ باز کے تمام ہنروں کا دارومدار اُس کے پنجوں پر ہی ہوتا ہے۔ بوڑھی عورت نے باز کو دیکھا تو کہا کہ باز کی ماں کہاں چل گئی تھی کہ اس کے ناخن اس قدر بڑھ گئے۔ اُس نے باز کے پنجے' لمبی چونچ اور پر کاٹ دیئے اور اُس کو کھانے کے لئے دلیا دیا' جو اُس کی غذا نہیں ہے۔ اُس نے نہ کھایا تو بڑھیا غضبناک ہو گئی اور کہا کہ نعمت بھی تجھے موافق نہیں ہے۔ اُسے بے خمیر کی روٹی دیتی لیکن وہ اُسے بھی نہیں کھاتا۔ عورت نے غصے میں گرم گرم دلیا اُس کے سر پر ڈال دیا۔ سوزش سے اُس کی آنکھوں میں سے آنسو نکل رہے تھے اور اُس کو بادشاہ کی مہربانیاں یاد آ رہی تھیں۔ اُس کی وہ نگاہیں جن سے وہ روزانہ شاہ کا دیدار کیا کرتا تھا زخم سے پُر ہو گئیں۔ اُس کی آنکھ مازاغ والی نظر رکھتی تھی جس سے وہ شاہ کا دیدار کرتا تھا۔

یہاں باز سے مراد وہ اللہ کا ولی ہے جو مخالف جاہلوں میں پھنس جاتا ہے۔ ایسے ولی کی آنکھیں محسوسات سے گزر کر مغیبات یعنی غیب بینی سے لطف اندوز ہوتی ہیں۔ اُس کے آنسو اس قدر قیمتی ہوتے ہیں کہ اُن کو حضرت جبرائیل علیہ السلام اُٹھا لیتے ہیں اور تبرکاً اپنے جسم پر ملتے ہیں۔ وہ ولی جو دشمنوں کے ہاتھوں تکلیف اُٹھا رہا ہے' کہتا ہے کہ مخالفوں کے غصے سے میرے استقلال میں کوئی فرق نہیں آ سکتا۔ اگر مادی جسم ہلاک بھی ہو جائے تو کیا پروا ہے۔ اُس کی مثال تو حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کی سی ہے۔ خصوصیت حضرت صالح علیہ السلام میں تھی نہ کہ اونٹنی میں۔ غیرتِ خداوندی بہت زیادہ بُردبار اور حلیم ہے ورنہ اس طرح کے غیبی راز افشا کرنے سے وہ اس قدر غضبناک ہو جاتی ہے کہ عالم کو تباہ کر دے۔ شاہی تکبر نے فرعون کو نصیحت قبول کرنے سے روک دیا۔ تکبر کی وجہ ہی سے اُس نے ہامان سے مشورہ ضروری سمجھا۔ ہم جنس اپنی جنس سے مشورہ کرتا ہے۔ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشیر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور ابوجہل کے مشیر ابولہب جیسے لوگ تھے۔ ہر جنس اپنی جنس کی طرف تیزی سے جاتی ہے۔

ایک عورت کا بچہ جو پرنالے پر چڑھ گیا

ایک عورت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئی اور بولی کہ میرا بچہ پرنالے پر چڑھ گیا ہے۔ وہ میرے پاس نہیں آتا میں ڈرتی ہوں کہ کہیں گر نہ پڑے۔ اے بزرگ! خدا کے لئے میری مدد کیجئے' آپ لوگوں کی دستگیری کرنے والے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ اُس کا ایک ہم عمر بچہ چھت پر چھوڑ دیا جائے' وہ بچہ پرنالے سے اُس کے پاس آ جائے گا۔ عورت نے ویسا ہی کیا تو وہ بچہ اُس بچے کے قریب آ گیا۔

ہر کسے گر عیب خود دیدے زپیش
اگر ہر انسان پہلے ہی سے اپنے عیب دیکھ لے

کے بُدے فارغ وے از اصلاح خویش
تو اپنی اصلاح کی کوشش سے کیسے فارغ ہو

بچہ اس لئے پرنالے سے اُس کے پاس آ گیا کہ ہر چیز اپنی جنس کی طرف مائل ہوتی ہے۔ اسی لئے انسان پیغمبر بنائے گئے۔ آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ میں تمہاری ہی طرح کا انسان ہوں۔ جو طلبگار ہوتا ہے اُس کو اس کی جنس اپنی طرف کھینچتی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت ادریس علیہ السلام آسمان پر بلا لیے گئے چونکہ وہ ملائکہ کے ہم جنس تھے۔ ہاروت و ماروت فرشتے تھے لیکن انسانوں کے ہم جنس تھے' آسمانوں سے زمین پر بھیج دیئے گئے۔ کافر شیطان کے ہم جنس ہیں اس لئے اُس سے اُس کی عادتیں سیکھ لی ہیں۔ حسد شیطان کی خصلت ہے جو کافروں نے سیکھ لی۔ شیطان چونکہ اپنا سب کچھ تباہ کر چکا ہے اس لئے وہ کسی کی نیکی کو برداشت نہیں کرتا ہے اور کسی کی نیکی کی شمع کو روشن نہیں دیکھ سکتا۔

اگر انسان کے پاس کمال نہیں ہوتا ہے تو وہ دوسروں پر حسد کرتا ہے اور دوسرے کے کمال کو دیکھ کر غم میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ حسد کا دفعیہ صرف خدا کر سکتا ہے۔ دُعا کر کہ وہ تجھے باطن کی مصروفیت عطا کر دے تا کہ تُو اس کی طرف سے باہر کی طرف مشغول نہ ہو۔ اللہ نے بہت سی چیزوں میں یہ خاصیت رکھی ہے کہ جو دوسروں میں مشغول ہونے سے محفوظ رکھتی ہے۔ بھنگ بھی ہمیں دوسروں کے احوال سے بے نیاز کر دیتی ہے۔ مجنوں لیلیٰ کے ''ظاہر'' پر عاشق ہو کر دوسروں کے معاملات سے غافل ہو گیا تھا۔ نفس ایسی ہی مستی میں مبتلا ہے جو اُسے راہِ مستقیم سے غافل بنا دیتی ہے۔ عقل ایسی مستیوں میں رہتی ہے جس سے وہ ابدی مقام حاصل کر لیتی ہے۔ جس کے نتیجے میں اُس کی پرواز آسمانوں سے بالا ہو جاتی ہے۔ ہر انسان کو مستیوں میں فرق کرنا چاہیے۔ ہر مستی محمود نہیں ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مستی اور خرِ عیسیٰ کی مستی میں بہت زیادہ فرق ہے۔

ہر شیخ کی صحبت میں کشش ہوتی ہے لیکن ہر کشش کا صحیح ہونا ضروری نہیں ہے۔ سالک کو امتیاز کرنا چاہیے اور وہ کشش اختیار کرنی چاہیے جو خالص ہو۔ جو کشش اللہ کی طرف لے جائے وہ کشش اختیار کرنی چاہیے۔ انبیاء علیہم السلام کا تعلق ملاءِ اعلیٰ سے ہوتا ہے اس لئے فرشتے اُن تک پیغام لاتے ہیں۔ جو رُوحیں انبیاء علیہم السلام کی ہم جنس ہیں وہ اُن کے ساتھ سایہ کی طرح لگی رہتی ہیں۔ اُن لوگوں میں عقل کا غلبہ ہوتا ہے اور عقل فرشتہ کی ہم جنس ہوتی ہے۔ خواہشاتِ نفس کا میلان اسفل کی طرف ہوتا ہے' اُس پر تُف ہے۔ فرعون کا وزیر ہامان باوجود اسرائیلی ہونے کے فرعون کا ہم جنس تھا۔ اسی لئے فرعون نے اُس کو مشورہ کے لئے منتخب کیا۔ ہامان کے مشورے سے وہ تباہی کے گڑھے میں گر گیا۔

دوزخ اور نور میں تضاد ہے اسی لئے دوزخ مومن سے کہتی ہے کہ جلدی گزر جا کیونکہ تیرے نور نے میری آگ کو ختم کر دیا۔ تیرا نور میری آگ کو ٹھنڈا کر رہا ہے۔ اِسی طرح دوزخی نور سے بھاگتا ہے کیونکہ اُس کا مزاج دوزخی ہے۔ نور

غافل اند ایں خلق از خود اے پدر
اے باپ! یہ لوگ اپنے آپ سے غافل ہیں

لاجرم گویند عیب ہمدگر
اسی لیے وہ ایک دوسرے کے عیب بیان کرتے ہیں

اور نار آپس میں ہم جنس نہیں بن سکتے۔ مومن جب اللہ کی خدمت میں دوزخ سے پناہ کی دُعا کرتا ہے تو دوزخ بھی دُعا کرتی ہے کہ فلاں کو مجھ سے دُور رکھ۔ ہر انسان میں جنسیت کی کشش ہوتی ہے اِس لئے غور کر لینا چاہیے کہ اُس میں کفر کی کشش ہے یا دین کی۔ اگر انسان ہامان کی طرف مائل ہے تو وہ ہامان کی جنسیت سے ہے اور اگر موسیٰ علیہ السلام کی طرف میلان ہے تو وہ انسان 'اللہ والا' ہے۔ اگر انسان کا خیر وشر دونوں کی طرف میلان ہو تو معلوم ہوا کہ اُس میں خیر وشر دونوں کی کشش جاری ہے اور نفس اور عقل کے درمیان کشمکش ہے۔ ایسے انسان کو کوشش کرنی چاہیے کہ اُس پر عقل کا غلبہ رہے۔ اِس کشمکش میں کامیابی یہ ہے کہ انسان نفس کو ہر وقت مغلوب رکھے' جس کی طبیعت فرعونی ہوگی وہ اِس نصیحت کو قبول نہیں کرے گا۔

فرعون کا حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے کے لیے ہامان سے مشورہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے ایمان لانے کے بارے میں جو وعدے کئے تھے اُس نے وہ سب ہامان کو بتا دیئے۔ ہامان غصے میں اُچھل پڑا اور بولا کہ موسیٰ علیہ السلام کو کیسے جرأت ہوئی کہ تجھ جیسے شاہ سے ایسی باتیں کرے۔ تُو نے سارے عالَم کو تابع فرمان بنا لیا ہے اور سلطنت کے معاملات کو سونے جیسا چمکدار بنا دیا ہے۔ دُنیا کے بادشاہ تیرے در کی خاک چاٹنا فخر سمجھتے ہیں۔ مخالف لشکر ہمارے لشکروں کو دیکھ کر ہی بھاگ جاتے ہیں۔ تُو خود اب تک معبود بنا ہوا ہے لوگ تجھے سجدے کرتے ہیں۔ اب کیا تُو غلاموں کا غلام بنے گا؟ موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے سے پہلے مجھے قتل کر دے تا کہ تیری یہ رُسوائی اور ذِلّت میری آنکھیں نہ دیکھیں۔ ایسا اب تک نہیں ہوا کہ بادشاہ غلام اور غلام بادشاہ بن جائے اور نہ ایسا ہوگا۔ یہ اسرائیلی جو اَب تک ہمارے غلام ہیں وہ شریکِ سلطنت بن جائیں گے۔ ایسی حالت سے ہمارے دوست رنجیدہ ہوں گے اور دُشمن خوش ہوں گے۔ ہماری یہ عیش وعشرت کی زندگی خاک میں مل جائے گی۔ دراصل ہامان میں عقلِ سلیم نہ تھی جس سے دُشمن اور دوست میں تمیز کر سکے اس لئے وہ اُلٹی بازی کھیل رہا تھا۔

فرعون کے ساتھ ہامان کی باتوں کی کمزوری

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے ہامان کی باتوں کا جواب ہے کہ اے ہامان! تُو خود اپنا دُشمن ہے۔ بے قصور لوگوں کو دُشمن نہ سمجھ۔ تُو اِس دُنیا کو دولت سمجھتا ہے جس کی ابتداء بھاگ دوڑ ہے اور آخر میں لات مار کر چل دیتی ہے۔ اگر انسان خود دُنیا کو نہیں چھوڑتا ہے تو دُنیا خود اُسے چھوڑ دیتی ہے۔ اُس نے بہت سے شاہوں کو قتل کیا ہے۔ وہ خود ناپائیدار ہے

اے خُنک جانے کہ عیبِ خویش دید　ہر کہ عیبے گفت آں بر خود گزید
وہ شخص بہتر ہے جس کی نگاہ اپنے عیبوں کو دیکھے　جب کسی عیب کو سُنے تو اُسے اپنے میں ڈھونڈے

دوسروں کو پائیداری کیا دے سکتی ہے۔ مجبوری کی وجہ سے چند انسان تعظیم کرنے لگتے ہیں تو انسان دھوکے میں پڑ جاتا ہے۔ لوگوں کی تعظیم ایک زہر ہے جو انسان کی رُوح کو ہلاک کر دیتا ہے۔ خود سجدے کرنے والے بھی اس زہر سے متاثر ہوتے ہیں اور اُن کو اِس زہر کا پتا تب چلتا ہے جب اُن کو ہوش آتا ہے۔ جو لوگ دُنیا میں فروتنی اختیار کرتے ہیں وہ بڑے خوش نصیب ہیں۔ تکبر ایک زہریلی شراب ہے جسے پی کر انسان کچھ دیر مستی کا اظہار کرتا ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ زہر اثر دکھاتا ہے اور اُس کی اپنی جان ہلاکت میں پڑ جاتی ہے۔ قومِ عاد کو دیکھ لے۔ ڈاکو بھی ہمیشہ متکبر مالدار کو لوٹتے ہیں۔

حضرت خضر علیہ السلام نے کشتی اسی لئے توڑی کہ اُس کا شکستہ ہونا اُس کی نجات کا باعث بن جائے۔ شکستہ ہو جا۔ امن فقر میں ہے، فقر اختیار کر۔ سایہ پست چیز ہے اُس پر تلوار نہیں چلائی جاتی۔ جو چیز زمین سے سر اُبھارتی ہے وہی نشانہ بنتی ہے۔ تکبر اور خودی انسان کے لئے ایک ایسی سیڑھی ہے جس سے پھسل کر وہ زمین پر گرتا ہے۔ تکبر کی یہ مضرتیں تو فروعی ہیں۔ بنیادی بات یہ ہے کہ تکبر دراصل خدائی میں شرکت کا دعویٰ ہے۔ وحدتُ الوجود کے نظریے کے مطابق اگر تُو نے خود کو فانی نہ بنایا اور اُس کے ذریعے زندہ نہ ہوا تو اللہ کا باغی ٹھہرے گا جو کہ شرکت کے ذریعے خدائی کا جویاں ہو۔ جب تُو اُس کے ذریعے (باقی باللہ) زندہ ہو گیا تو اب تیرا وجود خود خدا کا وجود ہے تُو نہیں ہے۔ یہ خالص توحید ہے اس حقیقت کی تشریح گفتگو کے ذریعے ممکن نہیں۔ مجاہدے کے ذریعے یہ مقام حاصل ہونے سے ہی اس کی حقیقت سمجھ میں آ سکتی ہے۔ اِس مسئلے کے متعلق اگر میں اپنے پورے خیالات ظاہر کر دوں تو لوگوں کے جگر خون بن جائیں گے لہٰذا اِنہی اِشارات پر اکتفا کرتا ہوں جو عقلمندوں کے لئے کافی ہیں۔ غرض کہ فرعون نے ہامان سے مشورہ کیا اور اُس نے اس کی راہ ہدایت مسدود کر دی۔ قریب تھا کہ وہ ہدایت حاصل کر لیتا لیکن ہامان اُس کی بربادی کا سامان بن گیا۔ خدا ایسا وزیر کسی بادشاہ کو نہ دے جو تباہی کا سبب بنے۔

حضرت مُوسیٰ علیہ السّلام کا فرعون کے ایمان لانے سے مایوس ہونا

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ ہم تو اُسے ابدی سلطنت دینا چاہتے تھے لیکن فرعون کے مقدر میں نہ تھی۔ غلط قسم کی آقائی بے دست و پا ہوتی ہے۔ جو آقائی انسانوں کی عطا کردہ ہو وہ تو انسان واپس لے سکتے ہیں۔ ایسی آقائی تو غلامی سے بھی بدتر ہوتی ہے۔ ہاں جو آقائی اللہ کی جانب سے ملے وہ پائیدار اور متفق علیہ ہوتی ہے۔

گر ہماں عیبت نبود ایمن مباش　　بو کہ آں عیب از تو گردد نیز فاش
اگر وہ عیب خود میں نہ پائے تو بھی مطمئن نہ ہو　　ہو سکتا ہے کبھی وقت وہ عیب خود ہی میں مل جائے

عرب کے سرداروں کا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جھگڑنا کہ ملک بانٹ لو۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب کہ میں اس حکومت میں اللہ کی جانب سے مقرر کیا گیا ہوں

اس حکایت سے یہ بتانا مقصود ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آقائی خدائی عطیہ تھی۔ عرب سرداروں نے کہا کہ ملک تقسیم کرلیا جائے اور ہم اور تم اپنے اپنے حصے پر حکومت کریں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے پورے ملک کی سرداری عنایت کی ہے۔ اللہ نے فرمادیا ہے کہ یہ احمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دور ہے' اس کا حکم مانو اور پرہیزگار بنو۔ سرداروں نے عرض کی کہ ہم بھی سردار ہیں اور ہماری سرداری بھی خدا کا عطیہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری سرداری ابدی ہے لیکن تمہاری سرداری دنیاوی اور عارضی ہے۔ سرداروں نے کہا کہ اپنی ابدی سرداری کی کوئی دلیل پیش کرو۔ فوراً سخت حکم سے ایک ابر آیا اور اتنا پانی برسا کہ سیلاب آگیا اور اس نے شہر کا رُخ کیا۔ شہر والے فریاد کرنے لگے۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اب امتحان کا وقت آگیا ہے تاکہ راز ظاہر ہوجائے۔ سیلاب کو روکنے کے لئے ہر سردار نے اپنا اپنا نیزہ ڈال دیا لیکن پانی اُن کو تنکوں کی طرح بہا کر لے گیا۔ پھر مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شاخ اُس میں ڈالی تو نیزے گم ہوگئے لیکن شاخ نے پانی کا بہاؤ روک لیا۔ سرداروں نے جب یہ کارنامہ دیکھا تو ابوجہل' ابولہب اور ابوسفیان کے سوا سب سردار ایمان لے آئے۔ اے انسان' اگر تُو نے یہ نیزوں اور شاخ کا معاملہ خود نہیں دیکھا تو اُن ناموں سے اس معاملے کو سمجھ لے۔ اُن کے ناموں کو موت کا سیلاب بہا کر لے گیا اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کا پانچ وقت قیامت تک اذان میں ڈنکا بجتا رہے گا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعون کو ڈرانا

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے کہا: اگر تجھ میں عقل ہے تو میں نے دین کی راہ دکھا کر تجھ پر مہربانیاں کی ہیں اور اگر تُو گدھا ہے تو تیرے لئے یہ میری لاٹھی ہے۔ اس دُنیا میں انسان اور حیوان تجھ سے مصیبت میں ہیں اور میری یہ لاٹھی بے ادبوں کو ادب سکھانے کے لئے ہے۔ یہ لاٹھی تیرے لئے اژدھا بنے گی چونکہ تُو خود اژدھا بنا ہوا ہے۔ متکبّر کے لئے یہ لاٹھی دوزخ کا اثر رکھتی ہے اور مومن کے لئے نورِ ہدایت ہے۔ اگر تُو کہنا نہ مانے گا تو ہمیشہ میری قید میں رہے گا۔ کفر چھوڑ کر دینِ حق اختیار کرلے ورنہ دوزخ میں بُری حالت میں رہے گا۔ جو شخص قدرتِ الٰہی کا قائل ہوتا ہے وہ دوزخ اور بہشت کے بارے میں مشکوک نہیں ہوتا ہے۔

آنکہ اُو بے نقش و سادہ سینہ شُد | نقش ہائے غیب را آئینہ شُد
جو شخص بے عیب اور صاف سینہ والا ہوجاتا ہے | وہ غیب کے نقوش کا آئینہ ہوجاتا ہے

اللہ کی قدرت کو پہچاننے والا یہ دریافت نہیں کرتا کہ بہشت کہاں ہے اور دوزخ کہاں ہے؟

عالمِ غیب کے آثار اس عالمِ شہود میں موجود ہیں لیکن انسانوں کا عالمِ ناسوت میں انہماک اُن کے اِدراک سے مانع ہے۔ خدا جس جگہ چاہے دوزخ پیدا کر دے۔ دانتوں میں درد پیدا کر دے اور تُو کہنے لگے کہ یہ دوزخ ہے اور لعاب دہن کو ایسا شہد بنا دے کہ تُو کہے کہ یہ بہشت ہے۔ انسان میں اگر طاقت ہے تو اُس کو کمزوروں کو تکلیف پہنچانے کے لئے استعمال نہیں کرنا چاہیے۔ دریائے نیل فرعونیوں کے لئے خون ثابت ہوا اور اسرائیلیوں کے لئے نجات کا سبب بن گیا۔ یہ باتیں ظاہر کرتی ہیں کہ جو ذات اُن جمادات کو باشعور بنا دیتی ہے وہ کس قدر علیم وخبیر ہے۔ دریائے نیل میں یہ تمیز کی قوت من جانب اللہ آئی۔ اللہ کبھی جمادات کو عقل مند بنا دیتا ہے اور کبھی عقلمندوں کو بے عقل۔ تمام فلکی اجرام ترتیب سے مصروفِ عمل ہیں اور اس طرح کہ اپنے مقررہ وقت سے نہ کوئی چیز تقدیم کرتی ہے اور نہ تاخیر کرتی ہے۔ اِس بات کو جب انسان انبیاء علیہم السلام کے ذریعے نہیں پہچانتا ہے تو اللہ جمادات میں یہ سمجھ پیدا کر دیتا ہے۔ لاٹھی اور پتھر پر قیاس کر کے سمجھ لو کہ دوسرے جمادات کو بھی اللہ عقل عطا فرما دیتا ہے۔ لاٹھی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور پتھروں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی۔ قارون کے خزانے کے بارے میں زمین میں شعور پیدا ہوا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے شق القمر کا معجزہ ظاہر ہوا۔ استنِ حنانہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فراق میں رویا۔ پتھروں اور درختوں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا۔

سُنّی اور فلسفی کی بحث اور اُس دہریہ کا جواب جو عالم کو قدیم جانتا تھا

سُنّی نے کہا کہ تمام عالم اللہ کی قدرت سے پیدا ہے۔ فلسفی نے کہا کہ تُو خود عالم کی پیداوار ہے اور پیداوار کو اُس کے بارے میں کیا علم ہو سکتا ہے جس سے وہ پیدا ہوئی۔ بارش اَبر سے پیدا ہوئی ہے تو بارش اَبر کے بارے میں کیا جان سکتی ہے۔ ذرّہ کو آفتاب کے حادث ہونے کا کیا علم ہو سکتا ہے۔ گوبر میں جو کیڑا ہے اُسے زمانے کی ابتداء اور انتہا کی کیا خبر ہو سکتی ہے۔ انسان نے اپنے باوا دادا سے عالم کے پیدا ہونے کی بات سُن لی ہے اور اسی طرح بلا تحقیق اُس کو مانتا چلا جا رہا ہے۔ فلسفی بولا: اگر اِس معاملے میں کوئی دلیل تمہارے پاس ہے تو بتا ورنہ زیادہ باتیں نہ بنا۔ سُنّی نے کہا کہ میں نے ایک روز دو فریقوں کو اِس مسئلے پر بات چیت کرتے سُنا تھا۔ دونوں میں زوردار بحث ہو رہی تھی اور ایک مجمع جمع ہو گیا تھا۔ میں بھی اُن کی باتیں سننے کے لئے وہاں پہنچ گیا۔ ایک یہ کہتا تھا کہ اِس عالم کا کوئی بنانے والا ہے اور یہ نو پیدا چیز ہے۔ دوسرا یہ کہتا تھا کہ عالم قدیم ہے اِس کا کوئی

نقصہا آئینۂ وصفِ کمال
ہر قسم کا نقص، وصفِ کمال کا آئینہ ہے

واں حقارت آئینۂ عز و جلال
اور ذلت، عزت اور جلال کا آئینہ ہے

بنانے والا نہیں ہے۔ اگر ہے تو وہ خود اپنے آپ کو بنانے والا ہے۔ پہلا بولا: پھر تُو پیدا کرنے والے کا منکر بن گیا جو کہ اس عالم کا رزّاق بھی ہے۔

فلسفی بولا میں بغیر دلیل کے کوئی بات نہیں سنوں گا تُو محض تقلیدی باتیں کر رہا ہے۔ سُنّی نے کہا کہ دلیل تو میری جان کے اندر چھپی ہوئی ہے۔ یہ ایک ذوقی چیز ہے اور وہ یہ کہ خود انسان اپنے آپ پر غور کرے تو اس سے وجودِ باری تعالیٰ پر استدلال کر سکتا ہے۔ مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ ''جس نے اپنے نفس کو پہچانا اُس نے اپنے ربّ کو پہچانا''۔ اپنی آنکھ کی کمزوری سے تُو پہلی رات کے چاند کو نہیں دیکھتا۔ میں دیکھ رہا ہوں تو مجھ پر غصہ نہ کرنا۔ اُن دونوں میں بات اتنی بڑھی کہ لوگ عالم کے حادث ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں حیران ہو گئے۔

سُنّی نے کہا: اے دوست! وہ ذوقی اور باطنی دلیل دُنیا کے حادث ہونے پر مضبوط دلیل ہے اور اس ذوق سے مجھے یقین حاصل ہے اور میرے سچے ہونے کی دلیل یہ ہے کہ میں اور تُو آگ میں کودیں' جو سچا ہے وہ سالم رہے گا۔ یہ دلیل قولی نہیں ہے۔ عاشق کے عشق کو دلائل سے نہیں بلکہ اُس کے آثار اور حالات سے ثابت کیا جا سکتا ہے۔ عاشق کے چہرے کی زردی اور آنسو دلیل ہوتے ہیں۔ عاشق کے آنسو عشق اور معشوق کے حُسن کی دلیل ہوتے ہیں۔ فلسفی نے کہا کہ میں ایسی دلیل چاہتا ہوں جو عوام بھی سمجھ سکیں۔ سُنّی نے کہا کہ اگر کھرے اور کھوٹے کی بحث ہو تو آزمائش کی یہی صورت ہوتی ہے کہ اُن کو آگ میں تپایا جائے۔ اس سے شکوک و شبہات رفع ہو جائیں گے۔ اس لئے تجھے اور مجھے آگ میں داخل ہونا چاہیے جو سچا ہے وہ بچ جائے گا۔ پانی سے بھی آزمائش ہو سکتی ہے۔ تُو اور میں سمندر میں کودیں جو سچا ہے وہ بچ جائے گا۔

دونوں آگ میں کودے سُنّی بچ گیا' فلسفی جل گیا۔ اِس آزمائے ہوئے اعلان کو سُن' نیکوں کا نام موت بھی نہیں مٹا سکتی کیونکہ نام والا صدر اور بزرگ ہوتا ہے' ایسے بزرگوں کی لاکھوں رُوحیں دلدادہ ہوتی ہے۔ حضور ﷺ نے ریگستان میں بے شمار لوگوں کو پانی پلا کر اُن کی جان بچائی۔ جب بھی مخالفین نے بازی لگائی تو انبیاء علیہم السلام معجزوں کے ذریعے جیتے۔

اِن دلائل سے معلوم ہوا کہ آسمان اور زمین کی ہر چیز نو پیدا ہے۔ اسی لئے منکروں کی تعریف میں ایک منارہ بھی تو کہیں نہیں ہے کہ جہاں سے اُن کے عقائد کا اعلان ہوتا ہو۔ بادشاہ اپنے نام سکوں پر کندہ کراتے ہیں لیکن سکّے بدلتے رہتے ہیں۔ آنحضور ﷺ کا مُعجزہ قرآن ہے اُس کو دیکھ لے۔ قرآن میں ایک حرف کی بھی کمی یا زیادتی ممکن نہ ہو سکی۔ منکر کی سب سے بڑی دلیل یہ ہوئی کہ ظاہرِ عالَم بتاتا ہے کہ خود بخود پیدا ہو گیا ہے کیونکہ پیدا کرنے

ہر کہ نقصِ خویش را دید و شناخت | اندر استکمالِ خود دو اسپہ تاخت
جس نے اپنے نقص کو دیکھ لیا' پہچان لیا | وہ اپنی تکمیل میں تیز دوڑا ہے

والا کہیں ظاہر نہیں ہے۔ اس دلیل کی کمزوری یہ ہے کہ ظاہر کو سب کچھ سمجھ لیا گیا ہے حالانکہ ظاہر کو باطن کے لئے پیدا کیا جاتا ہے۔ ظاہر مقصود نہیں ہے بلکہ ظاہر سے مقصود بھی باطن ہے۔ دوا کا فائدہ دوا میں چھپا ہوا ہے اور وہی مقصود ہے۔ کہتے ہیں کہ گدھ کی عمر بہت لمبی ہوتی ہے۔ کبوتر کی عمر چھوٹی ہوتی ہے۔ سب کبوتر' گدھ کو ہمیشہ رہنے والا سمجھتے ہیں۔ حالانکہ باقی تو صرف اللہ ہی کی ذات ہے۔ دُنیا کی ہر چیز فانی ہے بس باقی ذاتِ خداوندی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو چیز بھی بنائی ہے وہ کسی نہ کسی پوشیدہ حکمت کی وجہ سے ہی ہے۔

آیت "آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے ہم نے نہیں پیدا کیا مگر حق کے ساتھ" اُن کو صرف اِس لیے نہیں پیدا کیا جو کہ تم دیکھتے ہو بلکہ ایک معنٰی اور باقی رہنے والی حکمت کی بُنیاد پر جس کو تم نہیں دیکھتے ہو کی تفسیر

کوئی مصور تصویر برائے تصویر نہیں بناتا ہے بلکہ اُس کا اس میں کوئی پوشیدہ مقصود ہوتا ہے۔ مصور کا مقصد دوستوں اور بڑوں کو خوش کرنا ہوتا ہے یا غائب دوستوں کی تصویر کو دیکھ کر دوست خوش ہوں۔ کمہار پیالہ اس لئے بناتا ہے کہ اُس میں پانی بھر کر پیا جائے یا اُس میں رکھ کر کوئی چیز کھائی جائے۔ خطاطی اس لئے کی جاتی ہے کہ لوگ دیکھ کر خوش ہوں اور شوق سے پڑھیں۔ نقش ظاہر معنی پر دلالت کرتا ہے اور معنی کسی اور مقصود پر دلالت کرتے ہیں۔ اسی طرح دُنیا کا سلسلہ قائم ہے اور اپنی اپنی عقل کے مطابق لوگ اِدراک کرتے ہیں۔ شطرنج میں جو چال چلی جاتی ہے اُس سے مقصود وہی چال نہیں ہوتی بلکہ اُس کی بنیاد پر جو اگلی چال چلنی ہو وہ مقصود ہوتی ہے۔ آخر تک کی چالیں پیشِ نظر رکھ کر چال چلی جاتی ہے' اسی طرح انسان بازی جیت سکتا ہے۔ کھانے کی خواہش ہوتی ہے تو وہ ذریعہ بنتی ہے مادہ تولید کے بننے کا اور مادہ تولید سبب بنتا ہے نسل کی بقا کا۔

جو کوتاہ نظر ہے وہ سمجھتا ہے کہ کھانا صرف کھانے کے مقصود سے ہی کھایا جاتا ہے۔ ایسا کوتاہ نظر انسان گھاس کی طرح اپنی جگہ جما ہوا ہے۔ اُس کے نزدیک مقصود اور غیر مقصود میں کوئی امتیاز نہیں ہے۔ زمین کی گھاس کے پاؤں مٹی میں پھنسے ہوئے ہیں اُس کو بلانا یا نہ بلانا یکساں ہے۔ گھاس کے ہلنے سے دھوکا نہیں کھانا چاہیے۔ وہ کھڑی سر ہلا رہی ہے۔ بادِ صبا کی دعوت پر اُس کا سَر لبیک کہتا ہے لیکن اُس کا پاؤں نافرمانی کرتا ہے۔ اُس کو آفاق اور انفس کی سَیر حاصل نہیں ہے۔ وہ غائبانہ باتیں کرتا ہے اور بغیر دیکھے اندھوں کی طرح قدم بڑھاتا ہے اور توکل کا سہارا پکڑتا ہے۔ اُسباب کو

ہر کہ نقصِ خویش را دید و شناخت جس نے اپنے نقص کو دیکھ لیا پہچان لیا	**اندر استکمالِ خود دو اسپہ تاخت** وہ اپنی تکمیل میں تیز دوڑا ہے

ترک کر کے توکل اختیار کرنا غلط ہے۔ میدانِ جنگ اور شطرنج کی بازی میں جب تک اچھی چالیں نہیں چلے گا کام نہ بنے گا۔ اولیاء رحمۃ اللہ علیہم کی نظریں لوحِ غیب کی تحریریں پڑھ لیتی ہیں۔ اُن کے آگے پیچھے کی رکاوٹیں ختم ہو جاتی ہیں۔ دس سال میں ہونے والے واقعات کو عالمِ اَمثال میں دیکھ لیتی ہیں۔ یہ بزرگ اَزل سے تمام واقعات کے گواہ ہوتے ہیں اَبد تک کے واقعات کو بھی جانتے ہیں۔ اَزل اور اَبد اُن کی نگاہوں کے سامنے ہوتا ہے۔ حضرتِ حق تعالیٰ کی طرف سے اُن کو بہت سی چیزوں کا علم عطا فرما دیا جاتا ہے۔ جو شخص جس قدر دل کو صاف کر کے اُس پر صیقل کر لیتا ہے اُسی قدر اُس کو مُغیبات کا مُشاہدہ ہوتا ہے۔ اگر یہ خیال کریں کہ دل کی صفائی محض عطیہ خداوندی ہے اور انسان کی کوشش کو اس میں کوئی دَخل نہیں ہے تو یہ غلطی ہے۔

انسان اگر کوشش کرتا ہے تو دریائے رحمت جوش میں آتا ہے اور عطیہ کرتا ہے۔ انسان کی کوشش اور دُعا بقدر ہمت ہے اور ہمت دینے والا بھی خدا ہی ہے۔ ناچیز انسان عرفانِ کائنات کا اِرادہ نہیں کر سکتا۔ تقدیر اِختیار کے منافی نہیں ہے۔ تقدیر کے ساتھ اِختیار باقی ہے۔ بدبخت انسان اِس اِختیار کو غلط استعمال کرتا ہے اور مصیبت آنے پر کفر کا راستہ اِختیار کرتا ہے۔ نیک بخت اِس مصیبت پر آہ وزاری کے ذریعے مزید قرب حاصل کر لیتا ہے۔ جنگ کے اثرات بہادر اور بزدل پر مختلف ہوتے ہیں اور اُس کے اِختیار ہی کی بنیاد پر ہوتے ہیں۔ بہادروں کے لئے خوف پیش قدمی کا سبب بنتا ہے اور بزدل خوف سے خود بخود مر جاتا ہے۔ جان کا خوف بہادر اور بزدل کے لئے کسوٹی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ انسان کو اپنے تمام مقاصد میں شیطانی وسوسوں سے بچ کر قضاءِ الٰہی سے قضاءِ الٰہی کی طرف بھاگنا چاہیے۔ ایک موقع پر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے طاعون کے خطرے سے بچ کر مدینہ کی طرف واپسی کی تو بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے اعتراض کیا اور کہا کہ آپ رضی اللہ عنہ قضاءِ الٰہی سے بھاگتے ہیں تو اُنہوں نے فرمایا: ”ہاں ہم قضاءِ الٰہی سے قضاءِ الٰہی کی طرف بھاگتے ہیں۔ یعنی مصالح کی بنیاد پر جو راہ بھی اِختیار کی جائے گی وہ بھی قضاءِ الٰہی ہی ہوگی۔

اللہ تعالیٰ کی حضرت مُوسیٰ علیہ السلام کو وحی، ”اے مُوسیٰ! مَیں جو کہ پَیدا کرنے والا ہُوں تجھے دوست رکھتا ہُوں“

مومن کو اللہ کے معاملے میں ایسا ہی ہونا چاہیے جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ سے عرض کیا: میری کون سی خصلت دوستی کا سبب ہے وہ بتا دیجئے تاکہ میں اُس میں اور اِضافہ کر لوں۔ حضرتِ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ تیرا میرے ساتھ وہی معاملہ ہے جو بچّہ کا ماں کے ساتھ ہوتا ہے۔ اگر ماں مارتی ہے تو بھی وہ ماں ہی کو چپٹتا ہے کسی دوسرے کی طرف مدد کے

اے برادر تو ہمیں اندیشۂ اے بھائی! تیری اصل تو ذکر و فکر ہے	ما بقیٰ تو استخوان و ریشۂ باقی تو صرف ہڈیاں اور ریشے ہی ہیں

لئے نہیں جاتا ہے۔ تیرا مزاج بھی یہی ہے کہ ہماری جانب سے خیر ہو یا بظاہر شر تُو میری ہی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ کسی دوسری جانب توجہ نہیں کرتا ہے۔ میرے سوا تیرے لئے نا قابلِ اِلتفات ہے خواہ بچّہ ہو یا جوان یا بوڑھا۔ تُو بغیر شک کے میری طرف متوجہ ہو کر عبادت کرتا ہے۔ جب کہتا ہے اِیَّاكَ نَعْبُدُ تو روتے ہوئے کہتا ہے "ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں" اور حق کہتے ہو۔ جب کہتے ہو کہ اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ "تیرے غیر سے ہم مدد نہیں چاہتے" تمہاری عبادت حصر کے لئے ہے جو کہ ریا کی نفی ہے۔ دونوں جملوں کا مطلب یہ ہوا کہ ہم صرف خدا کی عبادت کرتے ہیں اور صرف اُسی سے مدد چاہتے ہیں۔

ایک بادشاہ کا اپنے مصاحب پر غصّہ کرنا اور مُجرم کی بادشاہ سے ایک سفارشی کا سفارش کرنا، بادشاہ کا سفارش کو قبُول کرلینا، مصاحب کا سفارشی سے رنجیدہ ہونا

ایک بادشاہ نے ایک مُصاحِب پر کسی وجہ سے عتاب کیا اور تلوار نکال لی کہ اُسے سزا دے۔ کسی کی جرأت نہ تھی کہ سفارش کرے۔ عمادُ الملک جو بادشاہ کے خواص میں سے ایک تھا۔ وہ ہمیشہ سفارش کے لئے اِسی طرح خاص سمجھا جاتا تھا جس طرح آنحضور ﷺ حشر میں عام شفاعت کے لئے مخصوص ہوں گے۔ بادشاہ نے عمادُ الملک کی سفارش پر تلوار ہاتھ سے رکھ دی۔ بادشاہ نے کہا کہ خواہ یہ مُصاحب شیطان تھا' میں نے اُس کو معاف کر دیا۔ شاہ نے عمادُ الملک سے کہا: مجرم کی خواہ سینکڑوں خطائیں ہوں جبکہ تُو بیچ میں آ گیا ہے میں سینکڑوں غصوں کو پی لوں گا۔ چونکہ تجھ میں اور مجھ میں بالکل اتحاد ہے۔ تیرا خوشامد کرنا بعینہٖ میرا خوشامد کرنا ہے۔ اگر تُو سفارش نہ کرتا تو خواہ زمین و آسمان تہ و بالا ہو جاتے' میں کبھی معاف نہ کرتا۔ میرا یہ بیان تجھ پر اِحسان رکھنے کے لئے نہیں ہے بلکہ تیرے مرتبے اور عزت کی تشریح ہے۔ یہ سفارش تُو نے نہیں کی بلکہ میں نے خود کی ہے کیونکہ تُو اپنی صفات و خواہشات کو میری صفات و خواہشات میں فنا کر چکا ہے۔ تُو تو محض سفارش کا ایک آلہ ہے' کام کرنے والا تو میں ہوں۔ میں نے سفارش تم پر لادی' تُو نے خود اِس بوجھ کو نہیں اُٹھایا۔

آنحضور ﷺ نے جب اپنی شخصیت کو ذاتِ باری تعالیٰ میں فنا کر دیا تو جنگِ بدر میں حضور ﷺ کا مٹھی بھر کنکریوں کو پھینکنا آنحضور ﷺ کی طرف منسوب نہ ہوا بلکہ خدا کی طرف منسوب ہوا۔ اِسی طرح جب تُو اپنی صفات کو میری صفات میں گم کر چکا ہے تو سفارش کرنا تیری طرف منسوب نہ ہوگا۔ کلمہ طیبہ میں لَآ اِلٰهَ میں غیر اللہ کی نفی ہے اور اِلَّا اللّٰہُ

گر گل ست اندیشۂ تو گلشنی اگر تیرا فکر پھُول ہے تو تُو عین باغ ہے	ور بود خارے تو ہیمہ گلخنی اور اگر کانٹا ہے تو بھٹی کا ایندھن ہے

میں ذاتِ باری کا اِثبات ہے۔ تو اِسی طرح تیرا میرے ساتھ معاملہ ہے۔ تُو غیر کا انکار کر چکا ہے اور مجھ میں فنا ہو چکا ہے۔ لہٰذا تُو فانی بھی ہے اور باقی بھی اور تُو محکوم بھی ہے اور حاکم بھی۔ وجودِ حقیقی صرف شاہ کا ہے تو تیرا دینا تیری طرف منسوب نہ ہوگا' شاہ کی طرف منسوب ہوگا۔ عماد الملک کی سفارش سے نجات پا جانے کے بعد وہ مصاحب عماد الملک سے ناراض ہوگیا۔ لوگوں نے طرح طرح کی باتیں کہنی شروع کر دیں۔ کوئی اُسے پاگل کہتا' کوئی احسان فراموش کہتا۔ ایک ناصح نے مُصاحب سے پوچھا: ایسی بھلائی کرنے والے سے تُو کیوں ناراض ہوگیا؟ اُس نے تو تجھے قتل ہونے سے بچایا۔ ایسا محسن تو اگر ظلم بھی کرے تو اُسے خوشی سے برداشت کرنا چاہیے نہ کہ اُس کی بھلائی سے ناراض ہوا جائے۔ مُصاحب نے جواب دیا: میری جان تو شاہ کے لئے تھی' یہ بیچ میں آکر بچانے والا کون تھا؟ آنحضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ "میرے لئے خدا کے ساتھ وہ وقت بھی ہوتا ہے جس میں نہ کسی مقرب فرشتے کی گنجائش ہوتی ہے اور نہ کسی مُرسَل نبی کی"۔

اُس مُصاحب نے کہا کہ مجھے شاہ وقت سے ایسا قرب حاصل تھا جیسا آنحضور ﷺ کو ذاتِ باری تعالیٰ سے تھا۔ عماد الملک کی اِس میں گنجائش کہاں تھی؟ میں نے شاہ کے علاوہ سب کی نفی کر دی ہے اور صرف اُسی کی دوستی پر بھروسہ کر لیا ہے۔ اب اُس کا اختیار ہے میرے ساتھ جو چاہے معاملہ کرے' میں اُس کی رضا پر راضی ہوں۔ جو سر شاہ کے ہاتھ سے کٹ جائے وہ باعثِ فخر ہے اور جو سر دوسرے کے سامنے جھکے وہ باعثِ ذِلّت ہے۔ جس رات کو شاہ کے غصّے نے کالا کیا ہو وہ عید کے ہزاروں دنوں سے افضل ہے۔ جس کو مُشاہدۂ حق حاصل ہے اور وہ ذاتِ حق کا طواف کرتا ہے۔ اُس کے لئے قہر و لُطف میں یکساں لذّت ہوتی ہے اور وہ کفر اور اُس کی سزا سے بالاتر ہوتا ہے۔ اِس مقام مُشاہدہ کو کسی عبادت کے ذریعہ سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا کیونکہ وہ نہایت مخفی ہے۔ عبارتیں اِس کی تعبیر سے قاصر ہیں۔ جسمِ انسانی اور مادی الفاظ رُوح کے اعلیٰ مقام کی تعبیرات سے قاصر ہے۔ اگرچہ عِلْمُ الْاَسْمَاءِ اور الفاظ کی تعلیم مِن جانب اللہ حضرت آدم علیہ السلام کو سکھائے گئے تھے لیکن وہ اَسماء اِن مادی حروفِ تہجی سے نہ بنے تھے۔ جب اِن غیر مادی اَسماء نے مادی لباس پہن لیا تو اُن کی رُوحانیت ختم ہوگئی اور اُن میں تاریکی آگئی۔ اِن اَسماء کو مادی لباس اِس لئے پہنا دیا گیا تاکہ مادی انسان اُن کے معنیٰ سمجھ سکیں۔

مُصاحِب نے کہا: اگرچہ عماد الملک نے بظاہر مجھے بادشاہ کے غصہ سے نجات دلائی لیکن میری اصل گریز گاہ خود شاہ ہے لہٰذا میں اُس کا ممنونِ احسان نہیں ہوں۔ میں اپنا اصل مقصود الفاظ سے نہیں سمجھا سکتا۔ الفاظ اگرچہ ایک حیثیت سے مقصد کو واضح کرتے ہیں لیکن دس حیثیتوں سے اُس میں اور ابہام پیدا کر دیتے ہیں۔ میر اور بادشاہ کا وہی معاملہ ہے جو

جملہ خلقاں سخرۂ اندیشہ اند
ساری مخلوق طرح طرح کے فکروں میں پھنسی ہے

زاں سبب خستہ دِل و غم پیشہ اند
اِس لئے دل شکستہ اور غم میں مبتلا ہے

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ سے۔ جس طرح خلیل اللہ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کی مدد کو پسند نہ کیا۔ مجھے بھی اسی لئے عمادُ الملک کی مدد پسند نہیں آئی۔ مُشاہدہ کے بعد واسطوں کی ضرورت نہیں رہتی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام خود مُشاہدہ میں مُستغرق تھے۔ اُن کو جبرائیل علیہ السلام کا واسطہ ناگوار گزرا۔ ہر دل میں یہ استطاعت نہیں کہ وہ وحی کو سُن سکے' اس لئے کہ وحی کو بذریعہ حروف و آواز سُنایا گیا ہے۔ اگر ہر سُننے والے میں وحی کو سُننے کی اِستعداد ہوتی تو پھر حرف و آواز کی کوئی ضرورت ہی نہ تھی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ جبرائیل علیہ السلام کو فنایت کا مقام حاصل ہے لیکن میرا معاملہ اس سے بھی نازک ہے' اس میں کسی واسطے کی گنجائش نہیں خواہ وہ فنا فی اللہ ہی کیوں نہ ہو۔ جبرائیل علیہ السلام کا کام فنایت کی وجہ سے خدا ہی کا کام ہے۔ لیکن وہ اس کام پر مامور نہیں ہیں ورنہ وہ کہتے کہ میں خدا کی طرف سے اُس کے حکم پر مدد کے لئے آیا ہوں۔ اس طرح کی مدد عوام کے لئے عین لُطفِ خداوندی ہے لیکن عاشقانِ خدا کے لئے مناسب نہیں ہے۔ جو کام نیک لوگوں کے حسنات ہیں وہ کام بسا اوقات مقربینِ بارگاہ کے لئے گناہ شمار ہوتے ہیں۔ اس بات کو سمجھنے کے لئے ریاضت اور مجاہدہ کی ضرورت ہے تب عوام سمجھ سکتے ہیں کہ مُشاہدہ کے بعد درمیانی حروف اور واسطہ مناسب نہیں ہے۔ بہت سے مصائب پر صبر کرنے کے بعد حروف کے ذریعے اس حقیقت کو سمجھا جا سکتا ہے۔ جو شخص مصائب کے عُمدہ نتائج پر نظر رکھے گا سعادت حاصل کرے گا۔ انجام پر نظر رکھنے والا سمجھتا ہے کہ دُنیا' آخرت کا کھیت ہے۔ جو یہاں بوئے گا وہاں کاٹے گا کیونکہ جس کی نظر عُمدہ پیداوار پر ہوگی وہ کھیتی میں زیادہ محنت کرے گا۔

جس طرح دُنیا خود مقصود نہیں بلکہ آخرت کا ذریعہ ہے اسی طرح کوئی بھی معاملہ محض معاملے کے لئے نہیں ہوتا بلکہ اُس کا مقصد نفع اور فائدہ اُٹھانا ہوتا ہے۔ کوئی شخص کسی حقیقت کا انکار محض انکار کے لئے نہیں کرتا بلکہ اُس کے پیشِ نظر بالمقابل کی مغلوبیت اور اپنی فوقیت ہوتی ہے۔ ہر کام کی محض صورت اُس وقت لذت بخش ہوتی ہے جبکہ اُس میں کوئی مقصد مُضمر ہو۔ کام کرنے والے سے لوگ پوچھتے ہیں' تُو کیوں کام کرتا ہے؟ تو اُن کا مقصد اُس کے اصلی مقصود کو دریافت کرنا ہوتا ہے۔ معاملوں کی ظاہری صورت کی مثال تیل کی سی ہے اور اصل مقصود کی مثال تیل سے پیدا ہونے والی روشنی کی ہے۔ یاد رکھو! اسی طرح آسمان اور دُنیا کے پیدا کرنے سے اُن کی صورت مقصود نہیں ہے بلکہ اُن کی پیدائش میں حکمتیں پوشیدہ ہیں۔ حکمت دان کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ آسمان اور دُنیا کا پیدا کرنے والا الحکیم ہے کیونکہ کائنات کا نظام اور ترتیب اس بات کے گواہ ہیں۔ حمام میں جو تصویریں لگی ہوئی ہوتی ہیں اُن کا بھی کوئی مقصد ہوتا ہے

قاصداً خود را باندیشہ دہم
مَیں قصداً اپنے آپ کو فکر میں مُبتلا کرتا ہوں

چوں بخواہم از میاں شاں بر جہم
لیکن جب چاہتا ہوں اپنے آپ قابو کی وجہ سے فکر سے باہر آجاتا ہوں

خواہ صحیح ہو یا غلط۔ دُنیا کی ہر چیز پیدا کرنے میں کوئی نہ کوئی حکمت ضرور ہے۔

حضرت مُوسیٰ علیہ السلام کا اللہ سے سوال ، "تو کیوں ایک مخلوق کو پیدا کرتا ہے پھر اُس کو تباہ کرتا ہے"؟ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ سے سوال کیا: اے خدا! تُو لوگوں کو پیدا کرتا ہے اور پھر مار دیتا ہے اس میں کیا حکمت ہے؟ حضرت حق تعالیٰ نے فرمایا: چونکہ تیرا یہ سوال انکار اور غفلت پر مبنی نہیں ہے اِس لئے میں درگزر کرتا ہوں، ورنہ سزا دیتا۔ تُو اِس لئے معلوم کر رہا ہے تاکہ عوام کو ہماری حکمتوں سے آگاہ کر دے ورنہ تجھے مخلوق کے پیدا کرنے میں ہماری حکمتیں معلوم ہیں۔ سوال علم کے منافی نہیں ہے۔ کسی چیز کے بارے میں سوال آدھا علم ہوتا ہے۔ اگرچہ تُو تو اِس سے واقف ہے لیکن تُو چاہتا ہے کہ عوام بھی آگاہ ہو جائیں۔ کسی چیز کا علم ہو جانے کے بعد ہی اُس کے بارے میں سوال جواب ہو سکتا ہے۔ علم ہی گمراہی اور ہدایت کا سبب بنتا ہے۔ جیسا کہ نمی اور تری ہی پھل میں شیرینی کے علاوہ تلخی بھی پیدا کرتی ہے۔ ملاقات اور تعارف سے دشمنی اور دوستی پیدا ہوتی ہے اور غذا ہی سے بیماری اور صحت دونوں پیدا ہوتی ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام! تُو ناواقفوں کو حکمتوں سے واقف کرنا چاہتا ہے اِس لئے تجاہُلِ عارفانہ برت رہا ہے۔ ہم بھی اس کے علم سے انجان بن کر اِس کو جواب دیتے ہیں۔ دُنیا میں طریقہ رائج ہے کہ تجاہُل برت کر معاملہ کو حل کر لیتے ہیں۔ گدھا بیچنے والے آپس میں فرضی طور پر ایسی باتیں شروع کر دیتے ہیں کہ گاہک گدھا خرید لیتا ہے۔

اللہ نے جواب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ کھیتی بو دو۔ جب کھیتی تیار ہو گئی تو اُنہیں اُسے کاٹنے کا حکم دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا کہ تُو نے خود کھیتی بوئی اور پھر اُسے کیوں کاٹ ڈالا؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ کھیتی کے پکنے پر اُس میں دانہ اور بھوسا تھا اور دونوں کو ملا جُلا دینا مناسب نہ تھا۔ حکمت کا تقاضا یہی تھا کہ دونوں کو الگ الگ کر دیا جائے۔ حضرتِ حق تعالیٰ نے پوچھا کہ یہ عقل تم نے کہاں سے حاصل کی؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ یہ دانش اور عقل آپ کی عطا کردہ ہے۔ اللہ نے فرمایا: پھر یہ دانش مجھ میں کیوں نہ ہو گی۔ دیکھو انسانوں کی رُوحیں دو قسم کی ہیں ایک پاک، ایک ناپاک۔ سب انسانی جسم ایک رُتبے کے نہیں ہیں۔ کسی جسم میں موتی جیسی رُوح ہے اور کسی میں کنج کی پوتھ کی طرح کی۔ اُن رُوحوں کو بھی اِسی طرح ایک دوسرے سے علیحدہ کر دینا مناسب ہے جس طرح گیہوں کو بھوسے سے، تاکہ نیک رُوحیں جنت کو چلی جائیں اور بُری دوزخ کو۔ پہلی حکمت تو مارنے کی تھی اور پیدا کرنے کی حکمت یہ ہے کہ ہماری صفات کا اظہار ہو جائے۔

راہِ لذّت از دَرُوں داں نز بروں حقیقی لذت کا راستہ خارجی اسباب نہیں بلکہ سکونِ قلب ہے	ابلہی داں جُستن قصر و حصول قلعوں اور محلات کی جستجو محض نادانی ہے

حدیثِ قُدسی ہے کہ ''میں ایک پوشیدہ خزانہ تھا میں نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں لہٰذا میں نے مخلوق کو پیدا فرمایا'' مخلوقات مظہرِ صفاتِ خداوندی ہیں۔ انسان کے جسم میں جو موتی ہے اُس کو ضائع نہیں کرنا چاہیے اُس کی حفاظت کرنی چاہیے۔

حیوانی رُوح اور جزوی عقل اور وہم اور خیال چھاچھ جیسے اور وحی کی رُوح جو باقی رہنے والی ہے چھاچھ میں گھی کی طرح ہے

تیری سچائی کا جوہر جھوٹ میں چھپا رہتا ہے، جس طرح گھی کا مزا لسی کے مزے میں چھپا ہوتا ہے۔ ایک عمر تک رُوح جسم میں گم رہتی ہے۔ اللہ تعالیٰ رسولوں کو بھیجتے ہیں تاکہ وہ جسم کی چھاچھ کو بلو کر رُوح کا مسکہ اُس سے الگ کر لیں۔ رُوح کی تربیت رسول کرتے ہیں یا وہ لوگ کرتے ہیں، جو رسولوں کے لئے بمنزلہ جُزو کے ہوتے ہیں۔ قرآن پاک میں ہے کہ ''اور اِس وحی کو محفوظ رکھنے والے کان محفوظ کر لیتے ہیں'' مومن کا کان وحی کی حفاظت کرنے والا ہوتا ہے اور ایسا کان نبی کا ساتھی ہوتا ہے۔ بچہ پہلے ماں کی بات کو سنتا ہے اور پھر خود بولنے لگ پڑتا ہے۔ جس بچے کے کان میں سننے کی صلاحیت نہیں ہوتی وہ گونگا ہو جاتا ہے۔ گونگا اِس لئے ہوتا ہے کہ وہ ماں کی بات نہیں سُن پاتا اور ایسا اُس کے کان میں کسی خرابی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ جو آواز اور تعلیم کو قبول کرنے والا نہیں ہے وہ لامحالہ بولنے کے قابل بھی نہیں ہے۔ بغیر تعلیم کے بولنے والا تو صرف اللہ ہی ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کے ماں باپ نہ تھے اِس لئے اُن کو تعلیم اللہ نے خود دی۔ حضرت مسیح علیہ السلام بھی بغیر تعلیم کے اپنے اُوپر سے تہمت دفع کرنے کے لئے تعلیمِ خداوندی سے بول پڑے۔ جس طرح چھاچھ میں سے مسکہ نکالنے کے لئے اُس کا بلونا ضروری ہے۔ اِس طرح رُوح کے اِظہار کے لئے جسم کو مجاہدات کے ذریعہ بلونا ضروری ہے۔ جس چھاچھ میں سے مسکہ نہ نکالا گیا ہو اُس کو محفوظ رکھنا چاہیے تاکہ مسکہ نکالا جا سکے۔ اُس کو خرچ نہیں کرنا چاہیے۔ جسم کو خوب اچھی طرح بلونا چاہیے تاکہ وہ رُوح کو ظاہر کر دے۔

رُوح کے مخفی ہونے کی وجہ سے اُس کو معدُوم نہ سمجھ لینا یہ جسمِ فانی اُس رُوحِ باقی کی دلیل ہے۔ رُوح جب تک جسم میں ہے جسم سے وہ افعال صادر ہوتے ہیں، جو رُوح کے نکلنے کے بعد ختم ہو جاتے ہیں تو معلوم ہوا کہ رُوح کوئی اہم چیز تھی۔ مست ساقی کی خوشامد کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ساقی موجود ہے۔ رُوح جسم میں چھپی ہوئی ہے، تو اُس کو جیسا بنائے گا بن جائے گی۔ ظاہر اور موجود ہمیشہ مخفی چیز کی دلیل بنتا ہے۔ جھنڈے کے پھریرے پر شیر کی تصویر کے مختلف طریقوں پر متحرک ہونے سے پتہ چلتا ہے کہ ہوا موجود ہے۔ شیر کی حرکتوں سے انسان سمجھ جاتا ہے کہ پُروا ہوا چل رہی

آں یکے در کُنجِ مسجد مست و شاد ایک مسجد کے کونے میں مست اور خوش ہے	واں یکے در باغ تُرش و بے مُراد دُوسرا باغ میں مُنہ بنائے بے مُراد بیٹھا ہے

ہے یا پچھوا۔ انسانی جسم کو جھنڈے پر بنا ہوا شیر سمجھو اور فکر و ارادہ جو رُوح سے پیدا ہوتا ہے اُس کو ہوا جیسا سمجھو۔ انسان کے جو خیالات مشرق سے آئیں انہیں صبا اور جو مغرب سے آئیں انہیں دبور کہنا چاہیے لیکن فکر کی ہوا کا مشرق و مغرب یہ مشرق و مغرب نہیں ہے۔

ہوا ایک بے رُوح چیز ہے۔ اُس کا مشرق بھی بے رُوح ہے' اور رُوح جس سے فکر پیدا ہوا ہے اُس کا مشرق قلب ہے۔ رُوح نے قلب کو روشن کیا ہے۔ یہ دن کا خورشید اُس کا چھلکا اور عکس ہے۔ اگر دل کو روشن کرنے والا خورشید یعنی رُوح نہ ہو تو پھر دن رات نظر نہیں آتے ہیں اور دُنیا کا سورج بے کار ہو جاتا ہے۔ سورج نہ ہو اور رُوح پاکیزہ ہو تو انسان سب کچھ دیکھ لیتا ہے اور اُس کا کام منظّم ہوتا ہے۔ رُوح خواب میں بغیر چاند سورج کے سب کچھ دیکھتی ہے۔ کہتے ہیں کہ نیند موت کی بہن ہے لہٰذا جب نیند کی حالت میں سب کچھ دیکھتا ہے تو مرنے کے بعد بھی سب کچھ دیکھ سکتا ہے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ خواب میں وہی چیزیں نظر آتی ہیں' جو انسان نے چاند اور سورج کی روشنی میں دیکھی تھیں' لہٰذا یہ کہنا کہ رُوح اپنے دیکھنے میں چاند سورج سے بے نیاز ہے غلط ہے تو اُس کی بات نہ ماننا۔ انسان خواب میں وہ مناظر اور صورتیں دیکھتا ہے جو وہ کوشش سے بھی چاند سورج کی روشنی میں نہیں دیکھ پاتا۔ اگر انسان نے وہ واقعات آنکھ سے دیکھے ہوں جو خواب میں اُس نے دیکھے ہیں تو پھر تعبیر کے لئے دوڑا نہ پھرے۔ لہٰذا یہ کہنا کہ خواب بیداری کی دید کا اثر ہے غلط ہے۔

یہ تو ہم عوام کے خواب کی بات کر رہے ہیں۔ خواص کا خواب تو اُن کو اِس سے بھی زیادہ اَسرارِ غیب دکھا دیتا ہے۔ ہاتھی ہندوستان کا جانور ہے۔ جب دوسرے ملک میں وہ آرام سے سوتا ہے تو وہ خواب میں ہندوستان کے حسین مناظر دیکھتا ہے اور مست ہو جاتا ہے۔ اَسرارِ غیبی بھی اُس رُوح کو خواب میں نظر آئیں گے جس کا تعلق عالمِ غیب سے ہے۔ گدھے میں یہ نہیں ہے کہ وہ ہندوستان کے خواب دیکھے اور مست ہو جائے۔ جو رُوح ہاتھی کی طرح ہو گی وہ اپنے اصل وطن عالمِ غیب کو خواب میں دیکھے گی۔ اللہ کی یاد اور اُس کا ذکر رُوح کو ہاتھی صفت بنا دیتی ہے لیکن یہ کام ہر کمینے کا نہیں ہے۔ قرآن پاک میں ہے کہ حضرت حق تعالیٰ پاک رُوح اور نفسِ مُطمئنّہ کو فرماتے ہیں کہ ارْجِعِيٓ إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً "اپنے ربّ کی طرف لوٹ جا تو بھی خوش ہے اور خدا بھی تجھ سے خوش ہے"۔ اپنے اندر تبدیلی کی کوشش کرنی چاہیے۔ اولیاء اللہ رحمہم اللہ کی صحبت اختیار کر' تیرے اندر تبدیلی پیدا ہو جائے گی۔ اگر تجھے اولیاء اللہ رحمہم اللہ نظر نہیں آتے تو اُن کے آثار دیکھ لے۔ اولیاء رحمہم اللہ کے تصرّفات جاری ہیں۔ عالمِ غیب کے مُشاہدہ کا اثر یہ ہوتا ہے کہ انسان خواب سے دیوانہ بن کر اُٹھتا ہے۔ جو عالمِ غیب کا خواب میں مُشاہدہ کر لیتا ہے وہ تدبیروں پر خاک ڈال دیتا ہے۔ آنحضور ﷺ

یک زماں بیکار نتوانی نشست
تُو ایک لمحے کے لئے بھی بے کار نہیں ہوتا

تا بدی یا نیکی از تو نجست
کوئی بُرا یا اچھا خیال ہر وقت تجھے ضرور آتا ہے

نے فرمایا: ''دل میں نور پیدا ہو جانے کی علامت یہ ہے کہ انسان دُنیا سے متنفر اور آخرت کا مُشتاق ہو جاتا ہے''۔ اس بات کی تشریح کے لئے ایک قِصّہ سُن لے۔

بادشاہ جسے حقیقی بادشاہی نظر آئی، اللہ کی رہنمائی اور کُن فَیکُوْن

ایک بادشاہ تھا جس نے حقیقی بادشاہت دیکھ لی اور قیامت کا منظر اُس کے سامنے آ گیا۔ وہ دنیاوی بادشاہت کو بچّوں کی مٹّی کے ڈھیر کی بادشاہت سمجھنے لگا تھا۔ بچّے کھیلنے میں مٹّی کے ڈھیر لگا لیتے ہیں۔ جو بچّہ کھیل میں جیت جاتا ہے وہ کود کر اُس ڈھیر پر چڑھ جاتا ہے اور کہنے لگتا ہے کہ یہ میرا قلعہ ہے جو میں نے فتح کر لیا ہے اور دوسرے بچّے اُس پر رشک کرنے لگتے ہیں۔ انسان کے مراتب بلند ہونے میں سال ہا سال کی ریاضتیں ہی ضروری نہیں ہیں بلکہ بیک وقت عروج حاصل ہو جاتا ہے۔

ایک بادشاہ نے خواب میں دیکھا کہ اُس کا حسین بیٹا اچانک مر گیا۔ اُس کے لئے دُنیا اندھیر ہو گئی۔ سوزش کی انتہا کی وجہ سے اُس کی آنکھوں سے آنسو بھی خشک ہو گئے۔ اس خواب کی وجہ سے بادشاہ مرنے کے قریب ہو گیا اور اُس کا جسم بے کار ہو گیا لیکن اُس کی عمر ابھی باقی تھی اس لئے خواب سے بیدار ہو گیا۔ بیداری سے اُسے اس قدر خوشی ہوئی کہ عمر بھر کبھی نہ ہوئی تھی۔ اب وہ خوشی سے مرا جا رہا تھا کبھی انتہائی خوشی بھی موت کا سبب بن جاتی ہے لیکن جسم اُس کی رُوح کے لئے طوق بن گیا اور اُس کو اُس نے پرواز نہ کرنے دیا۔ یہ عجب تماشا ہے کہ چراغِ زندگی غم سے بھی بُجھتا ہے اور خوشی سے بھی۔ موت کے اِن دونوں اَسباب کے درمیان انسان زندہ رہتا ہے اور اِس بات پر ہنسی آتی ہے کہ انسان کا جسم رُوح کے گلے کا ہار بنا ہوا ہے۔

بادشاہ نے سوچا کہ ایسا غمناک خواب اِس قدر خوشی کا سبب بنے' یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو رہا ہے۔ بہت سی چیزیں ایسی ہیں کہ وہ ایک جانب موت کا سبب بنتی ہیں تو دوسری جانب زندگی کا سبب بنتی ہیں۔ جسمانی خوشی دنیاوی اعتبار سے کمال ہے' آخرت کے اعتبار سے زوال ہے۔ خوابوں کی تعبیر بتانے والے خواب میں ہنسی کی تعبیر رنج اور غم سے کرتے ہیں اور خواب میں رونے کی تعبیر مسرّت اور خوشی سے کرتے ہیں۔ شاہ نے سوچا اگرچہ خواب کی بات ختم ہو گئی ہے لیکن ایک بدظنی باقی ہے' اب اگر خدانخواستہ بچّہ مرے تو اُس کی کوئی یادگار تو باقی رہنی چاہیے۔ خدا کرے لڑکے کے مرنے کا صدمہ مجھے نہ پہنچے۔ بہر حال احتیاط کا تقاضا ہے کہ اُس کی یادگار کا بندوبست کر لینا چاہیے۔ ویسے موت کے سینکڑوں اَسباب ہیں جن پر قابو پانا مشکل ہے۔ ہم موت کے کسی راستے کو بند نہیں کر سکتے۔ موت کے آنے کے لاتعداد

این تقاضا ہائے کار از بہرِ آں
فطرت کے یہ تقاضے تم میں اس لیے ہیں

شد مُوکّل تا شود سِرّت عیاں
کہ تیرا عیب ظاہر ہو جائے

راستے اور دروازے ہیں۔ جب وہ دروازے کھلتے ہیں تو اُن کے کواڑ چوں چوں کرتے ہیں۔ اُن کی چوں چوں کی آواز دُنیا کی حرص کی وجہ سے کان نہیں سُنتے ہیں۔ جسم کے درد اور دشمنوں کے ظلم موت کے دروازوں کے کواڑوں کی چوں چوں ہے۔ ہر مرض کا بدن میں راستہ ہے۔ مرنے سے پہلے انسان سوچتا ہے کہ خدانخواستہ بیٹا مر جائے تو پوتا رہ جائے۔ بادشاہ اور عارف کے کام میں فرق یہ ہے کہ اُس نے فانی کا بدل فانی سوچا یعنی بیٹے کا بدل پوتا۔ بادشاہ نے جو تدبیر کی وہ دُرست نہ تھی چونکہ وہ خودی میں مبتلا تھا اس لئے اُس کی گفتگو مصیبت سے باہر نکلنے کی نہ تھی۔

نسل کے منقطع ہونے کے ڈر سے بادشاہ کا بیٹے کے لئے دُلہن چاہنا

آنحضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ "بچہ باپ کا راز ہے" اللہ نے والدین میں یہ جذبہ رکھا ہے کہ وہ اپنی اولاد میں کوئی نہ کوئی ہُنر پیدا کرتے ہیں کہ اُن کے مرنے کے بعد وہ ہُنر باقی رہے۔ بادشاہ نے کہا: میں بھی اپنی نسل باقی رکھنے کے لئے اپنے لڑکے کی شادی کردوں گا۔ لڑکے کی دلہن کسی نیک شخص کی لڑکی کو بناؤں گا۔ دراصل باخدا انسان کو شاہ کہنا چاہیے۔ دنیادار تو شرمگاہ اور حلق کا قیدی ہوتا ہے۔ عام بادشاہوں کو بادشاہ کہنا تو ایسا ہی ہے جیسا کہ حبشی کا نام کافور رکھ دیا جائے کیونکہ بادشاہ عموماً کھانے پینے اور عیاشی کے قیدی ہوتے ہیں۔ عام طور پر دُنیا میں ہر شہوت' لالچ اور آبرو کے قیدی کو میر یا صدر لکھا اور بولا جاتا ہے جو غلط ہے۔

بادشاہ کا لڑکے کے لیے رشتہ ایک زاہد کی لڑکی سے چاہنا اور گھروالوں کا اعتراض، درویشوں کے ساتھ رشتے سے ذلت محسوس کرنا

بادشاہ نے اپنے لڑکے کے لئے دُلہن بنانا ایک نیک شخص کی لڑکی کو چاہا۔ بیوی نے اُس پر اعتراض شروع کر دیئے۔ شریعت اور عقل کہتی ہے کہ لڑکے اور لڑکی کا موزوں جوڑ ہونا چاہیے۔ بیوی بولی کہ تُو خرچ سے ڈر کر فقیر گھرانے میں لڑکے کی شادی کرنا چاہتا ہے لیکن یاد رکھو! نیک اور قانع انسان کو گدا اور فقیر کہنا دُرست نہیں ہے۔ گدا اور قانع میں بہت فرق ہوتا ہے۔ گدا ایک پیسے کے لئے سر جھکا دیتا ہے لیکن قانع خزانوں پر لات مار دیتا ہے۔ جو بادشاہ اپنی آمدنی میں حلال حرام کا فرق نہ کرے بزرگ لوگ اُسے گدا کہتے۔ ملکہ نے کہا: نہ اُن کے پاس علاقہ ہے نہ قلعے ہیں' جو وہ لڑکی کو جہیز میں دیں گے' نہ اُن کے پاس رخصتی کے وقت ڈولے پر نثار کرنے کے لئے زر و جواہر ہیں۔ بادشاہ نے جواب دیا کہ مجھے اب دین کی فکر ہے اور جو شخص دین کی فکر میں لگ جاتا ہے دوسرے غموں سے آزاد ہو جاتا ہے لہٰذا مجھے جہیز وغیرہ نہ ہونے کا کوئی غم نہیں ہے۔ بادشاہ نے ملکہ کی باتیں نہ سنیں اور ایک نیک شخص کی بیٹی کو بیاہ لایا جو انتہائی حسین تھی۔ اے

از یک اندیشہ کہ آید در دُروں فکر و خیال جو دل میں پیدا ہوتا ہے ایک معنوی چیز ہے	صد جہاں گردد بیک دم سرنگوں اور بعض اوقات صد جہان پر اثر ڈالتا ہے

لوگو! انسان کو دین حاصل کرنا چاہیے۔ دوسری چیزیں اِس کے تابع ہیں۔ آخرت کو اونٹوں کی قطار سمجھو اور دُنیا کو اس کی مینگنیاں اور گرے ہوئے بال سمجھو۔ اگر تُو محض اونٹوں کی اُون کے پیچھے لگا رہا تو قطار ہاتھ نہ آئے گی۔

کابلی بُڑھیا کا شہزادے پر جادو اور شہزادے کا عاشق ہونا

شادی کے بعد شہزادے پر ایک بڑھیا جادوگرنی جو کابلی تھی نے جادو کر دیا۔ وہ بڑھیا اُس پر عاشق ہوگئی اور اُسے اپنے جال میں پھنسالیا۔ شہزادہ اُس خبیث کے عشق میں مدہوش رہنے لگا اور لاغر ہو گیا۔ ایک سال تک شہزادہ اُس کی قید میں رہا اور اُس کی جوتیاں چومتا رہا۔ سب لوگ اُس کی لاغری کو دیکھ کر دردِ سر میں مبتلا ہوگئے لیکن وہ خود اپنی حالت سے بے خبر تھا۔ بادشاہ اُس کے غم میں روتا تھا تو شہزادہ اُس کے رونے پر ہنستا تھا۔ بادشاہ صدقہ خیرات کرتا تھا تاکہ اُس کو اس جادو سے نجات مل جائے۔ اگر وہ جادو کا کوئی اور توڑ کراتا تھا تو جادو اور مضبوط ہوجاتا تھا۔ جب کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی تو اُسے یقین ہوگیا کہ یہ سب کچھ اللہ کی جانب سے ہے' اُس کے سامنے رونا اور دُعا کرنا چاہیے۔ اِس لئے اُس نے اللہ کی عبادت اور دُعائیں شروع کر دیں کہ بے شک یہ تیرا ہی حکم ہے لیکن میں آگ کی طرح جل رہا ہوں۔ میری دستگیری فرما۔

بادشاہ کے دُعائیں کرنے سے ایک جادوگر سفر کر کے آ گیا۔ اُس نے سُن لیا تھا کہ یہاں کا شہزادہ ایک جادوگرنی کے پھندے میں ہے۔ دُنیا میں ہر ہنرمند سے بڑھ کر ایک ہُنرمند ہے اور تمام ہنرمندیاں ذاتِ باری پر جا کر ختم ہوتی ہیں۔ بادشاہ نے جادوگر سے کہا کہ شہزادہ ہمارے ہاتھ سے جا تا رہا' تم کچھ کرو۔ جادوگر بولا: میں اُس کا علاج بن کر آیا ہوں۔ اِس بڑھیا کے توڑ کا سوائے میرے اور کوئی جادوگر نہیں ہے۔ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے یدِ بیضا کے معجزے نے تمام جادوگروں کو شکست دے دی تھی میں بڑھیا کے جادو کو تباہ کر دوں گا۔ میرا علم خداوندی اِلہام سے ہے۔ اُس نے کہا کہ صبح سویرے قبرستان جائیے اور وہاں دیوار کے پہلو میں سفید قبر ہے۔ اس سفید قبر کو قبلہ کی جانب سے کھودنا پھر تجھے خدا کی قدرت نظر آئے گی۔ اُس بڑھیا نے ایک بال میں سینکڑوں گرہیں لگا کر جادو کیا تھا' وہ اُس قبر میں سے نکلا۔ بادشاہ اُس بال کو جادوگر کے پاس لے آیا تو اُس نے اُس کی گرہیں کھولیں اور شہزادے کو جادو سے نجات مل گئی۔

جادو ختم ہونے کے بعد شہزادہ فوراً اپنے باپ کے پاس حاضر ہوا۔ وہ بہت شرمندہ تھا اور اپنے آپ کو مجرم قرار دے رہا تھا۔ جس دن جادو ہوا تھا وہ بھی ایک دن تھا اور آج جب جادو ختم ہوا ہے تو یہ بھی خوشیاں بھرا ایک دن ہے۔ اُس دن دعوت سے کتے بھی محروم نہ رہے۔ بادشاہ اِنتہائی خوش تھا اور اللہ تعالیٰ سے راز و نیاز کی باتیں کرتا تھا۔ جب جادو ختم ہوا تو

جسمِ سُلطاں گر بصورت یک بود
بادشاہ کا جسم بظاہر تو ایک ہوتا ہے

صد ہزاراں لشکرش در پے دَوَد
لیکن لشکریوں کے ہزاروں جسموں پر حکمرانی کرتا ہے

شہزادہ اپنے معاملے پر حیران تھا۔اب وہ اپنی دُلہن کے پاس گیا تو اُس کو انتہائی حسین پایا۔اس کا حُسن دیکھ کر بے ہوش ہو گیا اور تین دن تک بے ہوش رہا جس سے لوگ پریشان ہو گئے۔علاج ہوا تو رفتہ رفتہ اُسے ہوش آیا۔ایک سال بعد دورانِ گفتگو بادشاہ نے شہزادے سے کہا کہ اپنی بڑھیا جادوگرنی کو بھی کبھی یاد کرلیا کرو۔اب جو حالت شہزادے کی تھی تو وہ اُس بڑھیا کو یاد کرنا بھی پسند نہیں کرتا تھا۔

یہی حال ایک مومن کا ہوتا ہے کہ جب اُسے نورِ خداوندی حاصل ہو جائے تو وہ دُنیا کے ظلمت کدے کو یاد کرنا بھی پسند نہیں کرتا۔ہم نے اِس قصّے میں جس شہزادے کا ذکر کیا ہے اُس سے ہر آدم زاد مراد ہے اور کابلی جادوگرنی سے دُنیا مراد ہے جس نے بنی آدم پر جادو کر رکھا ہے۔اے بھائی! جان لے کہ وہ شہزادہ تُو ہے اور اِس پرانی دُنیا میں تُو نیا پیدا ہوا ہے۔اُس نے تجھے رنگ و بُو کا قیدی بنالیا ہے۔اِس لئے ہر وقت اِس کے جادو کا توڑ سورۃ الفلق پڑھتا رہ۔آنحضور ﷺ نے دُنیا کو جادوگرنی فرمایا ہے جو انسانوں کو دُنیا کے جادو کے کنویں میں بند کر دیتی ہے۔دُنیا کے جادو کا توڑ ہر شخص کے بس کا روگ نہیں ہے۔دُنیا کے جادو کی گرہیں اگر عقل کھول سکتی تو نبیوں علیہم السلام اور رسولوں علیہم السلام کے آنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔اللہ جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے۔شہزادہ تو جادوگرنی کے چنگل میں ایک سال رہا تُو ساٹھ سال سے اُس کے جادو میں پھنسا ہوا ہے۔دُنیا نے منتر پڑھ کر جو گرہ لگائی ہے وہ بہت سخت ہے اور وہ اللہ کے پھونکنے سے ہی کھل سکتی ہے۔ نَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُّوحِي ''میں نے اُس میں اپنی رُوح پھونک دی'' یعنی ہو سکتا ہے کہ تیرے اندر بھی وہ رُوح آ جائے۔دُنیا کے جادو کی پھونک اللہ کی پھونک سے چلی جائے گی۔

حدیثِ قُدسی ہے کہ سَبَقَتْ رَحْمَتِيْ عَلٰى غَضَبِيْ ''میری رحمت میرے غضب پر سبقت لئے ہوئے ہے''۔ تُو سبقت چاہتا ہے تو جا کسی سابق کی تلاش کر کیونکہ قرآن میں ہے کہ ''وہاں نفسوں کے جوڑ ملائے جائیں گے''یعنی جس نفس کے ساتھ دُنیا میں ہوگا وہی ملا دیا جائے گا۔جب تک انسان بوڑھی دُنیا کے ساتھ رہے گا نہ اُس کا جادو ٹوٹے گا نہ شہزادے کی طرح دُلہن یعنی آخرت اُس کے پہلو میں آئے گی۔حدیث شریف میں ہے کہ ''دنیا اور آخرت دو سوکنیں ہیں اگر ایک راضی ہوتی ہے تو دوسری ناراض ہو جاتی ہے''۔اگر دُنیا کا وصال ہے تو آخرت کا فراق ہے۔دُنیا کا نقاش خدا ہے جب اُس نقش (دنیا) کی جُدائی اِس قدر شاق ہے تو (خدا) نقاش کی جُدائی کس قدر شاق ہوگی۔جبکہ قرآن میں وعدہ ہے کہ ''نیک لوگ ایسے پیالے سے پئیں گے جس کی ملونی کافور ہوگی''۔اُس کے بچے بغیر تمہیں کیسے سکون آئے گا۔اگر اللہ کا جلوہ تجھے ذرا سا بھی نظر آ جائے تو تُو اپنے جسم اور رُوح کو قربان کر ڈالے۔جس طرح شہزادہ اپنی حقیقی دُلہن

ہست مہمان خانہ ایں تن اے جواں	ہر صباحے ضیفِ نو آید دواں
اے جوان! یہ جسم تو مہمان خانہ ہے	ہر صبح کوئی نیا مہمان اِس میں دوڑتا آتا ہے

سے مل گیا تھا تُو بھی حقیقی محبوب کو پالے اور دُنیا کا کانٹا اپنے پاؤں سے نکال پھینک۔ اِس کی ترکیب یہی ہے کہ فنا کا درجہ حاصل کرلے۔ فنا کا درجہ جب حاصل ہو جائے گا تو تُو کسی وقت بھی خودی اختیار نہیں کرے گا اور دُنیا سے کنارہ کش ہو جائے گا۔ جب نگاہ بصیرت نہیں ہوتی ہے تو انسان نشیب و فراز کو نہیں دیکھ پاتا ہے اور ٹھوکر کھاتا ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کی بینائی حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص کی خوشبو سے روشن ہو گئی تھی۔ تُو قدرت کے مناظر دیکھ۔ نظر روشن ہو جائے گی اور مُشاہدہ تک پہنچ سکے گا۔ انبیاء علیہم السلام کو بصیرت اِسی سے حاصل ہوئی ہے۔ اُس نور کا مُشاہدہ نارِ شہوت سے نجات دیتا ہے۔ عارضی دنیاوی نور صرف وقتی چیزوں کو دکھاتا ہے اور بصیرتِ عقلی کو بیمار کرتا ہے۔ عارضی نور والا ہمیشہ ٹھوکریں کھاتا ہے۔ ایسے نور والے کی دور بینی ایسی ہی ہے جیسے کہ سوئے ہوئے شخص کی دُور بینی۔ سوئے ہوئے شخص کی دُور بینی یہ ہے کہ دریا کے کنارے پیاسا سو رہا ہے اور بہت دُور سے ریت کو دیکھ رہا ہے جو کہ پانی نظر آ رہا ہے اور سمجھتا ہے کہ میں بہت دُور بین ہوں کہ دُور سے پانی دیکھ لیا ہے۔ خواب میں دوستوں سے اپنی دُور بینی کی شیخی بھی بھگارتا ہے۔ نہر کو چھوڑ کر خواب میں جس قدر سراب کی طرف بھاگ رہا ہے پانی سے اُسی قدر دُور ہوتا جا رہا ہے۔ سراب تک پہنچنے کا عزم نہر کے اُس پانی کا حجاب بن رہا ہے جو اُس کے قریب تھا۔ بہت سے ایسے شخص ہوتے ہیں جن کا عزم اُن کو مقصود کی اصل جگہ سے دُور کر دیتا ہے۔ سوئے ہوئے کا کسی چیز کو دیکھنا محض خیال ہوتا ہے جو بیکار ہے۔ تُو نیند میں ہے۔ اگر سونا ہی ہے تو سرِ راہ سو اور اللہ کے راستے پر سو شائد کوئی اللہ کا بندہ وہاں سے گزرے تو تیرے خواب والے خیالات دُور کر دے۔ جبکہ تُو سویا ہوا ہے تو اپنی تدبیر سے راہ یاب نہ ہو گا۔ کسی باخدا کا ہاتھ پکڑ لے۔ سویا ہوا سخت پیاس محسوس کر رہا ہے اور پانی اُس کی شہ رگ سے زیادہ اُس کے قریب ہے۔

زاہد، جو قحط سالی میں مفلسی اور عیال داری کے باوجود مُسکراتا تھا

ایک زاہد قحط کے سال مسکراتا تھا جبکہ دوسرے سب لوگ روتے تھے۔ لوگوں نے پوچھا: تیرے ہنسنے کا کون سا موقع ہے جبکہ بھوک نے مسلمانوں کو پریشان کر رکھا ہے۔ کھیتیاں اور باغ پانی نہ ہونے سے برباد ہو گئے ہیں۔ لوگ ایسے پریشان ہیں، جیسے مچھلی پانی کے بغیر ہوتی ہے۔ تجھے مسلمانوں پر رحم نہیں آتا۔ وہ نیک مرد بولا: تمہاری نظر میں یہ قحط ہے لیکن میری نظر میں عین بہشت ہے۔ میں ہر جگہ اپنی کمر تک اونچی فصل دیکھ رہا ہوں، تو میں اپنی آنکھ کو کیسے جھٹلا دوں۔ تم لوگ فرعونی جسم کے یار ہو۔ فرعون کی طرح تمہیں بھی نیل کا پانی خون نظر آ رہا ہے۔ وہ عقل جو موسیٰ علیہ السلام جیسی ہے اُس کے یار بنو تو تم پر حقیقت واضح ہو جائے گی۔ انسان کی اپنی اندرونی

نے غلط گفتم کہ آید دم بدم　　ضیفِ تازہ فکرتِ شادی و غم

میں نے غلط کہا کہ ہر صبح کوئی مہمان آتا ہے　　بلکہ ہر وقت خوشی یا غم کا خیال ہمارا مہمان بن کر آتا رہتا ہے

کیفیت حقائق کو تبدیل کر دیتی ہے۔ انسان جس سے ناراض ہو جائے اُسے وہ بجائے انسان کے کتا نظر آتا ہے۔ اپنی باطنی کیفیت کی وجہ سے حضرت یوسف علیہ السلام اپنے بھائیوں کو بھیڑیا نظر آتے تھے۔ اگر باپ سے محبت ہو تو وہ سراسر رحمت نظر آتا ہے۔ تمام عالم حضرتِ حق کا مظہر اور اُس کا پیدا کیا ہوا ہے۔ اس اِعتبار سے وہ تمام عالم کا باپ ہے۔ اگر تمہارے دل میں اُس سے بیزاری ہو تو یہ تمام عالم تمہیں غیر واقعی صُورت میں نظر آئے گا۔ پورا عالم عقلِ کل کی صورت ہے۔

وہ رُوحیں جنہوں نے ازل سے اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ کے جواب میں "بَلٰی" کہا تھا۔ عقلِ کُل کی تجلیات سے فیض یاب ہو سکتی ہیں۔ جب انسان کے دل میں خدا کا کفر ہوتا ہے تو اُس کو سارا جہان بھیانک نظر آتا ہے۔ بہتر ہے کہ تُو مالک سے صلح کرلے تا کہ تُجھے تمام زمین انگوروں سے بھری ہوئی نظر آئے۔ میری اُس سے صلح ہے۔ اِس لئے مجھے یہ دُنیا جنت کی طرح نظر آتی ہے۔ لحہ بہ لحہ مجھ پر نئی تجلیات کا اِنکشاف ہوتا رہتا ہے اور طبیعت کبھی مَلُول نہیں ہوتی۔ شاخوں کا ہواؤں سے ہلنا مجھے صوفیوں کا رقص معلوم ہوتا ہے اور پتوں کا بجنا گویوں کی آواز معلوم ہوتی ہے۔ یہ تجلیات میرے اُوپر ناسُوت کے پردوں سے پڑ رہی ہیں جبکہ براہِ راست پڑیں گی تو کیا حال ہوگا۔ میں ہزاروں حقائق میں سے ایک بات بھی پوری نہیں بتا رہا ہوں کیونکہ سُننے والے اہل نہیں ہیں۔ جن کی عقلیں ناقص ہیں وہ ان باتوں کو خوشخبری کے طور پر سُنتے ہیں اور کاملین ان کا مُشاہدہ کرتے ہیں۔ اس بات کی وضاحت کے لئے قِصّہ سُن لے۔

حضرت عُزیر علیہ السلام کی اولاد کا اُنہی سے اپنے باپ کے احوال معلوم کرنا

بعض باتیں محجوبین کے لئے خوشخبری کا درجہ رکھتی ہیں اور کاملین کے لئے مُشاہدہ کا۔ حضرت عزیر علیہ السلام ایک سو سال کے بعد جب زندہ ہوئے تو اُن کی اولاد نے سُنا کہ ہمارے باپ زندہ ہو کر آرہے ہیں۔ وہ اُن کی جستجو میں شہر کے باہر نکلے۔ حضرت عزیر علیہ السلام شہر میں آرہے تھے۔ وہ راستے میں ملے۔ اولاد نے اُنہیں نہ پہچانا اور اُنہوں نے اُن ہی سے اُن کی خبریں معلوم کرنی چاہئیں۔ اُنہوں نے فرمادیا کہ وہ ابھی آئیں گے۔ یہ خبر اولاد کے لئے خوشخبری بنی لیکن کچھ نے اُنہیں پہچان لیا۔ اُن کے لئے یہ خبر مُشاہدہ بنی اور وہ خوشی سے بے ہوش ہو گئے۔ اُن کی اولاد بوڑھی ہو گئی تھی اور وہ خود تغیراتِ زمانہ سے محفوظ تھے۔ تو وہ جوان تھے لیکن اولاد بوڑھی ہو چکی تھی۔ اولاد نے جب اُنہیں نہ پہچانا تو اُنہوں نے اُن سے طنزاً یہ کہا کہ وہ میرے بعد آئیں گے۔ اولاد نے اُنہیں ہی خوشخبری دینے پر دُعا دی لیکن پہچاننے والوں نے کہا کہ خوشخبری کیا ہوتی ہے۔ وہ شَکَر کی کان تو ہمارے سامنے

ہے۔ ایک ہی بات ناقص عقل کے لئے خوشخبری کا درجہ رکھتی ہے چونکہ وہ مشاہدہ نہیں کر سکتی ہے، لیکن عقلِ کامل کیلئے وہ مُشاہدہ ہے۔ ایک ہی بات منکروں کے لئے درد اور مومن کے لئے خوشخبری ہے اور عاشق کے لئے مُشاہدہ ہے۔ عاشق مُشاہدے اور دیدار سے مست رہتا ہے اِس لئے وہ کافر اور رسمی مومن سے بالاتر ہے۔ کفر اور رسمی ایمان اُس عاشق کے در کے دربان ہیں کیونکہ وہ مغز کی طرح ہے اور کفر و ایمان دونوں اِس کے چھلکے ہیں۔ ان دونوں چھلکوں میں یہ فرق ہے کہ کفر تو مُشاہدہ سے بالکل منہ موڑے ہوئے ہے اور ایمان کچھ نہ کچھ لذت چکھے ہوئے ہے۔ کفر سوکھے ہوئے چھلکے کی طرح ہے جو صرف آگ میں جلانے کے قابل ہے۔ عام مومنین کا ایمان وہ چھلکا ہے جو مغز سے جُڑا ہوا ہے۔ عشقِ الٰہی عام ایمان سے بالاتر ہے۔

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مَعارف کا بیان نہیں ہو سکتا۔ اتنی بات کر دی ہے جو کہ عوام سمجھ سکیں اور باقی باتیں چُھپا لی ہیں۔ انسانوں نے اپنی عقل کے سونے کو پراگندہ کر رکھا ہے۔ سونے کے بُرادے کو ٹھپہ نہیں لگایا جا سکتا کہ عقل مجتمع ہو جائے۔ یہ ٹھپہ تب لگ سکے گا جب عقل مجتمع ہو کر مَعارف کی اہل بن جائے گی۔ انسان نے اپنی عقل کو سینکڑوں دھندوں میں بانٹ رکھا ہے اِس لئے عقل کارآمد نہیں۔ عشقِ الٰہی عقلِ انسانی کو ایک نقطہ پر جمع کر دیتا ہے۔ تُو اپنی عقل کو اگر تھوڑا تھوڑا بھی اکٹھا کر کے جمع کرے گا تو کچھ نہ کچھ مَعارف حاصل ہو جائیں گے۔ اگر تُو اُس عقل کے سونے کو ایک مِثقال کے وزن سے زیادہ جمع کرلے گا تو پھر اُس کا ایک زرّیں جام بن جائے گا' جو شاہ کی مجلس میں پیش ہوگا اور اُس کو شاہ کا مُشاہدہ حاصل ہو جائے گا۔ اِس شاہی جام پر شاہ کا نام اور القاب اور تصویر کندہ کر دی جاتی ہے۔ اب تجھے دُنیا کی ہر چیز میں حضرتِ حق کا جلوہ نظر آئے گا۔ بات اِس لئے کہی جاتی ہے کہ سننے والوں کو اس کا یقین آ جائے۔ جب تک تجھ میں شرک کی کیفیت ہے تُو یقین سے خالی ہے۔ شرک کی جان اور رُوح کا تعلق ایک ذاتِ خداوندی پر مجتمع نہیں ہے۔ وہ کائنات میں بٹی ہوئی اور سینکڑوں معاملوں میں مُنقسم ہے۔ جاہلوں کے سامنے کسی مُدّعا کے ثبوت کے لئے خاموشی بہتر ثبوت ہے۔ میں بھی خاموش رہنا چاہتا ہوں لیکن میری مستی بے ارادہ میرا منہ کھول دیتی ہے جیسے چھینک یا جماہی سے بے ارادہ منہ کھل جاتا ہے۔

حدیث "مَیں اپنے ربّ سے ہر روز ستّر بار مغفرت چاہتا ہُوں" آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اِستغفار بھی اِسی بنا پر تھا کہ بے اِختیار مَعارف ظاہر ہو جاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی یہ بھی حکمت ہے کہ عالَمِ آخرت کی دراز تاریخ لوگوں کو معلوم ہو۔ اِس لئے وہ بعض

رازداروں پر مستی طاری کر دیتا ہے تاکہ وہ بے خودی میں اُن اسرار کو ظاہر کر دیں۔ پوشیدہ اسرار کے اس قدر ظاہر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ خدائی تقریر سے معارف کا چشمہ اُبلنے لگا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے دریا بہہ رہے ہیں اور اے لوگو! تم غفلت کی نیند سو رہے ہو۔ سوئے ہوئے کی حالت یہ ہوتی ہے کہ دریا کی لہریں اُسی پر گرتی ہیں، اُس کے کپڑے پانی پیتے ہیں لیکن وہ پیاسا رہتا ہے۔ وہ محض پانی کی توقع پر خواب میں بھاگا پھرتا ہے، گویا اپنے آپ کو اُس دریا سے اور دُور کر رہا ہے۔ جب دوسری جگہ کے پانی کے تصور میں اُدھر بھاگتا ہے تو واقعی اپنے آپ کو مزید محروم کرتا ہے۔

جن کی رُوحیں سوئی ہوئی ہیں وہ سوئے ہوئے کی طرح کی دُوربین ہیں۔ ویسے زیادہ پیاس کی حالت میں نیند نہیں آتی لیکن بے عقل کی پیاس اُس کو مزید سُلا دیتی ہے۔ عقل وہ ہے جو خدا کی جانب سے عطا ہو۔ عطارد ستارے کی تاثیر سے انسان میں جس عقل کی نشوونما ہوتی ہے وہ دراصل عقل نہیں ہے۔ اس دنیاوی عقل سے انسان خردمند نہیں بنتا ہے۔ دُنیاوی عقل کی دوڑ صرف قبر کے گڑھے تک ہے۔ اُس کے بعد کے احوال اُس کے اِدراک میں نہیں آسکتے۔ وہ صرف انبیاء علیہم السلام اور اولیاء رحمۃ اللہ علیہم بتا سکتے ہیں جن کو عقلِ خداوندی حاصل ہے۔ وہ لوگ قیامت تک کے احوال سمجھ لیتے ہیں۔ حسی قدم اور عقل ناقص ہے۔ غیب بین عقل و بصر مفید ہے۔ اِس غور و فکر سے قطع نظر کر اور مجاہدات میں مصروف رہ کر انتظار کر تاکہ تجھے نورِ موسوی میسر آجائے۔ جو بھی مجاہدات کی حالت میں انتظار میں ہیں، ان کے لئے بولنا مناسب نہیں، سُننا مفید ہے۔

علومِ ظاہری کی خواہش کی بنیاد جاہ اور رُتبہ ہوتی ہے اور خواہشِ نفس کو پورا کرنا راہِ طریقت میں بُت پرستی ہے۔ اگر انسان، عقلی، علمی یا کسی اور بڑائی کی بنیاد پر اَسرارِ معرفت حاصل کرتے تو رسولوں علیہم السلام کی بعثت بیکار تھی۔ انسانی عقل، آسمانی بجلی کی طرح کوندتی ہے جس کی روشنی میں راستہ طے نہیں کیا جا سکتا۔ بجلی کی کوند راستہ دکھانے کے لئے نہیں ہوتی بلکہ یہ تو ابر کو حکم دینے کے لئے ہوتی ہے کہ رُو! یعنی آنسو بہا۔ انسانی عقل کی کوند بھی اسی لئے ہے کہ انسان عشقِ الٰہی میں روئے کیونکہ اسی سے فنا کا مقام حاصل ہوتا ہے۔ عقلِ ناقص بچہ کی عقل کی طرح کی سی ہے۔ وہ عقل بچے کو یہ بتاتی ہے کہ مکتب میں جا لیکن وہ عقل اُسے تعلیم نہیں دے سکتی۔ بیمار انسان کی عقل اُسے طبیب کے پاس جانے پر مجبور کرتی ہے لیکن اُس کے لئے دوا تجویز نہیں کر سکتی۔ اِسی طرح عوام کی عقل اُن کو نبی اور ولی تک پہنچا سکتی ہے لیکن اَسرار کا سکھانا اُس نبی اور ولی ہی کا کام ہے۔

شیاطین براہِ راست اَسرار معلوم کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو اُن کو شہابِ ثاقب مار گراتے ہیں اور اُن کو حکم ملتا

هر چه آید از جهانِ غیب وَش ۔ در دلت ضیفست اُو را دار خوش

غیب کے جہان سے جو کچھ بھی آئے ۔ وہ تیرا مہمان ہے، اُسے خوش رکھ

ہے کہ اَسرار کی تعلیم نبی سے حاصل کرو۔ اَسرار حاصل کرنے کا راستہ صرف نبی اور ولی کی ذات ہی ہے۔ دروازے سے داخل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ دروازے پر جاکر کنڈی بجا اور کھڑا رہ، جب اجازت ملے تو اندر جا۔ کہہ دیا گیا ہے کہ آسمانوں کا طویل راستہ طے کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم نے ایک خاکی کو نبی بنا کر اَسرار بتا دیئے ہیں اُس سے جا کر سیکھو۔ یہ نبی یا ولی تمہاری خاک سے سبزہ اُگا دے گا جو مُردوں میں جان ڈال دیتا ہے۔ اگر تم اولیاء رحمہم اللہ کی صحبت دیانتداری سے اختیار کرو گے تو وہ پردہ ہٹ جائے گا جو غیبی چیزیں دیکھنے کی راہ میں رکاوٹ ہے۔ باز جب تک مالک سے مانوس نہیں ہوتا اُس کے سر پر ٹوپی اُڑھائی جاتی ہے تا کہ اُس کا میلان دوسرے بازوں سے ہٹ کر مالک کی طرف ہو جائے۔ جب انسان کا دنیاوی چیزوں کی طرف میلان ختم ہو جاتا ہے تو اُس کا پردہ ہٹا دیا جاتا ہے جیسے باز کی ٹوپی ہٹا دی گئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے شیطان کو اسی لئے مار کر بھگا دیا کہ ناقص عقل والے کو مستقل نہیں بننا چاہیے اور خودسَری چھوڑ کر کسی ولی کی شاگردی کرنی چاہیے اور اپنی اِستعداد کو بروئے کار لانا چاہیے۔ ناقص عقل والے کو کسی شیخ کا غلام بننا چاہیے۔ شیطان نے تکبر کیا اور آدم علیہ السلام نے بندگی اختیار کی۔ دونوں کا فرق سمجھ لے کیا نتیجہ نکلا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ آیت

"اے مومنو! پیش قدمی مت کرو اللہ اور اُس کے رسُول کے سامنے اور اللہ سے ڈرو" کا بیان

حکیم سنائی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔

چُوں نبی نیستی ز اُمت باش	جب تُو نبی نہیں ہے، تو اُمتی بن
چُوں کہ سُلطان نہ رعیت باش	جب تُو بادشاہ نہیں ہے، تو رعیت بن
پس رَو خامشا و خامُش باش	تُو خاموشوں کا پیرو اور خاموش بن جا
و ز خودی راہ زحمتی مَتراش	اور خودی سے تکلیف کی راہ اختیار نہ کر

جب تُو نبی نہیں ہے، تو اُمتی بن جب تُو بادشاہ نہیں ہے، تو رعیت بن تُو خاموشوں کا پیرو اور خاموش بن جا مرید کا کام چُپ رہنا اور شیخ کی ہدایت پر عمل کرنا ہے۔ اپنی طرف سے باتیں بنانا اور اپنی بڑائی جتانا تباہی ہے۔ پورا موچی اُس وقت بنتا ہے جب صبر اور محنت سے سیکھتا ہے۔ ورنہ جوتے گانٹھنے والا ہی رہتا ہے۔ دراصل ہماری عقل ہمارے ہُنر سیکھنے کی راہ میں رکاوٹ ہے۔ شیخ بُو علی سینا نے موت کے وقت جب عالمِ آخرت منکشف ہونے لگا تو اقرار کیا

ہیں مگو کیں ماند اندر گردنم خبردار! یہ نہ کہہ یہ میرے گلے کا ہار بن گیا ہے	کو ہم اکنوں باز پرّد در عدم کیونکہ وہ بھی عدم کی طرف پرواز کر جائے گا

کہ ان معاملات میں عقلی گھوڑے دوڑانا بیکار تھا۔ علم کے غرور نے اہل اللہ تک نہ پہنچنے دیا اور میں خیالی سمندر میں غوطے لگاتا رہا۔ یاد رکھ! رُوح کے سمندر میں خود تیرنے کی کوشش بیکار ہے۔ وہاں نوح والی کشتی کی ضرورت ہے۔ اگر شیخ بُوعلی سینا عقلی گھوڑے دوڑانا نہ جانتا تو کسی بزرگ کا ہاتھ پکڑ لیتا۔ آنحضور ﷺ نے اسی لئے فرمایا ہے کہ ''میں دریائے رُوح کی کشتی ہوں۔ اُس کو میرے ذریعے پار کرسکو گے''۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو حضور ﷺ کی بصیرتوں سے فیض یاب تھے اُن کے بارے میں بھی حضور ﷺ نے فرمایا کہ میرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دریائے معرفت کے لئے حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کی طرح ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے کنعان نے اُن کی کشتی میں بیٹھنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ میں پہاڑ پر چڑھ جاؤں گا۔ تو قرآن میں جواب دیا گیا لَا عَاصِمَ الْیَوْمَ ''آج کوئی بچانے والا نہیں ہے''۔

چونکہ آنکھوں پر پردہ ہے اِس لئے اولیاء رحمہم اللہ کی صحبت حقیر اور اپنی عقل بلند نظر آتی ہے۔ یاد رکھ! جبکہ فضلِ خداوندی اُس کے شاملِ حال ہے تو اُس کو حقیر نہ سمجھ۔ اگر تیرا مزاج بھی کنعان کی طرح کا ہے تو تُو میری نصیحت کو نہ سُنے گا۔ ایسے کانوں پر مُہرِ خداوندی لگی ہوئی ہے۔ کسی کی نصیحت اللہ کی مُہر پر سے گزر کر کیسے کان تک پہنچ سکتی ہے۔ میں جو یہ نصیحت کر رہا ہوں اس بنا پر کر رہا ہوں کہ تُو کنعان صفت نہ ہوگا۔ آخر میں اُس ناقص عقل کے ناکارہ ہونے کا اِقرار کرنا پڑے گا۔ اِس لئے آخر کے معاملے کو اب ہی سمجھ لے۔ اہل اللہ کے قدم کی خاک کو سُرمہ بنالے اور سر کے بل گرنے سے بچ جا۔ اہل اللہ کے اِتباع سے تھوڑی سی استعداد والا بھی کامل بن جاتا ہے۔ اُن کی اطاعت پہلے تو ناگوار لگتی ہے لیکن بہت فائدہ مند ہوتی ہے۔ اونٹ کانٹے چباتا ہے تو اُس کی آنکھیں روشن ہو جاتی ہیں۔ اگر تُو یہ ناگواریاں برداشت کرلے گا تو تیرے اندر معرفت کے گُل بوٹے اُگیں گے۔ دل میں صفائی پیدا ہو جائے گی اور نورِ بصیرت حاصل ہو جائے گا۔

خچر اور اُونٹ کا قصّہ

خچر نے اونٹ سے کہا کہ میں اکثر اونچے نیچے راستوں پر منہ کے بل گر پڑتا ہوں اور بوجھ میرے سر پر آجاتا ہے۔ ہر توبہ شکن کی مثال اُس خچر کی سی ہے۔ یہ اپنی کمزور رائے کی وجہ سے پھر شیطان کے تابع ہو جاتا ہے۔ وہ توبہ کرتا ہے لیکن شیطان ایک پھونک سے پھر اُس کی توبہ کو توڑ دیتا ہے۔ تُو خود اِس قدر کمزور ہے اور بزرگوں کو ذلیل سمجھتا ہے۔ اونٹ نے جواب دیا: اگرچہ ہر سعادت اللہ کی طرف سے ہوتی ہے لیکن ظاہری وجہ یہ ہے کہ میرا سر بلند ہے اور میری آنکھیں دُور تک دیکھ سکتی ہیں اس لئے میں بھی

فکر آں فکرِ دگر را می چرد	ہر خیالے را خیالے می خورد
اور ایک فکر کو دُوسری فکر چر لیتی ہے	اللہ کے نظام میں ایک خیال دُوسرے خیال کو

نہیں گرتا۔ بلندی سے دُور تک دیکھ لینا انسان کو تکلیف سے بچاتا ہے جس طرح کہ اُس بزرگ (حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ) نے دوسو سال بعد ہونے والے واقعے کو بتا دیا تھا کہ خرقان میں ایک بہت بڑے ولی (حضرت ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ) پیدا ہوں گے۔ کسی ولی کا کشف نہ اختیاری ہے اور نہ تمام اشیاء سے اُس کا تعلق ہوتا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے خواب میں دیکھ لیا تھا کہ چاند اور سورج اُن کو سجدہ کررہے ہیں۔ اصل واقعہ کا ظہور دس سال بعد ہوا جب اُن کے بھائیوں نے اُنہیں سجدہ کیا۔ نورِ خداوندی کے سامنے کوئی آڑ نہیں ہوتی۔ اِس لئے ہر چیز سامنے ہوتی ہے۔

اونٹ نے کہا: میری نظر تیز ہے چونکہ میں حلالی اور پاک نسل سے ہوں جبکہ تیری ولادت غلط طریقے سے ہوئی ہے۔

خچر کا اُونٹ کی پناہ پکڑنا اور اُونٹ کا اُسے نوازنا

خچر نے اونٹ کی باتوں کی تصدیق کی اور رونے لگا اور اونٹ کے پاؤں پڑ کر بولا: میری غلطی معاف فرما دیجئے اور اب تک اطاعت نہ کرنے پر میرا عذر قبول فرما لیجئے۔ اونٹ بولا: اب جبکہ تم نے اپنے عیبوں کا اقرار کرلیا ہے اور مجھ سے دستگیری چاہی ہے تو مصائب سے نجات پا گیا ہے۔ تیرے اقرار کی وجہ یہ ہے کہ تیرے عیب عارضی تھے۔ اصلی اور پکے ہوتے تو کبھی اقرار نہ کرتا۔ حضرت آدم علیہ السلام کی لغزش عارضی تھی۔ اُنہوں نے توبہ کرلی۔ شیطان کی خطا فطری اور پکی تھی اُسے توبہ کی توفیق نہ ہوئی۔ اب جبکہ تُو نے توبہ کرلی ہے تو خودی اور بدعادت سے نجات پا گیا ہے۔ اب تجھے خوش نصیبی کی دولت مل گئی ہے۔ قرآن پاک میں ہے کہ "اے مطمئن نفس! تُو میرے بندوں میں داخل ہو جا اور میری جنت میں داخل ہو جا" تو اللہ کے عباد اور بندوں میں داخل ہو جانا جنت میں داخلے کا سبب ہے۔ انسان اللہ کا عبد اُس وقت بنتا ہے جبکہ اُس کی عبادت کرے۔ جب کوئی دُعا کرتا ہے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ یعنی میری سیدھے راستے پر رہنمائی کر دے تو اللہ تعالیٰ اُس کی دستگیری فرماتا ہے اور اُسے جنت میں داخل کر دیتا ہے۔ پہلے تُو آگ تھا اب نور بن گیا ہے۔

اے ضیاء الحق رحمۃ اللہ علیہ! آپ علوم کے معارف میں اپنا شہد ملا دیں تا کہ اُس میں تغیر نہ آسکے اور وہ اور مزیدار ہو جائے۔ آپ کی تعلیم سے وہ ناقص وجود کامل سے مل جائے گا اور اُسے بقا اور دوام حاصل ہو جائے گا۔ شہد کا خاصہ ہے کہ اُس کے اندر کی چیز تغیر پذیر نہیں ہوتی۔ اے ضیاء الحق! آپ اللہ کے شیر ہیں آپ ذاتِ باری کے حقائق کو بیان کیجئے۔ جو اِن حقائق کے پیاسے نہیں ہیں وہ آپ کے معارف سے واقف نہیں ہیں۔ چوہا شیر کی دھاڑ کو نہیں سمجھتا بڑھیا جانور سمجھتے ہیں۔ اپنے تمام باطنی اَحوال مثنوی میں لکھ ڈالئے۔ آپ کے اَحوال دریائے نیل کی طرح ہیں جو سبطیوں کے

تو نتانی کز خیالے وارہی یہ تمہارے لئے ناممکن ہے کہ کسی خیال سے نجات حاصل کرو	یا بخسپی تا ازاں بیروں جہی سو جاؤ یا کسی طرح اُس خیال سے الگ ہو جاؤ

لئے سیرابی کا ذریعہ اور قبطیوں کے لئے خون تھا۔

ایک قبطی اور سبطی کا قصّہ، دریائے نیل کے بارے میں

ایک قبطی پیاس کی وجہ سے ایک سبطی کے گھر آیا اور بولا کہ موسیٰ علیہ السلام نے جادو کے زور سے ہمارے لئے دریائے نیل کا پانی خون بنا دیا ہے۔ اسی دریا سے اُن کے ساتھی (سبطی) پانی پی رہے ہیں لیکن وہی ہمارے لئے خون بن گیا ہے۔ میں پیاس سے مر رہا ہوں۔ یہ خون صرف ہمارے لئے بدقسمتی یا بقول موسیٰ علیہ السلام بدفطرتی ہے۔ تُو یہ کر کہ اپنے لئے پانی بھر لا میں بھی اُس میں سے پی لوں گا۔ تُو اپنے لئے بھرے گا تو وہ پاک صاف رہے گا خون نہ بنے گا میں تیرا طفیلی بن کر پانی پی لوں گا۔ طفیلی ہر قسم کے فکر سے آزاد ہوتا ہے۔ سبطی نے کہا کہ میں تیری فرمائش پوری کر کے خوشی محسوس کروں گا۔

اُس سبطی نے طشلا نیل کے پانی سے بھرا اور آدھا خود پی گیا اور آدھا قبطی کی طرف جھکایا تو وہ خون تھا۔ پھر سبطی نے اپنی طرف جھکایا تو وہ پانی تھا۔ قبطی کو بہت غصہ آیا کچھ دیر کے بعد جب غصہ ٹھنڈا ہوا تو قبطی نے سبطی سے پوچھا کہ یہ گرہ کیسے کھلے گی۔ سبطی نے کہا کہ یہ پانی صرف متّقی پی سکتے ہیں اور متّقی وہ ہے جو فرعون سے بیزار ہو کر موسیٰ علیہ السلام کی اُمت میں داخل ہو جائے۔ تُو اُن کا اُمتی بن جا اور پانی پی لے۔ کیونکہ خدا کے مقبول بندوں پر تجھے غصہ آتا ہے اس لئے تیری آنکھوں پر تاریکی کے پردے پڑے ہوئے ہیں۔ تیرے پہاڑ جیسے کفر کے ہوتے ہوئے نیل کا پانی پینا ایسا ہی ہے جیسے سوئی کے ناکے میں پہاڑ کو داخل کرنے کی کوشش کی جائے۔ اپنے کفر کے پہاڑ کو توبہ کے ذریعے گھاس کا تنکا بنا دے، پھر سبطیوں کا جام لے کر خوب پانی پی لے۔ تیرا یہ حیلہ کہ میں پانی بھروں اور تُو پی لے غلط ہے۔ اللہ نے جب پانی کو حکم دے دیا ہے کہ وہ قبطی کے لئے خون ہے تو وہ نافرمانی نہیں کر سکتا۔ کافر کے لئے روٹی بھی جو روح کو تقویت دینے کے لئے ہے اپنا کام نہیں کرتی بلکہ اُلٹا اثر دکھاتی ہے۔

اگر مثنوی جیسی کتاب کو بھی تُو بے کار سمجھ کر پڑھے گا تو اس سے کوئی نصیحت حاصل نہ کر سکے گا۔ کیسی ہی دانائی کی بات ہو وہ ناقص انسان کے کان میں نہیں پہنچتی۔ وہ محض اس کو افسانہ سمجھے گا۔ اس کے مغز اور گودے تک نہ پہنچ سکے گا۔ اُس شخص کے لیے مغز کی یہ حالت ہو گی جیسے کوئی معشوق سر اور منہ پر چادر تانے لیٹا ہو۔ تو ظاہر میں اُس کے حسن کو نہ دیکھ سکے گا۔ منکر اپنے تکبر کی وجہ سے شاہنامہ فردوسی، کلیلہ و دمنہ اور مثنوی کو یکساں ہی سمجھتا ہے۔ حقیقت اور مجاز کو انسان جب ہی سمجھتا ہے جب اُس کو بصیرت حاصل ہو۔ وہ انسان جس کی ناک میں سونگھنے کی حس نہ ہو وہ خوشبو کا احساس نہیں کر

فکر زنبور ست و آں خواب تو آب
تیرا خیال تیرا پیچھا کرتی ہوئی شہد کی مکھی کی طرح ہے

چوں شوی بیدار باز آید ذباب
کہ جب پانی سے نکلو گے تو وہ پھر آجائے گی

سکتا۔ محض جی بہلانے کے لئے قرآن کی تلاوت کرنا بھی اپنے آپ کو قرآنی حقائق سے محروم رکھنا ہے۔ انسان اگر محض دل کی پریشانی اور رنج کو دُور کرنے کے لئے قرآن پڑھے تو بھی اُس کے حقائق سے غافل رہتا ہے۔ محض وقت کاٹنے کے لئے تو قرآن اور افسانہ یکساں کام کرتا ہے۔ نیند اور شراب دونوں وسوسوں اور دل کے خیالات کو رفع کرتے ہیں لیکن دونوں میں بہت فرق ہے۔ اگر کوئی شخص قرآن پاک کو کلام اللہ اور رُوحانی کلام سمجھ کر پڑھے تو دل کے وسوسے بالکل زائل ہو جائیں گے اور دل کو باغِ جنت کا راستہ مل جائے گا۔ جو شخص قرآن کے حقائق سے آگاہ ہو جاتا ہے وہ جنت کے باغات اور نہروں کی سیر کرتا ہے۔

جس طرح عوام قرآن کی حقیقت تک نہیں پہنچتے اسی طرح وہ نبی علیہ السلام کے چہرے کی حقیقت سے باخبر نہیں ہوتے ہیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تعجب ہوتا تھا کہ یہ منکر لوگ میرے چہرے کے نور کو جو کہ مشرق کے سورج سے زیادہ منوّر ہے کیوں نہیں دیکھتے ہیں اور میری تعلیمات پر کیوں حیران ہوتے ہیں۔ اِس پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کا چاند اُن سے پوشیدہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کی مثال بدلی کے چاند کی طرح ہے۔ آپ کی جانب وہ چاند ہے اور منکرین کی جانب اُس پر بدلی چھائی ہوئے اور یہ اِس لئے ہے کہ جب وہ اِس سے فائدہ اُٹھانا نہیں چاہتے ہیں تو اُن کو دیدار سے محروم کر دیا گیا ہے۔ قرآن میں بتوں کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ وہ بظاہر دیکھتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں لیکن وہ دیکھ نہیں رہے ہیں۔ یہی حال منکرین کا ہے۔ بُت پرست بُت کی آنکھ کے سامنے اُس کی تعظیم بجالاتا ہے پھر تعجب کرتا ہے کہ اِس قدر تعظیم کرنے کے باوجود یہ بُت میرا کچھ خیال نہیں کرتا۔ یہ دیکھ رہا ہے لیکن مجھے جواب نہیں دیتا' میرے سلام کا بھی جواب نہیں دیتا۔ میرے سجدوں کے جواب میں اگر زبان سے نہیں بولتا تو کم از کم سر کی جنبش سے ہی جواب دے دے۔ ویسے اللہ بھی کسی کے سجدوں کا نہ جواب دیتا ہے نہ سر ہلاتا ہے لیکن دل میں خاص قسم کی تاثیر پیدا کر دیتا ہے' یہ فرق ہے۔ اپنے پوجنے والے کو اللہ وہ مرتبہ عنایت فرما دیتا ہے کہ دُنیا والے اُس کے سامنے سربسجود ہوتے ہیں۔ عبادت گزار کو خدا ایسا ہی کندن بنا دیتا ہے جس طرح پتھر کو سونا بنا دیتا ہے۔ اللہ ماہ نیساں کے اَبر کے ایک قطرے کو موتی بنا دیتا ہے جو سونے سے بھی بڑھ جاتا ہے۔ بُت تراشی اور نقاشی میں ماہرِ فن' چشم و اَبرو پر مختلف تاثرات ظاہر کر دیتے ہیں اور بے وقوف اُسے دلیل سمجھ لیتے ہیں۔

قبطی کا سبطی سے دُعائے خیر اور رہنمائی کی درخواست کرنا

قبطی نے سبطی سے کہا کہ میرے لئے ہدایت کی دُعا کر دے کیونکہ دل

چند زنبورِ خیالی در پَرد خیالات کی مکھیاں انسان کو گھیرے رکھتی ہیں	میکشد ایں سوو آنسو می برد کوئی تمہیں اِس طرف کھینچتی ہے کوئی اُس طرف

کی سیاہی کی وجہ سے میں دُعا والا منہ نہیں رکھتا ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ تیری دُعا سے میرے دل کی گرہ کھل جائے۔ میں مسخ شدہ انسان ہوں۔ اُس نے سبطی کے ہاتھ کو حضرت مریم علیہا السلام کا ہاتھ قرار دیا۔ جس کی برکت سے خشک کھجور پھل دار ہو گئی۔ سبطی، قبطی کی درخواست پر سر بسجود ہو گیا اور دُعائیں کرنے لگا۔ خدا کا بندہ خدا کے سامنے دستِ دُعا دراز کر سکتا ہے، دُعا کی توفیق اور قبولیت اللہ ہی دیتا ہے۔

نہ کس می دھاند نہ کس می دہد
خُدا می دھاند خُدا می دہد

"نہ کوئی دلاتا ہے اور نہ کوئی دیتا ہے۔ اللہ ہی دلاتا ہے اور اللہ ہی دیتا ہے"۔

سبطی تو دُعا میں مصروف تھا اور اُس کی مقبولیت کا اثر یہ ہوا کہ قبطی نعرے مارنے لگا اور سبطی سے بولا: جلدی ایمان پیش کرتا کہ مومن بنوں اور کفر کا زنار کاٹ پھینکوں۔ تیری دوستی نے میری دستگیری کر دی ہے۔ تیری صحبت میرے لئے کیمیا ثابت ہوئی ہے۔ خدا کرے میرے دل کے گھر سے تیرا قدم نہ نکلے۔ تُو جنت کے درخت کی شاخ ہے جس کو میں نے پکڑا اور جنت میں داخل ہو گیا۔ سبطی، قبطی کے پاس پانی کا طشلا لایا اور کہا: اب پانی پی لے۔ اُس نے کہا: اب مجھے اِس پانی کی ضرورت نہیں ہے۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "خدا نے مومنین کی جانوں کو جنت کے بدلے خرید لیا ہے"۔ اب اللہ نے میرے باطن میں چشمے جاری کر دیئے ہیں۔ میرا جگر خشک اور پیاسا تھا اب یہ پانی اُس کے لئے ناچیز ہے کیونکہ قرآن میں اللہ نے فرمایا ہے کہ "وہ اللہ تعالیٰ تمہارے لئے کافی ہے۔ اے اللہ کے بندے!"۔ یہ اللہ کا وعدہ ہے اور وہ سچا ہے تو بلا سبب بھی ہر بہتری پہنچا سکتا ہے جس میں کسی واسطے کی ضرورت نہیں۔ وہ سخت مصائب کو آسان کر سکتا ہے۔ بغیر اُستاد اور کتاب کے علوم عطا کر سکتا ہے اور بغیر روٹی کے پیٹ بھر سکتا ہے۔ بلا لشکر فتح دے سکتا ہے اور بغیر دُعا صحت عطا کر سکتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ نے ایک دل اور ایک لاٹھی دی اور اُس کے ذریعے عالم کو فتح کرا دیا۔ اُن کو ید بیضا بھی عطا ہوا جس کا نور سورج پر بھی غالب تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عصا کو سات سَروں والا سانپ بنا دیا جسے کسی نر و مادہ نے نہیں جنا تھا۔ اللہ اپنی حکمت اور قدرت سے اگر چاہے تو نیل کے پانی کو خون میں تبدیل کر دے۔ وہ چاہے تو خوشی کو ایسا تلخ بنا دے کہ خوشی کا نشان بھی باقی نہ رہے۔ جو کوئی ایمان لے آتا ہے تو فرعون سے بے زار ہو جاتا ہے اور جب موسیٰ علیہ السلام اپنی رحمتوں سمیت آ جاتا ہے تو وہ باطن سے تعلق جوڑ دیتا ہے اور دریا پھر کبھی خون نہیں بنتا۔ قبطی بولا: میرا خیال تو یہ

تھا کہ ایمان لانے کا یہ نتیجہ ہوگا کہ میں نیل کا پانی پی سکوں گا۔ یہ معلوم نہ تھا کہ وہ میرے اندر انقلاب برپا کردے گا اور خود مجھے دریائے نیل بنادے گا۔ اب میں اپنی نظر میں رواں نیل ہوں خواہ مجھے دوسرے ویسا سمجھیں جیسا کہ میں پہلے تھا۔

ایک چیز کی دو نظروں میں دو حقیقتیں ہونا تعجب انگیز بات نہیں ہے۔ کائنات کی چیزوں کو ہم خاموش اور سرکش سمجھتے ہیں لیکن آنحضور ﷺ اُن کو تسبیح پڑھنے والا دیکھتے ہیں۔ اُن کی نگاہ میں تمام کائنات عشقِ الٰہی سے پُر تھی لیکن دوسرے اُسے مردہ سمجھتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک روز میں حضور ﷺ کے ساتھ جارہا تھا کہ جو ڈھیلا، پتھر حضور ﷺ کے سامنے آتا وہ اُنہیں سلام کرتا۔ یہ عجیب پردہ ہے، عوام کچھ نہیں دیکھ سکتے اور نہ سُن سکتے ہیں اور خواص پتھروں کی تسبیح اور ذکر کو سُنتے ہیں۔ ہماری نگاہ کے سامنے ساری قبریں یکساں ہیں، اولیاء رحمہم اللہ کے سامنے باغ اور گڑھے ہیں۔ آنحضور ﷺ کی ایک حالت کو دیکھ کر عوام کہتے ہیں کہ حضور ﷺ تُرش رُو ہوگئے ہیں۔ خواص کہتے ہیں تمہاری نظر میں ایسے ہونگے لیکن ہماری نگاہ سے اُنہیں دیکھو تو اُن میں مسکراہٹیں دیکھو گے۔ اُن پر "ھَلْ اَتٰی" نازل ہوئی ہے۔

اُمرود کے درخت پر چڑھ کر دیکھنے سے چیزیں اُلٹ نظر آتی ہیں، جیسا کہ آئندہ حکایت سے معلوم ہوگا۔ وہ اُمرود کا درخت تیری اپنی ہستی ہے۔ جب تک تُو اُس کو فنا نہیں کرے گا تجھے نئی چیز پرانی نظر آئے گی۔ جب تُو خودی کو چھوڑ دے گا پھر اللہ کے فیض کے اَسرار دیکھ سکے گا۔ جب تُو نیچے آجائے گا تو دیکھے گا ایک دُنیا حسینوں اور پالنے والوں سے بھری پڑی ہے۔

ایک بدکار عورت کا شوہر سے کہنا "اُمرود کے درخت پر سے انسان کو جو خیالات نظر آتے ہیں، نیچے آنے سے دُور ہوجاتے ہیں"

ایک عورت نے یہ چاہا کہ اپنے احمق شوہر کے سامنے اپنے یار سے ملے۔ وہ شوہر سے بولی کہ میں پھل توڑنے کے لئے درخت پر چڑھتی ہوں۔ جب درخت پر چڑھ گئی تو اُوپر سے شوہر کی طرف دیکھ کر رونے لگی اور بولی: اے مفعول مردود! یہ تمہارے اُوپر کون لوٹی پڑا ہے؟ کیا تُو ہیجڑا ہے؟ شوہر بولا: کہیں تیرا سر تو نہیں چکرا رہا۔ یہاں تو میرے سوا کوئی بھی نہیں ہے تُو بہت بے عقل ہوگئی ہے، نیچے آجا۔ وہ نیچے آگئی اور شوہر اُوپر چڑھ گیا تو عورت نے اپنے یار کو بغل میں دبالیا۔ شوہر نے دیکھا تو بولا: اے رنڈی! یہ کون ہے جو بندر کی طرح تیرے اُوپر چڑھ گیا ہے؟ وہ بولی: کوئی بھی نہیں ہے، یہ تیرے امرود کے درخت پر چڑھنے کا اثر ہے، نیچے آکر دیکھ لے کوئی بھی نہیں ہے۔

کمترین آکلانست این خیال
واں دگر ہا راشناسد ذوالجلال

انسان کو کھا جانیوالی چیزوں میں سے کمترین چیز یہ خیالات ہیں
بڑی کھانے والی چیزوں کو اللہ ہی جانتا ہے

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے یہ قصہ جو ایک مذاق ہے محض تعلیم کے لئے سنا دیا ہے تم اس کے ظاہر کو نہ دیکھو اس میں جو نصیحت ہے اس پر نظر کرو۔ جو عقل مند لوگ ہوتے ہیں وہ مذاق کی بات میں سے بھی نصیحت حاصل کر لیتے ہیں۔ کاہل لوگ چاہتے ہیں کہ اُمرود کے درخت پر چڑھیں جو اُن کو صحیح دکھائے یعنی وہ ہستی دیکھ لیں جو فنا کے بعد حاصل ہوتی ہے لیکن وہ اُمرود کا درخت دُور ہے۔ پہلے اپنے اُمرود کے درخت یعنی اپنی خودی اور اپنی ہستی کو چھوڑ دے پھر چل، تب تجھے حاصل ہوگا۔ اُس ہستی کے ہوتے ہوئی تیری نظر خیرہ ہے وہ نظر نہ آئے گا۔ یہ اُمرود کا درخت جس سے غلط نظر آتا ہے یہ تیری خودی اور اِبتدائی وجود ہے۔ جب تُو خودی کے درخت سے اُتر آئے گا تو تیرا خیال، آنکھ اور گفتگو سیدھی ہو جائے گی اور تُو دیکھے گا کہ وہ تیرا درخت بہت سخت تھا اور اُس کا پھیلاؤ بہت تھا۔ تُو خودی چھوڑے گا تو اللہ تعالیٰ اُس درخت کو تبدیل کر دے گا۔ دُعا اور عاجزی کرے گا تو اللہ تیری نظر کو صحیح دیکھنا عطا فرما دے گا۔ صحیح دیکھنا اتنا آسان نہیں ہے۔ اگر آسان ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ دُعا کیوں مانگتے۔ ”اے خدا! ہمیں چیزیں ویسی ہی دکھا جیسی کہ وہ اصلیت میں ہیں“۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دُعا کی کہ اے خدا! ہمیں آسمان اور زمین کا ہر ہر جُز اُسی طرح دکھا جیسا وہ تیرے نزدیک ہے۔

جب انسان کی خودی اور ہستی فنا ہو جائے تو پھر بقا باللہ کی ہستی میسر آ جائے گی۔ اُس کو اِختیار کر لے۔ اب تیرا یہ درخت وہ درخت ہوگا جس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تجلی رَبّ نظر آئی تھی۔ اب آگ اُس پر اُلٹا اثر کرے گی اور اُس کی ہر شاخ اِنِّیْ اَنَا اللّٰہُ کا نعرہ لگائے گی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو درخت سے یہ آواز آتی تھی کہ ”میں بے شک خدا ہوں“۔ اب اُس ہستی کے سایہ میں تیری ساری ضرورتیں پوری ہوں گی۔ یہ خدائی کیمیا ہوتی ہے کہ فانی ہستی کو باقی ہستی بنا دیتی ہے۔ اب یہ خودی اور ہستی ایک دولت ہے، اُس میں خدائی صفات نظر آتی ہیں۔ کجی کو ترک کرنے کے بارے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ کج رَوی کو ترک کر دو۔ اب دُعاؤں کا سہارا نہ لو اور کھل کر فرعون کا مقابلہ شروع کر دو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ہاتھ کا عصا زمین پر ڈال دیا تو اُس کے جلوے نظر آئے۔ اِسی طرح تیرا یہ فانی جسم عصاءِ موسیٰ علیہ السلام ہے اُس کو ترک کر دے پھر جو جسم حاصل ہوگا اُس کے جلوے دیکھنا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا جب تک اُن کے ہاتھ میں تھا ایک لکڑی تھا جب خدائی حکم سے اُسے پھر اُٹھایا تو وہ نگلنے والا اژدھا تھا۔ شروع میں وہ صرف بکریوں کے پتے جھاڑنے کے لئے تھا لیکن اب وہ کافروں کے لئے مُعجزہ بن گیا۔ اَمرِ خداوندی سے جب اُسے ہاتھ میں لیا تو وہ حکمرانی کرنے لگا۔

چوں بہر فکرے کہ خواہی دِل سپُرد | از تو چیزے در نہاں خواہند بُرد
جب تو اپنے دِل کو کسی فکر میں مُبتلا کرے گا | تو وہ تیری اعلیٰ چیز چپکے سے چُرا لیں گے

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خیال کیا تھا کہ اہلِ فرعون کا انجام تو بُرا ہے ہی لہٰذا اُن کو معجزے دکھانے اور راہ راست پر لانے کی کوشش کیوں کی جائے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ نوح علیہ السلام کی طرح اُن کے انجام کے قطع نظر تم تبلیغ کیے جاؤ۔ تم فرمانبردار داعی ہو تمہارا کام تبلیغ کرنا ہے خواہ وہ ایمان نہ لائیں۔ اس کا ایک فائدہ تو یقیناً ہوگا کہ تمہارے اصرار سے اُن کا جھگڑالو پن اور سرکشی واضح ہو جائے گی۔ مخلوق کی پیدائش سے اللہ کا مقصد چھپے ہوئے حالات کو واضح کرنا ہے۔ اس لئے ضرورت ہے کہ انسان کو نصیحت سے اور بہکانے سے جانچا جائے تاکہ اُن کے مخفی حالات ظاہر ہوں۔ شیطان گمراہی پر اصرار کرتا ہے اور شیخِ طریقت بھلائی پر اصرار کرتا ہے اور ہدایت کی طرف بلاتا ہے۔

قبطیوں کا معاملہ سخت ہونا اور فرعون کا موسیٰ علیہ السلام کی سفارش چاہنا

جب قبطیوں کی حالت تباہ ہونے لگی تو فرعون بذاتِ خود حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا۔ خوشامد کرنے لگا اور تعظیم سے پیش آنے لگا۔ کہنے لگا: ہم نے جو کیا وہ بُرا تھا' آپ بُرائی کا بدلہ بُرائی سے نہ دیجئے۔ ہمارا منہ تو اس لائق نہیں ہے کہ آپ سے دُعا کی اِلتجا کریں۔ میں آپ کا فرماں بردار ہوں۔ میں عزت کا عادی ہوں میری سخت پکڑ نہ کیجئے۔ آپ دُعا کیجئے کہ ہماری تکلیفیں دُور ہو جائیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: اے خدا! یہ مجھ کو جو کہ آپ کی ذات پر فریفتہ ہوں یہ دھوکا دے رہا ہے۔ آپ فرمائیں کہ کیا میں اُس کا کہنا مان لوں یا میں بھی اُسے کوئی دھوکا دے دوں تاکہ یہ اچھی طرح سمجھ لے کہ اصل میں ہر سبب کی جڑ خدا ہے۔ ہر مکر و تدبیر کی اصل خدا ہی ہے۔ جو اسباب دنیاوی ہیں اُن کی اصل بھی اللہ ہی ہے۔ اللہ نے جواب میں فرمایا کہ یہ فرعون اس قابل بھی نہیں ہے کہ اُس کے فریب کا جواب فریب سے دیا جائے لیکن آپ اُس کتے کو ہڈی ڈال دیں۔ اپنا عصا ہلا دیں زمین وہ ساری پیداوار اُگل دے گی جو ٹڈیوں نے کھائی ہے۔ عصا کے اثر سے ٹڈیاں بھی مر جائیں گی اور یہ لوگ دیکھ لیں گے کہ اللہ کو ہر چیز کے بدلنے کی قدرت حاصل ہے۔ اللہ کو اسباب کی ضرورت نہیں۔ اسباب تو ایک پردہ ہوتے ہیں۔ کام تو سارے ذاتِ خداوندی کرتی ہے' دُنیادار اُسے اپنی کوشش اور محنت سمجھ لیتے ہیں۔

دُنیادار انسان نہ صبح کو عبادت کرتا ہے نہ منہ ہاتھ دھوتا ہے لیکن نفع کے لئے بازار کی طرف دوڑتا ہے۔ اپنے لقمے کی تلاش میں دوزخ کا لقمہ بنا ہوا ہے۔ یہ خود خوراک کو کھانے والا بھی ہے اور دوزخ کی خوراک بھی ہے۔ اس کی مثال اُس بکری کے بچے کی ہے جو چرتا ہے تو قصائی خوش ہوتا ہے کہ یہ میرے لئے چر رہا ہے۔ یہ سمجھ رہا ہے کہ میں خود کھا رہا ہوں حالانکہ وہ اپنے وجود کو دوزخ کے لئے پال رہا ہے۔ انسان کی اپنی اصل خوراک تو معارفِ الٰہی ہیں جن سے دل قوی ہوتا

تا ز تو چیزے بَرد کاں کہتر ست	پس بداں مشغول شو کاں بہتر ست
تاکہ چور تمہاری کسی گھٹیا چیز کو ہی چُرا سکے	تو کسی اچھے خیال میں مشغول ہو تو بہتر ہے

ہے اور اُس کی شان وشوکت میں اضافہ ہوتا ہے۔ جسمانی غذا رُوحانی غذا کے لئے مانع ہے۔ رُوح کو تاجر سمجھو اور جسم کو ڈاکو۔ تاجر کا مال ڈاکو اُڑا لیتا ہے۔ ڈاکو کے مرنے پر ہی تاجر پُر رونق بنتا ہے۔

انسان کی رُوح اُس کا ہوش اور جسمانی لذتیں اُس کے ہوش گم کرنے والی چیزیں ہیں' سمجھ لو کہ تمام شہوانی لذتیں شراب اور بھنگ کی سی خاصیتیں رکھتی ہیں۔ دُنیا میں صرف شراب اور بھنگ ہی کو بے ہوشی کا سبب نہ سمجھو بلکہ ہر شہوت انسان کے کان' ناک اور آنکھیں بند کر دیتی ہے۔ شیطان شراب نہیں پیتا تھا لیکن تکبر کے نشہ سے مدہوش تھا۔ مست تو اُس کو کہتے ہیں' جو معدُوم کو موجود سمجھ لے اور تانبے اور لوہے کو سونا سمجھ بیٹھے۔ شیطان نے ایک غیر واقعی بات کو واقعہ خیال کیا تو یقیناً وہ بدمست تھا۔ مستی کی حقیقت کا بیان ختم نہ ہونے والا ہے۔ اے موسیٰ! دُعا کر تا کہ گھاس وغیرہ اُگ آئے اور قحط کی صورت ختم ہو۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وہی کیا جس کا اُن کو خدا نے حکم دیا تھا یعنی دُعا کر دی۔ فرعونی جو قحط سے مر رہے تھے لذیذ غذائیں کھانے لگے۔ اُن کے پیٹ بھرے تو وہ پھر سرکش ہو گئے۔ انسان کا نفس بھی فرعون ہے اُس کا پیٹ بھرا تو یہ پھر سرکش ہوا۔ نفس کی آہ وزاری سے دھوکے میں نہ پڑنا چاہیے۔ بھوک میں یہ فرعون کی طرح خوشامد کرنے لگتا ہے۔ اس کی مثال گدھے کی سی ہے اُس پر بوجھ لدا ہوا نہ ہو تو یہ دولتیاں مارتا ہے۔ جونہی پیٹ بھرے یہ اپنی خوشامد بھول جاتا ہے۔

نفس کے بھولنے کی مثال ایسی ہے جیسے کہ انسان سوتے ہی اپنی قیام گاہ کو بھلا دیتا ہے۔ خواب میں دوسرے شہروں کو یاد کرتا ہے اور اپنے کو بھول جاتا ہے۔ اگر رُوح اپنے اصل وطن کو بھول جائے تو اُس پر تعجب نہ کرو۔ اِس دُنیا کی زندگی ایک خواب ہے اور خواب اصلی وطن کو بھلا دیتا ہے۔ خواب میں یہ تجربہ بارہا ہوا ہے۔ اس ہی دُنیا کو قیاس کر لو۔ رُوح نے بہت سے مدارج اور مراتب طے کیے ہیں۔ چونکہ تم نے اپنے قلب کو مصفّٰی نہیں رکھا اس لئے یاد نہیں ہیں۔ اگر تم مجاہدات کے ذریعے اِسے مصفّٰی کر لیتے تو وہ رُوح کے پُرانے واقعات تمہیں دکھا دیتا۔ جب دل صاف ہوتا ہے تو پوشیدہ راز کے سمندر میں غوطہ لگا لیتا ہے اور آغاز وانجام کو آنکھوں سے دیکھ لیتا ہے۔ رُوح نے جو مختلف مقامات پر سکونت کی ہے اب اُن کا بیان سن۔

ابتدائے پیدائش سے آدمی کے مراتب و حالات کا بیان

رُوح پہلے جمادات کے خطے میں رہی پھر ترقی کر کے نباتات کے خطے میں آئی۔ عرصہ دراز تک رُوح خطہ نباتی میں رہی لیکن وہاں اُسے اپنی جمادی حالت کبھی یاد نہیں آئی۔ اُس کے بعد یہ نباتاتی خطے

فکرِ ما تیرے ست از ہُو در ہوا
ہمارا خیال ایک تیر ہے جو اللہ کی جانب ہوا میں ہے

در ہوا کے پاید آید تا خُدا
ہوا میں کب تک ٹھہرے آخر خُدا کی طرف لوٹتا ہے

سے حیوانی خطے میں آئی تو اُسے اپنی نباتاتی زندگی یاد نہ رہی۔ ہاں اس قدر تو ہے کہ رُوح موسمِ بہار میں پودوں کے پھولنے کے وقت یہ اُس کی طرف میلان کرتی ہے۔ یہ اُس کی نباتاتی زندگی کی یاد ہی کا اثر ہے۔ بچّہ اپنی ماں کے دودھ کی طرف مائل ہوتا ہے لیکن یہ نہیں سمجھتا ہے کہ اُس کے پیٹ میں رہ چکا ہے۔ نئے مرید کو شیخ کی طرف میلان ہوتا ہے لیکن وہ اس میلان کا سبب نہیں سمجھتا۔ وجہ یہ ہے کہ مرید کی عقل شیخ کی عقل کا جزو ہے۔ یہ سایہ ہے اور شیخ، شاخِ گل۔ ایک وقت وہ آئے گا کہ یہ مرید فنافی الشیخ کا مقام حاصل کرے گا تو اپنے میلان کی وجہ سمجھے گا کیونکہ فرع اصل کی طرف مائل ہوا کرتی ہے۔ اگر درخت کی شاخ حرکت نہ کرے تو سایہ حرکت نہیں کرتا۔ پھر اللہ اپنے کرم سے رُوحِ حیوانی کو انسانیت کے مرتبے پر پہنچا دیتا ہے۔

غرض کہ رُوح، اقلیم تا اقلیم سفر کرتی ہوئی اس حالت میں پہنچی کہ وہ صاحبِ عقل ہوگئی ہے۔ رُوح اپنی گزشتہ عقلوں سے غافل ہے۔ پھر اُس کی اس موجودہ عقل سے بھی تبدیلی ہوگی۔ رُوح کو اس دنیاوی حریص عقل کو بھی خیرباد کہنا ہے۔ تب اُس کو لاکھوں عجیب عقلیں حاصل ہو جائیں گی۔ اگرچہ انسان اپنی خواب کی حالت میں اپنے گزشتہ واقعات بھول جاتا ہے لیکن پھر بھی وہ بیدار ہوتا ہے تو خواب کے واقعات کی ہنسی اُڑاتا ہے۔ بیدار ہو کر اُسے تعجب ہوتا ہے کہ میں صحیح واقعات کو کیسے بھول گیا تھا۔ دنیادار جو دُنیا کی زندگی کے خواب میں ہے وہ سمجھتا ہے کہ یہی دراصل زندگی ہے۔ جب موت آتی ہے تو اُس کی آنکھ کھلتی ہے۔ موت کے وقت جب وہ بیدار ہوتا ہے تو دُنیا کے غموں اور تکلیفوں پر ہنستا ہے۔ دُنیا کی زندگی میں جو بُرائی یا اچھائی کی ہوگی وہ قیامت میں سامنے آجائے گی۔ انسان کو اس غلط فہمی میں نہیں رہنا چاہیے کہ اس دنیاوی زندگی کے خواب کی کوئی تعبیر نہیں ہے۔

یہ زندگی جو کہ دراصل خواب ہے اِس کی تعبیر قیامت میں ہر شخص کے سامنے آجائے گی۔ دُنیا میں ظالموں کے ہنسنے کی تعبیر آخرت میں رونا اور چیخنا ہوگا۔ اگر دُنیا میں گریہ زاری کی ہوگی تو آخرت میں اُس کی تعبیر خوشی ہوگی۔ خواب کی تعبیر عموماً اُلٹی ہوتی ہے۔ جو کوئی یوسف علیہ السلام جیسے لوگوں کو دُنیا میں ستائے گا۔ آخرت میں بھیڑیا بن کر اُٹھے گا۔ انسان کی بُری عادتیں آخرت میں بھیڑیے بنیں گی اور خود اُس کے اپنے اعضاء کو پھاڑیں گی۔ اگر کسی انسان کا اُس نے ناحق خون بہایا ہوگا تو وہ خون سوئے گا نہیں بلکہ قیامت میں بدلے کا خواہاں ہوگا۔ اگر دُنیا میں بدلہ لے بھی لیا ہوگا تو آخرت کے عذاب سے پھر بھی نجات نہ ملے گی بلکہ دُنیا کا بدلہ اُس کے مقابلے میں کھیل سمجھا جائے گا۔ قرآن میں دُنیا کی زندگی کو کھیل کود کہا گیا ہے۔ اِس کی وجہ یہی ہے کہ یہاں کا انتقام آخرت کے انتقام کے مقابلے میں کھیل کود ہے۔ دُنیا میں جو

ہر نفس بر دل دگر داغے نہم اور ہر سانس سے دل پر ایک داغ لگ جاتا ہے	ہر زماں دل را دگر میلے دہم میں ہر وقت ایک نئی خواہش دل میں جمالیتا ہوں

بدلہ لیا گیا وہ محض وقتی فتنہ فساد کو ختم کرنے کے لئے لیا گیا ہے۔ اِس دُنیا کے بدلے کی مثال ختنہ کرنا اور آخرت کے بدلے کی مثال خصّی کرنا سمجھو۔ فرعونیوں نے خوب کھانا پینا شروع کر دیا ہے۔ یہ جہنم کے بھیڑیوں کی خوراک بننے والے ہیں۔ وہ بھیڑیے بھوک سے غصّے میں ہیں۔ اُن کو خوب موٹا ہونے دو تاکہ اُن کو اچھی خوراک ملے۔

دوزخ کی مخلوق بھوکی و نالاں ہے اور چاہتی ہے کہ اللہ اُن کی خوراک کو موٹا بنا دے

میرے علم میں ہے کہ وہ بھیڑیے بھوک سے فریاد کر رہے ہیں۔ مجھے اِن کو اُن کی خوراک بنانا ہے۔ آپ علیہ السلام نے اپنی خوش کلامی کی کیمیا سے اُن کو آدمی بنانا چاہا لیکن اُن کے مقدر میں آدمی بننا نہ تھا۔ اُن پر نعمتوں کا لحاف اُڑھا دو تاکہ وہ غفلت کی نیند سو جائیں اور جب اُس سے بیدار ہوں گے تو مجلس ختم ہو چکی ہو گی۔ نہ شمع ہو گی اور نہ ساقی یعنی تم سے اور تمہاری ہدایت سے فائدہ اُٹھانے کا وقت نہ رہے گا۔ اُن کی سرکشی تمہارے لئے حیران کُن تھی۔ اب وہ حسرت کا مزہ چکھیں گے۔ ہمارے انصاف کا تقاضا ہو گا کہ ہم اُن کو اُن کے بُرے اعمال کی بُری سزا دیں۔ ہم اُن کے ساتھ ساتھ تھے لیکن وہ ہمیں دیکھتے نہیں تھے۔

اے انسان! اللہ کی طرح اور بھی چیزیں ہیں جن کو انسان نہیں دیکھ پاتا لیکن وہ اُس کے ساتھ ہوتی ہیں۔ انسان اپنی عقل کو نہیں دیکھ سکتا حالانکہ وہ اُس کے ساتھ ہے۔ تُو عقل کو دیکھنے سے قاصر ہے مگر تیری عقل تجھے دیکھنے سے قاصر نہیں ہے۔ جب نظر نہ آنے والی عقل تیرے ساتھ ہے تو اگر اسی طرح اُس کا خالق خدا تیرے ساتھ ہو تو اُس میں کیا تعجب کی بات ہے۔ انسان غلطی کرتے وقت عقل سے غافل ہو جاتا ہے، پھر عقل اُسے ملامت کرتی ہے۔ عقل کا ملامت کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ تجھ سے اور تیرے کام سے غافل نہ تھی۔ اِس غلط کام کے کرنے کا فعل اِس امر کی دلیل ہے کہ وہ کام کرتے وقت تُو عقل سے بے گانہ تھا۔ تیری عقل حضرتِ حق تعالیٰ کے قرب کو سمجھنے کا ذریعہ ہے۔ مثال سے سمجھ لے۔

اُصطرلاب وہ آلہ ہے، جس سے نجومی چاند، سورج اور ستاروں وغیرہ کے فاصلے معلوم کرتے ہیں۔ یہ تیری عقل کی طرح ہے۔ تیری عقل کا تجھ سے قرب بے کیف ہے۔ یہ شش جہات کا پابند نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ بھی جس کی ذات خود کم و کیف سے بالاتر ہے اُس کا قرب بھی اُن کیفیتوں سے بالاتر ہے۔ جاگتے ہوئے اگر تُو اپنی انگلی کو حرکت دے گا تو انگلی اور اُس کی حرکت میں جو قرب ہے وہ بے کم و کیف ہے۔ انسان کے سوتے میں اُس کی انگلی کو حرکت نہیں ہوتی لیکن

هست زاهد را غمِ پایانِ کار | تا چه باشد حالِ او روزِ شمار
زاہد کو اپنے انجام کا فکر رہتا ہے | کہ قیامت کو اُس کا کیا ہوگا؟

بیداری کے بعد فوراً حرکت آجاتی ہے۔ کوئی نہیں بتا سکتا کہ انگلی میں یہ حرکت کون سی طرف سے آئی ہے۔ آنکھوں کی روشنی کی آمد بھی جہات سے منزہ ہے۔ وہ عالَم جو مادی اور زمانی ہے صرف وہی جانب اور جہت سے متصف ہے۔

عالَمِ اَمر وہ عالم ہے جس کی پیدائش لفظ کُن کہنے سے ہوئی ہے اور وہ مادی یا زمانی نہیں ہے۔ جب عالَمِ اَمر مادہ اور جہت سے منزہ ہے تو حق تعالیٰ جس نے کلمہ کُن فرمایا ہے بدرجہ اولیٰ جہت اور مادہ سے مبرّا ہے۔ عقل بھی بے جہت چیز ہے تو اللہ تعالیٰ جو عقل کی بھی عقل اور جان کی بھی جان ہے کیوں جہت سے پاک نہ ہوگا۔ مخلوق کا خالق سے جو تعلق ہے وہ بھی کیفیت سے بالاتر ہے۔ رُوح مادہ سے پاک ہے لہٰذا اُس میں نہ فصل کی صفت ہے نہ وصل کی لیکن وہ شخص جو نفسانی بیماریوں میں مبتلا ہے وہ پتہ نہیں لگا سکتا۔ اگر انسان مسلسل یہ سوچے گا کہ مجھے ذاتِ خداوندی سے دُوری ہے تو مردانگی کی رگ اُس کو وصل کی طرف لے جائے گی۔ جو عقل محض اِتصال اور انفصال کے تعلق ہی کو سمجھ سکتی ہے وہ اللہ سے مخلوق کے تعلق کا پتہ نہیں بتا سکتی۔ اِسی لئے آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں غور کرو اللہ کی ذات میں غور نہ کرو'' چونکہ ذات کا تصور ناممکن ہے۔ لہٰذا اُس میں تفکر بھی ناممکن ہے۔ ذات میں غور کرنا' ذات میں غور کرنا نہیں ہے بلکہ محض ایک مفروضے پر غور کرنا ہے کیونکہ ذاتِ باری اور مخلوق میں کروڑوں پردے ہیں۔ ذات میں غور کرنے والا اُن میں سے کسی پردے سے وابستہ ہوگیا ہے اور اُسی کو اللہ کی ذات کا عین سمجھ رہا ہے۔ ذاتِ خدا میں مشغولیت نہ ہو اور انسان وہم میں مبتلا ہو تو یہ خدا کے ساتھ بے ادبی ہے جس کی سزا سرنگونی ہے۔ اندھے پن کا یہی مطلب ہے کہ انسان نیچے گر رہا ہو اور سمجھے کہ میں اُوپر چڑھ رہا ہوں۔ مَست کی یہی تعریف ہے کہ وہ اُوپر اور نیچے میں تمیز نہیں کر سکتا یعنی زمین اور آسمان میں فرق محسوس نہیں کر سکتا۔ راہِ مستقیم یہ ہے کہ خدا کی عجیب صنائع میں غور کرنا چاہیے اور اُس کی عظمت اور ہیبت میں گم ہو جانا چاہیے۔ جب اللہ کی کاریگری میں غور کرو گے تو تم پر اپنی حقیقت کھل جائے گی اور خاموشی اِختیار کر لو گے۔

حضرت ذُوالقرنین کا کوہ قاف سے اللہ کی عظمت کے بارے میں دریافت کرنا

ذُوالقرنین بادشاہ کوہ قاف کی طرف گئے۔

ذُوالقرنین نے اُس سے پوچھا: اے عظیم پہاڑ! دوسرے پہاڑوں کی تیرے سامنے کیا حیثیت ہے۔ کوہ قاف بولا: دوسرے پہاڑ میری رگیں ہیں اور جڑیں ہیں اور ساری دُنیا میں پھیلی ہوئی ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ کسی شہر میں زلزلہ نازل فرمانا چاہتا ہے تو مجھے حکم دے دیتا ہے' میں اپنی رگ ہلا دیتا ہوں اور زلزلہ آجاتا ہے۔ رکنے کا حکم دیتا ہے تو میں رگ کو ساکن کر دیتا ہوں۔ اللہ کے احکام میں میری تگ و دو جاری ہے۔ کم عقل لوگ ہمیشہ کسی واقعے کے سبب کو دھیان میں

عارفاں ز آغاز گشتہ ہوش مند
عارف لوگ پہلے ہی سے ہوشیار ہوتے ہیں

از غم و احوالِ آخر فارغ اند
اور اپنے حال کے غم سے فارغ ہو چکے ہیں

رکھتے ہیں لیکن عقل مند کی نظر مُسبّب الاسباب پر ہوتی ہے۔

ایک چیونٹی کا دُوسری عقلمند چیونٹی سے مکالمہ اور اسی طرح خیال کی ترقّی کا بیان

ایک چھوٹی سی چیونٹی نے کاغذ پر قلم کو لکھتے دیکھا اور دوسری چیونٹی سے کہا: دیکھو قلم نے کیا نقش و نگار بنائے ہیں۔ دوسری بولی: یہ قلم کا کام نہیں ہے وہ تو فرع ہے اصل کام اُنگلی کا ہے۔ تیسری چیونٹی نے کہا کہ اُنگلی کی طاقت نہیں کہ ایسے نقش بنائے یہ سب بازو کی طاقت کا کام ہے۔ اُن کی سردار بولی: یہ ہُنر جسم کا نہیں ہے وہ تو نیند اور موت پر بے خبر ہو جاتا ہے۔ جسم تو عقل کے ہاتھ میں لاٹھی کی طرح ہے۔ وہ بے خبر تھی کہ عقل و دل خدا کے حرکت دیے بغیر کچھ کام سرانجام نہیں دے سکتے۔ اگر وہ مہربانی نہ کرے تو ذہین عقل بے وقوفیاں کرنے لگتی ہے۔

حضرت ذُوالقرنین کا پہاڑ سے دوبارہ سوال اور اُس کا اللہ کے عجائب کے بارے میں بیان

اے کوہ قاف! تُو اللہ تعالیٰ کی صفات سے واقف ہے مجھے اُس کی صفات کا بیان سُنا۔ پہاڑ بولا: اُس کا بیان کسی کے بس کی بات نہیں ہے۔ اُس کے اوصاف بیان سے بالاتر ہیں۔ قلم میں بھی طاقت نہیں ہے کہ انہیں تحریر کر سکے۔ کوہ قاف نے پھر بیان شروع کر دیا۔ اُس نے کہا کہ یہ جنگل اتنا وسیع ہے کہ تین سو سال کی مسافت کا ہے۔ اس کو خدا نے برف سے پُر کیا ہے اور اُس پر برف کی تہیں جمتی رہتی ہیں اور اب برف کے پہاڑ بن گئے ہیں۔ اگر اس برف کی ٹھنڈک نہ ہوتی تو دوزخ کی آگ کی گرمی مجھے پھونک دیتی۔ اگر غافلوں کی غفلت کا اثر اُن پر نہ پڑتا تو عارفوں کے دل کا شوق اُن کو جلا ڈالتا۔ غافلوں کی غفلت کا اثر عارفوں پر اور اُن کے دل پر وہی اثر کرتا ہے جو برف کے پہاڑ کوہ قاف پر کرتے ہیں۔ دوزخ کی آتش کی تاثیر جس کا بیان ہوا ہے یہ اللہ کے قہر و غضب کا ذرّہ ہے۔ اُس قہر کی حالت کے باوجود اللہ کے کرم کی ٹھنڈک اس سے بڑھی ہوئی ہے۔ رحمت کی غضب پر یہ سبقت حسی سبقت نہیں ہے بلکہ معنوی سبقت ہے۔ رحمت اور غضب دونوں اللہ کی صفتِ اِرادہ کی صورتیں ہیں اور اِرادہ عین ذاتِ باری تعالیٰ ہے۔ لہٰذا یہاں سابق اور مَسبوق ہونا ایک ہی چیز کی صفت ہے۔ ایک ہی چیز سابق بھی ہو اور مَسبوق بھی۔ اگر یہ تیری سمجھ میں نہیں آیا تو یہ تیری عقل کا نقصان ہے اور انسانوں کو عقل کا تھوڑا سا حصہ ملا ہے۔ جو دُنیا کی آلائشوں میں ہے اُس کی پرواز اعلیٰ علوم کی طرف نہیں ہوتی۔ پرندے کی پرواز صرف فضاؤں میں ہے۔ اِسی طرح ناقص عقل کا حال ہے۔ رحمت اور غضب کے سابق اور

گرچہ آلت نیستت تو می طلب
اگرچہ وسائل نہ ہوں تُو طلب میں لگا رہ

نیست آلت حاجت اندر راہِ رب
رب کی راہ میں وسائل کی ضرورت نہیں ہوتی

مسبوق ہونے کو اگر تو نہیں سمجھ سکا تو اُس کا اِقرار یا انکار نہ کر بلکہ اپنے عجز کا اظہار کر۔ رحمتِ خداوندی دست گیری کرے گی۔ اگر بے سمجھے بوجھے کا اِقرار کرے گا تو یہ تکلف ہے جو جائز نہیں۔ اگر انکار کرے گا تو تجھ پر قہرِ خداوندی نازل ہوگا۔ تو حیرانی اور عجز اِختیار کر، اللہ کی مدد آ جائے گی۔ حیرانی اور عاجزی کی حالت میں تُو ضرور کہے گا کہ اے اللہ! مجھے ہدایت فرما دے۔ حقائق کا سمجھ میں آنا آسان نہیں ہوتا لیکن انسان جب عاجزی کرتا ہے تو اللہ ضرور رحمت فرما دیتا ہے اور حقائق سمجھ میں آ جاتے ہیں۔ کسی حقیقت کی بُری صورت منکر کے لیے ہوتی ہے۔ جب انسان عجز اِختیار کرتا ہے تو وہی بُری صورت بھلی بن جاتی ہے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے جبرائیل علیہ السلام کا اپنے آپ کو اصلی صورت میں ظاہر کرنا

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرائیل علیہ السلام سے کہا کہ مجھے اپنی اصل صورت دکھاؤ۔ جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ حسِ انسان کمزور ہوتی ہے اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُس کی تاب نہ لاسکیں گے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف ہوگی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے اپنی اصل صورت دکھا دو تا کہ میرے جسم کو اپنی حواس کی کمزوری معلوم ہو جائے۔ ہاں انسان کے جسمانی حواس یقیناً کمزور ہوتے ہیں لیکن رُوحِ انسانی نہایت طاقتور اور بڑی مخلوق ہے۔ انسان کے جسم کی مثال لوہے اور پتھر کی سی ہے لیکن اُس کی صفت چقماق کی سی ہے جس میں آگ جیسی قوی مخلوق پوشیدہ ہوتی ہے۔ قوی کا ضعیف سے پیدا ہونا مستبعد نہیں ہے۔ انسان کا بدن چقماق کے ذریعے آگ پیدا کرتا ہے اور وہی آگ انسان کے بدن کو پھونک ڈالتی ہے۔ جسمِ انسان میں ایک وہ ابراہیمی آگ بھی پوشیدہ ہے جو جوش سے اُس آگ کے گرے پر غالب آ جاتی ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمت کو اگرچہ پہلے لوگوں کی پیداوار بتایا اَلْاٰخِرُوْنَ السَّابِقُوْنَ۔ لیکن چونکہ یہ پیداوار اصل سے بڑھی ہوئی ہے۔ اِس لئے اُس کو اُن سے سابق بتایا۔ پتھر اور لوہا ہتھوڑے سے عاجز ہیں لیکن اُن سے جو آگ پیدا ہوتی ہے وہ اَن گنت ہتھوڑوں کو پگھلا کر رکھ دیتی ہے۔ انسان اگرچہ اِس دُنیا اور جہان کی پیداوار ہے لیکن اصل میں بڑھا ہوا ہے۔ انسان کا ظاہری جسم مچھر سے عاجز آ جاتا ہے لیکن اُس کی رُوح ساتوں آسمانوں کو گھیر لیتی ہے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اِصرار پر جبرائیل علیہ السلام اپنی اصل صورت میں نمایاں ہو گئے اور اُن کے ایک پَر نے مشرق و مغرب کو گھیر لیا تو مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم خوف سے بے ہوش ہو گئے۔ جبرائیل علیہ السلام نے اُن کو اپنی بغل میں لیا اور عرض کی کہ خوف اور ہیبت تو منکروں کے لئے ہوتی ہے دوستوں کے لئے تو محبت ہی ہوتی ہے۔ بادشاہ کا رعب و دبدبہ عوام اور خواص سب

گر یکے مورے سلیمانے بجست
اگر ایک چیونٹی بھی سلیمانؑ کی جستجو کرے

منگر اندر جُستنِ اُو سُست سُست
اُس کی اِس جستجو کو حقارت سے نہ دیکھ

کے لئے ہوتا ہے تاکہ عوام تکبر نہ کریں اور شر نہ پھیلے۔ شاہ کی پکڑ دھکڑ ہی کی وجہ سے شہر پُر امن رہتے ہیں لیکن جب بادشاہ اپنی خاص محفل میں ہوتا ہے تو وہاں نہ خوف ہوتا ہے نہ بدلے میں قتل کا ڈر ہوتا ہے۔ وہاں بُردباری ہی بُردباری ہوتی ہے۔ وہاں عیش و عشرت کی محفلوں میں چنگ و رباب ہوتا ہے۔ محاسبہ کی کچہری عوام کے لئے اور خاص محفل میں حسینوں کے ہاتھ میں جام ہوتا ہے۔ اے سخی! اس بات کا خاتمہ نہیں ہے۔ اللہ ہر ایک کی راست روی کو خوب جانتا ہے۔

احمد ﷺ کے اندر کی وہ حس جو چُھپ جانے والی ہے اس وقت مدینہ کی مٹی کے نیچے سو رہی ہے لیکن وہ بڑی مخلوق (حضور ﷺ کی رُوحِ مُبارک) جو صف شکن ہے اللہ تعالیٰ کی خاص مجلس میں ہے۔ تغیر تو جسم کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں باقی رہنے والی رُوح تو ہمیشہ روشن سورج کی طرح ہے۔ رُوح کے لئے تغیر نہیں ہے۔ وہ نہ مشرقی ہے نہ مغربی۔ اُس کا تعلق تو عالم اَمر سے ہے۔ اِس بے ہوشی کا تعلق اُن ﷺ کے جسم سے تھا۔ بیماری اور درد و رنج کا تعلق بھی جسم سے ہے۔ رُوح کے اَوصاف بیان سے باہر ہیں۔ اگر بیان کئے جائیں تو کوئی سُننے کی تاب نہیں لاسکتا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ''میری دونوں آنکھیں سوتی ہیں دل نہیں سوتا ہے''۔ اُن کی رُوحِ مُبارک سوئی ہوئی نہ تھی بلکہ اُس پر جسم کی حفاظت کے لیے ایک غیر اختیاری تغافل طاری ہوا۔ آنحضور ﷺ کے بے ہوش ہو جانے سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ جبرائیل علیہ السلام، حضور ﷺ سے افضل ہیں کیونکہ اگر وہ کبھی اپنے رُوحانی پَروں کو پھیلا دیں تو جبرائیل علیہ السلام ہمیشہ کے لئے بے ہوش ہو جائیں۔ معراج میں جبرائیل علیہ السلام، حضور ﷺ کا ساتھ نہ دے سکے اور کہا کہ آگے میرے پَر جل جائیں گے۔ حضور ﷺ کی سیر آگے تک ہوئی۔ حیرت ہے جبرائیل علیہ السلام نے حضور ﷺ کے ساتھ جانے سے پَر جل جانے کا عذر کیوں کیا؟ جبرائیل علیہ السلام کو اُن کے ساتھ جانا چاہیے تھا خواہ اُن کے پَر جل جاتے یا جان چلی جاتی۔ یہ ناسُوتی موت تو ایک کھیل ہے۔

اے حُسام الدین رحمۃ اللہ علیہ! عوام کی عقلیں اُلٹی ہیں۔ ہماری یہ سب باتیں اُن کو اُلٹی نظر آتی ہیں کیونکہ یہ لوگ ناسُوتی ہیں۔ آپ اِن میں عارضی طور پر ہیں، اِن کی عقل کے مطابق باتیں کرتے رہیں۔ آپ کا وطن تو عالمِ آخرت ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم تھا کہ وہ فرعونیوں سے نرم باتیں کریں۔ مخالفوں سے سخت بات کرنے میں بات بگڑ جاتی ہے۔ نرمی سے بات کیجئے لیکن صحیح بات کیجئے، اُن کا دل رکھنے کو غلط بیانی نہ کریں۔ آپ رُوحانی نصیحت کریں جس میں لفظوں کی ضرورت نہیں ہوتی۔ مثنوی کے مضامین اور علوم جو انگورستان کی مثل ہیں اِس میں وہ باتیں نہ کریں جو عوام کے لئے حجاب بن جائیں۔ جب یہ لوگ دُنیا کی آلائشوں سے پاک ہو جائیں گے تب یہ مثنوی اُن کے لئے مُفید ہوگی۔ مثنوی میں اگرچہ الفاظ میرے ہیں لیکن معانی تمہارے عطا کردہ ہیں۔ یہ بھی میری غلطی ہے بلکہ الفاظ اور معنیٰ دونوں

ہر چہ داری تو زمال و پیشہٗ
جو مال و طاقت اب تُو رکھتا ہے

نے طلب بود اول و اندیشہٗ
کیا تُو نے ابتدا میں اُس کی طلب اور فکر نہیں کی

تمہارے عطا کردہ ہیں۔ آپ عند اللہ محمود ہیں۔ خدا کرے کہ دُنیا میں بھی آپ محمود رہیں اور لوگ آپ کے قائل ہو کر آپ سے مستفید ہوں اور یہ ناسُوتی لوگ آپ جیسے ملکوتی سے گھل مل جائیں۔ جب یہ لوگ رُوحانی بن جائیں گے تو سب دوئی ختم ہو جائے گی۔

دنیا میں اِتحاد اور تفرقہ کا سبب رُوحوں کا اِتحاد اور تنافر ہے۔ جب رُوحوں میں اِتحاد ہوتا ہے تو دُنیا میں ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کی طرح لوگ شیر و شکر ہو جاتے ہیں۔ اگر تھوڑی سی پہچان کے بعد اُن میں اَجنبیت آ جاتی ہے تو وہ پردہ اور حجاب بن جاتی ہے۔ اِسی وجہ سے منکروں کی رُوحوں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ پہچانا۔ سورۃ لَمْ یَکُنْ پڑھ لے۔ ہمارے بیان کی تصدیق ہو جائے گی۔ وہ اوّلاً پہچانتے تھے بعد میں منکر ہو گئے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے قبل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف ہر یہودی و نصرانی کا تعویذ بنی ہوئی تھی۔ وہ کہتے تھے کہ ایک نبی آئے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تصور سے اُن کے دل تڑپتے تھے۔ اللہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی دُعائیں کرتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تصور ہر وقت اُن کے ساتھ رہتا تھا۔ اُنہوں نے اُن صلی اللہ علیہ وسلم کی خیالی تصویر بنا رکھی تھی۔ ایک دیوار کی دو رُخی اُس کا عیب ہے۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح تصویر دیوار پر پڑ جائے تو وہ بھی اپنے بے رُخی چھوڑ دے۔

قرآن پاک میں ہے کہ "جب وہ چیز اُن کے پاس آئی جس کو وہ جان چکے ہیں تو اُس کا کفر کرنے لگے"۔ وہ کافر کھوٹا سکہ تھے۔ جب اُن پر ایمان کی گرمی پڑی وہ اور کالے ہو گئے۔ کھوٹوں اور مُنافقوں کے دل میں اہل اللہ کی محبت نہیں ہوتی۔ کھوٹا کسوٹی کے شوق کی شیخی مارتا ہے تاکہ دوسروں کو شک میں مبتلا کر دے اور وہ سمجھیں کہ اگر یہ کھرا نہ ہوتا تو کسوٹی کا شوق کیوں ظاہر کرتا لیکن ایسے شکوک میں نااہل مبتلا ہوتے ہیں۔ اُن نااہلوں کو یہ سمجھنا چاہیے کہ وہ کھوٹا کسوٹی چاہتا ہے لیکن جھوٹی کسوٹی چاہتا ہے جس سے اُس کا عیب نہ ظاہر ہو سکے۔ یہ کلام تو اِس قدر دراز ہے کہ قیامت تک بھی ختم نہ ہو گا' اِس لئے اسے ختم کر دینا چاہیے۔ اتنی بات اور سُن لو کہ جو کسوٹی عیب کو چُھپائے وہ نہ کسوٹی ہے اور نہ اُس میں پہچاننے کا نور ہے۔ جو آئینہ چہرہ کا عیب چُھپائے وہ آئینہ نہیں ہے وہ مُنافق ہے' ایسے آئینے کی ہرگز جستجو نہ کرو۔ وہ آئینہ تلاش کر جو چہرہ صحیح دکھا دے۔ ایسا آئینہ تیرا شیخ ہے۔ اُس کے ذریعے تجھے خدا خود ایسا آئینہ بنا دے گا کہ اُس میں عرش آسمان کی طرح نظر آنے لگے گا۔ عرش اور آسمان تو کیا اُس آئینے میں تجھے خدا کی تجلیات نظر آنے لگیں گی' سمجھ لے!

دفترِ چہارم ختم شُد

ہر کہ چیزے جُست بیشک یافت اُو	چوں بجِدّ اندر طلب بشتافت اُو
جس نے جس چیز کی طرف جِدّ و جُہد کی	محنت سے وہ چیز ضرور مل جاتی ہے

انوار العلوم

ہر چہ پیدا کرد بہرِ معنی ست
اُس نے جو کچھ پیدا کیا ہے حکمت سے پیدا کیا ہے

باطنش بنگر بریں ظاہر مایست
اُس کے باطن کو دیکھ، ظاہر پر نہ ٹھہر جا

•

فرق آنگہ باشد از حق و مجاز
حقیقت اور مجاز کا فرق تجھے تب معلوم ہو گا

کت کند کحلِ عنایت چشم باز
جب اللہ کی مہربانی کا سُرمہ تیری آنکھیں کھولے

•

ورنہ پُشک و مُشک پیشِ اخشمے
ورنہ مینگنی اور مُشک بیکار ناک والے کے لئے

ہر دُو یکسانست چوں نبود شمے
برابر ہیں، اگر تُو سونگھنے کی طاقت نہیں رکھتا

•

نیست باطل ہر چہ یزداں آفرید
جو کچھ اللہ نے پیدا کیا ہے فضول نہیں ہے

از غضب وز حِلم وز نُصح و مکید
غُصّہ، بُردباری، خلوص اور مکر

•

خیرِ مطلق نیست زینہا ہیچ چیز
اِن میں کوئی چیز مطلقاً خیر نہیں ہے

شرِّ مطلق نیست زینہا ہیچ نیز
اور اِن میں سے کوئی چیز مطلقاً شر بھی نہیں

•

جانور فربہ شود لیک از علف
جانور چارے سے موٹا ہوتا ہے

آدمی فربہ ز عزّت و شرف
لیکن آدمی دُنیاوی عزّت و شرف سے موٹا ہوتا ہے

بر زباں تسبیح و دل گاؤ خر
زبان پر اللہ اللہ اور دل میں بیل یا گدھا تو

ایں چنیں تسبیح کے دارد اثر
تو ایسی تسبیح کا کیا اثر ہو گا

مثنوی مولوی معنوی
ہست قرآں در زبان پہلوی
(جامی)

انوار العلوم

اُردو نثر

مثنوی مولانا روم علیہ رحمۃ اللہ

مصنف

سلطان العارفین بحرِ رموزِ حقائق خزانۂ علم و حکمت دانائے عشق و معرفت

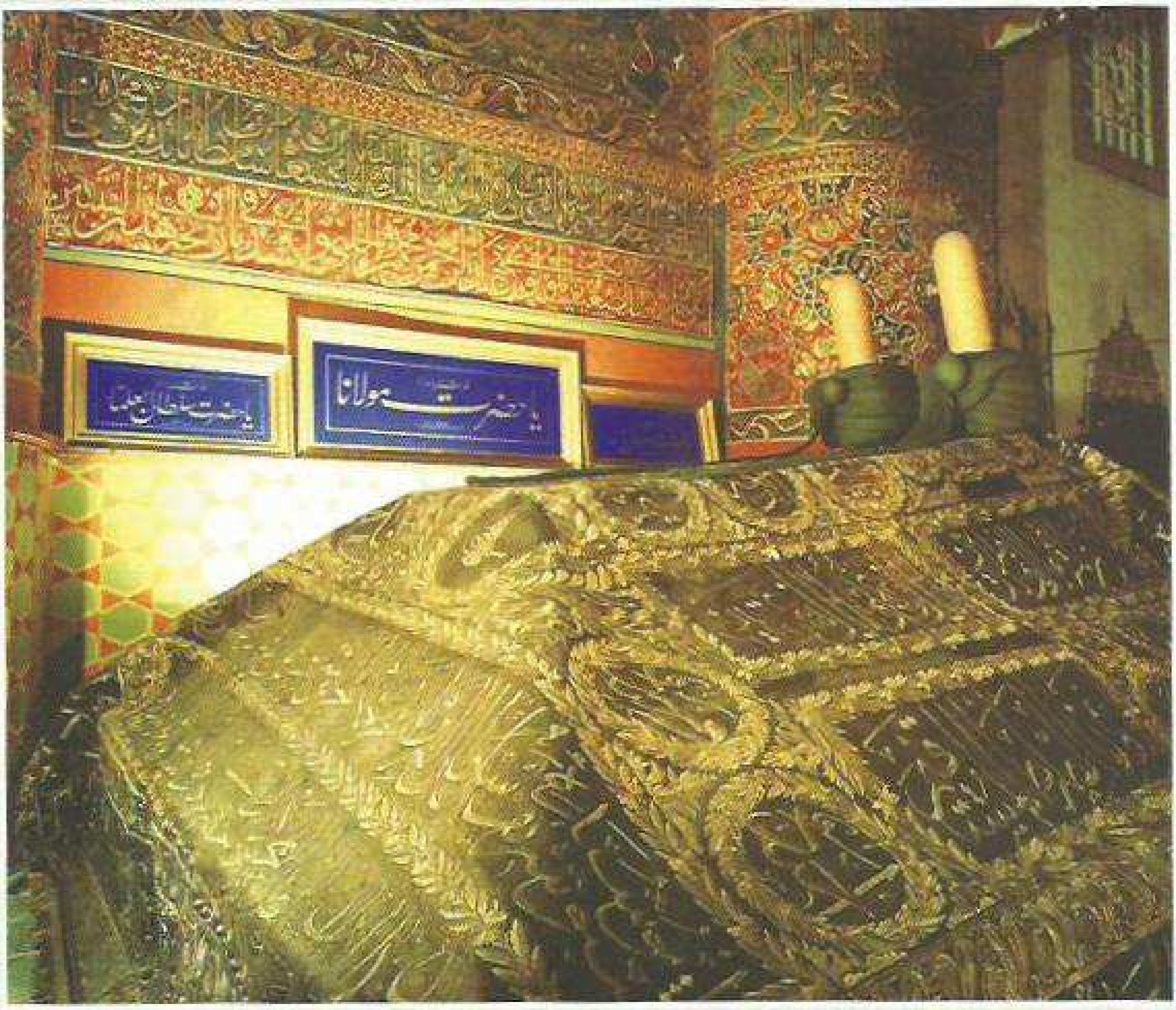
حضرت مولانا جلال الدین محمد بلخی رحمۃ اللہ علیہ

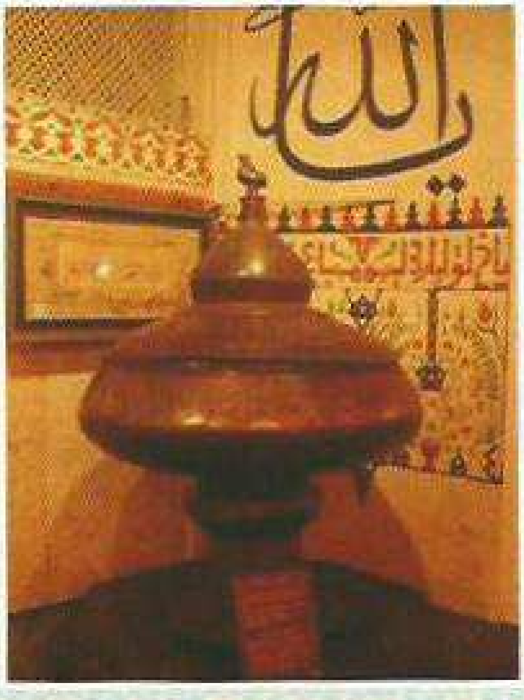
المعروف بہ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ

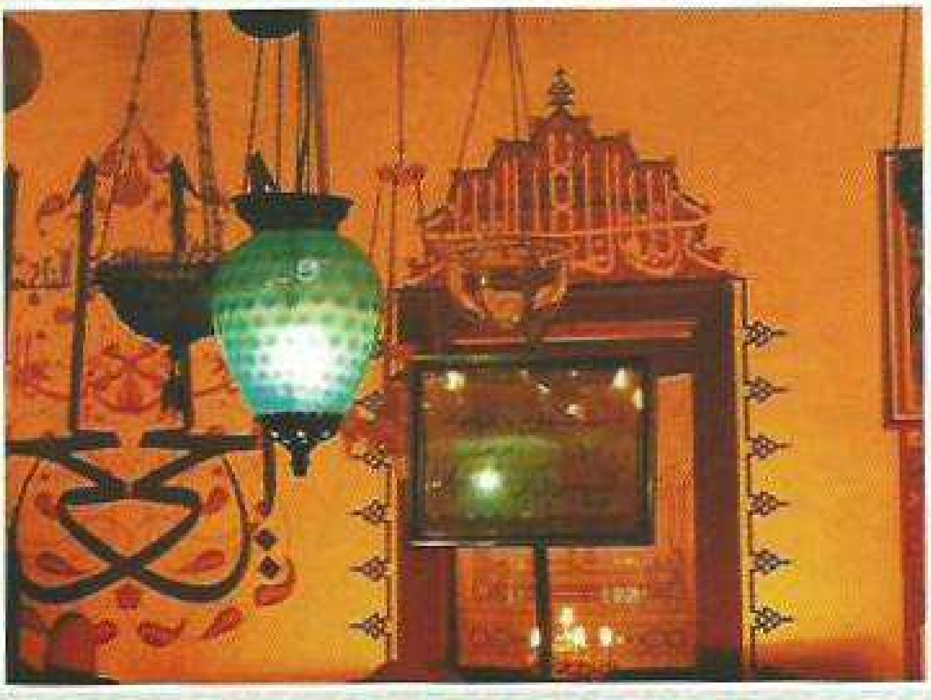
مترجم:
محمد عالم امیری

دفتر پنجم

604-A







حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کے مزار اقدس کے اندرونی مناظر

فہرست دفترِ پنجم

بر زباں تسبیح و دِل گاؤ خر
زبان پر اللہ اللہ اور دل میں بیل یا گدھا تو

ایں چنیں تسبیح کے دارد اثر
تو ایسی تسبیح کا کیا اثر ہو گا

ہیں مباش اے خواجہ یکدم بے طلب
اے خواجہ! کسی وقت بھی جستجو سے نہ ہٹ

تا بیابی ہر چہ خواہی بے تعب
تاکہ جو تو چاہتا ہے بغیر مشقت حاصل کرلے

عاقبت جوینده یابنده بود
جستجو کرنے والا آخر کار پالینے والا ہوتا ہے

چونکہ در خدمت شتابنده بود
کیونکہ مطلوب حاصل کرنے کیلئے دوڑتا ہے

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر

آفتاب و ماہ و ایں استارگاں
سُورج، چاند اور یہ ستارے

جز بحاجت کے پدید آمد عیاں
ضرورت کے بغیر کب نودار ہوتے ہیں

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر

پس بیفزا حاجت اے محتاج زُود
پس اے محتاج! تُو اپنی حاجت کو بڑھا

تا بجوشد از کرم دریائے جُود
تاکہ عطا کا سمندر جوش میں آئے

ہر کہ جویا شد بیابد عاقبت
ہو جستجو کرتا رہا وہ پا لیتا ہے

مایہ اش دَرد ست اصلِ مرحمت
اُس کا اصل سرمایہ اُس کا دَرد ہے

ہر کجا دردے دوا آنجا رود
جہاں درد ہوتا ہے، دوا وہاں پہنچتی ہے

ہر کجا فقرے نوا آنجا رود
جہاں فقر ہوتا ہے نعمت بھی وہیں آتی ہے

ہر کجا مشکل جواب آنجا رود
جہاں اشکال ہو اُس کا جواب بھی وہیں آتا ہے

ہر کجا کشتے ست آب آنجا رود
جہاں کھیتی ہو تو پانی وہیں پہنچتا ہے

اِبتداد فترِ پنجم

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شاہ ضیاء الحق حُسام الدین ﷫ کا مطالبہ ہے کہ مثنوی کا پانچواں دفتر شروع کر دیا جائے۔ اے ضیاء الحق ﷫! اگر مخلوق مجوب نہ ہوتی اور اُن میں سننے کی اہلیت ہوتی تو میں آپ کی تعریف کا حق ادا کر دیتا اور اس کے علاوہ اور کوئی بات نہ کرتا۔ عوام کے سامنے حُسام الدین ﷫ کی تعریف کرنا ایسا ہی ہے جیسے باز کی خوراک مولے کو کھلائی جائے۔ دُنیا کے قیدیوں کے سامنے تیری تعریف کرنا ظلم ہے ہاں کبھی رُوحانیوں کے مجمع میں کہوں گا۔ اُسے عشق کے راز کی طرح دل میں رکھتا ہوں۔ اس لئے اے حُسام الدین ﷫! جو آپ سے حسد رکھتا ہے آپ اُسے معاف کر دیں کیونکہ اُس کے حسد کرنے سے آپ کو تو نہیں لیکن اُسے ضرور نقصان ہوگا۔ سورج کے حاسد نہ اُس کا نور گھٹا سکتے ہیں اور نہ اُس کا رُتبہ کم کر سکتے ہیں۔ آپ کا رُتبہ تمام عقول سے بالاتر ہے۔ گو حُسام الدین ﷫ کی تعریف پوری طرح کرنا ناممکن ہے لیکن پھر بھی عاجزانہ کوشش ضرور کرنی چاہیے۔

انسان بارش کا تمام پانی نہیں پی سکتا لیکن تھوڑا سا تو ضرور پی لیتا ہے۔ کچھ سیرابی ہو جائے یہ بھی غنیمت ہے۔ اگرچہ عوام کے سامنے اُن کی تعریف اُن کی اصل تعریف کا مغز نہیں بلکہ چھلکا ہے لیکن عوام کے لئے اس میں بھی بے شمار فوائد ہیں۔ میں اُن کے سامنے آپ کی معمولی تعریف اس لئے کر رہا ہوں تا کہ وہ حقیقی تعریف تک رسائی حاصل کر لیں۔ تیری ذات کے ذریعے مخلوق وہم و گمان سے گزر کر یقین حاصل کر سکتی ہے۔ مرید صرف اُسی وقت فیض حاصل کر سکتا ہے جب کہ اُس کے دل میں شیخ کی عظمت ہو۔ فیض حاصل کرنے کے لئے استعداد اور کوشش ضروری ہے۔ چوہا اندھیرے کو پسند کرتا ہے۔ جن کے دلوں میں دین کی جانب سے تاریکی ہوتی ہے اُن کے لئے علمی موشگافیاں حقیقت تک پہنچنے سے مانع ہوتی ہیں۔ جو لوگ چوہے کی طرح زمین دوز سوراخوں میں رہنے کے عادی ہوں وہ کھجور کی طرح پھل کیسے دیں گے۔

آب کم جُو تشنگی آور بدست پانی کی تلاش نہ کر، اپنی پیاس کو بڑھا	تا بجوشد آبت از بالا و پست تاکہ تیرے اُوپر اور نیچے سے پانی جوش مارے

"پکڑ لے چار پرندے پھر اُن کو بُلا" کی آخر آیت کی تفسیر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے فرمایا گیا کہ اگر تجھے ہماری صفت زندہ کرنے اور مارنے میں شک ہے تو چار پرندوں کو ذبح کر ڈال۔ یہ چار پرند بطخ، مور، کوا اور مرغ تھے۔ اِن چاروں پرندوں سے انسان کی چار بُری صفات مراد ہیں جو کہ انسان کے لئے حقیقت بینی سے مانع ہیں۔ اِن صفات کا اگر انسان ازالہ کر دے تو حقیقت بین بن جاتا ہے۔ بطخ سے مراد حرص، مور سے مراد حُبِّ جاہ' کوے سے مراد تمنا اور مرغ سے مراد شہوت ہے۔ اگر انسان حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح حقیقت بین بننا چاہتا ہے تو اُس کو اپنی ان چاروں صفتوں کو مٹا دینا چاہیے۔ یہ چاروں صفتیں کوے کی خاصیت رکھتی ہیں۔ کوا سب سے پہلے مُردے کی آنکھ نکالتا ہے۔ یہ صفت بھی انسان کو اندھا کر دیتی ہے۔

اے حُسام الدین رحمۃ اللہ علیہ! لوگوں میں سے یہ صفاتِ ذمیمہ دُور کر دیجئے تاکہ اُن کو سلوک میں سیر حاصل ہو جائے۔ مرید شیخ کے اجزاء کی طرح ہوتے ہیں۔ آپ مجموعہ ہیں اور لوگ آپ کے اجزاء ہیں اور آپ کی وجہ سے یہ دنیا عالمِ اَرواح بنی ہوئی ہے۔ آپ یہ چاروں عادتیں ختم کر دیں تو اُن کے ازالے کے بعد ابدی زندگی نصیب ہو جائے گی۔ اِن عادتوں کی مضرت سے بچ جاؤ۔ یہ ختم ہو جائیں گی تو آپ دلوں کے حاکم بن جائیں گے اور اِس طرح خلافتِ الٰہی کے مستحق ہوں گے۔

آرزومند کی ہمیشہ خواہش ہوتی ہے کہ اُس کو دنیوی زندگی ہمیشہ کے لئے حاصل ہو جائے۔ قرآن میں سے اُنہوں نے صرف "تم کھاؤ" یعنی "کُلُوا" کا سبق ہی پڑھا ہے۔ وہ زیادہ سے زیادہ مال جمع کرنے کی کوشش میں رہتا ہے اور اُسے اپنے خدا پر بھروسہ نہیں ہوتا۔ مردِ مومن چونکہ اُخروی زندگی کا عقیدہ رکھتا ہے اِس لئے اُس میں جمع کرنے کی خواہش نہیں ہوتی۔ اُس کو اطمینان ہوتا ہے کہ اُس کا خدا اُس کے دشمن پر غالب ہے۔ اُسے دوسرے مومنوں کی طرف سے بھی اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ وہ ہمیشہ خدائی انصاف پر یقین رکھتا ہے۔ وہ اِس بات پر بھی یقین رکھتا ہے کہ اُس کا مقدر کوئی نہیں چھین سکتا۔ وہ اپنی ضرورت پر دوسروں کو ترجیح دینے والا ہوتا ہے۔ حدیث مبارک ہے کہ "حلم اور بُردباری اللہ کی طرف سے ہے اور جلد بازی شیطان کی طرف سے"۔ قرآن میں ہے "شیطان تمہیں فقر سے ڈراتا ہے"۔ وہ فقر سے اِس لئے ڈراتا ہے کہ انسان کھانے میں حرام سے پرہیز نہ کرے۔ کافر میں نہ مروت ہوتی ہے نہ بُردباری اور نہ وہ ثواب کا مستحق ہوتا ہے۔

صبر تلخ آمد و لیکن عاقبت
صبر، کڑوا ہوتا ہے لیکن بالآخر

میوهٔ شیریں دہد پُر منفعت
میٹھا اور مفید پھل دیتا ہے

حدیث "کافر سات انتڑیوں سے کھاتا ہے اور مومن ایک سے" کے وارد ہونے کا سبب

کچھ کافر مسجد نبوی میں آنحضور ﷺ کے مہمان ہوئے اور کہا کہ ہم دُور سے آئے ہیں۔ آپ علیہ السلام ہم پر مہربانی فرمائیں۔ حضور ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ اُنہیں تم تقسیم کرلو کیونکہ تم سب محبت سے بھرے ہوئے ہو۔ بادشاہ کی سیرت اُس کے لشکریوں پر اثر انداز ہوتی ہے۔ بادشاہ کو دشمنوں پر غصّہ ہوتا ہے اسی لئے لشکری تلوار چلاتے ہیں۔ بادشاہ اپنے لشکر میں رُوح کی طرح ہوتا ہے۔ آنحضور ﷺ نے فرمایا "لوگ اپنے بادشاہوں کے دین پر ہوتے ہیں"۔ سب دوستوں نے ایک ایک مہمان منتخب کرلیا۔ اُن میں سے ایک بہت پیٹو تھا' خوب موٹا تھا۔ وہ مسجد ہی میں رہ گیا اور مصطفیٰ ﷺ کا مہمان ہوا۔

حضور ﷺ کی سات بکریاں تھیں۔ وہ مہمان اُن سب کا دودھ اور جو کچھ بھی موجود تھا سب کھا گیا۔ گھر میں سب کو بھوکا رہنا پڑا۔ سوتے وقت وہ حجرے میں گیا تو لونڈی نے غصّے سے دروازہ بند کر کے کُنڈی لگادی۔ آدھی رات کے بعد اُس مہمان کے پیٹ میں گڑبڑ شروع ہوئی تو وہ دروازے کی طرف بھاگا لیکن دروازہ نہ کھلا۔ اُس نے قضائے حاجت کو دبانے کی یہ تدبیر کی کہ سوگیا۔ چونکہ اُس کا باطن ویران تھا' اُس نے خواب میں ویرانہ دیکھا تو اُس نے پاخانہ پھر دیا۔ اُس کے دل میں اس نازیبا حرکت سے بہت سی پریشانیاں پیدا ہوگئیں۔ بولا: میرا سونا میری بیداری سے بدتر ہے کہ جاگنے میں زیادہ کھالیا اور سوتے میں بستر پر پاخانہ کردیا۔ کفار محشر کے دن اسی طرح واویلا مچائیں گے۔

آنحضور ﷺ کو مہمان کی اِس حرکت کی کسی طرح خبر ہوگئی۔ اُنہوں نے دروازہ اِس لئے نہ کھولا کہ اُس کو خوب شرمندگی ہو جو اُس کے ایمان لانے کا سبب بن جائے۔ پھر حضور ﷺ خود دروازہ کھول کر چُھپ گئے تاکہ اُس کو مزید شرمندگی نہ ہو' یا اللہ کے دامن نے اُنہیں چُھپا لیا۔ اللہ کبھی نگاہوں پر ایسا پردہ ڈال دیتا ہے کہ انسان اپنے پہلو کے دشمن کو نہیں دیکھ سکتا۔ حضور ﷺ کو اَحوال کا علم ہوگیا تھا لیکن خدائی حکمت تھی کہ دروازہ نہ کھولیں۔ شب میں دروازہ نہ کھولنا بظاہر اُس کے ساتھ دشمنی تھی لیکن اِس میں اُس کے لئے ایک بھلائی چھپی ہوئی تھی۔ جب کافر نے دروازہ کھلا دیکھا تو چپکے سے نکل بھاگا۔ ویسے اُس کے لئے مناسب تو یہ تھا کہ خود اس پاخانے کو دھوتا۔ ایک سادہ لوح صحابی نے آنحضور ﷺ کو بستر دکھا کر کہا کہ دیکھئے کہ آپ ﷺ کے مہمان نے کیا کیا ہے۔ حضور ﷺ مسکرائے اور فرمایا کہ لوٹا پانی کا لے آؤ تاکہ میں اِسے دھودوں۔ ہر صحابی نے مودبانہ عرض کی کہ وہ یہ کام کرتے ہیں کیونکہ حضور ﷺ اُن کے لئے دل وجگر تھے۔ اُنہوں نے عرض کی: اے تیری جان کی قسم (والے)! تجھے اللہ نے عُمر کہا: لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ

ہست مُر ہر صبر را آخر ظفر
ہر صبر کرنے کا انجام آخر کامیابی ہوتا ہے

ہست روزی بعدِ ہر تلخی شکر
اور ہر کڑوے گھونٹ کے بعد شکر ضرور حاصل ہوتی ہے

يَعْمَهُوْنَ "تیری عمر کی قسم وہ اپنی مستی میں اندھے ہو رہے ہیں"۔ اللہ نے حضور ﷺ کی عمر کی قسم کھائی اور قسم ذات وصفاتِ خداوندی کی کھائی جاتی ہے تو گویا آنحضور ﷺ کو اپنی صفت قرار دیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم بولے: ہماری زندگی کا مقصد آپ ﷺ کی خدمت ہے۔ اگر ہم خدمت نہ کریں تو ہماری زندگی بے کار ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ان باتوں کا مجھے یقین ہے لیکن یہ کام میں خود اپنے ہاتھ سے کروں گا کیونکہ اس میں کچھ حکمت پوشیدہ ہے۔ حضور ﷺ اپنے ہاتھوں سے خدائی حکم کے مطابق بستر دھو رہے تھے۔ وہ مہمان جلدی میں اپنی مورتی وہاں بھول گیا تھا۔ اگرچہ وہ بہت شرمندہ تھا لیکن مورتی کی حرص نے اُسے دوبارہ لوٹنے پر مجبور کر دیا۔

وہ واپس آیا تو اُس نے دیکھا کہ حضور ﷺ اپنے ہاتھوں سے اُس کی نجاست دھو رہے ہیں۔ بیعتِ رضوان کے سلسلے میں قرآن میں فرمایا گیا ہے۔ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ "اللہ کا ہاتھ اُن لوگوں کے ہاتھوں کے اُوپر ہے"۔ تو گویا اللہ تعالیٰ نے آنحضور ﷺ کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ قرار دیا۔ وہ مہمان حضور ﷺ کے اِس کریمانہ اخلاق کو دیکھ کر اس قدر متاثر ہوا کہ مورتی کو بھول گیا اور دیوانہ وار اپنا سر دیواروں سے ٹکرانے لگا۔ حضور ﷺ کو اُس کی اس حالت پر ترس آ گیا۔ وہ نعرے مارتا تھا اور کہتا تھا کہ اُن کی مخالفت سے ڈرو۔ وہ کہنے لگا کہ حضور ﷺ کی ذاتِ گرامی مجموعہ عالَم ہے اور خدائی حکم کے تابع ہیں لیکن میں ادنیٰ ساجز و ہو کر ظالم اور سرکش بنا ہوا ہوں۔ وہ ہر لمحہ آسمان کی طرف منہ کر کے کہہ رہا تھا کہ میرا منہ اس لائق نہیں ہے کہ حضور ﷺ کے رُوبرُو ہو۔ حضور ﷺ نے اُس کی بے قراری کو دیکھ کر اُسے سینے سے لگا لیا' اُسے اطمینان دلایا اور نورِ ایمان عطا فرما دیا۔ جب تک اَبر روتا نہیں ہے چمن کب مسکراتا ہے۔ بچہ روتا ہے تو ماں کے اندر دودھ جوش مارتا ہے۔ کیا تُو نہیں جانتا کہ وہ جس نے ماؤں کو دودھ دیا ہے وہ بھی بغیر روئے دودھ نہیں دیتا۔ قرآن میں وہ کہتا ہے: وَلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا "وہ بہت روئیں" رحمتِ خداوندی بغیر آہ وزاری متوجہ نہیں ہوتی ہے۔ اگر عالَم میں سورج کی گرمی اور ابر کا پانی نہ ہو تو اجسام میں نشو ونما نہیں ہوتی۔ انسان کو بھی اپنی رُوح کی نشو ونما کے لئے عقل میں سوزش اور آنکھ میں آنسو درکار ہیں۔ اس طرح جسم کو گھٹاؤ اور رُوح کو بڑھاؤ۔

قرآن میں ہے: وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا "اور اللہ کو قرضِ حسنہ دو" مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قرض کے معنیٰ اللہ کے راستے میں بدن کو گھٹانے کے ہیں۔ جسمانی خوراک کا لالچی نہ بن پھر جنت کی سیر حاصل ہوگی۔ جسم فُضلوں سے خالی ہوگا تو اَسرار و انوار سے پُر ہوگا۔ جسمانی ناپاکی دُور ہوگی تو پاکیزگی حاصل ہوگی۔ قرآن میں ہے "بے شک اللہ چاہتا ہے کہ اے اہلِ بیت! تم سے پلیدی زائل کر دے اور تمہیں بالکل پاک کر دے" شیطان مختلف دنیاوی

صبر گنج ست اے برادر صبر کُن　　تا شفا یابی تو زیں رنج کُہن
اے بھائی! صبر خزانہ ہے تُو صبر کر　　تاکہ تُو اپنے پُرانے غم سے شفا پا لے

چیزوں کے فائدے اور مزے سمجھا کر اُن کے کھانے کی ترغیب دیتا ہے اور کہتا ہے کہ تُو وہ چیز نہ کھائے گا تو کمزور ہو جائے گا یا فلاں چیز کھائے گا تو درد وغم سے نجات مل جائے گی۔ حضرت آدم علیہ السلام سے شیطان نے اِسی طرح کی باتیں کی تھیں۔ وہ انسان کے کان پکڑ کر حرص اور مُضر کمائی کی جانب لے جاتا ہے۔ وہ شبہات اور وسواس کے ذریعے صحیح راستے پر چلنے سے روک دیتا ہے۔ شیطان اپنے ہتھکنڈوں سے بڑے بڑے علماء کا مذاق اُڑوا دیتا ہے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عرب پر نوازش، اُسکی گریہ زاری و شرمندگی پر اُسے تسلی دینا

شیطان کے وار سے بچنے کے لئے اپنی عقل کو اپنے شیخ کی عقل سے وابستہ کر دے اور ہر بات میں اُس سے مشورہ کر لے۔ اُس عرب مہمان کو اُس کی گریہ زاری کی وجہ سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خوب نوازا۔ وہ دیوانہ ہو جانے کے قریب تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کی عقل کو تھاما۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کے منہ پر پانی کا چھڑکاؤ کیا تو وہ ہوش میں آیا اور کہنے لگا کہ مجھے شہادت کا کلمہ پڑھا دیجئے کیونکہ حقیقی معنٰی میں کلمۂ شہادت پڑھ لینے پر انسان دنیا سے نجات پا کر آخرت کا آدمی بن جاتا ہے۔

اَزل میں اللہ نے ہم سے یہ سوال کیا تھا کہ کیا میں تمہارا خدا نہیں؟ تو ہم نے جواب میں کہا "ہاں"۔ اب ہم دنیا میں اِس جواب کے ثبوت کے لئے بھیجے گئے ہیں تا کہ قول اور فعل اِن دو گواہوں کے ذریعے اپنے اُس "ہاں" کے دعوے کو ثابت کریں۔ گواہوں کو قاضی کی عدالت میں خاموش نہیں رہنا چاہیے۔ یہ دنیاوی زندگی قولی اور فعلی گواہی کے لئے ہے۔ اگر گواہ عدالت میں پہنچ کر خاموشی اختیار کرے تو یہ اُس کا جھگڑالو پَن ہے۔ جب تک گواہی نہ دے گا، قاضی کی عدالت میں مقید رہے گا۔ گواہی دینا تھوڑی دیر کا کام ہے۔ اِس معاملے کو لمبا نہ کر۔

نماز، روزہ، حج اور تمام ظاہری اعمال باطنی نُور کے گواہ ہیں

ارکانِ اسلام پر عمل، اعتقاد پر عملی گواہی ہے۔ اگر میزبان مہمان کی خاطر تواضع کرتا ہے تو یہ اِس بات کی گواہی ہے کہ وہ مہمان سے خوش ہے۔ کسی کو تحفہ دینا بھی اِس بات کی گواہی ہے کہ تُو اُس سے خوش ہے۔ اگر کوئی شخص مال خرچ کرتا ہے یا دُعا دیتا ہے تو اِس بات پر گواہ ہے کہ اُس شخص میں تقوٰی کا جوہر موجود ہے یا وہ سخی ہے۔ روزہ اِس بات کا گواہ ہے کہ اُس نے خدا کے حکم کے مطابق حلال کھانے کو بھی ترک کر دیا ہے تو پھر وہ حرام کیسے کھا سکتا ہے۔ زکوٰۃ اِس بات کی گواہ ہے کہ جب وہ اپنا مال خرچ کر رہا ہے تو وہ کسی دین دار کا مال کیسے چُرا سکتا ہے۔

صبر تلخ ست و بر او شکر ست
صبر کڑوا ہوتا ہے لیکن اُس کا پھل میٹھا ہے

صبر مُوئے کشفِ ہر سِر رہبر ست
صبر ہر راز کے کُھلنے کا راہبر ہے

اگر زکوٰۃ اور روزے میں ریا وغیرہ کو داخل کرے گا تو یہ دونوں گواہ اللہ کے دربار میں عدالت سے گر کر مجروح ہو جائیں گے۔ شکاری پرندوں کو پکڑنے کے لئے دانہ ڈالتا ہے لیکن یہ سخاوت نہیں ہے۔ بلی بھی روزہ دار معلوم ہوتی ہے لیکن اُس نے یہ صورت محض شکار پھانسنے کے لئے بنا رکھی ہے۔ لوگوں کو دکھانے کے لئے روزہ رکھنے اور مال خرچ کرنے والا اصلی روزہ دار اور سخی کا بدنام کنندہ ہے۔ بعض اوقات عبادت شروع میں ریا' پھر عادت بنتی ہے اور اُس کے بعد اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اُسے عبادت بنا دیتا ہے۔

چونکہ اللہ کی رحمت سابق ہے اِس لئے وہ ریاکار غدار کو بھی آخر کار نور بخش دیتا ہے۔ جیسے وہ پانی کے ذریعے نجس کو پاک کر دیتا ہے۔ پھر اُس ناپاک پانی کو برسا کر پاک کر دیتا ہے تاکہ اُس کی صفتِ قدوسیت ظاہر ہو سکے۔ برسات کے موسم میں پھر وہ پانی پاک صاف ہو کر برس پڑتا ہے۔ اُس پانی سے کوئی پوچھے کہ کہاں تھا؟ تُو وہ جواب دیتا ہے کہ میں جنتیوں کے دریا میں تھا۔ میں اِس دنیا میں آ کر ناپاک ہو گیا تھا اس لئے واپس چلا گیا۔ اللہ نے مجھے پھر پاکی کی خلعت عطا فرما دی ہے تو میں دوبارہ دنیا میں آ گیا ہوں۔ وہ کہتا ہے: اے ناپاکو! میرے پاس آ جاؤ میں تمہیں پاک صاف کر دوں گا کیونکہ میں نے اللہ کی صفتِ قدوسیت حاصل کر لی ہے۔ میں سب بُرائیوں کو دھو دیتا ہوں۔ اگر انسان شیطان بھی ہے تو اُس کو فرشتے کی طرح پاک صاف بنا دیتا ہوں۔ جب ناپاک ہو جاؤں گا تو پھر اُس دربار میں پہنچ جاؤں گا اور ازسرِ نو پاکی حاصل کر لوں گا۔ اللہ کا کام پاک کرنا ہے اور میرا کام دوسروں کو پاک کر کے خود آلودہ ہو جانا ہے۔ اگر دنیا میں ناپاکی نہ ہوتی تو پانی کی صفت ظاہر نہ ہوتی۔ پانی ہر ضرورت مند کو سیراب کرتا ہے۔ وہ گھاسوں کو سیراب کرتا ہے۔ ہر ناپاک کو پاک بناتا ہے۔ دریا میں اپنے سر پر کشتی لئے پھرتا ہے۔ اُس سے صد ہزاروں بوٹیوں میں شفا کی خاصیت پیدا ہوتی ہے اور اِس طرح پانی نہروں میں شفا خانہ بن کر بہتا ہے۔ زمین کے بے سہارا اُس سے سہارا پکڑتے ہیں اور خشک اُس سے تَری حاصل کرتے ہیں۔

پانی کا ناپاک ہونے کے بعد حق تعالیٰ سے مدد چاہنا اور اللہ کا دُعا قبول کرنا

پانی نے اللہ سے درخواست کی کہ مکدر ہو جانے کے بعد وہ پھر صاف ہو جائے۔ اللہ نے اُس کی دُعا قبول فرمائی۔ پانی عرض کرتا ہے کہ جو پاکی تُو نے مجھے عطا کی تھی وہ میں نے دوسروں کو دے دی۔ کیا کچھ اور ہے؟ اللہ اُس کی اِس فریاد پر اَبر کو حکم دیتا ہے کہ اِس پانی کو دوسری جگہ لے جا اور سورج کو حکم دیتا ہے کہ تُو پانی کو اُوپر کھینچ لے۔ تو سورج اپنی گرمی سے بھاپ بنا کر اُسے اُوپر کھینچ لیتا ہے۔

صبر را باحق قرین کرد اے فلاں
اے انسان! صبر کو حق کا ساتھی کہا گیا ہے

آخرِ وَالعَصر را آگہ بخواں
سُورۃ وَالعَصر کے آخری حصے کو پڑھ لے

اُس پانی کے احوال کے ذریعے سے مقصد اولیاء کرام رحمہم اللہ کے حالات کو سمجھنا ہے۔ اولیاء رحمہم اللہ بھی تمہاری نجاستوں کو پاک کرتے ہیں۔ جب عوام کے اختلاط کی وجہ سے اُن میں کدورت پیدا ہو جاتی ہے تو وہ اللہ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ قرآن میں حکم ہے تَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا "اللہ کی طرف رجوع کرو" وہ اِس پر عمل کرتے ہیں۔ جب شیخ رجوع کرتا ہے تو پھر اُس میں منجانب اللہ تطہیر کی طاقت آجاتی ہے۔ اب وہ مریدوں کو طہارتِ کاملہ عطا کرتا ہے اور یقین کے درجے پر پہنچا دیتا ہے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اسی لئے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو فرماتے کہ "اے بلال! نماز کے لئے اذان دو اور ہمیں آرام پہنچاؤ"۔ کیونکہ نماز کی حالت میں رُوح قربِ الٰہی کا سفر اختیار کرتی ہے۔ جسم رکوع اور سجود ادا کرتا ہے۔ نماز کے ختم ہونے پر جو سلام ہے وہ گویا رُوح واپس آکر سلام کرتی ہے۔ رجوع الی اللہ کے سلسلے میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ مثال مطلب سمجھانے کے لئے ایک واسطہ اور ذریعہ ہے۔ عوام بغیر واسطے اور ذریعے کے مقصد تک نہیں پہنچتے ہیں۔ عوام کے لئے واسطے کی ضرورت ہوتی ہے۔ حمام گرم کرنے کے لئے آگ کے واسطے اور ذریعے کی ضرورت ہوتی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو واسطے کی ضرورت نہیں تھی لیکن عوام کے لئے نبی بمنزلہ حمام اور اُن کی شریعت بمنزلہ پانی کے ہے۔ پیٹ کا بھرنا منجانب اللہ ہے لیکن اس کے لئے واسطہ روٹی ہے۔ لطفِ اللہ کی جانب سے ہے لیکن چمن اُس کا واسطہ ہے۔ جب واسطے ختم ہو جاتے ہیں تو براہِ راست اِستفادہ ہونے لگتا ہے۔

بیرونی قول وفعل کا دِل اور اندرونی نور پر گواہی دینا

پانی کا دوسری چیزوں کو پاک کرنا، اور پھر خود پاک ہو جانا خدائی نور کی وجہ سے ہے۔ اِسی طرح انسان کے قول وفعل اُس کے باطن کے حال کے گواہ ہوتے ہیں۔ طبیب مریض کے اندر کی حالت نہیں دیکھ سکتا تو قارورہ کے ذریعے حالت معلوم کرتا ہے۔ شیخ جو رُوحانی طبیب ہے وہ مرید کے باطن کی سیر کر لیتا ہے۔ اس لئے اُس کو مرید کے قول وفعل سے اِستدلال کی ضرورت نہیں ہے۔ پیر دلوں کے جاسوس ہوتے ہیں۔ عوام کو شیخ کے انتخاب میں شیخ کے قول وفعل سے اُس کے باطن پر اِستدلال کرنا چاہیے اور پتہ لگانا چاہیے کہ اُس کا اِتصال بحرِ حقیقت سے ہے یا نہیں۔ یہ معلوم کر لینا ضروری ہے کہ اُس کا ظاہر محض لوگوں کو پھنسانے کے لئے ہے یا اِس میں کوئی حقیقت پوشیدہ ہے۔ اگر وہ شیخ سچا ہے تو اُس سے وابستہ ہو جاتا کہ وہ تجھے بھی بحرِ حقیقت تک پہنچا دے۔ اگر شیخ میں خدائی نور ہوتا ہے تو وہ لامحالہ ظاہر ہو کر رہتا ہے اور اُس کے اظہار کے لئے شیخ کے قول وفعل کو دیکھنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

صد ہزاراں کیمیا حق آفرید اللہ نے ہزاروں کیمیا دُنیا میں پیدا کئے ہیں	کیمیائے ہمچو صبر آدم ندید لیکن صبر جیسا کیمیا آدمی نے نہیں دیکھا

خُدائی نُور جو خود بخود ظاہر ہو جاتا ہے وہ اُس نُور سے بڑھا ہوا ہے جو قول و فعل سے ظاہر ہو

عارف باللہ میں وہ نور پیدا ہو جاتا ہے جس سے عالم پُر ہو جاتا ہے۔ اُس کے اظہار کے لئے کسی تکلیف کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ایسے شیخ کی صداقت کے لئے اُس کے قول و فعل کی گواہی کی ضرورت نہیں ہوتی۔ عبادات کے ذریعے رُوح کو نیک نامی حاصل ہوتی ہے۔ یہ عبادات فانی ہیں لیکن نیک نامی باقی رہتی ہے۔ رُوح اپنی نیک نامی کے لئے خدائی حکم کے مطابق افعال واقوال ظاہر کرتی ہے اور بتاتی ہے کہ میرا اعتقاد درست ہے اور یہ افعال واقوال اُس کے گواہ ہیں۔ لیکن ہر گواہ قابلِ قبول نہیں ہوتا بلکہ عادل گواہ قابلِ اعتبار ہوتا ہے۔ اِس لئے گواہ کا تزکیہ ثابت کرنا ضروری ہے۔ افعال واقوال کا تزکیہ یہ ہے کہ اُن میں اخلاص ہو، ریا نہ ہو۔ زبان سے کوئی غیر مناسب لفظ نہ نکلے اور افعال میں عہدِ اَلَست کی برابر نگہداشت ہو۔ قولی گواہ سے اگر کوئی لفظ غلط نکلے گا تو گواہ مردود ہو جائے گا اور فعلی گواہ عہدِ اَلَست کے خلاف ہوگا تو گواہ مردود ہوگا۔ اُن دونوں گواہوں میں موافقت ضروری ہے ورنہ مردود ہو جائیں گے۔ انسان کے قول و فعل اُس کے دل میں چھپی ہوئی کیفیت کو ظاہر کرتے ہیں۔ اگر گواہوں کی نیکی ثابت ہو جاتی ہے تو گواہی مقبول ہو جاتی ہے ورنہ گواہ خود پھنس جاتا ہے۔ اُسے حکم ہوگا کہ ٹھہرا رہ۔ قرآن پاک میں آنحضور ﷺ سے فرمایا گیا: فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَانْتَظِرْ اِنَّهُمْ مُّنْتَظِرُوْنَ "اے نبی! آپ ﷺ اِن سے رُوگردانی کر لیجئے اور انتظار کیجئے وہ بھی انتظار میں ہیں"۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مہمان پر کلمہ شہادت پیش کرنا

وہ کافر مہمان کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا تو اُس نے کہا کہ اب تو جہاں کہیں بھی رہوں آپ ﷺ کے دسترخوان کا خوشہ چین ہوں۔ آپ ﷺ نے مجھے حیاتِ ابدی عنایت کر دی ہے۔ جو بھی آپ ﷺ کے دسترخوان سے بھاگے گا ہلاک ہو جائے گا۔ شیطان اُس کا ہم نوالہ و ہم پیالہ ہوگا۔ قرآن میں شیطان سے کہا گیا ہے وَشَارِكْهُمْ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ "اور تُو اُن کے مالوں اور اولادوں میں شریک ہو جا"۔ جو آپ ﷺ کا ساتھ چھوڑے گا وہ شیطان کا ساتھی بنے گا۔ آپ ﷺ نے جو کچھ کیا ہے دو سو مائیں بھی ایسا نہیں کرتیں۔ رسول ﷺ کا وہ مہمان مسلمان ہونے کے بعد ایک بکری کے آدھے دودھ سے سیر ہو گیا۔ آنحضور ﷺ نے اُسے مزید کھانے پر اصرار کیا لیکن اُس کی کفر کی حالت کی حرص جاتی رہی تھی۔ اُس کی غذا کم ہو گئی لیکن ایمانی غذا نے اُسے اور زیادہ توانا کر دیا۔ وہ لوگ جو زبانی مومن ہیں وہ اس حقیقت کو نہیں سمجھ سکتے۔ نورِ ایمان رُوح کی غذا ہے۔ جب رُوح اور جسم کا اتحاد ہو جاتا ہے تو وہ نور جسم کی غذا بھی بن

نعمتِ وھاب را شکرے کنید	تا سرِ منحوس خود را شکنید
اللہ تعالیٰ کی ہر نعمت کا شکریہ ادا کر	تاکہ ناشکری سے تمہارا منحوس سر نہ پھوٹ جائے

جاتا ہے۔

آنحضور ﷺ نے فرمایا ہے "میرا شیطان میرے ہاتھ پر ایمان لے آیا" وہ مسلمان ہوگیا ہے۔ شیطان اگر نور سے غذا حاصل نہ کرتا تو وہ مسلمان کب بن سکتا تھا۔ جسمِ انسانی دنیا کا عاشق ہے۔ جب تک اُس میں آخرت کا عشق پیدا نہیں ہوگا اُس کی کمر نہیں ٹوٹے گی۔ جب اللہ کی طرف سے دل میں یقین کی کیفیت پیدا ہونے لگتی ہے تو عشق نمودار ہو جاتا ہے۔ غذا کی تبدیلی سے مزاج بدلتا ہے اور اس سے مرض زائل ہو جاتا ہے۔ انسان کو غذائے جسمانی چھوڑ کر غذائے رُوحانی کا عادی بننا چاہیے۔ امراض، مزاج اور خرابی ہی سے پیدا ہوتے ہیں۔ جب مزاج اصل حالت پر آجائے گا تو مرض زائل ہو جائے گا۔ صبر کے مصائب برداشت کرنے سے راحت حاصل ہوتی ہے۔

اندروں از طعام خالی دار
تا در آں نورِ معرفت بینی
(شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ)

"اپنے پیٹ کو زیادہ کھانے سے خالی رکھ تاکہ اللہ کی معرفت کا نور اُس میں سے نظر آئے"۔

فرشتوں کو تسبیح کے ذریعے غذائے نور حاصل ہوتی ہے۔ تُو بھی فرشتوں کی طرح تسبیح کو غذا بنالے تاکہ نجات حاصل کرلے۔ یہ نورانی خوان دنیا میں موجود ہے لیکن وہ کمینوں کی نگاہ سے پوشیدہ ہے۔

تن پروروں کا رُوحانی غذا سے اِنکار اور کم جسمانی غذا سے لرزنا

دنیا دار لوگ چونکہ جسمانی غذا کے عاشق ہوتے ہیں وہ رُوح کی غذا کو نہیں سمجھتے۔ اگر پورا عالم باغ بن جائے تب بھی چوہے اور سانپ کی غذا مٹی ہی ہوتی ہے۔ یہی حال اُن دنیا داروں کا ہے۔ لکڑی کا کیڑا لکڑی کو ہی بہترین حلوہ سمجھتا ہے۔ گوبر کے کیڑے کو گوبر ہی بہترین غذا لگتی ہے۔ کوا نجاست ہی کو بہترین غذا تصور کرتا ہے۔

مُناجات

اے خدا! جب تُو نے ہمیں توفیق عطا فرمائی ہے کہ ہم اَسرار وحکم سُن رہے ہیں تو پھر ہمیں اہلِ حال کی مجلس میں پہنچادے۔ وہ لوگ تیری شراب پی کر مست ہو رہے ہیں اور جب کہ تُو نے ہم تک اس شراب کی خوش بو پہنچادی ہے تو اے دین کے رب! اس مُشک کو بند نہ کر۔ تیری عطا عام ہے تُو ہمیں محروم نہ کر۔ تیری ذات تو وہ ہے کہ جو نہ مانگی ہوئی دُعائیں بھی قبول فرمالیتا ہے اور دل کو سینکڑوں اَسرار سے مانوس کر دیتا ہے۔ معشوقوں کے اعضاء چند حروف کے مشابہ ہیں۔ نون ابرو کے، ص آنکھ کے حلقہ کے، ج کان کے۔ یہ سب حضرت حق کی کاریگری

ہے کہ چند حرف اُس نے تحریر فرما دیئے جن کی تاثیر سے سنگدل عاشق لوگوں کے دل موم ہو گئے ہیں۔ اِن حروف کے ذریعے عقل مصنوع سے صانع پر استدلال کرنے کے قابل ہو گئی۔ انسان جس طرح حسی حروف سے مقاصد اور مطالب اخذ کرتا ہے اِسی طرح خیالی حروف بھی ہیں جن سے انسان مطالب اخذ کرتا ہے۔ اِس کے لوحِ خیال پر چشم و ابرو کے نقش قائم ہیں۔ صورتِ خیالی سے عاشق کا اتحادِ تام ہوتا ہے اور وہ نا قابلِ فنا ہے۔ اِسی لئے میں صورتِ حسی پر صورتِ خیال کو ترجیح دیتا ہوں۔

عقل کی حضرت جبرائیل علیہ السلام سے مشابہت اور اُس کی نظر کا غیب پر جبرائیل علیہ السلام کی طرح رہنا

جس طرح حضرت جبرائیل علیہ السلام لوحِ محفوظ سے پڑھتے ہیں اسی طرح عقل بھی غیب سے پڑھتی ہے اور روزانہ کا درس حاصل کرتی ہے۔ پردہ غیب میں جو تحریریں ہیں عشاق اُن کے مطالب اخذ کرتے ہیں اور اُن کی سیاہی دیوانوں کو حیرت زدہ کر دیتی ہے۔ ہر انسان کسی نہ کسی خیال کا احمق بنا ہوا ہے اور کسی خزانے کے خیال میں ہے۔ کسی کا خیال پہاڑوں کی طرف ہے۔ کوئی سمندر سے موتی تلاش کرنے کے خیال میں ہے۔ کوئی راہب بن کر گرجا گھر میں بیٹھا ہے۔ کسی کو کھیتی کی پیداوار کا خیال ہے۔ غرض اس جہان میں جو بھی کوششیں ہو رہی ہیں وہ سب مختلف خیالات کی بناء پر ہیں۔ سب کی روشیں مختلف ہیں کیونکہ خیالات مختلف ہیں۔ چونکہ سب نے جان کے قبلہ کو چھپا دیا ہے اس لئے سب مختلف اطراف میں منہ کئے ہوئے ہیں۔

مختلف روشوں اور وہموں کی اندھیرے میں نماز کے لیے قبلہ کی اٹکل کے اختلاف کی غوطہ خوروں کی سمندر کی تہہ میں اٹکل سے مثال

جس طرح اندھیرے میں لوگ قبلہ کے لئے اٹکل سے کام لیتے ہیں، صبح جب قبلہ کے رُخ کا ظہور ہو جاتا ہے تو پتہ چل جاتا ہے کہ غلطی پر کون تھا۔ اسی طرح آخرت میں اٹکل کے خیالات اور غلط خیالات کا احساس ہوگا۔ میدانِ حشر میں جب حقیقت ظاہر ہوگی تو زبردست رُسوائی ہوگی۔ ہر قوم پروانوں کی طرح اپنی شمع کا طواف کر رہی ہے۔ ایسی تجلی کی طلب میں ہیں جیسی موسیٰ علیہ السلام کو درخت میں نظر آئی تھی اور جو آگ کی صورت تھی لیکن جب سورج طلوع ہوگا تو ہر شخص واضح طور پر حقیقت کو دیکھ لے گا۔ جب صبح کی ہمیشگی کا نور طلوع ہوگا تو ہر شخص اُس شمع کی حقیقت سے واقف ہو جائے گا۔ جس جس پروانے کے پر اُس شمع سے جلے تھے وہ شمع اُن کو ستر 70 اُس سے اچھے پر بدلے میں دے دے گی۔

جو لوگ عقلِ سلیم سے کام نہ لیں گے اور شیطان کے فریب خوردہ ہوں گے وہ گم گشتہ راہ ہوں گے۔ جو آنکھیں بند

گر تو اِشکالی بکُلی و حرج　　صبر کُن کہ اَلصَّبْرُ مِفْتَاحُ الْفَرَج
اگر تجھے مشکلوں سے نکلنے میں تنگی ہے　　تو صبر کر کہ صبر کُشادگی کی کُنجی ہے

کر کے شہوات میں مبتلا ہو گئے ہیں وہ آہیں بھریں گے اور لوگوں کے باطل معبود اُن سے اپنی برأت کر لیں گے۔ باطل معبود خود عذاب میں ہوں گے، وہ دوسروں کو کیا بچا سکیں گے۔ مومنین کی رُوحیں مسلمات ہوں گی۔ وہ لوگ جو حق پرست ہیں اور اُنہوں نے اپنا رُخ ذاتِ منزّہ کی طرف کیا ہے وہ باعزت ہوں گے۔ وہی باعزت ہوں گے جنہوں نے بے رُخ کی طرف رُخ کیا ہو اور جن کی منزل سرائے لامکانی ہوگی۔ جب اسبابِ ظاہری کو ختم کر دیا جائے تو اللہ پر توکل خود بخود ہو جاتا ہے۔

اِس کا بیان کہ فرجی کو فرجی کیوں کہا گیا

ایک فقیر نے تنگ آ کر اپنا جبہ پھاڑ دیا اور اُسے فروخت کر دیا۔ اِس سے اُسے فراخ دستی حاصل ہوگئی یعنی اُس نے جب وجودِ ظاہری کو فنا کیا تو اُس کو جاودانی بقا حاصل ہوگئی۔ اُس درویش نے اپنے پھٹے ہوئے جبے کا نام فرجی یعنی کشادگی رکھ دیا کیونکہ اُس کے پھٹنے سے فقیر کو کشادگی حاصل ہوگئی۔ دنیا کا قاعدہ ہے کہ ابتداءً کوئی نام کسی حقیقت کی بنیاد پر رکھ لیا جاتا ہے لیکن پھر اُس نام میں حقیقت گم ہو جاتی ہے اور صرف لفظ رہ جاتا ہے۔

دنیا پرستوں نے مجاز کو اختیار کر لیا اور حقیقت تک پہنچنے کے لئے تو ظاہر پرستی اور تن پروری کو چھوڑنا لازمی ہے۔ فقیری محض کمبل پوشی اور طرح طرح کے لباس پہننے کا نام نہیں ہے۔ نیکی تک پہنچنے کے لئے نیکوں کا سا لباس اختیار کر لینا مُفید ہے لیکن محض لباس اختیار کر لینا اور بدوں کے سے کام کرنا بُرا ہے۔ یاد رکھو! نشانات سے منزل تک پہنچنا چاہیے۔ محض نشان حاصل کرنا کافی نہیں ہے۔ کسی کی خوش بو سے اُس چیز تک پہنچا جا سکتا ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام، حضرت یوسف علیہ السلام کی خوشبو سے ہی عشق کے بینا بنے اور اُن کی آنکھیں روشن ہوگئیں۔ مجاز سے حقیقت تک رجوع تو اچھی بات ہے۔ لیکن محض مجاز میں پھنسے رہنا اور مجاز ہی کا خیال خدا کی غیرت کا دُور باش یعنی دُور ہٹانے والا ہے جیسے کہ بادشاہوں کے جلوس کے آگے آگے ہوتا ہے۔ یہ خیال انسان کو اللہ کے قرب سے دُور ہٹا دیتا ہے۔ توفیقِ خداوندی جس کے ساتھ ہوتی ہے وہ مجاز سے حقیقت تک پہنچتے ہیں۔ توفیقِ الٰہی جن کا ساتھ دیتی ہے وہ اِن خیالات سے شاہی نشان دکھا کر آگے بڑھ جاتے ہیں۔ جس کے پاس شاہی نشان ہو وہ منزل تک چلا جاتا ہے۔

دُعا

اے رازوں کے جاننے والے! تیری راہ میں ہم عاجز ہیں۔ اِس حیران دل کو تدبیر عنایت کر دے۔ اپنی خمیدہ نظروں کے تیر جو تیرے نشان ہیں عنایت فرما۔ تیرا ہی فرمان ہے: وَلِلْاَرْضِ مِنْ کَاْسِ الْکِرَامِ نَصِیْبٌ یعنی "سخیوں کے پیالے سے زمین کو بھی حصہ ملتا ہے" یعنی مظاہرِ قدرت میں حسنِ ازلی کی تجلی نمودار

گر تُو اِشکالی بکُلّی و حرج　　　صبر کن کہ الصَّبْرُ مِفْتَاحُ الْفَرَج

اگر تجھے مشکلوں سے نکلنے میں تنگی ہے　　　تو صبر کر کہ صبر کشادگی کی کنجی ہے

ہوتی ہے جس کی وجہ سے لوگ حُسن کے شیدائی ہیں۔ مظاہر پرستی بھی دراصل اس حُسنِ ازلی کی وجہ سے ہو رہی ہے۔ وہ تجلی جو مادیات میں ظہور پذیر ہے جب اُس نے لوگوں کو دیوانہ بنا رکھا ہے تو جو تجلی مادے سے منزہ ہے اُس کا کیا حال ہوگا۔ جس قدر مظاہر ہیں وہ تجلیءِ حقیقی سے سیراب ہیں' خواہ وہ چاند ہو سورج ہو عرش ہو کرسی ہو۔ وہ گھونٹ جو حقیقی تجلی سے حاصل ہوتا ہے اُس سے فانی بھی بقا حاصل کر لیتا ہے۔ اُس گھونٹ کو حاصل کرنے کے لئے مجاہدوں کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ باطنی طہارت حاصل ہو سکے۔ دنیا کی ہر مرغوب چیز نے اُس حُسنِ ازلی سے گھونٹ حاصل کر لیا ہے۔ حسین معشوق اُسی کے جرعہ نوش ہیں۔ جب اُس مکدر جرعہ کو دیکھ کر تیرا یہ حال ہوا ہے تو اگر صاف جرعہ کو دیکھ لے تو تیرا کیا حال ہوگا۔ حسین معشوق سے موت کے وقت وہ جرعہ واپس لے لیا جاتا ہے۔ تُو پھر اُسے دیکھنا بھی پسند نہیں کرتا اور بہت جلدی اُسے دفن کر دیتا ہے۔ صاف تجلی جب حسن دکھائے گی تو اُس وصال کا لطف بیان نہیں ہو سکتا۔ دیدارِ حق کا بیان ناممکن ہے۔ اُس کا پیالہ چاٹنے والے شاہ جو لذتیں حاصل کرتے ہیں وہ بھی بیان میں نہیں آسکتیں۔ معنوی لذائذ کا دریا اس قدر وسیع ہے کہ دنیا کے ساتوں سمندر اُس کے سامنے ایک قطرہ ہیں۔ مظاہرِ قدرت والے جرعہ سے ہم جوش میں ہیں۔ ہم عاجزوں کو دوسرا جرعہ بھی عطا فرما دے۔ اگر دوسرے جرعہ کے لئے ہماری فریاد جائز ہو تو ہم فریاد کریں ورنہ خاموشی اختیار کر لیں۔ ہم حرص کے مارے ہوئے اندھے ہیں۔ ہم میں اور بہت خیر و شر ہیں' جن کی وجہ سے میں خوف میں ہوں۔

مور کی صفت و مزاج اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اُسے مارنے کی وجہ

مور میں حُبِّ جاہ کا جذبہ مشہور ہے۔ حُبِّ جاہ میں انسان اکثر نفاق سے کام لیتا ہے۔ وہ انسانوں کو پھانسنے کی کوشش کرتا ہے۔ حُبِّ جاہ میں مبتلا انسان کی دوستی ناپائیدار ہوتی ہے۔ وہ ہمیشہ اپنے مقصد کو حاصل کرنے کے لئے دوست بناتا ہے اور اپنا فائدہ حاصل کرنے کے بعد دوستوں کو فراموش کر دیتا ہے۔ حُبِّ جاہ میں مبتلا انسان لغو باتوں میں اپنی عمر کو برباد کرتا ہے۔ وہ ساری عمر دوسروں کا شکار کرتا رہتا ہے لیکن جب موت آتی ہے تو محرومی کا شکار ہو جاتا ہے۔ وہ شکاری بڑا احمق ہے جو شکار کرنے کی بجائے خود ہی شکار بن جائے۔

عوام کو پھانسنا سور کا شکار کرنا ہے کہ بڑی مصیبت سے جال میں پھنستا ہے اور اُس کا کھانا حرام ہے۔ اگر تُو نے شکار کھیلنا ہی ہے تو عشق کا شکار کر لیکن یہ وہ شکار ہے جو ہر کس و ناکس کے جال میں نہیں پھنستا ہے۔ عشق کا شکار تم تب کر سکو گے اگر خود اُس کے شکار ہو جاؤ گے۔ عشق کا یہ نعرہ ہے کہ شکاری بننے سے بہتر ہے کہ تم خود شکار بن جاؤ۔ عشق کے

ہر کہ اُو اندر بلا صابر نشُد
جو کوئی مصیبت میں شاکر و صابر نہیں رہتا ہے

مُقبلِ ایں درگہِ فاخر نشُد
اللہ کی قابلِ فخر درگاہ میں مقبول نہیں ہوتا ہے

معاملے میں اپنے آپ کو بے عقل بنالو اور سورج بننے کی بجائے ذرّہ بن جاؤ یعنی خانماں برباد بن کر میرے در پر آپڑو۔ جب یہ کیفیت ہو جائے گی تو حقیقی لذّت حاصل ہوگی اور پھر انسان غلامی میں شاہی کرے گا۔ دنیا کے کام اُلٹے ہیں۔ جو اس کے قیدی ہیں لوگ اُنہیں شاہ کہتے ہیں اور جو شاہ ہیں اُنہیں فقیر اور گدا کہتے ہیں۔

اللہ کی مِہر اور قہر کو سب جانتے ہیں، سب قہر سے گریز کرتے ہیں اور مِہر سے وابستہ ہیں

ایک درویش نے دوسرے درویش سے پوچھا کہ تُو نے حضرتِ حق کو کیسا پایا؟ جواب میں وہ بولا: ذاتِ حق کی چگونگی ناقابلِ بیان ہے لیکن سمجھانے کے لئے کچھ بتاتا ہوں۔ میں نے اُس کے بائیں جانب آگ دیکھی اور دائیں جانب حوضِ کوثر دیکھا۔ لوگوں کا ایک گروہ ایسا ہے جو سوزِ آگ کی طرف بڑھ رہا ہے اور ایک اُس نہر کے لئے مست ہے۔ لذائذِ نفسانی آخرت میں سانپ اور بچھو کی صورت میں نمایاں ہوں گے۔ اِسی طرح مجاہدات و عبادات کی مشقتیں نوازشات کی صورت میں ظاہر ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی آزمائش کے لئے یہ تدبیر فرمائی ہے کہ انسان اگر دنیا میں نفسانی فوائد میں لگے گا جو بظاہر حوضِ کوثر کی طرح حسین ہیں تو بباطن وہ آگ کو حاصل کر رہا ہے اور عبادات کی مشقتوں میں لگے گا جو بظاہر آگ ہیں تو وہ آخرت میں حوضِ کوثر حاصل کرلے گا۔ اِس پوشیدہ راز کی طرف کم لوگوں کی توجہ ہے۔ وہ سربلند ہے جو اس زندگی میں کچھ مشقت اُٹھاتا ہے۔ دراصل لوگ نقد فائدے کی طرف دیکھتے ہیں اِس لئے آخر میں نقصان اُٹھاتے ہیں۔

اِس زندگی کی عبادات کی مُشقت پکارتی ہے کہ میں آگ نہیں ہوں چشمہ نور ہوں، چنگاریوں سے نہ گھبرا۔ اگر تُو اللہ کا خلیل ہے تو عقل مند بن اور مجاہدات کی آگ میں کود جا۔ پروانوں کی طرح اُس آگ میں کود جا جو پانیوں کی جان ہے۔ پروانے کا معاملہ ہمارے معاملے کے برعکس ہے، وہ نور دیکھتا ہے اور آگ میں گر جاتا ہے۔ دل آگ میں کودتا ہے، نور میں پہنچ جاتا ہے۔ اللہ نے آزمائش کے لئے آگ کو پانی کی شکل دے دی اور آگ میں چشمہ جاری کر دیا۔ قرآن پاک میں ہے "اللہ تعالیٰ نے اُن کے مکر کو برباد کر دیا اگرچہ اُن کا مکر ایسا تھا کہ اُس سے پہاڑ ہل جائیں" یعنی جادوگروں کے ہتھکنڈے ہر چیز کے پیدا کرنے والے کے سامنے مولے کی طرح پھنس کر رہ گئے۔ فرعون، نیل کو خشکی سمجھ کر پانی میں ڈوبا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام، آگ کو آگ سمجھ کر گلزار میں پہنچ گئے۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تیرے لئے عقل کا ایک ذرّہ روزے اور نماز سے بہتر ہے۔ اس لئے کہ عقل جوہر ہے اور یہ دونوں عرض ہیں۔ عبادات عقلِ شرعی کی تکمیل کے لئے فرض ہوئی ہیں اور شرعی اعتبار سے عقل دل میں ہے۔ عبادات آئینہ دل کی صفائی کے لئے ہیں لیکن اگر آئینہ ایسا ہے

ہر کہ اُو اندر بلا صابر نشُد جو کوئی مصیبت میں شاکر و صابر نہیں رہتا ہے	مُقبلِ ایں درگہِ فاخِر نشُد اللہ کی قابلِ فخر درگاہ میں مقبول نہیں ہوتا ہے

جو دیر سے صیقل ہوگا تو اے مُرشد! آپ ایسے آئینے کی طرف توجہ فرمائیں جو تھوڑی صیقل سے ہی چمک اُٹھے۔

عقلوں کا فرق دراصل فطرت سے ہے، اہلِ عقل کے نزدیک شخصی عقلیں برابر ہیں، فرق صرف تعلیم، ریاضت اور تجربہ کا ہے

یہ حقیقت ہے کہ عقلوں میں فطری تفاوت ہے اور اُن کے مختلف مراتب ہیں۔ ایک عقل کا نور سورج جیسا ہے اور دوسری عقلیں ستاروں جیسی کم درجہ بھی ہیں۔ عقلِ کُل یعنی ولی اللہ ؒ کی عقل کے سامنے سے جب ماسوئی اللہ کا ابر ہٹ جاتا ہے تو وہ دوسری عقلوں کو خدا کو دیکھنے والا نور عطا کر دیتی ہے اور مخلوق کی عقلیں اُس کی عقل سے فیض یاب ہوتی ہیں۔ عقلِ کُل بظاہر انسانی لیکن درحقیقت مَلکی رُوح ہوتی ہے۔ انسان صرف اُس عقل کا مظہر ہے۔ انسانِ کامل جو کہ مظہرِ عقلِ کُل ہے اُس سے حق کی جستجو کر۔ عام انسان کی عقل بھی اگرچہ عقلِ کُل سے استفادہ کرتی ہے لیکن دنیاوی مشاغل نے اُس کو بے مقصد بنا دیا ہے۔ عقلِ کامل نے اپنے آپ کو عشقِ حق کے جال کا شکار بنا کر صیاد کا حُسن سیکھ لیا ہے۔ یعنی اخلاقِ خداوندی سے متصف ہوگئی ہے اور عقلِ ناقص نے دوسروں کو اپنے جال میں پھانسنا چاہا اور خود جال میں پھنس گئی۔

عقلِ کامل خادم بن کر مخدوم بنی اور عقلِ ناقص نے خود مخدوم بننا چاہا تو عزت کے راستے سے بھٹک گئی۔ فرعون نے مخدومیت پسند کی تو دریا میں غرق کر دیا گیا۔ سبطی خادم اور قیدی بنا تو آقاؤں میں شمار ہوا۔ خادمیت سے مخدومیت حاصل ہونا انسانی تدبیر سے ممکن نہیں ہے بلکہ فضلِ خداوندی پر موقوف ہے۔ انسانی مکاری اور تدبیر فضلِ ربانی کے منافی ہے۔ انسان خدمت گزاری کی تدبیر اختیار کرے تو انبیاء ؑ کے اخلاق سے متصف ہو جائے گا اور اُمتی ہوتے ہوئے بھی اُس میں انبیاء ؑ کے اَوصاف پیدا ہو جائیں گے۔ انسان کو اپنی تدابیر کو ترک کرنے کی تدبیر کرنی چاہیے اور اپنے آپ کو اَوصافِ ذمیمہ سے پاک کرنا چاہیے۔ کمترین بندہ بننے کی تدبیر کرے گا تو آقائی میسر آئے گی۔ خدمت مخدوم بننے کی نیت سے بالکل نہ کی جائے۔ اپنی تدابیر کی زور آزمائی نہ کر، عاجزی اختیار کر کیونکہ اللہ پاک عاجزوں پر رحم فرماتا ہے۔ وہ عاجزی اختیار کر جو ایک مجبور پیاسے کی ہوتی ہے۔ برادرانِ یوسف ؑ مصنوعی رونا روئے تھے، ایسی گریہ زاری کی کوئی اہمیت نہیں۔ ایک قصہ سُن لے۔

بدّو، جس کا کُتا بھوک سے مَر رہا تھا اور اُس کے پاس روٹیوں سے بھرا ہوا تھیلا تھا

ایک عرب اپنے کتے کے پاس بیٹھا آہ وزاری کر رہا تھا کہ اے میرے ساتھی! تیرے بغیر میں کیا کروں گا؟ ایک اور شخص وہاں سے گزرا تو اُس نے رونے اور آہ وزاری کی

تو بہ تن حیوان بجانے از ملک	تا روی ہم بر زمیں ہم بر فلک
تُو جسم کے لحاظ سے حیوان اور جان کے اعتبار فرشتوں جیسا ہے	تاکہ تُو زمین پر رہے اور آسمان پر بھی چلے

وجہ پوچھی۔ بدو بولا: یہ میرا بہت ہی اچھا کتا ہے۔ اب وہ مر رہا ہے۔ یہ بہت اچھا شکاری تھا اور چوروں سے میرے گھر کی حفاظت کرتا تھا۔ بڑا صابر اور نیک خُو تھا۔ ہائے اب میں کیا کروں' اس کے بغیر کیسے جیوں گا؟ گزرنے والے نے پوچھا کہ آخر اِسے ہوا کیا ہے؟ بدو بولا: بھوک کی وجہ سے مر رہا ہے۔ اُس شخص نے کہا: اے بھائی! اب صبر کر اللہ صابروں کو اچھا بدلہ دیتا ہے۔ اِس کے بعد اُس نے پوچھا کہ تمہاری کمر کے ساتھ کیا بندھا ہوا ہے؟ بدو بولا: میں نے کل کے لئے کافی کھانا رکھا ہوا ہے تاکہ خوراک کم ہونے کی وجہ سے میرا جسم کمزور نہ ہو جائے۔ اُس نے کہا کہ کچھ روٹی کتے کو بھی کیوں نہیں دیتے۔ وہ بولا: روٹی ختم ہوگئی تو پیسوں سے ملے گی۔ آنسو جو میں بہا رہا ہوں یہ تو مفت کے ہیں۔ وہ شخص بولا: اے ہوا سے بھری ہوئی مشک! تیرے سر پر خاک' کیا روٹی کا ٹکڑا تیرے نزدیک آنسو سے بہتر ہے؟ آنسو تو دراصل خون ہوتا ہے جو غم سے پانی بن جاتا ہے۔ تُو نے تو اپنے آپ کو ذلیل کر دیا' اِس لئے تیرا یہ آنسو بھی ذلیل ہے۔ میں اپنے مُرشدِ کامل کا غلام ہوں جو ایسا باہمت کیمیا پرست ہے کہ وہ عاجزی، کیمیا (ذاتِ باری تعالیٰ) کے سامنے ہی کرتا ہے۔ جب حقیقتِ عجز و شکستگی کے ساتھ دُعا کی جاتی ہے تو فضلِ خداوندی آتا ہے۔ مجاہدات کی آگ بھڑکا' تب دنیا سے نجات ملے گی۔ جب انسان اپنی تدبیر کو خدائی تدبیر میں فنا کر دیتا ہے تو عجب راہیں کھل جاتی ہیں۔ اُن راہوں کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ انسان کو اَبدی عروج اور بقاء حاصل ہو جاتا ہے اور اُسے علمِ لدنی حاصل ہو جاتا ہے۔ انسان جب اُس مقام کو خوب سمجھ لیتا ہے تو اُس کے حصول کے لئے پوری کوشش کرتا ہے' مغرور نہیں بنتا۔ انسان کی خود بینی اُس کے لئے سب سے زیادہ مہلک ہے۔ ہاں اگر وہ صفاتِ خداوندی سے متصف ہوگیا تو پھر اُس کی خود بینی اپنی خود بینی نہیں رہتی۔

نظرِ بد

اے مور! تُو اپنے پروں ہی کو نہ دیکھ اپنے پاؤں کا بھدا پن بھی دیکھ۔ انسان کو اپنے عیوب پر نظر رکھنی چاہیے ورنہ اُس کی نیکیوں کو نظرِ بد لگ جائے گی۔ نظرِ بد کی بہت بُری اور بڑی تاثیر ہوتی ہے۔ قرآن پاک میں ہے "اور قریب ہے کہ کافر لوگ تمہیں اپنی نگاہوں سے پھسلا دیں"۔ آنحضور ﷺ ایک مرتبہ چلتے چلتے پھسل گئے حالانکہ نہ بارش ہوئی تھی اور نہ ہی کیچڑ تھا۔ حضور ﷺ کو پھسلنے سے بہت تعجب ہوا۔ پھسلنے کی وجہ وحی سے معلوم ہوئی کہ کسی کافر کی نظرِ بد اِس قدر سخت تھی کہ تم تو صرف پھسلے اگر کوئی اور ہوتا تو ہلاک ہو جاتا۔ آنحضور ﷺ چونکہ معصوم تھے اِس لئے اُن پر اِس کا اثر محض اُس کی تاثیر دکھانے کے لیے ہوا تھا۔ حضور ﷺ کے اِس واقعے سے عبرت حاصل کر لو۔ جب کہ حضور ﷺ جیسے پہاڑ پر بھی اُس کا اثر ہوا تو اپنی گھاس جیسی حیثیت پر اُس کی تاثیر کو سمجھ لو۔ لوگوں نے حضور ﷺ کو بتایا کہ اِس وادی کے لوگ اپنی نظرِ بد سے لوگوں کو متاثر کرتے ہیں۔

قالبِ خاکی فتادہ بر زمیں	رُوحِ اُو گرداں بر اں چرخِ بریں
اُس کا مٹی کا جسم زمین پر رہے	اور رُوح بلند و بالا آسمان پر گردش کرے

آیت ”اور قریب ہے کہ کافر تمہیں اپنی نظروں سے پھسلادیں جب کہ انہوں نے ذکر (قرآن) سنا اور کہتے ہیں کہ یہ مجنون ہے اور نہیں ہے مگر جہانوں کا تذکرہ“ کی تفسیر

لوگوں نے آنحضور ﷺ سے عرض کیا کہ اس وادی کے لوگ بلند پرواز گدھ کو بھی اپنی نظرِ بد سے متاثر کر دیتے ہیں۔ ان کی نگاہوں میں یہ اثر ہے کہ شیر کی کھوپڑی کو شق کر دیتے ہیں۔ اگر کسی اونٹ کا گوشت اِن کو پسند آجائے تو اس پر اپنی نگاہِ بد ڈال کر فوراً غلام کو اُس کا گوشت خریدنے کے لئے روانہ کر دیتے ہیں۔ حسد اور نظرِ بد کے اثر سے آسمان کی گردش اُلٹی ہو جاتی ہے۔ گو نظرِ بد کا اثر ہے لیکن اصل سبب تقدیرِ الٰہی ہے، جو مخفی ہے۔ جس طرح پانی سے چلنے والی چکّی بظاہر متحرک ہے لیکن حرکت کا اصل سبب پانی ہوتا ہے۔ نظرِ بد کی تاثیر کو عارف کی نظر فنا کر دیتی ہے۔ نظرِ بد کی تاثیر قہرِ الٰہی ہے اور نیک نظر کی تاثیر رحمتِ الٰہی ہے اور رحمت، قہر پر غالب ہے۔ نبی، رحمت کا اور کافر، قہر کا مظہر ہے۔

حُبِّ جاہ کی بیماری شہوتِ معدہ سے بہت بڑھی ہوئی ہوتی ہے۔ حُبِّ جاہ میں الوہیت میں شرکت کا دعویٰ ہے اور شرک ناقابلِ معافی جرم ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کی لغزش شہوتِ معدہ اور باہ کی وجہ سے تھی اور شیطان کی معصیت حُبِّ جاہ کی وجہ سے تھی۔ حضرت آدم علیہ السلام کی غلطی کا اثر زائل ہو گیا لیکن شیطان معصیت میں مبتلا رہا۔ کھانے اور شرمگاہ کی شہوت میں عموماً انکساری سے کام لینا پڑتا ہے۔ حُبِّ جاہ کی مذمت کے لئے دفتر درکار ہے۔ لُغت میں شیطنت، سرکشی اور تکبر کو کہا جاتا ہے۔ اسی لئے یہ صفت لعنت کی مستحق ہے۔ کھانے والے ایک دسترخوان پر دس جمع ہو جاتے ہیں لیکن دو بادشاہ دنیا میں بھی جمع نہیں ہو سکتے۔ ہر بادشاہ کی خواہش ہوتی ہے کہ تنہا ساری دنیا پر حکومت کرے۔ بادشاہوں کے تکبر اور حُبِّ جاہ کی مثال آگ کی سی ہے جو ہر چیز کو جلا کر راکھ کر دیتی ہے اور کچھ نہ ملے تو اپنے آپ کو جلا کر خاکستر بنا دیتی ہے۔ اپنے آپ کو ناچیز بنا کر حُبِّ جاہ کے مرض سے نجات حاصل کر لو۔ سخت چیز کو اَہرن پر کوٹا جاتا ہے، جب کہ نرم چیز محفوظ رہتی ہے۔ الوہیت، اللہ کی چادر ہے دوسرا اوڑھے گا تو وبال بن جاتی ہے۔ تاج، اللہ کی ملکیت ہے، ہمارے لئے تو خدمت گزاری کی پیٹی ہے۔ مور کا اپنے پروں کے حُسن پر غرور کرنا خدائی میں شرکت کا دعویٰ ہے۔

مور کا اپنے پَر نوچ کر پھینکنا اور ایک دانا کا دیکھنا

ایک عقل مند نے ایک مور کو دیکھا کہ اپنے پَر اُکھاڑ رہا تھا۔ اُس مرد

نے مور سے کہا کہ تیرے پَر اتنے پیارے ہیں کہ ہر شخص ان کو قرآن میں رکھتا ہے۔ حسین لوگ ہوا کے لئے تیرے پَروں کے پنکھے استعمال کرتے ہیں۔ تیرا اپنے پَروں کو اُکھاڑنا بے باکی ہے۔ کیا تجھے معلوم نہیں کہ تیرے پَروں پر نقاشی کس ذات نے کی ہے؟ اگر تُو جانتا ہے تو پھر اِس کاری گری کو برباد کیوں کر رہا ہے؟ ایسا نازِ بے جا غلام کو شاہ کی نظروں سے گرا دیتا ہے۔

انسان کو بھی ناز کرنا بہت پسند ہے لیکن اِس میں خطرات بہت ہیں۔ بے خطر راستہ نیاز مندی کا ہے، لہٰذا انسان کو وہی راستہ اختیار کرنا چاہیے۔ ناز و انداز جب بڑھتا ہے تو وبالِ جان بن جاتا ہے۔ نیاز مندی اگرچہ انسان کو مسکین اور لاغر بناتی ہے لیکن قلب کو روشنی عطا کرتی ہے۔ حضرتِ حق کی صفت ہے کہ وہ مُردے سے زندہ پیدا کر دیتا ہے۔ تو یاد رکھو! جو مُردہ بن جائے گا اُسے وہ نئی زندگی عطا فرمائے گا۔ چونکہ وہ زندہ سے مُردہ بھی پیدا کرتا ہے اگر تُو نفس کو نہ مارے گا تو وہ مُردہ ہو جائے گا۔ تُو فانی بن جا پھر وہ تجھے حیاتِ ابدی عنایت کر دے گا۔ تُو اپنے اُوپر خزاں طاری کر دے گا تو بہار کا لطف دیکھے گا۔

افکار سے نفسِ مطمئنہ کی صفائی اور سادگی پریشان ہو جاتی ہے جیسا کہ آئینہ پر لکھنے کے بعد صاف کرنے سے داغ رہ جاتا ہے

مختلف قسم کے افکار کی وجہ سے نفسِ مطمئنہ کی صفائی میں خلل پڑتا ہے جیسا کہ آئینہ پر کچھ لکھو اور پھر صاف کر دو تو پھر بھی اُس پر داغ رہ جاتا ہے۔ نفسِ مطمئنہ کا چہرہ افکار کے ناخن سے زخمی ہو جاتا ہے۔ خصوصاً بُرے افکار تو زہریلے ناخن ہیں جو بعض اوقات رُوح تک کے چہرے کو بدنما بنا دیتے ہیں۔ جب انسان افکار کی کسی گرہ کو کھولتا ہے تو رُوح کے زرّیں پَر ناپاک ہو جاتے ہیں جس سے اُس کی پرواز میں کمی آجاتی ہے۔

اِن دنیاوی افکار کی عُقدہ کشائی ایسی ہے جیسے کسی خالی تھیلی کے منہ کی سخت گرہ کو کوئی شخص کھولے جو لا حاصل ہے۔ اِس میں سے کچھ نہیں ملے گا۔ چند گرہوں کے کھولنے میں تُو بوڑھا ہو گیا۔ فرض کر لے کہ چند گرہیں تُو نے اور کھول لیں لیکن حاصل کیا ہوا۔ تیرے شقی یا سعید ہونے کی گرہ جو تیرے گلے میں لگی ہوئی ہے اگر تُو اِس کو کھول لے تو یہ سب سے بہتر ہوگا۔ اگر تُو آدمی ہے تو اس مشکل کو حل کر۔ عقل کو استعمال کرنے والے لوگ عرض اور جوہر کی تعریف میں اور لوگوں کے حالات پر غور کرنے میں لگے رہتے ہیں اور اپنی حقیقت اور ماہیت سے بے خبر رہتے ہیں۔ ''جس نے اپنے آپ کو پہچان لیا اُس نے اپنے رَبّ کو پہچان لیا''۔ یاد رکھو! اپنے نفس کی حقیقت کا علم انسان کو خدا کی معرفت تک پہنچاتا ہے۔

رُوح دارد بے بدن بس کاروبار — مُرغ باشد در قفس بس بے قرار

رُوح کے، بدن کے بغیر بہت سے مشغلے ہیں — رُوح جسم کے پنجرے میں بہت بیقرار رہتی ہے

نفس کی حقیقت کو معلوم کرنے کا ذریعہ سوائے مُرشدِ کامل کے کوئی نہیں۔ ہاں اللہ کسی پر خصوصی مہربانی فرمادے تو اُس کے لئے کیا مشکل ہے۔ اللہ کی حقیقت کو معلوم کرنے میں دلیل کا کوئی دخل نہیں ہے۔ دلیل کا کوئی نتیجہ برآمد نہ ہو تو بے کار ہے۔ تُو اپنے انجام پر غور کرلے۔ تُو نے مُشاہدہ کیا ہے یا محض مخلوق کے ذریعے خالق کو سمجھا ہے۔ یہ عالم مصنوع ہے اور ہر مصنوع کا کوئی صانع ضرور ہوتا ہے۔ برگزیدہ اشخاص ہمیشہ ہر حال میں اپنی توجہ صانع کی طرف رکھتے ہیں اور دلائل سے ہٹ کر مراقبہ میں مشغول ہو کر مشاہدہ تک پہنچتے ہیں۔ فلسفی اثر سے مؤثر کو سمجھتا ہے۔ یعنی دھوئیں سے آگ تک پہنچتا ہے لیکن عارفوں کے لئے قربِ اور عشق کی آگ دھوئیں سے نزدیک تر ہے۔ اس لئے مُشاہدہ سے ہٹ کر دلائل سے اُس ذات تک پہنچنا سیاہ کاری اور غلطی ہے۔

فرمانِ نبوی ﷺ "اسلام میں رہبانیت نہیں ہے"

معصیت کے اسباب اور قدرت کے ہوتے ہوئے اُس سے بچنا کمال ہے نہ کہ گناہ کی طاقت کو ختم کرکے اُس سے بچنا۔ اسی لئے آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ اسلام میں رہبانیت نہیں ہے۔ راہب گناہوں کے اسباب اور اُس کی قدرت کو فنا کرڈالتے ہیں۔ مور کو نصیحت کی گئی ہے کہ تُو اپنے پر نہ اُکھاڑ یعنی شہوت اور حُبِ جاہ کے اسباب کو ختم نہ کر کیونکہ یہ تیرے دشمن ہیں اور دشمن نہ ہو تو جہاد کی فضیلت حاصل نہیں ہوسکتی۔ اگر انسان میں شہوت کا مادہ ہی نہیں ہے تو زنا نہ کرنے کے حکم کی فرماں برداری کے اُس کے لئے کوئی معنٰی نہیں ہیں۔ اگر انسان کا کسی جانب میلان نہیں ہے تو اُس سے صبر کرنے کے اُس کے لئے کوئی معنٰی نہیں ہیں۔ دشمن نہ ہو تو پھر لشکر کی کیا ضرورت رہ جاتی ہے۔

راہب زنا سے بچنے کے لئے اپنے خصیے نکلوادیتے تھے۔ قرآن میں حکم ہے "اَنْفِقُوْا" یعنی خرچ کرو۔ اِس حکم کی تعمیل جب ہی ہوسکتی ہے جب کہ انسان کمائے۔ اگرچہ قرآن میں صرف "خرچ کرو" آیا ہے لیکن اِس کا مطلب یہی ہے کہ کماؤ اور خرچ کرو۔ اسی طرح "صبر کرو" کے حکم میں تعمیل جب ہی ہے کہ رغبت موجود ہو۔ کُلُوْا "تم کھاؤ" کا حکم شہوت کا جال ہے اور "لَاتُسْرِفُوْا" فضول خرچی نہ کرو عفت ہے، اب اگر "کُلُوْا" ممکن نہ ہو تو "لَاتُسْرِفُوْا" کے کوئی معنٰی نہیں ہیں۔ صبر کرنے میں اگر کوئی کلفت ہی نہیں ہے تو اُس کی جزا حاصل نہیں ہوسکتی۔ جب شرط مفقود ہو تو مشروط موجود نہیں ہوگا۔ صبر کی تکلیف ہو تو اُس کا بدلہ بھی ہوگا۔ دونوں قابلِ مبارک باد ہیں۔

مَیلِ تن در سبزہ و آبِ رَواں جسم کا میلان سبزے اور پانی کی طرف ہے	زاں بُوَد کہ اصلِ اُو آمد ازاں کیونکہ اُس کی اصل وہاں سے آئی ہے

اللہ کی جانب سے عاشق کے عمل کا ثواب اللہ خود ہے

پہلے جزا کا بیان ہو رہا تھا لیکن اب بتاتے ہیں کہ عشق کی جزا کیا ہے۔ عاشقوں کا بدلہ خود ذاتِ باری تعالیٰ ہوتی ہے۔ عاشقوں کا رنج و خوشی اور اُن کے اعمال کی اُجرت صرف ذاتِ الٰہی ہی ہے۔ اگر وہ معشوق کی ذات کے علاوہ کسی چیز کا طالب ہے تو پھر اُس کا عشق، عشق نہیں ہے بلکہ وہ دیوانہ ہے۔ جب عشقِ الٰہی نمودار ہوتا ہے تو ماسویٰ اللہ اُس کی آگ سے جل جاتا ہے۔ کلمہ طیبہ میں "اِلَّا اللہ" کہنے کا مطلب یہی ہے کہ اب اُس کے لئے سب کچھ ذاتِ خداوندی ہی ہے۔ عشق غیر کو بالکل جلا ڈالتا ہے۔ عاشق کی آنکھ صحیح ہوتی ہے وہ صرف ایک ہی دکھاتی ہے۔ بھینگے کو ایک کے دو نظر آتے ہیں۔

جہاں کہیں بھی حُسن کی جھلک ہے وہ ذاتِ خداوندی کا پَر تو ہے۔ جسم میں رُوح کی وجہ سے حرکت ہوتی ہے اور یہی جسم کا حُسن ہے۔ ہر چیز کے عکس کو عکسِ خداوندی وہی سمجھے گا جس کی رُوحِ انسانی زندہ ہوگی۔ جو رُوحِ انسانی کی عظمت سے ناواقف ہیں وہ رُوحِ حیوانی ہی کو سب کچھ کہیں گے۔ جو فطرتاً بد ہیں اُن کی اِصلاح ناممکن ہوتی ہے۔

جس نے عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کو نہ دیکھا ہو وہ حجاج بن یوسف کو ہی عادل سمجھے گا جو کہ بہت ہی ظالم انسان تھا۔ اُس نے ہزاروں بے قصور لوگوں کا خون بہایا تھا۔ جب تک کوئی اصل کو نہیں دیکھ لیتا وہ نقل سے دھوکا کھا ہی جائے گا۔ جو شخص حقیقت سے ناواقف ہوتا ہے وہ مجاز کو حقیقت سمجھ لیتا ہے۔ چیزیں اپنی ضدوں سے پہچانی جاتی ہیں۔ دنیا کو بھگت کر آخرت کی قدر معلوم ہوگی۔ انسان جب دنیا کی زندگی ختم کر کے عالمِ آخرت میں پہنچے گا تو بہت شکر گزار ہوگا۔ پھر سمجھے گا کہ دنیا آخرت کے مقابلے میں خاک اور مٹی تھی۔ دنیا خارستان تھی اور آخرت گلستان ہے۔ دنیا میں جس قدر وقت گزرا اُس پر انسان افسوس کرے گا۔ مرنے کے بعد ہر نیک و بد جلد مر جانے کی خواہش کا اظہار کرے گا۔ اگر نیک ہوگا تو کہے گا کاش میں جلد اِس بھلائی تک پہنچ جاتا۔ اگر بد ہے تو کہے گا کاش پہلے مر جاتا تو بُرائیاں کم کرتا۔

حدیث "ہر مرنے والا یہ ضرور تمنّا کرے گا کہ وہ پہلے مَر جاتا، نیک ہے تو جلد بھلائی کو پہنچ جاتا اور اگر بُرا ہے تو اُسکی بدکاری کم ہوتی"

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص جسم کی قید سے چھوٹا اُسے اپنے مرنے پر افسوس نہ ہوگا۔ اگر وہ نیک ہے تو کہے گا کہ پہلے مرتا تو پہلے جنت میں پہنچ جاتا۔ اگر بد ہے تو سوچے گا کہ اگر جلد مر جاتا تو بُرائیاں کم کرتا، اگر پہلے مر جاتا تو میرے گمراہی کے پردے کم ہوتے۔ اے انسان! حرص کی وجہ سے قناعت کو نہ چھوڑ اور تکبر کر کے

مَیلِ جاں اندر حیاتؔ و در حَیّ ست	زانکہ جانِ لامکاں اصلِ وے ست
ہماری جان کا میلان زندگی اور اللہ کی طرف ہے	کیوں کہ اُس کی اصل لامکانی جان ہے

عاجزی کے چہرے کو زخمی نہ کر۔ بخل سے سخاوت کو تکلیف نہ پہنچا اور اپنی شیطنت سے سجدہ والے حسین چہرے کو زخمی نہ کر۔ جنت تک پہنچانے والے پَروں کو نہ اُکھاڑ۔ جب مور نے ناصح کی باتیں سُنیں تو وہ رو پڑا اور اپنی گریہ زاری سے دوسروں کو بھی رُلا دیا۔ ناصح خود بھی اُسے دیکھ کر رونے لگا۔ وہ سوچتا تھا کہ میں نے کیوں بے وقوفی سے مور کو تکلیف پہنچائی۔ آنسو کے ہر قطرے میں اُس سوال کا جواب تھا۔ جو خلوص کا رونا ہوتا ہے اُس کی تاثیر محض دنیا تک ہی نہیں بلکہ عرش تک پہنچتی ہے۔ بناوٹی رونے پر شیطان مذاق اُڑاتا ہے۔ "دل خدا کا عرش ہے" تو چونکہ سچا رونے سے عرش متاثر ہوتا ہے لہٰذا عقل اور دل جو کہ دونوں عرشی ہیں وہ بھی اس سے متاثر ہوتے ہیں۔

ہاروت اور ماروت دونوں کا تعلق عالمِ بالا سے تھا لیکن چاہِ بابل میں قیدی ہیں۔ اسی طرح عقل و رُوح بھی عالمِ بالا کی چیزیں ہوتے ہوئے انسانی بدن کے کنویں میں قیدی ہیں۔ اِن دونوں نے چونکہ عالمِ سفلی اور شہوانی سے تعلق پیدا کرلیا ہے اِس لئے اُنہیں جسم کے کنویں میں بند کر دیا گیا۔ اب نیک لوگ اُن سے اچھی تعلیمات حاصل کرتے ہیں اور بُرے لوگ بُری تعلیمات حاصل کرتے ہیں۔ عقل اور رُوح سمجھاتی ہے کہ ہمارے سحر سکھانے میں ایک امتحان اور آزمائش ہے کہ سیکھنے والا اِسے غلط استعمال کرتا ہے یا صحیح۔ اُس جادو کا سیکھنا انسان کا اپنا اختیاری فعل ہے، اِسی لئے اُسے اِن دونوں باتوں پر قدرت ہے۔

انسان کے اندر کی خواہشیں سوئے ہوئے کتوں کی طرح ہیں اور انسان کے دل میں خیر و شر دونوں موجود ہیں۔ انسان کا یہ سمجھنا کہ اُس میں بُرائی کی طاقت نہیں ہے، بہت بڑی غلطی ہے۔ چونکہ بُرائی کا موقع حاصل نہیں، اس لئے وہ قوت سوئی ہوئی ہے جب موقع ملے گا وہ فوراً بیدار ہو جائے گی۔ انسانی خواہشوں کا حال سوئے ہوئے کتوں جیسا ہوتا ہے۔ اُن کے سامنے جب کوئی مُردار آجاتا ہے تو پھر اُن کی نیند کا حال دیکھو۔ اب اُس کتے کا ایک ایک بال دانت بن جاتا ہے اور وہ حیلے اور غصّے سے پُر ہو جاتا ہے۔ آگ کو اگر ایندھن نہ ملے تو قدرے پُر سکون ہوتی ہے لیکن ایندھن ملتے ہی شعلہ زن ہو جاتی ہے۔ انسان کے اندر یہ بُری صفتیں اُن کتوں کی طرح سوئی ہوئی ہیں، جب موقع ملتا ہے تو وہ پھر اپنی تیزی دکھاتی ہیں۔ بیماری کے دوران مختلف غذاؤں کی شہوت و رغبت سکون پذیر ہوتی ہے لیکن جب وہ مختلف غذائیں دیکھتا ہے تو وہ شہوت بیدار ہو جاتی ہے۔ خواہش بیدار ہوتی ہے اور انسان کشمکش میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ کھانے کو جی بھی چاہتا ہے لیکن ڈرتا بھی ہے کہ اگر کھاؤں گا تو مرض کی وجہ سے بدپرہیزی ہو جائے گی۔ اگر مریض میں صبر کا مادہ ہے تو اُن غذاؤں کو دیکھنا اُس کے لئے مُفید ہے تاکہ اُس کی خواہش بیدار ہو جائے اور اگر وہ صابر نہیں ہے تو اُس کے لئے

مَیلِ جاں اندر ترقی و شرف
جان کا میلان، ترقی اور شرافت کی طرف ہے

مَیلِ تن در کسبِ اسبابِ عَلَف
اور جسم کا میلان چرنے کے اسباب کی طرف ہے

مناسب ہے کہ وہ ان غذاؤں ہی کو نہ دیکھے۔

مور کا سوال کرنے والے ناصح دانا کو جواب دینا

مور نے ناصح سے کہا کہ اے دانا! تُو صرف رنگ و روپ کا عاشق ہے اور یہ نہیں دیکھتا کہ میرے یہ خوبصورت پَر میرے لئے کس قدر مصائب کا سبب ہیں۔ شکاری میرا شکار محض اِن پروں کے لئے ہی تو کرتے ہیں، کوئی جال لگاتا ہے، کوئی تیر مارتا ہے۔ جب مجھ میں اِس قدر مصائب سہنے کی طاقت نہیں ہے تو بہتر یہی ہے کہ میں بدصورت بن جاؤں۔ پروں کو بچانے سے جان کا بچانا بہتر ہے۔ میرے یہ پَر میرے غرور و تکبر کا باعث ہیں اور تکبر سینکڑوں بلاؤں کا سبب بنتا ہے۔

جس طرح مور کے پَر اُس کے مصائب کا سبب ہیں اِسی طرح دنیا کے ہنر، فریب اور دنیا کی عقل بھی انسان کے لئے وبالِ جان ہے۔ گناہ کے کر سکنے اور نہ کر سکنے کا اختیار صرف اُس شخص کے لئے مناسب ہے جس میں تقویٰ ہو اور اگر تقویٰ نہیں ہے تو پھر اُس کے لئے اختیار رکھنا مناسب نہیں ہے۔ پھر وہ اسباب و ذرائع جن سے بُرائی کرنے پر قدرت حاصل ہو سکے انسان کی تباہی کا سبب ہیں۔

میرے غرور کا سبب میرے پَر ہیں اس لئے میں اِن کو ہی ختم کئے دیتا ہوں۔ جو صابر ہو صرف وہی اِن اسباب کو سمجھ سکتا ہے۔ صابر اپنے صبر کی ڈھال سے اپنا بچاؤ کر سکتا ہے لیکن میں چونکہ ناچنے اور پَروں کی نمائش سے صابر نہیں ہوں اس لئے میرے پَر میرے دشمن ہیں۔ اگر انسان صابر ہو تو بُرائی کی قدرت ہوتے ہوئے بُرائی نہ کرنا بہت زیادہ افضل ہے۔ میری مثال بچے کی سی ہے جس کے ہاتھ میں تلوار دینا مناسب نہیں ہے۔ وہ اُس کا غلط استعمال کرے گا۔ تلوار ہمیشہ عقل مند کے ہاتھ میں ہی ہونی چاہیے تا کہ وہ تلوار کا صحیح استعمال کرے۔ جب کہ مجھ میں عقلِ سلیم نہیں ہے تو مجھے اپنا ہتھیار یعنی اپنے پَر اپنے پاس نہیں رکھنے چاہئیں۔ اگر انسان میں تلوار سنبھالنے کی طاقت نہیں ہے تو دشمن اُس کی تلوار چھین کر اُس ہی کا خاتمہ کر دے گا۔

میں اپنے نفس کو ذلیل کرنے کے لئے اپنے پَر اُکھاڑ رہا ہوں تا کہ اس کے جمال و کمال کے اسباب ہی باقی نہ رہیں۔ پَر اُکھاڑنے میں میری یہ مصلحت ہے تو پھر پَر نوچنا گناہ نہیں ہے۔ اگر مجھ میں پردہ پوشی کی طاقت ہوتی تو پھر میں پَر نہ اُکھاڑتا۔ چونکہ مجھ میں گناہ کے اسباب کے ہوتے ہوئے گناہ سے بچنے کی طاقت نہیں ہے اس لئے میں اسباب ہی کو ختم کر رہا ہوں۔ دراصل میں خود اپنا دشمن ہوں۔ جب تک بھی جان میں جان ہے میں بھاگتا رہوں گا لیکن اپنی بُرائی

میل و عشقِ آں شرف ہم سوئے جاں
رُوح کا میلان اصل جان یعنی اللہ کی طرف ہے

زیں یُحِبُّ را و یُحِبُّوْنَ را بداں
قرآن میں ہے "خدا اُن سے" اور وہ خدا سے محبت کرتے ہیں

سے خود بچ جانا بہت مشکل کام ہے۔ دوسرے کی بُرائی سے بھاگنے میں فرار ممکن ہے۔ جب وہ دُور ہو جائے گا تو ٹھہرا جا سکتا ہے لیکن چونکہ میں خود ہی اپنا دشمن ہوں تو میرا کام ہروقت اِس دشمن سے بھاگتے رہنا ہے۔ نہ میرے لئے ہندوستان میں قرار ممکن ہے نہ خُتن میں کیونکہ میرا دشمن سایہ کی طرح میرے ساتھ ساتھ ہے۔

اُن بیخودوں کا بیان جو اپنے ہُنر اور شر سے محفوظ ہو گئے

وہ بے خود جو اپنے ہنر اور شر سے مطمئن ہیں، جنہوں نے اپنا وجود، وجودِ حق میں اِس طرح فنا کر دیا ہے جس طرح ستارے دن کے وقت سورج کے نور میں فنا ہو جاتے ہیں۔ جب کسی کو فنا فی الحق حاصل ہو جاتی ہے تو وہ اِسی طرح بے سایہ ہو جاتا ہے جس طرح آنحضور ﷺ تھے۔ چونکہ وہ اپنی صفات، صفاتِ حق میں فنا کر چکے تھے لہٰذا ان صفات کے اعتبار سے حضور ﷺ کو فقر حاصل تھا جو کہ حضور ﷺ کے لئے باعثِ فخر تھا۔ تو پھر آنحضور ﷺ کی شمعِ وجود، شعلۂ شمع کی طرح بے سایہ تھی۔ جب شمع مجسّم شعلہ بن جائے تو اُس کا سایہ نہیں رہتا ہے۔ شمع کا موم اور سایہ اُس ذات کی شعاعوں میں گم ہو گیا جس نے شمع بنائی تھی۔ شمع ساز نے شمع سے کہا کہ میں نے تجھے فنا کے لئے بنایا تھا۔ اُس نے جواب دیا کہ اِسی لئے میں فنا ہو گئی ہوں۔

یہ خدائی شعاع ہی حقیقی شعاع ہے۔ عارضی اور فانی شعاع حقیقی نہیں ہوتی۔ شمع جب اپنے آپ کو آگ میں فنا کر دیتی ہے تو اُس کا کوئی نشان باقی نہیں رہتا۔ یہی حال فنا فی اللہ کا ہے۔ نورِ جان اور نورِ شمع میں یہ فرق ہے کہ شمع کا نورِ شمع کے وجود سے وابستہ ہے۔ نورِ جان اِسی قدر بڑھے گا جس قدر اُس کی شمع یعنی جسم گھٹے گا۔ نورِ جان کی شعاع باقی اور نورِ شمع فانی ہے۔ نورِ جان، ربانی شعلہ سے منور ہے جو ہمیشہ قائم و دائم ہے۔ جس طرح روشنی (نور) ہونے کے وقت آگ کے شعلے سے فنا کا سایہ دُور ہو جاتا ہے اِسی طرح جب جان عین نورِ حق ہو جاتی ہے تو فنا کا سایہ اُس سے دُور ہو جاتا ہے۔ ابر میں چونکہ کثافت ہے اُس کا سایہ ہوتا ہے۔ چاند کی روشنی نورِ خالص ہے اُس کا سایہ نہیں ہوتا۔ جب جان مقام فنا حاصل کر لیتی ہے تو اُس کی کثافت دُور ہو جاتی ہے اور وہ چاند کی روشنی کی طرح بن جاتی ہے۔ اگر رُوح میں کسی وقت کسی قدر خودی کی کیفیت پیدا ہوتی ہے تو اُس میں اَبر جیسی کثافت پیدا ہو جاتی ہے۔ نور جاتا رہتا ہے اور اُس نور کا محض ایک خیالی وجود رہ جاتا ہے، جس طرح چاند کا نور اَبر کی وجہ سے کمزور پڑ جاتا ہے۔ یہی خود پسندی کی صورت میں نورِ جان کی کیفیت ہو جاتی ہے۔ ابر اور گرد کے حجاب کی وجہ سے چاند کی ایک خیالی صورت رہ جاتی ہے۔ یہی حال جسم کے ابر کی وجہ سے نورِ جان کا ہوتا ہے۔

تفرقہ در رُوحِ حیوانی بُود
دُوئی تو حیوانی رُوحوں کا خاصہ ہوتا ہے

نفسِ واحد رُوحِ انسانی بُود
لیکن انسانی رُوح تو ایک ہی جان ہے

یہ اللہ کا کرم ہے کہ تن پروروں کو اُس نے اپنا دشمن قرار دیا حالانکہ اُن کے خدا کے دشمن ہونے کی کوئی وجہ نہیں کیونکہ اُن کی خدا سے دشمنی متصور نہیں ہو سکتی۔ وہ تو دراصل مومنین کے دشمن ہیں۔ چاند پر گرد و غبار کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ وہ تو محض دیکھنے والوں کی آڑ ہے۔ اَبر دیکھنے والوں کا دشمن ہے کیونکہ اُن کی نگاہ سے چاند کو چھپا دیتا ہے۔ یہ اَبر ہماری نظر میں ایک خوبصورت چیز کو بدنما بنا دیتا ہے لیکن چاند کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ اللہ نے ہمارے دشمن کو اپنا دشمن قرار دے کر ہماری عزت افزائی کی ہے۔

عالم کے تمام تعینات کا وجود وجودِ مطلق کا سایہ اور عکس ہے۔ اَبر پر چاند کی روشنی پڑنے سے گو اُسے چاند کی ہمرنگی حاصل ہو جاتی ہے لیکن یہ عارضی ہوتی ہے۔ جب قیامت میں صرف ذاتِ باری تعالیٰ باقی رہ جائے گی تب سب کو یقین آ جائے گا کہ دوسری چیزوں کا وجود محض عارضی تھا۔ وہ چیزیں جن سے انسان دنیا میں فائدہ اُٹھاتا ہے دایہ کی طرح ہیں۔ اصل تو ماں ہوتی ہے جو ہمیشہ گود میں رکھتی ہے۔ ذاتِ باری بھی ہمارے لئے مثل ماں کے ہے۔ مظاہر کے ذریعے ظاہر کا جلوہ گویا بالواسطہ ہو سکتا ہے لیکن اگر بلاواسطہ تعلق قائم ہو سکے تو بہتر ہے۔ اگر ذات سے بواسطہ استفادہ کرنا ہی ممکن نظر آئے تو ایسے شیخ کے ذریعے ہونا چاہیے جو باقی باللہ ہو تاکہ وہ حجاب نہ بن سکے۔ وہ اپنی ذات کے لحاظ سے فانی ہو جیسے انبیاء علیہم السلام اور اولیاء رحمہم اللہ ہوتے ہیں۔ ایسی شخصیات، بندے اور اللہ کے درمیان پردہ نہیں ہوتیں بلکہ پردے کو چاک کرنے والی ہوتی ہیں۔ شیخ کامل ایسے اَبر کی طرح ہوتا ہے جو آسمان کا ہم رنگ ہو چکا ہو۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معجزہ دکھایا کہ بارش ہو رہی تھی لیکن اَبر نظروں سے غائب تھا۔ جب عاشق مکمل صبر اختیار کر لیتا ہے تو اُس کے جسم کی بھی یہی حالت ہو جاتی ہے کہ بظاہر جسم ہوتا ہے لیکن اُس کی جسمانیت نہیں ہوتی۔ مور نے کہا میرے پَر دوسروں کو لطف اندوز کرتے ہیں اور میرے دشمن ہیں۔ دوسروں کے لطف کی خاطر جان قربان کرنا بے وقوفی ہوتی ہے۔ سلامتی چاہتا ہے تو اپنے آپ کو عیب دار بنا لے جیسے حضرت خضر علیہ السلام نے کشتی کو عیب دار کر دیا تھا تاکہ ظالموں سے محفوظ رہے۔

اللہ کے سوا ہر چیز یا کھانے والی ہے یا غذا

جو انسان دوسروں کو جال میں پھنساتا ہے وہ خود بھی جال میں پھنستا ہے۔ اس دنیا کی ہر چیز دوسرے کا لقمہ ہے یا کسی کو لقمہ بنانے والی ہے۔ تمام کائنات میں تنازع للبقاء ہے۔ ہر چیز کسی دوسری چیز کو کھاتی ہے۔ پھر کھانے والی چیز کسی دوسری چیز کی غذا بن جاتی ہے۔ ایک چڑیا کیڑے کا شکار کرتی ہے اور اس بات سے غافل ہے کہ باز اُس کے شکار کی فکر میں ہے۔ جو انسان دوسروں کو کھانے والا ہے اُسے اپنے کھانے والے سے بے فکر نہ ہونا چاہیے۔

گفت حق رَشَّ عَلَیْھِمْ نُوْرَہٗ
اللہ نے فرمایا "اپنا نور اُن پر چھڑک دیا ہے"

مُفترق ہرگز نہ گردد نورِ اُو
اُس کا نور متعدد نہیں، عین واحد ہوتا ہے

خود اُسے کھانے والا اگر چہ اُسے نظر نہیں آتا لیکن عقل کی آنکھ سے دیکھے تو سمجھ میں آجائے گا۔ پرندہ کیڑے کو خوراک بنانے کو تیار ہے تو بلی اُسے کھانے کو تیار ہے۔ چور اپنی دُھن میں اِس قدر منہمک ہے کہ اپنے دُشمن سے بے خبر ہے۔ گھاس پانی کو ہضم کرتی ہے تو حیوان کا معدہ اُسے ہضم کر ڈالتا ہے۔

اللہ کے علاوہ ہر چیز دوسرے کو فنا کرتی ہے اور اُسے کوئی دوسری چیز فنا کر ڈالتی ہے۔ اللہ کی شان ہے کہ وہ دوسروں کو غذا عطا کرتا ہے اور خود غذا سے بے نیاز ہے۔ دنیا کی کوئی چیز لگنے جانے سے محفوظ نہیں۔ فانی چیزوں کا اپنی فنا سے بے فکر رہنا بڑی مصیبت کی بات ہے۔ اِس معاملے میں غیر فانی اللہ کی جانب رجوع ضروری ہے۔

یہ بات صرف مادیات ہی پر لاگو نہیں ہے بلکہ ایک خیال دوسرے خیال کو کھا جاتا ہے۔ انسان وساوس اور خیالات سے کسی طرح نجات نہیں پاتا۔ اگر انسان خیالات کو ختم کر کے سو بھی جاتا ہے تو وہ خیالات اُن شہد کی مکھیوں کی طرح باقی رہتے ہیں جو کسی غوطہ خور کی فکر میں باہر اُڑ رہی ہوں تاکہ اُس کے پانی سے باہر آنے پر اُس کو چمٹ جائیں۔ انسان ہمیشہ خیالات کی خلش میں مبتلا رہتا ہے۔ ایک خیال اُسے اپنی جانب کھینچتا ہے تو دوسرا خیال اپنی جانب۔ انسانوں کو کھانے والی چیزوں میں سے خیالات کمتر درجہ کی چیز ہے۔ جب اُن کا یہ حال ہے تو بڑی چیزوں کی حالت خدا کو ہی معلوم ہے۔

انسان کو اُن تمام تباہ کُن چیزوں سے بچنے کے لئے اللہ کی پناہ حاصل کرنا ضروری ہے۔ اگر تم اپنا رابطہ براہِ راست اللہ سے قائم نہیں کر سکتے ہو تو کسی برگزیدہ شیخ کو واسطہ بنالو۔ اپنا ہاتھ صاحب نسبت شیخ کے ہاتھ میں پکڑا دو کیونکہ اُس کے ہاتھ کو اللہ کی دستگیری حاصل ہے۔ تیری عقل بچگانہ عادت رکھتی ہے کیونکہ وہ پوشیدہ نفس کے پڑوس میں رہتی ہے۔ تُو اپنی عقل کو شیخ کی عقل سے وابستہ کر دے۔ وہ تیری بچگانہ عادتیں چھڑا دے گا۔ چونکہ جب تُو شیخ کے ہاتھ میں ہاتھ دے گا تو وہ تجھے برباد ہونے والی چیزوں سے بچا دے گا۔ جب تُو شیخ کی ہدایت کا پابند بنے گا تو تب تجھے تجربہ ہوگا۔ شیخ وقت کو نبی ﷺ کا پرتَو حاصل ہوتا ہے۔ بیعتِ رضوان کے موقع پر جب آنحضور ﷺ صحابہ رضی اللہ عنہم سے بیعت لے رہے تھے تو اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ قرار دیا۔ شیخ سے بیعت کرنے کے بعد تجھے بھی ویسی ہی فضیلت حاصل ہو جائے گی جیسی بیعتِ رضوان والوں کو حاصل ہوئی تھی۔ تُو سونے کی طرح خالص بن جائے گا۔ یہ جہان اور وہ جہان دونوں تمہارے ساتھ ہوں گے کیونکہ آنحضور ﷺ کی حدیث ہے کہ ''انسان اُس کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت کرتا ہے'' یہ حکم دنیا اور آخرت دونوں کے لئے ہے۔

دنیا میں اپنے سے کمزوروں پر ظلم کرنے والوں کو یہ جان لینا چاہیے کہ کوئی نہ کوئی اُس سے بھی طاقتور ضرور ہے۔

چُوں نباشد نُورِ دِل، دِل نیست آں
اگر دِل میں نُور نہ ہو تو وہ دِل ہی نہیں

چُوں نباشد رُوح جُز گِل نیست آں
اور اگر رُوح بیدار نہ ہو تو انسان مٹی کے سوا کچھ نہیں

سورۃ اللہب میں ابولہب کی بیوی کے گلے کی رسی کو حرص اور حسد کی رسی سمجھ۔ اِس رسی کو توڑ دے۔ اِس جال سے جدائی ضروری ہے اور تیرا یہ جال خود تیرے پروں پر چپکا ہوا ہے۔ ہر انسان کو غور کرنا چاہیے کہ وہ مظلوم ہے یا ظالم کیونکہ وہ خود شکاری بھی ہے اور شکار بھی۔ انسان کی شکاری پن کی عادت اُس کو خود شکار بن جانے سے غافل بنائے ہوئے ہے۔ وہ دوسروں کا دل چُراتا ہے اور خود اُس کا دل چوری ہو چکا ہے۔ انسان کو اللہ کے انتقام سے ایسا غافل نہ ہونا چاہیے کہ اُس کے سامنے غفلت کی ایسی دیوار ہو جو کھلے ہوئے دشمن کو بھی نہ دیکھنے دے۔ چڑیا بھی اپنے پھنسنے کے خوف سے اِدھر اُدھر کو دیکھ لیتی ہے۔ تُو چڑیا سے کم نہ بن۔

انسان کو پچھلے بدکاروں کے انجام اور سامنے سے گزرتے ہوئے دوستوں کی موت کو دیکھ لینا چاہیے۔ اللہ نے پہلے بدکاروں کو بغیر کسی ظاہری آلے کے ہلاک کر دیا۔ تُجھے بھی یقین کر لینا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ بغیر ظاہری ہاتھ کے سزا دے دیتا ہے۔ منکرِ خدا بھی سزا کے وقت خدا کا اقرار کر لیتا ہے۔ جو پہلے اللہ کو اپنے سے بہت دُور سمجھتا تھا عذاب کے وقت اُس کو "یَا قَرِیْبُ" کہہ کر پکارتا ہے۔ خدا کے منکروں کو انجام کار حسرت اُٹھانا پڑے گی۔ قرآن میں پڑھ لے اُن لوگوں اور قوموں کے انجام سے تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ حق تعالیٰ مظلوموں کی فریاد سنتا ہے۔ وہ سب کچھ جانتا ہے اور ظالموں کو تباہ کرنے میں اُس کو کوئی باک نہیں ہے۔ یہ مور کا ناصح کو جواب تھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا کوے کو مارنا اور اُس کی مذموم صفت کی طرف اشارہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو کوے کو ہلاک کیا تو وہ کونسی انسانی بُری صفت کے ازالے کی طرف اشارہ ہے؟ اے خلیل علیہ السلام! آپ علیہ السلام خود ہی فرما دیں کہ کوے کو ہلاک کرنے میں آپ کی کیا حکمت ہے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ کوے کی کائیں کائیں کا مطلب ہے کہ وہ اپنی عمر کی درازی کا خواہاں ہے۔ شیطان نے اللہ سے دُعا کی تھی کہ مجھے قیامت تک کی عمر دے دے۔ اُس کے مقابلے میں حضرت آدم علیہ السلام نے توبہ قبول کرنے کی دُعا کی۔ وہ زندگی جو بغیر دوست کے ہو محض اپنی جان کو گھسنا ہے۔ موت تو دراصل اللہ سے غفلت کا نام ہے۔ موت ہو یا زندگی جو باری تعالیٰ کے ساتھ ہے وہی بہتر ہے۔ اللہ کو چھوڑ کر آبِ حیات بھی آگ کا کام کرتا ہے۔ شیطان کی درازی عمر کی دُعا بھی اُس کے ملعون ہونے کا اثر تھی۔ خدا سے غیر خدا کو مانگنا عین تباہی کی بات ہوتی ہے۔ خصوصاً وہ عمر جس میں خدا کی رضا حاصل نہ ہو محض مکاری ہے۔ اچھی زندگی تو وہ ہے جس میں قربِ الٰہی میں جان (رُوح) کی پرورش ہو سکے۔ کوے کی عمر کی زیادتی کی دُعا تو گوبر کھانے کے لئے ہے۔ اگر وہ گوبر کھانے والا نہ ہوتا تو یہ

آں زجاجے کو ندارد نورِ جاں　　بولِ قارورہ است قندیلش مخواں

وہ شیشہ جس میں جان کا نور نہیں ہے　　اُسے قندیل نہ کہہ بلکہ پیشاب سے بھری شیشی کہہ

دُعا کرتا کہ اے اللہ! مجھے کوے پن سے نجات دے دے۔

مُناجات

اللہ کی قدرت ہے کہ اُس نے مٹی میں سونا پیدا کر دیا۔ مٹی ہی سے اُبوالبشر آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا۔ اللہ کا کام خلاقی اور انسان کا کام بھول چوک ہے۔ اللہ کو قدرت حاصل ہے کہ وہ ہماری بھول کو علم سے بدل دے۔ ہمارے غصّے کو بُردباری سے بدل دے۔ وہ چاہے تو شور زمین سے غلہ اُگا دے۔ وہ چاہے تو گمراہ کو راہبر بنا دے۔ راستہ نہ دیکھے ہوئے کو پیغمبر بنا دے۔ انسان مٹی سے بنا ہے لیکن قدرت نے اُسے دولتِ ایمان سے بہرہ ور بنا دیا ہے۔ گنے میں شکّر پیدا کرنا، شاخ میں پھل لگانا، غلیظ نطفہ سے حُسین معشوق پیدا کر دینا قدرتِ خداوندی ہی کا کام ہے۔ اُس کی قدرت ہے کہ مٹی میں سے پھول اور دل سے خلوص پیدا کر دیتا ہے۔

جو شخص دنیاوی زندگی کو منتہائے کمال سمجھتا ہے اُس کو تو اِبتداء میں ہی موت آجاتی ہے کیونکہ زندگی تو اللہ کے ساتھ ہونے کا نام ہے۔ جو شخص قلبی بصیرت سے آسمان کو دیکھے گا' اُس کو نظر آئے گا کہ وہاں ہر وقت قدرت کا کوئی نہ کوئی مظاہرہ ہو رہا ہے۔ عالَمِ بالا کے تصرّفات میں ایک عجب کیمیا گری ہوتی رہتی ہے اور مختلف تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں۔ اُس تبدیلی کی دلیل یہ ہے کہ انسان اِبتداء میں عناصر میں سے ایک عنصر تھا۔ اگر وہ اُسی حالت میں رہتا تو اُسے احسنِ تقویم کا اِرتقائی رُتبہ کیسے ملتا۔ اللہ نے اُس کے پہلے وجود کو بدل کر دوسرا وجود عنایت کر دیا۔ وجود کی تبدیلی کے لاکھوں مرتبے ہیں۔ انسان کی توحید کا تقاضہ ہے کہ وہ تبدیل کرنے والی ذات پر نظر رکھے۔ تبدیلی کے درمیانی واسطوں پر نظر رکھنا انسان کو اُس ذات سے دُور کر دیتا ہے۔

محبوب سے ملاقات میں جس قدر وسائل کا اضافہ ہوتا جاتا ہے ذوقِ وصل میں کمی آتی جاتی ہے۔ اسباب وعلل معلوم کرنے میں وہ حیرت کم ہو جاتی ہے جو انسان کو بارگاہِ خداوندی میں پہنچاتی ہے۔ جب کہ مراتب میں فنا کے بعد اِرتقائی وجود حاصل ہوا ہے تو انسان کو فنا سے نہ گھبرانا چاہیے۔ ہر تبدیلی کے بعد دوسرا وجود پہلے وجود سے بہتر ملا ہے تو پھر انسان کو فنا کی جستجو کرنی چاہیے اور تبدیلی کرنے والے کا شکر گزار رہنا چاہیے۔

انسان کے لاکھوں مراتب ایسے ہیں جو فنا ہو چکے ہیں۔ انسان اپنے جمادی وجود سے نباتی وجود میں منتقل ہو گیا۔ پھر نباتی وجود کے بعد اُسے حیوانی وجود اور پھر عقل کی بنیاد پر اُس کو وہ وجود مل گیا جس میں وہ احکام کا مکلف بنا۔ پھر اُس کا ارتقاء عالَمِ اَرواح کی جانب ہوا جو حواسِ خمسہ اور جہاتِ ستہ سے بالاتر ہے۔ اِن مراتبِ وجود کے نشانات اُس وقت تک ہیں جب تک کہ اُس کا وجود، وجودِ مطلق سے وابستہ نہیں ہوا اور جب اُس سمندر میں پہنچ گیا تو پھر اُن وجودات کے

آں حسے کہ حق براں حس مظہرست
وہ حس جس سے حق محسوس ہوتا ہے

نیست حس ایں جہاں آں دیگرست
اِس دُنیا کی حس نہیں ہے' وہ الگ ہے

نشانات غائب ہو جاتے ہیں۔ اِس مسئلے کو اس طرح سمجھ کہ خشکی کی منازل کے نشانات ہوتے ہیں۔ انہیں نشانات کے ذریعے گاؤں، سرائے اور وطن بنتے ہیں لیکن دریا کی منازل کا کوئی نشان نہیں ہوتا۔ دریا کی منزل کی چھت ہوتی ہے نہ دیوار اور نہ وہاں چلنے کے نشانات پیدا ہوتے ہیں۔ عالَمِ مکان اور عالَمِ لامکان دونوں منزلوں کے درمیان بہت زیادہ فاصلہ ہے۔

پہلے مراتب کی فنا کے بعد بقاء حاصل ہوتی ہے تو اس جسم کی بقاء سے انسان کو نہ چمٹنا چاہیے۔ جو شخص عمر کی درازی کا متمنی ہے اُس کو اس تبدیلی میں جان کی بازی لگانی چاہیے اور انسان کو تازہ وجود حاصل کرنا چاہیے کیونکہ اُسے ہر مرتبہ پہلے مرتبے سے افضل حاصل ہوا ہے۔ کھجور اپنا پھل دوسروں کو دے دیتی ہے تو اُسے قدرت نیا پھل عطا فرما دیتی ہے۔ اگر پرانا پھل نہ جھڑے تو وہ بوسیدہ اور گندہ ہو جائے گا۔ جس نے نیا وجود حاصل کر لیا ہو وہ پرانے وجود کا خریدار نہ بنے گا کیونکہ وہ ذاتِ حق میں اپنے آپ کو فنا کر چکا ہے۔ اہلِ دنیا چونکہ پرانے وجود سے چمٹا رہنا چاہتے ہیں تو وہ بھی پانی کے پرندوں کی طرح اندھے دلوں کے مالک ہیں جو کہ کھاری پانی کے تالاب سے چمٹے ہوئے ہیں۔ اگر اس بُری حالت میں تُو عمر کی زیادتی کا خواہاں ہے تو تیری مثال اُس حبشی کی سی ہے جو اپنی سیاہ رنگت پر مطمئن اور خوش ہو۔ اگر کوئی شروع میں خوش رنگ اور پھر سیاہ رُو ہو جائے تو وہ اپنی حالت پر مطمئن نہیں ہو سکتا۔ اُڑنے والا پرندہ پنجرے میں پھنس جائے تو غم و غصہ میں رہتا ہے۔ پالتو پرندے کو اپنی غلامی کا غم نہیں ہوتا۔ تُو عالَمِ بالا کا آزاد پرندہ ہے۔ دنیا کے پنجرے سے اپنے آپ کو آزاد کر لے۔

فرمانِ نبوی ﷺ تین شخص قابلِ رحم ہوتے ہیں

اچھی حالت کے بعد اگر بُری حالت ہو جائے تو وہ اِنتہائی تکلیف دہ ہوتی ہے۔

جو شروع میں مفلس ہو وہ اِس قدر قابلِ رحم نہیں ہے جیسا کہ وہ شخص جو مالداری کے بعد مفلس ہو گیا ہو۔ جو شخص پہلے باعزت تھا اور پھر ذلیل ہو گیا ہو وہ زیادہ قابلِ رحم ہے اور وہ عالم جو جاہلوں میں پھنس گیا ہو، بہت زیادہ قابلِ رحم ہوتا ہے۔ ایسے تینوں شخص بہت قابلِ رحم ہوتے ہیں کیونکہ عزت کے بعد ذلت ہونے سے وہی تکلیف ہوتی ہے جو بدن کا کوئی عضو کٹنے سے ہوتی ہے۔ جو شخص ایک بار کسی چیز کی لذت چکھ لیتا ہے اُس کی یاد اُسے ستاتی ہے۔ جس شخص نے سلطنت کا مزہ نہ چکھا ہو وہ سلطانی کی حرص سے محروم ہوتا ہے۔ توبہ وہی کرتا ہے جسے گناہ کا احساس ہوتا ہے اور اگر کسی کو احساس ہو جائے کہ وہ راستہ سے بھٹکا ہوا ہے تو وہی آہ بھی کرتا ہے۔

حسِ حیواں گر بدیدے آں صُوَر
اگر حیوانی حِس اُس صورت کو محسوس کر سکتی

بایزیدِ وقت بُودے گاوِ و خر
تو ہر گائے یا گدھا وقت کا بایزیدؒ ہوتا

ہرن کے بچّے کا گدھوں کے اصطبل میں قیدی ہونا

ہرن کا بچّہ آزادی کا لطف اُٹھائے ہوئے تھا۔ ایک شکاری نے اُسے پکڑ کر بیلوں اور گدھوں کے اصطبل میں چھوڑ دیا۔ وہ ایسے ماحول میں پریشان ہوگیا۔ گدھوں کی گھاس اُس کا کھانا نہ تھا۔ وہ نرم ونازک پودے کھانے کا عادی تھا۔ وہ اصطبل میں بھوکا اِدھر اُدھر دوڑتا تھا۔ جس کسی کو اُس کی ضد کے پاس چھوڑ دیا جائے تو اُس سزا کو وہ موت خیال کرتا ہے۔ یہی حال ایک عالم کا جاہلوں میں ہوتا ہے۔ اے بیٹا! اِس جسم کی وجہ سے تُو بھی عذاب میں ہے۔ انسان کا سب سے بڑا عذاب یہی ہے کہ اُسے یعنی رُوح کو غیر جنسی جسم کے پنجرے میں بند کر دیا گیا ہے۔

سُلطان خوارزم شاہ کا سبزوار شہر والوں کو ابوبکر نامی شخص مہیّا کرنے کا حُکم دینا

خوارزم شاہ بادشاہ نے جو کہ خراسان کا حاکم تھا شہر سبزوار کو فتح کر لیا۔ شہر کے باشندے مطیع ہوگئے اور اُنہوں نے امان چاہی۔ اُنہوں نے کہا کہ جو ٹیکس آپ ہم پر لگائیں گے ہم اُسے ادا کر دیا کریں گے۔ سبزوار کے باشندے چونکہ شیعہ مذہب سے تعلق رکھتے تھے تو بادشاہ نے کہا کہ امان کی شرط یہ ہے کہ اپنی آبادی میں سے ابوبکر نامی کوئی شخص لا کر پیش کرو۔ شیعہ چونکہ ابوبکر نام نہیں رکھتے اِس لئے یہ ایک مشکل کام تھا۔ شاہ نے کہا کہ اگر یہ کام نہ کرو گے تو سب کو قتل کرا دوں گا۔ اُن لوگوں نے اشرفیوں کے بورے لا کر سامنے رکھ دیئے اور کہا کہ قبول کر لیجئے اور ابوبکر نامی شخص کے لانے کی شرط ختم کر دیجئے۔ سبزوار میں کسی ابوبکر کی تلاش ایسی ہی تھی جیسے دریا میں سے کوئی خشک ڈھیلا تلاش کرے۔ اشرفیاں دے کر نجات حاصل کرنے کی اُن لوگوں کی تمنا ایسی ہی تھی جیسا کہ کوئی شخص نماز سے اِس طور پر چھٹکارا حاصل کرنا چاہے کہ پوری مسجد سرنیوں سے ناپ ڈالے لیکن سجدہ نہ کرے۔ ابوبکر نامی شخص کی تلاش میں سبزوار والوں نے جاسوس چھوڑ دیئے۔ تین دن کی دوڑ دھوپ کے بعد اُنہوں نے ایک لاغر سا ابوبکر ڈھونڈ لیا جو کہ مسافر تھا اور مرض کی وجہ سے وہاں پڑا رہ گیا تھا۔ اُن لوگوں کے لئے یہ شخص ایک موتی کی طرح تھا جو بے قدروں میں پڑا ہو۔ وہ ایک اُجڑے ہوئے کھنڈر میں سو رہا تھا۔ لوگوں نے اُسے کہا کہ اُٹھ، کیونکہ بادشاہ تیرا طالب ہے، وہ اپنی شرط کے مطابق ہمیں معاف کر دے گا اور ہم قتل ہونے سے بچ جائیں گے۔ وہ بولا: اگر مجھ میں چلنے کی طاقت ہوتی تو میں اپنی منزل کی طرف روانہ نہ ہو جاتا، میں تم لوگوں میں کیوں ٹھہرتا۔ اُن لوگوں نے ابوبکر کو تابوت میں ڈال کر کاندھوں پر سوار کر لیا اور بادشاہ کی طرف دوڑے تاکہ اُسے دکھا سکیں۔

اے بسا بیدار چشم و خفتہ دِل	خود چہ بیند چشم اہلِ آب و گِل
بہت سے بیدار آنکھ والے سوئے ہوئے دِل والے ہیں	یہ مٹی اور پانی سے بنی ہوئی آنکھ کیا دیکھ سکتی ہے

یہ دنیا بھی سبزوار ہے اور یہاں بھی مردِ حق اسی طرح بے یار و مددگار رہتا ہے جس طرح ابوبکر نامی شخص سبزوار میں تھا۔ اللہ تعالیٰ کی مثال خوارزم شاہ سمجھو۔ وہ بھی لوگوں سے ایک اچھے دل کا مطالبہ کرتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے "اللہ تمہاری صورتوں اور مالوں کو نہیں دیکھتا وہ تو تمہارے دلوں اور کاموں کو دیکھتا ہے"۔ اللہ تعالیٰ خلق پر کسی صاحب دل کی وجہ سے توجہ فرماتا ہے۔ ہر شخص ایسا صاحبِ دل نہیں ہے جس کی وجہ سے مخلوقِ خدا کا منظورِ نظر بنے۔ اللہ تعالیٰ اُس دل کو پسند کرتا ہے جس دل میں اس قدر وسعت ہو کہ سات آسمانوں جیسے سو اُس میں سما جائیں۔ عام دلوں میں ایسے دل کی تلاش ایسی ہی ہے جیسا کہ سبزوار میں ابوبکر نامی کی تلاش۔ صاحبِ دل شش جہات سے مُصفّٰی ہوتا ہے۔ اس کی مثال شش رو آئینہ کی سی ہوتی ہے اور خدا ہر طرف سے اُسے دیکھتا ہے۔ جو شخص لامکانی بن چکا ہو وہ غیر اللہ کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھتا۔ اگر کوئی صاحبِ دل کسی کی طرف نظر کرتا ہے تو خدا کے لئے کرتا ہے اور اُس کا رد و قبول سب خدا کے لئے ہوتا ہے۔ چونکہ اُس صاحبِ دل کے جملہ اَحوال خدا کے لئے ہوتے ہیں لہٰذا وہ خدا کا برگزیدہ ہوتا ہے۔ یہ صاحبِ دل خلیفۃ اللہ ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی جملہ عطا اُس کے واسطے سے ہی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے جملہ عطیات اُس کے ہاتھوں مخلوق کو پہنچاتا ہے۔ اُس کے ہاتھ کا خدا سے جو اتصال ہے اس کا بیان ممکن نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ سونے چاندی سے بے نیاز ہے وہ صرف اور صرف دل کا اخلاص قبول کرتا ہے۔ جس سے وہ صاحبِ دل راضی ہوتا ہے اُس سے خدا راضی ہوتا ہے اور جس سے وہ ناراض ہوتا ہے خدا اُس سے ناراض ہوتا ہے۔ وہ صاحبِ دل ایسا ہی مربی ہے جس طرح ماں مربی ہوتی ہے۔ وہ صاحبِ دل مخلوق کے لئے ماں باپ کی طرح ہوتا ہے۔ مصیبت تو یہی ہے اے دوست! کہ تُو خدا کے سامنے اپنا وہ دل پیش کرتا ہے جو ایک دمڑی کا بھی نہیں ہے۔ اُس صاحبِ دل پر عالم کی بقاء کا دارومدار ہوتا ہے اور ایسا ہی دل آدم علیہ السلام کی جان کا محبوب ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے دل کا منتظر ہے جو نور اور نیکی سے بھرا ہوا ہو۔ دنیا میں ایسے دل کا ملنا ایسا ہی دشوار ہے جس طرح سبزوار میں ابوبکر نامی شخص کا ملنا۔ اگر ایسا دل تیرے پاس نہیں ہے تو اپنا مردہ دل ہی بارگاہ میں پیش کر دے جس طرح سبزوار والوں نے بیمار اور لاغر ابوبکر نامی شخص کو پیش کر دیا تھا۔ وہ شاہ تم سے پوچھے گا کہ کیا یہاں کوئی قبرستان ہے کہ تُو مردہ دل کو یہاں لے آیا ہے۔ جا اور وہ دل لا جس کی وجہ سے عالم کی بقاء ہے۔ تم اس کے جواب میں کہنا کہ دنیا تاریکی ہے اور دل نور ہے۔ تاریکی میں نور کہاں ہوتا ہے۔ ایسے دل سے تو دنیا کو روزِ ازل ہی سے دشمنی ہے۔ اگر کوئی دنیادار ایسے صاحبِ دل کے ساتھ نرمی برتتا ہے تو وہ منافقت پر مبنی ہوتی ہے اور یا وہ اُس سے کسی دنیاوی فائدے کا اُمیدوار ہوتا ہے۔ اگر دنیادار صاحبِ دل کی ہاں میں ہاں

واں کہ دِل بیدار دارد چشمِ سَر	گر بخسپد بر کُشاید صَد بصر
جس کا دِل بیدار ہے اور سَر میں آنکھ ہے	اگر سو بھی جائے تو سو بینائیوں والا ہوتا ہے

ملاتا ہے تو محض اس لئے کہ وہ اُسے زیادہ نصیحت نہ کرے، اس لئے کہ ایک دنیادار میں لاکھوں مکاریاں چھپی ہوئی ہوتی ہیں۔ بہت سے لوگ منافقانہ حاضر ہوئے ہیں اور مومنِ کامل بن گئے ہیں۔ صاحبِ دل اپنی شان وشوکت کی وجہ سے عیب دار کا بھی خریدار بن جاتا ہے۔

جب تجھے معلوم ہوگیا کہ صاحبِ دل معیوب کو بھی خرید لیتا ہے تو اب کسی صاحبِ دل کی تلاش کرلے، اگر تُو خدا کا دشمن نہیں ہے۔ دنیا میں جس شخص کی مکاری اور چالاکی تجھے پسند آئے' وہ تیرا دوست تو ہوسکتا ہے لیکن خدا کا دوست نہیں ہے۔ تُو اُسے نبی یا ولی سمجھتا ہے کیونکہ وہ تیری خواہش کے مطابق زندگی گزارتا ہے۔ تیرے لئے ضروری ہے کہ نفسانی خواہشات کو ترک کردے تاکہ تُو خدائی بُو سونگھنے کے لائق ہوسکے۔ اگر تُو نفس کی پیروی کرتا رہے گا تو مُشک وعنبر کو نہ پہچان سکے گا۔ تیرا دماغ نفسانی خواہشات کی وجہ سے خدائی خوشبو سے ناآشنا ہے۔ تُو کوے کی طرح نجاست پر عاشق ہے۔ اِس بات کی حد نہیں ہے اور ہمارا ہرن اصطبل میں جا بجا بھاگتا پھر رہا ہے۔

گدھوں کے اصطبل میں ہرن کا بقیہ قصّہ

وہ عمدہ ناف والا نازک ہرن کئی دن تک گدھوں کے اصطبل میں رہا۔ وہ اس قدر بے چین تھا جیسے مچھلی خشکی پر یا ایک ڈبیا میں مینگنی اور مُشک عذاب میں ہوتے ہیں۔ ایک گدھے نے ہرن سے کہا کہ تیرا مزاج تو امیرانہ اور شاہانہ ہے اور تُو بالکل خاموش ہے۔ دوسرا گدھا بولا: اس کی بات تو موتی ہے، یہ اُسے سستا کب فروخت کرے گا۔ تیسرا بولا: اگر تجھ میں اس قدر نازک مزاجی ہے تو شاہانہ تخت پر تکیہ لگا کر کیوں نہیں بیٹھتا۔ ایک گدھے کو بدہضمی ہوگئی تھی اُس نے اپنی بچی ہوئی گھاس ہرن کو کھانے کو دے دی۔ اُس نے سر کی جنبش سے انکار کا اشارہ کیا۔ اُس گدھے نے کہا کہ تُو نخرے کررہا ہے یا غرور کی وجہ سے نہیں کھاتا۔ غرض گدھے ہر طرح سے اُسے پریشان کررہے تھے۔

ہرن نے کہا یہ گھاس تُو کھا کیونکہ یہ تیری خوراک ہے۔ اگرچہ میں تقدیرِ خداوندی سے اس عذاب میں پھنس گیا ہوں لیکن میرا مزاج کہاں بدل سکتا ہے۔ اگر میں اس وقت فقیر ہوں تو بھی اپنی آبرو نہیں بیچ سکتا۔ شریف آدمی پرانے لباس میں بھی نیا ہی رہتا ہے۔ پردیس میں چونکہ ناواقف لوگ ہوتے ہیں اِس لئے شیخی بگھارنے کا بہت موقع ملتا ہے۔ ہرن بولا: میرا نافہ میری عظمت پر گواہ ہے' جو ہر خوشبو سے بڑھا ہوا ہے۔ لیکن اس نافہ کی قدر تو اُس کو ہے جو صاحبِ دماغ ہو۔ گوبر سونگھنے والا گدھا اس خوشبو سے واقف نہیں ہے۔ گدھوں کو مُشک کیسے سنگھایا جاسکتا ہے؟ صحیح خوشبو صاف دماغ والا ہی سونگھ سکتا ہے۔

بادہ از ما مست شُد نے ما ازو
شراب، ہم سے مست ہوئی نہ کہ ہم اُس سے

قالب از ما ہست شُد نے ما ازو
جسم، ہماری وجہ سے پیدا ہوا ہے نہ کہ ہم اُس کی وجہ سے

اسی لئے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اسلام نا اہلوں کے لئے اجنبی ہے۔ اچھے مسلمان سے اُس کے رشتہ دار بھی بھاگتے ہیں اگرچہ ملائکہ اُس سے مانوس ہیں۔ عوام اللہ کے خاص بندوں کو اپنے جیسا ہی سمجھتے ہیں کیونکہ اُن کی خوشبو سے ناواقف ہیں۔ مردِ خدا عوام میں ایسا ہی ہوتا ہے جیسے بیلوں میں شیر۔ اُس کو دُور ہی سے دیکھ لے زیادہ چھیڑ چھاڑ نہ کر۔ اگر تُو اُس کے حال اور احوال کی زیادہ جستجو کرتا ہے تو پھر اپنے جسم سے ہاتھ دھو لے۔ وہ تیری حیوانی خصلت کو اپنی باطنی توجہ سے مٹا دے گا۔ تُو پہلے بیل تھا اب تُو بھی شیر بن جائے گا۔ اگر تجھے اپنا بیل پن پسند ہے تو اس شیر کی جستجو نہ کر۔

وہ سات دُبلی گائیں جو موٹی گائیوں کو کھا گئیں، اُن کو شیر ہی سمجھ

سُورۃ یُوسف میں حضرت یُوسف علیہ السلام نے خواب کی تعبیر بتائی، اُس کا بیان

عزیزِ مصر نے خواب میں دیکھا کہ سات لاغر گائیں سات موٹی تازی گائیوں کو کھا گئیں۔ وہ سات دبلی گائیں دراصل سات شیر تھے۔ بہت سے اولیاء رحمہم اللہ ایسے ہی دبلے نظر آتے ہیں لیکن وہ مرید کی حیوانی صفات کو پھاڑ ڈالتے ہیں۔ وہ حیوانی صفات اُس سے دُور ہو جاتی ہیں خواہ اُن کے ازالے سے اُس کو تکلیف پہنچے۔ وہ ایک درد ہوتا ہے لیکن بہت سے دردوں سے نجات دلا دیتا ہے اور سفلی انسان کو علوی بنا دیتا ہے۔ اب یہ معمولی انسان اُس شیخ کے تصرف سے شاہ بن جاتا ہے اور بدن کی مردگی سے دل کی زندگی حاصل کر لیتا ہے۔ اگر تجھے شیخ سے عقیدت ہے تو مجاہدے کر کے جسم کی قربانی اُس کی خدمت میں پیش کر دے۔ اگر تُو جسم کی قربانی پیش نہیں کرتا ہے تو گویا تُو شیخ کی مہمانی ادا نہیں کر رہا۔ آخرکار تیرا جسم فنا ہو گا تو پھر تُو شرمندہ ہو گا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مرغ کو ذبح کرنا اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ انسان کو شہوت پرست نہیں ہونا چاہیے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: میں نے خدائی حکم سے مرغ کو ذبح کیا۔ سوال کرنے والے نے پوچھا: اس خدائی حکم میں کیا حکمت تھی؟ فرمایا: مرغ شہوت پرست پرندہ ہے۔ چونکہ نسلِ انسانی کی بقاء کے لئے شہوت ضروری تھی ورنہ حضرت آدم علیہ السلام اپنے آپ کو خصی بنا لیتے۔ شیطان نے التجا کی تھی، اے اللہ! مجھے انسان کو پھانسنے کے لئے مضبوط جال عنایت کر دے۔ اللہ نے اُسے سونا چاندی جواہر وغیرہ دکھائے لیکن اُس نے کہا: اس سے بھی بڑھیا جال چاہتا ہوں۔ اُس کے سامنے عمدہ کھانے اور فاخرہ لباس دیئے لیکن شیطان نے اور مضبوط جال مانگا۔ جسے ہر کس و ناکس نہ توڑ سکے اور مردانِ خدا غیروں سے ممتاز ہو جائیں۔ اللہ نے شراب اور ستار دکھائے تو وہ کچھ کچھ راضی ہو کر مسکرایا۔ شیطان نے اللہ تعالیٰ کی صفتِ مُضِل کو پکارا کہ فتنہ کے سمندر سے گرد اُڑا دے، جبکہ موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی صفت ہادی کے مظہرِ اتم تھے اور انہوں

بادہ از ما مست شُد نے ما ازو	قالب از ما ہست شُد نے ما ازو
شراب، ہم سے مست ہوئی نہ کہ ہم اُس سے	جسم، ہماری وجہ سے پیدا ہوا ہے نہ کہ ہم اُس کی وجہ سے

نے کمال دکھایا کہ دریائے نیل میں گرد کے پردے آویزاں کر دیئے تو مجھے بھی صفتِ مُضِل کا مظہرِ اَتم ہونا چاہیے۔ اب اللہ نے عورتوں کے حُسن کا فتنہ شیطان کو دکھایا تو وہ خوشی سے ناچنے لگا کہ اب میرا منشا پورا ہو گیا۔ اب حسینوں کی اداؤں نے دنیا کو دیوانہ بنا رکھا ہے۔

اِنسان کی اچھی اور کمتر ساخت کی طرف لوٹانے، عُمر کی درازی اور پھر اوندھا کر دیتے ہیں' کی تفسیر

حسینوں کے زوال پذیر حُسن کی یہ کیفیت ہے کہ اُس کے شباب کے وقت تمام مخلوق اُن کو سجدہ کرتی ہے اور حُسن ڈھل جانے کے بعد اُس کی حالت حضرت آدم علیہ السلام کی سی ہو جاتی ہے جو جنت سے محروم کر دیئے گئے تھے۔ پھر ہر حَسین آہیں بھرتا ہے کہ ہائے کمال کے بعد ایسا زوال۔ اُسے جواب ملتا ہے کہ یہ زیادہ دیر تک جینے کی سزا ہے۔ جیسے حضرت آدم علیہ السلام جنت سے نکلے تھے اِسی طرح حَسین کو جبرائیل علیہ السلام حسینوں کے زمرے سے اور حسن کی دولت سے باہر نکال دیتے ہیں۔ وہ حَسین زبانِ حال سے پوچھتا ہے کہ ایسی عزت کے بعد ذلت کیوں ہوئی؟ جبرائیل علیہ السلام جواب دیتے ہیں کہ وہ حُسن تو محض عطا تھی اور اب یہ ذلت انصاف کا تقاضہ ہے۔ حَسین کہے گا پہلے تُو مجھے سجدے کرتا تھا اب حسن کی جنت سے باہر کیوں نکالتا ہے؟ میں حُسن کے لباس سے محروم کیا جا رہا ہوں۔ جیسا کہ درخت خزاں میں پتوں سے محروم ہو جاتا ہے۔ پہلے جو شخص بڑے بڑے پہلوانوں کو اپنی بغل میں دبا لیتا تھا اب اُس کی یہ حالت ہے کہ لوگ اُسے بغل میں ہاتھ کا سہارا نہ دیں تو وہ چل بھی نہیں سکتا اور بڑھاپے کے آثار موت کا پیغام دیتے ہیں۔

آیت "مگر جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کئے اُن کے لیے نہ ختم ہونے والا اجر ہے" کی تفسیر

جس شخص کو نورِ حق حاصل ہو گیا ہو بڑھاپا اُس کے لئے نقصان دہ نہیں ہے۔ ایسے انسان کے اعضاء کی سُستی مَست کے اعضاء کی سُستی کی طرح ہے جو رستم جیسے پہلوان کے لئے بھی باعثِ رشک ہے۔ ایسا انسان مرتا ہے تو اس کے رگ و پے میں خدا سے ملنے کا شوق بھرا ہوا ہوتا ہے۔ جو شخص اِس نور خداوندی سے محروم ہے اُس کی مثال بے پھل کے باغ کی سی ہے جسے خزاں تہ و بالا کر دے۔ باغ کی ایسی حالت اُس کی خود بینی کی وجہ سے ہوئی جو کہ بہت بڑا جرم ہے۔ جس معشوق کے عشق میں عالم روتا تھا اب وہی عالم اُس کو اپنے پاس سے بھگاتا ہے۔ اُس نے کیا جرم کیا ہے؟ اُس کا جرم یہ ہے کہ اُس نے حُسن کو اپنی ملکیت سمجھا۔ ہم اُس سے حُسن کو اس لئے واپس لے لیتے ہیں تا کہ سب کو معلوم ہو جائے کہ حُسن دراصل ہماری ملکیت

می رہند اَرواح ہر شب زیں قفس
رُوحیں ہر شب اِس پنجرے (جسم) سے چھوٹ جاتی ہیں

فارغاں بے حاکم و محکوم کس
(جیسے) فارغ البال بغیر افسری اور ماتحتی کے ہوں

ہے اور دنیا کے حَسین ہمارے خوشہ چین ہیں تاکہ حَسین یہ سمجھ جائیں کہ یہ حُسن کا لباس مانگا ہوا اور باری تعالیٰ کی ایک تجلی تھی۔ تمام خوبیاں تو دراصل اللہ کی ہیں اور یہ کائنات تو اُس کا مظہر ہے۔

کائنات میں موجود سب خوبیاں عارضی ہیں اور یہ پھر اپنے مرکز کی طرف واپس ہو جاتی ہیں۔ کائنات میں اُن کا ظہور ایسا ہی ہے جیسے سہ رنگے آئینے میں سورج کی روشنی نظر آئے۔ جس طرح سورج کا نور ایک ہی رنگ کا ہے اور مختلف شیشوں میں مختلف نظر آتا ہے اسی طرح اُس کی صفات ہیں۔ جب وہ مظاہر باقی نہیں رہتے تو صرف یک رنگا نور باقی رہ جاتا ہے۔ انسان کو صفاتِ خداوندی کا بغیر مظاہر کے مُشاہدہ کرنا چاہیے تاکہ کائنات کے فنا ہو جانے کے بعد بھی وہ اُس نور کا مُشاہدہ کر سکے۔ تُو نے مظاہر کے ذریعے اُس کی صفات کے مُشاہدے کی عادت ڈال رکھی ہے۔ حضرتِ حق تعالیٰ اپنی صفت حُسن کو واپس لے لیتے ہیں تاکہ تجھے معلوم ہو جائے کہ یہ حُسن تیرے پاس عارضی تھا۔ اگر تُو اِس نعمت کے زوال پر بھی اللہ کا شکر یہ ادا کرے گا تو وہ تجھے اِس سے سینکڑوں گنا زیادہ حُسن عطا فرما دے گا۔ اگر حُسن کے جانے پر تُو نے شکر ادا نہ کیا تو پھر خون کے آنسو بہاتا رہ۔ عوض تو شکر گزار کو ملتا ہے ناشکرے کافر کو نہیں ملتا، کافروں کے اعمال رائیگاں جاتے ہیں۔ اللہ نے مومنوں کے دلوں کی اصلاح کر دی ہے۔ ناشکرے سے حُسن اور خوبی اِس طرح زائل ہوتی ہے کہ پھر اُس کا نشان بھی نہیں ملتا۔ پھر کافر کو اپنے اوصافِ حسنہ یاد بھی نہیں آتے ہیں۔

دولتِ رفتہ اور دولتِ آئندہ صرف شکر گزاروں اور وفاداروں ہی کا حصہ ہے۔ قرآن میں ہے ''اللہ تعالیٰ کو قرض حسنہ دو'' اِس حکم پر عمل کر اللہ تجھے بڑا بدلہ دے گا۔ انسان اپنی ضروریات کو کم کر کے دوسروں پر خرچ کرتا ہے تب آخرت میں اُس کا بدلہ ملتا ہے۔ جو شخص دوسروں پر خرچ کرے گا' دولتِ آخرت اُس کے ہاتھ آئے گی۔ اللہ بدلے دے کر اُن کو خوش کر دے گا اور جو کچھ اُنہوں نے خرچ کیا ہو گا اُس کو بڑھا کر واپس کرے گا۔ اللہ موت کو حکم دے گا کہ اِن شکر گزاروں سے تُو نے جو کچھ چھینا ہے انکو واپس کر دے۔ موت اُن کو دنیاوی مال دینا چاہے گی' وہ اُسے قبول نہ کریں گے کیونکہ اب اُن کو اُخروی مالداری میسر آ گئی ہے۔ وہ کہہ دیں گے کہ ہم صوفی ہیں۔ ہم اپنا سب کچھ لٹا چکے ہیں۔ اب ہم اُس کو واپس نہیں لیں گے۔ اب اللہ نے ہمیں وہ بدلہ عطا فرما دیا ہے جس کے بعد ہمیں دنیا کی حرص و حاجت نہیں رہی ہے۔ دنیاوی چیزیں شور زدہ پانی کی طرح ہیں اور آخرت کی نعمتیں چشمہ کوثر ہیں۔ ایسا انسان دنیا کو کہہ دیتا ہے کہ ہم شہیدانِ راہِ خدا ہیں اور تیری جملہ عنایتوں کو تیرے منہ پر مارتے ہیں تاکہ دنیا یہ سمجھ لے کہ اللہ کے کچھ بندے وہ بھی ہیں جو دنیا کو پرِ کاہ سمجھتے ہیں۔ یہ مردانِ خدا دنیا کی مونچھیں اُکھاڑ پھینکتے ہیں اور ہر معاملے میں اللہ کی مدد کے قلعے پر جھنڈا گاڑ

می رہند ارواح ہر شب زیں قفص
رُوحیں ہر شب اِس پنجرے جسم سے چھوٹ جاتی ہیں

فارغاں بے حاکم و محکوم کس
(جیسے) فارغ البال' بغیر افسری اور ماتحتی کے ہوں

دیتے ہیں۔ یہ فنا کے بعد بقاء کا درجہ حاصل کر لیتے ہیں اور از سرِ نو زندہ ہو جاتے ہیں۔ اُن کی جملہ مشکلات فضلِ خداوندی سے کھل جاتی ہیں اور اُن کا کافرِ نفس تبدیل ہو جاتا ہے۔ فنا سے جو نا اُمیدی پیدا ہوئی تھی وہ سب اُمید سے بدل گئی اور اُن کے لئے یہ دنیا پاک جگہ ہو گئی۔ اس فنا کے بعد اُن کو ابدی زندگی نصیب ہو گی۔ عالمِ غیب میں ایسے سورج ہیں کہ دنیا کا سورج اُن کے مقابلے میں ستارہ لگتا ہے۔

آپ پوچھیں گے نیستی میں ہستی چھپی ہوئی کیسے ہو سکتی ہے؟ کیونکہ نیستی اور ہستی دو متضاد چیزیں ہیں۔ ایک دوسری میں کیسے چھپی ہوئی ہو سکتی ہیں؟ جواب یہ ہے کہ یہ ایسے ممکن ہے جیسے کہ نطفے سے جو کہ غلاظت ہے اور نیستی ہے اُس سے زندہ بچہ پیدا ہو جاتا ہے۔ تمام عابدین کی اُمیدیں غیب اور عدم سے وابستہ ہیں۔ کاشتکار جس نے بیج بو کر اپنی کوٹھی خالی کر لی ہے وہ اُسی پیداوار پر خوش ہے جو کہ ابھی عدم میں ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ وہ عدم سے وجود میں آئے گی۔ اِس لئے ہر انسان کو چاہیے کہ جو کچھ اُس کے لئے پردۂ غیب میں ہے وہ اُس کا منتظر رہے تا کہ وہ سمجھ لے کہ نیکی کرنے سے لامحالہ آرام میسر آئے گا۔ پردۂ غیب کی چیزوں کو ظاہر کرنے کی اجازت نہیں ورنہ وہ موجود پرستوں کو غیب یعنی آخرت پرست بنا دیتا۔ حضرتِ حق تعالیٰ کی کارگاہ عدم ہے جس سے وہ عطایا عنایت کرتا رہتا ہے۔

درحقیقت دنیا غیر موجود ہے اور موجود نظر آتی ہے اور آخرت حقیقتاً موجود ہے لیکن نظر نہیں آتی جیسا کہ ہوا کو غبار وغیرہ نے پوشیدہ کر رکھا ہے جو غیر واقعی چیزیں ہیں۔ تو جو مَعدُوم ہے وہ نظر آ رہا ہے اور جو موجود ہے وہ مخفی ہے۔ گرد کا بگولا اُٹھتا ہے تو خاک نظر آتی ہے لیکن اصل محرک یعنی ہوا نظر نہیں آتی۔ ہوا نظر نہیں آتی لیکن اُس کا وجود اِس لئے سمجھ میں آ جاتا ہے کہ خاک میں اَز خود اُڑنے کی طاقت نہیں ہے۔ انسان کے افکار پوشیدہ ہیں اور اُس کی گفتگو جس کا وجود افکار کے وجود کا پَرتَو ہے وہ ظاہر ہے۔ یہی حال شئونات اور وجودِ مطلق کا ہے جو کہ حقیقت ہے وہ بظاہر غیر موجود ہیں اور موجود نظر آتی ہیں۔ ہم نے اپنی کم عقلی کی وجہ سے مَعدُوم کو موجود اور موجود کو مَعدُوم سمجھ رکھا ہے۔ یہ ہماری آنکھ کا قصور ہے کہ وہ غیر موجود کو موجود دکھا رہی ہے۔ جس آنکھ میں نیند ہو وہ محض خیالی اور غیر واقعی چیزوں کو موجود دکھا دیتی ہے۔

عالمِ شہود جو کہ مَعدُوم ہے موجود نظر آتا ہے اور عالمِ غیب ہماری جسمانی آنکھوں سے پوشیدہ ہو گیا ہے۔

یہ حضرتِ حق تعالیٰ کی سحر آفرینی ہے کہ منکر غیر حقیقی چیز کو حقیقی سمجھتے ہیں۔ دنیا میں بھی ایسے جادوگر ہوتے ہیں جو چاندنی کی چاندنی کو کپڑا بنا کر فروخت کر دیتے ہیں۔ دنیا کے بارے میں ہماری بھی یہی حالت ہے کہ ہم چاندنی کو کپڑا سمجھ رہے ہیں۔ دنیا دار کی عمر اسی دھوکے میں برباد ہو جاتی ہے۔ عمر ختم ہو جاتی ہے اور وہ کچھ حاصل نہیں کر پاتا۔ دنیا میں

اندراں کارے کہ مَیل ستت بداں جس کام میں تیرا میلان ہوتا ہے اُس میں	قُدرتِ خود را ہمی بینی عیاں تُو اپنی قدرت کو کُھلا دیکھتا ہے

انسان کے تین ساتھی ہیں۔ دوست، مال اور نیک عمل، ان میں سے دو مرتے وقت ساتھ چھوڑ دیں گے۔ نیک عمل وفاداری کرے گا اور ساتھ دے گا۔ موت کے وقت دوست محض قبر تک ساتھ دیتے ہیں اور واپس ہو جاتے ہیں۔ نیک اعمال انسان کا قبر میں بھی ساتھ دیتے ہیں۔

حدیث "ایک ساتھی ضروری ہے جو تیرے ساتھ زندہ دفن ہوگا اور تو مُردہ اُس کے ساتھ دفن ہوگا اگر وہ شریف ہے تو تیری عزت کرے گا اور اگر کمینہ ہے تو تجھے چھوڑ بھاگے گا اور یہ ساتھی تیرا عمل ہے پس جس قدر جلد ممکن ہو تُو اپنی اصلاح کرلے"

انسان کے نیک اعمال سے زیادہ بہتر کوئی سفر کا ساتھی نہیں ہے۔ نیک عمل انسان کا یار بنے گا اور بد عمل اُس کے لئے سانپ اور بچھو بنے گا۔ یہ عمل اور ہنر بغیر اُستاد کے حاصل نہیں ہوتا ہے لہٰذا کسی کو شیخ بنالے۔ ہر چیز کا پہلے علم حاصل کیا جاتا ہے پھر اُس پر عمل کیا جاتا ہے۔ اگر تم نصیحت کرنے والوں کو دیکھو تو خاموشی سے سنو۔ کچھ حاصل کرنے کی طرف بڑھو اور تکبر نہ کرو۔ بڑائی کا مدار لباس وغیرہ پر نہیں ہے۔ اِس لئے تعلیم حاصل کرنے میں ذلت اور مسکینیت کا لباس اختیار کرنا چاہیے۔ یاد رکھو! علم کتابی زبانی سکھایا جاتا ہے اور ہنر عملی طور پر سکھایا جاتا ہے اور یقین کرلو کہ ذاتِ باری تک پہنچنے کے لئے بھی ہنر، علم کے مقابلے میں زیادہ درکار ہے۔ اُس ہنر کو سیکھنے کے لئے فقر کی ضرورت ہوتی ہے جو محض شیخ کی صحبت سے حاصل ہوتا ہے، نہ بات چیت سے نہ عمل سے۔

انوارِ الٰہی کا علم اولیاء رحمۃ اللہ علیہم کے دلوں میں ہے اور کوئی دل اُن کے دلوں سے براہِ راست حاصل کرسکتا ہے، بات چیت یا کتاب پڑھنے سے نہیں۔ اس راہ کے مسافر کے دل میں اگر کچھ اشارے بھی ہیں تو وہ اِن اشاروں کو سمجھنے سے ابھی محروم ہے۔ جب سالک کے لئے نورِ خداوندی اِن اشاروں کی تشریح کردیتا ہے تو اللہ کی جانب سے "اَلَمْ نَشْرَحْ" والی بشارت مل جاتی ہے۔ قرآن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا گیا "کیا ہم نے آپ کا شرح صدر نہیں کردیا" یعنی ہم نے وہ نور عنایت کردیا ہے جس سے تم رموز واشارے بخوبی سمجھ سکتے ہو۔ اِس سورۃ میں فرمایا گیا کہ ہم نے تمہارے سینہ میں یہ باتیں سمجھنے کی اِستعداد پیدا کردی ہے۔ ایک عام انسان یہ سمجھتا ہے کہ علوم واَسرارِ ذاتِ باری کہیں باہر سے حاصل کئے جاتے ہیں۔ یہ غلط ہے۔ وہ علوم خود انسان کے دل اور رُوح میں موجود ہیں۔ "اَلَمْ نَشْرَحْ" میں خطاب اگرچہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے لیکن ہر طالبِ حق اِس میں داخل ہے۔

اندراں کارے کہ میلت نیست و خواست
جس کام میں تیری خواہش اور میلان نہیں ہے

اندراں جبری شوی کیں از خداست
اُس میں تو جبری بنتا ہے کہ یہ خدا کی جانب سے ہے

انسان کا دل ایک جامع حقیقت ہے۔ اِس میں ذات وصفاتِ باری تعالیٰ کا مُشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ اگر کوئی اپنے دل میں مُشاہدہ نہیں کرتا ہے تو ایسے شخص پر لَا یُبْصِرُوْنَ ”وہ نہیں دیکھتے“ کا طعنہ لگے گا جو کہ کفار کے بارے میں ہے۔ یاد رکھو! ذاتِ حق ہر انسان کے ساتھ ہے لیکن درمیان میں اُس انسان کی ذات حائل ہے۔ تو پھر ہمیشہ ذات کے مُشاہدے کی طلب دل میں ہونی چاہیے۔ اپنے دل میں اُس کے مُشاہدے کی کوشش کر، دربدر اُس کو ڈھونڈتا نہ پھر۔ حضرتِ حق کو اپنے آپ سے باہر تلاش کرنے والے کی مثال تو یہ تھی کہ روٹیوں کی ٹوکری کسی کے سر پر ہو اور وہ دربدر روٹی مانگتا پھرے۔ یا ایک انسان گھوڑے پر سوار ہو اور اُسی گھوڑے کو تلاش کرے۔ لوگ اُس سے پوچھیں کہ تُو کس چیز پر سوار ہے تو اُسے کہنا پڑے کہ گھوڑے پر لیکن پھر بھی گھوڑے کی تلاش میں لگ جائے۔ اُس گھوڑے سوار سے لوگ کہتے ہیں کہ گھوڑا تو تیرے نیچے موجود ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ہاں لیکن مجھے گھوڑا نظر نہیں آ رہا۔ وہ گھوڑے کی تلاش میں مدہوش بنا ہوا ہے اور گھوڑا اُس کے سامنے موجود ہے۔ صرف انسان کے اوہام اور خیالات راستے میں مانع بنتے ہیں۔ مطلوب کے قریب ہوتے ہوئے انسان کا مطلوب کو پوچھنا اُس مطلوب کا پردہ اور اُس مطلوب کے نور کی چمک اُس کے لئے ابر جیسی آڑ بن جاتی ہے۔ اُس کی نظر کا دھوکا خود اُس کی آنکھ کا پردہ ہے۔ وہی آنکھ جو آڑ کو ہٹانے والی چیز تھی وہ فوراً خود آڑ بن گئی۔ ایسے طلبگار کا کان خود اُس کو بہرہ بنا دیتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ انسان کو پراگندہ خیالی سے ہر حال میں بچنا چاہیے اور یقین سے سمجھ لینا چاہیے کہ ذاتِ باری میری شہ رگ سے قریب ہے اور اُس کے مُشاہدے کی کوشش کرنی چاہیے کہ یہ اُس کا غم بن جائے۔

حدیث ”جس نے مُختلف غموں کو ایک غم بنا لیا، اللہ اُس کے سارے غموں کے لیے کافی ہو گیا اور جس کے مُختلف غم ہیں تو اللہ اِس سے بے نیاز ہے کہ وہ کون سی وادی میں تباہ ہوا“

تیرے ہوش کے پانی کو ہر جڑ اور کانٹا چوس رہا ہے۔ پھلوں تک تیرے ہوش کا پانی کیسے پہنچے؟ اگر انسان دنیاوی معاملات کے سوچ بچار میں لگا رہے گا تو آخرت سے غافل ہو جائے گا۔ اگر دنیاوی فکروں سے بچے گا تو آخرت کی فکر کرے گا۔ دنیا اور آخرت کی فکر میں آخرت کی فکر اچھے پھل لائے گی۔ انصاف تو یہ ہے کہ انسان پھل دار درختوں کو پانی دے۔ کانٹوں اور جھاڑیوں کو دے کر اپنے فکر کے پانی کو ضائع ہونے سے بچائے۔ بھلائی کی جگہ پر بھلائی کرنا عدل ہے اور کوئی کام بے موقع کرنا ظلم ہے۔ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں

سعیِ شکرِ نعمتِ قدرت بود
کوشش کرنا اللہ کی دی ہوئی نعمت کا شکر ادا کرنا ہے

جبرِ تو اِنکارِ آں نعمت بود
جبر اُس نعمت کا اِنکار کرنا ہے

سے انسانی رُوح کی تربیت کرنی چاہیے نہ کہ رُوحِ حیوانی کی۔ دنیاوی مخصوں کو صرف اپنے قالب تک محدود رکھو' قلب تک نہ پہنچنے دو۔

تمہاری رُوح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح اعلیٰ چیز ہے اور جسم خرِ عیسیٰ کی طرح ہے۔ بوجھ کو گدھے پر لادو نہ کہ عیسیٰ پر۔ یہ حماقت ہے کہ عیسیٰ پر بوجھ لدا ہوا ہو اور گدھا مزے سے چمن میں گھومے پھرے۔ ہر عمل کا ایک محل ہوتا ہے۔ سُرمہ کان میں لگانا حماقت کی بات ہے۔ اگر خوش قسمتی سے تُو مجسّم رُوح و قلب بن گیا ہے تو اب مجاہدوں کی تکلیف اُٹھانے کی ضرورت نہیں ہے اور اگر تُو مجسّم جسم ہے تو راحت طلبی چھوڑ کر مجاہدوں کا زہر کھا۔ یہ محنت و مشقت تیرے جسم کے لئے مُفید ہے اور راحت طلبی مُضر ہے۔

انسان کا جسم دوزخ کا ایندھن ہے' اسے ختم کرنے کی کوشش کرنی چاہیے ورنہ تیرا لقب بھی وہی ہے جو ابولہب کی بیوی کا تھا۔ قرآن میں اُسے ''حَمَّالَةَ الْحَطَب'' کہا گیا ہے یعنی دوزخ کا ایندھن اُٹھانے والی۔ جسم دوزخ کا ایندھن اور ''رُوح سِدرَۃُ الْمُنْتَهٰی'' کی شاخ ہے۔ دونوں میں فرق کر لے۔ جسم کی شاخ دھوئیں اور آگ کی جڑ ہے اور رُوح کی شاخ عالَمِ بالا کی چیز ہے۔ یہ دونوں شاخیں یکساں نظر آتی ہیں جس کی وجہ آنکھ کی غلط بینی ہے۔ دل کی آنکھ سے دیکھ' دونوں میں فرق نظر آجائے گا۔ انسان کو ہر صورت اس غلط بینی سے نکلنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اگر پاؤں نہیں ہیں تو جسم کو ہی آگے سرکانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ بُرائی سے بچنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

جب انسان راہِ طریقت میں کوشاں ہوتا ہے تو اللہ خود راستہ دکھاتا ہے اور اگر فنا اختیار کرتا ہے تو اُسے بقاء نصیب ہو جاتی ہے۔ انسان جس قدر کسرِ نفسی اختیار کرتا جاتا ہے اُسی قدر اُسے اللہ کی طرف سے بلندی نصیب ہوتی ہے۔

اِس رُباعی کے معنیٰ

گر راہروی راہ برت بکشائیند　　　　ور نیست شوی بہ ہستی ات بگرائیند
ور پست شوی نگنجی اندر عالم　　　　وانگاه تُرا بے تو بتو بنمائیند

''اگر تُو راہِ طریقت پر چلے گا تو تیرے لیے راستہ کھول دیں گے، اگر تُو فنا ہو جائے گا تو تجھے بقاء کی طرف مائل کر دیں گے۔ اگر تو پست ہو جائے گا تو دو عالَم میں نہ سمائے گا، اُس وقت تجھے بغیر تیرے وجود کے دکھائیں گے۔''

حضرت یوسف علیہ السلام نے زنا سے بچنے کی کوشش کی تو زلیخا کے بند کیے ہوئے دروازے کھل گئے اور وہ زلیخا کے

پھندے سے صاف بچ گئے۔ دنیا سے بچ نکلنے کے لئے اگرچہ دروازہ نظر نہیں آرہا لیکن اگر انسان کوشش کرتا ہے تو راہ ضرور پیدا ہو جاتی ہے اور انسان لامکان کا راستہ پالیتا ہے۔ انسان عالمِ بالا سے جس راستے سے آیا ہے وہ بھی اُس کی نظروں سے غائب ہے۔ اِسی طرح وہ غائب راستے سے عالمِ بالا تک جا بھی سکتا ہے۔ راستہ نظر نہ آنے کی وجہ سے اُس راستے کا ہی انکار نہ کر، یاد رکھ! اِسی راستے سے واپس جانا ہے۔ انسان خواب میں راستہ کو بغیر جانے ہوئے چلتا ہے۔ اِسی لئے اپنی حسی آنکھ کو بند کر کے خود کو خدا کے حوالے کر دینا چاہیے تب وہ عالمِ آخرت کا مُشاہدہ کر سکے گا۔ دنیا سے تُو آنکھیں بند نہ کر سکے گا کیونکہ تیری لالچ بھری نظروں نے تیری نظر بندی کر رکھی ہے۔ تُو ہر وقت اپنی سرداری اور بڑائی کے خیال سے اپنے معتقدوں کا منتظر بنا ہوا ہے۔ تجھے سوتے میں بھی یہی خواب اِسی طرح نظر آتے ہیں جیسے اُلو کو خواب میں ویرانہ نظر آتا ہے۔ تُو اپنے خریداروں کا تو منتظر رہتا ہے لیکن تیرے پاس اُن کو فروخت کرنے کے لئے کوئی سودا نہیں ہے۔ اگر تیرے پلے میں کچھ ہوتا تو پھر تُو خریداروں کا منتظر ہی نہ ہوتا۔ عوام میں مقبولیت اور عوام کو گرویدہ کرنے کی وہی شخص کوشش کرتا ہے جو تہی دست ہوتا ہے۔ ایک قِصہ اِسی معنیٰ میں سُن لے۔

نبوت کا دعوای کرنے والے آدمی کا قِصہ

ایک شخص نے پیغمبری کا دعویٰ کیا۔ وہ ایک مسخرہ تھا جس نے افلاس سے مجبور ہو کر نبوت کا دعویٰ کیا تا کہ اس کے ذریعے سے لوگوں کی توجہ اپنی طرف کر سکے۔ وہ اپنی گفتگو میں ایسے جملے استعمال کرتا تھا جس کے دو معنیٰ ہوتے۔ ایک معنیٰ نبوت کے دعوے پر محمول ہو سکتے تھے تو دوسرے معنیٰ کا نبوت سے کوئی تعلق نہ تھا۔ اُس نے اپنے رسول ہونے کا مطلب یہ بتایا تھا کہ وہ اللہ کے پاس سے اس دنیا میں آیا ہے اور اللہ نے مجھے مُلکِ عدم سے بھیجا ہے۔ لوگوں نے کہا کہ عدم سے تو ہم سب بھی آئے ہیں تیری کیا خصوصیت ہے؟ اُس نے کہا: بے شک تم لوگ بھی عدم سے آئے ہو لیکن ایسے اندھے پن سے آئے ہو کہ تمہیں نہ راستے کا پتہ ہے نہ منزل کا۔ تم لوگ سوتے ہوئے بچے کی طرح دنیا میں آئے ہو جب کہ میں بیداری کی حالت میں آیا ہوں۔

لوگوں نے بادشاہ سے اُسے سزا دینے کا مطالبہ کیا۔ شاہ نے اُسے بہت کمزور دیکھا اور کہا: یہ سزا برداشت نہیں کر سکے گا۔ شاہ نے سوچا کہ سزا کی بجائے اُسے سمجھانا بہتر رہے گا۔ شاہ نے اُسے تنہائی میں پوچھا کہ وہ کہاں کا رہنے والا ہے اور کیا کام کرتا ہے؟ اُس نے جواب دیا: دارالاسلام سے ملامت کے گھر یعنی دنیا میں آیا ہوں۔ بادشاہ نے تفریحاً پوچھا کہ تُو نے ناشتے میں آج کیا کھایا ہے؟ وہ بولا: اگر کھانے کو کچھ ہوتا تو میں پیغمبری کا دعویٰ کیوں کرتا۔ اِن لوگوں میں

جُملہ عالم خود مُسبّح آمدند
یُوں تو عالم کی ہر چیز تسبیح کر رہی ہے

نیست آں تسبیحِ جبری مُزدمند
لیکن جبری تسبیح کا اجر نہیں ہے تُو جبری نہیں ہے

پیغمبری کا دعویٰ ایسا ہی مشکل کام ہے جیسے کوئی پہاڑ میں سے دل تلاش کرے۔ اِن لوگوں کا یہی حال ہے۔ خدا کے پیغام سے اِن کو کوئی نسبت نہیں۔ ہاں اگر کسی حسین عورت کا پیغام اِن کے پاس لاؤ تو یہ سب کچھ قربان کر دیں گے۔ اگر انہیں خدا کی طرف بلاؤ تو ناگوار محسوس ہوتا ہے اور آخرت سے ڈرانے والے کی جان کے دشمن بن جاتے ہیں۔ یہ لوگ اللہ کے پیغام کو جو رد کرتے ہیں تو کسی دین کی حمایت میں نہیں کرتے بلکہ انہیں تو اس فانی دنیا سے دلچسپی ہے۔ اِن لوگوں کی مثال اُس گدھے کی سی ہے۔ جس کا ذکر آگے آ رہا ہے۔

عوام کی عداوت اور اُن کا اولیاء رحمہم اللہ سے بیگانہ ہونا اِس لیے ہے کہ وہ اُن کو اللہ کی طرف اور ہمیشگی کے آبِ حیات کی طرف بُلاتے ہیں

زخمی گدھے کے زخم دھونے کے لئے اگر کوئی شخص اُس کے پھائے اُکھاڑتا ہے تو وہ گدھا اُسے لاتیں مارتا ہے۔ خصوصاً جب زخم زیادہ خراب ہوں اور پھائے اُن پر چپکے ہوئے ہوں تو گدھا زیادہ لاتیں مارتا ہے۔ اُن دنیا داروں کی حرص اُن کے زخم ہیں اور گھر بار اُن زخموں کے پھائے ہیں۔ اُلو کا مسکن ویرانہ ہے۔ اگر کوئی اُسے بڑے شہروں کی خوبی سُنائے گا تو وہ سننے کے لئے تیار نہیں ہوگا۔ اگر کوئی اللہ کا پیغمبر اُن کو اللہ کی باتیں سُناتا ہے تو یہ دنیا دار اُس کا مذاق اُڑاتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں: یہ پرانی کہانیاں ہیں۔ دراصل وہ خود پرانے ہیں ورنہ اللہ کے بندوں کی باتیں تو پرانے کو بھی نیا بنا دیتی ہیں۔ مردہ دل اُن سے زندہ ہو جاتے ہیں۔ انہیں ایمان کا نور مل جاتا ہے۔ اُس ولی باصفا رحمۃ اللہ علیہ کی باتیں سُن کہ تُو اپنے نفس پر قابو حاصل کر لے گا۔ اُن باتوں سے دل کی گرہیں کُھل جاتی ہیں لیکن ان باتوں کے سننے والے مفقود ہیں۔

عشق میں اگر ایک ذلت اُٹھانی پڑ جائے تو تُو عشق کو چھوڑ کر بھاگتا ہے۔ تُو نے صرف عشق کا نام سُنا ہے۔ تُو اُس کی حقیقت سے آگاہ نہیں ہے۔ عشق بہت متکبر اور نازوں بھرا ہے اور بہت مصیبتوں سے ہاتھ لگتا ہے۔ عشق ہمیشہ وفا کرتا ہے اور وفاداری ہی سے حاصل ہوتا ہے۔ وہ بے وفا پر نظر بھر کر بھی نہیں دیکھتا۔ انسانیت کی اصل جڑ وفاداری ہے۔ درخت کی جڑ کی حفاظت ضروری ہوتی ہے۔ جس شخص میں وفاداری نہ ہو وہ اُس درخت کی طرح ہوتا ہے جو جڑ گل جانے سے پھلوں سے محروم ہو گیا ہو۔ کسی شخص کے محض علم سے دھوکا نہ کھانا چاہیے بلکہ یہ دیکھنا چاہیے کہ اُس میں وفاداری کا مادہ ہے یا نہیں۔ وفاداری انسان کا اصل جوہر ہوتی ہے۔

انسان اگر خود بھلائیوں سے محروم ہو تو دوسروں کی بھلائیوں سے شیطان کی طرح جلنے لگتا ہے اور چاہتا ہے کہ دوسرے بھی بھلائی سے محروم ہو جائیں۔ یہی حال ابو جہل کا تھا، وہ آنحضور ﷺ کو نماز پڑھتے نہ دیکھ سکتا تھا۔ ناکام

زانکہ گندم شد آدم زاختیار
اختیار کی وجہ ہی سے آدم کو گندم کھا گیا

نیم زنبورِ عسل نیمیش مار
کہ اُس میں بُرائی اور اچھائی کرنے کی قدرت ہے

انسان بامراد انسانوں پر شیطان کی طرح حسد کرتے ہیں۔ اگر انسان اُس ابلیسی صفت سے بچنا چاہے تو خود کو کامیاب بنائے۔ جب انسان وفاداری سے خالی ہو تو اُسے خاموش رہنا چاہیے ورنہ اُس میں دو خرابیاں پیدا ہونے کا امکان ہے۔ اولاً انسان عام طور پر جب زیادہ باتیں کرتا ہے تو وہ تکبر پر مبنی ہوتی ہیں۔ جب تک بات سینے میں ہے وہ رُوح کا جوہر ہے' اِس لئے اُسے خرچ نہیں کرنا چاہیے۔ انسان کا خیال مغز ہے اور اُس کے اظہار کے الفاظ چھلکا ہیں۔ جس قدر چھلکا کم ہوگا مغز بڑھے گا۔ اخروٹ، بادام اور پستہ کو دیکھ لے اگر اُن کا چھلکا موٹا ہوگا تو گری کم نکلے گی۔

جب انسان عہدِ الست میں وفاداری دکھاتا ہے تو پھر اللہ اُس کی وفاداری کی نگہبانی فرماتا ہے۔ قرآن میں ہے ''تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا' میرا شکریہ ادا کرو اور کفر نہ کرو'' ایک دوسری جگہ فرمایا: ''تم میرے عہد کی وفا کرو میں تمہارے عہد کی وفا کروں گا''۔ ہم جو کچھ قرضِ اللہ کو دیتے ہیں یعنی کوئی نیک کام کرتے ہیں تو اُس میں ہمارا ہی فائدہ ہے۔ جیسے ہم زمین میں ایک دانہ بوتے ہیں تو اُس میں زمین کا فائدہ نہیں ہے بلکہ ہمارا فائدہ ہے۔ دانہ بو کر انسان دُعا کرتا ہے کہ جو نعمت تُو نے دی تھی اُس میں سے کچھ واپس زمین کو دیتا ہوں۔ عمل کر کے قبولیت کی دُعا کر، بے عمل کئے دُعا خراب بیج کی طرح ہے، اگر عمل کے ساتھ دُعا کرنا میسر نہ ہو تو درد سے دُعا کر' اِس سے مقصود حاصل ہو جائے گا۔ حضرت مریم علیہا السلام نے کھجور کی گٹھلی نہیں بوئی تھی۔ اُن کے پاس درد تھا اُس سے درخت اُگ آیا۔ چاروں عناصر آگ، پانی، ہوا اور مٹی نے انبیاء علیہم السلام کی مدد کی ہے۔ معجزے محض لوگوں کو دکھانے کے لئے ہوتے ہیں لیکن باطنی کرامتیں جو عوام کی نگاہوں سے مخفی ہوتی ہیں وہ اصل چیز ہوتی ہیں اور دم بدم بڑھتی رہتی ہیں۔

عہد سے وفاداری بھی بغیر تائید الٰہی حاصل نہیں ہو سکتی۔ اس لئے' یا الٰہی! جن کاموں میں استقلال اور پائیداری ضروری ہے اُن میں اِس منحرف ہو جانے والے نفس کو پائیداری عطا کر دے۔ صبر کی دولت عطا فرما کر ترازو کا پلڑا بھاری کر دے اور ہمیں بہروپیوں سے بچا۔ اے مریم! ہمیں حسد سے بچا لے کیونکہ حسد سے انسان شیطانی صفات سے مُتصف ہو جاتا ہے۔ لوگ رشتہ داروں کو محض حسد کی وجہ سے قتل کر ڈالتے ہیں۔ ہمیں عشق ہو تو ذاتِ الٰہی سے ہو جو کہ ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔ دنیاداری کے عشق سے بچا کیونکہ اُس میں عاشق اور معشوق دونوں فنا ہو جاتے ہیں۔ جب دنیا کی ناپائیدار چیزوں میں حسد اور رشک کا یہ حال ہے تو اُخروی نعمتوں میں حسد اور رشک کا اندازہ کر لو۔ شیطان تو انسان سے حاسد ہے ہی، انسان بھی حسد میں بعض اوقات شیطان بن جاتا ہے۔ قرآن میں شیطانوں کی دو قسمیں بتائی گئی ہیں ایک جنّی اور دوسری انسی، شیطان جب خود عاجز آجاتا ہے تو انسانوں میں سے

ہر کہ باشد زشت گفتش زشت داں جو شخص بُرا ہو، اُس کی گفتگو بھی بُری سمجھ	ہر چہ گوید مُردہ آں را نیست جاں جو بات مُردہ کہے، اُس میں جان نہیں ہوتی

شیاطین کو اپنی مدد کے لئے بلاتا ہے۔ اگر کوئی کسی کو راہِ حق سے گمراہ کرتا ہے تو جنّی اور اِنسی شیطان اُس پر خوشی مناتے ہیں۔ اگر کوئی نیکی کرتا ہے تو یہ رنجیدہ ہو جاتے ہیں۔ دونوں قسم کے شیطان نیکی کرنے والے پر غضبناک ہوتے ہیں۔

بادشاہ کا مُدعیِ نبوت سے سوال کہ زبانی نصیحت کے علاوہ سچے رسُول کے پاس کیا ہوتا ہے کہ اُس کی صُحبت اور خِدمت سے مِلتا ہے؟

بادشاہ نے مسخرے مُدعیِ نبوت سے پوچھا کہ وحی سے صاحب وحی اور دوسروں کو کیا فائدہ ہوتا ہے؟ اُس کے ماننے والوں کو کیا بلندی عطا ہوتی ہے؟ مسخرے نے کہا یہ مانا کہ میری وحی وہ وحی نہیں ہے، جو پیغمبروں پر آئی لیکن شہد کی مکھی کو جو وحی آئی تھی اس سے تو کم درجہ کی نہیں ہے۔ وحی کے دو معنیٰ ہیں۔ ایک تو کلامِ خداوندی جو کسی فرشتہ کے ذریعے نبی پر نازل ہوتا ہے اور دوسرے معنیٰ اشارے اور دل میں بات کے آنے کے ہیں۔ قرآن میں ہے ''اور تیرے رب نے شہد کی مکھیوں کو الہام کیا کہ پہاڑوں میں سے اور درختوں سے اور ان چیزوں سے جن سے وہ چھپریاں بناتے ہیں گھر بنائیں''۔ شہد کی مکھیوں کے ذریعے اللہ کی وحی سے دنیا کو شہد اور موم عطا ہوا اور قرآن میں ہے: وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ ''بے شک ہم نے بنی آدم کو بڑائی بخشی''۔

قرآن پاک میں آنحضور ﷺ کو فرمایا گیا: اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ''بے شک ہم نے تُجھے کوثر عطا کی ہے'' کوثر جنت میں ایک حوض ہے لیکن اِس سے آنحضور ﷺ کے ظاہری اور باطنی فیوض مراد ہیں۔ پھر بھی اے انسان! تُو کیوں پیاسا ہے؟ کیا تُو فرعون صفت ہو گیا ہے کہ تیرے لئے کوثر، کوثر نہیں رہی جیسا کہ فرعون کے لئے دریائے نیل کا پانی، پانی نہ رہا تھا بلکہ خون بن گیا تھا۔ توبہ کرلے اور ہر اُس شخص سے بیزار ہو جا جسے حضور ﷺ کے کوثر سے سیرابی حاصل نہیں۔ جس شخص نے حضور ﷺ کے کوثر سے سیرابی حاصل کی ہے اُس کی عادت اختیار کرلو۔ حدیث شریف میں ہے ''جس شخص نے اللہ کے لئے محبت کی اُس نے ایمان مکمل کر لیا''۔ جو شخص کوثرِ نبوی ﷺ سے مُستفید نہیں ہے وہ ابو جہل اور ابو لہب صفت ہے۔ اُس سے دُور رہنا چاہیے خواہ کتنا ہی قریبی رشتہ دار کیوں نہ ہو۔ جب تُو اللہ کے لئے کسی سے ناراض ہو گا تب عشق میں سچا ثابت ہو گا۔

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے
یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لیے ہے (علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ)

جب تک تُو ''لا'' یعنی غیر سے نفی اور ''الا اللہ'' یعنی اللہ کا اِثبات نہ مان لے گا اُس وقت تک تُو سیدھے راستے پر

نہیں ہے۔ عشق کا مطلب ہے معشوق کے سوا ہر چیز سے ہاتھ اُٹھا لینا۔

عاشق، جو معشوق کے سامنے اپنی خدمتیں اور وفاداریاں شمار کر رہا تھا اور معشوق کا اُس کو جواب دینا

ایک عاشق اپنے معشوق کے سامنے اپنی خدمات گنوا رہا تھا کہ میں نے تیری خاطر یہ کیا وہ کیا۔ اپنا نام گنوایا، طاقت خرچ کر دی اور ہر طرح سے محروم رہا۔ وہ اپنی تکالیف احسان جتانے کے لئے نہیں کر رہا تھا بلکہ اپنی محبت کے ثبوت پیش کر رہا تھا۔ وہ اپنے شکوے مکرر بیان کرتا جا رہا تھا۔ وہ اپنے عشق اور درد کی سینکڑوں باتیں کرتا جا رہا تھا۔ اُس کے دل میں ایک آگ سی لگی ہوئی تھی اور شمع کی طرح آنسو بہا رہا تھا۔ اُس نے کہا: یہ سب کچھ تو ہو چکا اب تُو حکم کرے تو میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح آگ میں کود جاؤں۔ چاہے تو حضرت یحییٰ علیہ السلام کی طرح مجھے قتل کر دے۔ میں تیرے کسی حکم سے منہ نہیں موڑوں گا۔ معشوق نے عاشق کی سب باتیں سُن کر کہا کہ تُو نے سب کچھ کیا لیکن عشق کا جو اصل تقاضا ہے وہ پورا نہیں کیا۔ عاشق نے پوچھا: وہ کیا ہے؟ معشوق نے جواب دیا کہ عاشق تو اپنے آپ کو فنا کر دیتا ہے، تُو نے سب کچھ کیا لیکن عشق کی جڑ تو مرنا ہے۔ اگر تُو جان فنا کرنے والا دوست ہے تو مر جا۔ اگر تو اس طرح مر جائے گا تو مکمل زندگی حاصل کر لے گا اور حشر تک زندہ رہے گا۔ جب مدہوش عاشق نے یہ سُنا تو ایک ٹھنڈی آہ بھری اور جان دے دی۔ اُس عاشق کی موت کے وقت کی مسکراہٹ ابدی ہے۔

ایک عارف کی رُوح کی مثال چاند کی چاندنی کی طرح ہے۔ وہ چاہے گندگیوں پر سے گزرے پاک رہتی ہے۔ جیسے چاندنی واپس چاند کی طرف لوٹ جاتی ہے اسی طرح عارف کی رُوح پاک و صاف رہ کر اللہ کی طرف واپس ہو جاتی ہے۔ وہ دنیاوی کثافتوں کا اثر قبول نہیں کرتی۔ قرآن میں ہے "اے نفسِ مطمئنہ تو راضی اور پسندیدہ ہو کر اپنے ربّ کی طرف لوٹ جا"۔ اُس رُوحِ عارف پر دنیا کے اچھے بُرے کا کوئی اثر نہیں رہتا ہے۔

کسی شخص کا عارف عالم سے نمازی کے رونے کے بارے میں پُوچھنا کہ نماز ہو گئی یا تباہ ہو گئی اور اُس کا جواب

ایک شخص نے چپکے سے ایک مفتی سے دریافت کیا کہ اگر کوئی نماز میں آواز سے روئے تو اُس کی نماز باطل ہو جائے گی یا جائز ہوگی؟ اُنہوں نے جواب دیا کہ غور کرو کہ وہ کیوں رویا؟ اُسے پوشیدہ طور پر کیا محسوس ہوا؟ اگر اُس کا گریہ اللہ کے شوق میں، عاجزی میں یا گناہ کی شرمندگی سے ہوا تو وہ رونا بہتر ہے۔ وہ یقیناً نماز کا کمال ہے۔ اُسے قرب

زاں علیؓ فرمود نقلِ جاہلاں
اسی لیے حضرت علیؓ نے فرمایا ہے کہ جاہلوں کی بات

بر مزابل ہمچو سبزہ است اے فلاں
اے فلاں! کوڑے پر اُگے سبزہ کی طرح ہے

خداوندی حاصل ہو گا۔ لیکن اگر کسی جسمانی تکلیف سے، اولاد کے رنج میں اُس نے فریاد کی ہے تو اُس آہ و بکاہ سے نماز بھی ٹوٹی اور کچھ فائدہ بھی نہ ہوا۔ اس لئے کہ اصل نماز تو غیر اللہ سے بالکل غافل ہو جانا ہے۔ اِس لئے جان لو کہ رونے رونے میں فرق ہے۔ ایک رونا نماز کی رُوح ہے اور دوسرا اُسے فاسد کر دیتا ہے۔

ایک مُرید کا شیخ کو روتے دیکھ کر خود بھی رونے لگنا

ایک مرید نے شیخ کو روتے دیکھا۔ اُس نے بھی اُس کی موافقت کی اور رو پڑا۔ شیخ کا رونا اور اُس مرید کا رونا یکساں نہ تھا۔ شیخ سے مراد کوئی بوڑھا آدمی نہیں بلکہ وہ شخص مراد ہے جس کی عقل اور معرفت بڑھی ہوئی ہو خواہ عمر کے لحاظ سے بچہ ہی ہو۔ جیسے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام گہوارے میں ہی سمجھ دار تھے۔ ایک دوسرا مرید جو شیخ کے حال سے زیادہ واقف تھا۔ پہلا مرید فارغ ہو کر باہر آیا تو یہ عقل مند غیرت کی وجہ سے اُس کے پیچھے باہر آ گیا۔ اُس نے پہلے مرید سے کہا: اے میرے بھائی! میں تجھے کہتا ہوں کہ خدا کے لئے یہ کبھی نہ سوچنا اور نہ کہنا کہ شیخ روئے اور میں بھی رویا۔ اپنے رونے کو شیخ کے رونے جیسا نہ سمجھ لینا۔ تیرا رونا تو محض شیخ کی تقلید میں تھا لیکن شیخ کا رونا ایسا ہے جو تیس سال کے مجاہدے کے بعد بھی اگر میسر آئے تو غنیمت سمجھنا۔ سننے والا بات سُن کر ایک بار ہنستا ہے لیکن بہرا دو بار کیونکہ ایک بار لوگوں کو دیکھ کے اور دوسری بار لوگوں کے ہنسنے کا سبب جان کر، پہلی بار ہنسنے میں بہرے کو ہنسی کے سبب کا علم نہیں ہوتا پھر جب وہ لوگوں سے ہنسی کا سبب معلوم کر لیتا ہے تو دوبارہ ہنستا ہے۔ جو شخص کسی کی دیکھا دیکھی کام کرتا ہے اُس کی مثال بہرے کی سی ہے۔ اوّل اوّل تو مرید پر شیخ کے باطن کا اثر پڑتا ہے اور اُس سے اُسے خوشی یا رنج حاصل ہوتا ہے۔

اگر ٹوکری نہر میں پڑی ہو اور اُس میں پانی بھرا ہو یا آئینہ میں سورج کی چمک پڑ رہی ہو تو اُس میں پانی یا چمک کو ٹوکری یا آئینہ کا اپنا کمال سمجھنا غلطی ہے۔ جب ٹوکری نہر سے باہر آئے گی یا سورج ڈوب جائے گا تو ٹوکری اور آئینے کو معلوم ہو جائے گا کہ پانی اور چمک اُن کی نہ تھی۔ جب حقائق منکشف ہو جاتے ہیں تو مرید کو اپنی پہلی ہنسی پر ہنسی آتی ہے۔ اب مرید اپنے سابق اَحوال کے بارے میں سمجھتا ہے کہ جو کچھ نوازش اس پر ہوئی وہ تو محض شیخ کا عکس تھا۔ میں اور وہ اپنے اَحوال میں کس قدر دُور تھے۔ جو سالک ابھی راہِ سلوک میں ہے اور اِس راہ کا بچہ ہے وہ حقیقت تک کہاں پہنچ سکتا ہے۔ وہ اگر خود اِس راہ کے اَسرار تک پہنچنے کی کوشش کرے گا یا دلائل ڈھونڈے گا تو بصیرت سے اور دُور ہو جائے گا۔ یہ اَسرار اور راز عقلی دلائل سے واضح نہیں ہوں گے۔ مجاہدوں کی ذلت اختیار کر تب تُو مردِ میدان بنے گا۔ مجاہدوں سے اُس کے دل میں خود بخود تمام اَسرار و راز نظر آ جائیں گے اور اُس کے سامنے علوم ظاہری سے بحث کرنے والے بالکل ناسمجھ

بر چناں سبزہ ہر آں کو بر نشست
ایسے سبزہ پر جو شخص بھی بیٹھا

بر نجاست بے شکے بنشستہ است
وہ بے شک نجاست پر ہی بیٹھا ہے

ثابت ہوں گے۔ جو خشکی کا چلنے والا ہے وہ دریا میں نہیں چل سکتا وہاں تیراک کی ضرورت ہے۔ قرآن میں ہے ”ہم نے بنی آدم کو عزت دی اور اُسے خشکی اور سمندر میں سوار کیا“۔ اس میں خشکی والوں سے مراد علومِ ظاہری کے علماء اور سمندر والے سے علومِ باطنی کے علماء مراد ہیں۔ دریا کے جوانمرد پر اللہ تعالیٰ زیادہ بخشش فرماتا ہے۔

وہ انسان جو وہم اور خیالی تصور پر جھکا ہوا ہے شیخ کے رونے کے سبب سے ناواقف تھا۔ اُس کا یہ کہنا کہ میں شیخ کی طرح رویا شیخ کی فضیلت کا انکار تھا۔ شیخ کا رونا تیس سالہ مجاہدے کا نتیجہ ہے، محض عقلی بنیاد پر ایسا مقام حاصل نہیں ہو سکتا۔ شیخ کا رونا غمِ دوزخ سے ہے نہ فرحتِ جنت سے بلکہ اُس کا رونا محض شوقِ خداوندی سے ہے۔ شیخ کا رونا اور ہنسنا مِن جانب اللہ ہے۔ عقلی لحاظ سے رونے سے اُس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ شیخ جن چیزوں کا مشاہدہ کرتا ہے وہ عقلی نہیں ہیں۔ جس طرح رات، دن کے احوال نہیں جان سکتی اسی طرح عقل، شیخ کے مشاہدات کو نہیں جان سکتی۔ مچھر جو کہ ہوا کے پہلے جھونکے سے ہی بھاگ جاتا ہے وہ ہوا خوری کے ذوق سے کیسے واقف ہو سکتا ہے۔ ایک حادث، قدیم کی حقیقت کیسے سمجھ سکتا ہے۔ جب قدیم، حادث کو مٹا کر اپنا ہم رنگ بنا لیتا ہے تو انسان صفاتِ خداوندی سے متصف ہو کر بشریت کو گم کر دیتا ہے۔ حروفِ مقطعات یا قرآن کے عام حروف قدیم ہیں اور اسی طرح کے حروف انسانی کلام میں بھی ہیں لیکن دونوں میں ایسا ہی فرق ہے جو موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی اور عام لاٹھی میں ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مریض پر پھونک مارنے اور عام آدمی کی پھونک میں بڑا فرق ہے۔ ظاہری بناوٹ تو آنحضور ﷺ کی بھی ایسی ہی تھی جیسی عام انسانوں کی ہوتی ہے۔ ہر جسم انہی اجزاء سے بنا ہے جس سے حضور ﷺ کا جسم بنا تھا لیکن ہر جسم کی بناوٹ میں وہ آثار کہاں ہیں جو آنحضور ﷺ کی بناوٹ میں ہیں۔ حضور ﷺ کے جسم سے وہ معجزے ظاہر ہوئے کہ تمام بناوٹیں ہار مان گئیں۔

حروف تو سب ایک جیسے ہوتے ہیں لیکن قرآن کے کلام میں ایسی تاثیر رکھی ہے جیسی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا میں تھی۔ سورج اور روٹی کی ٹکیا دیکھنے میں ایک جیسی ہیں لیکن معنوی فرق کا اندازہ خود کر لو۔ شیخ کے افعال کو عام انسانوں کے افعال کی طرح نہ سمجھنا چاہیے۔ اب اُن کے افعال اپنے نہیں ہیں بلکہ وہ اللہ کے اخلاق سے متخلق ہو چکا ہے۔ ظاہر بینوں سے حقائق ہمیشہ پوشیدہ رہتے ہیں۔ حدیث میں ہے ”كُلُّ نَاقِصٍ مَلْعُوْنٌ“ یعنی تمام ناقص ملعون ہیں۔ ناقص سے مراد وہ شخص ہے جس کی عقل اور فہم ناقص ہو کیونکہ جن کا جسم ناقص ہوتا ہے وہ تو قابلِ رحم ہیں۔ اللہ نے فرمایا ”نہیں ہے اندھے پر گناہ اور نہ لنگڑے پر گناہ اور نہ مریض پر گناہ“ بعض لوگ کوئی بات پوری نہیں سیکھتے۔ وہ ناقص ہوتے ہیں لیکن اپنے آپ کو کامل سمجھتے ہیں۔ اس غلطی سے صرف وہی بچتا ہے جس کی جذب رہنمائی کر دے۔ وہ یہ سمجھ لیتا ہے کہ اُس کو

از برِ حق می رسد تفضیل ہا
فضیلتیں اللہ کی جانب سے ملتی ہیں

باز ہم از حق رسد تبدیل ہا
پھر خدا کی جانب سے ہی تبدیلیاں ہو جاتی ہیں

نورِ مطلق حاصل نہیں ہوا بلکہ یہ ناری خیال ہے جو عارضی چیز ہے۔ انسان کی حرص اس کے سامنے اُس کی بُرائی کو بھلا کر کے دکھا دیتی ہے۔

شہوت کی حرص انسان کیلئے سب سے بڑی آفت ہے۔ انسان کی شہوت بُری چیز کو بھلا کر کے دکھا دیتی ہے تو بھلی چیز کو کیا کچھ نہ کر کے دکھائے گی۔ یاد رکھو! انسان میں شہوت کھانے پینے سے بڑھتی ہے تو شہوت کو دبانے کے لئے کم خوری کی عادت ڈالنی چاہیے یا پھر نکاح کر لینا چاہیے۔ جب انسان قیمتی چیزیں کھائے گا تو اُس کو عورتوں کی طرف زیادہ شہوت ہوگی۔ شیطان کے پھندے سے بچنے کے لئے نکاح لَاحَوْل کا کام کرتا ہے۔ جس گدھے کو زیادہ اُچھل کود کی عادت ہو اُس پر زیادہ بوجھ ڈالتے ہیں۔ یہی حال انسانی نَفس کا ہے۔ نَفس کو قابو میں رکھنے کا ہُنر اگر نہیں آتا تو اُس سے بچنا چاہیے۔ انسان اگر نَفس پروری کی حالت میں مر گیا تو اُس کی موت رُسوا کُن ہوگی کیونکہ جیسا انسان کا باطن ہوگا قیامت میں اللہ اُسی صورت پر حشر کرے گا۔ قرآن میں ہے ''اُس اللہ نے آسمان کو بلند کیا اور ترازو قائم کی تا کہ تم تجاوز نہ کرو'' اس لئے اپنی زندگی کے ہر فعل کو اعتدال پر رکھو اور نَفس کے کسی معاملے میں حد سے نہ بڑھو۔ قرآن میں ہے: '' كُلُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا '' کھاؤ اور اسراف نہ کرو۔ علم اور قناعت دونوں کو اپنا لوگے تو دنیا سے بھی فائدہ اُٹھالو گے اور مصائب میں بھی گرفتار نہ ہوگے۔ عقل مند آدمی دنیا کو آخرت کے فائدے کے لئے استعمال کر کے فائدہ اُٹھالیتا ہے اور نادان ندامت اور محرومی میں مبتلا ہوتا ہے۔

جب دنیا دار دنیا کے غم میں مبتلا ہو جاتا ہے تو اُس پر خواب و خور حرام ہو جاتے ہیں۔ بے وقوف انسان دنیا میں مبتلا ہو جاتا ہے، جو جال میں دانے کی طرح ہے۔ بے وقوف پرندے جال میں پھنس جاتے ہیں۔ شکاری پرندوں کو ذبح کر دیتے ہیں لیکن خوش گلو پرندوں کو فروخت کر دیتے ہیں جو لوگوں کی محفلوں میں پہنچ جاتے ہیں۔ یہی صورت دنیا کے جال میں پھنسنے کے بعد دنیا داروں اور اہلِ دنیا ذاکر و شاغل لوگوں کی ہوتی ہے۔ جو لوگ کسی شیخ کامل کے ساتھ کچھ دیر رہ کر تھوڑی سی باتیں سیکھ لیتے ہیں اور اپنی دکان جما بیٹھتے ہیں، یہ جھوٹے شیخ سوائے شیخی بگھارنے کے اپنے شیخ سے کچھ حاصل نہیں کرتے اور اپنے آپ کو عیسیٰ اور موسیٰ ظاہر کرتے ہیں۔ یہ مریدوں کو پھانسنے کے حریص ہوتے ہیں۔ طوطی کو جب بولنا سکھایا جاتا ہے تو طوطی اور آئینہ کو بالمقابل کر دیا جاتا ہے اور اُستاد آئینے کے پیچھے چُھپ کر بولنا شروع کرتا ہے۔ طوطی یہ سمجھ کر کہ یہ طوطی بول رہی ہے جو آئینے میں نظر آ رہی ہے جو کہ خود اُس کا اپنا عکس ہوتا ہے۔ وہ اُسے اپنا ہم جنس سمجھ کر بولنا سیکھ جاتی ہے۔ یہی حال اللہ تعالیٰ اور نبی کے مخالفوں کا ہے۔ نبی آئینہ کی طرح ہے اور حق تعالیٰ کو اُستاد

سجدہ اش از جان و دل آریدہیں	جملہ فضلِ اوست دانید ایں چنیں
ہاں، جان اور دل سے اُس کا سجدہ بجا لاؤ	یہ سمجھ لو کہ سب اُس کا فضل ہے

سمجھ لو۔ اِس طرح وحی جو کلامِ الٰہی ہے بندوں تک پہنچ جاتا ہے۔ مثال اور وحی میں فرق اس قدر ہے کہ آئینہ والی طوطی کی چونچ کی جنبش تو باہر والی طوطی کی جنبش کے تابع ہے لیکن نبی کی زبان کی حرکت اللہ کی وحی کے تابع ہے۔

آئینے سے سیکھنے والی طوطی صرف الفاظ اور آواز ہی سیکھتی ہے، اُس کے سوا کچھ نہیں جانتی

طوطی ایک ایک بات انسان (اُستاد) سے سیکھ لیتی ہے۔ اُس کے سوا وہ کچھ نہیں جانتی۔ اسی طرح مرید اور اُمتی سمجھتا ہے کہ شیخ اور نبی اُس کی ہم جنس ہے اور اُس سے سیکھتا ہے اور اُستاد، عقلِ کُل اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھ پاتا جو کہ اصل معلم ہے۔ مرید اور اُمتی سمجھتا ہے کہ شیخ اور نبی کہہ رہا ہے۔ اس راز سے وہ بے خبر ہوتا ہے کہ دراصل اُس سے اللہ تعالیٰ کہلوا رہا ہے۔ وہ نبی کی بات سُن لیتا ہے لیکن اُس کو معلوم نہیں ہوتا کہ اصل بولنے والا نبی ہے یا اللہ تعالیٰ جو آئینے کے پیچھے سے بول رہا ہوتا ہے۔ بعض اوقات انسانوں میں سے کچھ پرندوں کی بولی سیکھ جاتے ہیں لیکن بولی کے معنٰی جو پرندے مراد لیتے ہیں اُن سے لاعلم ہوتے ہیں۔ اسی طرح بہت سے انسان کاملین کی نقل اُتارنے لگتے ہیں۔ یہ نقالی کبھی کبھی حقیقت تک رہنمائی بھی کر دیتی ہے۔

ایک بزرگ کا خواب میں حاملہ کُتیا کو دیکھنا کہ پیٹ میں بچے بھونکتے ہیں اور اللہ کی طرف سے اِس بات کی تشریح

ایک شخص نے چلّے کے دوران خواب میں دیکھا کہ ایک حاملہ کُتیا ہے۔ اُس نے پیٹ میں چُھپے ہوئے بچوں کے بھونکنے کی آواز سُنی۔ اُسے تعجب ہوا کہ بچے پیٹ میں کیسے بھونکے۔ جب وہ خواب سے جاگا تو اُس کی حیرت بڑھ گئی۔ چلّے میں وہ اکیلا تھا، آخر اُس نے باری تعالیٰ سے عرض کی: یاالٰہی! میری پریشانی دُور فرما تاکہ میں حضوری قلب سے تیرا ذکر کر سکوں۔ اُسے غیب سے آواز آئی کہ اُسے جاہلوں کی لاف زنی کی طرح سمجھ۔ پیٹ میں پلّوں کا بھونکنا بے کار بات ہے، اُس کا کوئی فائدہ نہیں۔ نہ تو کوئی شکار اُس آواز سے جھاڑیوں میں سے نکلے گا اور نہ اُس آواز سے چور کو بھگایا جا سکتا ہے۔

نااہل شیخ کی لالچ اور سرداری کی خواہش میں ایسی ہی حالت ہوتی ہے کہ اُس کی نظر تو گند ہو جاتی ہے اور وہ شیخی بھگارنے میں اور اپنے آپ کو کامل ثابت کرنے میں خوب لفاظی استعمال کرتا ہے۔ حق کے مشاہدے کے بغیر اُس کی سینکڑوں نشانیاں بیان کرتا ہے اور اپنے خریداروں کی غلط رہنمائی کرتا ہے۔ اُس کے مرید بھی بغیر مشاہدے کے بکواس شروع کر دیتے ہیں اور فرضی مستی ظاہر کرنے لگتے ہیں۔

ایک مومن کا خریدار دراصل اللہ تعالیٰ ہے۔ قرآن میں ہے "اللہ نے مومنوں سے اُن کی جانیں خرید لی ہیں"۔

پس یقیں شد کہ تُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ	خاکیِ را گفت پرہا بر کُشا
پس یقین ہو گیا کہ تو ہی عزت عطا کرتا ہے	خاکی سے کہا اپنے پر کھول

ایک مومن کو اس لئے کسی اور خریدار کی فکر میں نہ پڑنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ تجھے تلاش کر رہا ہے اور تیرے آغاز اور انجام کو جانتا ہے۔ اگر خدا کے علاوہ تُو کسی اور کو خریدار بننے دے گا تو اس سے تجھے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ اُس خریدار کے پاس تجھے خریدنے کی قیمت کہاں ہے۔ وہ خود دو کوڑی کا ہے اس لئے اُس پر اپنی عقل و خرد کے لعل و یاقوت کو پیش کرنا نادانی ہے۔ لالچ انسان کو اندھا کر دیتا ہے۔ جو شخص اللہ سے روگردانی کرتا ہے وہ بہت بدنصیب ہے اور تباہ ہو جاتا ہے۔

فقیروں پر حسد کرنا اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے پر ضروان کے باشندوں کا باپ پر اعتراض کرنا پیداوار میں برکت ہونا اور نہ ہونا

یمن میں ضروان گاؤں میں ایک خدا پرست اور انجام سے باخبر شخص رہتا تھا۔ وہ ہمیشہ فقیروں اور ضرورت مندوں کی بغیر ریاکاری کے خدمت کرتا رہتا تھا۔ گیہوں آتے تو اُن میں سے بھوکوں کو دیتا۔ آٹے سے بھی کچھ خرچ کرتا۔ روٹی بنتی تو اس میں سے بھی کسی کو کھلاتا۔ جو کچھ فصل بوتا تو پیداوار میں سے بجائے عشر کے اُس سے بہت زیادہ اللہ کے لئے خرچ کرتا۔ وہ ہمیشہ اپنی اولاد کو نصیحتیں کرتا کہ دسواں حصہ تو ضرور خیرات کرتے رہنا کیونکہ یہ پیداوار حقیقتاً اللہ کی جانب سے ہے۔ پیداوار میں سے اگر خرچ کرو گے تو فائدے میں رہو گے۔ خرچ کرنے سے رزق کھلتا ہے۔ پیداوار کے ظاہری اسباب تو محض ایک پردہ ہیں ورنہ اصل داتا تو اللہ ہی کی ذات ہے۔

قرآن میں ہے "اُن لوگوں کی مثال جو اللہ کے راستے میں صَرف کرتے ہیں ایک دانہ کی سی ہے جس نے سات بالیں اُگائیں اور ہر بالی میں سو دانے اور خدا جس کے لئے چاہتا ہے دوگنا کر دیتا ہے"۔ جب انسان اسباب سے مایوس ہو جاتا ہے تو پھر اللہ ہی سے مانگتا ہے۔ کھیت کی تباہی پر سر پیٹ کر اللہ سے دُعا کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ ہر انسان اصل رزق دینے والا اللہ ہی کو سمجھتا ہے۔ اصل مستی بھی خدا کے عشق سے ہی حاصل ہوتی ہے۔ انسان کو اُس مستی کی جستجو کرنی چاہیے۔ بھنگ اور شراب کی مستی وقتی ہوتی ہے۔ انسان کی اصل مالداری نفس کی مالداری ہے جو کہ عطائے خداوندی ہے۔ انسان اپنے خزانے اور مال کو دنیا میں ہی چھوڑ جاتا ہے۔ قرآن میں ہے "قیامت کے دن ہر شخص اپنے بھائی، اپنی ماں، اپنے باپ، اپنی بیوی اور اپنی اولاد سے بھاگے گا"۔ ہر ایک کی وہ حالت ہوگی جو دوسروں سے لاپرواہ کر دے گی۔ اس حالت کی وجہ سے انسان کے لئے اُس کا ہر دوست اُس کا دشمن ثابت ہوگا کیونکہ وہ دوست بھی بُت کی طرح اُسے خدا سے غافل بنا رہا تھا۔ اگر دنیاوی دوست اِس دنیا میں تیرے مخالف ہو جائیں تو یہ تیری خوش قسمتی ہے۔ آخرت میں جو تکلیف ہونی تھی تُو نے دنیا میں ہی بھگت لی۔ دنیاداروں کی دوستی کھوٹا سودا ہے اگر پہلے ہی اس کا تدارک

آتشی را گفت رَو ابلیس شو	زیرِ ہفتم خاک با تلبیس شو
آتش سے کہا جا ابلیس ہو جا	ساتویں زمین کے نیچے مکار بن جا

کرلے تو وہ شکرادا کرتا ہے۔ دنیا کا کوئی دوست بگڑے تو شکوہ نہ کر بلکہ شکرادا کر کہ تو اُس کے پھندے سے بچ گیا۔ اب کسی سچے دوست کی تلاش کر جو کہ آخرت میں بھی تیرا ساتھ دے گا۔ وہ دوست جو آخرت میں تمہارے کام آئے گا وہ خدا یا خدا کا مقبول بندہ ہے۔

جب اللہ کا کسی پر کرم ہوتا ہے تو وہ ایسے اسباب پیدا کر دیتا ہے کہ انسان دنیوی علائق توڑ دیتا ہے۔ خلوص کا دانہ اللہ کی سرزمین میں بودے تاکہ نہ اُسے چور چُرا سکے نہ کیڑا لگے۔ شیطان دل میں فقر کے وسوسے پیدا کرے تو اُسے لَاحَولَ کی دیمک لگادے۔ باپ نے بہت سمجھایا لیکن وارث پر کوئی اثر نہ ہوا۔ جس کا ارادہ نصیحت سننے کا نہ ہو اُسے چاہے کیسی ہی نرمی سے سمجھاؤ وہ اعراض ہی کرے گا۔ انبیاء علیہم السلام بہت پیار سے سمجھاتے تھے لیکن کفار پھر بھی قبول نہیں کرتے تھے۔ اللہ نے قرآن میں کافروں کے دلوں کو پتھر سے زیادہ سخت قرار دیا ہے۔

اللہ کی عطا قابلیت پر موقوف نہیں کیونکہ قابلیت حادث ہے قدیم حادث پر موقوف نہیں کیونکہ اللہ کی ذات قدیم ہے

حق تعالیٰ کی عطا کے لئے قابلیت ضروری نہیں ہے۔ جب عطا ہوتی ہے تو قابلیت خود پیدا ہو جاتی ہے۔ عطا، اللہ کی صفت ہے جو قدیم ہے۔ قابلیت بندے کی صفت ہے، جو حادث ہے۔ قدیم کے لئے حادث شرط نہیں بن سکتا۔ وہ دل جو پتھر سے بھی زیادہ سخت ہے اُس کی اصلاح کی تدبیر یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اُس میں تبدیلی پیدا کر دے۔ اللہ جب چاہتا ہے تو پتھر جیسے دل کو تبدیل کر کے اُس میں قبول کرنے کی صلاحیت پیدا فرما دیتا ہے۔ اللہ کی طرف سے جو فیض اور عطا ملتی ہے اُس کی دو قسمیں ہیں۔ فیضِ اقدس اور فیضِ مُقدس۔ فیضِ اقدس وہ ہے جس میں اِستعداد شرط نہیں ہے اور فیضِ مُقدس ارواح کی طرف سے آتا ہے اور یہ بقدرِ قابلیت اور اِستعداد پہنچتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی اور یدِ بیضاء فیضِ اقدس کی مثالیں ہیں۔ تمام انبیاء علیہم السلام کے معجزے اُسی کی مثال ہیں، جس میں اِستعداد شرط نہیں۔ اگر ہر چیز میں اِستعداد اور قابلیت شرط ہو تو پھر کوئی مَعدُوم وجود میں نہ آئے اور جو مَعدُوم ہے اُس میں اِستعداد و قابلیت کہاں ہوگی۔ عام طور پر سُنتِ الٰہی یہی ہے کہ ہر چیز کے اسباب مہیا ہوں اور قابلیت ہو تو عطا ہوتی ہے۔ معجزے یعنی فیضِ اقدس محض مشیتِ الٰہی سے ظہور میں آتے ہیں۔ ویسے تو عزت اسباب سے حاصل ہوتی ہے لیکن اللہ کی قدرت میں ہے کہ بلا سبب بھی عزت عطا فرما دے۔ عوام کو اسباب ضرور اختیار کرنے چاہئیں لیکن مُسبِّبُ الاسباب سے غفلت نہیں برتنی چاہیے۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت اسباب کی محتاج نہیں ہے۔ عوام اپنے مقاصد کی تلاش میں اسباب سے مدد لیتے ہیں لیکن

نا مُصَوَّر یا مُصَوَّر گفتنت
تیرا خُدا کو باصُورت یا بے صُورت کہنا بیکار ہے

باطل آمد بے ز صُورت رفتنت
جب تک کہ تو صُورت سے نہ گزر جائے

اُنہوں نے اسباب کو قدرت کے لئے حجاب بنالیا ہے کیونکہ ہر شخص بلا واسطہ قدرت کے مشاہدے کا اہل نہیں ہے۔ لیکن انسان کو وہ نظر اپنانی چاہیے جو اسباب کو چاک کر کے اصل قدرت کو دیکھ سکے۔ جب وہ ایسا کرلے گا تو اُس کی نظر میں اسباب بے حقیقت ہو جائیں گے۔ جان لو کہ ہر خیر و شرّ باری تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے۔ اسباب محض خیالی چیزیں ہیں اور اُن کا مقصد یہ ہے کہ انسان پر کچھ زمانہ غفلت کا گزرے اور غیب پر ایمان کے فضائل حاصل ہو سکیں۔

حضرت آدم علیہ السلام کا پُتلا بناتے وقت حضرت جبرائیل علیہ السلام کو اشارہ ہوا کہ زمین پر سے مُٹھی بھر مٹّی اُٹھا لاؤ

جس وقت حضرت آدم علیہ السلام کا پتلا بنایا جانے لگا تو اللہ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو حکم دیا کہ زمین سے ایک مُٹھی مٹی لے آؤ۔ انسان کی تخلیق میں آزمائش کی حکمت ہے اور یہ اُسی وقت ہو سکتی ہے جب کہ انسان پر کچھ زمانہ غفلت طاری رہے۔ چونکہ زمین کو معلوم تھا کہ اُس مٹی سے آدم علیہ السلام کا پتلا بنے گا اور وہ امتحان اور آزمائش میں مبتلا ہوگا اس لئے وہ گھبرا رہی تھی۔ وہ بولی: ایسا نہ کرو۔ آپ علیہ السلام بہت برگزیدہ ہیں۔ آپ علیہ السلام فرشتوں کے سردار اور اللہ سے گفتگو کرنے والے ہیں۔ آپ علیہ السلام انبیاء علیہم السلام کے سفیر بنیں گے۔ آپ علیہ السلام وحی کی جان کی زندگی ہیں نہ کہ بدن کی۔ اسرافیل علیہ السلام پر آپ علیہ السلام کو یہ فضیلت ہے کہ وہ جسم کی زندگی اور آپ علیہ السلام جان کی زندگی ہیں۔ وہ صُور پھونکیں گے تو جسم زندہ ہوں گے لیکن آپ علیہ السلام کا دَم دلوں کی نشوونما ہے۔ میکائیل علیہ السلام جسم کو رزق مہیا کرتے ہیں۔ آپ رُوح کو رزق دیں گے۔ اُن کا رزق محدود ہے جب کہ آپ کا ازل سے ابد تک ہے۔ آپ کے رزق کے لئے کوئی پیمانہ نہیں ہے۔ عزرائیل علیہ السلام کا کام رُوح کو قبض کرنا ہے جو کہ ذات کے قہر کی علامت ہے۔ مٹی چونکہ سمجھ گئی تھی کہ اُس کو لے جانے کا مقصد کیا ہے۔ جبرائیل علیہ السلام اپنی شرم و حیاء کی وجہ سے مٹی اُٹھانے سے رک گئے کیونکہ زمین نے ذاتِ باری کے نام کا واسطہ دیا۔ اُنہوں نے اللہ سے عرض کیا: میں نے سُستی یا حکم عدولی نہیں کی بلکہ واسطہ دینے سے گھبرا گیا ورنہ آپ نے تو مجھے وہ قوت عطا کی ہے کہ زمین تو کیا آسمانوں کو چاک کردوں۔

حضرت میکائیل علیہ السلام کو مٹی لینے کے لیے بھیجنا تاکہ مسجودِ ملائک کا جسم بنایا جاسکے

حضرت جبرائیل علیہ السلام کے بعد میکائیل علیہ السلام کو حکم ہوا کہ نیچے جا اور مٹی لے آ۔ جب وہ زمین کے پاس پہنچے تو وہ لرزنے لگی اور رو رو کر خوشامدیں کرنے لگی اور اللہ کی قسم دی کہ مجھے آزاد کر دیجئے۔ فرشتے اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت کی کان ہوتے ہیں۔ اللہ کے خاص بندوں میں مولائی صفات ہوتی ہیں۔ زمین کے

تا مُصوّر یا مُصوّر پیش اوست
خُدا کا باصورت یا بے صورت ہونا اُس شخص کے لیے نہیں ہے

کو ہمہ مغز ست بیروں شد ز پوست
جو مُحبّ اِبدن سے سراپا رُوح بن گیا ہو

رونے سے وہ بھی واپس آگئے اور عرض کی کہ اے باری تعالیٰ! میں جانتا ہوں تیرے دربار میں آنسوؤں کی کیا قدر و منزلت ہے۔ میں زمین کے رونے کو اَن دیکھا نہ کر سکا۔ اللہ تعالیٰ کے خوف سے رونے کا ایک آنسو شہید کے خون کے قطرے کے برابر سمجھا گیا ہے۔ پانچ وقتہ اذان گویا ذاتِ باری کے دربار میں گریہ وزاری کی دعوت ہوتی ہے۔ اللہ جس کو مصیبت میں گرفتار کرتا ہے اُس سے آہ وزاری کی کیفیت سلب کر لیتا ہے۔ آہ وزاری اللہ کے سامنے انسان کی سفارشی ہے اور جب سفارشی نہ ہو تو گرفتاری یقینی ہے۔

قرآن پاک میں ہے ''جب ہمارا عذاب اُن کو پہنچا تھا تو اُنہوں نے گریہ زاری کیوں نہ کی اور لیکن اُن کے دل سخت ہو گئے تھے''۔ جن لوگوں کے دل سخت ہو جاتے ہیں اُن کو اپنے گناہ اچھے لگنے لگتے ہیں۔

حضرت یُونس علیہ السلام کا قصہ اِس بارے میں کہ عاجزی اور زاری آسمانی بلاؤں کو سَروں سے دُور کر دیتی ہے

اللہ تعالیٰ اپنے کاموں میں بااختیار ہے اس لئے آہ وزاری کرنے سے وہ بھیجی ہوئی مصیبت کو ٹال دیتا ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام کی قوم رات کو بالاخانوں پر سو رہی تھی۔ اُن پر ایسا اَبر آیا جو آگ برسا رہا تھا۔ ڈر سے اُن کے رنگ فق ہو گئے۔ وہ بالاخانوں سے اُتر کر کھلی جگہ جمع ہو گئے اور آہ وزاری شروع کر دی۔ وہ شام سے صبح تک روتے اور فریاد کرتے رہے۔ اُن کی آہ وزاری سے اُن پر سے وہ غضبناک عذاب ٹل گیا۔ آہ وزاری کی جو قیمت اللہ کے دربار میں لگتی ہے وہ کہیں اور نہیں لگتی۔ خدا کے دربار میں رونے سے قلب کو ایک دائمی مسرّت حاصل ہو جاتی ہے۔ حدیث شریف میں ہے ''دو قطروں کے علاوہ اللہ کو کوئی چیز محبوب نہیں، ایک تو آنسوؤں کا قطرہ جو اللہ کے خوف سے بہا ہو اور ایک خون کا قطرہ جو اللہ کے راستے میں بہایا جائے''۔

حضرت اسرافیل علیہ السلام کو زمین کی طرف جانے کا حُکم کہ آدم علیہ السلام کے جسم کے لیے مٹی لا

اُس کے بعد حضرت اسرافیل علیہ السلام کو زمین سے مُٹھی بھر مٹی لانے کے لئے بھیجا گیا۔ زمین پھر رو رو کر فریاد کرنے لگی۔ حضرت اسرافیل علیہ السلام قیامت کو صُور پھونکیں گے تو پورا عالم زندہ ہو جائے گا۔ اُنہوں نے عرشِ الٰہی کو بھی تھاما ہوا ہے جس کے نیچے سے چار نہریں دودھ، شہد، شراب اور پانی کی بہتی ہیں۔ جو اُن لوگوں کو سیراب کریں گی جن کی مغفرت ہو جائے گی۔ اُن نہروں کے آثار دنیا میں بھی ہیں۔ دنیا میں اُن نہروں کے آثار فانی ہیں۔ اُن چاروں کے ایک ایک چلّو سے آدم علیہ السلام کا خمیر تیار کیا گیا۔ حضرت اسرافیل علیہ السلام بھی واپس

صُورتِ ظاہر بود چوں قشرِ و پوست
انسان کی ظاہری صُورت تو چھلکے کی طرح ہے

معنی اندرِ وے چو مغز اے یار و دوست
اے یار! اصل تو معنی ہیں جو مغز کی طرح ہے

آ گئے اور عرض کیا کہ آپ نے مجھے حکم تو دیا لیکن ساتھ ہی دل میں رحم بھر دیا اور آپ کے رحم کا غلبہ ہو گیا۔

اسرافیل علیہ السلام کی واپسی کے بعد اللہ تعالیٰ نے عزرائیل علیہ السلام کو مٹی لانے کے لئے بھیجا۔ زمین اُن کے آگے بھی طرح طرح کے عذر کر رہی تھی۔ زمین نے اُنہیں خدا اور اُس کی صفات کی قسمیں دینی شروع کر دیں اور کہا کہ اللہ کا حکم درست ہے مگر اُس نے بُردباری کا بھی تو حکم دیا ہے۔ عزرائیل علیہ السلام نے کہا میں پہلے تینوں فرشتوں سے بھی زیادہ رحم کرنے والا ہوں مگر اللہ کی طرف سے تکلیف اُس کی طرف سے انعام کا پیش خیمہ ہوتی ہے۔ مصائب اُٹھانے والوں پر اُسی نسبت سے مہر بھی کی جاتی ہے۔ اگر اللہ کا یہ حکم قہر بھی ہے تو میرے اُس رحم سے بدرجہا افضل ہے جو میں تجھ پر کروں اور تجھ میں سے مٹی نہ لوں۔ اللہ کے حکم پر تو اگر جان سے بھی دریغ کی جائے تو وہ ہلاکت ہے۔ اللہ کا حکم کہ ''آ جا'' جنت کی نعمتوں سے مالا مال کر دے گا۔ میں اللہ کا حکم پورا کرنے میں کوئی تامل نہیں کروں گا۔ میں اللہ کے حکم کا غلام ہوں۔ میں اللہ کی بات کے سوا اپنی جان کی بھی کوئی بات نہیں سنتا۔ جان تو اللہ کی دی ہوئی ہوتی ہے۔ اگر اُس کے حکم پر جان جائے تو وہ سینکڑوں جانیں عطا کر سکتا ہے۔ میں اُس کے حکم کو کسی آہ و زاری سے نہیں ٹال سکتا۔

جِس مخلوق سے تجھے تکلیف پہنچے وہ دراصل ایک آلہ کی طرح ہے۔ عارف ہر کام میں اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے نہ کہ آلے کی طرف۔ دیوار نے کیل سے کہا: مجھے کیوں پھاڑ رہا ہے؟ کیل نے جواب دیا: مجھے نہ دیکھ اُسے دیکھ جو مجھے ٹھونک رہا ہے

جو اہل اللہ ہوتے ہیں وہ ہر معاملے میں مُسبّب الاسباب پر نظر رکھتے ہیں اور اسباب سے قطع نظر کرتے ہیں۔ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ میں نے عرصہ دراز سے نہ کسی انسان کی بات سُنی ہے اور نہ کسی انسان سے گفتگو کی ہے۔ تو اُس قول کا مطلب یہی تھا کہ وہ ہر معاملہ میں متصرف اللہ ہی کو سمجھتے تھے۔ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔

گر گزندت رسد ز خلق مرنج ۔۔۔ کہ نہ راحت رسد ز خلق نہ رنج
از خدا داں خلافِ دُشمن و دوست ۔۔۔ کہ دلِ ہر دو در تصرفِ اوست

''اگر خلقت کی طرف سے تمہیں کوئی رنج ملتا ہے تو افسوس نہ کر کیونکہ خلق کی طرف سے نہ کسی کو خوشی ملتی ہے اور نہ غم۔ جو کچھ دشمن یا دوست تیرے ساتھ کرتے ہیں اُنہیں خدا کی طرف سے سمجھ کیونکہ اُن دونوں کا دل تو

درگزر از نام و بنگر در صفات ۔۔۔ تا صفاتت رہ نماید سُوئے ذات
محض نام سے گزر جا اور صفات پر دھیان دے ۔۔۔ تاکہ تیری خدائی صفات تجھے ذات تک لے جائیں

اللہ ہی کے تصرف میں ہے''۔

اللہ کے کسی حکم سے بھی چون وچرا نہ ہونی چاہیے۔ اگر وہ سانپ کے منہ میں جانے کا حکم دے تو اُس کو بھی بہتر سمجھنا چاہیے۔ عزرائیل علیہ السلام نے فرمایا: میں اللہ کا ایک آلہ ہوں۔ کسی پر رحم کرنے کا حکم ہوگا تو رحم کروں گا اور اگر قہر کا حکم ہوگا تو قہر کروں گا۔ زمین کی رائے مناسب نہ تھی۔ تو حضرت عزرائیل علیہ السلام مٹی کو اس طرح لے گئے جس طرح بھگوڑے بچے کو مکتب میں لے جایا جاتا ہے۔

حضرت عزرائیل علیہ السلام کو جب اللہ نے ملک الموت بنایا تو اُنہوں نے عرض کیا کہ جن جانداروں کی رُوح قبض کروں گا وہ مجھ سے بغض کریں گے اور مجھے اپنا دشمن سمجھیں گے۔ تو یہ بات آپ میرے لئے کیوں پسند کرتے ہیں۔ اللہ نے فرمایا کہ میں موت کے اسباب پیدا کردوں گا تو لوگ اُن کو دیکھیں گے' تیری طرف سے لوگوں کی نگاہیں ہٹ جائیں گی۔ حضرت عزرائیل علیہ السلام نے عرض کیا: یہ تو درست ہے کہ عوام کی نگاہ اسباب پر ہوتی ہے لیکن خاصانِ خدا بھی تو ہیں جو اسباب کو نہیں دیکھتے۔ وہ لوگ یہ جانتے ہیں کہ دوا میں تاثیر ہے لیکن جب وہ اثر نہ کرے تو پھر یہ فعلِ خداوندی ہی ہے۔ حدیث میں ہے''ہر بیماری کی دوا ہے''۔ پوستین کے ذریعے سردی سے بچاؤ ہوتا ہے لیکن اگر خدا چاہے تو سردی پوستین میں سے گزر کر بدن تک پہنچ جاتی ہے۔ قضائے خداوندی کے خلاف ہر دوا بے کار ثابت ہو جاتی ہے۔ طبیب اپنی حماقت سے اُلٹی دوا تجویز کر دیتا ہے۔ اہلِ بصیرت اسباب سے دھوکے میں نہیں پڑتے۔ اللہ نے فرمایا: تُو بھی تو ایک سبب ہی ہے۔ اہلِ بصیرت تم کو بھی ایک سبب ہی سمجھیں گے۔ اے عزرائیل علیہ السلام! تم بھی تو محض ایک پردہ ہو اور اہلِ بصیرت کی نگاہ پردہ چاک کر کے اصل تک پہنچ جاتی ہے جو اصل جاننے والا ہوگا وہ تجھے درمیان میں کب دیکھے گا۔ اہلِ بصیرت چونکہ اُخروی انعامات کو جانتے ہیں، وہ موت اور مارنے والے کو بُرا نہیں سمجھیں گے۔

مومن کی موت تو ایسی ہوتی ہے جیسے کسی قیدی کا قید سے چھوٹ جانا۔ جب رُوح جسم کی قید سے آزاد ہوتی ہے تو اُس کی پرواز بڑھ جاتی ہے۔ پھر اُس قیدی کی تمنا ہوتی ہے کہ نیند ہی میں رہے اور رُوح دوبارہ جسم میں نہ جائے۔ جب دنیا مومن کے لئے قید خانہ ہے تو اُس کو اس سے نجات حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ آخرت کے مزے کی طرف راہ پانے کے لئے رات کو محراب میں کھڑے رہنا چاہیے اور شمع کی طرح آنسو بہانے چاہئیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جب دنیوی نعمتوں کا اہتمام ہے تو اُخروی نعمتیں بھی تیار ہو رہی ہیں۔ اُخروی نعمتوں تک پہنچنے کا ذریعہ انسان کی طلب اور جستجو ہے اور یہ طلب اور جستجو بھی خدا خود ہی عنایت کرتا ہے کیونکہ ہر طالب کے لئے ایک مناسب مطلوب ہونا چاہیے اور

خاک ہمچوں آلتے در دستِ باد	بادرا داں عالی و عالی نژاد
ہوا کے ہاتھ میں خاک ایک آلے کی طرح ہے	اِس لئے ہوا کو عالی مرتبہ سمجھو

تُو اپنی طلب میں اضافہ کر کے صرف ذات کو طلب کرتا کہ تُو مرے تو لوگ تجھے مردہ سمجھیں اور تُو اپنے آپ کو ابدی زندگی کے ساتھ زندہ سمجھے۔ مردہ سمجھنے والوں سے تُو کہے کہ اگرچہ میرا جسم مردہ نظر آ رہا ہے لیکن دل اور رُوح جنتوں کی سیر میں ہیں۔ جو رُوح عالمِ برزخ میں آرام سے سو رہی ہوا سے جسم کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی اور وہ رُوح تمنا کرتی ہے کہ کاش میری قوم میری اس حالت سے آگاہ ہو۔ جنت میں مادی جسم نہ ہو گا لیکن رُوح زندہ ہو گی اور اُسے زندہ رکھنے کے لئے اللہ اُسے اُس کا رزق دے گا۔

اِس دُنیا کی چکنی چُپڑی چیز بے فائدہ ہے لیکن اللہ کی طرف سے رُوح کو مُہیّا کردہ رزق بہت عُمدہ ہے

وہ معنوی رزق جو رُوحوں کو مہیا کیا جائے گا اُن تمام عیوب سے پاک ہو گا جو اس دنیا کے رزق میں پائی جاتی ہیں۔ دنیاوی رزق کی کمی اور زیادتی دونوں مُضر ہیں۔ انسان اگر ظاہری روزی کو چھوڑتا ہے اور معنوی کے لئے کوشش کرتا اور اُس کا منتظر رہتا ہے تب اُس کو معنوی روزی حاصل ہوتی ہے۔ ظاہری روزی نہ ہو گی تو بھوک لگے گی اور انسان اللہ کی طرف سے معنوی روزی کا منتظر رہے گا اور حق تعالیٰ اُسے معنوی روزی عطا فرما دیں گے۔ حدیث شریف ہے ''کشادگی کا منتظر رہنا بہترین عبادت ہے''۔ کم کھاؤ کیونکہ اگر مہمان کم کھانا کھاتا ہے تو سخی میزبان اُس کے لئے اچھے اچھے کھانے تیار کر کے لاتا ہے۔ اللہ' سخی میزبان ہے' وہ ہمیشہ اپنے مہمانوں کی قدر کرتا ہے۔ ظاہری گھٹیا روزی پر اکتفا نہ کرو، ہمت بلند رکھو۔ بلند چوٹی پر روشنی پہلے چمکتی ہے۔

اُس کا جواب جِس نے کہا یہ جہان اچھا ہے۔ کاش اِسے زوال نہ ہوتا

ایک شخص کہتا تھا کہ یہ دنیا اچھی ہے' کاش موت نہ ہوتی۔ دوسرے نے کہا: ارے بے وقوف! دنیا کی زندگی تو محض اس لئے ہے کہ یہاں آدمی کچھ اچھے کام کرے جو آخرت کی زندگی میں کام آئیں۔ دنیا کی روزی گھٹیا چیز ہے اور معنوی روزی کو چھوڑ کر دنیاوی زندگی کو پسند کرنا حماقت کی بات ہے۔ دنیا کی ناقص عقل دنیا کی چیزوں کو خوبصورت کر کے دکھاتی ہے۔ اے اللہ! تُو ہمیں ہر چیز اپنی اصلی حالت میں دکھا دے۔ مُردے پر جب دنیا اور عقبیٰ کی حقیقت کھل جاتی ہے تو وہ مرنے پر افسوس نہیں کرتا، اپنے اچھے اعمال کی کمی پر افسوس کرتا ہے۔ اگر تُو اب تک آخرت کی تیاری نہیں کر سکا تو اب کر لے۔ مرد بن کر دنیا سے جا۔

اینکہ بر کارست بیکارست و پوست
یہ جہان جو ہمیں صرف کار دکھائی دیتا ہے بیکار چھلکا ہے

وانکہ پنہان ست مغز و اصل اوست
اور جو پنہاں ہے مغز اور اصل وہی ہے

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا بیان

قیامت میں ہر جان بدن میں واپس آجائے گی اور اللہ تعالیٰ کے قرب میں عجب نعمتیں حاصل ہوں گی۔ کبھی فراق وصل کی صورت اختیار کرلیتا ہے اور رحمتِ خداوندی سے بہت سی سعادتیں حاصل ہو جائیں گی۔ جہاں پر عتاب کی توقع تھی وہاں وہ برائیوں کو بھلائیوں میں بدل دے گا۔ وہاں ہر رُوح اپنے جسم کو اس علم کے ذریعے پہچان لے گی جو خدا نے اُسے عطا کیا ہے۔ جس طرح کہ بھیڑ اور اُس کا بچہ ایک دوسرے کو پہچان لیتے ہیں۔ قیامت میں جس طرح رُوح جسم کی جانب پرواز کر کے آئے گی اِسی طرح اعمال نامے دائیں اور بائیں جانب سے پرواز کر کے انسانوں کے پاس پہنچ جائیں گے۔ فرشتے ہر انسان کے ہاتھ میں اُس کی نیکیوں اور گناہوں کے اعمال نامے پکڑا دیں گے۔ اگر کسی نے مجاہدہ کر کے نیک عادت بنالی ہوگی تو صبحِ محشر میں وہ اُس کے سامنے آئے گی۔ ہمارا سونا اور پھر بیدار ہونا ہمارے مرنے اور قیامت میں زندہ ہو جانے کے گواہ ہیں۔ دنیا میں ہمارا جو اعمال نامہ فرشتے تیار کر رہے ہیں وہ ہم سے پوشیدہ ہے۔ قیامت میں وہ ظاہر ہو جائے گا۔ یہ اسی طرح ہے جیسے ایک انجینئر کے دل کے خیالات اصل عمارت میں ظاہر ہو جاتے ہیں یا جس طرح زمین کے اندر کا بیج باہر آکر درخت کی صورت اختیار کرلیتا ہے۔ اِسی طرح انسان کے خیالات اور اعراض قیامت میں صورتیں اختیار کرلیں گے۔ دلوں کے راز اسی طرح ظاہر ہو جائیں گے جس طرح لالٹین کے اندر کے تیل یا پانی کا پتہ چل جاتا ہے۔ اگر انسان میں تقویٰ ہے تو اُس پر سرسبزی نمودار ہو جائے گی۔ بُرا اعمال نامہ بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا اور بدکار سوکھے درخت کی طرح سرنگوں ہو جائے گا۔ اُس گنہ گار نے جو مکاریاں کی ہوں گی وہ سب اُس میں درج ہوں گی۔ اُس کا غرور و تکبر بھی اُس میں درج ہوگا۔ قرآن میں ہے کہ "آج ہم اُن کے منہ پر مُہر لگا دیں گے اور ہم سے اُن کے ہاتھ گفتگو کریں گے اور اُن کے کاموں پر اُن کے پاؤں گواہی دیں گے" چور کے گھر سے چوری کا مال برآمد ہو جائے تو ثبوت مکمل ہو جاتا ہے۔

فرشتے اُس کو جہنم کی طرف لے جائیں گے۔ وہ راستے میں رُکے گا اور کسی اُمید پر مڑ مڑ کر دیکھے گا۔ اُس کے لیے عالمِ قُدس سے خطاب ہوگا کہ اے جھوٹے! اعمالِ صالحہ سے ننگے، مُڑ مُڑ کر کیا دیکھتا ہے؟ کس جزا کا انتظار ہے؟ اب بے کار ٹال مٹول نہ کر۔ اپنے اعمال نامے کو دیکھ۔ تیرے پاس کون سا عملِ خیر ہے۔ نہ رات کی نماز نہ دن کا روزہ۔ تُو نے لوگوں کو زبان سے بھی ستایا اور ظالموں کے انجام سے بھی عبرت حاصل نہ کی۔ اگر گناہ کیے بھی تھے تو توبہ کرلیتا۔ جزا کی مثال سایہ کی سی ہوتی ہے، قد ٹیڑھا ہوگا تو سایہ بھی ٹیڑھا ہوگا۔

اب یہ گناہ گار جنابِ باری میں عرض کرے گا کہ جو کچھ بتایا گیا ہے میں اُس سے بھی سو گنا زیادہ خطا کار ہوں لیکن

شاہدِ تو سدِّ رُوئے شاہد ست
اصل معشوق، معشوق کے چہرے کے پیچھے چھپا ہے

مُرشدِ تو سدِّ گفتِ مُرشد ست
تیرا مُرشد، مُرشد کی گفتگو کی دیوار کے پیچھے ہے

اے کریم! تیری رحمت اُن گناہوں سے بھی بدتر گناہوں کی پردہ پوشی کرنے والی ہے۔ مجھے نہ اپنے اعمال پر بھروسہ ہے نہ اپنی عاجزی پر بلکہ محض تیرے کرم پر بھروسہ ہے۔ میری اُمید تیرے اُس کرم سے وابستہ ہے جو کسی بھی بدلے اور عوض سے بے نیاز ہے۔ میں مُڑ مُڑ کر تیرے اُس کرم کو دیکھتا ہوں' اپنے اعمال کو نہیں۔ تُو نے ہمیں وجود عطا کیا یہ بھی تمہارا کرم ہی تھا ورنہ اِس وجود سے پہلے نیک اعمال کہاں تھے۔ جب گنہگار اپنی خطائیں گِنا کر خالص بخشش طلب کرے گا تو اللہ ملائکہ کو حکم دے گا کہ جب اُس نے اپنی اُمید ہماری بخشش سے وابستہ کی ہے تو اُسے جہنم کی طرف سے واپس لے آؤ' ہم اُس کی تمام خطائیں معاف کرتے ہیں کیونکہ ہم بے پرواہ ہیں۔ ہم اپنے کرم کی وہ آگ جلائیں گے جو اُس کے جرائم کو جلا کر خاک کر دے گی۔ قرآن میں ہے ''اے مومنو! اللہ سے پرہیزگاری حاصل کرو اور ٹھیک بات کرو۔ وہ تمہارے اعمال کو سُدھار دے گا اور تمہارے لئے تمہارے گناہوں کو بخش دے گا''۔

جس قدر بھی افعالِ انسانی ہیں وہ مظہرِ صفات واسماءِ باری تعالیٰ ہیں اور اِس لحاظ سے اُن میں ایک نور ہے، لیکن چونکہ اُن کا صدور بندہ کے اختیار سے ہوا ہے اِس لحاظ سے اُن میں جرم وخطاء کی صفت پیدا ہو گئی ہے۔ جب حضرت حق تعالیٰ اپنے کرم سے اِس اختیار کو محو فرما دے گا تو اُن کا نور واضح ہو جائے گا۔ اور اُن افعال میں جرم وخطاء کی صفت باقی نہ رہے گی۔ بندہ کے اُس اختیار کی حقارت اور صفت یوں ظاہر ہوگی کہ جیسے اقوال میں اُس کا اختیار زبان کی وجہ سے ہے، نظر کے گناہوں کا اختیار آنکھ کی وجہ سے ہے، سننے کا اختیار کان کی دو ہڈیوں کی وجہ سے ہے، معلومات میں اختیار خون کی وجہ سے۔ انسان کے اختیار کی حقیقت یہ ہے کہ یہ مَنی جیسی نجس چیز سے بنا ہے۔ جب وہ اس قدر ناچیز ہے تو غرور وتکبر اُس کے لئے مناسب نہیں۔ اُسے ایاز کی طرح ہمیشہ اپنی اصل پر نگاہ رکھنی چاہیے۔

ایاز، اُس کی پوستین اور چپلوں کا قِصّہ

ایاز، سلطان محمود غزنوی کا ایک ادنیٰ غلام تھا، پھر ترقی کرتے کرتے اُس کا محبوب ترین وزیر بن گیا۔ چونکہ نہایت عقل مند تھا، اُس نے اپنی غلامی کے زمانے کی پوستین اور جوتیاں ایک حجرے میں رکھ چھوڑی تھیں۔ وہ روزانہ اُس حجرے میں جا کر اپنے آپ کو بتاتا کہ موجودہ عروج پر غرور نہ کر' تیری اصل یہ چیزیں ہیں۔ دوسرے حاسد وزراء نے سلطان سے شکایت کی کہ ایاز نے ایک حجرے میں ناجائز دولت جمع کر رکھی ہے۔ اُسے تالے سے بند رکھتا ہے اور چابی اپنے پاس رکھتا ہے اور کسی کو اندر جانے کی اجازت نہیں دیتا۔

بادشاہ نے کہا تعجب ہے اُس نے ہم سے چُھپا کر یہ دولت کیوں جمع کی ہے؟ شاہ نے ایک وزیر کو کہا کہ رات کے

وقت جا کر حجرے کا دروازہ توڑ کر اندر گھس جاؤ۔ اُس میں سے جو کچھ ملے وہ تیرا ہے۔ وہ غلامی کا دعویٰ کرتا ہے اور ہم سے چُھپا کر مال جمع کرتا ہے۔ جو عشق کا دعویٰ کرے پھر محبوب کے علاوہ اُس کے لئے ہر چیز کی تمنا کفر ہے۔ سردار بہت خوش ہوا کہ اِس طرح خوب مال ہاتھ لگے گا کیونکہ ایاز شاہ کا خزانچی ہے۔ اُس نے ہر قیمتی چیز کمرے میں رکھی ہوگی۔ شاہ نے حجرہ توڑنے کا جو حکم دیا تھا وہ اِس وجہ سے نہیں تھا کہ شاہ کو بدگمانی تھی۔ بلکہ اُس حکم کے ذریعے شکایت کرنے والوں کی آزمائش مقصود تھی۔ شاہ ایاز کو اِس تہمت سے پاک سمجھتا تھا لیکن پھر بھی اُس کا دل لرز رہا تھا کہ کہیں یہ تہمت صحیح ثابت نہ ہو جائے' اگر ایسا ہوا تو ایاز کو اِس کا بہت رنج ہوگا کیونکہ خزانہ میرے پاس ہو یا ایاز کے پاس ہو کچھ فرق نہیں کہ ہم میں دوئی نہیں ہے۔ ایاز سے ایسا فعل خود ناممکن اور بعید ہے۔

قصہ کا ظاہر، ظاہر پرستوں کے لیے ہے اور وہ لطافت جو اِس قصّے کی حقیقت ہے اُس کے بیان کرنے میں مجھے شرم آتی ہے۔ عقل مند کے لیے اشارہ کافی ہے

محمود اور ایاز کا قصہ تو اصل بات کی ظاہری صورت ہے۔ اصل مقصود تو اپنے عشقِ الٰہی کو بیان کرنا ہے۔ چونکہ یہ قِصہ بیان کرتے ہوئے مجھ میں عشقِ حقیقی کی دیوانگی پیدا ہوگئی ہے' اِس لئے اِس قصے کے بیان میں بھی اب ربط نہیں رہا۔ ہاتھی ہندوستان کا جانور ہے۔ غیر ملک میں جا کر جب کبھی وہ خواب میں ہندوستان کو دیکھتا ہے تو اُس پر مستی طاری ہو جاتی ہے۔ جنون کی وجہ سے میں اب نظم و قافیہ پر بھی قادر نہیں رہا۔ مجھے صرف ایک جنون نہیں ہے بلکہ جنون در جنون ہے۔ چونکہ اپنے عشق کو اور اُس کی داستان کو بیان نہیں کر پا رہا ہوں اس لئے اُس کے اثر کی شدت میرے جسم کو گھلا رہی ہے۔ جب سے میں اپنے آپ کو فنا کر کے مقامِ مشاہدہ میں پہنچ گیا ہوں، اے محبوب! اب مجھ میں طاقت نہیں ہے کہ تیرے عشق کا قِصہ بیان کر سکوں۔ اب میرا وجود خود ایک قِصہ بن کر رہ گیا ہے۔ پہاڑ کیا جانے کہ گفتگو کیا ہوتی ہے۔ وہ آواز طور کی تو نہ تھی، درحقیقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہی صدائے بازگشت تھی۔ اب میں طور ہوں' تُو موسیٰ ہے لہٰذا میری آواز دراصل تیری آواز ہے۔ پہاڑ خود اُس آواز کو کچھ نہ سمجھا، موسیٰ علیہ السلام نے سمجھا لیکن یہ نہ سمجھ لینا کہ پہاڑ بالکل بے شعور ہے۔ لیکن موسیٰ علیہ السلام جیسا شعور نہیں ہے۔ اِسی طرح اصل لذّت تو رُوح کو حاصل ہوتی ہے اور جسم بھی اُس سے بہرہ اندوز ہو جاتا ہے۔ یہی حال موسیٰ علیہ السلام اور پہاڑ کا ہے۔ جسم سے رُوح کے منازل اور مراتب کا اِسی طرح پتہ لگتا ہے جس طرح اُصطرلاب سے سورج کے اَحوال کا پتہ چلتا ہے۔ اگر انسان محض آنکھ کے ذریعے عالم کی حقیقت کو سمجھنے کی

در وجودِ آدمی جان و رَواں	می رسد از غیب چوں آبِ رواں
اِنسان کے جسم میں جان اور رُوح	جاری پانی کی طرح غیب سے پہنچتی رہتی ہے

کوشش کرے گا تو وہ حقیقت تک نہ پہنچ سکے گا۔ آنکھ کے ذریعے دیکھنے والا اپنی آنکھ کے بقدر ہی سمجھ سکے گا۔ عارفوں سے سُرمہ حاصل کرو پھر حقائق تم پر واضح ہوں گے۔

اگر میں تھوڑی سی بھی عقل رکھتا تو ایسی دیوانگی اور بے ترتیب باتیں کیوں کرتا لیکن میری عقل اور حواس گم ہو چکے ہیں اِس لئے ایسی گفتگو کر رہا ہوں۔ وہ معشوق جس کی وجہ سے ہوش و حواس گم ہوئے ہیں اُس کا کوئی قصور نہیں ہے۔ اُس کی شان یہی ہے کہ اُس کے سامنے عاقلوں کی عقلیں گم ہو جاتی ہیں۔ اے عقل کو حیران کرنے والے! تیرے عشق کے جنون کے بعد مجھے عقل کی تمنا نہیں ہے۔ تُو نے مجھے زینت دی ہے تو اب حُسن کی میرے سامنے کوئی اہمیت نہیں ہے۔ ہاں اب کہہ دے "اللہ تجھے ٹھیک بدلہ دے" اور معشوق کا بولنا دراصل عاشق کا بولنا ہے اور اِس زبان کو حواس نہیں سمجھ سکتے۔ اُس شراب کو کوئی صاحبِ ہمت ہی برداشت کر سکتا ہے۔ اُس کی غلامی کے حلقے کا ہر کان اہل نہیں ہے۔ مجھے اب پھر جنون کا دورہ پڑنے لگا۔ میرے لئے زنجیر لا لیکن لوہے کی زنجیر میرے جنون کی تاب نہیں لا سکتی۔ اس کو قابو کرنے کے لئے تیری زلف سے بڑھ کر کوئی زنجیر نہیں ہے۔

عشق کے قصے کی اِبتداء ہوتی ہے نہ اِنتہاء۔ ایاز کا قصہ پھر شروع کر کیونکہ اس میں بہت سی حکمتیں پوشیدہ ہیں۔ وہ روزانہ حجرے میں جاتا تھا تا کہ اپنی پرانی پوستین اور چپل دیکھ کر اپنی غربت کے زمانے کو نہ بھولے۔ اشیاء کی فراوانی ہمیشہ لوگوں اور قوموں کی تباہی کا سبب بنتی ہے۔ شیطان کو ہر طرح کا عیش و عشرت اور مرتبہ کی بڑائی حاصل تھی۔ وہی اس کی گمراہی کا سبب بنی۔ وہ ملائکہ کا معلم تھا اور آگ سے پیدا کیا گیا تھا جو کہ مٹی سے اعلیٰ ہے۔ اِسی لئے اُس نے اپنے آپ کو سردار کہا۔ جنوں کی پیدائش آگ سے ہوئی ہے اِس لئے اُس کا مزاج بھی آتشی تھا۔ میں نے اُس کی نافرمانی کی علت آگ کو قرار دیا ہے لیکن دراصل علت قہرِ خداوندی ہے۔ اللہ خود کسی علت کا پابند نہیں ہے۔ جب اُسے ازلی طور پر نافرمان قرار دیا گیا اُس وقت نہ تو آگ تھی اور نہ شیطان کے مزاج کا آتشی ہونا تھا۔ اِس لئے اچھا ہو یا بُرا سب ذاتِ باری تعالیٰ کی کاری گری ہے اور اُس ہی کے اُسماءِ مبارکہ کے مختلف مظاہر کا جلوہ ہے۔

انسان کا وہ جسم اور پوست جس کی یہ زیادہ پرورش کرتا ہے دوزخی ہے اور اللہ اُسے دوزخ میں نئی نئی کھالیں دے گا۔ قرآن میں ہے "اُن دوزخیوں کی جب کھالیں پک جائیں گی ہم اُن کی کھالیں تبدیل کرتے رہیں گے تا کہ یہ عذاب کا مزہ چکھیں"۔ انسان کی رُوح، رُوحِ کامل کا پَرتَو ہے لہٰذا وہ آگ پر حاکم ہے۔ تُو جب مجسّم پوست بن گیا ہے اور پوست جہنمی چیز ہے تو تُو بھی جہنم کے دھوئیں میں ہے۔ جسم پروری سے تکبر پیدا ہوتا ہے اور اللہ کا قہر ہی اس تکبر کا قاتل ہے۔

ہر زماں از غیب نُو نُو می رسد غیب سے ہر وقت نئی نئی بات پہنچتی رہتی ہے	وز جہانِ تن بروں شومی رسد اور تن کی دُنیا سے نکل کر کی آواز آتی رہتی ہے

تکبر مال اور مرتبہ کو بہت پسند کرتا ہے کیونکہ یہ چیزیں جسم پروری کا سبب ہیں۔ تکبر انسان کی ذات وصفاتِ باری تعالیٰ سے غفلت کا نتیجہ ہے اور اُس کا جماؤ ایسا ہی ہے جیسا برف کا جماؤ سورج سے غفلت کی بناء پر ہے۔ جب انسان کو ذات و صفات کا مشاہدہ حاصل ہو جاتا ہے تو انسان میں اُس کے قرب کے حصول کا لالچ پیدا ہوتا ہے اور لالچی ہمیشہ اپنے لالچ کے حصول کے لئے ذِلّت اختیار کرتا ہے۔ اِس لئے ذات کے قرب کے حصول کا لالچی بھی اپنے آپ کو کمتر درجہ پر رکھنا پسند کرتا ہے۔ جب تک انسان کو ایک حقیقت کے مُشاہدات نہیں ہوتے وہ ظاہر پر ہی قناعت کرتا ہے اور اِس قناعت کی بیڑی اُسے غرور اور تکبر میں مبتلا کر دیتی ہے۔

یاد رکھو تن پروری کفر کا درجہ رکھتی ہے اور دین ذلّت کو اختیار کرنے کا نام ہے۔ جو لوگ مجاہدات نہ کر کے اپنے اندر کے اصل جوہر کو نہیں دیکھ سکتے وہ محض چھلکے (جسم) کو مغز سمجھ بیٹھتے ہیں۔ ایسے لوگوں کا پیشوا شیطان ہے، جو جاہ و مرتبہ کے جال کا شکار بن گیا۔ حدیث شریف میں ہے "جس شخص نے کوئی بُری راہ قائم کی اُس پر اِس کا اور اُن لوگوں کا گناہ ہے جو قیامت تک اُس پر عمل کریں گے"۔ جیسے حضرت آدم علیہ السلام نے کہا: "رَبَّنَا ظَلَمْنَا" اِسی طرح ایاز نے اپنی پوستین اور چپل روزانہ دیکھنے کا معمول بنا رکھا تھا تا کہ اپنی غُربت کو یاد رکھے۔ اِسی لئے اُس کی عاقبت بھی پسندیدہ تھی۔ انسان اپنے آپ کو نیست کر لے گا تب ہی اُس پر صنعتِ خداوندی کارساز بنے گی۔ خوش نویس اپنے فن کا مظاہرہ کرنے کے لئے صاف سادہ کاغذ تلاش کرتا ہے۔ اپنے آپ کو دنیاوی لذّتوں سے خالی کر لے پھر غیب کی لذّتیں حاصل ہوں گی۔ دنیاوی لذّتیں انسان کو متکبر بنا دیتی ہیں۔ اِس لئے کسی مصیبت میں پھنسنے سے پہلے ہی توبہ کر لینی چاہیے۔ مصیبت کے وقت توبہ کرو گے تو شیطان تم پر ہنسے گا کہ اب بے وقت کی توبہ اور ندامت سے کیا فائدہ۔ ایاز کی عاجزی کی وجہ سے اُس کی ہر نماز انکساری کی تھی۔

"ہمیں چیزوں کو ایسا دِکھا جیسی کہ وہ ہیں اور اگر پردہ ہٹا دیا جائے تو میرے یقین میں اضافہ نہ ہو" اور "جس شخص کو تو بُری نظر سے دیکھتا ہے اپنے وجُود کے حلقے سے دیکھتا ہے کیوں کہ ٹیڑھا قد ٹیڑھا سایہ ہی ڈالتا ہے" کے معنیٰ کا بیان

یہ دُعا امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تھی۔ ایاز کے مخالفوں کو اُس کے حجرے میں جانے کی حقیقت معلوم نہ تھی۔ اِسی لئے اُنہوں نے ایاز پر الزام لگایا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ میرا غیب پر ایمان اِس درجے کا ہے کہ اگر غیب سے پردے ہٹا

دیئے جائیں تو میرے یقین میں کوئی اضافہ نہیں ہوگا کیونکہ میں ایمان اور یقین کے آخری درجے پر ہوں۔ انسان دوسروں کو اپنے پر قیاس کرتا ہے۔ جیسا خود ہوتا ہے ویسا ہی دوسروں کو سمجھتا ہے۔ اگر کسی کا قد ٹیڑھا ہے تو یقیناً اُس کا سایہ بھی ٹیڑھا ہی پڑے گا۔ اگر اپنی اِصلاح کرنی چاہتے ہو تو ایاز کی طرح بروقت اِصلاح کرلو اور اُس نے دنیاوی زندگی سے دھوکا نہ کھایا۔ دنیادار توبہ کا صحیح وقت نہیں پہچانتے اس لئے ایسے وقت توبہ کرتے ہیں جب وہ چنداں مُفید نہیں ہوتی۔ جو شخص خود غلطی میں مبتلا ہو دوسروں کو غلطی پر نہ سمجھے۔

بدگمان انسان اپنے اعمال نامے کو دوسرے کا اعمال نامہ سمجھ کر پڑھتا ہے۔ ایاز کی شکایت کرنے والے اُمراء خود مکّار تھے۔ اُنہوں نے ایاز کو بھی مکّار سمجھا۔ سلطان کو اُس کی پاکیزگی کا یقین تھا۔ اسی لئے اُس نے امیروں کو رات کے وقت حجرہ کھولنے کی اجازت دے دی۔ بادشاہ کو اس بات کی پریشانی تھی کہ اگر اُس کے مخلص ایاز کو اِس بات کا علم ہوگا کہ میں نے بدگمانی کی بنیاد پر اُس کے حجرے کی تلاشی کا حکم دیا ہے تو اُس کو کس قدر رنج ہوگا۔ لیکن وہ یہ بھی اپنے دل میں سمجھتا تھا کہ ایاز بدگمان نہیں ہوگا بلکہ یہی سمجھے گا کہ دشمنوں پر حقیقت واضح کرنے کے لئے میں نے یہ حکم دیا ہے۔ کوئی مصیبت زدہ جب اپنی مصیبت کی کوئی بہتر توجیہہ تلاش کرلیتا ہے تو رنج وغم میں شکست خوردہ نہیں ہوتا۔ بادشاہ نے سوچا کہ ایاز اپنے خلوص کی وجہ سے اِس واقعے کی کوئی بہتر توجیہہ کرلے گا۔ میں اگر آزمائش کی اُسے سو تلواریں بھی ماروں گا تو اُس خلوص کے شاہ کا تعلق پھر بھی کم نہ ہوگا کیونکہ وہ جانتا ہے کہ میرا اُسے تلوار مارنا اپنے آپ کو تلوار مارنا ہے۔

حقیقت کے اعتبار سے عاشق اور معشوق کے اتحاد کے بیان میں شرح دراز ہے لیکن عقلمند کیلئے اشارہ کافی ہے

بظاہر عاشق اور معشوق میں تضاد ہے۔ ایک طرف نیاز ہے اور دوسری طرف بے نیازی ہے۔ جیسے آئینہ اور صورت جو اُس کے اندر آتی ہے بظاہر اُن میں تضاد ہے کیونکہ آئینہ بے صورت ہے لیکن حقیقت میں دونوں میں اتحاد ہے۔ ایک بار مجنوں بیمار ہوگیا۔ عشق کی شدت نے اُس کے خون میں جوش پیدا کردیا جس سے اُس کے گلے میں ورم آگیا۔ طبیب نے کہا کہ خون کے دباؤ کو کم کرنے کے لئے فصد کرنا ضروری ہے۔ جب فصد کھولنے والے کو بلایا گیا تو مجنوں شور مچانے لگا کہ خواہ میں مرجاؤں فصد نہ کرو۔ فصد کھولنے والے نے کہا کہ تُو جنگلوں میں مارا مارا پھرتا ہے۔ درندوں سے بھی نہیں ڈرتا پھر اس نشتر سے کیوں ڈر رہا ہے۔ درندوں کو تجھ میں انسان کی بُو نہیں آتی اور وہ تجھے اپنا دشمن سمجھ کر حملہ آور بھی نہیں ہوتے۔ تیرے جگر میں عشق اور غم کی کثرت ہے۔ جب کہ حیوانات بھی عشق اور اہلِ عشق سے آشنا ہوتے ہیں۔ تو اگر انسان میں

ہر نفس نو می شود دُنیا و ما	بے خبر از نو شدن اندر بقا
ہر دم دُنیا نئی ہو جاتی ہے، اور ہم	زندگی میں اُس کے نئے ہونے سے بے خبر ہیں

یہ جذبہ نہ ہو تو کتے سے بھی بدتر ہے۔ اصحابِ کہف کے کتے قطمیر کو عشق ہی غار میں لے گیا تھا۔ اگر تُو نے انسان کے دل کے عشق کو نہ پہچانا تو تُو درندوں کے دل کی حالت کیا جان سکتا ہے۔ اِس عالم کے وجود کی بنیاد ہی عشق ہے اور تُو دیکھ لے اِس کائنات میں باہمی عشق و جذب موجود ہے۔ اگر روٹی اور انسان میں باہمی تعلق نہ ہوتا تو روٹی زندہ انسان کا جزو کیسے بنتی۔ عشق ہی نے اِس مردہ روٹی کو زندہ انسان کا جزو بنا دیا۔ مجنوں نے فصد والے سے کہا کہ میں نشتر لگنے سے نہیں ڈرتا ہوں۔ میرا صبر تو پہاڑ سے بھی بڑا ہے اور زخم کھانا تو میری عادت ہے۔ اِس سے تو میرے جسم کو آرام ملتا ہے۔ چونکہ میں اپنے آپ کو فنا کر چکا ہوں اور مجھ میں تو لیلیٰ ہی ہے۔ میں لیلیٰ ہوں اور لیلیٰ میں ہے یعنی دو رُوحیں ایک بدن میں ہیں۔ تو یہ نشتر میرے نہ لگے گا بلکہ لیلیٰ کے لگے گا۔

ہر کرا آئینۂ یقیں باشد : گرچہ خود بیں خُدائے بیں باشد

جِس کو یقین کا آئینہ حاصل ہے اگرچہ وہ خود بین ہو، وہ خُدا بین ہوگا

کسی معشوق نے عاشق سے دریافت کیا کہ تُو مجھ سے زیادہ محبت کرتا ہے یا اپنے آپ سے۔ اُس نے جواب دیا میں تو اپنی سب صفات گم کر چکا ہوں۔ اب تیرے علم سے عالم، تیری قدرت سے قادر ہوں۔ لہٰذا اگر تُجھے دوست رکھتا ہوں تو اپنے آپ کو دوست رکھتا ہوں اور اپنے آپ کو دوست رکھتا ہوں تو تُجھے دوست رکھتا ہوں۔ اب دوئی ختم ہو چکی ہے۔ جس کسی کو ذات و صفاتِ باری میں یقین کامل حاصل ہو گیا ہو تو چونکہ وہ اپنی خودی کو ختم کر چکا ہے لہٰذا اُس کی خود بینی بھی خدا بینی ہی ہے۔ جب ایک انسان فرائض و نوافل کے ذریعے خدا کا قرب حاصل کرتا ہے اور خدائی اخلاق سے متخلق ہو جاتا ہے تو اُس انسان کو دیکھنا عین خدا کو دیکھنا ہوتا ہے۔

عاشق نے کہا: میں اپنے آپ کو تجھ میں فنا کر چکا ہوں۔ اب تُو اور میں دو شخص نہیں ہیں کہ اُن کے بارے میں محبت کی کمی یا زیادتی کا سوال ہو سکے۔ میرے وجود کا تو بس نام ہی نام ہے ورنہ اِس وجود میں دراصل تُو ہے۔ سرکہ اگر شہد کے سمندر میں ڈال دیا جائے تو سرکہ کا محض نام ہی نام ہوگا ورنہ وہ سارے کا سارا شہد میں ملکر شہد ہی بن گیا ہے۔ جس جسم میں کسی دوسرے جسم کی پوری صفات آ جائیں تو اب پہلے جسم کا صرف نام ہی باقی ہوگا۔ آگ میں پڑے لوہے نے جب آگ کی صفات کو اپنا لیا تو وہ محض نام کا لوہا ہے۔ وہ بالکل آگ ہی کا کام کرے گا۔ اب اگر وہ اِس حالت میں ہوتے ہوئے اپنی ہستی کو سمجھے تو پھر وہ آگ کا کافر ہوگا۔ اُس کا اپنے وجود کا اقرار آگ کے غیر کے وجود کا اقرار ہے جو کہ کفر ہے۔ کسی فرعونی کا اَنَا الْحَقّ کہنا اِسی وجہ سے کفر ہے اور منصوری کا یہ کلمہ کہنا عین ایمان ہے۔ اگر کوئی فرعونی صفت والا

عُمر ہمچوں جوئے نو نو می رسد : مستمرے می نماید در جسد

نہر کی طرح تیری عُمر نئی نئی آتی رہتی ہے، جو جسم میں لگاتار نظر آتی ہے

شخص اَنَا الحَق کہے تو وہ ملعون ہے اور اگر منصور حلاج کی صفات والا شخص کہے تو اُس پر اللہ کی خاص الخاص رحمت ہے۔ جب تک کوئی انسان اللہ کی صفات سے متصف نہیں ہے تو اُس میں اور اللہ میں تضاد ہے۔ متصف بصفاتِ خداوندی کا اَنَا الحَق کہنا دراصل "ھُوَالحَق" کہنا ہے اِس کیفیت میں "اَنَا" اور "ھُوَ" میں کوئی فرق نہیں ہے کیونکہ نور اور صفات کے اعتبار سے دونوں میں اتحاد ہے۔

لیکن یادرکھو! ذاتِ باری تعالیٰ کو کسی انسانی شکل میں ماننا تو حلول ہوا جو کہ کفر ہے۔ مجاہدوں کے ذریعے اپنے پتھر پن کو دُور کر کے لعل بننے کی کوشش کر پھر تجھے رفتہ رفتہ اپنی صفات کو فنا کر کے اللہ کی صفات کے ذریعے بقاء حاصل ہو جائے گا۔ تیرے وجود کے اَوصاف رفتہ رفتہ فنا ہوتے جائیں گے اور صفاتِ خداوندی کا تیرے اندر جماؤ ہوتا جائے گا۔ تُو کان کی طرح مجسّم سماعت بن جا اور اِن نصیحتوں کو قبول کر کے صفاتِ خداوندی کو حلقہ بگوش بنالے۔ اگر انسان میں انسانیت ہے تو اُس کو کنواں کھودنے والے کی طرح مجاہدے کے ذریعے اپنے جسم کی کھدائی کرنی چاہیے تاکہ آبِ حیات تک پہنچ سکے۔ مجاہدے کے ساتھ اگر حضرتِ حق کی طرف سے جذب شروع ہو جاتا ہے تو پھر مقصد تک پہنچنے کے لئے زیادہ مجاہدوں کی ضرورت نہیں رہتی ہے۔ انسان کو مجاہدہ شروع کرنا چاہیے اور مقصد کے حصول کا منتظر رہنا چاہیے کیونکہ خدا ہرگز محنت ضائع نہیں کرتا۔ جو کوشش کرتا ہے وہ ضرور پالیتا ہے۔ عبادتیں اِس لئے کی جاتی ہیں کہ درِ حق کھلے اور انسان کو تقرب حاصل ہو۔ زنجیر بجا کر دروازہ کھلوایا جاتا ہے۔ عبادت بھی زنجیر بجانا ہی ہے۔ جو شخص کنجی کا دروازہ کھٹکھٹاتا ہے تو اُس کے لئے دروازہ ضرور کھل جاتا ہے۔

چغلخور امیروں کا آدھی رات کو خزانے کی تلاش میں ایاز کا حُجرہ کھولنا

چغل خور امیر یہ سمجھتے تھے کہ ایاز نے چپل اور پوستین اِس لئے لٹکا رکھی ہے کہ چُھپے ہوئے خزانے کی جانب لوگوں کا دھیان نہ جائے۔ ایاز نے حجرے پر بہت سخت قفل لگایا تھا تاکہ اُس کا راز چُھپا رہے۔ باہمت لوگ اپنے باطنی اَحوال کی لعل و جواہر سے بھی زیادہ حفاظت کرتے ہیں۔ بے وقوفوں کے نزدیک مال و دولت جان سے بہتر ہے۔ عقل مند روپے پیسے کو جان کی خیرات سمجھتے ہیں۔ اُن امیروں پر حرص کا غلبہ تھا اور عقل کی آواز دب گئی تھی۔ حکمت کے اشارے اِس لئے بعض لوگوں پر پوشیدہ کر دیئے جاتے ہیں کہ یہ اپنی حرص کے جال میں پھنس جائے اور جب لالچی شخص پھنس جاتا ہے تو اُس کا غرور ٹوٹتا ہے اور پھر اُس کا نفس اُسے ملامت کرتا ہے۔ جب تک وہ مصائب کی دیوار سے نہیں ٹکراتا اُس وقت تک وہ دل کی نصیحت نہیں سنتا۔ اُن کی مثال اُن بچوں کی سی

آں ز تیزی مستمر شکل آمد ست
تیزی کی وجہ سے وہ لگاتار شکل بنی ہے

چُوں شرر کش تیز جُنبانی بدست
اُس انگارے کی طرح جس کو ہاتھ سے تیز گھمایا جائے

ہے جو مٹھائی کھانے کے لالچ میں کوئی نصیحت نہیں سنتے اور جب پھوڑے نکلتے ہیں تو پھر اُن کے کان کھلتے ہیں۔ وہ لوگ حملہ کر کے حجرے میں جا گھسے۔ وہاں مال نظر نہ آیا تو فرش کو کھودنا اور دیواروں میں سوراخ کرنا شروع کر دیا کہ کہیں خزانہ وہاں نہ چُھپایا ہوا ہو لیکن وہاں چپل اور پوستین کے سوا کچھ نہ تھا۔ اب وہ اپنے خیالات پر شرمندہ تھے۔ اپنی حرکت کو چھپا نہیں سکتے تھے کیونکہ فرش کے گڑھے اور دیواروں کے سوراخ اُن کی چغلی کھا رہے تھے۔ انجام کار وہ محروم واپس ہوئے۔ وہ خالی ہاتھ اور شرمندہ اِسی طرح تھے جس طرح قیامت میں کفار ہوں گے۔

فرمانِ باری تعالیٰ "قیامت کے روز تو اُن لوگوں کے چہرے کالے دیکھے گا جنہوں نے خدا پر جھوٹ بولا"

شاہ نے قصداً اُن سے دریافت کیا کہ تمہاری بغلیں زر و جواہر کی گٹھڑیوں سے کیوں خالی ہیں؟ تمہارے چہرے بتا رہے ہیں کہ تم ناکام آئے ہو۔ جڑ زمین میں چُھپی ہوتی ہے لیکن اس کی زندگی کے آثار پتوں پر ظاہر ہوتے ہیں۔ چُھپے ہوئے اعمال کے اثرات بھی اِسی طرح چہروں پر ظاہر ہوں گے۔ قرآن میں ہے "سجدوں کے نشان اُن کے چہروں سے نمایاں ہیں"۔ مٹی نے جڑ کی زبان بند کی ہوئی ہوتی ہے لیکن درخت کی شاخیں جڑ کی حالت کی گواہ ہوتی ہیں۔ سب لوگ بادشاہ سے یہی کہہ رہے تھے کہ ہم قتل کیے جانے کے قابل ہیں لیکن اگر آپ معاف فرما دیں تو یہ آپ کا کام ہے۔ بادشاہ نے کہا اِس معاملے میں سزا یا عطا میرا کام نہیں' ایاز کا کام ہے۔ شاہ نے ایاز کو بلا کر اُن امیروں کو اُس کے حوالے کر دیا۔ اُس نے کہا ظلم یا زیادتی ایاز کے جسم و آبرو پر ہوئی ہے۔ اگرچہ میں اور ایاز دو نہیں ہیں لیکن اِس معاملے میں یگانگت نہیں ہے۔

اگر کوئی شاہ کا جرم بھی کرتا ہے تو وہ شاہ کے حِلم کے بھروسے پر کرتا ہے۔ شاہ کو جرم کا علم بھی ہوتا ہے لیکن وہ اپنے حِلم کی وجہ سے اُس کا اظہار نہیں کرتا۔ شاہ کے حِلم کی وجہ سے ہی خطا کار کو ہمت ہو جاتی ہے' ورنہ اگر ہیبت ہو تو کبھی اُسے خطا کرنے کا موقع نہ دے۔ اگر کوئی قتل میں خطا کرتا ہے تو اُس کے رشتہ داروں کو دیت دینی پڑتی ہے کیونکہ قاتل اِنہی رشتہ داروں کے سہارے کی اُمید پر ہی قتل کرتا ہے۔ اِسی طرح خطا کار' شاہ کے حِلم کے سہارے خطا کرتا ہے تو اُس کی ذمہ داری بھی شاہ کے حِلم کے ذمے ہی پڑتی ہے۔ شاہ کے حِلم کی مستی خطا کار پر طاری ہو جاتی ہے اور اِس حالت میں شیطان اُن کو بے آبرو کر دیتا ہے۔ اگر حضرت آدم علیہ السلام کو حِلمِ خداوندی پر بھروسہ نہ ہوتا تو شیطان اُن کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکتا۔ آدم علیہ السلام کو ملائکہ سے زیادہ علم حاصل تھا اِس لئے شیطان اُنہیں دھوکا نہ دے سکتا تھا لیکن چونکہ اُنہوں نے جنت میں اللہ کے حِلم کا جام پی لیا تھا تو اُن سے خطا سرزد ہو گئی۔ آدم علیہ السلام نے اللہ کے حِلم کی افیون کھالی جس سے اُن پر غفلت

شاخِ آتش را بجنبانی بساز — در نظرِ آتش نماید بس دراز

اگر تُو جلتی لکڑی کو کوشش سے گھمائے — تو وہ بہت لمبی آگ کی لکیر نظر آئے گی

طاری ہو گئی۔ پھر اُن کی عقل نے اُس غلطی سے اللہ کی بُردباری سے پناہ پکڑی۔

بادشاہ نے ایاز سے کہا: اب تُو جو چاہے کر۔ معاف کر دے یا بدلہ لے لے اور یہ بھی یاد رکھ کہ وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ یعنی بدلہ لینے میں سینکڑوں مہربانیاں پوشیدہ ہیں۔ اس لئے کہ قصاص کے ڈر سے جانیں محفوظ ہو جاتی ہیں۔ اِسی لئے قصاص کو حیات قرار دیا گیا ہے۔ جو شخص معاف کرتا ہے وہ قاتل کی ایک جان کی طرف دھیان تو دیتا ہے لیکن اُن جانوں کی طرف دھیان نہیں کرتا جو قصاص کے ڈر سے محفوظ رہتی ہیں۔ انسان جوش میں راہِ اعتدال چھوڑ بیٹھتا ہے لیکن ایاز سے یہ ممکن نہیں ہے۔ غلط بات کا امتحان کر کے بہت سے لوگ شرمندہ ہوئے ہیں۔ اب یہ سردار بھی اُسی طور پر شرمندہ ہیں۔

ایاز تو بُردباری کا پہاڑ ہے۔ اُس نے شاہ سے کہا کہ میرا ہر رُتبہ آپ کی عطا اور دین ہے ورنہ میری حقیقت تو وہی چپل اور پوستین ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ "جس نے اپنے نفس کو پہچانا اُس نے اپنے ربّ کو پہچانا"۔ چپل اور پوستین اُس کی ابتداء تھی اور باقی سب کچھ شاہی عطیہ تھا۔ اِسی طرح انسان کی اصل بھی مرد کا نطفہ اور عورت کے رحم کا خون ہی ہے۔ انسان کو دیگر دنیاوی عطیات اِس لئے دیئے گئے ہیں کہ وہ اُن عطیات کو دیکھ کر اُخروی عطیات کا طلب گار بنے۔ دنیا کے عطیات تو آخرت کا نمونہ ہیں، جس طرح چند سیب باغ کے نمونے کے طور پر دکھائے جاتے ہیں۔ اُستاد ایک معمولی نکتہ بتاتا ہے تاکہ شاگرد علوم حاصل کرنے کے لئے حریص ہو جائے۔ اگر کوئی شاگرد اپنی حماقت سے کہہ دے کہ بس اُستاد کے پاس اِس نکتے کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے تو اُستاد اُسے درس سے خارج کر دیتا ہے۔

بادشاہ نے ایاز سے کہا: یہ چغل خور قتل کے مستحق ہیں لیکن تیری بُردباری اور عفو کے طالب ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ تُو اِن پر رحم کرتا ہے یا عتاب نازل کرتا ہے۔ روزِ ازل سے حِلم اور غصہ دونوں صفتیں لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی جانب متوجہ کرتی ہیں۔ حِلم اور خشم کی طرف اشارے کے لئے اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ "کیا میں تمہارا ربّ نہیں ہوں" میں نفی بھی ہے اور اِثبات بھی یعنی کہ میں تمہارا ربّ ہوں۔ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ میں ایک مفہوم ہے "میں تمہارا ربّ نہیں ہوں" ربوبیت کے اس انکار کا مقتضی غصہ ہے لیکن یہ مفہوم بھی ہے کہ میں تمہارا ربّ ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی یہ دونوں صفتیں صبا اور وبا کی طرح ہیں۔ صبا پرورش کرتی ہے، وبا فنا کرتی ہے۔ دنیا میں حضرتِ حق کی دونوں صفتوں کا ظہور ہے۔ اُس کا ہادی ہونا راست بازوں کی کشش کرتا ہے اور اُس کا مُضِل ہونا غلط کاروں کی کشش کرتا ہے۔ دنیا کی ہر چیز کی کشش اپنی ہم جنس کی طرف ہوتی ہے۔ دوست و دشمن اور نور و نار کا یہی حال ہے۔ غرض کہ کائنات میں سے ہر چیز اپنی جنس کی کشش کر

ایں درازی مُدّت از تیزیِ صُنع	می نماید سُرعت انگیزیِ صُنع
ایجاد کی تیزی سے یہ بقاء کا طول	اللہ تعالیٰ کی ایجاد کی تیزی کو ظاہر کرتا ہے

رہی ہے۔

بادشاہ کا ایاز کو جلد فیصلہ کرنے کا حکم کہ انتظار برزخ موت ہے

شاہ نے ایاز سے کہا کہ مجرموں کے متعلق جلدی فیصلہ کر دے کیونکہ مجرم کو انتظار میں رکھنا بھی ایک قسم کی سزا ہے۔ ایاز نے عذر کیا کہ مجرموں کا فیصلہ کرنا شاہ کا کام ہے۔ میں تو اپنے آپ کو چپل اور پوستین سے کچھ زیادہ نہیں سمجھتا۔ اُن لوگوں نے خشک ڈھیلا تلاش کرنے کے لئے نہر میں ہاتھ ڈالا۔ مجھ جیسے عاجز پر ناحق بدگمانی کی کہ وفا کو مجھ سے شرم آتی ہے۔ اے لوگو! سننے والے اہل نہیں ہیں ورنہ میں وفا کے مضمون کو واضح کر کے بیان کرتا۔ یہ دراصل مغز کی باتیں ہیں۔ اگر تم مجاہدے کر کے اپنے جسم کے چھلکے کو توڑ دو گے اور مغز بن جاؤ گے تو پھر مغز کی باتیں سمجھ سکو گے۔ جب تک اخروٹ کی گری چھلکے میں ہے تو وہ بجتا ہے۔ جب چھلکا ٹوٹ جائے تو پھر کھڑکھڑاہٹ ختم ہو جاتی ہے۔ مغز میں بھی آواز ہے لیکن جسم کے کان سے سننے کی نہیں، وہ عقل کے کان سے سننے کی ہے۔ چھلکے کی آواز کو بھی ہم اس لئے سنتے ہیں کہ مغز تک رسائی ہو جائے۔

انسان ہر وقت کبھی نظم بولتا ہے کبھی نثر، کسی دن آزمائشی طور پر وہ خاموش بھی ہو کر دیکھے تو خاموشی کے فوائد سامنے آئیں گے۔ لذیذ کھانے بہت کھائے ہیں کچھ دن روزے سے رہ کر بھی دیکھ۔ راتوں کو خوب سویا ہے کبھی بیداری کی دولت بھی حاصل کر۔ انسان کو خاموشی سے اپنے اعمال نامے پر اس دنیا میں غور کر لینا چاہیے۔ دُکان میں جوتا اور موزہ دیکھ کر پہننے سے پہلے ہی پہچان لیتے ہو، اُسی طرح اعمال نامہ کو بھی قبل از وقت ہی پہچان لو۔ یاد رکھو! اللہ کی قدرت میں ماہیت کو بدل دینا ہے۔ وہ چاہے تو بُرے کو بھلا بنا سکتا ہے۔ وہ ہر بُرائی کو بھلائی میں تبدیل کر سکتا ہے۔ اگر کسی انسان کا اعمال نامہ بائیں ہاتھ میں آنے کے لائق ہے لیکن وہ اللہ کے دربار سے وابستہ ہو جاتا ہے تو اللہ کی مہربانیاں اُسے ایسا بنا سکتی ہیں کہ اُسے اعمال نامہ دائیں ہاتھ میں ملے۔

کوئی شخص ایسی بات کہے کہ اُس کا عمل اور حالت اُس کے مناسب نہ ہو تو ایسے شخص کی حالت کا بیان

انسان کو ہمیشہ وہ بات کرنی چاہیے جس کی تائید اُس کا عمل کر سکے۔ کفار زبان سے خدا کے وجود کا اقرار کرتے تھے لیکن عمل یہ کہ بتوں کو پوجتے تھے۔ ایک زُہد کے مُدعی کی خوبصورت بیوی تھی اور اُس کی ایک حسین لونڈی تھی۔ بیوی شوہر کی ہمیشہ نگرانی کرتی اور اُسے تنہائی میں کبھی لونڈی کے پاس نہ چھوڑتی لیکن تقدیر آپہنچی۔ بیوی حمام میں تھی کہ اُسے یاد آیا کہ وہ طشت

چونکہ قبض آمد تو دَر وے بسط بیں　　تازہ باش و چیں مَیفگن بر جبیں

اگر ذوق میں قبض کی کیفیت طاری ہو تو غمگین نہ ہو بسط کی اُمید رکھ　　تازہ بتازہ رہ، زیادہ فکر مند نہ ہو

گھر بھول آئی ہے۔ لونڈی سے کہا کہ فوراً گھر جاؤ اور جلدی سے طشت لے آؤ۔ لونڈی بھی آقا کو پسند کرتی تھی۔ گھر پہنچی تو آقا کو خلوت میں پایا۔ شہوت کے جوش میں وہ دروازے کی کنڈی لگانا بھی بھول گئے۔ بیوی نے سوچا کہ میں نے تو خود روئی اور آگ کو اکٹھا کر دیا۔ وہ تیزی سے گھر کی طرف بھاگی۔ بی بی اور لونڈی کے بھاگنے میں بہت فرق ہے۔ بی بی ڈر سے بھاگ رہی تھی اور لونڈی عشق کی وجہ سے۔

یہی حال عارف اور زاہد کی سیر الی اللہ کا ہے۔ عارف کی سیر عاشقانہ ہے اور زاہد کی جہنم کے ڈر سے۔ بسط اور قبض، اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ہیں۔ عارف کا تھوڑا سا وقت عشق کے تحت بڑے سے بڑا کام کر دیتا ہے۔ قرب کے وہ مقام جو زاہد پچاس سال میں طے کرے عاشق ایک دن میں طے کر لیتا ہے۔ بسط و قبض کا یہ معاملہ عقل اور وہم نہیں سمجھ سکتے ہیں۔ انسان شہوت اور بھوک کا غلام ہے اس کی صفت خوف ہے۔ اللہ کی صفت عشق ہے۔ قرآن میں ہے ''وہ اللہ اُن سے محبت کرتا ہے اور وہ اللہ سے محبت کرتے ہیں''۔ اِس آیت سے معلوم ہوا کہ محبت اللہ کی صفت ہے۔ اللہ کی ہر صفت کمال سے متصف ہے اور محبت کے کمال کو ہی عشق کہا جاتا ہے۔ اِس لئے عشق اللہ کی صفت ہوا۔ انسان میں اگر عشق ہے تو وہ اُس صفتِ خداوندی کا پَرتَو ہے' اصل نہیں ہے۔

عشق اور خوف میں بہت فرق ہے۔ اللہ کی صفتِ عشق غیر محدود ہے اور خوف یعنی قیامت تک کا زمانہ محدود۔ غیر محدود، محدود میں نہیں سما سکتا لہٰذا عشقِ خداوندی کا بیان قیامت تک بھی ممکن نہیں۔ زاہد کے خوف کی سیر پاؤں کے ذریعے ہے لیکن عارف کی پرواز پانچسو پَروں والے عشق کے ذریعے ہے۔ زاہد عشق کی گرد تک بھی نہیں پہنچ سکتا۔ اگر اللہ کا نور زاہد کی دستگیری کرے تو پھر اُس کو بھی عاشقانہ سیر حاصل ہو سکتی ہے۔ عشق سے جذب پیدا ہوتا ہے اور جذب جبر و اختیار سے بالا ہے۔

بیوی کا گھر پہنچ جانا، زاہد کا لونڈی سے علیحدہ ہونا اور رُسوائی

بی بی نے دروازہ کھولا۔ اُس کی آواز آقا اور لونڈی تک پہنچی۔ آقا اپنی حالت چھپانے کے لئے نماز کی نیت باندھ کر کھڑا ہو گیا۔ بی بی نے لونڈی کو پریشان حال دیکھا اور آقا کو نماز میں دیکھا تو کشمکش میں پڑ گئی۔ اُس نے شوہر کا دامن ہٹایا تو سب کچھ آلودہ پایا۔ جس طرح انسان کا نجاستوں سے آلودہ بدن نماز کے لائق نہیں ہے اِسی طرح بُرا اعمال نامہ دائیں ہاتھ کے لائق نہیں ہے۔ کافر سے پوچھیں کہ کائنات کس نے پیدا کی تو وہ یہی کہے گا کہ اللہ نے' مگر کام شرکیہ کرے گا۔ اُس کا کام اقرار سے مناسبت نہیں رکھتا۔ وہ کافر جس

پنجہ را گر قبض باشد دائما
اگر مٹھی ہمیشہ بند رہے یا ہمیشہ کھلی رہے دونوں مصیبتیں ہیں

یا ہمہ بسط او بود چوں مبتلا
پرندہ اپنے پَر بند کرتا ہے پھر کھولتا ہے تو اُڑتا ہے

کا عمل اُس کے قول کو جھٹلا رہا ہے وہ یقیناً عذاب کے لائق ہے۔

محشر کے دن ہر ڈھکی چھپی بات ظاہر ہو جائے گی۔ خود مجرم کے ہاتھ پاؤں اُس کے خلاف تمام باتیں ظاہر کر دیں گے۔ جس طرح زاہد آقا کے اعضاء نے اُس کے نماز پڑھنے کو جھٹلا دیا' اِسی طرح قیامت میں ہر گنہ گار کے اعضاء اُس کو جھٹلا دیں گے۔ مسلمان وہ ہے کہ اُس کا فعل خود اُس کا اقرار بن جائے۔ غلام کا آقا کے پیچھے چلنا غلامی کا اقرار ہے۔ چاہیے کہ توبہ کر لے۔ انسان کو یہ خیال نہیں کرنا چاہیے کہ آخری عمر میں توبہ بیکار ہے۔ اگر وہ نیکوکار بن جاتا ہے تو اُس کی پہلی خطائیں صرف معاف ہی نہیں بلکہ نیکیوں میں تبدیل کر دی جاتی ہیں۔ قرآن میں ہے ''اللہ تعالیٰ سے مخلصانہ توبہ کرو''۔ جو شخص نصوح والی توبہ کر لیتا ہے۔ اُس سے اُس گناہ کا دوبارہ صادر ہونا ایسا ہی محال ہے جیسا کہ دودھ کا پستان سے باہر آ جانے کے بعد اُس میں واپس لوٹنا۔ عشق کو عشق ہی کاٹ سکتا ہے۔ اگر کوئی کسی معشوق کا عشق فنا کرنا چاہے تو دوسرے معشوق سے عشق پیدا کر لے۔ گناہ سے توبہ کے بعد اگر اُس گناہ سے نفرت ہو گئی ہے تو یہ توبہ کے قبول ہو جانے کی علامت ہے۔ انسان جب نیکی کرتا ہے تو اُس کے لئے نیکی کی راہیں کھول دی جاتی ہیں اور جب بدی کرتا ہے تو اُس کے لئے بدی کی راہیں کھل جاتی ہیں۔

نصوح کا چہرہ عورتوں جیسا تھا۔ اُس نے اپنے آپ کو عورت ظاہر کر کے حمام میں نوکری کر لی تھی۔ وہ عورتوں کے بدن مل کر مردانہ لذت حاصل کرتا تھا۔ اُس حمام میں شہزادیاں نہانے آتی تھیں۔ نصوح نے اِس کام سے کئی بار توبہ کی مگر وہ توبہ پر قائم نہ رہ سکا۔ نصوح نے ایک عارف سے دُعا کی درخواست کی۔ وہ عارف اُس کے گناہ سے واقف تھا لیکن اُس نے ظاہر نہیں کیا۔ اولیاء رحمۃ اللہ علیہم لوگوں کی قلبی کیفیات سے واقف ہو جاتے ہیں لیکن ظاہر نہیں کرتے۔ جو شخص اسرار سے واقف ہو جاتا ہے اُس کے منہ پر قفل لگ جاتا ہے۔

نصُوح کے لیے عارف کی دُعا اور نصُوح کی سچّی توبہ

اُس عارف نے کہا: نصوح! جس گناہ سے تُو خود واقف ہے خدا تجھے اُس سے توبہ کرنے کی توفیق دے۔ اولیاء اللہ رحمۃ اللہ علیہم کو اللہ سے پورا قرب حاصل ہوتا ہے تو اُن کا اللہ سے دُعا کرنا ایسا ہی ہے جیسے خود خدا اپنے آپ سے دُعا کرے۔ تو اُس کے مقبول نہ ہونے کے کوئی معنیٰ نہیں ہیں۔ حدیث قُدسی میں ہے کہ ''اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جب ایک انسان نوافل کے ذریعے مجھ سے قربت حاصل کر لیتا ہے تو میں اُس انسان کے اعضاء بن جاتا ہوں''۔ آنحضور ﷺ کے مٹی پھینکنے کو اللہ تعالیٰ نے اپنا مٹی پھینکنا قرار دیا۔ اِسی طرح نصوح کے لئے اُس عارف کی

پس غذائے عاشقاں آمد سماع　　کہ درو باشد خیالِ اجتماع
سماع عاشقوں کی غذا بن گئی　　کیونکہ اُس میں صرف وصل ہی کا خیال ہوتا ہے

دُعا نے ویسا ہی کام کر دکھایا۔ شیخ اگرچہ فانی ہے لیکن اُس کی بات خدا کی بات ہے۔

نصوح حمام میں کام کرتا تھا کہ اُس دوران ایک شہزادی کا ایک قیمتی موتی گم ہو گیا۔ سب کی تلاشی لینے کا حکم ہوا اور تلاشی لینے والوں نے بدن کے ہر سوراخ میں تلاشی شروع کر دی۔ حمام میں سب کو ننگا ہو جانے کا حکم دے دیا گیا اور حمام کی دربان عورت نے باری باری سب کی تلاشی لینی شروع کر دی۔ نصوح ڈرا کہ اگر اُسے بھی ننگا کر کے تلاشی لی گئی تو راز کھل جائے گا۔ اِس کے نتیجے میں اُسے اپنی موت نظر آنے لگی۔ وہ تنہائی میں چلا گیا اور اللہ سے گریہ وزاری شروع کر دی کہ اے خدا! میں نے بہت دفعہ توبہ اور عہد توڑے ہیں۔ اب تلاشی کی نوبت مجھ تک آپہنچی ہے۔ اگر میری تلاشی لی گئی تو میں سخت مصیبت میں پھنس جاؤں گا۔ اس غم اور ڈر سے جو آگ میرے جگر میں لگی ہے اس کے جلنے کی خوشبو سونگھ لے۔ اب تیری رحمت کے سوا مجھے کوئی نہیں بچا سکتا۔ اے اللہ! وہ کر جو کہ تیرے لائق ہے کیونکہ جسم کے ہر سوراخ سے مجھے سانپ ڈس رہا ہے۔ میری پریشانی اور عاجزی کو دیکھ۔ اپنی شاہی استعمال میں لا اور میری فریاد سُن۔ اگر آج تُو میری پردہ پوشی کر لے تو میں ہر نہ کرنے والے کام سے توبہ کرتا ہوں۔ اگر میں اب توبہ کر کے کوتاہی کروں تو پھر کبھی میری دُعا اور بات نہ سُننا۔ وہ اِسی طرح زاری کیے جا رہا تھا اور اُسے سامنے ملک الموت نظر آ رہا تھا۔ وہ اتنا رویا کہ وہاں کے در و دیوار بھی اُس کے زاری میں ساتھی بن گئے۔

نصُوح کی تلاشی کی نوبت آجانا، خوف سے نصُوح کا بے ہوش ہوجانا اور معاملے کا حل ہوجانا

آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ جب مصیبت انتہاء کو پہنچ جاتی ہے تو رحمتِ خداوندی متوجہ ہو جاتی ہے۔ نصوح کو بھی اِنتہائی مایوسی نے اُسے دریائے رحمت کے ساحل پر پہنچا دیا۔ شدتِ عاجزی سے رُوح جسم سے پاک ہو کر دربارِ خداوندی میں پہنچ گئی۔ رُوح ہمارے جسم میں اِس طرح مقید ہے جس طرح انسان کاٹھ میں مقید کر دیا جائے۔ جب جسم بے ہوش ہو جاتا ہے تو رُوح پرواز کر کے شاہ کے پاس پہنچ جاتی ہے۔ جب دریائے رحمت جوش میں آتا ہے تو جس پر بھی چھینٹا پڑ جاتا ہے اُس میں زندگی پیدا ہو جاتی ہے۔ ابرِ رحمت سے ذرّہ موتی بن جاتا ہے۔ وہ بے رونق مٹی سے پھول اور پتیاں اُگا دیتا ہے۔ پرانے مُردے زندہ ہو جاتے ہیں اور بُرے لوگ بھلے بنا دیئے جاتے ہیں۔ رحمت کے اثر سے لوگوں میں بغض و کینہ ختم ہو جاتا ہے۔ بھیڑ اور بھیڑیا مل کر پانی پینے لگتے ہیں۔

جونہی نصوح کی یہ حالت ہوئی، اعلان ہو گیا کہ موتی مل گیا ہے اور اب تلاشی لینے کا عمل ختم کر دیا گیا ہے۔ جب

قوّتِ گیرد خیالاتِ ضمیر
دِل کے خیالات قوّت حاصل کرتے ہیں

بلکہ صُورت گردد از بانگ و صَفیر
بلکہ آواز اور نغمے سے وہ مجسّم بن جاتے ہیں

موتی کے مل جانے کی خوش خبری دے دی گئی تو حمام کے ملازمین نے شہزادی سے انعام کی درخواست کی۔ ہر طرف خوشی منائی جا رہی تھی کہ نصوح ہوش میں آیا تو اُس پُر نور کی وہ کیفیت تھی جو سو روزوں کے چلّے کے بعد ہوتی ہے۔ سب لوگ اُس سے معافی مانگ رہے تھے اور اُس کے ہاتھ چوم رہے تھے۔ سب اُس سے بدگمانی کرنے پر شرمندہ تھے کہ اُنہوں نے کیوں اُس کی غیبت کی۔ اُس پر لوگوں کو زیادہ بدگمانی اِس لئے بھی تھی کیونکہ اُسے شہزادی سے زیادہ قرب رہتا تھا۔ شہزادی کا جسم ملنے کے لئے نصوح مخصوص تھا۔ اُس بدگمانی کا تقاضا تو یہ تھا کہ سب سے پہلے نصوح کی تلاشی لی جاتی لیکن اُس کی عزت بچانے کے لئے اُسے وہ لوگ موقع دے رہے تھے کہ اگر موتی اُس کے پاس ہے تو اُسے کسی جگہ رکھ دے اور الزام سے بچ جائے۔

نصوح سب سے کہہ رہا تھا کہ یہ اللہ کا کرم ہے ورنہ میں تو جو کچھ تم نے کہا اِس سے بھی بُرا ہو۔ دنیا میں سب سے زیادہ گنہگار ہوں۔ تم کو تو میری بُرائی کا شک ہوگا لیکن مجھے تو یقین ہے۔ میری بداعمالیوں کو میرے سوا اور کون جان سکتا ہے۔ اپنی بُرائیوں کو یا میں خود جانتا ہوں یا میرا خدا جانتا ہے۔ اوّل اوّل تو شیطان بُرائیوں کے لئے میرا اُستاد تھا لیکن میں تو بُرائی کرنے میں شیطان کا بھی اُستاد بن گیا۔ یہ اللہ کا کرم ہے کہ وہ میری پردہ پوشی کر دیتا ہے اور میرے پھٹے ہوئے کو سی دیتا ہے۔ یہی نہیں کہ اُس نے میرے گناہوں سے قطع نظر کر لی بلکہ میری برائیوں کو بھی بھلائیوں میں بدل دیا۔ اب میں دنیاوی علائق سے بالکل آزاد ہوں۔ میں نے اپنی خطا کاری پر آہ کی۔ اُس آہ نے رسی کا کام کیا اور مجھے گناہوں کے کنویں سے باہر نکال دیا۔ اگر میرا رواں رواں اللہ کا شکر ادا کرنا چاہے تو ممکن نہیں۔ مغفرت کے بعد جنتی کہے گا "کاش میری قوم اِس بات کو جان لے کہ میرے خدا نے میری بخشش کر دی ہے اور مجھے باعزت لوگوں میں سے بنا دیا ہے"۔

اُس توبہ کے بعد شہزادی نے پھر نصوح کو بلوایا لیکن اُس نے معذرت کر لی۔ شہزادی کا پیغام آیا کہ شہزادی بلاتی ہے۔ اُس کا دل تجھی سے بدن ملوانے کو چاہتا ہے۔ نصوح نے کہا کہ اب میرے ہاتھ بےکار ہیں اور میں بیمار ہوں۔ اُس نے دل ہی دل میں کہا تلاشی والا خوف اب میرے دل سے کیسے نکل سکتا ہے۔ اب میں نے اِس کام سے ایسی توبہ کر لی ہے جو مرتے دم تک نہ ٹوٹے گی۔ ایک دفعہ ایک مصیبت سے نجات پانے کے بعد تو کوئی احمق ہی اُس میں دوبارہ پھنسنے کو تیار ہوگا۔

قوّتِ گیرد خیالاتِ ضمیر
دل کے خیالات قوّت حاصل کرتے ہیں

بلکہ صُورت گردد از بانگ و صَفیر
بلکہ آواز اور نغمے سے وہ مجسّم بن جاتے ہیں

کوئی توبہ کرے اور پھر اُس توبہ کو بُھلا دے اور آزماتے ہُوئے کو پھر آزمائے، اِس بات سے خُدا کی پناہ چاہیے

اگر توبہ میں ٹِکاؤ نہ ہو تو ایسے شخص کی مثال ایسے درخت کی سی ہے جس کی جڑ روز بروز خشک ہوتی جا رہی ہو۔ ایک دھوبی کا ایک گدھا تھا جس کی کمر زخمی تھی اور پیٹ خالی رہتا تھا اور وہ روز بروز کمزور ہوتا جا رہا تھا۔ جنگل میں ایک شیر ہاتھی سے لڑ کر زخمی اور لاغر ہو گیا اور جانوروں کا شکار کرنے کے قابل نہ رہا۔ وہ جانور جو اُس کے شکار کے بچے کھچے کو کھا کر گزارہ کرتے تھے وہ بھی بھوکے ہو گئے۔ شیر نے لومڑی سے کہا کہ کسی گدھے کو بہلا پھسلا کر میرے پاس لے آ تا کہ اپنا پیٹ بھریں۔ لومڑی اپنی چالاکیوں میں مشہور ہے۔

جس طرح شیر شکار کرتا ہے اور کئی درندے اُس کا بچا ہوا کھا کر پیٹ بھرتے ہیں اِسی طرح قُطبِ زمانہ اُسرار و مَعارفِ الٰہی کا شکار کرتا ہے اور بقیہ اولیاء رحمہم اللہ اُس کے ذریعے اپنی غذا حاصل کرتے ہیں۔ جو شخص اپنے دُور کا قُطب ہوتا ہے وہ اُسرار و مَعارف سے براہِ راست اِستفادہ کرتا ہے اور دوسرے اولیاء رحمہم اللہ اُس کے واسطے سے فیضیاب ہوتے ہیں۔ ہر ولی کا فرض ہے کہ وہ قُطبِ زمانہ کی خوشنودی حاصل کرے اور اُس کو خوش رکھے۔ اگر قُطب رنجیدہ ہو جاتا ہے تو بقیہ لوگ بے سروسامان رہ جاتے ہیں۔ لوگوں کی روزی اُس کا پَس خوردہ ہوتی ہے۔ قُطب اور باقی مخلوق کی وہی نسبت ہوتی ہے جو عقل اور باقی اعضاء کی، اعضاء عقل کے ذریعے اپنی غذا حاصل کرتے ہیں۔ قُطب پر کبھی رُوحانی ضعف طاری نہیں ہوتا' ہاں اِس دنیا میں ہوتے ہوئے جسمانی ضعف ضرور ہوتا ہے۔ اُس کی رُوح اور جسم کی وہی نسبت ہے جو حضرت نوح علیہ السلام اور کشتی کی تھی۔ چاہیے کہ اُس کی کشتی کی مرمت میں اُس کی مدد کی جائے کیونکہ قرآن میں ہے "اگر تم اللہ کی مدد کرو گے وہ تمہاری مدد کرے گا"۔ تیری مدد تجھ ہی میں اضافہ کرے گی۔ قُطب کو جس مدد اور خدمت کی ضرورت ہوتی ہے وہ اُس کی جسمانی مدد اور خدمت ہے۔ تُو جو کچھ بھی قُطب کی بدنی خدمت کرے گا وہ تیرے لئے ہی مُفید ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل کر جہاد کرنے کو اللہ نے اپنی مدد قرار دیا ہے اور فرمایا ہے کہ اِس مدد کا فائدہ تمہیں بصورتِ مددِ خداوندی حاصل ہوگا۔ جس طرح لومڑی شکار کے لئے شیر کی مدد کرتی ہے' وہ بھی اِس شکار میں سے کھا کر فائدہ اُٹھاتی ہے۔ اِسی طرح اگر تم قُطب کی بدنی خدمت کرو گے تو خود ہی فائدہ اُٹھاؤ گے۔ قُطب کا ارادت مند جو کچھ قُطب کو دے گا وہ لومڑی کے شکار کی طرح ہوگا کہ خود ارادت مند کے لئے مُفید پڑے گا۔ قُطب کا منکر بجو کی طرح ہے کہ جس کی کمائی مُردار ہوتی ہے لیکن اگر وہ قُطب کے پاس پہنچ جائے تو اُس کا مردار پن زائل ہو جاتا ہے۔

آتشِ عشق از نواہا گشت تیز عشق کی آگ نغموں سے تیز ہو جاتی ہے	آں چُنانکہ آتشِ آں جوز ریز جیسے اُس اخروٹ گرانے والے کی آگ

لومڑی کے شیر سے سوال وجواب

لومڑی نے شیر سے کہا کہ میں آپ کے حکم کی تعمیل میں نکلتی ہوں تاکہ کسی گدھے کو بے وقوف بنا کر اِس طرف لے آؤں اور وہ اُسی دھوبی کے مسکین گدھے کے پاس پہنچی اور نہایت گرمجوشی سے اُسے سلام کیا۔ کہنے لگی کہ آپ اِس خشک پتھریلے علاقے میں کیوں پڑے ہیں؟ گدھے نے کہا: رزق خدائی تقسیم ہے اور میں اپنے حصے پر راضی ہوں۔ ہر حالت میں ہمیں اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے بلکہ یہ سوچنا چاہیے کہ اللہ نے اُس کو اِس سے بدتر حالت میں نہیں کیا۔ اللہ کی تقسیم پر شکوہ کفر ہے۔ دنیا کی ساری مخلوق اُس کے ہی خوانِ نعمت سے روزی حاصل کر رہی ہے۔ اللہ کے علاوہ سب دشمن ہیں۔ صرف وہی ہمارا اصل دوست ہے اور دوست کا شکوہ دشمن سے کرنا بے وقوفی ہے۔ میں بڑھیا حالت کا خواہش مند نہیں ہوں کیونکہ ہر بڑھیا نعمت کے ساتھ کوئی نہ کوئی تکلیف دہ بات ضرور لگی ہوئی ہے۔

گدھے کا شاہی اصطبل میں جانا، عربی گھوڑوں کی پرورش پر حسد کرنا اور اُن کے مُشکل کام کا احساس نہ کرنا

ایک سقے کا ایک گدھا تھا جو نہایت ہی کمزور اور زخمی حالت میں تھا۔ اُس کا دوست شاہی اصطبل کا دارو غہ تھا۔ اُس نے گدھے کی کمزوری کو دیکھا تو کہا کہ اِسے کچھ دن کے لئے میرے سُپرد کر دو۔ اصطبل میں خوب کھا پی کر موٹا ہو جائے گا۔ اصطبل میں گدھے نے ہر طرف موٹے تازے عربی گھوڑے دیکھے جن کی خوب خاطر داری ہوتی تھی اور خوب کھانے کو ملتا تھا۔ گدھے نے منہ اُوپر اُٹھایا اور کہا: اے پروردگار! کیا میں تیری مخلوق نہیں ہوں؟ پھر کس وجہ سے عاجز، زخمی اور لاغر ہوں؟ یہ گھوڑے کس شان سے رہتے ہیں اور میں مصیبت میں مبتلا ہوں۔

اچانک جنگ کا اعلان ہوگیا۔ عربی گھوڑوں کو جنگ میں بھیج دیا گیا۔ جب وہ جنگ سے واپس ہوئے تو اُن کے جسم تیروں اور نیزوں سے زخمی تھے اور نعل بند اُن کے پاؤں باندھ کر اُن کے جسموں سے تیر نکال رہے تھے۔ گدھے نے عربی گھوڑوں کی یہ حالت دیکھی تو دُعا کرنے لگا کہ الٰہی! میں اپنے فقر پر ہی راضی ہوں، زیادہ ساز وسامان کے ساتھ یہ زخم خوری مجھے منظور نہیں۔

لومڑی کو گدھے کا جواب دینا

گدھے کی باتیں سُن کر لومڑی نے کہا کہ اللہ کا حکم ہے کہ رزق تلاش کرو۔ اِس لئے حلال روزی کی طلب تو فرض ہے۔ یہ دنیا عالمِ اسباب ہے۔ یہاں سبب اختیار کئے بغیر کوئی مقصد پورا نہیں ہوتا۔ قرآن میں حکم ہے ”جمعہ کی نماز کے بعد اللہ کا فضل یعنی رزق

ذکرِ حق پاک ست چوں پاکی رسید	رخت بر بندد بروں آید پلید
حق کا ذکر پاک ہے جب پاکی آئے گی	تو پلیدی اپنا سامان باندھ کر باہر نکل جائے گی

تلاش کرو"۔ آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ "اللہ نے سب کے رزق کے دروازوں کو مقفل کر دیا ہے۔ انسان کی کوشش اور کمائی کرنا ان تالوں کی کنجی ہے"۔ چابی کے بغیر کوئی تالا نہیں کھلتا۔ اِس لئے رزق حاصل کرنے کے لئے کوشش ضروری ہے۔

گدھے نے کہا: سبب کے بغیر رزق کا نہ آنا توکل نہ ہونے کی وجہ سے ہے۔ ورنہ اگر خدا پر پورا توکل کیا جائے تو رزق ضرور پہنچتا ہے۔ انسان چونکہ بے صبرا ہے اِس لئے رزق کی تلاش میں مارا مارا پھرتا ہے۔ لومڑی بولی: ایسا توکل کہ رزق خود بخود آئے ہر ایک کے ساتھ ایسا نہیں ہے۔ توکل کا یہ مرتبہ تو صرف شاہوں کو حاصل ہے۔ پیغمبر نے قناعت کو خزانہ فرمایا ہے اور خزانہ ہر ایک کے ہاتھ تو نہیں آتا۔ انسانوں کو اپنے رتبے پر ہی رہنا چاہیے ورنہ مصیبت میں مبتلا ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ جب توکل کا مرتبہ حاصل نہیں تو انسان کو رزق کی تلاش کرنی چاہیے۔ گدھے نے لومڑی سے کہا: توکل سے نہیں بلکہ لالچ اور حرص سے رُوح مصیبت میں گرفتار ہوتی ہے۔ قناعت مُضر نہیں ہے اور حرص مُفید نہیں ہے۔ رزق سوروں اور کتوں کو بھی بغیر کمائے ملتا ہے اور بارش انسانوں کی محنت کے بغیر ہی ہو جاتی ہے۔ جس طرح انسان رزق پر عاشق ہے اِسی طرح رزق بھی انسانوں پر عاشق ہے۔ انسان صبر کرے تو وہ خود دروازے پر آجاتا ہے۔

توکل کے بارے میں ایک زاھد کا قصّہ

ایک زاہد نے توکل کے سبب رزق ہونے کو آزمانے کے لئے شہر کو چھوڑ دیا اور بہت دُور پہاڑ پر جا بیٹھا۔ اُس نے آنحضور ﷺ کی حدیث سُنی تھی کہ "جان کو رزق ہر حال میں پہنچتا ہے"۔ اُس نے سوچا کہ میں دیکھتا ہوں میرا رزق مجھ تک کیسے پہنچتا ہے۔ میں اس کے لئے بالکل کوشش نہیں کروں گا۔ اللہ کا کرنا یہ ہوا کہ ایک قافلہ اپنا راستہ بھول کر اِدھر آنکلا۔ وہ وہاں نیم مردہ پڑا تھا۔ اُنہوں نے سوچا بھوک پیاس کی شدت سے ایسا ہو گیا ہے۔ وہ روٹی اور دوسرا کھانا لائے۔ اُس نے اپنے دانت مضبوطی سے بند کر لئے۔ قافلے والوں نے سوچا کہ بھوک کی وجہ ہی سے اُس کی یہ حالت بنی ہے۔ ایک شخص دوڑ کر چھری لایا اور اُس کے بند دانتوں کو کھولا اور اُس کے منہ میں شوربا وغیرہ ڈالا۔ زاہد نے اپنے دل سے پوچھا: تُو تو راز جانتا ہے۔ تو کیوں خاموش ہے؟ دل نے جواب دیا: میں جانتا ہوں کہ یہ تُو قصداً کر رہا ہے۔ اب دیکھ لے کہ اللہ کیسے رزق پہنچاتا ہے۔ توکل کرنا چاہیے لیکن حرص کرنا گدھوں کا کام ہوتا ہے۔ زاہد بولا: پاک رسول ﷺ کا کہنا بالکل سچ ہے۔ صابروں کے پاس رزق خود چل کر آتا ہے لیکن اِس کا یہ مطلب نہیں کہ رزق کے لئے تگ و دو ہی نہ کی جائے۔

می گریزد ضدہا از ضدہا
کیونکہ ضدیں، ضدوں سے دُور بھاگتی ہیں

شب گریزد چوں برافروزد ضیا
جیسے روشنی آتی ہے تو اندھیرا بھاگ جاتا ہے

اللہ نے ہمیں ہاتھ پاؤں اِسی لئے دیئے ہیں کہ کام کریں۔ اپنا بھی بھلا کریں اور دوسروں کا بھی پیٹ بھریں۔ معاشرے میں ہم ایک دوسرے کی کمائی کے محتاج ہیں۔ ہر آدمی اپنی ضرورت کی ہر ایک چیز خود پیدا نہیں کرسکتا۔ سُنّت طریقہ یہ ہے کہ انسانوں کو کوئی نہ کوئی کسب ضرور کرنا چاہیے۔ گدھے نے کہا: توکل بھی ایک پیشہ ہے جس کے سب پیشے محتاج ہیں۔ ہر پیشہ ور اپنے اسباب اختیار کر کے دُعا مانگتا ہے جو کہ توکل ہے۔ اللہ فرماتا ہے: ''اگر تم شکر کرو گے تو ہم اور زیادہ دیں گے''۔ سبب اختیار کر کے خدا پر بھروسہ کرنا چاہیے۔ لومڑی بولی: ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ جانا اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے جس کی دین میں ممانعت ہے۔ تم ذرہ ہمت کرو آؤ میں تمہیں سبزہ زار تک پہنچادوں۔ وہاں خوب پیٹ بھر کر گھاس کھانا۔ گدھا بے وقوف ہوتا ہے ورنہ وہ کہتا کہ اگر وہاں خوراک بہت ہے تو تُو خود کیوں لاغر ہے اور تیرے چہرے پر رونق کیوں نہیں ہے؟ بعض اوقات انسان کی حالت اُس کے قول کی تردید کر دیتی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی کے اژدہے کو دیکھ کر فرعون کی جو حالت ہوئی اُس نے خود اُس کے خدائی کے دعوے کی تردید کر دی۔ جب انسان دنیاوی لذتوں کی طرف مائل ہو تو یقیناً اُس نے اُخروی نعمتوں کی لذت نہیں چکھی۔ اگر وہ اُخروی نعمتوں کا مُدّعی ہو تو اُس کا عمل اُس کو جھوٹا ثابت کر دے گا۔ آخرت کے نور کے دیدار کی علامت یہی ہے کہ انسان دنیا سے بیزار ہو جاتا ہے۔ دنیا دار کا ایمان محض تقلیدی ہے مُشاہدے پر مبنی نہیں ہے۔ مُشاہدے والا گمراہ نہیں ہو سکتا اور اُس کے شکوک زائل ہو جاتے ہیں۔ سمندر کی سطح پر جو خشکی کی چیزیں ہوتی ہیں وہ جب تک وہ پانی میں رہتی ہیں اُن پر اضطراب طاری رہتا ہے۔ جب وہ ساحل سے لگ جاتی ہیں جو اُن کی اصل ہے تو ساکن ہو جاتی ہیں۔ جب مُشاہدہ ہو جاتا ہے تو پھر شیطان انسان پر قابو نہیں پا سکتا۔ گدھا چونکہ صاحبِ مُشاہدہ نہیں تھا اِس لئے لومڑی کے جھانسے میں آ گیا۔

گدھے کی باتیں ایسی ہی تھیں جیسے کوئی پانی کی تعریفیں کرے لیکن خود اُس نے پانی نہ پیا ہو۔ کسی چیز کی حقیقت تک پہنچنے کے لئے عقل کی ضرورت ہوتی ہے۔ گدھے نے ظاہری رنگ و بو کو دیکھا اور عقل سے کام نہ لیا۔ صحیح عقل انسان کو مُشاہدے کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی۔ اِس کے لئے رُوحانی خوراک کی ضرورت ہوتی ہے۔ عمدہ قسم کی رُوحانی غذائیں کھانے کے بعد انسان کو مُشاہدہ کا مرتبہ حاصل ہوتا ہے۔ رُوحانی غذائیں حاصل کرنے کے لئے مجاہدوں کی ضرورت ہوتی ہے جو انسان کی دنیاوی آلائشوں سے پاکی حاصل کرنے میں مددگار بنتے ہیں۔ جسمانی معدہ حیوانی غذاؤں کی طرف رغبت کرتا ہے لیکن رُوحانی معدہ اسرارِ الٰہی کی غذا چاہتا ہے۔ جسمانی غذاؤں والا انسان فنا ہو جاتا ہے جب کہ رُوحانی غذائیں انسان کو قرآن کی طرح متبرک بنا دیتی ہے۔ زبانی مبلغ کی تقریر اگرچہ پُر شوکت ہوتی ہے لیکن اُس میں

راستی ہا دانۂ دامِ دِلست	در حدیثِ راست آرامِ دِلست
سچائیاں دل کے جال میں دانے کی طرح ہیں دل کو کھینچ لیتی ہیں	سچی بات سے ہی دل کو سکون ملتا ہے

خوف بھی پوشیدہ ہوتا ہے۔ شیخِ کامل اور ناقص مبلغ میں بہت فرق ہوتا ہے۔ شیخ صاحبِ نور ہوتا ہے اور صحیح رہنمائی کرتا ہے اور اُس کی بات میں تاثیر ہوتی ہیں۔

شیخ کامل اور ناقصوں کی بات میں فرق

شیخ راہِ حق سے آگاہ کرتا ہے۔ اُس کی بات کے ساتھ نور بھی منتقل ہوتا ہے۔ انسان کو خود صاحبِ نور بننا چاہیے۔ صحیح بات میں نور اِسی طرح پیوست ہو جاتا ہے جس طرح انگور کے شیرے میں کوئی چیز ڈال کر جوش دیں تو اُس میں انگور کے شیرے کا ذائقہ بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ جب علم کا نور میں مربا بن جاتا ہے تو پھر اُس علم کی تاثیر سرکش لوگوں پر بھی ہوتی ہے۔ ابر کا اپنا پانی ہوتا ہے لیکن پرنالے کا پانی اپنا نہیں ہوتا۔ وحی کی مثال ابر کی سی ہے اور فکر اور خیال کی پرنالے کی سی۔ ابر کے پانی سے زمین آباد ہوتی ہے جب کہ پرنالے کے پانی سے پڑوسیوں سے جھگڑا ہوتا ہے۔

چونکہ گدھے کو نورِ باطن حاصل نہیں تھا اِس لئے اُس پر لومڑی کا مکر غالب آ گیا۔ نورِ باطن حاصل کرنے کے لئے معدے کو چھوڑ اور دل کی جانب چل۔ مجاہدے کے خنجر سے اپنی نفس کشی کر ورنہ عورتوں کی طرح چادر اوڑھ کر خانہ نشین ہو جا۔ لوگوں کی چکنی چپڑی باتوں پر دھیان نہ دے، شیخ کے کہنے پر عمل کر۔ شراب کی مستی سے محبت وہی کرے گا جسے شیخ کی محبت کی شاہی شراب کی مستی حاصل نہیں ہوئی ہوگی۔ شیخ کا فیض سینہ کو کوہِ طور بنا دیتا ہے۔ یہ جو کچھ بیان ہوا ہے تیرا اپنا حال ہے۔ اگر لومڑی گدھے کو ہلاک کر رہی ہے تو کرنے دے' تُو گدھا نہ بن۔ نورِ باطن حاصل کر لے اور پھر بے فکر زندہ رہ۔

وہ شخص جو بیگار سے ڈر گیا

اگر انسان مکمل انسان بن جائے تو پھر گدھوں کو پکڑنے والے سے اُسے کچھ خطرہ نہیں۔ جب تک انسان گدھا ہے وہ فریب کھاتا ہی رہے گا۔ شہر میں گدھے بیگار کے لئے پکڑے جا رہے تھے۔ ایک شخص ڈر کر گھر میں گھس گیا۔ صاحبِ خانہ نے پوچھا: 'تُو تو گدھا نہیں ہے' تو کیوں ڈرتا ہے؟ اُس نے کہا: ظالم بادشاہ کی بیگار کے لئے گدھے پکڑے جا رہے ہیں۔ وہ پکڑ دھکڑ میں اِس قدر سرگرم ہیں کہ مجھے بھی گدھا سمجھ لیں تو تعجب نہیں۔ جب بے تمیز سردار بن جائیں تو گدھے کی بجائے یہ لوگ گدھے والے کو بھی پکڑ سکتے ہیں۔ وہ بولا: لیکن تُو عیسیٰ صفت بن جا خرِ عیسیٰ نہ بن تو تیرا مقام بھی چوتھا آسمان ہوگا۔ ہدایت دینے اور پانے کے لئے انسان کو دنیا میں بھیج دیا گیا ہے۔ ضروری نہیں کہ اگر تم اصطبل میں ہو تو گدھے ہی ہو۔ داروغہ بھی وہاں ہوتا ہے لیکن وہ گدھا نہیں ہوتا۔ اِسی طرح اہل اللہ دنیا میں رہتے ہیں لیکن دنیا دار نہیں ہیں۔

چوں شود از رنج و علت دل سلیم جب دل امراض سے خالی ہو کر صاف ہو جائے	طعمِ صدق و کذب را باشد علیم تو وہ سچ اور جھوٹ میں فرق پہچان لیتا ہے

دنیا میں چھپی ہوئی سیڑھیاں ہیں جو انسان کو آسمان کی بلندی اور جنت تک لے جاتی ہیں۔ ہر گروہ کی سیڑھی الگ ہے اور ایک کو دوسرے کی خبر نہیں ہے۔ بعض اوقات مرید پر جو تجلی ہوتی ہے شیخ اُس سے بے خبر ہے۔ ہر سالک چونکہ دوسرے سالک کی تجلی سے بے خبر ہے اس لئے وہ دوسرے پر حیران ہوتا ہے۔ قربِ الٰہی اِس قدر وسیع ہے کہ اُس میں طرح طرح کے معارف اُگے ہوئے ہیں۔ ہر درخت کی شاخ و برگ خدا کی تسبیح میں مصروف ہے اور بلبلیں ہر طرف چہک رہی ہیں۔

لُومڑی کا گدھے کو شیر کے پاس لے جانا اور گدھے کا بچ کر بھاگ نِکلنا

لومڑی گدھے کو بہکا کر شیر کے پاس لے گئی۔ گدھا ابھی قریب نہیں پہنچا تھا کہ شیر نے حملہ کر دیا۔ گدھا بھاگ نکلا، شیر اُسے پکڑنے میں ناکام رہا۔ شیر نے لومڑی کی پھر خوشامد کی کہ دوبارہ گدھے کو لالچ دے کر پھر لاؤ کیونکہ بھوک کی زیادتی کی وجہ سے کمزور ہو گیا تھا اور عقل نے صحیح کام نہ کیا۔ تُو یہ احسان کر کہ پھر اُسے بہلا پھسلا کر لے آ۔ اگر خدا نے گدھے کی روزی میرے لئے لکھ دی ہے تو کھا کر قوی ہو جاؤں گا۔ پھر شکار کر کے تمہیں بھی کھلاؤں گا۔ لومڑی بولی: میں کوشش کرتی ہوں لیکن اِس بار جلدی نہ کرنا۔

گدھے تو ہمارے بچوں کا کھلونا ہوتے ہیں۔ یہی حال شیطان اور عوام کا ہے۔ قرآن میں عقلِ کامل کے سلسلے میں فرمایا گیا ہے "ہم نے انسان کو وہ کچھ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔" اِس لئے عقلِ کامل کو اللہ کی تربیت حاصل ہوتی ہے۔ اِسی لئے وہ خدا کی ربوبیت کا اقرار کرتا ہے۔ اللہ کے ساتھ کیا ہوا عہد توڑنے والے پر بدبختی آتی ہے۔ پہلی قومیں عہد شکنی ہی کی وجہ سے آفت میں پھنسیں، کئی کی صورتیں مسخ ہو گئیں۔ حضور ﷺ کی اُمت میں ظاہری تو نہیں لیکن باطنی مسخ ہوتا ہے یعنی دل سور یا بندر بن جاتے ہیں اور قیامت میں ایسے لوگ اپنے دل کی ہی صورت اختیار کر لیں گے۔

عہد توڑنے والوں کی مُصیبت، اُن کا سور اور بندر بن جانا

یہود نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ ہفتے کو مچھلی کا شکار نہ کریں گے لیکن اُنہوں نے وہ عہد توڑ دیا اور اُن کی صورتیں مسخ کر دی گئیں۔ حضور ﷺ کی اُمت میں ظاہری نہیں لیکن باطنی مسخ ضرور ہوگا۔ جب انسان کا دل بندر کا دل بن جائے تو اُس کا جسم بندر کے دل سے بھی بدتر ہے۔ یاد رکھو! حُسن و خوبی میں صورت سے زیادہ دل معتبر ہے۔ اَصحاب کہف کے کتے کا دل بھلا تھا لیکن صورت کی بُرائی سے اُس پر کوئی عیب نہ آیا۔ جسمانی مسخ میں یہ حکمت ہے کہ لوگ عبرت حاصل کریں۔ ویسے باطنی طور پر لاکھوں ممسوخ ہیں جو عہد شکنی کی وجہ سے

ایں قدر گفتیم و باقی فکر کُن ہم نے اِس قدر بتا دیا ہے باقی خود سوچ	فکر اگر جامد بوَد رَو ذِکر کُن اگر تمہاری فکر جم جائے تو ذکر سے اُسے جاری کر

گدھے اور سور بنے ہوئے ہمارے ارد گرد پھرتے ہیں۔

لومڑی کا دوبارہ گدھے کے پاس آنا

لومڑی شیر کے پاس سے دوبارہ گدھے کے پاس آئی تو اُس نے اِس سے پناہ مانگی اور کہا: اے بے ایمان! تو میری جان کی دشمن ہے۔ میں نے تیرا کیا بگاڑا تھا کہ تُو مجھے شیر کے پاس لے گئی۔ اِس کی وجہ تیری باطنی خباثت ہے۔ شیطان بھی باطنی خباثت کی وجہ سے انسان کو بلا وجہ ہلاک کرتا ہے۔ وہ ہمیشہ انسان کو کسی خوش کُن جگہ کی طرف بلا کر کنویں میں دھکا دے دیتا ہے۔ اچھے بھلے آدمی کو دنیا کے شور و شر میں مبتلا کر دیتا ہے۔ انسان نے شیطان کا کچھ بگاڑا تو نہیں ہے۔ لومڑی بولی: جو شیر تجھے نظر آیا اصلی شیر نہ تھا بلکہ ایک طلسم تھا۔ طلسم بنانے کی وجہ یہ ہے کہ ہر کوئی اُس چراگاہ کو نہ کھا جائے۔ میری غلطی ہے کہ پہلے تمہیں طلسم کے بارے میں نہیں بتایا۔

گدھے نے کہا: میں تجھے دیکھنا بھی نہیں چاہتا میرے سامنے سے چلی جا۔ اگرچہ میں گدھا ہوں لیکن ہلاک ہونا کیسے پسند کر سکتا ہوں۔ میں نے عہد کیا ہے کہ اب میں کسی کے بہکاوے میں نہیں آؤں گا۔ اب مکر کرنے کے لئے شیر نے تجھے دوبارہ بھیجا ہے۔ میں تیرا ساتھی نہیں بن سکتا۔ بُرا ساتھی تو جہنم میں پہنچا دیتا ہے۔ ساتھی کی خُو بُو انسان میں مخفی طور پر اثر کر جاتی ہے۔ انسان کتنا ہی عقل مند ہو بُرے دوست کی صحبت اُس کو اندھا کر دیتی ہے۔ دنیا میں بُرے یار سے بُری کوئی چیز نہیں ہے۔ تیری وجہ سے تو مجھے اس کا حق الیقین حاصل ہو گیا ہے۔ لومڑی بولی: میری کوئی خطا نہیں ہے لیکن وہم بھی کوئی معمولی چیز نہیں ہے۔ وہم کی بنیاد پر دوستوں سے بدظنی مناسب نہیں ہے خواہ بھی اُن سے کوئی غلطی بھی سرزد ہو جائے۔ بدگمانی سے تو بہت سی دوستیاں ٹوٹ جاتی ہیں۔ دوست آزمائش کے لئے کچھ زیادتی بھی کرتا ہے تو عقل مندی یہی ہے کہ بدگمانی نہ کی جائے۔ وہم انسان کے راستے کی بڑی رکاوٹ ہوتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے وہم کی بنیاد پر ہی ستارے کو کہہ دیا کہ یہ میرا خدا ہے۔ تو گدھا وہم کی بنیاد پر کیا کچھ نہ سمجھ لے گا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عقل اپنی جگہ قائم تھی لیکن وہم نے غلطی میں مبتلا کر دیا، اِس لئے کشتی نوح علیہ السلام کے بغیر بچاؤ نا ممکن ہے۔ حدیث میں آنحضور ﷺ نے فرمایا: ''میرے اہلِ بیت کی مثال کشتی نوح علیہ السلام کی سی ہے۔ جو اُن سے وابستہ ہوا وہ نجات پا جائے گا''۔ اُسی طرح اپنی سُنت کے بارے میں بھی فرمایا۔ اُمت میں بہتر فرقے اِسی وہم کی بنیاد ہی بن جائیں گے۔ حدیث میں ہے میری اُمت بہتر فرقوں میں بٹ جائے گی جن میں سے ایک نجات پا جائے گا بقیہ جہنمی ہوں گے۔ فرعون نے بھی وہم ہی کی بنیاد پر خدائی کا دعویٰ کر دیا۔

ذکر آرد فکر را در اہتزاز | ذکر را خورشید ایں افسردہ ساز
ذکر، فکر کو حرکت میں لے آتا ہے | اِس ٹھٹھرے ہوئے کو ذکر کے سورج سے گرمی پہنچا

انسان کے لئے اپنے وہم کا علاج ہی مشکل ہے تو وہ دوسرے کے وہم کا کیا علاج کرے گا۔ انسان خودی میں مبتلا ہو تو دوسروں کی خودی کا علاج نہیں کرسکتا۔ خودی والا انسان تو اپنے آپ پر عاشق ہوتا ہے۔ اُسے مقامِ فنا کیسے حاصل ہوسکتا ہے؟ اِس لئے ایسے شیخ کی تلاش کرنی چاہیے جو اپنی انانیت اور خودی کو فنا کر چکا ہو۔ پھر اُس کی اطاعت ضروری ہے۔ جو اپنی خودی کو فنا کر دیتا ہے تو پھر اُس میں مخلوقِ خدا کی خودی ہے تو وہ جملہ خلق اللہ کا دوست ہوتا ہے۔ جب انسان کے دل میں خود اپنا نقش نہیں ہے تو اُس دل کی قدر و قیمت بہت ہے۔

شیخ محمد سررزی غزنوی رحمۃ اللہ علیہ

غزنی میں ایک نہایت عمدہ درویش محمد سررزی رحمۃ اللہ علیہ رہتے تھے۔ دنیا کی کسی چیز کی طرف اُن کی توجہ نہ جاتی تھی اور ہمیشہ دیدارِ خداوندی کے خواہش مند رہتے تھے۔ دنیا سے اُن کا دل بھر چکا تھا۔ وہ زندگی سے اِس قدر بیزار ہوگئے کہ اُنہوں نے سوچا میں پہاڑ کی چوٹی سے نیچے چھلانگ لگا دوں۔ دیدارِ جمال کی درخواست پر اُن کو جواب ملا کہ ابھی تک تم اُس مقام تک نہیں پہنچے جس میں دیدار ہو سکے اور اگر تم نے اپنے آپ کو ہلاک کرنے کی کوشش کی تو تمہیں مرنے نہیں دیا جائے گا۔ وہ پہاڑ سے کود پڑے لیکن پانی میں آ کر گرے۔ جب وہ نہ مرے تو زار و قطار رونے لگے۔ لوگوں کو زندگی عزیز ہوتی ہے، یہاں اُلٹی بات ہوگئی۔ اُن کو موت کی تمنا تھی کیونکہ اُنہیں یقین تھا کہ مرنے کے بعد دیدارِ جمال ہوگا۔ اسی طرح حضرت علی علیہ السلام کو اسبابِ موت دنیا کی لذتوں سے زیادہ پیارے تھے۔ چونکہ اللہ نے اُن کو اُس اعلیٰ مرتبہ پر پہنچانا تھا جس سے دیدارِ جمال ہو تو اُن کو ہدایت کی گئی کہ شہر میں جائیں اور بھیک مانگیں۔ اُنہوں نے منظور کرلیا۔

اِس غیبی اشارے کے بعد جب وہ غزنی میں پہنچے تو لوگوں نے اُن کے استقبال کے لئے شہر کو سجایا لیکن وہ بلا اطلاع کسی خفیہ راستے سے شہر میں داخل ہوگئے اور اپنے لئے اِس اعزاز کو پسند نہ فرمایا۔ لوگ ملے تو اُنہوں نے بتایا کہ میں شہر میں خودنمائی کے لئے نہیں آیا۔ میں تو اپنے آپ کو ایک ذلیل بھک منگا سمجھتا ہوں اور یہاں فقیروں کی طرح مانگوں گا تاکہ اچھی طرح ذلیل ہوں اور لوگ مجھے بُرا بھلا کہیں۔ خدا اگر لالچ اور طمع کا حکم دے تو پھر قناعت ذلت ہے اور ذلت میں عزت ہے۔ جب اللہ کسی سے ذلت کا طالب ہو تو طالبِ خدا عزت کو پسند نہیں کرتا۔ میں شہر کا سب سے بڑا بھکاری بنوں گا اور "خدا کے نام پر کچھ دو" کا نعرہ لگاؤں گا۔ شیخ کا مقام عرش و کرسی سے بھی بلند تھا لیکن اُنہوں نے بھکاری پن اختیار کیا۔ انبیاء علیہم السلام بھی غریب لوگوں سے کہتے ہیں: اَقْرِضُوا اللّٰہَ یعنی "اللہ کو قرض دو" اور اَنْصُرُوا اللّٰہَ یعنی "اللہ کی مدد کرو" حالانکہ مخلوق خود قرض اور مدد کی محتاج ہے۔ شیخ در بدر مارے مارے پھرتے تھے حالانکہ آسمان میں سینکڑوں

وقتِ محنت می بری ز اللہ بُو　　　چونکہ محنت رفت گوئی راہ کو
مصیبت کے وقت تُو اللہ کا بخوبی پتہ لگا لیتا ہے　　　لیکن جونہی وہ دُور ہوتی ہے تُو اُسے بھول جاتا ہے

دروازے اُن کے لئے کھلے تھے۔ شیخ کا یہ بھکاری پن اپنے لئے نہیں تھا بلکہ خدا کے حکم کے مطابق تھا۔ اگر وہ اپنے لئے بھی کرتے تو پھر بھی اب وہ اُس مقام پر پہنچ چکے تھے کہ اُن کا کھانا پینا اُن کے لئے نور کا پینا تھا اور اُن کے لئے دنیا کی لذتیں عام سالکوں کے مجاہدوں سے بہتر تھیں۔ جن کی غذائیں صرف بدن کے لئے ہوتی ہیں اُن کے لئے خدا کا حکم ہے ''کھاؤ پیو مگر حد سے تجاوز نہ کرو'' لیکن جن کی غذا نور بنتی ہے اُن کے لئے حکم ہے ''جتنا چاہو کھاؤ''۔ درویش کا کھانا پینا امرِ خداوندی سے ہے، حرص اور لالچ پر مبنی نہیں۔ اگر سونا بنانے والا کیمیا تانبے کو کھالے تو تانبے کا ہی فائدہ ہے۔

شیخ جو بھیک مانگ رہے تھے اُس میں خدائی حکمتیں تھیں۔ خدا نے اُن کو زمین کے سارے خزانے پیش کردیئے لیکن اُنہوں نے کہا: اگر میں زر کا طالب ہوں تو عاشق نہیں فاسق ہوں۔ اگر کوئی جنت کے شوق یا دوزخ کے خوف سے عبادت کرے تو وہ عاشق نہیں ہے کیونکہ عاشق مزدوری نہیں چاہتا۔ اللہ کے عاشق کا مقام بہت بلند ہے۔ لیلیٰ کے عاشق کے لئے بھی دنیا کی سلطنت ہیچ تھی۔ مجنوں میں حیوانی صفات ختم ہو چکی تھیں اور ملکوتیت کے درجے پر تھا۔ عاشق کا گوشت زہریلا ہوتا ہے، درندے اُس سے ڈرتے ہیں۔ ہر چیز عشق کی خوراک ہے۔ عبادت کسبی چیز ہے عمل میں آسکتی ہے لیکن عشق عطیہ خداوندی ہوتا ہے۔ عبادت گزار آزادی چاہتا ہے جب کہ عاشق ہمیشہ کی گرفتاری کا طالب ہے۔ عبادت گزار انعام کا طالب ہوتا ہے لیکن عاشق صرف دیدار کا خواہاں ہے۔ عشق کی حقیقت ناقابلِ بیان ہے۔ وہ تو سمندر کی طرح ہے جس کے قطرے گنے نہیں جاسکتے۔ اُس کی باتیں بیان کرنا ناممکن ہے۔

''لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ'' کے معنی

اس قدر بڑے بزرگ اور عشق اُن سے گداگری کرا رہا ہے۔ عشق کے کارنامے ایسے ہی ہوتے ہیں جو کسی کی سمجھ میں نہیں آتے۔ عشق ہی کی عظمت ہے کہ وہ آنحضور ﷺ کو لگا تو خدا نے اُن کے بارے میں فرمایا کہ ''اگر تم نہ ہوتے تو میں آسمان بھی پیدا نہ کرتا''۔ تمام انبیاء علیہم السلام میں عشق تھا لیکن آنحضور ﷺ میں بدرجہ اتم تھا۔ یہ آسمان کی بلندی کا ذکر تو محض سمجھانے کے لئے ہے۔ زمین اور مٹی پیدا کرنے کی منفعت عاشقوں کی ذلت سمجھانے کے لئے ہے کہ پہلے خشک رکھی جاتی ہے پھر اُس میں گل وگلزار اُگائے جاتے ہیں۔ پہاڑوں کے جماؤ کی مثال عاشقوں کے یقین کے جماؤ کی سی ہے۔ عشق دراصل ایک معنوی چیز ہے، زمینی الفاظ کا استعمال محض سمجھانے کے لئے ہے۔ غصہ ایک معنوی چیز ہے اور ہم اُسے کانٹا کہہ دیتے ہیں۔

شیخ اشارۂ غیبی سے ایک دن ایک امیر کے گھر چار مرتبہ بھیک مانگنے گئے جس پر امیر نے آپ کو بہت بُرا بھلا کہا۔ وہ

در زمانِ درد و غم یادش کُنی　　چوں شدی خوش باز بر غفلت تنی
درد وغم کے وقت تمہیں وہ یاد رہتا ہے　　لیکن خوشی کے وقت تو اُس سے غافل ہوجاتا ہے

بار بار کہہ رہے تھے اللہ ایک روٹی مانگتا ہے۔ یہ عجیب معاملہ ہے کہ خدا خود غنی ہو کر شیخ کے ذریعے روٹی مانگتا ہے۔ اُس امیر نے شیخ سے کہا: اے کمینے! ایک روٹی کے لئے بار بار اس قدر تنگ و دو کیوں کر رہے ہو؟ یہاں کوئی تیرا قیدی یا غلام ہے جو بار بار تیری خدمت کرے۔ شیخ کے دل میں عشق کی آگ لگی تھی، کہنے لگے: مجھ میں روٹی کی حرص نہیں ہے، میں اللہ کے حکم سے ایسا کرتا ہوں۔ میں نے سات سال جنگلوں میں پتوں پر گزارہ کیا ہے۔

وہ ذہین لوگ جنہوں نے علوم میں طرح طرح کی موشگافیاں کی ہیں اُن کو بھی عشق کا علم حاصل نہ ہوسکا۔ یہ لوگ بڑے بڑے باریک بین تھے لیکن حیرت ہے کہ اُن کو عشق نظر نہ آیا۔ شیخ نے امیر سے کہا: میں اپنے عشق کی پوری کیفیت بیان نہیں کرسکتا۔ تُو نے اپنی عیش وعشرت کی زندگی کی وجہ سے مجھ پر بدگمانی کی ہے، تجھے اس میں احتیاط برتنی چاہیے۔ احتیاط کے مختلف مرتبے ہیں۔ اگر کوئی فاسق اور کاذب کوئی خبر دے تو احتیاط فرض ہے۔ اگر کوئی نیک آدمی خبر دے تو احتیاط جائز ہے اور اگر خدا اور رسول کوئی خبر دے تو اُس میں احتیاط برتنا حرام ہے۔ شیخ نے امیر کو نصیحت کی اور زار وقطار رونے لگے۔ اُن کی سچائی کے اثر کی وجہ سے امیر بھی رونے لگا۔ عاشق کی سچائی جانداروں پر ہی نہیں بے جانوں پر بھی اثر کرتی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سچائی نے لاٹھی کو اژدہا بنا دیا اور کوہ طور لرزنے لگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی نے چاند کو شق کر دیا اور سورج اپنی چال بھول گیا۔ شیخ اور امیر دونوں رو رہے تھے۔ جب بہت دیر تک رو چکے تو امیر نے کہا: میرے گھر میں جو کچھ ہے آپ کا ہے، جو چاہیں لے لیں۔ شیخ نے کہا: مجھے خدا کا یہ حکم نہیں ہے کہ اپنے ہاتھ سے کچھ لے لوں۔ دراصل شیخ کو ایسا منظور ہی نہ تھا کیونکہ اُس کا پیش کرنا اللہ کے نام پر نہیں بلکہ شیخ کی عظمت کی وجہ سے تھا۔ امیر اگرچہ سچا تھا لیکن شیخ نے اُس کی سچائی کو پسند نہ فرمایا۔ شیخ نے فرمایا، ہم تو خدائی حکم سے بھیک مانگتے ہیں ورنہ ہم اموال سے بے نیاز ہیں۔

دو سال شیخ سے بھیک منگوانے کے بعد اُن کو حکم ہوا کہ اب تک تم نے مانگا اور فقیروں کو کھلایا۔ اب بغیر مانگے فقیروں کو دو۔ جو چاہو بوریئے کے نیچے ہاتھ ڈال کر نکال لیا کرو اور بانٹ دیا کرو۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو کھجوروں کا ایک تھیلا عنایت فرمایا تھا۔ وہ اُس میں سے بے حساب خرچ کرتے اور کھاتے۔ یہ تھیلا اُن سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے وقت گم ہوگیا۔ عالمِ اسباب کے علاوہ ایک دوسرا عالم ہے جہاں اشیاء کا وجود بغیر کسی سبب کے ہو جاتا ہے اور اُس کا ظہور اس عالم میں ہو جاتا ہے۔ معجزوں کا تعلق اُسی عالم سے ہے اور اُن کا ظہور اس عالم میں ہو جاتا ہے۔ دو سال تک شیخ سررزی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ طریقہ کار رہا کہ وہ بھیک مانگتے اور غریبوں کو کھلاتے اور پھر وہ اپنے بوریئے کے

ایں ازاں آمد کہ حق را بے گماں | ہر کہ بشناسد بود دائم براں
یہ اسلئے ہے کہ حق کو جو شخص یقین سے مانتا ہے | وہ پہچانتا ہے اور ہمیشہ اُس پر قائم رہتا ہے

نیچے ہاتھ ڈال کر جو چاہتے حاصل کر لیتے۔ بوریئے کے نیچے ہاتھ ڈالنے کا حکم محض نظرِ بد سے بچانے کے لئے ہے کیونکہ تیرا ہاتھ خدا کا ہاتھ ہے جو بغیر سبب بھی عنایات کر دیتا ہے۔ ایک سال تک اُنہوں نے اس طرح خدمت کی۔

شیخ لوگوں کی ضرورت کو خود بخود جان جاتے اور ضرورت پوری کر دیتے۔ یہ اِس لئے تھا کہ وہ اللہ تعالٰی کی صفات سے متصف ہو چکے تھے۔ لوگوں نے اُن سے پوچھا کہ آپ دل کی بات کیسے جان لیتے ہیں؟ اُنہوں نے جواب دیا: ہم لوگوں کا دل جنت کی طرح احتیاج سے خالی ہے۔ اِس میں سوائے عشقِ خداوندی کے کچھ نہیں ہے۔ اب ہمارے دل میں جو کچھ ہوتا ہے وہ مانگنے والے کا عکس ہوتا ہے۔ اِس طرح ہم فقیر کی ضرورت جان جاتے ہیں۔ دل کو اِس حالت میں لانے کے لئے مجاہدے کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ جب دل میں گدلا پن نہ رہے گا تب اُس میں بیرونی عکس نظر آسکے گا۔ بدن کیچڑ سے بنا ہے اُس کی صفائی کے لئے بہت محنت درکار ہے۔ تُو ہر وقت خواب و خور میں لگا ہے جس سے دل کی کدورت میں اور اضافہ ہو جاتا ہے۔ جب آپ کے دل میں صفائی پیدا ہو جائے گی تو ہر خارجی چیز کا عکس اُس میں نظر آئے گا۔ جب انسان گدھے پن میں مبتلا ہے تو عیسیٰ تو نہ بن سکے گا ہاں خرِ عیسیٰ ہوگا۔ انسان زُہد اختیار کر کے خیالات سے دل کو پاک کرتا ہے تو اُس کا جسم خیال کی طرح لطیف ہو جاتا ہے اور وہ عکس قبول کر لیتا ہے۔

لومڑی کا گدھے کے خیالات پر غالب آجانا

گدھے کی حرص صبر پر غالب آگئی۔ اِسی طرح روٹی کے عشق نے بہت سوں کو ہلاک کیا ہے۔ آنحضور ﷺ نے فرمایا: ”فقر قریب ہے کہ کفر بن جائے“۔ بھوک انسان کو کافر بنا دیتی ہے۔ گدھے نے بھی سوچا اگر یہ لومڑی کا مکر ہی ہے تو پھر بھی بھوک سے بار بار مرنے سے بہتر ہے کہ ایک بار موت آجائے۔ لالچ انسان کو اندھا بہرا بنا دیتا ہے اور موت کو آسان کر دیتا ہے؛ جس طرح گدھے نے موت کو پسند کر لیا۔ احمقوں اور گدھوں کی زندگی ابدی نہیں ہوتی اور انسان شقاوت اور حماقت کے ذریعے مرنا پسند کر لیتا ہے لیکن انسان کو ابدی زندگی حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اُس گدھے کو اللہ کی رزاقی کا یقین نہیں تھا۔ خدا بھوک میں بھی مبتلا کرتا ہے تو اِس میں بھی اُس کی مصلحت ہوتی ہے۔

پرہیز اور بھوک کی فضیلت کا بیان

بغیر بھوک کے اگر انسان کھانا کھاتا ہے تو ہیضہ اور بدہضمی ہو جاتی ہے اور پھر اور بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔ اِس لئے بھوک کی تکلیف بیماریوں کی تکلیف سے بہتر ہے، اِس سے جسم میں پاکیزگی اور ہلکا پن اور کارکردگی بہتر ہوتی ہے۔ فاقہ سے بہت سی بیماریاں خود دُور ہو جاتی ہیں۔ بھوک میں جَو کی روٹی بھی پلاؤ قورے کا مزہ دیتی ہے اور بغیر بھوک کے لذیذ

گاہ پوشیدہ است گہ بدریدہ جیب	واں کہ در عقل و گمان ہستش حجیب
کبھی اللہ اُس کی عقل سے پوشیدہ ہوتا ہے کبھی ظاہر	لیکن جس شخص کی عقل اور گمان پر پردہ ہے

کھانے بھی بدمزہ لگتے ہیں۔ کسی نے ایک شخص سے پوچھا یہ جَو کی روٹی اتنے شوق سے کیوں کھا رہے ہو؟ اُس نے جواب دیا میں بھوک لگا کر اور صبر سے کام لے کر جَو کی روٹی کا حلوہ بنا لیتا ہوں۔ بھوک وہ نعمت ہے جو ہر کسی کو میسر نہیں آتی۔ یہ صرف خاصانِ خدا کا حصہ ہے جس سے وہ رُوحانی شیر بن جاتے ہیں۔ زیادہ کھانے والے سے کہہ دیا جاتا ہے کہ تُو دریائے معرفت کا پرندہ نہیں ہے تُو مر جانے والا ہے۔ تیری زندگی سے بھوک کی موت بدرجہ بہتر ہے۔

ایک مُرید کے دِل کی حرص سے شیخ واقف ہوگیا، اُن کی نصیحت سے اللہ نے اُسے توکل کی دَولت بخش دِی

ایک شیخ اپنے مرید کے ساتھ اُس شہر کی طرف جا رہے تھے جہاں قحط تھا۔ مرید روٹی کی حرص کی وجہ سے پریشان تھا۔ شیخ اُس کے دل کی کیفیت جان گئے اور اُسے کچھ نصیحتیں کیں اور باطنی تصرف سے اُس میں توکل کی طاقت پیدا کر دی۔ اُنہوں نے مرید سے کہا: انسان رزق کا اتنا عاشق نہیں ہے جتنا رزق انسان کا عاشق ہے۔ وہ اُس سے کہتا ہے: ٹھہر جا! میں تیرے پاس پہنچتا ہوں کیونکہ وہ انسان کی بے صبری کو جانتا ہے۔

ایک بیل کا قصہ سُن لو جو رزق کے فکر میں گھلا جاتا تھا۔ وہ بیل دن بھر چراگاہ میں چر کر موٹا تازہ ہو جاتا لیکن رات کو اِس فکر میں گھلتا کہ شاید صبح کھانے کو کچھ نہ ملے اور اِسی فکر میں پھر دبلا ہو جاتا۔ یہی حال اِس دنیا میں انسان کا ہے کہ کھا لیتا ہے پھر بھی بھوک کی فکر میں مبتلا رہتا ہے۔ ایک عرصہ دراز تک اُس بیل کی یہی حالت رہی یعنی دن کو کھا کر موٹا ہو جاتا، رات کو کل کی فکر میں دبلا ہو جاتا اور کبھی یہ نہ سوچتا کہ فکر کے باوجود خوراک تو مجھے حاصل ہو ہی رہی ہے اور کسی روز بھی کم نہیں ہوتی تو میں کیوں روزی کا غم کروں۔ انسان بھی اِسی طرح غم میں گھلتا رہتا ہے کہ ہائے! کل کو کیا کھاؤں گا؟ یاد رکھو! جس قدر لذیذ غذائیں انسان کھاتا رہتا ہے خدا اِسی طرح دیتا رہے گا۔ اِس لئے کل کے فکر میں نہ پڑ۔

شیر نے گدھے کو شکار کر لیا اور اُس کا پیٹ بھر گیا تو وہ پانی پینے کے لئے چلا گیا۔ لومڑی نے اُس کی غیر حاضری میں گدھے کا دل، جگر، گردہ وغیرہ کھا لئے۔ شیر نے دریافت کیا کہ گدھے کا دل، گردہ وغیرہ کہاں ہیں؟ تو لومڑی بولی: اگر گدھے کے دل، گردہ وغیرہ ہوتے تو پھر وہ دوبارہ بے وقوف بن کر تیرے پاس کیوں آتا۔ دوزخی دوزخ میں کہیں گے: اگر ہم صحیح بات سُن لیتے اور سمجھ جاتے تو آج دوزخ میں نہ ہوتے۔ شیر نے کہا: دل اور جگر تو ہر جانور میں ضرور ہوتے ہیں اِس گدھے کے کہاں ہیں؟ لومڑی بولی: اگر اِس گدھے کے ہوتے تو یہ دوبارہ تیرے پاس کبھی نہ آتا۔

جس عضو کا جو کام مقرر ہے اگر وہ عضو اپنا کام نہیں کرتا تو گویا وہ عضو ہی نہیں۔ دل میں جب نور نہ ہو تو وہ دل ہی

نہیں۔ انسان میں رُوحِ انسانی نہ ہو تو وہ محض مٹی کا پتلا ہے۔ شیشے میں روشنی نہیں تو وہ قندیل نہیں بلکہ قارورہ ڈالنے والی شیشی ہے۔ چراغوں اور قندیلوں میں تعدد اور دُوئی ہے لیکن اُن میں سے جو روشنی نکلتی ہے اُس میں وحدت ہے۔ یہود نے انبیاء علیہم السلام کے اجسام پر نظر کی تو اُن میں تعدد سمجھا۔ بعض پر ایمان لائے اور بعض کا کفر کیا۔ مومن اجسام اور ظروف پر نظر نہیں رکھتا بلکہ رُوح اور نور کو دیکھتا ہے، جس میں وحدت ہے۔ وہ نبیوں میں کسی میں فرق نہیں کرتا۔ نہر وہ ہے جس میں پانی ہو اور آدمی وہ ہے جس میں رُوح ہو۔ عوام انسان نہیں ہیں، مورتیں ہیں اُن کو زندہ بھی نہ سمجھو۔ یہ شہوت اور روٹی کے مقتول ہیں۔ بظاہر دنیا میں انسان بہت زیادہ نظر آتے ہیں لیکن درحقیقت انسان بہت کمیاب ہیں۔

ایک درویش جو اپنی باطنی حالت کی وجہ سے دِن کو چراغ جلا کر بازاروں میں چکر لگاتا تھا

ایک خدا کا عاشق دن میں چراغ جلائے ہوئے کچھ ڈھونڈتا پھرتا تھا۔ ویسے دن میں چراغ جلا کر کچھ تلاش کرنا مذاق اور دل لگی کی بات ہے۔ کسی نے پوچھا: تُو کیا تلاش کر رہا ہے؟ اُس عاشقِ خدا نے کہا میں آدمی کی تلاش میں ہوں جو اللہ کی عطا کردہ رُوح سے زندہ ہو لیکن مجھے کوئی انسان ملتا نہیں ہے۔ وہ شخص بولا: یہ سارا بازار انسانوں سے پٹا پڑا ہے اور تجھے کوئی انسان نظر ہی نہیں آتا۔ عاشقِ خدا نے جواب دیا: میں ایسے آدمی کی تلاش میں ہوں جو دو حالتوں یعنی غصہ اور حرص کے وقت سیدھے راستے پر چلتا ہو۔

ظفر آدمی اُس کو نہ جانیے گا ہو وہ کیسا ہی صاحبِ فہم و ذکا
جسے عیش میں یادِ خدا نہ رہی جسے طیش میں خوفِ خدا نہ رہا (بہادر شاہ ظفر)

وہ بولا: اگر ایسا آدمی مجھے مل جائے تو میں اُس پر جان قربان کر دوں۔ وہ شخص بولا: ایسا انسان ملنا تو دشوار ہے کیونکہ انسان تقدیر کا پابند ہے۔ انسان کا اپنا اختیار کہاں ہے۔ تقدیرِ خداوندی تو آسمان کو بھی راستے سے بھٹکا دیتی ہے۔ تقدیر کے سامنے تدبیر ہیچ ہے۔ تُو سمجھتا ہے کہ راستہ تیرے قدم طے کرتے ہیں۔ یہ تیری خام خیالی ہے، تُو ظاہر پر نظر رکھتا ہے اور باطن تجھ سے پوشیدہ ہے۔ اسبابِ ظاہری بغیر مُؤثرِ حقیقی کے کچھ اثرات نہیں رکھتے۔ اللہ نے حضرت ایوب علیہ السلام سے بھی کہہ دیا تھا کہ تُو اپنے صبر کو نہ دیکھ صبر دینے والے کو دیکھ۔ تُو دعویٰ تو کرتا ہے کہ تُو حقیقی سبب کو دیکھتا ہے لیکن حقیقی سبب کو دیکھنے والی ایک بھی علامت تجھ میں نہیں۔ تُو مقامِ حیرت میں پہنچتا تو دریائے حقیقتِ باری پر نظر کرتا۔ تُو تعینات کو اصل سے جدا چیز سمجھتا ہے اور لاحاصل سجدے کرتا ہے۔ جو شخص دریائے وحدت پر نظر رکھتا ہے اُس کو محمود حیرانی حاصل

ہوتی ہے۔ تعینات کو دیکھنے والا اپنے آپ کو دریائے وحدت سے جدا تصور کرتا ہے۔ اپنے عمل کو اپنی طرف منسوب سمجھ کر مختلف نیتیں اچھی بُری کرتا ہے لیکن جس نے بحرِ حقیقت کو دیکھ لیا ہے اُس کا دل اِس قدر وسیع ہے کہ وہ سب کچھ منجانب اللہ سمجھتا ہے۔ جو شخص دریائے حقیقت سے غافل ہے وہ اپنے افعال کو شمار کرتا ہے کہ کچھ اختیاری ہیں اور کچھ اضطراری۔ جس کی نظر دریا پر ہے وہ اپنے اختیاری افعال کو بھی سمجھتا ہے کہ یہ اختیار بھی خدا کا عطا کردہ ہے۔ وہ خدا میں غرق ہو جاتا ہے۔ وہ بے خود اور بے انانیت ہوتا ہے۔

آں را کہ خبر شد خبرش باز نیامد

''جس کو اُس (اللہ) کی خبر ہوگئی پھر اُس کی خبر کسی کو نہیں ہوتی''۔

مُسلمان کی آتش پرست کو اِسلام کی دعوت اور اُس کا جواب

آتش پرست نے جواب دیا: اگر خدا چاہے تو میں مومن بن جاؤں گا اور اگر مزید مہربانی ہوئی تو میں عین الیقین کا درجہ حاصل کرلوں گا۔ مومن نے کہا کہ خدا تو تجھے مومن بنانا چاہتا ہے تاکہ تجھے دوزخ سے نجات مل جائے لیکن تیرا نفس اور شیطان تجھے بُت خانے کی جانب کھینچ رہے ہیں۔ آتش پرست نے کہا کہ اگر نفس اور شیطان کا چاہا ہوا ہو رہا ہے تو وہ طاقت ور ہیں اور مجھے طاقت ور ہی کا ساتھ دینا چاہیے۔ اگر خدا مجھ سے سچائی چاہتا ہے اور نفس اور شیطان کے مقابلے میں اُس کی کچھ نہیں چلتی ہے تو اُس کے چاہنے کا کیا فائدہ۔ اگر کوئی ایک اچھا مکان بنا کر اُس کو مسجد بنانا چاہے اور کوئی دوسرا اُس پر غالب آ کر اُس کو بُت خانہ بنا دے تو مسجد بنانے والے کی خواہش کا کیا فائدہ ہوا۔ اگر تُو نے کپڑا اس لئے بُنا کہ تُو اُس کی قبا بنائے اور تیرا مخالف آ کر اُسے شلوار بنا دے تو کپڑے کے لئے اور کیا چارہ ہے کہ مخالف کے سامنے مغلوب ہو جائے۔ غاصب کے سامنے تو سب عاجز ہوتے ہیں۔ جب نفس اور شیطان غالب ہوں تو یہ کہنا کہ جو اللہ چاہتا ہے وہی ہوتا ہے ایک مذاق کی بات ہوئی۔ میں خواہ آتش پرست ہوں تو میں یہ خیال نہیں کرسکتا کہ اللہ کا چاہا ہوا نہ ہو اور نفس اور شیطان کی خواہش پوری ہو۔ اگر خدا اور شیطان کی یہی حالت ہے تو پھر خدا کی بجائے شیطان کا بندہ بن جانا چاہیے۔ اِس حالت میں اگر شیطان کی بجائے خدا کی بندگی کی جائے گی تو شیطان دشمن بن جائے گا اور خدا کوئی مدد نہ کرسکے گا۔ اگر شیطان ہی کا منشا پورا ہوتا ہے تو پھر شیطان کے علاوہ میرا بھلا اور کون کرسکتا ہے۔

مومن نے کہا: ایسا نہیں ہے۔ اللہ اس سے پاک ہے کہ اُس کا ارادہ پورا نہ ہو۔ اُس کی خدائی میں ایک ذرّہ اُس

چُوں قضا آید فرو پوشد بصَر	تا نداند عقلِ ما پا لا زِ سَر
جب قضا آتی ہے تو آنکھیں بند کر دیتی ہے	تاکہ ہماری عقل کچھ بھی نہ سمجھ سکے

کے حکم کے خلاف نہیں ہو سکتا۔ دنیا اور آخرت اُس کی مِلک ہیں۔ شیطان اُس کے دَر کا معمولی سا کتا ہے جو اُس کے دروازے پر منہ اور سر رکھے ہوئے ہے۔ گھر کے بچے پالتو کُتے کی دم کھینچتے ہیں وہ کچھ نہیں کہتا لیکن کوئی اجنبی آجائے تو شیر کی طرح حملہ کرتا ہے۔ کتا مالک کی دی ہوئی معمولی غذا کھانے پر اُس کا وفادار ہے تو شیطان جسے خدا نے پیدا کیا وہ اللہ کے دربار میں اُس کے حکم پر کیوں قربان نہ ہوگا۔ اللہ کے دربار کے غار کے سامنے شیطان کتے کی طرح بیٹھا ہے اور اس کا ذرّہ ذرّہ اللہ کے حکم کا منتظر ہے۔ اللہ نے شیطان کو اس لئے بٹھا رکھا ہے تاکہ وہ دربار میں پہنچنے والوں کا اِمتحان کرے اور سچائی کو پہچان لے۔ جو سچائی میں مکمل نہیں ہیں اُن کو دربار تک نہ پہنچنے دے۔ لہٰذا شیطان کا وجود انسان کے اختیار کے منافی نہ ہوا۔ "اَعُوْذُ بِاللّٰہِ" کی تعلیم اِسی لئے دی گئی ہے کہ دربار میں پہنچنے والوں پر اگر شیطان کتا بھونکے تو وہ اَعُوْذُ کے مالک کو پکار کر کہیں کہ اِس کتے کو راستے سے ہٹا دے تاکہ وہ حاضر ہو سکیں۔ اگر کتے کا مالک تُرک خود کتے سے عاجز ہو جائے تو پھر اَعُوْذُ پڑھنا بے کار ہے۔ اگر خیمے والا تُرک یہ کہے کہ کتے کے ڈر سے اے مہمان! تُو اندر نہیں آسکتا اور میں اِسی وجہ سے باہر نہیں نکل سکتا تو ایسے میزبان تُرک اور مہربان کے سر پر خاک ہو۔ خیمے کے مالک تُرک سے یہ بات بعید ہے کہ وہ کتے سے ڈرے۔ کتا تو کیا اُس کی ڈانٹ سے شیر بھی خون کی قے کر دے۔ انسان جو خلیفۃ اللہ ہے وہ شیطان کے ڈر سے مغلوب ہو جائے تو یہ اُس کے شایان نہیں ہے۔ اللہ کا خلیفہ ہونے کے ناتے تُو مالک ہے اور جب مالک خود کتے سے ڈرے تو کتا اُس کے لئے کیا شکار کرے گا۔

انبیاء علیہم السّلام کی تعلیم کے مُطابق جبر و قدر کا بیان

جبر اور قدر کے معاملے میں جو درست مسلک ہے وہ بین بین ہے۔ اس کی ایک جانب جبر ہے۔ اِس عقیدے کی رُو سے انسان کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ جب انسان کو اختیار نہ ہو تو پھر اُس کو اللہ کا حکم دینا اور منع کرنا درست نہ ہوگا۔ لہٰذا اِس عقیدے کے مطابق اُن میں تاویل کرنی ہوگی اور پھر اُن تاویلات کے نتیجے میں دوزخ اور جنت کا انکار لازم آئے گا۔ اِس لئے کہ جنت تو اختیاری طور پر حکم بجالانے کا انعام ہے اور دوزخ نہ ماننے والوں کی سزا ہے اور اِس مسلک کے بائیں جانب قدر کا عقیدہ ہے۔ جس کی بنیاد پر انسان کو اپنے افعال کا خالق مانا جاتا ہے اور اللہ کی قدرت کو انسان کی قدرت سے مغلوب ماننا پڑتا ہے اور اُس کے نتائج جبر کے عقیدے سے بھی بدتر ہیں۔ انسان کو حکم دیا جاتا ہے، پتھروں کو کوئی حکم نہیں دیتا ہے۔ اِس سے معلوم ہوا کہ انسان میں قدرت اور اختیار ہے۔ جس چیز کی انسان میں قدرت نہیں اور اختیار نہیں اِس چیز کے بارے میں کوئی اُس کو حکم نہیں دیتا۔ انسان سے کوئی نہیں کہتا کہ تُو

چُوں قضا آید طبیب ابلہ شَوَد	وَاں دَوا دَر نفع ہم گمرہ شَوَد
جب قضا آتی ہے طبیب نادان بن جاتا ہے	اور دَوا شفا کی خاصیت کھو دیتی ہے

اُٹھ۔ انسان سے جس قدر مطالبات ہیں وہ صاحبِ اختیار اور قدرت ہونے کی وجہ سے ہیں۔ انسان ظلم وستم کرنے اور نہ کرنے میں بااختیار ہے، جب ظلم کرتا ہے تو اپنے ارادے اور اختیار سے کرتا ہے۔ نفس اور شیطان خود انسان کا اپنا ارادہ ہے۔ جب تک کسی طرح کا داعیہ پیدا نہیں ہوتا تو انسان کا اختیار سویا رہتا ہے، جیسے کہ جب تک حضرت یوسف علیہ السلام کو نہیں دیکھا عورتوں کا وہ اختیار سویا رہا، جب اختیار جاگا تو ہاتھوں کو زخمی کر دیا۔

جب تک کتا ہڈی نہیں دیکھتا ہے تو سوتا رہتا ہے۔ ہڈی دیکھ کر دُم ہلانا شروع کر دیتا ہے۔ داعیہ کو دیکھنا اختیار کو بیدار اور متحرک بنا دیتا ہے۔ شیطان تیرے معشوق کا پیغام لاتا ہے تو دلالہ کا کام کرتا ہے اور تیرا خوابیدہ اختیار حرکت میں آجاتا ہے اور تُو بُرائی کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ اللہ کا فرشتہ شیطان کے برخلاف باتیں پیش کر کے دل میں کشمکش پیدا کرتا ہے تا کہ شر کی بجائے خیر والا اختیار بیدار ہو جائے۔ فرشتہ اور شیطان تو تیرے اندرونی اختیار کو متحرک کرتے ہیں جو تیرے اندر موجود ہوتا ہے۔ جو اختیار خود انسان میں موجود ہوتا ہے وہ فرشتوں کے الہام اور شیطانوں کے وسوسوں کے ذریعے قوی ہو جاتا ہے۔ نیک عمل کی ادائیگی انسان فرشتوں کے اِلہام سے اپنے اختیار کو استعمال کرتے ہوئے کرتا ہے۔ گناہ کے بعد انسان شیطان پر اِسی وجہ سے لعنت بھیجتا ہے کہ اُس کے وسوسے کی وجہ سے وہ گناہ کا مرتکب ہوا۔

حشر میں جب کہ دنیاوی زندگی کا یہ حجاب ختم ہو جائے گا، تُو فرشتہ اور شیطان کو خود دیکھ لے گا اور جو پسِ پردہ اُن کی باتیں تھیں اُن کے ذریعے تُو اُن شخصیتوں کو پہچان لے گا۔ وہاں شیطان کہہ دے گا اور تُو سُنے گا کہ میں نے تو دل میں وسوسہ ہی ڈالا تھا تجھے مجبور تو نہ کیا تھا۔ فرشتہ تجھ سے کہہ دے گا: میں نے تیرے دل میں یہ بات ڈال دی تھی کہ اِس گناہ کی لذّت اور خوشی بہت سے غموں کا سبب بنے گی۔ فلاں روز میں نے تجھے جنت کا راستہ بتایا تھا اور کہا تھا کہ میں تیرا خیر خواہ ہوں اور ہم فرشتے تیرے باپ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے والے ہیں۔ جس طرح ہم نے تمہارے باپ کی خدمت کی تھی تمہاری خدمت بھی کرتے ہیں اور نیک راستہ بتا کر تجھے مخدوم بنانا چاہتے ہیں۔ یاد رکھ! یہ شیاطین کی جماعت تمہارے باپ کی دشمن ہے۔ اُنہوں نے آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ فرشتہ کہے گا کہ تُو نے ہمارا کہنا نہ مانا اور شیطان کا کہنا مانا۔ پہلے تُو نے ہمیں دیکھا نہ تھا صرف آواز سُنی تھی۔ اب آواز سے آواز ملا کر ہمیں پہچان لے۔ اندھیرے میں کوئی اگر تم سے بات کرتا ہے تو دن میں اُس کی آواز سے اُسے پہچان لیتے ہو۔

بات کا خلاصہ یہ نکلا کہ انسان نیکی اور بدی کرنے میں بااختیار ہے، مجبور نہیں اور وہ اختیار پوشیدہ ہوتا ہے۔ مقصد کے سامنے آجانے پر اختیار میں مزید طاقت آجاتی ہے۔ جبری انسان میں عقیدہ کی بنیاد پر انسانی فعل کا انکار لازم آتا ہے

زاں امامُ المتقین داد ایں خبر | گفت اِذا جاء القضاءُ عمی البصر
اِسی لیے متقیوں کے امامؐ نے یہ خبر دی ہے | فرمایا جب قضا آتی ہے آنکھیں اندھی ہو جاتی ہیں

جو محسوس چیز ہی ہے تو گویا جبری اپنے ایک محسوس کا منکر ہے۔ قدری شخص جو اپنے آپ کو خود مختار مانتا ہے وہ اللہ کا بندے کو اختیار عطا کرنے کا منکر ہے یعنی اللہ کے ایک فعل کا منکر ہے جو حسی چیز نہیں ہے۔ جبری محسوس کا انکار کرتا ہے۔ دھوئیں کو دیکھتا ہے اور آگ کا انکار کرتا ہے۔ دھاگے سے کپڑا اصل رہا ہے اور دھاگے سے انکار کرتا ہے۔ جبر کا عقیدہ سوفسطائی عقیدہ پر مبنی ہے جو اشیاء کو موجود نہیں مانتا بلکہ اشیاء کے وجود کو وہم اور خیال کہتا ہے۔ یہ عقیدہ دہریہ کے عقیدے سے بھی بدتر ہے جو کہ اختیاری حالت میں عالم کو موجود مانتا ہے اور خدا کا منکر ہے لیکن اضطراری حالت میں خدا کو بھی پکارنے لگتا ہے۔ دنیا کے سب انسان، انسان کے اختیار کے قائل ہیں اسی لئے ایک دوسرے کو حکم دیتے یا منع کرتے ہیں۔ اگر مخاطب کو مختار نہ سمجھتے تو نہ حکم دیتے اور نہ منع کرتے۔ انسان کا مختار ہونا بالکل حسی چیز ہے اور اسی بنا پر اُسے مکلف قرار دیا گیا ہے۔

باطنی اِحساس، ظاہری حِس کے قائم مقام ہیں، ظاہری حِس کے اِحساس کو روکا جاسکتا ہے لیکن باطنی اِحساس کو روکا نہیں جاسکتا

باطنی احساس یعنی اختیار، اضطرار، غصہ، محبت، صبر کرنا وغیرہ ظاہری حِس کے قائم مقام ہیں۔ دیکھنا، چکھنا، سُننا، سونگھنا، اور چھو کر محسوس کرنا ظاہری حسّیں ہیں۔ باطنی حِس کا منکر ظاہری حس کا منکر ہوگا۔ حس کے احساس کو روکا جا سکتا ہے لیکن باطنی احساس کو روکا نہیں جا سکتا۔ عقل مند کو اشارہ ہی کافی ہے۔ وجدان کا تعلق انسان کے باطنی احساسات کے ساتھ ہے۔ اُس کو روکا نہیں جا سکتا۔ اس لئے وجدانیات، محسوسات سے اعلیٰ درجے پر ہیں۔ حواس کو انسان معطل کر سکتا ہے لیکن وجدان کو معطل کرنا ممکن نہیں۔ تو جو شخص کسی وجدانی معلوم کا انکار کرے تو وہ گویا محسوس کا منکر ہے۔ انسان کا اختیار بھی ایک وجدانی چیز ہے۔ قرآن میں اوامر و نواہی سب انسان کے اختیار کی بنیاد پر ہیں۔ اللہ تعالیٰ جس کی حکمت سے ستارے اور آسمان بنا اُس سے یہ جاہلانہ فعل کیسے صادر ہو سکتا ہے کہ وہ کسی غیر مختار کو حکم دے یا منع کرے۔ بندے کا اختیار عین مشیتِ الٰہی کے تابع ہوتا ہے۔ اللہ نے بندے کو ایسے راستے بتا دیئے ہیں کہ شیطان کا اُن میں کوئی دخل نہیں ہے۔ بندہ اُن راستوں کو اپنے اختیار سے چھوڑتا ہے تو شیطان کی مداخلت شروع ہو جاتی ہے۔ اس طرح انسان پر نہ اللہ کی جانب سے جبر ہے اور نہ شیطان کی جانب سے۔ انسان اللہ کے بتائے ہوئے راستے پر چلے گا تو شیطان اُس کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔ وہ غلاموں کی طرح تُرک کے خیمے میں آئے گا تو کتا اُسے نہیں کاٹے گا۔ انسان غلط روی اختیار کر کے شیطان سے تکلیف اُٹھاتا

چوں قضا بگذشت خود را می خورد
جب قضا گزر جاتی ہے انسان اپنے آپ کو شرمندگی کھاتا ہے

پردہ بدریدہ گریباں می درد
اور پردہ چاک کر کے گریبان چاک کرتا ہے

ہے۔

چور، جس نے کہا: اے کوتوال! جو کچھ مَیں نے کیا خُدائی تقدیر تھی اور اُس کو کوتوال کا جواب

ایک چور نے کوتوال سے کہا کہ جو کچھ میں نے کیا وہ خدا کے حکم کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ کوتوال نے جواب دیا کہ اب جو کچھ تمہارے ساتھ ہوگا وہ بھی خدا ہی کے حکم سے ہوگا۔ ایک شخص نے دکان سے مُولی چُرائی اور دکاندار سے کہا کہ یہ تقدیرِ الٰہی سے ہے۔ دکاندار نے اُس کے منہ پر تین گھونسے مارے اور کہا: اسے واپس رکھ کہ یہ سب کچھ بھی تقدیرِ الٰہی سے ہی ہوا ہے۔ اپنے اختیار کے غلط استعمال کو تقدیرِ الٰہی کا نام نہ دے۔ انسان اپنے لئے پیشہ اختیار کرتا ہے۔ یہ اُس کے اختیار کی دلیل ہے۔ جبری انسان کسی خواہشِ نفسانی کا ارادہ کرتا ہے تو اُس میں بیس مردوں کی سی طاقت اور اختیار آجاتا ہے اور اگر کوئی اُس کا ایک رتی کا نقصان کردیتا ہے تو اُس سے لڑائی کا اختیار پورے بدن میں پھیل جاتا ہے۔ جب خدا کی اطاعت وعبادت کا معاملہ آتا ہے تو پھر جبری کہتا ہے کہ میں مجبور ہوں اور اپنے آپ کو پتھر سے بھی زیادہ غیر مختار ظاہر کرتا ہے۔ شیطان نے بھی اپنی گمراہی پر اپنے جبر کا عذر پیش کیا تھا اور کہا تھا کہ میری گمراہی اختیاری نہیں ہے لیکن اُس کا عذر مقبول نہ ہوا۔

ایک شخص باغ میں پھل جھاڑ رہا تھا۔ اُس نے کہا! باغ خدا کا ہے، میں بھی خدا کا بندہ ہوں۔ خدا مجھے پھل کھلا رہا ہے۔ اے باغ والے! تُو مجھے کیوں بُرا بھلا کہتا ہے؟ باغ والے نے اپنے نوکر سے کہا کہ رسی لے آ۔ رسی سے درخت کے ساتھ باندھ کر اُسے مارنا شروع کیا۔ پھل چُرانے والے نے کہا: مجھ بے گناہ کو کیوں مار رہے ہو؟ باغ والا بولا: لاٹھی بھی خدا کی ہے۔ میں بھی خدا کا بندہ ہوں، تیری کمر اور پہلو بھی خدا کے ہیں۔ میں تجھے اللہ کے حکم سے مار رہا ہوں تو اس میں کیا بُرائی ہے۔ یاد رکھو! بندے کا اختیار بھی اللہ کا عطا کردہ ہے جو کہ ظاہر ہے اور اللہ کا اختیار پوشیدہ ہے۔

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”نہ تو انسان مجبور ہے اور نہ مکمل مختار ہے بلکہ معاملہ بَین بَین ہے“۔ تدرت کی بات تو یہ ہے کہ انسان مختار ہوتے ہوئے بھی اللہ کے اختیار کا غلام ہے۔ جماد کا بے اختیار ہونا اُس کی ماہیت کے لئے لازم ہے۔ اِسی طرح انسان کا بااختیار ہونا اُس کی ماہیت کے لئے لازم ہے۔ اللہ کا اختیار اور قدرت انسان کے اختیار کو فنا نہیں کرتا ہے بلکہ انسان کا اختیار اُس کے تابع ہے۔ قرآن میں ہے: وَمَا تَشَاءُوْنَ اِلَّا اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ”تم نہیں چاہتے مگر وہ جو اللہ چاہے“۔ اپنے ارادہ سے اللہ کا انکار کرنا کفر ہے اور بے اختیار کا انکار کرنا کفر نہیں ہے۔ اگر انسان کفر کرے اور پھر اپنا اختیار نہ مانے یہ دو متضاد باتیں ہیں۔ کسی عاجز کو حکم دینا بُری بات ہے اور خدا اِس سے منزہ ہے۔ ہاں انسان جب

چُوں قضا آید شود دانش بخواب جب قضا آتی ہے، عقل سو جاتی ہے	**مہ سیہ گردد بگیرد آفتاب** چاند کالا ہو جاتا ہے سُورج گرہن ہو جاتا ہے

مجاہدوں کے ذریعہ فنائی اللہ کا مقام حاصل کر لیتا ہے تو پھر بے شک وہ بے اختیار ہوتا ہے کیونکہ وہ وحدت کی شراب پی کر مَست ہے تو معذور سمجھا جائے گا۔ شرابِ معرفت کا مَست کبھی کوئی غلط کام نہیں کرتا۔ فرعون کے جادوگر اِسی شراب کے مَست تھے۔ اُن کے ہاتھ پاؤں کو معرفت کا نشہ تھا اِسی لئے جسمانی ہاتھ اُن کے لئے بے حقیقت ہو گئے۔ شرابِ معرفت دماغ کو چڑھتی ہے تو پھر دل میں اُتر جاتی ہے۔ ہمیشہ اللہ کی رضا کو مانو اور دوسروں کی ناراضگی سے رنجیدہ نہ ہو۔ اگر انسان سے یہ کہہ دیا جائے کہ ہر کام تیری منشا کے مطابق ہو جائے گا تو پھر انسان اللہ کی اطاعت اور بندگی میں سُست ہو جاتا ہے۔

قرآن وحدیث کے وہ معنٰی معتبر ہیں جو بندہ کو سرگرمِ عمل بنائیں۔ اگر وہ معنٰی سُست اور کاہل بناتے ہیں تو وہ قرآن وحدیث میں تحریف ہے۔ قرآن کی تفسیر صرف وہی عالم صحیح کر سکتے ہیں جنہوں نے اپنی ہوا وہوس کو جلا ڈالا ہو اور اُن کی رُوح مجسّم قرآن بن گئی ہو۔ ایسے عالم کی قرآن سے وہی نسبت ہوگی جو پھول کے روغن اور پھول میں ہوتی ہے کہ دونوں کو سونگھنا یکساں ہے۔ اگر سرگرمِ عمل کرنے والے معنٰی تجھ پر ظاہر نہیں ہوئے ہیں تو اُن کی تلاش کر۔ حدیث ہے کہ ''قلم لکھ کر خشک ہو گیا ہے ہر اُس چیز کو جو ہونے والی ہے'' صحابہ رضی اللہ عنہم نے سوال کیا تو پھر عمل کس بات کے لئے ہے؟ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر انسان کو اُس چیز کی سہولت دے دی گئی ہے جس کے لئے وہ پیدا ہوا ہے۔ اگر وہ سعادت اور جنت کے لئے پیدا کیا گیا ہے تو اُس سے سعادت اور جنت کے اعمال سرزد ہوں گے اور اگر شقاوت کے لئے پیدا کیا گیا ہے تو اُس سے شقاوت اور جہنم کے اعمال سرزد ہوں گے۔ قلم نے یہ لکھ دیا ہے کہ اگر تُو کجی اختیار کرے گا تو نتیجہ کجی ہوگا اور اگر سچائی اختیار کرے گا تو اُس سے سعادت پیدا ہوگی۔ اُس نے لکھ دیا کہ ظلم کا نتیجہ بدبختی ہے، عدل کا نتیجہ راحت ہے، چوری کا نتیجہ ہاتھ کٹنا ہے، شراب پینے کا اثر مَستی ہے۔ ''قلم لکھ کر خشک ہو گیا'' کے اگر یہ معنٰی لیں کہ اللہ نے ازل میں سب کچھ لکھ دیا ہے اور اب اُس کی قدرت کے تحت کچھ نہیں ہے تو گویا اب خدا، خدائی سے معزول ہو گیا ہے اور اللہ فرماتا ہے کہ اے بندے: اب تُو میرے پاس نہ آ۔ اب کام میرے قابو سے باہر ہے لیکن اِس کے حقیقی معنٰی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ لکھ چکا ہے کہ انصاف اور ظلم یکساں نہیں ہیں اور میں نے خیر اور شر میں، بد اور بدترین میں فرق کر دیا ہے۔ اگر تجھ میں تیرے دوست کے مقابلے میں ایک ذرہ بھی نیکی زیادہ ہے تو اِس کو خدا جانتا ہے اور وہ اُس ذرّے کا بدلہ دے گا جو پہاڑ سے بھی بڑا ہوگا۔

جس بادشاہ کے دربار میں امین اور خائن میں فرق نہ ہو اور ڈرنے والے مودب اور گستاخ میں فرق نہ ہو اُس بادشاہ

گر قضا پوشد سیہ ہمچوں شبت
اگر قضا سیاہ بن کر تجھے رات کی طرح ڈھانپ لے

ہم قضا دستت بگیرد عاقبت
بالآخر قضا ہی تیری دستگیری کرے گی

کے سر پر خاک۔ حقیقی باری تعالیٰ تو وہی ہے جس کے ترازو میں ایک ایک ذرّہ تولا جائے۔ یہ دنیا کے شاہوں کا طریقہ ہے کہ کسی کی عمر بھر کی اطاعت کوئی چغل خور لمحوں میں برباد کرا دیتا ہے۔ خدا کے دربار میں کوئی چغل خوری نہیں کر سکتا۔ وہاں سے مایوس ہو کر چغل خور شیطان ہمیں اپنے ربّ کے ظلم کے قصے سُنا کر بہکاتے ہیں کہ سب کچھ پہلے سے لکھ دیا گیا ہے اس لئے اب اُس کی وفاداری کیوں کرتے ہو۔ ایسا نہیں ہے۔ وہاں جفا کا بدلہ جفا ہے اور وفا کا بدلہ وفا ہے۔ ایک شبہ ضرور پیدا ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ گنہگاروں کو بھی معاف کر دے گا تو پھر تو اطاعت اور نافرمانی یکساں ہو گئی۔ یاد رکھو! اُن کی معافی تو ضرور ہو جائے گی مگر وہ انعامات تو حاصل نہ ہوں گے جو نیکوکاروں کے لئے مخصوص ہیں۔ بادشاہ کا اپنا بیٹا اگر اُس کا خائن ہو تو گردن زدنی ہے اور اگر معمولی غلام وفاداری کرتا ہے تو خوش نصیب ہوتا ہے۔ غلام تو درکنار کتا بھی اگر وفاداری کرتا ہے تو آقا کے دل میں اُس کے لئے سینکڑوں خوشنودیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ بعض اوقات بعض لوگوں پر خصوصی رحمت بھی کر دیتا ہے۔ حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ ڈاکو تھے لیکن تائب ہو گئے اور بڑے ولی اللہ بنے۔ اسی طرح فرعون کے جادوگر توبہ کے بعد کامل بن گئے۔ اُنہوں نے اللہ کی محبت میں ہاتھ پاؤں کٹوا دیئے۔ ایسا مقام پچاس سالہ عبادت کے بعد بھی نہیں ملتا۔

عمید خراسانی کے غلام

جس طرح دنیاوی بادشاہوں کے سب غلام برابر نہیں ہوتے اسی طرح اللہ کے سب غلام بھی یکساں نہیں۔ اخلاص کے اعتبار سے اُن میں بہت فرق ہوتا ہے۔ ایک منہ پھٹ فقیر نے عمید خراسانی کے غلاموں کو ہرات میں دیکھا کہ نہایت قیمتی لباس اور زیورات میں ملبوس ہیں۔ درویش اگرچہ اہلُ اللہ میں سے تھا۔ اُس نے اپنی غریبی کو دیکھتے ہوئے اللہ کے تقرب کے بھروسے پر کہا کہ اے خدا! تُو ہمارے شہر کے رئیس عمید سے غلاموں کو رکھنا کیوں نہیں سیکھ لیتا۔ بعض مقربانِ بارگاہ خصوصی رحم و کرم کی بنا پر ایسی گستاخیاں بھی کر بیٹھتے ہیں لیکن عوام کیلئے ایسی بات کرنا مناسب نہیں ہے۔ اللہ نے اُس درویش کو اُس وقت جواب نہ دیا لیکن جب عمید پر بادشاہ کا عتاب نازل ہوا تو اُس کے غلام اِس قدر وفادار ثابت ہوئے کہ عمید کا کوئی راز نہ کھولا۔ اب اللہ کی جانب سے درویش کو جواب ملا کہ اللہ، عمید سے غلام پروری کیا سیکھے گا تُو عمید کے غلاموں سے بندگی سیکھ لے۔

انسان کے جیسے اعمال ہوتے ہیں ویسے ہی نتائج نکلتے ہیں۔ قرآن میں ہے کہ "سُنّتِ الٰہی میں تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ ہر احسان کا بدلہ احسان ہے"۔ اولیاء رحمہم اللہ کے بارے میں قرآن میں ہے "جو اللہ کے دوست ہوتے ہیں اُن پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے"۔ اِس آیت کے خلاف سزا کا حکم شیطان صفت کے لئے ہے۔ جب انسان اطاعت

گر قضا صد بار قصدِ جاں کُند　　ہم قضا جانت دہد درماں کُند
اگر قضا سَو بار تیری جان لینا چاہے　　قضا ہی تیری جان بخشی کرے گی، تیرا علاج کرے گی

سے ملکوتی بن جاتا ہے تو اُس کے لئے راحت ہی ہے۔ اطاعت کرتب تجھے جبرِ محمود کا پتہ چلے گا اور معلوم ہوگا کہ تجھے اختیارِ خداوندی حاصل ہے اور تیرا ہر عمل اختیارِ خداوندی سے صادر ہوتا ہے۔ جبرِ محمود بڑی قیمتی چیز ہے جو عاشقوں کے سے نیاز پیدا کرنے والوں کو میسر آتا ہے۔

تُو اپنی لچھے دار تقریروں پر ناز کرتا ہے جو معانی سے بالکل خالی ہیں اور تُو اپنی تقریروں سے خریدار ڈھونڈتا ہے۔ یہ تیری تقریریں سننے والے تیرے لحاظ سے جھوم رہے ہیں اور تُو ان کے جھومنے کے عشق میں عمر برباد کر رہا ہے۔ عوام میں تقریریں کر کے واہ واہ کروانا مٹی کے ڈھیلے پر نقش و نگار کرنا ہے جو قائم نہیں رہ سکتے۔ اپنی اِصلاح کر اور اپنے آپ کو عشق کی تعلیم دے، یہی باقی رہنے والی چیز ہے۔ دوسروں کو وعظ و تلقین سے اپنی اِصلاح بہتر ہے۔ ایسے بزرگ کہ جن کا اتصال دریائے وحدت سے ہوگیا ہے وہ تعلیم دیں تو کچھ مضائقہ نہیں ہے۔ تُو تقریروں کو چھوڑ اور اپنی فکر کر۔ تیری تقریریں سُن کر جھومنے والے تیرے عاشق نہیں تیرے حقیقی عاشق وہ ہیں جو تیری اِصلاح کی دُعائیں کرتے ہیں۔ تُو اپنے درد کے وقت کو یاد رکھ، جس طرح ایاز نے اپنی پوستین اور چپل کو رکھا ہوا تھا۔ جب تک عشقِ خداوندی حاصل نہیں ہوتا انسان کی زبان بہت چلتی ہے۔

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ
عشقِ حقیقی "یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے وہ جس کو چاہے عطا کر دیتا ہے"

مختلف فرقوں کی بحثیں قیامت تک ختم نہ ہوں گی کیونکہ دنیا میں بہتر فرقے باقی رہنے ہیں۔ ہر فرقے کو اُس کے دلائل عطا کر دیئے گئے ہیں کہ مخالف سے عاجز نہ آجائے۔ دنیا میں تاریکی زیادہ ہے۔ لوگ باطل دلیلوں سے حق کو پوشیدہ کر دیتے ہیں۔ جتنا کوئی قیمتی خزانہ ہوتا ہے اتنے ہی اُس پر قفل زیادہ ہوتے ہیں۔ اِسی لئے حق مذہب جو قیمتی چیز ہے اُس پر باطل ملتوں کے قُفل لگے ہوئے ہیں۔ مقصد جس قدر عزیز ہوگا اِسی قدر اُس تک پہنچنے کا راستہ پیچ در پیچ ہوگا اور راہزن کا خوف ہوگا۔ کعبہ کا دُور گوشے میں ہونا، بدوؤں کی راہزنی اور صحرا کا طول، کعبہ کے باعزت ہونے کی دلیل ہے۔

باطل فرقوں کی روش صحیح راستہ کی روش کے مخالف ہے۔ اِسی وجہ سے تقلید کرنے والا حیران ہو جاتا ہے کہ کس راستے کو اختیار کرے۔ وَساوس کو دُور کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ راہِ عشق اختیار کر لے اور اِس راستہ کے کسی راہبر کو تلاش کر لے۔ عقل وساوس کو دُور نہیں کر سکتی۔ عقلِ معاش سے صرف دنیوی روزی حاصل ہوتی ہے لیکن عقلِ معاد جو عشق کی

گر قضا صد بار قصدِ جاں کُند
اگر قضا سو بار تیری جان لینا چاہے

ہم قضا جانت دہد درماں کُند
قضا ہی تیری جان بخشی کرے گی تیرا علاج کرے گی

پیداوار ہے آسمانوں کو بھی اپنا فرش بنالیتی ہے۔ عقلِ معاد نیکی کراتی ہے جس کا ثواب دس گنا سے سات سوگنا تک ہے۔ حدیث میں ہے مَنْ عَرَفَ رَبَّہٗ کُلَّ لِسَانُہٗ "جس شخص نے خدا کو پہچان لیا اُس کی زبان بند ہوگئی"۔ عشق ایسی حیرت پیدا کر دیتا ہے جس سے گویائی عاجز آجاتی ہے۔ عاشق ڈرتا ہے کہ اگر وہ زبان کھولے گا تو اُس کا راز ظاہر ہو جائے گا۔ آنحضور ﷺ جو کچھ فرماتے صحابہ رضی اللہ عنہم خاموشی سے سُنتے اور اس طرح بیٹھے رہتے کہ اُن کے سروں پر جیسے کوئی پرندہ بیٹھا ہو جو ہلنے سے اُڑ جائے گا۔ جس طرح سر پر بیٹھا پرندہ باتیں کرنے سے روکتا ہے اسی طرح مقامِ حیرت بھی روکتا ہے۔ جب سالک اُس مقام پر پہنچتا ہے تو اُس کی زبان بند ہو جاتی ہے لیکن دل میں جوش و خروش ہوتا ہے۔

بادشاہ کا ایاز سے پُوچھنا، تُو پوستین اور چپّل سے کیوں باتیں کرتا ہے؟

ایاز چپکے چپکے اپنی پوستین اور چپل سے باتیں کیا کرتا تھا۔ محمود نے ایاز سے پوچھا کہ تُو اپنی پوستین اور چپل پر کیوں عاشق ہے؟ جس طرح مجنوں نے لیلیٰ کو اپنا دین و مذہب بنا لیا تھا تُو نے چپل کو بنالیا ہے۔ جیسے عرب شعرا اپنی محبوبہ کی منزل اور اُس کے پڑاؤ کے ٹیلوں کا بہت ذکر کرتے ہیں اور جیسے نصاریٰ اپنے پیشواؤں کے سامنے اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہیں اور اُن کے معاف کر دینے کو خدا کا معاف کرنا سمجھتے ہیں۔ اُن کا عشق اور اعتقاد اُن سے یہ سب کچھ کراتا ہے۔ عاشق اپنے درد کے سینکڑوں راز محبوب کی تصویر سے اس طرح بیان کرتا ہے جیسے کوئی دوست اپنے دوست سے بیان کر رہا ہو۔ اگر کسی عورت کا بچہ مر جائے تو وہ اُس کی قبر سے باتیں کرتی ہے۔ وہ اُسے زندہ دیکھتی ہے۔ یہ عشق کی جادوگری ہے کہ وہ یہ سمجھتی ہے کہ یہ باتیں بچہ سُن رہا ہے۔ وہ قبر سے اس طرح چمٹتی ہے کہ بچے سے بھی زندگی میں کبھی نہ چمٹی ہوگی۔ یہ اُس عشق کی کیفیت ہے جو مُردے سے ہو۔ ایسا عشق وقت گزرنے کے ساتھ ٹھنڈا ہو جاتا ہے لیکن خدا کے عشق کی آگ کبھی ٹھنڈی نہیں ہوتی۔ جس کو یہ عشق حاصل ہو جاتا ہے اُس کے کشف کی یہ حالت ہوتی ہے کہ دونوں جہاں اُس کے سامنے ہوتے ہیں۔

پیر وہ ہوتا ہے جسے حقائق کا علم ہو جائے۔ پیر سے مراد کوئی سفید داڑھی والا نہیں بلکہ عشق ہے جس سے فراق کی حالت میں بھی معشوق کی صورتیں دکھائی دیتی ہیں۔ پہلے پہل سالک صورتوں سے دوچار ہوتا ہے پھر ذاتِ باری کا مُشاہدہ ہو جاتا ہے۔ جب وہ مُشاہدہ حاصل ہوتا ہے تو ذات کہتی ہے کہ اصل میں ہوں اور صورتوں میں تو میرا عکس پڑ گیا ہے۔ یہ حالت وہ ہوتی ہے جو حدیثِ شریف میں بیان ہوئی ہے۔ "احسان یہ ہے کہ تُو عبادت اس طرح سے کر کہ گویا تو ذات کا مُشاہدہ کر رہا ہے۔ ورنہ وہ تو تجھے دیکھتا ہی ہے" اگر تُو باقی نہ رہا بلکہ فانی بن گیا تو اُس ذات کو دیکھے گا۔ پردہ اگر

گفت حق نے بلکہ لا انساب شُد | زُہد و تقویٰ فضل را محراب شُد
اللہ تعالیٰ نے فرمایا نہیں بلکہ دنیاوی نسبت کچھ نہیں فیصلہ | پرہیزگاری اور تقویٰ بزرگی کا مقام بن گیا ہے

ہے تو تیری اپنی ذات کا ہے۔ ہر عبادت کے ابتدائی مراحل بھی جذب وکشش باری تعالیٰ سے ہیں لیکن اُس جذب و کشش کو عابد سمجھتا نہیں ہے۔ جذب وکشش کے مخفی ہونے کی مثال یہ ہے کہ جس پتھر سے چشمہ جاری ہوتا ہے اور پتھر پانی میں ڈوب جاتا ہے تو نگاہوں سے اوجھل ہو جاتا ہے۔ اب لوگ اُس کو پتھر نہیں بلکہ چشمہ کہتے ہیں۔ اِسی طرح صورتیں مُشاہدہ میں ڈوب جاتی ہیں۔

رشتہ داروں کا مجنُوں کو کہنا کہ لیلیٰ کچھ خوبصورت نہیں ہے اور اُس کا جواب

کچھ بیوقوفوں نے مجنوں کو ملامت کرنی شروع کر دی کہ لیلیٰ کا معمولی حُسن ہے۔ تُو اُس پر فریفتہ کیوں ہے؟ دوسرے معشوق لیلیٰ سے حُسن میں بڑھے ہوئے ہیں۔ تُو دوسرے قبیلے کی لڑکی پر عاشق ہو گیا ہے، جس کی وجہ سے ہمارا خاندان بدنام ہو گیا ہے۔ مجنوں نے جواب دیا کہ لیلیٰ کی صورت تو ایک پیالہ ہے اور اُس سے خدا اپنی شراب مجھے پلا رہا ہے۔ اُسی پیالے سے تمہیں سرکہ میسر آ رہا ہے تاکہ تمہیں اُس کے عشق کی فضیلت حاصل نہ ہو۔ یہ عجائباتِ قدرت میں سے ہے کہ وہ ایک ہی پیالے سے کسی کو زہر اور کسی کو شہد پلاتی ہے۔ تم لوگوں کو صرف صورت اور کوزہ نظر آ رہا ہے کیونکہ تمہاری نظریں صحیح نہیں ہیں اِس لئے تمہیں وہ شراب نظر نہیں آ رہی۔ قرآن میں ہے ''وہ حوریں بجز شوہروں کے کسی دوسرے کی طرف نگاہ بھر کر بھی نہیں دیکھتیں''۔ یہی حال عشق کا ہے وہ صرف اہل کی طرف توجہ کرتا ہے۔ ایک ہی چیز کسی شخص کے اعتبار سے مُفید ہے اور کسی کے اعتبار سے مُضر ہے۔ دریا بطخ کے لئے ذریعہ حیات اور کوے کے لئے موت ہے۔ کسی نعمت کا صحیح استعمال جنت کا سبب اور غلط استعمال دوزخ کا سبب ہے۔

اِس دنیا کا ہر جسم اور چیز ایک پیالہ ہے۔ جس کا ظاہر کھلا ہے اور باطن میں نعمت ہے۔ اُس کا نتیجہ صرف استعمال کرنے والا سمجھے گا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی صورت ایک جام تھی جس سے حضرت یعقوب علیہ السلام مست کرنے والی شراب پیتے تھے اور بھائی زہر کا گھونٹ پیتے تھے۔ زلیخا کو جو شراب ملی وہ اُس شراب کے علاوہ تھی جو حضرت یعقوب علیہ السلام کو ملی۔ پیالے کی شراب نامحرموں سے پوشیدہ ہے۔ اے اللہ! تُو مخفی ہے اور ایک راز ہے لیکن ہمارے راز تجھ سے چُھپے ہوئے نہیں ہیں۔ اسی لئے حدیث میں ہے کہ ''اللہ کی نعمتوں پر غور کیا کرو اُس کی ذات میں غور نہ کیا کرو''۔ جس طرح جان یا رُوح مخفی ہے لیکن ہاتھ پاؤں اور اعضاء کے لئے متحرک ہے، یہی صورت حق تعالیٰ اور کائنات کی ہے۔ جس طرح مسکراہٹ خوشی کو ظاہر کرتی ہے اسی طرح ہم سب حق تعالیٰ کی شان کے مظاہر ہیں۔ ہماری حرکات حق تعالیٰ کے وجود کی

ایں نہ میراثِ جہانِ فانی ست
یہ فانی دُنیا کی وراثت نہیں ہے

کہ بہ انسابش بیابی، جانی ست
جس کو تُو نسب کی بُنیاد پر حاصل کر لے، بلکہ رُوحانی وراثت ہے

گواہ ہیں۔ حق تعالیٰ کی ذات وہم و قیاس سے بالاتر ہے۔ اِس لئے اُس کی کوئی مثال اُس کے مطابق نہیں ہے۔ حق تعالیٰ کے لئے مثالوں کی یہی حقیقت ہے۔ جس طرح گڈریے نے اُس کی ذات کی تعبیر کی تھی۔ اُس کی تعبیرات اگرچہ غلط تھیں لیکن اللہ تعالیٰ سے اُس کا عشق بے مثال تھا۔ عشق کا اثر اُس کے دل پر تھا لیکن تیرے صرف کان پر ہے۔ کسی چیز کا دل پر اور کسی دوسرے عضو پر اثر میں بہت بڑا فرق ہے۔

جوحی کے قصے کی مثال، جس کا تعلق اِسی بات سے ہے

جوحی ایک افسانوی شخصیت ہے۔ جس سے شیخ چلی کی طرح کے پُر مذاق قصے منسوب ہیں۔ ایک واعظ بہت جوش و خروش سے تقریر کر رہا تھا۔ بہت سے مرد اور عورتیں وعظ سُن رہے تھے۔ جوحی چادر اوڑھ کر عورتوں میں بیٹھ گیا۔ ایک شخص نے واعظ سے سوال کیا کہ زیرِ ناف بال کتنے بڑھ جائیں تو اُن کو مونڈ دینا چاہیے۔ اُس نے جواب دیا کہ ایک جَو کی لمبائی کے برابر ہوں تو صاف کر دینے چاہئیں۔ جوحی کے آگے ایک عورت بیٹھی تھی جس نے اپنے ہوش کو واعظ کے وعظ سے وابستہ کیا ہوا تھا۔ جوحی نے عورت سے کہا: اے بہن! ذرا دیکھ میرے زیرِ ناف بال مونڈنے کے لائق ہیں یا نہیں۔ عورت نے جوحی کی شلوار کے اندر ہاتھ ڈالا اور چیخ پڑی۔ واعظ نے فوراً کہا: دیکھو! میرے وعظ کا اِس خاتون کے دل پر کیسا اثر ہوا ہے۔ اِسی لئے اُس نے نعرہ مارا ہے۔ اُس نے مردوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ تم لوگ اِس عورت سے نصیحت حاصل کرو۔ جوحی نے دل میں کہا: اس کے دل پر نہیں ہاتھ پر اثر ہوا ہے اس لئے کہ اس کا ہاتھ شرمگاہ پر لگا ہے۔

فرعون کے جادوگروں کے دل پر اثر ہوا تھا تو عشقِ الٰہی میں اُن کے لئے ہاتھ پاؤں کا کٹنا ایسا ہی تھا جیسا کسی لکڑی کا کٹنا۔ جادوگروں نے کہا تھا: ہمیں معلوم ہو چکا ہے کہ اصل زندگی جسم کی نہیں ہے بلکہ رُوح کی ہے۔ حدیث ہے ''جس نے اپنی حقیقت سمجھ لی اُس نے خدا کو پہچان لیا''۔ جو شخص اپنی حقیقت کو نہیں سمجھا وہ بچہ ہے۔ اگر مرد ہونا داڑھی اور خصیہ کی وجہ سے ہو تو یہ چیزیں تو بکرے کی بھی ہوتی ہیں۔ بکرے میں عقل کچی ہے اس لئے ذبح کے لئے جاتے وقت وہ بکریوں کا پیشوا بن جاتا ہے۔ خام پیر بھی داڑھی میں کنگھا کر کے کہتا ہے کہ میں پیر ہوں اور پیشوا ہوں۔ ہاں تُو پیشوا ہے مگر بکرے کی طرح کا۔ اِس لئے سیدھے راستے کی روش اختیار کر، بڑی سفید داڑھی پر گھمنڈ نہ کر۔ سیدھے راستے پر چل کر خوشبو کی طرح عاشقوں کے لئے باغ کا رہنما بن جا۔ خوشبو سے میری مراد عقل مندی کی باتیں ہیں۔ یاد رکھ! دین اخلاص ہی کا نام ہے۔ سلطان محمود نے ایاز سے پوچھا: چپل اور پوستین سے تیری اتنی نیاز مندی کیوں ہے؟ تیرے غلام

مالِ میراثے ندارد خود وفا
وراثت میں پایا ہوا مال وفادار نہیں ہوتا

چُوں بنا کام از گذشتہ شُد جُدا
اگر وفادار ہوتا تو مرنے والے سے جدا کیوں ہوتا

ہونے نے غلامی کو منور کر دیا ہے۔ تیرے وجود سے تو آزاد لوگ بھی تیرے جیسی غلامی کی حسرت رکھتے ہیں۔ اسی طرح مومن وہ ہوتا ہے کہ جس کے ایمان کو دیکھ کر کافر حسرت کرے جیسا کہ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کا تھا نہ کہ اُس کا سا ایمان ہو جو لوگوں کو ایمان لانے سے روکے جیسا کہ مؤذن کا تھا۔

وہ کافر جسے مُسلمانوں نے مُسلمان ہونے کے لئے کہا

مسلمان نے کافر سے کہا کہ تو مسلمان ہو جا تاکہ تجھے نجات حاصل ہو جائے۔ کافر نے کہا کہ اگر ایمان وہ ہوتا ہے جو بایزید رحمۃ اللہ علیہ رکھتے ہیں تو مجھ میں اُس کی طاقت نہیں ہے کیونکہ وہ انسان کی طاقت سے بالاتر ہے۔ اگرچہ میں اسلام اور ایمان کا قائل نہیں ہوں لیکن اُن کے ایمان کا قائل ہوں اور اُس پر میرا ایمان ہے۔ میرا یقین ہے کہ بایزید رحمۃ اللہ علیہ سب سے بڑھ کر ہیں اور میرا اُن کے ایمان پر ایمان ہے لیکن زبان سے ظاہر نہیں کر سکتا ہوں اور اگر ایمان سے مراد تمہارے والا ایمان ہے تو مجھے نہ ایسے ایمان کی خواہش ہے اور نہ اُس طرف میرا میلان ہے۔ تم تو ایسے مومن ہو کہ اگر کسی میں ایمان کی خواہش موجود بھی ہو تو تمہیں دیکھ کر سُست پڑ جائے گی اس لئے کہ تمہارا ایمان تو برائے نام ہے۔ بہت سے مومن ایسے بھی ہوتے ہیں کہ اُن کو دیکھ کر کافر ایمان لانے کا ارادہ ترک کر دیں۔

بھدی آواز والا مُؤذّن، جسے اذان دینے پر کافر نے بہت سے تحفے دیئے

ایک مؤذن کی آواز بہت بُری تھی۔ لوگ اُس کی آواز کی کرختگی سے بہت بیزار تھے۔ وہ اپنے آپ کو بہت خوش الحان سمجھتا تھا' اس لئے رات بھر اونچی آواز میں مناجات اور ذکر کرتا۔ لوگوں نے چندہ جمع کیا اور کہا کہ آپ کی اس محلے پر مہربانیوں کی وجہ سے ہم سو نہیں سکتے۔ آپ یہ رقم لے لیں اس سے آپ حج کے لئے روانہ ہو جائیں اور وہاں جا کر ہمارے لئے دُعائیں کرنا۔ حاجیوں کے قافلے کے ساتھ وہ جا رہا تھا کہ اُن کا گزر ایسے راستے سے ہوا جو کافروں کا علاقہ تھا۔ اُس نے حسبِ عادت اذان دینی شروع کی۔ ساتھیوں نے روکا کہ کہیں یہ کافر دنگا فساد نہ کر دیں لیکن وہ نہ مانا اور اُس نے اذان دے دی۔ اُنہوں نے دیکھا کہ ایک کافر تحفہ میں کپڑے وغیرہ لئے آ رہا ہے۔ وہ اُس مؤذن کو پوچھ رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ مؤذن کی اذان نے ہمیں بہت راحت پہنچائی ہے۔ میری ایک بہت خوبصورت لڑکی ہے جو اسلام لانے پر آمادہ ہے۔ ہم نے اُسے بہت سمجھایا لیکن وہ اپنے ارادے سے باز نہ آئی اور روز بروز اپنے ارادے میں پختہ ہوتی جا رہی تھی۔ ہم لاچار ہو گئے کہ اس مؤذن نے اذان دی۔ لڑکی نے دریافت کیا کہ یہ بھیانک آواز کیسی ہے؟ اُس کی بہن نے اُسے بتایا کہ یہ مسلمانوں کی اذان کی آواز ہے۔ اُس نے

کو بکدُ ورنج و کبش کم شافت کیونکہ اُسکے حصول کیلئے اُس نے کچھ محنت مشقت نہیں کی	**اُو نداند قدر ہم کآساں بیافت** وارث آسانی سے پالیتا ہے اسلئے قدر نہیں کرتا

دوسروں سے بھی پوچھا تو انہوں نے بھی اِس بات کی تصدیق کر دی۔ اُسے یقین ہوگیا تو وہ مایوس ہوگئی اور اُس کا اسلام لانے کا ارادہ ٹھنڈا پڑ گیا۔ اب اُس کا دل ایمان سے برگشتہ ہوگیا۔ میری مصیبت ختم ہوگئی ہے اِس لئے میں مؤذن کے لئے یہ تحفے لایا ہوں۔ اُس نے مؤذن سے کہا کہ تُو نجات دہندہ ہے۔ میں زیادہ مالدار نہیں ہوں ورنہ تمہارا منہ سونے سے بھر دیتا۔

کافر نے مسلمان سے کہا کہ تمہارا ایمان بھی مؤذن کی طرح انسان کو ایمان سے روکنے والا ہے۔ کافر نے کہا بایزید رحمۃ اللہ علیہ کے ایمان اور سچائی کو دیکھ کر مجھے بھی حیرت ہوتی ہے کہ کاش ایسا ایمان مجھے میسر آتا کیونکہ بایزید رحمۃ اللہ علیہ نے ایمان کا حق ادا کر دیا ہے۔ اُن کے ایمان کی کیفیت تو یہ ہے کہ اگر اُس کا ایک قطرہ سمندر میں ڈالیں تو وہ سمندر کو ڈبو دے۔ جس طرح آگ کا ایک ذرہ جنگلوں پر حاوی ہو جاتا ہے اور جلا کر راکھ کر دیتا ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خدائی تائید سے کافروں کو مٹا کر رکھ دیا۔ شیخ بایزید رحمۃ اللہ علیہ کا مقام ان مثالوں سے بھی بلند تھا۔ اُن کی جان روشن کرنے والا نور ہے اور وہ حقیر مٹی کا ایک جسم رکھتا ہے۔ ہم حیران ہیں کہ شیخ جسم کو کہیں یا رُوح کو۔ شیخ اگر جسم ہے تو رُوح کیا ہے؟ اُسے ہم کیا کہیں؟

ایک بیوی نے گوشت خود کھا کر بلّی کا نام لگا دیا اور شوہر کا بلّی کو تول کر حق کو ثابت کرنا

جس طرح شیخ کے بارے میں حیرانی ہے کہ اگر وہ جسم ہے تو رُوح کو کیا کہیں اور اگر رُوح ہے تو جسم کو کیا کہیں۔ اِسی طرح شوہر کو حیرانی تھی جو مہمانوں کے کھانے کے لئے گوشت لایا اور پکانے کے لئے بیوی کو دیا۔ بیوی بہت چالاک نخرے باز تھی۔ وہ جو کچھ گھر میں لاتا برباد کر دیتی۔ شوہر برداشت کر کر کے عاجز آ گیا۔ بیوی نے گوشت بھون کر کھا لیا۔ شوہر نے پوچھا کہ گوشت کہاں ہے؟ مہمان کے لئے لاؤ۔ بیوی بولی کہ وہ تو بلی کھا گئی۔ اگر چاہیے تو اور لے آؤ۔ وہ نوکر سے بولا کہ ترازو لاؤ میں بلی کا وزن کروں گا۔ بلی کو تولا تو وہ آدھا سیر تھی۔ شوہر بولا: اے حیلہ گر عورت! میں آدھ سیر گوشت لایا تھا۔ بلی آدھا سیر ہے اور اگر گوشت اِس نے کھایا ہے تو بلی کہاں ہے؟ اگر یہ گوشت ہے تو بلی بتاؤ کہ کہاں ہے اور اگر یہ بلی ہے تو گوشت کہاں ہے؟

بایزید رحمۃ اللہ علیہ کو اگر جسم قرار دیں تو رُوح کو کیا کہیں اور اگر رُوح کو بایزید رحمۃ اللہ علیہ کہیں تو جسم کو کیا کہیں۔ یقیناً جسم اور رُوح کے مجموعے کو بایزید رحمۃ اللہ علیہ کہیں گے۔ رُوح کو دانہ سمجھو اور جسم کو بھوسہ۔ اللہ نے رُوح اور جسم کو باہمی حکمت کے لئے ملا دیا ہے۔ رُوح جسم کے بغیر بے کار ہے اور جسم رُوح کے بغیر مردہ۔ رُوح مغز اور جسم چھلکے کی طرح ہے۔ انسان کو

رُوح حاصل کرنی چاہیے۔ جسم ظاہر ہے اور رُوح باطن، دونوں ہی سے دنیا کا نظام چل رہا ہے۔ مقصد باہمی آمیزش ہی سے حاصل ہو سکتا ہے۔ صرف خاک سر نہیں پھوڑے گی۔ اُس میں پانی کی آمیزش کر کے ڈھیلا بنایا جا سکتا ہے جو سر پھوڑ سکتا ہے۔ رُوح نے جسم سے جدا ہو جانا ہے۔ قرآن میں ہے "بے شک جُدائی کا دن مقرر ہے"۔ رُوح اور جسم کا باہمی جوڑ نیاز مندوں اور سرکشوں کا امتیاز کرنے کے لئے بنایا گیا ہے۔ لیکن عالمِ آخرت میں رُوح کا جو جوڑ لگے گا وہ نہ کان نے سُنا اور نہ آنکھ نے دیکھا۔ اگر کان اُس کی حقیقت کو سُن لے تو فنا ہو جائے جیسے برف سورج کی گرمی سے فنا ہو جاتی ہے۔ برف سے درخت جل جاتے ہیں لیکن وہ پانی بنتی ہے تو درختوں کی پرورش ہوتی ہے۔ برف کو بھی بیکار مت سمجھو اُس کا ٹھنڈا کیا ہوا پانی جگر میں تازگی پیدا کر دیتا ہے۔

ایک امیر جو شراب کا دِلدادہ تھا اور زاہد جو عیش پرستی سے روکتا تھا

اِس حکایت میں یہ بتانا مقصود ہے کہ مختلف پرہیزگاروں کی پرہیزگاری میں بھی بڑا فرق ہوتا ہے۔ ایک امیر شراب کا بہت دِلدادہ تھا اور غریبوں کا مہربان، سخی اور دریا دل تھا۔ لوگوں پر خوب خرچ کیا کرتا تھا۔ یہ واقعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے کا ہے جب زمانہ پیار و محبت سے لبریز تھا۔ اچانک امیر کے ہاں ایک مہمان آ گیا جو اُسی جیسا امیر اور دین دار تھا۔ وہ لوگ بہت دین دار تھے اور شراب استعمال کر لیتے تھے کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دور میں شراب حلال تھی۔ اُن کے پاس شراب کم تھی تو اُس نے نوکر کو ایک راہب سے شراب خرید کرلانے کے لئے بھیجا کہ اُس زاہد کی شراب میں ایک مخفی سرمایہ ہے۔ جس طرح عبا میں سلطانی چھپی ہوئی ہو۔ فقراء کی گدڑی کو حقارت سے نہ دیکھنا چاہیے اُن کی گدڑی میں وہ سلطانی ہوتی ہے جو شاہوں کو بھی نصیب نہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کی رُوح چونکہ جسم کی مٹی میں تھی تو وہ مٹی شیطان کی آنکھ کا پردہ بن گئی۔ اُس کی نظر صرف مٹی پر پڑی۔

ملازم زاہد سے عمدہ قسم کی شراب خرید کر لے آیا۔ وہ شراب جو بادشاہوں کو مست بنا دیتی ہے' ساقی کے لئے نعمت بن جاتی ہے۔ شاہ اُسے انعام سے نوازتا ہے۔ شراب شور و شر پیدا کرتی ہے اور آقا و غلام کا فرق مٹا دیتی ہے۔ ہوش کے وقت بعض آدمیوں میں ایسا بَیر ہوتا ہے جیسا تیل اور پانی میں مگر مستی کے وقت سب یک جان ہو جاتے ہیں' جس طرح ہریسہ میں گندم اور گوشت۔ راستے میں اُسے ایک زاہد ملا جو مجاہدات کر کر کے اپنے دماغ کو خشک کئے ہوئے تھا۔ اُس کا جسم عشقِ الٰہی کی آگ میں پگھل گیا تھا۔ مجاہدوں سے اُس کا صبر اور بُردباری ختم ہو چکی تھی۔ زاہد نے غلام سے

هر چه آساں یافتی آساں دہی
جو چیز تو آسانی سے پاتا ہے آسانی سے دیتا ہے

دردِ مشکل یاب را بر جاں نہی
مشکل سے حاصل ہونے والی چیز کی انسان قدر کرتا ہے

پوچھا: صراحی میں کیا ہے؟ نوکر نے جواب دیا: شراب ہے جو فلاں سردار نے منگوائی ہے۔ زاہد نے کہا: کیا طالبِ حق کے یہ کام ہوتے ہیں؟ اُن کو تو ہمیشہ نا و نوش سے بچنا چاہیے۔ انسان تو بغیر شراب کے بھی غافل ہے حالانکہ اُسے اللہ کی یاد کے لئے ہوش درکار ہے تو پھر نشہ میں کیا ہوش رہ سکتا ہے۔ نشہ کی حالت میں انسان ایسے پھنسا ہوا ہوتا ہے جیسے پرندہ جال میں۔ انسان خود ہی مدہوش ہے تو شراب پی کر تو اور بے حال ہو جائے گا۔

ضیا بلخی اور اُن کے بھائی شیخ الاسلام تاجِ بلخ

ضیاء بلخی جو کہ شیخ الاسلام تاجِ بلخ کے بھائی تھے بہت خوش مزاج تھے۔ شیخ الاسلام تاجِ بلخ بالکل پستہ قد تھے لیکن بہت بڑے عالم دین تھے۔ ضیاء بلخی ہمیشہ انہیں اپنی خوش طبعی کا نشانہ بناتے تھے۔ ایک دفعہ ایک مجلس میں ضیاء بلخی اندر آئے۔ درس قاضیوں اور منتخب لوگوں سے بھرا ہوا تھا۔ شیخ الاسلام نے غرور کے تحت بھائی کے لئے آدھا قیام کیا۔ ضیاء بلخی فوراً بولے چونکہ آپ بہت لمبے ہیں تو نذرانے وصول کرنے کے لئے اپنے لمبے قد سے آدھا جھکے ہیں۔ یہ ان کے چھوٹے قد پر ایک عمدہ طنز تھا۔

زاھد اور غُلام کی حکایت کی طرف واپسی

زاہد نے کہا اگر چہرہ حسین ہو تو نظرِ بد سے بچانے کے لئے ماتھے پر کالا داغ لگاتے ہیں۔ اگر کوئی پہلے ہی بدصورت ہو تو اُسے داغ لگانے کی کیا ضرورت ہے۔ شراب اگر چہ عوام کو تقویت حاصل کرنے کے لئے حلال ہے لیکن پرہیزگاروں کے لئے تو جائز نہیں۔ عاشق تو شراب کی بجائے خونِ دل پیتے ہیں اور ہمیشہ منزل کی فکر میں لگے رہتے ہیں۔ اُن کو عیش پرستی کی فرصت کہاں۔ اگر تُو شراب کے نشے میں ہے تو عقل تیری کیا رہنمائی کرے گی۔ فقر میں اگر جَو کی روٹی سے نفس لطف حاصل کرے تو بھوسی کی روٹی کھانی چاہیے۔ نفس راہِ خدا کا دشمن ہے اُس کو ہر وقت ذلیل رکھ۔ اُس کی عزت نہ کر۔ اگر تُو چور کو آزاد چھوڑے گا تو وہ تجھے تباہ کر دے گا۔ اُس کو راحت نہ دے۔ زاہد نے غیرت میں آ کر غلام کے ہاتھ سے صراحی لی اور پھینک کر توڑ دی اور خود بھاگ گیا۔ غلام بھاگا بھاگا امیر کے پاس پہنچا اور اُس نے زاہد کی ساری بات بتا دی۔ امیر نے شور مچانا شروع کر دیا۔ لوگ گھروں سے باہر آ گئے اور اُسے کہنے لگے کہ زاہد کی عقل مجاہدوں سے خشک ہو گئی ہے اور بڑھاپے کی وجہ سے وہ بہت کمزور ہو گیا ہے۔ یا تو اُس کی عبادت میں اخلاص نہیں تھا کیونکہ وہ مقبول نہیں ہوئی اور اجر کا وقت نہیں آیا ہے۔ اُس کے لئے تو اپنی ہی مایوسی کی حالت تکلیف دہ ہے۔ اُسے سزا دے کر اور مصیبت میں کیوں ڈالتے ہو۔ اِس قدر مجاہدے کے باوجود وہ مشاہدے سے محروم ہے اور اِس حالت میں بھی

ہر کہ او ارزاں خرد ارزاں دہد
جو کوئی سستا خریدتا ہے، سستا دے ڈالتا ہے

گوہرے طفلے بقرصِ ناں دہد
ایک بچہ موتی، ایک روٹی کی ٹکیا میں دے دیتا ہے

کبھی تو خدا سے بھی لڑنے لگ جاتا ہے۔ کبھی اپنے آپ کو بُرا بھلا کہنے لگتا ہے۔ قبض کی حالت میں تو بعض اوقات سالک خود کو ہلاک بھی کر ڈالتے ہیں۔ دنیا کی ناکامی تو انسان کی ایسی حالت کے مقابلے میں بہتر ہوتی ہے۔

وحی کے چند روزہ اِنقطاع پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پہاڑ سے خود کو گرا دینے کا ارادہ کرنا اور جبرائیل علیہ السلام کا آئندہ کی خوشخبری دینا

جب کچھ عرصہ وحی کا اِنقطاع ہوا تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی بار اپنے آپ کو پہاڑ سے گرا دینے کا ارادہ کیا۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام آ کر تسلی دیتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سکون ہوتا۔ قبض کی کیفیت مزید مُشاہدہ نہ ہونے کی وجہ سے پیدا ہوئی ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک گونہ مُشاہدہ تو ہر وقت حاصل تھا۔ انسان دنیا کی مصیبتوں کی وجہ سے اکثر خودکشی کر لیتے ہیں لیکن رُوحانی قبض کی کیفیت تو تمام مصائب کی جڑ ہے۔ انبیاء علیہم السلام اور بزرگ جو راہِ حق میں قربان ہوتے ہیں اُس پر لوگوں کو تعجب ہوتا ہے حالانکہ ہر انسان اُس سیرت پر جان دیتا ہے جو اُس کی ہے۔ راہِ حق پر قربان ہو جانا قابلِ مبارک باد ہے۔ اس راہ پر قربان ہونے سے سینکڑوں زندگیاں حاصل ہوتی ہیں۔ دنیا میں ہر شخص کا کوئی ایسا مشغلہ ہوتا ہے۔ جس میں وہ اپنے آپ کو فنا کر دیتا ہے لیکن سب سے بہتر یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو بحرِ حق میں فنا کر دے یا وصل میں فنا کر دے۔ اگر وصل میں فنا کر دے گا تو پھر نہ عاشق باقی رہے گا نہ معشوق یعنی ذاتِ باری معشوق کی حیثیت میں باقی نہ رہے گی۔ مجرد ذاتِ حق باقی رہے گی۔ عاشق پر محویت طاری رہتی ہے اور وہ ہر آن فنا ہوتا رہتا ہے۔ محلے والوں نے کہا کہ حدیث ہے "تم زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم کرے گا"۔ اِس لئے اِس زاہد پر ظلم نہ کر اور سابقہ ظالم امیروں کے قصے سُن کر عبرت حاصل کر لے۔

امیر کا سفارشیوں کو جواب کہ اُس نے صراحی کیوں توڑی میں اُسے سزا ضرور دُوں گا

امیر نے کہا میں اُسے ضرور سزا دوں گا۔ اُس کی ہمت کیسے ہوئی کہ میری مٹکی پھوڑی۔ اُس نے میرے غلام کو ستایا اور مجھے میرے مہمان کے سامنے شرمندہ کیا۔ اُس نے قیمتی شراب بہا دی اور اب عورتوں کی طرح گھر میں گھس گیا ہے۔ وہ چاہے کوئی تدبیر کرے مجھ سے اپنی جان نہ بچا سکے گا۔ اگر پتھر میں گھسے گا تو میں اُسے وہاں سے بھی نکال لوں گا۔ اُس کا پِٹنا دیکھ کر دوسرے بھی عبرت حاصل کریں گے اور آئندہ کسی کو ایسی گستاخی کی جرأت نہیں ہوگی۔ اُس امیر کو اس قدر غصہ آ رہا تھا جیسے اس کے منہ سے آگ نکل رہی ہو۔

ہر کہ اُو ارزاں خرد ارزاں دہد جو کوئی سستا خریدتا ہے، سستا دے ڈالتا ہے	گوہرے طفلے بقُرصِ ناں دہد ایک بچہ موتی، ایک روٹی کی ٹکیا میں دیدیتا ہے

سفارشیوں نے دوبار سفارش کی اور امیر کے ہاتھ چومے۔ اُس سے کہا کہ اگر آپ کی شراب ضائع ہوگئی ہے تو کوئی بات نہیں۔ شراب تو دراصل آپ کے سرور سے فیض یاب ہے۔ آپ کا چہرہ بغیر شراب کے بھی حسین اور خوبصورت ہے۔ آپ میں تو بغیر شراب کے ہی ایسی مستی ہے کہ مست دیکھے تو حسد کرے۔ آپ کا رنگ گلگوں ہے، آپ کو گلال کی کیا ضرورت ہے۔ شراب میں جو جوش ہے وہ آپ کے چہرے کے شوق کی وجہ سے ہے۔ آپ تو مجسّم خوشی ہیں، شراب سے خوشی حاصل کر کے کیا کریں گے۔ قرآن میں ہے "اور ہم نے آدم علیہ السلام کی اولاد کو عزت بخشی ہے" ایک اور جگہ ارشاد ہے "بے شک ہم نے آپ کو کوثر عطا کیا"۔ اگرچہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے لیکن یہ فضیلت اُن کو انسانِ کامل ہونے کی وجہ سے ہے۔ انسان کائنات کا جوہر ہے۔ قرآن میں ہے "جو کچھ زمین میں ہے وہ تمہارے لئے پیدا کیا گیا ہے"۔ جب انسان کے اتنے فضائل ہیں تو اُسے اپنے آپ کو رائیگاں نہیں کرنا چاہیے بلکہ کوشش کر کے علمِ لدنی حاصل کرنا چاہیے۔ انسان عالَمِ اکبر ہے اور دنیاوی لذتیں تو فانی ہیں۔ انسان تو آفتاب کی طرح ہے اور کائنات ذرّات ہے۔ رُوح مجرد کم و کیف سے منزہ ہے۔ امیر نے کہا میں دنیاوی شراب کا دوست نہیں ہوں بلکہ شرابِ معرفت کا دوست ہوں۔ انبیاء علیہم السلام کو معنوی شراب حاصل ہے۔ اُن کی فطرت میں ہی اللہ سے محبت کرنا ہے کیونکہ حقیقی نور کے مقابل ہر چیز تاریک ہے۔ عاشق اپنے معشوق سے کبھی سیر نہیں ہوتا اور شرابی شراب سے دُور نہیں رہ سکتا۔ یہی حال نورِ حقیقی کے عاشق کا ہے۔

فرمانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم "دُنیا مُردار ہے اور اُس کے طلب گار کُتّے"

وہ لوگ جو آخرت کے جہان سے واقف ہیں اُنہیں اِس مردہ جہان میں راحت محسوس نہیں ہوتی۔ پاک رُوحوں کا مقام علّیین ہے اور نجس رُوحوں کی جگہ سجّین ہے۔ پاک لوگوں کے لئے اِس دنیا میں شرابِ طہور کے جام ہیں۔ وہ لوگ کہتے ہیں کہ ہمارے لئے عالَمِ آخرت روزِ روشن کی طرح ظاہر ہے اِس لئے ہمیں تصویروں کی ضرورت نہیں ہے۔ اِس دنیا کا کاروبار مردہ گڑیوں سے لڑکیوں کا کھیلنا ہے۔ انبیاء علیہم السلام کا ایک نقش دنیا میں ہوتا ہے جو ظاہر ہے اور ایک نقش عالَمِ بالا میں ہوتا ہے۔ پہلے نقش کے اعضاء دنیا کے کام سرانجام دیتے ہیں اور دوسرے نقش کے اعضاء حضرتِ حق کے ساتھ مصروف ہوتے ہیں۔ ظاہری کان انسانوں کی باتیں سنتا ہے لیکن باطنی کان اللہ کے اَسرار سنتا ہے۔ ظاہری آنکھ لوگوں کو دیکھتی ہے لیکن باطنی آنکھ مَا زَاغَ الْبَصَرُ جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں فرمایا گیا کہ "ان کی آنکھ نہ کج ہوئی اور نہ سرکش"۔ اُنہوں نے ہمیشہ حق دیکھا۔ اولیاء رحمہم اللہ ہمیشہ مُشاہدۂ حق میں حیران رہتے ہیں۔

کز اں سُو جملۂ ملّت یکے ست کیوں کہ رُوحانی دُنیا میں تمام ملّتیں ایک ہیں	صد ہزاراں سال و یک ساعت یکے ست لاکھوں سال اور ایک گھنٹہ یکساں ہے

جس طرح اُن کے جسموں کی دو حالتیں ہیں۔ اِسی طرح اُن کے نام بھی دو ہیں وَلِیَ الدَّوْلَتَیْنِ "دونوں دولتوں کا والی" اور اِمَامُ الْقِبْلَتَیْنِ "دونوں قبلوں کا امام" وہ ہر وقت اللہ کے ساتھ ہیں۔ اُنہیں اب نہ تنہائی میں جانے کی ضرورت ہے اور نہ ہی کوئی چلہ کرنے کی۔ اُنہیں نہ کوئی مرض ہے اور نہ اُنہیں کسی پرہیز کی ضرورت ہے۔ وہ اپنے اَوصافِ بشری سے برہنہ ہو کر بارگاہِ خداوندی میں پہنچے ہیں تو حضرتِ حق تعالیٰ نے اپنے اَوصاف کا جامہ اُن کو پہنا دیا۔ اب وہ خدائی اخلاق والے ہیں اور اُن کا مرتبہ بہت بلند ہو گیا ہے۔ رُوح جب جسمانی عوارض سے پاک ہو جاتی ہے تو عالَمِ بالا میں پہنچ جاتی ہے۔ جسمانی علائق نے اُسے روک رکھا ہے ورنہ وہ پرواز میں بہت چالاک ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کو نیچے آنے کا حکم گندم کھا لینے کی وجہ سے ملا۔ اِسی لئے رُوح کو جسم کے کنویں میں آویزاں کر دیا گیا ہے۔

ہاروت ملائکہ میں سے تھا۔ اللہ کی ناراضگی کی وجہ سے کنویں میں لٹکا دیا گیا۔ ایسا اِس لئے ہوا کہ اُس نے حد سے تجاوز کیا۔ ٹوکری جو دریا میں ہے اپنے اندر کے پانی پر گھمنڈ کرنے لگی۔ دریا سے دُور ہوئی تو پانی سے خالی ہو گئی۔ سمندر نے رحم کیا تو اُسے دوبارہ بلا لیا۔ اِسی طرح رُوح کو جب ذلتِ اعتقاد بدرجہ اتم محسوس ہوئی اور کبر کا شائبہ تک ختم ہو گیا تو بغیر سبب اور بغیر محنت کے دریائے وحدت کی رحمت آ پہنچی اور اُسے واپس بلا لیا۔ انسان کو ہر وقت قربِ الٰہی کی جستجو کرنی چاہیے۔ اہل اللہ کا چہرہ اللہ کی ملاقات کے انتظار میں زرد ہوتا ہے لیکن ایک وقت آتا ہے کہ وہ سُرخ ہو جاتا ہے۔ اہل اللہ کے چہرے کی زردی، درد یا بیماری کی وجہ سے نہیں ہوتی۔ جب سالِک اللہ تعالیٰ کے اَنوار سے اپنی طمع کو وابستہ کر دیتا ہے تو اُس کے نَفْس کو ذلت حاصل ہوتی ہے۔ اِسی طرح جب انسان کی بشری صفات بالکل فنا ہو جاتی ہے تو سالِک کو نور بے سایہ حاصل ہو جاتا ہے لیکن اگر کچھ بشری صفات باقی رہتی ہیں تو نور بے سایہ تو حاصل نہیں ہوتا لیکن ایسے جیسے نور چھلنی میں سے گزر کر آئے۔ اُس میں کچھ نور ہو گا کچھ سایہ ہو گا۔ عاشق تو بالکل ہی بشری صفات سے عاری ہونا چاہتے ہیں لیکن رُوحانی نامرد کو اِن باتوں کی پرواہ نہیں ہوتی۔ جو لوگ اپنے آپ کو مجاہدوں میں مصروف کرتے ہیں وہ ضرور بشری صفات سے خالی ہو جاتے ہیں۔ یہ نعمت روزہ داروں کو ملتی ہے۔ دنیادار تو مکھی کی طرح ہیں جو شوربا اور چولہا یکساں طور پر چاٹتی ہیں۔ اے سالِک! تجھ پر جو کیفیات طاری ہوتی ہیں اُن کی بات سُنا۔ مجھ سے شش جہات یا پانچ حواس کی بات نہ کر جو کہ دنیا کی چیزیں ہیں۔

ایاز نے سلطان سے کہا: اگرچہ باطنی اَحوال ناقابلِ بیان ہوتے ہیں تو میں ظاہری اَحوال خالص اور تشبیہات کے ساتھ سُنائے دیتا ہوں۔ اگر یار مہربان ہو تو ہر امتحان کی تلخیاں خوشگوار ہو جاتی ہیں اُن تلخیوں میں اِس قدر شیرینی ہوتی

ہست اَزل را و اَبد را اتحاد	عقل را رہ نیست زاں سُو زِ افتقاد
وہاں ازل اور اَبد میں وحدت ہے	گُم ہو جانے کی وجہ سے وہاں عقل کے لئے کوئی راستہ نہیں ہے

ہے کہ اگر اُس کا ایک قطرہ سمندر میں گر جائے تو اُس کا کھارا پَن دُور ہو جائے۔ اَحوال کو بقاء نہیں ہے۔ وہ طاری ہوتے ہیں اور پھر عالَمِ غیب کی طرف چلے جاتے ہیں۔ پھر اسی طرح نئے اَحوال آتے رہتے ہیں جیسے نہر کا پانی گزرتا رہتا ہے اور اُس کی جگہ نیا پانی آ جاتا ہے۔ ہر روز ایک نئی خوشی حاصل ہوتی ہے اور ہر روز کے فکر کا نیا اثر ہوتا ہے۔ جو عارف صابر ہوتے ہیں وہ اپنے اَحوال کو اِسی طرح نوازتے ہیں جس طرح کوئی اپنے معزز مہمان کو نوازتا ہے۔

اِنسان کا جسم مہمان خانے کی طرح ہے مختلف فکریں مہمان کی طرح آتی ہیں، صابر عارف اُنکو مہمان سمجھتے ہیں

جب انسان صبح اُٹھتا ہے تو اُس کے ذہن میں ایک نیا خیال آتا ہے۔ دراصل خیال مہمان بن کر آتا ہے۔ صبح ہی نہیں بلکہ ہر وقت خوشی یا غم کا خیال انسان کے ذہن میں آتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مہمان نوازی مشہور ہے۔ تو جو بھی خیال تجھے آئے اُسے مہمان سمجھ اور اُس کی خوب خاطر تواضع کر۔ ایسا نہ کہہ کہ یہ میرے گلے کا ہار بن گیا ہے کیونکہ تمہارے پاس سے وہ پھر عدم کی جانب پرواز کر جائے گا۔ جان کی قدر اسی لئے ہے کہ اُس میں قوتِ فکر یہ ہے۔ غم کا فکر سینکڑوں خوشیوں کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔ فکر انسان کو دوسرے افکار سے دُور رکھتا ہے۔ غم انگیز فکر تمام افکار کو ختم کر دیتا ہے تاکہ دل میں خوشی کا پودا اُگے۔ اہلِ یقین کے پاس غم اُن کی رضامندی سے آتا ہے تاکہ یہ فکر، بارگاہِ خداوندی میں بندے کی شکر گزاری کا ذکر کرے۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے غم کو خدائی مہمان سمجھا اور صبر کیا۔ اِس لئے جو نئے افکار دل میں آئیں اُن کو ہنسی خوشی قبول کرو۔ یہ دُعا کرو کہ اللہ اِس فکر کے شر سے مجھے محفوظ رکھ اور مجھے اِس کی بھلائی سے محروم نہ کر۔ جو میں تیری جانب سے دیکھوں اُس پر شکر کروں اور اُس کے چلے جانے کے بعد مجھے حسرت نہ رہے کہ میں نے اُس پر صبر کیوں نہ کیا۔ اپنے غم کو ابر کی طرح سمجھو اور اُس کے فوائد پر غور کرو۔ ہوسکتا ہے اُس فکر میں ہمارے لئے خیر چھپی ہوئی ہو۔ اور اگر خیر مُضمر نہیں ہے تو صبر میں لامحالہ اضافہ ہوگا۔ یہ صبر کی عادت دوسری جگہ بھی کام آئے گی۔ اپنے فکر کو اصل مقصود سمجھ اور اُسی کو مقصود بنا تاکہ مقصد تک پہنچے۔ ورنہ تُو مقصود سے محروم اور اُس کا منتظر ہی رہے گا۔ صوفی ابن الوقت ہوتا ہے۔ جو کچھ وقت سے آتا ہے اُسے خدا کے اَسماء میں سے کسی اسم کا مظہر سمجھتا ہے۔ شاہ نے ایاز سے کہا کہ اے ایاز! تُو سچائی کا پہاڑ ہے۔ شہوت، غصّے اور کینے کے وقت صبر کرنا ہی اصل مردانگی ہے۔ داڑھی اور آلہ تناسل پر مردانگی کا اطلاق نہیں ہوتا ورنہ تو گدھا سب سے بڑا مرد ہوتا ہے۔ اللہ نے رِجال (مرد) اُن لوگوں کو کہا ہے جن کی رُوح مُصفّٰی ہو چکی ہو۔ رُوح سے مراد حیوانی نہیں بلکہ انسانی رُوح ہے۔ رُوحِ حیوانی کی ذلت کا منظر دیکھنا ہو تو قصائیوں کے بازار میں جا کر دیکھ لے۔

گفت دُنیا لعب و لہو ست و شما — کودکید و راست فرماید خدا

اللہ نے فرمایا ہے دُنیا کھیل کُود ہے اور تم — بچے ہو اور خدا درست فرماتا ہے

دِل کی کمزوری و سُستی اور مُجاھدے نہ کرنے کا نقصان

وہ صوفی جو خانقاہ کے سایہ میں پلا ہو اور مجاہدے کی مشقتیں نہ اُٹھائی ہوں اپنی حماقت سے عوام کی دست بوسی سے اپنے آپ کو کامل انسان سمجھ بیٹھا ہو۔ اسی طرح کا ایک صوفی جہاد کے لشکر کے ساتھ چلا گیا۔ جب جنگ شروع ہوئی تو سامان، خیموں اور کمزوروں کے ساتھ رہ گیا اور جہاد کرنے والوں کے ساتھ میدانِ جنگ میں نہ گیا۔ مجاہد کامیاب ہو کر واپس آئے اور مالِ غنیمت تقسیم ہوا تو اُس نے لینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ میں جہاد سے محروم رہ گیا ہوں۔ لشکریوں نے کہا کوئی بات نہیں ہم چند قیدی لائے ہیں اُن میں سے ایک کو قتل کر دے اور غازی بن جا کہ اگر وضو نہیں کیا تو تیمم سے ہی کام چلا لے۔ صوفی' قیدی کے ساتھ بہت دیر تک خیموں کے پیچھے رہا تو وہ حیران ہوئے کہ اُس بندھے ہوئے قیدی کے قتل کرنے میں اتنی دیر کیسے ہوگئی۔ وہ وہاں گئے تو دیکھا کہ دونوں ہاتھ بندھا ہوا کافر قیدی، صوفی کے اُوپر سوار ہو کر اُس کے گلے کو چبا رہا تھا اور صوفی بے ہوش پڑا تھا۔ اُس صوفی کا ہاتھ بندھے ہوئے کافر سے جو حال ہوا وہی نفس کے ہاتھوں تیرا حال ہے۔ جب صوفی کو ہوش آیا تو اُس سے بے ہوش ہونے کا قصہ پوچھا کہ ہاتھ بندھے ہوئے قیدی کے نیچے پڑے ہوئے تم بے ہوش کیوں ہوئے؟ وہ بولا: اُس کافر نے عجیب طرح مجھے گھور کر دیکھا اور بڑی بڑی آنکھیں نکالیں اور اُن کو گھمایا تو میں بے ہوش گیا۔ لوگوں نے کہا اگر تیرا اتنا ہی دل گردہ ہے تو پھر جنگ میں مت جا۔ تُو واپس خانقاہ جا اور اپنا دھیان مطبخ کی طرف کر کیونکہ جنگ میں جانے کے لئے تو بڑے حوصلے کی ضرورت ہوتی ہے۔ میدانِ جہاد کوئی مزے کے کھانے کی جگہ نہیں ہے۔ یہاں تو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ جیسے لوگ درکار ہیں۔ جنگجوئی نازک دل کا کام نہیں ہے۔

لیکن ہر صوفی کو اُن صوفی صاحب ہی کی طرح مت سمجھو۔ ایک بزرگ جن کا نام ابوبکر محمد بن احمد رحمۃ اللہ علیہ ہے اور جو عیاض رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے مشہور ہیں نے فرمایا کہ: میں نوے بار ننگے بدن جنگ میں گیا تا کہ شہادت کا رُتبہ حاصل کروں لیکن ایسا نہ ہوا۔ جب مجھے یقین ہو گیا کہ شہادت میرے مقدر میں نہیں ہے تو میں نے خلوت میں جا کر چلہ کشی شروع کر دی اور اپنے نفس سے کہا: اے خبیث! تُجھے جہاد کی رغبت کیوں پیدا ہوتی ہے؟ سچ بتا دے ورنہ تجھے بہت کچلوں گا۔ نفس نے کہا: تُو مجھے یہاں چلہ کشی میں روز کافروں کی طرح قتل کرتا ہے۔ یہاں تنہائی میں میرے قتل سے کوئی واقف نہیں ہوتا۔ جہاد میں مروں گا تو یک بارگی مر جاؤں گا اور لوگوں میں بھی میری جاں نثاری کی دھوم ہو جائے گی۔ میں نے نفس سے کہا: تُو نفاق کے ساتھ جیا اور اب لوگوں کے دکھاوے کے لئے جہاد کر کے منافق کی موت مرنا چاہتا ہے۔ تُو دونوں

از لعب بیروں نرفتی کودکی
تُو کھیل کود سے باہر نہیں نکلا، تو بچہ ہے

بے زکاتِ رُوح کے باشد زکی
رُوح کی پاکیزگی کے بغیر تُو پاک کیسے ہو سکتا ہے؟

جہانوں میں ذلیل ہوگا۔

تنہائی کی عبادت ریا کاری سے خالی ہوتی ہے اور خلوت میں چلہ کشی جہادِ اکبر ہے جو سیدنا حیدرِ کرار علی رضی اللہ عنہ کا کام ہے۔ دشمن نفس سے لڑنا یہ بہادروں کا کام ہے۔ جہادِ اکبر اور جہادِ اصغر اُس بزدل کا کام نہیں ہے جو چوہے کی دُم سے بھی ڈر جائے۔ ایسے شخص کو عورتوں کی طرح خانہ نشین ہو جانا چاہیے۔ ایسا صوفی 'صوفیوں کو بدنام کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسانی جسم کی دیوار پر غیرت کی وجہ سے بہت سے صوفیوں کی تصویریں بنا دی ہیں تاکہ اُس کے محبوب صوفی اُن تصویروں میں مخفی رہیں۔ یہ تصویریں صرف اُس وقت تک متحرک ہیں جب تک کوئی حقیقی صوفی جلوہ گر نہیں ہوتا۔ ایسے ہی ایک صوفی کا قصہ سُن۔ وہ صوفی کافروں پر حملہ کے وقت آگے ہوتا۔ زخم کھا کر فوراً مرہم پٹی کروا کر پھر حملہ آور ہو جاتا تاکہ صرف ایک ہی زخم سے موت نہ آجائے۔ اُسے افسوس ہوتا اگر وہ ایک ہی زخم سے جان دے دیتا۔

ایک اور قسم کا مجاہدہ کرنے والا

یاد رکھو! مقصد پورا ہونے سے بھی نفس کو راحت ملتی ہے اور مقصد سے بالکل مایوس ہونے سے بھی نفس کو راحت ملتی ہے۔

اُس مجاہدہ کرنے والے کے پاس چالیس درہم تھے وہ اُن کو تلف کرنا چاہتا تھا تاکہ نفس کو راحت نصیب نہ ہو۔ وہ ہر رات ایک درہم دریا میں پھینک دیتا۔ نفس اُسے کہتا کہ اگر پھینکنا ہے تو سب ایک دفعہ ہی پھینک دے۔ اگر مایوسی ہو جائے تو تگ ودو سے بچنے پر نفس آرام محسوس کرتا ہے۔ اُس صوفی نے نفس پر گرفت کر رکھی تھی تاکہ ایک ہی زخم کھا کر شہید ہو جانے والا مجاہد نہ بنے بلکہ جہادِ اکبر میں مسلسل مصروف رہے۔ ایسے لوگوں کے بارے میں قرآن میں ہے "نیکوں کی روحیں سچائی کی جگہ ہوں گی صاحبِ قدرت خدا کے پاس" پہلے بھی صدق کے بارے میں آیت آئی جس کا مطلب اللہ کے راستے میں جان دے دینا ہے۔ "مومن وہ ہیں جنہوں نے اللہ سے کیا ہوا وعدہ سچ کر دکھایا اور راہِ خدا میں شہید ہو گئے"۔

راہِ خدا میں مرنا جسم کا مرنا نہیں ہے کیونکہ یہ تو رُوح کا آلہ ہے بلکہ اوصافِ رذیلہ کا ازالہ اور نفس کو مارنا ہے۔ بہت سے ایسے لوگ ہوتے ہیں جو جہاد میں مرتے ہیں لیکن اُن کا نفس زندہ رہتا ہے۔ تو وہ تو خدا کی راہ میں نہ مرے۔ نفس کا زندہ رہنا اور جسم کا مر جانا تو ایسا ہی ہے جیسے ڈاکو زندہ رہے اور اُس کا ہتھیار یا گھوڑا فنا ہو جائے۔ اگر محض خون بہا دینا شہادت ہو تو ہر کافر جو جنگ میں مرے اُسے شہید کہو اور کافر بھی ابوسعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ ہو جائے گا۔ جن لوگوں نے نفس کشی کر لی ہے اُن کا نفس مردہ ہو چکا ہے لیکن وہ دنیا میں چلتے پھرتے ہیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کسی مردہ کو چلتا پھرتا

دیکھنا چاہے تو وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دیکھ لے۔ جسم تو وہی پہلے والا ہی ہے لیکن اب یہ وہ شخص نہیں۔ یہ اپنے آپ کو فنا کر چکا اور بقاء باللہ حاصل کر چکا ہے۔

خلیفۂ مصر کا حاکمِ موصل کی ایک لونڈی پر عاشق ہونا اور اُس کے حصُول کے لیے موصل پر حملہ کرنا

مصر کے خلیفہ سے ایک چغل خور نے کہا کہ موصل کے حاکم کے پاس بہت ہی خوبصورت لونڈی ہے اُس نے اُسے اُس لونڈی کی تصویر بھی دکھائی۔
خلیفہ تصویر دیکھ کر ایسا لالچ میں آیا کہ اُس نے ایک بہادر سردار کو لشکر دے کر موصل روانہ کر دیا کہ لونڈی کو زبردستی حاصل کر کے لے آؤ۔ وہ لشکر لے کر روانہ ہو گیا۔ اُس کی جنگ سے موصل کا حاکم ڈر گیا اور اُس نے قاصد بھیجا کہ سردار سے پوچھے کہ اُس کا اِس تباہی سے مقصد کیا ہے۔ جو کچھ چاہو مجھ سے لے لو لیکن لڑائی کو بند کر دو۔ قاصد پیغام لایا تو پہلوان (بہادر سردار) نے بتایا کہ اِس تصویر والی حسینہ تمہارے قبضے میں ہے۔ وہ ہمیں دے دو۔ موصل کے حاکم نے فوراً وہ لونڈی اُس کے حوالے کر دی۔ جب پہلوان نے لونڈی کو دیکھا تو اُس کے حُسن پر خود عاشق ہو گیا۔
عشق تمام کائنات کی حرکت کا سبب ہے جو کہ اس کائنات میں پنہاں ہے ورنہ یہ کائنات درجہ کمال کو نہ پہنچتی۔ اگر اس میں عشق کی تحریک نہ ہو تو یہ ٹھٹھر کر رہ جائے۔ عشق ہی کی بدولت یہاں کا ہر ذرّہ کمال کا خواہاں ہے۔ قرآن میں ہے ''آسمان اور زمین کا ذرہ ذرہ اللہ کا تسبیح خواں ہے''۔ ہر ذرّے کی تسبیح اُس کے عشق کی دلیل ہے اور اُسی کے ذریعے عاشق لوگ جان کے لئے اپنے جسم کو فنا کرتے ہیں۔
پہلوان عشقِ حقیقی کو نہ سمجھا اور لونڈی پر عاشق ہو گیا اور کنوئیں میں گرنے کو صاف راستہ سمجھا۔ اُس پر شہوت کا اِس قدر غلبہ ہوا کہ وہ بھول گیا کہ اُس میں شاہِ مصر کے غصّے کا بھی خطرہ ہے۔ اُس نے سوچا مجھے موت کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔ شہوت کے عاشق کی عقل ماری جاتی ہے، اُس کو آگا پیچھا نظر نہیں آتا۔ یہ خرابی اِس لئے آئی کہ شاہِ مصر نے پہلوان کو لونڈی کا محرم بنایا۔ شہوت کی آگ تو صرف اللہ تعالیٰ کا آبِ رحمت ہی بجھا سکتا ہے۔ جس طرح اُس نے حضرت یوسف علیہ السلام کو اُس آفت سے بچالیا تھا۔ نفس کو صرف کسی کامل شیخ کے ذریعے ہی مغلوب کیا جا سکتا ہے۔ چلتے ہوئے راستے میں لشکر نے پڑاؤ کیا۔ پہلوان شہوت کی آگ سے اندھا ہو رہا تھا۔ مجبور ہو کر وہ لونڈی کے خیمے میں گھس گیا۔ اب عقل اور خلیفہ کا ڈر دونوں اُس سے دُور ہو چکے تھے۔ جب شہوت آگ لگاتی ہے تو عقل گھاس پھونس کی طرح جل جاتی ہے۔ وہ لونڈی سے مصروف ہو گیا تو اُسی وقت ایک نر شیر نے لشکر کے درمیانی حصے میں حملہ کر دیا۔ پہلوان نے تلوار اُٹھائی اور شیر کا سر

چیست دُنیا، از خُدا غافل بُدن　　نے قماش و نقرہ و فرزند و زن
دُنیا کیا ہے؟ اللہ سے غافل ہو جانا　　نہ کہ ساز و سامان اور چاندی اور بیوی، بچے

پھاڑ دیا اور فوراً لونڈی کے خیمے میں واپس آ گیا۔ جب وہ لونڈی کے پاس پہنچا تو اُس کی شہوت میں کوئی کمی نہیں آئی تھی۔ لونڈی اُس کی مردانگی کی اِس حالت سے حیران رہ گئی۔

جب عورت اور مرد جُفتی کرتے ہیں تو اُس کا یقینی نتیجہ ہوتا ہے کہ حمل ٹھہر جاتا ہے۔ اِس طرح دو شخص کوئی اور معاملہ کرتے ہیں تو اُس کے نتائج صُورِ معنویہ میں ظاہر ہوتے ہیں۔ موالیدِ صوری تو اِس دنیا میں نظر آتے ہیں لیکن موالیدِ معنوی عالمِ آخرت میں نظر آئیں گے۔ اب انسان کا فرض ہے کہ خوب دیکھ لے کہ جس کے ملاپ سے نتیجہ برآمد ہوگا وہ کس قسم کا ہے۔ قرآن میں ہے کہ ”ہم قیامت میں مؤمنین کی مومن ذرّیت یعنی اولاد کو اُس کے ساتھ کر دیں گے“۔ دراصل یہ ذرّیت ہمارے اعمال کے نتائج ہیں کیونکہ آخرت میں ہمارا ہر عمل گویا ہوگا۔ عالمِ غیب میں ہر شخص کے اعمال اُس کے منتظر ہیں۔ پہلوان لونڈی سے فارغ ہوا تو اُس نے اُسے قسم دی کہ تُو راستے کا واقعہ شاہِ مصر کو نہیں بتائے گی۔ پہلوان اُسے خلیفہ کے پاس لے گیا۔ اُس نے لونڈی کی جو تعریف سُنی تھی اُس سے کئی گنا بڑھ کر پایا۔

کسی چیز کے اَوصاف سننے سے اُس کی تصویر ذہن میں پیدا ہوتی ہے لیکن اہلِ شُنید کا رُتبہ اہلِ دید سے کمتر ہے۔ ایک شخص نے کسی سے حق اور باطل کی حقیقت کے بارے میں سوال کیا۔ اُس نے اپنا کان پکڑ کر بتایا کہ اِس کے ذریعے جو علم حاصل ہو وہ باطل ہے۔ آنکھ کے ذریعے جو علم ہوتا ہے وہ صحیح اور یقینی ہوتا ہے۔ ہم نے سُنی ہوئی بات کو دیکھی ہوئی کے مقابلے میں جو باطل کہا ہے وہ کثرت کے اعتبار سے ہے یعنی اکثر یہی صورت ہوتی ہے ورنہ چمگادڑ کو سورج کا علم مُشاہدہ سے اگرچہ حاصل نہیں ہے لیکن وہ پھر بھی درست اور صحیح ہے۔ روشنی کا خوف اُسے سورج کا خیال دلاتا ہے اور وہ خیال اُسے تاریکی میں لے جاتا ہے۔ دشمن کا خیال انسان کو دوست پیدا کرنے اور اُن سے ملنے پر مجبور کرتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مُشاہدہ کے درجے کا علم تھا۔ کوہِ طور کو اُس درجہ کا علم نہیں تھا لیکن پھر بھی وہ پہاڑ پر موثر ہوا۔ پہاڑ کو مُشاہدہ حاصل نہ تھا لیکن انسان کو حق تعالیٰ کے صرف خیال ہی پر اکتفا نہیں کرنا چاہیے۔ وہ محض خیال سے واصل بحق نہیں ہو سکتا۔ خیال ویسے تو بیکار ہوتا ہے لیکن اگر خیال مُشاہدے کے درجے میں آ جائے تو پھر مُفید ہو جاتا ہے۔ انسان کو کوشش کرنی چاہیے کہ جس کے بارے میں اُس نے صرف سُنا ہے وہ مشہود بن جائے اور اُن میں کسی باطل کا احتمال نہ رہے، پھر کان آنکھ کا درجہ حاصل کر لے گا۔ یاد رکھو! حُسن کی بات سُن کر انسان وصالِ محبوب تک پہنچ جاتا ہے۔ سننے سے جو خیال پیدا ہوا ہے اُس کو وصال کا راہبر بنا لے۔

شاہِ مصر اُس لونڈی سے احمقانہ عشق کرنے لگا۔ اُس کی یہ خرمستی سلطنت کی وجہ سے تھی۔ انسان جسے سلطنت سمجھتا

مال را کز بہرِ دیں باشی حَمُول　　نِعْمَ مَالٌ صَالِحٌ خواندش رسُول
وہ مال جو دین کی راہ میں خرچ ہو　　اُس کو رسُول صلی اللہ علیہ وسلم نے بہترین اچھا مال فرمایا ہے

ہے اُس کی حقیقت خواب سے زیادہ نہیں ہے۔ سلطنت کا گھمنڈ انسان کے لئے جلاد کا کام کرتا ہے۔ اُس دنیا کو اور اس کی سلطنت کو امن کی جگہ نہ سمجھ، امن کی جگہ عالَمِ آخرت ہے۔

آخرت کے مُنکروں کی کمزور دلیل

عالَمِ آخرت کے منکر کی دلیل یہ ہے کہ اگر عالَمِ آخرت ہوتا تو میں اُس کو دیکھ سکتا۔ لیکن کسی کے نہ دیکھ سکنے سے اِس چیز کا انکار کیسے ہوسکتا ہے۔ بچہ عقل کے اَحوال کو نہیں دیکھ سکتا لیکن عقل مند تو اُس کا انکار کبھی نہیں کرے گا۔ اگر کوئی صاحبِ عشق کے اَحوال نہیں دیکھ سکتا ہے تو اُس کے نہ دیکھ سکنے سے عشق میں کوئی زوال نہیں آتا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا حُسن بھائیوں کو نظر نہ آیا تو اِس سے اُس کا انکار تو نہیں کیا جاسکتا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام شروع میں عصا کی حقیقت نہ دیکھ سکے لیکن اُس کا وجود تھا تب ہی قبطی نے اُسے دیکھ لیا۔ باطنی آنکھ اور ظاہری آنکھ میں اختلاف تھا۔ باطنی آنکھ نے دلیل پیش کی اور حقیقت واضح ہوگئی۔ ایک ہی چیز ایک انسان کے لئے خیالی ہے اور دوسرے کے لئے یقینی۔ جو شخص پیٹ اور شرمگاہ کی شہوت کو ہی حقیقت سمجھے اُس کو اَسرار کی باتیں سُنانا بے کار ہیں۔ نورِ باطن صرف اُن لوگوں کو ہی حاصل ہوتا ہے جو پیٹ اور شرمگاہ کی شہوت سے بَری ہیں۔ سورۃ الکافرون میں کافروں سے کہہ دیا گیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تمہارے لئے تمہارا دین میرے لئے میرا دین''۔

خلیفہ کا حسینہ کے پاس جانا

جب خلیفہ لونڈی کے لئے بالکل تیار ہوگیا تو قضاء نے راہ روک دی۔ کسی چوہے کی کھٹ کھٹ کی آواز ہوئی اُس کے دل میں یہ خیال آیا کہ بستر کے نیچے سانپ کے چلنے کی آواز ہے۔ خوف سے اُس کی شہوت ختم ہوگئی۔ شاہِ مصر کی نامردی اور پہلوان کی مردانگی کو یاد کر کے لونڈی ہنسنے لگی۔ وہ ایسا ہنسی کہ اُسے خیال ہی نہ رہا کہ بادشاہ کی ناراضگی اُسے نقصان پہنچائے گی۔ ہنسنے اور رونے کے خزانے اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں۔ لونڈی کے بے تحاشہ ہنسنے پر بادشاہ کو غصہ آگیا۔ اُس نے تلوار نکال لی اور کہنے لگا: ہنسی کا صحیح راز بتادے، غلط بات سے مجھے اطمینان نہیں ہوگا سچ سچ کہہ دے۔ میرے دل میں عقل کی روشنی ہے میں سمجھ جاؤں گا۔ اگر تُو سچ بتادے گی تو میں تُجھے آزاد کردوں گا۔ لونڈی عاجز آگئی اور اُس نے پہلوان کا سارا قِصہ سُنایا اور کہا کہ وہ شیر کو قتل کر کے آیا اور اُس کی شہوت میں پھر بھی کوئی کمی نہیں آئی لیکن آپ کی یہ حالت ہے کہ چوہے کی کھٹ کھٹ سے ختم ہوگئے اور میں اس بات پر ہنسی۔

اے انسان! ہر راز کسی نہ کسی وقت ظاہر ہو کر رہتا ہے اس لئے بدی کا بیج نہ بو کیونکہ وہ ضرور اُگے گا۔ گرمی اور پانی

آب در کشتی ہلاکِ کشتی ست
کشتی میں پانی بھرنا کشتی کی تباہی ہے

آب اندر زیرِ کشتی پُشتی ست
کشتی کے نیچے پانی کا ہونا کشتی کے لیے مددگار ہے

سے زمین میں سے ہر چیز اُگ آتی ہے۔ حشر نشر کے لئے یہ ایک دلیل ہے۔ انسان پر جو مصیبت آتی ہے وہ اُسی کے کسی عمل کا پھل ہوتی ہے لیکن انسان سمجھتا نہیں ہے کہ یہ تکلیف اور رنج کس گناہ کا نتیجہ ہے جبکہ اہلِ باطن سمجھ جاتے ہیں۔ گناہ اور اُس کے پھل میں کوئی مشابہت نہیں ہوتی، جس طرح بیج اور پھل میں۔ انگور بیل سے پیدا ہوا اُن میں کوئی مشابہت نہیں ہے۔ جنت عبادت کا پھل ہے لیکن اُن میں کوئی مشابہت نہیں ہے۔ اصل اور نتیجہ میں گو کوئی مشابہت نہیں ہے لیکن نتیجہ کو اصل سے ہی سمجھو۔ خواہ انسان عبرت حاصل کرنے کے لئے اُس گناہ کو نہ سمجھ سکے لیکن گناہ کی معافی کی درخواست ضرور باری تعالیٰ کے حضور کرنی چاہیے۔ سجدہ کر کے کہنا چاہیے: "یہ میرے گناہ کی سزا ہے اس لئے تیری بخشش کا طلبگار ہوں۔ اے اللہ! جب تُو نے میری خطا کو اِس بارے میں پوشیدہ کر دیا ہے کہ میں نہیں سمجھ سکتا کہ یہ مصیبت کس خطا کی وجہ سے آئی ہے۔ تُو اب ہمیشہ کے لئے میری اس خطا کو چھپا دے"۔ سزا جرم کے اظہار کا سبب بن جاتی ہے۔ جب چور کی پٹائی ہوتی ہے تو لوگ سمجھ جاتے ہیں کہ اُس نے چوری کی ہے پھر بادشاہ کی کہانی سُن لے تاکہ عاجزی کے اسرار تجھ پر ظاہر ہو جائیں۔

بادشاہ کا اپنی خیانت سے واقف ہو کر چشم پوشی کرتے ہوئے کنیز کو سردار کو دینا اور وَمَنْ اَسَاءَ فَعَلَيْهَا وَاِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادْ "جس نے بُرائی کی تو وہ اُس پر ہے بے شک تیرا رب گھات میں ہے" کی تفسیر

بادشاہ سمجھ گیا کہ پہلوان نے جو خیانت کی ہے وہ میرے ظلم کی سزا ہے۔ اِس لئے اُس نے طے کیا کہ اب وہ پہلوان پر ظلم نہیں کرے گا ورنہ قدرت کی طرف سے اور سزا ملے گی بلکہ یہ لونڈی اُسی کو دیدے۔ بادشاہ نے کہا: یہ سب کچھ میرے ظلم کی سزا ہے۔ میں نے حاکمِ موصل کی لونڈی پر نظرِ بد ڈالی تو اُس کے بدلے میں میری لونڈی پر پہلوان نے نظرِ بد ڈالی۔ میں نے دوسرے کی پردہ دری کی تو میری پردہ دری ہوئی۔ جو شخص دوسروں کی بیویوں سے فسق کرتا ہے وہ دیوث ہے۔ دراصل وہ اپنی بیوی کے بارے میں چاہتا ہے کہ لوگ اُس سے فسق و فجور کریں۔ اِس لئے بُرائی کا بدلہ اس جیسی بُرائی ہی ہوتی ہے۔ میں پہلوان سے کیا کہوں یہ تو سب کچھ میرا خود کردہ ہے اب پہلوان پر کوئی زیادتی مناسب نہیں۔ صبر اور رحم سے کام لینا ہی مناسب ہے۔ اب تو بارگاہِ خداوندی میں بھی دُعا کرنی چاہیے کہ ہم سے ظلم ہوا، غلطی ہوئی، تُو معاف کر دے۔ اے اللہ! میں نے پہلوان کو معاف کر دیا ہے تُو بھی مجھے معاف کر دے۔ اُس نے لونڈی کو

ہیں وہیں اے راہ رو بیگاہ شد خبردار اے مُسافر بے وقت ہو گیا ہے	آفتاب عمر سُوئے چاہ شد عمر کا سُورج ڈوبنے کیلئے کنوئیں کی جانب چل پڑا ہے

ہدایت کی کہ پہلوان کا قصہ اب کسی سے نہ کہنا۔ میں نے طے کرلیا ہے کہ پہلوان سے تیری شادی کردوں گا۔ اُس نے اگر ایک بُرائی کی ہے تو سینکڑوں بھلائیاں کی ہیں۔ میں اُسے شرمندہ کرنا نہیں چاہتا۔ میں نے پہلے تجھ سے بھی زیادہ حسین لونڈیاں اُس کے سپرد کی ہیں لیکن اُس نے کبھی خیانت نہیں کی۔ یہ میری بُرائیوں کی سزا مجھے ملی ہے۔ بادشاہ نے پہلوان کو بلوایا اور اُس سے بہانہ کیا کہ میں اِس لونڈی سے متنفر ہوں کیونکہ میری بیوی اِس کی وجہ سے بہت نالاں ہے۔ اب اِس لونڈی کا تُو سب سے زیادہ مستحق ہے۔ شاہ نے لونڈی کا نکاح پہلوان سے کردیا اور اپنے غُصّے کو ختم کردیا۔

حق تعالیٰ نے حیوانی طاقتوں کی تقسیم ہر ایک کے مناسبِ حال کی ہے۔ کسی کو تو گدھوں کی سی شہوانی طاقت دی ہے اور کسی کو فرشتوں اور نبیوں کی ذہانت اور ذکاوت عطا کی ہے۔ خواہشات پر قابو پانا سرداری کی دلیل ہے اور پیغمبری صفت ہے۔ جو شخص شہوت کی تخم ریزی کرے گا وہ قیامت میں اُس کا پھل ضرور پائے گا۔ شاہِ مصر میں گدھوں جیسی مردی طاقت نہ تھی بلکہ اُس میں معنوی مردی تھی۔ اصل مردی وہ ہے جو پیغمبروں میں ہے۔ وہی جنت میں لے جائے گی اور شہوت پرست کی مردی تو چھلکا اور دوزخ کی طرف لے جانے والی ہے۔

غزنوی کا ایاز کو خطاب، ارکان دولت کا اِمتحان لینا اور ایاز کی فرمانبرداری اُن کو دکھانا

شاہ نے ایاز سے کہا کہ تُو میرے حکم کی لذّت سے واقف ہے اسی لئے تو مجھ پر جان چھڑکتا ہے۔ بادشاہ نے دربار میں بیٹھے ہوئے سرداروں کے سامنے ایک بہت ہی قیمتی موتی نکالا۔ اپنے وزیر کو دکھا کر پوچھا اس کی قیمت کیا ہوگی؟ وزیر بولا: اس کی قیمت تو سینکڑوں بورے سونا ہے۔ شاہ نے کہا: اسے توڑ دے۔ وزیر بولا: یہ بہت قیمتی ہے ضائع ہوجائے گا۔ شاہ نے اُسے شاباش اور انعام دیا۔ پھر اپنے مصاحب سے پوچھا کہ اِس موتی کی قیمت کیا ہوگی؟ اُس نے کہا: آدھی سلطنت ہوگی۔ اُسے بھی موتی کو توڑنے کا حکم دیا۔ وہ بولا: ایسے قیمتی موتی کو توڑنے سے میرے ہاتھ قاصر ہیں۔ پھر وہ موتی اور امیروں کے پاس سے ہوتا ہوا گیا اور سب نے وہی ایک جواب دیا کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ بادشاہ یہ جواب سُن کر انعام دے رہا ہے اور خوش ہو رہا ہے۔

آخر میں شاہ نے موتی ایاز کو دیا۔ اُن نے پہلے امیروں جیسا جواب نہ دیا اور بادشاہ کے اُن کو انعامات وغیرہ دینے کے دھوکے میں نہ آیا۔ دیکھا دیکھی کا ایمان معتبر نہیں ہوتا کیونکہ ایمان کا تعلق یقین سے ہے اور مُقلِّد کو عموماً یقین حاصل نہیں ہوتا۔ صاحبِ ایمان وہ لوگ ہوتے ہیں جو عین الیقین کا درجہ حاصل کرلیتے ہیں۔ بادشاہ نے ایاز سے موتی کی

اِیں دُو روزک را کہ زورت ہست زُود باقی چند دِنوں میں جبکہ طاقت ہے جلدی کر	پیر افشانی بکُن از راہِ جُود بڑھاپے میں جوانی کا کام (عبادت) کرلے

قیمت لگوائی۔ جواب میں ایاز نے کہا کہ اِس کی قیمت کا تعین کیا ہی نہیں جا سکتا۔ بادشاہ نے اُسے کہا کہ اِسے توڑ ڈال۔ اُس نے آستین میں سے پتھر نکالا اور اِسے فوراً توڑ ڈالا۔ دانائی نے اُس کا ساتھ دیا۔ اُسے یقین تھا کہ بادشاہ کا حکم موتی سے زیادہ قیمتی ہے۔

شطرنج میں جب جیت کا یقین ہو تو اسپ اور فیل کے پٹ جانے کی کوئی پرواہ نہیں کرتا۔ انسانی ادراک کے بھی مختلف درجے ہیں۔ زاہد کو انجام کا غم رہتا ہے۔ جو لوگ مکمل ہیں اُن کو ابتداء ہی سے انجام کا علم ہو جاتا ہے اور اُن کا علم خوف اور اُمید کو ختم کر دیتا ہے۔ عارف کو معلوم ہوتا ہے کہ جو بویا ہے اُس کی پیداوار کیا ہوگی۔ اِس لئے وہ انجام کے شور و غم سے بے نیاز ہوتا ہے۔ اِبتداء میں اُسے بھی خوف اور اُمید تھی لیکن جب اُس پر حقیقت واضح ہوگئی تو خوف ختم ہو گیا اور اُمید باقی رہ گئی کیونکہ وہ نور بن کر نورِ مطلق کے تابع ہو گیا۔

امیروں نے شور مچا دیا کہ یہ ایاز کی کیسی بے باکی ہے کہ اتنا قیمتی موتی توڑ ڈالا۔ وہ اپنی جہالت سے یہ نہ سمجھے کہ ایاز نے تو صرف موتی توڑا۔ اُن لوگوں نے شاہ کا حکم توڑا ہے۔ محبت کے موتی سے اُنہوں نے اُس موتی کو قیمتی سمجھا۔ ایاز بولا: بتاؤ موتی زیادہ قیمتی تھا یا بادشاہ کا حکم؟ بادشاہ کو چھوڑ کر موتی کی طرف توجہ کرنا محبت کا شرک ہے۔ صانع کے سامنے مصنوعات کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ اِس لئے ہر کام میں صانع کی طرف توجہ کرنی چاہیے۔ اِس دنیا کی خوش نمائی اور حُسن، راہ کی رکاوٹ اور موتی کی طرح ہے۔ اصل موتی تو شاہ کی خوشنودی تھی۔ تم لوگوں نے نافرمانی کر کے اُسے توڑ دیا۔ ایاز کی اس تقریر نے امیروں کو شرمندہ اور حیران کر دیا۔ اُنہوں نے اپنے سر جھکا دیئے کہ ہم سے بھول ہوگئی۔ شاہ نے اُن سرداروں کی نافرمانی پر اُن کے قتل کا حکم دے دیا اور کہا کہ یہ میری مجلس کے لائق نہیں ہیں۔ اُنہوں نے ایک پتھر کو میرے حکم سے افضل سمجھا۔ ایاز فوراً شاہی تخت کی طرف دوڑا اور اُس کے سامنے سر جھکا کر سفارش کرنے لگا۔ ایاز نے شاہ سے کہا کہ آپ ہُما ہیں۔ آپ ایسے کریم ہیں کہ دنیا کے کریموں نے آپ سے کرم حاصل کیا ہے۔ آپ کا عفو اس قدر بڑھا ہوا ہے کہ مغفرت آپ سے سیر چشم ہو رہی ہے۔ جو شخص آپ کی حکم عدولی کرتا ہے وہ آپ کے عفو کا سہارا لے کر ہی کرتا ہے۔ آپ کی رحم دلی اور عفو کی صفت غلاموں کو گستاخ اور غافل بنا دیتی ہے۔ قرآن میں ہمیں دُعا سکھائی گئی ہے "رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِيْنَا" "اے اللہ! ہماری بھول پر ہماری گرفت نہ کر"۔ اِس سے معلوم ہوا کہ بھول بھی گناہ ہے ورنہ گرفت نہ کرنے کی دُعا کیوں سکھائی جاتی۔ وہ بھول جو بے پرواہی سے ہو قابلِ مواخذہ ہے۔ البتہ اگر یاد کرنے کی ساری تدبیریں کر لی گئی ہوں اور پھر بھول ہو جائے تو اُس پر گرفت نہیں ہے۔ اِس لئے کہ اُس نے پہلی صورت میں

ایں قدر تخمی کہ ماندستت بکار	تا در آخر بینی آں را برگ و بار
جتنا بیج بچ گیا ہے اُسے ہی بو دے	تاکہ تُو آخرت میں اُس کے پھل اور پتے دیکھ لے

وہ اسباب اختیار نہ کئے جو وہ کرسکتا تھا۔ اگر شراب سے مست آدمی جرم کرے اور کہے میں بھول گیا کیونکہ بے خود تھا اس لئے معذور تھا تو حاکم اُس سے یہی کہے گا کہ بے خودی کا سبب تُو نے خود اختیار کیا تھا۔ تُو نے جان بوجھ کر اپنا اختیار ختم کیا اس لئے تُو معذور نہیں ہے۔ ہاں اگر اللہ نے تجھے مست کیا ہوتا تو تُو ہمارا آقا ہوتا۔ ایاز نے کہا: اے شاہ! دنیا کی سب معافیاں تیرے عفو کی ثنا گو ہیں۔ اے انسانو! اُس کا کوئی ہمسر نہیں ہے۔ اُس کا ہمسر قرار دینے سے بچتے رہو۔ ایاز نے کہا: اُن کی جان بخشی کر دیجئے۔ جنہوں نے آپ کا چہرہ ایک بار دیکھ لیا ہے وہ آپ سے جُدائی کی تلخی کیسے برداشت کریں گے۔ یہ آپ کے عاشق ہیں اور عاشق کے لئے یار کی جُدائی سے بدتر اور کوئی سزا نہیں ہے۔ آپ اُن کو فراق کی سزا نہ دیں۔ وصل میں جان دے دینا فراق کی زندگی سے بہتر ہوتا ہے۔

سزا کے وقت فرعون سے ساحروں کے بیان لَا ضَيْرَ اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ "اور کوئی نقصان نہیں بیشک ہم اپنے رب کی طرف لوٹنے والے" کی تفسیر

جادوگروں نے فرعون سے کہا کہ اگر ہمارے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے جائیں گے تو کوئی نقصان نہیں ہے۔ ہم اپنے ربّ کی طرف لوٹ رہے ہیں۔ اُن کی اس بات پر آسمان بھی رقص کرنے لگا۔ اُنہوں نے کہا کہ تُو اگر ہمارے جذبے کو سمجھ جاتا تو ہمیں تکلیف نہ دیتا۔ تُو اپنی مصر اور نیل کی سلطنت پر غرور نہ کر۔ اگر تو اس سلطنت کو ٹھکرا دے گا تو تیری رُوح میں اس قدر وسعت پیدا ہو جائے گی کہ دریائے نیل اُس میں غرق ہو جائے۔

فرعون کہتا تھا: اے قوم! میں تمہارا ربّ ہوں۔ ساحروں نے کہا تو "انا" اور "ربّ" دونوں الفاظ کی حقیقت سے بے بہرہ ہے۔ "انا" وہ ہوتی ہے جو فنا کے بعد حاصل ہو لیکن تُو اس سے ناواقف ہے۔ تُو لفظ "ربّ" کی حقیقت سے بھی ناواقف ہے۔ جو اپنی رعایا سے خوفزدہ ہو وہ "ربّ" کیسے ہو سکتا ہے۔ اصل انانیت تو تب حاصل ہوتی ہے جب انسان اپنی انانیت اور خودی کو چھوڑ دے، جو مصیبت اور مشقت کا کام ہے۔ تجھ میں جھوٹی "انا" ہے۔ ہم فنا ہو چکے ہیں ہماری "انا" ایک دولت ہے۔ تیری یہ سولی ہمارے لئے قربِ خداوندی کا بُراق بن گئی ہے۔ اوصافِ بشری فنا کرنے سے پہلے "انا" کہنا تو ازل سے مردود ہے۔ فنا کے بعد "انا" محمود ہے اور اُس کی آواز چنگ باجے کی طرح ہے۔ جس "انا" میں بشری انانیت نہ ہو اُس سے رُوح خوش ہو جاتی ہے اور اس "انا" کی بدولت انسان اُس "انا" سے نجات پا جاتا ہے۔ یاد رکھو فنا اپنی "انا" کو ختم کرنے کے بعد حاصل ہوتی ہے۔ اس معاملے میں عقل کوئی رہنمائی نہیں کرتی۔ اگر عقل راستہ دیکھنے والی ہوتی تو فخر الدین رازی دین کے رازدار ہوتے۔ یہ مسائل ذوقی ہیں۔ جس نے اس کا مزہ نہیں چکھا وہ

این قدر عمر کہ ماندست بباز
جتنی عمر باقی ہے اُس کو بازی پر لگا دے

تا بروید زین دو دم عمر دراز
تاکہ تیرے یہ دو سانس لمبی عمر کی کھیتی بن جائیں

اُن کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکتا۔ اس راہ میں دلائلِ عقلیہ حیرت میں اور اضافہ کر دیتے ہیں۔ عقل والے لوگ تو حلول اور اتحاد جیسے عقیدوں میں مبتلا ہو جائیں گے۔ بقاء اور فنا کی صحیح مثال اگر ہے تو یہ ہے کہ جس طرح ستارہ شعاعِ شمس میں گم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح عبدِ حادث اپنے آپ کو ربِ قدیم میں گم کر دیتا ہے۔

ایاز کا مُعافی چاہنے میں خود کو مُجرم قرار دینا

ایاز نے اُس سفارش کے بارے میں بھی اپنے آپ کو قصوروار سمجھا اور عذر خواہی کرنے لگا۔ یہ صورت اُس وقت پیدا ہوتی ہے جب انسان شاہ کی عظمت کو سمجھ چکا ہو۔ چنانچہ آنحضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ: ''میں خدا کو تم سے زیادہ جانتا ہوں اور خدا سے تم سے زیادہ ڈرتا ہوں'' اور اللہ نے فرمایا ہے کہ ''اللہ کو جاننے والے ہی اللہ سے ڈرتے ہیں''۔ ایاز نے کہا کہ میں کون ہوتا ہوں کہ آپ کے سامنے کسی کی سفارش کروں کیونکہ میرا سفارش کرنا اپنی ہستی کا اقرار کرنا ہے جو غیر مناسب بات ہے۔ سفارش کرنا میری گستاخی ہے کیونکہ آپ خود سب کچھ جانتے ہیں۔ ہاں اگر آپ نے معافی کا اختیار مجھے دے کر مجھے کسی قابل بنا دیا ہے تو کرم کر کے میری خوشامد کو بھی سُن لیجئے۔ اب مَیں 'مَیں' نہیں ہوں بلکہ آپ ہی ہیں اور یہ سفارش بھی آپ ہی کی ہے۔ جب میرے پاس اپنا کچھ نہیں ہے تو تُو نے ہی سفارش کی توفیق دی ہے۔ اب تُو اِسے قبول کر لے۔ دُعا کرنے والا تو دُعا کی قبولیت کی اُمید ہی کر سکتا ہے۔ میں تو خود مرض تھا شاہ نے مجھے دوا بنا دیا۔ اُس کے فضل نے مجھے کوثر بنا دیا' جو جلے ہوؤں کو زندگی بخشتی ہے۔ اب میری مثال مرہم کی سی ہے جو سڑے ہوئے زخم پر دوبارہ عمدہ گوشت پیدا کر دیتا ہے۔ گنہگاروں کی دوزخ خزاں کی طرح ہے اور کوثر اُن دوزخیوں کے لئے بہار اور چمن کی طرح ہے۔ جو لوگ دوزخ کی آگ سے جل گئے ہیں اُن کو اللہ کا کرم کوثر کی طرف بلاتا ہے۔

حدیثِ قدسی ہے ''میں نے مخلوق اس لئے پیدا کی ہے تاکہ وہ مجھ سے فائدہ اُٹھائے نہ کہ اِس لئے کہ میں اُس سے فائدہ اُٹھاؤں''۔ مخلوق کی معافیاں اپنی اصل کی طرف پرواز کرتی ہیں۔ ہر چیز اپنی اصل کی طرف لوٹتی ہے۔ یہ معافیاں اللہ تعالیٰ دن بھر انسانی بدنوں میں محبوس رکھتا ہے اور شام کو اپنے محل کی طرف پرواز کر جاتی ہیں۔ اُن کی یہ آمد و رفت اُس وقت تک ہے جب تک کہ زندگی مقدر ہے۔ اُن کی واپسی پر اللہ کا کرم آواز دیتا ہے کہ آ جاؤ۔ اب اُس واپسی کے بعد دنیا کا درد و رنج ختم ہو جاتا ہے۔ اللہ کا کرم فرماتا ہے: ''تم نے مسافرت کی تکلیفیں اُٹھائی ہیں اب کرم کے سایہ میں پاؤں پھیلا کر سو جاؤ''۔ اب اُن پاؤں کو جنہوں نے اللہ کی عبادتوں میں مشقتیں اُٹھائی ہیں حوروں کے

این قدر عمر کہ ماندست بباز
جتنی عمر باقی ہے اُس کو بازی پر لگا دے

تا بروید زیں دو دم عمرِ دراز
تاکہ تیرے یہ دو سانس لمبی عمر کی کھیتی بن جائیں

ہاتھوں پر پھیلا دو۔ اُن لوگوں کی حالت جو اللہ کی عبادت خلوص سے کرتے ہیں ایسی ہے کہ جیسے سورج کی روشنی جو نجاستوں پر سے گزرتی ہوئی پاک صاف واپس سورج کی طرف لوٹ جاتی ہے' آلودہ نہیں ہوتی۔ یہ صوفی بھی دنیا کی نجاستوں پر سے پاک صاف گزر جاتے ہیں اور واپس اصل کے پاس پہنچ جاتے ہیں۔ خطا کار بھی شرمندہ ہو کر آہیں بھرتے ہیں اور اُن کا رُخ تیری مہربانی کی طرف ہے۔ آلودہ ہو جانے والوں پر بھی نظر کر اور اُن کو جلد راستہ عطا کر دے تاکہ معافی کی نہر اور چشمے تک پہنچ جائیں اور حضرت ایوب علیہ السلام کی طرح غسل کر کے پاک ہو کر نماز میں شریک ہو جائیں اور کہیں "بے شک ہم صفیں باندھنے والے ہیں"۔ اَسرارِ شفاعت کا بیان اَسرار کا ایک بے پایاں سمندر ہے اور ہماری مثال اُس پر تیرنے والے سکورے کی سی ہے۔ سکورہ سمندر کو نہیں ناپ سکتا۔ اگر یہ اَسرار تجھے نظر نہیں آتے تو حجاب سے باہر نکلنے کی کوشش کر پھر عجب بادشاہی دیکھے گا۔

ایاز نے کہا: اے شاہ! اس مست قوم نے آپ کے حکم کا جام توڑا ہے لیکن چونکہ یہ آپ کے مست ہیں اس لئے معذور ہیں۔ ان کی مستی اُس رُتبے اور مال کی وجہ سے ہے جو آپ نے اُنہیں دیا ہے۔ جب تُو ان پر ہر طرح کی مہربانیاں کرتا ہے تو اُن کے اثر سے یہ مست ہو جاتے ہیں۔ شرعی حکم ہے کہ مست پر نشہ کی حالت میں کوڑے نہیں لگائے جاتے۔ جب شراب کا نشہ اترتا ہے تب کوڑے مارے جاتے ہیں۔ لیکن میری مستی تو تیرے جام کی وجہ سے ہے۔ جو قیامت تک زائل نہیں ہو سکتی کیونکہ جو تیرے عشق کے نشے میں فنا ہو گیا پھر کبھی نہیں سنبھلتا۔ لیکن تیری مہربانی ہماری مستی کے اس عذر پر کہتی ہے کہ اگرچہ تُو ہمارے جام کا مست نہیں ہے بلکہ چھاچھ پی کر مستی کا اظہار کر رہا ہے پھر بھی تیرا عذر قبول کر کے تجھے معاف کرتے ہیں۔ تُو ایسی شراب ہے کہ اہلِ دل تجھ سے مستی حاصل کرتے ہیں۔ اب تیری ہستی کا یہ حال ہے کہ جملہ کائنات تیرے تصرف میں ہے۔ دنیا کے مصائب تجھ سے لرزہ براندام ہیں اور دنیا کی ہر قیمتی چیز تیرے لئے بے قیمت ہے۔ میری ایک زبان ہے اور وہ بھی شرمندگی سے شکستہ ہے تو میں کیسے تیری تعریف کا حق ادا کر سکتا ہوں لیکن کچھ نہ کچھ تعریف ضرور کرنی ہے۔ اس لئے میں عدم سے تو گیا گزرا نہیں ہوں۔ اُس سے بھی غیبی آثار ظاہر ہو رہے ہیں جو تجھ سے فیض حاصل کر رہے ہیں۔ تیری ہی ذات کا تقاضہ ہے کہ میں اُس کے اَوصاف بیان کروں۔ تعریف کی طرف رغبت تیرے تقاضے اور جذبے کی وجہ سے ہے۔ غبار ہوا کے سہارے اُڑتا ہے۔ اِسی طرح ہمارا ہر کام تیرے جذبے سے ہے۔ آبِ حیات ہر چیز کی زندگی کا سبب ہے لیکن تیرے آبِ رحمت کے مقابلے میں وہ مکدر پانی ہے۔ آبِ حیات کا تلچھٹ ہونے کی یہ دلیل ہے کہ اس کو وہ پسند کرتے ہیں جو اپنی جان کو بچانا چاہتے ہیں لیکن جو لوگ فنا کو پسند

تا نہ مُردست ایں چراغ با گہر	ہیں فتیلہ اش ساز و روغن زُود تر
جب تک یہ زندگی کا چراغ بجھتا نہیں ہے	بہت جلد اس کے لیے تیل اور بتی مہیا کرلے

کرتے ہیں وہ تیرے آبِ عشق سے ہی زندہ ہیں۔ اُن کے لئے آبِ حیات ہیچ ہے۔

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را
ہر زماں از غیب جانِ دیگر است　(حضرت احمد جام رحمۃ اللہ علیہ)

"جو لوگ اللہ کے عشق سے شہید ہو جاتے ہیں اُنہیں ہر لحظہ ایک نئی جان عطا کر دی جاتی ہے"۔

چونکہ مجھے موت کے بعد کی زندگی کا یقین ہے لہٰذا میرے لئے موت کی حقیقت نیند سے زیادہ نہیں ہے۔ تیرے دوبارہ زندگی عطا کرنے کا یہ حال ہے کہ اگر ساتوں سمندر خشک ہو کر ریت بن جائیں اور تُو اُن کا کان پکڑ کر کہہ دے گا پانی بن جاؤ تو وہ پانی بن جائیں گے۔ عقل موت سے ڈرتی ہے لیکن عشق اُس کے معاملے میں لاپرواہ ہے۔ کچا ڈھیلا بارش سے ڈرتا ہے، پتھر کبھی نہیں ڈرتا۔

جس طرح ستاروں سے ہر شخص رہنمائی حاصل نہیں کر سکتا اسی طرح مثنوی سے بھی ہر شخص مُستفید نہیں ہو سکتا لیکن اگر مثنوی سے شغل رکھو گے تو شیطان سے ضرور نجات حاصل کر لو گے۔ مثنوی کی باتیں شہابِ ثاقب ستاروں کی طرح ہیں جو شیطانیوں پر برستے ہیں۔ ستاروں کے بُرج بچھو کی طرح کام کرتے ہیں اور شیطانوں کو ڈنک مارتے ہیں۔ مثنوی کا سورج طلوع کر آیا ہے جس کی روشنی پھیل گئی ہے لیکن منکر کو یہ بھی ناگوار ہے۔ عداوت کی وجہ سے دشمن شہد اور دودھ کو بھی زہر سمجھتا ہے۔ یہ شہد اور زہر ہونا مثنوی ہی کی خصوصیت نہیں ہے بلکہ ہر اچھی چیز کا یہی حال ہے۔ حضرت عُمر رضی اللہ عنہ کے لئے اُن کے فاروقی تریاق کی وجہ سے مخالفین کا زہر قند بن گیا تھا اس لئے اُن کے لئے وہ زہر مُضر نہ رہا۔ وہی تریاقِ فاروقی اگر تُو حاصل کرلے گا تو تُو بھی اپنے زمانے کا فاروق بن جائے گا۔

دفترِ پنجم ختم شُد

ایں جہاں خوابست اندر ظن مایست یہ دُنیا کی زندگی ایک خواب ہے، شک میں نہ پڑ	گر رود در خواب دستے باک نیست اگر خواب میں ہاتھ کٹ جائے تو فکر نہیں کرتے

مثنوی مولوی معنوی

ہست قرآن در زبان پہلوی

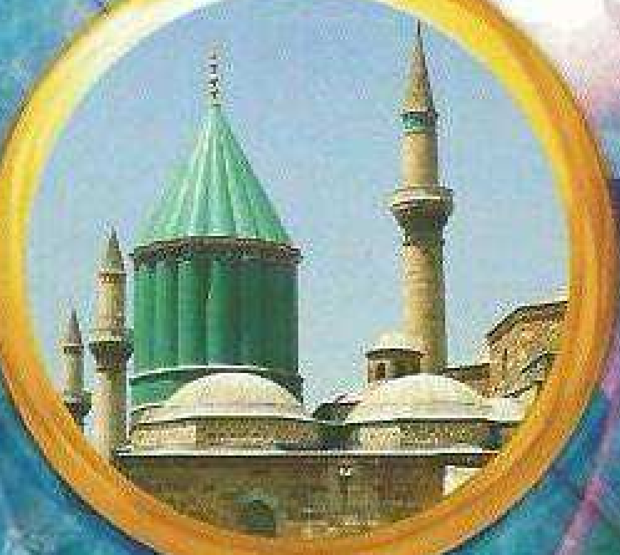
(جامی)

انوار العلوم

اُردو نثر

مثنوی مولانا روم علیہ الرحمۃ

دفتر ششم



مصنف: سلطان العارفین برہان حقائق ترجمان علم و حکمت واقف عشق و معرفت

حضرت مولانا جلال الدین محمد بلخی رحمۃ اللہ علیہ

المعروف بہ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ

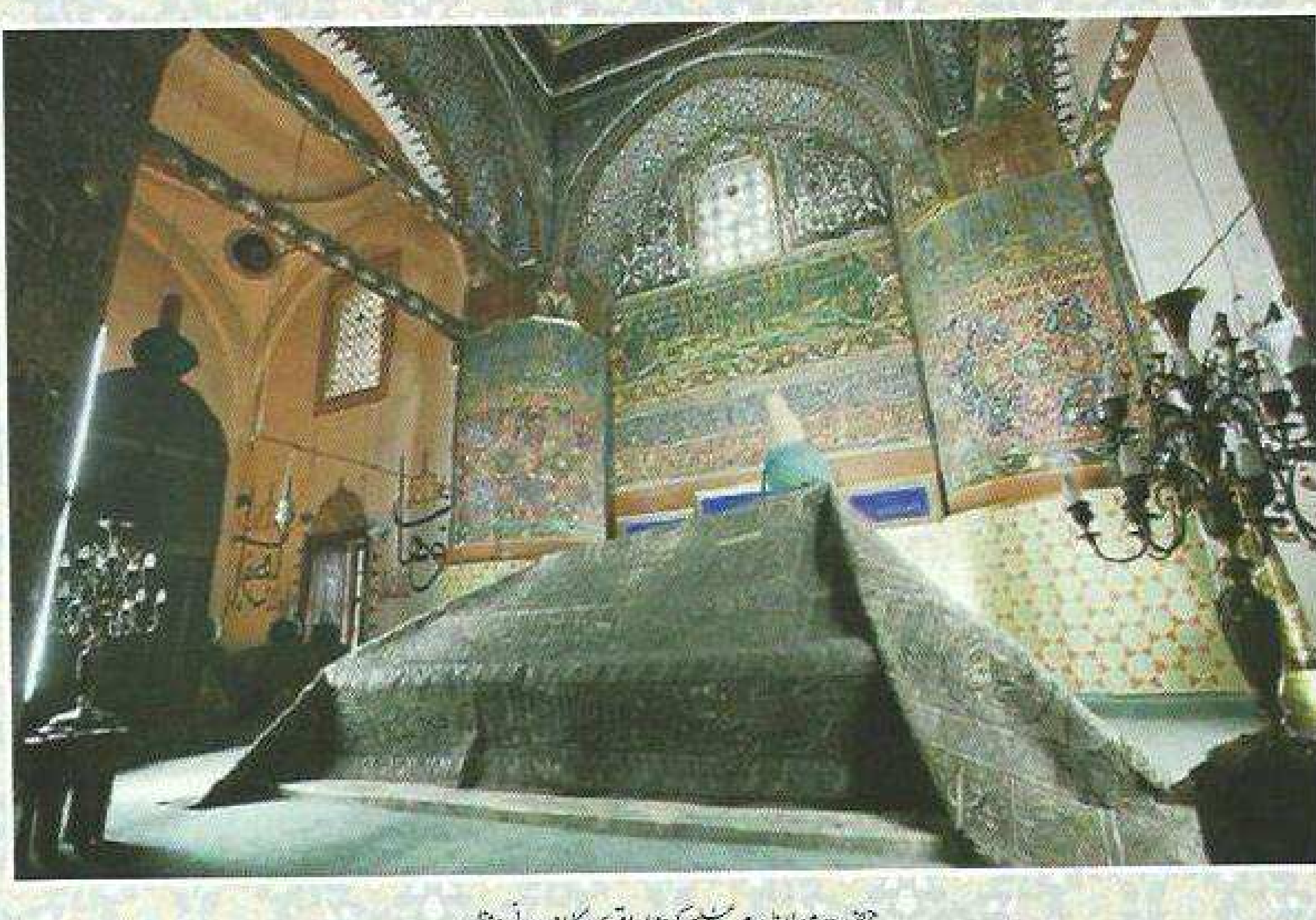
مترجم:

محمد عالم امیری

724-A



حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کے مزار اقدس کا بیرونی منظر



حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کے مزار اقدس کا اندرونی منظر

فہرست دفترِ ششم

ایں جہاں راکہ بصورت قائم ست
یہ جہاں جس صورت میں قائم ہے

گفت پیغمبر کہ حُلم نائم ست
پیغمبرؐ نے فرمایا کہ سونے والے کا خواب ہے

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
10	ایک شکاری کا پرندوں کو دھوکہ دینا کے لیے اپنے آپ کو گھاس میں لپیٹ کر گل لالہ کا گلدستہ سر پر رکھنا اور فرمانِ نبوی ﷺ "قریب ہے کہ فقر کفر بن جائے"۔	۷۴۳
11	چوروں نے تدبیر سے ایک شخص کے دُنبے کے ساتھ اُس کے کپڑے بھی چُرا لیے	۷۴۴
12	پرندے کا شکاری کے ساتھ رہبانیت اختیار کرنے کے بارے میں مناظرہ جس سے حضور ﷺ نے اپنی اُمت کو روکا کہ اسلام میں رہبانیت نہیں ہے	۷۴۵
13	اُس چوکیدار کا قصہ جس نے خاموشی اختیار کی حتیٰ کہ چور تاجروں کا سارا سامان لے گئے۔ اُس کے بعد ہائے ہائے اور حفاظت شروع کی	۷۴۷
14	پرندے کا جال میں اپنی گرفتاری کے فعل کو زاہد کے مکر اور دھوکے سے تعبیر کرنا اور زاہد کا پرندے کو جواب	۷۴۷
15	ایک عاشق کا معشوق کے وعدے پر انتظار کرتے کرتے سو جانا' معشوق کا آنا اور اُس کی جیب میں اخروٹ بھر کر چلے جانا	۷۴۹
16	ایک مخمور ترک امیر کا گوّیے سے صبح کے وقت شراب طلب کرنا اور حدیث کی تفسیر اور سورۃ التوبہ کی آیت کا بیان	۷۵۰
17	ایک نابینا کا حضور ﷺ کے گھر آنا اور اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا پردہ۔ حضور ﷺ کا استفسار اور اُن کا جواب	۷۵۲
18	ایک قوال کا ترک سردار کی مجلس میں غزل شروع کرنا اور سردار کا غصہ و جھنجلاہٹ	۷۵۳
19	وہ غافل جو عمر ضائع کر دیتا ہے اور موت کے وقت کی تنگی میں توبہ واستغفار شروع کرتا ہے وہ حلب کے شیعوں کے مشابہ ہے جو ہر سال عاشورہ کے ایام میں انطاکیہ کے دروازے پر عزاداری کرتے ہیں	۷۵۶
20	اُس لالچی کی مثال جو اللہ کی رزاقی اور رحمت کے خزانوں کو دیکھنے والا نہیں اُس چیونٹی کی سی ہے' جو ایک ڈھیر پر ہے اور ایک دانے پر کوشاں ہے اور جلدی جلدی کھینچ رہی ہے۔ ڈھیر کی وسعت کو نہیں دیکھتی	۷۵۷
21	ایک شخص کا آدھی رات کو سحری کا نقارہ بجانا' پڑوسی کا اُس سے کہنا سحری کا وقت نہیں ہے اور اس گھر میں	

ایں جہاں راکہ بصورت قائم ست
یہ جہاں جس صورت میں قائم ہے

گفت پیغمبر کہ حلم نائم ست
پیغمبرؐ نے فرمایا کہ سونے والے کا خواب ہے

خواب و بیداریت آں داں اے عضد　　　　که به بیند خفته کو دَر خواب شُد

اے عقلمند! تو اپنے سونے اور جاگنے کو یُوں سمجھ　　　　کہ کوئی سویا ہوا خواب میں دیکھے کہ وہ سویا ہوا ہے

ایں جہان و ساکنانش مُنتَشِر
یہ جہان اور اُس کے باشندے جُدا ہوجانے والے ہیں

واں جہان و ساکنانش مُستَمِر
وہ جہان اور اُس کے باشندے ہمیشہ رہنے والے ہیں

ایں جہان و عاشقانش منقطع
یہ جہان اور اُس کے عاشق بٹ جانے والے ہیں

اہلِ آں عالم مخلد مجتمع
اُس عالم کے لوگ ہمیشہ اکٹھے رہنے والے ہیں

مرگِ ہر یک اے پسر ہمرنگِ اوست　　　پیشِ دشمن دشمن و بر دوست دوست

موت ہر ایک سے اُس کے ذوق کے مطابق معاملہ کرتی ہے　　　اُس پناہ دشمن کے لئے دشمن ہے' دوست کے لئے دوست ہے

پیش ترک آئینہ را خوش رنگی است
ترک خوبصورت ہے آئینہ اسے حسین دکھاتا ہے

پیش زنگی آئینہ ہم زنگی است
حبشی کے سامنے آئینہ بھی حبشی ہے

اِبتداءِ دفترِ ششم

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم

اے دل کی زندگی حُسام الدین رحمۃ اللہ علیہ چھٹے دفتر کی طرف خواہش جوش مار رہی ہے۔ مثنوی کی تکمیل کے لیے چھٹا دفتر پیش کرتا ہوں۔ اِن چھ دفتروں سے شش جہات میں اپنا نور پھیلا دے۔ اصل مقصد تو عشقِ حق اور قربِ حق ہے اور عشق کو پانچ یا چھ دفتروں سے سروکار نہیں ہے' مقصد پورا ہونا چاہیے۔ چھٹا دفتر اس لیے شروع کیا جا رہا ہے کہ شاید کچھ خاص اَسرار بیان کرنے کی اجازت حاصل ہو جائے۔ اللہ کا حکم ہے کہ لوگوں کو دعوتِ حق دی جائے۔ دعوت دینے والے کو اس سے غرض نہیں کہ کوئی اُسے قبول کرتا ہے یا نہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام نو سو سال تک دعوت دیتے رہے اور آپ علیہ السلام کی قوم کا انکار بھی بڑھتا رہا لیکن وہ دعوت دینے سے نہ رکے۔ قافلہ کتوں کے بھونکنے سے رُکتا نہیں ہے۔ چودھویں کا چاند کتوں کے بھونکنے سے اپنی رفتار کم نہیں کرتا۔ قدرت نے ہر انسان کو اُس کی اِستعداد کے مطابق ایک کام پر لگا دیا ہے۔ اِس سے مقصد اُس کی آزمائش ہے۔ نوح علیہ السلام کی قوم کا انکار جس قدر بڑھا قدرت نے حضرت نوح علیہ السلام پر اسی قدر زیادہ نوازش کر دی۔ جس قدر سخت منکرین ہوتے ہیں اُسی قدر اولوالعزم نبی اُن کی طرف بھیجا جاتا ہے۔ چونکہ اُس نبی کا بحرِ حقیقی سے رابطہ ہوتا ہے وہ اکیلا کروڑوں پر بھاری ہوتا ہے۔

حق ہمی خواہد کہ نومیدانِ اُو	زیں عبادت ہم نگردانند رُو
اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ اُس سے نااُمید بھی	اُس کی عبادت سے مُنہ نہ موڑیں

حق تعالیٰ کو ایک بحر قرار دینا ایک ناقص تعبیر ہے ورنہ خس کو یعنی دریا کو اخص یعنی حق تعالیٰ سے کوئی نسبت نہیں ہے۔ منکرین کے انکار کی وجہ سے اُسرار کا بیان نہیں چھوڑا جاسکتا۔ کیونکہ دعوت کو قبول کرنے والوں کو دعوت خوب پسند آتی ہے۔ ہر چیز فطرت کے تقاضوں کے مطابق کام انجام دے رہی ہے۔ نجاست ہمیں ناپاک بناتی ہے تو پانی پاک کر دیتا ہے۔ خس وخاشاک اپنا کام کرتے ہیں تو آگ اپنا کام کرتی ہے۔ منکرین کی شرارتوں کا توڑ داعیوں کی دعوتِ خیر کر دیتی ہے اس لیے مفسدوں کی وجہ سے تبلیغ کو ترک نہیں کرنا چاہیے۔ یہ عالمِ امکان مختلف اجزاء کا مجموعہ ہے۔ ایک ذرّے کو دوسرے ذرّے سے وہی نسبت ہے جو دین کو کفر سے۔ ذرّات کا اختلاف اللہ کے مختلف اَسماء اور صفات کا مظہر ہونے کی وجہ سے ہے۔ اگر ذرّے کو فنا حاصل ہو جائے تو اختلافِ طبعی اُس ذرّے کی طرف منسوب نہیں رہتا۔ اگر ذرّہ محو ہو جائے تو اُس کے افعال سورج کی طرف منسوب ہوں گے۔ اگر انسان اپنے اَحوال پر نظر رکھے تو دوسروں سے جنگ کرنے میں مشغول نہ ہو۔ عالمِ آخرت کی ترکیب اضداد سے نہیں ہے۔ اسی لیے اُس میں بقاء ہے۔ اس دنیا کی فنا اضداد کی وجہ سے ہے۔ عالمِ آخرت میں وصل ہے اور عالمِ دنیا میں ہجر وفراق۔

یاد رکھو! رُوح کا تقاضہ اختلاف نہیں ہے۔ اُس میں کبریائی اخلاق ہیں جو اتحاد پیدا کرتے ہیں۔ رسول اس دنیا میں اِتحاد پیدا کرنے کے لیے ہی جنگیں کرتے ہیں۔ وہ جنگیں فتنہ کو ختم کرنے کے لیے ہوتی ہیں نہ کہ اپنی ذات کے لیے۔ اِن جنگوں کے فضائل جو معیتِ حق کے ساتھ ہوتی ہیں دریائے ناپیدا کنار ہیں۔ اُن کی پوری فضیلت بیان نہیں کی جاسکتی۔ ہاں بقدرِ ضرورت بیان ضروری ہے۔ اگر یہ مقصد حاصل کرنا ہے تو مثنوی کی سیر کر اور اس کے معانی پر غور کر۔ غور کرنے کے بعد کہنے والے، سننے والا اور حروف سب حقیقت بن جاتے ہیں۔ مثال یہ ہے کہ روٹی دینے والا، روٹی لینے والا اور روٹی اپنی صورتیں ختم کر دینے کے بعد خاک بن جاتی ہیں۔ صورت کے فنا ہونے کے بعد رُوح ہمیشہ کے لیے صورت سے علیحدہ نہیں ہوتی۔ حضرتِ حق تعالیٰ اُس کو مختلف صورتیں عنایت کرتے رہتے ہیں۔ کبھی حکم ہوتا ہے جسموں میں جا، کبھی اُسے اُن سے علیحدہ کر دیا جاتا ہے۔

جسم مادی ہونے کی وجہ سے بارگاہ سے باہر ہے اور رُوح کا رتبہ بارگاہ کے اندر ہے۔ رُوح کے جسم میں آنے جانے کی پوری کیفیت عوام کی عقول سے بالاتر ہے۔ اللہ تعالیٰ الفاظ کے ''معنیٰ'' کے سیبستان پیدا فرماتا ہے۔ اور اُس معنیٰ کے باغ کو حروف (جسم) کے ابر میں پوشیدہ کر دیتا ہے۔ لوگوں تک صرف اُن کی خوشبو پہنچتی ہے۔ اگر اَسرار (رُوح) کی خوشبو تم تک پہنچے تو اُس کو خوب کھینچ۔ اُس خوشبو کی حفاظت کر اور اپنے آپ کو زکام (دُوری) سے بچا جو کہ

خواہد آں رحمت بتابد بر ہمہ اُس کی رحمت چاہتی ہے کہ وہ سب پر نازل ہو	بر بد و نیک از عموم مرحمہ بُرے اور بھلے پر، رحمت کے عام ہونے کی وجہ سے

عوام کی خلط ملط سے پیدا ہوتا ہے۔ عوام کی صحبت انسان کو اُس انعام سے روکے رکھتی ہے۔ اگر روک محسوس کرو تو کسی صاحب درد کے پاس جاؤ۔ اِس سورج کی حرارت سے روک دُور ہو جائے گی۔ اولیاء اللہ رحمہم اللہ کی صحبت ایک سورج ہے جو اطراف یا ذات کے کسی غیر کی پابند نہیں ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ میں غروب ہو جانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ سورج، چاند، ستاروں کی افادیت اپنی جگہ ہے لیکن یہ موثرِ حقیقی تو نہیں ہیں۔ روٹی میں فوائد ہیں لیکن اُس کا غلط استعمال ہلاک کر دیتا ہے۔ منکر پر کسی کی نصیحت اثر نہیں کرتی ہاں اگر خدا اُس کے کان کھول دے تو ضرور اثر کرنے لگے گی۔

دوست کی نصیحت اُسی پر اثر کرتی ہے جو جی کا مشتاق ہو۔ ہمیں صاحب درد کی نصیحت کی طرف رجوع کرنا چاہیے تاکہ ہلاکت سے بچ جائیں۔ رُوح لامکانی چیز ہے وہ کسی مکان کی پابند نہیں۔ رُوح کی مثالیں تو کمزور عقل والوں کو سمجھانے کے لیے ہوتی ہیں۔ یہ خوب سمجھ لو! تن پروری، رُوح پروری نہیں ہے۔ تن پرور صرف عقلِ معاش رکھتا ہے اور عقلِ معاد سے بالکل محروم ہے۔ وہ خود نمائی اور دعوے کرنے کا مشتاق ہوتا ہے۔ لیکن حق سے باوفا نہیں ہوتا۔ جب انسان نیک خصلت بن جاتا ہے تو اُس کی بُرائیاں بھلائیوں میں تبدیل کر دی جاتی ہیں۔ خودی بُری چیز ہے لیکن جب اُس کا تعلق رُوح سے ہو جائے بھلی بن جاتی ہے۔ جماد، نبات میں تبدیل ہوتا ہے تو ترقی کرتا ہے۔ نبات، رُوح سے تعلق پیدا کر لیتی ہے تو فضیلت والی ہو جاتی ہے اور رُوح جب اپنا تعلق رُوح الارواح سے کر لیتی ہے تو "باقی" ہو جاتی ہے۔

ایک سائل کا حافظ سے سوال: جو پرندہ احاطہ میں بیٹھا ہے اُس کا سر فاضل اور زیادہ شریف ہے یا دُم حافظ کا سائل کی عقل کے مطابق جواب

ایک دن ایک سائل نے واعظ سے سوال کیا کہ اگر قلعہ کی دیوار پر ایک پرندہ بیٹھا ہو تو اُس کے سَر اور دُم میں سے کون افضل ہے؟ اُس نے کہا کہ اگر اُس کا منہ شہر کی طرف ہے تو سر اچھا ہے اور اگر دُم شہر کی طرف ہے تو دُم اچھی ہے کیونکہ ہر چیز اپنے افضل کی معیت سے مزید فضیلت حاصل کر لیتی ہے۔ انسان کا پَر ہمت ہے۔ انسان کے خیر اور شر کو نہ دیکھ اُس کی ہمت کو دیکھ۔ باز اگر چوہے کا شکار کرے تو ذلیل ہے اور چغد، بادشاہ کی طرف نظر رکھے تو شریف ہے۔ وہ شیر جو مردہ گدھے کا شکار کرے کتا ہے اور اگر کتا چیتے کا شکار کرے تو شیر ہے۔ انسان جس کی سرشت مٹی

رحمتش نے رحمتِ آدم بود
اللہ کی رحمت آدمیوں جیسی نہیں ہوتی

کہ مزاج رحم آدم غم بود
کسی مجبور کا دُکھ انسان کو رحم پر آمادہ کرتا ہے

اور پانی سے ہے اپنی ہمت کی وجہ سے بلند ہے۔ قرآن میں ہے کہ ''ہم نے بنی آدم کو مکرم کیا'' انسان کی وہ خصوصیات جو زمین و آسمان کو حاصل نہیں اس کی ہمت کی وجہ سے ہیں۔ حمام میں لگی ہوئی تصویروں کی بجائے اگر بدصورت بڑھیا نظر آئے تو لوگ اس کی طرف مائل ہو جائیں گے۔ اس میلان کی وجہ اُن کا حس و ادراک ہی ہے۔ بڑھیا میں رُوح (جان) ہے جو تصویروں میں نہیں ہے۔ اگر حمام کی تصویریں بارُوح ہو جائیں تو بڑھیا کی طرف کوئی دیکھے بھی نہیں۔
جان اِدراک رکھتی ہے' بھلا بُرا سمجھتی ہے۔ احسان سے خوش اور نقصان سے غمگین ہوتی ہے لیکن جو جان زیادہ باخبر ہوگی وہ زیادہ قوی ہوگی۔ جو رُوح آگاہی میں سب سے بڑھی ہوگی وہی خدائی رُوح ہوگی۔ جس میں رحم اور احساس کا مادہ نہیں وہ پتھر ہے۔ اسی طرح جو رُوح، اللہ کی صفات کا مظہر بن جاتی ہے ہر چیز اُس کی تابع بن جاتی ہے۔ شیطان نے رُوح سے واسطہ منقطع کر لیا وہ ایک مردہ عضو بن گیا۔ جو عضو ٹوٹ جاتا ہے وہ رُوح سے خالی ہو جاتا ہے۔ شیطان کی نافرمانی کا ایک اور راز بھی ہے جو عوام میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ دیکھو! حق تعالیٰ کی ایک صفتِ مُضِل بھی ہے' اس کا مظہر بھی ضروری تھا۔ اس لیے اُس نے شیطان کو پیدا فرمایا۔ خاصانِ خدا کے لیے اَسرار کی غذا اللہ نے بکثرت پیدا فرمائی ہے۔ عوام اس طرف توجہ نہیں دیتے۔ جو شخص صرف لفظوں کا بھکاری ہے اُسے معنیٰ کا لطف حاصل نہیں ہوتا۔ اگر بے اِستعداد لوگ آنحضور ﷺ کا طریقہ اختیار کر لیں تو ہو سکتا ہے کہ اُن میں یہ خوبی پیدا ہو جائے اور اُن پر لگے ہوئے قُفل کھل جائیں۔ حضور ﷺ دونوں جہانوں کے شفیع ہیں۔
دنیا میں اُن ﷺ کی سفارش سے اَسرارِ دین تک لوگوں کی رسائی ہوئی ہے اور آخرت میں دیدارِ خداوندی بھی انہیں کی سفارش سے ہوگا۔ حضور ﷺ نے اِسی لیے فرمایا ''اے خدا! میری قوم کو ہدایت دے کہ یہ مجھے پہچانتی نہیں۔'' آنحضور ﷺ کو خاتم النبیین صرف اس لیے نہیں کہا گیا کہ آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا بلکہ اس لیے بھی کہا گیا ہے کہ فیض رسانی میں نہ آپ ﷺ جیسا کوئی ہوا ہے اور نہ ہوگا۔ جس طرح آپ ﷺ خاتم زمانی ہیں اسی طرح آپ کمالات کے بھی خاتم ہیں۔ حضور ﷺ کو مُہروں (قُفلوں) کے کھولنے میں اس درجہ کمال تھا کہ آپ ﷺ کو خاتم کہا گیا۔ اُن کے جانشین خواہ کسی ملک کے ہوں آپ کی رُوحانی اولاد ہیں۔ کسی درخت کی قلم چاہے کہیں لگاؤ اُسی درخت کا فرد ہے۔ عیب ڈھونڈنے والے بزرگوں کے فیض سے محروم رہتے ہیں جیسے چمگادڑ سورج کی روشنی سے محروم ہے۔

رحمتِ مخلوق باشد غصہ ناک
مخلوق کی رحمت جذبات کی محتاج ہے

رحمتِ حق از غم و غصہ است پاک
اللہ کی رحمت بغیر کسی کیفیت کے ہے

پُرانی عزتوں کی بُرائی جو ایمان کے ذوق سے مانع ہیں، سچائی کے ضُعف کی دلیل ہیں اور لاکھوں بیوقوفوں کے لیے رہزن ہیں، جس طرح ہیجڑے بکریوں سے ڈر گئے اِسی طرح کم ہمت لوگ اپنے جاہ و ناموس کے خیال سے حق قبول کرنے سے ڈرتے ہیں

اے ضیاء الحق حسام الدین رحمۃ اللہ علیہ! مثنوی کو کشادہ میدان دے دیجئے۔ دنیا میں آپ خضر علیہ السلام کی طرح ہیں کہ پریشان حالوں کی حوصلہ افزائی اور بیکسوں کی دستگیری کرتے ہیں۔ لوگوں کی نظرِ بد کے ڈر سے میں آپ کے معمولی احوال کا ذکر نہیں کرتا ہوں۔ لوگوں کے لیے اُن کی نظرِ بد بھی عشق سے مانع بنی ہے۔ ابو طالب لوگوں کے طعن و تشنیع کی وجہ سے ایمان نہ لائے کہ لوگ کہیں گے سرداری خاک میں ملا دی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چچا چپکے سے کلمۂ شہادت پڑھ لیجئے، مجھے آپ کی سفارش کا حق ہو جائے گا۔ ابو طالب بولے: راز راز نہ رہے گا مشہور ہو جائے گا۔ میں ہمیشہ عربوں کی زبان میں بدنام رہوں گا اور ذلیل ہو جاؤں گا۔ اگر اُن کے دل پر ازلی مہربانی ہوتی تو حق کے جذبے کے سامنے یہ بددلی کبھی نہ ہوتی۔ اختیار کے دوراہے سے صرف انسان ہی نہیں بلکہ آسمان بھی پریشان ہے۔ دوراہے سے بہتر ہے کہ اللہ ایک صراطِ مستقیم کی ہدایت فرما دے۔ اگرچہ عاصی اور مطیع دونوں اسماءِ الٰہی کا مظہر ہیں لیکن تشریعاً مطلوب اطاعت ہے۔ معصیت کا تعلق قہر سے ہے اور اطاعت کا مہر سے لہٰذا دونوں یکساں نہیں ہیں۔ قرآن میں جو امانت آسمانوں اور زمینوں نے لینے سے انکار کر دیا وہ یہی اختیار کا دوراہا ہی تھا کیونکہ اِس سے انسان خوف اور بھلائی کی باہمی کشمکش میں پھنس جاتا ہے۔ تردد کی حالت میں اللہ ہی اپنا رحم فرمائے۔

ہر کہ دُور از رحمتِ رحماں بود	اُو گدا چشم ست گر سُلطاں بود
جو رحمان کی رحمت سے دُور ہو جاتا ہے	اگرچہ وہ بادشاہ ہو اُس کی آنکھ بھکاری ہوتی ہے

دُعا اور اللہ سے پناہ ڈھونڈنا، اِختیار کے فِتنے سے اور اختیار کے اسباب کے فِتنے سے کیونکہ زمین و آسمان اختیار اور اسباب کے فِتنہ سے خوف کھا گئے اور آدمی کی جبلت اختیار اور اُس کے اسباب کے طلب کرنے میں لالچی ہوگئی، بیمار اپنا اِختیار کم دیکھتا ہے تو شفا چاہتا ہے کیونکہ وہ اختیار کا سبب ہے۔ عُہدہ چاہتا ہے تاکہ اُس کا اختیار بڑھے پہلی اُمتوں پر قہر کا نزُول اِختیار اور اُس کے اسباب کی زیادتی پر ہوا۔ کبھی کِسی نے کوئی بھُوکا اور بے سروسامان فرعون نہیں دیکھا۔

دُعا اور اللہ سے پناہ ڈھونڈنا اختیار کے فتنے سے اور اختیار کے اسباب کے فتنہ سے کیونکہ آسمان اور زمین اختیار اور اسباب کے فتنہ سے خوف کھا گئے اور آدمی کی جبلت اختیار اور اُس کے اسباب کے طلب کرنے میں لالچی ہوگئی۔ بیمار اپنا اختیار کم دیکھتا ہے تو شفاء چاہتا ہے کیونکہ وہ اختیار کا سبب ہے۔ عہدہ چاہتا ہے تاکہ اُس کا اختیار بڑھے۔ پہلی اُمتوں پر قہر کا نزول اختیار اور اُس کے اسباب کی زیادتی پر ہوا۔ کبھی کسی نے کوئی بھوکا اور بے سروسامان فرعون نہیں دیکھا۔

اے مہربان کریم بڑی خیر والے بادشاہ! مجھے یہ مدوجزر تو تجھی سے ملا ہے ورنہ پہلے تو میں ایک ساکن سمندر تھا۔ جہاں سے تُو نے مجھے تردد دیا ہے وہیں سے بے تردد بھی کر دیا۔ تردد جس میں ہر راہ پر چلنے کا اختیار ہو اللہ کی جانب سے ایک آزمائش ہے۔ اُس مقام پر بڑے بڑے بہادر ناکام ہو گئے۔ انسان پر اختیار اِس طرح لدا ہوا ہے جیسے اونٹ پر پالان۔ یہ اختیار کبھی انسان کو بھلائی کی طرف لے جاتا ہے کبھی بُرائی کی طرف۔ اصحابِ کہف کا سونا خدا کے حکم سے تھا لہٰذا وہ اُس غیر اختیاری حالت میں تھا۔ انسان عالمِ اَرواح کی زندگی بھُولا ہوا ہے۔ ہاں نیند میں اُس طرف منتقل ہو جاتا ہے یعنی بے اختیار ہو کر اُس عالَم کا مزا چکھ لیتا ہے۔ یہ بے خودی حاصل کرنے کے لیے انسان نشہ کرتا ہے یا نغمے وغیرہ سنتا ہے۔ جب انسان محسوس کرتا ہے کہ خودی ایک جال ہے تو اِسی لیے کسی مستی کے ذریعے بے خودی اختیار کرتا ہے۔

مے سے غرض نشاط ہے کس رُوسیاہ کو
اِک گونہ بے خودی مجھے دن رات چاہیے

جو مستی اور استغراق، عبادت کے ذریعے پیدا ہوتا ہے اُس میں دوام ہوتا ہے۔ لیکن کسی معصیت سے پیدا شدہ

مستی عارضی ہوتی ہے۔ جو مستی اور بے خودی عبادت سے حاصل ہوتی ہے اُس میں مشاہدۂ حق ہوتا ہے۔ کسی ولی کو معراجِ رُوحانی اور عالمِ ملکوت کی سیر اُسی وقت میسر آتی ہے جب جذبِ الٰہی ہو۔ اُس فنا کے بعد ہی بقا، کا درجہ آتا ہے۔ ایاز نے اگر اپنی پوستین اور چپل محفوظ رکھے تھے تو صرف اس لیے کہ نیاز مندی حاصل ہو جو فنا اور نیستی کا سبب ہے، وہ کبر سے ڈرتا تھا اِس لیے نیستی کے اسباب اُس کو پسند تھے۔ وہ اپنی ہستی سے گم ہو چکا تھا اور کبر اور نفس کو فنا کر چکا تھا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ ایسا دوسروں کی تعلیم کے لیے کرتا ہو۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ابھی فنا کے مراتب میں کمی ہو اور اُس کی تکمیل کے لیے یہ کرتا ہو۔

وہ چاہتا تھا کہ نیستی کی خوشبو سے رُوح کی زندگی کی نسیم اور عیش اُس کو حاصل ہو جائے اور اُن لوگوں کی خوشبو اُس کو حاصل ہو جائے جو اپنے آپ کو فنا کر کے زندگی حاصل کر چکے ہیں۔ دنیا کا مال و دولت، فانی کی جان کی سبک روی کے لیے مانع بنتا ہے۔ ایاز اِس کیفیت کو دور کرتا تھا۔ دنیا کی دولتیں سونے کی زنجیریں ہیں جن کے ظاہر کی چمک کو دیکھ کر انسان اُن میں اپنے آپ کو مقید کر لیتا ہے لیکن اُس کے انجام سے کہ وہ کنویں کے سوراخ میں مقید ہو رہا ہے غافل رہتا ہے۔ دنیا کا ظاہر خوش نما ہے لیکن اُس میں زہر بھرا ہوا ہے۔ مومن کو دنیا کا جہنم اگرچہ نقصان نہیں پہنچا سکتا' بہر حال جنت اُس سے بہتر ہے۔ چونکہ کاملوں کے لیے بھی دنیا سے احتراز بہتر ہے تو ناقصوں کے لیے تو وہ بالکل تباہی کا سبب ہے۔

ہندی غُلام، جو اپنی آقازادی سے مخفی طور پر محبت رکھتا تھا

جب لڑکی کا کسی امیر زادہ سے نکاح ہوا تو غلام کو معلوم ہو گیا، وہ بیمار پڑ گیا اور پگھلتا گیا۔ کوئی شخص اُس کی بیماری نہیں سمجھتا تھا اور اُس میں کہنے کی ہمت نہ تھی۔ طبیب اُس کے علاج سے عاجز آ گئے اور آقا کا تدبیر سے اُس کا علاج کرنا

ایک آقا کا ہندوستانی غلام تھا جس کو اُس نے خوب پالا، لکھایا اور پڑھایا اور صاحبِ ہُنر بنا دیا۔ آقا کی ایک ہم عمر بیٹی تھی جوان ہوئی تو طلب گار اپنی درخواستیں لے کر آئے۔ سرداروں کے بیٹے اپنے مال اور گھوڑوں وغیرہ پر مغرور ہوتے ہیں۔ بہت سے رئیس زادے اپنے بُرے افعال کی وجہ سے اپنے والد کے لیے عار ہوتے ہیں۔ ہُنر مند بھی اگر حاسد ہے تو اچھا نہیں۔ شیطان نے آدم علیہ السلام کی مٹی کے علاوہ کچھ نہ دیکھا۔ ظاہر بین کی نظر ظاہر پر ہوتی ہے، باطن کے بارے میں وہ دوسرے سے پوچھتا ہے۔ اے عارف! تُو خود چمکتا نور ہے، تُو بتانے والے سے بے نیاز ہے۔ دین و دنیا کی فلاح تقویٰ اور نیکی سے حاصل ہوتی ہے۔ آقا نے بیٹی کے لیے ایک نیک داماد پسند کر لیا۔ عورتوں نے کہا اُس کے پاس

چارۂ آں دل عطائے مُبدلیست	دادِ اُورا قابلیت شرط نیست
اللہ اگر چاہے تو سخت دل میں تبدیلی پیدا کر دے	اُس کی عطا کے لیے قابلیت شرط نہیں ہے

مال نہیں ہے۔ اُس نے کہا کہ وہ زاہد اور دین کا تابع ہے اس لیے ایک خزانہ ہے۔ رشتے کی بات مشہور ہوئی تو آقا کا غلام بیمار اور کمزور ہوگیا۔ اُس کی بیماری کسی کی سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ غلام نے اپنے حال کے بارے میں دَم نہ مارا کہ وہ لڑکی کے رشتہ ہو جانے کی وجہ سے بیمار ہے۔

خاوند نے اپنی بیوی سے کہا تُو لڑکے کی ماں کی طرح ہے اُس سے پوچھ اُسے کیا ہوگیا ہے؟ اُس نے پیار سے پوچھا۔ وہ بولا: مجھے اُمید نہ تھی کہ آپ بیٹی کو سرکش کے ساتھ بیاہ دیں گے۔ بیوی کو بہت غصہ آیا لیکن اُس نے اس کو قابو میں کرلیا اور آقا سے سب کچھ کہہ دیا۔ وہ بولا: یہ غلام خائن معلوم ہوتا ہے لیکن تُو صبر کر اور اُس کو کہہ دے کہ ہم لڑکی کو وہاں سے چھڑالیں گے اور تجھے دے دیں گے۔ اُس کے دل سے یہ بات نکل جائے تو میں اُس کو دفع کردوں گا۔ بیوی نے غلام کی وفاداری، قابلیت اور ہُنر کی خوب تعریف کی۔ جانور تو چارے سے موٹا ہوتا ہے لیکن انسان اپنی بڑائی کی باتیں سُن کر پھول جاتا ہے۔ چند دنوں میں غلام گلِ سُرخ کی طرح ہوگیا۔ آقا نے جب دیکھا کہ وہ خوب موٹا ہوگیا ہے۔ اُس نے لوگوں کی دعوت کی کہ ہم غلام کی شادی کر رہے ہیں۔ غلام کو یہی خیال تھا کہ اُس کی شادی اُن کی بیٹی سے ہو رہی ہے۔ لیکن آقا نے دلہن کے لباس میں ایک تنومند لڑکا کمرہ میں بٹھا دیا۔ شمعیں بجھا دی گئیں۔ وہ لڑکا غلام کو چمٹ گیا اور رات بھر اُس کو خوب جھنجوڑتا مارتا رہا۔

غلام چیخ رہا تھا لیکن آقا نے دف اور ڈھول بجانے والوں کو شور کرنے پر لگا رکھا تھا۔ غلام کی چیخوں کی آواز رات کسی نے نہ سنی۔ صبح اُسے حمام لے گئے۔ وہ نیم مردہ حمام میں گیا۔ واپس آیا تو لڑکی کو دلہن کے لباس میں اُس کے سامنے بٹھا دیا، ماں بھی ساتھ بیٹھ گئی۔ کچھ دیر خاموشی سے اُسے دیکھتا رہا پھر اُس کو دھکا دیا اور یوں بولا کہ دن کے وقت تو تُو تاتاری خاتون کی طرح ہے لیکن رات کے وقت تو معلوم ہوتا تھا کہ تیرا آلہ گینڈے کے سینگ جیسا سخت تھا۔ اس دنیا کی تمام نعمتیں امتحان سے پہلے دُور سے بہت اچھی لگتی ہیں۔ یہ (دنیا) کھوسٹ بڑھیا بہت چاپلوس ہے۔ اپنے آپ کو دلہن ظاہر کرتی ہے اس سے دھوکا نہ کھا۔ صبر کر، صبر کشادگی کی کُنجی ہے۔

اِس بیان میں کہ دھوکا اُس ہندی ہی کو نہ تھا بلکہ ہر آدمی ایسے دھوکے میں ہر وقت، ہر مرحلہ پر مُبتلا ہے بجُز اُسکے جسکو اللہ بچائے

خدا کی عطا کی ہوئی طاقتوں کو پورے طور پر کام میں نہ لانا کفر ہے۔ اس دنیا میں سرداری اور کسی طرح کی بڑائی کی خواہش نہ رکھ کیونکہ اس کے پیچھے تیرے لیے موت اور درد پوشیدہ ہے۔ غلام بن جا۔ زمین پر اپنے پاؤں پر چل، دوسروں کے

بلکہ شرطِ قابلیت دادِ اُوست
بلکہ قابلیت کی شرط، اُس کی عطا ہے

داد لُب و قابلیت ہست پوست
دراصل عطا مغز ہے اور قابلیت چھلکا ہے

کندھوں پر سواری نہ کر۔ ناشکرا انسان سب کو اپنا غلام سمجھتا ہے اور مُردوں کی طرح لوگوں کے لیے بوجھ بن گیا ہے۔ یاد رکھ! سرداری طلب نہ کر درویش بن۔ جس عہدے پر تُو اکڑ رہا ہے اور جسے شہر کے مشابہ سمجھ رہا ہے دراصل ویرانہ ہے۔ اس کو دھکے دے دے تاکہ موت کے بعد تُو ویرانے میں پڑاؤ نہ ڈالے۔

آنحضور ﷺ نے حضرت حکیم ابن حزام رضی اللہ عنہ کو نصیحت فرمائی کہ اپنی تمام ضروریات کا سوال اللہ تعالیٰ سے کرنا چاہیے۔ ہاں اگر اللہ کا حکم ہو تو دوسروں سے بھی مانگا جاسکتا ہے جیسے حضور ﷺ کو حکم ہوا کہ ”آپ اُن سے صدقہ وصول کیجئے۔“ امرِ خداوندی کے بعد سوال بُرا نہیں' یہ نبیوں کا طریقہ ہے۔ اگر انسان کلماتِ کفریہ بھی اللہ کے لیے اختیار کرے تو عین ایمان ہے جیسا کہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے اسلام کی مدد کے لیے اختیار کئے۔

نیکی کی خاطر کوئی بُرائی، بُرائی نہیں ہوتی۔ تُو باز بن جا شکار کر کے بادشاہ کے ہاتھ پر آ بیٹھ (اللہ کی طرف رجوع ہو جا) انابت اِلی اللہ اختیار کر تاکہ تجھے دنیا میں پھنس کر آخرت میں افسوس کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ چور کو جب سزا ملتی ہے تو وہ چوری کی لذت کو دھکے دیتا ہے۔ غمگین کو جس چیز سے غم پہنچا ہو وہ اُس چیز سے دُور بھاگتا ہے۔ ہر خطا کار اسی طرح اپنی خطا کو دھکے دیتا ہے لیکن پھر اُس پر بھول طاری کر دی جاتی ہے اور پھر اُسی خطا کا ارتکاب کرتا ہے۔ ہر انسان جب قدرت کی منشا کے خلاف کوئی کام کرتا ہے تو اُس پر بھول طاری کر دی جاتی ہے۔ پروانہ بار بار شمع کی طرف جاتا ہے اور کہتا ہے کہ بظاہر تُو چاند کی طرح روشن ہے لیکن تیرا قرب جلانے والا ہے۔ تُو دوستی میں دھوکے باز ہے۔

اِس آیت کی تاویل کی وُسعت کا بیان، ”جب وہ لڑائی کی آگ بھڑکاتے ہیں، اللہ اس کو بُجھا دیتا ہے“

اس آیت میں بیان کیا گیا ہے کہ جب کفار اللہ کی منشا کے خلاف مسلمانوں سے جنگ کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اُن پر بھول طاری کر دیتا ہے اور اُس لڑائی کی آگ کو بجھا دیتا ہے۔ یہی حال ہر انسان کا ہے جب وہ قدرت کی منشا کے خلاف کوئی کام کرتا ہے تو اُس پر بھول طاری کر دی جاتی ہے۔ ایک قِصّہ سُن لو۔ ایک چور ایک شریف آدمی کے گھر میں گھس آیا۔ چور کے گھسنے پر جب آہٹ ہوئی تو مکان کے مالک نے کپڑے کا چیتھڑا اُٹھایا تاکہ چقماق سے آگ جلا کر چیتھڑے کو روشن کرے اور دیکھے کہ گھر میں کون ہے۔ چور اُس کے سامنے چپکے سے بیٹھ گیا اور جونہی چنگاری کپڑے کو لگتی وہ اُسے چپکے سے انگلی رکھ کر بجھا دیتا۔ اُسے محسوس نہ ہوا کہ چور اُسے بجھا رہا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنے منشا کے خلاف ارادہ کو گنہگار کے دل سے مٹا دیتا ہے۔ گنہگار یہ نہیں سمجھتا کہ ہر کام خداوندی تصرف سے ہو رہا ہے۔ ہر جاننے والا

مورکے بر کاغذے دید اُو قلم | گفت با مورِ دگر ایں راز ہم
ایک چھوٹی چیونٹی نے کاغذ پر قلم کو دیکھا | اُس نے دُوسری چیونٹی سے بھی یہ راز کہا

جانتا ہے کہ دن رات بغیر خدا کی مرضی کے کیسے آ جا سکتے ہیں۔ فلسفی جو اپنی عقل پر نازاں ہے محض عقلی دلائل سے خدا کا انکار کرتا ہے اور اپنی بے عقلی کو نہیں سمجھتا۔ کوئی گھر بغیر کسی کے بنائے کب بنتا ہے۔ اسی طرح یہ عظیم گھر (دنیا) بغیر کسی کے بنائے کب بن سکتا ہے۔ بغیر کسی لکھنے والے کے خط کا لکھا جانا غیر معقول بات ہے۔ شمع کے بارے میں یہ سوچنا کہ وہ بغیر کسی کے جلائے روشن ہے نامناسب ہے۔

جب انسان کو یہ معلوم ہو گیا کہ اُس پر کوئی دوسری طاقت مسلّط ہے تو پھر اُس کی اطاعت کرنی چاہیے۔ نمرود نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا۔ اُسی نے خدا سے جنگ کرنے کے لیے آسمان کی طرف تیر چلائے۔ تُو جتنے چاہے تیر چلا لے۔ تُو اُس ذات سے بھاگ کر کہاں جا سکتا ہے؟ اُس سے کیسے بچ سکتا ہے؟ اللہ کے حکم اور مرضی کے خلاف آرزو کرنا بھی اُس سے بھاگنے کے مترادف ہے۔ یہ دنیا جال ہے اور آرزو اِس کا دانہ ہے۔ ہوا و حرص سے بچ، تقویٰ اختیار کر کیونکہ اُس کے بعد ہی انسان کا دل خود بخود بھلائی کی طرف رہنمائی کرنے لگتا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ''تُو اپنے دل سے فتویٰ حاصل کر'' خواہ تجھے مفتی کچھ فتویٰ دیں۔ اللہ کو یہ پسند ہے کہ انسان دنیا کی حرص اور لالچ کو ختم کر دے۔ جب خدا سے گریز ممکن نہیں ہے تو اُس کی اطاعت کر۔ جب ان باتوں پر غور کرے گا تو پھر خدا کی جانب سے انصاف خود دیکھ لے گا۔

بادشاہ کا اُمرا اور متعصبوں پر فضیلت رُتبے اور قرب کا سبب ظاہر کرنا اور ایاز کا پوشاک کا خرچہ ایسے طریقے سے حاصل کرنا کہ اُن کی دلیل اور اعتراض باقی نہ رہا

امیروں نے بادشاہ محمود پر اعتراض کیا کہ ایاز کو تین امیروں کے برابر تنخواہ کیوں دی جاتی ہے جبکہ ایاز کے پاس بھی ایک عقل ہے اور دوسروں کے پاس بھی ایک۔ بادشاہ اُن سب کو ایک دن شکار پر ساتھ لے گیا۔ بادشاہ نے دُور سے ایک قافلہ آتا ہوا دیکھا۔ ایک امیر سے کہا کہ معلوم کرو یہ قافلہ کہاں سے آیا ہے؟ اُس نے واپس آ کر بتایا کہ شہرِ رَے سے آ رہا ہے۔ بادشاہ نے پوچھا: کہاں جا رہا ہے؟ وہ عاجز رہا۔ دوسرے سے کہا کہ معلوم کرو کہاں کا ارادہ ہے؟ وہ واپس آ کر بولا یمن کا۔ پوچھا اُن کے پاس سامان کیا کیا ہے؟ دوسرے سے پھر پوچھا کہ واضح طور پر ہر چیز کیوں معلوم نہیں کی؟ وہ گیا اور واپس آ کر بتایا کہ ہر قسم کی چیز ہے لیکن زیادہ تر رَے کے پیالے ہیں۔ بادشاہ نے پوچھا وہ رَے سے کب چلے؟ وہ پھر جواب نہ دے سکا۔ اگلے کو بھیجا کہ معلوم کرے، تو وہ واپس آ کر بولا: آٹھ رجب کو۔ شاہ نے پوچھا رَے میں پیالوں کا کیا بھاؤ تھا؟ وہ جواب نہ دے سکا۔ غرض اُن تینوں سرداروں میں سے کوئی

کز عجائب نقشہا آں کلک کرد ۔ ہم چو ریحان و چو سوسن زار و ورد
کہ قلم نے عجیب نقش بنائے ہیں ۔ جیسے نیاز بو اور سوسن کا کھیت اور گلاب

بھی پوری بات معلوم کر کے نہ آیا۔ سلطان نے سرداروں سے کہا کہ ایک روز میں نے ایاز کو ایسی ہی معلومات حاصل کرنے بھیجا تھا۔ وہ اکیلا تینوں کے برابر معلومات لے کر آیا تھا۔

اُن اُمراء کا جبریوں کی طرح شبہ کے ساتھ درخواست کرنا اور شاہ کا اُنکو جواب

اُن امیروں نے کہا کہ یہ ہنرمندی تو خدا کی عطا ہے۔ اِس میں ہماری اور اُس کی کوششوں کا کیا دخل۔ یہ خدائی تقسیم ہے کہ اُس نے چاند کو خوب صورت چہرہ عطا کر دیا اور پھول کو خوشبو دے دی۔ شاہ نے کہا کہ یہ بات درست نہیں ہے۔ خدا نے بندے کو بھی اختیار دیا ہے۔ انسان جو کام کرتا ہے اُس میں اُس کی کوشش اور کوتاہی کا دخل ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے یہی سمجھا ورنہ اپنی کوتاہی اپنی طرف منسوب نہ کرتے بلکہ خدا کی طرف کرتے (رَبَّنَا ظَلَمْنَا)۔ اِس طرح کاموں کی خدا کی طرف نسبت کر دینا شیطان کا کام ہے۔ اُس نے اپنی غلطی پر خدا کو ملزم قرار دیا اور کہا کہ تُو نے مجھے گمراہ کر دیا ہے، میرا کیا قصور ہے؟ درست بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر بھی حق ہے اور انسان کی کوشش بھی اپنی جگہ صحیح ہے۔ صرف ایک طرف ہی دیکھنا شیطان کی بھینگی آنکھ کا قصور ہے۔

انسان اکثر کاموں میں متردد ہوتا ہے۔ اگر اُس کو اپنے اختیار پر یقین نہ ہوتا تو یہ متردد بھی نہیں ہوتا۔ اُس کو کہیں جانے یا نہ جانے کا اختیار ہے۔ اِس میں اُسے تردد ہوتا ہے۔ انسان کو اپنی غلطیوں کا ذمہ دار خدا کو نہیں بنانا چاہیے۔ اپنے جرم کی ذمہ داری قضاءِ خداوندی پر ڈالنا تو ایسا ہی ہے جیسا کہ زید قتل کرے اور بدلہ عُمر سے لیا جائے۔ اللہ تعالیٰ بھی غیر مجرم کو سزا نہیں دیتا ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ شہد کوئی کھائے اور بخار کسی اور کو ہو۔ دن میں مزدوری کوئی کرے اور رات کو اُجرت کوئی دوسرا لے جائے۔ یاد رکھو! ظاہری اعمال کے نتیجے خود کرنے والے کو ہی حاصل ہوتے ہیں۔ انسان کے اعمال ہی اُس کے دامن گیر ہوں گے، جس طرح اُس کی ظاہری اولاد اُس کی دامن گیر ہوتی ہے۔ آخرت میں اعمال مصوّر کر دیئے جائیں گے۔ ہاں عمل اور جزا میں ظاہری مشابہت نہ ہوگی۔ ڈاکہ زنی اور اُس کی سزا پھانسی میں کوئی ظاہری مناسبت نہیں ہے لیکن خدا نے دنیا میں انصاف قائم کرنے کے لیے اُس کی یہ سزا تجویز کر دی ہے۔ جب دنیا میں انصاف قائم کرنے کے لیے خدا نے یہ الہام کر دیا ہے پھر قضاءِ خداوندی غیر مناسب سزا و جزا کیسے دے سکتی ہے۔

جب دنیا کا حاکم مناسب سزا اور جزا دیتا ہے تو یقیناً اللہ بھی مناسب جزا و سزا دے گا۔ تُو نے قرض لیا ہے تو ہی گروی ہوگا۔ اپنا جرم کسی دوسرے پر نہ رکھ۔ اُس کے بدلے کا منتظر رہ۔ انسان کی بد عملی اُس کی تکلیف کا سبب ہے اور

گفت آں مور اصبع ست آں پیشہ ور اُس چیونٹی نے کہا کہ اُنگلی کارگزار ہے	ویں قلم در فعل فرع ست و اثر یہ قلم کام کرنے میں فرع اور اثر ہے

بدعملی کا وہ خود ذمہ دار ہے۔ مقدر اُس کا ذمہ دار نہیں ہے۔ محض تقدیر پر نظر رکھنا انسان کو کج بیں بنا دیتا ہے اور انسان نفس کو بُرائی کا عادی اور کاہل بنا دیتا ہے۔ ہر بُرائی کی تہمت اپنے پر رکھنی چاہیے۔ خدا نے فرمایا ہے کہ جو ایک ذرّہ عمل کرے گا اُس کا نتیجہ اُس کے سامنے آئے گا۔ انسان کو نفس کے دھوکے سے بچنا چاہیے۔ اُس کے عمل کا ذرّہ ذرّہ علمِ الٰہی میں ہے۔ جس طرح جسمانی ذرّات سورج کی روشنی سے چمک اُٹھتے ہیں اسی طرح سے خیالات کے ذرّات علمِ الٰہی میں چمک اُٹھتے ہیں۔ علمِ الٰہی عالمِ غیب کے اسرار میں سے ہے اُس میں عالمِ شہود کے مطابق غور و فکر کرنا چاہیے۔ تیرے اختیار سے جو خیالات چُھپے ہوئے ہیں وہ سب علمِ الٰہی میں ظاہر ہیں۔ یہ حکایت سُن لے۔

ایک شکاری کا پرندوں کو دھوکا دینے کے لیے اپنے آپ کو گھاس میں لپیٹ کر گُل لالہ کا گلدستہ سر پر رکھنا اور فرمانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم "قریب ہے کہ فقر کفر بن جائے"

یہ ایک شکاری کا قصہ ہے جس نے اپنے آپ کو گھاس میں لپیٹ لیا اور گل و لالہ کا گلدستہ سر پر رکھ لیا تاکہ پرندے اُسے گھاس سمجھیں۔ ایک ہوشیار پرندے نے تاڑ لیا کہ یہ آدمی ہے لیکن وہ بھی پورا نہ سمجھا۔ مکر سے دھوکے میں پڑ گیا کیونکہ پہلے ادراک پر یقین نہ رکھتا تھا اور دوسرا احساس قطعی تھا اور وہ حرص اور لالچ ہے، خصوصاً حاجت اور ضرورت کی زیادتی کے وقت۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "قریب ہے کہ فقر کفر بن جائے"۔

فقر اور اُس کا احساس مومنوں کے لیے باعثِ فضیلت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: اَلْفَقْرُ فَخْرِیْ "فقر میرا فخر ہے" لیکن کمزور ایمان والوں کے لیے فقر خطرناک ہے، بسا اوقات وہ کفر اختیار کر لیتے ہیں۔ ایک شکاری نے اپنے آپ کو چھپانے کے لیے اپنے بدن پر گھاس اور سر پر پھولوں کی ٹوپی اوڑھ لی۔ پرندہ یہ نہ سمجھا کہ یہ شکاری ہے اور اُس نے اس سے دریافت کیا کہ تُو کون ہے؟ شکاری بولا: میں ایک متقی اور زاہد ہوں۔ صرف گھاس پھوس پر گزارہ کرتا ہوں کیونکہ موت ہر وقت میرے پیشِ نظر ہے اس لیے دنیا سے زہد اختیار کر لیا ہے۔ ایک پڑوسی کی موت سے مجھے عبرت ہوگئی اور میں نے اپنی دُکان خیرات کر دی۔ مرنے کے بعد تنہا رہنا ہے اس لیے دنیاداروں سے منقطع ہو گیا ہوں اور خدا سے لَو لگائی ہے۔ جو لوگ زندگی میں قیمتی لباس پہنتے ہیں وہ بھی موت کے بعد بنا سِلا کفن پہنتے ہیں۔ انسان مٹی سے پیدا ہوا ہے اور اُس کو مر کر مٹی ہی میں جانا ہے لہٰذا اسی سے تعلق رکھنا چاہیے۔ انسان دنیا میں اپنے عارضی ساتھیوں سے دل وابستہ کر لیتا ہے۔ انسان کے جسم کی تخلیق اربعہ عناصر سے ہے۔ اُس کی رُوح عالمِ نفوس اور عالمِ عقول کی چیز ہے لیکن انسان اپنی اصل کو بھول جاتا ہے۔ جب رُوح اپنی اصل کو فراموش کر دیتی ہے تو وہ عقول اور نفوس اُس سے کہتے ہیں کہ تُو نے ہمیں

گفت آں مور سوم کز بازو است	کا صبع لاغر نہ زورش نقش بست
تیسری چیونٹی نے کہا کہ یہ بازو کی طاقت کا کرشمہ ہے	کمزور اُنگلی کی طاقت نے یہ نقش نہیں بنایا

بھلا دیا ہے اور عارضی یاروں سے رشتہ جوڑ لیا ہے۔

دراصل انسانوں کی مثال اُن بچوں کی سی ہے جو دن بھر کھیل میں لگے رہتے ہیں اور شام کے وقت والدین اُن کو جبراً پکڑ کر گھر لے جاتے ہیں۔ یہی حال انسان کا ہے کہ اُس کی رُوح کو لامحالہ اصل وطن کی طرف جانا ہے۔ بچہ کھیل کے وقت اپنے کپڑے جوتے اُتار دیتا ہے اور محو ہو جاتا ہے کہ چور اُس کے کپڑے وغیرہ لے بھاگتا ہے۔ جب شام کو وہ گھر لوٹنا چاہتا ہے تو کپڑوں کی چوری کی شرمندگی کی وجہ سے گھر لوٹنے کی ہمت نہیں کرتا۔ یہی حال انسانوں کا ہے دنیا کے شغل میں اپنا سب کچھ کھو بیٹھتا ہے اور پھر آخرت کی طرف رُخ کرنے سے شرماتا ہے۔ قرآن پاک میں ہے کہ ”جان لو دنیا کھیل کود ہے“ لہٰذا تمہارا حال اُس بچے کا سا نہ ہو جو کھیل کود میں سب کچھ کھو بیٹھا۔ واپسی کے وقت سے پہلے اپنا جائزہ لے لو۔ شکاری نے پرندے سے کہا کہ انسان غفلت میں اسی طرح دن گزار دیتا ہے۔ آدھی عمر مرغوبات کی تمنا میں اور آدھی دشمنوں کے غصّے میں۔ غرض کہ آخرت کے لیے جو سامان تیار کرنا تھا وہ سب برباد ہو جاتا ہے۔ واپسی کا وقت قریب ہے، کھیل کود چھوڑ کر چلنے کی تیاری کرنی چاہیے۔ غلطیوں کی تلافی کی تدبیر توبہ اور استغفار ہے۔ توبہ کی حفاظت کرو؛ کہیں شیطان اُسے نہ چرا لے۔

چوروں نے تدبیر سے ایک شخص کے دُنبے کیساتھ اُس کے کپڑے بھی چُرا لیے

انسان لالچ میں پڑ کر پے در پے چور کو چوری کرنے کا موقع دیتا ہے۔ ایک شخص اپنا دُنبہ رسی سے باندھے لیے جا رہا تھا چور نے پیچھے سے آکر رسی کاٹی اور دُنبہ چُرا لیا۔ اب یہ شخص دُنبے کی تلاش میں بھاگا تو چور ایک کنویں کے پاس کھڑا ہو کر رونے لگا اور دنبے والے سے کہا کہ میری پانچ سو اشرفیوں کی تھیلی کنویں میں گر گئی ہے۔ اگر کوئی اُس کو کنویں میں سے نکال دے تو میں اُسے سو اشرفیاں دے دوں گا۔ یہ شخص لالچ میں آگیا اور کپڑے اُتار کر کنویں میں اُتر گیا۔ چور اُس کے کپڑے بھی لے بھاگا۔ دنبے والے نے سوچا تھا کہ سو اشرفیاں تو دس دُنبوں کی قیمت ہے اگر دُنبہ گیا تو کیا پرواہ ہے۔ مجھے دنبے کے بدلے میں اونٹ مل رہا ہے۔ اس دنیا میں کوئی منزل طے کرنے کے لیے بڑی پختہ کاری کی ضرورت ہے۔ شیطان ہر لمحے ہمیں بھیس بدل کر دھوکا دینے کی کوشش کرتا ہے۔ اُس کی چالوں کو خدا ہی پہچان سکتا ہے۔ بس ہمیں ہمیشہ اُس کی پناہ ہی مانگتے رہنا چاہیے۔

ہم چنیں می رفت بالا تا کہ | مہتر موراں فطن بُود اند کے
بات اسی طرح اُوپر کو چلتی رہی حتیٰ کہ | چیونٹیوں کی سردار جو کچھ سمجھدار تھی

پرندے کا شکاری کے ساتھ رہبانیت اختیار کرنے کے بارے میں مناظرہ جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمت کو روکا کہ اسلام میں رہبانیت نہیں ہے

رہبانیت یہ ہے کہ انسان تمام دنیوی علائق منقطع کر کے جنگلوں میں عبادت گزاری کرے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس سے منع فرمایا ہے۔ اسلام کہتا ہے کہ لوگوں کی بد خلقی پر صبر کرو اور ابر کی طرح لوگوں کو نفع پہنچاؤ۔ اسلام ہمیں جماعت اور اَمر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حکم دیتا ہے۔ بہتر انسان وہ ہے جو لوگوں کو نفع پہنچائے۔ لوگوں سے مِل جُل کر زندگی گزارنا سُنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ حدیث ہے کہ ''جماعت رحمت ہے اور الگ رہنا عذاب ہے''

پرندے نے شکاری سے کہا: جماعت بہتر ہوتی ہے۔ شکاری بولا: بسا اوقات گوشۂ تنہائی جماعت سے افضل ہوتا ہے۔ اگر بُرے ساتھ ہوں تو تنہائی افضل ہوتی ہے۔ بے عقل انسان ایک عقل مند انسان کی نظر میں مٹی کا ڈھیلا ہے۔ بے عقل انسان کو گدھے کی طرح صرف چرنے اور کھانے کی فکر ہے۔ اُس کی صحبت بے ہُنر بنا دے گی۔ بے عقل کا مقصود چونکہ غیر حق ہے، جو فانی ہے اور خدا کے سوا ہر چیز فنا ہونے والی ہے۔ یہ تمام ممکنات سایہ کی مانند ہیں۔ ممکنات اور کائنات سے گزر کر ذاتِ باری سے تعلق قائم کرنا چاہیے۔ غیر اللہ فانی ہے اس کی صحبت بُری ہے۔

منزل مرے مقصد کی کعبہ ہے نہ بُت خانہ
اِن دونوں سے آگے چل لے ہمتِ مردانہ
(بیدم وارثی رحمۃ اللہ علیہ)

دنیا کی چیزوں سے محبت مُردوں سے محبت کرنا ہے۔ اِس لیے بُرے ساتھیوں سے تعلق قطع کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ غلط ساتھی انسان کے لیے نقصان کا سبب بنتے ہیں۔ پرندے نے کہا کہ بُرے ساتھیوں کے ساتھ رہنے سے ہی نفس کے ساتھ جہاد ممکن ہو سکے گا۔ اگر دشمن نہ ہو تو جہاد کی فضیلت کیسے حاصل ہو۔ بہادر ہمیشہ وہی راہ اختیار کرتا ہے جس میں اُس کو دوستوں کی مدد کرنے اور راہزنوں سے جنگ کا موقع مل سکے۔ دشمنوں کی موجودگی میں اُس کی بہادری کی رگ اُبھرتی ہے۔ اسلام میں کافروں سے جہاد کرنا نیکی اور مصلحت ہے اور غاروں میں بیٹھ کر عبادت کرنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دین تھا۔ ہر مذہب میں موقع کی مناسبت سے احکام دیئے گئے ہیں۔

شکاری نے کہا بے شک جہاد کو گوشہ نشینی پر فوقیت ہے لیکن اُس شخص کے لیے جس میں جہاد کی طاقت ہے۔ جہاد میں قوت اور مخلص ساتھی کی ضرورت ہے۔ عقل مندی یہی ہے کہ انسان انجام پر نظر رکھ کر کام شروع کرے۔ جہاد میں مخلص یار کی ضرورت ہے اور اس زمانے میں ایسے دوست کہاں ہیں۔ پرندے نے کہا کہ اگر دل میں صداقت ہو تو دنیا

گفت کز صُورت مبینید ایں ہُنر اُس نے کہا اس ہُنر کو جسم کا نہ سمجھ	کہ بخواب و مرگ گردد بے خبر کیونکہ وہ تو خواب اور موت پر بے خبر ہو جاتا ہے

میں یاروں کی کمی نہیں ہے۔ تُو خود دوسروں کا دوست بن پھر دیکھ کس قدر دوست ملتے ہیں اور زندگی کی راہ میں یار کی بہت ضرورت ہے۔ یار بن جا اور یاروں کے ساتھ رہ۔ اُن کے بغیر تُو بے مدد رہ جائے گا۔ شیطان کو بھیڑیا سمجھ جو ہمیشہ اُس بکری پر حملہ کرتا ہے جو ریوڑ سے جدا رہے۔ جو شخص سُنّت اور جماعت کو چھوڑ کر تنہائی اختیار کرتا ہے وہ اُس بکری کی طرح ہے جو جنگل میں ریوڑ سے جدا ہو جائے۔ سُنّت راستہ اور جماعت اُس کی ساتھی ہے، اُس کے بغیر انسان مصیبت میں پھنس جاتا ہے۔ سفر میں اپنا ساتھی اُسے بناؤ جو خدا کا طلب گار ہو اور ہمدرد ہو۔ ایسا ساتھی نہ ہو کہ موقع پا کر تیرا سامان ہی غائب کر دے۔ وہ تیرے ساتھ اپنے نفع کے لیے چلے۔ وہ بزدل بھی نہ ہو کہ مشکل پیش آئے تو راہِ حق چھوڑنے کا مشورہ دینے لگے۔ بُرا دوست سانپ ہوتا ہے۔

خطر بسیار دارد راہِ حق ہوشیار شو صائب
کہ مُوسیٰؑ بے عصا در وادیٔ ایمن نمی آئید

''راہِ حق میں اے صائب بہت سے خطرات ہیں۔ ہوشیار ہو جا کیونکہ وادیٔ ایمن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی بغیر اپنے عصا کے نہیں جاتے''۔

دین کے راستے کو اللہ نے اِس لیے پُر خطر بنایا ہے تاکہ چلنے والوں کی آزمائش ہو سکے۔ اس راستے کا ڈر اچھے بُرے کو اِس طرح الگ کر دیتا ہے جس طرح چھلنی بھوسے اور آٹے کو جدا کر دیتی ہے۔ صحیح راستہ وہی ہے جس پر دوسرے سالکوں کے قدموں کے نشان ہوں۔ دوست وہی ہے جس کی عقل تمہارا سہارا ہو۔ یاد رکھو! نشاط جماعت کے ساتھ رہنے میں ہی ہے۔ بُرا دوست سانپ کی مثل ہے، اُس سے بچو۔ انسان کو گدھے سے ہی سبق حاصل کر لینا چاہیے جو دوسرے گدھوں کے ساتھ ہونے سے تیز رفتار بن جاتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام نے بھی جماعت بنانے کی خاطر معجزے دکھائے اور تنہا روی اختیار نہ کی۔ ایک دیوار سے گھر نہیں بنتا ہے، زیادہ دیواروں سے بنتا ہے تاکہ اُس میں غلے کے انبار ہوں۔ اللہ نے ہر جنس کا جوڑ بنایا تاکہ اُس سے نتائج پیدا ہوں۔

پرند اور شکاری میں اِس مسئلے پر بہت سے سوال و جواب ہوئے لیکن پرندے نے جال میں دیکھا تو بے قابو ہو گیا اور شکاری سے پوچھا کہ یہ گیہوں کس کے ہیں؟ شکاری نے کہا کہ لاوارث بچوں کے ہیں جو لوگوں نے مجھے امانت دار سمجھ کر امانت رکھے ہیں۔ پرندے نے کہا کہ میں بھوک سے مجبور ہو گیا ہوں اور ایسی حالت میں تو مُردار کھانا بھی جائز ہو جاتا ہے۔ کیا مجھے اجازت ہے کہ کچھ کھا لوں؟ شکاری نے کہا کہ تُو خود اپنے بارے میں فتویٰ دے کہ تُو مجبور ہے یا نہیں۔

صُورت آمد چوں لباس و چوں عصا	جز بعقل و جاں نجنبد نقشہا
جسم تو لباس اور لاٹھی کی طرح ہے	نقوش تو بس عقل اور جان ہی بنا سکتی ہے

اگر مجبوری بھی ہے تو حرام سے بچنا بہتر ہے۔ پرندہ دانہ کھانے پر مجبور ہوگیا۔ دانہ چکھتے ہی وہ جال میں پھنس گیا۔ اُس نے سُوْرَۃُ یٰسٓ اور سُوْرَۃُ الْاَنْعَام پڑھی لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا۔ اِسی طرح جب عذابِ الٰہی آ پکڑتا ہے تو پھر توبہ مفید نہیں ہوتی۔ توبہ اور آہ وزاری عذاب اور موت کے نرغے سے پہلے مفید ہے۔ انسان کا نفس جب گناہ پر مجبور کرے تب خدا کی طرف رجوع مفید ہے۔ جب شیطان رہزن بنے اُس وقت توبہ کرلو، اِس سے پہلے کہ قافلہ تباہ ہوجائے۔

اُس چوکیدار کا قصہ جس نے خاموشی اختیار کی حتّٰی کہ چور تاجروں کا سارا سامان لے گئے، اُس کے بعد ہائے ہائے اور حفاظت شروع کی

ایک قافلہ میں ایک چوکیدار تھا تاکہ تاجروں کے مال کی حفاظت کرے۔ رات کو چوکیدار سو گیا اور سامان چور لے گئے۔ جب دن نکلا تو چوکیدار نے ہائے ہائے کا شور مچا دیا۔ اُس نے چوروں سے مال کی حفاظت نہ کی اس لیے خود چور ہوا۔ کہنے لگا وہ نقاب پہن کر آئے تھے اور میرے سامنے سے سامان اُٹھا کر لے گئے۔ میں اکیلا تھا اور وہ بہت سارے تھے۔ لوگوں نے کہا کہ اے ریت کے ٹیلے! تُو نے شور کیوں نہ مچایا؟ کہنے لگا کہ اُنہوں نے چُھری دکھائی کہ بولے تو قتل کردیں گے، اِس لیے میں خاموش رہا۔ اُس وقت میں دم نہ مار سکتا تھا۔ اب فریاد کررہا ہوں۔ اب جس قدر چاہو میں شور مچادوں گا۔

جس طرح قافلے کے لُٹ جانے کے بعد چوکیدار کا شور وغل بے کار تھا اِسی طرح پوری عمر گزر جانے کے بعد اَعُوْذُ اور فاتحہ پڑھنا بے فائدہ ہے۔ لیکن آخری عمر میں بھی غفلت سے توبہ بہتر ہے۔ آخری عمر میں ہی آہ وزاری کرلو اور دربارِ خداوندی میں عرض کرو کہ اے قادرِ مطلق! تیرے لیے وقت بے وقت کوئی چیز نہیں ہے۔ انسان کے لیے وقت آتا ہے اور گزر جاتا ہے لیکن خدا کے لیے کوئی چیز فوت نہیں ہوتی۔ اسی لیے قرآن میں فرمایا ہے ”جو تم سے فوت ہوجائے اُس پر غم نہ کرو“ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے کوئی چیز کہاں غائب ہوتی ہے۔

پرندے کا جال میں اپنی گرفتاری کے فعل کو زاہد کے مکر اور دھوکے سے تعبیر کرنا اور زاہد کا پرندے کو جواب

پھنسنے کے بعد پرندے نے کہا کہ جو زاہدوں کے مکر میں پھنس جائے اُس کی یہی سزا ہے جو مجھے ملی ہے۔ زاہد نے کہا کہ اپنی سزا کو اپنے فعل سے وابستہ کر۔ تُو نے یتیموں کا مال کھایا' یہ اُس کی سزا ہے۔ پرندے نے اپنے فعل کی سزا سمجھ کر اس دردناک طریقہ سے رونا شروع کیا کہ شکاری اور جال بھی لرز گئے۔ یاد رکھو! انسان کے دل میں متضاد خیالات آتے

بے خبر بُود اُو کہ آں عقل و فؤاد	بے ز تقلیبِ خدا باشد جماد
وہ بے خبر تھی کہ عقل اور دل	خُدا کے حرکت دیئے بغیر بے جان ہیں

رہتے ہیں کبھی گناہ کی طرف میلان ہوتا ہے اور کبھی اُس سے نفرت ہوتی ہے۔ اب اُس پرندے یعنی گنہگار انسان نے یہ دُعا شروع کر دی، اے خدا! میرے سر پر دستِ کرم رکھ دے، تیرے دستِ کرم کے نیچے میرے سر کو راحت ہے۔ تیرا دستِ کرم مجھے نعمت بخشتا ہے اور شکر کی توفیق دیتا ہے۔ اے خدا! میرے سر پر سے اپنا ہاتھ نہ ہٹا۔ میں بے قرار ہوں اور تیرے غم میں میری نیند اُڑ گئی ہے۔ میں اگرچہ نالائق ہوں لیکن ایک نالائق پر کرم کرنے سے تیرا کچھ نہیں بگڑتا۔ تُو نے مجھے اپنے کرم سے پیدا فرما دیا اور اپنی قدرت سے اِس مٹی کو حواس عطا کر دیئے۔ یعنی پانچ ظاہری اور پانچ باطنی حواس۔ نُطفہ ایک بے جان چیز ہے لیکن تُو نے اُس میں حواس پیدا کر دیئے۔ اگر میری توبہ میں توفیقِ الٰہی شامل نہ ہو تو اُس توبہ کا بقا مشکل ہے اور ایسی توبہ کا تو مذاق ہی اُڑتا ہے۔

اے خدا! تیری ہی قضا و قدر کی وجہ سے میرے حواس اور دل تباہ ہیں۔ جب تک تُو میرے اعمال کو منظم نہیں کرے گا میرا کام ناقص رہے گا۔ بغیر تیری توفیق کے کام کا نظام درست ہونا تو درکنار زندگی ہی ممکن نہیں ہے۔ خدا کی خدائی کے بغیر بندے کا وجود ممکن نہیں ہے۔ تُو مجھے دِیوانگی کا عاشق بنا دے کیونکہ عقل مندی سے میرا پیٹ بھر چکا ہے۔ اگر میں حالتِ سُکر میں ہوں تو تیرا اسارا راز کہہ دوں لیکن صحو میں کچھ بیان نہیں کر سکتا۔ انسان میں کیفیتیں راز کے ضبط کرنے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔ صحو میں ہونا راز بیان کرنے سے مانع ہے۔ اے دوستو! قضا و قدر کی اور ہماری مثال یہ ہے کہ ہم لنگڑے ہرن ہیں اور ہمارے اوپر شکاری شیر ہے۔ لنگڑے ہرن کے پاس اِس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ اپنے آپ کو شیر کے حوالے کر دے۔ وہ خود کھانے پینے اور سننے سے بے نیاز ہے اور ہمیں بھی اپنے رنگ میں رنگنا چاہتا ہے تاکہ ہمیں اُس کی ذات کا مشاہدہ ہو سکے۔ رُوح چونکہ لامکان کی غذا کی عادی ہے اُس کی نگاہیں وہاں ہی لگی ہوئی ہیں۔ بلی کو جب کسی سوراخ سے غذا حاصل ہو جاتی ہے تو وہ وہاں ہی انتظار میں بیٹھی رہتی ہے۔ اُس نے جہاں سے پہلے کوئی شکار پکڑا ہو وہ وہاں کے ہی چکر کاٹتی رہتی ہے۔ جن کو عالمِ بالا سے غذا حاصل ہو جائے اُن کی توجہ عالمِ بالا ہی کی طرف رہتی ہے۔

دنیا داروں کی مثال اُن بچوں کی سی ہے جو کھیل کود میں وقت ضائع کر رہے ہیں۔ اُن میں سے اگر کبھی کسی کو ہوش آتا بھی ہے تو شیطان پھر تھپک کر سُلا دیتا ہے اور غافل بنا دیتا ہے۔ جیسے دائی بچہ کو تھپک کر سُلاتی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ سو یارہ میں کسی کو موقع نہیں دوں گا کہ تیرے آرام میں خلل ڈالے۔ یاد رکھو! غفلت کی نیند کے اسباب کو خود ختم کرنے کی کوشش کرو اور اِس طرح بیدار رہو جیسے پیاسا پانی کی آواز سن کر بیدار رہتا ہے۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس طرح پانی کی آواز جو آسمان سے نازل ہوتا ہے پیاسوں کی غفلت کو دُور کرتی ہے میں بھی غافلوں کو اسی طرح بیدار کر رہا ہوں۔ سالک

یک زماں از وے عنایت بر کند تھوڑی دیر کے لئے اگر خدا مہربانیاں بند کر دے	عقلِ زیرک ابلہیہا می کند تو عقل بے وقوف بن جاتی ہے

کو غفلت ترک کر کے مشاہدہ کے لیے مضطرب ہو جانا چاہیے۔ ورنہ یہ طلب حقیقی نہ ہوگی۔ طلب حقیقی کے سلسلے میں ایک حکایت سُن لے۔

ایک عاشق کا معشوق کے وعدے پر انتظار کرتے کرتے سو جانا معشوق کا آنا اور اُس کی جیب میں اخروٹ بھر کر چلے جانا

ایک عاشق سالوں سے اپنے معشوق کے وصل کی فکر میں تھا۔ ایک دن معشوق نے اُس سے کہا کہ آج رات فلاں حجرے میں آجا۔ میں نے تیرے لیے لوبیا پکایا ہے۔ آدھی رات تک میرا انتظار کر تو میں خود ہی آجاؤں گا۔ مرد خوش ہوا اور شکرانے میں خیرات کی۔ گرم جوشی سے حجرے میں بیٹھ گیا لیکن اُس کو نیند نے پکڑ لیا۔ عاشق کو نیند کیسے آگئی؟ بہر حال دوست آدھی رات کے بعد آیا اُس نے عاشق کی آستین پھاڑ دی، چند اخروٹ اُس کی جیب میں ڈال دیئے کہ تُو بچہ ہے ان سے کھیل۔ جب صبح کو عاشق بیدار ہوا اپنی آستین پھٹی ہوئی دیکھی اور جیب میں اخروٹ دیکھے تو بولا کہ معشوق تُو سچا تھا اور محرومی تو خود میری وجہ سے ہوئی۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ اپنی حالت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ہم خواب غفلت سے محفوظ ہیں۔ چوکیدار کی طرح بالا خانے پر بیٹھ کر نقارہ بجاتے ہیں کہ ہم نے غفلت کو اور اُس کے اسباب کو فنا کو دیا ہے۔ اے ہم پر ملامت کرنے والے! ایسا نہ کر اس سے تجھے درد سر پیدا ہو جائے گا۔ میں آزما چکا ہوں جسے وہ ہجر کہتا ہے وہ ہجر ہی نہیں ہے کیونکہ اُس میں میرے لیے لذت ہے۔ راہِ عشق میں دیوانگی و شورش کے سوا ہر چیز معشوق سے بیگانگی ہے۔

فراق و وصل چہ باشد رضائے دوست طلب
کہ حیف باشد ازو غیر اُو تمنائے

"یار سے فراق یا وصل کے چکر میں نہ پڑ بلکہ اُس کی رضا کا طالب رہ کہ اُس کے سامنے کسی غیر چیز کا طالب ہونا افسوسناک بات ہے"۔

میں صرف اپنے محبوب کی زلف کی زنجیر کا قیدی بن سکتا ہوں اُس کے علاوہ سب زنجیریں توڑ دوں گا۔ عاشق آبرو سے بے پرواہ ہوتا ہے۔ عشق کے ساتھ رسوائی اور ذلت ہی جمع ہو سکتی ہے۔ اب ایسا وقت آگیا ہے کہ مجھے جسمانی صفات سے عریاں ہو کر سراسر جان بن جانا چاہیے۔ فکر اور شرم ہمیشہ وصل سے مانع ہوتی ہیں۔ اُن کا پردہ چاک کر دینا چاہیے۔ عشق کا عجیب جادو ہے کہ اُس نے نیند کو آنکھوں سے روک دیا ہے۔ عشق اُس وقت خوش ہوتا ہے جب عاشق کا

صبر و قرار فنا ہو جائے۔ جب تک میں عشق کی آگ میں جل کر فنا نہ ہو جاؤں گا۔ محبوب خاموش نہ ہو گا۔ میرا دل ہی اُس کا خاندان اور مکان ہے۔ اگر وہ اُس کو پھونکنا چاہتا ہے تو پھونک دے۔ اُس کو پوچھنے والا کون ہے؟ میرا دل جلنے سے جو سوزش اُس میں پیدا ہو گی وہی میرا مقصود ہے۔ شمع سوزش ہی سے تو روشنی دیتی ہے۔

اگر انسان عشق سے خالی ہے تو اُسے عاشقوں کو دیکھ کر عبرت حاصل کرنی چاہیے۔ اُن کو دیکھ! وہ وصل کی خاطر پروانہ وار قربان ہو رہے ہیں۔ دیکھ! عاشقوں کی کشتی کس طرح دریا میں ڈوب رہی ہے جیسے وہ دریا کوئی اژدھا ہو جو سب کچھ نگل رہا ہو۔ عشق ایک ایسا اژدھا ہے جو بظاہر نظر نہیں آتا لیکن دل کو نگل جاتا ہے اور پہاڑ جیسی عقل کو مغلوب کر دیتا ہے۔ عقل جب عشق سے واقف ہو جاتی ہے تو اپنا سب کچھ قربان کر دیتی ہے اور کہتی ہے یہ سب چیزیں محبوب پر قربان ہیں جو بے نظیر ہے لہٰذا اِن چیزوں کی واپسی کی کبھی خواہش نہیں ہو گی۔ مکاری پر انسان عاشق کے اَحوال سے قصداً آنکھیں بند کر لیتا ہے اور کہتا ہے کہ میں ان اَحوال کو نہیں دیکھتا۔ وہ محروم ہے۔ اگر وہ عشق کے میدان میں آ جائے تو اُس کو سب اَحوال نظر آنے لگیں جن کے بارے میں وہ کہتا تھا کہ ''میں نہیں دیکھتا'' پھر وہ کہے گا کہ میں دیکھتا ہوں۔ تُو عقل کی مستی سے گزر کر عشق کی مستی تقسیم کرنے والا بن جا۔

عقل کے مَست تو بہت ہیں۔ مارے مارے پھرتے ہیں اور ہر ایک اپنی مختلف رائے رکھتا ہے۔ اللہ کے مستوں سے اگر دو عالَم بھر جائیں تو یہ اُن کی ذلت کا سبب نہ ہو گا کیونکہ وہ سب مل کر ایک ہیں۔ کثرت ذلت کا سبب نہیں ہے۔ ذلیل تو وہ ہوتا ہے جو تَن پر مَست ہو۔ چاند کی چاندنی سے سارا عالَم بھی پُر ہو جائے تو اُس میں کوئی کھوٹ نہیں آتا۔ اِسی طرح سورج کی روشنی سے سارا عالَم منور ہوتا ہے تو اُس کی روشنی بے قدر نہیں ہوتی۔ مَستی اور سُکر دونوں فضیلت والی حالتیں ہیں لیکن تمہیں اعلیٰ مقام صَحو حاصل کرنا چاہیے۔ سُکر کا مقام ابرار کا ہے لیکن صَحو کا مقام مقبولینِ بارگاہ کا ہے۔ جو سالِک مقامِ صَحو میں ہوتا ہے وہ بھی حق تعالیٰ سے فیض حاصل کرتا ہے اور دوسروں کو پہنچاتا ہے۔ سُکر کی حالت حیرت کی ہوتی ہے جس میں سالِک ہر معاملہ میں لاعلمی کا اظہار کرتا ہے۔ وہ اُس ذات کا متلاشی ہے جسے جانتا ہے۔

ایک مخمُور ترک امیر کا گویّے سے صُبح کے وقت شراب طلب کرنا اور حدیث کی تفسیر اور سُورۃ التوبہ کی آیت کا بیان

ایک مخمور ترک امیر کا گویئے سے صبح کے وقت شراب طلب کرنا اور حدیث کی تفسیر کہ ''اللہ کے پاس ایک شراب ہے جو اُس کے دوستوں کے لیے تیار کی گئی ہے اور جب اُس کو پیتے ہیں تو مَست ہو جاتے ہیں، اور جب مَست ہو جاتے ہیں پاکیزہ بن

جاتے ہیں۔" سُوْرَۃُ التَّوْبَۃِ ، میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "بے شک وہ پئیں گے" یہ شراب جو تُو پیتا ہے حرام ہے' ہم جائز شراب کے سوا نہیں پیتے ہیں۔ کوشش کر کہ تُو نیست سے ہست ہو جائے اور خدا کی شراب سے مست ہو جائے۔

ایک تُرک سردار صبح نیند سے بیدار ہوا تو اُس پر خمار کی سی کیفیت طاری تھی۔ اُس نے گویّے کو طلب کیا۔ رُوحانی گویا یعنی شیخ جب توجہ کرتا ہے تو سُکر کی حالت میں مبتلا سالِک کی حالت مزید سُکر والی ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ تُرک سردار اپنے نشے کو زیادہ کرنے کے لیے گویّے کا طلب گار ہوا۔ سالِک کو سُکر کی حالت شیخ کی طرف کھینچتی ہے۔ شیخ اور گویّے کے الفاظ کو ایک ہی معنیٰ میں استعمال کیا گیا ہے۔ الفاظ کے ہم معنیٰ ہونے کا فرق دراصل حالت پر منحصر ہے۔ ایک بادشاہ کے دو وزیر حسن نامی تھے لیکن اُن دونوں میں بہت فرق تھا۔ لفظی مشابہت تھی لیکن حالت کے لحاظ سے بالکل مختلف تھے۔ لفظی اشتراک اکثر لوگوں کی گمراہی کا سبب بنتا ہے۔ مومن اور کافر میں جسم یکساں ہیں۔ لفظ کا اطلاق کسی کی اندرونی حالت پر منحصر ہے۔ مومن کا جسم ایمان سے لبریز اور کافر کا کفر سے بھرا ہوا ہوگا۔

یاد رکھو! نگاہ ہمیشہ باطن پر رکھو، اگر ایسا کرو گے تو شاہ ہو ورنہ گمراہ ہو۔ الفاظ کو جسم اور اُس کے معانی کو رُوح سمجھو۔ جسمانی آنکھ صرف جسم کو دیکھتی ہے لیکن رُوحانی آنکھ کی نظر رُوح پر ہی پڑتی ہے۔ یہی حال مثنوی کا ہے' جو اس کی کہانیوں کی طرف دیکھے گا تو صرف لفظوں کو دیکھے گا اور بدعقیدہ ہو جائے گا اور جو حکایتوں کے مقاصد پر غور کرے گا وہ اُن سے خوب فائدہ اُٹھائے گا۔ قرآن میں قرآن کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ جب کوئی عارف' لفظ "شراب" کا استعمال کرتا ہے تو اُس سے یہ حقیر ظاہری شراب مراد نہیں ہے بلکہ شرابِ معرفت مراد ہے۔ جو شخص محض دنیاوی شراب کو جانتا ہے وہ شراب سے شرابِ محبت کا مفہوم کب سمجھ سکتا ہے۔ شراب اور گانا دونوں اِس بارے میں یکساں ہیں کہ اُن میں ہر ایک دوسرے تک پہنچا دیتا ہے۔ مخمور انسان گویّے سے غذا حاصل کرتا ہے اور گویا اُس کو شراب خانہ تک لے جاتا ہے۔ میدانِ عشق کی ابتداء گانا ہے اور انتہا شراب ہے کیونکہ دل گویّے کے قابو میں ہو جاتا ہے۔

انسان کے دماغ میں جو خیال ہوتا ہے وہ لفظوں کو اُس طرف لے جاتا ہے۔ اگر دماغ میں تھوڑی سی صحیح بات بھی ہوتی ہے تو وہ اِن الفاظ کے بعد غلطی سے بدل جاتی ہے۔ اگر سر میں صَفرا ہے اور سَودا کے غلبے سے سَودا بن گیا ہے تو سَودا اور صَفرا دونوں بے ہوشی کا سبب بن جائیں گے اور پھر سبب اور مُسبّب ایک ہی تاثیر کریں گے۔ جب تُرک نے گانے، خوشی اور خُمار کی تکلیف محسوس کی تو اُس نے گویّوں کو بیدار کر دیا۔ انسان قرب کے باوجود اپنے چہرے کو خود نہیں دیکھ سکتا۔ انتہائی قرب انسان کو ہمیشہ اشتباہ میں ڈال دیتا ہے۔ اے اللہ! میں تجھے "یا ربّ" اِس لیے کہتا ہوں کہ میرے رقیب یہ نہ

لیک یک دَر صد بُوَد ایمان لغیب	نیک دان و بگذر از تزویر و ریب
لیکن سو میں سے ایک کو ایمان بالغیب ہوتا ہے	خُوب سمجھ لے اور مکر اور شک سے گزر جا

سمجھ لیں کہ تُو میرے بے حد قریب ہے۔ "یا" تو دُور والوں کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ اس لیے میرے لیے یہ لفظ بے معنی ہے۔

ایک نابینا کا حضور ﷺ کے گھر آنا اور اُمّ المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا پردہ۔ حضور ﷺ کا اِستفسار اور اُن کا جواب

ایک نابینا حضور ﷺ کے گھر آیا اور بولا: اے ساقی! فریاد ہے، آپ ﷺ پانی کے مالک ہیں اور میں مانگنے والا ہوں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے دیکھا تو پردہ میں ہو گئیں۔ جو شخص زیادہ حسین ہو اُس میں رشک کا مادہ زیادہ ہوتا ہے کیونکہ رشک ناز کی پیداوار ہے اور ناز حسینوں میں زیادہ ہوتا ہے۔ جب بیوی بوڑھی ہو جائے تو اُس میں نہ ناز رہتا ہے اور نہ رشک۔ جبکہ حضور ﷺ حُسن میں بڑھ چڑھ کر تھے اور نورِ خداوندی اُن کا مددگار تھا۔ تو آپ ﷺ میں ناز بھی بڑھا ہوا تھا اور رشک بھی۔ حضور ﷺ کو اپنے حُسن و جمال کی بنیاد پر یہ کہنے کا حق ہے کہ میں نے اپنے حُسن کے دعوے کی گیند دُحل پر پھینک دی ہے لہٰذا اب کسی حسین کو حُسن کی نمائش کا حق نہیں۔ اب سب حسین اپنے حُسن کو میرے حُسن میں گم کر دیں ورنہ رُسوا ہو جائیں گے۔ میں کبھی بظاہر رُوپوش ہو جاتا ہوں (بشریت) تاکہ دوسرے حسین اپنے حُسن کا مظاہرہ کر سکیں۔ سورج اگرچہ دنیا سے رُوپوش نہیں ہوتا، کچھ سمتوں سے غائب ہو جاتا ہے تاکہ چمگادڑیں کچھ اُڑ لیں۔ مور اپنے پَروں کو دیکھتا ہے تو خوش ہوتا ہے اور ناچتا ہے اور پاؤں چونکہ بھدے ہیں اُن کو دیکھ کر رنجیدہ ہوتا ہے۔ انسان کو بھی چاہیے کہ جب اُس میں تکبر کی کیفیت پیدا ہو تو اپنی برائیوں پر نظر کرے، جس طرح ایاز نے تکبر کا سر کچلنے کا سامان کیا ہوا تھا۔ سورج پھر صبح نمودار ہو جاتا ہے تاکہ تارے متکبر بن کر دوزخی نہ بن جائیں۔

حضور ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی آزمائش کے لیے پوچھا: تمہیں اندھے سے چُھپنے کی کیا ضرورت تھی؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے ہاتھوں کے اشاروں سے بتایا کہ وہ نہیں دیکھتا لیکن میں تو دیکھتی ہوں۔ وہ نہیں چاہتی تھیں کہ اُنکی آواز کوئی غیر مرد سنے۔ پھر عرض کی: غیر مرد پر میری نگاہ پڑنا آپ کی غیرت کے منافی ہے۔ عقل کو رُوح کے حُسن پر غیرت ہے اِسی لیے وہ رُوح کی حقیقت کو ظاہر نہیں کرتی، محض تشبیہات سے اُسے سمجھاتی ہے۔ رُوح سے مراد دراصل ذاتِ حق ہے۔ اے عقل! تُو ایسی چیز کو کیوں چھپاتی ہے جس کا نور خود ہی اُس کے لیے حجاب ہے۔ سورج بغیر نقاب کے پھرتا ہے لیکن کثرتِ نور کی وجہ سے کوئی اُس کو نگاہ بھر کر نہیں دیکھ سکتا اور جس چیز کو سورج بھی نہیں دیکھ سکتا تُو اُس کو کیوں چُھپاتی ہے؟ کوئی دیکھ سکے یا نہ دیکھ سکے رشک کا تقاضہ ہے کہ عاشق، محبوب کو خود اپنے آپ سے بھی چھپانے کی کوشش

بندگی در غیب آمد خوب و کش
غیب کی صورت میں عبادت خُوب اور بہتر ہے

حفظِ غیب آمد در استعباد خوش
عبادت کرنے میں غیب کی حفاظت اچھی ہے

کرتا ہے۔

چونکہ رشک کی آگ بھڑکی ہوئی ہے اس لیے میری آنکھ اور کان کو بھی میرے محبوب سے حجاب میں ہونا چاہیے۔ اُسے میرے محبوب کو نہیں دیکھنا چاہیے اور اُسے اُس کی بات نہیں سننی چاہیے۔ اے عقل! اگر تجھ میں ایسا رشک ہے تو پھر اُس کی بات بھی نہ کر۔ عقل کہتی ہے کہ اگر میں بالکل خاموش رہوں تو وہ خاموشی خود پردہ چاک کر دے گی۔ اگر کسی معاملے میں زیادہ خاموشی اختیار کی جائے تو لوگ اُس کو معلوم کرنے کے اور دَر پے ہو جاتے ہیں۔ جس بات سے کسی کو روکا جائے تو وہ اُس کے متعلق اور زیادہ حَریص ہو جاتا ہے۔ سمندر میں جب جوش آتا ہے تو جھاگ نمودار ہو جاتے ہیں اور یہ جھاگ اُس کے جوش کی پہچان کا ذریعہ بن جاتا ہے اور وہ جھاگ ہی اُس کو پوشیدہ کر دیتے ہیں۔ محبوب کی تھوڑی سی تعریف کر دینا گویا اُس کو چھپا دینا ہے۔ اگر باتوں میں نہ لگایا جاتا تو میں اُس کو دیکھنے کے دَرپے ہو جاتا۔ بلبل جو پھول پر نعرے لگاتی ہے اُس کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ تماشائی اُس کے نعروں میں محو ہو جائیں اور پھول کو نہ دیکھ پائیں۔ سورج کی جس قدر وضاحت کی جائے وہ اُسی قدر مخفی ہوتا چلا جائے گا۔

ایک قوال کا تُرک سردار کی مجلس میں غزل شروع کرنا اور سردار کا غصہ و جھنجلاہٹ

گُل یا سوسنی یا سرو یا ماہی نمی دانم
وزیں آشفتۂ بیدل چہ می خواہی نمی دانم

قوال نے جب غزل سُنائی اور معشوق کی سلبی صفات کا اظہار کیا کہ تُو ہر وقت میرے ساتھ ہے پھر بھی مجھے یہ معلوم نہیں کہ میں کہاں ہوں اور تو کہاں ہے۔ میں نہیں جانتا کہ کیوں کبھی تُو مجھے بے حد پیار کرتا ہے اور کبھی کیوں قتل کرتا ہے۔ اُس قوال نے ''میں نہیں جانتا'' کی تکرار جاری رکھی تو تُرک کو غصہ آ گیا اور وہ گرز لے کر قوال کی طرف دوڑا۔ ایک سپاہی نے دوڑ کر اُس کو پکڑ لیا اور پوچھا: قوال کو کیونکر مارنا چاہتے ہو؟ ترک نے غصّے میں جواب دیا کہ اس کی ''میں نہیں جانتا'' نے مجھے بہت کوفت پہنچائی ہے۔ میں ابھی اِس کا سر پھوڑ دوں گا اور غصّے سے قوال کو کہنے لگا: اے دیوث! اگر تُو نہیں جانتا ہے تو جو کچھ جانتا ہے وہ کہہ اور اپنا انعام لے۔ ''نہیں جانتا'' کی رٹ نہ لگا۔ تیری حالت تو یہ ہے کہ اگر میں پوچھوں کہ تُو کہاں کا رہنے والا ہے اور تُو کہنا شروع کر دے کہ نہ میں بلخ کا رہنے والا ہوں نہ ہرات کا نہ روم وغیرہ کا اور نہ نہ کرتا چلا جائے تو غلط ہے۔ تُو سیدھی طرح بتا دے کہ میں فلاں جگہ کا رہنے والا ہوں۔ قوال نے جواب دیا کہ جب مقصود

پس بغیبت نیم ذرہ حفظِ کار　به کہ اندر حاضری زاں صد ہزار
غیب میں کام کی تھوڑی بھی نگہداشت　موجودگی کی لاکھ کارگزاری سے بہتر ہے

تصور سے بالاتر ہو تو اُس کے اِثبات کا پہلو پیش نہیں کیا جاسکتا۔ لامحالہ اُس کے غیر کی نفی کا سلسلہ شروع کرنا ہوگا جو دراز ہو جائے گا۔ اور اسی طرح وہ مقصود بھی سمجھ میں آجاتا ہے۔ میں نے باجے کو نفی پر بجانا شروع کیا تاکہ جب سب کی نفی ہو جائے تو مقصود سمجھ میں آجائے اسی لیے سُکر کو صحو کی سیڑھی کہا جاسکتا ہے۔ اِس مضمون کو حدیث اور حکیم سنائی رحمۃ اللہ علیہ کے شعر سے سمجھایا گیا ہے۔ حضور ﷺ کا قول ہے کہ مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا "مرجاؤ قبل اس کے کہ مرو" حکیم سنائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

بمیر اے دوست پیش از مرگ اگر می زندگی خواہی
کہ ادریس از چنیں مُردن بہشتی گشت پیش از ما

"اے دوست! مرنے سے پہلے مرجا، اگر تُو زندگی چاہتا ہے، کیونکہ ادریس علیہ السلام ہم سے پہلے ایسے مرنے سے بہشتی بن گئے ہیں۔"

یاد رکھو! مجاہدات کے بعد جب تک فنا کا درجہ حاصل نہ ہوگا مُشاہدہ نہ ہو سکے گا۔ مُشاہدہ کی سیڑھی فنا ہے اگر سیڑھی میں ایک ڈنڈا بھی کم ہے تو مُشاہدے تک پہنچا نہیں جاسکتا۔ پوری سیڑھی طے نہ ہوگی تو کیسے معلوم ہوگا کہ وہاں کیا ہے۔ اگر کنویں میں سو گز کی رسی جاتی ہو اور رسی میں ایک گز کی کمی رہ جائے تو پانی ڈول میں نہ آئے گا۔ کشتی اُس وقت تک نہ ڈوبے گی جب تک اُس میں وہ آخری وزن بھی نہ رکھ دیا جائے جو ڈوبنے کے لیے ضروری ہے۔ یہ آخری بوجھ رات کے اُس آخری ستارے کی طرح ہے جو چمک کر رہنمائی کرتا ہے اور یہی گمراہی کی کشتی کو غرق کر دیتا ہے۔ ہستی فنا کے بعد آسمان کا سورج بن جاتی ہے۔ جب تک تُو مر نہیں جاتا تیرے مجاہدے دراز ہوتے چلے جائیں گے۔ صبح کے وقت اپنی جان کھپا اور شمع پر اپنی جان وار دے۔ سورج تب ہی نکلتا ہے جب سب ستارے غروب ہو جائیں۔

مُشاہدہ تب ہی حاصل ہوگا جب غیر اللہ سے تعلق بالکل ختم کرلیا جائے۔ مجاہدے کا گُرز مار اور اپنی خودی کا بُت پاش پاش کردے۔ جب تک جسمانی اَوصاف موجود ہیں تُو اَسرار کو نہیں سن سکے گا۔ اُس قوال نے تُرک سے کہا کہ جس عیب کی بنا پر تُو مجھے گُرز مار رہا ہے۔ وہ تو خود تیرے اندر موجود ہے گویا تُو گُرز مجھے نہیں اپنے آپ کو مار رہا ہے اور میری یہ خودی کہ میں سمجھا کہ تُو مجھے گُرز مار رہا ہے تیری ہی خودی کا عکس ہے۔ تُو نے میرے اندر دراصل اپنی صورت دیکھی ہے اور مجھے قتل کرنا دراصل تیرا اپنے آپ کو قتل کرنا ہے۔ تیری اور میری مثال اُس شیر جیسی ہے۔ جس نے پانی میں اپنا عکس دیکھا اور اُس پر حملہ کردیا۔ کسی چیز کی ضد کی نفی سے اُس چیز کا اِثبات ہوتا ہے۔ دنیا کے دور میں ذاتِ حق کی معرفت غیر اللہ کی

دو فرشتہ خوش مُنادی می کنند	گفت پیغمبر کہ دائم بہر پند
دو فرشتے عُمدہ مُنادی کرتے ہیں	پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نصیحت کے لئے ہمیشہ

نفی سے ہی ہو سکتی ہے۔ اِس لیے کہ انسان علائقِ دنیوی کے جال میں پھنسے ہوئے ہیں۔ اگر انسان بے حجاب مُشاہدہ چاہتا ہے تو فنا اختیار کرے اور پردے چاک کردے۔ اِس موت سے وہ موت مراد نہیں ہے جس کے بعد انسان کو قبر میں دفن کر دیا جاتا ہے بلکہ اَوصافِ جسمانی کی تبدیلی مراد ہے۔ جب انسان بالغ ہو جاتا ہے تو اُس کا بچپن فنا ہو جاتا ہے۔ اگر کسی سیاہ چیز پر سرخ رنگ کر دو تو اُس کی سیاہی مر جاتی ہے۔ غم جب خوشی میں بدل جاتا ہے تو غم مر جاتا ہے۔

حضور ﷺ نے فرمایا: اگر کوئی کسی مُردے کو زندہ دیکھنا چاہتا ہے تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دیکھ لے۔ اگر کوئی ایسے مُردے کو دیکھنا چاہتا ہے جو زندوں کی طرح زمین پر چلتا پھرتا ہو، تو وہ خود مردہ بنے اور اُس کی رُوح کو عالَمِ بالا منتقل ہونے کی ضرورت نہ رہی ہو۔ ظاہری موت کے بعد رُوح کے منتقل ہونے کو عقلاً نہیں سمجھا جا سکتا ہے۔ اِس کو وہی سمجھ سکتا ہے جس نے مقامِ فنا حاصل کر لیا ہو۔ رُوح کا عالَمِ بالا کی طرف منتقل ہو جانا بالکل اِسی طرح ہے جیسے زندہ اس دنیا میں ایک مقام سے دوسرے میں منتقل ہوتا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر اس بات کا یقین آ جائے گا کہ مرنے کے بعد زندہ کیسے ہوتے ہیں کیونکہ فنا کے بعد اُن کو بقاء حاصل ہو گئی ہے۔ اِسی طرح حضور ﷺ کے دربار میں فنا کے بعد بقا حاصل ہوتی ہے۔ آنحضور ﷺ کو خود فنا کے بعد بقا حاصل ہو چکی تھی۔ اِس لیے حضور ﷺ گویا قیامت کا نمونہ تھے۔ قرآن میں مذکور ہے کہ یہ لوگ قیامت کے بارے میں آپ ﷺ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ کب آئے گی۔ آپ ﷺ اُن کو زبانِ حال سے فرماتے: قیامت سے قیامت کون دریافت کرتا ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا: میں موتِ طبعی سے پہلے مر چکا ہوں۔ اِسی لیے اُس عالَم سے یہ باتیں لا کر سناتا ہوں۔

حضور ﷺ نے سوال کرنے والے سے فرمایا: تُو خود قیامت بن جا تجھے قیامت کا مُشاہدہ ہو جائے گا۔ ہر چیز کے مُشاہدے کی یہی شرط ہے کہ اُس چیز میں اِس قدر انہماک ہو جائے کہ مُشاہدہ خود وہ چیز بن جائے۔ جب تک انسان روشنی کے آثار اپنے اوپر طاری نہیں کرے گا۔ روشنی کو نہیں دیکھ سکے گا۔ اِسی طرح عقل اور عشق کے آثار طاری کر لینے سے عقل اور عشق کو جان سکے گا۔ یہ اشکال ہو سکتا ہے کہ اس قاعدے کے مطابق تو جب تک انسان خدا نہ بن جائے ذاتِ حق کا مُشاہدہ نہیں ہو سکتا اور یہ ممکن نہیں ہے۔ بے شک مُشاہدے کے لیے خدا کے ساتھ اتحاد فی الصفات ضروری ہے اور جب تک انسان تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰهِ کا مصداق نہ بن جائے مُشاہدہ نہیں ہو سکتا۔ اِس قسم کے بہت سے دلائل ہیں لیکن اُن کے سمجھنے والے کم ہیں۔ یہ تصور قائم کر لو کہ دنیا کے سب انسان نزع میں مبتلا ہیں۔ اور اُن کی باتیں گویا مرنے کے وقت کی باتیں ہیں۔ اِس کا فائدہ یہ ہے کہ انسان کے دل میں ایک غیرت اور رحمت پیدا ہوتی ہے اور اپنے اندر سے

کاے خُدایا مُمسکاں را دَر جہاں	تو مَدِہ اِلّا زیاں اندر زیاں
کہ اے خُدا! دُنیا میں بخیلوں کو	تُو نہ عطا فرما مگر تباہی در تباہی

بُغض اور کینہ کا مادہ ختم ہو جاتا ہے۔ صوفیاء اسے مراقبہء موت کہتے ہیں۔

رشتہ داروں کے بارے میں نزع کی کیفیت کا تصور کرو گے تو تمہارے دل میں سوز و گداز پیدا ہوگا۔ جو موت ہر صورت میں آنے والی ہے سمجھو کہ آ گئی ہے۔ جو انسانی اغراض اِس مراقبے میں مانع ہوں اُن کو دل سے نکال دو۔ اگر تم اُن اغراض کو نہ نکال سکو تو صرف عجز پر قائم نہ رہو۔ تمہارا عاجز ہونا ایک زنجیر ہے جو باندھنے والے نے باندھی ہے۔ اُس کی طرف رجوع کرو اور کہو: اے حقیقی زندگی کی طرف ہدایت کرنے والے! میں فطرت کے لحاظ سے ایک باز تھا۔ اب عاجز مچھر کیوں بن گیا ہوں؟ میں نے بُرائی میں قدم جما رکھا ہے اور تیرے قہر کی وجہ سے ٹوٹے میں مبتلا ہوں۔ میں تیری نصیحتوں سے بہرہ بن گیا تھا۔ بُت گر تھا لیکن بُت شکنی کا مدعی تھا۔ تُو اپنے فضل سے مجھ پر رحم فرما۔

اے موت سے غافل انسان! تُو یہ بتا کہ تیرے لیے اپنی دستکاری اور کاری گری کی یاد ضروری ہے یا موت کی یاد۔ موت خزاں کی طرح ہے اور تُو ایک پتہ ہے، جس نے خزاں میں ضرور جھڑنا ہے۔ موت ڈھنڈورا پیٹ رہی ہے لیکن تُو نہیں سنتا۔ جب سننے کا وقت نہیں رہے گا تب تُو سُنے گا۔ نزع کے وقت تُو ہائے موت کہے گا لیکن اُس وقت کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ اعلان کرتے کرتے موت کا گلا بیٹھ گیا اور اُس کا نقارہ پھٹ گیا لیکن تُو دنیا داری کی باریکیوں میں لگا رہا۔

انسان کی موت کے وقت کی آہ و زاری ایسی ہی ہے جیسا کہ شیعہ صاحبان کا شہدائے کربلا پر ہر عاشورہ کو ماتم کرنا۔

وہ غافل جو عُمر ضائع کر دیتا ہے اور موت کے وقت کی تنگی میں توبہ و استغفار شروع کرتا ہے، وہ حلب کے شیعوں کے مشابہ ہے جو ہر سال عاشورہ کے ایّام میں انطاکیہ کے دروازے پر عزاداری کرتے ہیں

عاشورہ کے دن حلب کے باشندے ایک جگہ جمع تھے اور واقعہ کربلا اور ظلم و آزمائش جو خاندانِ نبوت نے یزید اور شمر کے ہاتھوں دیکھی تھا کو یاد کر کے روتے تھے اور نوحہ و نالہ بلند کرتے تھے۔ اُس راستے سے ایک مسافر شاعر آیا اور پوچھنے لگا کہ یہ کیسا غم ہے کیا کوئی بڑا رئیس مر گیا ہے؟ مجھے اُس کے بارے میں بتاؤ کہ اُس کا مرثیہ لکھوں اور یہاں سے سامان اور لنگر حاصل کروں۔ لوگوں نے کہا: کیا تُو دیوانہ ہے؟ شیعہ نہیں ہے؟ اہلِ بیت کا دشمن ہے؟ تجھے معلوم نہیں آج عاشورہ کا دن ہے۔ آج اُس جان کا سوگ سو سال سے بہتر ہے۔ اُس پاک رُوح کا ماتم آج نوح علیہ السلام کے سینکڑوں طوفانوں سے زیادہ اہم واقعہ ہے۔ شاعر نے کہا کہ جو تُو کہہ رہا ہے وہ ٹھیک ہے لیکن یزید کا دور گزرے ہوئے تو ایک عرصہ گزر گیا ہے۔ اور یہاں اتنے عرصے کے بعد یہ خبر پہنچی۔ یہ واقعہ تو اس قدر

کاے خدایا مُمسکاں را در جہاں	تو مَدہ اِلّا زیاں اندر زیاں
کہ اے خُدا! دُنیا میں بخیلوں کو	تُو نہ عطا فرما مگر تباہی در تباہی

دردناک تھا کہ اندھوں اور بہروں تک نے دیکھ لیا اور سُن لیا۔ کیا تم اُس وقت سو رہے تھے جو اَب ماتم میں کپڑے پھاڑ رہے ہو؟ اگر تم اِس قدر غافل ہو تو اپنے اوپر ماتم کرو۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ ایک شاہ تھے۔ اُن کی رُوح قید خانہ سے چھوٹ گئی تو اِس پر ماتم کا کیا موقع ہے۔ اَلدُّنیَا سِجنُ المُؤمِنِ "یہ دنیا مومن کا قید خانہ ہے۔" وہ قید خانے سے اپنی سلطنت کی طرف لوٹ گئے۔ یہ تو اُن کے شہنشاہ بننے کا وقت ہے۔ اگر تم کو اِس سے واقفیت نہیں ہے تو اپنے اوپر ماتم کرو۔ تجھے اپنے دل اور دین پر ماتم کرنا چاہیے کیونکہ تجھے اِس دنیا کے علاوہ کچھ نظر نہیں آتا۔ جو دوسرے عالم کو دیکھتا ہے تو اُس کے حصول کے لیے بہادر، جاں باز اور سیر چشم کیوں نہ ہوگا۔ جو عالمِ آخرت کو دیکھتا ہے اُس کے چہرے پر نور ہوتا ہے۔ یاد رکھو! جو سمندر کے خزانوں کو دیکھ لیتا ہے وہ کسی بھی سخاوت سے دریغ نہیں کرتا۔

اُس لالچی کی مثال جو اللہ کی رزّاقی اور رحمت کے خزانوں کو دیکھنے والا نہیں، اُس چیونٹی کی سی ہے جو ایک ڈھیر پر ہے اور ایک دانے پر کوشاں اُسکو جلدی جلدی کھینچ رہی ہے ڈھیر کی وسعت کو نہیں دیکھتی

چیونٹی جو ایک دانے کے لیے اپنی جان ہلکان کر رہی ہے اُس کی وجہ یہ ہے کہ وہ بڑے ڈھیروں سے اندھی ہے اور اپنے اندھے پن سے ناچیز کو چیز سمجھ رہی ہے۔ اُس نے ڈھیر میں سے صرف یہی ایک دانہ دیکھا ہے۔ انسان جسم کے اعتبار سے تو ایک حقیر ذرہ ہے لیکن رُوح کے لحاظ سے سب سے اونچا زُحل ستارہ ہے۔ سلیمان ہے۔ انسان جسم کا نام نہیں ہے۔ انسان تو دیدۂ حق بین ہے۔ انسان کی حقیقت دیدِ حق کا آلہ یعنی رُوح ہے اور بقیہ محض گوشت پوست ہے۔ جو کچھ اُس کی حق بیں آنکھ دیکھتی ہے اصل چیز وہی ہے ورنہ سب ناچیز ہے۔ وہ مٹکی جس کا تعلق سمندر سے ہو جائے وہ اپنے پانی سے پہاڑ کو غرق کر سکتی ہے۔ چونکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صفات، حضرتِ حق کے صفات میں فنا ہو چکے تھے لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانا عین حضرتِ حق کا فرمانا ہے۔ قرآن میں اکثر جگہ لفظ "قُل" آیا ہے وہ بظاہر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقولہ ہے لیکن حقیقتاً اللہ تعالیٰ کا مقولہ ہے۔

گفتۂ اُو گفتۂ اللہ بود
گرچہ از حلقومِ عبداللہ بود

"اُس کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ اللہ ہی کے الفاظ ہوتے ہیں۔ اگرچہ وہ اللہ کے بندے کے حلق سے نکلے

اے خُدایا مُنفقاں را دِہ خلف	اے خُدایا مُمسکاں را دِہ تلف
اے خُدا! خرچ کرنے والوں کو اچھا بدلہ دے	اے خُدا! بخیلوں کو تباہ کر دے

ہوں''۔

حضور ﷺ کے دل کی وابستگی جبکہ بحرِ حقیقت سے تھی تو آپ ﷺ کا فرمایا ہوا اُسی سمندر کا موتی ہے۔ اگر پوری اطاعت کے بعد انسانوں کے افعال اللہ کی طرف منسوب ہوتے ہیں تو اس میں کیا تعجب ہے کہ کسی عارف کو فنافی الذات کا مرتبہ حاصل ہو جائے۔ کسی مٹکی سے سمندر کا پانی نکل رہا ہو اور تیری نگاہ محض پانی کی گزرگاہ کو دیکھ رہی ہو۔ حالانکہ وہ تو سمندر سے آ رہا ہے۔ مٹکی اور سمندر کو دو سمجھنا بھینگا پن ہے۔ دراصل دونوں میں اتحاد ہے۔ صرف مٹکے کو نہ دیکھ، جو کچھ مٹکے میں ہے اُسے دیکھ۔ اُس میں ایک سمندر پنہاں ہے۔ انسانِ کامل کے اندر بھی فیوضِ الٰہی ہیں جو لامحدود ہیں، جو پاک اور شیریں ہیں۔ جو شخص اُن فیوض سے محروم ہے وہ خدائی قہر کی وجہ سے عذاب میں ہے۔ انسان کو اُن فیوض کا مظہر بنانے میں یہ حکمت ہے کہ اِس سے رازِ وحدت ظاہر ہو اور کوئی بلند اقبال اُس کی جستجو میں لگے۔ اِس مظہر کو دیکھ کر کوئی بانصیب، مزید مجاہدے اور کوشش میں لگے گا اور اُس کو مُشاہدۂ حق حاصل ہو جائے گا۔

اہلِ دل کی مثال یوں سمجھو کہ اُن میں ایک نہر جاری ہے اور اُس نہر کو ذاتِ حق سے اتحاد حاصل ہو چکا ہے۔ یہی اہلِ دل وہ ہیں جن سے زمین و آسمان قائم ہیں۔ لفظ اتحاد کا بھی غلط استعمال کیا گیا ہے کیونکہ اتحاد تو دو چیزوں میں ہوتا ہے۔ اُن کا ذاتِ حق سے ایسا وصال ہے کہ دوئی ختم ہو چکی ہے۔ اب اُن کی بات خدا کی بات ہے۔ جب یہ وحدت حاصل ہو جاتی ہے تو منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ کی طرح وہ نعرہ اَنَا الْحَق لگا دیتا ہے اور موت کی سولی نہ سہی بدنامی کی سولی پر چڑھ جاتا ہے۔ یہ تعلق بِاللّٰہِ بَعْدَ الْفَنَاءِ سے ہی معلوم ہوگا۔ اُس مقام کے بارے میں بحث نہ کرو اُسے حاصل کرنے کی کوشش کرو۔ حشر اور بَعَثْ بَعْدَ الْمَوْتِ تب ہی ہوگا جبکہ پہلے موت واقع ہو جائے گی کیونکہ بعث تو مرنے کے بعد زندہ ہونے کو کہتے ہیں۔ اِس بعث کے لیے موت ضروری ہے۔ جو موت سے ڈرتے ہیں اُن کی راہ غلط ہے۔

تعلق مع اللہ کا علم جب ہی حاصل ہوگا جب تعلق غیر اللہ کا علم چھوڑ دو گے۔ اللہ سے صلح اور محبت جبھی پیدا ہوگی جب غیر اللہ سے صلح، محبت ختم ہو جائے گی۔ ہم حال کہاں سے تلاش کریں؟ حال کو چھوڑنے سے۔ قال کہاں سے تلاش کریں؟ ترکِ قال سے۔ وجود کو کہاں ڈھونڈیں؟ وجود کو چھوڑنے سے۔ قدرت کو کہاں تلاش کریں؟ قدرت کو ترک کرنے سے۔ اے بہترین مددگار! اگر تُو مدد نہ کرے تو ہماری فانی اشیاء کو دیکھنے والی آنکھیں باقی کو دیکھنے والی نہیں بن سکتیں۔ ہماری جسمانی آنکھ عدم سے وجود میں آئی ہے اِس لیے اُس کو صرف مَعْدُوم ہی سے مناسبت ہے۔ اور وہ وجودِ مطلق کو بھی مَعْدُوم ہی دیکھتی ہے۔ اگر یہ آنکھ حقیقت بین بن جائے تو وہ اِس بظاہر منظم دنیا کو محشر بنا ہوا دیکھے۔ ناقص،

مکمل کو بھی ناقص ہی سمجھتا ہے۔ دوزخیوں کے لیے جنت کا شہد بھی کڑوا ہوگا۔ جب تک خریدار نہ ہو سوداگر کا ہاتھ سودا دینے کے لیے حرکت نہیں کرتا۔ اسی طرح اگر کوئی اللہ کی جنت کا طالب نہیں ہے تو اللہ اُسے جنت عطا نہیں فرماتا۔ بازار میں تماشائی محض تفریح کے لیے سودوں کے بھاؤ پوچھتا رہتا ہے۔

ایک خریدار کے بازار میں آنے کا قصد کچھ خریداری کرنا ہوتا ہے۔ لیکن تماشائی صرف دل لگی اور مذاق کے لیے بازار میں آتا ہے۔ اُس کے پاس خریدنے کے لیے دمڑی بھی نہیں ہے۔ وہ اشیاء کو صرف تفریح کے لیے چھو رہا ہے۔ اگر اُس کے پاس کوئی سرمایہ نہیں ہے تو وہ اور اُس کا سایہ یکساں ہیں۔ یاد رکھو! دنیاوی کاروبار کرنے کے لیے سرمائے کی ضرورت ہوتی ہے لیکن آخرت کے کاروبار کے لیے عشق اور آہ وزاری ضروری ہے۔ جو شخص بغیر سرمائے کے بازار میں نکلتا ہے وہ عمر برباد کرتا ہے۔ اے شخص! اصل خریدار بن پھر اللہ کا ہاتھ تجھے دینے کے لیے حرکت میں آئے گا اور اُس کی کان سے تُو لعل وجواہر (آنسو) حاصل کرے گا۔ کوئی سُنے یا نہ سُنے تبلیغ کرنے والے کو اپنا فرض ادا کرنا ہے۔

ایک شخص کا آدھی رات کو سحری کا نقارہ بجانا، پڑوسی کا اُسے کہنا سحری کا وقت نہیں ہے اور اِس گھر میں بھی کوئی موجود نہیں اور بجانے والے کا جواب

ایک شخص نے ایک دروازہ پر آدھی رات کو سحری کا نقارہ بجا دیا۔ کوئی بولا: اِس گھر میں تو کوئی رہتا نہیں ہے۔ نقارہ بجانے والے نے کہا: تُو نے کہہ دیا، اب میری سُن لے۔ تیرے لیے یہ آدھی رات ہے لیکن میرے لیے مستی کی صبح ہے کیونکہ اِس وقت تہجد پڑھ کر مستی پیدا کی جاسکتی ہے۔ جو تیری نظر میں شکست ہے میری نظر میں فتح ہے۔ جسے تُو سیاہ سمجھتا ہے میں اسے نور سمجھتا ہوں۔ یہ رات اور دن کی تبدیلی ایسی ہی ہے جیسے دریائے نیل سبطیوں کے لیے پانی تھا لیکن قبطیوں کے لیے خون تھا۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے لوہا موم تھا منکروں کے لیے سخت ترین چیز۔ حضرت داؤد علیہ السلام جس وقت اپنی خوش الحانی سے زبور پڑھتے تھے پہاڑ بھی پڑھنے لگتے تھے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں کے سنگریزوں نے اُن کی رسالت کی گواہی دی اور تسبیح پڑھی تھی۔ اُسطوانۂ حنانہ عام لوگوں کی نظر میں لکڑی کا ایک ستون تھا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جدائی میں رویا۔ تمام جمادات اور نباتات عوام کے اعتبار سے مردہ ہیں۔ لیکن حق تعالیٰ کے اعتبار سے سمجھدار اور زندہ ہیں۔

اِس بات کا جواب کہ یہاں کوئی نہیں ہے۔ یہ ہے کہ خدا کے لیے جو کام کیا جائے، اُس کے لیے جستجو نہیں ہوتی کہ وہاں کوئی انسان ہے یا نہیں۔ خدا کے عاشق حج کرتے جاتے ہیں، کعبہ کا طواف کرتے ہیں، دعائیں کرتے ہیں۔ کیا

کاے خدا تو منفقاں را دہ خلف	وے خدا تو ممسکاں را دہ تلف
اے خدا! تو خرچ کرنیوالوں کو اچھا انعام دے	اور اے خدا! تو کنجوسوں کو تباہ کردے

کوئی یہ کہتا ہے کہ یہ گھر تو خالی ہے۔ جس کے دل میں ایمان ہو وہ کعبہ کو بھرا ہوا ہی سمجھتا ہے۔ بہت سے ایسے مکانات ہیں جو انسانوں سے بھرے ہوئے ہیں لیکن وہ انسان حقیقت میں انسان نہیں ہیں۔ اہلِ دل اُن مکانات کو خالی سمجھتے ہیں۔

انسان جس محبوبِ حقیقی کا طالب ہے اُس کو کعبہ یعنی قلبِ مومن میں تلاش کرلے۔ جن انسانوں کو اللہ نے فخر اور بلندی عطا فرمائی ہے وہ اللہ کے گھر سے خالی نہیں ہیں، ان کا دل اللہ کا گھر ہے۔ عارفِ کامل کا دل ہر وقت فیض رسانی کرتا رہتا ہے۔ اُس گھر کا دروازہ کبھی بند نہیں ہوتا اور سب انسان اُس کے محتاج ہیں۔ حاجی لَبَّیْكَ لَبَّیْكَ پکارتے ہیں لیکن اُن کو کوئی نہیں کہتا کہ تجھے کون پکار رہا ہے؟ جو توفیق حاجی کو خدا نے دی ہے وہی خدا کی طرف سے پکار ہے، جس کے جواب میں حاجی لَبَّیْكَ کہتا ہے۔ میں اپنے بدن کے تانبے کو اونچے نیچے سُروں سے اُس مکان کے کیمیا پر مل رہا ہوں اور نقارہ اس لیے بجا رہا ہوں کہ رحمت کا سمندر جوش میں آ کر مجھ پر موتی برسانے لگے۔ میں تو معمولی کام کر رہا ہوں۔ لوگ تو جہاد میں اللہ کے نام پر جان سے کھیل جاتے ہیں۔

انبیاء علیہم السلام نے اللہ کے نام پر کیسی کیسی سختیاں جھیلی ہیں۔ بعض لوگ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ابوذر رضی اللہ عنہ کا زہد اختیار کرتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسا دین پر جماؤ اختیار کرتے ہیں۔ جس طرح اُن لوگوں نے اللہ کی راہ میں کام کیے ہیں میں بھی اللہ کے لیے سحر کا نقارہ بجاتا ہوں۔ اگر کوئی شخص اپنا کوئی خریدار چاہتا ہے تو خدا سے بڑا خریدار کون ہوگا۔ اللہ تیرے ناقص اعمال خریدتا ہے اور اُس کے عوض نور عطا کرتا ہے۔ انسان کا فانی جسم خرید کر اُس کے بدلے میں ابدی سلطنت عطا فرماتا ہے۔ انسان جب اُس کے دربار میں روتا ہے تو آنسوؤں کے چند قطروں کے عوض وہ حوضِ کوثر عطا کر دیتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قرآن میں صفت ''آہ کرنے والا'' لکھی ہے۔ اللہ کے بازار میں پہنچ کر اپنا پرانا فروخت کر دے اور اُس کے بدلے میں نئی سلطنت حاصل کرلے۔ اگر تجھے اِس کاروبار میں شک ہے تو انبیاء علیہم السلام کو دیکھ لے اُنہوں نے کس قدر نفع کمایا ہے کہ پہاڑ بھی اُن کی دولت کو نہیں اُٹھا سکتا۔

آقا کے ظلم و ستم پر حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا مُنہ سے بلا ارادہ اَحَدٌ اَحَدٌ کہنا جیسے کسی مُصیبت زدہ سے بلا اِرادہ رونا پُھوٹتا ہے کیونکہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق سے پُر تھے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا گزرنا اور اُنکو نصیحت کرنا

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا آقا اُن کو کانٹوں پر گھسیٹ رہا تھا اور طرح طرح کی سزائیں دے رہا تھا کہ تُو میرے مذہب کا انکار کیوں کرتا ہے۔ وہ رضی اللہ عنہ اپنے جسم کو

مال را کز بہرِ دیں باشی حمول　　نِعمَ مالٌ صَالِحٌ خواندش رسول
وہ مال جو دین کی راہ میں خرچ ہو　　اُس کو رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بہترین اچھا مال فرمایا ہے

قربان کر رہے تھے اور اُن کا اَحد اَحد کہنا آہ و زاری کے طور پر نہ تھا بلکہ اپنے دین پر فخر کے لیے تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا گزر وہاں سے ہوا تو اُنہوں نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی آواز سُنی۔ اُن کو محسوس ہوا کہ وہ مسلمان ہیں اور اُن کو اِس بے دردی سے پیٹا جا رہا ہے تو وہ بہت رنجیدہ ہوئے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے تنہائی میں کہا کہ اپنے ایمان کو چھپا کر رکھ۔ اللہ تعالیٰ تیرے پوشیدہ ایمان کو جانتا ہے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے ایمان کو پوشیدہ رکھنے کا وعدہ کر لیا۔ دوسرے دن پھر وہ وہاں سے گزرے تو اُن کو پہلی حالت میں پایا۔ ایمان کے عشق نے ایمان کو پوشیدہ رکھنے کی شرط کو اور توبہ کو توڑ دیا۔ وہ توبہ کرتے تھے لیکن وہ پھر ٹوٹ جاتی تھی۔ تو وہ توبہ سے بیزار ہو گئے اور اپنے جسم کو ایمان کے سپرد کر کے پھر مصیبتوں میں ڈال دیا اور اپنے دل میں کہنے لگے کہ اے محمد ﷺ! تم میری توبہ کے دشمن ہو اور چونکہ تمہاری محبت میری رگ رگ میں سمائی ہوئی ہے وہاں توبہ کی گنجائش کہاں ہے۔

اب میں توبہ سے توبہ کرتا ہوں اور جس ایمان کی بدولت مجھے جنت کی زندگی حاصل ہوئی ہے اُس کے اظہار سے کیسے توبہ کروں۔ اب میں عشق میں مجبور ہو چکا ہوں۔ میں عشق کی تیز ہوا کے سامنے ایک تنکا ہوں۔ معلوم نہیں وہ مجھے کہاں لے جا کر پھینکے گی۔ میں خواہ چاند ہوں یا بلال، اب عشق کے سورج کا پیرو ہوں۔ چاند کو تو سورج کے پیچھے رہنا ہے۔ خواہ اِس میں اُس کا گھٹاؤ ہو یا بڑھاؤ۔ تقدیر کے مقابل کوئی بات طے کرنا اپنی مونچھوں کا مذاق اُڑانا ہے۔ قضاءِ خداوندی اور انسان کی مثال تیز آندھی اور گھاس کے تنکے کی ہے۔ بلی کو تھیلے میں بند کر دیں تو وہ بے چین ہو جاتی ہے اور اُچھل کود کرتی رہتی ہے حتیٰ کہ آزاد ہو جائے۔ عشق، عاشق کو مسلسل چکر میں رکھتا ہے۔ پن چکی کا پاٹ ہمیشہ گھومتا رہتا ہے۔ جس طرح چکی کا پاٹ نہر کے وجود کی علامت ہے اِسی طرح انسان کا تذبذب اور بیقراری قضاءِ خداوندی کی دلیل ہے۔ اگر تجھے قضاء نظر نہیں آتی تو اُس کے آثار کو دیکھ لے۔ اے دل! اگر قضاء کی وجہ سے اتنی عظیم الشان چیزیں بے قرار ہیں تو تیرے جیسی چھوٹی سی چیز کیسے بے قرار نہ ہوگی۔ قضاء کے مقابل تُو جو بھی سہارا ڈھونڈے گا قضاء اُس کو فنا کر دے گی۔

اگر انسان اللہ کے اُس فعل کو نہیں دیکھ سکتا جو وہ عالَم کے اجزاء میں کر رہا ہے تو اُس کے فعل کے اُس اثر کو دیکھ لے جو اجزائے عالَم پر ہے۔ سمندر کے اوپر کے جھاگ اور تنکوں میں جو حرکت ہے سب سمجھتے ہیں کہ سمندر کے جوش کی وجہ سے ہے۔ چاند اور سورج جو آسمان کی چکی کے دو بیلوں کی طرح ہیں اُس کے فرماں بردار ہیں اور حکم کے مطابق کام کرتے ہیں۔ ستاروں کے مختلف بُرجوں میں مختلف تاثیرات اُسی کے تصرف کا نتیجہ ہیں۔ اگر تمہاری نگاہ آفاق کی

آب در کشتی ہلاکِ کشتی است
کشتی میں پانی بھرنا کشتی کی تباہی ہے

آب اندر زیرِ کشتی پُشتی است
کشتی کے نیچے پانی کا ہونا کشتی کے لیے مددگار ہے

علامتوں کو نہیں دیکھ سکتی تو اُس کے تصرفات کو دیکھ جو تمہارے اَنْفُسْ میں ہیں۔ یہ تمہارے حواس رات کو کہاں ہوتے ہیں؟ اور دن میں کہاں ہوتے ہیں؟ اور اُن پر کیا کیا کیفیات طاری ہوتی ہیں اِن سب پر غور کرلو۔ زمانے کے تغیرات کو دیکھو کہ اتنی بڑی کائنات کس طرح تغیر پذیر ہے۔ انسان کا دل کائنات کے مقابلے میں بہت چھوٹی سی چیز ہے تو پھر وہ قدرت کے احکام سے بے قرار کیوں نہ ہوگا۔ جانور اپنے مالک کا پوری طرح مطیع ہوتا ہے۔ اسی طرح انسان کو اپنے مولا کا مطیع ہو جانا چاہیے۔

ذَنَبْ ایک ستارے کا نام ہے جس سے سورج پر گرہن واقع ہو جاتا ہے۔ یہ اُس کی نحوست ہوتی ہے۔ اِسی طرح ذَنْبْ یعنی گناہ کا قرب بھی انسان کی رُوسیاہی کا سبب بن جاتا ہے۔ انسانی عقل سورج سے بڑی نہیں ہے۔ جب وہ غلط رَوی کی وجہ سے سیاہ ہو جاتا ہے تو انسان کی عقل اگر غلط روی اختیار کرے گی تو رُوسیاہ ہو جائے گی۔ اگر مکمل گناہ ہوں گے تو رُوسیاہی بھی مکمل ہوگی۔ اگر گناہ ادھورے ہوں گے تو رُوسیاہی بھی ادھوری ہوگی۔ قرآن میں ہے کہ ”اور اُن کے درمیان انصاف سے فیصلہ کیا جائے گا اور اُن پر ظلم نہیں ہوگا“ اللہ ہماری ڈھکی چھپی نیکی بدی کو دیکھنے اور سننے والا ہے۔
اب قدرت کی بحث ختم کرتے ہیں کیونکہ عاشقوں میں عشق کے غلبے کی وجہ سے عید کی سی خوشی ہے اور معشوق عاشقوں سے بہت اچھے اخلاق سے پیش آرہے ہیں۔ عاشقوں کا نصیبہ ناز کر رہا ہے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ پھر عشق کے جوش کی وجہ سے توبہ کو توڑنے پر مجبور ہیں۔ اب وہ مَست ہو گئے ہیں اور ہمیشہ اس مَستی کے طالب ہیں۔ اب ہلال رضی اللہ عنہ اور بلال رضی اللہ عنہ دونوں یار ہو گئے ہیں اور اُن کے زخم اُن کے لیے پھول بن گئے ہیں۔ اُنہوں نے کہا کہ اگرچہ جسم کو یہ کافر زخمی کر رہا ہے لیکن مجھے میرے محبوب نے مَست کر دیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عروجِ رُوحانی سے نزول فرمایا اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی طرف توجہ فرمائی۔

حضرت ابُوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے متعلق عرض کرنا اور اُن کو مُنکروں سے خریدنے کے بارے میں مشورہ کرنا

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بلال رضی اللہ عنہ کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ وہ بغیر کسی جرم کے سزا کاٹ رہے ہیں۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ شاہی باز تھے اس لیے چغدوں کو اُن پر غصہ آتا تھا کہ یہ شاہی کلائی اور محلات کا ذکر کر کے ہمیں کیوں پریشان کرتا ہے۔ ہمارے اعلیٰ مساکن کو ویرانہ سمجھتا ہے۔ یہ تیری مکاری دراصل سرداری حاصل کرنے کے لیے ہے۔ وہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو برہنہ کر کے چاروں ہاتھ پاؤں کو کیلوں سے باندھ کر خاردار لکڑی سے مارتے تھے۔ لیکن وہ

عِلم و حکمت زاید از لقمہ حلال
حلال لقمہ سے علم اور دانائی پیدا ہوتی ہے

عِشق و رِقت زاید از لقمہ حلال
عشق اور دل کی نرمی بھی حلال لقمہ سے پیدا ہوتی ہے

اِس سزا سے ذرّہ بھر بھی نہیں گھبراتے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق ﷛ نے یہ بھی بتایا کہ وہ اپنے ایمان کو ظاہر کرنے کی توبہ سے بھی توبہ کر چکے ہیں۔

سچ ہے عاشق ہو اور پھر اپنے محبوب کے ذکر سے توبہ کرے' یہ ناممکن بات ہے۔ عشق کے سامنے توبہ کرنا کمزوری کی علامت ہے۔ توبہ بندے کا فعل ہے اور عشق خدا کی صفت ہے۔ خدا کی صفت کا بندے کی صفت سے کیا مقابلہ۔ اگر غیر خدا سے عشق ہو تو مُلمع شدہ انگوٹھی کی طرح ہوتا ہے۔ مُلمع اُتر گیا تو عشق بھی غائب ہو جاتا ہے۔ مجازی عشق میں جب معشوق سے خدائی عکس جدا ہو جاتا ہے تو عشق بھی نہیں رہتا۔ مجازی معشوق پر سے اللہ تعالیٰ کے حُسن کا عکس ہٹ جانے سے نہ اُس میں زندگی باقی رہتی ہے نہ حُسن۔ وہ محض مٹی اور پانی رہ جاتا ہے۔ جو عقل مند ہیں وہ اصل پر عاشق ہوتے ہیں کیونکہ وہ باقی رہنے والی چیز ہے اور اُس کے عشق میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ اے معشوقِ حقیقی! تیری صفات کے حقیقی ہونے میں کوئی شک نہیں ہے اور تیری اِس صفت میں کوئی شریک نہیں ہے۔ قرآن میں ہے کہ ''خلق اور اَمر اُسی کے لیے ہیں'' عالَمِ اَمر مادے سے خالی ہے اور عالَمِ خلق جسمانی عالم ہے۔ اصل تو عالَمِ اَمر ہے۔ عالَمِ خلق تو اُس کا سایہ ہے۔

حضور ﷺ، حضرت بلال ﷛ کا قصہ سُن کر بہت خوش ہوئے۔ حضرت ابوبکر ﷛ نے عرض کی کہ میں اُس کو اُن کافروں سے خرید لوں گا۔ کیونکہ خدا کا قیدی دشمنوں میں پھنسا ہوا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: عداوت کی وجہ سے وہ بہت زیادہ قیمت طلب کریں گے۔ اُسے خرید لو اور مجھے بھی اِس خریداری میں شریک کر لو۔ حضرت ابوبکر ﷛ نے اپنے دل میں سوچا کہ یہ کافر حضرت بلال ﷛ کی قدر و قیمت سے ناواقف ہیں۔ اُن سے بلال ﷛ کو آسانی سے اِس طرح خرید لوں گا جس طرح بچے سے موتی خرید لیا جاتا ہے۔ اِسی طرح اُن کفار سے شیطان دنیا کے بدلے عقل اور ایمان خرید لیتا ہے۔ وہ اُن کافروں کو مُردار دنیا اِس قدر پُر رونق کر کے دکھا دیتا ہے کہ اُن سے آخرت کے چمن خرید لیتا ہے۔

انبیاء ﷩ نے لوگوں کو اچھی تجارت کرنی سکھائی لیکن شیطان اپنے اثرات سے میاں بیوی میں نفرت پیدا کر دیتا ہے اور طلاق تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ اِسی طرح شیطان نے اپنے جادو سے اُن کو اندھا کر دیا اور اُن کفار نے بلال ﷛ کو چند ٹکوں میں بیچ ڈالا۔ گدھے کے سامنے موتی اور کوڑی یکساں ہوتے ہیں۔ چونکہ حیوان، لعل اور موتی کی قیمت نہیں سمجھتے اِسی لیے کانوں میں موتی کے آویزے نہیں پہنتے۔ اللہ نے فرمایا: ہم نے انسان کو اَحْسَنُ التَّقْوِیْم پیدا کیا۔ ایسا اُس کی رُوح کی وجہ سے ہے۔ رُوحِ کامل، عرش سے افضل ہوتی ہے اور انسان اِس دنیا میں اُس کی حقیقت کو نہیں سمجھ سکتا۔ رُوحِ کامل جس کی حقیقت کا بیان ناممکن ہے اگر میں اُس کی قدر و قیمت بیان کروں تو میں بھی اور تم بھی جل جاؤ

چوں زِ لُقمہ تو حسد بینی و دام جب تُو دیکھے کہ لقمے سے ہمیشہ حسد اور مکر	جہل و غفلت زاید آں را داں حرام جہل اور غفلت پیدا ہوتی ہے تو اُس کو حرام سمجھ

گے اور کچھ حاصل بھی نہیں ہوگا۔ اس لیے اس سلسلے میں خاموشی بہتر ہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اُمیہ کے گھر میں داخل ہو گئے اور کہا کہ تُو اس اللہ کے ولی کو کیوں مارتا ہے اگر انسان اپنے مذہب پر سچا ہو تو دوسرے مذہب والے سچے دل والے کی حقیقت کو سمجھ سکتا ہے۔ وہ اُس پر ظلم کرنا پسند نہیں کرے گا۔ اُس کو اُس کے اعتقاد پر مجبور سمجھے گا۔ اگر تُو کسی سچے دین دار پر ظلم کرتا ہے تو معلوم ہوا کہ تُو اپنے دین کا پکا نہیں ہے۔ چونکہ تیری فطرت کج ہے اس لیے دوسروں کو بھی کج فطرت سمجھتا ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حیران کُن باتیں کیں جو پُر حکمت تھیں کیونکہ اُن باتوں کا اصل چشمہ حق تعالیٰ تھا۔ کوئی تعجب نہ کر کیونکہ وہ تو پہاڑوں کے پتھروں میں سے بھی چشمے جاری کر دیتا ہے۔ تیری آنکھ کو بھی اللہ نے اپنا نور عطا کرنے کا حجاب بنا رکھا ہے۔ جیسے پتھر چشمے کے لیے حجاب تھا ورنہ آنکھ کے اجزاء میں نور کہاں ہے۔ انسان کا کان بھی قدرت کا ایک پردہ ہے ورنہ اُس کے اجزاء میں سننے کی طاقت کہاں ہے۔

یاد رکھو ہر معاملے میں اصل متصرف اللہ ہی ہے۔ اُمیہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اگر تجھے اُس پر رحم آتا ہے تو خرید لے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا معاملہ طے ہو جائے تو خدا کا شکر ادا کروں گا۔ میرے پاس سفید رنگ کا ایک حسین غلام ہے لیکن اُس کا دل کفر کی وجہ سے کالا ہے۔ مجھے اُس کے بدلے میں کالے بلال رضی اللہ عنہ کو دے دے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا غلام اس قدر خوب صورت تھا کہ اُمیہ کا دل اُس کو دیکھ کر بے قابو ہو گیا۔ ظاہر پرستوں کی یہی حالت ہے کہ صرف صورت پر قربان ہو جاتے ہیں۔ اُس نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے عوض غلام کے علاوہ کچھ چاندی بھی طلب کی جو کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دے دی۔ درحقیقت اُمیہ نے موتی دے کر پتھر لے لیا۔ وہ سوچتا تھا کہ میں نے نفع کما لیا۔ وہ ہنسا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نقصان اُٹھایا ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ہنسنے اور طنز کی وجہ پوچھی تو وہ اور زیادہ ہنسا اور کہا: اگر آپ کو اس غلام میں اس قدر دلچسپی نہ ہوتی تو میں اُس کے دام زیادہ نہ بڑھاتا۔ میں جو قیمت لے چکا ہوں اُس کے دسویں حصے پر بھی راضی ہو جاتا۔ کیونکہ یہ کالا غلام میرے نزدیک دمڑی کا بھی نہیں ہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تُو پیر نابالغ ہے۔ تُو نے اخروٹ کے بدلے میں موتی دے ڈالا۔ میرے نزدیک اُس کی قیمت ہر دو عالم ہیں کیونکہ میری نظر اُس کے باطن پر ہے۔ اُس کا کالا ہونا رشک کی وجہ سے ہے تاکہ احمق اس کو نہ پہچان سکیں۔ تجھے چونکہ یہ سستا ہاتھ لگا تھا تُو نے سستا بیچ دیا۔ یہ نہ دیکھا کہ اس ڈبیا میں موتی ہے۔ تُو بھی اس معاملے میں سیاہ رُو بنا ہے پھر بھی خوش ہو رہا ہے۔ جب حقیقت کھلے گی تو تُو بہت افسوس کرے گا۔ تیری خوش قسمتی اس غلام کی

ہیچ گندم کاری و جو بر دہد کبھی ایسا ہوا ہے کہ تُو نے گیہوں بوئے اور جو پیدا ہو؟	دیدۂ اسپے کہ کرّہ خر دہد تُو نے دیکھا ہے کہ گھوڑی نے گدھے کا بچہ جنا ہو؟

صورت میں تیرے پاس آئی لیکن تُو نے اُس کو نہ پہچانا۔ بُت پرستوں کی یہی سزا ہے کہ اُن کو اس سفید کافر غلام کی صورت میں لکڑی کا گھوڑا ملے جس پر خوبصورت جھول پڑا ہو۔ اسی طرح کافر کی قبر پر خوب نقش ونگار ہوتے ہیں لیکن اندر آگ اور دھواں ہوتا ہے۔ ظالموں کا ظاہر خوبصورت مگر باطن میں مظلوموں کا خون ہوتا ہے۔ منافق کا بھی یہی حال ہوتا ہے۔ وہ بظاہر اسلامی فرائض ادا کرتا ہے لیکن باطن ایمان سے خالی ہوتا ہے، جھوٹے وعدے کی طرح جو ابتداء میں بہت خوش کُن ہوتا ہے اور انتہا میں مایوس کُن۔

خریداری کے بعد حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا اور اُسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آئے۔ جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی نظر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ انور پر پڑی تو خوشی کی زیادتی کی وجہ سے بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ جب ہوش آیا تو خوشی سے رونے لگے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو سینے سے لگالیا اور جو فیوض سینے سے لگانے پر اُن کو ملے اُن کا اندازہ کوئی نہیں لگا سکتا۔ ایسے جیسے کسی مفلس کا پاؤں اچانک بھرپور خزانے پر آجائے یا کوئی ادھ موئی مچھلی سمندر میں پہنچ جائے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو ایسی مؤثر باتیں بتائیں کہ رات کو بتادی جائیں تو وہ دن بن جائے۔

اولیاء رحمہم اللہ کی صحبت سے بغیر کچھ کہے قلوب پر جو اثر ہوتا ہے وہ محض ذوقی ہے الفاظ میں بیان نہیں ہوسکتا۔ بغیر کلام کے تاثیر کچھ اس طرح ہوتی ہے جیسے سورج کی دھوپ سے پھلوں میں خود بخود شیرینی پیدا ہو جاتی ہے۔ صاف پانی پھلوں میں تازگی پیدا کر دیتا ہے۔ اسی طرح اللہ کے تصرفات بغیر کسی آلہ کے ہوتے ہیں لیکن سُرعتِ تاثیر میں جادو گروں کے افسوں سے بھی بڑھ کر۔ اسباب کا وجود اور اُن سے اثرات کا تعلق بھی حکمِ خداوندی کے تابع ہے جو بغیر لب و حرف کے خود بخود صادر ہوتا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اِس فعل کو عوام نہیں سمجھتے اِس لیے کہ اُن کی عقل اللہ کی ذات کے معاملے میں انبیاء علیہم السلام کی مُقلِد ہے۔ اس لیے اُن کی تقلید سے کام لینا چاہیے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے اظہارِ ناراضگی کہ مَیں نے کہا تھا: بلال کی خرید میں میری شراکت کرنا اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی معذرت

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو صرف اپنے روپے سے خریدا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ناگواری ہوئی۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ میں نے بلال رضی اللہ عنہ کو آزاد کرنے کے لیے خریدا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آزاد کرتا ہوں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اپنی غلامی میں قبول فرمالیں۔ میں کبھی آزادی نہیں چاہوں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میرے لیے آزادی ہے۔ میں جوانی میں خواب دیکھا کرتا تھا کہ سورج مجھے سلام کرتا ہے اور اُس نے مجھے زمین سے آسمان پر کھینچ لیا

لُقمہ تخم ست و برش اندیشہا
لُقمہ بیج ہے اور اُس کا پھل خیالات ہیں

لُقمہ بحر و گوہرش اندیشہا
لُقمہ سمندر ہے اور اُس کے موتی خیالات ہیں

ہے اور میں بلندی پر اُس کے ساتھ ہوں۔ اُس وقت میں سمجھتا تھا کہ یہ دماغ کا خلل ہے لیکن جب آپ ﷺ کا شرف صحبت حاصل ہوا تو مجھ پر اپنی حقیقت کھلی اور آپ ﷺ کی ذات نے میرے لیے آئینے کا کام کیا اور وہ بات جسے میں محال سمجھتا تھا اُس سے دوچار ہو گیا۔ آپ ﷺ کے دیدار کے بعد مجھ پر معاملہ کھلا کہ سورج تو آپ ﷺ کی ذاتِ گرامی ہے اور یہ دنیا کا سورج آپ ﷺ کے سامنے ہیچ ہے بلکہ اِس دنیا کی ہر چیز آپ ﷺ کے سامنے بے حقیقت ہے۔ میری تمنا تھی کہ میں نور دیکھوں۔ لیکن جب آپ ﷺ کا دیدار ہوا تو نور النور کو دیکھا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے حُسن کی شہرت پر اُن کو دیکھنے کی تمنا تھی۔ آپ ﷺ کے دیدار سے یوسفستان کا دیدار حاصل ہو گیا، بہت سی جنتوں کا دیدار حاصل ہوا۔ میں الفاظ میں آپ ﷺ کی تعریف کر رہا ہوں لیکن میری یہ تعریف آپ ﷺ کے فضائل کے مقابلے میں ناقص ہے۔ یہ تعریف اسی طرح کی ہے جیسی چرواہا اللہ تعالیٰ کی کر رہا تھا۔ اُس نے اللہ کے عشق میں کہا تھا کہ تمہاری جوئیں نکالوں گا۔ تجھے دودھ پلاؤں گا، تیرے چپل سی دوں گا۔ اُس کی یہ تعریف اللہ کی شان کے لائق نہیں تھی لیکن اللہ نے اُسے قبول فرمالیا۔ اسی طرح آپ ﷺ بھی میری ناقص تعریف کو قبول فرمالیں تو آپ ﷺ کے کرم سے دُور نہیں ہے کیونکہ ہماری ناقص عقلیں آپ ﷺ کے کمالات اور اَوصاف تک نہیں پہنچ سکتیں۔ عالمِ ملکوت سے ہر گمراہ کے لیے رہنمائی کا سامان ہوتا رہتا ہے۔ اس عالم میں بہت سے عجائبات ہیں۔ انسانوں کی رہنمائی کے لیے وحی کا نزول بھی وہیں سے ہوتا ہے۔ اب جب آپ ﷺ کی ذاتِ گرامی اُس عالم سے یہاں آ گئی ہے تو قوم کے لیے بشارت ہے۔ اس لیے کہ آپ ﷺ کی "آہ" تمام گمراہیوں کو ختم کردے گی۔ حضور ﷺ کی آمد سب کے لیے اچھی بشارت ہے خصوصاً حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے لیے۔

حضور ﷺ نے بلال کو اذان دینے کی فرمائش کی۔ ہمارے بشیر ﷺ چاہتے ہیں کہ ہم اِس دنیا کے قید خانے اور گندگی سے نکل جائیں۔ حضور ﷺ چپ کیسے رہ سکتے تھے کیونکہ آپ ﷺ کے جسم کا ہر رونگٹا دعوت کا اعلان کر رہا ہے۔ باوجود اِس اعلان کے دشمن اِس قدر بہرا بنا ہوا ہے کہ اِس قدر ڈھول پٹ رہے ہیں اور وہ کہتا ہے کہ آواز کہاں ہے؟ نبی ﷺ اُس کے چہرے پر پھول مار رہے ہیں اور وہ کہتا ہے کہ مجھے کس چیز سے تکلیف پہنچ رہی ہے۔ اُس کی مثال ایسے ہی ہے کہ حور کسی اندھے کا ہاتھ پکڑ کر کھینچے اور اندھا حیران ہو کر کہے کہ وہ کیوں ستا رہی ہے۔ اُس اندھے کو یہ معلوم نہیں کہ جس حور کے وہ خواب دیکھتا رہا ہے وہ یہی ہے۔ احکام کا مکلف بنانا اگرچہ نفس کو ناگوار ہے۔ تکالیف کا آنا بھی محبوبیت کی دلیل ہے کیونکہ آزمائش ہمیشہ محبوبوں ہی کی ہوتی ہے۔

زاید از لقمہ حلال اندر دہاں
مُنہ میں حلال لقمہ سے پیدا ہوتی ہے

میل خدمت عزم رفتن آں جہاں
عبادت کی رغبت اور آخرت سے تعلق

حضرت ہلال رضی اللہ عنہ کا قصّہ جو خُدا کے مخلص بندے تھے اور عجز کی وجہ سے غلامی کے پردے میں چُھپے ہوئے تھے اُن کا مالک مُسلمان لیکن عقل کا اندھا تھا

حضرت ہلال رضی اللہ عنہ بن حارث، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام تھے۔ پہلے کسی سردار کے غلام تھے جو آپ رضی اللہ عنہ کی قدر نہ جانتا تھا۔ حضرت ہلال رضی اللہ عنہ اپنے آپ کو غلامی میں چُھپائے ہوئے تھے۔ اندھا اتنا تو جانتا ہے کہ اُس کی ماں ہے لیکن یہ تصور نہیں کر سکتا کہ وہ کیسی ہے؟ اگر وہ جاننے پر ہی ماں کی تعظیم کرے تو ممکن ہے نجات پا جائے۔ کیونکہ جب اللہ کسی کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اُس کے دل کی آنکھیں کھول دیتا ہے۔ دل کی زندگی کا راستہ حاصل کر کیونکہ جسم کی زندگی تو صرف حیوانی صفت ہے۔ حضرت ہلال رضی اللہ عنہ، حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے مجاہدوں میں بڑھے ہوئے تھے۔ اے انسان! اُن کی حالت تیری طرح نہیں تھی کہ تُو ہر دم پستی کی طرف جانے کی کوشش میں ہے۔ انسان کا اپنے رُتبہ سے پیچھے ہٹنے پر قصّہ سُن لو۔

ایک صاحب کے یہاں کوئی مہمان پہنچا۔ اُن صاحب نے اُن کی عمر دریافت کی۔ وہ بولا اٹھارہ، سترہ یا سولہ یا دس۔ میزبان بولا: میاں اس سے تو بہتر ہے کہ کہہ دے کہ میں ابھی پیدا ہی نہیں ہوا۔ کسی شخص نے ایک گھوڑا، سواری کے لیے مانگا۔ گھوڑے کے مالک نے کہا: یہ گھوڑا لے لے۔ وہ بولا یہ گھوڑا نہیں چاہیے۔ مالک نے پوچھا کیوں نہیں چاہیے؟ وہ بولا: یہ گھوڑا آگے جانے کی بجائے پیچھے کی طرف چلتا ہے۔ مالک نے کہا: تو پھر اُس کی دُم اپنی منزل کی طرف کر دو۔ یہ پیچھے کی طرف چلے گا تو تم منزل پر پہنچ جاؤ گے۔ اے دوست! تیرا نفس بھی اُس گھوڑے کی طرح ہے۔ یہ ضدی گھوڑا ہے۔ اِس کی شہوت کا رُخ دنیا کی طرف ہے۔ اِس کا رُخ موڑ کر عُقبیٰ کی طرف کر دے۔ یہ منزل پر پہنچ جائے گا۔ جب تُو شہوت کا رُخ دنیاوی لذتوں کی طرف سے موڑ دے گا تو پھر وہ شہوت عقل کے راستے سے اُبھرے گی۔ درخت کی جب ایک شاخ کاٹ دی جاتی ہے تو اُس کی قوت دوسری شاخوں کی طرف منتقل ہو جاتی ہے۔ جب تُو اپنے نفس کی دُم عالَمِ آخرت کی طرف کر دے گا تو خود بخود محفوظ مقام پر پہنچ جائے گا۔

وہ لوگ مبارک باد کے مستحق ہیں جن کے نفوس مراتب طے کرتے جا رہے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام کی ملاقات کے سلسلے میں فرمایا تھا: جب تک دو دریاؤں کے ملنے کی جگہ پر نہ پہنچ جائیں گے میں چلنے سے باز نہیں آؤں گا۔ اِس طرح سالہا سال چلتا رہوں گا۔ اُن کے جسم کی سیر کا یہ عالم تھا تو رُوح کی سیر تو کسی اعلیٰ ترین مقام تک ہوگی۔ شہسواروں نے اپنے گھوڑے دوڑا دیے جبکہ احمق معمولی جگہوں پر ڈیرے ڈالے پڑے رہے۔ ایک قافلہ ایک

زاہد از لقمۂ حلال اے مہ حضور	در دلِ پاک تو و در دیدہ نُور
اے سردار! حلال لقمہ سے حضوری پیدا ہوتی ہے	تیرے پاک دل اور آنکھوں میں نُور پیدا ہوتا ہے

گاؤں میں آیا۔ایک دروازہ کھلا دیکھا کسی نے کہا کہ سردی بہت زیادہ ہے کچھ دن یہیں سامان ڈال دیں۔گاؤں کے اندر سے آواز آئی کہ سامان مکان کے باہر ڈال کر اندر آرام کی جگہ آسکتے ہو۔ظاہر ہے جن لوگوں کو مال سے محبت ہوگی وہ اُسے چھوڑ کر آرام کی جگہ میں نہیں جاسکیں گے۔یاد رکھو! مقامِ قرب بھی ایک بلند مجلس ہے۔اُس میں بھی سامان باہر پھینک کر پہنچا جاسکتا ہے۔

حضرت ہلال رضی اللہ عنہ دل کے اُستاد تھے اور رُوح روشن رکھتے تھے۔وہ سردار کے اصطبل میں سائیس تھے لیکن در حقیقت بادشاہ تھے۔اُنہوں نے اپنے نفس کی اصلاح کی ہوئی تھی اس لیے اُن کا رتبہ بہت سے انسانوں سے بڑھا ہوا تھا۔جس طرح شیطان نے حضرت آدم علیہ السلام کے جسم ہی کو دیکھا اسی طرح سردار کی نگاہ بھی اُن کے جسم تک ہی گئی۔وہ اُن کے ظاہری حواسوں کو دیکھتا تھا لیکن اُن کی اصل یعنی رُوح کو نہیں دیکھتا تھا۔دین کا نور تو انسان کے اندر چُھپا ہوا ہے اسی لیے ظاہر بینوں نے نبیوں کے ساتھ یہی معاملہ کیا اور باطن پر نظر نہ کی۔حقیقت تک پہنچنے کے لیے انسانوں کی تین قسمیں ہیں مثلاً ایک بلند منارہ پر شہباز ہے یعنی ایک پرندہ ہے۔اُس پرندے کے منہ میں ایک بال ہے جو اُس پرندے کے لیے مدارِ حیات ہے۔کچھ لوگ تو وہ ہیں جن کی نظر صرف منارے پر پڑتی ہے۔کچھ منارے کے ساتھ پرندے کو بھی دیکھتے ہیں اور کچھ منارے، پرندے کے علاوہ بال کو بھی دیکھتے ہیں۔

انسان کا جسم ایک منارہ کی طرح ہے۔علم اور عبادت پرندے کی طرح اور نورِ باطن بال کی طرح ہے جو پرندے کے منہ میں ہے۔ادنیٰ انسان صرف جسم کی طرف توجہ دیتا ہے، اوسط، جسم اور علم وعبادت کی طرف بھی دھیان دیتا ہے۔تیسرا وہ شخص ہے جس کی نظر نورِ باطن پر ہے۔اُس کا علم وعمل عارضی نہیں ہوتا بلکہ مِن جانب اللہ پکا ہوتا ہے۔

حضرت ہلال رضی اللہ عنہ کا بیمار ہونا، اُن کے آقا کا لاعلم رہنا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہوجانا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اُن کی مزاج پُرسی کے لیے آنا

حضرت ہلال رضی اللہ عنہ بیمار ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی سے معلوم ہوگیا جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا رُوحانی کمال تھا۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم اُن کی بیمار پرسی کے لیے تشریف لائے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ رضی اللہ عنہم کو ساتھ لے کر تشریف لا رہے تھے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی سردار کو اطلاع ہوئی تو وہ خوشی سے بے قابو ہوگیا۔وہ بالاخانے سے نیچے اُتر آیا۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قدم بوسی کی اور سلام کیا۔کہنے لگا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکان کے اندر تشریف لے چلیں تاکہ وہ کہہ سکے کہ میں نے آج اُس ذات کو دیکھا ہے جس پر مدارِ کائنات ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تیرے گھر کے لیے یا تجھے ملنے نہیں آیا ہوں۔اُس نے کہا پھر وہ خوش نصیب کون ہے تاکہ میں

کمترین کارش ہر روز ست آں
اللہ کا معمولی کام بھی ہر روز یہ ہوتا ہے

گو سہ لشکر را کند ایں سو رواں
کہ وہ تین لشکر اس طرف روانہ کرتا ہے

اُس کے پیروں کی خاک بن جاؤں جس پر آپ ﷺ کی اتنی مہربانی ہے۔ جب اُس نے اپنی نخوت کو دُور کیا تو حضور ﷺ نے اپنی اُس سے ناراضگی ترک فرمادی اور فرمایا: وہ اپنی رُوحانی بلندی کی وجہ سے عرش کے چاند ہیں اور عاجزی کی وجہ سے فرش ہیں۔ یہ نہ کہہ کہ وہ تیرا غلام ہے وہ تو ایک خزانہ ہے۔ سردار نے کہا کہ اُس کی بیماری کا مجھے علم نہیں ہے، ہاں چند دن سے اصطبل کے اندر ہی ہیں۔

آنحضور ﷺ کا سردار کے اصطبل کے اندر جانا اور ہلال رضی اللہ عنہ کو نوازنا

حضور ﷺ، ہلال رضی اللہ عنہ سے ملاقات کے لیے اصطبل میں گئے۔ وہاں اندھیرا اور گندگی تھی لیکن آپ کے انوار سب پر غالب آگئے۔ حضرت ہلال رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کی خوشبو کو اِس طرح محسوس کر لیا جس طرح حضرت یعقوب علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام کی خوشبو سونگھ لی تھی۔ ایمان لانے کے لیے معجزے مؤثر قریب نہیں ہیں بلکہ ایمان لانے والا اگر نبی کا ہم جنس ہے تو وہ نبی کی صفات کو جذب کر لیتا ہے۔ اِس لیے ایمان کا صحیح سبب ہم جنسیت کی بُو ہے۔ نبی کے معجزوں سے تو صرف دشمن عاجز آتا ہے لیکن اُس کا ایمان لانا لازمی نہیں، اُس کے دل میں مغلوب ہو کر دوستی تو پیدا نہیں ہوتی۔

حضور ﷺ کی خوشبو پا کر حضرت ہلال رضی اللہ عنہ جاگ گئے۔ اُن کو اصطبل میں بندھے جانوروں کے پاؤں میں سے حضور ﷺ کے دامن کی جھلک نظر آئی تو کھسکتے ہوئے حضور ﷺ کی طرف بڑھے اور قدم بوسی کے لیے پاؤں پر منہ رکھ دیا۔ حضور ﷺ نے اُن کے منہ کے پاس سے اپنا پاؤں ہٹا کر محبت میں اپنا منہ اُن کے منہ پر رکھ دیا اور اُن کے سر و چشم کا بوسہ لیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ تُو عرشی ہے اور اِس دنیا میں مسافر ہے، تیری طبیعت کیسی ہے؟ حضرت ہلال رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میں اِس وقت ایسا خوش ہوں جیسا کہ وہ شخص جس کی نیند رات میں اُچٹ گئی ہو اور وہ سورج کے طلوع کا منتظر ہو اور اچانک اُس کے منہ پر دھوپ پھیل جائے یا وہ پیاسا کہ پیاس کی شدت سے کیچڑ چوس رہا ہو کہ اچانک پانی کا سیلاب آجائے کہ وہ اُس میں تیرنے لگے۔

اِس کا بیان کہ مصطفیٰ ﷺ نے سُنا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پانی پر چلتے تھے اور فرمایا: اگر اُن کا یقین بڑھ جاتا تو یقیناً ہوا پر چلتے

حضور ﷺ نے سنا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پانی پر چلا کرتے تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر اُن کا یقین بڑھ جاتا تو وہ ہوا پر چلتے۔ جیسا کہ میں معراج کی رات اُس پر سوار ہوا۔ یہ حدیث احیاء العلوم کی شرح زبیدی میں منقول ہے۔ محدث عراقی نے

لشکرے زِ اَصلاب سُوئے اُمہات	بہرِ آں تا در رحم روید نبات
ایک لشکر (باپوں کی) پُشت سے ماؤں کی جانب	تاکہ وہ رحم میں اُگے

فرمایا ہے کہ اصل حدیث یوں ہے کہ حوارین نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا کہ آپ پانی پر کس طرح چلتے ہیں؟ اُنہوں نے فرمایا: ایمان اور یقین کے ذریعے۔ اُنہوں نے عرض کیا: ایمان اور یقین تو ہمیں بھی حاصل ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: تو پھر تم بھی پانی پر چلو۔ جب وہ چلنے تو ڈوبنے لگے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پوچھا کہ یہ کیا ہوا؟ اُنہوں نے کہا جب موج آئی تو ہم ڈرے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تم موج سے ڈرے موج کے رَبّ سے کیوں نہ ڈرے، پھر اُن کو پانی میں سے نکالا۔ یقین سے یہاں توکل علی اللہ کا مرتبہ مراد ہے۔ ایمانی کیفیت مراد نہیں۔

حوادثِ یومیہ میں اگر انسان ایک پہلو پر ایسا یقین جما لیتا ہے کہ دوسرے پہلو کا احتمال بھی اُس کے ذہن میں نہ ہو تو عادت اللہ یہ ہے کہ اُس کے یقین کے مطابق وقوع عمل میں آجاتا ہے لیکن یہ چیز نہ کمالِ نبوت سے متعلق ہے، نہ کمالِ ولائت سے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم شبِ معراج، بُراق پر سوار تھے اور بُراق ہوا پر سوار تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ملائکہ اور حق تعالیٰ کی صحبت میسر آئی۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کیا میں تو پہلے ایک کتے کی طرح تھا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے کی وجہ سے اپنے آپ کو شیر دیکھ رہا ہوں۔ میں عارضِ بشریہ میں تھا لیکن اب حیات گاہ میں پہنچ گیا ہوں۔ مادی اَوصاف سے پاک ہو چکا ہوں۔ میں راہِ سلوک کی ابتدائی حالت میں تھا۔ اُس حالت میں مقصودِ حقیقی کی طلب مناسب نہیں لیکن مقصود تک پہنچنے پر ہی تو بشری صفات کی نفی ہوگی۔ یہ تو ایسا ہی ہے کہ کوئی ناپاک کو کہے کہ بغیر پاکی کے حوض سے پانی لینے کے لیے نہ جا۔ اگر میں حوض تک نہ جاؤں گا تو پاک ہونے کے لیے پانی کہاں سے لاؤں گا؟ اس لیے کہ حوض کے باہر تو خاک ہے پانی نہیں ہے اور پاکی کے لیے پانی ضروری ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو اَوصافِ بشری کو مقصود بالذات نہ بنا۔ نجاست تو اُن اَوصاف کو مقصود بنانا ہے۔ پانی یہی ہے اور اُس کا یہ کرم ہے کہ وہ ناپاکوں کو قبول کر لیتا ہے اور پاک کر دیتا ہے۔ (نگاہِ نبی بھی پانی ہی ہے) سورج کے لیے اُس کا نور پردہ ہے۔ جس کی وجہ سے رات اور چمگادڑ نور سے محروم ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے کچھ تو وہ لوگ محروم ہیں جو صلاحیت ہونے کے باوجود اُس کی طرف توجہ نہیں کرتے اور کچھ وہ ہیں جو صلاحیت ہی نہیں رکھتے۔ چمگادڑ میں صلاحیت تو ہے لیکن توجہ نہیں کرتی۔ رات میں نور کو دیکھنے کی صلاحیت ہی نہیں ہے۔ شیخ اور مرید میں اتحاد ہو جائے تو وہ گھٹاؤ، دوئی اور فساد سے دُور ہیں۔ مرید میں کمی ہوتی ہے، صحبتِ شیخ اور ریاضت سے آہستہ آہستہ پوری ہوتی جاتی ہے اور وہ مکمل ہو جاتا ہے۔ سلوک کی راہ میں جلد بازی مناسب نہیں۔ اُس بالا خانے پر سیڑھی کے درجات طے کر کے ہی پہنچا جا سکتا ہے۔ ضحیح

لشکرے زِ اَرحام سُوئے خاکداں
ایک لشکر ماؤں کے رحموں سے دُنیا کی طرف

تا ز نر و مادہ پُر گردد جہاں
تاکہ دُنیا نر اور مادہ سے بھری رہے

دیگ دھیمی آنچ پر ہی تیار ہوتی ہے۔ آہستہ روی اللہ کی صفت ہے اسی لیے اُس نے قدرت ہونے کے باوجود آسمان کو چھ روز میں پیدا فرمایا۔

قرآن میں ہے کہ "اللہ نے زمین و آسمان چھ دن میں پیدا کیے"۔ دوسری جگہ قرآن میں ہے کہ "اللہ کے یہاں ایک دن ایک ہزار سال کا ہے"۔ اللہ بچہ بھی فوراً پیدا کرسکتا ہے لیکن سُنّتِ الٰہی ہے کہ نو ماہ میں ہی پیدا ہو۔ حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش بھی چالیس دن میں ہوئی۔ سالک کو یہ نہیں چاہیے کہ جلد بازی کرے اور قبل از وقت شیخ بن بیٹھے۔ مجاہدات کرنے سے قبل شیخ بن جانا ایسا ہی ہے جیسے کدو کی بیل دوسروں کے سہارے چڑھتی ہے اور جلد مرجاتی ہے۔ دوسروں کے سہارے کی ہوئی ترقی پائیدار نہیں ہوتی۔ اُس کا رنگ جلدی اُتر جاتا ہے۔ ایک مثال سُن لے۔

بوڑھیا، جو اپنے بھدّے چہرے پر پوڈر ملتی تھی اور وہ بھلا معلوم نہیں ہوتا تھا

ایک نوے سالہ بوڑھی تھی جس کا چہرہ جھریوں سے بھرا ہوا تھا۔ اُس کی خواہش تھی کہ کوئی شوہر کرے۔ بڑھاپے کی وجہ سے اُس کے بال سفید تھے۔ دانت ٹوٹ چکے تھے۔ قد کُبڑا ہو گیا تھا۔ شوہر تو چاہتی تھی لیکن اس کی حال [illegible] ، کوئی اُس سے نکاح کرنے پر راضی نہ تھا۔ اُس بڑھیا کی مثال اُس شخص کی سی تھی جسے میدانِ جنگ میں جا [illegible] لیکن نہ اُس کے پاؤں ہوں نہ اُس کے پاس گھوڑا ہو۔ یا کسی کو باجا بجانے کا شوق ہو لیکن اُس کے ہونٹ نہ [illegible] سری ہو۔ ایسی بے موقع حرص خدا دشمن کو بھی نہ دے۔ بڑھاپے میں کتّے کے بھی بال جھڑ جاتے ہیں لیکن انسان کی حرص کا یہ حال ہے کہ اطلس زیبِ تن کرتا ہے۔ جو عمر گناہوں میں بسر ہو وہ دوزخ کا سرمایہ ہے۔ ایسے بدبخت کو جب درازیِ عمر کی دُعا ملتی ہے تو خوش ہوتا ہے اور یہ نہیں سمجھتا کہ یہ مزید عذاب کی دُعا ہے۔ اگر اُسے آخرت کا کچھ خیال ہوتا تو اُسے بددعا سمجھتا اور دُعا دینے والے سے کہتا کہ درازِ عمر تجھے نصیب ہو۔

ایک فقیر کی ایک گیلانی کو دُعا: اللہ تجھے سلامتی سے گھربار کو واپس پہنچا دے

ایک گیلانی سردار جو اپنے وطن سے بیزار تھا اُسے ایک فقیر نے روٹی دینے کے بدلے میں دُعا دی کہ خدا تجھے سلامتی سے وطن واپس پہنچا دے۔ جس طرح اُس فقیر کی دُعا کو سردار نے اچھا نہ سمجھا اِس طرح بزرگوں کی بات کو پست فطرت لوگ پست معنیٰ میں لے لیتے ہیں۔ نتیجہ میں وہ بزرگ اُن سامعین کے لیے پست کلام بولنے پر مجبور ہوجاتا ہے۔ ایک مقرر کو ہمیشہ اپنے سامعین کی عقول کے مطابق کام کرنا پڑتا ہے۔ درزی کپڑے سلوانے والے پست قد کے مطابق کپڑے سیتا ہے۔

لشکرے از خاکداں سوئے اجل	تا بہ بیند ہر کسے حُسنِ عمل
ایک لشکر دُنیا سے موت کی جانب	تا کہ ہر شخص اپنے اچھے عمل کو دیکھے

اُس بُوڑھیا کا بیان

بوڑھیا کی طرح جب یہ حال ہو کہ اُس کا سرمایہ حیات ختم ہو جائے اور اُس نے کوئی نیک عمل بھی نہ کیا ہو جس سے اُس کا مرتبہ بلند ہو وہ نہ خوشی دے سکتا ہے نہ قبول کرسکتا ہے۔ نہ کوئی کمال ہے نہ ناز ہے نہ نیاز ہے۔ تو وہ تہ بہ تہ پیاز کی طرح بدبودار ہے۔ اُس نے نہ راہِ سلوک اختیار کیا اور نہ ہی سوز و آہ سے واقف ہوا۔

ایک فقیر کا قصہ کہ ایک گھرانے سے جب بھی کچھ مانگتا جواب میں وہ کہتے: ”نہیں ہے“

پہلے قصہ میں بوڑھے حریص میں کوئی چیز بھی نہ تھی۔ اِس قصے میں سائل نے گھر والے سے سوال کیا اور روٹی مانگی۔ گھر والا بولا: یہاں کہاں، یہ کوئی نانبائی کی دُکان ہے؟ وہ بولا: ایک بوٹی ہی دے دو۔ جواب ملا: یہ کوئی قصائی کی دُکان ہے۔ وہ بولا: آٹے کی ایک مٹھی دے دو۔ اُنہوں نے کہا: یہ کوئی چکی ہے؟ اُس نے کسی برتن میں پینے کو پانی مانگا۔ وہ بولے: یہاں کوئی نہر ہے؟ غرض جو کچھ بھی اُس نے مانگا مالک مکان نے نفی کر دی۔ فقیر جھٹ سے گھر میں کودا اور بولا کہ پھر تو یہاں پاخانہ کر دینا چاہیے، اگر تمہارا یہ گھر ہر کمال سے خالی ہے۔

تُو باز بھی نہیں کہ شاہ کے ہاتھ پر بیٹھے۔ حُسنِ ظاہری بھی نہیں ہے۔ تُو وہ طوطی بھی نہیں کہ میٹھا کھلانے سے بولے اور لوگ تیری میٹھی گفتگو سنیں۔ بُلبل بھی نہیں ہے کہ عاشق کی طرح چمن میں ہجر کا نوحہ کرے۔ ہُد ہُد بھی نہیں کہ پیام بَری کرے۔ پرندوں کی طرح موسموں کے لحاظ سے وطن بدل لے۔ تو پھر تُو کس کام کا ہے کہ تجھے کوئی خریدے۔ جب تجھ میں کوئی کمال نہیں ہے تو اپنی بناوٹی باتوں کو چھوڑ اور اللہ کی طرف رجوع کر کیونکہ وہاں مقبولیت کے لیے کمال کی ضرورت نہیں ہے۔ وہاں تو تیرا صرف رجوع کرنا ہی مقبولیت کے لیے کافی ہے۔ وہ ذات کھوٹے کو بھی خرید لیتی ہے کیونکہ اُس کا منشا منافع کمانا نہیں ہے۔ وہاں نفع اور معاملہ صرف اِس بات پر ہے کہ وہ کریم ہے۔

بُڑھیا کے قصے کی طرف رجوع

بُڑھیا کے پڑوس میں ایک شادی تھی۔ اُس کو بھی دعوت تھی۔ تیاری میں لگ گئی۔ ابرو کو تارکول سے سیاہ کیا۔ منہ، رخسار اور ٹھوڑی کو سجانے کے لیے آئینے کے سامنے بیٹھ گئی۔ منہ پر بہت سا پوڈر ملا اور قرآن کو خوبصورت بنانے والے عُشر کے نشانات کو پھاڑ کر چہرے پر سجانے کے لیے چپکاتی تھی کہ سلوٹیں چھپ جائیں۔ چادر اوڑھتی تو عُشر گر جاتے۔ جب پوری کوشش کے باوجود عُشر چہرے پر نہ جمے تو شیطان کو بُرا بھلا کہنے لگی۔ شیطان مجسّم ہو کر اُس کے سامنے آ گیا اور بولا: اے خبیث

بُڑھیا! چپ رہ اپنی بدنمائی کو چھپانے کے لیے تُو نے قرآن تک کو معاف نہیں کیا کہ تیرا چہرہ سیب کی طرح رنگین ہو جائے۔

اے بناوٹی زاہد! تُو کب تک بزرگوں کے اقوال چُرا کر لوگوں کی واہ واہ حاصل کرے گا۔ تیرا یہ فرضی رنگ حقیقی نہیں ہے۔ جب موت کی چادر اوڑھے گا یہ نام و نمود کے چپکائے ہوئے عُشر جھڑ جائیں گے۔ چَل چلاؤ کے وقت تیری بناوٹی نیکیاں ختم ہو جائیں گی۔ قیل و قال کا جادو دم توڑ دے گا۔ خاموشی کا عالم ہوگا، پھر اُس شخص پر افسوس ہے جو محبت میں نہ رویا ہوگا۔

اللہ سے صحبت کا طریقہ یہ ہے کہ مجاہدوں سے دل کو مانجھ لو۔ پھر اُس میں اَسرار پیدا ہوں گے اور تیرا دل تیرے لیے دفتر اور کتاب کا کام کرے گا۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام کے سایہ سے زلیخا جوان ہو سکتی ہے تو جب تیرے سینے میں انوارِ الٰہی پیدا ہوں گے جواَب مثل اُس بُڑھیا کے ہے تو تُو بھی جوان بن جائے گا۔ جس طرح سردی سورج کے اثر سے گرمی میں تبدیل ہو جاتی ہے اسی طرح تیرے اندر بھی تبدیلی پیدا ہو جائے گی۔ حضرت مریم علیہا السلام کی تاثیر سے خشک کھجور پھل دینے لگی تھی۔ اسی طرح اللہ کی رحمت تجھ میں بھی نئی زندگی پیدا فرما دے گی۔

وہ بیمار، جس میں طبیب نے صحت کی اُمید نہ دیکھی

ایک بیمار طبیب کے پاس پہنچا اور بولا: میری نبض دیکھ لے تاکہ تمہیں میرے دل کی حالت سے آگاہی ہو جائے کیونکہ ہاتھ کی رگ دل سے ملی ہوئی ہے۔ نبض دیکھنے سے دل کی حالت معلوم ہو سکتی ہے۔ جو چیز مخفی ہو اُس سے متصل چیز سے اُس کی حالت معلوم ہو جاتی ہے۔ ہوا دکھائی نہیں دیتی، غبار اور پتے اُس سے متصل ہیں تو ہوا کے ہونے اور رُخ کے بارے میں پتہ چل جائے گا۔ دل کے عشق کا حال آنکھیں بتا دیتی ہیں۔ ذاتِ باری تعالیٰ بھی مخفی ہے اُس کی صفات کا حال رسول اور اُس کے معجزوں سے معلوم ہو جاتا ہے۔ رسول اور اولیاء رحمہم اللہ کے معجزے اور کرامات دل پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ چونکہ اُن کے باطن میں قیامت چھپی ہوئی ہوتی ہے اور قیامت مُردوں کو زندہ کر دیتی ہے۔ اس لیے اُن کا باطن مردہ قلوب کو زندگی بخش دیتا ہے۔ اس اثر سے اُن کا ہمسایہ جسم مَست ہو جاتا ہے۔ اُن کا ہم نشین اللہ کا ہم نشین بن جاتا ہے۔ یعنی اُن میں اللہ کی ہم نشینی کا اثر جو تعلق مع اللہ ہے، پیدا ہو جاتا ہے۔

معجزے کی تاثیر دل پر خاص مواد کی تاثیر کے واسطے سے پڑتی ہے۔ معجزے کا اثر عصا پر پڑا اور وہاں وہ اژدہا بن گیا۔ سمندر پر پڑا وہ خشک ہو گیا یا شق القمر کی تاثیر نے دلوں پر اثر کیا جس سے معجزے کا مقصد پورا ہو جاتا ہے یعنی دل

عدل چہ بُود وضع اندر موضعش عدل کیا ہے؟ کسی چیز کا ٹھیک جگہ پر رکھنا	ظلم چہ بُود وضع در ناموقعش اور ظلم کیا ہے؟ چیز کا نامناسب استعمال کرنا

میں اور حضرتِ حق میں ربط پیدا ہو جاتا ہے۔ معجزوں کا اصل مقصد رُوح کے مواد کو متاثر کرنا ہوتا ہے۔ بے جان چیزوں پر معجزوں کے اثرات عارضی ہوتے ہیں لیکن اُن کا مقصد دل کو متاثر کرنا ہوتا ہے۔ تو اگر جان کے واسطے کے بغیر یہ چیز حاصل ہو جائے تو کیا ہی اچھا ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے آٹا گوندھے اور روٹی پکائے بغیر پیٹ بھر جائے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور مریم علیہا السلام کو بغیر مادی واسطوں کے نعمتیں حاصل ہوئیں لیکن دراصل اُس تاثیر کے لیے طلب ہونا ضروری ہے۔ معجزے کو دریا سمجھ اور خشکی کو پرندہ جو دریا میں نہیں جی سکتا ہے اور رُوح آبی پرندے کی طرح ہے کہ دریا میں ہر طرح محفوظ رہتا ہے۔

معجزے کا اثر ناقص پر اس طرح ہوتا ہے کہ اُسے عاجز کر دیتا ہے۔ نامحرم معجزے کا مقابلہ نہیں کر سکتا لیکن کامل کو قوت اور عمل کی قدرت عطا کر دیتا ہے۔ نامحرم اور ہمدم کے علاوہ انسانوں کی ایک اور قسم بھی ہے جو بَین بَین ہے۔ اُس کے لیے مناسب ہے کہ وہ ظاہری امور پر استدلال کرے۔ اللہ تعالیٰ کے اثرات حواس پر ظاہر ہو جاتے ہیں جو مؤثر کی خبر دیتے ہیں، کیفیات اسی چیز کا نام ہے۔ دوا کا اثر اور جادو کا اثر دونوں نظروں سے مخفی ہیں لیکن اُن کے اثرات دیکھ کر اُن کا احساس کیا جا سکتا ہے۔ جب ہر مخفی چیز اپنے اثرات سے پہچان لی جاتی ہے تو خدا کے آثار سے اُسے کیوں نہیں پہچانا جا سکتا۔ دنیا میں جس قدر اسباب اور اُن کے اثرات ہیں سب اللہ تعالیٰ کے آثار ہیں۔ دنیا کی اشیاء سے اُن کے آثار کی بنیاد پر محبت ہوتی ہے۔ تو پھر اُن آثار کے پیدا کرنے والے سے محبت کیوں نہیں ہے۔ اگر کسی کے بارے میں اچھا خیال قائم ہو جاتا ہے تو خواہ وہ غیر واقعی ہو اُس سے محبت ہو جاتی ہے۔ تو اللہ جو کہ شاہِ شرق و غرب ہے اُس سے دوستی کیوں نہیں ہے۔

اُس بیمار کے قصے کی طرف واپسی

طبیب نے مریض کی نبض دیکھی اور جان گیا کہ تندرستی ناممکن ہے۔ اُس نے مریض سے کہا کہ اب صبر اور پرہیز نہ کرو۔ اس سے طبیعت اور کمزور ہو جائے گی۔ مرض کا غلبہ ہو جائے گا۔ قرآن نے ایسے ہی رُوحانی مریضوں کے لیے کہا ہے کہ اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ "تم جو چاہو کرو۔" مریض نے طبیب کا یہ قول سُن کر اُسے رخصت کیا اور خود دریا کی سیر کو چل دیا جو اُس کی دلی خواہش تھی۔ اُس نے اِس خواہش کو پورا کرنے کا ارادہ کر لیا۔ اُسے باطنی طہارت تو حاصل تھی اب ظاہری طہارت (وضو) کرنے لگا تا کہ دو طہارتیں حاصل ہو جائیں۔ دریا کنارے اُس نے ایک صوفی کو بیٹھے دیکھا۔ مریض کی طبیعت میں آئی کہ اِس صوفی کی گدی کو ایک طمانچہ لگاؤں۔ اُس نے اُس کی گدی پر طمانچہ مارنے کے لیے ہاتھ اُٹھایا تو

عدل چہ بُوَد؟ آب دہ اشجار را
عدل کیا ہے؟ درختوں کو پانی دینا

ظلم چہ بُوَد؟ آب دادن خار را
اور ظلم کیا ہے؟ کانٹوں کی آبپاشی کرنا

دل میں سوچا کہ اگر اپنی یہ خواہش پوری نہیں کروں گا تو طبیب کے کہنے کے مطابق بیماری میں اضافہ ہوگا اور یہ ہلاکت ہے اور قرآن میں اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے سے منع کیا گیا ہے۔ اس پر اُس نے زوردار طمانچہ صوفی کو مار دیا۔ اُس سے تڑاق کی آواز پیدا ہوئی۔ صوفی بولا: اے دیوث! یہ کیا کرتا ہے؟ صوفی نے چاہا کہ اُسے دو چار مکے مار دے لیکن اُس کو تھکا ہوا اور بیمار دیکھا اور سوچا کہ اگر میں نے اُسے مارا تو یہ مر جائے گا۔

جس طرح طبیب کی بات سے غلط فہمی میں اُس بدنی مریض نے صوفی کے طمانچہ مارا اسی طرح عوام میں سے رُوحانی مریض شیطان کے ورغلانے سے مخلوقِ خدا کو ستانے پر آمادہ رہتے ہیں۔ وہی شیطان جو تیرا اغوا کرتا ہے، تیرا مذاق اُڑاتا ہے۔ اُسی نے تیرے باوا آدم علیہ السلام کا بھی اغوا کیا تھا۔ اُس شیطان کے لیے وہی طمانچہ سزا بنا، اس لیے کہ اُس نے توبہ نہ کی۔ حضرت آدم علیہ السلام کی خطا سے اپنے لیے خطا کا جواز پیدا نہ کر۔ تجھ میں اُن جیسی خوبیاں کہاں ہیں۔ حضرت حق اُن کا دستگیر تھا۔ حضرت آدم علیہ السلام کی مثال تو اُس پہاڑ کی سی ہے کہ جس میں سانپ ہوں تو تریاق بھی ہو۔ عوام میں وہ صلاحیتیں کہاں ہیں جو حضرت آدم علیہ السلام میں تھیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جو توکل کا مرتبہ حاصل تھا وہ تجھ میں کہاں ہے۔ اُسی توکل کی بنا پر اُن کی تلوار حضرت اسماعیل علیہ السلام کا گلا نہ کاٹ سکی۔ توکل ہی کی وجہ سے دریائے نیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نہ ڈبو سکا۔

حضرت شیخ شجاع سعید رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق مشہور ہے کہ انہوں نے اپنے آپ کو منارے سے گرا دیا اور محفوظ رہے۔ جبکہ تیرا وہ نصیبہ کہاں۔ تُو اپنے آپ کو گرا کر برباد مت کر۔ یہی ہوا جو اُن شیخ کے کپڑوں میں بھر گئی جس کی وجہ سے وہ بچ گئے، قومِ عاد کے لاکھوں کی تباہی کا باعث بنی۔ وہ صوفی گو غصہ کی آگ سے بھر گیا لیکن اُس نے انجام کو دیکھ لیا۔ بامراد وہی شخص ہوتا ہے جو انجام پر نظر رکھے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ انجام بین تھے۔ اُن پر آخرت کی سب چیزیں منکشف ہو گئیں۔ اگر نجات چاہتے ہو تو ہمیشہ انجام پر نگاہ رکھو۔ دنیا میں ہر شخص معدُوم چیزوں کی طلب میں ہے۔ فقیر روپے کا طالب ہے۔ کاشتکار پیداوار کا طالب ہے۔ باغبان پودوں کا طالب ہے۔ طالب علم اُس علم کا طالب ہے جو معدُوم ہے۔ عبادت گزار اُس بُردباری کا طالب ہے جو معدُوم ہے۔ ان سب نے موجود کو پسِ پشت ڈال دیا ہے اور معدُوم کی طلب میں کوشاں ہیں۔ اللہ کی صفت ایجاد کرنا ہے وہ معدُوم کو موجود کرتا ہے۔ اُس کی صنعت کا تعلق معدُوم سے ہے، اس لیے اُس کے بندوں میں بھی یہی صفت ہے۔

ہر کاریگر معدُوم کو موجود کرتا ہے۔ سقہ اُس برتن میں پانی ڈالتا ہے جس میں پانی نہ ہو۔ بڑھئی وہاں دروازہ لگاتا

عدل وضع نعمتے در موضعش	نے بہر بیخے کہ باشد آب کش
عدل یہ ہے جہاں ضرورت ہو وہاں نیکی کرنا	اور بے موقع کام کرنا ظلم ہے

ہے جہاں نہ ہو۔ جب کسی مقصد کا شکار کرنا ہو تو ہمیشہ عدم پر حملہ کرتے ہیں لیکن پھر بھی موت یعنی عدم سے بھاگتے ہیں۔ جب ہر شخص نے معدُوم سے اپنی اُمید وابستہ کر رکھی ہے تو پھر اپنی مرغوب چیز عدم سے مخالفت کیوں ہے؟ انسان کو تو اِن حالات میں فنا اور نیستی سے رغبت ہونی چاہیے۔ انسان کا دل موجود پر مطمئن نہیں ہوتا' مزید کا کوشاں رہتا ہے جو معدُوم ہے۔ انسان اس دنیا کے کنویں کو اپنی جائے پناہ سمجھتا ہے لیکن موت اُس کو اسی کنویں میں ڈال دیتی ہے۔ عجب بات ہے اسبابِ ہلاکت کو اسبابِ نجات سمجھا جاتا ہے۔

ہندو غلام اور سُلطان محمُود غزنوی

شیخ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ ایک جنگ میں سلطان محمود غزنوی کے ہاتھ ایک غلام آیا۔ بادشاہ اُسے بہت چاہتا تھا۔ اُسے اِس نے سردار بنا دیا اور فرزند کا لقب دیا۔ وہ اُسے اپنے ساتھ تخت پر بٹھاتا۔ ہندو غلام جب تخت پر بیٹھا تو زار و قطار رونے لگا۔ سلطان نے پوچھا کیا تجھے یہ عزت افزائی ناگوار لگی۔ حالانکہ میں نے تجھے بے حد عزت و احترام دیا۔ وہ بولا: بچپن میں میری ماں مجھے ڈرایا کرتی تھی کہ میں تجھے محمود کے حوالے کر دوں گی۔ میرا باپ میری ماں سے کہتا اِس قدر سخت بدُدعا کیوں دیتی ہے۔ کوئی نرم بد دعا دیا کر۔ میں دونوں کی باتوں سے حیران ہوتا تھا اور غمگین ہو جاتا تھا۔ دعاؤں سے سوچا کرتا محمود کس قدر ظالم ہے کہ تباہی و بربادی میں ضرب المثل بن گیا ہے۔ میں آپ کے نام سے کانپتا تھا لیکن آپ کے اکرام اور عظمت عطا کرنے سے غافل تھا۔ آج میرے ماں باپ ہوں تو دیکھیں کہ اُن کے خیالات کس قدر غلط تھے۔

فقر اور عدم سے انسان کا ڈرنا ایسا ہی غیر واقعی ہے جیسا کہ ہندو غلام کا سلطان محمود سے ڈرنا۔ اگر تو اُس رحیم رَبّ کے رحم کو سمجھ لے تو ہر وقت یہی دُعا کرے کہ میری عاقبت محمود ہو یعنی قابلِ تعریف ہو یا ہمیں بھی سلطان محمود میسر آ جائے۔ جس طرح لڑکے کی ماں غلط طور پر ڈراتی تھی اسی طرح انسان کی طبیعت انسان کو فقر سے غلط طور پر ڈراتی ہے۔ جب تجھے فقر حاصل ہو جائے گا تو پھر تو اس طرح روئے گا جس طرح اپنی پہلی معلومات پر وہ ہندو غلام روتا تھا۔ انسان کا جسم انسان کی اُسی طرح پرورش کرتا ہے جس طرح ماں بچے کی پرورش کرتی ہے لیکن یہ جسم انسان کا سو دشمنوں سے زیادہ دشمن ہے۔ اگر جسم پریشان ہوتا ہے یعنی بیمار ہو جاتا ہے تو انسان دوا کی تلاش میں پریشان پھرتا ہے لیکن اگر تن درست ہو تو شیطنت پیدا کرتا ہے۔ جس طرح لوہے کی زرہ انسان کو کسی طرح بھی آرام نہیں دیتی اسی طرح جسم بھی انسان کو کسی حالت میں آرام سے نہیں رہنے دیتا۔

عدل وضعِ نعمتے دَر موضعش عدل یہ ہے جہاں ضرورت ہو وہاں نیکی کرنا	نے بہر بیخے کہ باشد آب کش اور بے موقع کام کرنا ظلم ہے

جسم اگرچہ بُرا ساتھی ہے لیکن اُس کے مصائب پر صبر کرو تو پھر اُس سے فائدہ اُٹھا سکتے ہو۔ کالی رات میں چاند کا صبر اُسے اور روشن کرتا ہے۔ پھول کا کانٹے کے ساتھ صبر اُس میں مہک اور حُسن پیدا کرتا ہے۔ دودھ، لید اور خون کے درمیان صبر کرتا ہے تو بچے کو زندگی بخشنے والا بن جاتا ہے۔ تمام انبیاء علیہم السلام کے اُخروی مراتب صبر کرنے ہی سے بلند ہوئے۔ دنیاوی منافع بھی صبر ہی سے حاصل ہوتے ہیں۔ جو شخص غمگین ہو سمجھ لو کہ اُس نے تعلق مع اللہ سے بے وفائی اور دغا دینے والی چیز سے تعلق پیدا کیا تھا۔ اگر یہ فانی اس بے وفا سے تعلق نہ پیدا کرتا تو آج غمگین نہ ہوتا۔ وہ خدا سے تعلق رکھتا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح کہہ دیتا کہ مجھے غائب ہو جانے والی چیزوں سے محبت نہیں ہے۔ یاد رکھو! قافلہ روانہ ہو جاتا ہے اور آگ کی راکھ تنہا پڑی رہ جاتی ہے۔ انسان اپنی بے صبری سے خدا کے غیر کا ساتھی بنتا ہے تو جب اُس سے جدائی ہوتی ہے تو غمگین ہو جاتا ہے۔ اللہ نے تجھ میں یہ صلاحیت رکھی ہے کہ تُو تعلق مع اللہ پیدا کر سکتا ہے، یہ بہت قیمتی چیز ہے اور یقینی ہے۔ کسی خیانت کرنے والے کے پاس اِس کو امانت مت رکھ۔ اگر تُو اس صلاحیت کو غیر اللہ کے لیے صرف کرے گا تو فائدہ نہ ہوگا اور گویا وہ امانت ضائع ہو جائے گی۔ امانت کا ضائع ہونا غائب ہو جانے سے اور انکار سے ہوتا ہے۔

جو عادتیں پیدا کرنے والا ہے اور جس نے انبیاء علیہم السلام کو بہترین عادتیں اور اخلاق عطا فرمائے انسان کو اُس سے تعلق پیدا کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کے پاس امانت رکھنے کا یہ نتیجہ ہوگا کہ اگر تُو ایک بکری کا بچہ دے گا تو وہ تجھے بکریوں کا ریوڑ عطا کر دے گا۔ اگر اپنی صفات اور صحبت کو تُو نے غیر اللہ میں صرف کیا تو ایسا ہی ہے جیسے بکری کا بچہ بھیڑیے کے پاس امانت رکھ دیا۔ نادان کی صحبت کبھی اختیار نہ کرو۔ اللہ اور دین سے جاہل، منافق ہوتا ہے اور اُس کے دو چہرے اسی طرح ہوتے ہیں جیسے مخنث کے، وہ مرد ہوتا ہے نہ عورت۔ اہلِ بصیرت اُن لوگوں کے دوغلے پن کو سمجھ جائیں گے۔ خدا اُن کو اُن کی ایسی علامتیں دکھا دیتا ہے جن سے وہ نفاق کو پہچان لیتے ہیں۔ قرآن میں ولید بن مغیرہ کے بارے میں فرمان ہے: ”ہم اُس کی ناک پر داغ لگا دیں گے“۔ جاہل کی میٹھی باتیں کام کی نہیں ہوتیں۔ اُس کی دوستی کی مثال ماں کی محبت ہے جو بچے کے لیے اکثر مُضر ہوتی ہے۔ باپ بچے کو مکتب بھیجتا ہے تو ماں محبت میں اُس سے لڑتی ہے اور کہتی ہے کہ اگر یہ بچہ تیری کسی دوسری بیوی سے ہوتا تو تُو اُس پر اتنا ظلم نہ کرتا۔ باپ جواب دیتا ہے کہ عورتوں کی یہی بے عقلی ہے کہ اگر یہ بچہ کسی دوسری عورت سے ہوتا تو وہ بھی یہی الفاظ منہ سے نکالتی۔

انسان کے نفس کو ماں اور عقل کو باپ سمجھ۔ نفس کے فریب سے نجات اللہ کی تائید کے بغیر مشکل ہے۔ اے مالک!

ظلم چہ بُود؟ وضع در ناموضعے　　　کہ نباشد جز بلا را منبعے

اللہ کی نعمتوں کو رُوحِ انسانی پر خرچ نہ کرنا ظلم ہے　　　اِس سے تکلیف ہی پیدا ہوگی

ہماری طلب تیری توفیق سے ہی ہے اور نیکی بھی تیری توفیق سے ہے۔ قرآن میں ہے کہ ''تم نہیں چاہتے مگر یہ کہ اللہ چاہے'' تمام انسانی افعال اللہ کی ایجاد پر موقوف ہیں۔ اے اللہ! ہم نے باتیں تیرے حوالے کر دی ہیں اور اس سے مقصد یہ ہے کہ تُو ہمارے اندر اطاعت اور عبادت کی طاقت بڑھا دے۔ یہ حوالے کرنا جبریوں کے عقیدے کے مطابق نہیں جو انسان کو کاہل اور سُست بنا دیتا ہے۔ ایک جبر تو اہلِ سنّت کا عقیدہ ہے وہ باعثِ نجات ہے اور ایک جبریوں کا عقیدہ جو گمراہی ہے۔ اہلِ سُنّت اپنی پوری کوشش اور عمل کرنے کے بعد نتائج اللہ کے سپرد کرتے ہیں۔ اس کی مثال یوں ہے کہ دریائے نیل کا پانی سبطیوں کے لیے پانی اور قبطیوں کے لیے خون بن گیا۔ شہباز کے بازو اُس کو شاہ کی طرف لے جاتے ہیں اور کوے کے مُردار کی طرف۔

عدم کے بارے میں تیری مثال اُس ہندو بچے کی طرح ہے جو سلطان محمود کے نام سے لرزتا تھا اور وہی اُس کے لیے سب سے زیادہ شفیق ثابت ہوا۔ تیرا وجود دراصل وہ عدم اور معدُوم ہے اور یہ خیالات بھی فانی ہیں اور تُو بھی فانی ہے۔ تیرا اس وجود پر عاشق ہونا گویا معدُوم پر عاشق ہونا ہے۔ جب تیرا وجود فنا ہو جائے گا تو تجھے معلوم ہو جائے گا کہ تو کن نامعقول باتوں میں پھنسا ہوا تھا۔

فرمانِ نبوی ﷺ "جانے والوں کو موت کا غم نہیں اُنکو فوت کی حسرت ہے"

قرآن میں ہے کہ مرنے کے بعد کفار مرنے پر افسوس نہیں کریں گے بلکہ اعمالِ صالحہ جن کو وہ معدُوم سمجھتے تھے اُن کے نہ کرنے پر افسوس کریں گے۔ دنیا سے جو مر کر جائے گا اُس کو مرنے کا افسوس نہیں ہوگا۔ بلکہ اس بات پر افسوس ہوگا کہ معدُوم کے لیے کوشش کیوں کی، نیک عمل کیوں نہ کیا۔ موت تو ایک پُل ہے جو حبیب کو حبیب سے ملاتا ہے۔ موت کے بعد معلوم ہوگا کہ تمام دنیاوی خیالات لاحاصل تھے۔ زندگی تو عالمِ آخرت میں ہے۔ دنیاوی چیزیں بے رُوح تصاویر ہیں۔ یہ چیزیں جھاگ کی طرح ہیں جو کہ خود بے حقیقت چیز ہے اور اُس کی حرکت اور بقا دریا کی مرہونِ منت ہے۔ جھاگ خشکی پر چڑھ جائے تو بے حس و حرکت ہے۔ حُباب اور جھاگ چونکہ زبانِ قال نہیں رکھتے اس لیے زبانِ حال سے جواب دیں گے کہ ہماری اصل تو دریا ہے جو پوچھنا ہے اُس سے پوچھ لے۔ یہ عالمِ امکان بغیر بحرِ وحدت کے کب موج کی طرح حرکت کر سکتا ہے۔ وہ تو خاک ہے، بغیر ارادہِ خداوندی کی ہوا کے وجود اور بلندی کب حاصل کر سکتا ہے۔ عالمِ اِمکان کو دیکھ کر نظرِ توحیدی پیدا کر۔ یہ نظرِ توحیدی تیرے بہت کام آئے گی۔ تیرا باقی تانا بانا گوشت پوست سب بیکار ہے۔ نہ دنیا میں کارآمد نہ آخرت

چوں مُسبّح کردہٗ ہر چیز را　　ذاتِ بے تمیز و باتمیز را

چونکہ تُو (اللہ) نے ہر چیز کو تسبیح خواں بنایا ہے　　ہر چیز کی تسبیح کا طریقہ جُداگانہ ہے

میں۔ تیرے اندر اصلی نظرِ توحیدی اور روح کا فعل ہے۔

اِس لیے جسم کو مجاہدوں کے ذریعے اُس نظر کو حاصل کرنے کے لیے پگھلا دے۔ ایک نظر دو گز راستہ دیکھتی ہے اور ایک وہ ہے جس نے دو جہان اور شاہ کا چہرہ دیکھا۔ نظر بڑھانے کا سُرمہ تلاش کر، اللہ غیب کا بندوبست کرنے والا ہے۔ تاثر سے مؤثر کی طرف نظر کرنے کے دو درجے ہیں۔ ایک بدن سے رُوح پر نظر کرنا دوسرا رُوح سے مؤثرِ حقیقی کی طرف نظر رکھنا۔ ہمارا مقصود دوسرا درجہ ہے پہلا نہیں۔ اِن دونوں نظروں میں بہت فرق ہے۔ ہر کاری گر معدوم کو اپنی کاری گری سے وجود میں لاتا ہے۔ قدرت کی کاری گری بھی مَعدُوم کو موجود کرتی ہے جو بالکل بے نشان اور خالی ہے۔ ''اَللّٰہُ الصَّمَدُ'' وہ بے نیاز ہے جو چاہے کرے۔ جہاں نیست زیادہ ہوتی ہے وہاں وہ اپنی کاری گری کا زیادہ ظہور کرتا ہے۔ نیستی اِس عالم کا اعلیٰ مقام ہے اور چونکہ صرف درویشوں کو حاصل ہے۔ لہٰذا وہ سب سبقت لے گئے خصوصاً وہ جنھوں نے جسم کو لٹا دیا اور ساتھ ہی مال کو بھی۔ جسم کو گھلانے والا ہمیشہ قانع اور صابر ہوتا ہے۔ کبھی سائل نہیں بنتا۔ مال کا درد ہو یا جان کا' اُس کا شکوہ نہ کر کیونکہ وہ تجھے نیستی کے اعلیٰ مقام تک پہنچانا چاہتا ہے۔

اِس راہ میں غور وفکر کو بیدار کرنے کا طریقہ ذکر اللہ ہے۔ ذکر، فکر کو بیدار کرتا ہے اور وہی کام کرتا ہے جو ٹھٹھرے ہوئے کے لیے سورج کرتا ہے۔ محض ذکر وعبادت سے قرب میسر نہیں آتا جب تک اللہ کی جانب سے جذب وکشش نہ ہو لیکن انسان کو ذکر اور عبادت میں مشغول رہنا چاہیے۔ محنت کو چھوڑنا اپنا ناز دکھانا ہے۔ جو عاشق جانباز کے لیے کسی طرح مناسب نہیں۔ بندے کا کام تو بندگی ہے' اِس کے مقبول یا مردُود ہونے کے چکر سے اُسے کیا کام۔ خدا کے کام بے چون وچراں کرنے چاہیں۔ اگر تُو برابر مجاہدے میں لگا رہے گا تو جذب اُڑ کر تیرے پاس آجائے گا، پھر اِس قدر مجاہدہ کی ضرورت نہیں رہے گی۔ جذب صبح کی طرح ہے اور مجاہدے شمع کی طرح۔ صبح کو شمع کی ضرورت نہیں رہتی۔ بندہ کثرتِ نوافل کے ذریعے تقرب حاصل کر لیتا ہے تو پھر اُس کے افعال ذاتِ حق تعالیٰ کی طرف منسوب ہو جاتے ہیں اور اُس کو ہر ذرّہ کائنات میں حق کا مشاہدہ نصیب ہو جاتا ہے۔

صُوفی اور قاضی کے قصّے کی طرف دوبارہ واپسی

صوفی نے سوچا کہ اگر میں اِس بیمار کے کچھ مار دوں گا تو یہ مر جائے گا اور قصاص میں مجھے قتل کر دیا جائے گا۔ اِس لیے قضاءِ خداوندی سے جو بات پیش آئے اُس پر سرِ تسلیم خم کر دینا چاہیے۔ پھر وہ قاضی کے پاس گیا تا کہ اُسے کچھ تنبیہ ہو اور یہ دوسرے صوفیوں کو نہ مارے۔ یہ بیمار جو خود مُردے کی طرح ہے اِس کے بدلے میں

سر کٹوانا مناسب نہیں ہے۔ قاضی کا کام یہ ہے کہ لوگوں کے حقوق کی حفاظت کرے اور کسی کو کسی کا حق نہ مارنے دے۔ شیطان حقوق غصب کرنے والے کو جو حیلہ سکھاتا ہے قاضی کا فیصلہ اُس کو ختم کر دیتا ہے۔ مدعی اور مدعی علیہ کی جنگ فیصلے سے ختم ہو جاتی ہے۔ جو فریق شیطنیت پر آمادہ ہوتا ہے فیصلہ اُس کی شیطنیت ختم کر دیتا ہے۔

قاضی قیامت کے دن کے عدل کا ایک نمونہ ہے۔ قطرے سے دریا کے پانی کا مزہ معلوم ہو جاتا ہے۔ اگر تُو قطرے میں سمندر کے جلوے دیکھنا چاہتا ہے تو اکلِ حلال کی عادت ڈال۔ جیسے شفق سورج کے ہونے کی خبر دیتی ہے۔ اِس طرح قرآن میں ہے: فَلَآ اُقْسِمُ بِالشَّفَقِ ''میں قسم کھاتا ہوں شفق کی''۔ شفق حضور ﷺ کے جسمِ مبارک کو کہا گیا ہے جو کہ رُوحِ احمدی کا مظہر ہے۔ چیونٹی ایک دانے کے گم ہونے پر لرزتی ہے۔ اِس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ اُس نے خرمن کو نہیں دیکھا۔ انسان بھی اگر ممکنات کے ذریعے واجب کو پہچان لے تو کبھی کسی ممکن کے فوت ہو جانے کے غم سے نہ لرزے۔ اگر انسان مظالم سے پاک ہو جائے تو اُس کا دل آسمان سے بھی زیادہ منور ہو جائے۔

صوفی طمانچہ مارنے والے کو پکڑ کر قاضی کے پاس لے گیا۔ قاضی معمولی شخصیت نہیں ہوتا، وہ خدا کا قائم مقام ہوتا ہے۔ وہ جو سزا دیتا ہے اِس میں کوئی ذاتی غرض نہیں ہوتی لہٰذا اگر اُس کی غلطی سے کوئی مجرم مرا تو اُس کی دیت قاضی کے عاقلہ یعنی اللہ پر ہوگی جیسے نادار لوگوں کی دیت بیت المال سے ادا کی جاتی ہے۔ باپ بیٹے کو خدمت نہ کرنے پر مارتا ہے لہٰذا باپ پر بیٹے کا خون بہا واجب ہے۔ اُستاد کی شاگرد کو مارنے میں کوئی ذاتی غرض نہیں اس لیے خوں بہا سے بری ہے۔ اگر مارنے میں اپنی غرض نہ ہو تو خون معاف ہے لہٰذا خودی کو مار دے۔ جب تُو خودی کو قتل کر دے گا اور فانی ہو جائے گا تو تیرا فعل اپنا فعل نہیں رہے گا۔

مثنوی صرف توحید کی دُکان ہے توحید کے مضامین کے علاوہ جو کچھ مذکور ہے وہ بُت ہے۔ عوام جب غیر توحیدی مضامین سنتے ہیں تو متوجہ ہو جاتے ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ توحیدی مضامین بھی سننے کا اُن کو موقع مل جاتا ہے۔

قاضی اور صُوفی کے قِصّہ کی تقریر

قاضی نے صوفی سے کہا کہ یہ بیمار تو بس خیالی انسان رہ گیا ہے اس سے بدلہ کہاں لیا جا سکتا ہے۔ تاوان تو زندہ اور مالدار سے لیا جاتا ہے لاش سے تو نہیں۔ وہ درویش جو خودی کی حالت سے گزر کر سُکر کی حالت میں ہوتے ہیں وہ بھی سینکڑوں حیثیتوں سے مردہ ہیں۔ حقیقی مردہ تو ایک مرض کے نتیجے میں مردہ بنتا ہے۔

آدمی مُنکر ز تسبیحِ جماد	واں جماد اندر عبادت اوستاد
جمادات کی تسبیح سے آدمی مُنکر ہے	حالانکہ وہ جماد عبادت میں ماہر ہیں

کشتگان خنجر تسلیم را
ہر زماں از غیب جان دیگر است (احمد جام رحمۃ اللہ علیہ)

''جو لوگ اللہ کے عشق سے شہید ہو جاتے ہیں اُنھیں ہر لحظہ ایک نئی جان عطا کر دی جاتی ہے''۔

چونکہ اللہ اُن کو قتل کرتا ہے اس لیے وہ محبت اور قرب کے خزانے خون بہا کے طور پر عطا کر دیتا ہے۔ حضرت جرجیس علیہ السلام کو شاہِ وقت نے ساٹھ بار قتل کیا اور وہ ہر بار زندہ ہو گئے۔ ایسے لوگوں کو اللہ کے بھالے کا زخم اس قدر پیارا ہوتا ہے کہ دوسرے زخم کی تمنا میں روتے ہیں۔ قاضی نے کہا کہ میں تو زندہ پر حکم جاری کر سکتا ہوں، مُردوں پر نہیں۔ اس مُردے پر غصہ نہ کر، اِس سے جھگڑنا بے وقوفی ہے۔ جو لوگ اپنے آپ کو فانی کر کے باقی باللہ ہو جاتے ہیں اُن کا ہر فعل، اللہ کا فعل ہو جاتا ہے۔ ایسے لوگوں کا غصہ اللہ کا غصہ ہوتا ہے۔ اللہ کا قتل کرنا اور پھر پھونک مار کر زندہ کرنا بڑی خوبی کی بات ہے۔ باقی باللہ میں جو اللہ کا فعل ہے وہ ایک ذوقی چیز ہے اُس کی شرح نہیں ہو سکتی۔ تُو اِس دنیا کے کنویں میں سے نکل کر اعلیٰ مقام حاصل کر لے تجھے خود پتہ چل جائے گا۔ صوفی نے قاضی سے کہا کہ پھر تو آپ کا مطلب ہے کہ اس نے جو طمانچہ مجھے مارا ہے نہ اُس کا جسمانی بدلہ ہے نہ مالی۔ اب اگر آپ اس کو اِس طرح چھوڑ دیں گے تو پھر صوفیوں کی خیر نہیں۔ ہر آوارہ صوفیوں کو مار لیا کرے گا۔

قاضی نے صوفی سے کہا کہ صوفی تُو بہت مجاہدے کرتا ہے ایک طمانچہ تمہارے لیے کیا ہے۔ یہ جھگڑا تو بغیر کسی عوضانے کے ختم ہو جانا چاہیے پھر بھی میں تجھے کچھ دلا دیتا ہوں۔ اُس نے بیمار سے پوچھا تمہارے پاس کیا ہے۔ بیمار نے کہا کہ میرے پاس چھ درہم ہیں۔ قاضی نے اُسے کہا کہ تین درہم تُو خود خرچ کر لے اور تین صوفی کو دے دے۔ قاضی اپنا فیصلہ صوفی کی طرف رُخ کر کے سُنا رہا تھا تو بیمار کی نظر قاضی کی گدی پر پڑی۔ اُسے طمانچہ مارنے کے لیے وہ گدی صوفی کی گدی سے بھی بہتر معلوم ہوئی۔ اُسے ایک طمانچہ مارنے کی سزا بہت سستی لگی۔ وہ قاضی کی طرف متوجہ ہوا جیسے قاضی سے کوئی راز کی بات کہے گا اور قاضی کے نزدیک ہو کر اُس کی گدی پر بھی طمانچہ مار دیا۔ وہ بولا: اب تم دونوں مدعی ہو، تین تین درہم دونوں بانٹ لو۔ میرا سب مال چلا جائے گا تو نہ کوئی جھگڑا رہے گا اور نہ مجھ میں مالدار ہونے کا عیب ہوگا۔

بیمار فقیر کے طمانچے سے قاضی کا مکدر ہو جانا اور صُوفی کا قاضی کو ملامت کرنا

قاضی طمانچہ کھا کر بدمزہ ہوا تو صوفی نے قاضی سے کہا کہ بے شک آپ کا کیا ہوا فیصلہ منصفانہ تھا۔ اس لیے آپ کو بھی اِسے قبول کر لینا چاہیے۔ تیرے فیصلے نے خود تیرے لیے

طمانچے کا موقع پیدا کردیا۔ یہ تو ایک فیصلے کی پاداش تھی نہ معلوم دوسرے فیصلے تیرے اوپر کیا ظلم ڈھائیں گے۔ تُو نے فیصلہ اِس کے ہاتھ میں دے دیا اور اُس کا نتیجہ بھگتا۔ ظالم کا تو ہاتھ کاٹنا چاہیے۔ تمہاری مثال تو اس بُوھیا کی ہے۔ جس نے بھیڑیے کے بچے کو بکری کا دودھ پلا کر پالا اور آخر میں وہ بھیڑیا اُس کی بکری ہی کو کھا گیا۔ قاضی نے جواب دیا کہ قضائے خداوندی جو بھی نازل کرے خواہ طمانچہ ہو یا کوئی اور سزا اُس پر بھی راضی ہونا ہمارا فرض ہے۔ صحیح بات گو اچھی ہوتی ہے لیکن اکثر کڑوی لگتی ہے۔ آنکھ کے رونے سے دل میں شادابی پیدا ہو جاتی ہے جس طرح اَبر سے باغ میں شادابی آ جاتی ہے۔ قرآن میں ہے کہ "چاہیے کہ وہ تھوڑا ہنسیں اور زیادہ روئیں" موم آنسو کی طرح گرتا ہے تو شمع زیادہ روشن ہو جاتی ہے۔ ماں باپ کی سختی بچے کی حفاظت کرتی ہے۔

اِسی طرح یادِ الٰہی میں رونے میں جو مزا ہے وہ ہنسنے میں نہیں ہے۔ جہنم کا خوف اگر رُلائے تو جنت کی یاد سے زیادہ بہتر ہے۔ گریہ کا انجام یقیناً ہنسنا ہے۔ غموں میں لذت اِسی طرح چھپی ہوتی ہے جس طرح آبِ حیات تاریکی میں۔ اپنی آنکھوں کے ساتھ شیخ کی آنکھوں کو جوڑ لے تب نشانِ منزل کا پتہ چل جائے گا۔ شیخ کے بغیر اُس منزل کی طرف سفر ممکن نہیں ہے۔ شیخ راستہ کا مددگار ہے بلکہ وہ خود راستہ ہے۔ بزرگوں کی مجلس میں خود نمائی مناسب نہیں، خاموشی بہتر ہے۔ "صحبت پیر از ذکر و فکر بہتر است"۔ حضور ﷺ نے فرمایا میرے صحابہ رضی اللہ عنہم ستاروں کی مانند ہیں۔ جس کی اقتداء کرو گے ہدایت پالو گے۔ ستاروں سے ہدایت جبھی حاصل ہوگی کہ خاموشی سے اُن کی طرف نظر لگاؤ۔ بولنا نظر میں خلل انداز ہوتا ہے۔ انسان بولتا ہو تو صحیح باتوں کے ساتھ ہی غلط باتیں بھی منہ سے نکل جاتی ہیں۔ انسان اپنی گفتگو بھلی بات سے شروع کرتا ہے لیکن طوالت اُس کو بُری باتوں کی طرف لے جاتی ہے۔ یہ صرف معصوم انبیاء علیہم السلام کی شان ہے کہ اُن کی زبان سے کوئی غلط بات نہیں نکلتی۔ اپنے آپ کو حال سے بولنے والا بنالے اور گفتگو سے مغلوب نہ ہو۔

صُوفی کا قاضی سے سوال کرنا

قاضی نے کہا تھا کہ تمام مقدرات پر راضی رہنا چاہیے تو صوفی نے سوال کیا کہ ذاتِ خداوندی جبکہ واحد ہے تو اُس سے متضاد چیزیں جیسے جفا و وفا، سُخط و رضا، منع و عطا کا صدور کس طرح ہوتا ہے؟ سب کا خالق ایک ہے تو پھر ایک مفید اور دوسری مضر کیوں ہیں؟ سب خدا نے پیدا کی ہیں تو ایک عقلمند اور ایک مست کیوں ہیں؟ جب ایک دریا کی نہروں کا پانی ایک سا ہوتا ہے تو مخلوق کوئی شیریں اور کوئی کڑوی کیوں ہے؟ جب سب اللہ کا نور ہے تو پھر صبحِ صادق اور صبحِ کاذب کیوں ہے؟ یہ راست بینی اور کج بینی کیوں ہے؟ سب ایک ٹکسال سے نکلے ہیں تو کچھ سکے کھرے اور کچھ کھوٹے کیوں ہیں؟ اگر خدا نے دین کے راستے

جملہ ذراتِ عالم در نہاں عالم کے سارے ذرات پوشیدہ طور پر	با تو می گویند روزان و شباں تم سے صبح و شام کہتے رہتے ہیں

کو اپنا راستہ بتایا ہے تو پھر راہنما اور رہزن کیوں ہیں؟ ایک ہی پیٹ اور نطفے سے پیدا ہونے والوں میں ایک عالم اور ایک جاہل کیسے پیدا ہو گئے؟ مجھے خدا کی وحدت اور غیر متغیر اور غیر متضاد ہونے کا تو یقین ہے تو پھر اُس سے اس قدر متغیر اور متضاد چیزیں کیسے صادر ہوتی ہیں۔

قاضی نے کہا: اے صوفی! حیران نہ ہو، ایک مثال سُن لے اور حقیقت کو سمجھ لے۔ معشوق کا قرار اور سکون عاشق کی بے قراری کا مبداء ہے۔ معشوق پہاڑ کی طرح اپنے ناز پر جما ہوا ہے اور عاشق پتوں کی طرح لرزتے ہیں۔ معشوق کا مسکرانا عاشقوں کے رونے کا مبداء ہے تو اس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ مبداء اور اُس کے آثار میں یکسانیت ضروری نہیں ہے۔ مبداء جو ذاتِ واحد ہے اور اُس کے آثار جو ممکنات ہیں اُن میں تضاد نہیں ہے اور نہ کوئی اُس کی ذات اور افعال میں اُس کا مثل ہے۔ چونکہ ذاتِ باری اور ممکنات میں تضاد نہیں ہے اسی لیے ممکنات نے وجود کا لباس پہنا ہے۔ ایک ضد دوسری ضد کو موجود نہیں کر سکتا بلکہ اُس سے دور بھاگتا ہے۔ دونوں کا اجتماع نہیں ہو سکتا۔ ایک ہست اپنے مثل کو وجود عطا نہیں کر سکتی کیونکہ دونوں یکساں ہوں گی تو ایک کو خالق اور دوسرے کو مخلوق کہنا باطل ہوگا۔ جہان میں جو بھی ضِد اور ندّ یعنی مثل دکھائی دیتا ہے بحرِ وحدت پر بے ضِد و ندّ ہے اور جھاگ کی طرح نمودار ہے۔ ذاتِ وحدت کے تمام افعال ایسے ہیں کہ اُن کی کیفیت کی گہرائی تک نہیں پہنچا جا سکتا۔ تو پھر ذات کی کُنہ تک کہاں رسائی ہو سکتی ہے۔ رُوح اُس کی معمولی مخلوق ہے۔ اُس کی حقیقت اور کُنہ تک رسائی ممکن نہیں ہے تو ذات کسی طرح بھی کیفیات کی قید میں مقید نہیں ہو سکتی۔ اُس کی حقیقت کے بارے میں عقلِ کامل بھی ناواقف ہے۔

حضور ﷺ نے فرمایا ''اے اللہ! میں تیری تعریف کا احاطہ نہیں کر سکتا ہوں۔ تُو ویسا ہی ہے جیسا کہ تُو نے خود اپنے نفس کی تعریف کی ہے۔'' جب عقلِ کامل کا یہ حال ہے تو عام عقلیں اُس حقیقت کا کیا اِدراک کر سکتی ہیں۔ عقل کہتی ہے کہ ذاتِ باری کی حقیقت کے اِدراک کا معاملہ ایسا ہے کہ اُس میں قابلِ اِدراک اور نا قابلِ اِدراک یکساں ہیں۔ عقل نے جسم سے (جو کہ نا قابلِ اِدراک ہے) ذاتِ باری کی کُنہ معلوم کرنی چاہی تو جسم نے جواب دیا کہ جب تجھے ہی معلوم نہیں تو تیرا مجھ سے سوال کرنا نامناسب ہے کیونکہ میں تجھ سے ادنیٰ ہوں۔ عقل کہتی ہے کہ یہ وہ مقام ہے کہ یہاں اعلیٰ، ادنیٰ سے اِستفادہ کرتا ہے۔ سورج ذرّے کی خدمت کرتا ہے، شیر ہرن سے عاجز ہے۔

یہی وجہ ہے کہ حضور ﷺ صحابہ ﷺ سے فرمایا کرتے تھے کہ ہمیں بھی اپنی دعاؤں میں شریک کر لینا۔ آنحضور ﷺ کی دُعا کے لیے کوئی یہ کہے کہ استفادے کے لیے نہ تھی بلکہ بعض اوقات حضور ﷺ اپنے مقام سے تنزل اختیار

ما سمیعیم و بصیریم و خوشیم ہم سُننے والے ہیں اور دیکھنے والے ہیں اور خوش ہیں	با شما نامحرماں ما خامشیم تم نامحرموں کے سامنے ہم خاموش ہیں

کرتے تھے اور تعلیمِ اُمت کے لیے اس قسم کا طریقہ اختیار فرماتے تھے۔ تو مطلب یہ ہوا کہ یہ طریقہ اُنہوں نے اُمت کو یہ تعلیم دینے کے لیے کیا کہ اعلیٰ فرد ادنیٰ فرد سے استفادہ کیا کرے اور یہ بات مُسلّم ہے کہ اعلیٰ ادنیٰ سے استفادہ نہیں کر سکتا ہے۔ حضور ﷺ ایسا صرف اس لیے فرماتے تھے کیونکہ آپ ﷺ جانتے تھے کہ خزانے ویرانوں میں ہوتے ہیں اور حضرتِ حق تعالیٰ کی رحمتوں کے خزانے بسا اوقات اُن لوگوں کے پاس ہوتے ہیں جو بظاہر معمولی انسان نظر آتے ہیں۔

خاکسارانِ جہاں را بحقارت منگر
تُو چہ دانی کہ در ایں گرد سوارے باشد

"دنیا میں مسکین اور عاجز لوگوں کو حقارت سے نہ دیکھ۔ تو کیا جانے کہ شاید اُس گرد میں کوئی شہ سوار چھپا ہو"۔

مساکین اور بظاہر حقیر انسانوں کے ساتھ بدگمانی اُلٹا فعل ہے جس سے انسان غلط راہ اختیار کر لیتا ہے۔ اگرچہ عقل مند انسان کی نظر میں اُس کا جزو جزو جاسوس اور مخبر بنا ہوا ہے جو اُس کی رہنمائی کرتا ہے اور گمراہوں کے لیے یہ فعل اُلٹا نشان ہی نہیں بلکہ اُن کی نگاہوں سے حقیقت بالکل چھپ گئی ہے اسی لیے ستر بلکہ کئی فرقے بن گئے ہیں۔ اللہ کی جانب سے ہر سزا کے ساتھ ایک جزا بھی ہے جو عطا کی صورت میں ہے۔ تُو نے وہ طمانچہ تو دیکھ لیا لیکن اُس کی وجہ سے تمہارے باطن کی جو صفائی ہوئی ہے وہ بھی تُو دیکھ لے۔ ہر بُرائی کے ساتھ کسی نہ کسی صورت میں اچھائی بھی ہوتی ہے۔ اللہ کی ذات سے یہ توقع نہیں ہے کہ وہ صرف سزا دے اور اُس کے ساتھ عطا نہ ہو۔ اگر اللہ کسی سے دنیا کی کوئی چیز چھین لیتا ہے تو اُس کی حیثیت مچھر کے پر سے زیادہ نہیں ہے لیکن اُس کے بدلے میں لاتعداد نعمتیں عطا کر دیتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام نے جو تکالیف برداشت کیں وہ اُن کی سرفرازی کا سبب بنیں لیکن سزا کے ساتھ عطا کی شرط یہ ہے کہ حضور مع الحق ہو یعنی اللہ کی جانب رضا اور محبت کے ساتھ قلب کے ذریعے رجوع ہو۔ اگر حضورِ قلب نہ ہو گا تو خلعت واپس ہو جائے گی کیونکہ گھر میں کوئی نہ تھا جس کے سپرد کی جاتی۔

پھر صُوفی کا اُس قاضی سے سوال کرنا

صوفی نے کہا کہ یہ بات تو سمجھ میں آ گئی کہ دو متضاد چیزوں کا ایک مبداء سے ظہور ہو سکتا ہے لیکن یہ بات باقی ہے کہ متضاد چیزوں کے صدور میں کیا حکمت ہے۔ اگر رحمت ہی رحمت ہوتی اور زحمت نہ ہوتی تو کیا مضائقہ تھا۔ اگر صرف رحمت ہوتی تو سب خوش رہتے کسی کی طبیعت میں تکدر نہ پیدا ہوتا۔ ہمیشہ حضوری کی حالت اور ذوق و شوق کی فزا

مُرد محسن لیک احسانش نمُرد
احسان کرنے والا مر جاتا ہے لیکن احسان نہیں مرتا

نزدِ یزداں دین و احساں نیست خرد
اللہ کے نزدیک دین اور کسی پہ احسان کی بہت قیمت ہے

سے رُوح سکون حاصل کرتی۔

صُوفی کے سوال کا جواب دینا، تُرک اور چور کا قصّہ

قاضی نے جواب میں تُرک اور کپڑا چور درزی کا قِصّہ سنا دیا۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر محض عیش و عشرت ہوتا تو اُس میں بہت سی دینی مضرتیں پیدا ہو جاتیں۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ جس قدر سننے والے کی صلاحیت ہوتی ہے اسی قدر اُس کو واعظ کے بیان سے دانائی کا حصہ ملتا ہے۔ سننے والے شوقین ہوتے ہیں تو واعظ بھی دل جمعی سے کہتا ہے۔ اگر کسی واعظ کی خوش بیانی دیکھو تو سمجھ لو کہ سننے والے کی کشش ہے۔ بچہ ذہین ہوتا ہے تو اُستاد اُسے محنت سے پڑھاتا ہے۔ اگر سننے والے شائق نہیں ہوتے تو سارنگی نواز کا دل بجھ جاتا ہے۔ اگر انبیاء علیہم السلام میں وحی سننے کی استعداد نہ ہوتی تو جبرائیل علیہ السلام وحی لے کر نہ آتے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی صنعت کو دیکھنے والے نہ ہوتے تو نہ آسمان پیدا ہوتا نہ زمین پیداوار دیتی۔ حضور ﷺ کے بارے میں جو یہ کہا گیا ہے کہ اگر ''آپ ﷺ نہ ہوتے تو میں آسمانوں کو پیدا نہ کرتا'' کا مطلب یہی ہے کہ چونکہ آپ ﷺ کامل صاحبِ نظر ہیں اس لیے آسمان پیدا کیے گئے۔ جو لوگ صرف عورت اور خورد و نوش ہی کے شوقین ہوں اُن کو اللہ تعالیٰ کی کاری گری میں غور کرنے کی توفیق کہاں ہے۔

ایک تُرک کا دعوٰی کہ درزی میرا کپڑا نہیں چُرا سکتا

تُرک نے دعوٰی کیا کہ میرا کپڑا درزی نہیں چرا سکتا۔ وہ درزیوں کی چوری کے قصے سُن کر برہم ہوگیا۔ رازوں کے فاش ہونے کا ایک سبب زبان ہے اور ایک راز کہنے والے کا گلا ہے۔ راز فاش کرنے کا سبب عداوت اور دشمنی ہوتی ہے اور راز فاش ہونے سے رسوائی ہوتی ہے۔ قصہ بیان کرنے والے نے کہا: سب سے زیادہ اُس چالاک درزی کو پورشش کہتے ہیں۔ تُرک بولا: اپنی اتنی چالاکیوں کے باوجود وہ میرا ایک دھاگہ بھی نہیں چُرا سکے گا۔ لوگوں نے کہا کہ تجھ سے زیادہ ہوشیار لوگوں کو وہ دھوکا دے چکا ہے۔ تُو اپنی عقل پر گھمنڈ نہ کر۔ اُس کی مکاریوں میں تُو گم ہو جائے گا۔ لوگوں کی ان باتوں سے تُرک اور گرم ہو گیا اور اُس نے شرط لگائی کہ اگر وہ میرا کپڑا لے گیا تو وہ اپنا عربی گھوڑا ہار جائے گا۔ اور اگر وہ نہ چرا سکا تو تم سے ایک گھوڑا لوں گا۔

اُس رات کو تُرک غصہ سے سو نہ سکا اور ساری رات داؤ پیچ اور اُس کے توڑ کو سوچتا رہا۔ تُرک اطلس کا ٹکڑا لے کر درزی کی دُکان پر پہنچا تو درزی نے اپنی جگہ سے اُٹھ کر اُسے سلام کیا اور اُس کی مزاج پرسی شروع کر دی اور اتنی زیادہ مزاج پرسی کی کہ تُرک کے دل میں اُس سے محبت پیدا ہوگئی۔ تُرک نے درزی سے کہا کہ اس اطلس کی قبا سی دے۔ اوپر

پس نمرُوست او یقیں بنگریاں اسلئے یقین کر لے وہ نہیں مرا کیونکہ نیکی نہیں مرتی؟	نام نیکِ اُو زِ فعلِ نیک داں اُس کی نیک نامی اُس کے نیک عمل سے ہے

سے چست ہو اور دامن فراخ ہو۔ درزی نے اُس کو دوسرے تُرک سرداروں کی عطا اور بخشش کے قصے سنائے اور بخیلوں کے قصے بھی سنائے۔ اُس نے تیز قینچی نکالی اور قصے سناتا رہا۔

تُرک کے ساتھ درزی نے ایسی ہنسی کی بات کی کہ تُرک ہنستے ہنستے سُست پڑ گیا۔ وہ ایک طرف کو لوٹ گیا اور اُس کی آنکھیں بند ہو گئیں۔ درزی نے موقع پا کر اطلس کا ٹکڑا کاٹا اور ران کے نیچے دبا لیا۔ لیکن اللہ تو اُس کو دیکھ رہا تھا۔ خدا کی صفت ستاری ہے۔ وہ پردہ پوشی کرتا ہے لیکن جب معاملہ حد سے بڑھ جاتا ہے تو راز فاش کر دیتا ہے۔ تُرک درزی کی باتوں سے اتنا خوش ہوا کہ اپنے وعدے کو بھی بھلا دیا۔ درزی نے پھر کوئی ہنسی کا قصہ سنایا۔ جس سے تُرک چت لیٹ گیا۔ اب چونکہ تُرک بالکل غافل تھا درزی کو موقع مل گیا۔ اُس نے اطلس کا ٹکڑا ران کے نیچے سے نکال کر نیفے میں اُڑس لیا۔ تُرک نے تیسری بار پھر فرمائش کی۔ اب درزی نے ایک اور ٹکڑا اُچک لیا۔ قہقہے مارنے سے تُرک کی آنکھیں بند تھیں۔ عقل بھاگ چکی تھی اور وہ قصوں پر فریفتہ تھا۔ چوتھی بار تُرک نے پھر فرمائش کی لیکن درزی کو تُرک پر رحم آ گیا اور اُس نے اپنے فن کو دوسرے لوگوں پر آزمانے کے لیے اُٹھا رکھا۔ تُرک نے درزی کا خوشامد میں بوسہ لیا۔ اے شخص! ہنسنے والے فسانے سُن کر تُو اپنے وجود سے بے خبر ہو گیا ہے۔ تُو تو خود ہنسی کا فسانہ بن گیا ہے۔ اب قبر کے کنارے جا کر اپنا انجام سوچ۔

اُس نفس کو خطاب، جو اِس جیسی بلا میں پھنسا ہے

اے نادانی اور شک کی قبر میں اُترے ہوئے انسان! تُو کب تک اِس دنیا کے مذاق کا فریب کھائے گا۔ اِس ہنسی سے نہ تیری عقل درست رہی نہ رُوح۔ اِس دنیا کا مذاق یہ ہے کہ اگر موسمِ بہار میں باغ کو بخشش دیتا ہے تو خزاں میں درزی کی طرح چھین لیتا ہے۔ آسمان اپنے سَعد اور نحس کے ذریعے لوگوں سے مذاق کرتا ہے۔

درزی کا تُرک سے کہنا: چُپ ہو جا، اگر ہنسی کی دُوسری بات کہوں گا تو تیری قبا تنگ ہو جائے گی

درزی بولا: اب اور ہنسی کی بات کا طالب نہ ہو کیونکہ اگر میں کوئی اور ہنسی کی بات سناؤں گا تو قبا تنگ ہو جائے گی۔ اگر تُو اِس ہنسی کا راز سمجھ جاتا کہ میں تجھے کیوں ہنسا رہا ہوں تو تُو اِس ہنسی کو سینکڑوں رونوں سے بدتر سمجھتا۔ اِس لیے اے شخص! تُو بھی دل لگی کی زندگی کو چھوڑ دے کیونکہ زیادہ عمر تو گزر گئی ہے۔ اب بھی باز نہ آئے گا تو بالکل برباد ہو جائے گا۔ درزی نے ہاتھ سے اطلس رکھ دی اور ظاہر ہو گیا کہ اُس میں چوری ہو چکی ہے تو تُرک گھوڑا بھی ہار گیا۔

خلق ما بر صُورتِ خود کردِ حق	وصفِ ما از وصفِ اُو گیرد سبق
اللہ نے ہماری تخلیق اپنی صُورت پر کی ہے	ہمارے اوصاف اُس کے اوصاف سے سیکھتے ہیں

یاد رکھ! وہ احمق تُرک تُو ہے اور یہ دنیا غدار درزی ہے۔ تیری عمر اطلس ہے اور تیری حرص اور شہوت، ہنسی و مذاق کی باتیں ہیں۔ دن اور رات قینچی ہیں اور غفلت ہنسنا ہے۔ گھوڑا تیرا ایمان ہے اور شیطان اس طرح گھات میں ہے جس طرح شرط باندھنے والے تھے۔ تیری عمر کی اطلس کو ماہ و سال کی قینچی سے زمانہ ٹکڑے ٹکڑے کر رہا ہے اور اُسے چُرا رہا ہے۔ اے صوفی! تُو یہ تمنا کرتا ہے کہ تیرے ستارے ہمیشہ سُعد رہیں گے اور ہمیشہ تجھ سے ہنسی مذاق کرتے رہیں گے۔ ستاروں کی نحوست اور سعادت کا پابند نہ بن۔ اگر ہمیشہ خوش رہے گا تو تیرا حال تُرک جیسا ہو جائے گا۔ یاد رکھ! ذاتِ باری سے عشق کر جو اُن ستاروں کو گھما رہی ہے۔ اپنی نظر گھمانے والے پر رکھ۔

زمانے کے ظلم سے فقیروں کو تسکین دینے میں اِس دُنیا کی مثال

ایک شخص بازار سے گزر رہا تھا کہ راستے کو عورتوں کی زیادہ تعداد سے بند دیکھا۔ اُس نے اُن کی طرف مخاطب ہو کر کہا: یہ لڑکیاں کتنی زیادہ ہوگئی ہیں۔ ایک عورت نے کہا کہ ہماری کثرت کو نہ دیکھ کیونکہ ہماری کثرت کے باوجود لوگ بدکرداری میں مبتلا ہیں۔ غور کرنے کی یہ بات ہے کہ ہماری کثرت کے ہوتے ہوئے بھی تم لوگ بدفعلی میں مبتلا ہو جاتے ہو اور رُسوا ہوتے ہو۔ اسی طرح اے صوفی! تُو زمانے کی تلخیوں کی طرف توجہ مت کر بلکہ اس طرف دیکھ کہ اُن تلخیوں کے باوجود تو اس زمانہ پر جان کیوں فریفتہ کئے ہوئے ہے۔ جس تلخ امتحان سے تُو گھبراتا ہے اُسے رحمت سمجھ کیونکہ وہ صبر و رضا کے ظہور کا سبب ہے اور دنیاوی عیش و عشرت کو عذاب سمجھ کیونکہ وہ غفلت اور اللہ سے دُوری کا سبب بنتا ہے۔

ابراہیم نامی ایک یہودی بہرام گور کے زمانے میں تھا۔ وہ بہت بخیل اور خسیس تھا۔ مال خرچ کرنے سے گریز کرتا تھا اس لیے نجات پانے سے رہ گیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنا سب کچھ اللہ کی راہ میں لگا دیا تو مُقربِ بارگاہ ہو گئے۔ اُنہوں نے دنیا پر لات ماردی اور تکالیف برداشت کیں تو اُن کو آگ نہ جلا سکی۔ پہلا ابراہیم مال و دولت کی تلفی کی سوزش سے بچا لیکن جہنم کی سوزش میں جلا۔ جس طرف مطلوب کے نہ ہونے کا خیال ہو اُدھر چل پڑو تو مطلوب تک پہنچ جاؤ گے۔ طلب کے راستے میں اُلٹا فعل ہے۔ یہ ابراہیم جل گیا اور وہ ابراہیم علیہ السلام نہ جلے۔

صوفی نے کہا جب حق تعالیٰ کو ہر قدرت حاصل ہے تو پھر اُس نے عیش کے ساتھ ساتھ تلخیوں کو کیوں رکھا ہے۔ وہ آگ کو چمن بنا سکتا ہے تو وہ یہ بھی کر سکتا ہے کہ اُسے بے ضرر بنا دے۔ وہ خار سے پھول اور خزاں سے بہار بنا دیتا ہے تو رنج کو خوشی بھی بنا سکتا ہے۔ جس ذات نے معدوم کو موجود اور موجود کو باقی بنا دیا ہے، مردہ جسم کو حیات عطا کر سکتی ہے تو وہ

خلق ما بر صورتِ خود کرد حق
اللہ نے ہماری تخلیق اپنی صُورت پر کی ہے

وصفِ ما از وصفِ اُو گیرد سبق
ہمارے اوصاف اُس کے اوصاف سے سیکھتے ہیں

یہ بھی کرسکتی ہے کہ زندہ کو موت ہی نہ آئے۔ اس میں کیا مضائقہ تھا کہ بغیر کوشش کے مقاصد حاصل ہو جاتے۔ وہ یہ بھی کرسکتا تھا کہ کمزوروں پر شیطان کو غالب ہی نہ آنے دے۔

قاضی نے جواب دیا کہ اگر مصیبتیں اور تلخیاں بالکل نہ ہوتیں تو پھر امتحان باقی نہیں رہے گا، جس کا ثمرہ اور نتیجہ آخرت کا اجر اور رُوحانی کمال ہے۔ اگر نفس اور شیطان کی پیدا کردہ بُرائیاں اور تلخیاں نہ رہیں تو پھر اللہ کی طرف سے کسی کو صبور کسی کو علیم، کسی کو شجاع اور حکیم کہا گیا ہے، وہ نہ کہا جاتا۔ اس لیے کہ جب مصائب نہ ہوں تو نہ صبر پایا جائے گا نہ ہی علم اور اُس کا تحقق' نہ شجاعت اور نہ حکمت ہوگی۔ یہ خطابات بھی تو بغیر شیطان کے وجود کے ممکن نہیں، بہادر اور بزدل یکساں ہوتے۔ علم اور دانائی کا تحقق بھی جب ہی ہے کہ بے راہ روی اور گمراہی ہو۔ تُو اپنے کڑوے کسیلے مزاج کی وجہ سے یہ چاہتا ہے کہ دونوں عالم برباد ہو جائیں۔ آخرت تو اسی لیے ہے کہ فضائل حاصل کیے جائیں۔ جب امتحان ہی ختم ہو جائے گا تو فضائل حاصل ہونے کے کیا معنیٰ ہوئے۔ نہ یہ دنیا "مزرعہ" بنے گی۔ لہٰذا دونوں جہان ویران ہو جائیں گے۔ قاضی نے صوفی سے کہا کہ جو باتیں کی گئی ہیں ضروری نہیں کہ تمہارے لیے ہی ہوں۔ یہ باتیں عوام کے شبہات دُور کرنے کے لیے تھیں۔ اگر مصائب اور امتحان نہ ہوں تو غفلت پیدا ہو جائے گی۔ دنیا کے مصائب برداشت کرنا آسان ہیں کیونکہ اس زندگی کے ساتھ ہی ختم ہو جائیں گے لیکن اگر اللہ سے دُوری ہے تو اُس کے مصائب دائمی ہیں۔

رنج پر صبر کرلینا دوست کے فراق پر صبر سے زیادہ آسان ہے

بیوی نے شوہر سے نان نفقہ کی کمی کی شکایت کی۔ اُس نے اپنے کرتے کی آستین دکھائی جو بہت میلی اور موٹے کپڑے کی تھی، کہنے لگی: یہ کپڑا میرے بدن کو کھائے جارہا ہے۔ شوہر بولا: میرے مقدور میں جو کچھ ہے میں کرتا ہوں۔ بے شک یہ لباس گھٹیا ہے' اگر تُو اس میں گذارہ نہیں کرسکتی تو پھر الگ ہو جانا مناسب ہے۔ غور کرلے یہ لباس بہتر ہے یا طلاق؟ اے تنگی کی شکایت کرنے والے! بلا اور فقر کا نہ ہونا جبکہ اللہ سے دُوری کا سبب ہے تو بلا اور صبر کی تلخی زیادہ بہتر ہے۔ عبادت کی سختی اللہ کی دُوری سے بہتر ہے اس لیے کہ یہ مشکلیں عارضی ہیں۔ جب خدا اپنا کہہ کر پکارے گا تو ساری کلفتیں دُور ہو جائیں گی۔

اِلہام کے ذریعے اللہ کی آواز کو ہر ایک نہیں سمجھ سکتا لیکن اہلِ نسبت ایک قلبی سکون ضرور محسوس کرلیتے ہیں۔ اسی کو اللہ تعالیٰ کی پکار سمجھ لو۔ اس کو سمجھنے کے لیے مجازی عاشقوں اور معشوقوں کے بارے میں سمجھ لو۔ معشوق' بیمار عاشق کی مزاج

پس بداں کہ صورتِ خوبِ نکو
پس جان لے کہ تیری یہ بھلی صورت

با خصالِ بد نیرزد یک تسو
بُری عادتوں کے ہوتے ہوئے کسی کام کی نہیں ہے

پُرسی کرتا ہے۔ اگر پیغام بھیجنا بھی ممکن نہیں تو دل میں متفکر ہوتا ہے۔ بہر حال معشوق عاشق کے حال سے بے خبر نہیں ہوتا۔ عشق بازوں کی داستانیں پڑھو یہ باتیں معلوم ہو جائیں گی۔ اللہ سے دُوری سب سے بڑی بُرائی ہے۔ تمام عمر تُو نے اس بُرائی کے ازالے کی کوشش نہیں کی۔ اگر تُو دنیا کے حالات سے ہی تنبیہ حاصل کر لیتا تو اب تک اُستاد بن جاتا۔ نہ تُو نے اپنے آبا و اجداد سے عبرت حاصل کی اور نہ زمانے کے تغیر و تبدل سے۔

ایک عارف کا ایک پادری سے سوال "تُو داڑھی سے زیادہ عُمر کا ہے یا داڑھی تجھ سے؟"

ایک عارف مرد نے بوڑھے پادری سے پوچھا کہ تمہاری عمر زیادہ ہے یا تمہاری داڑھی کی؟ وہ بولا: یہ میرے بعد پیدا ہوئی تھی۔ عارف نے کہا کہ تیری داڑھی تیرے بعد پیدا ہوئی اور کالی سے سفید ہو گئی ہے۔ لیکن تیری بُری عادتیں ویسی کی ویسی ہی رہیں۔ تُو اس سے پہلے پیدا ہوا پھر بھی تجھ میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہوئی۔ تُو دہی کی دہی ہی رہا روغن نہ بنا۔ تُو نے گھاس کی طرح مٹی میں اپنا پاؤں جما رکھا ہے۔ اگر چہ ہوس کی ہوا تجھے ہلاتی رہتی ہے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم چالیس سال تک تیہ کے میدان ہی میں پھرتی رہی۔ تیری حالت یہ ہے کہ ہر روز بھاگتا ہے لیکن اپنے آپ کو پہلی ہی منزل پر پاتا ہے۔

یاد رکھ! جب تک تیرا عشق دنیا سے ہے تیرا مقام نہ بدلے گا۔ جب تک موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے دل میں بچھڑے کی محبت رہی وہ تیہ ہی میں چکر کاٹتی رہی۔ جس سے تجھے محبت ہونی چاہیے وہ بچھڑا نہیں ہے۔ اُس کی ہزاروں نعمتوں سے تُو روزانہ بہرہ مند ہوتا ہے۔ جو خدائی نعمتیں تجھے ملی ہیں تیرا ہر جزو بدن اُس کا گواہ ہے۔ اپنے اجزاء سے اُن نعمتوں کے بارے میں پوچھ لے۔ تُو ہر طرح کے افسانے سننے کا شوقین ہے۔ ان اجزاء سے اللہ کی نعمتوں کے افسانے بھی سُن۔ تُو جب سے وجود میں آیا ہے تیرے ان اجزاء نے بے شمار خوشیاں اور غم دیکھے ہیں۔ غم تو تجھے یاد ہیں لیکن خوشیاں نہیں۔ حالانکہ خوشیاں دیکھنے کی یہ دلیل ہے کہ ان اجزاء نے خوشی کی لذت ہی سے نشوونما پائی ہے اور تُو بچپن سے جوان اسی لذت کی وجہ سے ہوا۔ تیرے اجزاء تو باقی ہیں لیکن وہ خوشیاں تیرے حافظے سے نکل گئی ہیں۔ نکلی تو نہیں ہیں' تیرے حواسِ خمسہ سے چُھپ گئی ہیں۔ جاڑوں اور گرمیوں کا موسم چلا جاتا ہے لیکن اُن کی یادگاریں روئی اور ٹھنڈا پانی رہ جاتا ہے۔ اسی طرح اللہ کی پہلی نعمتیں ختم ہو جاتی ہیں اور اُن کی یادگار' جسم کا جزو جزو باقی رہ جاتا ہے' جماع کی لذت ختم ہو جاتی ہے اُس کی نشانی اولاد باقی رہ جاتی ہے۔ درختوں کا پھلنا پھولنا اس کی دلیل ہے کہ ان درختوں نے موسم بہار کے ساتھ عشق بازی کی ہے۔

چوں بود خلقش نکو در پاش میر	ور بود صُورت حقیر و ناپذیر
اور اسکے اخلاق اچھے ہیں تو اُسکے قدموں میں جان دیدے	اگرچہ کسی کی صُورت دلکش نہیں ہے

حضرتِ حق کے حکم سے ہر درخت اِسی طرح حاملہ بنتا ہے جس طرح حضرت مریم علیہا السلام بنی تھیں۔ پانی میں آگ کی گرمی نظر نہیں آتی لیکن اُس کے آثار یعنی بلبلے نظر آتے ہیں اور ہوا کی گرمی کے وجود پر دلالت کرتے ہیں۔ جس طرح ان چیزوں سے مؤثر پوشیدہ ہے اور ظاہری آثار اُس پر دلالت کرتے ہیں۔ اسی طرح جو لوگ وصالِ حق سے مست ہو جاتے ہیں اُن کے اجزاء میں حال وقال مخفی ہے اور اُن مستوں کے اجزاء اُن پر دلالت کرتے ہیں۔ حال وہ کیفیت ہے جو مُشاہدۂ حق سے انسان پر طاری ہو جاتی ہے۔ قال سے مراد بھی وہ مضامین اور کلامِ نفسی ہے جو مُشاہدۂ حق سے پیدا ہوتا ہے۔ جس انسان پر حال طاری ہوتا ہے تو حیرانی میں منہ کھلا رہ جاتا ہے اور آنکھ دنیا کے نقش نہیں دیکھ پاتی۔ وہ حال وقال چونکہ عنصری نہیں ہے لہٰذا عنصری آنکھیں اُن کو نہیں دیکھ سکتیں۔ وہ تجلّیِ حق کی پیداوار ہے لہٰذا بے رنگی کے پردہ میں مخفی ہے۔ اِن دونوں کو جنا ہوا کہنا محض سمجھانے کے لیے ہے ورنہ وہاں جننے کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ جب تک خدائی حکم نہ ہو اُس وقت تک حال اور قال کی تفصیل نہ کر۔

یہ حال وقال خود زبانِ حال سے گویا ہیں۔ تُو خود چپ رہ اُن کی بات سُن۔ حال وقال اللہ سے وصل کے گواہ ہیں۔ برف اور ٹھنڈی ہوائیں جاڑے کی یاد دلاتی ہیں۔ گرمیوں کے میوے موسم گرما کی یاد دلاتے ہیں۔ گزری ہوئی نعمتوں کے بارے میں اپنے اجزاء سے پوچھ لے یا خود یاد کرلے۔ جب تجھے مصائب گھیریں اور اُن کی وجہ سے تم پر غم وغصہ طاری ہو تو اُس غصّے سے یہ دریافت کر کہ اگر تو ان نعمتوں کا منکر ہے تو پھر بتا کہ تیرے جسم نے نشوونما کیسے پائی؟ جسم پھولوں کا ڈھیر ہے اور فکر اُس کا عرق ہے۔ تعجب ہے کہ عرقِ گلاب، گلاب کا انکار کرے۔ کُفر بُرائی اور شکر تعریف ہے۔ خدا کرے ناشکر گزار لوگ گھاس کے تنکے تک سے محروم ہو جائیں اور شکر گزاروں پر علوی چیزیں نثار ہو جائیں۔ ناسپاسی بندروں کی خصلت ہے اور شکر گزاری انبیاء علیہم السلام کا طریقہ ہے۔ ناشکر گزار دنیا میں بھی رُسوا ہوتے ہیں اور آخرت میں بھی۔ محض تن پرور لوگ کتّوں کی مانند ہیں اور جن لوگوں نے مجاہدات میں بدن کو ویران کیا ہے اُن کی رُوحیں نور اور عزت کا خزانہ بن گئی ہیں۔ اگر یہ چھپے ہوئے نہ ہوتے تو فلاسفر گمراہ نہ ہوتے۔ اِن خزانوں کو سمجھنے کے لیے عقلِ دین کی ضرورت ہے۔ جو محض دنیاوی عقل رکھتے ہیں اُن کی بیوقوفیاں زمانے میں نمایاں ہو گئیں۔

فقیر جو بغیر کمائی اور مشقت روزی کا طالب تھا

عقلِ دنیاوی بعض اوقات انسان سے بہت سی بے وقوفیاں سرزد کرا دیتی ہے۔ ایک مفلس دردسے اللہ کے حضور دُعا کرتا کہ اے اللہ! تُو نے مجھے پیدا کیا، اس میں میرے کسب کا دخل نہیں تھا۔ مجھے زندہ رکھا

آنچناں کُن کاں دہانہا مر تُرا دُوسروں کے مُنہ تیری نیکیوں کی وجہ سے	در شب و در روزہا آرد دُعا دن رات تیرے لئے دُعائیں کرتے رہیں

اور بہت سی دیگر خوبیاں عطا کیں' اسی طرح بغیر کسب کے روزی بھی عنایت فرما۔ دُعا کے دوران اُس پر مختلف کیفیتیں گزر رہی تھیں۔ کبھی نا اُمید ہو جاتا۔ کبھی محسوس کرتا کہ دُعا قبول ہو گئی ہے۔ انسان میں مختلف کیفیتیں اللہ تعالیٰ اپنی حکمت سے پیدا فرماتا ہے۔ کبھی بلندی عطا فرماتا ہے، کبھی پستی۔ دنیا کے کام دونوں صفتوں سے مکمل ہوتے ہیں۔ زمین کو پست کیا' آسمان کو بلند کیا' تب ہی دورانِ فلک ہو سکا۔ یہ دو صفتیں دو الگ چیزیں نہیں ہیں بلکہ ایک چیز میں دونوں کا ظہور ہے۔ بنجر پڑا رہنا زمین کی پستی ہے' سرسبز ہونا بلندی ہے۔ انسانی مزاج کی پستی اور بلندی اُس کی جسمانی اور رُوحانی بیماری اور صحت ہے۔

دنیا کے اَحوال کو یوں سمجھ لو کہ اس میں قحط بھی ہے ارزانی بھی، صلح بھی ہے جنگ بھی۔ عالم کا بقا انہیں متضاد کیفیتوں کی وجہ سے ہی ہے۔ جانوں میں اُمید و بیم؟ اسی وجہ سے ہے۔ یہ متضاد کیفیتیں اس لیے پیدا کی گئی ہیں کہ عالمِ آخرت کی قدر ہو کہ وہاں راحت ہی راحت ہے، مصائب نہیں ہیں۔ نمک کی کان میں جو چیز پہنچ جاتی ہے نمک ہی ہو جاتی ہے۔ قبر، عالم آخرت کی ابتداء ہے وہاں جا کر نیرنگی ختم ہو جاتی ہے۔ قبریں جسموں کے لیے نمک کی کان کی طرح ہیں اور اَرواح کا نمکسار عالَمِ آخرت ہے۔ عالمِ آخرت میں نیا پرانا نہیں ہے بلکہ وہاں ہر چیز نئی ہی ہے کیونکہ نئے پن سے پرانا ہونا بے رنگی ہے۔ عالمِ آخرت کی یک رنگی اس طرح کی ہوگی جیسے کہ حضور ﷺ کے نور سے مختلف قسم کے کفر کی تاریکیاں ایک قسم کے نور میں تبدیل ہو گئیں۔

عالمِ آخرت کی یک رنگی پوشیدہ ہے لیکن محشر کی یک رنگی سب پر ظاہر ہو جائے گی۔ اُخروی ملتیں اس دنیا میں چتکبرے بیل کی طرح ہیں کہ اُس میں مختلف رنگ ہوتے ہیں۔ اِنہی اُخروی باتوں کے بارے میں مختلف قسم کے خیالات ہیں اور مذہبی باتوں میں زبان کا تکلا مختلف رنگ کا دھاگہ کات رہا ہے۔ اِس دنیا میں حقائق پر پردہ ہے اس لیے بعض جگہ باطل غالب اور حق مغلوب ہے۔ یہ پردہ اس لیے ہے کہ اہلِ باطل بھی کچھ دن مزے اُڑا لیں۔ حقائق مخفی ہیں اور ظاہر ہونے کے منتظر ہیں لیکن حق کا غلبہ ہوگا اور باطل فنا ہونے کی ہی چیز ہے۔ قیامت کا دن عید کا دن ہوگا جس میں مومن خوشی منائیں گے اور کفار ہلاک ہوں گے۔

مومنوں کی مثال دریائی پرندوں کی سی ہوگی جو سمندر کی سطح پر تیر رہے ہوں گے اور پُل صراط پر سے آرام سے گزر جائیں گے۔ نجات اور ہلاکت پورے ثبوت کے ساتھ ہوگی۔ بد باطن لوگوں کو ویسی ہی غذا ملے گی جیسی وہ دنیا میں کھاتے تھے۔ ذاتِ حق کے طالبوں کی غذا دیدارِ الٰہی ہوگا' جس کی وہ عمر بھر تمنا کرتے رہے۔ کافروں سے جہاد، جہادِ اصغر کہلاتا

از دہانے کہ نکرد ستی گناہ
اُن مونہوں سے جن سے تُونے کوئی گناہ کی بات نہیں کی

آں دہانِ غیر باشد عُذر خواہ
دُوسروں کے وہ مُنہ تیرے لیے عُذر خواہ ہوں گے

ہے اور اپنے نفس سے جہاد کو جہادِ اکبر کہتے ہیں۔ حدیث میں ہے کہ مرد تو بہت سے مکمل ہوئے لیکن عورتوں میں حضرت مریم علیہا السلام اور حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا مکمل ہوئیں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو عورتوں پر ایسی فضیلت ہے جیسے کھانوں میں ثرید افضل ہے۔ وہ مرد جو زنانہ صفت ہیں آخرت میں اُن کی یہ صفت واضح ہو جائے گی۔ قیامت کا دن ہوگا' وہاں پاؤں جوتا پہنے گا اور سر ٹوپی تاکہ ہر طالب کو اُس کا مطلوب مل جائے اور ہر انسان اپنے صحیح مقام پر پہنچ جائے۔ اللہ کے یہاں انصاف ہے۔ ہر طالب اُس کا مطلوب بن جاتا ہے۔ تپش کا مطلوب سورج اور پانی کا مطلوب اَبر ہے۔ بعض اوقات دنیا میں بھی حق تعالیٰ کے قہر کا ظہور ہو جاتا ہے۔ ظالموں پر قہرِ خداوندی نازل ہوتا ہے۔ جن پر قہرِ خداوندی نازل ہوا اُن کا انجام دیکھ لو۔ اُن کے بکھرے ہوئے اجزاء زبانِ حال سے شرح کر رہے ہیں۔ جن پر قہرِ خداوندی ہے مرنے کے بعد صرف قبر کے ڈھیر کی مٹی اُن کا نشان رہ جاتا ہے اور وہ بھی چند دن کے بعد مٹ جاتا ہے۔

جس کو جس شخص کے ساتھ اِس دنیا میں مناسبت ہوتی ہے قدرت آخرت میں اُس کا جوڑا اُس کے ساتھ لگا دیتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جوڑا ابوبکر رضی اللہ عنہ، عمر رضی اللہ عنہ، عثمان رضی اللہ عنہ اور علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ ابوجہل کے ساتھی عُتبہ اور ذوالخمار کاہن ہیں۔ جبرائیل علیہ السلام اور رُوحوں کا قبلہ سِدرہ ہے۔ پیٹ کے بندوں کا قبلہ دستر خوان ہے۔ باخدا انسان نورِ وصال کا طالب ہے اور فلسفی وہم و گمان کا۔ زاہد کا مقصود خدا ہے اور لالچی کا دولت۔ کوئی روٹی کا عاشق ہے اور کسی کو خدائی مست بنا دیا گیا کیونکہ اُن میں اپنی اپنی نسبت کے آثار تھے۔ جب انسان اپنی عادتوں پر خوش ہے اور وہی جزا کا سبب ہیں تو اُس کے مناسب ہی اُس کی جزا ہے۔ پھر اُس سے گریز کیوں کرتا ہے؟ جب زنانہ پَن پسند ہے تو پھر دوپٹہ اوڑھنا بھی پسند ہونا چاہیے۔

اُس گنج نامہ کا قصہ کہ اُنہوں نے کہا، قُبّہ کے پہلو قبلہ رُخ تیر چلا، جس جگہ تیر گرے گا، وہیں خزانہ ہے

ایک درویش کو ہاتف نے نیند میں آواز دی کہ رومی فروش کے یہاں جا۔ وہاں سے ایک پرچہ پکڑ اور جو اُس میں لکھا ہو اُس پر عمل کر۔ اُس نے پرچہ لیا تو لکھا تھا کہ فلاں قُبّہ کے پاس جا کر قبلہ رُخ ہو کر تیر چلا' جہاں وہ تیر گرے گا وہیں خزانہ مدفون ہے، اُسے نکال لے کیونکہ تیرے سوا اُسے کوئی حاصل نہیں کر سکتا۔ اگر ملنے میں دیر لگے تو کام میں لگے رہنا اور لَا تَقْنَطُوْا "تم مایوس نہ ہو" کو یاد رکھنا۔ جا محنت کر۔ جوان ہوش میں آیا تو خوشی سے پھولے نہ سماتا تھا۔ اگر اللہ اُس کی حفاظت نہ فرماتا تو وہ خوشی سے پھٹ جاتا۔ اُس کی خوشی کی کئی وجوہات تھیں۔ ایک تو یہ کہ اللہ نے اُس کی دُعا کا جواب دیا

کاے کلیم اللہ ز من میجو پناہ
اللہ نے موسیٰ سے فرمایا "میری پناہ چاہ" اے کلیم!

با دہانے کہ نکردی تو گناہ
اُس مُنہ سے جس سے تُو نے گناہ نہ کیا ہو

تھا۔ جس طرح اُس کی قوتِ سامعت حجابات سے گزر کر سامع بن گئی۔ اسی طرح یہ کب ہوگا کہ اُس کی چشمِ دل، حجابات سے گزر جائے اور اُسے قلبی مُشاہدہ عطا ہو۔

جب سالِک کی قوتِ سامعہ اور باصرہ حجابات کو طے کر جاتی ہیں تو پھر اُس کو مسلسل اللہ تعالیٰ کی دید اور کلام حاصل ہونے لگتا ہے۔ اُس کے قلب پر واردات ہونے لگتی ہے اور معارفِ لدنی اُسے حاصل ہونے لگتے ہیں۔ وجودِ حقیقی، فنا کی تلوار اُس پر چلاتا ہے اور یہ فانی ہو کر باقی باللہ ہو جاتا ہے اور حضرتِ حق کی صفتِ علیمہ سے مستفید ہونے لگتا ہے۔

خوشی کی دوسری وجہ یہ تھی کہ اُسے خزانہ مل جائے گا۔ ہاتف کی آواز سنتے ہی وہ پڑوسی ردی فروش کی دُکان پر گیا اور وہ پرچہ اُسے مل گیا۔ دکاندار سے سلام دُعا کر کے فوراً واپس آ گیا۔ وہ حیران تھا' تنہائی میں جا کر اُس نے اُسے دیکھا تو وہی کچھ لکھا تھا جو اُس نے خواب میں دیکھا۔ وہ کہنے لگا: اس قدر قیمتی پرچہ ردی کے کاغذوں میں کیسے پڑا رہا؟ پھر اُسے خیال آیا کہ جب اللہ کسی چیز کا محافظ ہو تو اُسے کوئی غیر مستحق کیسے لے جاسکتا ہے۔ اگر کوئی بیابان سونے سے بھرا ہو جو سب کو نظر آئے تب بھی اللہ کی مرضی کے بغیر کوئی اُس میں سے دمڑی بھی نہیں حاصل کر سکتا۔ اسباب میں تاثیر بھی اللہ ہی پیدا کرتا ہے ورنہ سب کچھ بے کار ہے۔ اللہ اگر چاہے تو بغیر اسباب کے بھی مُسبب کو پیدا فرما دیتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ہاتھ گریبان میں ڈالنے سے چمکنے لگا تھا اور اُن کو یہ دکھا دیا گیا کہ جس نور کو تم آسمان سے طلب کرتے ہو وہ تمہارے گریبان میں بھی ہے۔ گریبان میں سے نور عطا کرنے میں اُن کے لیے یہ تنبیہ بھی مقصود تھی کہ بلند آسمان بھی انسان کی قدرتِ مدرکہ عقلِ کامل کا عکس یعنی تابع ہے۔ اِس لیے انسان آسمانوں سے افضل ہے۔ بعض احادیث میں ہے: اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ الْعَقْلَ "سب سے پہلے اللہ نے عقل کو پیدا کیا"، عقل سے مراد عقلِ کامل ہے جو معرفتِ الٰہی کا ذریعہ ہے۔ عقلِ کامل کی افضلیت جس قدر سمعی ہے وہ تو ظاہر ہے اور اُس کا کشفی حصہ اہلِ قال کی سمجھ سے باہر ہے۔ کیونکہ اُس کی اور اہلِ قال کی سمجھ کی مثال عنقاء اور مکھی کی سی ہے۔

وہ پرچہ جو اُسے ردی فروش کی دُکان سے ملا تھا اُس میں لکھا تھا کہ شہر سے باہر ایک خزانہ مدفون ہے۔ مزار کے قُبّہ کی طرف پشت کر کے قبلہ کی جانب تیر چلا۔ جہاں تیر گرے وہاں کھود۔ وہ ایک سخت کمان لایا۔ زور سے تیر چلایا۔ زمین کو کھودتا گیا لیکن خزانے کا نشان نہ پایا۔ وہ ہر روز تیر پھینکتا اور جگہ کو کھودتا۔ یہ بات عوام میں مشہور ہوگئی، ہوتے ہوتے بادشاہ تک پہنچ گئی۔

اُس جوان کو جب پتہ چلا کہ میرے خزانے کا پتہ بادشاہ کو بھی ہو گیا ہے تو ڈر کے مارے اُس نے وہ پرچہ بادشاہ

گفت موسیٰؑ من ندارم آن دہاں	گفت مارا از دہانِ غیر خواں
مُوسیٰؑ نے عرض کیا، میرا مُنہ ویسا نہیں ہے	فرمایا! مجھے دُوسروں کے مُنہ سے پکار

کے سامنے رکھ دیا۔ بادشاہ سے یہ بھی کہہ دیا کہ جب سے یہ پرچہ ملا ہے میں روزانہ تیر پھینک کر کھدائی کر رہا ہوں لیکن تکلیف کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوا آپ کوشش کر دیکھیں۔ ہو سکتا ہے آپ کو مل جائے۔ چھ ماہ تک بادشاہ تیر چلاتا رہا اور کنویں کھودتا رہا مگر سوائے پریشانی اور غم کے کچھ نہ ملا۔ جب بادشاہ کو خزانہ ملنے میں تاخیر ہوئی تو وہ رنجیدہ ہو گیا۔ پرچہ جوان کو واپس کر دیا کہ اگر تجھے اور کوئی کام نہیں ہے تو تیر چلاتا رہ اور زمین کھودتا رہ۔

بادشاہ کی جستجو عقلی تھی، وہ مایوس ہو گیا۔ اُس فقیر کی جستجو عشق کی بنیاد پر تھی اس لیے وہ مایوس نہ ہوا۔ عشق بے پرواہ ہوتا ہے اور کبھی مایوس نہیں ہوتا۔ اُسے ہمیشہ اپنا مقصد حاصل ہونے کی اُمید رہتی ہے۔ وہ اپنی ہر چیز لٹا دیتا ہے اور ننگ و ناموس کی بھی پروا نہیں کرتا اور چکی کے نچلے پاٹ کی طرح مصائب جھیلتا ہے اور مقصد سے رُوگردانی نہیں کرتا۔ اُس کا کام غرض سے خالی ہوتا ہے۔ عقل ہمیشہ فائدے کی طرف دوڑتی ہے۔ اللہ کے کام بھی غرض کے بغیر ہوتے ہیں۔ اُس نے انسان کو وجود بغیر کسی غرض کے عطا فرمایا ہے۔ عاشق بھی اپنا وجود اللہ کی جناب میں بغیر غرض کے پیش کر دیتا ہے۔

اصل جواں مردی یہی ہے کہ بغیر کسی غرض کے خود کو پیش کر دیا جائے۔ اس طرح کی جوان مردی ظاہر پرستوں میں نہیں ہوتی۔ ایسے لوگ (ظاہر پرست) عبادت یا تو ثواب حاصل کرنے کے لیے کرتے ہیں یا دوزخ سے خلاصی حاصل کرنے کے لیے۔ بے غرض لوگ صرف ذاتِ خداوندی پر قربان ہیں۔ جب بادشاہ نے پرچہ اُسے واپس کر دیا تو وہ ہر طرح سے مطمئن ہو کر اپنی دُھن میں لگ گیا۔ جس طرح کتا اپنے زخم کا علاج خود کرتا ہے اسی طرح عاشق اپنے عشق میں کسی دوسرے کا سہارا نہیں ڈھونڈتا۔ اُس کا نہ کوئی ساتھی ہوتا ہے اور نہ کوئی محرمِ راز۔ وہ کوئی عقل کی بات نہیں سوچتا۔ اس لیے عقل کو اُس کے کاموں کی کوئی خبر نہیں ہوتی۔ طب ہر طرح کے جنون کا علاج کر سکتی ہے لیکن عشق کے جنون کا اُس کے پاس کوئی علاج نہیں ہے۔ یہ تو وہ بیماری ہے کہ اگر طبیب کو بھی لگ جائے تو وہ خون کے آنسوؤں سے اپنی طب کی کتابوں کو دھو ڈالے۔ تمام عقلیں اور طبیں عشق کے معاملے میں حیران ہیں۔ تمام معشوقوں کا چہرہ اُس عشق کا برقعہ ہے جس میں جمالِ عشق پوشیدہ ہے۔ صورت پرست اِن صورتوں کو مقصود سمجھ بیٹھے ہیں اور اُن کو اپنا رفیق بنانا چاہتے ہیں حالانکہ عشق کا کوئی رفیق نہیں ہوتا۔ جب عشق میں کوئی رفیق نہیں ہے تو کسی دوسرے کی جانب رفاقت کی نظر سے نہ دیکھ۔ تُو خود ہی اپنا رفیق ہے۔

اُس فقیر نے دل کی طرف توجہ کر کے دُعا شروع کر دی کیونکہ وہ جانتا تھا کہ انسان کی کوشش ہی اُس کے کام آتی ہے۔ گنج نامہ نہ ملا تھا، تب بھی وہ دُعا کرتا تھا۔ اب تو اُس کو بشارت مل چکی تھی۔ وہ سمجھتا تھا کہ دُعا کی توفیق بھی اللہ کی

گفت الدِّینُ النَّصِیحۃ آں رسُول
رسُول صلی اللہ علیہ وسلم نے "دین خیر خواہی ہے" فرمایا

آں نصیحت در لُغت ضدِ غلول
اور خیر خواہی لُغت میں خیانت کی ضد ہے

طرف سے ہے اس لیے اپنی دُعا کی قبولیت سے پُر اُمید تھا۔ جب اُس کی اُمید اللہ تعالیٰ کی جانب اُس کو دعوت دیتی تھی تو اُس کی سب تھکن دور ہو جاتی تھی۔ ایسی رُوح جیسی اُسی فقیر کی تھی پالتو کبوتر ہے، اُسے بلانے کی ضرورت نہیں پڑتی۔

اے ضیاء الحق ﷫! جن شخصوں کی رُوح اُس فقیر کی رُوح کی طرح ہے اگر تم اُن کو اپنی جناب سے ہٹاؤ گے تب بھی وہ تمہاری محبت ترک نہیں کریں گے۔ بلا وجہ بھی بھگاؤ گے تو کبیدہ خاطر نہیں ہوں گے۔ اِس لیے کہ اُن رُوحوں کو آپ کی محبت سے غذا ملتی ہے لہٰذا وہ اُسی کے شیدائی ہیں۔ اگر کسی وقت رُوح تقاضائے عشق و محبت کی ادائیگی میں کوتاہی کرتی ہے تو عشق پھر آگ کو بھڑکا دیتا ہے۔ عشق کا کوتوال دل میں کہتا ہے کہ چل محبوب کی طرف رجوع کر۔ اے اللہ! اپنے فیوض و برکات کے سمندر کو جوش دو اور مجھ بیمار کی اچھی طرح پُرسش کرو۔ حدیث ہے کہ ”جو خدا کا ہو گیا خدا اُس کا ہو گیا“ اگر کسی کو فی الحال یہ مرتبہ حاصل نہیں بھی ہوا تو التجا اور زاری کیے جاؤ کہ یہ بھی اُسی کا عطیہ ہے اور یہ اپنے درد کا تھوڑا سا اظہار ہے۔ جس طرح بانسری کے دو منہ ہوتے ہیں۔ ایک بجانے والے کے منہ میں ہوتا ہے اور دوسرا سننے والوں کی طرف۔ جو کچھ سننے والے سنتے ہیں، وہی ہوتا ہے جو نے نواز کے منہ سے پھونکا جاتا ہے۔ میرے یہ نالے بھی اُس محبوب کا فعل ہے۔ جو صاحبِ نظر ہے وہ جانتا ہے کہ میری آہ و فغاں میری نہیں ہے بلکہ وہی محبوب مجھ سے کرا رہا ہے۔ بانسری کا جو کچھ نوحہ ہے وہ پھونکنے والے کی پھونکوں کا اثر ہے۔ بادشاہ اپنی ملکیت میں جس طرح چاہتا ہے تصرف کرتا ہے۔ اگر یہ نالہ وزاری محبوب کی جانب سے نہ ہوتی تو اُس میں اِس قدر جذب نہ ہوتا اور وہ دنیا کو اس کی وجہ سے لطفِ شوق سے پُر نہ کرتا۔

اے ضیاء الحق ﷫! یقیناً آپ رات کو عشق کی آغوش میں تھے تب ہی آپ میں اِس قدر جوش و خروش ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ ”میں اپنے رب کے پاس رات گزارتا ہوں تو وہ مجھے کھلاتا پلاتا ہے“ یعنی رات کو وصالِ حق میسر آتا ہے۔ باوجود اِس کے کہ آپ نے اپنے آپ کو دریائے آتش میں ڈال دیا پھر بھی آپ زندہ ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے ساتھ حضرت ابراہیم علیہ السلام والا معجزہ پیش آیا ہے۔

اے ضیاء الحق ﷫! جب کہ آپ کے جوش و خروش سے بہت سے مستفید ہو رہے ہیں تو چند حاسدوں کے سورج پر مٹی ڈالنے سے سورج تو نہیں چھپ جاتا۔ آپ میں جو کمالات ہیں اگر کوئی اُن کے سننے کی صلاحیت نہیں رکھتا تو میں اس خرمن میں سے ایک جَو کی بقدر بیان کر سکتا ہوں۔ حضرت علی ﷛ کے بارے میں مشہور تھا کہ جب وہ بعض اُسرار کو چھپانے سے عاجز آجاتے تھے اور کوئی ہمراز نہیں ملتا تھا کہ جس کو سنا کر دل کو ہلکا کر سکیں تو کنویں میں منہ ڈال کر وہ راز

درگزر از فضل وز چُستی و فن اپنی ہوشیاری اور چالاکی سے درگزر کر	کار خدمت دارد و خُلقِ حَسَن کام کی چیز تو اچھے اخلاق اور خدمت ہیں

کہہ دیتے تھے۔ جب باہر دشمن ہی دشمن ہوں تو پھر کنواں ہی بہتر ہے۔ اِس میں جان تو بچی رہے گی لیکن اب میری کیفیت یہ ہے کہ مَستی کی زیادتی کی وجہ سے رازوں کے چُھپانے پر قدرت نہیں ہے۔ لہٰذا اب میں علی الاعلان راز کہہ دوں گا۔ ایک توجہ مجھ پر اور ڈال دیجئے پھر میری مَستی کی شان دیکھئے۔

اگرچہ فقیر کا قِصّہ خزانہ ملنے تک میں پورا نہیں کرسکا ہوں اور وہ اُس خزانے کا منتظر ہے لیکن مجھ پر شراب کی مستی طاری ہے۔ اب مجھے اُس کی جگہ کی تلاش کی فرصت نہیں ہے۔ اب میں فقیر کی کوئی مدد نہیں کرسکتا۔ وہ صرف خدا کی پناہ چاہ لے۔ میں خود اپنے آپ کو فراموش کرچکا ہوں تو خزانے والے پرچے کی مجھے کیا پرواہ ہے۔ جو شراب اِس قدر مُصَفّٰی ہے کہ اُس میں سے بال بھی نظر آجاتا ہے، اُس شراب کے پینے کے بعد انسان کو تکبر اور حُبِ جاہ کی خواہش بالکل نہیں رہتی۔ تکبر اور غرور کا یہی علاج ہے کہ انسان شرابِ عشق پئے۔ وہ خواجہ جو شرابِ عشق سے خالی ہے اور ہماری مستی کے خلاف تفاخر میں مبتلا ہے اُس کے اِس فعل کا ضرر اُسی کو پہنچے گا اور وہ خود اپنی داڑھی نوچتا ہے۔ اچھا اگر تُو ہم فقیروں سے تکبر کرتا ہے تو کرتا رہ ہمیں اِس کا کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ ہم اِس تکبر کی مکّاریوں سے واقف ہیں۔ تجھے اپنے غرور کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔ تُو اُس کی سزا فی الحال نہیں دیکھ رہا ہے لیکن ہمیں وہ نظر آرہی ہے۔ جو تکبر کے نتائج تُو سو سال کے بعد دیکھے گا ہمیں وہ ابھی نظر آرہے ہیں۔

عوام جس چیز کو آئینہ میں سے دیکھتے ہیں شیخ اُس کو اینٹ میں سے دیکھ لیتا ہے۔ گھر کے اندر کہیں رکھی ہوئی چیز داڑھی والا نہیں دیکھ سکتا بچہ اُس کو دیکھ لیتا ہے۔ محرموں کے چُھپے ہوئے اعضاء بڑی عمر کا انسان نہیں دیکھ سکتا بچے اُسے دیکھ لیتے ہیں۔ اے مغرور انسان! تُو عاشق زادہ ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہے۔ تیرا ملجا و ماویٰ دریائے عشق ہے۔ تُو تنکے کی طرح داڑھی یعنی غرور و تکبر میں کیوں مبتلا ہے۔ تُو موتی ہے نہ کہ تنکا۔ ذاتِ حق اِک بحر ہے جسے بحرِ وحدانیت کہتا ہوں۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "اللہ ایک وحدت ہے لیکن اُس کی وحدت اعداد کی وحدت نہیں ہے بلکہ اُس کے یہ معنیٰ ہیں کہ اُس کا کوئی شریک نہیں ہے" اُس کے گوہر ملائکہ اور مقربین ہیں اور اُس کی مچھلی یعنی عاشق، اُن کا وجود عین وجودِ حق ہے۔ اُس بحر کا کوئی شریک نہیں ہے۔ اُس میں موجود بھی عینِ ذات ہے۔ **لَا مَوْجُوْدَ اِلَّا اللّٰہُ**۔ سوائے اللہ کے وجودِ مستقل سے کوئی متصف نہیں ہے۔ بھینگا ہے جس کو ایک کے دو وجود نظر آتے ہیں۔ وجودِ واجب کے علاوہ کسی اور کو وجودِ مستقل سے موصوف کرنا اور ماننا تو شرک ہے۔ بھینگے کو وجود کی وحدت سمجھانا مشکل ہے لہٰذا میں اُسے کچھ نہیں کہتا ہوں۔ مجبوراً سمجھانے کے لیے متکلمین کو کہنا پڑتا ہے کہ موجودات سے صانع کے وجود کو سمجھ لو حالانکہ ممکنات کا وجود موجود

نام پنہاں گشتن دیو از نفوس
شیطان کا نام انسانوں میں چھپ جانے کی وجہ سے ہی

واندراں سوراخ رفتن شد خنوس
قرآن میں خناس ہے یعنی بہت ہی چھپنے والا"

ہی نہیں ہے۔

حضرتِ حق تعالیٰ کی وحدت بیانِ لفظی اور خیالی یعنی تصور سے بالاتر ہے۔ اب اگر اُسے سمجھانے کی کوشش کرو گے تو لامحالہ دوئی پیدا ہوگی۔ اب یا تو بھینگے کی طرح اُس دوئی کو گوارہ کرلو ورنہ خاموش رہو یا ایسا کرلو کہ جب صاحب باطن ملے اُس کو سمجھا دو ورنہ خاموش رہو۔ جب راز دار ملے تو اُس سے توحید عارفین کی بات کرلیا کرو۔ وہ محرم ہے تو اُس کے سامنے بے شک نعرے لگاؤ۔ جب تُو غیر عارف کو دیکھے تو وہ تو ایک مشک ہے جو مکر اور مجاز سے پُر ہے۔ تُو سر بمہر مٹکے کی طرح بن جا اور ہونٹ نہ ہلا۔ وہ اُن اَسرار کا دشمن ہے جو تجھ میں ہیں اور اگر تُو ظاہر کرے گا تو وہ تجھے ستائے گا لیکن اگر وہ بغیر اظہارِ اَسرار کے بھی ستائیں تو اُن کی ایذا رسانی کی وجہ سے تُو اُن کو ایذا نہ پہنچا، صبر کر۔ اس میں تیرا ہی فائدہ ہے' تیرے دل میں صفائی پیدا ہوگی۔ نمرود کی آگ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قلب کو مزید مُصفّٰی کردیا۔ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے اُن کو ستایا تو اُن علیہ السلام کے مقامات بلند ہوگئے اور مراتبِ رُوحانی عطا ہوئے۔

شیخ ابُوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ کا مُرید

شیخ ابوالحسن خرقانی علیہ الرحمہ کو اپنی بیوی کی اذیتیں برداشت کرنے سے بہت مراتب حاصل ہوئے۔ خراسان کے نزدیک گاؤں خرقان کی نسبت سے شیخ، خرقانی کہلاتے ہیں۔ اُن کا ایک مرید اپنے شیخ کی زیارت کے لیے آیا۔ وہ بہت دُور کا فاصلہ طے کرکے وہاں پہنچا۔ احترام سے کُنڈی بجائی۔ عورت نے سر باہر نکالا۔ اُس نے پوچھا: کیا چاہتے ہو؟ وہ بولا: شیخ کی زیارت کے لیے حاضر ہوا ہوں۔ عورت ہنسی اور بولی اپنی داڑھی کو دیکھ۔ اِس کے ہوتے ہوئے ایسی بے وقوفی۔ تجھے اپنے گھر کوئی کام نہیں تھا کہ یہ بے ہودہ سفر اختیار کیا۔ یا تو تُو آوارہ گرد ہے یا تجھے اپنا وطن کاٹتا ہے۔ اُس نے اور بہت نامناسب باتیں کیں جن کی وجہ سے اُسے بہت غم ہوا۔ بولا: بہرحال مجھے اتنا تو بتادے کہ شیخ کہاں ہیں؟ وہ شیخ کے بارے میں بُرے القاب سے ذکر کرکے بولی: اگر تُو اسے نہ دیکھے تو تیری خیر ہے، اِس سے تُو گمراہ نہ ہوگا۔ جو شخص بھی اُس کا مرید ہے رات کو مردہ کی طرح سویا رہتا ہے اور دن کو بھی اُس کے کوئی اشغال نہیں ہیں۔ تمام صوفی ایسے ہی ہوتے ہیں کہ علم و کمال کو چھوڑ کر کہتے ہیں کہ یہ ایک باطنی حال ہے۔ اُن صوفیوں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی سُنّت کو ہٹا دیا اور نماز روزہ ختم کردیے ہیں۔ شریعت اور تقویٰ کو پسِ پُشت ڈال دیا ہے۔ اس وقت حضرت عُمر رضی اللہ عنہ جیسے شخص کی ضرورت ہے کہ اُن کو راہِ راست پر ڈالے۔

زیں چنیں مکرے شوَد مارش زبُوں	تا چو فرصت یافت سَر آرد بروُں
اپنے مکر سے سانپ کو بھی مغلوب کردیتا ہے	جب اُس کو موقع ملتا ہے سَر باہر نکالتا ہے

مُرید کا جواب دینا اور طعنہ زنی پر جھڑکنا

جوان کہنے لگا: بس کر تُو بزرگوں اور صوفیوں کو بُرا کہہ رہی ہے۔ حالانکہ اُن کی شان یہ ہے کہ مشرق و مغرب اُن کے نور سے منور ہیں۔ اُن کی عظمت کے سامنے آسمان کا سر جھکا ہوا ہے۔ جب میرے یہ عقیدے ہیں تو تجھ شیطان کے بہکانے سے میں شیخ کے دَر کو کب چھوڑ سکتا ہوں۔ سُن لے! شیخ میں جو نور ہے وہ نورِ حق ہے اور اگر وہ نور پچھڑے میں نمودار ہو جائے تو وہ قبلہ بن جائے اور اگر وہ نور قبلہ سے مفقود ہو جائے تو پھر اُس کو سجدہ کرنا کفر اور صنم پرستی بن جائے۔ تُو کہتی ہے کہ اس گروہ سے اباحت پیدا ہوئی ہے تو سمجھ لے اباحت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک اباحت تو وہ ہے جسے اہلِ کلام اباحت کہتے ہیں یعنی حرام کو حلال سمجھ لینا۔ یہ خواہشِ نفسانی سے پیدا ہوتی ہے اور گمراہی ہے۔ ایک اباحت وہ ہے جو غلبۂ حال سے پیدا ہوتی ہے جیسے سماع اور وجد۔ یہ خدا کی جانب سے ہے اور کمال ہے۔

حضور ﷺ نے فرمایا: ''میرے ساتھ بھی ایک شیطان ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اُس کے برخلاف میری مدد کی اور وہ مسلمان ہو گیا''۔ جس طرف بھی وہ نورِ حق چمکتا ہے وہ مظہرِ عشق بن جاتا ہے اور خدا کا محبوب اور فرشتوں سے افضل ہوتا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کو فرشتوں سے سجدہ کرانا اسی فضیلت کی وجہ سے تھا۔ تیرے بُرا کہنے سے شیخ بُرا نہیں ہو جائے گا۔ تُو اُن کے باطنی اَوصاف کو نہیں دیکھ سکتی اور ظاہر پر حکم لگاتی ہے۔ تُو بتا' اُن کے ظاہر سے زیادہ کس کا ظاہر روشن ہے؟ تمام انسانوں کے ظاہری اعمال شیخ کے اعمال کے مقابلے میں ہیچ ہیں۔ رُوح کے دریا کی موجیں طوفانِ نوح کی موجوں سے تیز ہوتی ہیں۔ اُن سے ڈرتی رہ۔ حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے نے اُن کی کشتی کو چھوڑ کر کہا کہ میں پہاڑ پر چڑھ جاؤں گا۔ ایک معمولی موج نے اُسے غرق کر دیا۔ رات کے مسافر چاند کی روشنی سے فائدہ اُٹھا کر سفر کرتے رہتے ہیں۔ کتوں کے بھونکنے سے نہیں رُکتے۔

ایک عارف باللہ شریعت اور تقویٰ کا خلاصہ ہوتا ہے۔ اُس کو معرفتِ خداوندی حاصل ہوتی ہے جو کہ تقویٰ سے پیدا ہوتی ہے۔ زُہد و تقویٰ کھیتی کرنے کی کوشش کی طرح ہے اور معرفتِ خداوندی اُس کھیتی کا اُگنا ہے۔ مجاہدہ یعنی عملِ صالح اور عقیدہ جسم کی طرح ہوئے اور عقیدہ اور عمل کی جان کھیتی کا اُگنا اور کاٹنا ہے۔ تُو کہتی ہے حضرت عُمر رضی اللہ عنہ کہاں ہیں جو بھلائی کا حکم دیں یعنی شیخ میں بھلائی نہیں ہے تو سمجھ لے وہ تو خود بھلے ہیں۔ اُن کا باطن کاشفِ اَسرار ہے۔ وہ ظاہراً اور باطناً مکمل ہیں۔ ہم لوگ پوست ہیں اور وہ مغز ہیں، اس لیے ہم اُن کے غلام ہیں۔ اگر وہ اَنَا الْحَق کہیں اور ظاہر بینوں کے نزدیک حد سے تجاوز کر جائیں اور اُس کی وجہ سے ظاہر بین غصہ میں مبتلا ہوں تو وہ بھی خلافِ شرع نہیں ہے۔ جب

صد ہزاراں اِمتحانست اے پدر	ہر کہ گوید مَن شُدم سرہنگِ دَر
جو یہ کہے کہ میں اللہ کے دَر کا سپاہی ہوں	اُس کیلئے حق کی طرف سے ہزاروں آزمائشیں ہوتی ہیں

بندے کی اپنی ہستی اُس کے ذہن سے فراموش ہو جاتی ہے تو پھر وہ خود نہیں رہا اور تب سوائے خدا کے کچھ نہیں رہا۔ اگر تیرے پاس حقیقت بین آنکھ ہے تو غور کر لے۔ اگر اب بھی کوئی اَنَا الحق پر اعتراض کرے تو آسمان کی طرف تھوکنا ہے جس کی بُرائی خود اُسی پر آئے گی۔

بزرگوں کی تکفیر کرنے والوں پر خدا کی تُف قیامت تک رہے گی، جس طرح ابولہب کے بارے میں سُوْرَۃُ اللَّھَبْ میں بددعا مسلسل برس رہی ہے۔ جبکہ شیخ شاہ ہیں اور شاہ جھنڈے اور نقارے کا مالک ہوتا ہے تو اُن کو پیٹو وہی کہے گا جو خود کتا ہوگا۔ شیخ تو نورِ حق ہے اور بقائے کائنات اُس کے طفیل ہے۔ اسی لیے تو چونکہ وہ نور ہے جو حضور ﷺ میں تھا اور جس کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ اگر تم نہ ہوتے تو میں زمین و آسمان کو پیدا نہ کرتا۔ اگر شیخ کو وہی نور حاصل ہوا ہے تو پھر اب تمام عالَم اُسی کے طفیل ہیں۔ چونکہ اُس میں وہی نور ہے کہ اگر وہ نور نہ ہوتا تو زمین و آسمان نہ ہوتے لہٰذا آسمانوں کی گردش، سمندروں اور زمین کی یہ رونقیں سب اسی کے طفیل ہیں۔ رزق خوروں کا رزق اور پھلوں کی بارش اُن کے طفیل ہے۔ فقراء کو جو صدقہ وغیرہ دینے کا حکم ہے تو یہ عجیب لطیفہ ہے کہ فقراء اور مشائخ ہی کے طفیل ہمیں یہ دولت ملی ہے تو گویا اُنہوں نے ہی عطا کی۔ اب ہم سے کہا جا رہا ہے کہ جن لوگوں نے تمہیں صدقہ دیا ہے تم اُن کو دو یعنی ہم فقیروں سے کہا جا رہا ہے کہ تُو غنی فقیر کو صدقہ دے۔

مرید بولا: ایسے شیخ کے گھر میں تجھ جیسی عورت ہے۔ مجھے شیخ سے نسبت ہے ورنہ میں تیرے ٹکڑے کر ڈالتا۔ تجھے بھی شیخ سے ایک نسبت ہے اس لیے تُو میرے ہاتھ سے بچ گئی۔ بیوی کو ملامتیں کرنے کے بعد مرید شیخ کی جستجو میں لگ گیا۔ کسی نے اُسے بتایا کہ شیخ جنگل میں لکڑیاں لینے گئے ہیں۔ شیطان نے شیخ کی بیوی کے سلسلے میں مرید کے دل میں وسوسے پیدا کرنے شروع کر دیئے کہ ایسی بدزبان عورت کو شیخ نے اپنی بیوی کے طور پر کیوں رکھا ہوا ہے؟ شاید شہوت سے مغلوب ہے۔ یاد رکھو! اس قسم کی بدعورت کا شیخ کی بیوی ہونا بھی خدائی تصرف ہے۔ وہ خود مصلحت جانتا ہے، ہمیں اعتراض کرنے کا حق نہیں ہے۔ وہ لَاحَوْلَ پڑھتا لیکن نفس پھر اُس کے دل میں وسوسہ پیدا کر دیتا۔ مرید اسی ادھیڑ بُن میں تھا کہ شیخ کو ایک شیر پر سوار آتے دیکھا۔ اُس نے دیکھا کہ شیر غرا رہا ہے اور اُس کی کمر پر لکڑیاں لدی ہیں اور شیخ اُن لکڑیوں پر بیٹھے چلے آ رہے ہیں اور ہاتھ میں ایک سانپ ہے جس سے کوڑے کا کام لے رہے ہیں۔ شیخ ابوالحسن رحمۃ اللہ علیہ ہی نہیں بلکہ ہر شیخ مست شیر پر سوار ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ شیخ ابوالحسن رحمۃ اللہ علیہ کا شیر نظر آ رہا ہے، دوسرے شیوخ کے شیر عوام کو نظر نہیں آتے۔ صرف اُن لوگوں کو نظر آتے ہیں جن کو چشمِ بصیرت حاصل ہے۔ بزرگوں کی سواری میں لاکھوں شیر

گر ندانند عامہ اُو را امتحاں — عوام اُن آزمائشوں کا اندازہ نہیں لگا سکتے
پختگانِ راہ جویند شِ نشاں — لیکن راہِ خدا کے پختہ کار جان جاتے ہیں

ہیں جو اُن کی خدمت کرتے ہیں۔ وہ شیر اُن کے نفسِ امّارہ ہیں جو اُن کے غلام بن گئے ہیں۔

شیخ نے مرید کو دیکھا تو ہنس پڑے۔ اُن کو اُس کے دل کے وسوسے کا علم ہو گیا تھا۔ اُنہوں نے تمام وسوسے اُس پر ظاہر کر دیئے اور اُس کا جواب دیا کہ اُس کو میں نے نفسانی خواہش کے لیے بیوی نہیں بنا رکھا بلکہ اپنے نفس کی اصلاح اور صبر کی طاقت بڑھانے کے لیے رکھا ہوا ہے۔ ہماری مثال بختی اونٹوں کی سی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فیصلوں کا بوجھ مستی اور بے خودی سے برداشت کرتے ہیں۔ میں بھی خدا کے احکام کے بارے میں کچّا نہیں کہ کسی معاملے میں عام بدنامی اور خاص بدنامی سے ڈروں۔ ہمارا واسطہ فرمانِ خداوندی سے ہے عوام یا خواص سے نہیں۔ مجھے لوگوں کی تعریف کی پرواہ ہے نہ ذلت کی۔ کسی سے علیحدگی یا کسی کے ساتھ رہنا اپنی خواہش سے نہیں ہے بلکہ منشائے خداوندی کے مطابق ہے۔ اُس بے وقوف بیوی ہی کا کیا ہے، اُس جیسے سینکڑوں کا بوجھ محض رضائے خداوندی کے لیے برداشت کرتا ہوں۔

جس قدر تعلق مع اللہ اور اُس کے احکام کے اتباع کا ذکر ہے یہ تو ہمارے شاگردوں کو بھی حاصل ہے۔ اللہ کے کرم سے ہمارا مرتبہ تو اُن سے بہت بلند ہے۔ ہم ذاتِ لامکانی کے مُشاہدے میں رہتے ہیں جہاں نور ہی نور ہے اور تصور اور خیال سے بالاتر ہے۔ یہ ساری گفتگو اپنے مقام سے بہت نیچے آ کر کی ہے تاکہ تُو سمجھ سکے اور صبر کی عادت ڈال لے۔ جب تُو کمینوں کی کمینگی کو برداشت کرے گا تو رسولوں کی سُنّت کا حامل بن جائے گا۔ رسولوں اور نبیوں نے کمینوں کے ہاتھوں بڑی تکلیفیں اُٹھائی ہیں اور صبر کیا ہے۔ اَبرار اور اَشرار کی یہ آویزش آج کی نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے نظام میں ہر چیز کی ضد پیدا کی گئی تاکہ ہر چیز کا پورا اعلیٰ ظہور ہو سکے۔

"مَیں زمین میں قائم مقام بننے والا ہُوں" کی حکمت

جبکہ ایک چیز کا ظہور اُس کی ضد کے ظہور پر موقوف ہے اور حق تعالیٰ کی کوئی ضد نہ تھی تو حق تعالیٰ نے اپنا ایک خلیفہ بنایا تاکہ اُس کے اَوصافِ کمال، حضرتِ حق تعالیٰ کے اَوصاف کا آئینہ بن جائیں۔ اللہ نے اپنے اِس خلیفہ میں اِثباتی صفات ودیعت فرما دیں اور اُس کے بالمقابل ایک مخلوق ایسی پیدا فرما دی جو تاریکی سے پُر ہے۔ اب دو شخصیتیں رونما ہو گئیں ایک سفید اور دوسری سیاہ یعنی حضرت آدم علیہ السلام اور شیطان۔ دونوں قسم کی مخلوق میں متضاد اَوصاف ہیں اور ہر ایک اللہ کی متضاد صفات کا مظہر ہے۔ سب سے پہلے تو حضرت آدم علیہ السلام اور شیطان اِن صفات کے مظہر ہیں۔ پھر ہابیل اور قابیل مظہر بنے پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام اور نمرود میں کشمکش ہوئی اور مظہر بنے تو آگ کو دونوں کا حَکم بنا دیا گیا اور اُس نے فیصلہ کر دیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام حق پر ہیں اور نمرود باطل پر۔

گفت یزداں از ولادت تا بحین اللہ نے فرمایا ہے کہ پیدائش سے موت تک	يُفْتَنُونَ فِي كُلِّ عَامٍ مَرَّتَيْنِ وہ لوگ ہر سال میں دو مرتبہ آزمائے جاتے ہیں

ہر زمانے میں اِس طرح کے دو گروہوں کے درمیان کشمکش جاری ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون میں بھی یہی کشمکش تھی اور اُن کی جنگ نے طول پکڑا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کی جنگ میں دریائے نیل کو حکم دے دیا۔ اُس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جتادیا اور فرعون غرق ہوگیا۔ ثمود چیخ کے عذاب سے اور قوم عاد کو تیز ہوا نے ہلاک کر ڈالا۔ قارون کے لیے زمین جیسی بُردبار چیز کو سببِ عذاب بنادیا اور وہ اُس کو اژدہے کی طرح نگل گئی۔ بُردبار زمین قارون کے لیے قہر آلود ہوگئی۔ وہ تو غذا جیسی چیز کو جو انسان کی مددگار رہوتی ہے موت کا سبب بنادیتا ہے۔ چاہے تو گرم کپڑوں میں برف جیسی ٹھنڈک پیدا فرمادے۔ اصحاب اَیکہ پر عذاب آیا تو اللہ نے در و دیوار کو حکم دے دیا کہ اُن پر سایہ نہ کریں، وہ لوگ سورج کی گرمی سے مرگئے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوجہل میں مقابلہ رہا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ظاہر ہوا کہ ابوجہل کے ہاتھ کی کنکریوں نے اُن صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی گواہی دی۔ اُس نے یہ معجزہ دیکھ کر بھی سرِ تسلیم خم نہ کیا۔ اُس کی وجہ یہ تھی کہ اُس کا غور و فکر درست نہ تھا۔ اگر انسان کی نظر میں گہرائی نہ ہو تو وہ مفید نہیں ہوتی۔

قرآن پاک میں ہے: فَارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ ”دومرتبہ نظر ڈال“ نظر کی تکرار بھی کسی کی نظر کو گہرائی میں لے جاتی ہے۔ نظر کے درست ہونے کی یہ بھی ایک شرط ہے کہ خدا کے نیک بندوں سے جو حق کے متبع ہوں مدد حاصل کی جائے۔ ورنہ محض فلاسفر کی طرز پر غور کرنا تو ٹھنڈے لوہے کو کاٹنا ہے۔ حضرت اسرافیل علیہ السلام جسموں کو حیات بخشنے والے ہیں اور اہل اللہ رُوح کو زندہ کر دیتے ہیں۔ لہٰذا اگر اُن کی صحبت اختیار کرے گا تو تجھے صحیح نظر حاصل ہوجائے گی۔ چونکہ تُو فاسد اوہام میں مبتلا ہے لہٰذا اپنے ہم جنس فلسفی کے پاس آتا جاتا ہے اور چونکہ وہ بھی فاسد خیالات میں مبتلا ہے وہ تجھے کبھی صحیح نظر نہیں عطا کرسکتا۔ وہ خود عقلِ سلیم سے بیگانہ ہے اِس لیے وہ اپنے وجود کو بھی ایک موہوم شے سمجھتا ہے جبکہ وہ اپنی عقل اور وجود سے بیگانہ ہے تو اُس میں حسِ لطیف بھی باقی نہیں۔ اِس لیے اُس کی صحبت تیرے لیے نفع بخش نہیں ہے۔

حضرتِ حق تعالیٰ کا ظہور مخلوق کے وجود کے واسطہ سے ہے۔ یہ بات عوام نہ سمجھ سکیں گے لہٰذا خاموشی اختیار کر ورنہ سوائے رسوائی کے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ اِس لیے صحیح نظر اور اِمعانِ نظر کی بات کرنی چاہیے۔ اِمعان کے معنیٰ چشمہ کو جاری کرنے یا روانہ کرنے کے ہیں۔ چونکہ رُوح جسم سے جدا ہوکر روانہ ہوتی ہے اِسی طرح اِمعان کے معنیٰ نظر کو گہرائی کی طرف روانہ کرنے کے ہیں۔ حکیم بوعلی سینا نے رسالہ معراجیہ میں کہا ہے کہ انسان میں دو رُوحیں ہیں۔ ایک کو رُوحِ حیوانی کہا جائے گا جو لطیف بخارات ہیں اور ایک رُوحِ انسانی جو بدن سے نکل کر روانہ ہوجاتی ہے۔ اِسی طرح اِمعانِ

اِمتحاں بر اِمتحانست اے پدر
اے بابا! اِس راہ میں ہر امتحان کے بعد امتحان ہے

ہیں بکمتر اِمتحاں خود را مخر
کسی کمتر امتحان پر پورا اُترنے پر خود پسند نہ ہوجانا

نظر میں نظر کے گہرائی کی طرف جانے کو کہیں گے۔ شیخ نے دونوں قسم کی رُوحوں کے لیے دو لقب تجویز کیے ہیں ایک کو جان کہا اور دوسری کو رَوان کہا۔

حضرت ہُود علیہ السلام کا معجزہ

اس مضمون کا مقصد اُس شخص کی حالت بیان کرنے کے لیے ہے جو خدا کے حکم کو بجالاتا ہے۔ اگر وہ خدا سے دُعا کرے کہ کانٹا پھول بن جائے تو وہ واقعی پھول بن جائے گا۔ یاد رکھو! مقربینِ بارگاہ کی دُعا مقبول ہوتی ہے۔ اللہ بہت سی چیزوں کو ہوا کے طوفان کی طرح ہلاکت کا سبب اور کشتی کی طرح ذریعۂ نجات بنا دیتا ہے۔ جس طرح کشتی ذریعۂ حفاظت ہے اِسی طرح اللہ تعالیٰ اُس بادشاہ کو مُفسدین سے حفاظت کا سبب بنا دیتا ہے جس کا دراصل مقصد مُلک گیری ہوتا ہے۔

حضرت ہود علیہ السلام نے مومنوں کے گرد ایک لکیر کھینچ دی کیونکہ اللہ کے عذاب کی صورت میں ہوا کا طوفان اُن کی قوم کو تباہ کرنے کے لیے آ رہا تھا۔ دنیا میں لوگ اپنے مقاصد حاصل کرنے کے لیے کام کرتے ہیں جو بظاہر نقصان نظر آتے ہیں لیکن اللہ اُن سے اُن کے مقاصد کے علاوہ بعض لوگوں کے نفع کے کام بھی لے لیتا ہے۔ دُکاندار اپنے نفع کے لیے دُکانداری کرتا ہے لیکن اُس کی وجہ سے لوگوں تک اُن کی ضرورت کی اشیاء پہنچ جاتی ہیں۔ ہر انسان اپنے مقصد کے فوت ہونے سے ڈرتا ہے اور اِسی خوف کی وجہ سے نظامِ عالَم قائم ہے۔ اُس اللہ کی تعریف ہے جس نے خوف کو دنیا کا معمار اور آباد کنندہ بنا دیا۔ دنیا کا ہر نیک و بد اپنے مقصود کے فوت ہونے سے ڈرتا ہے اور یہ ڈر خود بخود پیدا نہیں ہوتا بلکہ اس کا کوئی پیدا کرنے والا ہے۔ معلوم ہوا کہ ہر شخص پر کوئی ذات حاکم ہے اور اُس شخص کو اُس ذات کا قرب حاصل ہے لیکن وہ ذات اُسے محسوس نہیں ہوتی۔ بے شک محسوس تو وہ نہیں ہے لیکن وہ ہر وقت تیری گھات میں ہے تاکہ تُو اپنے فرض سے غافل نہ ہو۔

اُس کو عقلِ کامل والے محسوس بھی کر لیتے ہیں لیکن عوام کے لیے غیر محسوس ہے کیونکہ اُس مکھن تک اُن کی رسائی نہیں ہے۔ خدا جس حِس کا محسوس ہے وہ اِس دنیا کی ظاہری حس نہیں ہے۔ وہ دوسرے عالَم کی حس ہے۔ ظاہری حس تو حیوانات میں بھی ہے جو پیٹ اور شرمگاہ کی حرص میں مبتلا رہتے ہیں۔ وہ ذات جو کشتی بنا دیتی ہے اُس میں یہ قدرت بھی ہے کہ کشتی کو طوفان بنا دے یعنی وہی چیز جو ذریعۂ نجات تھی ہلاکت کا سبب بن جائے۔ تیرا یہ غم اور خوشی تیرے لیے طوفان اور کشتی بنا دیے گئے ہیں اور غم کو خوشی کا سبب اور خوشی کو غم کا سبب بھی بنا دیا جاتا ہے۔ اگر تیرے غم اور خوشی تجھے نظر نہیں آتے ہیں تو اُن کے آثار سے اُن کو سمجھ لے۔ فلسفی چونکہ اِس خوف کی اصل کو جو خدا سے ہے نہیں دیکھتا ہے تو وہ

آں خدا را می رسد کو امتحاں	پیش آرد ہر دمے با بندگاں
خُدا کو یہ حق حاصل ہے کہ ہمیں آزمائے	تاکہ وہ اپنے بندوں کو ہر وقت جانچے

طبعی اسباب کو خوف کا سبب قرار دے دیتا ہے جو عموماً غلط ہوتا ہے۔

فلسفی کی مثال اُس اندھے کی سی ہے جسے کسی گنوار مدہوش نے مُکہ مارا ہو اور وہ اُس کا سبب خچر کی لات کو سمجھ لے۔ اِس لیے کہ اُس نے خچر کے ہنہنانے کی آواز سُنی تھی اور اندھے کے کان نے اُس کی آنکھ کا کام کیا' یا وہ سمجھے کہ پتھر لگا ہے۔ یعنی جس ذات نے اُس کے دل میں خوف پیدا کیا اُسی نے اُس اندھے کے دل میں یہ خیالات پیدا کیے۔ یہ خوف اور لرزہ خود بخود پیدا نہیں ہوتا۔ کسی سبب سے پیدا ہوتا ہے۔ فلسفی وہم کو خلاق قرار دے کر اُس کو خوف کا خالق قرار دیتا ہے۔ یہ اُس کی کج فہمی ہے۔ وہم کسی چیز سے جب ہی پیدا ہوتا ہے جبکہ اُس چیز سے کبھی وہ چیز پیدا بھی ہوئی ہو مثلاً زید کو یہ وہم ہے کہ مجھے کوئی مار نہ ڈالے۔ یہ جب ہی ہوا جبکہ ایسے واقعات حقیقتاً ہوتے بھی ہیں۔ جب وہم کسی حقیقت پر مبنی ہوتا ہے تو لامحالہ اُس حقیقت کا کوئی پیدا کرنے والا ہے جس کی وجہ سے وہ وہم پیدا ہوا۔ اُس کو اس طرح سمجھ لو کہ وہم کھوٹے سکے کی طرح ہے اور کھرا سکہ حقیقت ہے۔ کھوٹا تب ہی چلتا ہے جب کھرا چل رہا ہو۔ جھوٹ کا رواج اس لیے ہوا کہ لوگوں نے سچ کا رواج دیکھا ہے۔ سچ کا جھوٹ پر یہ احسان ہے کہ اُس کی وجہ سے اس کا رواج ہوا۔

اہل اللہ بمنزلہ نوح علیہ السلام اور کشتی کے ہیں اور عوام بمنزلہ طوفان کے ہیں۔ انسان کے لیے شیر اور سانپ اس قدر مُہلک نہیں ہیں جس قدر دوست اور اپنے مُہلک ہیں۔ اُن کی موجودگی میں ملاقات سے وقت ضائع ہوتا ہے اور غیر موجودگی میں اُن کی یاد تمہارا فکر برباد کرتی ہے۔ دوستوں اور اپنوں کی یاد تمہاری قوتِ فکریہ کو پیاسے گدھے کی طرح چوستی ہے۔ اُن کی یاد تعلق باللہ کو زائل کرتی ہے۔ شاخیں جب تک جڑ سے پانی چوستی رہتی ہیں اُن میں لچک رہتی ہے جیسے چاہیں موڑ سکتے ہیں۔ اسی طرح جب قُویٰ ارادیہ سے اعضاء سیراب نہیں ہوتے ہیں تو اُن میں جنبش کی کمی واقع ہو جاتی ہے۔ قرآن میں منافقوں کے بارے میں آیا ہے کہ "اور جب وہ نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو کسلمند ہو کر کھڑے ہوتے ہیں یعنی سُستی سے۔" یہ تعلق مع اللہ کا بیان عوام نہ سمجھ سکیں گے اور ان کو مُضر ہوگا۔ لہٰذا اب میں فقر اور خزانے کی بات شروع کرتا ہوں۔

تُو نے آگ تو دیکھی ہے' اب عشق کی آگ کو بھی دیکھ لے جو جان و دل کو جلا ڈالتی ہے اور صرف جان و دل کو ہی نہیں بلکہ انانیت کے خیال کو بھی جلا ڈالتی ہے۔ لیکن جس جان و دل میں قبولیت کی صلاحیت نہیں ہے اُنہیں سوزِ زندگی تو درکنار اُس آگ کی روشنی بھی محسوس نہیں ہوتی ہے۔ یہ عدمِ صلاحیت کی بات ہے ورنہ وہ آتشِ عشق جب جان کو جلا ڈالتی ہے تو اُس کے جلنے سے نہ خیال بچتا ہے نہ حقیقت۔ واقعی عشق ایسی چیز ہے کہ شیر یعنی حقیقت اور لومڑی یعنی خیال

تا بما مارا نماید آشکار تاکہ وہ ہمیں یہ ظاہر کر دے (دکھا دے)	کہ چہ داریم از عقیدہ در سرار کہ ہم اُس کے بارے میں کیا عقیدہ رکھتے ہیں

پر بھی غالب آجاتا ہے اور ہر دو کو فنا کر ڈالتا ہے۔ عشق سے ماسوا اللہ سب جل کر خاک ہو جاتے ہیں۔

''بِسم'' دراصل ''ب'' اور ''اسم'' کا مجموعہ تھا اور ''س'' کے وصل کی وجہ سے درمیان کا ''الف'' فنا ہو گیا۔ تُو بھی اسی طرح ذاتِ احدیت میں اپنے آپ کو فنا کر دے۔ وہ ''الف'' جو ''بِسم'' میں چھپ گیا معنی کے اعتبار سے موجود ہے لیکن حروف کے اعتبار سے معدوم ہے۔ تُو بھی اسی طرح اُس ذات میں فنا ہو جا یعنی حسی اعتبار سے تیرا وجود رہے اور ذہنی اعتبار سے نہ رہے۔ وہ الف وصل تھا۔ جب ''ب'' اور ''س'' کا وصل ہوا وہ وصل ''الف'' کے وصل کو برداشت نہ کر سکا۔ جب ایک حرف بھی وصل برداشت نہیں کر سکتا تو میرا وصل باللہ میری اس تقریر کو کیسے برداشت کرے گا۔ تو میری یہ تقریر اور بیان فنا کے خلاف ہے لہٰذا مجھے خاموشی اختیار کرنی چاہیے۔ بولنا وجود کے آثار میں سے ہے جو فنا کے منافی ہے۔ جب ''الف'' نے خود کو فنا کر دیا تو اب ''ب'' اور ''س'' اُس کو بتا رہے ہیں کہ اس طرح جب بندہ، فانی فی ذات اللہ ہو جائے گا تو اُس کو بقا بذات اللہ حاصل ہو جائے گا۔

آنحضور ﷺ نے جنگِ بدر میں ایک مٹھی خاک دشمنوں کی طرف پھینکی تو وہ اندھے ہو گئے' چونکہ حضور ﷺ کو مقامِ فنا حاصل تھا اس لیے اُن ﷺ کے اِس فعل کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب کیا۔ جب فانی کا فعل فانی کی طرف منسوب نہیں ہو سکتا ہے تو اُس کا قول بھی اُس کی طرف منسوب نہیں ہو گا بلکہ اللہ کی طرف منسوب ہو گا تو لٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ حضور ﷺ نے نہیں کہا بلکہ اللہ نے کہا۔

گفتہ اُو گفتہ اللہ بود
گرچہ از حلقومِ عبد اللہ بود

''اُس کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ اللہ ہی کے الفاظ ہوتے ہیں۔ اگرچہ وہ اللہ کے بندے کے حلق سے نکلے ہوں''۔

مثنوی کے مضامین کلمات اللہ ہیں اور اُن کے بارے میں قرآن میں یہی کہا گیا ہے۔ جب تک یہ دنیا قائم ہے اور زمین ہے اس سے اینٹیں بنتی رہیں گی، اُس وقت تک مثنوی کے اشعار بھی دستیاب رہیں گے۔ جب یہ روئے زمین ختم ہو جائے گی اور قیامت کے دن کی ہوائیں اس کو تہ و بالا کر دیں گی تو مثنوی یعنی کلمات کا سمندر جوش مارے گا اور عالمِ آخرت میں ایک زمین اپنے لیے بنا لے گا۔ چونکہ کلمات اللہ لامحدود ہیں لہٰذا مثنوی کی باتیں بھی لامحدود ہیں اُن کو بیان کیے جاؤ کوئی تنگی نہیں آئے گی۔

ہیچ آدمؑ گفت حق را کہ تُرا حضرت آدمؑ نے غلطی کر کے اللہ سے یہ نہیں کہا	امتحاں کردم دریں جرم و خطا کہ اس غلطی اور خطا میں میں نے تیرا امتحان لیا ہے؟

اب کلمات اللہ اور اَسرار کے سمندر کی باتوں سے خشکی کی طرف یعنی ظاہری باتوں کی طرف رجوع اور کچھ کھیل کود کی بات کرتے ہیں کیونکہ بچوں کے لیے یہی مفید ہیں۔ جب وہ لکڑی کی تلوار سے کھیلنا سیکھ لیتا ہے تو اصل تلوار خوب چلاتا ہے۔ کھیل کود سے عقل آشنا ہو جاتی ہے اور وہ ہُنر سیکھ لیتا ہے۔ اگرچہ بظاہر عقل اور کھیل میں کوئی جوڑ نہیں ہے پھر بھی کھیل کود سے عقل آتی ہے اور عقل ہی سے کھیل آتا ہے۔ پاگل بچہ کبھی کھیل نہیں سکتا۔

قُبّہ اور خزانے کے قصّے کی طرف رُجُوع

اس مخلص فقیر کا خیال مجھے مجبور کر رہا ہے کہ میں اُس قصّے کو پورا کروں۔ چونکہ میں اُس فقیر کا ہم راز ہوں، اُس کے بلانے کی آواز مجھے آرہی ہے۔ اُس فقیر کو خزانہ کا طالب نہ سمجھ بلکہ وہ خود خزانہ ہے کیونکہ دوست باطن کے اعتبار سے دوست کا غیر نہیں ہوتا بلکہ مطلوب، طالب کا آئینہ ہوتا ہے اور آئینہ کی جانب سجدہ کرنا اپنے لیے ہی سجدہ کرنا ہے۔ انسان کسی چیز کا طالب کسی غرض کے لیے ہوتا ہے تو گویا وہ طالب خود مطلوب ہے۔ طالب نے مطلوب کے آئینے میں خود ہی کو دیکھا تو طلب میں اِس قدر محو ہو گیا۔ لیکن اگر وہ مطلوب میں اُس حقیقت کو دیکھ لیتا جس حقیقت کے لیے ہر مخلوق اور مطلوب آئینہ ہے تو وہ اُس حقیقت کے درپے ہو جاتا اور اُس کے ذہن سے ہر مطلوبِ خیالی زائل ہو جاتا اور اُس حقیقت کے آئینہ بن جانے سے جب اُس میں سے اپنا چہرہ نظر آتا تو تُو منصور رحمۃ اللہ علیہ کی طرح "اِنِّیْ اَنَا اللّٰہُ" کا نعرہ لگانے لگتا۔

آدم علیہ السلام فرشتوں کے مسجود اِس لیے تھے کہ وہ مظہرِ حقیقت تھے۔ تو بنی آدم کے لیے یہ اشارہ ہے کہ وہ بھی آدم علیہ السلام کی طرح مظہرِ حقیقت ہیں اور اُن کو چاہیے کہ اپنے آپ کو حقیقت کا مظہر سمجھیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی آنکھ کا بھینگا پن دُور کر دیا اور اُنہوں نے آدم علیہ السلام کی مٹی کو اِس طرح مہبطِ انوار دیکھا جس طرح فلک مہبطِ انوار ہے۔ منصور کا اِنِّیْ اَنَا اللّٰہُ کہنا دراصل لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ہی تھا کیونکہ جب غیر اللہ، مظہرِ اِلَّا اللّٰہُ بن گیا تو عین حقیقت ہو گیا تو گویا اِنِّیْ اَنَا اللّٰہُ کہنا بالکل لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہنا تھا۔ یعنی بظاہر یہ دو عنوان نظر آتے ہیں مضمون ایک ہی ہے۔

اب اِن اَسرار کا بیان اِس درجہ پر آ گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارا کان کھینچ کر شرعی احکام کی طرف لے جائے اور حکم دے کہ شریعت کے چشمے سے منہ دھولے تا کہ اِن اَسرار کے بیان کا منہ میں جو اثر ہے وہ زائل ہو جائے کیونکہ شریعت اِس طرح کے کلمات کی اجازت مغلوب الحال کے سوا کسی کو نہیں دیتی ہے اور یہ وہ اَسرار ہیں جو شریعت نے عوام سے پوشیدہ رکھے ہیں۔ اگر اِن اَسرار کو بیان بھی کیا جائے گا تو اَسرار واضح نہیں ہوں گے اور اِس طرح کے کلمات کہنے والا

تا بہ بینم غایتِ حلمت شہا	وہ کرا باشد مجالِ ایں کرا
اے شاہ! تاکہ تیری بُردباری کی انتہا کو دیکھوں	ہاں، ایسا کرنا کس کی مجال ہے؟

مجرم قرار دیا جائے گا۔ میں جو کچھ بیان کر رہا ہوں وہ بھی پراگندہ باتیں ہیں جن سے اَسرار کی حقیقت واضح نہیں ہوتی نیز اُن کا کہنے والا بھی میں ہوں اور سننے والا بھی میں ہی ہوں چونکہ اور کوئی سمجھنے والا نہیں ہے۔ لہٰذا میں عوام سے راز ظاہر کرنے والا مجرم بھی نہیں ہوں۔ اَسرار کا بیان تو اب ختم ہوا۔ اب دو باتیں اور کہنی ہیں جن کا اوپر ذکر ہوا ہے ایک درویش کا قصہ، دوسرے چشمۂ رحمت یعنی شریعت کا ذکر۔ عوام کو وہی باتیں پسند ہیں جن کا ذکر غیر خدا کا ذکر ہے اور ہمارے لیے تکلیف دہ ہیں لیکن چونکہ عوام کا مزاج بن گیا ہے لہٰذا مجبوراً ہمیں اِس طرح کے قصے بیان کرنے پڑ رہے ہیں۔

چشمۂ رحمت یعنی شریعت کی باتیں اِن عوام نے اپنے اوپر حرام کر لی ہیں اور دوسرے قصے جو دراصل زہر ہیں اُن کے عادی ہوگئے ہیں۔ یہ لوگ شریعت کے مسائل کو اپنی خرافات سے دبانا چاہتے ہیں لیکن یہ ممکن نہیں ہے۔ مخالفوں کی مخالفت سے شریعت تو نہ مٹے گی، ہاں وہ ضرور محروم رہ جائیں گے۔ یہ دین میں تاویلات کرنے والے اوندھی طبیعت کے ہیں کہ اُن کو شریعت کا صاف چشمہ پسند نہیں آتا اور وہ تاویلات کی خاک چاٹتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام تو "حق" کہتے تھے خواہ عوام کو پسند نہ آئے، یہ عوام پر تکیہ کرتے ہیں اور اُن کو خوش کرنے کے لیے تاویلات کرتے ہیں۔ یہی فلسفیانہ توجیہات اُنکی آنکھ کا پردہ ہیں۔ اُنھوں نے حقائق سے اپنی آنکھیں بند کر لی ہیں۔ شریعت کے اَسرار کی بجائے فلسفیانہ تاویلات اُن کے پیشِ نظر ہیں جو حقائقِ شریعہ کا بدترین بدل ہیں۔

اِن عقلی موشگافیاں کرنے والوں میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں کہ اصل شریعت کا تو انکار نہیں کرتے لیکن بعض جگہ سَلف کے خلاف تاویلات کرتے ہیں۔ اُن کو قدرے خدا کے کرم نے سنبھال لیا ہے۔ اللہ نے اُن پر کرم کیا اور اُن کے بعض عقائد سَلف کے خلاف ہوتے ہوئے بھی اُن کو معذور قرار دے دیا ہے اور اُن کے عقائدِ فاسدہ سے ہی اپنی محبت کے چشمے جاری کر دیئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایک ضد سے دوسری ضِد پیدا فرما دیتا ہے۔ خار سے غُنچہ اور سانپ سے مُہرہ پیدا کر دیتا ہے، جو اُس کے زہر کا تریاق ہے، رات سے دن پیدا کر دیتا ہے، مفلس کے ہاتھ سے مالداری پیدا کر دیتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ریت سے گیہوں کا آٹا پیدا فرما دیا، حضرت داوٗد علیہ السلام کا ہم آواز پہاڑ بن گیا۔ اُنھوں نے عوام سے گھبرا کر گوشۂ تنہائی پکڑا تو اُن کی آواز پہاڑوں میں گونجنے لگی اور اِس طرح اللہ نے اُن کو ظاہر کر دیا۔

عجز و مجبوری کے بعد خزانے کے طلب گار کا اللہ کی طرف رجوع کہ اے ظاہر کرنے والے! پوشیدہ کو ظاہر کر دے

جب یہ فقیر خزانے کی تلاش سے تھک گیا تو اُس نے اللہ کی طرف رجوع کیا کہ اے اللہ! میں نے خزانے کی تلاش میں سوائے تکلیف

از حجامت کودکاں گریند زار	کہ نمی دانند ایشاں ستر کار
پچھنے لگتے وقت بچے روتے ہیں	کیونکہ نتیجے کے بھید سے واقف نہیں ہوتے

کے کچھ حاصل نہ کیا۔ میری یہ غلطی تھی کہ تیر پھینکنے کی تفسیر پر یقین نہ ہوتے ہوئے بھی تیری طرف رجوع نہ کیا۔ اللہ خود ہی اپنے کلام کی صحیح تفسیر کرسکتا ہے۔ جو نرد اُس نے جس جگہ بٹھائی ہے وہی اُس کو اٹھا کر بازی جیت سکتا ہے دوسرے کی مجال نہیں ہے۔ قرآن پاک کو آسان بھی فرمایا ہے لیکن اُس کے رموز اللہ ہی دلوں پر ظاہر فرماتا ہے۔ میں نے دُعا اس طرح نہ کی کہ خزانے کا ملنا بھی بلاکسب ہوجاتا اور اُس کی تلاش میں مجھے محنت کرنی پڑگئی، یہ میری دُعا کا قصور تھا۔

انسان دراصل ہیچ در ہیچ ہے' جو کچھ ہے وہ ذاتِ حق کا عکس ہے بلکہ عین خدا ہے۔ انسان کی عقل اور تدبیر کا حال تو یہ ہے کہ ہر رات کو غائب ہوجاتا ہے۔ نیند کی حالت میں اُس کے سب ہنر معطل ہوجاتے ہیں اور وہ مُردے کی صورت ہوتا ہے۔ صبح تک وہ مردہ رہتے ہیں۔ اللہ خود ہی سوال کرتا ہے اور خود ہی جواب دیتا ہے۔ انسانوں میں جواب دینے کی صلاحیت نہیں رہتی۔ صبح کو جب سورج نکلتا ہے تو انسان کے ہوش وحواس واپس آتے ہیں اور وہ پھر دنیا کے رنگ وبُو میں منہمک ہوجاتا ہے۔ جس طرح حضرت یونس علیہ السلام نے فرمایا تھا: ''لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ'' ہر انسان اللہ کی تسبیح کرتا ہے۔

انسان کو رات میں سونے سے بڑی راحت حاصل ہوتی ہے اور صبح تازہ دم ہوکر اُٹھتا ہے تو اسی خزانے سے حواس کو یہ طاقت ملتی ہے کہ بیداری پر وہ تیز ہوجاتے ہیں اور بدن ہلکا ہوجاتا ہے۔ جب کہ وحشت ناک رات میں اللہ کی اس قدر نعمتیں مُضمر ہیں تو اُس کی ذات کے سہارے کسی وحشت ناک چیز سے گریز نہیں کرنا چاہیے۔ ہر چیز ہمارے خیال کے مطابق نہیں ہوتی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نور کو نار خیال کیا۔ ہم نے رات کو بُرا سمجھا جو صحیح نہیں ہے۔ سب سے بڑی نعمت وہ صحیح آنکھ ہے جو ہر چیز کو اصل حالت میں دکھادے۔ ہمیں دُعا کرنی چاہیے کہ اے اللہ! ہم پر ہر چیز کی اصل حالت ظاہر فرماتا کہ ہماری نگاہ صحیح کام کرے اور ہماری نگاہ سے خس وخاشاک دریا کو نہ چُھپا سکیں۔ فرعون کے جادوگروں کو صحیح نظر حاصل ہوگئی تھی۔ وہ اپنے اُن جسمانی ہاتھ پاؤں کو کچھ نہ سمجھتے تھے۔ اُن کے پاؤں کٹنے پر رقص کر رہے تھے۔ صحیح نظر وہی ہے جو اسباب کے پردے اُٹھا کر مُسبّبُ الاسباب کو دیکھ لے۔ جو صحیح نظر نہیں رکھتے وہ بھی مایوس نہ ہوں اللہ اُن کی بھی رہنمائی فرمادیتا ہے۔ اُس کا دستِ کرم مستحق اور غیر مستحق سب کو عطا کرتا ہے۔ جبکہ ہم معدوم تھے اُس نے کرم کیا اور وجود وحواس عطا فرمائے۔ حالانکہ ہم میں کوئی استحقاق نہیں تھا۔ اللہ کی رحمت کافروں پر بھی ہے۔

اے اللہ! تُو نے ہمیں جسمانی وجود عطا فرمایا اب رُوحانی حیات بھی عطا فرمادے۔ یہ دُعا بھی ہم تیرے حکم اور توفیق سے ہی کررہے ہیں ورنہ ہماری ہمت کہاں تھی کہ تجھ سے دُعا مانگتے۔ جب تُو نے دُعا کی توفیق دی ہے تو یہ ہماری

مرد خود زر می دہد حجّام را بچّے کا باپ حجام کو روپیہ دیتا ہے	می نوازد نیش خوں آشام را اور خون بہانے والے نشتر کو نوازتا ہے

نہیں بلکہ تیری دُعا ہے۔ تُو اِسے قبول فرمالے۔ شب کے وقت اللہ ہمارے حواس کو دریائے حیرت میں غرق کر دیتا ہے اور پھر اُن کو پُر ہنر بنا کر واپس کرتا ہے۔ عارفین کو نور سے پُر کرتا ہے اور دنیاداروں اور فلسفیوں کو وہم و خیال سے پُر کر دیتا ہے۔ اگر حواس و ہنر ہمارے ذاتی ہوتے تو پھر ہمارے حکم کے تابع ہوتے۔ رات کو ہماری اجازت کے بغیر ہم سے جدا نہ ہوتے۔ ہمیں یہ معلوم ہوتا کہ ہماری رُوح کہاں کہاں کی سیر کر رہی ہے۔ نیند کی حالت امتحان کی ہے جس سے معلوم ہوگیا کہ ہمارے حواس اور رُوح ہمارے قبضے میں نہیں ہیں۔ جب ہم اپنے حواس اور عقل سے بھی تہی دست ہیں تو پھر غرور اور تکبر کا کیا کام۔

اے اللہ! اب تک جو دُعا میں غلطی ہوئی اور باوجود خزانے کا پرچہ ملنے کے خزانہ نہ ملا اُن سب کو کالعدم قرار دے دے کہ میں از سرِ نو دُعا کرتا ہوں۔ ہمارا اصل وجود اور اُس کے لوازم سب ''الف'' اور ''م'' کے سرے کی طرح نقطے سے خالی ہیں۔ ہماری غفلت کا وقت ہو یا ہوش کا دونوں ''الف'' اور ''م'' کی طرح ہیں۔ غفلت اور ہوش کے جملہ اوقات پریشان گن ہیں۔ بے خودی کے وقت بالکل ناچیز ہوتا ہوں اور ہوش اور عقل مندی کے وقت دنیا کے دھندوں میں پیچ در پیچ ہوتا ہوں۔ جب کہ میرے پاس کچھ نہیں ہے، تُو میرا کارساز بن جا۔ انسان اپنے کچھ ہونے کے وہم میں سینکڑوں مصیبتوں میں پھنستا ہے۔ یہی وہم دینی اور دنیاوی ترقی میں مانع بنتا ہے جبکہ یقیناً میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ تُو میرے ساتھ شاہوں جیسا سلوک کر اور میری رکھوالی کر۔ میں دُعا کے آداب سے بھی محروم ہوں۔ دُعا کے لیے آنسوؤں کی ضرورت ہے میں اِن سے محروم ہوں۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ میرے پاس حقیقت بیں نظر ہی نہیں ہے۔ میری آنکھ میں آنسو پیدا فرما کر میرے اعمال کو سرسبز کر دے۔ اِس دنیا میں جو آخرت کا کھیت ہے اُسے ہرا بھرا کر دے۔ اگر میری آنکھ میں آنسو نہ رہیں تو آنسو بھی عنایت کر جس طرح تُو نے حضور ﷺ کی آنکھوں کو عطا کر دیئے تھے۔

حضور ﷺ کی حدیث ہے کہ ''اے اللہ! مجھے دو جاری رہنے والی آنکھیں عنایت فرما۔'' آنحضور ﷺ باوجود تمام بزرگیوں اور فضائل کے رونے والی آنکھوں کے طالب بنے تو پھر ہم جیسوں کے لیے تو وہ بہت ہی ضروری ہے اور ہماری نجات کے لیے تو سینکڑوں جیحوں دریاؤں کی بقدر آنسو درکار ہیں۔ حضور ﷺ کی آنکھ کا ایک آنسو دو سو دریاؤں کے برابر آنسوؤں سے افضل ہے۔ اِس لیے اُس قطرۂ آنسو کے ساتھ جب اُنہوں نے دُعا کی تو جن وانس قیامت میں حساب کتاب کے انتظار سے نجات پاگئے اور حضور ﷺ کی اس سلسلے میں شفاعت منظور ہوگئی۔ ایسی صورت میں تو ہمیں دو سو دریاؤں کے برابر نہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ آنسو درکار ہیں۔ چونکہ حضور ﷺ تو خود جنت کے باغیچہ کی طرح ہیں، جب

چوں گرانیہا اساسِ رحمت ست
تکلیفیں، رحمتوں کی بنیاد ہوتی ہیں

تلخہا ہم پیشوائے نعمت ست
اسی طرح تلخی برداشت کرنے سے نعمتیں حاصل ہوتی ہیں

وہ آنسوؤں کی بارش کے طالب ہے تو ہم جو کہ بدترین شور زمین ہیں ہمیں آنسوؤں کی بارش کی ضرورت کیوں نہ ہوگی۔
اے بھائی! جب تجھے دُعا کی فضیلتیں معلوم ہوگئیں تو اب دُعا کرتا رہ اور تجھے اس سے کوئی بحث نہیں ہونی چاہیے کہ وہ مقبول ہوتی ہے یا مردود۔ دُعا میں اگر گریہ نہیں ہے تو اُس میں جو چیز رکاوٹ بنی ہوئی ہے اُسے دور کر اور وہ چیز دنیا کی لذتیں ہیں۔ اپنے آپکو دُعا اور گریہ میں چست کرلے اور ان آنسوؤں کے ذریعے آخرت کا توشہ تیار کرلے۔

وہ فقیر اس دعا میں مصروف تھا کہ اُس کو غیب سے الہام ہوا جس سے اُس کی مشکلات حل ہوگئیں۔ ہاتف نے کہا کہ ہم نے تجھے یہ تو نہیں کہا تھا کہ تیر کمان میں رکھ کر چلّہ کھینچ کر زور سے پھینک بلکہ صرف اتنا کہا تھا کہ کمان میں رکھ کر گرادے۔ جس طرح تیر چلانے والے کمان اونچی کر کے تیر چلاتے ہیں تُو نے بھی اُسی طرح کاری گری شروع کردی۔ چلّہ کھینچ کر تیر نہ چلا۔ کمان میں تیر رکھ کر گرادے جہاں وہ گرے وہاں کھود، طاقت اور زور کے استعمال سے بچ اور عجز سے سونے کا طلب گار بن۔ حق اور مقصد تو قریب جگہ میں ہے۔ تُو خواہ مخواہ دُور کھودتا رہا اور خزانہ تلاش کرتا رہا۔ اللہ تعالیٰ جو حق ہے انسان کی شہ رگ سے بھی قریب ہے۔ اُس کے بارے میں اپنی فکر کو دُور نہ دوڑا۔ انسان کا مقصودِ حقیقی اُس کے بالکل قریب ہے، وہ اُس کو اِدھر اُدھر تلاش کرتا پھرتا ہے۔ جو اپنے مقصد کو دُور سمجھ رہا ہے وہ خود مقصود سے بہت دُور ہے اور اپنی قوت بازو اُس تیر پھینکنے والے کی طرح آزما رہا ہے، اس طرح مقصود حاصل نہ ہوگا۔ جو اِس معاملے میں تیر (عقل) چلاتا ہے وہ زیادہ دُور ہوجاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی تلاش میں عقل والوں کا بھی یہی حال ہے۔ اُن سے کہہ دو کہ مقصود کی طرف اُنکی پشت ہے اور وہ جس قدر دوڑے گا مقصد سے دُور ہوتا جائے گا کیونکہ مقصود کی طرف اُس کی پشت ہے۔

قرآن میں صحیح طلب والوں کے بارے میں اللہ نے فرمایا ہے کہ جَاهَدُوا فِينَا یعنی "ہماری طرف آنے کی کوشش کرنے والے" یہ نہیں فرمایا کہ ہماری طرف سے جانے میں کوشش کرنے والے۔ ایسی ہی بُری کوشش کی مثال حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا کنعان ہے۔ جس نے حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی میں بیٹھنے میں ذلت محسوس کی اور طوفان سے بچاؤ کے لیے پہاڑ کی چوٹی کی طرف بھاگا۔ وہ جس قدر کوشش کررہا تھا بچاؤ کی جگہ (نبی کی کشتی) سے دُور ہوتا جارہا تھا۔
کنعان اُس فقیر کی طرح تھا جو ہر روز ایک سخت کمان تلاش کرتا اور اُس سے تیر پھینکتا اور خزانہ سے زیادہ دُور ہوتا جاتا۔
مقصد سے دُور ہونے کی وجہ اس مثال سے سمجھ آجائے گی جو جان کے اندر رکھنے کے قابل ہے کہ کوئی شاگرد، اُستاد سے ذلت کرنے لگے اور اپنی دُکان خود کھول بیٹھے۔ ظاہر ہے ایسا شاگرد مقصد سے دُور ہوجائے گا۔ ایسے شاگرد کی

دُکان ہُنر سے خالی ہوگی اور نقصان رساں ہوگی۔ اس سے معلوم ہوا کہ مقصد تک پہنچنے کا راستہ اہلِ حق کا اتباع ہے۔ ایسے شاگرد کو چاہیے کہ فوراً اپنی دُکان کو ویران کردے اور اُستاد کی شاگردی اختیار کر کے پھلے پھولے۔ کنعان کی طرح نہ بنے کہ اُس نے سیدھا راستہ چھوڑ کر غلط راہ اختیار کر لی۔ اُس فقیر کو اُس کے تیر اندازی کے علم نے ہی خزانہ سے دُور رکھا ہوا تھا ورنہ خزانہ تو اُس کے بالکل قریب تھا۔ مذموم ذہانت تباہ کُن ہوتی ہے اور مطلوب سے دُور کر دیتی ہے۔ حضور ﷺ کی ایک حدیث ہے: اَلْمُؤْمِنُ غِرٌّ کَرِیْمٌ ''مومن بھولا بھولا شریف ہوتا ہے'' مذموم ذہانت سے اپنے آپ کو بچالے۔ پھر تجھ پر رحمت نازل ہوگی۔ ذہانت کو چھوڑ اور بھولا پن اختیار کر۔ مذموم ذہن دنیا میں اُلجھ کر رہ جاتے ہیں اور بھولے بھالے، اللہ تک رسائی حاصل کر لیتے ہیں۔ جس طرح معصوم بچے کے لیے ماں اُس کے ہاتھ پاؤں کا کام کرتی ہے اسی طرح بھولے مومن کی اللہ خود دستگیری فرماتا ہے۔

تین مُسافر نصرانی، یہُودی اور مُسلمان

ایک سفر میں یہودی، نصرانی اور مسلمان ہمسفر بنے۔ راستے میں اُن کو حلوہ ملا تو دونوں نے چالاکی سے مسلمان کو حلوے سے محروم کرنا چاہا۔ اُن کی چالاکی اللہ کو پسند نہ آئی اور قدرت نے ایسا بندوبست کر دیا کہ حلوہ مسلمان کو ملا۔ بھولے مسلمان پر رحمت نازل ہوئی۔ اس قصے کا مطلب یہ ہے کہ زیادہ چالاکی کرنے سے بچو تاکہ کہیں آزمائش میں گرفتار نہ ہو جاؤ۔ اُن تینوں کا ہم سفر بننا کچھ اس طرح کا تھا جیسے پنجرے میں بے جوڑ پرندے رکھے ہوئے ہوں یا قید خانہ میں مختلف اقسام کے آدمی یکجا ہو جاتے ہیں۔ یہی مثال اس دنیا میں عام انسانوں کی ہے۔ راستہ کھلنے پر پڑاؤ کے مسافر اپنی اپنی راہ اختیار کر لیتے ہیں یا پنجرہ کھلنے سے پرندے اپنے ہم جنسوں کی طرف اُڑ جاتے ہیں۔ ایسے پرندے وطن کے شوق میں پَر پھیلائے ہوئے ہیں لیکن اُڑنے کا راستہ نہیں ہے۔ انسان جو کہ راہ کے طالب ہیں آنسوؤں اور آہوں کے پَر کھولے راہ کی تلاش میں ہوتے ہیں اور اللہ کی یاد میں پَر کھولتے ہیں۔ جس طرف سے آنسو اور سوزش آئی جب موقع ملا اُسی طرف چلنا شروع کر دیتے ہیں۔ پچھا اپنے جسم کے اجزاء پر غور کر کہاں کہاں سے آکر تمہارے جسم کا جزو بنے ہیں۔ یہ اجزاء اپنے مرکز کی طرف منتقل ہونے کے منتظر رہتے ہیں۔ ایسا اُسی وقت تک ہے جب تک حضرتِ حق کے سامنے پیش نہیں ہوتے۔ جب جلالِ خداوندی کی گرمی پڑے تو سب چیزیں عین حاضر ہو جائیں گی۔

جب یہ تینوں مسافر پڑاؤ پر پہنچے تو ایک مہمان نواز اُن کے لیے حلوہ لایا۔ وہ اس لیے کہ وہ قرآن پاک کے اس فرمان سے واقف تھا۔ ''جب آپ ﷺ سے میرے بندے میرے بارے میں پوچھیں تو اُن سے کہہ دو کہ میں تو اُن کے

یک زیاں دفعِ زیانہا می شدے
یہاں کا ایک نقصان بہت سے نقصانات سے ہمیں بچاتا ہے

جسم و مالِ ماست جانہا را فدے
ہمارا جسم اور مال ہماری جانوں کا فدیہ ہے

نزدیک ہوں۔" وہ میزبان مسلمان تھا اور محض اللہ کی خوشنودی کی خاطر مسافروں کے لیے حلوہ لایا۔ یہودی اور عیسائی پیٹ سے پُر تھے اس لیے کہنے لگے کہ اس کو رکھ دیں صبح کھائیں گے۔ مسلمان دن کے وقت روزے سے تھا۔ اُسے بھوک لگی ہوئی تھی۔ اُس نے کہا: میں بھوکا ہوں اسے تقسیم کرلیں کیونکہ میں سارا نہیں کھانا چاہتا۔ نفسانی غرض کے بغیر کی گئی تقسیم اچھی ہوتی ہے۔ انسان بھی اللہ کی مِلک ہے، اگر وہ اپنے آپ کو اور اپنے افعال کو تقسیم کرلے کچھ اللہ کے لیے اور کچھ لوگوں کے لیے تو گویا وہ مشرک ہے۔ اُن دونوں نے اُس کی بات نہ مانی۔ اُن کا مقصد تھا کہ مومن رات کو بھی بھوکا رہے۔ مجبوراً اُسے ماننا پڑا۔

صبح اُٹھ کر سب نے اپنے اپنے مسلک کے مطابق اللہ کو یاد کیا اور ایک دوسرے کی طرف رُخ کر کے بیٹھ گئے۔ ایک بولا: ہر شخص اپنا اپنا خواب بیان کرے۔ جس کا خواب سب سے اچھا ہوگا وہی سارا حلوہ کھائے گا۔ جس کا خواب بہتر ہوگا اُس کی عقل بھی بہتر ہوگی یقیناً اُس کی رُوح پُر انوار ہوگی اور ایسے بزرگ کی خدمت اور اپنا حِصّہ اُسے کھلا دینا برکت کا سبب ہوگا۔

سب سے پہلے یہودی نے اپنا خواب سنایا۔ اُس نے کہا کہ میں جا رہا تھا کہ راستے میں مجھے حضرت موسیٰ علیہ السلام مل گئے۔ میں اُن کے ساتھ کوہِ طور پر پہنچا تو اس قدر نور دیکھا کہ میں، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور کوہِ طور اُس میں چھپ گئے۔ اُس نور کی تجلی سے کوہِ طور کے تین ٹکڑے ہو گئے۔ ایک ٹکڑا سمندر میں گرا تو اُس کا زہر جیسا پانی شیریں ہو گیا۔ دوسرا ٹکڑا زمین پر دھنس گیا تو اُس میں سے ایک چشمہ پیدا ہو گیا جو بیماروں کے لیے صحت کا باعث تھا۔ تیسرا ٹکڑا اُڑ کر خانہ کعبہ کے پاس پہنچ کر عرفات پہاڑ بن گیا۔ اب کوہِ طور میں دوسرا تغیر شروع ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قدموں میں آسمان سے گرنے والی یخ کی طرح نرم ہو گیا۔ اس کے بعد میرے حواس درست ہوئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور کوہِ طور کو اصل حالت میں دیکھا۔ اب یہ عجیب چیز دیکھی کہ کوہِ طور کا دامن عجیب چیز سے پُر ہے۔ ہر شخص کے ہاتھ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سا عصا اور اُس کے بدن پر اُن جیسا خرقہ ہے۔ وہ سب خراماں خراماں کوہِ طور کی طرف جا رہے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کوہِ طور پر دُعا کی تھی۔ "اے خدا! مجھے دکھا دے تو مُردوں کو کس طرح زندہ کرے گا" اب میں یہ سمجھا کہ یہ انبیاء علیہم السلام کا مجمع ہے اور انبیاء علیہم السلام سب اپنی دعوت میں متحد ہیں۔ پھر مجھے فرشتوں کی ایک ایسی جماعت نظر آئی جیسے وہ برف کے بنے ہوئے ہوں۔ فرشتوں کی ایک دوسری جماعت بھی تھی جو آتشیں معلوم ہوتی تھی۔

اُس خواب پر تعجب نہ کرو۔ ہو سکتا ہے اُس یہودی کا انجام بہتر حالت میں ہوا ہو اور اُس نے مرتے وقت شرک سے

پیش شاہاں در سیاست گستری
دُنیاوی عدالتوں میں خود کو بچانے کے لئے

میدہی تو مال و سر را می خری
مال خرچ کرتا ہے اور اپنے آپ کو بچا لیتا ہے

توبہ کرلی ہو۔ کسی کافر کے بارے میں بھی حتمی طور پر کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ ہوسکتا ہے کہ اُس کو آخروقت میں توبہ میسر آگئی ہو۔ یہودی کے بعد عیسائی نے اپنا خواب سنانا شروع کیا۔ عیسائی نے یہ کہہ کر کہ سب جانتے ہیں کہ آسمان کی چیزیں زمین کی چیزوں سے افضل و اعلیٰ ہیں۔ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ چوتھے آسمان پر تھا۔ اِس لیے میں حلوہ کھانے کا زیادہ مستحق ہوں۔

اُونٹ، بیل اور دُنبے نے گھاس کا ایک مُٹھا پایا اور کہا کہ جو ہم میں سب سے بُوڑھا ہے وہ کھالے

راستے پر چلتے ہوئے اونٹ، بیل اور دُنبے نے گھاس کا ایک مُٹھا پایا۔ دُنبہ بولا: اگر ہم اِس کو بانٹیں گے تو کسی کا پیٹ بھی نہیں بھرے گا اس لیے جو سب سے زیادہ عمر والا ہے وہ اِسے کھالے کیونکہ حدیث بھی ہے کہ بڑوں کو مقدم رکھو۔ کمینوں کے اس دور میں بڑوں کو دو موقعوں پر آگے کرتے ہیں یا تو جب کھانا بہت زیادہ گرم ہو کہ منہ جل جانے کا اندیشہ ہو اور یا جب کسی خطرناک پُل پر سے گزرنا ہو۔ اگر کوئی کسی بڑے کی خدمت کرتا ہے تو اُس کی تہ میں اُس کی کوئی فاسد غرض ہوتی ہے۔ اِن کمینوں کی بزرگوں کے ساتھ بھلائی کا تو یہ حال ہے، اب بُرائی کا اندازہ خود کرلو۔

خود پرستوں کا بھلائی کے پردے میں بُرائی کرنا

ایک بادشاہ جامع مسجد کو جارہا تھا۔ آگے آگے ایک نقیب لوگوں کو ہٹاتا اور مارتا جارہا تھا۔ ایک شخص کو دس بید لگے اور خون بہنے لگا۔ اُس نے بادشاہ کی طرف رُخ کیا۔ وہ ایک صاحبِ دل شخص تھا۔ اُس نے بادشاہ سے کہا کہ ظاہری ظلم تو دیکھ لے کہ بدن سے خون ٹپک رہا ہے اور دل کو جو مخفی صدمہ پہنچا ہے اُس کا تو بیان ہی نہیں ہوسکتا۔ تُو نماز پڑھنے جارہا ہے۔ اگر تیری خیر میں اس قدر شر ہے تو شر کا تو اندازہ ہی نہیں ہوسکتا۔ ایک بزرگ کسی کمینے کا سلام بھی نہیں لیتے تاکہ نتیجے میں وہ زیادہ نہ لپٹے۔ بزرگوں کو بھیڑیے سے وہ نقصان نہیں پہنچتا جو بدنفس مریدوں سے پہنچتا ہے۔ بھیڑیے میں وہ مکر و فریب نہیں ہوتا جو انسان میں ہوتا ہے۔ مالدار کا مکر دیکھو کہ وہ غریب سائل کی آواز پر مکاری سے بہرا اور اندھا بن جاتا ہے۔ دُنبے نے کہا کہ ہر ایک اپنی عمر بتائے تاکہ معلوم ہوجائے کہ ہم میں بڑا کون ہے۔ میں اُس دُنبے کے ساتھ پھرتا رہا ہوں جو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی بجائے قربان ہوا تھا۔ بیل نے کہا: میں اُس جوڑی کا بیل ہوں جس سے حضرت آدم علیہ السلام نے کھیتی کی تھی لہٰذا میری عمر دُنبے سے زیادہ ہے۔ اُونٹ نے جب دُنبے اور بیل کی یہ باتیں سنیں تو نیچے کو منہ کرکے گھاس کو منہ میں لے کر سر بلند کردیا۔ وہ بولا: مجھے اپنی تاریخ پیدائش بتانے کی ضرورت نہیں ہے

اعجمی چوں گشتہ اندر قضا	می گریزانی ز داور مال را
چونکہ اللہ کی قضا اور مرضی سے بیگانہ ہے	اس لئے تُو اپنا مال اللہ سے چھپاتا ہے

میرا جسم اور میری گردن خود بتا رہی ہے کہ میں تم دونوں سے کم عمر کا نہیں ہوں۔ ہر عقلمند جانتا ہے کہ میرا جسم تو دونوں سے بڑا ہے۔

سب جانتے ہیں کہ آسمان اپنی بلندی کی وجہ سے پست زمین سے بڑا ہے۔ آسمان میں زمین سے زیادہ عجائب ہیں لہٰذا میرا خواب یقیناً یہودی کے خواب سے بڑھا ہوا ہے۔ اب مسلمان نے کہا: اے میرے دوستو! میرے شاہ مصطفیٰ ﷺ میرے سامنے آئے۔ مجھے حضور ﷺ نے خواب میں فرمایا کہ تیرے ساتھی بہت عروج حاصل کر چکے ہیں اور تُو ٹوٹے میں رہا اس لیے تُو اس ٹوٹے کو حلوہ کھا کر پورا کر لے۔ تم لوگوں نے آسمانوں پر فرشتوں سے ملاقات کا ذکر کیا۔ میں نے حضور ﷺ کے حکم سے روٹی اور حلوہ کھا لیا ہے۔ تم خود بتاؤ اگر تمہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کوئی حکم دیں تو تم لوگ سرکشی کر سکتے ہو؟ ہرگز نہیں۔ تو میں مسلمان ہو کر حضور ﷺ کا حکم کیسے نہیں مانتا۔ تب دونوں نے جواب دیا کہ تیرا یہی خواب سچا ہے اور ہمارے سینکڑوں خوابوں سے بہتر ہے۔ یاد رکھو! انسان کو کبھی اپنی بڑائی، بہادری یا ہُنر کا مدعی نہیں ہونا چاہیے۔ انسان کے کام آنے والی چیزیں خدمت، عبادت اور اطاعت ہیں، جو کہ انسان کو اچھے اخلاق کا حامل بنانے والے ذرائع ہیں۔ اللہ نے ہمیں عبادت ہی کے لیے پیدا فرمایا ہے۔ سامری نے ہُنر مندی دکھائی اور مردُود بن گیا۔ روپیہ پیدا کرنے کے فن نے قارون کو زمین میں دھنسا دیا۔ ابوجہل نے اپنا ہُنر نبی ﷺ کے مقابلے میں استعمال کرنے کی کوشش کی اور تباہ ہوا۔ ہُنر ہم علومِ یقینیہ کو کہیں گے نہ کہ علومِ عقلیہ کو۔

عارف لوگ عقلی دلیل کو اس دلیل سے بھی گندہ سمجھتے ہیں جو دلیل طبیب قارورے کے ذریعے مریض کا مرض معلوم کرنے کے لیے استعمال کرتا ہے۔ اگر تیرے پاس عقلی دلائل کے علاوہ کچھ نہیں ہے تو پیشاب اور گندگی کو دیکھتا پھر۔ عقلی دلائل اندھے کی لاٹھی ہے جو اُس کے اندھے پن کی دلیل ہے۔ عقلی دلائل اور اُس کے مدعی راہِ حق میں ذلیل اور حقیر ہیں۔ دلائلِ عقلیہ کی شان و شوکت تو بہت ہے لیکن مدعی بالکل حقیر ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ کوئی اندھا اپنے اندھے پَن کے ثبوت کے لیے غُل غپاڑہ کرے۔

ترمذ کے بادشاہ کا مُنادی کرانا کہ کون تین دن میں ضروری کام سے سمرقند جائے اور انعام پائے

اِس قصے کا یہی خلاصہ ہے کہ مسخرے نے معمولی بات کے لیے بڑا اہتمام کیا۔ ترمذ کے بادشاہ کو یہ اشد ضرورت آن پڑی کہ سمرقند جا کر کوئی وہاں کے حالات معلوم کر کے آئے اور تین دن میں یہ کام کر دے۔ اِس مقصد کے لیے اُس نے منادی کرائی تو ایک مسخرہ ایک

زانکہ مالت بر تو گر صدقہ شود
اگر تیرا مال تجھ پر قربان ہو جاتے

آں زیانے نیست سُودِ تو بُوَد
تو یہ تیرا نقصان نہیں ہے بلکہ عین نفع ہے

گاؤں سے بڑی جلدی اور تگ و دو میں بدحال ہو کر بھاگتا ہوا بادشاہ کے دربار میں صرف یہ کہنے کے لیے آیا کہ میں اس قابل نہیں ہوں کہ اس مہم کو سَر کر سکوں۔ اِس بھاگ دوڑ میں اُس نے دو گھوڑے ہلاک کیے۔ راستے کی گرد بھی صاف نہ کی اور سیدھا بادشاہ کی عدالت میں پہنچ گیا۔ اُس کے اس قدر جلدی میں اور اس ہیئت میں دیکھ کر درباریوں میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں اور بادشاہ بھی کچھ گھبرایا۔ اُن سب کو یہ خیال تھا کہ یہ کوئی زبردست خبر لایا ہے۔ اُن افواہوں سے دربار میں مجمع لگ گیا۔ ہر شخص فتنہ وفساد کے خیال سے فکر میں مبتلا تھا۔ بادشاہ نے اسے فوراً دربار میں باریابی کی اجازت دے دی اور دریافت کیا کہ کیا احوال ہیں؟ بادشاہ یا کوئی وزیر جب بولنے لگتے تو وہ اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر چپ رہنے کا اشارہ کرتا۔ اُس کی اس حرکت سے سب کی پریشانی اور بڑھ گئی۔ اُس نے اشارے سے کہا کہ مجھے ذرا سانس لینے دیں تاکہ حواس درست کرلوں تو بولوں۔ سب نے تھوڑی دیر انتظار کیا۔

سب پریشان تھے لیکن مسخرہ چونکہ خوش طبع شخص تھا۔ اُس کی کبھی پریشانی کی حالت نہیں ہوئی تھی۔ قصے بیان کر کے اور مذاق سے بادشاہ اور دوسرے سب لوگوں کو اتنا ہنساتا کہ وہ اپنے پیٹ پکڑ لیتے۔ اب بادشاہ کو طرح طرح کے خیال آرہے تھے اور سوچ رہا تھا کہ نہ معلوم کون سی مصیبت نازل ہونے والی ہے کیونکہ بادشاہ کو سمرقند کے بادشاہ خوارزم شاہ سے بہت ڈر لگتا تھا۔ کہیں حملے کی خبر نہ ہو۔ بادشاہ نے اُس سے کہا کہ جلدی بات کر۔ تو اُس نے جواب میں کہا کہ میں نے دُور دراز گاؤں میں آپ کی منادی سُنی کہ جو شخص تین دن میں سمرقند کے حالات معلوم کر کے خبر کرے گا اُسے کثیر انعام دیا جائے گا۔ میں دوڑتا ہوا اس لیے آیا ہوں کہ آپ کو بتادوں کہ میں یہ مہم سر نہیں کر سکتا۔ مجھ میں اتنی چستی نہیں ہے کہ یہ کام کر سکوں۔ آپ مجھ سے یہ اُمید نہ رکھیں۔ جب پہاڑ کھودا اور چوہا برآمد ہوا تو بادشاہ نے کہا کہ تیری اس جلد بازی پر لعنت ہو۔ تُو نے سارے شہر کو پریشان کر ڈالا۔

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جھوٹے شیخ کی یہی حالت ہوتی ہے جو اس مسخرے کی تھی۔ وہ معمولی باتوں کے لیے اس قدر طمطراق دکھاتے ہیں۔ یہ اپنی بڑائی کے ڈھول پٹواتے ہیں کہ ہم فقر وفنا کے امام ہیں اور شیخی بگھار کر اپنے آپ کو بایزید رحمۃ اللہ علیہ ثابت کرتے ہیں۔ ایسے جھوٹے پیروں کا حال یہ ہے کہ اس طرف سے پیغامات کے ڈھیر ہیں لیکن وہاں سے ایک بھی جواب نہیں۔ اگر کوئی پوچھے کہ کوئی پیغام آیا تو کہتے ہیں انہیں سب کچھ معلوم ہے، دل سے دل کو راہ ہوتی ہے۔ یہ لوگ مقبول بارگاہ ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن مقبولیت کے کچھ بھی آثار ان میں نظر نہیں آتے۔ اگر تعلق مع اللہ کے دعوے میں کچھ صداقت ہے تو پھر اُدھر سے جواب سے کیوں محروم ہیں۔ خدا سے تعلق کے بہت سے باطنی

زشتہائے خلق بہر خوبی است
لوگوں کا برا سلوک تیرے لئے فائدہ مند ہے

برگِ بے برگی نشانِ طوبیٰ است
انسان کی بے سروسامانی عمدہ حالت کا پیش خیمہ ہوتی ہے

آثار ہیں جن کو بیان کرنا مناسب نہیں ہے۔

اُس مسخرے نے خواہ مخواہ اپنے آپ پر بلا نازل کی۔ بادشاہ نے اُسے جیل بھجوا دینا چاہا۔ وزیر نے کہا کہ اُسے یہاں کوئی اور کام تھا جس کی وجہ سے یہ بھاگا آیا ہے۔ اب کام سے اُس کی رائے بدل گئی ہے۔ اُس کا اصل مقصد یہ خبر دینا نہیں تھا۔ یہ اصل مقصد کو چھپا رہا ہے۔ پستہ اور اخروٹ میں سے اصل حقیقت تب ظاہر ہوتی ہے جب اُسے شکنجہ میں دبایا جائے۔ اِس کی باتوں پر نہ جائیں اِس کی ظاہری علامتوں پر نگاہ رکھیں۔ اللہ نے بھی نیکی اور بدی کے ظاہری نشان کی جانب اشارہ فرمایا ہے۔ اُس نے جب وزیر کی یہ گفتگو سنی تو بولا: اے وزیر! تُو میرے خون کے درپے نہ ہو۔ میرے اوپر تیری یہ بدگمانی ہے، جو گناہ ہے۔ شاہ تو مخالفوں پر بھی ظلم نہیں کرتا تو دوستوں پر کیسے کرے گا۔ ظلم خود بُری چیز ہے لیکن فقیر پر تو اور بھی بُرا ہے۔

بادشاہ وزیر کی گفتگو سے مسخرے کے مکر کو سمجھ گیا۔ اُس نے اسے جیل بھیجنے کا حکم دیا۔ ڈھول جب پٹتا ہے تو دوسروں کو خبر پہنچاتا ہے۔ ڈھول میں دونوں باتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس میں صرف ہوا بھری ہے اور دوسرے اس میں کوئی دوسرا جسم بھی نہیں ہے یعنی وہ خالی بھی ہے اور بھرا ہوا بھی ہے۔ جب یہ ڈھول پٹے گا تو سچی بات کہہ دے گا جس سے ہمارا دل مطمئن ہو جائے گا۔ سچ بات سے ہمیشہ دل مطمئن ہو جاتے ہیں۔ جھوٹی باتیں دل کو مطمئن نہیں کرتیں۔ جھوٹ دل میں اس طرح کھٹکتا ہے جیسے ایک تنکا منہ میں۔ تنکا جب تک منہ میں رہے گا زبان اسے اِدھر اُدھر گھماتی رہے گی۔ اگر تنکا آنکھ میں گر جائے تو آنکھ میں پانی بھر آتا ہے اور آنکھ کھلتی اور بند ہوتی رہتی ہیں۔ ہم بھی اسے ماریں گے تاکہ یہ تنکا منہ اور آنکھ سے دُور ہو جائے۔

مسخرا بولا: اے شاہ! سزا کے حکم میں جلدی نہ کریں۔ آپ کے حلم اور مغفرت کے یہ بات منافی ہے۔ آپ کی جلدی کی کوئی وجہ بھی نہیں ہے۔ میں آپ کے قبضے میں ہوں۔ جو شخص خدا کے لیے سزا دیتا ہے اُسے جلد بازی مناسب نہیں۔ جو سزا خدا کے لیے نہیں بلکہ اپنی ذات کی وجہ سے دیتا ہے وہ جلد بازی کرتا ہے تاکہ رضامندی رکاوٹ نہ بن جائے۔ اُسے ڈر ہوتا ہے کہ اگر رضامندی آجائے گی تو سزا کا مزہ جاتا رہے گا۔ جس کی بھوک جھوٹی ہوتی ہے وہ جلد کھانا کھانے کی کوشش کرتا ہے کہ کہیں بھوک نہ جاتی رہے۔ اگر سچی بھوک ہو تو کھانے میں تاخیر بہتر ہوتی ہے۔ تاکہ بھوک اور تیز ہو اور کھانا بغیر کسی ناگواری کے ہضم ہو جائے۔ آپ مجھے اس لیے مارنا چاہتے ہیں کہ آپ کے ذہن میں یہ ہے کہ مجھے کوئی خوفناک بات معلوم ہے اور وہ میں نہیں بتا رہا ہوں۔ اگر بتا دوں گا تو آپ تدبیر کرلیں گے اور مصیبت کے آنے

جنگہائے خلق بہرِ آشتی ست
خلق کا بُرا سلوک تمہارے لئے راحت کا باعث ہے

دامِ راحت دائماً بے راحتی ست
موجودہ پریشانی مستقبل کی دائمی راحت کا موجب ہو گی

کے راستے کو بند کر دیں گے لیکن آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ مصیبت کے آنے کا کوئی ایک راستہ نہیں ہے۔ اگر آپ ایک راستہ بند کر دیں گے اور یہ مصیبت مقدر میں ہے تو دوسرے راستے سے آجائے گی۔ مصیبت ٹالنے کی یہ ترکیب نہیں ہے کہ مجھے مار دیا جائے بلکہ اصل ترکیب یہ ہے کہ لوگوں کے ساتھ عفو وکرم اور احسان کے ساتھ معاملہ کیا جائے۔

آنحضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ صدقہ مصیبت کو دفع کرتا ہے تو اصل مرض کا علاج صدقہ ہے۔ صدقہ کی یہ کوئی صورت نہیں کہ آپ مجھ درویش کو پٹوائیں اور اپنی بُردباری کی آنکھ کو بند کرلیں۔ بادشاہ نے کہا کہ بھلائی اچھی چیز ہے۔ لیکن جب باموقع ہو۔ بے موقع بھلائی تو تباہی ہے۔ شرع نے جزا اور سزا کا حکم دیا ہے اور دونوں چیزیں اپنی اپنی جگہ ٹھیک ہیں۔ شاہ کے لیے صدرِ مجلس اور گھوڑے کے لیے دروازہ بہتر جگہ ہے۔ عدل کسی چیز کو اُس کے اصل مقام پر رکھنے کا نام ہے۔ کسی چیز کو بے موقع رکھنا ظلم ہے۔ پانی درختوں کو دینا عدل ہے، کانٹے کو پانی دینا ظلم ہے۔ اگر ہر جگہ جزا ضروری اور مناسب ہو تو پھر سزا کا پیدا کرنا عبث ہے۔ کوئی چیز بھی نہ مطلقاً خیر ہے اور نہ مطلقاً شر۔ خیر کو اگر بے موقع استعمال کیا جائے گا تو شر بن جائے گا اور شر کو باموقع استعمال کیا جائے تو خیر ہے۔ نفع اور نقصان کا مقام جُداگانہ ہے۔

علم کی ضرورت اور فائدہ یہی ہے کہ اس سے انسان کو صحیح جگہ معلوم ہو جاتی ہے۔ کسی فقیر کے طمانچہ مار دینے میں بعض اوقات وہ اجر حاصل ہوتا ہے جو اُسے روٹی اور حلوہ کھلانے سے بھی نہیں ملتا۔ حلوہ تو اُس میں گرمی اور صفرے کا اضافہ کر دے گا اور طمانچہ بعض اوقات باطنی خباثت کو دُور کرے گا۔ اگر کوئی مسکین ایسی حرکت کر رہا ہو کہ اُس کی گردن ماری جانے کا اندیشہ ہو تو اُسے طمانچہ مار کر روک دینا چاہیے۔ تُو اگر کسی بدعادت مسکین کو طمانچہ مارتا ہے تو مسکین کو نہیں مارتا بلکہ اُس بدعادت کو مارتا ہے۔ کمبل پر اگر گرد چڑھی ہو تو لکڑی سے گرد کو مارتا ہے، کمبل کو نہیں مارتا۔ بادشاہوں کے یہاں محفلِ نشاط بھی ہوتی ہے اور جیل خانہ بھی۔ محفل، مخلص دوستوں کے لیے اور جیل خانہ ناقصوں کے لیے۔ جو پھوڑا نشتر چاہتا ہے تُو اگر اُس پر مرہم رکھے گا تو پھوڑے کے پیپ اور میل کو جما دے گا۔ اس سے تو اور زیادہ نقصان ہو جائے گا۔

مسخرہ بولا: میرا یہ مطلب نہیں ہے کہ مجھے چھوڑ دیا جائے۔ بلکہ مقصد یہ ہے کہ پوری تحقیق کر کے عمل کیجیے۔ صبر اور بُردباری کا دروازہ بند نہ کیجیے۔ چند دن اس معاملے پر غور کر کے کسی نتیجے پر پہنچیے۔ تحمل کے نتیجے میں انسان کو معاملے کا یقین حاصل ہو جاتا ہے پھر اگر سزا بھی دینی ہے تو جرم کے یقین پر دے لیں۔ جب سیدھے کھڑا ہو کر چلنا ممکن ہو تو پھر اوندھے منہ لیٹ کر نہ چلنا چاہیے۔ سزا کے لیے بھی درست طریقہ یہی ہے کہ جرم کا یقین کر لیا جائے پھر کسی رائے پر پہنچیے

اندراں ویراں کہ آں معروف نیست
حق تعالیٰ اپنی محبت کی دولت ٹوٹے ہوئے دلوں میں رکھتا ہے

از برائے حفظِ گنجینہ زر است
جیسے سونے کو ویران گھروں پر چھپانے کیلئے دفن کرتے ہیں

کے لیے نیکوں سے مشورہ بھی کر لینا چاہیے۔ آنحضور ﷺ کو حکم تھا کہ وہ مشورہ کر لیا کریں۔ صحابہ ﷺ کے لیے فرمایا گیا کہ اُن کا ہر کام مشورہ سے ہوتا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ مشیروں میں سے کوئی ایسا بھی ہو جسے آسمان سے فیض حاصل ہوتا ہو۔ اللہ نے مسلمانوں کو زمین میں چلنے پھرنے کا حکم دیا کہ روزی تلاش کریں لیکن اسی طرح چلنے پھرنے میں کوئی صاحبِ باطن بھی مل جاتا ہے جو نورانی عقل رکھتا ہے۔ مختلف مجلسوں میں جا کر ایسے صاحبِ عقل کو تلاش کر جسے حضور ﷺ کی میراث پہنچی ہو۔

حدیث ہے کہ علماء، انبیاء ﷺ کے وارث ہیں۔ جسے حضور ﷺ کا علم ورثہ میں ملا ہو گا اُس کا علم صرف ظاہر کو محیط نہ ہو گا بلکہ باطن اور غائب کو بھی محیط ہو گا۔ رہبانیت اور خلوت کو اِسی وجہ سے پسند نہیں کیا گیا کہ انسان ہمیشہ کے لیے کسی صاحبِ نظر سے محروم ہو جاتا ہے۔ نیک لوگوں میں کوئی ایسا بھی مقبول بارگاہ ہوتا ہے جس کی سند پر شاہ کی جانب سے "صحیح" لکھا جاتا ہے۔ یہ علامت اس بات کی وضاحت کرتی ہے کہ اس فرمان میں جو حکم ہے وہ بالکل صحیح اور درست ہے اور اللہ نے اُس دُعا کو قبول فرما لیا ہے اور عنداللہ مقبول اور بخشا بخشایا ہے۔ یہ بزرگ اس قدر اللہ کا مقبول ہوتا ہے کہ اس سے اختلاف کی گنجائش ہی نہیں ہوتی اور اس کے مخالف کی ہر دلیل اللہ کے نزدیک لچر اور کمزور ہوتی ہے۔ اللہ فرما دیتا ہے کہ جب ہم نے اُسے مقبول بنا لیا ہے تو اُس سے کسی کو اختلاف کرنے کا کوئی موقع نہیں ہے۔ اُس کی بات نہ ماننا ایسا ہی ہے کہ قبلہ آنکھوں کے سامنے ہو اور انسان اَٹکل سے قبلہ متعین کریں۔ ایسے صاحبِ عقل کو اپنا قبلہ بنا لے اور سمجھ لے کہ اگر تُو نے اُس سے غفلت کی تو باطل قبلہ کا غلام بن جائے گا۔ اِس قبلہ کی قدر نہیں کرے گا تو وہ نظر بھی تجھ سے چھن جائے گی جس سے تُو قبلہ پہچانتا۔ اگر تُو نیکی اور اُس کے رزق کا طالب ہے تو ایسے ہمدردوں سے تھوڑی دیر کے لیے بھی قطع نظر نہ کر کیونکہ اچھے ساتھی کو چھوڑنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کوئی بُرا ساتھی ملتا ہے۔

چُوہے اور مینڈک کی دوستی

ایک چوہا اور مینڈک آپس میں دوست بن گئے۔ دونوں صبح کے وقت ملتے اور دل چسپی کی باتیں کرتے۔ دل سے گفتگو کا جوش اُٹھنا دوستی کی علامت ہے اور اگر اُلفت نہ ہو تو زبان بات کرنے سے رُکتی ہے۔ جب عاشق محبوب کو دل کی نگاہ سے دیکھ لیتا ہے تو اُس کا انقباض ختم ہو جاتا ہے اور دل بھر کر باتیں کرتا ہے۔ بُلبل پھول کو دیکھ کر خوب چہکتی ہے۔ عاشق ایک بھنی ہوئی مچھلی ہوتا ہے اور معشوق آبِ حیات۔ جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور خضر علیہ السلام کی ملاقات ہوئی وہاں آبِ حیات کا چشمہ تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بھنی ہوئی مچھلی اُس سے زندہ ہو گئی۔ مرید جب شیخ کے سامنے بیٹھتا ہے تو شیخ کے قلب کے اسرار

اُس پر منعکس ہوتے ہیں۔ شیخ راہِ سلوک کا ہادی ہے، جس کو دیکھ کر مقصد تک پہنچ سکتے ہیں۔ حضور ﷺ نے اصحاب کو ستارے قرار دیا جن سے رہنمائی ملتی ہے۔ اس لیے مرید کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی نظر شیخ پر جمائے رکھے۔ بحث اور گفتگو تو محض غبار کا اُڑانا ہے۔ شیخ کے دیدار کی کوشش کر۔ بحث و مباحثہ میں اکثر زبان لغزش کھا جاتی ہے۔ شیخ کی زیارت زیادہ نفع دینے والی چیز ہے تاکہ وہ ذات جس کا براہِ راست وحی شعار ہے جیسے انبیاء علیہم السلام یا وہ جن کا وحی سے بالواسطہ تعلق ہے جیسے اولیاء رحمہم اللہ سے خود بات کرے، اُس سے شکوک و شبہات کی گرد بیٹھ جاتی ہے اور غبار اُس ستارے کو نہیں چھپاتا ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام وحی کے مظہر بنے تو اُن کو خود بخود تمام چیزوں کے نام یاد ہوگئے۔ وہ لوحِ دل سے پڑھ کر ہر چیز کا نام، اُس کی خاصیت اور ماہیت بتا دیتے تھے۔ وہ بزدل کو شیر نہیں کہتے تھے۔ اصل بات جانتے تھے۔ حضرت نوح علیہ السلام نو سو سال وعظ فرماتے رہے اور ہر روز نیا وعظ ہوتا۔ اُن کا وعظ اُس خدائی شراب سے حاصل ہوتا تھا جس کو پینے سے گونگا بھی فصیح بن جاتا ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام بچپن ہی میں بولے: "میں خدا کا بندہ ہوں اُس نے مجھے کتاب دی ہے"۔ حضرت داوٗد علیہ السلام نے جب وہ شراب پی تو شیریں کلام کرنے لگے۔ پرندے بھی اُن سے مست ہو کر نغمے میں شریک ہو جاتے۔ پرندے تو جاندار ہیں لوہا تک اُن سے متاثر ہوتا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے وہ شراب پی تو ہوا اُن کی خدمت گار بن گئی حالانکہ اُسی ہوا نے قوم عاد کو تباہ کر دیا تھا۔ وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا تخت سر پر لادے پھرتی تھی۔

چوہے اور مینڈک نے ایک تجویز کی کہ جب چوہا دریا کے کنارے پہنچے تو مینڈک کو پانی میں اُس کی خبر ہو جائے، اور اگر مینڈک چوہے کے سوراخ پر پہنچے تو اُس کو خبر ہو جائے۔ چوہے نے مینڈک سے کہا بعض اوقات جی چاہتا ہے کہ تمہارے ساتھ کوئی راز کی بات کروں لیکن تُو دریا میں ہوتا ہے اور میں کنارے پر کھڑا تجھے آوازیں دیتا رہتا ہوں۔ نماز میں اللہ سے پانچ وقت باتیں کی جاتی ہیں۔ یہ مقررہ وقت تو عوام کے لیے ہیں لیکن عاشقانِ خدا تو ہر وقت نماز یعنی خدا سے گفتگو میں لگے رہتے ہیں۔ صرف پانچ وقت کی ملاقات سے اُن کا جی نہیں بھرتا اس لیے کہ اُن کے دلوں میں تو لاکھوں راز ہیں جو وہ اللہ سے کہنا چاہتے ہیں۔ عاشقوں کی جان بہت پیاسی ہے اُس کو سیری کے لیے ہر وقت کی ملاقات درکار ہے۔ مچھلی سے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ تُو ایک دن چھوڑ کر دریا سے مل لیا کر۔ وہ تو تھوڑی دیر بھی پانی کی جدائی برداشت نہیں کرسکتی۔

عاشق کا ہجر کا ایک لمحہ بھی سال کے برابر ہے اور مسلسل ایک سال کا وصال بھی محض ناپائیدار خیال کی طرح ہے۔

صُوفیا خوش پہن بگشا گوشِ جاں	باتو قُل ما شِئت خواہم گفت ہاں
اے صُوفی! اپنی جان کے کان کھول کر سُن	مَیں تجھے ایک حکمت بتاؤں گا، سُن لے

معشوق بھی عاشق کا پیاسا ہوتا ہے اور اُس کا طلبگار رہے۔ عاشق اور معشوق کا حال ایسا ہی ہے جیسے دن اور رات کا کہ ایک دوسرے پر عاشق ہیں۔ ہر وقت ایک کو دوسرے کی تلاش رہتی ہے۔ اُنہوں نے ایک دوسرے کے پاؤں پکڑ رکھے ہیں اور ایک دوسرے پر مدہوش ہیں۔ معشوق کے دل میں عاشق کے تصور کا غلبہ ہے۔ عاشق اور معشوق میں اتحاد ہے۔ اگر عاشق سے یہ کہا جائے کہ تُو معشوق کی کبھی کبھی زیارت کر تو گویا یہ صورت ہے کہ اُس سے کہا جا رہا ہے کہ تُو اپنی گاہے گاہے زیارت کیا کر۔ محبّ اور محبوبِ حقیقی کا اتحاد عقلی نہیں ہے۔ یہ مرنے کے بعد سمجھ میں آتا ہے۔ اِس دنیا میں بھی صرف وہی شخص اِس کو سمجھ سکتا ہے جس نے مقامِ فنا حاصل کر لیا ہو۔ اگر نظری عقل سے یہ اتحاد سمجھ میں آسکتا تو اللہ انسانوں کو مجاہدہ کا حکم نہ دیتا۔ وہ رؤف و رحیم ہے، بلا وجہ کسی کو مشقت میں مبتلا نہیں کرتا۔ مجاہدوں کے بعد ہی یہ ذوق پیدا ہوتا ہے کہ اِس اتحاد کو سمجھا جا سکے۔

محبت کرنے والوں کی طرح چوہے نے مینڈک کی خوشامدیں کرنی شروع کر دیں کہ میں تیرے وصل کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ تیری مروت کا تقاضہ ہے کہ مقررہ وقت کے علاوہ بھی بلا لیا کرے۔ تیری محبت کی پیاس کی وجہ سے میں بے چین ہوں۔ تُو میرے عشق سے بے نیاز ہے ورنہ تُو بھی خود بکثرت ملاقات کی کوئی تدبیر سوچتا۔ تُو عشق کے معاملے میں امیر ہے اور حُسن سے مالا مال ہے۔ اپنے رُتبے کی کچھ خیرات مجھے دے اور مجھ پر عنایت کی نظر رکھ۔ میں نالائق اور بے ادب ہوں لیکن تیری مہربانیاں صرف لائقوں ہی کے لیے نہیں۔ سورج کا فیض عام ہوتا ہے۔ اُس کی دھوپ اگر نجاست پر پڑتی ہے تو سورج کا کوئی نقصان نہیں ہوتا بلکہ وہ نجاست کھاد بن کر کارآمد بن جاتی ہے۔ گوبر سوکھ کر بھٹی جلانے کے کام آ جاتا ہے۔ وہ پہلے آلائش تھا پھر آرائش بن گیا اور مٹی میں مل کر نباتات پیدا کرنے کا سبب بنے گا۔ جس طرح سورج نے نجاست کو دور کر دیا اسی طرح اللہ تعالیٰ برائیوں کو مٹا دیتا ہے۔ اور ایک مرتبہ یہ بھی ہے کہ وہ بُرائیوں کو بھلائیوں میں تبدیل کر دیتا ہے۔ جب اللہ کا گنہگاروں کے ساتھ یہ معاملہ ہے کہ اُن کی نجاست (گناہ) سے پھول بوٹے (نیکیاں) اُگ پڑے ہیں تو پھولوں (نیکیوں) پر جو اثرات مرتب ہوں گے اُن کو وہی ذات جانتی ہے یعنی لوگوں کو جنت کی وہ نعمتیں ملیں گی جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ اُن کا تصور کیا جا سکتا ہے۔ وہ زبان و بیان میں نہیں سما سکتیں۔ ہم تو اُن نعمتوں کا بیان نہیں کر سکتے، لیکن اے محبوب! آپ خود بیان کر دیجئے اور اپنے حُسنِ خلق سے اُن میں سے کچھ عطا بھی فرما دیجئے۔ ہمارے اندر تو زہر ہی زہر ہے ہم بُرے ہیں۔ ہماری سب عادتیں بُری ہیں ہم پھول کیسے بن جائیں۔ اے بہاریں عطا کرنے والے! اِن کانٹوں کو پھولوں کا حُسن عطا فرما دے۔ ہم بُرائی کی انتہا پر ہیں لیکن تیری مہربانی کرم کی

مُنتظرمی باش خلعت بعد ازاں اُس کے بعد وہاں سے کسی انعام کا مُنتظر رہ	مرترا ہر رنج کاید ز آسماں جو تکلیف بھی تجھیں آسمان کی طرف سے پہنچے

انتہا پر ہے۔ ہم جیسے انتہا درجے کے گنہگاروں کو تیرا انتہائی فضل درکار ہے۔ چوہے نے مینڈک سے کہا: میری زندگی میں تُو بے نیازی برت رہا ہے لیکن میرے مرنے کے بعد تُو روئے گا۔ اے میرے محبوب! میرے مرنے کے بعد مجھ پر جو مہربانیاں تُو کرے گا اُن میں سے تھوڑی سی ابھی کردے اور جو باتیں میری قبر سے کرے گا وہ میرے ساتھ ابھی کردے اور مجھے غم میں خوش کردے۔ اُدھار سے نقد بہتر ہوتا ہے جو کچھ کرنا ہے ابھی کردے۔

اب قصہ سنو جس کا سبق ہے کہ اُدھار سے نقد بہتر ہے۔ چوہے کا مینڈک کی خوشامد کرنا کہ بہانہ نہ سوچ اور میری ضرورت کے پورے کرنے کو اُدھار میں نہ ڈال کیونکہ تاخیر میں مصیبتیں ہیں۔ صوفی ابن الوقت ہے اور بیٹا باپ کے دامن سے ہاتھ نہیں ہٹاتا ہے اور صوفی کا مہربان باپ جو کہ وقت ہے اُس کی نگہداشت کرتا ہے، آئندہ کے لیے محتاج نہیں بناتا۔ اُس کو اپنے احسانات کی چراگاہ میں اس قدر مصروف رکھتا ہے کہ وہ عوام کی طرح آنے والے زمانے کا منتظر نہیں ہوتا۔ وہ نہ دہری ہوتا ہے نہ قدری۔ نہ منع کرنے والا ہوتا ہے نہ زمانے سے سازباز کرنے والا کیونکہ اللہ کے یہاں نہ صبح ہے نہ شام۔ آنے والا، گزرا ہوا زمانہ، ازل اور ابد وہاں نہیں ہے۔ وہاں آدم پہلے اور دجال بعد میں نہیں ہوتا کیونکہ یہ تمام باتیں ہماری جزوی عقل کے دائرہ میں ہیں اور عالم لامکان ولازمان میں حیوانی رُوح کے لیے یہ رسمیں نہیں ہیں۔ تُو وہ ابن الوقت ہے کہ اس سے تجھے زمانوں کے تفرقہ کے سوا کچھ سمجھ نہیں آتا۔ جس طرح اللہ تعالیٰ ایک ہے' سمجھ میں آتا ہے اور دُوئی کی نفی کر کہ یہ واحدی حقیقت ہے۔

چاندی بخشنے والے ایک شخص نے ایک صوفی سے کہا کہ کیا وہ آج ایک درہم لینا پسند کرتا ہے یا کل تین درہم۔ صوفی نے جواب دیا آج کے ایک درہم کی بجائے کل کو میں تین درہم تو کیا سو درہم بھی پسند نہیں کرتا۔ نقد تو ایسی چیز ہے کہ اس کا چپت بھی اودھار کی عطا سے اچھا ہے۔ خصوصاً تیرا چپت تو بہت ہی بہتر ہے کیونکہ میری گدی تیرے چپت کی عاشق ہے۔ جب نقد بہرحال بہتر ہے تو تُو ابھی آجا۔ میں رات کا مسافر ہوں اور تیرا چہرہ چاند ہے۔ چاند کو رات کے مسافر سے چھپانا مناسب نہیں ہے۔ میں نہر ہوں، تُو آبِ رواں ہے، پانی کو نہر میں آنا چاہیے۔ پانی پہنچنے سے نہر کے کنارے مسکرا پڑتے ہیں اور اُن پر پھول بوٹے نمودار ہو جاتے ہیں۔ اے مخاطب! جب تُو نہر کے کنارے سبزہ دیکھے تو دُور سے سمجھ لے کہ نہر میں پانی ہے یعنی کسی شخص کے انوار و برکات کے متعلق دیکھ کر اُس کے صاحبِ نسبت ہونے کو سمجھ لے۔ نیکی کے آثار پیشانی پر ہوتے ہیں۔ یہ اسی لیے کہ سبزہ زار اشارہ کرتا ہے کہ وہاں پانی ہے۔ اگر رات میں بارش ہوتی ہے تو بارش کو کوئی نہیں دیکھتا لیکن صبح کو سبزے پر تازگی دیکھتے ہی سمجھ جاتے ہیں کہ رات بارش ہوئی ہے۔ ہم پھر چوہے

اے بسا مُرغے ز معدہ و ز مغص
بعض دفعہ پرندہ اپنے معدے کی خواہش کی وجہ سے لالچ میں

بر کنارِ بام محبوسِ قفص
کسی بالاخانے کے کنارے پنجرے کا قیدی بن جاتا ہے

اور مینڈک کی کہانی کی طرف مڑتے ہیں۔
چوہے نے مینڈک سے کہا: اگرچہ میں خاکی ہوں اور تُو آبی ہے، اِس لیے میں تیرا ہم جنس نہیں ہوں لیکن تو شاہِ رحمت ہے اور عطا کی طرف منسوب ہے اور عطا کے لیے ہم جنس ہونا ضروری نہیں۔ مجھے ایسے موقع دے دے کہ وقت بے وقت تجھ سے مل لیا کروں۔ میں نہر کے کنارے پر آ کر آپ کو پکارتا ہوں لیکن آپ جواب نہیں دیتے۔ میں خاکی ہوں اِس لیے پانی میں نہیں آ سکتا۔ کوئی ایسی علامت مقرر کر دے کہ میری آواز آپ تک پہنچ جایا کرے۔ اُن میں یہ طے ہو گیا کہ ایک ڈورا ہو جس کا ایک سرا چوہے کے پاؤں میں اور دوسرا مینڈک کے پاؤں میں بندھا ہو۔ جب ملنے کی ضرورت ہو تو ڈورے کو کھینچ لیا جائے تاکہ دوسرے کو پتہ چل جائے کہ وہ بلا رہا ہے۔
یاد رکھو! جسم کا تعلق رُوح کے پاؤں کا ڈورا ہے جو رُوح کو آسمان سے کھینچ لاتا ہے۔ رُوح کا مینڈک نیند کی حالت میں جسم کے چوہے سے رہائی پا کر خوشی محسوس کرتا ہے۔ جسم کا چوہا پھر اُسے کھینچ لاتا ہے۔ اگر جسم کا چوہا رُوح کے مینڈک سے وابستہ نہ ہوتا تو رُوح کا مینڈک ہمیشہ پانی میں رہتا اور عیش کرتا۔ جسم اور رُوح کا یہ تو دنیاوی زندگی میں حال ہے۔ قیامت میں جب پھر رُوح جسم سے وابستہ ہو گی تو اُس کے اَحوال اللہ تعالیٰ سے سُن لینا۔ مینڈک کو یہ بات ناگوار گزری کہ یہ چوہا مجھے پھانسنا چاہتا ہے۔ روشن ضمیر انسان کو جو بات ناگوار ہوتی ہے وہ یقیناً کسی مصیبت کا پیش خیمہ ہوتی ہے۔ مومن کی یہ فراست اللہ کی صفت ہے، جو مومن کے دل کے نور نے اللہ تعالیٰ کے علم سے حاصل کی ہے۔ آنے والی مصیبت کو مومن کا دل تاڑ لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بعض اوقات یہ بات جانور کے دل میں بھی پیدا کر دیتا ہے۔ ابرہہ جب ہاتھی لے کر خانہ کعبہ کو ڈھانے چلا تو وہ ہاتھی آنے والی مصیبت کو تاڑ گیا، اُس کا قدم کعبہ کی طرف نہ اُٹھتا تھا۔ جب اُس ہاتھی کا رُخ یمن کی طرف کیا جاتا تو دوڑنے لگتا۔ جب ہاتھی کا یہ حال ہے تو سمجھ لو کہ جس ولی پر قلبی واردات ہوں اُس کا حال کیا ہو گا۔
حضرت یعقوب علیہ السلام، حضرت یوسف علیہ السلام کی خفیہ بات کو تاڑ گئے تھے۔ جب بھائیوں نے کہا کہ آپ علیہ السلام ہمیں امین کیوں نہیں سمجھتے؟ ہم تو اس کی حفاظت کریں گے، تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا: یوسف علیہ السلام کو جدا کرنے سے مجھے تکلیف محسوس ہوتی ہے۔ یہ میرا دل کبھی صحیح بات سے تکلیف محسوس نہیں کرتا۔ اس کو اللہ تعالیٰ کے نور سے روشنی حاصل ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کو قلبی احساس سے پورا یقین ہو گیا تھا کہ بھائیوں کی بات میں فساد مخفی ہے لیکن اس کے باوجود قضاءِ خداوندی میں چونکہ ایسا ہی ہونا تھا، لہٰذا وہ راضی ہو گئے۔ اُنہوں نے دل کی بات سے درگزر کر دی چونکہ اس

اے بسا حاجی بحج رفتہ بعشق
بسا اوقات حج کے عشق میں گیا ہوا حاجی

وقت باز آمد شدہ او یارِ فسق
واپسی پر فسق و فجور کا ساتھی بن جاتا ہے

معاملہ میں اللہ کی طرف سے ایک حکمت پوشیدہ تھی۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کو نورِ دل حاصل تھا لیکن پھر بھی وہ فریب میں آ گئے۔ یہ بڑی عجیب بات ہے کہ اگر کوئی دل کا اندھا فریب کھا جاتا تو تعجب نہ ہوتا۔

قضاءِ خداوندی کے بھی عجیب تصرفات ہیں وہ بینا کو بھی نابینا بنا دیتی ہے۔ اور خدا کی مشیت اُس آنکھ کا پردہ بن جاتی ہے۔ جب تقدیرِ خداوندی کسی کام میں آڑے آتی ہے تو انسان یقینی بات میں تذبذب میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ دل کا پختہ ارادہ نرم پڑ جاتا ہے۔ گویا دل اپنے ارادے کے خلاف قضاء کے فیصلے پر راضی ہو جاتا ہے۔ وہ دل اپنے ارادہ سے اپنے آپ کو غافل بنا لیتا ہے اور باگ قضاء کے ہاتھ میں چھوڑ دیتا ہے۔ اگر کوئی باطنی نور والا اپنے احساس کے خلاف سے مغلوب ہو جاتا ہے تو وہ دراصل مغلوبیت نہیں ہے بلکہ قدرت کی جانب سے آزمائش ہے کہ اپنے ارادے کے خلاف ہر قضاء سے وہ راضی ہے یا نہیں؟ قضاء کی وجہ سے جب وہ بلا میں پھنستا ہے اور اس پر رضا کا اظہار کرتا ہے تو سینکڑوں مصیبتوں سے نجات پا جاتا ہے اور اُس کا ایسا کرنا اُس کو بلندیوں پر لے جاتا ہے۔ یہ دلیری میں ناقص تھا، اب جبکہ آزمائش میں کامیاب ہو گیا تو سینکڑوں فاسد خیالات سے نجات پا جاتا ہے۔ اُس کامیابی کے نتیجے میں وہ پختہ اور اُستاد بن جاتا ہے اور دنیا کے وسوسوں سے آزاد ہو جاتا ہے۔ غیر اللہ سے نجات پا کر وہ توحید کے مقام پر پہنچ جاتا ہے اور اب اُس کو ایک خاص مقام حاصل ہو جاتا ہے۔ عام لوگ غیرِ حق کے وجود کو اہم سمجھتے ہیں۔ قضاء وقدر کے لامحدود سمندر کے مقابلے میں انسان کا ہنر و احساس کیا کر سکتا ہے؟

عالمِ شہود میں جو کچھ نظر آتا ہے وہ اسی عالمِ غیب سے آیا ہے۔ اس عالم میں ایک نئی چیز آ کر پرانی چیز کی جگہ لے لیتی ہے۔ یہ سمجھ لو کہ عالمِ شہادت اور عالمِ غیب کے درمیان ایک بڑی کھلی سڑک ہے جس پر ہر وقت آمد و رفت ہے۔ ہمیں محسوس نہیں ہوتا ورنہ عمر کا جو دن گزر رہا ہے ہم اُس میں عالمِ آخرت کی طرف چل رہے ہیں۔ انسان جو کاروبار کرتا ہے اور نفع کمانے کی کوشش کرتا ہے وہ کسی وقتی ضرورت کے تحت نہیں کرتا بلکہ آئندہ کی بنا پر کاروبار کرتا ہے۔ تُو بھی اپنی عمر کے مال کی تجارت آخرت کے پیشِ نظر صرف کر۔ صحیح مسافر وہی ہوتا ہے جس کی نظر منزل پر ہو۔ جس طرح خارجی موجودات کا سلسلہ ہے، یہی صورت ذہنی موجودات کی ہے۔ مضامین اور خیالات عالمِ غیب سے دل میں آتے ہیں۔ اُن خیالات کا پے در پے آنا بتاتا ہے کہ وہ سب ایک جگہ سے آ رہے ہیں اور اُن کا مخزن ایک ہے۔ جس طرح پیاسے پانی کی طرف دوڑ کر آتے ہیں اسی طرح خیالات دل میں آتے ہیں اور اپنی پیاس بجھا کر واپس ہوتے ہیں۔ کچھ نمایاں رہتے ہیں کچھ بالکل پوشیدہ ہو جاتے ہیں۔ جس طرح ستارے آسمان میں گردش کرتے ہیں اسی طرح خیالات دل کے

بار کُن بیگارِ غم را بَر تنت
اگر غمِ دُنیا آئے تو اپنے جسم پر برداشت کر

بر دل و جاں کم نہ آنجاں کندنت
اپنے دل اور جان کو اُس مصیبت سے بچا کر رکھ

آسمان میں گردش کرتے ہیں۔

جس طرح نجومی بعض ستاروں کو سعد اور بعض کو نحس سمجھتے ہیں اِسی طرح خیالات کو بھی سمجھ۔ اچھا خیال ہو تو اُس سے دوسروں کو بھی فائدہ پہنچتا ہے۔ اور بُرا خیال آئے تو صدقہ کر اور توبہ کر۔ فاسد خیالات سے بچنے کا علاج ہم نے صدقہ و اِستغفار بتایا لیکن دراصل اُن سے محفوظ رکھنا فضلِ خداوندی کا کام ہے۔ دُعا کرنی چاہیے کہ یا الٰہی! میرے منحوس حالات کو تبدیل کر دیجئے اور اس نحس کو گھما دیجئے تا کہ سعد طلوع کر آئے۔ نیکیوں کے نور سے رُوح کو روشن کر دیجئے۔ وہ گناہوں کے اثرات سے کالی پڑ گئی ہے، میری رُوح کو معاصی کے خیالات سے نجات دے دیجئے۔ آپ کی مہربانی سے میرے دل میں پَر پرواز پیدا ہو جائے گا اور یہ دنیاوی دھندوں سے نجات حاصل کر سکے گا۔ آپ نے تو خود قرآن میں فرمایا ہے کہ ''اور خدا سے زیادہ کون اپنے عہد کو پورا کرنے والا ہے۔''

عزیزِ مصر کے خواب میں حضرت یوسف علیہ السلام کی رہائی کی بشارت تھی۔ جب تُو احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے تو خود کیوں احسان نہیں کرے گا۔ میرے گناہ میری نیکیوں کو نگل رہے ہیں۔ مجھ میں نیکیوں کا قحط ہے اس کو جائزہ رکھ۔ یا تو میری زاری سن کر مجھ پر رحم کر دیجئے یا میرا شیخ جو میرے لیے دُعا کرتا ہے اُس کی دعاؤں کی وجہ سے مجھ پر رحم کر دیجئے۔ یوسف علیہ السلام کے بھائی اُن کے مصر پہنچنے کا سبب بنے۔ جہاں وہ قید ہوئے اور عورتوں کی سازش نے اُن کو قید میں ڈلوایا۔ اِسی طرح ہماری قوت غضبیہ اور قوت شہوانی ہے جو ہمارے گناہوں کا سبب بنتی ہے۔ میرے معاصی مجھے قرب سے دُور کیے ہوئے ہیں۔ اِس لیے میں خزاں کے پتے کی طرح مرجھایا ہوا ہوں، جب میں نے تیرے لُطف اور کرم پر نظر کی اور یہ پیغام سُنا کہ تُو توبہ کو قبول کرتا ہے تو شیطان کی نظرِ بد کو دفع کرنے کے لیے ہرمل نکالا کہ اس کی دھونی دوں۔ توبہ کی تو اس توبہ کو نظرِ بد لگ گئی۔ معلوم ہوا کہ توبہ کرنا کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتا بلکہ اصل تو اُس کی قبولیت ہے۔ جو تیری پُر لطف نظرِ کرم ہے۔ شیطان سے بچاؤ کا مضبوط ذریعہ تیری نظرِ کرم ہے۔ تیری نظرِ کرم کی تاثیر یہ ہے کہ وہ بدنظر کو نیک نظر بنا دیتی ہے۔

اللہ کی نظرِ کرم جس پر ہوتی ہے اُس کے دل کی ہمت بلند ہو جاتی ہے اور وہ شیرِ نَر کی طرح صرف آخرت کے اُمور کا شکار کھیلتا ہے۔ اولیاء رحمہم اللہ کا مقصد آخرت بھی نہیں بلکہ خالص ذاتِ خداوندی ہوتی ہے جس کے وہ طالب بن جاتے ہیں۔ اُن کا نعرہ ہوتا ہے کہ ہم دنیا کی فانی چیزوں سے کوئی محبت نہیں رکھتے۔ اُن کا دل جو تیری طلب میں پرواز کرتا ہے اُن کو تیری عطا سے خاص حواس حاصل ہو جاتے ہیں۔ اُن کے حواس خدائی صفات سے متصف ہو جاتے ہیں۔ جب اُن

عُسر بالیُسر ہیں آئیس مُباش ہر تنگی کے ساتھ ساتھ کشادگی بھی ہے تو مایوس نہ ہو	راہ داری زیں ممات اندر مُعاش موت کے بعد ہی تُو اَبدی زندگی پائے گا

کے حواس کا تعلق عالمِ حقائق سے ہو جاتا ہے اور اُن حواس میں موت یا بڑھاپے سے کوئی کمزوری نہیں آتی۔ جب اُن میں خدائی صفات پیدا ہو جاتی ہیں تو جس طرح خدا مالک الملک ہے، اُن کے حواس کو بھی عوام کے حواس پر شاہی حاصل ہو جاتی ہے۔ اِس لیے انسان کو ایسے حواس ہی حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اِس حکمت میں بعض لوگوں کی حسوں کے بالا ہونے کے نفع کو واضح کیا گیا ہے۔

چوروں نے سلطان محمود سے دریافت کیا کہ تم کون ہو؟ تو اُس نے کہہ دیا کہ میں تم میں سے ہی ہوں۔ ایک چور نے ساتھیوں سے کہا کہ ہم میں سے ہر ایک اپنا ہنر ظاہر کرے۔ ایک نے کہا کہ میں کتے کی بولی سمجھ لیتا ہوں۔ ایک نے کہا کہ میری آنکھ میں اتنی تاثیر ہے کہ جس شخص کو اندھیرے میں دیکھ لوں، دن کو بھی اُسے پہچان لیتا ہوں۔ ایک نے کہا کہ میرے بازو میں اس قدر طاقت ہے کہ پنجہ کے زور سے بغیر اوزار کے دیوار میں نقب لگا دیتا ہوں۔ ایک نے کہا کہ میری ناک کی یہ خصوصیت ہے کہ زمین کی مٹی سونگھ کر بتا دیتا ہوں کہ خزانہ یہاں ہے یا نہیں۔ حدیث شریف ہے کہ ''انسان، سونے چاندی کی کانوں کی طرح ہیں'' اس قصہ سے حدیث کے معنیٰ سمجھ میں آ گئے۔

جیسے انسان کے اوصاف مختلف ہوتے ہیں اسی طرح دین کے متعلق خواص بھی انسانوں میں مختلف ہوتے ہیں۔ اُس نے کہا کہ میں سونگھ کر بتا سکتا ہوں یہاں کتنا سونا ہے۔ مجنوں کو لیلیٰ کی قبر کسی نے نہ بتائی، اُس نے مٹی سونگھ کر اُس کی قبر کو پہچان لیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا مجھے خدائی سانس یمن کی طرف سے آ رہی ہے۔ ایک چور نے یہ کہا کہ میں پہاڑ جیسی اونچی جگہ بھی کمند پھینک سکتا ہوں۔ حضور ﷺ نے اپنے عشق کی کمند پھینکی تو اُس کے ذریعے معراج میں آسمان تک پہنچے۔ اُنہوں نے ایسی کمند پھینکی کہ انہیں تختِ الٰہی، عرش اور قربِ الٰہی تک لے گئی۔ اس کمند اندازی کے بارے میں اللہ نے فرمایا کہ یہ فعل بھی آپ کا نہیں ہے بلکہ ہمارا ہے جیسا کہ بدر میں کنکریوں کا پھینکنا ہمارا فعل تھا۔

سلطان نے چوروں کے سوال پر فرمایا کہ میری داڑھی میں یہ خاصیت ہے کہ جب میں داڑھی ہلا دوں تو مجرم سزا سے بچ جاتے ہیں۔ جب انہیں سزا کے لیے جلاد کے سپرد کیا جاتا ہے اور میں اُن کی رہائی کے لیے سر سے اشارہ کر دوں جس سے داڑھی ہل جائے گی تو مجرم فوراً چھوڑ دیئے جاتے ہیں۔ چوروں نے کہا کہ تُو ہمارا قطب اور پیشرو ہے کیونکہ مصیبت اور گرفتاری کے وقت تُو ہی کام آئے گا۔ وہ سب چوری کرنے چل دیئے۔ ایک کتا بھونکا تو ایک چور جو کتے کی آواز پہچانتا تھا بولا کہ کتا کہہ رہا ہے کہ سلطان تمہارے ساتھ ہے۔ وہ آگے بڑھ گئے اور کمند کے ذریعے قلعے کے اندر پہنچے۔ سونگھنے والے نے بتا دیا کہ خزانہ اس جگہ ہے۔ اُنہوں نے نقب لگا کر خزانہ لوٹا اور باہر جا کر زمین میں دفن کر دیا۔

طفل می لرزد ز نیشِ احتجام　　　　مادرِ مشفق دراں غم شاد کام

پچھنے لگانے کی تکلیف سے بچّہ تو لرزتا ہے　　　　لیکن اُس کی مہربان ماں اس تکلیف سے خوش ہوتی ہے

سلطان نے اُن سب کو پہچان لیا تھا، وہ چپکے سے اُن سے الگ ہو گیا اور دن کے وقت دربار میں پہنچ کر ساری سرگزشت سنادی۔ چوروں کی گرفتاری کے لیے سپاہی روانہ کر دیئے کہ وہ اُن کو گرفتار کر کے لے آئیں۔ انہوں نے پہچان لیا کہ سلطان تو رات کو اُن کا ساتھی تھا۔ ایک بولا: سلطان کی داڑھی میں بہت سی خصوصیتیں ہیں۔ اِس کے کہنے سے ہماری گرفتاری ہوئی ہے وہ بولا کہ وَهُوَ مَعَكُمْ یعنی ''وہ تمہارے ساتھ ہے'' کا یہی مطلب ہے کہ اُس نے ہمارے کارنامے دیکھ لیے ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ یہ جان پہچان والوں کے ساتھ مروت برتتا ہے، اُن کی بات نہیں ٹالتا۔ میں تم لوگوں کی سفارش کر کے چھڑوالوں گا۔ چور کے عارف ہونے سے مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے عارفین کا ذکر شروع کر دیا کہ اُن کی آنکھ دونوں جہان کے لیے باعثِ امن ہے اور ہر بادشاہ اُن سے مدد حاصل کرتا ہے۔ وہ بقاءِ عالم کا سبب ہوتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی مکمل معرفت حاصل تھی اور اُن کی نظر کے بارے میں قرآن میں فرمایا گیا ہے کہ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی منظورِ نظر صرف اللہ کی ذات تھی اور وہ ہر غیر سے پھری ہوئی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شفاعت کا حق ملا اور محشر میں باعثِ امن بنے۔ اِسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی شفاعت کی منظوری کے بارے میں پُر اُمید ہیں۔ قرآن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا "اَلَمْ نَشْرَحْ" کہ ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینے کو کشادہ کر دیا ہے۔ اِسی شرحِ صدر کا سُرمہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں میں تھا۔ اِسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن تجلیات کو بھی دیکھ لیا جس کو جبرائیل علیہ السلام نہ دیکھ سکے۔ ایسا سُرمہ کسی یتیم کے لگ جائے تو وہ دُرِ یکتا اور ہادی بن جاتا ہے جیسے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بنے۔ اُس کی روشنی کے مقابلے میں دوسروں کی بصیرت سورج کے مقابل ذروں کی چمک ہے۔ پھر وہ اُس بصیرت کے ذریعے ایسے ہی مطلوب کا طالب بن جاتا ہے۔ اُس کی نظر میں لوگوں کے اَحوال واضح ہو جاتے ہیں۔ اِسی لیے اللہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شاہد یعنی دیکھنے والا ''گواہ'' کا لقب دیا۔

گواہی کا مدار دو چیزوں پر ہوتا ہے ایک تو یہ کہ گواہ کی زبان ہو تاکہ عدالت میں گواہی دے سکے۔ دوسرے یہ کہ آنکھ تیز ہو جس سے وہ واقعہ کو دیکھ سکے۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ دونوں چیزیں مکمل تھیں۔ چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قلب نیند کی حالت میں بھی بیدار رہتا تھا، اِس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم جیسے بیدار قلب سے کوئی راز چھپا نہ رہتا تھا بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اُس راز پر ایسا یقین ہوتا تھا جیسے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے دیکھا ہو۔ قاضی ہمیشہ گواہ کے ذریعہ ہی فیصلے پر پہنچتا ہے، گویا گواہ قاضی کی آنکھ ہوتا ہے۔ مدعی نے بھی واقعے کو دیکھا ہوتا ہے لیکن اُس کی غرض نے واقعہ کے بعض پہلوؤں کو مخفی کر دیا ہے لہٰذا اُس کی بات کا اعتبار نہیں ہے۔ اللہ کا منشا یہ ہے کہ انسان بے غرض بن جائے تاکہ اُس کو گواہ کا مرتبہ حاصل ہو جائے۔ انسان

هر که شیرین می زید اُو تلخ مُرد
جو شخص خوشگوار زندگی بسر کرتا ہے وہ تلخ موت مرتا ہے

هر که اُو تن را پرستد جاں نبرد
جو شخص تن پروری کرتا ہے اپنی جان نہ بچا سکے گا

کی غرضیں اُس کو گواہی کے نا قابل بناتی ہیں۔ انسان کو اپنے محبوب کی بُرائی نظر نہیں آتی اور نہ وہ اُس کی بُری بات کو سنتا ہے۔ نورِ خدا کی وجہ سے آپ ﷺ کا علم و معرفت اِس قدر مکمل تھا کہ دوسروں کا علم اُس کے مقابلے میں ہیچ تھا۔ آپ ﷺ سے اَسرار مخفی نہ تھے اور آپ ﷺ جان گئے تھے کہ مومن کی رُوح کی رفتار کس طرف ہے اور کافر کی رفتار کدھر ہے۔ دونوں جہانوں میں رُوح سے زیادہ پوشیدہ چیز کوئی نہیں ہے۔

جن لوگوں نے قرآن اور حدیث کا علم حاصل کرلیا ہے، اُنہوں نے اپنی دونوں آنکھوں کو کھول لیا۔ اُن کو تمام معلومات حاصل ہوگئیں لیکن رُوح کی حقیقت اُن کے لیے بھی واضح نہ ہوئی۔ کیونکہ اس کے بارے میں اللہ نے مجملاً صرف اتنا فرمایا ہے کہ وہ خدائی اَمر سے ہے لیکن حضور ﷺ نے اُس رُوح کو دیکھ لیا، پھر آپ ﷺ کی نظر سے کوئی چیز پوشیدہ نہ رہی۔ جبکہ آپ ﷺ کو اَسرار کا مُشاہدہ ہے تو قیامت میں آپ ﷺ گواہ بنیں گے اور آپ ﷺ کی گواہی اختلاف کے دردِ سر کو رفع کردے گی۔ حضور ﷺ کو محبوبیت کا درجہ اسی لیے حاصل ہے کہ اللہ تعالیٰ عادل ہے اور جس گواہ میں عدالت ہوتی ہے وہی عادل کا محبوب ہوتا ہے۔ تو آپ ﷺ عادل گواہ ہونے کے اعتبار سے دوست یعنی اللہ کی قوتِ باصرہ ہیں۔ چونکہ عادل گواہ حاکم کا محبوب ہوتا ہے۔ اِس لیے قلب اللہ کا منظورِ نظر اور محبوب ہے کیونکہ وہ بھی عادل گواہ ہے۔ اللہ کو جو حضور ﷺ سے محبت ہے وہی ایجادِ دو عالم کا سبب بنی ہے۔ چونکہ ایجادِ عالم حضور ﷺ سے محبت کی وجہ سے فرمائی گئی اس لیے شبِ معراج میں حضور ﷺ سے فرمایا: لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْأَفْلَاكَ ”اگر تم نہ ہوتے تو میں آسمانوں کو نہ پیدا کرتا“ حاکم کا حکم سب انسانوں پر حاکم ہے لیکن حاکم کا حکم شاہد کے تابع ہوتا ہے۔

حضور ﷺ عالمِ بشریت کے اعتبار سے قضا کے محکوم تھے لیکن چشمِ بصیرت کی وجہ سے شاہد اور گواہ بنے تو آپ ﷺ کو اس اعتبار سے اللہ نے اپنے اختیار سے اپنے فیصلے کا حکم بنا دیا ہے۔ پہلے فرمایا تھا کہ عارف، مخلوق کی امان کا سبب ہوتا ہے۔ اب اِسی مناسبت سے فرماتے ہیں کہ عارف یعنی انبیاء علیہم السلام اور اولیاء رحمہم اللہ نے معروف یعنی حضرتِ حق سے بہت سی درخواستیں کی ہیں۔ ہمارا دل ہمیں بھلائی کے اشارے کرتا ہے لیکن ہم اُن کو نہیں سمجھ پاتے اور بسا اوقات اُن پر عمل نہیں کرتے ہیں۔ اللہ ہمیں ہر وقت دیکھتا ہے، ہم اُس کو نہیں دیکھ پاتے کیونکہ سبب یعنی عالمِ اسباب کی مشغولیت ہمارے لیے پردہ بن گئی ہے۔ مُشاہدہ کے بھی مراتب ہیں۔ عارف باوجود مُشاہدہ کے اعلیٰ مرتبہ کے لیے دُعا کرتا ہے کہ اے اللہ! تُو انعام میں منتہی ہے اور تیرا یہ لطف ایک درجہ کا مُشاہدہ ہوگیا ہے جو مجھے حاصل ہے لیکن تیری عطا کا کمال یہ ہے کہ مجھے مزید مراتب عطا کردے۔ تُو نے جب دنیا میں کرم فرمایا تو آخرت میں بھی کرم فرمادے۔ وصال کے بعد فراق بڑی

حُفَّتِ الْجَنَّۃُ مکارہ را رسید
”جنت گھیر دی گئی ہے ناپسندیدہ چیزوں کو ملا“

حُفَّتِ النَّارُ از ہوا آمد پدید
”دوزخ گھیر دی گئی ہے خواہشِ نفسانی سے ظاہر ہوا“

مصیبت ہے۔ جس کو ایک بار دیدار حاصل ہو چکا ہو اُس کو اب دیدار سے محروم نہ کر بلکہ اُس کے سبزۂ دید میں بالیدگی فرمادے۔ میں نے تجھ سے کسی وقت استغناء نہیں برتا تُو بھی مجھ سے استغناء نہ برت۔ جس کو دیدار کا قرب حاصل ہو چکا ہو اب اُس کو محروم نہ کر۔ تیرے ماسوا کو دیکھنا وبالِ جان ہے کیونکہ تیرے سوا ہر چیز لغو اور فانی ہے۔ چونکہ میں خود باطل ہوں اس لیے یہ باطل چیزیں مجھے اچھی نظر آتی ہیں اور اپنی طرف کھینچتی ہیں۔

اس عالم کی ہر چیز اپنی ہم جنس کے لیے باعثِ کشش ہے۔ معدہ روٹی کو، جگر کی گرمی پانی کو کھینچتی ہے۔ معشوق بن سنور کر نکلتے ہیں تاکہ کوئی اُنہیں دیکھے۔ دماغ خوشبو کی تلاش کرتا ہے۔ آنکھ میں اور رنگ روپ میں مناسبت ہے۔ ناک اور دماغ کی مناسبت خوشبو سے ہے۔ اِن باطلوں میں جو کشش ہے تُو ہمارے لیے اپنی مہربانی کی کشش کے ذریعے اِن کششوں سے ہمیں بچالے۔ اِن سب کششوں پر تُو غالب ہے۔ اگر ہم درماندوں کو تُو کھینچ لے تو تیری کشش کے شایانِ شان ہوگا۔

شاہ کے عارف چور نے بادشاہ کی طرف اس طرح منہ کیا جیسا کہ پیاسا ابر کی طرف دیکھتا ہے۔ اُس شاہ کی طرف جو شبِ قدر کا چودھویں کا چاند تھا۔ چوں کہ اُس کی اور شاہ کی جان پہچان تھی اِس لیے درخواست کرنے میں اُس نے ہمت سے کام لیا۔ اُس نے عرض کی ہم اس وقت مقید ہو گئے ہیں جیسا کہ رُوح جسم میں مقید ہے۔ حشر میں حق تعالیٰ رُوح کے لیے باعثِ راحت بنے گا جس طرح دنیا میں سورج رُوح کے اِنشِرَاح اور راحت کا سبب ہے۔ اُس نے شاہ سے کہا کہ اب وقت آ گیا ہے کہ اپنی داڑھی کی خاصیت دکھا کر ہمیں قید سے رہائی دلائیں۔ دوسرے ساتھیوں کے ہُنر تو ہماری گرفتاری کا باعث بن گئے ہیں چوروں کی جو خصوصیات تھیں وہ سب تباہی اور قید کا سبب بنیں۔ صرف اُس چور کی خصوصیت کام آئی جو رات کے دیکھے ہوئے کو دن میں پہچان لیتا ہے۔ وہ آنکھ کام آئی جس نے بادشاہ کو پہچان لیا۔

بدلے کے دن بادشاہ کو اُس کو سزا دیتے ہوئے شرم آئے گی۔ جس کتے نے بادشاہ کو پہچان لیا تھا وہ کتا بھی اِس لائق ہے کہ اُسے اصحابِ کہف کا کتا کہا جائے۔ جو چور کتے کی آواز کو سُن کر سمجھ لیتا تھا اُس کی خاصیت بھی اچھی تھی کیونکہ اس سے اُس کو شاہ سے آگاہی ہوئی۔ کتا جو شب بیداری کرتا ہے وہ شب خیزوں سے واقف ہو جاتا ہے۔ یہ کتے میں ایک خوبی ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ کتے جیسے بدنام جانور سے بھی بالکل نفرت کرنا مناسب نہیں، اُس کے پوشیدہ اچھے اوصاف پر نظر رکھنی چاہیے۔ اگر کوئی ایک دفعہ بدنام ہو گیا ہے تو کسی کو محض اُس کا نام ڈھونڈنا اور اپنے آپ کو نیک سمجھنا مناسب نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ اُس کے اندر کوئی خوبی بھی ہو۔ محض ظاہر پر حکم نہیں لگانا چاہیے کیونکہ بعض اوقات

ترکِ دُنیا ہر کہ کرد از زُہدِ خویش جس نے اپنے زُہد کی وجہ سے دُنیا کو چھوڑ دیا	**بیش آمد پیشِ اُو دُنیا زِ پیش** اُس کے سامنے دُنیا پہلے سے زیادہ آتی ہے

خالص سونے کو کالا کر دیا جاتا ہے تاکہ اُسے کوئی نہ لُوٹے۔ وہ سیاہ سونا زبانِ حال سے کہتا ہے کہ ہر شخص میرے راز کو نہیں سمجھتا ہے۔ تُو میرے پاس آ کر دیکھ، تب راز سمجھے گا۔

سمندری بیل اور گوہر کا قصہ، تاجر کا کارنامہ

دریائی بیل سمندر سے گوہر باہر لاتا۔ اُسے چراگاہ میں رکھتا اور اُس کی روشنی میں صاف ستھری غذا چرتا۔ جس کی روزی اللہ تعالیٰ کا نور ہو اُس کے منہ سے تو خوشبو ہی نکلے گی۔ اگر کوئی اللہ کے ذکر کے نور کی رُوحانی غذا حاصل کرلے گا تو اُس کی زبان سے بھی مؤثر کلام صادر ہوگا۔ جو شخص وحیِ الٰہی سے خوراک حاصل کرے گا اُس کا منہ شہد سے کیوں پُر نہ ہوگا۔ بیل چرتے چرتے گوہر سے دُور ہو گیا۔ ایک تاجر نے گوہر پر کالی کیچڑ رکھ دی اور چراگاہ میں تاریکی پھیل گئی۔ تاجر، گوہر کو مٹی میں دبا کر درخت پر چڑھ گیا تاکہ بیل کے سخت مضبوط سینگ سے بچ سکے۔ جس طرح شیطان نے حضرت آدم علیہ السلام کے صرف ظاہر کو دیکھا اور اُن سے گریز کیا اسی طرح بیل گوہر کے اوپر پڑی ہوئی مٹی سے گریز کرتا رہا۔

جس طرح شیطان آدم علیہ السلام کے باطنی اُوصاف سے اندھا تھا، بیل بھی نہ سمجھ سکا کہ مٹی کے نیچے گوہر ہے۔ عوام کی رُوح کو تکوینی اعتبار سے ”اِهْبِطُوْا“ (نیچے اُترو) کے حکم نے پستی میں ڈال دیا۔ پھر گناہوں کے ارتکاب نے اُس کو اور بد اثر کر دیا۔ نفسانی خواہشات انسان کو قربِ الٰہی سے محروم کر دیتی ہیں۔ عالمِ بالا سے رُوح کا جسم میں آنا ایسا ہی ہے جیسے عدنی موتی کا مٹی میں چُھپ جانا۔ جب رُوح جسم میں آ گئی تو اب اُسے جوہری ہی پہچان سکتا ہے۔ عام دنیادار اِس راز سے واقف نہیں ہو سکتا۔ جس مٹی میں گوہر ہوتا ہے وہ گوہر والی دوسری مٹی کو بھی پہچان لیتا ہے۔ کہتے ہیں کہ ”ولی را ولی می شناسد“۔ جس جسم میں اللہ کے نور کا چھڑکاؤ نہیں ہے وہ اولیاء رحمہم اللہ کے جسم کی صحبت کو برداشت نہیں کرتا، اُن سے نفرت کرتا ہے۔

چُوہے کا مینڈک کو کنارے طلب کرنا اور ڈورا کھینچنا کہ مینڈک کو آگاہ کرے

چوہا، مینڈک کے ساتھ اپنی محبت پر ناز کر رہا تھا کہ دیدار کے مطالعہ میں میرا دل اور جان تار کی طرح ہو گئے تھے۔ اچانک فراق کا کوا آیا اور چوہے کو اُس جگہ سے لے اُڑا۔ جب کوا چوہے کو لے کر اُڑا تو مینڈک بھی پانی کی گہرائی سے کھنچ آیا۔ لوگ دیکھ کر کہہ رہے تھے کہ کوے نے پانی کے مینڈک کو کس طرح شکار کر لیا؟ کوا پانی میں کیسے گھسا؟ پانی کا مینڈک تو کوے کا شکار بنتا ہی نہیں ہے۔ مینڈک بولا: جو

عقل دو عقل است اوّل مکسبی — کہ دَر آموزی چُو دَر مکتب صبی
عقل کی دو قسمیں ہیں، ایک تو کسبی — جو کہ تُو مکتب میں بچوں کی طرح سیکھتا ہے

بے آبرووں کی طرح کسی کمینہ کا ساتھی بنے اُس کی یہی سزا ہے۔ ناجنس کی صحبت سے بچو اور ہم جنس یعنی کسی نیک کی صحبت اختیار کرلو۔ ہم جنس سے مراد یہ ہے کہ اَوصاف میں باہمی شرکت ہو۔ عقل اور نفس تقریباً ہم جنس ہیں لیکن دونوں کے اَوصاف جدا ہیں لہٰذا عقل بُرے نَفس سے فریاد کرتی ہے، جس طرح حسین چہرہ بھدی ناک سے فریاد کرتا ہے۔ عقل نَفس سے کہتی ہے کہ ہم جنس ہونا باطنی اَوصاف کی یکسانیت سے ہوتا ہے نہ کہ جسمانی مشابہت سے۔ صورت کی مشابہت سے ہم جنس ہونے کا قائل نہ بن۔ صورت ایک بے جان چیز ہے، اُس میں جنسیت کا احساس نہیں ہے۔ جسم میں احساس اور حرکت جان کی وجہ سے ہے۔

جیسا کہ گیہوں کے دانے کی حرکت چیونٹی کی وجہ سے ہوتی ہے جو اُس کو لے جارہی ہے۔ چیونٹی کی دانے کی طرف کشش بھی جنسیت کی وجہ سے ہے۔ کیونکہ وہ ہضم ہو کر اُس کا ہم جنس بن جاتا ہے۔ ایک چیونٹی نے راستہ میں جَو کا دانہ لے لیا۔ دوسری نے گیہوں کا دانہ لے لیا۔ وہ ایک دوسری طرف چلیں تو گیہوں کا دانہ جَو کے دانے کی طرف نہیں دوڑ رہا ہے۔ بلکہ ایک چیونٹی دوسری چیونٹی کی طرف دوڑ رہی ہے۔ جَو کا گیہوں کے دانے کی طرف چلنا تبعاً ہے، چیونٹی کو دیکھ لے تو سمجھ میں آجائے گا۔ جَو اور گیہوں کے دانے کی حرکت کی وجہ سے یہ نہ سمجھ کہ وہ چل رہے ہیں۔ اُن کے بالمقابل جو چیز ہے یعنی چیونٹی اُس کو دیکھ لے، یہ تو اُس کے قبضے میں ہیں۔ کبھی ایسا ہوتا ہے چیونٹی کالے نمدے پر چل رہی ہے اور نظر نہیں آتی اور صرف دانہ چلتا نظر آتا ہے تو عقل سے سمجھ لے کہ دانے کو لے جانے والی چیونٹی ہے جو چل رہی ہے۔ چونکہ اصل جنسیت اَوصاف کے اعتبار سے ہے نہ کہ صورت کی وجہ سے اِسی لیے اصحابِ کہف کے کتے کی کشش اصحابِ کہف کی طرف تھی۔ صورتوں کو دانہ سمجھ اور دل اور اَوصافِ باطنی کو چیونٹی سمجھ۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ملائکہ میں اَوصاف کے اعتبار سے ہم جنسیت تھی۔ جسم ظاہر ہے اور رُوح مخفی ہے لیکن سمجھ لے کہ جسم رُوح کی وجہ سے حرکت میں ہے۔ آرام میں وہی ہیں جو عقل سے کام لیتے ہیں، یہی بھلے برے میں تمیز کرسکتی ہے۔ آنکھ تو صرف ایک روپ کو دیکھتی ہے۔ یہ کوڑے پر اُگے سبزے پر بھی مائل ہو جاتی ہے لیکن عقل جان لیتی ہے کہ اُس کی تہ میں کیا ہے۔ جو پرندہ عقل سے کام نہ لے صرف آنکھ سے دیکھے وہ جال میں پھنس جاتا ہے۔ کچھ باتیں ایسی بھی ہیں کہ جن میں جزوی عقل کام نہیں دیتی صرف وحیِ الٰہی ہی رہبری کرتی ہے۔ جنسیت کا مدار جبکہ باطنی اَوصاف پر ہے تو اُس کو عقل پہچان سکتی ہے، نہ کہ آنکھ۔ محض صورت کے اعتبار سے ہم جنسیت نہیں ہوتی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام انسانوں میں فرشتے کی جنس تھے اسی لیے نیلے قلعے میں پہنچ گئے۔

عقلِ دیگر بخششِ یزداں بُود | چشمۂ آں درمیانِ جاں بُود
دُوسری عقل اللہ تعالیٰ کی بخشش ہوتی ہے | اُس کا سرچشمہ ہماری جان کے اندر ہوتا ہے

عبدالغوث کو پریوں کا لے جانا، سالوں اُن کے ساتھ رہنا اور واپسی

عبدالغوث کوئی شخص تھا جو اَوصاف کے اعتبار سے جن اور صورت کے اعتبار سے انسان تھا۔ وہ انسانوں سے مانوس نہ تھا، جنوں میں رہنا پسند کرتا تھا۔ اِس دنیا میں اُس کے بال بچے بھی ہوئے لیکن اُس کا دل پریوں اور جنوں میں لگتا تھا۔ وہ جنوں کی طرح چھپی ہوئی پرواز میں نو سال تک رہا۔ اُس کے بچے اُس کے مرنے کے قصے بیان کرتے تھے۔ وہ ایک مرتبہ بچوں کو دیکھنے بھی آیا لیکن پریوں کا ہم جنس ہونے کی وجہ سے پھر ہمیشہ کے لیے غائب ہو گیا۔ جنتی، جنت کا ہم جنس ہوتا ہے اس لیے وہ اللہ کی عبادت کر کے جنت میں ہمیشہ کے لیے چلا جاتا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ''سخاوت جنت کا درخت ہے۔ اُس کی ایک شاخ دنیا میں ہے۔ جو اُسے پکڑ لیتا ہے جنت میں چلا جاتا ہے''۔ محبتیں، محبتوں کی اور قہر، قہر کا ہم جنس ہوتا ہے۔ حضرت ادریس علیہ السلام کو ستاروں سے ہم جنسیت حاصل تھی۔ اسی لیے ساتویں آسمان پر زُحل ستارے کے ساتھ آٹھ سال تک رہے اور اُس کے ہم راز تھے۔ نو سال کے بعد جب زمین پر آئے تو ستاروں کے اَحوال کا درس دیا کرتے تھے۔ درس میں شریک لوگ بھی ستاروں سے واقف ہو گئے۔

جب حق تعالیٰ دو رُوحوں میں ایک سے خیالات پیدا فرما دیتا ہے تو وہ ایک دوسرے کی ہم جنس ہو جاتی ہیں۔ جسم کی کشش، نظر و فکر کی وجہ سے ہوتی ہے۔ جسم جو بے خبر ہے، اُسے باخبر رُوح کھینچتی ہے۔ جب مرد میں عورت کے اَوصاف پیدا ہو جاتے ہیں تو وہ ہیجڑا بن جاتا ہے اور عورتوں کی طرح اپنے ساتھ جماع کراتا ہے۔ جب کسی عورت میں مردانہ صفات پیدا ہو جاتی ہیں تو وہ عورتوں کے ساتھ جماع کرتی ہے۔ جب کسی بشر میں ملوکیت کا غلبہ ہوتا ہے تو پرندے کے بچے کی طرح ملاءِ اعلیٰ کی طرف پرواز کے راستے تلاش کرتا ہے۔ اُس کا دھیان ملاءِ اعلیٰ کی طرف ہوتا ہے اور زمین سے بیزار ہوتا ہے۔ اگر انسان میں بہیمیت کا غلبہ ہوتا ہے تو اُس کو ہر وقت کھانے کی فکر رہتی ہے۔ چوہا صورت کی وجہ سے ذلیل نہیں ہے بلکہ باطنی خباثت کی وجہ سے ذلیل ہے۔ اشہب باز جو نہایت قیمتی ہوتا ہے اگر اُس میں خباثت پیدا ہو جائے تو وہ چوہوں بلکہ باقی جانوروں سے بھی بدتر ہے۔ ہاروت اور ماروت فرشتے تھے لیکن اُن میں بشری اَوصاف تھے، اسی لیے فرشتوں کی صف سے خارج کر دیے گئے۔ فرشتوں کی خصوصیت صف میں رہنا ہے لَنَحْنُ الصَّافُّوْنَ ''بے شک ہم صف باندھنے والے ہیں''۔ پہلے اُن کی نظر لوحِ محفوظ پر رہتی تھی پھر جادو کی لوحوں پر رہنے لگی۔

موسیٰ علیہ السلام اور فرعون میں جسمانی جنسیت تھی لیکن اَوصاف جداگانہ تھے۔ جب یہ ثابت ہو گیا کہ جنسیت اَوصاف

فضلِ مرداں بر زناں حالی پرست	زاں بود کہ مرد پایاں بیں تر است
اے موقع پرست! مردوں کی عورتوں پر فضیلت	اِس لئے ہے کہ مرد کی نظر انجام پر ہوتی ہے

کے اعتبار سے ہے تو تجھے نیکوں کی صحبت اختیار کرنی چاہیے۔ نیکوں کی صحبت کی تاثیر دیکھنی ہو تو تیل کو دیکھ لے کہ پھولوں کی صحبت سے اُس میں کیسی خوشبو پیدا ہوگئی۔ انسان تو درکنار اگر مٹی بھی بزرگوں کی ہم صحبت ہو جائے تو اُس میں بزرگی آ جاتی ہے۔ چنانچہ اولیاء رحمہم اللہ کی قبروں کی مٹی پر دل قربان ہوتا ہے۔ قبر کی مٹی کو یہ شرافت اُس بزرگ کے جسم کی صحبت سے حاصل ہوگئی۔ مشہور مقولہ ہے "گھر لینے سے پہلے پڑوسی کا انتخاب کرو"۔ صاحب نسبت کی نسبت صاحب قبر کے فیض سے بڑھ جاتی ہے۔ جب بزرگوں کی قبر سے بھی فیض ہوتا ہے تو زندگی میں اُن کی صحبت کس قدر مفید ہوگی۔ بزرگ انسانوں کے سر کا سایہ تھا اب اُس کی قبر سایہ دار ہے جس سے لاکھوں انسان مستفید ہوتے ہیں۔

مُحتسب کے وظیفہ کی اُمید پر قرض لینے والا شخص

ایک فقیر قرض میں مبتلا ہوا۔ اُس پر نو ہزار اشرفیاں قرض تھا۔ وہ تبریز میں آیا جہاں کا کوتوال بدرالدین عُمر بہت ہی سخی انسان تھا۔ اگر دنیا میں حاتم طائی زندہ ہوتا تو وہ اُس کا غلام بن جاتا۔ اگر وہ کسی پیاسے کو میٹھے پانی کا سمندر بھی دیتا تو سخاوت کی وجہ سے شرمندہ ہوتا کہ کچھ نہ دے سکا۔ فقیر عطا کی اُمید پر تبریز آیا تھا کیونکہ وہ پہلے بھی اُس سے عطا حاصل کر چکا تھا اور اپنے بہت سے قرضے اُتار چکا تھا۔ اُس نے اُس کے سہارے پر ہی قرض لیا تھا کہ اُسے یقین تھا کہ جب جا کر مانگوں گا مل جائے گا۔ یہ فقیر ہمیشہ اُس سخی کی وجہ سے قرض سے بے فکر رہتا تھا۔ جس شخص کو حضور ﷺ کی مدد حاصل ہو وہ ابولہب سے کب خوف کھائے گا۔ اگر کسی کا ابر سے تعلق قائم ہوگیا تو وہ لوگوں کو پانی پلانے میں کب بخل کر سکتا ہے۔ فرعون کے دربار کے جادوگروں کو جب خدائی ہاتھ سے واقفیت ہوگئی' وہ اپنے ہاتھ پاؤں سے بے نیاز ہوگئے۔

حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کی بہادری اسی وجہ سے تھی کہ اُن کو اللہ تعالیٰ کی پُشت پناہی حاصل تھی۔ جب وہ قلعہ پر حملہ آور ہوئے تو قلعہ اُن کی ہمت کے سامنے حقیر تھا۔ بادشاہ نے وزیر سے کہا کہ یہ اکیلا آدمی ہے ہم اِس سے خوف زدہ کیوں ہوں؟ وزیر نے کہا: اُن کے اکیلے پن کو حقارت سے نہ دیکھ۔ دیکھ لے قلعے کے سب لوگ ہیبت سے لرز رہے ہیں۔ کچھ لوگ ہمت کر کے اُن کے مقابلے میں آئے اور ختم ہوگئے۔ وزیر نے کہا کہ میری نظر جب اُن (شاہ) پر پڑی تو مجھے یقین ہوگیا کہ ایسے بہادر کے سامنے آدمیوں کی کثرت بے معنیٰ ہے۔ جب اللہ اپنی عطا کر دیتا ہے تو شاہ' لونڈی کا غلام بن جاتا ہے۔ وہ ظاہری حُسن کے علاوہ باطن کا حُسن بھی عطا کر دیتا ہے۔

تجلیٔ طور کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے چہرے میں بھی ایسا نور پیدا ہوگیا تھا جس کو دیکھنے کی ہر شخص میں تاب نہ تھی۔

مرد کاندر عاقبت بینی خم ست　　　او ز اہل عاقبت چوں زن کم ست
جو مرد انجام پر نظر نہیں رکھتا　　　وہ انجام پر نظر رکھنے والوں سے عورت کی طرح کم ہے

وہ نور طور جیسے پہاڑ کو پارہ پارہ کرسکتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کا کمال ہے کہ اُس نے قلبِ مومن میں اُس نور کے تحمل کی طاقت پیدا کردی ہے۔ اللہ کے نور کی مثال ہے کہ ایک طاقچہ ہو جس میں چراغ ہے۔ وہ چراغ شیشہ میں ہے۔ طاقچہ سے مراد مومن کا جسم، مصباح سے نورِ حق، زجاجہ سے قلبِ مومن ہے۔ مردِ کامل جبکہ تخلیق عالَم کا سبب ہے تو گویا وہ عرش و افلاک کے نور کا واسطہ ہے۔ زمین و آسمان کا نور قلبِ مومن کے نور سے حیران ہے اور اُس کے مقابلے میں مضمحل ہے۔ چونکہ عرش و افلاک پر نور قلبِ مومن کے واسطہ سے ہے، اسی لیے اس حدیثِ قدسی میں ارشاد ہوا کہ ''میں آسمانوں اور زمینوں میں نہیں سما سکتا لیکن مومن کے دل میں مہمان کی طرح سما گیا ہوں''۔ یہ تعلق ایسا نہیں ہے جیسا ظرف اور مظروف کا ہوتا ہے۔ یہ تعلق بے کیف ہے اور اُس کے واسطے سے دونوں عالَم اُس سے فیض حاصل کرتے ہیں۔ قلبِ مومن کے واسطے کے بغیر علوی اور سفلی اُس کی تجلی کو برداشت نہ کرسکتے تھے۔ قلبِ مومن کو آئینہ تجلیات بنا دینے میں اللہ کا بڑا کرم ہے۔ پہاڑ کا دوگنا حجم بھی ہو تو اُس نور کی تجلی سے پارہ پارہ ہو جائے۔ یہ نور لوہے کی دیوار کو بھی پار کر جاتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کملی نے عشق کی حرارت اور شورش کو برداشت کیا تھا۔ حضرت صفورا رضی اللہ عنہا جو کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بیوی تھیں نے اُس نور کو ایک آنکھ سے دیکھا تو آنکھ جاتی رہی۔ نورِ حق صرف مجاہدہ کے ذریعے ہی مومن کے دل میں آتا ہے، اُس کے لیے پہلا درجہ لذتوں کو ترک کرنا ہے۔ پھر جب محبت کا غلبہ ہوتا ہے تو جان کو فنا کردیتا ہے اور مقامِ فنا میں پہنچ جاتا ہے۔ حضرت صفورا رضی اللہ عنہا نے فرمایا: حسرت تو اِس بات کی ہے کہ لاکھوں آنکھیں کیوں نہ ہوئیں کہ اُن سب کو اِس نور پر قربان کردیتی۔ اب بصارت نہیں ہے لیکن اب اِس میں لازوال دفینہ ہے۔ اِس خزانے کی وجہ سے میں اپنے پورے جسم سے بے نیاز ہوں۔ حضرت صفورا رضی اللہ عنہا کی یہ بات ذاتِ حق کو پسند آئی اور اُن کی بینائی لوٹا دی اور اپنا نور عنایت کردیا جس سے وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دیدار کرسکیں۔ وہ نور چونکہ نورِ خداوندی تھا، اُس نے نورِ موسوی کو برداشت کرلیا۔ جس دل کا دریچہ محبوبِ حقیقی کی جانب کھل جاتا ہے وہ ہمیشہ اُس محبوبِ حقیقی کی تجلیات سے فیض یاب ہوتا ہے۔ انسان کو دل کی کھڑکی حق تعالیٰ کی جانب کھولنی چاہیے اور پھر عالمِ ملکوت کی سیر اور تفریح کرنی چاہیے۔ کھڑکی کھولنے کا مطلب یہ ہے کہ اُس سے عشق ہو جائے۔ اِس طرح تُو معشوقِ حقیقی کا مُشاہدہ کرسکے گا۔ یہ تیری اختیاری بات ہے۔

اَنفُس میں جو آیاتِ الٰہیہ ہیں اُن پر غور کر اور غیر اللہ کا خیال دل سے دُور کردے۔ اللہ کا عشق ایسا کیمیا ہے کہ تُو اُس سے نفسانی رذائل دُور کرسکتا ہے اور شیطان کو رام کرسکتا ہے۔ جب تُو کھال کا علاج کرکے حسین بن جائے گا تو اللہ تعالیٰ کے دربار میں پہنچ جائے گا کیونکہ وہ خود جمیل ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے۔ پھر وہ تیری رُوح کو بے کسی سے نجات

فرقِ زشت و نغز از عقل آورید
بُرے اور بھلے کا فرق صرف عقل سے کرنہ کہ آنکھ سے

نے زچشمے کز سیہ گفت و سپید
کیونکہ وہ تو صرف رنگ دیکھ کر فیصلہ کرتی ہے

عطا کر دے گا۔ اُس کی رحمت کی ادنیٰ بارش تیری رُوح کے باغ کو شاداب کر دے گی اور تیری مُردگی دُور ہو جائے گی۔ اُس کی عطا صرف دنیا کی دولتیں ہی نہیں ہیں، وہ اِس طرح کی صدہا سلطنتیں عطا کر دیتا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو اللہ نے صرف حُسن کی سلطنت ہی نہیں خواب کی تعبیر کی مملکت بھی عطا فرمائی۔ اُن کا حُسن، قید خانہ کا سبب بنا اور خواب کی تعبیر کا علم بلندی پر لے گیا۔ شاہِ مصر نے اُنہیں مقرب بنالیا۔ وہ اُن کا فرمان بردار بن گیا۔ معلوم ہوا کہ علم کی سلطنت زیادہ آرام دہ ہے۔

وہ مقروض پردیسی عطا لینے کے لیے تبریز میں آیا۔ وہ محتسب دنیا کی زندگی سے اُکتا گیا تھا اور اس غم کدے سے سیر ہو کر دوسرے عالم میں چلا گیا تھا۔ محتسب کی موت کی خبر سے مسافر نعرہ مار کر بے ہوش ہو کر گر گیا۔ جب اُسے ہوش آیا تو اُس نے سوچا غیر اللہ پر بھروسہ کرنا غلطی تھی۔ وہ نادم ہوا اور اللہ کی طرف متوجہ ہوا۔ اُس نے اللہ کے سامنے غلطی کا اعتراف کیا اور عرض کیا کہ بے شک محتسب بہت سخی تھا لیکن تیری سخاوت کا ہمسر نہ تھا۔ محتسب نے ٹوپی دی، تُو نے سر عنائت کیا۔ اُس نے لباس دیا، تُو نے قد و قامت عطا فرمایا، جس سے میں نے لباس سے فائدہ حاصل کیا۔ محتسب نے سونا دیا، تُو نے وہ ہاتھ عطا کیا جس سے اُس نے وہ (سونا) مجھے دیا۔ محتسب نے شمع دی، تُو نے آنکھ دی جس کے ذریعے شمع میرے لیے کار آمد بنی۔ جو کچھ بھی اُس نے دیا تیرے کرم کے بغیر نہ تھا بلکہ وہ اُس کا نہ تھا تیرا تھا۔ اُس میں سخاوت کا مادہ تُو نے پیدا کیا۔ اُس کو سخاوت کر کے خوشی محسوس ہوتی تھی۔ یہ میری خطا تھی کہ میں نے اُسے قبلۂ اُمید بنایا۔ یہ تیرا کرم ہے کہ تُو نے ہمیں عقل عنائت کی۔ تُو نے انسان کو اپنے اسماء کا مظہر بنایا اور اُس کو حقائق کونیہ کا جامع قرار دیا۔

چونکہ انسان اسماء اور حقائق کا مظہر ہے تو اُس میں جو کچھ نظر آتا ہے وہ خدا ہی کا عکس ہے، جس طرح چاند کا عکس پانی میں نظر آتا ہے۔ صفاتِ انسانی دراصل اللہ کی صفات کا ثبوت ہیں۔ انسانی صفات، اللہ کی صفات کی تشریح کرتی ہیں۔ نجومی اپنے آلات سے صرف خود ہی آسمانوں اور سورج کے احوال معلوم کرتے ہیں لیکن انسان کی صفات کے ذریعے عوام بھی صفاتِ خداوندی کا علم حاصل کر سکتے ہیں۔ عوام انبیاء علیہم السلام کی تعلیم کے واسطہ سے خود یہ علوم حاصل کر سکتے ہیں۔ اب انسان دوسرے انسان میں جو کچھ دیکھتا ہے اور سمجھتا ہے، اُس کو اصل سمجھتا ہے حالانکہ وہ عکس ہے۔ تو انسان کی مثال اُس شیر کی سی ہے جو کنویں میں اپنے عکس پر حملہ آور ہوا تھا۔ اگر تُو انسان کے فعل کو اصل سمجھے گا تو وہی احمق شیر بنے گا۔ بے وقوف شیر، خرگوش کے بہکاوے میں آ گیا اور مارا گیا۔ اُس نے یہ نہ سوچا کہ یہ تو میرا نقش ہے اور خرگوش جو شیر بتا رہا ہے وہ پانی میں ہے ہی نہیں۔ یہ تصرف بھی خدائی ہے کہ وہ حقیقت کو نہ سمجھ سکا۔ تُو بھی دشمن سے دشمنی کرنے میں

چشم غرہ شد بخضرای دمن
آنکھ کوڑے پر اُگے ہوئے سبزے کو باغیچہ سمجھتی ہے

عقل گوید بر محکِ ماش زن
عقل کہتی ہے اسے میری کسوٹی پر پرکھ تاکہ حقیقت معلوم ہو

حقیقت تک نہیں پہنچتا ہے۔ تُو شش جہات کا تابع ہے اور ہر جہت میں غلطی پر ہے۔ دشمن میں جو جذبۂ عداوت ہے وہ اللہ تعالیٰ کی صفتِ قہر کا عکس ہے کیونکہ وہ اُس صفتِ قہر سے پیدا ہوئی ہے۔ دشمن جو گناہ کر رہا ہے وہ تیرے کسی جرم کا عکس ہے۔ تُو اپنی اس جرم والی عادت کو اپنے اندر سے دھو ڈال۔

تیری مثال یہ ہے کہ کوئی پانی میں ستارے کا عکس دیکھے اور اُس پر خاک ڈالے اور اُسے اپنے لیے منحوس سمجھے۔ جس طرح چیزوں کی نحوست مِن جانب اللہ ہے اسی طرح عطا بھی دراصل مِن جانب اللہ ہی ہے۔ انسانوں کی عطا مفید نہیں ہے، کیونکہ عارضی ہے۔ اللہ جس کو اعمالِ صالحہ کی نعمت بخشتا ہے تو اُس کو جنت کی عمرِ دراز دیتا ہے تاکہ وہ اُس سے پورے طور پر نفع اُٹھا سکے۔ اللہ کی شان مُردوں کو زندہ کرنا ہے تو دراز زندگی بخشنا بھی ہے۔ اس لیے اُن کی طرف پناہ پکڑنا چاہیے۔ خدا جب عطا کرتا ہے تو وہ عطا، جان کا جزو بن جاتی ہے۔ اُس کی عطا کا یہ حال ہے کہ اگر کثرتِ ذکر و شغل سے روٹی پانی کی طرف رغبت نہ ہو تو وہ رُوحانی غذا عطا فرما دیتا ہے۔ اگر جسمانی فربہی نہیں رہتی تو وہ رُوحانی فربہی عطا فرماتا ہے۔

اس پر تعجب نہ کر اللہ جنوں کا پیٹ خوش بو سے بھر دیتا ہے۔ فرشتوں کو عبادت سے غذا حاصل ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ عشق کو جان کی بجائے حیات عطا فرما دیتا ہے۔ اللہ سے ایسی زندگی کی درخواست کر جس کی بنیاد عشق پر ہو۔ انسان کی جملہ صفات' اللہ کی صفات کا مظہر ہیں۔ اُس کے یہ مظاہر بدلتے رہتے ہیں لیکن ظاہر وہی ہے۔ کبھی وہ بادشاہ کے روپ میں ہوتا ہے' کبھی عالم کے روپ اور کبھی معالج کے روپ میں تو کبھی دشمن کے روپ میں۔ صفاتِ قدیم اپنی جگہ پر ہیں اور زمانہ بدل رہا ہے۔ مظاہر بدل رہے ہیں اور ظاہر قائم ہے۔ صفات کا تعلق باری تعالیٰ سے ہے۔ ہر حُسن اُس حُسن کا آئینہ ہے اور انسانوں میں عشق اُس کے عشق کا عکس ہے۔ حسینوں کا حُسن ڈھل جاتا ہے اور وہ حُسن اصل کی طرف واپس چلا جاتا ہے۔ جب صحیح نظر پیدا کر لو گے تو معلوم ہو گا کہ ''ہمہ اُوست'' کیا ہے۔

اُس قرض خواہ غریب الوطن نے خواجہ مرحوم اور حضرتِ حق کو مغائر سمجھا تھا۔ اس کی عقل نے اُسے کہا کہ یہ تو بھینگا پن ہے جس میں ایک کے دو نظر آتے ہیں۔ خواجہ اب ملاءِ اعلیٰ میں پہنچ گیا ہے وہ دنیا کا چوہا نہیں تھا۔ اُس کا جسم نہ تھا بلکہ وہ پاک رُوح تھی۔ شیطان نے صرف حضرت آدم علیہ السلام کی مٹی کو دیکھا۔ تُو ایسا نہ کر۔ خواجہ کے اوصاف پر نظر رکھ، خواجہ کو ذاتِ الٰہی سے قربت حاصل تھی' جس حیثیت سے حضرت آدم علیہ السلام مسجودِ ملائک تھے' وہ ساجد نہ تھے۔ وہ خواجہ بظاہر بشر تھا لیکن اُس میں تجلّیءِ حق نمایاں تھی۔ مُشاہدۂ حق کی وجہ سے اُس کی جمادیت اور جسمیت ختم ہو چکی تھی۔ تل کا تیل

عقل با عقلِ دگر دُو تا شود	نُور افزوں گشت و رَہ پیدا شود
عقل دُوسری عقل کے ساتھ مل کر دوگنی ہو جاتی ہے	رُوشنی بڑھ جاتی ہے اور راستہ نمایاں ہو جاتا ہے

جب پھولوں میں بسا دیا جاتا ہے تو پھر اُس کو تل کا تیل نہیں کہا جاتا۔ اولیاء اللہ ﷺ کی ایک جماعت (ابدال) ہے، جب اُن کے اَوصافِ بشری، اَوصافِ خداوندی سے بدل جاتے ہیں تو اب اُن کو عام مخلوقات میں شمار نہیں کیا جاتا۔ موضوع ختم کیا جاتا ہے۔ توحیدی نظر والے کے دو قبلے نہیں ہو سکتے۔ ملائکہ کی مسجود حضرت آدم علیہ السلام کی مٹی نہیں ہو سکتی۔ بعض عکس محض عکسوں کے مشابہ ہیں اور حقیقت میں عکس نہیں ہیں بلکہ اصل ہیں۔

اُس کو اِس طرح سمجھو کہ نہر میں سیب کے درخت کا عکس دیکھا ہو اور اُس کے سیبوں سے دامن بھرا ہو تو بظاہر عکس ہے لیکن حقیقتاً وہ درخت ہے۔ تو آدم علیہ السلام میں بھی دراصل صفاتِ حق تھیں اگرچہ بظاہر وہ عکس تھے۔ آدم علیہ السلام کو محض جسم سمجھ کر اپنی جان کو ہلاک نہ کر اِس لیے کہ یہ کام تو اندھوں بہروں کا تھا کہ اُنہوں نے صرف انبیاء علیہم السلام کے جسم دیکھ کر اُن کی تکذیب کر دی تھی۔ مَارَمَیْتَ "تُو نے نہیں پھینکا جبکہ پھینکا" سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کو حق تعالیٰ کی عینیت حاصل تھی اور آپ ﷺ کا دیدار اللہ کا دیدار تھا۔ آپ ﷺ کو رحمۃ العالمین اِسی لیے کہا گیا کہ آپ جن و اِنس کے سردار تھے۔ جس دریچے میں دھوپ پڑ رہی ہو اُس کو دیکھنا سورج اور دن کو دیکھنا ہے۔ حضور ﷺ کسی انسان یا دوسری شے سے فیض یافتہ نہ تھے بلکہ دیگر انبیاء علیہم السلام اور اولیاء رحمہم اللہ نے آپ ﷺ سے فیض اور نور حاصل کیا۔ حضور ﷺ پر اللہ کا نور ایک بے کیف خاص راستہ سے پڑا تھا۔ ایسے راستے سے جس سے دوسرے انبیاء علیہم السلام واقف نہیں ہیں۔

آنحضور ﷺ کی خصوصیت اِس بنا پر تھی کہ نور کے لیے کوئی مانع بھی آئے تو حضور ﷺ میں جو نور ہے وہ خود بخود جوش مارتا رہے۔ اولیاء رحمہم اللہ کے لیے حجاباتِ بشریہ استفادۂ نور سے مانع بن جاتے ہیں۔ عام دریچوں میں سورج کی روشنی ہوا کے حکیف ہونے اور شش جہات سے پہنچتی ہے لیکن حضور ﷺ وہ دریچہ ہیں کہ سورج کو اُن سے اُلفتِ خاص ہے۔ اب اِس اتحاد کی وجہ سے جو اُن ﷺ کو ذاتِ حق سے حاصل ہے، آپ ﷺ کی تنزیہہ اور تعریف، خدا کی تنزیہہ اور تعریف ہوگی۔ اگر کسی طباق سے خود میوہ اُگ پڑے تو اگر اُس کو درخت کہیں تو کوئی عیب نہیں۔ جس طباق اور ٹوکرے میں یہ خصوصیات پیدا کر دی جائیں کہ اُس میں خود بخود پھل اُگ پڑیں تو اُسے پھل دار درخت سمجھ کیونکہ درخت اور اُس ٹوکرے میں خاص نسبت موجود ہے۔ تجھے اُس ٹوکرے کو درخت سمجھ کر ٹوکرے کے سایہ میں بیٹھنا چاہیے۔ صورت کا اعتبار نہیں ہے، سیرت معتبر ہے۔ جس روئی کو کھانے سے دست آنے لگیں اُس کو سقمونیا کہنا چاہیے' جس کی خاصیت دست لانا ہے۔ مٹی میں اگر سُرمہ کی خاصیت ہو تو اُسے سُرمہ کہیں گے۔ جب سفلی اجسام میں علوی اَجرام کا خاصہ پیدا ہو جائے تو اُن کے ساتھ علوی اَجرام کا سا معاملہ کرنا پڑے گا۔

عاقل آں باشد کہ عبرت گیرد از | مرگِ یاراں وز بلائے مُحترز
عقل مند وہ ہے جو عبرت حاصل کرے | دوستوں کی موت اور قابلِ احتراز مصیبت سے

حضور ﷺ کے اوصافِ بشریہ فنا ہو چکے تھے۔ بحرِ توحید میں غوطہ لگانے سے بشری صفت کہاں رہ سکتی ہے۔ حضور ﷺ پر تجلی خاص تھی کہ آپ ﷺ کی ذات اُس میں سما گئی تھی۔ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے فنا کا طالب ہوتا ہے تو اُس کی ہستی کو فنا کر دیتا ہے۔ اب فنا کے بعد اُس اعتبار سے وحدت اور اتحاد ہو جاتا ہے کہ بندہ آقا میں محو ہو جاتا ہے اور یہ مرتبہ فنافی الشیخ کا ہے۔ پھر چونکہ شیخ بھی فنافی اللہ ہے تو اب مرید مزید ترقی کر کے فنافی اللہ کا مرتبہ حاصل کر لیتا ہے۔ اگر تُو شیخ کو فانی فی اللہ نہیں سمجھے گا اور اُن میں دوئی کا قائل رہے گا تو مقصد اور راہ دونوں سے ہاتھ دھو بیٹھے گا۔ تُو اُس شیخ کی صورت سے گزر اور ایک قبلہ سمجھ، دو نہ سمجھ۔ محرومی اس طرح ہو گی جیسے چقماق سے سوختہ میں آگ لگے اور کوئی سوختہ سے قطع نظر کر کے چقماق کی طرف متوجہ ہو جائے اور سوختہ جل کر ختم ہو جائے۔ اب وہ آگ سے محروم ہو جائے گا کیونکہ اب وہ سوختہ ہی نہیں جس کے ذریعے چقماق سے فائدہ اُٹھا سکے۔

دو بینی کے مضر اثرات

کسی شہر کے تمام باشندے رافضی تھے۔ عُمر نام سے چڑتے تھے۔ جس شخص کا نام بھی عُمر ہوتا اُس سے لین دین نہ کرتے۔ اگر تیرا نام عُمر ہے تو اُس شہر والے بہت قیمت ادا کرنے پر بھی روٹی نہ دیں گے۔ اگر تُو ایک دُکان پر جا کر نام عُمر بتائے گا تو وہ تجھے کسی دوسری دُکان پر بھیج دے گا کہ وہاں کی روٹی اچھی ہے۔ یہ شخص اپنے بھینگے پن سے دُکانوں کو علیحدہ علیحدہ سمجھ رہا ہے۔ حالانکہ عُمر نام کے ہاتھ روٹی فروخت نہ کرنے میں وہ ایک ہیں۔ اگر مسافر بھینگا پن چھوڑ کر یہ سمجھ لیتا کہ سب دُکانیں ایک ہیں اور اپنا نام بجائے عُمر کے علی بتا دیتا تو یہ تدبیر چل جاتی اور شہر کا دُکاندار اُس عمر کو علی سمجھ کر روٹی دے دیتا۔ دراصل پہلا دُکان دار دوسرے نانبائی کو آواز دے کر کہہ دیتا کہ عُمر آ رہا ہے اُس کو روٹی دے دے لیکن مقصد اُس کا یہ ہوتا کہ روٹی نہ دے۔ دوسرے نانبائی کا بھینگا پن یہ ہے کہ وہ روٹی کو علی کی سمجھ کر عُمر کو روٹی دینے سے انکار کر دیتا حالانکہ عُمر اور علی دو نہیں ہیں بلکہ دونوں حقیقتاً ایک ہیں۔ جب تُو ایک دُکان سے عُمر بن گیا تو اب سارے شہر میں گھومتا پھر، تجھے روٹی نہیں ملے گی۔ اگر وہ اُن دُکانوں کو چند دُکانیں نہ سمجھتا اور شروع میں ہی اپنا نام علی بتاتا تو فوراً روٹی مل جاتی۔

اُس مسافر کا بھینگا پن جو معمولی تھا اُس کی محرومی کا سبب بن گیا تو وہ بھینگا جو جملہ کائنات کو مستقل موجود سمجھ کر بھینگا بن رہا ہے اُس کی محرومی پر اس کو قیاس کر لے کہ کس قدر ہو گی۔ یہ دنیا بھی وہی شہر ہے۔ جب تُو بھینگا پن نہیں چھوڑے گا تو مارا مارا پھرے گا۔ جو کائنات کو حقیقی موجود سمجھے گا وہ کبھی کسی طرف متوجہ ہو گا کبھی کسی طرف۔ اگر صحیح نظر حاصل ہو گئی تو سب موجودات کو ایک موجودِ حقیقی کا سایہ سمجھے گا اور صرف اُس کی طرف توجہ کرے گا اور بھلائی سمجھ کر متوجہ ہو گا۔ جا بجا

عقلِ جزوی عقلِ استخراج نیست
ناقص عقل ایجاد کرنے والی نہیں ہوتی

جز پذیرائے فن و محتاج نیست
وہ صرف سیکھنے اور قبول کر لینے والی علاوہ کچھ نہیں

مارے مارے پھرنے سے نجات پا جائے گا۔ اب اُن اولیاء رحمہم اللہ کا جو خدائی اخلاق سے آراستہ ہو گئے ہیں اللہ کا مظہر ہونا ثابت کرتے ہیں کہ جب تو کوئی ایسا عکس دیکھے جو پھل اور پھول والا درخت ہے' اُس کو اور عکسوں کی طرح نہ سمجھ۔ اہلُ اللہ کی صحبت سے صحیح نظر حاصل ہو جاتی ہے۔ یہ عکس ہیں لیکن اِن ہی سے مقصد حاصل ہوتا ہے۔ یہ اہلُ اللہ پانی نہیں ہیں کہ اُن میں عکس نظر آئے بلکہ عین حقیقت اور باغ ہیں۔ بس تُو اِس طرح دھوکا نہ کھا جس طرح بلقیس نے غیر آب کو آب سمجھ لیا۔ اہلُ اللہ کو باغ کی بجائے آب نہ سمجھ لینا۔ اُن کو اور عوام کو ایک نظر سے نہ دیکھ۔

مختلف انسان اِس طرح ہیں کہ کسی پر لعل و جواہر لدے ہوئے ہیں اور کسی پر پتھروں کا بوجھ ہے۔ سب نہروں کو ایک جیسا نہ سمجھ۔ ایک نہر میں بعینہٖ چاند موجود ہے اُس کو عکس نہ سمجھ۔ اِس نہر کا پانی آبِ حیات ہے۔ وہ محض جانوروں کے پینے کا پانی نہیں ہے۔ وہ عکس نہیں بلکہ عین حقیقت کا وجود ہوگا۔ اُس نہر میں جو اوپر ہے وہی اندر ہے۔ تُو جہاں سے فیض حاصل کرے گا وہ ایک ہی فیض ہوگا۔ اُس نہر سے تیرے اُخروی اور دنیاوی سب مقاصد پورے ہو جائیں گے۔ تجھ میں اور مقاصد میں کوئی دُوری اور جدائی نہ رہے گی۔ اُس پردیسی کے قرض کا قصہ تبریز میں مشہور ہو گیا تو ایک شخص اُس کا ہمدرد بن گیا۔ اُس نے اِس کا قرض لوگوں پر بانٹ کر جمع کرنے کے لیے شہر کا گشت شروع کر دیا اور اس لالچ سے کہ لوگ رحم کھا کر اُس کو چندہ دے دیں، اُس کا سارا قصہ بیان کرنا شروع کر دیا۔ اُسے صرف سو دینار چندے میں ملے۔ اس قلیل مقدار سے پردیسی کو مایوسی ہوئی تو وہ اُس شخص کا ہاتھ پکڑ کر محتسب کی قبر پر لے گیا۔

راستے میں مددگار نے اُسے کہا کہ اگر کسی کو کسی بابرکت مہمان کی مہمانداری کی توفیق میسر ہو اور وہ اُس مہمان کا پورا اعزاز کرے تو ایسے میزبان کا شکریہ ادا کرنا خدا کا شکریہ ادا کرنا ہے کیونکہ اللہ ہی نے اس میزبان کو توفیق عطا فرمائی۔ ایسے میزبان کی ناشکری اللہ کی ناشکری ہوگی۔ محتسب نے تجھ پر احسان کیے ہیں۔ تُو خدا کا شکر ادا کر اور محتسب کا بھی شکر گزار بن۔ ماں میں اگرچہ رحم کا مادہ اللہ نے پیدا کیا ہے لیکن پھر بھی ماں کی خدمت فرض اور مناسب ہے۔ چونکہ ہم آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے محتاج ہیں اور وہ اللہ کی نعمتوں کا ہمارے لیے واسطہ ہیں اِس لیے اُن کا شکریہ ادا کرنے کے لیے ہمیں اُن صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اللہ قیامت میں بندے سے کہے گا: میں نے تجھے نعمتیں دی تھیں تُو نے کیا کیا؟ وہ کہے گا: کیونکہ اصل روٹی دینے والا تُو تھا، میں نے تیرا شکریہ ادا کیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: جبکہ تو نے محسن کا شکریہ ادا نہیں کیا تو گویا میرا بھی شکریہ ادا نہ کیا۔ جس سخی کے ہاتھ سے میں نے تجھے روٹی دلائی تھی تُو نے اُس کا شکریہ ادا نہیں کیا تو اُس پر ظلم کیا۔ اِس لیے محتسب کی قبر پر شکریہ کے طور پر دعائے مغفرت ادا کر۔

عقلِ جزوی عقلِ استخراج نیست — ناقص عقل ایجاد کرنے والی نہیں ہوتی

جز پذیرائے فن و محتاج نیست — وہ صرف سیکھنے اور قبول کرنے والی کے علاوہ کچھ نہیں

قبر کے پاس پہنچ کر شکریہ ادا کرتے ہوئے وہ کہنے لگا کہ ہمیں رزق پہنچانے کا تجھے فکر لگا رہتا تھا۔ تیرا احسان اور نیکی اسی طرح عام تھی جس طرح تیرا دسترخوان لوگوں کے لیے کھلا ہوا تھا۔ کبھی کسی سائل کو دیکھ کر تیری پیشانی پر گرہ نہیں پڑتی تھی۔ میرا اور مجھ جیسے ہزاروں کا تُو اولاد کی طرح خیال رکھتا تھا۔ تمام نعمتیں اللہ کی طرف سے تھیں لیکن تُو اُن کا واسطہ اور ذریعہ تھا اور ہم میں اور اللہ میں رابطہ پیدا کر دیتا تھا۔ آج صرف تُو نہیں مرا ہے بلکہ سارے فائدے مر گئے۔ تُو سخاوت میں سینکڑوں حاتموں کی طرح تھا۔ حاتم تو صرف دنیاوی نعمتیں عطا کرتا تھا جو فانی تھیں۔ تیری عطا زندگی ہے یعنی رُوحانی عطیات اور ظاہری عطیات بھی کھرے اور بے شمار ہیں۔ تیری ان فضیلتوں میں تیرا کوئی قائم مقام نہیں ہے۔ تُو مخلوق کو اس طرح محفوظ رکھتا تھا جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی بکریوں کو۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بھاگنے والی بکری

ایک بکری حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بھاگ گئی۔ وہ اُس کی تلاش میں دوڑے اور تھک گئے۔ بکری بھی تھک کر سُست ہوگئی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اُس کے پاس پہنچ کر اُس کی گردن جھاڑی اور ماں کی طرح شفقت سے ہاتھ پھیرنے لگے۔ بکری کی اُس حرکت سے اُنہیں ذرہ بھر غصہ نہ آیا۔ وہ فرمانے لگے کہ اگر تجھے میرے بھاگنے دوڑنے پر رحم نہ آیا تو نہ سہی، تُو نے اپنے آپ پر تو رحم کیا ہوتا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی یہ باتیں سُن کر اللہ نے فرشتوں سے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام جیسا بُردبار نبوت کے لائق ہے۔ بکریاں چرانے والے میں بہت بُردباری پیدا ہو جاتی ہے۔ اسی لیے تمام نبیوں نے بکریاں چرائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں بھی مکہ والوں کی بکریاں چراتا رہا ہوں۔ جو کوئی بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام اور دوسرے نبیوں کی طرح مخلوقِ خدا کی چوپانی کرے گا اور اپنی عقل و تدبیر سے اُن کی دیکھ بھال کرے گا۔ اللہ اُس کو چوپانی کا رُوحانی مقام عنائت فرما دیتا ہے۔

مسافر کہتا رہا کہ مجھے یقین ہے کہ خدا نے تجھے بھی دائمی سرداری بخش دی ہے۔ میں نے تیری عطا کے بھروسے پر قرض لیے اور بے پروائی سے لیتا رہا تو نو ہزار قرض کر لیا ہے۔ اب تُو کہاں ہے کہ میرے مکدر عیش کو صاف کر دے۔ اب تُو کہاں ہے کہ مجھے نعمتیں عطا کرے۔ میں کہوں کہ یہ عطا میرے لیے کافی ہے اور تُو کہے کہ میری خاطر اور لے لے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تجھ جیسا آسمان، زمین میں کیسے سما گیا۔ لیکن یہ میری غلطی ہے کہ میں تجھے زیرِ زمین سمجھ رہا ہوں۔ تُو زندگی میں بھی ملاءِ اعلیٰ میں تھا اور اب بھی وہاں ہی ہے۔ تُو دراصل رُوح تھا، جو ملاءِ اعلیٰ کی چیز ہے اور جسم جو زمین پر ہے وہ تو اُس رُوح کا سایہ ہے۔

جہد کُن تا صد گماں گردد نُود کوشش کر تاکہ سو گمان گھٹ کر نوے رہ جائیں	شب برو ور تو بخسپی شب رُود رات کو سفر کر (عبادت) اگر سو گیا تو رات نکل جائے گی

جسم، سایہ اِس طرح ہے کہ قلب، رُوح ہے اور رُوح کی دو قسمیں ہیں۔ ایک رُوحِ سراجی جو رُوحِ عظیم ہے اور وہ تمام اَرواح کا منبع ہے۔ دوسری رُوحِ زُجاجی جو ہر شخص میں جدا ہے اور اُس کا تعلق ہر شخص سے رُوحِ حیوانی کے ذریعے ہے۔ جسم، رُوحِ حیوانی سے اِستفادہ کرتا ہے اور وہ رُوحِ زُجاجی کے تابع ہے۔ اور رُوحِ زُجاجی، رُوحِ سراجی کے تابع ہے۔ تو جسم رُوحِ سراجی کے سایہ کے سایہ کا سایہ ہوا۔ اِس لیے جسم کو وہ رتبہ کہاں مل سکتا ہے جو رُوح کو حاصل ہے۔ نیند کی حالت میں جسم لحاف میں سویا ہوا ہوتا ہے اور رُوح، عالمِ مجردات کی سیر کرتی ہے۔ رُوح کو اللہ نے اَمْرِ رَبِّیْ کہہ کر مخفی رکھا ہے تو وہ کسی بھی مثال کے ذریعے نہیں سمجھائی جاسکتی۔

اے مسافر! تُو کہتا ہے کہ محتسب کہاں ہے؟ تو سُن لے کہ وہ ایسی جگہ ہے جہاں حق تعالیٰ کی صفات ہیں یعنی اُس کو اللہ تعالیٰ کی معیت حاصل ہے۔ وہ وہیں ہے جہاں اُس کا خیال ہر وقت لگا رہتا تھا۔ جب ہوا کے رُک جانے سے کھیتی اور کشتی کو نقصان پہنچتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ جب انسان ذکر کرتا ہے تو اُس کا قلب اللہ کی طرف اشارے کرتا ہے۔ اُس کو اب اللہ کی معیت حاصل ہوگئی ہے۔ اُس کے متعلق یہ نہیں کہا جاسکتا کہ "تُو کہاں ہے" کیونکہ وہ مقامِ لامکان ہے۔

اگر ہم میں عقل ہو تو ہم دیکھ سکتے ہیں کہ مشرق و مغرب میں اہل اللہ کی رُوحوں میں سینکڑوں قسم کی تجلیاں وارد ہو رہی ہیں۔ اہل اللہ کی رُوح کو وفات کے بعد معیتِ حق حاصل ہو جاتی ہے۔ زندگی میں رُوح جسم کی جھاگ میں تھی۔ اُس میں قربِ الٰہی کے اعتبار سے گھٹاؤ بڑھاؤ تھا۔ جب وفات ہوگئی تو گھٹاؤ ختم ہوگیا صرف بڑھاؤ رہ گیا۔

اس مقروض نے کہا کہ مجھ پر نو ہزار قرض ہے جو میری دسترس سے باہر ہے۔ اللہ نے تجھے عالمِ بالا کی جانب کھینچ لیا ہے۔ میں اب کشمکش میں ہوں اور واپس جا رہا ہوں۔ کچھ رُوحانی توجہ ڈال دے۔ وہی زمین و آسمان ہیں لیکن تیرے جانے کے بعد اُس میں رونق اور سخاوت نہیں ہے۔ تُو خدا کے پاس پہنچ گیا ہے۔ مجھے بھی پہنچنا ہے۔ لیکن ہم زندگی میں بھی تو اُسی کے تصرف میں ہیں۔ اُس کا تصرف ہے کہ انسان کے دل میں ہر وقت خیالات آتے جاتے رہتے ہیں۔ کسی وقت وہ انسان میں غصہ پیدا فرماتا ہے، کبھی خوشی، کبھی بخل، کبھی سخاوت پیدا فرماتا ہے۔ کینہ، خلوص، کم ہمتی اور ہمت کی عطا سب اُسی کے تصرفات ہیں۔ لکڑی بڑھئی کے تصرف میں ہے تو کپڑا درزی کے تصرف میں۔ مشک پر سقے کا تصرف ہے۔ صانع کی صنعت کو تُو خود اپنی چشمِ بصیرت سے دیکھ، اُس آنکھ سے نہ دیکھ جس کے پاس نہ دلائلِ عقلیہ ہوں اور نہ دلائلِ نقلیہ۔ تجھے خدا نے کان دیئے ہیں تو اُن سے سُن۔ دوسروں کی سُنی سنائی باتوں پر بھروسہ نہ کر۔

در شبِ تاریک جُو آں روز را	پیش کُن آں عقلِ ظلمت سوز را
اندھیری رات میں رُوحانی دن کو تلاش کرلے	تاریکی کو ختم کرنے والی عقل کو رہنما بنالے

خوارزم شاہ کا نادر گھوڑے کو دیکھنا اور عمادُ المُلک کی عقلمندی، ”اگر بردہ فروش دلال کی زبان جاسد ہو تو غلام بے وقعت ہو جاتا ہے“ (حکیم سنائی رحمۃ اللہ علیہ)

خوارزم شاہ بادشاہ کو اچانک ایک گھوڑا بہت زیادہ پسند آ گیا۔ یہ گھوڑا اُس کے ایک سردار کا تھا۔ گھوڑا بادشاہ کو بہت سی صفات کا حامل نظر آیا۔ شاہ حیران ہوا کہ یہ گھوڑا کیسا عمدہ ہے کہ اُس نے اس کا دل کھینچ لیا۔ گھوڑے کے خیال کو دُور کرنے کے لیے اُس نے بہت تدبیریں کیں لیکن بے سود۔ اگر اللہ تعالیٰ غیر کو حسین کر کے دکھا دیتا ہے تو یہ اُس کا ملمع ہے اور اگر غیر کو بُرا کر کے دکھاتا ہے تو یہ اُس کی تنبیہ ہے۔ شاہ کو یقین ہو گیا کہ گھوڑے کی جانب یہ کشش منجانب اللہ ہے۔ اللہ جب اپنے کسی غیر کو حسین بناتا ہے تو اُس کی یہ صورت ہوتی ہے کہ انسان گھوڑے اور بیل کے بُت پوجنے لگتا ہے۔ وہ کافر اُس بُت کو عدیم المثال سمجھنے لگتا ہے حالانکہ نہ وہ جاندار ہے، نہ اُس میں کوئی شان و شوکت ہے۔ انسان کے لیے کشش والی چیز مخفی در مخفی ہے اور عالم غیب سے آ کر انسان کو متاثر کرتی ہے۔ اُس کو نہ عقل سمجھ سکتی ہے نہ رُوح۔ یہ قدرت کا راز ہے جس پر بحث نہیں کی جا سکتی۔

جب بادشاہ واپس آیا تو اپنے خواص سے مشورہ کیا اور سپاہیوں کو بھیجا کہ سردار کا گھوڑا جبراً لے آئیں۔ وہ سردار بھی تگڑا تھا لیکن بادشاہ کے سپاہیوں کے سامنے بے بس تھا۔ گھوڑا سردار کو بھی بہت پسند تھا۔ وہ بہت پریشان ہو گیا۔ اُس نے سوچا کہ اس مصیبت سے صرف عمادُ المُلک ہی نجات دلا سکتا ہے۔ خوارزم شاہ عمادُ المُلک کی بہت عزت کرتا تھا اور اُس کے کہنے کو کبھی نہیں ٹالتا تھا۔ وہ امیر تھا لیکن اپنے آپ کو غریبوں میں شمار کرتا تھا اور اُن کی مدد کرتا تھا۔ بُروں کی بُرائی کو اللہ تعالیٰ کی بُردباری کی طرح چھپاتا تھا۔ اگر وہ ایک وقت میں سو سفارشیں بھی کرتا تو بادشاہ اُس کی بات ٹالنے میں شرم محسوس کرتا۔ سردار ننگے سر عمادُ المُلک کے پاس آیا اور کہا کہ بادشاہ اور جو کچھ چاہے لے لے میرا گھوڑا واپس دے دے۔

عمادُ المُلک بادشاہ کے پاس آیا اور کھڑا ہو کر خاموش، اللہ سے راز و نیاز کرنے لگا۔ وہ کہہ رہا تھا: اے اللہ! اگرچہ اس سردار کی غلطی ہے کہ تجھے چھوڑ کر وہ میرے پاس پناہ لینے آیا۔ تُو اُس کی خطا پر گرفت نہ کر اور اپنی شان کے مطابق اُس کے ساتھ معاملہ کر۔ کسی قیدی کے ذریعے قید سے نجات چاہنا بے وقوفی ہے۔ اکثر انسان چمگادڑ صفت ہیں، مسبّبُ الاسباب سے نظر ہٹا کر اسباب سے تعلق پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ سمجھنا چاہیے کہ اسباب کے

اِحتما کُن اِحتما ز اندیشہ ہا	زانکہ شیرانند دراین بیشہ ہا
وسوسوں سے بہت پرہیز کر	اس لئے کہ ان جھاڑیوں میں شیر چھپے ہیں

ذریعے جو کچھ حاصل ہوتا ہے وہ بھی تیری ہی دین ہے۔ تُو کافروں کو بھی رزق پہنچاتا ہے۔ اسباب کے پیچھے بھاگنے والے بھی تیرے سہارے ہی مقاصد حاصل کرتے ہیں۔ عوام تو اگر اسباب پر نظر رکھیں تو قابلِ معافی ہیں لیکن خواص کا یہ جرم ہے۔ اِسی لیے حضرت یوسف علیہ السلام کو مزید جیل خانہ میں رکھا گیا کیونکہ اُنہوں نے اپنی رہائی کی اُمید ایک دوسرے قیدی سے وابستہ کرلی تھی۔

دنیا کے لوگوں سے مدد چاہنا، قیدی سے رہائی چاہنے کی طرح ہے۔ انسان کو مرنے پر دنیا کے قید خانہ سے نجات ملتی ہے۔ عوام تو اندھے ہیں اور دوسروں سے مدد چاہتے ہیں۔ وہ موردِ عتاب نہیں ہیں لیکن "نیکوں کی نیکیاں بارگاہ کے مقربوں کی بُرائیاں ہوتی ہیں"۔ وہ بات جو نیکوں کو بھلائی دلانے کا موجب ہے اگر مقربِ بارگاہ کرے تو گرفت ہوجاتی ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام بہر حال محبوبِ خدا تھے اس لیے سزا میں بھی اُن کو راحت عطا کردی گئی۔ قید کی حالت میں اُن پر وہ تجلیات تھیں جن سے اُنہیں نہ تو قید خانہ بُرا لگتا تھا اور نہ کوئی اور تکلیف محسوس ہوتی تھی۔ اس پر تعجب نہ کرو۔ ماں کے رحم سے زیادہ تاریک اور تکلیف دہ قید خانہ کونسا ہوگا لیکن اللہ اس قید خانے کا دریچہ اپنی طرف کھول دیتا ہے اور بچہ کس قدر خوش وخرم رہ کر بڑھتا ہے۔ وہیں اُس کے حواس کے پھول کھلتے ہیں۔ وہ وہاں سے نکلنا پسند نہیں کرتا۔ لذت کا مدار خارجی اسباب پر نہیں ہے، سکونِ قلب پر ہے۔ دولت اور شان وشوکت میں لذت کی تلاش بے وقوفی ہے۔ جسے اللہ قلبی سکون عطا فرما دیتا ہے، اُسے مسجد کے کونے میں مَست رکھتا ہے، ورنہ چمن میں بھی رنجیدہ ہوتا ہے۔

تُو اپنے جسم کی عمارت کو مجاہدوں سے تباہ کردے تاکہ اُس کھنڈر میں سے تجھے خزانہ مل جائے۔ جس طرح انسان جھاگ کی وجہ سے اصل پانی کے نظارے سے محروم رہتا ہے اسی طرح اِس جسم کے نقش ونگار کی وجہ سے رُوح کے خزانے کے لطف سے محروم ہے۔ انسان کا بدن رُوح کے خزانے کا پردہ ہے۔ مسبّب الاسباب کے ہوتے ہوئے اسباب پر توکل ہماری حماقت ہے۔ تُو اپنی رحمت سے ان اسباب پرستوں کو اپنی طرف متوجہ کرلے تاکہ تجھ پر بھروسہ کریں۔ جس کا گھوڑا شاہ نے چھینا ہے اس نے میرا سہارا ڈھونڈ کر غلطی کی ہے۔ عماد الملک کا جسم شاہ کے سامنے تھا لیکن رُوح مناجات میں مشغول تھی اور اللہ سے مکالمہ میں مصروف تھی۔ اِس ہم کلامی کی مَستی سے اس کے باطن میں سرور تھا اور جسم مظلوم سردار کی وجہ سے غمگین تھا۔ اِس تنگ لحد جیسے جسم میں ایک عالمِ مسرت تھا۔ عماد الملک نے جب اُس گھوڑے کو دیکھا تو واقعی بے نظیر تھا۔ وہ چاند کی طرح تیز رَو تھا۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کم درجہ چاند کی یہ رفتار آنکھوں نے دیکھی ہے تو اُن صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرِ معراج پر کیا شبہ ہوسکتا ہے۔

زانکہ شیرانند دراین بیشہ ہا اس لئے کہ ان جھاڑیوں میں شیر چھپے ہیں	**احتما کن احتما زاندیشہ ہا** وسوسوں سے بہت پرہیز کر

اُنہوں نے تو انگلی کے اشارے سے چاند کو دو ٹکڑے کر دیا۔ یہ تعجب خیز معجزہ اس لیے دکھایا گیا کیونکہ ہمارا ضعیف احساس اِسی کا اِدراک کر سکتا تھا۔ آپ ﷺ کے تو وہ عجائب ہیں جو ہمارے اِحساس و اِدراک میں نہیں سما سکتے۔ تُو اِس مادی دنیا سے نکل پھر تُو انبیاء علیہم السلام کے معجزوں کا عجیب و غریب نظارہ کر سکے گا۔ اِس مادی دنیا میں رہتے ہوئے تیری مثال انڈے میں بند چوزے کی سی ہے' جو فضا کے پرندوں کی تسبیح نہیں سُن سکتا۔ اللہ کی مہربانی کا سورج جس پر چمک جاتا ہے وہ کتا ہو یا گھوڑا، اُس میں اصحابِ کہف کی شان پیدا ہو جاتی ہے۔ لعل اپنی چمک سے خزانہ بن جاتا ہے اور پتھر میں زیادہ گرمی اور تپش پیدا ہوتی ہے۔ سورج کی روشنی قبول کرنے میں دیوار اور پانی کی سطح اگر وہ متحرک ہو تو برابر نہیں ہے۔

گھوڑے کے حُسن پر شاہ تھوڑی دیر حیران رہا پھر **عمادُ الملک** نے جواب دیا کہ آپ کی پسندیدگی سے تو شیطان بھی فرشتہ بن جاتا ہے۔ گھوڑے میں اور تو بہت سی خوبیاں ہیں لیکن اُس کا سَر بیل کا سا معلوم ہوتا ہے۔ چونکہ **عمادُ الملک** کی غرض گھوڑے کو بُرا کہنے سے وابستہ تھی۔ اس لیے اُسے بُرا کہا اور اُس کی وقعت گر گئی، جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کو خریداروں نے معمولی قیمت پر خرید لیا تھا۔ موت کی پریشانی کی حالت میں شیطان ایمان کو اس قدر حقیر کر کے دکھاتا ہے کہ بے وقوف آدمی اُس کو ایک لوٹے پانی کے عوض فروخت کر دیتا ہے۔ شیطان کا مقصد تو ایمان کو برباد کرنا ہوتا ہے۔ اِس میں حیرانی کی کوئی بات نہیں' انسان زندگی میں بھی معمولی نفع کے خیال پر جھوٹ بول دیتا ہے۔ معمولی نفع کے عوض سچائی کو فروخت کرنا ایسا ہی ہے جیسا بے عقل بچہ ایک قیمتی موتی کے عوض چند اخروٹ خرید لیتا ہے۔ دنیا میں تو انسان اتنا مجبور بھی نہیں ہوتا، موت کے وقت تو اُس کو پیاس لگی ہوگی۔ یہ خیال جس کی وجہ سے انسان سچائی کو فروخت کرتا ہے ایک سڑا ہوا اخروٹ ہے۔ اگر انسان ابتداء میں ہی انجام کو مدِ نظر رکھے تو فریب سے بچ جاتا ہے۔ یہ دنیا کا نفع ایک بوسیدہ اخروٹ ہے۔ یہ اللہ اور رسول ﷺ کے فرمان سے واضح ہے۔ اِسے آزمانے کی بھی ضرورت نہیں۔

بادشاہ نے اُس گھوڑے کے موجودہ حُسن پر نظر کی اور **عمادُ الملک** نے اُس کے انجام پر کہ اِس طرح گھوڑے کے چھیننے سے کتنا بڑا ظلم ہوگا اور انجام کیا ہوگا۔ اللہ جس کو بصیرت عطا فرما دیتا ہے تو یہ ایسا سُرمہ ہے کہ سو پردوں میں سے بھی چیز کو دکھا دیتا ہے۔ حضور ﷺ نے دنیا کو جو مُردار کہا ہے تو وہ انجام کے اعتبار سے کہا ہے۔ **عمادُ الملک** کی آنکھ اور بات کو ترجیح دی۔ چوں کہ **عمادُ الملک** نے نیازمندی سے دُعا کی تھی کہ شاہ ظلم کرنے سے بچ جائے، اللہ نے اسے منظور کر لیا۔ شاہ کے گھوڑے کو ناپسند کرنے کا اصل سبب اللہ تعالیٰ ہے، اس لیے کہ اُس نے اصل دروازہ جو گھوڑے کے حُسن کے دیکھنے کا تھا شاہ کے لیے بند کر دیا۔ **عمادُ الملک** تو اُس کی صرف ظاہری علامت تھا۔ مکان کی چیزیں

ہر کہ اُو از ہم زبانے شُد جُدا | بے نوا شُد گرچہ دارد صد نوا
جو شخص بھی دوست سے جُدا ہوا | بے سہارا ہوا، خواہ سَو سہارے رکھے

دروازہ بند ہونے سے چھپ جاتی ہیں۔ جس شخص نے دروازہ نہ دیکھا ہو وہ دروازہ بند ہونے کی آواز کو چیزوں کے چھپنے کا سبب سمجھے گا۔

عمادُالمُلک کی بات کو اللہ نے شاہ کی نظر کا پردہ بنادیا۔ انسان کی بات کے نتائج عالمِ آخرت میں نمودار ہوتے ہیں۔ تُو اپنی آواز کو دروازہ کی آواز سمجھ کر پہچان کہ اس آواز سے دروازہ کھلا ہے یا بند ہوا ہے۔ انسانوں کو دروازے کی آواز جو خود اُن کی گفتگو ہے محسوس ہوتی ہے۔ وہ جس دروازے کے کھلنے اور بند ہونے کی آواز ہے وہ دروازہ نظر نہیں آتا، وہ عالمِ غیب میں ہے۔ انسان کوئی دانائی کی اچھی بات کرتا ہے تو جنت کی طرف دروازہ کھلتا ہے۔ بُرے کلمے کی آواز دوزخ کی طرف دَر کھولتی ہے۔ جب تجھے دروازہ نظر نہیں آتا تو اُس کی آواز سُن لے اور اُس کے ذریعے دروازے کو سمجھ لے۔ جب انسان کوئی نیکی کرتا ہے تو اُس کا محل جنت میں تیار ہوتا ہے۔ جب گناہ کرتا ہے تو جنت کی نعمتوں سے محروم ہو جاتا ہے۔

دنیا کی فانی نعمتوں کو اپنی چشمِ بصیرت سے دیکھ۔ دنیاداروں کی بات کا اعتبار نہ کر۔ یہ تو گِدھ ہیں جو تجھے مُردار کی طرف لے جاتے ہیں۔ اللہ نے تجھے چشمِ بصیرت عطا فرمائی ہے۔ تُو تکلف سے اندھا نہ بن۔ دیکھ لے جس کو تُو اپنا رہبر بنا رہا ہے۔ وہ دنیادار تجھ سے زیادہ اندھا ہے۔ اللہ کی رسی کو تھام۔ اللہ کی رسی خواہشِ نفس کو ترک کرنا ہے۔ قومِ عاد اس خواہشِ نفس کی وجہ سے تباہ ہوئی اور اُن پر آندھی کا عذاب آیا۔ ہر جاندار نفسانی خواہش ہی کی وجہ سے مصیبت میں گرفتار ہوتا ہے۔ مچھلی اگر چارے کا لالچ نہ کرے تو کبھی کانٹے میں نہ پھنسے۔ آخرت کا کوتوال تمہارے انتظار میں ہے۔ رُوح کے لیے بھی عذاب کے آلات ہیں جو مرنے کے بعد نظر آئیں گے۔ جب تُو عالمِ آخرت کی وسعتوں میں پہنچے گا تو اس دنیا کا شکنجہ ہونا سمجھے گا۔ اِس لیے ضد کو دیکھ کر اُس کی ضد پوری طرح سمجھ آتی ہے۔ تُو نفسانی خواہشات کو ترک کردے گا تو آخرت کی نعمتوں کا لُطف محسوس کرنے لگے گا۔

بادشاہ کو جب احساس ہوا کہ اس سردار سے گھوڑا چھیننا ظلم ہے تو واپس کردیا۔ انسانی جسم ایک عالم ہے۔ جس طرح ساری کائنات اَسماءِ الٰہی کا مظہر ہے اسی طرح تنہا انسان اُن سب کا مظہر ہے۔ حق تعالیٰ کے تصرفات انسانی جسم پر بصورت قبض و بسط طاری ہوتے ہیں اور اُس قبض سے کبھی وہ اچھے کو بُرا دکھا دیتا ہے اور بسط کے ذریعے بُرے کو اچھا دکھا دیتا ہے۔ اِسی لیے حضور ﷺ نے دُعا فرمائی کہ ”اے اللہ! مجھے اچھے کو اچھا اور بُرے کو بُرا دکھا“ یہ دُعا اس لیے ہے کہ زندگی کا ورق پلٹنے کے بعد شرمندگی نہ ہو۔ مگر شاہ کے دل سے گھوڑے کی محبت دُور کرنے کے لیے اللہ نے یہ تدبیر کی۔

خام را جز آتشِ ہجر و فراق
کچے کو سوائے ہجر اور جُدائی کی آگ کے

کہ پزد کہ وَا رہاند از نفاق
کون پختہ بنا سکتا ہے تاکہ اُس کو نفاق سے نجات دے

بھلائی کے لیے حیلہ کرنا بھلا ہے اور بُرائی کے لیے حیلہ کرنا بُرا ہے۔ انسان کو اپنی کسی تدبیر پر مغرور نہیں ہونا چاہیے کیونکہ اِن تدبیروں کا چشمہ اللہ کی تدبیر ہے۔ انسان کا قلب اللہ کی دو انگلیوں کے درمیان ہے۔ وہ جس طرح چاہتا ہے اُسے پھیر دیتا ہے۔ جو ذات تجھے یہ حیلہ اور تدبیر سکھا دیتی ہے وہ اُسے اور تیرے علم کو ضائع بھی کر سکتی ہے۔

مددگار اور قرضدار پردیسی کا بقیہ قصّہ

وہ مددگار اُس پردیسی کو اپنے گھر لے گیا اور سو دینار کی مُہر زدہ تھیلی اُسے دے دی۔ پردیسی کو کھانا کھلایا اور باتیں کر کے اُس کا غم ہلکا کیا۔ دیر تک باتیں کرتے رہے اور پھر سو گئے۔ سونے کی حالت میں مددگار نے محتسب کو خواب میں دیکھا کہ ایک مکان کی صدر جگہ پر بیٹھا ہے۔ اُس نے مددگار سے کہا کہ اِس پردیسی نے میری قبر پر جو باتیں کیں وہ میں نے سب سُنی ہیں۔ مردہ سب باتیں سنتا ہے لیکن جواب نہیں دے سکتا۔ مُردوں کو بولنے کی اس لیے اجازت نہیں ہوتی کیونکہ وہ واقف ہو چکے ہوتے ہیں اور اگر بولیں تو عالمِ غیب کے اَسرار کھل جائیں گے اور نظامِ عالم درہم برہم ہو جائے گا۔ نظامِ عالم انسان کی غفلت کے پردوں پر چل رہا ہے۔ راز کھلنے سے ترکِ عمل ہو جائے گا۔ حقیقت کھل جانے سے غلط دعویٰ نہیں ہو سکتا۔ دیدنی چیز جو اَن دیکھی بنی ہوئی ہے وہ اس غفلت کے پردے کی وجہ سے ہے۔

محتسب پھر بولا کہ اگرچہ ہمارے کان ختم ہو چکے ہیں لیکن اب ہم ہمہ تن کان ہیں۔ ہم بغیر زبان کے مجسم گویائی ہیں لیکن بولنے کی اجازت نہیں ہے۔ ہم بغیر آنکھ کے دیکھتے بھی ہیں۔ ہم بغیر ابر و غبار کا سورج ہیں، جس کا اِدراک بہت قوی ہے۔ ہم ہیچ ہیں لیکن قرب کے اعتبار سے ہمیں ذاتِ حق سے اتحاد ہے۔ اب ہماری ذات گناہوں کی کدورت سے پاک ہو چکی ہے اور ہمیں معافی کی حالت میں دوامی زندگی حاصل ہو گئی ہے۔ ہم نے جو عمل دنیا میں کیا ہے اب اُس کے نتائج دیکھ لیے ہیں۔ یہ دنیا کاشت کا وقت ہے۔ جب کاشتکار کھیتی کاٹتا ہے تو اس کے زمین میں چھپائے ہوئے بیج کا نتیجہ ظاہر ہوتا ہے، آخرت اُس کی مثال ہے۔ اُس نے مددگار سے کہا کہ میں نے اس پردیسی کے قرض ادا کرنے کے لیے بہت سا مال فلاں جگہ رکھ دیا ہے۔ میرے وارثوں سے کہو کہ اسے دے دیں اور اُس میں سے خود کچھ نہ لیں۔

مُحتسب کا مددگار کو قرض کی ادائیگی کے طریقے بتانا

محتسب نے کہا کہ میں سمجھ گیا تھا کہ یہ پردیسی مقروض ہو کر میرے پاس ضرور آئے گا۔ میں نے اِس کے لیے دو تین جواہر باندھ کر رکھ دیے تھے۔ یہ گوہر اس قدر قیمتی ہیں کہ اس کا قرض ادا ہو سکتا ہے اور کچھ بچ بھی رہے گا۔ قرض ادا کرنے کے بعد جو کچھ بچے وہ بھی وہی استعمال کرے اور مجھے دعائے خیر میں یاد

علم چوں آموخت سگ رست از ضلال
جب کُتّے نے ہنر سیکھ لیا گمراہی سے چھوٹ گیا

می کند در بیشہ ہا صیدِ حلال
اور جنگلوں میں حلال شکار کرنے لگا

رکھے تا کہ کسی کو پتہ نہ چلے اور وہ شرمندہ نہ ہو لیکن مجھے موت نے یہ موقع نہ دیا۔ وہ جواہر ایک پیالے میں رکھے ہیں اور پیالے پر میں نے اِس کا نام لکھ دیا ہے۔ اس پیالے کو فلاں طاق میں دفن کر دیا ہے۔ یہ جواہر بہت قیمتی ہیں، کوئی دھوکا دے کر انہیں سستا نہ خرید لے۔ میرے وارثوں سے یہ بھی کہہ دینا کہ پردیسی کو مال ملنے سے گھبرا نہ جائیں اور اُن کو میرا سلام بھی دینا۔ اگر پردیسی یہ کہے کہ اس قدر مال کی مجھے ضرورت نہیں ہے تو وہ لے کر کسی اور کو دے کر ثواب حاصل کر لے۔

حضور ﷺ نے عطیہ دے کر واپس لینے والے کو کتے کی مثل کہا ہے، جو قے کر کے چاٹتا ہے۔ اگر وہ عطیہ قبول نہ کرے اور دروازہ بند کر لے تو اُس کے دروازے پر ڈال دینا تا کہ گزرنے والا اُسے اُٹھا کر لے جائے۔ اُسے چاہیے کہ یہ عطیہ لینے سے انکار نہ کرے کیونکہ مخلص کا ہدیہ واپس کرنا بُرا ہوتا ہے۔ میں نے دو سال سے یہ مال اُس کے لیے رکھ چھوڑا ہے اور خدا سے اُس کو دینے کی منت مان رکھی ہے۔ میرے وارثوں کو سمجھا دینا کہ اگر اُنہوں نے اِس رقم میں سے کچھ لیا تو جتنا لیں گے اُس کا بیس گنا اُن کو نقصان پہنچ جائے گا۔ محتسب نے مددگار سے دو اور باتیں بھی کہیں اور وہ راز ہیں بیان نہیں کی جاسکتیں۔ ایک تو راز ہونے کی وجہ سے میں بیان نہ کروں گا اور دوسرے یہ خیال بھی ہے کہ مثنوی بہت طویل ہو جائے گی۔

وہ مددگار نیند سے خوش ہو کر اُٹھا، کبھی محتسب کی وفات پر رونے لگتا تھا۔ رات کا اکثر حصہ گزر چکا تھا۔ وہ مددگار مستی اور بے خودی کی حالت میں محتسب کے اَوصاف گِنا تا گِنا تا بے ہوش ہو گیا۔ لوگ اُس کے چاروں طرف جمع ہو گئے۔ وہ مستی میں تھا۔ اُس نیند کی حالت میں اُسے بہت سے عالی مضامین سکھائے گئے تھے۔ خواب میں وہ باتیں معلوم ہوئیں جو بیداری میں بھی معلوم نہیں تھیں۔ جو انسان بے دل یعنی عاشقِ خدا ہو جاتا ہے وہ حق کا بھی دلدار ہو جاتا ہے۔ اس پر تعجب نہ کرو، کائنات میں مُشاہدہ کر لو۔ اللہ کی قدرت نے ایک ضد کو دوسری ضد میں مخفی کر دیا ہے۔ گرم پانی میں آگ پوشیدہ ہے جس کے اجزاء سے پانی گرم ہے۔ نمرود کی آگ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے چمن پوشیدہ تھا۔ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے مال میں اضافہ ہوتا ہے۔

آنحضور ﷺ نے سخاوت کو نفع فرمایا ہے۔ خیرات اللہ سے رابطہ پیدا کر دیتی ہے تو مال میں برکت ہو جاتی ہے۔ زکوۃ دینے سے برکت ہوتی ہے۔ نماز کی نیکی بدی سے بچاتی ہے۔ نماز شیطان سے تیری محافظ ہے۔ درخت کی شاخوں اور پتوں میں میوہ پوشیدہ ہے۔ اِس عالم کی ہر چیز عدم سے وجود میں آتی ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام ساجد ہو کر مسجودِ ملائکہ

سگ چو عالم گشت شد چالاک زحف
کتا جب صاحبِ علم و ہنر بن گیا بھونکنے میں چالاک بن گیا

سگ چو عارف گشت شد ز اصحاب کہف
اور کتا جب باخدا بنا اصحاب کہف میں سے ہو گیا

بنے۔ جو لوگ اللہ سے ڈرتے ہیں وہ عذاب کی سینکڑوں مصیبتوں سے محفوظ رہتے ہیں۔ شیطان نے حضرت آدم علیہ السلام کے ظاہری جسم کو دیکھا اور اُن کے باطنی اَوصاف پر نظر نہ کی۔

ایک بادشاہ کی اپنے تین بیٹوں کو وصیّت "سب جگہ جاؤ مگر فلاں قلعہ میں نہ جانا"

ایک بادشاہ تھا جس کے تین بیٹے تھے۔ تینوں سمجھ دار اور صاحب نظر تھے۔ وہ شاہ کی آنکھوں کی ٹھنڈک تھے۔ خوشی میں آنکھ ٹھنڈی ہوتی ہے اور رنج میں گرم آنسو بہتے ہیں۔ مخفی طور پر اُولاد، ماں باپ کے بدن کے چمن کو سیراب کرتی ہے۔ اولاد کی آنکھوں سے مخفی چشمے جاری ہیں جو والدین کے جسم کے باغیچے کو پانی دیتے ہیں۔ اسی لیے جب اولاد بیمار ہوتی ہے اور چشمہ میں کمزوری آجاتی ہے تو ماں باپ کا جسم سوکھنے لگتا ہے۔ جس طرح والدین اولاد کے مخفی چشموں سے سیراب ہوتے ہیں اسی طرح انسان کی جان مخفی چشموں سے سیرابی حاصل کرتی ہے۔ انسانی جسم کی ترکیب عالَم کے بہت سے مادوں سے ہوئی ہے۔ انسان کو یہ سمجھنا چاہیے کہ وہ اجزاء جو اُس کے جسم نے حاصل کیے ہیں۔ کیا اُن کو واپس لوٹانا نہیں ہے؟ یہ چرائے ہوئے اجزاء ہمیشہ رہنے والے نہیں ہیں۔ یہ چوری ہی موت کا سبب ہے۔ مانگی ہوئی چیز واپس کرنی پڑتی ہے تو بدن نے اجزاء کو بھی واپس دینا ہے۔

رُوح کا عطیہ، اللہ کی جانب سے ہے، جو مستقل اور باقی ہے۔ چونکہ رُوح عطیۂ خداوندی ہے اور باقی رہنے والی ہے اور بدن کے اجزاء مانگے ہوئے ہیں، اس لیے انسان کے جسم کے چشموں سے زیادہ رُوح کے چشموں کو حاصل کرنا چاہیے۔ صرف عارف باللہ لوگ ہی جسم کے چشموں سے فیض یاب ہونے سے زیادہ رُوح کے چشموں سے فیض حاصل کرنے کی طرف توجہ دیتے ہیں۔ اس لیے وہ دنیا سے بچتے ہیں کیونکہ یہ دارالغرور ہے۔ جو نہر رُوح کو سیراب کرتی ہے وہ علوم کی اصل ہے۔ وہ حاصل کرلے گا تو تُو پھر حواسِ ظاہرہ کے معاملات سے بے نیاز ہو جائے گا۔ جو چشمہ گھر میں ہو وہ باہر کی نہر سے باہر ہوتا ہے۔ تُو بیرونی چشموں سے لطف حاصل کرتا ہے۔ اگر اُن میں سے کسی میں بھی کمی آجائے تو تیری خوشی ناقص ہو جاتی ہے۔ جب تیرے اندر خوشی کا منبع ہو تو پھر بیرونی اسباب کی ضرورت نہیں رہتی۔ جس قلعہ میں باہر سے پانی آئے تو امن کی حالت میں تو خوب آتا رہتا ہے لیکن جب باہر دشمن محاصرہ کر لیتا ہے تو نہر بند کر دیتا ہے تو پھر تیری حالت تباہ ہو جاتی ہے۔ محاصرہ کے بعد پھر تیری یہ حالت ہوتی ہے کہ تُو اندرونی کھارے پانی کے کنویں کو اُس نہر سے بہتر سمجھتا ہے جو باہر سے آتی تھی۔ موت جب لذت کے سب بیرونی ذرائع ختم کر دیتی ہے تو اب خارجی بہار سے تجھے کوئی نفع نہ ہوگا۔ صرف وہ بہار باعثِ لذت ہوگی جو روئے یار سے تجھے حاصل ہو۔

چیست مستی بندِ چشم از دیدِ چشم	تا نماید سنگ گوہر پشم لیشم
مستی کیا ہے؟ آنکھ کا آنکھ کے دیکھنے سے بند ہونا	یہاں تک کہ پتھر، موتی اور اُون ریشم نظر آئے

ہرگز نہ میرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما (حافظ رحمۃ اللہ علیہ)

''جس کا دل عشق کی زندگی حاصل کر لیتا ہے وہ کبھی نہیں مرتا۔ یہ بات زمانہ جانتا ہے کہ میں ہمیشہ کے لیے ہے''۔

چونکہ دنیاوی ذرائع تیرے کام کے نہیں رہتے اسی لیے دنیا کو دھوکے کا گھر کہا گیا ہے۔ یہ دنیا مرتے وقت تیرا ساتھ نہیں دیتی۔ اپنا قدم پیچھے ہٹا لیتی ہے۔ دنیاوی یار تیرے دائیں بائیں پھرتا تھا اور دعوے کرتا تھا کہ تیرا دُکھ درد اُٹھالوں گا لیکن اُس نے کچھ نہ اُٹھایا۔ موت کے سپاہی آتے ہیں تو وہ جان پہچان بھی بھول جاتا ہے۔ اللہ نے شیطان کی یہ حالت بیان کی ہے کہ کہتا ہے کہ تجھے حیلہ تدبیر سے ہر مصیبت سے نجات دلا دوں گا تُو فکر نہ کر اور اسی طرح انسان کو دھوکے دے کر کفر پر آمادہ کر لیتا ہے۔ انسان جب تباہی کے گڑھے میں گر جاتا ہے تو اُس کی حالت پر قہقہے لگاتا ہے۔ جب انسان اُسے مدد کے لیے بلاتا ہے تو بیزاری کا اظہار کر دیتا ہے اور کہتا ہے کہ تُو خدا سے نہ ڈرا لیکن میں تو اُس سے ڈرتا ہوں میں تیرا ساتھ نہیں دے سکتا۔

انسان کہے گا کہ شیطان نے مجھے دھوکا دیا تو اللہ فرمائے گا کہ ہم نے تمہیں پہلے سے اُس سے خبردار کر دیا تھا۔ تُو نے اُس کا کہنا کیوں مانا۔ اگر تُو نے اُس کا کہا مانا تو پھر توبہ بھی تو نہ کی اور توبہ کر کے نیک کام کرتا تو اچھا رہتا۔ گناہ گار جب ندامت کے آنسو روتا ہے تو عرش اس طرح سے کانپتا ہے جس طرح ماں بچے کے رونے سے کانپتی ہے۔ ماں روتے ہوئے بچے کو گود میں لے لیتی ہے، اسی طرح عرش رونے والے گناہ گار کو اُوپر اُٹھا لیتا ہے اور تسلی دیتا ہے اور کہتا ہے کہ تجھ پر ربِّ غفور نے رحم کر دیا اور تُو اُس کی مہربانی کے باغیچہ میں پہنچ گیا ہے۔ جب حضرت حق اپنے محبوب ﷺ کے لیے واسطوں کو پسند نہیں کرتا تو بغیر اسباب کے رزق پہنچاتا ہے اور محبوب بھی اسباب کو ترک کر کے دریا کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔

تینوں شہزادوں کا باپ کے مُلک سے روانہ ہونا اور شاہ کا وصیت کو دُہرانا کہ ہوش اُڑانے والے قلعے میں نہ جانا

تینوں شہزادوں نے ملکی انتظام کر کے سفر کا ارادہ کر لیا۔ بادشاہ نے کہا کہ جس طرف دل چاہے جاؤ مگر قلعہ ہوش رُبا کی طرف نہ جانا کیونکہ اُس میں تصویریں ہیں جو انسان کے ہوش گم کر دیتی ہیں۔ بہت سے بادشاہ اُس تصویر کو دیکھ کر جس کی وہ تصویر ہے اُس پر عاشق ہو کر پریشان ہوئے ہیں۔ یہ تصویریں اُسی طرح کی ہیں جیسی زلیخا نے حضرت

چیست مستی حس ہا مبدل شدن
مستی کیا ہے؟ حسوں کا بدل جانا

چوب گز اندر نظر صندل شدن
جھاؤ کی لکڑی کا نگاہ میں صندل ہو جانا

یوسف علیہ السلام کو پھانسنے کے لیے کمروں میں بنوائی تھیں لیکن وہ زلیخا کو آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھتے تھے۔ وہ عفت کی وجہ سے اُس پر نظر نہ ڈالتے تھے۔ روشن آنکھوں والوں کے لیے اللہ نے ہر طرف کو اپنے دلائل کا مظہر بنایا ہے۔

برگِ درختانِ سبز در نظرِ ہوشیار
ہر ورقے دفتریست معرفتِ کردگار (حافظ رحمۃ اللہ علیہ)

"درختوں کے پتوں کو بھی ہوشیاری سے دیکھ کہ کیسے بنے ہیں اور کیا کرتے ہیں۔ ان سے بھی انسان کو اللہ کی معرفت کے اَن گنت نشان ملیں گے"۔

جب عارفین کائنات میں کمالِ قدرت کا مشاہدہ کرتے ہیں تو اُن کی معرفت میں اضافہ ہوتا ہے۔ اُن لوگوں کے لیے اللہ نے فرمایا ہے کہ جس طرف تم رُخ کرو گے تمہیں ہمارا جلوہ نظر آئے گا۔ عارف تو پانی کے کٹورے میں بھی حق تعالیٰ کو دیکھتے ہیں۔ غیر عارف پانی کے کٹورے میں اپنی صورت دیکھتا ہے لیکن عارف اپنی ذات کو فنا کر کے حق ہی کا ہو جاتا ہے۔ تو جو کچھ کٹورے میں نظر آتا ہے وہ اُس کے چہرے کا عکس نہیں ہوتا بلکہ حق تعالیٰ کا عکس ہوتا ہے۔ حسین حور کا دیدار بھی اُن کا مقصود نہیں بلکہ اُس میں بھی حُسنِ حق کا مشاہدہ کرتے ہیں جو کہ پانی میں موجود ہے۔ عارف چونکہ محبوبِ حق ہے اس لیے اللہ کی غیرت کا تقاضہ ہے کہ وہ کسی غیر پر نظر نہ کرے۔ شیطان اور جانور بھی پانی میں اپنا چہرہ دیکھتے ہیں لیکن وہاں غیرتِ حق آڑے نہیں آتی کہ وہ اپنے چہرے کی بجائے اللہ کا چہرہ دیکھیں۔ شیطان صفت اگر توبہ کر کے عاشقِ حق بن جاتا ہے تو اُس کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہوتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے میری مدد کی تو میرا شیطان مسلمان ہو گیا۔ شیطان بھی اگر توبہ کر لے تو عارف بن جاتا ہے اور یزید جیسا ظالم بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ بن سکتا ہے۔ بادشاہ نے کہا کہ کہیں ہوسِ تمہیں قلعہ ہوش رُبا کی طرف کھینچ کر نہ لے جائے ورنہ ابدی بدبختی میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ بے غرض بات مخلصانہ ہوتی ہے۔ جس طرح خوشی کی جستجو ضروری ہے اسی طرح مصیبت سے پرہیز کرنا بھی ضروری ہے۔ اگر بادشاہ شہزادوں کو نصیحت نہ کرتا اور قلعہ میں جانے سے نہ روکتا تو اُن کا اس قلعے کی طرف جانے کا میلان نہ ہوتا اور وہ وہاں نہ جاتے۔ چوں کہ وہ کوئی مشہور قلعہ نہ تھا، اُن کو وہاں جانے کا خیال بھی نہ آتا۔ اب اُن کے دل میں اُس کا راز معلوم کرنے کی خواہش پیدا ہوئی۔ ایسے لوگ کم ہیں جو ممنوع چیز سے رُکیں کیونکہ انسان ممنوع چیز کا اور حریص ہو جاتا ہے۔ جو متقی ہیں وہ کم ہیں۔ اُن کے لیے ممانعت اِس چیز سے بغض کا سبب بن جاتی ہے اور جو خواہش کے بندے ہیں اور وہ بہت ہیں، اُن کے لیے ممانعت مزید آمادگی کا سبب بن

گر محبت فکرت و معنے ستے
اگر تیری محبت اور باطنی حالات ہی کافی ہوتے

صورتِ صوم و نمازت نیستے
تو پھر ظاہر نماز اور روزوں وغیرہ کی ضرورت ہی نہ ہوتی

جاتی ہے۔

اسی لیے قرآن کی صفت یہ ہے کہ بہت سے اِس سے گمراہ ہو جاتے ہیں لیکن جن کے قلب بیدار ہیں اور باخبر ہیں وہ ہدایت حاصل کر لیتے ہیں۔ بانس کی چھڑ ہلانے سے پالتو کبوتر گھر واپس آجاتے ہیں، جنگلی کبوتر بھاگ جاتے ہیں۔ ایک ہی چیز کی دو خاصیتیں ہیں۔ شہزادوں نے شاہ سے کہا کہ ہم آپ کا کہنا مانیں گے۔ آپ محسن ہیں اور محسن سے غفلت کفر ہے۔ اُن شہزادوں نے اطاعت کا وعدہ تو کر لیا۔ لیکن اللہ کی یاد کر کے انشاء اللہ نہ کہا اور اپنے اوپر بھروسہ کیا۔ انشاء اللہ اور احتیاط کی باتیں ہم پہلے دفتر میں بیان کر چکے ہیں۔ پہلا دفتر اور یہ دفتر کوئی دو چیزیں نہیں ہیں؛ وہاں کی تفصیل یہاں کافی ہے۔ دنیا کے ہر گوشے سے لوگ ایک خانہ کعبہ کی طرف رُخ کرتے ہیں تو وہ سب متحد ہیں۔ جب سب راستے ایک مکان تک پہنچتے ہوں تو باوجود تعدّد کے اُن میں بھی اتحاد ہے۔ جو بالیں ایک دانے سے پیدا ہوئیں وہ بھی متحد ہیں۔ کھانے کی لاکھوں چیزوں میں اتحاد ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک چیز سے پیٹ بھر جائے تو بقیہ کھانوں سے بے نیازی ہو جاتی ہے۔

جب انشاء اللہ نہ کہنے اور اسباب پر اعتماد کرنے کی بات کی تھی تو لڑکی کا قصہ اور طبیبوں کی بے وقوفی یعنی اسباب پر بھروسہ کرنے کی بات کہی تھی۔ وہ طبیب، مُتصرف حقیقی سے ایسے ہی غافل تھے جیسے کہ بے سوار کا گھوڑا، سوار سے غافل ہوتا ہے حالانکہ اللہ کے تصرفات اُن پر جاری تھے۔ یہ اِس سے غافل تھے کہ اُن پر سدھانے والا سوار ہے۔ اپنے حالات سے اُن کو جان لینا چاہیے تھا کہ کوئی متصرف ذات اُن پر مسلط ہے۔ جو لوگ اسباب اختیار کرتے ہیں اور پھر بھی مقصد حاصل نہیں ہوتا اُن کو سوچنا چاہیے کہ اسباب کے خلاف کون سی ذات متصرف ہے۔ یہ بھی اللہ کا تصرف ہے کہ یہ طبیب محض اسباب کے بندے بن گئے ہیں۔ اُنہیں سوچنا چاہیے کہ ایک مخفی تصرف کارفرما ہے۔ انسان نفع کی کوشش کرتا ہے اور بجائے نفع کے نقصان ہو جاتا ہے، ایسا کیوں ہے؟ انسان ایک مقصد کے لیے اسباب اختیار کرتا ہے اور پھر مقصود حاصل نہیں ہوتا تو وہ اسباب سے بدظن کیوں نہیں ہوتا۔

ایک سبب ہے، جو ایک کے لیے مفید اور دوسرے کے لیے مُضر ہوتا ہے۔ شادی کسی کے لیے ایسی راس آتی ہے کہ عروج حاصل ہوتا ہے اور کسی کے لیے تباہی کا باعث بن جاتی ہے۔ تو معلوم ہوا کہ ایک ہی سبب کے مختلف نتیجے اور تاثرات ہوتے ہیں۔ اسباب کو اگر اختیار کیا جائے جو کہ انسانی ضرورت ہے تو اُس کو مستقل مؤثر نہ سمجھے اور غیر ضروری اسباب اختیار نہ کرو۔ اس لیے کہ جس کو تُو راحت کا سبب سمجھتا ہے وہ مصیبت بھی لا سکتا ہے۔ انشاء اللہ کہنے کا راز بھی

هدیه هائے دوستاں باہم دِگر
دوستوں کو ایک دُوسرے کے تحفے

نیست اندر دوستی اِلّا صُوَر
ایک دُوسرے کیلئے محض صُورتوں کے سوا کچھ نہیں

ہے کہ سبب کی تاثیر کو اللہ کے حوالے کر دیا جائے۔ اس لیے کہ اگر مشیت خداوندی نہ ہو تو پھر انسان گدھے کو بکری سمجھنے لگتا ہے۔ جب اللہ حواسِ ظاہری کو بدل سکتا ہے تو فکر کی تبدیلی تو اُس کے لیے بہت آسان ہے۔ اللہ جب چاہتا ہے انسان کی نگاہ میں تبدیلی کرتا ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کی نگاہ میں جنگِ بدر کے اندر مخالفوں کی مقدار کم کر کے دکھا دی تا کہ وہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی نظر میں بے قدر ہو جائیں اور وہ بہادری سے لڑیں۔

بادشاہ کے لڑکوں کا قلعہ کی طرف جانا

جس طرح حضرت آدم علیہ السلام ممنوع گیہوں کے پودے کے پاس پہنچ گئے تھے اسی طرح یہ شہزادے ممنوعہ قلعہ میں جا پہنچے اور بادشاہ کے مخلص اور فرمانبرداروں کے مسکن سے جدا ہو گئے۔ مخالفت کی وجہ سے اُن کا شوق اور بھی تیز ہو گیا تھا۔ قلعہ ہوش رُبا (تصویروں والے قلعہ) کے پانچ دَر دریا کی جانب کھلتے تھے تا کہ آنے والا دریائی سفر سے اس میں بسہولت داخل ہو سکے اور پانچ دروازے خشکی کی طرف کھلتے تھے تا کہ خشکی کا مسافر آرام سے داخل ہو سکے۔ پانچ دَر کو انسانی حواس سمجھو اور پانچ دَر کو باطنی حواس کی طرح جانو۔ انسان انہیں حواس کی مُدرکات سے بسا اوقات مسلوبُ العقل ہو جاتا ہے۔ اِسی طرح اُن دروازوں سے داخل ہونے والا مسلوبُ العقل ہو جاتا تھا۔ اس قلعہ کی اِن ہزاروں تصویروں کو وہ خوشی خوشی دیکھتے پھر رہے تھے اور کسی ایک کو دیکھنے کے لیے اُن میں قرار نہ تھا۔ تصویروں کے پیالوں سے پی کر مَست نہ بن ورنہ تُو بھی بُت تراش اور بُت پرست کی طرح ہو جائے گا، جس کا تعلق محض صورت سے ہے۔ اُن صورتوں کا حُسن بھی بے شک شراب کی سی مستی پیدا کر دیتا ہے۔ لیکن وہ حُسن اُن کا ذاتی نہیں ہے بلکہ مُستعار حُسن ہے۔ تجھے اُن کو حُسن عطا کرنے والے اصل حُسن کی طرف متوجہ ہونا چاہیے۔ جس ذات نے اُن صورتوں کے جام میں شرابِ حُسن بھر دی ہے، اُس کی طرف توجہ کر۔ پھر تجھے قلبی واردات محسوس ہوں گی۔ جب وہ شرابِ عشق حاصل ہو جائے گی، پھر تُو کسی صورت کا پابند نہیں رہے گا۔ کائنات کا ذرہ ذرہ اس کا مظہر معلوم ہو گا۔

حضرت آدم علیہ السلام کے واسطے سے بنی آدم کو خطاب ہے کہ حقیقت کے طالب بنو اور صورت سے قطع نظر کرو۔ صورت بے معنیٰ ہے۔ گیہوں کی صورت نہ تھی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ریت سے آٹا حاصل ہوا۔ صورت کی علت، بے صورت ذات ہے لہٰذا توجہ کے قابل علت ہے۔ دھوئیں کی علت آگ ہے لہٰذا وہ اصل ہے۔ صورت تو ایسی چیز ہے کہ اگر انسان کو مصوّر خیال بار بار آتا ہے تو وہ اُس سے تنگ دل ہو جاتا ہے۔ جب تُو ذات سے صورت کی طرف توجہ کرے گا تو ملال نہیں طبیعت میں حیرت پیدا ہو گی۔ جو مزید توجہ اور کھوج کا سبب بنتی ہے۔ اُس بے آلت اور بے صورت ذات سے

تا گواہی دادہ باشد ہدیہ ہا	بر محبت ہائے مضمر در خفا
تا کہ تحفے گواہی دیں	چھپی ہوئی محبتوں پر

ہزار ہا قسم کے صورت اور آلہ والے پیدا ہوتے ہیں۔ لہٰذا وہ اصل ہے۔ جو ذات ہاتھ سے مُنزّہ ہے، اُس نے کروڑوں ہاتھ بنا دیئے۔ ذاتِ خداوندی نے آدمی کو مُصَوَّر پیدا فرمایا تو اصل وہ خود ہے۔ غیر مُصَوّر، مُصَوَّر میں اِس طرح موَثر ہے جس طرح ہجر و وصال طرح طرح کے خیالات کا مُصَوَّر ہے اور خود غیر مُصَوَّر ہے۔

موَثر اور اَثر میں مشابہت ضروری نہیں ہے۔ ضرر اور تکلیف رونے اور چلانے کا موَثر ہے لیکن دونوں میں کوئی مشابہت نہیں ہے۔ نوحہ اور رونا ایک مُصَوَّر چیز ہے اور ضرر ایک اضافی شے ہے جو مُصَوَّر نہیں ہے۔ انسان رنج سے ہاتھ چباتا ہے اِن دونوں میں کوئی مشابہت نہیں ہے۔ حق تعالیٰ جو کہ موثر ہے اور کائنات جو کہ اُس کا اثر ہے اُس کی یہ مثالیں ناقص ہیں۔ یہ محض سمجھانے کے لیے ہیں۔ کوئی اُس کی صحیح مثال دینے پر قادر نہیں ہے۔

ذات بے صورت یہ صورتیں مع حواس کے پیدا فرما دیتی ہے۔ اللہ نے ان صورتوں کو اس لیے بنایا ہے کہ وہ صورت اپنے مناسب حال انسانی جسم سے نیکی و بدی کرے۔ اگر وہ نعمت کی صورت ہے تو جسم سے شکر گزاری کراتی ہے۔ اگر وہ صورت مہلت اور دیر کی ہے تو انسانی جسم سے صبر کراتی ہے۔ اگر یہ صورت ہوتی ہے کہ اُس پر کوئی رحم کرے گا تو وہ خوش ہوتا ہے اور رنج کی صورت ہو تو وہ نالاں ہوتا ہے۔ کسی شہر کی صورت ہو تو نتیجہ سفر ہوتا ہے۔ اگر تیر کی صورت ہو تو ڈھال سنبھالتا ہے۔ اگر خیال میں حسینوں کی صورت آتی ہے تو اُن سے خوش وقتی کرتا ہے۔ اگر غیبی تجلیات کی صورت خیال میں آتی ہے تو گوشہ نشینی اختیار کرتا ہے۔ اگر ضرورت اور احتیاج کی صورت آجاتی ہے تو کمائی کرتا ہے۔ اپنی طاقت کی صورت خیال میں آتی ہے تو لوگوں کی چیزیں چھینتا ہے۔

یہ بات کہ قسم قسم کے خیالات فعل کے داعی بنتے ہیں، شمار سے باہر ہے۔ لوگوں کے مذہب اور پیشے بھی خیالات ہی کی پیداوار ہیں۔ خیالات کے سبب ہونے کی اور افعال کے مسبّب ہونے کی مثال یوں سمجھو کہ کچھ لوگ بالاخانے پر ہوں اور اُن کا سایہ زمین پر پڑ رہا ہو۔ عمل کا تعلق اعضاء سے ہے اور خیال دماغ میں پوشیدہ ہے لیکن دونوں باہم جڑے ہوئے ہیں۔ عمل کے ساتھ وہ خیال بھی موجود ہے۔ خوشی سے جو صورتیں پیدا ہوتی ہیں اُن کا اثر اور نتیجہ بے ہوشی اور بے خودی ہے۔ مرد اور عورت کو جماع کے تصور سے اور جماع کے وقت مدہوشی طاری ہوتی ہے۔ غذاؤں کی صورت کا نتیجہ بے صورت قوت ہے۔

مدرسہ اور اُس کے متعلقات کی صورتیں علم و دانش سے متعلق ہوئیں تو وہ بے صورت علم موجود ہوگیا۔ جب یہ صورتیں ایک ذاتِ بے صورت کے تابع ہیں تو یہ صورتوں والے اُس سے منکر کیوں ہیں۔ یہ بے صورت جو کہ ان

زانکہ احساں ہائے ظاہر شاہدند
اے عزیز یہ ظاہری نماز روزہ ہی تو

بر محبت ہائے سر اے ارجمند
اللہ کے ساتھ تیری محبت اور باطنی لگاؤ کے ثبوت ہیں

صورتوں کا سبب اور علّت ہے تو اُس سے پیدا ہو کر اُس کے منکر کیوں ہیں۔ مکان کی صورت یہ معمار کے خیال کا اثر ہے اگرچہ اُس معمار کے ذہن کے اندر مکان کے اجزاء موجود نہیں ہیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ تمام صورتوں کو پیدا کرنے والا خود بے صورت ہے اور یہ صورتیں اُس کے لیے بمنزلہ آلہ کے ہیں۔ کبھی کبھی وہ بے صورت اپنی تجلیات بھی رونما کر دیتا ہے اور اُس تجلی سے مقصود کمال اور جمال اور قدرت کا افاضہ ہے۔ پھر جب وہ تجلی غائب ہو جاتی ہے تو لوازمِ بشریت اُبھر آتے ہیں۔ کمال تو بے صورت ہی سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔ ایک صورت اگر دوسری صورت سے کمال کی طالب ہو تو گمراہی ہے۔ ہاں اولیاء اللہ رحمۃ اللہ علیہم جن کو خُدا نے رہنمائی کے لیے منتخب فرمایا ہے اُن سے کمال کی طلب کی جاسکتی ہے۔ ورنہ صورت تو خود محتاج ہے، اُس کے سامنے اپنی احتیاج کو پیش کرنا کونسی عقلمندی ہے۔

جب صورتیں بے صورت کی غلام ہیں تو اُس بے صورت پر صورت کا گمان نہ کر اور تشبیہوں کے ذریعے اُس کو تلاش نہ کر۔ اُس بے صورت کو صورتوں سے تلاش نہیں کیا جاسکتا بلکہ فنا اور تضرّع وزاری کے ذریعے تلاش کیا جاسکتا ہے۔ اس لیے کہ سوچنے اور تفکر سے صورتیں ہی خیال میں آتی ہیں اور وہ ذات تو بے صورت ہے۔ اگر مجاہدے سے بھی بغیر صورت کے اُس کا تصور نہیں ہوتا تو پھر تیرے تصور کے بغیر جو اُس کی صورت سامنے آئے اُس سے سہارا پکڑ لے کیونکہ اُس سے تیرے دل میں انبساط پیدا ہوتا ہے۔ ذوق ایک بے صورت شے ہے۔ وہ تجھے صورت کی طرف لے جارہا ہے لیکن درحقیقت تُو لامکانی اور لازمانی ذوق کی طرف جارہا ہے۔ دوست کی صورت کی طرف جانے کی غرض اُنس و محبت ہے، جو بے صورت ہے۔ دوست اور اُس کے شہر کی طرف تیرا جانا ایک بے صورت ہی کی طرف جانا ہے اگرچہ تُو خود اُس مقصود سے غافل ہے۔

ذوق کا مقصود ہونا ثابت ہوگیا، اس لیے ذوق کی طرف جانے والا ہر راستہ درحقیقت اللہ ہی کی طرف جاتا ہے کیونکہ سب راستوں پر چلنا ذوق ہی کی وجہ سے ہے اور ذوق بخشنا تو اللہ تعالیٰ کا فعل ہے۔ اب اُس معبود کے ساتھ بعض کا معاملہ تو یہ ہے کہ اُنہوں نے اللہ کے توابع کی طرف رُخ کرلیا ہے یعنی افعال باری تعالیٰ کی جانب توجہ کر رکھی ہے، حالانکہ مقصود اُس کی ذات ہے کیونکہ وہی اصل ہے۔ اُن کو بھی ذات سے استفادہ ہوتا ہے اور اُن کی توجہ بھی مقبول ہے۔ عبادت گزاروں کے مختلف مرتبے ہیں۔ ایک تو وہ ہیں جن کی توجہ اور طلبِ حق، افعالِ حق کے ذریعے اور واسطے سے ہے، یہ درجہ عوام کا ہے۔ مثنوی میں دُم سے مراد افعال باری تعالیٰ ہیں اور سَر سے مراد صفاتِ باری تعالیٰ ہیں۔ یہ لوگ صفات کے ذریعے فیض حاصل کرتے ہیں اور یہ درجہ خواص کا ہے۔ لیکن افعالِ باری ہوں یا صفاتِ باری دونوں ذرائع سے ذات

سَر ازاں رُومی نہم من بر زمیں	تا گواہ من بوَد در یومِ دیں
میں اسی وجہ زمین پر چہرہ رکھتا ہوں	تاکہ وہ قیامت کے دن میری گواہ ہو

تک پہنچا جا سکتا ہے۔ کچھ لوگ وہ ہیں کہ صرف ذات کی طرف توجہ رکھتے ہیں اور اُس سے بلاواسطہ استفادہ کرتے ہیں۔ یہ درجہ اَخص الخواص کا ہے۔ اُن لوگوں نے نہ افعال کو مقصود بنایا نہ صفات کو بلکہ ذات کو مقصود بنایا، لہٰذا ذات باری تعالیٰ اُن کو حاصل ہوئی۔

وہ تینوں شہزادے قلعہ ہوش رُبا میں پہنچ گئے اور اُنہوں نے شاہ چین کی لڑکی کی تصویر کو دیکھا اور بے ہوش ہو گئے اور فتنہ میں مبتلا ہو گئے اور جستجو شروع کر دی کہ یہ تصویر کس کی ہے۔ اُن شہزادوں نے ایک تصویر دیکھی جو حسین تھی۔ اگرچہ وہ اُس سے بھی زیادہ حسین تصویریں دیکھ چکے تھے۔ لیکن وہ اُس تصویر کو دیکھ کر عشق کے گہرے سمندر میں ڈوب گئے۔ عشق و محبت کے معاملے میں تصویر تو نظر آتی ہے لیکن وہ افیون غیر محسوس ہے جو لوگوں کو مدہوش کر دیتی ہے۔ غرض کہ قلعہ ہوش رُبا نے اپنا کام کر دیا اور تینوں کو مصیبت میں پھنسا دیا۔ اُس حسین کے غمزے کے تیر نے اُن کے دل کو چھید دیا۔ یہ تیر بے امان ہے' خدا اِس سے پناہ میں رکھے۔ وہ تینوں شہزادے رو رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ جو مصیبت ہم نے اب دیکھی ہے شاہ نے پہلے ہی دیکھ لی تھی۔

ہم پر انبیاء علیہم السلام کے اِسی لیے بے پناہ حقوق ہیں کہ اُنہوں نے ہمیں انجام سے باخبر کر دیا ہے۔ اُنہوں نے بتا دیا ہے کہ نفسانی خواہش سے تم جو کام کرو گے اُس سے کانٹے اُگیں گے۔ اگر تیری رفتار دنیا کی طرف ہے تو اِس میں نجات نہیں ہے۔ اُنہوں نے بتا دیا ہے کہ ہمارے طریقے پر عمل کرو، اِس سے فائدہ حاصل ہوگا۔ ہمارے طریقے پر چلو گے تو مصیبت کا تیر اُس طرف ہی گر جائے گا تم تک نہ پہنچے گا۔ انسان انبیاء علیہم السلام کے اتباع کو ضروری نہیں سمجھتا۔ موت کے بعد اُس پر یہ عقدہ کھل جائے گا کہ اُنہوں نے کیا غلطی کی۔ انبیاء علیہم السلام پَروں کی طرح ہیں جن سے اُن کے مخاطب کے رُوحانی ترقی کرنے کا عمل ہوتا ہے اور وہ اُڑتے ہیں۔

اے انسان! تیرے ہونے کے دو حصے ہیں ایک تُو تیرا بدن ہے اور دوسرا تُو تیری رُوح ہے۔ تو انبیاء علیہم السلام کا اتباع جو نافع فعل ہے، تیرے "تُو" یعنی بدن کا فعل نہیں ہے بلکہ اُس "تُو" کا فعل ہے جو تیری رُوح ہے۔ یاد رکھو! یہ "ماومن" یعنی جسمی قیود سے بالاتر ہے۔ جس تُو کو تو "تُو" سمجھ رہا ہے یعنی جسم، یہ تو جہات میں مقید ہے۔ اصل "تُو" تو تیری رُوح ہے جو جہت سے منزّہ ہے۔ تُو جسم کی تباہی سے لرزتا ہے۔ حالانکہ یہ سیپ ہے اور اصل "تُو" تیری رُوح یعنی موتی ہے۔ تُو اصل گنج یعنی جسم کو نہ سمجھ بلکہ شکر کو سمجھ جو رُوح ہے۔ جسم کا "تُو" ہونا پرائی چیز ہے۔ تُو اپنے آپ تک پہنچ جو کہ رُوح ہے اور اُس جسم کی دوئی کو رُوح کے ساتھ جوڑنا چھوڑ دے۔ تیری رُوح تیرے جسم میں چھپ گئی ہے۔ میں اُس کا غلام ہوں

یوم دیں کہ زُلزلت زِلزالہا
قیامت کے دن جبکہ زمین کو زلزلہ آجائے گا

ایں زماں باشد گواہِ حالہا
اُس وقت وہ حالتوں کی گواہ ہوگی

جو خود کو یعنی رُوح کو دیکھ لے۔

شہزادوں نے کہا کہ ہم نے جواب دیکھا ہمارے بوڑھے باپ نے پہلے ہی دیکھ لیا تھا۔ ہم نے اُس کی بات کو معمولی جانا اور مصیبت میں پھنس گئے۔ ہم نے اپنی عقل اور سمجھ پر گھمنڈ کیا اور نصیحت نہ سُنی۔ ہم اپنے آپ کو مرض اور مرض کی غلامی سے آزاد سمجھتے تھے۔ ہم اپنی خام کاری کو اب سمجھے جب کہ پھنس گئے۔ شیخ کی صحبت سے خلوص اور استعداد پیدا ہوتی ہے جو ذکر اللہ کے نافع ہونے کی شرط ہے اور شرط پر عمل سے پہلے مشروط پر عمل اچھا نہیں ہوتا۔ جس طرح کہ بغیر وضو نماز سے، وضو کی مشغولیت بہتر ہے۔ شیخ کی صحبت قناعت اور صبر پیدا کر دے گی جو مبتدی کے لیے ذکر کے ہزاروں کھاتوں سے زیادہ مفید ہے۔ حضرت ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ کو ذکر سے اُس وقت فائدہ پہنچا جب اُنہوں نے حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کی قبر کی صحبت حاصل کر لی۔ یہ قصہ پہلے گزر چکا ہے۔ شیخ کو چشمِ بینا حاصل ہے اور تجھے صرف ذکر کی لاٹھی کا سہارا حاصل ہے۔

شہزادے جب اس بُت کے عشق میں مبتلا ہو گئے تو جستجو شروع کی کہ یہ کس حسینہ کا بُت ہے۔ شیخ بصیر رحمۃ اللہ علیہ ایک ایسے بزرگ تھے جن کو قلبی بصیرت حاصل تھی۔ اُنہیں کشف سے معلوم ہوا اور اُنہوں نے بتا دیا کہ یہ بُت چین کے شاہ کی لڑکی کا ہے۔ جو اس قدر حسین ہے کہ اُس پر پروین بھی رشک کرتی ہے۔ شاہِ چین کی یہ لڑکی اپنے حُسن و جمال میں بے مثال ہے۔ وہ رُوح کی طرح مخفی ہے اور قلعوں کے پردوں میں رہتی ہے۔ اُس کے پاس نہ مرد جا سکتا ہے نہ عورت۔ شاہ نے اُسے فتنوں سے بچا کر رکھا ہے۔ اگر کوئی اُس کا نام بھی لے تو شاہ کو غیرت آ جاتی ہے۔ اُس کے بالاخانے پر چڑیا بھی پَر نہیں مار سکتی۔ ایسی معشوقہ کا عشق خدا کرے کسی کو نہ ہو کہ جس کا حصول ناممکن ہو۔ یہ مصیبتناک عشق اُسی کی سزا ہے جو نادانی سے کام کرے اور بزرگوں کی نصیحت کو معمولی اور کھوٹا سمجھے۔ جو شخص محض اپنی تدبیر اور گھمنڈ پر ہو اور سمجھے کہ میں خود اپنا کام چلا لوں گا اور مجھے شیخ کی ضرورت نہیں ہے اُس نے نادانی کا بیج بویا۔ شیخ کی تھوڑی سی توجہ اپنی سینکڑوں تدبیروں سے بہتر اور نافع ہے۔ اپنی تدبیر کو ترک کر کے شیخ کی توجہ کی طرف چل پڑ اور اُس کے سامنے اپنے آپ کو فنا کر دے۔ شیخ کی توجہ تیری گِنی چُنی تدبیروں سے بہت بہتر ہے۔ جب تک تُو شیخ میں اپنے آپ کو فنا نہ کر دے گا یہ تدبیریں مفید نہ ہوں گی۔

عقل ضدِ شہوت ست اے پہلواں	آنکہ شہوت می تند عقلش مخواں
اے بہادر! عقل، شہوت کی ضد ہے	جو شہوت کے چکر کاٹے، وہ عقل نہیں ہے

صدرِ جہاں بُخاری کی حکایت کہ جو سائل زبان سے مانگتا اُس کے عام صدقے سے محروم رہ جاتا، ایک عقلمند درویش کا بھُول کر، جلدی میں زبان سے مانگنا

بُخارا میں ایک صدرِ اعظم تھا اور سائلوں سے بہت اچھا سلوک کیا کرتا تھا۔ وہ بہت کچھ عطا کرتا۔ وہ سونے کی پُڑیاں بنا کر رکھتا اور جب تک وہ ختم نہ ہو جاتیں دیتا رہتا تھا۔ سورج کو اللہ تعالیٰ جو روشنی عطا کرتا ہے وہ (سورج) دوسروں کو عطا کر دیتا ہے۔ کان میں سونا اور ویرانہ میں خزانہ، سورج کی عطا ہے۔ اُس نے خیرات کے مستحق لوگوں کی قسمیں بنا رکھی تھیں اور ہر قسم کے لیے الگ دن مقرر کر رکھا تھا تاکہ سائلوں کا کوئی گروہ محروم نہ رہے۔ ایک دن نادار علویوں کا، ایک دن فقیر طالب علموں کا، بیماروں کا، بیواؤں کا، قرض داروں کا، تمام مفلسوں کا، یتیموں کا، قیدیوں کا، اسی طرح ہر گروہ کے لیے دن مقرر تھے۔ اُس کی شرط یہ تھی کہ سائل زبان سے کچھ نہ مانگے۔ جو منہ سے سوال کرتا اُسے کچھ نہ ملتا۔ اُس کا قانون تھا "جو تم میں سے خاموش رہا اُس نے نجات پائی"۔ اتفاقاً ایک روز ایک بوڑھے نے کہا کہ میں بھوکا ہوں مجھے دے۔ اُس نے بوڑھے کو منع کیا تو اُس نے اصرار کیا۔

صدرِ جہان بولا: اے بوڑھے! تُو بہت لالچی ہے۔ میرے منع کرنے سے بھی نہیں ٹلتا۔ بوڑھے نے کہا: تُو مجھ سے بھی زیادہ لالچی ہے۔ تُو نے دنیا بھر کی دولتیں اور مزے حاصل کر لیے پھر بھی تیرا پیٹ نہیں بھرتا۔ اب آخرت کی دولتیں لوٹ رہا ہے۔ اس لطیفے پر صدرِ جہان کو ہنسی آ گئی اور اُس کو بہت سا مال دے دیا۔ اچانک فقیہوں کی خیرات کے دن ایک فقیہ فریاد کرنے لگا، اُسے کچھ نہ ملا۔ اُس نے ہر قسم کی بات کی لیکن اُس کو کوئی فائدہ نہ ہوا۔ کسی دن وہ پاؤں گھسیٹتا ہوا مریضوں کی قطار میں لگا۔ کسی دن پاؤں کو لکڑی باندھ کر آیا جیسے کہ پاؤں ٹوٹا ہو۔ اُس نے منہ نمدے میں اس طرح لپیٹا کہ اُسے اندھا سمجھا جائے۔ جب اور تدبیروں میں کامیاب نہ ہوا تو چادر اوڑھ کر بیواؤں میں جا بیٹھا۔ سر جھکا لیا اور ہاتھ چھپا لیا تاکہ پہچان میں نہ آئے۔ اُس صدرِ جہان نے پھر اُسے پہچان لیا تو اُس کا محرومی سے دل جلنے لگا۔

وہ ایک شخص کے پاس گیا جو کفن کے لیے چندہ جمع کیا کرتا تھا اور کہا کہ مجھے ایک نمدے میں لپیٹ کر مُردے کی طرح راستہ کے کنارے پر رکھ کر بیٹھ جا۔ زبان سے کچھ نہ کہنا ورنہ صدرِ جہان اپنی عادت کے مطابق کچھ نہ دے گا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ مجھے مردہ سمجھ کر کچھ نہ کچھ دے دے۔ وہ جو کچھ دے گا آدھا تیرا آدھا میرا ہو گا۔ کفن کے بھکاری نے ایسا ہی کیا۔ صدرِ جہان نے نمدے پر کچھ رکھا تو اُس مردہ بنے ہوئے طالب علم نے جلدی سے نمدے میں سے ہاتھ باہر نکالا

وہم خوانش آنکہ شہوت را گداست اُسے وہم کہہ کیوں کہ شہوت کا بھکاری ہے	وہم قلب و نقدِ زرِ عقلہاست وہم کھوٹا اور عقلیں خالص سونا ہیں

اور پھر سر بھی نکالا اور پھر صدرِ جہان سے کہا کہ دیکھ لے۔ میں نے کیسے وصول کیا۔ صدرِ جہان نے جواب میں کہا کہ جب تک تُو مر نہ گیا مجھ سے کچھ وصول نہ کر سکا۔ انکار تو تجھے دینے سے کیا تھا۔

''مرنے سے پہلے مر جاؤ'' کا راز یہی ہے۔ مرنے سے غنیمتیں حاصل ہوتی ہیں۔ خدا کی جناب میں بھی جب تک فنا حاصل نہ کرو گے اور کوئی تدبیر کارگر نہ ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک جذب سینکڑوں مجاہدوں سے بہتر ہے۔ کیونکہ مجاہدوں سے عُجب اور ریا پیدا ہو جانے کا خوف ہوتا ہے اور جذبِ الٰہی اُس وقت آتا ہے جب انسان فنائیت کی طرف گامزن ہو جائے، ریا اور خودی کو ترک کرنے کی تگ و دو کرے۔ معتبر لوگوں نے اُس راستے کا تجربہ کر لیا ہے۔ جذبِ الٰہی اصل شے ہے اور فنا بغیر جذبِ الٰہی کے حاصل نہیں ہو سکتی۔

چگی داڑھی اور بغیر داڑھی کے دو بھائیوں کی حکایت

ایک مجلس میں ایک چگی داڑھی والا اور ایک بغیر داڑھی والا شامل تھے۔ رات بھر شغل چلتا رہا۔ رات زیادہ گزر گئی اور محفل برخاست ہوئی۔ یہ دونوں کوتوال کے ڈر سے وہیں سو رہے۔ چگی داڑھی والے کی داڑھی میں چند بال تھے اور وہ حسین تھا۔ نوخیز صورت میں بُرا تھا پھر بھی اُس نے احتیاطاً اپنی مقعد کے پیچھے چند اینٹیں رکھ لیں۔ وہاں کوئی شخص تھا جسے لواطت کی عادت تھی۔ اُس نے وہ اینٹیں ہٹا دیں اور اُس سے دست درازی کرنے لگا تو لڑکا بھاگ گیا اور واویلا مچا دیا کہ میں بیمار لڑکا ہوں۔ میں نے تو احتیاطاً یہ اینٹیں رکھی تھیں۔ تُو نے کیوں ہٹائیں؟ لوطی نے کہا کہ اگر بیمار تھا تو شفاخانے جاتا یا کسی طبیب کے گھر چلا جاتا۔ خانقاہ میں کیوں سویا؟ لڑکا بولا: جہاں جاتا ہوں مصیبت میں گرفتار ہو جاتا ہوں۔ جب خانقاہ ہی میں امن نہ ملی تو کہاں ملے گی؟ جو لوگ بدنامی سے ڈرتے ہیں وہ چپکے چپکے نظر بازی اور اشارے بازی کرتے ہیں۔ یہ چیز دین کے لیے خطرناک ہے۔ جب خانقاہ میں بھی بازاری لوگ ہیں تو اوباشوں کا اِس سے اندازہ لگاؤ۔ عوام اور اوباش جو گدھوں کی طرح ہیں اُن میں نہ ناموس ہے نہ تقویٰ۔ نہ خدا کا خوف ہے اور نہ اُمید و بیم جو کہ ایمان کا حاصل ہے۔ نیکی تو عقل کا تقاضہ ہے لیکن اُن لوگوں میں عقل کہاں ہے۔

یہ تو مردوں کا حال ہے اور عورتوں کی سُن لو کہ اُن کی وجہ سے میں مصیبت میں پھنستا ہوں۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو عورتوں ہی نے قید میں پھنسایا۔ میرے لیے ہر طرف سُولی ہی سُولی ہے، مردوں میں بھی اور عورتوں میں بھی۔ عورتیں مجھ پر گرتی ہیں اور اُن کے سرپرست میرے خون کے درپے ہو جاتے ہیں۔ میں تو نہ مردوں میں ہوں نہ عورتوں میں۔ مرد مجھے عورت کی طرح سمجھنے لگتے ہیں اور عورتیں مجھے مرد سمجھتی ہیں۔ ان باتوں کے بعد اُس نے چگی داڑھی والے کی طرف

زاستقامت رُوح را مُبدل کُند	خشم و شہوت مرد را احول کُند
(اور رُوح کو سیدھے راہ سے پھیر دیتے ہیں	غصہ اور شہوت انسان کو بھینگا بنا دیتے ہیں

دیکھا اور بولا کہ یہ ان بالوں کی وجہ سے سب غموں سے بے نیاز ہے۔ یہ اینٹوں سے بھی بے نیاز ہے اور اینٹوں کے جھگڑے سے بھی۔ یہ تجھ جیسے بٹے کٹے بدمعاش سے بھی بے نیاز ہے۔ اے لوگو! داڑھی کے چار بال تیس اینٹوں سے بہتر ہیں کیونکہ شیطان عبادت کی اینٹیں اُکھاڑ دے گا اور اپنا راستہ بنا لے گا۔ اگر جذبِ خداوندی ہے تو شیطان اُس میں سے اپنا حصہ نہ بنا سکے گا۔

عبادت کی اینٹیں تیری جمع کی ہوئی ہیں اور جذب داڑھی کے بالوں کی طرح عطیہ خداوندی ہے۔ داڑھی کے ایک بال کو بھی حقیر نہ جانو، وہ کوہِ گراں ہیں۔ یہ اللہ کی طرف سے امن نامہ ہے اور وہ خِلعت ہے جو قطبِ معرفت کو دی جاتی ہے۔ عنائت اور مجاہدے کے فرق کے لیے ایک مثال یہ ہے کہ انسان کسی جگہ سَو تالے لگا لے، اُس کو توڑ لیا جاتا ہے اور کوتوال اگر موم کی بھی مہر لگا دے تو بڑے بڑے بہادر توڑنے سے ڈرتے ہیں۔ وہ دو تین بال شر سے حفاظت کے لیے پہاڑ ہیں۔ شیطان سے بچاؤ کی تدبیر اور مجاہدہ کرتا رہ لیکن صرف اُس پر بھروسہ نہ کر۔ جذبِ الٰہی کے دو چار بال حاصل کر لے پھر قدرے مطمئن ہو جا۔

اللہ کی عنائت کی مجاہدے پر فوقیت کے بارے میں ایک حدیث ہے کہ ''عالم کی نیند بھی عبادت ہوتی ہے''۔ ظاہر ہے کہ عارف اور عالم کی عبادت، جاہل کی عبادت سے افضل ہے۔ لہٰذا عالم کا سونا جاہل کی عبادت سے افضل ہے۔ شرط یہ ہے کہ وہ عالم، دنیا اور آخرت کے نقصانات سے تنبیہ کرنے والا ہو۔ عالم سونے میں ساکن پڑا ہے اور غیر عالم عبادت میں ہاتھ پاؤں مار ہلا رہا ہے۔

اس کی مثال یوں سمجھو کہ ماہر تیراک سکون سے پانی پر لیٹا تیر رہا ہے اور اناڑی ہاتھ پاؤں مار کر تیر رہا ہے۔ جس طرح تیراک کا سکون دوسرے کی حرکات سے افضل ہے اسی طرح عالم کی نیند کا سکون جاہل کی عبادت کی حرکت سے بہتر ہے۔ اُس کے سونے میں اتنا اخلاص اور صحیح نیت ہوگی کہ جاہل کی عبادت میں بھی نہ ہوگی۔ فضیلت کا مدار، نیت اور اخلاص پر ہے۔ علم ایک ناپیدا کنار دریا ہے اور طالبِ علم اُس میں سے موتی نکالتا ہے۔ علم کی وہ لذت ہے کہ طالب علم کی اُس سے کبھی سیری نہیں ہوتی ہے۔

آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ دو حریص ایسے ہیں کہ کبھی اُن کا پیٹ نہیں بھرتا ہے۔ ایک طالبِ علم اور دوسرا دنیا کا طالب۔ علم سے یہاں مراد دین اور آخرت کا علم ہے اور دنیوی علم مراد لیے جائیں گے تو پھر تقسیم درست نہ رہے گی۔ اس لیے کہ طالب دنیا اور طالب علم دنیا ایک ہی چیز ہے۔ ایک سیر نہ ہونے والا دنیا اور اُس کی ترقیوں کا طالب ہے اور دوسرا

خشم و شہوت مَرد را اَحوَل کُند
غصہ اور شہوت انسان کو بھینگا بنا دیتے ہیں

ز استقامت رُوح را مُبدل کُند
(اور) رُوح کو سیدھے راہ سے پھیر دیتے ہیں

سیر نہ ہونے والا علم اور اُس کی تدبیروں کا طالب ہے۔ علم سے مرادِ علمِ آخرت ہے کیونکہ وہ علم دنیا میں مصروف نہ ہونے دے گا اور آخرت کا رہبر ہوگا۔ دنیا سے آخرت ہی میں جانا ہے تو دنیا کے سوا وہی جگہ ہے۔ تینوں شہزادے ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہوئے۔ تینوں شہزادوں کو ایک ہی بیماری تھی یعنی شاہ کی حسین لڑکی کے فراق میں مبتلا تھے۔ خاموش رہیں تو سب کو شہزادی کا تصور، بات کریں تو صرف شہزادی کی۔ کبھی تینوں رونے لگتے، کبھی آہیں بھرتے۔

سب سے بڑے بھائی (شہزادے) کی گفتگو

بڑے بھائی نے کہا کہ ہم کہا کرتے تھے کہ تنگی ہو تو صبر کرنا چاہیے۔ صبر کشادگی کی کنجی ہے۔ ہمارے صبر کی کنجی اب کہاں گئی؟ کیا یہ قانون منسوخ ہو گیا ہے؟ ہم تو کہتے تھے کہ مصیبت کا وقت خندہ پیشانی سے گزارنا چاہیے۔ اس طرح دل روشن ہوتا ہے لیکن جب ہماری باری آئی ہے تو ہم عورتوں کی طرح آنسو بہانے بیٹھ گئے ہیں۔ شہزادے نے اپنی زبان کو نصیحت کی کہ تُو دوسروں کو نصیحت کیا کرتی تھی اب کیوں خاموش ہے۔ اپنی عقل سے کہا کہ تُو بھی بہت نصیحتیں کرتی تھی اب کیوں خاموش ہے؟ سلطان محمود نے کہا تھا میں داڑھی ہلا دیتا ہوں تو لوگوں کی مصیبت ٹل جاتی ہے۔ پہلے تُو دوسروں کی داڑھی پر ہنسا کرتی تھی اب معلوم ہوا کہ وہ ہنسی تیری خود اپنی داڑھی پر تھی۔ دوسروں کو نصیحت کرتے وقت تُو اُن کو تنبیہ کرتی تھی۔ اب عورتوں کی طرح کیوں وائے وائے کر رہی ہے؟ دوسروں کے مرضوں کا علاج بتاتی تھی۔ اب اپنے مرض کے وقت کیوں چپ ہے؟ تُو سر بنتی تھی اب اپنے آپ کو دُم نہ بنا اور اپنی ہمت پر عمل کر، رنج نہ کر، طبیعت میں نشاط پیدا کر اور بازی جیت لے۔

بادشاہ اور فقیہہ کی حکایت

ایک بادشاہ محفلِ نشاط میں شراب نوشی کر رہا تھا۔ دروازے کے سامنے سے ایک فقیہہ گزرا۔ بادشاہ نے مصاحبوں سے کہا کہ اُسے پکڑ لاؤ اور شراب پلاؤ۔ ساقی نے اُسے شراب پیش کی تو اُس نے بادشاہ اور ساقی کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ کہنے لگا: میں نے ساری عمر شراب نہیں پی۔ مجھے زہر دے، وہ اِس شراب سے اچھا ہے تاکہ میں نجات پا جاؤں۔ اس جھگڑے کی وجہ سے وہ فقیہہ سب کے لیے پریشانی کا باعث بن گیا۔ شراب پینے والوں سے نہ پینے والے جس طرح اعراض کرتے ہیں، اسی طرح شرابِ معرفت پینے والوں پر بھی لوگ انقباض کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ کیونکہ اُنہوں نے اُس مستی کو چکھا نہیں ہوتا۔ اللہ اپنے کچھ بندوں کو یہ شراب پلاتا رہتا ہے۔ یہ لوگ اُس کی حقیقت تک نہیں پہنچتے ہیں کیونکہ اُن کی کوتاہ نظر اِس حقیقت تک نہیں پہنچتی۔ اگر اُن کے کان سے حلق تک راہ ہوتی تو اِس کلام کی حقیقت اُن کے دل پر اثر

نارِ بیرونی بآبے بفسرد بیرونی آگ پانی سے ٹھنڈی ہو جاتی ہے	نارِ شہوت تا بدوزخ می برد شہوت کی آگ جہنم تک لے جاتی ہے

کرتی۔ اُن کے دل میں شہوت کی آگ ہے اور آگ تک تو بادام کے چھلکے ہی پہنچتے ہیں۔ کلام کا مغز باہر ہی رہ جاتا ہے۔ معدے میں صرف چھلکے ہی پہنچیں تو ان سے کوئی قوت حاصل نہیں ہو سکتی۔ آگ میں صرف چھلکے پھینکے جاتے ہیں اس لیے جہنم میں وہی لوگ جائیں گے جو مغزِ حقیقت سے خالی ہوں گے۔ اگر مومنین جہنم میں جائیں گے تو وہ پختہ کرنے کے لیے بھیجے جائیں گے اور اس سے اُن کی معصیتوں کا ازالہ ہو جائے گا۔

اللہ تعالیٰ ہمیشہ کے لیے حکمت والا ہے اور یہ قاعدہ جاری رہے گا کہ وہ مغز کو جہنم میں نہ جلائے گا۔ مغز والے تو اس قدر بہتر ہوں گے کہ اُن کی شفاعت سے چھلکوں والے بھی بخشے جائیں گے۔ اگر عنایتِ خداوندی اور جذبِ الٰہی اعراض کرنے والے کی سرکوبی کر دے تو اُس کو شراب کی خواہش پیدا ہو جائے گی، جس طرح اس فقیہ میں پیدا ہو گئی تھی۔ اگر عنایتِ خداوندی سرکوبی نہ کرے تو اُس فقیہ کی طرح اِن بادشاہوں کی شراب سے محروم رہے گا۔ شاہ نے ساقی سے کہا کہ اس فقیہ کے مزاج ٹھکانے لگا دے یعنی اُسے شراب دے۔ جس طرح ساقی نے فقیہ کے مزاج ٹھکانے لگا دیئے اسی طرح ہر عقل پر ایک پوشیدہ ذات حاکم ہے جو عقل کو خودی سے بے خود کر دیتی ہے۔ اس ذات کے قبضے میں پوری کائنات ہے۔ آسمان اُس کے معمولی حکم کا پابند ہے۔ اگر کسی کی عقل میں تابع کر لینے کی قوت ہے تو وہ اُسی کی عطا کردہ ہے۔

ساقی نے اُس فقیہ کو چند چپت لگائے تو اس کی عقل ٹھکانے آ گئی۔ کائنات میں ہر عاشق کا اپنے معشوق کے ساتھ یہی طریقہ ہے کہ وہ ایک دوسرے کو اپنے میں جذب کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ قرآن پاک میں مرد اور عورت کے حقوق کا تذکرہ بطورِ مثال کیا گیا ہے۔ ورنہ یہ جوڑ مرد اور عورت ہی کا نہیں ہے بلکہ سب اشیاء کا ہے۔ قرآن میں فرمایا گیا ہے کہ شوہر اگر عورت کو طلاق دے دے اور جدا بھی کرے تو بُری طرح نہ کرے۔ اُسے خوبی سے جدا کرے۔ جس طرح مرد اور عورت کے حقوق ہیں، اسی طرح انسان پر زنِ دنیا کے بھی حقوق ہیں۔ یہ بھی عورت کی طرح اللہ نے بطورِ امانت انسان کے ہاتھ میں دی ہے۔ فقیہ جوان تھا۔ شراب نے اُسے مست بنا دیا۔ اُس نے اپنے زُہد و تقویٰ کو رخصت کر دیا۔ پیشاب کرنے گیا تو وہاں اُسے شاہ کی لونڈی ملی۔ وہ اُس سے چمٹ گیا۔ شہوت کی آگ لونڈی کی روئی میں بھی لگ گئی۔ دونوں نے اپنی مراد حاصل کر لی۔ فقیہ لونڈی کے پاس سے مجلس میں آیا اور جام اُس کے ہاتھ میں تھا۔

بادشاہ دوزخ کی طرح بھڑک اُٹھا اور دونوں بدکاروں کے خون کا پیاسا ہو رہا تھا۔ فقیہ نے شاہ کو غصہ کی حالت میں دیکھا تو فوراً زور سے ساقی سے کہا کہ سست کیوں بیٹھا ہے، بادشاہ کو جام دے اور اس کو نشاط پر لا۔ یہ وہی جملہ ہے

نارِ شہوت را چہ چارہ نورِ دیں
(شہوت کی آگ کا کیا علاج ہے؟ دین کا نور علاج ہے)

نُورُکُمۡ اِطۡفَاءُ نَارِ الۡکَافِرِیۡن
(جس طرح تمہارا نور (ایمان) کافروں کی آگ بجھا دیتا ہے)

جو شاہ نے فقیہہ کی ناگواری کے وقت کہا تھا۔ بادشاہ کو ہنسی آ گئی اور وہ لونڈی اُسے بخش دی۔ کہنے لگا: میں بادشاہ ہوں میرا کام انصاف اور عطا ہے۔ میں خود بھی وہی کھاتا ہوں جو دوسروں کو کھلاتا ہوں۔ جو اپنے لیے ناپسند کرتا ہوں دوست کے لیے بھی ناپسند کرتا ہوں۔ آنحضور ﷺ کا غلاموں کے بارے میں یہی فرمان ہے کہ جس قسم کا تم پہنو اُسی طرح کا اُن کو پہناؤ، جس طرح کا خود کھاؤ اُسی طرح کا اُنہیں بھی کھلاؤ۔ بادشاہ کی اجازت سے فقیہہ لونڈی کو لے کر روانہ ہو گیا۔

بڑے بھائی نے اپنے آپ سے کہا کہ تُو دوسروں کو صبر دلاتا تھا اب خود صبر کر۔ اپنی مردانگی سے اپنا مزاج ٹھکانے کر اور عقلِ صبر اندیش کو رہنما بنا لے۔ صبر کی رہنمائی ہوگی تو عرش و کرسی کی بلندی حاصل ہوگی۔ حضور ﷺ نے کفار کی ایذا رسانی پر صبر کیا تو بُراق پر بیٹھ کر آسمانوں کے طبقوں کے اوپر پہنچے۔ حضرت ایوب علیہ السلام کا صبر مشہور ہے۔ صبر ہر کشادگی کی کُنجی ہے۔ تُو عجلت میں کیوں پڑا ہے؟ پھر شہزادوں کا قصہ شروع کرتے ہیں۔

شہزادوں کا چین کی طرف روانہ ہونا اور وصل کے مفہوم کو سمجھنا

تینوں شہزادے چین کی طرف روانہ ہو گئے تا کہ محبوبہ کے قریب تر ہو سکیں۔ اگر محبوبہ کا وصل نہ بھی ہو تب بھی جتنا قریب ہو جائے بہتر ہے۔ شہزادوں کی صبر کی تلقین دھری رہ گئی اور فوراً روانہ ہو گئے۔ اُنہوں نے عشق کو ترجیح دی اور چُھپے ہوئے محبوب کی راہ اختیار کر لی۔ ابراہیم ادھم رحمۃ اللہ علیہ کی طرح اپنے آپ کو فقیر بنا لیا۔ جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بخوشی اپنے آپ کو آگ میں ڈال دیا یا جس طرح حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اپنے آپ کو قربانی دینے کے لیے آمادہ پایا۔

امرؤ القیس بادشاہ کی حکایت

امرؤ القیس جو کہ ایک حسین اور باکمال شاعر تھا۔ اُسے بھی عشق نے خطۂ عرب سے کھینچا۔ جب اُس پر عشق کا اثر ہوا تو ہر چیز سے اُس کا دل سرد ہو گیا۔ جب اللہ کے عشق نے غلبہ کیا تو اپنا وطن چھوڑ کر تبوک آیا اور وہاں اینٹیں پاتھنے لگا۔ لوگوں نے شاہ تبوک سے ذکر کیا کہ امرؤ القیس بادشاہ یہاں گدا بن کر آ گیا ہے اور عشق کا شکار بن گیا ہے۔ تبوک کا بادشاہ رات کے وقت اُس کے پاس پہنچا اور کہنے لگا کہ تُو یوسفِ دوراں ہے۔ تُو بادشاہ ہے، عورتیں تیرے حُسن کی باندیاں ہیں۔ اگر تُو میرے پاس مقیم ہو جائے تو میری خوش نصیبی ہوگی۔ شاہ تبوک نے اُس سے بہت سی دانائی کی باتیں کیں لیکن وہ خاموش رہا اور پھر اُس نے اپنے سر سے نقاب ہٹایا۔ نہ معلوم اُس نے تبوک کے بادشاہ سے عشق و درد کی کیا باتیں کیں کہ اُسے بھی اپنے جیسا بنا لیا۔ اُس نے اُس کا ہاتھ پکڑا اور اُس کا ساتھی بن گیا اور اُسے بھی شاہی تخت اور پٹکے سے بیزاری ہو گئی۔ دونوں

مَیل اندر مرد و زن حق زاں نہاد
عورت اور مرد میں اللہ نے اسلئے میلان رکھا ہے

تابقا یابد جہاں زیں اتحاد
تاکہ اس اتحاد سے جہان باقی رہے

بادشاہ دُور دراز ملکوں کی جانب چل کھڑے ہوئے۔ عشق سے یہ کرامت پہلی بار صادر نہیں ہوئی یہ کام وہ سینکڑوں بار کر چکا ہے۔

عشق وہ وزن ہے کہ جس کے رکھنے سے کشتی غرق ہو جاتی ہے۔ امرؤ القیس اور شاہِ تبوک کے علاوہ بہت سے بادشاہوں کو عشق نے خانہ ویران کیا ہے۔ کیخسرو توران کا بادشاہ تھا۔ ایک وقت ایسا آیا کہ اپنے فرزند لہراسپ کو تخت پر بٹھا کر یادِ الٰہی میں جنگلوں میں نکل گیا اور لاپتہ ہو گیا۔ تینوں شہزادے چین میں پہنچ کر مارے مارے پھرتے تھے اور اپنے عشق کا راز بھی خطرناک ہونے کی وجہ سے کسی پر ظاہر نہ کرتے تھے۔ جب عشق میں معشوق یا اُس کے سرپرستوں کے غصے کی وجہ سے غضبناکی پیدا ہو جاتی ہے تو پھر عاشقوں کے سرکوزیوں کے مول کے ہوتے ہیں۔ معشوق کے ناز، عاشقوں کو قتل کرتے ہیں تو سمجھو کہ غصہ کی حالت میں کیا کچھ ہوتا ہوگا۔ عاشق ہر وقت ہر حال میں محبوب پر قربان ہونے کا خواہش مند ہوتا ہے۔ فراق کی ہزاروں زندگیوں سے مر جانے کو بہتر سمجھتا ہے۔ عشق کی غلامی پر سینکڑوں سلطنتیں قربان کر دیتا ہے۔

چونکہ راز کے ظاہر ہونے میں خطرہ تھا اس لیے تینوں شہزادوں نے باہمی بات چیت کے لیے کچھ اصطلاحیں بنالی تھیں۔ اُن کے راز کا سوائے خدا کے کوئی محرم نہ تھا اور اُن کی آہ کا سوائے آسمان کے کوئی گواہ نہ تھا۔ جب وہ آپس میں دردِ عشق کی باتیں کرتے تو اصطلاحوں میں کرتے۔ کچھ دنیا کے لوگ بھی اس راہ (طریقت) کی اصطلاحیں سیکھ لیتے ہیں۔ اُن کے حقیقی معنٰی سے بے خبر ہوتے ہیں اور ان الفاظ کو اپنی شان و شوکت بڑھانے کے لیے کام میں لاتے ہیں۔ یہ ایسا ہی ہے کہ کوئی پرندوں کی محض بولی سُن لے اور جو اُن کا مقصد ہے اُس کو نہ سمجھ سکے۔ پرندوں کی بولی کو حضرت سلیمان علیہ السلام ہی سمجھ سکتے تھے۔ اِسی طرح عارف کا کلام عارفین ہی سمجھ سکتے ہیں۔ صخر نامی دیو نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے ملک پر قبضہ بھی کر لیا اور اُن کی سی صورت بھی بنالی تو وہ اُس منطق الطیر کو نہیں سمجھ سکتا ہے۔

عارفین تو علمِ لدُنّی کے ذریعے ہی یہ علوم حاصل کرتے ہیں۔ عارفوں کی رُوحوں کا مقام عرش سے بھی بالا ہے۔ ہر خیال کے لیے آسان نہیں ہے کہ وہ اُن کے مقام اور اِستفاضہ کو دیکھ سکے۔ جو عارفین اس مقام اور استفاضہ کا مُشاہدہ کرتے ہیں وہ ہمہ وقت نہیں کرتے بلکہ کچھ اَحوال میں مُشاہدہ کرتے ہیں۔ پھر اُن کو فراق حاصل ہو جاتا ہے۔ اُن کی یہ جدائی قطع تعلق کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ جسم سے تعلق کی بنا پر ہے اور اِس میں خدائی مصلحت ہے۔ اس لیے کہ اِس استفاضہ کے لیے جسم کا بقا بھی ضروری ہے۔ لہٰذا مُشاہدہ منقطع کر دیا جاتا ہے اور تجلیات کا سورج اَبر میں غائب ہو جاتا

میلِ ہر جُزوے، بجزوے، ہم نہد
اِسی طرح ہر جز کی دُوسرے جزو کیلئے کشش ہے

زِ اِتّحادِ ہر دو تولیدے جہد
تاکہ ہر دو کے ملنے سے جہان کی رونق ہو

ہے۔ چونکہ جسم کو بھی قائم رکھنا ہے لہٰذا تجلیات اس رُوحی جسم سے مخفی ہو جاتی ہیں تا کہ بدن کے برف کو سورج کی تجلیات بالکل نہ پگھلا دیں۔ عارفین سے اپنی رُوح کی اصلاح کرا لو۔ اُن کی اصطلاحوں کو چُرا کر استعمال نہ کرو۔

زلیخا نے راز داری کے لیے مختلف اصطلاحیں بنا رکھی تھیں سپند اور عُود بول کر حضرت یوسف علیہ السلام مراد لیتی تھی۔ جو اُس کے ہمراز تھے وہ ان لفظوں سے حضرت یوسف علیہ السلام سے متعلق بات سمجھ جاتے تھے۔ اگر وہ کہتی کہ موم آگ سے گرم ہو گیا تو اُس کا مطلب ہوتا کہ حضرت یوسف علیہ السلام مہربان ہو گئے۔ اگر وہ کہتی کہ دیکھو چاند نکل آیا تو مطلب ہوتا کہ حضرت یوسف علیہ السلام آ گئے۔ اگر کہتی کہ بید کی شاخ سبز ہو گئی تو مطلب ہوتا کہ وصل کی اُمید ہری ہو گئی۔ درد کے اچھا ہونے کا مطلب ہوتا کہ وصل کی جھلک نظر آئی ہے۔ جو راز دان تھے وہ مطلب سمجھ جاتے تھے۔ یہ طریقہ اس لیے اختیار کیا گیا کہ راز دانوں میں غیر بھی ملے ہوئے تھے۔ لاکھوں اصطلاحوں سے اُن کا مطلب حضرت یوسف علیہ السلام ہوتے۔ وہ اُن کا تذکرہ کرتی تو وہ اُس کے لیے غذا کا کام کرتے۔ اِس طرح وہ حضرت یوسف علیہ السلام کے ذکر سے اپنی پیاس بجھاتی تھی اور اُن کا ذکر اُس کے لیے شربت بن جاتا تھا۔ اُن کا ذکر اُس کے درد کا علاج تھا۔ جاڑوں میں اُن کے ذکر سے بدن میں حرارت پیدا ہوتی۔

خواص لوگ اللہ کے ذکر سے یہی فائدہ اُٹھاتے ہیں لیکن عوام کے ذکر میں چونکہ عشق شامل نہیں ہے لہٰذا ذکر کی وہ تاثیرات بھی نہیں ہیں۔ خدا کا نام عشق کے ساتھ تو اثر کرتا ہے ہی لیکن فنا کے مقام پر پہنچنے کے بعد خود فانی کا نام بھی یہی اثر کرتا ہے جو خدا کا نام اثر کرتا ہے۔ اب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قُمْ بِاِذْنِیْ کہنا وہی معنی اور اثر رکھتا ہے جو قُمْ بِاِذْنِ اللّٰہ کا تھا۔ جب فانی کی جان ذاتِ باری سے متصل ہو گئی تو اُس جان کا ذکر کرنا خدا کا ذکر کرنا ہے اور خدا کا ذکر کرنا اُس جان کا ذکر کرنا ہے۔ فانی اب اپنی ذات سے خالی ہے اور اللہ سے پُر ہے تو پیالے میں سے وہی ٹپکے گا جو پیالے میں ہے۔ اب اُس فانی کے طبعی افعال بھی حضرتِ حق تعالیٰ کے ساتھ معاملہ کے مخبر ہوں گے۔ اُن کا ہنسنا وصل کی وجہ سے ہو گا اور اُن کا رونا فراق کی وجہ سے ہو گا۔

عام انسانوں کے دلوں میں سینکڑوں مرادیں ہوتی ہیں اور یہ عشق کا مذہب نہیں ہے۔ عاشق کے دل میں صرف معشوق کے حصول کی مراد ہوتی ہے۔ عاشق کے لیے تو ہر چیز میں معشوق کی جھلک نظر آتی ہے۔ سورج میں بھی وہ معشوق کی جھلک دیکھتا ہے اور اپنا فانی نور نہیں سمجھتا ہے بلکہ اُس کو صرف نورِ حق کا مظہر سمجھتا ہے۔ جو سورج کو اپنا ذاتی نور سمجھے وہ سورج کا پجاری ہے، اُس سے تعلق توڑ لے۔ عاشق کا تو سبھی کچھ معشوق ہے۔ اُس کا دن بھی وہی ہے، خوراک بھی وہی

گفت پیغمبر کہ زن بر عاقلاں
پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورت عقلمندوں

غالب آید سخت بر صاحب دلاں
اور صاحب دلوں پر بہت غالب ہے

ہے دل بھی وہی ہے اور دل سوزی بھی وہی ہے۔ مچھلی کو سب کچھ پانی سے حاصل ہوتا ہے۔ اسی طرح خدا کے عاشق کو بھی سب کچھ عین ذات سے حاصل ہوتا ہے، خواہ خوراک ہو یا پوشاک۔ عاشق، معشوق کے سوا کسی سے تعلق نہیں رکھتا جیسا کہ شیر خوار بچہ صرف دودھ کو جانتا ہے۔ بچہ دودھ کو فی الجملہ جانتا ہے، اُس کی حقیقت سے واقف نہیں ہوتا۔ یہی حال عارف کا ہے کہ وہ ذاتِ خداوندی کا عاشق ہے لیکن اُس کی حقیقت سے واقف نہیں ہے۔

عوام عارف کے اس علم سے بھی محروم ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بدنی تعلق نے اُن کی رُوح کو محروم کر دیا ہے۔ وہ تعویذ جو کسی بھاگے ہوئے کے لیے کیا جاتا ہے تاکہ وہ وطن واپس لوٹ آئے، سے مراد بدنی تعلق ہے کہ اُس کا بدن لوٹ آئے۔ اب اُس کی رُوح، حق تعالیٰ اور مخلوق جو کہ فاتح اور مفتوح ہیں میں امتیاز نہیں کرتی ہے۔ عام انسانوں کی یہ حالت سلوک سے پہلے ہوتی ہے۔ جب وہ راہِ سلوک اختیار کر لیتا ہے تو اُس کی یہ حالت نہیں رہتی۔ اُس کے تعلقاتِ بدنی ختم تو نہیں ہوتے لیکن اب دریائے حقیقت اُس کا حامل بن جاتا ہے۔ سالک جب حقیقت کو تلاش کرتا ہے تو خود گُم ہو جاتا ہے جیسے دریا کا بہاؤ سمندر میں جا کر گُم ہو جاتا ہے۔ بیج جب گُم ہو جاتا ہے تو انجیر بن کر رونما ہو جاتا ہے۔ صدرِ جہاں کا مقولہ "تا نمردی" کا یہی مطلب ہے۔

بڑے بھائی نے کہا کہ یا تو میرے قدم مجھے مقصود تک پہنچا دیں گے ورنہ دل کی طرح سر وہیں قربان کر دوں گا۔ اے ملامت گر! تیری عاشق کو نصیحت بے کار ہے۔ جب کہ عاشق کو خدا نے گمراہ کیا ہے تو اُس کو راہِ راست پر کیسے لایا جا سکتا ہے۔ بڑے بھائی نے دونوں چھوٹوں سے کہا: میں اب صبر کی وجہ سے جاں بلب ہوں۔ اب موت کی کوئی پرواہ نہیں۔ موت آتشِ فراق سے بہتر ہے۔ اب بے شک میرا سر قلم ہو جائے میں فنا کے بعد بقا حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ میں معنوی زندگی حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ ظاہری زندگی میرے لیے ذلت ہے۔ شہید گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے۔ جسمانی علائق سے جدا ہو کر رُوح مزید منور ہو جاتی ہے۔ میں بار بار یہ کہہ رہا ہوں کہ میری موت میں میری زندگی ہے۔ مرغابی پانی کے طوفان سے نہیں ڈرتی۔ جب عشق میں میری زندگی ہے تو میں عشق کے دعوے سے کیسے خاموشی اختیار کروں۔ یہ میری استغراقی کیفیت ہے، لوگ اسے نیند کہتے ہیں لیکن یہ نیند نہیں ہے۔ آتشِ عشق اگر جسم کے خرمن کو فنا کر دے تو کوئی پرواہ نہیں۔ خرمنِ جسم کے بغیر خرمنِ محبوب اُس کے لیے کافی ہے۔

بھائی بولے: اپنے آپ کو خطرات سے بے خبر نہ بنا۔ ایک تو ہم بھی عشق میں مبتلا ہیں۔ اب تمہاری جدائی مزید ہوگی۔ خطرناک راستہ کسی تجربہ کار کی تدبیر سے ہی طے کیا جا سکتا ہے۔ اگر انسان کی عقل کامل نہ ہو تو کسی رہبر کی عقل کو

باز بر زن جاہلاں چیرہ شوند	زاں کہ ایشاں تند و بس خیرہ روند
پھر جاہل لوگ عورت پر غالب ہو جاتے ہیں	کیونکہ وہ بد مزاجی اور اکھڑ پن سے چلتے ہیں

رہنما بنالے۔ یا تو انسان خود مکمل ہو ورنہ کسی مکمل کی تلاش کرے۔ عقل و نظر کے بغیر اس راہِ سلوک کا دروازہ کھٹکھٹانا دین نہ ہوگا بلکہ نفسانی خواہش ہوگی۔ خواہشِ نفس اور دوا کے ہمرنگ زخموں کی وجہ سے ایک عالَم جال میں پھنسا ہوا ہے۔ نفس کی مکاریوں کی ایک مثال تو یہ ہے کہ یہ وہ سانپ ہے جو سینے میں موت کی طرح منہ میں کوئی پتہ دبائے کھڑا ہے۔ وہ گھاس میں گھاس کی شاخ کی طرح کھڑا ہے۔ پرندیہ سمجھ کر کہ یہ کوئی شاخ ہے، اُس کے پاس آ بیٹھتا ہے اور موت کے منہ میں چلا جاتا ہے یا جیسے مگرمچھ منہ کھولے ہوئے ہو اور اُس کے دانتوں میں لمبے لمبے کیڑے ہوں۔ پرندہ اُن کیڑوں کو اپنی خوراک سمجھ کر اُن پر آ جائے اور مگرمچھ منہ بند کرلے۔ اِس نُقل و نان سے بھری دنیا کو اسی طرح کا مگرمچھ سمجھو۔

حیوان اپنی غذا حاصل کرنے کے لیے اس طرح کے لاکھوں مکر کرتے ہیں تو انسان کے مکروں کا اندازہ خود لگالو۔ انسان کا مکر یہ ہوتا ہے کہ ہاتھ میں قرآن اور آستین میں زہر میں بجھا ہوا خنجر ہوتا ہے۔ زبانی تو تجھے مولا و آقا کہے گا لیکن دل میں تیری عداوت بھری ہوگی۔ اُن کی باتیں زہرِ قاتل ہیں، بظاہر شہد اور دودھ نظر آتی ہیں۔ جب نفس کی یہ دھوکے بازی ہے تو یاد رکھ! راہِ سلوک بغیر پیر کے اختیار نہ کر۔ نفس کی ساری لذتیں مکر اور دھوکا ہیں۔ اُن میں بجلی کی سی کوند ہوتی ہے اور چمک ہوتی ہے لیکن اُس کے چاروں طرف اندھیرا ہوتا ہے۔ چونکہ تُو نفس کے دھوکے میں مبتلا ہے اور ناپائیدار روشنی حاصل کرنا چاہتا ہے اس لیے کاملین تجھ سے اعراض کرنے لگتے ہیں۔ تُو خود رہبرِ کامل کو حاصل نہیں کرتا اور اگر وہ کامل از راہِ کرم تجھ پر نظر کر کے تجھے نصیحت کرتا ہے تو اُس سے روگردانی کرتا ہے اور یہ سوچتا ہے کہ میں نے کافی سفر کرلیا ہے اور یہ کامل مجھے بھٹکا رہا ہے۔ اگر میں اُس کی باتوں پر عمل کروں گا تو از سرِ نو سفر شروع کرنا ہوگا۔

کامل تجھے کہتا ہے کہ یہ تیرا محض خیال ہے کہ تُو نے راستہ طے کرلیا ہے۔ تُو وحی کی روشنی میں تھوڑا سا سفر کرلے۔ منزل پر پہنچ جائے گا۔ تُو نے محض اپنے گمان سے راستہ طے کیا ہے اور حق کے معاملے میں گمان کچھ اتنا مفید نہیں ہوتا۔ اب بھی وقت ہے کہ ہماری بات پر عمل کرلے یا اپنی بات پر ہم سے مشورہ کرلیا کر۔ وہ کہتا ہے کہ اب میں خود مستقل پیر ہوں اور کسی کا طفیلی بننا نہیں چاہتا۔ یاد رکھ! اندھا بن کر کسی کے ساتھ سفر کرنا اکیلے سفر کرنے سے بہتر ہوتا ہے۔ رہبر کے ساتھ اندھا دھند چلنے میں تو اتباع کی ذلّت ہے اور تنہا چلنے میں دنیا اور آخرت کی سینکڑوں ذلتیں ہیں۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی مچھر سے ڈر کر اژدھے کے منہ میں چلا جائے۔ اِس کی مثال ایسے ہی ہے کہ کوئی لڑکا باپ کی نصیحت سے بھاگ کر اوباشوں میں جا پھنسے۔

حضرت یوسف علیہ السلام، حضرت یعقوب علیہ السلام سے کھیل کود کے شوق میں جدا ہوئے نتیجتاً کنویں میں جا گرے۔ تُو بھی

زاں کہ حیوانی ست غالب بر نہاد	کم بُوَد شاں رقّتِ لُطف و وِداد
کیونکہ اُن کی طبیعت پر حیوانیت غالب ہے	اُن میں نرمی، مہربانی اور محبت کم ہوتی ہے

کنویں میں گرے گا۔ فرق یہ ہے کہ اُن کی تو خدا کی مہربانی نے دست گیری کی لیکن تیرے لیے وہ عنائت کہاں ہے۔ پھر فرق یہ ہے کہ اُن کی مُربی سے دُوری خود مُربی کی اجازت سے تھی ورنہ اُن کی دستگیری نہ ہوتی۔ جو ناقص انسان مُربی سے سرکشی کرے گا۔ اُس کا حال یہود کا سا ہوگا، جنہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے سرکشی کی۔ ناقص میں بھی صلاحیت ہوتی ہے لیکن مُربی سے اعراض کرنے کی وجہ سے وہ بھی اُسے برباد کر دیتا ہے۔ مُربی ناقص سے کہتا ہے کہ میرا اتباع کرلے، اِس اندھے پن کا سُرمہ میرے پاس ہے۔ اگر تُو اندھا ہے تو تجھے میرے پاس سے بینائی حاصل ہو جائے گی اور تُو یوسف علیہ السلام کی قمیص حاصل کرلے گا جس سے حضرت یعقوب علیہ السلام کی بینائی لوٹ آئی تھی۔ خدا کرے کہ تجھے پیر کا اتباع نصیب ہو۔ پیر سے مراد عمر کا بوڑھا نہیں بلکہ راہِ سلوک کا پیر مراد ہے۔ جب تُو اتباع کرلے گا تو فوراً اُس کی روشنی نظر آجائے گی۔

راہِ سلوک میں منزل تک پہنچنے کی شرط اپنے آپ کو پیر کے سپرد کر دینا ہے۔ بغیر پیر کے تیری یہ بھاگ دوڑ تجھے منزل سے دُور کر دے گی۔ جس طرح تیر کمان کے بغیر پرواز نہیں کرتا اسی طرح مرید بھی شیخ کے بغیر پرواز نہیں کرسکتا۔ نمرود نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنے عروج کا ذریعہ نہ بنایا بلکہ اپنی خواہشاتِ نفس کو بنایا اور مردود قرار پایا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ اگر تُو میری اتباع کرے گا تو عروج حاصل کرلے گا یعنی تجھے میرا تعلق مع اللہ حاصل ہو جائے گا۔ دل مشرق و مغرب کی سیر بغیر سواری کے کرلیتا ہے۔ اسی طرح عارف بغیر اسبابِ ظاہری کے ملکوت کی سیر کرلیتا ہے۔ وہ مراقبے کے ذریعے عالمِ غیب کی خبریں دے دیتے ہیں۔ یہ خبریں تواتر کا درجہ رکھتی ہیں اس لیے ان کا یقین ہو جاتا ہے۔ تمام اولیاء رحمہم اللہ وانبیاء علیہم السلام اپنی غیب کی خبروں میں متفق ہیں۔ یہ خبریں اٹکل سے نہیں دی جاتیں بلکہ مُشاہدہ کے بعد دی جاتی ہیں۔ لہٰذا انسان کو نمرود نہ بننا چاہیے بلکہ نیک نفوس کے ذریعے پرواز کرنی چاہیے۔ عقلِ ناقص گدھ ہے اُس کی پرواز مُردار ہی کی جانب ہوتی ہے۔ عارفین کی عقل کامل ہے اور اُس کی پرواز حضرت جبرائیل علیہ السلام کی طرح ہوتی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نمرود سے فرمایا کہ میری اتباع تیرے لیے نفس کی اتباع سے بہتر ہے۔ اندھا دھند گھوڑا دوڑانے سے کہاں پہنچو گے۔

چھوٹے بھائیوں نے بڑے بھائی سے کہا کہ کسی عقل مند سے مشورہ کرلے۔ سب چینی یہ کہتے ہیں کہ ہمارے بادشاہ کے کوئی اولاد ہی نہیں ہے۔ اُس کی تو کسی عورت سے صحبت ہی نہیں ہوئی۔ اگر کسی نے اُس کے ہاں شادی کا پیغام دیا ہے تو اس کی گردن کٹی ہے۔ وہ مطالبہ کرتا ہے کہ پہلے ثابت کر کہ میرے ہاں اولاد ہے، اگر تُو ثابت کر دے گا کہ

مہر و رقت وصفِ انسانی بود	خشم و شہوت وصفِ حیوانی بود
محبت اور نرمی انسانی وصف ہوتا ہے	غصہ اور شہوت حیوانی وصف ہوتا ہے

میرے کوئی لڑکی ہے تو میری تلوار سے بچ سکے گا۔ جان ایک صوفی اور جسم اُس کی گدڑی ہے۔ بادشاہ کہتا ہے کہ اب جبکہ تُو نے یہ جھوٹ بولا ہے جب تک تُو اس کا ثبوت نہ دے گا تیری جان نہ بچے گی اور وہ کہہ دیتا ہے کہ اس خندق کو جا کر دیکھ لے جس میں اس طرح کی بات کہنے والوں کے سر کٹے ہوئے پڑے ہیں۔ سب نے یہی بات کہی تو قتل ہوئے، تم ایسی بات نہ کہنا۔ اُن سروں سے عبرت حاصل کر۔ اگر راستہ سے ناواقف سو سال بھی چلے تو اس کا چلنا صحیح راستہ کے حساب میں نہیں لگتا ہے۔ کسی عقلمند کے مشورے کے بغیر یہ کام کرنا ایسا ہی ہے کہ بغیر اسلحہ کے میدانِ جنگ میں جانا۔

وہ بولا: مجھے نہ سمجھاؤ، میرے سینے میں صبر کی بجائے عشق کی آگ لگی ہوئی ہے۔ جس وقت عشق پیدا ہوا صبر مر گیا۔ میں اب حوادث کے لیے آمادہ ہوں۔ میرا سر کٹ جائے مجھے کچھ پرواہ نہیں ہے۔ میں اپنے عشق کو مخفی نہیں رکھ سکتا۔ محبوب کا دیدار میسر نہ آئے تو آنکھ کا اندھا ہو جانا بہتر ہے۔ وہ کان جو محبوب کا راز نہ سُن سکے وہ سر کے لیے باعثِ ننگ ہے۔ جس طرح مجاز میں یہ ہے کہ انسان کوشش جاری رکھے۔ اسی طرح حقیقت کے طالب کا بھی فرض ہے کہ مجاہدہ جاری رکھے خواہ اُسے محسوس ہو کہ یہ مجاہدہ حقیقت تک پہنچنے کا ذریعہ نہیں ہے۔ انسان کا کام کوشش کرنا ہے، نتیجہ اُس کے ہاتھ میں نہیں ہے۔ انسان کسی ایک سبب سے کوشش کرتا ہے اللہ کسی دوسرے سبب سے اُس کا مطلوب پورا فرما دیتا ہے۔ انسان کا کام تدبیر کرنا ہے، مقدرات تو اللہ کے قبضہ میں ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ہماری سعی پر مقصد کا حصول موقوف ہو اور مقصد کسی دوسرے ذریعے سے حاصل ہو جائے۔ مقصود سے مراد اللہ تعالیٰ کی معیت ہے۔ میں اپنے محبوب کی تلاش میں سرگرداں رہوں گا جب تک وہ مل نہ جائے۔

قرآن میں ہے کہ وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَمَا كُنْتُمْ "اللہ تمہارے ساتھ ہے تم جہاں بھی ہو۔" اللہ نے یہ تو فرما دیا ہے کہ میں تمہارے ساتھ ہوں لیکن دل پر مُہر لگا دی ہے تاکہ محض اُس کا مفہوم تو سمجھ میں آ جائے لیکن ذوقی معیت بغیر مجاہدے کے سمجھ میں نہ آ سکے۔ جب انسان رُوحانی سفر یعنی مجاہدہ کرتا ہے تو اُس معیتِ خداوندی کی جامع مانع تعریف حاصل ہو جاتی ہے اور اُس کی ذوقی حقیقت کھل جاتی ہے۔ مجاہدہ کرنے والے میں دو غلطیاں ہو سکتی ہیں۔ اُن کا اندازہ مقصود حاصل ہو جانے کے بعد محسوس ہوتا ہے۔ وہ معیت کے حصول کا سبب بن جاتی ہیں۔ ایک غلطی یہ کہ مجاہدہ کرنے والا سمجھتا تھا کہ مجھے معیت حاصل نہیں ہے اور دوسری غلطی یہ تھی کہ وہ سمجھتا تھا کہ معیت مجاہدے کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی۔ جب وہ معیت خود اُس کو اُس کی فطرت سے اُسے حاصل ہو جاتی ہے تو یہ کہتا ہے کہ میں خود اُس کو تلاش کرتا پھرا۔ اُس مجاہدے پر معیت کا علم موقوف تھا۔ محض فکر کی تیزی سے یہ ذوقی معرفت وعلم حاصل نہیں ہوتا ہے۔ اُس معیت کی ذوق کے اعتبار

راست فرمودست با ما مصطفےٰ ہم سے مُصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے درست فرمایا ہے	قطبِ و شاہنشاہ و دریائے صفا جو کہ قطب اور شاہ اور صفا کے دریا ہیں

سے مجاہدوں کے ذریعے حصول کی مثال شیخ کا قرض ہے جس کی ادائیگی حلوائی کے بچے کے رونے پر موقوف تھی۔ ظاہر ہے قرض کے ادا ہونے اور بچے کے رونے میں کوئی خاص تعلق نہیں ہے۔ اسی طرح اُس معیت کا حصول اور مجاہدے میں کوئی خاص تعلق نہیں۔ مجاہدہ اُس کے حصول میں صرف ایک بہانہ ہے۔ شیخ کے قرض کی ادائیگی کا قصہ دفترِ دوئم میں تھا۔

رحمتِ حق بہا نمی جوید

رحمتِ حق بہانہ می جوید

"اللہ کا رحمت کرنا زیادہ کچھ کرنے پر منحصر نہیں ہے۔ وہ تو رحمت کرنے کے بہانے کی تلاش میں رہتا ہے"۔

اسباب کی سببیت محض خدائی دین ہے۔ انسان جس کو سبب سمجھتا ہے اللہ اُس میں سے سببیت کو سلب کر لیتا ہے اور بسا اوقات نفع کے سبب کو نقصان کا سبب بنا دیتا ہے۔ جس جگہ سے نفع کا لالچ ہو وہ خوف کی جگہ بن جاتی ہے۔ جس کو تُو نفع کا ذریعہ سمجھتا تھا اُس سے تیری طمع اِس لیے وابستہ ہوئی کہ وہ دوسرے سبب سے تیری اُس طمع کو پورا کر دے گا۔ انسان ایک خاص درخت کے میوے کی طمع کرتا ہے۔ وہ وہاں سے اُسے حاصل نہیں ہوتا۔ خدا دوسری جگہ سے اُس کو عطا کر دیتا ہے۔ جس سبب سے تیری طمع پوری نہیں ہوئی اُس سے طمع کو وابستہ کرنے میں یہ حکمت ہے کہ تُو حیرانی میں مبتلا ہو کر اسباب کو غیر موثر سمجھنے لگے اور یہ سمجھے کہ "ما درچہ خیالم و فلک درچہ خیال است" (ہم کس خیال میں ہیں اور آسمان کیا سوچ رہا ہے) تاکہ تُو یہ سمجھ لے کہ انسان باوجود اسباب کے میسر آجانے کے عاجز ہے اور موثرِ حقیقی تو کوئی دوسری ذات ہے۔

ایک سبب کو غیر موثر بنا کر کسی دوسری چیز کو سبب بنا دینے میں انسان پر حیرانی طاری ہوتی ہے جو ایک خاص تجلی ہے۔ انسان اپنے لیے درزی پن کو روزی کا سبب سمجھتا ہے لیکن اُس کا رزق سُنار پن میں مقدر ہوتا ہے اور وہاں سے اُسے ملتا ہے۔ انسان کو اُس سبب کی طرف متوجہ کرنے میں جس سے روزی حاصل ہوگی کچھ حکمتیں پوشیدہ ہیں جو اللہ کے علم میں ہیں۔ یہ حکمت بھی ہے کہ انسان اسباب پر پورا بھروسہ نہ کرے اور حیرانی کی کیفیت اُس پر طاری رہے۔ شہزادے نے یہی کہا کہ میں اِس طریقے کو وصال کا سبب نہیں سمجھتا ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ اس طریقے سے وصل ہو جائے یا اللہ تعالیٰ کوئی اور ذریعہ پیدا فرما دے۔ میں تو حیران اور مضطر ہوں کہ دیکھئے کس راستے سے مقصد فتح یاب ہوتا ہے۔ ذبح شدہ پرندہ اپنی جان جسم سے نکالنے کے لیے مختلف اطراف میں گرتا ہے کہ نہ معلوم کون سے رُخ سے گرنا سبب بنتا ہے۔

کانچہ جاہل دید خواہد عاقبت
کہ جو کچھ جاہل بعد میں دیکھتا ہے

عاقل آں بینیذ ز اول مرتبت
عقلمند اُس کو پہلی مرتبہ ہی دیکھ لیتا ہے

مصر اور بغداد کے خزانہ چھپنے والے دو اشخاص

ایک میراث پانے والے کے پاس بیشمار مال تھا جسے وہ کھا گیا اور غریب ہو گیا۔ ورثہ کا مال وفادار نہیں ہوتا۔ اُس میں اگر وفاداری ہوتی تو مرنے والے سے کیوں جدا ہوتا۔ وارث کو بھی ورثہ میں ملے ہوئے مال کی قدر نہیں ہوتی کیونکہ اُس کو حاصل کرنے میں کوئی محنت نہیں اُٹھانی پڑتی ہے۔ انسان کو رُوح بھی چونکہ بلا محنت حاصل ہوئی ہے اس لیے وہ اُس کی قدر نہیں کرتا۔ وارث نے اپنی اُس حالت میں دُعا کرنی شروع کی کہ اے خدا! مجھے مال یا موت دے دے کیونکہ اکثر انسان غربت میں ہی اللہ کو یاد کرنے لگتا ہے۔ آنحضور ﷺ نے فرمایا: ''انسان کی مثال بانسری کی سی ہے کہ جب کھوکھلی ہو تو اُس میں نالہ پیدا ہوتا ہے۔ اگر بانسری کا سوراخ بھر جائے تو گویا اُسے ہاتھ سے رکھ دیتا ہے''۔ اے انسان! تُو بھی خالی رہ تا کہ مُطربِ حقیقی کے ہاتھ میں رہے۔ تُو خالی رہے گا تو اللہ کی دو انگلیوں کے درمیان رہے گا اور غیب کے نغمہ سے سرمست رہے گا۔ اب اُس وارث میں مال کی سرکشی نہ رہی تھی اور اُس کے آنسوؤں کی بارش سے دین کی کھیتی سیراب ہو رہی تھی۔ وہ اب پوری طرح دُعا میں مصروف تھا۔ سب سے مخلص نیک بندے وہ ہیں جو دُعا میں آہ و زاری کرتے ہیں اور اُن کی آہوں کا دھواں ملاءِ اعلیٰ تک پہنچتا ہے۔

مومن کی دُعا کی قبولیت میں تاخیر کا سبب

فرشتے جنابِ باری تعالیٰ میں عرض کرتے ہیں کہ وہ مومن بندہ رو رہا ہے۔ تُو جب غیروں کو عطا کرتا ہے تو اس مومن کی عطا میں تاخیر کیوں ہو رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرشتوں کو جواب دیتا ہے کہ یہ تاخیر اس لیے نہیں کہ ہم اُسے حقیر سمجھتے ہیں بلکہ یہ تو اُس کی ایک مدد ہے۔ اُس کا رونا ہمیں پسند ہے اور اس تاخیر میں اُس کا اعزاز ہے۔ اُس کی حاجت نے اُسے ہماری طرف متوجہ کیا ہے۔ اگر اُس کی دُعا جلد قبول کر دی جائے اور اُس کی حاجت رفع ہو گئی تو یہ ہم سے رخصت ہو کر کھیل کود میں لگ جائے گا۔ وہ اب دل سے ہمیں پکار رہا ہے۔ اُس کی آواز اور یا خدا! کہنا اور خوشامد سے ہمیں پھسلانا یہ سب ہمیں پسند ہے۔ اِس کی مثال یہ ہے کہ طوطی کی خوش آوازی کی وجہ سے لوگ اُسے پنجرے میں قید کرتے ہیں۔ کوے اور چغد کو کوئی پنجرے میں نہیں رکھتا۔

دوسری مثال یہ ہے کہ کسی حُسن پرست کے سامنے اگر دو عورتیں آئیں ایک بوڑھی اور ایک حسین، تو وہ بوڑھی کو فوراً روٹی دے کر رخصت کر دیتا ہے اور خوبصورت کو مختلف بہانوں سے روٹی دینے میں تاخیر کرتا ہے۔ اُسے کہتا ہے کہ ذرا بیٹھ جا! تازہ روٹی پک رہی ہے اُس میں سے دوں گا۔ جب روٹی آ جاتی ہے تو اُس کو حلوے کا منتظر بنا کر بٹھاتا ہے۔

عاقلاں خود نوحہا پیشیں کنند | جاہلاں آخر بسر برمی زنند
عقل مند لوگ اس جہان میں ہی رو لیتے ہیں | اور جاہل آخرت میں اپنے سر پیٹتے ہیں

ان ترکیبوں سے اُس کو ٹھہر جا! ٹھہر جا! کہتا رہتا ہے اور نظر بازی سے اُس کا شکار کرتا رہتا ہے۔ تُو بے گانوں اور مومنوں کی مثال اُن دو عورتوں سے سمجھ لے۔ مومنین کی خوبیوں کی وجہ سے یہ دنیا اُن کا پنجرہ ہے اور کافروں کی برائیوں کی وجہ سے یہ دنیا اُن کے لیے جنت اور باغ ہے جس میں وہ کھلے پھرتے ہیں۔ مومن کی دُعا کی قبولیت میں تاخیر کی وجہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اُس کو اپنے ساتھ مصروف رکھنا چاہتا ہے۔

میراث والے نے گریہ وزاری سے اللہ کا دروازہ کھٹکھٹایا تو ہاتفِ غیب نے آواز دی کہ تجھے خزانہ مصر میں ملے گا۔ اُسے خزانے کی جگہ کا پتہ بھی بتا دیا گیا۔ وہ شخص مصر پہنچا تو رات کے وقت آوارہ گردی میں گرفتار کر لیا گیا۔ کوتوال نے اُسے مارا لیکن اُس کے بعد اُس کی مشکل حل ہوگئی۔ اُس نے کوتوال سے کہا کہ مجھے نہ مار میں اپنے صحیح حالات بتاتا ہوں۔ اُس نے کہا کہ میں مصری نہیں ہوں اور چوری وغیرہ سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے۔ بات سچی تھی اور سچائی سننے والے کے دل میں اطمینان پیدا کر دیتی ہے۔ اُس کی باتوں سے اُس کی اندرونی سوزش کا پتہ چلتا تھا۔ کافروں کے دل چونکہ پردے میں ہیں اس لیے سچی بات اُن پر اثر نہیں کرتی۔ انبیاء علیہم السلام کی تعلیم کا تو یہ حال ہے کہ اُس کا اثر چاند کو ٹکڑے کر دے۔ اُس کی درد بھری داستان سُن کر کوتوال رو پڑا۔ انسان کا نفس بمنزلہ دوزخ کے ہے، اُس کی بات دوزخی ہے، رُوح کی بات جنتی ہے۔ منڈی میں ہر طرح کا سودا ہوتا ہے۔ اچھا تاجر کھرے کھوٹے میں تمیز کر لیتا ہے اسی طرح ماہر بات کا اندازہ لگا لیتے ہیں۔ دنیا کے جُزو جُزو کا یہی حال ہے کسی کے لیے مفید کسی کے لیے مُضر۔ عالَم کی تمام اشیاء کے مختلف شخصیتوں پر مختلف اثرات پڑتے ہیں۔

آنحضور ﷺ کو پتھر سلام کرتے تھے۔ یہی پتھر مومنوں کے لیے گواہی دیں گے۔ طرح طرح کی باتوں سے ملول نہ ہو، اپنے دل میں آخرت کا درد پیدا کر۔ آخرت کا درد بزرگوں کی صحبت سے حاصل ہوتا ہے۔ اُن کی صحبت اختیار کر جو درد سے مالا مال ہوں۔ جس طرح کھاری پانی سے پیاس نہیں بجھتی اسی طرح غلط صحبت سے مقصود حاصل نہیں ہوتا۔ دھوکے باز پیروں میں پھنس کر انسان صحیح پیر سے محروم ہو جاتا ہے۔ جھوٹا پیر کہتا ہے کہ میں تیرے درد کا علاج ہوں۔ حالانکہ وہ خود ایک درد ہوتا ہے۔ کوتوال نے پردیسی سے کہا: تُو بے وقوف ہے کہ ایک خواب کے پیچھے بغداد سے یہاں آ گیا۔ میں نے کئی بار خواب دیکھا ہے کہ خزانہ بغداد میں ہے۔ کوتوال نے اُسے خزانے کا پورا پتہ بتا دیا جو کہ اُس پردیسی کے کوچے اور گھر کا پتہ تھا۔ اُس نے کہا کہ میں نے یہ خواب بار بار دیکھا ہے لیکن میں بغداد نہیں گیا۔ تیری یہ حماقت ہے کہ خواب پر دوڑ پڑا۔ ناقص عقل کے خواب بھی قابلِ بھروسہ نہیں ہوتے۔

ز ابتداءِ کار آخر را ببیں — تا نہ باشی تو پشیماں یوم دیں

زندگی کے شروع میں ہی اپنے انجام پر غور کر لے — تاکہ قیامت کے دن پشیمانی نہ اُٹھانی پڑے

کوتوال کا خواب سُن کر اُس نے اپنے آپ سے کہا کہ جب خزانہ خود میرے گھر میں ہے تو میں یہاں فقر کی حالت میں کیوں پھر رہا ہوں؟ یہ سب میری غفلت کا نتیجہ ہے۔ اُس نے سوچا کہ خزانے کا ملنا کوتوال کی مار پر موقوف تھا۔ ویسے میرے پاس سب کچھ تھا۔ وہ مجھے احمق کیوں سمجھتا ہے؟ کسی نے ایک درویش سے کہا کہ یہاں تجھے کوئی نہیں جانتا۔ اُس نے جواب دیا لوگ اگر نہیں جانتے تو نہ جانیں' میں تو اپنے آپ کو جانتا ہوں کہ میں کیا ہوں۔ اگر ایسا ہوتا کہ لوگ مجھے جانتے اور میں کچھ بھی نہ ہوتا تو افسوس کی بات تھی۔ کوتوال کی بات سننے کے بعد وہ بغداد کی جانب روانہ ہوگیا۔ وہ راستہ بھر حیران رہا کہ اللہ نے کہاں کا امیدوار بنایا اور کہاں مقصد پورا فرمایا۔ اِس میں کیا حکمت تھی کہ مجھے وطن سے بے وطن کیا اور خزانے کے خلاف رہنمائی کردی، جس پر میں خوشی سے دوڑ رہا تھا۔ میرا جو قدم مصر کی طرف اُٹھتا تھا خزانے سے دُور کر رہا تھا۔ پھر میری اِسی گمراہی کو کامیابی کا ذریعہ بنادیا۔ مصر میں کوتوال کے ہاتھوں پٹا اور وہی کوتوال مقصد کا وسیلہ بن گیا۔

چونکہ خزانہ گمان کے خلاف حاصل ہوا تو اُس سے انسان کا خدا پر بھروسہ بڑھتا ہے اور وہ اسباب کو مستقل نہیں سمجھتا۔ اللہ بعض اوقات انسان کی گمراہی کو ایمان کا سبب بنادیتا ہے اور احسان اور عبادت کے نتیجے میں بعض اوقات گمراہ ہوجاتا ہے۔ اِس میں یہ حکمت ہے کہ کوئی عبادت گزار خوفِ خدا سے خالی نہ رہے اور کوئی بدکار رحمت سے مایوس نہ ہو۔ بُرائی میں بھلائی کو اس لیے مخفی کیا گیا ہے تاکہ اُس کے اسم "ذُو اللُّطْفِ الْخَفِی" کا مظہر سامنے آتا رہے۔ عبادت گزار کو بخشنا اللہ کا مخفی لطف نہیں ہے۔ گناہ گار کو مغفرت سے نوازنا لُطفِ خفی ہے۔ عجائبِ قدرت میں یہ بھی ہے کہ منکروں کا انکار سے مقصد انبیاء علیہم السلام کو ذلیل کرنا ہوتا ہے لیکن اُس سے انبیاء علیہم السلام کی عزت مزید بڑھ جاتی ہے اور اُن کے انکار کے سبب معجزے ظاہر ہوتے ہیں، جس سے انبیاء علیہم السلام کی عزت میں اضافہ ہوتا ہے۔ اُن منکروں کا قصد تو یہ ہوتا ہے کہ اُن کے انکار سے دین کی ذلت ہوجائے گی لیکن وہی چیز انبیاء علیہم السلام کی عزت کا سبب بن گئی ہے۔ اگر منکروں کا انکار نہ ہوتا تو معجزوں کی ضرورت نہ ہوتی، نہ اُن کا ظہور ہوتا۔

فرعون نے جادوگروں کو اس لیے جمع کیا تھا تاکہ موسیٰ علیہ السلام کے معجزے کو باطل کردیں لیکن یہی مکر اُلٹا ہوگیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا گواہ "عصا" معتبر ثابت ہوا۔ فرعون بنی اسرائیل کے تعاقب میں نکلا لیکن اُس کی یہ حرکت اُن بنی اسرائیل کے لیے باعثِ اطمینان ہوگئی اور وہ دریا کے نیچے پانی میں غرق ہوگیا۔ اگر وہ مصر میں رہتا تو بنی اسرائیل ہمیشہ اُس سے ڈرتے رہتے۔ یہ سب اِس لیے ہوا کہ جان لیا جائے کہ امن، خوف میں پوشیدہ ہے۔ لُطفِ خفی یہ ہے کہ اللہ

سوئے لطفِ بے وفایاں ہیں مرو بوحق کہتے وفادار نہیں اُن کی مہربانی کو نہ دیکھ	کاں پُلِ ویراں بود نیکو شنو کیونکہ وہ ایک ٹوٹے ہوئے پُل کی طرح ہیں کسی کام کے نہیں

نے کوہ طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نار میں نور دکھلا دیا۔ عبادت گزاروں کو اجر دینا لطفِ خفی نہیں ہے بلکہ یہ ہے کہ فرعون کے جادوگر مقابلے کے لیے آئے اور اُن پر مہربانی ہوگئی اور وہ مومن بن گئے۔ عارف چونکہ ہر قسم کے خطرات سے گزر چکے ہیں لہٰذا وہ بالکل امن میں ہیں۔ وہ دیکھ چکے ہیں کہ بہت سے خوف کے اسباب سے اُنہیں امن حاصل ہوا۔ جس طرح امن، خوف میں مخفی ہوتا ہے اسی طرح خوف بھی امن میں مخفی ہوتا ہے۔

وہ یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے گیا، اللہ نے اُس کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مشابہ بنا دیا۔ قوم اُسے عیسیٰ علیہ السلام سمجھی اور سولی پر چڑھا دیا۔ وہ کہتا رہا کہ میں عیسیٰ نہیں ہوں لیکن اُس کا یقین کون کرتا۔ قوم نے کہا کہ یہ عیسیٰ علیہ السلام ہے' بہانہ بنا کر ہم سے چھوٹنا چاہتا ہے۔ جو فعل اُس نے باعثِ امن سمجھا اُس میں خوف مخفی تھا۔ عالم میں بہت سے واقعات ہوئے ہیں کہ انسان اُن کو مفید سمجھتا ہے اور وہ مُضر ہوتے ہیں۔ ابرہہ حبش کا گورنر مکہ والوں سے انتقام لینے اور اُن پر فتح پانے چلا' ہلاک ہوگیا۔ اُس کا یہ کام جس میں وہ اپنی کامیابی اور مکہ کی توہین سمجھتا تھا، مکہ کے اعزاز کا سبب بن گیا۔ اُس شخص نے بغداد آ کر کوتوال کے خواب کے مطابق گھر کھودا تو اُسے خزانہ مل گیا۔ یہ سب کچھ اس لیے کیا گیا کہ اُس پر واضح ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ بعض اوقات مُضر باتوں میں نفع پوشیدہ کر دیتا ہے۔

بھائیوں کا بڑے بھائی کو سمجھانا اور روکنا لیکن محبت کی زیادتی کی وجہ سے اُس کا بے خود ہو کر چلا جانا

دونوں چھوٹے بھائیوں نے بڑے بھائی سے کہا کہ تمہاری ساری تقریر کا ہمارے پاس جواب ہے۔ اگر جواب نہیں دیتے ہیں تو کام خراب ہوتا ہے اور اگر دیتے ہیں تو تمہیں تکلیف ہوتی ہے۔ نہ کہنا دوستی کے خلاف ہے۔ اُس نے اور کچھ نہ سنا اور چل دیا اور شاہِ چین کے دربار میں جا پہنچا۔ شاہِ چین صاحبِ باطن تھا۔ اُس کو اُن سب کے حالات کشف سے معلوم تھے۔ آنحضور ﷺ نے فرمایا: ''ہر انسان سے قیامت میں اُس کی رعایا کے بارے میں پوچھا جائے گا''۔ رُوح گو بمنزلہ معشوق ہے اور جسم مادی سے علیحدہ چیز ہے لیکن اُس کا اثر رگ رگ میں خون کی طرح جاری ہے۔ شہزادہ بادشاہ کے سامنے دوزانو بیٹھ گیا اور تعارف کرانے والے نے اُس کا حال بیان کرنا شروع کیا۔ شاہ پہلے سے سب کچھ جانتا تھا کیونکہ اگر باطن میں عرفان کا ایک ذرہ بھی ہوتا ہے تو اُس سے جو کشف ہوتا ہے وہ کسی بتانے والے کے اعتبار سے بہت زیادہ بہتر ہوتا ہے۔ جس کے دل کی آنکھ کھل جاتی ہے اُس کو حقیقی معائنہ حاصل ہو جاتا ہے۔ تعارف کرانے والا اُس کی سفارشیں کر رہا تھا کہ یہ آپ کے عشق میں مبتلا ہے اور اپنے ملک کی شہزادگی چھوڑ کر آپ کی خاطر فقیر بن گیا ہے۔ اُس نے سلطنت کی گدڑی اُتار دی

گر قدم را جاہلے بر وے زند
اگر کوئی جاہل اُس پر قدم رکھے گا

بشکند پل واں قدم را بشکند
تو پُل ٹوٹ جائے گا اور ساتھ ہی پاؤں بھی

ہے اور کوئی گدڑی پسند نہیں کرتا اور لینے کے لیے تیار نہیں ہے۔

اسی طرح صوفی جب وجد میں آ کر اپنی گدڑی اُتار پھینکتا ہے تو وہ کوئی گدڑی لینا پسند نہیں کرتا۔ اگر وہ اُتاری ہوئی گدڑی کی خواہش کرے اور پھینک دینے پر نادم ہو تو اُس کے یہ معنیٰ ہوئے کہ وہ وجد کے عوض گدڑی دے ڈالنے میں اپنا نقصان سمجھتا ہے، یعنی میرا وجد اُس قیمت کا نہیں کہ میں گدڑی دے کر خرید لوں۔ خدا کرے کہ عاشق کو یہ خیال بھی نہ آئے اور اگر آتا ہے تو وہ ذلیل وخوار ہے۔ گدڑی تو بے جان شے ہے، عشق تو ہزاروں جان دار جسموں سے بھی زیادہ قیمتی ہے۔ یہ دنیا کے مقابلے میں ہیچ در ہیچ ہے۔ یہ دنیا داروں کے لیے مناسب ہے۔ عاشقوں کو تو عشق کی سلطنت چاہیے۔ تعارف کرانے والا کہہ رہا تھا یہ شہزادہ بزبانِ حال کہہ رہا ہے کہ جو عہدہ آپ کے دیدار کا حجاب بنے اور آپ سے دُور کر دے وہ عہدہ نہیں بلکہ معزولی ہے۔ آپ اِس کی تاخیر سے حاضری عشق کی کمی کے سبب نہ سمجھیں بلکہ یہ اپنے اندر اِستعداد پیدا کرنے میں لگا رہا۔ جب تک مقصد کے حصول کی استعداد نہ ہو کوشش کرنا بے کار ہوتا ہے۔ اگر انسان میں مردانہ قوت نہیں ہے تو حسین معشوق سے فائدہ نہ اُٹھا سکے گا۔ اگر ناک میں اِستعداد نہیں ہے تو چمن کی خوشبو بے کار ہے۔

بے اِستعداد مرید اور شیخِ کامل کی مثال بہرے اور چنگ ورباب کی سی ہے جس سے وہ لطف اندوز نہیں ہو سکے گا۔ مرید کا بغیر اِستعداد شیخ کے پاس جانا ایسے ہی ہے جیسے کوئی بغیر گیہوں کے چکّی پر جائے۔ وہ تو وہاں سے گرد وغبار سے داڑھی اور بال سفید کر کے نکلے گا۔ یہ چکّی صرف اُن لوگوں کو نفع دیتی ہے جن کے پاس عمل اور عقیدے کا گیہوں ہو۔ اعمالِ صالحہ سے جنت کی اِستعداد پیدا کرنی چاہیے۔ تعارف کرانے والے نے کہا کہ پوری اِستعداد جسم میں رُوح آنے کے بعد آتی ہے اور وہ آپ عنایت کریں گے۔ جناب کی مہربانیوں کی توقع نے اُس کو سب غم بھلا دیئے ہیں۔ گھر سے چلا تھا کہ اپنے کمالات سے آپ کو مسخر کرے گا لیکن اب آپ کا مسخر ہو گیا ہے۔ محبوب چیز کا قاعدہ یہی ہے کہ انسان اُس کو حاصل کرنے کی بجائے اپنے آپ کو اُس کے حوالے کر بیٹھتا ہے۔ جو دنیا کا اسیر ہے وہ دنیا کا امیر کہلاتا ہے۔ چونکہ جسم کی وجہ سے رُوح قیدی بنتی ہے تو رُوح کا جسم کو خطاب ہے کہ تُو نے لاکھوں آزاد رُوحوں کو قیدی بنایا ہے۔ تھوڑی دیر کے لیے اپنے مال وجاہ کو کمانے کے حیلوں کو ترک کر دے اور کچھ دن مرنے سے قبل آزادی کی زندگی گزار لے۔ اگر تُو اِسی حالت میں رہنا چاہتا ہے تو کم از کم مجھے ہی رہا کر دے اور میری جگہ کسی اور کو ساتھی بنا لے۔ اب مجھے آزاد کر دے اور کسی اور کو اپنا شکار بنا لے۔

چوں ندارد مردِ کژ در دیں وفا　　ہر زمانے بشکند سوگند را

نادان اِنسان چونکہ دین سے وفا نہیں رکھتا　　وہ ہر وقت اپنی قسم توڑ دیتا ہے

قاضی کے جوحی کی بیوی پر عاشق ہونے کا قصہ

جوحی غریب اور مکار آدمی تھا اور اپنی بیوی کے ذریعے کمائی حاصل کیا کرتا تھا۔ وہ اُسے کہتا کہ تیری ابرو کی کمان، ادا کا تیر اور مکر کا جال، خدا نے تجھے اسی لیے دیے ہیں کہ لوگوں کا شکار کرے۔ تُو انہیں پرندوں کو دانہ دکھا لیکن خود اُس سے پھنس نہ جانا۔ جوحی کی بیوی نے قاضی کو شکار بنانا چاہا۔ عدالت میں جا کر خاوند کی شکائتیں کیں اور قاضی اُس کے دام میں پھنس گیا۔ قاضی نے کہا: عدالت میں مَیں مصروف ہوں، تنہائی میں تمہاری پوری بات سنوں گا۔ وہ بولی! آپ کے گھر میں بھی لوگوں کا آنا جانا ہوتا ہے' بہتر ہے کہ آپ میرے گھر میں آجائیں کیونکہ وہ بالکل خالی ہوتا ہے۔ دنیاداروں کے قلب اور دماغ آپ کے گھر کی طرح فکروں اور وسوسوں سے پُر ہوتے ہیں۔ لوگوں کو چاہیے کہ جوحی کے گھر کی طرح اپنے قلب ودماغ کو خالی کرلیں۔ جب یہ خالی ہوں گے تو پھر خداوندی حکم سے پاکیزہ خیالات نمودار ہوں گے۔ غیبی حالات اُس وقت آئیں گے جب کہ پرانے خیالات ختم ہو جائیں گے۔ اللہ کا خوف اُن پرانے خیالات کو دُور کردے گا اور پھر صحیح خیالات آنے شروع ہو جائیں گے۔ اُن فکروں سے اپنے آپ کو غنید میں کردے تو پھر وہ خیالات آئیں گے جو دراصل بیداری ہیں۔ ورنہ دنیاوی خیالات تو خوابِ غفلت ہی ہیں۔ جس طرح اصحاب کہف کو لوگ سمجھتے تھے کہ جاگ رہے ہیں لیکن وہ سو رہے تھے۔ اِسی طرح تُو ایسا ہو جا کہ لوگ تمہیں دنیوی خیالات سے باخبر سمجھیں اور تم اُن سے بے خبر ہو۔

جوحی کی بیوی نے کہا کہ میرا گھر بالکل خالی ہوتا ہے۔ شوہر بھی گاؤں گیا ہوا ہے۔ آج رات آپ آجائیں تاکہ کوئی دیکھ نہ لے۔ قاضی اُس کے فریب میں آ گیا' جیسے قابیل نے بھی ہابیل کو عورت ہی کی وجہ سے قتل کیا تھا۔ حضرت یوسف علیہ السلام زلیخا کی وجہ سے قید خانے تک پہنچے۔ اکثر فتنے عورتیں ہی پیدا کرتی ہیں۔ قاضی جوحی کے گھر پہنچ گیا۔ عورت نے کھانے وغیرہ کا انتظام کیا۔ قاضی جب اُس عورت سے خوش خوش باتیں کر رہا تھا تو جوحی آ پہنچا۔ قاضی کو بھاگنے کی کوئی جگہ نہ ملی تو وہاں ایک صندوق تھا، اُس میں گھس کر بیٹھ گیا۔

جوحی نے اندر آ کر بیوی سے جھگڑنا شروع کر دیا کہ میں نے تجھ پر ہر چیز قربان کر دی ہے اور مجھے ایک شخص نے بتایا ہے کہ تُو نے قاضی سے میری شکایت کی ہے۔ میں تیری حرکتوں سے خاموشی اختیار کرتا ہوں اور تُو ہمیشہ زبان درازی کرتی ہے۔ اگر میں مفلس ہوں تو خدا نے مجھے مفلس بنایا ہے۔ گھر میں اس صندوق کے علاوہ اور کیا ہے؟ لوگ مجھے تہمتیں لگاتے ہیں کہ اِس میں بہت مال وزر ہے۔ یہ اوپر سے تو اچھا ہے لیکن اندر سے خالی ہے۔ اس صندوق کی وجہ سے

راستاں را حاجتِ سوگند نیست
سچوں کو قسم کی ضرورت نہیں ہوتی

زانکہ ایشاں را دو چشمِ روشنے ست
اس لیے کہ اُن کی آنکھیں اللہ نے روشن کر دی ہیں

مجھے کوئی صدقہ خیرات بھی نہیں دیتا۔ اُس نے صندوق کو ہر طرف سے رسی سے باندھ دیا کہ میں اُسے صبح بیچ دوں گا۔ اس کی حالت وہی ہے جو ایک مکار پیر کی ہوتی ہے۔ باہر سے خوبصورت اندر سے خالی۔ جونہی صبح ہوئی ایک مزدور کو بلا لایا تاکہ صندوق کو بیچنے کے لیے لے جائے۔ وہ صندوق لے کر چلا تو قاضی اُسے اندر سے آوازیں دینے لگا۔ مزدور حیران ہو کر ہر طرف دیکھنے لگا کہ آواز کہاں سے آرہی ہے؟ دیر کے بعد وہ سمجھا کہ کوئی صندوق میں ہے اور پکار رہا ہے۔

عاشق بھی اسی طرح بظاہر باہر ہوتا ہے لیکن دراصل عشق کے صندوق میں بند ہے۔ اُس کو دنیا کی خبر نہیں ہوتی، ساری عمر غموں کے صندوق میں گزرتی ہے۔ جو شخص بھی زمین کی چیزوں کا دلدادہ ہو اُس کا یہی حال ہے وہ فکروں کے کسی نہ کسی صندوق میں بند ہے۔ مرتے وقت گویا ایک صندوق سے قبر کے صندوق میں منتقل ہوا۔ آخر کار قاضی نے مزدور سے کہا کہ دوڑ کر میری خبر میرے نائب کو کر تاکہ وہ یہ صندوق خرید لے اور بند کا بند میرے گھر لے جائے اور میری عزت بچ جائے۔ اے اللہ! اپنے نیک بندوں کو ہماری طرف متوجہ کردے تاکہ وہ ہمیں بھی اسی طرح خرید لیں۔ وہ خریدار رسول اور انبیاء علیہم السلام ہیں اور اُن کے وارث اولیاء رحمہم اللہ۔ اہلِ دنیا صندوق میں بند ہیں لیکن بہت کم لوگوں کو اس بات کا احساس ہے۔ جس کو احساس ہے اُس کی پہچان یہ ہے کہ وہ دنیا کی راحتوں سے گھبراتا ہے اور عالمِ آخرت کی فراخی کا خواہاں ہے۔ مومن کا اصل وطن چونکہ عالمِ آخرت ہے اِس لیے وہ اس عالم کو پہچان لیتا ہے اسی لیے حضور ﷺ نے فرمایا: ''حکمت اور دانائی مومن کی گم شدہ چیز ہے''۔ وہ جہاں بھی اُسے دیکھتا ہے پہچان لیتا ہے کہ یہ چیز تو میری ہے۔ اس دنیا کے پنجرے میں کوئی ایسا سوراخ بھی نہیں ہے کہ انسان اُس میں سے بلندی کی طرف دیکھ سکے۔

قرآن میں انہی بے سوراخ کے پنجرے میں پھنسے ہوئے لوگوں کے لیے فرمایا گیا ہے کہ ''اگر ہو سکے کہ تم آسمانوں اور زمین سے نکل سکو تو گزر جاؤ'' قرآن نے اُن لوگوں کے بارے میں فرمایا: اگر اُن کے لیے گزرنے کا کوئی راستہ ہے تو وہ صرف وحیِ الٰہی اور طاقت کے ذریعے اُن کو حاصل ہو سکتا ہے۔ یہ دنیاداری آسمانی نہیں بلکہ دنیا کا صندوق ہے۔ یہ دنیا کی لذتوں میں مست ہے جس کی وجہ سے یہ بھی نہیں سمجھتا کہ وہ صندوق میں بند ہے۔ اگر وہ دنیاوی صندوقوں میں بند نہ ہوتا اور اُن پر فریفتہ نہ ہوتا تو قاضی کی طرح اُن سے نکلنے کی کوشش کرتا۔ جو یہ سمجھتا ہے کہ وہ دنیا کے صندوق میں بند ہے وہ ہر وقت آہیں بھرتا ہے۔ وہ جوحی کے صندوق میں بند قاضی کی طرح لرزتا ہے۔ قاضی کے کہنے سے مزدور نے اُس کے نائب کو بلا بھیجا کہ فوراً آئے اور صندوق کو خرید لے۔ قاضی کے متعلقین اُس کی بات سُن کر حیران رہ گئے۔

ادھر جوحی نے اعلان کر دیا کہ میں چوراہے پر اس صندوق کو جلاتا ہوں۔ شور سے وہاں مجمع جمع ہو گیا۔

نقضِ میثاق و عہود از احمقی ست
وعدوں کا پاس نہ کرنا احمقوں کا کام ہے

حفظِ ایمان و وفا کارِ تقی ست
ایمان اور وفا کی حفاظت کرنا نیکوں کا کام ہے

قاضی کے نائب کا آنا اور صندوق خریدنا

فوراً قاضی کا نائب چوراہے پر پہنچ گیا۔ اُس نے جوحی سے صندوق خریدنے کی بات کی۔ اُس نے ایک ہزار اشرفیاں طلب کیں۔ نائب بولا: شرم کرو کچھ صحیح قیمت مانگو۔ وہ بولا: یہ نہایت اعلیٰ صندوق ہے، کہو تو کھول کر دکھا دوں۔ نائب نے گھبرا کر کہا نہیں کھولنے کی ضرورت نہیں ہے میں اس کو بند ہی خرید لیتا ہوں۔ اب تُو قاضی کی پردہ پوشی کر، خدا تیری پردہ پوشی کرے گا۔ یاد رکھو! جب تک اپنی نجات کا یقین نہ ہو کسی گناہ گار کا مذاق نہ اُڑاؤ۔ تیری ہی طرح دوسرے لوگ بھی دنیا کے صندوق میں بند ہیں۔ جس طرح تُو اپنے صندوق میں بند ہونے پر مذاق کو پسند نہیں کرتا دوسروں کا بھی مذاق نہ اُڑا۔ جو کچھ انسان اپنے لیے پسند کرے وہی دوسروں کے لیے بھی پسند کرے۔ اللہ سے کسی کا کوئی کام پوشیدہ نہیں ہے اور وہ اکثر قیامت سے پہلے بھی عمل کی جزا دے دیتا ہے۔ ہر ایک اُس کے عدل کے ماتحت ہے۔ تُو بھلا کرے گا بھلا ہوگا بُرا کرے گا بُرا ہوگا۔

جوحی نے کہا کہ بے شک میں نے قاضی کے ساتھ ظلم کیا ہے لیکن بُرائی کی ابتداء تو قاضی نے کی کہ میری بیوی پر بُرا ارادہ کیا۔ وہ مجھ سے بڑا ظالم ہے۔ نائب بولا: دوسروں کو اپنے سے بڑا ظالم قرار دینا کچھ اچھی بات نہیں ہے ہم سب بُرے ہیں لیکن دوسروں کو بُرا اور اپنے آپ کو بے قصور سمجھتے ہیں۔ یاد رکھو! ہم سب دنیا کے صندوق میں قید ہیں اور اہل اللہ اُسے خرید رہے ہیں تاکہ ہم رہا ہو جائیں۔ سب لوگ غموں اور فکروں کے صندوق میں مقید ہیں۔ ہر دنیاوی مطلوب ایک صندوق ہے۔ جب تک اُن علائق کو توڑ کر آزاد نہ ہوں گے حیاتِ طیبہ نصیب نہیں ہو سکتی۔

حضور ﷺ کی حدیث "مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ" اور مُنافقوں کا فرمانِ نبوی ﷺ پر اعتراض

حضور ﷺ نے فرمایا: ''جس کا میں مولا اور آقا ہوں علی اُس کا مولا ہے''۔ نبوت انسانی رہنمائی کے لیے ہے اور دنیاوی علائق سے آزادی دلاتی ہے۔ مومنوں کو اُس آزادی سے خوشی منانی چاہیے۔ اپنے مربی کا اس طرح شکر ادا کرو جیسے باغ اپنے مُربی پانی کا شکر ادا کرتا ہے۔ شکر محض زبان سے نہیں بلکہ دل اور حال سے ادا کرو۔ چمن کے پودے حال سے شکریہ ادا کرتے ہیں۔ وہ سب خاموش ہیں لیکن پتے، پھول، پھل شکریہ ادا کرتے نظر آتے ہیں۔ موسمِ بہار سے اُن کی زبان کو گویائی عطا ہو جاتی ہے جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بچپن میں ہی حضرت مریم علیہا السلام کے نور سے حاصل ہوئی۔ حضرت آدم علیہ السلام کو گویائی اللہ کے نفخ رُوح سے حاصل ہوئی۔ شکر کر، اس سے نعمت میں اضافہ ہوتا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ''جس نے قناعت کی، عزت پائی

نقضِ میثاق و عہود از احمقی ست
وعدوں کا پاس نہ کرنا احمقوں کا کام ہے

حفظِ ایمان و وفا کارِ تقی ست
ایمان اور وفا کی حفاظت کرنا نیکوں کا کام ہے

اور جس نے لالچ کیا، وہ ذلیل ہوا'' لیکن دینی نعمتوں میں معاملہ اُلٹ ہے یہاں جو قناعت کرتا ہے ذلیل ہوتا ہے اور جو لالچ کرتا ہے عزت پاتا ہے۔ نفس کے صندوق سے باہر نکل، تیرے مُربّی خریدار ہیں۔ اُن کی اطاعت کر یہی اُن کا شکریہ ہے۔

جوحی نے کچھ دن اُس رقم سے مزے اُڑائے اور پھر افلاس سے پریشان ہو کر عورت سے کہا کہ اب پھر قاضی کو پھانس۔ جوحی کی بیوی کچھ عورتوں کو لے کر قاضی کی کچہری میں پہنچی اور ایک عورت کو اپنا ترجمان بنالیا۔ تاکہ قاضی اُس کی آواز نہ پہچان لے۔ عورت کی آواز ایک فتنہ ہے لیکن اگر اُس کے ساتھ ادائیں بھی شامل ہوں تو سَو فتنے بن جاتی ہیں۔ قاضی نے اِس مرتبہ کہا کہ شوہر کو لاؤ۔ قاضی جوحی کو پہچان نہ سکا۔ اِس لیے کہ قاضی ملاقات کے وقت صندوق میں بند تھا۔ اُس نے صرف آواز سنی تھی۔ قاضی نے جوحی سے پوچھا کہ اپنی عورت کو پورا خرچہ کیوں نہیں دیتے ہو۔ وہ بولا: میں شریعت کے احکام کا غلام ہوں لیکن اِس قدر مُفلس ہوں کہ اگر مر جاؤں تو کفن بھی نہیں ہے۔ اُس کی باتوں سے قاضی نے جوحی کو پہچان لیا۔

وہ بولا: گزشتہ سال تُو نے میرے ساتھ مکاری کی تھی' میں تو بچ گیا، اب کسی اور کو پھانس۔ عارف شش اور پنج سے فارغ ہوتا ہے۔ پنج سے مراد پانچ حواس ہیں اور چھ سے مراد چھ جہتیں ہیں۔ عارف کا ادراک پانچوں حواسوں اور چھ اطراف سے بالاتر ہوتا ہے۔ اب اُس کو علوی علوم حاصل ہو جاتے ہیں۔ اگر وہ بھی دنیا کے چھ گوشے والے کنویں میں ہوتا تو دوسروں کو کنویں سے کیسے باہر نکالتا۔ مریدوں کو دنیا کے کنویں سے نکالنے والا شیخ دنیا سے بالا ہوتا ہے۔ صرف اُس کا جسم دنیا کے اُس کنویں میں ڈول کی طرح آتا جاتا ہے۔ مرید اُس کے اِس جسم کے ساتھ وابستہ ہو کر دنیا کے کنویں سے نجات پا کر حضرت یوسف علیہ السلام کی طرح شاہِ مصر بنتے ہیں۔ دنیا داروں کے ڈول تو دنیا حاصل کرتے ہیں۔ عارف کے لیے ڈول وغیرہ کی مثالیں بالکل ناقص ہیں۔ اُس کی مثال کائنات میں کوئی نہیں ہے۔ وہ ایسا تیر ہوتا ہے، جس میں سینکڑوں تیر کمان پوشیدہ ہوتے ہیں۔

عارف' خدا سے وحدت رکھتا ہے اور لوگوں کے لیے آزمائش ہے کہ لوگ محض اُس کے جسم کو دیکھ کر شیطانی نظر اختیار کرتے ہیں اور دیکھتے نہیں کہ اُس کی رُوح ایک آفتاب ہے جو جسم کے ذرّے میں پوشیدہ ہے۔ زمین اُس آفتاب کی تاب نہیں لاسکتی۔ جب اُس رُوح کی وسعت کا یہ حال ہے اور اُس کی عظمت اِس قدر بلند ہے تو وہ اُس جسم کے لائق کہاں ہے۔ وہ جسم جو رُوح کا گھر بنا ہوا ہے رُوح کا اُس میں تھوڑی دیر کا قیام کافی ہے۔ سمندر جیسی رُوح مشک کے جسم

چوں درخت ست آدمی و بیخ عہد
انسان درخت کی طرح ہے اور وفا جڑ

بیخ را تیمار می باید بجہد
اِس لئے جڑ کی زیادہ حفاظت درکار ہے

میں کب ٹھہر سکتی ہے۔ رُوح بمنزلہ ہزاروں جبرائیل کے ہے اور جسم ایک بشر ہے۔ رُوح مسیح ہے اور جسم خر ہے۔ شیطان محض جسم کو دیکھ کر غلطی میں مبتلا ہو گیا۔ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اے شیطان! آنکھ مَل کر دیکھ یہ محض جسم نہیں ہے۔

شہزادے کا قصہ، اُس کی شاہ کے دربار سے وابستگی

شہزادہ، شاہ کے سامنے آیا تو حیران تھا۔ جو اشکالات شہزادے کے ذہن میں آتے تھے وہ زبان سے تو بیان نہ کرتا تھا لیکن شاہ اور اُس کا رُوحی مکالمہ ہوتا تھا۔ اُس کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوا جبکہ سب فضائل اور خواص رُوح کے ہیں تو جسم کے ساتھ اُس کا تعلق کیوں کیا گیا ہے۔ رُوحِ کامل کو صورت سے اس لیے وابستہ کیا گیا ہے کہ صورت اختیار کر کے تیرے اندر وہ فیض پہنچائے کہ تُو صورت سے بیزار ہو جائے۔ اُس کا یہ فیض رُوحِ مجرد سے تُو حاصل نہ کر سکتا تھا۔ تو گویا اُس کی مثال یہ ہوئی کہ ایک خُفتہ یعنی صورت نے تجھ خُفتہ کو بیدار کر دیا کہ تُو صورت سے بیزار ہو جا اور تُو ہو گیا۔ اِس رُوح سے جبکہ وہ صورت میں ہے کلام صادر ہوتا ہے جو تجھے اُس کلام سے باز رکھتا ہے جو مقصود سے مانع ہو۔ جسمانی بیماریوں کو اللہ تعالیٰ گناہوں کی بیماریوں کی دوا بنا دیتا ہے یا رُوحِ کامل کے جسم میں جب عشق کی بیماری طاری ہو جاتی ہے تو اُس کے آثار کو دیکھ کر لوگ اپنی اصلاح کرتے ہیں۔ ہم نے عشق کو بیماری کہا ہے لیکن یہ ایسی بیماری ہے جو صحت کی جان ہے اور اُس کی تکالیف راحتوں کے لیے باعثِ حسرت ہیں، جو صحت سے مقصود ہوتی ہیں۔ اے جسم! اب اِس جان کا پیچھا چھوڑ دے اور اگر تُو بالکل رُوح کو چھوڑنا نہیں چاہتا تو جیسا قاضی نے کہا کوئی اور رُوح تلاش کر لے۔

شاہ چین اُس شہزادے کو نوازتا تھا لیکن عشق اُس کو گھلا رہا تھا۔ جن کو حقیقی عشق ہے وہ جتنے گھلتے ہیں اتنے ہی تازہ رُو ہوتے ہیں۔ دوسرے بیمار دوا تلاش کرتے ہیں، مریضِ عشق، عشق کے بڑھنے کی تمنا کرتا ہے۔ عشق اگرچہ زہر ہے لیکن اُس کی مٹھاس سب سے بڑھی ہوئی ہے۔ یہ مرض ہے لیکن ہر صحت سے بہتر ہے۔ عشق میں سالہا بمنزل ایک ساعت کے ہیں۔ ایک عرصہ تک شہزادہ بادشاہ کے پاس رہا کہ دل کباب تھا اور جان قربان کرنے کی فکر میں تھا۔ جن لوگوں نے بادشاہ کی لڑکی کی تمنا کی اُن کا ایک بار سر کٹا، میں ہر وقت بار بار قربان ہو رہا ہوں۔ عشق میں دو پاؤں اور ایک سَر نہیں بلکہ ہزاروں پاؤں اور سَر چاہئیں۔ اسی لیے عوام اس عشق سے محروم ہیں۔ عشقِ حقیقی کا ہنگامہ روز بروز تیز ہوتا ہے اور لامحدود ہے۔ چونکہ اُس کا منبع لامکانی ہے اور غیر فانی ہے اور اُس کی آگ کے سامنے دوزخ کی گرمی بھی ہیچ ہے اس لیے یہ ہر ایک کا حصہ نہیں۔

عہدِ فاسد بیخِ پوسیدہ بُوَد	**وز شمارِ لُطف ببریدہ بُوَد**
خراب عہد سڑی ہُوئی جڑ کی طرح ہے	اُس پر اللہ کی مہربانی کا پھل نہیں لگتا

پُل صراط کے نیچے سے دوزخ کہتی ہے: اے مومن! جلد گزر جا، کہیں میری آگ نہ بجھا دینا مومن میں چونکہ عشق کی گرمی ہے جسے دوزخ برداشت نہیں کرسکتی۔ اِس لیے کہتی ہے کہ میرے اوپر سے جلد گزر جا۔ دوزخ کی آگ کو بھڑکانے والی آگ کفر ہے۔ ایمان سے کفر ہمیشہ مضمحل ہو جاتا ہے۔ تُو اپنے اندر سے اِس مادے کو جلد از جلد دُور کر دے اور اپنی مستی کو کسی صاحبِ عشق و معرفت کے سپرد کردے تاکہ اُس میں وہ مادہ ہی نہ رہے جسے دوزخ کی آگ پکڑ سکے۔ قلبِ مومن، ذاتِ خداوندی کا مظہرِ اتم ہے، اِس لیے جنت بھی اُس کے سامنے کم رتبہ ہے۔ ادنیٰ، اعلیٰ کے سامنے شرماتا ہے اِس لیے جنت بھی نورِ مومن سے گھبراتی ہے۔

بڑے بھائی کا مرجانا اور درمیانے کا شاہِ چین کی صحبت اختیار کرنا بڑے بھائی کی عمر اسی حالت میں ختم ہوگئی اور وصل کی کوئی تدبیر نہ ہوسکی۔ ایک مدت تک اظہارِ عشق سے ڈرتا رہا اور وصل کے بغیر ہی اس دنیا سے رخصت ہوگیا۔ اب معشوق جو کہ مظہر تھا، وہ اُس کی نظروں سے غائب ہوگیا اور جو اُس مظہر میں ظاہر تھا یعنی حسنِ خداوندی اُس سے جاملا۔ اب وہ مجاز میں حقیقت دیکھنے کی بجائے بلا کسی حجاب کے حقیقت سے ہمکنار ہوگیا۔ اب وہ یہ کہہ رہا تھا کہ میں جسم سے عُریاں ہوگیا اور جسم اِس شہزادی کے خیال سے عُریاں ہوگیا اور اب میں حقیقت کے وصل کی طرف جارہا ہوں۔ وصلِ خداوندی کی باتیں یہاں تک تو کی جاسکتی ہیں اس سے آگے کے احوال محض ذوقی ہیں اور ذوقی چیزیں گفتگو میں بیان نہیں کی جاسکتیں۔ اِس کی مثال یوں سمجھ لو کہ گھوڑے کی سواری دریا کے کنارے تک کام دیتی ہے پھر وہ بیکار ہے، کشتی وغیرہ کی ضرورت پڑے گی۔ اہلِ قال کو حال نہیں سمجھایا جاسکتا۔ اِس کو صرف اہلِ حال ہی سمجھ سکتے ہیں، جس طرح کشتی خشکی میں کام نہیں دے سکتی۔ گفتگو سے خاموشی اہلِ حال کے لیے گفتگو ہے۔ اگر تُو اہلِ قال میں سے ہے تو گفتگو سے خاموشی سے ملول ہوگا لیکن اہلِ حال کے لیے وہ عشق کے نعرے ہیں۔ تُو اُن کی خاموشی کو خاموشی سمجھتا ہے۔

صاحبِ حال کہتا ہے کہ تیرے کان نہیں ہیں کہ تُو اِس گفتگو کو سمجھ سکے۔ صاحبِ ذوق کہتا ہے کہ میں تو عشق کے نعروں سے بہرا ہوا جارہا ہوں اور یہ بے خبر ہیں۔ دنیادار تیز کان والے عشق کے نعروں سے بہرے ہوتے ہیں۔ مثال ہے کہ ایک شخص خواب میں نعرے لگاتا ہے اور کچھ باتیں کرتا ہے دوسرا شخص جو اُس کے پہلو میں بیٹھا ہوا ہے، اِس سے بے خبر ہے۔ تو یہ شخص اگرچہ جاگ رہا ہے لیکن سویا ہوا بھی ہے۔ یہ حال تو اہلِ ذوق کا تھا۔ اب وہ جو فنا اور استغراق کی

بد گہر را علم و فن آموختن　　دادنِ تیغے بدستِ راہزن
کسی بد اصل کو فن یا علم سکھانا　　ڈاکو کے ہاتھ میں تلوار دینے جیسا ہے

حالت میں ہیں اُن کا ذوق بھی فنا ہو چکا ہے۔ اب وہ خود مچھلی ہے، اُسے کشتی کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ یہ صاحبِ مُشاہدہ، نہ صاحبِ ذوق کی طرح خاموش ہے اور نہ بولتا ہے۔ یہ ایک نادر شخصیت ہے، اُس کی کیفیت کا پورا بیان کرنے کے لیے الفاظ نہیں ہیں۔ اُن کی حالت کی تشریح کرنے کے لیے شریعت کا ادب مانع ہے۔

چھوٹا شہزادہ اپنے بڑے بھائی کے جنازے پر نہ آسکا کیونکہ وہ بیمار تھا، صرف منجھلا آیا۔ شاہ نے اُسے جان لیا پھر بھی تعارف کرانے والے نے کہا کہ یہ بھی اُسی باپ کا بیٹا ہے اور مرنے والے سے چھوٹا ہے۔ شاہ کی توجہ سے اُس کی قلبی کیفیت بدلی اور قلب میں زندگی محسوس ہونے لگی۔ اُس نے اپنے دل میں عشقِ الٰہی کا ایسا جوش وخروش دیکھا جو صوفی کو سو چلّوں میں بھی حاصل نہیں ہوسکتا۔ انعکاسِ انوار سے سب عالم روشن ہوگیا اور اُس میں واردات اور معارف منکشف ہونے لگے اور ہر چیز مظہرِ صفات وکمال نظر آنے لگی۔ عالَم کا ذرّہ ذرّہ اُس کے کشف کا ذریعہ بن گیا۔ اُس کے ذریعے علوم ومعارف کا دروازہ کھلنے لگا۔ وہ علم کا دروازہ کبھی روشن دان کبھی خود علم بن جاتا، کبھی مقصود اور کبھی اُس کا آلہ بن جاتا۔ عالَمِ ناسُوت اُس کی نظر میں بے قدر معلوم ہوتا تھا۔ اب اُس کے سامنے عالَمِ ملکوت تھا۔ رُوح زیبا جب جسمانی لذتوں سے آزاد ہوجاتی ہے تو (خواہ مجاہدے سے یا صحبتِ شیخ سے) اُسے ملکوتی انکشاف ہونے لگتے ہیں۔

شہزادے کو شیخ کی صحبت سے یہ درجہ حاصل ہوگیا۔ شیخ کی صحبت سے اُسے باطنی سُرمہ حاصل ہوگیا۔ اُسے جو معنوی چمن حاصل ہوا وہ دائمی تھا۔ جو چمن دل میں اُگتا ہے پائیدار ہوتا ہے۔ ہم رسمی علوم پر اس لیے فریفتہ ہیں کہ ہم نے اُن علومِ حقیقی کا دروازہ اپنے اوپر بند کر رکھا ہے۔ جن کنجیوں سے اُن علوم کے خزانے کھلتے ہیں وہ لذتِ دہن کی وجہ سے ہمارے ہاتھ سے گر جاتی ہیں۔ جب کسی آدمی کا پیٹ بھر جاتا ہے تو پھر وہ فرج کی شہوت کا گرویدہ ہوجاتا ہے۔ پھر انسان کی ہوس اور بڑھتی ہے تو نان وزن سے پُر شہروں کے درپے ہوجاتا ہے۔ پہلے وہ ایک سروالا سانپ تھا اب سات سَروں والا اژدھا بن جاتا ہے۔ دوزخ سات سَروں والا اژدھا ہے، اُس کے سات دروازے ہیں، جن سے جہنمی داخل ہوں گے۔ حرص انسان کے لیے دانہ اور دوزخ جال ہے۔ اُس دوزخ کے دانہ وجال سے دُور ہوجا پھر معارفِ لدُنّیہ تم پر کھل جائیں گے۔

اگر تُو خدا کا عاشق نہیں ہے تو تیرے علوم پہاڑ کی صدائے بازگشت کے علاوہ کچھ نہیں ہیں۔ تم میں سب کچھ کسی دوسرے کا عکس ہے۔ تیرا غصہ، تیرا ذوق، دوسروں کا عکس ہے۔ جس طرح دلاّلہ کی خوشی اور سپاہی کا غصہ، اُن کا سبب دوسرے لوگ ہوتے ہیں۔ یاد رکھ! اِن عکسی اَحوال پر اکتفا نہ کر۔ جب تیرے اندر حقیقی وصف پیدا ہوجائے تو تیری گفتار

آنچہ منصب می کند با جاہلاں	از فضیحت کے کند صد ارسلاں
جاہلوں کے ہاتھ میں عُہدہ جو کچھ کرتا ہے	رُسوائی میں سو شیر وہ کچھ نہیں کرتے

خود اپنی ہوگی اور تیری رفتار خود اپنے بال و پر سے ہوگی۔ علومِ بے بصیرت اور احوالِ بے حقیقت کا تعلق وحی سے نہیں ہے بلکہ وہ محض نفسانی چیزیں ہیں۔ سُورۃُ النجم میں ہے کہ حضور ﷺ کا کلام وحی سے ماخوذ ہے، خواہشِ نفس سے نہیں ہے۔ حضور ﷺ کے تمام علوم وحی سے متعلق ہیں۔ جو لوگ جسمانی ہیں اور اُن کا تعلق رُوحانی ملائکہ سے نہیں ہے۔ اُن کے لیے تحرّی اور اجتہاد، وحی کے قائم مقام ہیں۔ اِس لیے اجتہادی مسائل بھی نفسانی نہیں ہیں۔ حضور ﷺ کو بھی اجازت تھی کہ جب وحی نہ آئے تو قیاس سے کام لیں۔ وحی نہ ہوتے ہوئے قیاس سے فائدہ اُٹھانا اِس طرح ہے کہ اگر بید کے پھل نہیں ہیں تو اُس کے سایہ سے فائدہ اُٹھایا جا سکتا ہے۔ جب کعبہ سامنے ہو تو سمتِ قبلہ کی تحرّی اور اٹکل لگانا جائز نہیں ہے۔ اگر بے اٹکل اور بغیر اجتہاد کے کوئی عمل ہوگا تو وہ بدعت ہے۔

بغیر اجتہاد کے کام جبکہ ہوائے نفس ہے تو یہ ہوائے نفس اُس کو اسی طرح برباد کردے گی جس طرح عنصری ہوا نے قومِ عاد کو برباد کر دیا تھا۔ اگر اجتہاد سے کام لیا ہے تو پھر ہوا اُسے اس طرح مفید ہوگی جس طرح حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے مفید تھی۔ قومِ عاد میں تکبر کی ہوا بھری ہوئی تھی۔ جو تباہی کا سبب بنی اور وہ ابتداً اُس کو دیکھ کر خوش ہوئے پھر اُس سے تباہ ہوئے۔ انسان کو تکبر کی ہوا سے بچنا چاہیے ورنہ وہ ہلاک کردے گی۔ وہی شخص جو تمہاری دست بوسی کرتا ہے غصہ کے وقت اُس کا ہاتھ گرز بن جاتا ہے۔ سانس کے ساتھ ہوا کس عمدگی کے ساتھ حلق میں آتی جاتی ہے لیکن جس وقت خدا چاہتا ہے وہ دانت میں گھس کر تڑپا دیتی ہے۔ جب انسان درد سے بے تاب ہو جاتا ہے تو رَبّ سے وہ ہوا نکالنے کی درخواست کرتا ہے۔ جب یہ سب چیزیں اللہ کے حکم کے تابع ہیں تو اُس کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ درد کا یہ فائدہ ہوتا ہے کہ رَبّ یاد آ جاتا ہے اور سخت دلوں کو رُلا دیتا ہے۔ مردانِ خدا کی نصیحت کو تو قبول نہیں کیا۔ اب درد کی وجہ سے ہی اُسے یاد کر لے۔

ہوا، دلالتِ حال سے کہتی ہے کہ میں خدا کی قاصد ہوں۔ کبھی بشارت دیتی ہوں، کبھی ڈراتی ہوں۔ میں انسان کی طرح اپنے رَبّ سے غافل نہیں ہوں۔ میں حکم کی پابند ہوں حاکم نہیں بنتی۔ اگر تُو حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرح خدا کا مطیع ہوتا تو میں تیری غلام ہوتی۔ اب میں تیری ملکیت نہیں ہوں، چند دن کے لیے عارضی طور پر تیرے پاس ہوں۔ ہوا اپنا اللہ تعالیٰ کی ایک آیت ہونا واضح کر دیتی ہے۔ تُو چونکہ اللہ کا باغی ہے، دو چار روز تجھے دنیاوی فائدہ پہنچا رہی ہوں۔ ان دنوں کے بعد قومِ عاد کی طرح تجھے جہنم میں دھکیل دوں گی۔ اُس وقت تُو غیب پر ایمان لائے گا مگر وہ مفید نہیں ہوگا بلکہ باعثِ حسرت ہوگا۔ قرآن کہتا ہے، اللہ نے فرمایا: ''جب اُنہوں نے ہماری سختی دیکھی تو اُن کا ایمان لانا اُن کے لیے

مال و منصب ناکسے کارد بدست | طالبِ رُسوائی خویش اُو شدست
نااہل جو مال اور عہدہ حاصل کرتا ہے | وہ اپنی ہی رُسوائی کا طالب بنتا ہے

مفید نہ تھا۔" جب عذاب نازل ہونے لگتا ہے تو پھر توبہ اور ایمان لانا نافع نہیں ہوتا۔ اگر انسان اس حالت میں ایمان لائے اور سیدھا ہو جائے کہ عذاب غائب تھا اور اُس نے اُسے نہ دیکھا تھا تو پھر وہ خود شاہ ہے۔ اُسے کوئی نہ ستا سکے گا۔

یہ منہ اور حلق کی لذتیں ہمارے لیے وبالِ جان ہیں۔ دنیا میں ہم جو کچھ کھاتے ہیں، خاک ہی کے اجزاء ہیں، صرف اُن پر رنگ چڑھے ہوئے ہیں۔ دنیا کی جس قدر مرغوبات ہیں دراصل وہ رنگین اور نقشین خاک ہیں۔ پہلے اُس مٹی پر پھل اور غذا کا رنگ تھا، جب وہ جزوِ بدن بنی اور اُس پر گوشت پوست کا رنگ آگیا تو یہ گوشت پوست خاک ہی تو بنتا ہے۔ جسم جو خود خاک ہے اُس کی نشو ونما خاک ہی کے ذریعے ہو رہی ہے۔ مرنے کے بعد خاک ہو جائے گا۔ انسان خواہ کہیں کا ہو، چاہے کوئی ہو، قبر میں سب یکساں مٹی بن جاتے ہیں۔ سب کا یہ انجام عبرت کے لیے ہے کہ باقی رہنے والا صرف اللہ کا ہی رنگ ہے، جو اعمالِ صالحہ سے چڑھتا ہے۔ گھنٹا جو جانور کے گلے میں بندھا ہوتا ہے وہ جانور کا جزو نہیں ہوتا۔ محض ایک عارضی چیز ہوتی ہے جیسے رُوح کے گلے میں جسم کا گھنٹا۔ نیک اعمال کا رنگ دائمی اور باقی ہے۔ اسی طرح بداعمال کا رنگ بھی دائمی ہے۔ فرعون کا جسم فنا ہو گیا لیکن اُس کی سیاہ روئی باقی ہے۔ جو بچے ہیں اُن کے جسم تو فنا ہو جائیں گے لیکن اُن کے اعمال قیامت تک قائم رہیں گے۔

بُرائی اور بھلائی جسم کی نہیں ہے بلکہ اعمال کی ہے جو قائم دائم ہے۔ جسم کا رنگ و روپ بے معنی ہے، اُس کا لالچ بچوں کا سا لالچ ہے۔ بچے آٹے کے بنے ہوئے شیر و شتر پر فریفتہ ہو جاتے ہیں۔ اُن سے کہو کہ یہ اور روٹی ایک ہی چیز ہے تو تسلیم نہیں کرتے۔ ہم نے بھی بچوں کی طرح دامن میں مٹی بھر رکھی ہے۔ اصل سودے اور دُکان سے غافل ہیں۔ بچے کی یہ نادانی اتنی مُضر نہیں ہے کیونکہ وہ نادان ہے۔ قابلِ افسوس تو یہ نابالغ پیر ہیں کہ دولت جمع کرنے کے درپے ہیں۔ بچوں کی سوچ سے نقصان نہیں ہوتا لیکن اِن بوڑھوں کی جہالت تو آفتِ جان ہے۔ جب جہالت اور ہتھیار جمع ہو جاتے ہیں تو انسان فرعون بن جاتا ہے۔ مفلس کو شکر ادا کرنا چاہیے کہ اللہ نے اُسے گمراہی کے اسباب سے محفوظ فرمایا۔ خدائی کا دعویٰ ہمیشہ پیٹ بھرا کرتا ہے، بھوکا نہیں کرتا۔ اگر پیٹ خالی ہو تو شیطان اُس میں قید ہو جاتا ہے۔ جب پیٹ لذیذ غذاؤں سے پُر ہو تو شیطان کا بازار ہے جہاں مکر و فریب کی چیزیں فروخت ہوتی ہیں۔ شیطان تاجروں کی ہماہمی سے انسان کی عقل خراب ہو جاتی ہے اور وہ فریب میں آجاتا ہے۔

اللہ کی ذات پاک ہے اور کسی قبیح چیز کو پیدا کرنا قبیح نہیں ہے۔ ہم بچوں کی طرح اس رنگین خاک پر لڑتے ہیں۔ دنیا دار لوگ بچہ صفت ہیں۔ اُن کو بزرگوں سے اختلاف نہیں کرنا چاہیے۔ جو عقل کے اعتبار سے بچہ ہے اگرچہ اس کی داڑھی

حُکم چوں در دست گمراہے فتاد جب حکومت کسی گمراہ کے ہاتھ میں آگئی	جاہ می پنداشت در چاہے فتاد اُس نے اُسے رُتبہ سمجھا اور کنویں میں جا گرا

اور بال سفید ہوں وہ بچہ ہی ہے اُس کی حرکتیں طفلانہ ہوں گی۔ انسان کو چاہیے کہ شریعت کا پابند ہو جائے اور اپنے اعمال کو ہیچ سمجھ کر ڈرے اور اللہ سے رحمت کی اُمید رکھے۔ بچوں کا عمل یہ ہوتا ہے کہ ترکِ عمل کر کے رحمت کی اُمید رکھتے ہیں۔ یہ دراصل غرور ہے اور دھوکا ہے اور اگر کوئی اپنے عمل کو ہیچ سمجھ کر عمل ترک کر دے اور پھر کہے کہ اللہ کریم ہے اور بے عمل پر بھی فضل کر دیتا ہے تو یہ خوف نہیں ہے بلکہ بزدلی ہے اور طفلانہ حرکت ہے۔ کوئی یہ سمجھے کہ میرے عمل کی وقعت کیا ہے؟ اور کوشش ہی کو چھوڑ دے اور کہے: اللہ نے فرمایا ہے کہ "مایوس نہ ہو" اس لیے وہ مجھ پر کرم کر ہی دے گا، وہ بچہ ہے۔

بھائی! حقیقتِ عمل یہ ہے کہ عمل کے ہوتے ہوئے عمل کو ہیچ سمجھے اور خدا کی رحمت پر بھروسہ کرے۔ یہی اہلِ محبت کا راستہ ہے۔ یعنی ہم نے ہاتھ پیر مارے ہیں لیکن ہمارا عمل ہیچ ہے۔ عشق و محبت کے جام پی رہے ہیں لیکن وہ جام قابلِ اعتبار نہیں ہیں۔ وہاں ہر چیز رُوحانی درکار ہے جس میں کوئی شائبہ، ریا یا شرک کا نہ ہو۔ غرض کہ اعمال ضروری ہیں اور اُن کی تاثیر رحمت اور جذبِ حق پر موقوف ہے۔ اعمال کا خلاصہ سلوک ہے اور رحمت کا نتیجہ جذبِ حق ہے۔ ہمارے اعمالِ جسمی، سایہ کی طرح ہیں اور اُن کے معنی یعنی نیت یا رُوحانی احکام سورج کی طرح ہیں۔ بے سایہ نور، سورج سے تب پڑتا ہے جب فنا کا درجہ حاصل ہو جائے۔ اُس وقت اُوصافِ بشری کی اینٹیں مفقود ہو جاتی ہیں تو پھر نور کے لیے اینٹوں کا سایہ مانع نہیں ہوتا۔ اینٹ اُکھاڑنے سے اگر روشنی آتی ہے تو اینٹ خواہ کتنی ہی قیمتی ہو اُکھاڑ دینی چاہیے۔ تجلی کے وقت کوہِ طور نے اپنے آپ کو ریزہ ریزہ کر دیا تھا تا کہ تجلی اُس کے اندر پہنچ سکے۔ بھوکے کے ہاتھ پر جب روٹی لگتی ہے تو شوق و حرص سے منہ پھاڑتا ہے۔ ہمارا جسم سایہ کا سبب ہے اور سورج کے نور کی راہ میں رکاوٹ ہے۔ جسم اور عالمِ ناسوت، نابالغ دنیاداروں کا گہوارہ ہے اور گہوارہ بالغوں کے لیے تنگ جگہ ہوتی ہے۔ نابالغ بچوں کے لیے ناسُوتی منافع دودھ کی طرح ہے۔ اِن بچوں کے گہواروں سے گھر میں تنگی ہو رہی ہے۔ اللہ اِن کو جلد بالغ کر دے اور بالغ پھیل کر اپنا کام کر سکیں۔

شہزادے میں سرکشی پیدا ہونا اور شاہ کا اُس پر کرم

اُس شہزادے کو شاہ کے فیوض و برکات سے اپنے کمال کا شبہ ہو گیا اور خیال کرنے لگا کہ اب مجھے شاہ کی خدمت میں مزید تابعداری کی کیا ضرورت ہے۔ اس وسوسے اور خیال کا یہ نتیجہ ہوا کہ اُس سے سب برکات چھن گئیں۔ شہزادہ چونکہ شاہ کی مجلس میں رہ کر رُوحانی غذا حاصل کر رہا تھا۔ اُس کی رُوح کو ایک مقررہ

چوں قلم در دستِ غدارے بود
جب قلم کسی غدار کے ہاتھ میں ہو گی

لاجرم منصور بر دارے بود
تو لامحالہ منصور سُولی پر ہی ہو گا

خوراک روزانہ شاہ سے حاصل ہوتی تھی۔ وہ غذا ملائکہ کی غذا ہوتی ہے' دنیاداروں کی نہیں۔ شہزادے نے اپنے اندر ایک بے نیازی دیکھی، جس نے بڑھ کر سرکشی کی کیفیت پیدا کردی۔ اُس نے سمجھا کہ میں اب باکمال ہوں، کسی اور کے ہاتھ میں اپنی باگ ڈور کیوں دوں۔ جب میرا قلب خود منور ہوگیا ہے تو دوسرے نور کا کیوں تابع رہوں۔ جب مجھ میں باطنی امراض نہیں رہے تو شیخ کے پاس کیوں جاؤں۔ جب یہ بات پیدا ہوئی تو لاکھوں بکواس بکنے لگا۔ اُس کے اِس خیال سے شاہ کا دل دُکھا۔

اُس نے کہا کہ اے بدتمیز! میری عطا کی یہ سزا دے رہے ہو۔ میں نے تری بغل میں ایک چاند رکھ دیا جو قیامت تک غروب نہ ہو۔ اُس نور کی بخشش کے بدلے میں تُو نے خاک پھینکی۔ شاہ کو اس بات پر غیرت آئی کہ اِس قدر احسان کے باوجود یہ شہزادہ سرکشی کر رہا ہے۔ یاد رکھو! جو شخص راہ طریقت میں تکبر کرتا ہے وہ حقیقت سے خالی ہو جاتا ہے۔ یہ وہ تباہی ہے کہ دشمن کو بھی نصیب نہ ہو۔ شراب کو حرام اس لیے کیا گیا کہ اِس کو پی کر انسان خود بین بن جاتا ہے۔ عداوت کا سبب عموماً خود بینی ہے۔ جو شخص اپنی خودی کے ہوتے ہوئے انانیت کی شراب پیتا ہے تو خود بین اور مردُود ہو جاتا ہے۔ جو شخص معیتِ حق کے ساتھ انانیت کی شراب پیئے۔ وہ حلال ہے جیسا کہ اہل اللہ۔

معیتِ حق کے ساتھ شراب پینے والا یہ کہتا ہے کہ میں جب آنکھ کھولتا ہوں تو اللہ کی تجلیات نظر آتی ہیں، اُس کے بعد میں بالکل فانی ہوتا ہوں، میری انانیت بالکل محو ہو جاتی ہے۔ اگر تُو یہ مقام حاصل کرنا چاہتا ہے تو اپنے دل و جان کی قید سے آزاد ہو جا۔ اپنا سب کچھ محبوب کے سپرد کردے' تب مُشاہدہ ہوگا۔ اپنے نَفس سے مغلوب نہ ہو اور لذّتوں سے اُسے محروم کردے۔ خود بینی کی مُستی جس چیز سے بھی پیدا ہو، خواہ وہ حلال ہو یا حرام، اُس کو ترک کردے۔ ہر چیز سے کچھ نہ کچھ مُستی پیدا ہوتی ہے۔ دیکھو! حضرت آدم علیہ السلام کی مُستی گیہوں سے پیدا ہوئی اور اُسی نے اُن کو ناواقف بنادیا اور دھوکا کھا گئے۔ یہ کھانے کے بعد حضرت آدم علیہ السلام کا لباس اُن سے جدا ہوگیا اور وہ جنت سے محروم ہوگئے۔

اب شہزادے کو محسوس ہوا کہ خود بینی کی شراب نے اُسے مریض بنادیا ہے۔ مادمن کے زہر نے اپنا کام کردیا۔ وہ اپنی حالت پر رویا کہ اے نَفس! تُو نے مجھے بڑا دھوکا دیا۔ گیہوں کے لالچ میں جال میں پھنسادیا۔ اب اِس بیڑی کی وجہ سے اپنے مالک تک سفر نہیں کرسکوں گا۔ یہ نوحہ کر رہا تھا کہ میں نے بادشاہ کی مخالفت کا کیوں خیال کیا۔ اُس نے توبہ کی اور ورد میں مبتلا ہوا، جو ایمان کی وحشت سے پیدا ہوتا ہے۔ مصیبت میں پھنسا ہوا انسان بہتر ہے (کہ اُسے مالک یاد رہے) اُس امن سے جو اُسے بے فکر اور سرکش بنادے۔

چوں سفیہاں راست ایں کار و کیا
جب اختیار اور اقتدار بے عقلوں کے ہاتھ میں ہوگا

لازم آمد یقتلون الانبیا
تو یقیناً انبیاء کو قتل کردیا جائے گا

اللہ تعالیٰ کا حضرت عزرائیل علیہ السلام سے سوال کہ اُسے کسی کی رُوح قبض کرتے وقت رحم آیا؟

اللہ نے عزرائیل علیہ السلام سے پوچھا: سب سے زیادہ تجھے کس کی جان لینے میں رحم آیا؟ اُس نے کہا: اُس وقت جب ایک بچہ اور اُس کی ماں کو سمندر کی ایک لہر نے خشکی پر ڈال دیا تو میں خوش تھا کہ یہ دونوں اب بچ گئے لیکن آپ کا حکم ہوا کہ بچے کی ماں کی رُوح قبض کر لو۔ میں نے بچے کو ماں سے محروم کیا تو آپ کو علم ہے کہ مجھ پر یہ کام کس قدر بھاری تھا۔ میرے دل میں درد کی انتہا نہ تھی اور اُس کا غم دل سے جدا نہ ہوتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: پھر میں نے موج کو حکم دیا کہ اُس بچے کو ایک ایسی جھاڑی میں پھینک دے جو پھولوں سے بھری ہوئی ہو۔ اُس میں سایہ دار درخت ہوں جن پر لذیذ پھل لگے ہوں۔ وہاں میٹھے پانی کے چشمے ہوں۔ اِس طرح میں نے اُس بچے کو سو نازوں سے پالا۔ اُس جھاڑی میں پرندے جو خوش آواز تھے بچے کا دل بہلانے کے لیے اپنی بولیاں بولتے۔ سیوتی کے پتوں سے میں نے اُس کا بستر تیار کر دیا۔ سورج سے کہہ دیا کہ اُسے تکلیف نہ پہنچے۔ اُس کے لیے ہر چیز کو اعتدال میں رہنے کا حکم دے دیا۔

شیخ شیبان راعی رحمۃ اللہ علیہ کی کرامت

جس طرح ہوا کو حکم ہوا کہ بچے کی خبر گیری کرے اسی طرح ایک نبی اور ولی کے بارے میں ہوا اور بھیڑیے کو حکم دے دیا کہ وہ نقصان نہ پہنچائیں۔ یہ بزرگ بکریاں چرایا کرتے تھے اور جمعہ کی نماز کے لیے جب شہر کو جاتے تو اپنی بکریوں کے گرد حصار کے لیے ایک لکیر کھینچ دیتے۔ کوئی بکری اُس سے باہر نہ نکلتی تھی اور کوئی بھیڑیا اُس میں داخل نہ ہوتا تھا۔ حضرت ہود علیہ السلام نے اپنے گھر والوں کو اکٹھا کیا اور ایک حصار کھینچ دیا۔ آندھی کا طوفان اُس میں داخل نہ ہوتا۔ کافروں کے ہاتھ پاؤں اُس ہوا سے کٹ کٹ کر گرتے تھے اور آندھی اُن کو فضا میں اُڑا کر لے جاتی تھی۔ اُن کو پہاڑوں پر پٹخ کر اور آپس میں ٹکرا کر پاش پاش کر رہی تھی۔ اگر ہوا کے کام محض اُس کی طبیعت سے صادر ہوتے ہیں تو اُسے کہہ دو کہ ذرا حضرت ہود علیہ السلام کے کھینچے ہوئے حصار کا تو چکر لگائے۔ اگر بھیڑیے کا پھاڑنا اُس کا اپنا فعل ہوتا تو اُسے کہو کہ حضرت شیبان راعی رحمۃ اللہ علیہ کے حصار میں داخل ہو اور بکری پکڑ لے۔

وہ فلسفی جو طبیعات کا ماہر ہے اور اشیاء میں محض طبعی خواص مانتا ہے اُسے کہو کہ علمِ طبیعات سے اوپر ایک اور عالم ہے جو اُس میں مؤثر ہے جس کو قرآن بتا رہا ہے۔ قرآن میں حضرت ہود علیہ السلام کا قصہ موجود ہے۔ تُو اپنے عجز پر حیران ہے اور اُس کی وجہ نہیں سمجھ رہا۔ تُو سمجھ لے کہ اصل عجز قیامت کے دن ظاہر ہوگا۔ انسانوں کا عجز تو آگے آنے والا ہے۔

می بلرزد عرش از مدحِ شقی	بدگماں گردد زِ مدحش متقی
بدبخت انسان کی تعریف سے عرش لرزتا ہے	اور اُس کی تعریف سے پرہیزگار بدگمان ہو جاتا ہے

قیامت کے دن ہر چیز کا عجز ظاہر ہو جائے گا۔ عجزِ محمود یہ ہے کہ انسان اپنی قدرت اور ارادہ کو بالکل فنا کر دے اور حق تعالیٰ کی رضا کے تابع بن جائے۔ ایسے لوگ جو اس عجز اور حیرت کو اپنی غذا بنا لیتے ہیں وہ قابلِ مبارک باد ہیں۔ وہ آرام سے اللہ کے سائے میں سوتے ہیں۔ اُنہوں نے شروع ہی میں اپنے عجز کو محسوس کر لیا اور اپنی قدرت اور ارادہ سے مردہ ہو گئے۔ حدیث میں ہے کہ ''بوڑھی عورتوں کا سا دین اختیار کرو'' کہ اُن میں تابعداری اور اعتقاد زیادہ ہوتا ہے جیسے بوڑھی زلیخا نے جوانی کی راہ پالی۔ زندگی مرجانے اور مجاہدے میں سے ہے۔

نمرود کی پرورش کا قصہ

وہ ہر طرح کے آزار سے محفوظ رہا اور ایک چیتے کی مادہ اُس کو اپنا دودھ پلاتی رہی اور اس طرح جوان ہو گیا۔ اللہ نے اُسے ہر طرح سے پالا۔ دودھ چھڑایا گیا تو اُس کی پرورش اس طرح سے کی کہ بیان سے باہر ہے۔ اللہ کہتا ہے کہ میرے عجیب تصرفات ہیں۔ میں نے کیڑوں کے لیے جو حضرت ایوب علیہ السلام کے جسم میں پڑ گئے تھے اور وہاں سے غذا حاصل کرتے تھے اُن کے دل میں ایسی محبت پیدا کر دی تھی کہ اگر کوئی کیڑا اُن کے بدن سے گر پڑتا تھا تو اُس کو اُٹھا کر پھر بدن پر بٹھا لیتے تھے۔ کیڑے اُن سے ایسے مانوس تھے جیسے بچہ باپ سے ہوتا ہے۔ ماں کے دل میں اولاد کی محبت کی عجیب شمع روشن کی ہے۔ اللہ نے کہا: اُس بچے پر میں نے بلا واسطہ غذائیں پیش کیں جن میں اسباب کو کوئی دخل نہ تھا۔ ہم نے نمرود کی بغیر اسباب کے اس لیے پرورش کی تاکہ وہ اسباب اختیار کرنے سے پریشان نہ ہو۔ اس لیے کہ سبب کبھی مسبب کا ذریعہ نہیں بنتا اور وہ سبب کو چھوڑ کر براہِ راست ہم سے مدد حاصل کرے۔ وہ یہ عذر کر سکتا تھا کہ اسباب کی طرف توجہ سے میں آپ سے غافل ہو گیا تھا۔ اس عذر کو بھی ختم کر دیا گیا کہ وہ یہ نہ کہہ سکے کہ فلاں یار نے مجھے گمراہ کر دیا تھا لیکن اُس نے اس سب کا شکریہ اس طرح ادا کیا کہ ہمارے نبی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈال دیا۔

اُس نمرود کی یہی حالت تھی جو اُس شہزادے کی تھی جس نے شاہ کے شکر کی بجائے تکبر اختیار کیا۔ اس لیے وہ شاہ کی عنایتوں سے محروم ہو گیا۔ نمرود نے بھی سب مہربانیوں کو پاؤں تلے روندا تھا۔ اُس نے خدائی کا دعوے کر دیا اور آسمان کی طرف مجھ سے جنگ کے لیے چلا کیونکہ کسی نجومی نے اُسے بتا دیا تھا کہ ایک بچہ پیدا ہو گا جو تیری سلطنت ختم کر دے گا۔ اُس نے لاکھوں بچے قتل کروا دیئے کہ کہیں اُن میں وہ بچہ نہ ہو۔ اُس نے اُن بچوں کو بے قصور قتل کرایا۔ تمام نعمتیں اور سلطنتیں اُس کو براہِ راست ہم سے ملی تھیں۔ ماں باپ کے ذریعے جن کو نعمتیں ملی ہیں تو وہ یہ سمجھ سکتے ہیں کہ یہ ہمیں ماں باپ نے دیں۔ ماں باپ بے شک ظاہری گمراہی کا سبب بنتے ہیں لیکن دراصل گمراہی کا سبب انسان کا اپنا نفس ہے جو

می بلرزد عرش از مدحِ شقی بدبخت انسان کی تعریف سے عرش لرزتا ہے	بدگمان گردد ز مدحش متقی اور اُس کی تعریف سے پرہیزگار بدگمان ہو جاتا ہے

انسان کو اپنی بُرائیاں نہیں دیکھنے دیتا۔ اُس کتے کے گلے میں مجاہدوں کی زنجیر ڈال دو تاکہ حد سے نہ گزر سکے۔ اگر کتے کو سدھا بھی لیا جائے تو پھر بھی وہ کتا ہی ہے۔ نفس کو قابو رکھنے کے لیے محض مجاہدہ ہی کافی نہیں ہے بلکہ شیخ کی صحبت کے فرض کی بجا آوری ضروری ہے۔ تُو اُس کے طواف کرتا رہ تاکہ اُس سے فیض حاصل کر سکے۔ شیخ کی صحبت سے تُو نرم ہو کر دوست کے پاؤں کا موزہ بن جائے گا۔ قرآن میں نفس کی خباثتوں اور اُن کی وجہ سے انجامِ بد کے قصے موجود ہیں۔ مثلاً عاد کا قصہ۔

شہزادے کے قصے کی طرف رجوع

نفس کی خباثت دنیا میں بھی آگ لگا دیتی ہے۔ شہزادہ نفس کی نحوست سے ایک سال بعد مر گیا۔ شاہ جب سُکر سے صحو کی طرف واپس آیا تو اُسے محسوس ہوا کہ شہزادہ میرے غصے کی وجہ سے فوت ہوا ہے۔ نبی اور ولی کا غصہ اللہ تعالیٰ کے غصے کا سبب بن جاتا ہے۔ اللہ اپنے دوستوں کا بدلہ لیتا ہے۔ شاہ کا غصہ اللہ کا غصہ بنا۔ شاہ نے جب اللہ کے غصے کی کیفیت دُور ہوتی دیکھی تو اللہ کی طرف رجوع کیا اور غصہ فرو ہونے کا سبب دریافت کیا۔ حق نے آگاہ کیا کہ چونکہ بدلہ لے لیا گیا ہے اس لیے غصہ فرو ہو گیا۔ اُسے ہم نے تیرے غصے کی وجہ سے فنا کر دیا۔ شاہ نے اُس کو معاف کیا اور اُس نے رونا شروع کر دیا۔ اِس لیے کہ اگرچہ وہ اُس کی موت کا سبب بنا لیکن اُس کا ولی اور سرپرست بھی تو تھا۔ وہ صاحبِ تصرف بھی تھا اور ولی و مربی بھی تھا۔ کمال جب ہے کہ یہ دونوں صفتیں ہوں۔ اگر تصرف کی طاقت ہو اور اُس میں ولایت نہ ہو تو کمال نہیں ہے۔

وہ شہزادہ اللہ کا شکر کر رہا تھا کہ اُس کی غلطی کی سزا صرف جسم نے بھگتی، رُوح اور ایمان محفوظ رہا۔ جسم تو ویسے بھی فانی چیز تھی اگر رُوح مر جاتی تو تباہی تھی۔ غصہ جسم پر پڑا اور رُوح، رُوحِ اعظم سے جا ملی۔ تیسرا شہزادہ اپنے دونوں بڑے بھائیوں کی طرح جلد باز نہ تھا۔ اُس نے نہ بڑے بھائی کی طرح وصل میں جلد بازی کی اور نہ منجھلے کی طرح کمال کے دعوے میں جلدی برتی۔ اُس نے تحمل سے دختر، سلطنت اور خلافتِ باطنی حاصل کر لی اور یہ سب کچھ ذلت اور نیاز مندی سے حاصل ہوا۔ قرب اور قبولیت کی دولت اُس نے اللہ کارساز سے پالی اور یہ مرتبہ تو صرف عطائے خداوندی ہے۔

ایک شخص کی وصیت کہ میری میراث میرے سب سے کاہل بیٹے کو دی جائے

چونکہ تیسرے شہزادے کو کاہل کہا گیا، اس لیے لفظ کاہل کے بارے میں حقیقت یہ ہے کہ کسی کی کاہلی محمود ہے جو امورِ دنیا میں ہو اور کسی کی کاہلی مذموم ہے جو عقبیٰ کے کاموں میں ہو۔ ایک شخص کے تین بیٹے تھے۔ اُس نے مرتے وقت وصیت کی کہ میرا وارث وہ ہے جو سب سے زیادہ کاہل ہو۔ قاضی سے یہ کہہ

ہر چہ خواہد آں مُسبب آورد سبب پیدا کرنے والا جو چاہتا ہے کر دیتا ہے	قُدرتِ مُطلق سببہا بر دَرد اُس کی قُدرت ہر سبب کو پھاڑ دیتی ہے

کردہ آدمی مرگیا۔ لڑکوں نے قاضی سے کہا کہ ہم باپ کی وصیت پر عمل کریں گے۔ قاضی نے اُن سے کہا کہ ہر ایک اپنے کامل ہونے کا کوئی قصہ سنائے تاکہ سب سے زیادہ کامل کا اندازہ لگایا جاسکے۔ اہلُ اللہ تو اپنے توکل سے روزی حاصل کرتے ہیں اور وہ اس معاملے میں سب سے زیادہ کامل ہیں۔ عوام کی نگاہ میں چونکہ اللہ کے تصرفات نہیں؛ وہ صبح و شام محنت کرتے ہیں۔ عارف دنیا کے کاموں میں سُست لیکن آخرت کے کاموں میں تیز رو ہوتے ہیں۔ قاضی نے سب سے بڑے سے کاہلی کا قصہ سنانے کو کہا۔ بولنے سے انسان کے عیب وہُنر ظاہر ہوجاتے ہیں۔

تیسرے لڑکے کے قصے کو اس لیے پورا بیان نہیں کیا گیا کیونکہ زبان چلے گی تو دل کے راز ظاہر ہوں گے۔ زبان کے پردے میں لاکھوں راز چُھپے ہیں۔ تعجب نہ کر چھوٹی سی چیز بعض اوقات بڑی بڑی چیزوں کو ڈھانپ لیتی ہے۔ آنکھ پر چھوٹی انگلی رکھ دیں تو اگر سو آفتاب ہوں تب بھی نظر نہ آئیں۔ زبان سے کشفِ راز ضرور ہوجاتا ہے اور جھوٹ سچ پہچان لیا جاتا ہے۔ اگر تُو دوست اور ہرجائی کی خوش بُو میں امتیاز نہیں کرسکتا تو تیری سونگھنے والی قوت خراب ہے۔ اسی طرح انسان نئی ہانڈی خریدتا ہے تو اُس کو بجا کر پہچان لیتا ہے کہ ٹوٹی ہے یا سالم۔ پہچان کے معاملے میں لوگوں کے مختلف مراتب ہیں۔ ایک شخص نے کسی ہمدرد انسان سے پوچھا: تُو کسی کو کتنی مدت میں پہچان لیتا ہے؟ اُس نے کہا کہ اگر وہ بولے تو فوراً پہچان لیتا ہوں اور اگر نہ بولے تو چال ڈھال سے تین دن میں ورنہ کسی تدبیر سے اُسے بولنے پر مجبور کروں گا۔ اگر وہ کسی طرح بھی نہ بولے تو چھوڑ دوں گا کیونکہ اِس میں میرا کیا نقصان ہے۔

مَثَل

ماں نے بچے سے کہا کہ اگر تجھے کوئی ڈراؤنا خیال آئے یا قبرستان وغیرہ میں یہ خیال ہو کہ کوئی خوفناک چیز گھات میں بیٹھی ہے تو دل مضبوط کر کے اُس پر حملہ کر دینا، فوراً بھاگ جائے گا۔ بچے نے کہا: اگر اُس کی ماں نے بھی اُسے یہی بات سمجھائی ہوئی ہوگی تو وہ آکر میرے گلے میں چپٹ جائے گا۔ جس طرح تُو مجھے سمجھا رہی ہے، اُس خیال کی بھی کوئی ماں ہوگی، جس نے اُسے اسی طرح سمجھایا ہوگا۔ اگر شیطان کے بارے میں کوئی ایسا ہی سوال کر بیٹھے جیسے کہ اُس بچے نے اپنی ماں سے کیا تھا۔ قرآن میں شیطان کے بارے میں ہے "شیطان کا قابو اُن لوگوں پر نہیں ہے جو ایمان لائے اور اپنے رَبّ پر بھروسہ کرتے ہیں"، یعنی ایمان اور توکل اختیار کرو تو شیطان تم پر غالب نہ آئے گا۔ اگر کسی نے یہ سوال کردیا کہ اگر شیطان کو بھی ایسی ہی تعلیم دے دی گئی ہو تو کیا علاج ہے؟ تو اس کا تو سادہ سا جواب یہ ہے کہ خیال کے بارے میں ماں بچے نے جو احتمال نکالا تھا شیطان کے معاملے میں یہ احتمال نہیں ہے۔ اس لیے کہ یہاں تو سمجھانے والی ایک ہی ذات ہے۔

لیک اَغلب بر سبب راند نفاد
اللہ نے اسباب کو اس لئے پیدا فرمایا

تا بداند طالبے جُستن مُراد
کہ ہر طالب مُراد تک کی راہ کو جان لے

سوال کرنے والے نے کہا کہ اگر وہ تدبیر بھی کام نہ آئے تو پھر اُس کا راز معلوم کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ اُس نے جواب دیا میں صبر سے اُس کے سامنے بیٹھا رہوں گا۔ اب جو خیالات میرے قلب پر منعکس ہوں گے اگر وہ دنیوی خیالات نہیں ہیں تو میں یہ سمجھوں گا کہ یہ خیالات اُس نے میرے دل میں بھیجے یعنی اُس کے قلبی خیالات ہیں۔ جب اُس کے ضمیر کا میرے دل پر اثر پڑتا ہے تو میں اُس کی بزرگی کا قائل ہو جاتا ہوں اور اُس کا شکر گزار ہوتا ہوں۔ میں سمجھ لیتا ہوں کہ یہ مبارک قلبی خیالات اُس مبارک شخص کے دل سے آئے ہیں، اس لیے کہ دل سے دل کی طرف راہ ہوتی ہے۔

اب القاءِ مضامین کا سورج میرے دل کے سوراخ سے ڈھل گیا ہے اور کتاب کو بھی ختم کرتا ہوں۔ اللہ خوب جانتا ہے کہ اس کی حکمتیں کیا ہیں۔

دفترِ ششم ختم شُد

مولانا رُوم رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے مولانا بہاؤ الملت والدین قدس سرّہٗ کی طرف سے مثنوی کا اختتام

میرے والد جب ایک مدت تک مثنوی سے خاموش رہے تو میں نے اُن سے پوچھا کہ اے زندہ دل! اب آپ کس وجہ سے بات نہیں کر رہے؟ علم لدُنی کا دروازہ آپ نے کیوں بند کر دیا؟ شہزادوں کا قِصّہ ختم نہیں ہوا اور تیسرے لڑکے کی بات کا موتی ہار میں پرونے سے رہ گیا۔ اُنہوں (مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ) نے فرمایا کہ اب میری گویائی اونٹ کی طرح سوگئی ہے۔ اُس کی حشر تک اب کسی سے کوئی بول چال نہیں ہے۔ تیسرے لڑکے کا قصہ باقی ہے۔ لیکن وہ اندر بند ہو گیا ہے۔ باہر نہیں آ رہا۔ میری گویائی کہتی ہے کہ میں نے منہ بند کر لیا ہے۔ میرا کوچ اور نہرِ واحدانیت میں کود جانے کا وقت آ گیا ہے۔ بجز اُس ذات کے ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے۔ اس قصے کا بقیہ حصہ ہر اُس شخص کے دل میں پہنچ جائے گا جو زندہ جان رکھتا ہے۔ بات ختم ہو گئی اور عمر بھی۔ اُس وقت کی خوش خبری آ گئی ہے جب میں جسم کی قید سے چھوٹوں گا۔ جان کے جہان میں جولانی کروں گا۔ اس دنیا کی ذرا سی نمی سے سمندر میں پہنچ جاؤں گا کیونکہ یہ جہان، نمی سے زندہ ہے۔ اِس نے یہ نمی اُس سمندر سے پائی ہے۔ جب کہ جان، مٹی اور ثری میں زندہ ہے تو غور کر، سمندر کی دنیا میں کیسی رہے گی۔

اس جہان کی نمی کو قطرے کی طرح سمجھ اور سمندر تو بے اندازہ ہے۔ اِس جہان کی نمی سے اے جان! تُو جاناں کے سمندر میں آ جا تاکہ تُو بقا حاصل کر لے۔ یہاں جو کچھ ہے رُوحِ اعظم کا اثر ہے۔ تو اُس رُوحِ اعظم سے اِتصال پیدا کرنے کی عزت حاصل کرتا کہ وہ تجھے اُس جگہ لے جائے جہاں وہ خود ہے۔ خشکی میں سمندر کو ڈھونڈنا تو لغو ہے۔ خاک کا جزو خاکستان کی طرف لے جاتا ہے۔ جان کے سمندر کی لہر جاناں کی طرف لے جاتی ہے۔ جاناں کے وصل کو دل و جان سے طلب کر اور بغیر ہونٹ اور بغیر تالو کے خدا کا نام لے۔ تاکہ تُو اِس قید اور فانی جہان سے نجات پا جائے اور ہمیشہ جان کے جہان میں رہے۔ تُو اپنی عمر کے بیجوں کو شور زمین میں بو رہا ہے تاکہ آخرکار ہلاک ہو جائے۔ ایسی قیمتی عُمر کو تُو بغیر نفع حاصل کئے کیوں ضائع کر رہا ہے؟ اے کام کے آدمی! کیا تجھے نقصان نہ ہو گا کہ چمن دے کر خارستان لیتا ہے؟ جو عُمر دنیا میں صرف ہوئی، نہ رہی۔

مبارک ہے وہ جسے اللہ نے اپنی جانب بلا لیا۔ اگر تُو گِنی چُنی عُمر ہی دے دے گا تو وہ اللہ کی راہ میں لاانتہا ہو جائے گی۔ بندگی میں بسر کی ہوئی دس روزہ زندگی بے حد ہو جائے گی۔ اِس بازار کی تجارت کر لے۔ تُو ایک کانٹے کے عوض لاکھوں پھول لے جا۔ تُو جو ایک دانہ بوئے گا، اللہ کی مہربانی سے لاکھوں حاصل کرے گا۔ شمار تو وہاں ہوتا ہے جہاں آخر ہو اور وہ

از مُسبّب میرسد ہر خیر و شر
خیر و شر اسباب کو پیدا کرنے والے کی طرف سے ہیں

نیست اسباب و وسائط اے پدر
اسباب اور وسائل تو محض خیال ہیں

جانب بے شمار ہے جہاں خدا ہو۔

اے علیحدہ ہوئے ہوئے جزو! اپنے کُل کی طرف جا، ترکِ خودی اور فنا حاصل کر۔ تیری اس جہان کی گفتگو، صلح و جنگ بلبلے کی طرح ہے اور تُو شملیا جیسے جسم میں پانی کی رُوح ہے۔ یہ نقوش اور صورتیں اِس پانی کے اوپر بلبلے کی طرح ہیں یا جھاگ کی طرح تا کہ تیرا راز باہر ظاہر ہو جائے۔ گرمی سے جھاگ سے اور خوش بُو سے ہنڈیا میں پکنے والی چیز ظاہر ہو جاتی ہے۔ اِسی طرح انسان کے قول و فعل رُوح کے مرتبہ کفر و ایمان کو اور ولایت کو ظاہر کر دیتے ہیں۔ اپنی رُوح کے پانی کا تعلق رُوحِ اعظم کے سمندر سے پیدا کر لے ورنہ ایک گڑھے میں ٹھہرا ہوا پانی تو بد بودار ہو جاتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ جس کے دو دنوں کی حالت یکساں ہو وہ گھاٹے میں ہے نفع سے محروم ہے اور شک میں گرفتار ہے۔ اُس کے خالی تھیلے میں ہوا بھری ہوئی ہے سودا نہیں ہے۔ وہ رُوحانی طور پر تنزل اختیار کرتا رہتا ہے۔ دریا کے ساتھ تعلق نہ ہونے کی وجہ سے اُس کی رُوح کا پانی مکدّر ہو جاتا ہے۔ جس کو ایمان کا مرتبہ حاصل نہیں وہ مردودِ بارگاہ ہے اور جہنم کی طرف جا رہا ہے۔ اُس حالت سے پہلے تُو اللہ کی جانب رجوع کر لے۔ اللہ تعالیٰ کی جتنی بھی مخلوق ہے اُن سے گزر کر خالق کی بارگاہ میں پہنچ جا جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کیا۔ ذاتِ باری میں فنا حاصل کر لے ورنہ شیطان کی طرح جدار ہے گا۔

اب بات ختم کرتا ہوں۔ میرے پاس جو مضامین تھے وہ میں نے اپنے پیر بھائیوں تک پہنچا دیے۔ میرا یہ کلام بارگاہِ خداوندی کی سیڑھی ہے۔ جو اس کے ذریعے اوپر جائے گا، چھت پر پہنچ جائے گا۔ آسمان کی چھت پر ہی نہیں بلکہ اُس آسمان سے بھی اوپر والی چھت پر اور جس کے لیے سامان گردوں کی چھت سے آتا ہے اور اِسی خواہش سے اُس کی ہمیشہ گردش جاری رہتی ہے۔

گفت یزداں ہر کہ باشد اصل داں　　پس تُرا کے بیند او اندر میاں

اللہ نے عزرائیل سے فرمایا کہ تم بھی ایک پردہ ہو　　اہلِ بصیرت کی نظر ہمیشہ اصل سبب تک پہنچ جاتی ہے

مُترجّم

شجرہ ہائے

طریقت

سلسلہ عالیہ قادریہ ابوالعلائیہ

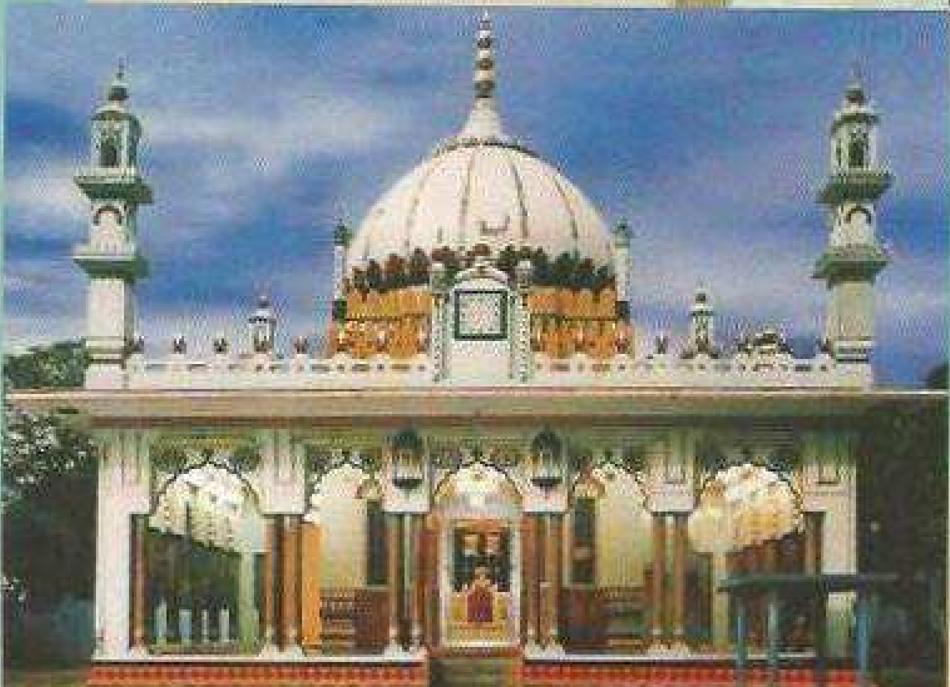
چشتیہ، جہانگیریہ، شکوریہ، امیریہ



مزارِ اقدس

شیخ العارفین سیدنا و مولانا حضرت شاہ مخلص الرحمٰن جہانگیر رحمۃ اللہ علیہ

تاریخِ وصال: ۱۳ ذی قعدہ ۱۳۰۶ھ بمقام مرزا کھیل شریف چاٹگام - بنگلہ دیش



مزارِ اقدس حضرت شاہ محمد تقی رضا خان رحمۃ اللہ علیہ

تاریخِ وصال: ۲۰ ربیع الاول ۱۳۲۹ھ بمقام صدر بازار لکھنؤ - انڈیا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ
وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا
فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝

المآئدہ ــــ ۳۵

ــــ ترجمہ ــــ

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور اُس (کے حضور) تک (تقرب اور رسائی کا) وسیلہ تلاش کرو اور اُس کی راہ میں جہاد کرو تاکہ تم فلاح پا جاؤ۔

گرچہ خویش از عامہ پنہاں کردہ | پیش روشن دیدگاں ہم پردہ
اگرچہ عوام سے تم پوشیدہ ہو | لیکن اہلِ بصیرت کے نزدیک تم صرف ایک پردہ ہو

كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ ۝

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدِنِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَعَلٰى
اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ۙ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ۙ
مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝ؕ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ
نَسْتَعِيْنُ ۝ؕ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ۙ
صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۝ۙ
غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝ؑ

(آمین)

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ
لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ ؕ

آنکہ بیند اُو مُسبّب را عیاں
جو شخص سبب پیدا کرنے والے کو ظاہر دیکھتا ہو

کے نہد دل بر سببہائے جہاں
وہ کب کسی سبب پر دھیان دے گا

سلسلۂ عالیہ قادریہ شریف

هُوَ الشَّکُوْرُ هُوَ الْهَادِیُ هُوَ الْاَمِیْرُ

الٰهی بحرمتِ راز ونیاز سُلطانُ الْعَاشِقِیْن اَمِیْرُ الْعَارِفِیْن حضرت سَیِّدِنَا مُحَمَّدْ اَمِیْرُ الدِّیْن شَاہ اَمِیْرُ الْاَوْلِیَآء قُدِّسَ اللّٰہُ سِرَّہُ الْعَزِیْز

(وصال ۲۴ ربیع الاول ۱۳۸۸ھ بروز جمعۃ المبارک - مزار اقدس ۲۷۹ بی پیپلز کالونی فیصل آباد)

الٰهی بحرمتِ راز ونیاز اِمَامُ الْعَارِفِیْن شَیْخُ الْوَقْت حضرت سَیِّدِنَا سَیِّد مُحَمَّدْ هَادِی عَلِی شَاہ اِمَامُ الْاَوْلِیَآء قُدِّسَ اللّٰہُ سِرَّہُ الْعَزِیْز

(وصال ۲۷ رجب المرجب ۱۳۶۱ھ - مزار اقدس بکن گنج کانپور شریف - انڈیا)

الٰهی بحرمتِ راز ونیاز نُوْرُ الْعٰلَمِیْن شَمْسُ الْمُنَوَّرِیْن سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا حضرت شَاہ مُحَمَّدْ عَبْدُ الشَّکُوْر تَاجُ الْاَوْلِیَآء قُدِّسَ اللّٰہُ سِرَّہُ الْعَزِیْز

(وصال ۱۰ ذی الحجہ ۱۳۷۶ھ - مزار اقدس جیون ہانہ گارڈن ٹاؤن لاہور - پاکستان)

الٰهی بحرمتِ راز ونیاز سِرَاجُ السَّالِکِیْن بُرْهَانُ الْوَاصِلِیْن حضرت سَیِّدِنَا شَاہ مُحَمَّدْ نَبِی رَضَا شَاہ قُدِّسَ اللّٰہُ سِرَّہُ الْعَزِیْز۔

(وصال ۲۴ ربیع الاول ۱۳۲۹ھ - مزار اقدس مسلم قبرستان، لکھنؤ - انڈیا)

الٰهی بحرمتِ راز ونیاز فَخْرُ الْعَارِفِیْن وَالْعَاشِقِیْن سُلْطَانُ الْکَامِلِیْن قُطْبُ الْعٰلَمِیْن حضرت سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا شَاہ عَبْدُ الْحَیّ قُدِّسَ سِرَّہٗ

(وصال ۱۵ ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ - مزار اقدس مرزا کھیل - چاٹگام، بنگلہ دیش)

آنچہ در صد سال مُشتِ حیلہ مند | دہ یکے زاں گنج حاصل ناورند
مُسبّب الاسباب سے تعلق والے لمحوں میں وہ کچھ پالیتے ہیں | جو دوسرے سو سال میں بھی حاصل نہیں کر سکتے

الٰهی بحرمتِ راز ونیاز منهاجُ الواصلین وارثِ علومِ النبیین الفانی فی ذاتِ السبحان حضرت سیدنا شاہ مخلص الرحمٰن جهانگیر قدس اللہ سرہ العزیز۔

(وصال ۱۲ ذیقعدہ ۱۳۰۲ھ ، مزارِ اقدس مرزا کھیل، چاٹگام۔ بنگلہ دیش)

الٰهی بحرمتِ راز ونیاز قطبُ العارفین المسمّٰی باسمِ المسعود نائبُ النبی وارثِ علومِ المرتضوی حضرت سیدنا شاہ امداد علی قدس اللہ سرہ العزیز۔

(وصال ۶ ذیقعدہ ۱۳۰۴ھ ۔ مزارِ اقدس محلہ قاضی ، دلی چک بھاگل پور۔ بہار)

الٰهی بحرمتِ راز ونیاز امامُ الموحدین محبوبِ ربانی حضرت سیدنا شاہ محمد مهدی الفاروقی القادری قدس اللہ سرہ العزیز۔

(وصال ۶ جمادی الاول ۱۲۸۷ھ ، مزارِ اقدس ؛ چھپرہ شریف ، محلہ کریم چک ، بہار ، انڈیا)

الٰهی بحرمتِ راز ونیاز عاشقِ رسول الثقلین مقبولِ الکونین وسیلتنا فی الدارین حضرت سیدنا شاہ مظهر حسین قدس اللہ سرہ العزیز

(وصال ۱۳ ربیع الثانی ، مزارِ اقدس چھپرہ شریف محلہ کریم چک ، بہار)

الٰهی بحرمتِ راز ونیاز سلطانُ المعرفت حضرت سیدنا مخدوم شاہ حسن دوست الملقب بہ شاہ فرحت اللہ قدس اللہ سرہ العزیز

(وصال ۹ شعبان ۱۲۲۶ھ ۔ مزارِ اقدس ؛ محلہ کریم چک چھپرہ شریف ۔ بہار)

از سبب سازیش من سودائیم　　　　وز سبب سوزیش سوفطائیم
اُس کی علت آفرینی سے میں دیوانہ ہوں　　　　اور اُس کی سبب سوزی سے میں سوفسطائی ہوں

الٰہی بحرمتِ راز و نیاز بارگاہِ لم یزل حبیب اللہ حضرت سیدنا و مولانا مخدوم شاہ حسن علی قدس اللہ سرہ العزیز۔

(وصال ۲۸ ربیع الاول ۱۲۲۳ھ۔ مزارِ اقدس محلہ خواجہ کلاں گھاٹ، پٹنہ، انڈیا)

الٰہی بحرمتِ راز و نیاز سلطان الواصلین غوث الکاملین حضرت سیدنا شاہ محمد منعم پاکباز قدس اللہ سرہ العزیز۔

(وصال ۱۲ رجب المرجب ۱۱۸۵ھ۔ مزارِ اقدس محلہ میتن گھاٹ، پٹنہ۔ انڈیا)

الٰہی بحرمتِ راز و نیاز امام الملت والدین حضرت سیدنا میر سید شاہ خلیل الدین قدس اللہ سرہ العزیز۔

(وصال ۱۹ ذیقعدہ، مزارِ اقدس: قصبہ باڑہ، بہار شریف، پٹنہ، انڈیا)

الٰہی بحرمتِ راز و نیاز الذی من کل دنس اطہر و لکل ظفر اظفر حضرت سیدنا میر شاہ جعفر قدس اللہ سرہ العزیز۔

(وصال ۲۲ ربیع الاول۔ مزارِ اقدس: قصبہ باڑہ، بہار شریف، پٹنہ۔ انڈیا)

الٰہی بحرمتِ راز و نیاز الفانی فی اللہ والباقی باللہ المتحیر فی جمال اللہ حضرت سیدنا میر اہل اللہ قدس اللہ سرہ العزیز۔

(مزار شریف: محلہ بارہ دری، بہار شریف، انڈیا)

الٰہی بحرمتِ راز و نیاز سید المتوکلین سید المتورعین حضرت سیدنا میر سید نظام الدین قدس اللہ سرہ العزیز۔

(وصال ۴ محرم، مزارِ اقدس، محلہ نئی سرائے موسوم کردہ باغ بارہ دری، بہار۔ انڈیا)

در سبب سازیش سرگرداں شدم
اُس کی سبب سازی سے میں سرگرداں ہوں

در سبب سوزیش ہم حیراں شدم
اُس کی سبب سوزی سے بھی میں حیران ہوں

الٰہی بحرمتِ راز و نیاز بدر المتقین شمس المجاہدین حضرت سیدنا میر سید تقی الدین متقی درویش قدس اللہ سرہ العزیز
(مزارِ اقدس: محلہ بارہ دری، بہار شریف، انڈیا)

الٰہی بحرمتِ راز و نیاز قدوۃ السالکین زبدۃ العارفین حضرت سیدنا میر سید نصیر الدین قدس اللہ سرہ العزیز۔
(مزارِ اقدس: محلہ بارہ دری، بہار شریف، پٹنہ۔ انڈیا)

الٰہی بحرمتِ راز و نیاز اکمل الکاملین افضل التارکین حضرت سیدنا میر سید محمود قدس اللہ سرہ العزیز۔
(مزارِ اقدس: محلہ بارہ دری، بہار شریف، پٹنہ۔ انڈیا)

الٰہی بحرمتِ راز و نیاز المعارف بذات اللہ والمتخلق باخلاق اللہ حضرت سیدنا میر فضل اللہ عرف سید گسائیں قدس اللہ سرہ العزیز۔
(وصال ۵ جمادی الثانی، مزارِ اقدس: بارہ دری، بہار شریف۔ انڈیا)

الٰہی بحرمتِ راز و نیاز ارشد الراشدین اطہر الطاہرین حضرت سیدنا شاہ قطب الدین بینائے دل قدس اللہ سرہ العزیز
(وصال ۲۵ شعبان ۹۲۵ھ۔ مزارِ اقدس: محلہ علن پور، جونپور شریف، انڈیا)

الٰہی بحرمتِ راز و نیاز رفیق الطالبین انیس المشتاقین حضرت سیدنا شاہ نجم الدین قلندر قدس اللہ سرہ العزیز۔
(وصال ۲۰ ذی الحجہ۔ مزارِ اقدس: صوبہ مالوہ، قصبہ تاپجہ متصل گھاٹی زہرہ انڈیا)

نحس شاگردیکہ با استادِ خویش
ہمسری آغازد و آید بہ پیش

وہ شاگرد بدبخت ہے جو اپنے استاد سے
مقابلہ کرے اور سامنے آکھڑا ہو

الٰهی بحرمتِ راز ونیاز الواقف اسرار العلوی والعالم حضرت سیدنا نور الدین میر مبارک غزنوی قدس اللہ سرہ العزیز۔

(وصال ۱۲ ربیع الثانی ۶۶۲ھ، مزارِ اقدس حوض شمسی، دہلی انڈیا)

الٰهی بحرمتِ راز ونیاز محبوب ربّ العلمین عماد الملۃ والدین حضرت سیدنا میر نظام الدین قدس اللہ سرہ العزیز

الٰهی بحرمتِ راز ونیاز راس الاولیآء العالمین شیخ الشیوخ حضرت سیدنا شیخ شہاب الدین عمر سہروردی قدس اللہ سرہ

(وصال عشرہ محرم ۶۳۲ھ، مزارِ اقدس: بغداد شریف۔ عراق)

الٰهی بحرمتِ راز ونیاز حضرت سیدنا غوث الثقلین محبوبِ سبحانی قطب ربّانی شہبازِ لامکانی سید میراں محی الدین شیخ عبد القادر جیلانی قدس اللہ سرہ العزیز۔

(وصال ۱۱ ربیع الثانی ۵۶۱ھ، مزارِ اقدس بغداد شریف، عراق)

الٰهی بحرمتِ راز ونیاز سید الواصلین تاج المتقین حضرت سیدنا ابو سعید بن علی المبارک مخزومی قدس اللہ سرہ العزیز

(وصال ۲۵ محرم ۵۱۳ھ، مزارِ اقدس: بغداد شریف، عراق)

الٰهی بحرمتِ راز ونیاز حبیب اللہ الباری المزین باخلاق العالی حضرت سیدنا ابو الحسن علی بن محمود الهنکاری الغزنوی قدس اللہ سرہ العزیز۔

(وصال ۴ محرم ۴۸۶ھ، مزارِ اقدس: تیونس)

با کدام اُستاد اُستادِ جہاں — پیش اُو یکساں ہویدا و نہاں

کون سا اُستاد؟ جو جہان کا اُستاد ہو — جس کے سامنے ظاہر و باطن برابر ہیں

الٰہی بحرمت راز و نیاز جمیل الشیم رفیق الامم حبیب الباری حضرت سیدنا ابو الفرح یوسف طرطوسی قدس اللہ سرہ العزیز۔
(وصال ۲ شعبان ۴۴۷ھ، مزار اقدس: طرطوس، شام)

الٰہی بحرمت راز و نیاز مشکوٰۃ المعانی مصباح الآمال والامانی حضرت سیدنا شیخ عبد العزیز یمنی قدس اللہ سرہ العزیز۔
(وصال ۲۶ جمادی الثانی ۴۲۵ھ، مزار اقدس: دربار عالیہ امام احمد بن حنبلؒ بغداد شریف)

الٰہی بحرمت راز و نیاز انیس الغریبین راحۃ المشتاقین حضرت سیدنا شیخ رحیم الدین عیاض قدس اللہ سرہ العزیز۔
(وصال ۱۳ ربیع الاول ۳۸۷ھ)

الٰہی بحرمت راز و نیاز العالم علوم الخفی والجلی حضرت سیدنا شیخ ابو بکر شبلی قدس اللہ سرہ العزیز۔
(وصال ۷ ذی الحجہ ۳۴۲ھ، مزار اقدس: بغداد شریف، عراق)

الٰہی بحرمت راز و نیاز حضرت خواجہ سید الطائفہ سیدنا ابو القاسم شیخ جنید بغدادی قدس اللہ سرہ العزیز۔
(وصال ۱۶ رجب المرجب ۲۹۷ھ، مزار اقدس: بغداد شریف، عراق)

الٰہی بحرمت راز و نیاز سلطان المقبولین قبلۃ المتوسلین سید الکاملین حضرت سیدنا شیخ ابو الحسن سری سقطی قدس اللہ سرہ العزیز۔
(وصال ۳ رمضان المبارک ۲۵۳ھ، مزار اقدس: بغداد شریف، عراق)

تو حسودی کز فلاں من کمترم
تو حسد سے کہتا ہے کہ میں فلاں سے کمتر ہوں

می فزاید کمتری در اخترم
اور اپنی کمتری کو اور زیادہ بڑھاتا ہے

الٰہی بحرمتِ راز و نیاز سلطان العاشقین برہان الکاملین حضرت سیدنا شیخ معروف کرخی قدس اللہ سرہ العزیز
(وصال ۲ محرم الحرام ۲۰۰ھ ، مزارِ اقدس : بغداد شریف۔ عراق)

الٰہی بحرمتِ راز و نیاز امام الاولیاء سید الاتقیاء والاصفیا حضرت سیدنا امام علی موسیٰ رضا علیہ السلام۔
(وصال ۹ صفر المظفر ۲۰۳ھ ، مزارِ اقدس : مشہد۔ ایران)

الٰہی بحرمتِ راز و نیاز ذو الفضائل والمکارم اعظم العظائم حضرت سیدنا امام موسیٰ کاظم علیہ السلام۔
(شہادت ۱۵ رجب المرجب ۱۸۳ھ ، مزارِ اقدس کاظمین شریف عراق)

الٰہی بحرمتِ راز و نیاز حبیب الخالق افضل الخلائق حضرت سیدنا امام جعفر صادق علیہ السلام
(وصال ۱۵ رجب المرجب ۱۴۸ھ ، مزارِ اقدس : جنت البقیع۔ مدینہ منورہ)

الٰہی بحرمتِ راز و نیاز حبیب اللہ الاکبر مزین المحراب المنبر المعظم والمفتخر حضرت سیدنا امام محمد باقر علیہ السلام
(وصال ۱۰ ذی الحجہ ۱۱۴ھ ، مزارِ اقدس : جنت البقیع۔ مدینہ منورہ)

الٰہی بحرمتِ راز و نیاز امام الصابرین ہمام الشاکرین سید الساجدین حضرت سیدنا امام زین العابدین علیہ السلام
(وصال ۱۸ محرم الحرام ۹۴ھ ، مزارِ اقدس : جنت البقیع، مدینہ منورہ)

خود حسد نقصان و عیب دیگر ست
خود حسد ہمیں نقصان دینے والی برائی ہے

بلکہ از جملہ بدیہا بدتر ست
بلکہ یہ سب برائیوں سے بڑھ کر ہے

الٰهی بحرمتِ راز و نیاز قرۃ العینی رسول الثقلین راحۃ القلب سید الکونین امام القبلتین حضرت سیدنا امام حسین علیہ السلام

(شہادت ۱۰ محرم الحرام ۶۱ھ، مزارِ اقدس: کربلائے معلٰی۔ عراق)

الٰهی بحرمتِ راز و نیاز اسد اللہ الغالب المطلوب کلّ طالبِ مظہر العجائب والغرائب مولینا و مولی الکلّ حضرت سیدنا علی بن ابی طالب علیہ السلام۔

(شہادت ۲۱ رمضان المبارک ۴۰ھ، مزارِ اقدس: نجف اشرف۔ عراق)

الٰهی بحرمتِ راز و نیاز سید المرسلین شفیع المذنبین رحمۃ للعلمین سید الثقلین نبی الحرمین صاحب قاب قوسین او ادنی احمد مجتبٰی محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

لمن صار ____________ تائبا علی ید اضعف عباد اللہ القوی الشیخ ____________ قادری چشتی ابو العلائی، جہانگیری، شکوری، ہادوی، امیری عفی اللہ عنہ فلقنتہ کلمۃ التوحید والتوبۃ والانابۃ الی اللہ تعالٰی وامتثالِ اوامرہ والاجتناب عن نواہیہ۔

اللّٰھم وفقہ لمرضیاتک وثبت اقدامہ علی طاعتک واحفظہ عن الشرک والمعاصی واختم لہ بالایمان والاسلام واحشرہ فی زمرۃ مشائخنا العظام بحرمتِ نبیک ورسولک شفیع الانام صلی اللہ علیہ وآلہٖ واھل بیتہٖ وازواجہٖ اجمعین برحمتک یا ارحم الرّٰحمین ○

آں ابوجہل از محمد ننگ داشت	وز حسد خود را بالا می فراشت
ابوجہل کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے عار محسوس ہوتی	تو حسد کی وجہ سے وہ اپنے آپ کو بالا بناتا

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا

عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمِ

مُحَمَّدٌ سَیِّدُ الْکَوْنَیْنِ وَالثَّقَلَیْنِ

وَالْفَرِیْقَیْنِ مِنْ عُرْبٍ وَّمِنْ عَجَمِ

ھُوَالْحَبِیْبُ الَّذِیْ تُرْجٰی شَفَاعَتُہٗ

لِکُلِّ ھَوْلٍ مِّنَ الْاَھْوَالِ مُقْتَحِمِ

ترجمہ

اے ہمارے مولا! اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جو کہ ساری خلقت کے لیے خیر ہیں ہمیشہ ہمیشہ درود و سلام بھیج۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دونوں جہانوں کے سردار ہیں اور جن و بشر اور عرب و عجم کے لیے پناہ گاہ ہیں۔

وہ اللہ تعالیٰ کے ایسے حبیب ہیں کہ جو ہر مشکل آور حالت میں ہماری شفاعت فرمائیں گے۔

بوالحکم نامش بدو بوجہل شد
اُس کا اصل نام بوالحکم، وجہل بن گیا

اے بسا اہل از حسد نا اہل شد
اِسی طرح بہت سے لوگ حسد کی وجہ سے نا اہل ہو گئے

لوری

اَللّٰہ اَللّٰہ اَللّٰہ ھُوْ لَآ اِلٰـہَ اِلَّا ھُوْ
ھَادِیْ اَللّٰہ اَللّٰہ اَللّٰہ ھُوْلَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوْ

پیارے مُحمّد شاہ عربی توں لکھ واری قُربان
اُمّت دے رکھوالے جیہڑے دو جگ دے سُلطان
ھَادِیْ اَللّٰہ اَللّٰہ اَللّٰہ ھُوْلَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوْ ھَادِیْ اَللّٰہ اَللّٰہ اَللّٰہ ھُوْلَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوْ

جیہڑے آون در تیرے تے چمکن وانگ مُنیر
پاک حضور شکُور دے صدقے مل دا پاک امیر
ھَادِیْ اَللّٰہ اَللّٰہ اَللّٰہ ھُوْلَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوْ ھَادِیْ اَللّٰہ اَللّٰہ اَللّٰہ ھُوْلَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوْ

ہادی شکُوری دے در ویکھو کیسی عجب بہار
ہادی دے عرفان دا لوکو کھڑیا ہے گُلزار
ھَادِیْ اَللّٰہ اَللّٰہ اَللّٰہ ھُوْلَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوْ ھَادِیْ اَللّٰہ اَللّٰہ اَللّٰہ ھُوْلَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوْ

مَن دِی دُنیا آن وَساد مَن لو شاہِ شکُورؒ
ہادی علی شاہؒ تیتھوں صدقے عرضاں کر منظُور
ھَادِیْ اَللّٰہ اَللّٰہ اَللّٰہ ھُوْلَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوْ ھَادِیْ اَللّٰہ اَللّٰہ اَللّٰہ ھُوْلَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوْ

در تیرے تے آیا ماہی بَن کے اوگن ہار
اِلَّا اللّٰہ دِی ضرب لگا کے کر دیو بیڑا پار
ھَادِیْ اَللّٰہ اَللّٰہ اَللّٰہ ھُوْلَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوْ ھَادِیْ اَللّٰہ اَللّٰہ اَللّٰہ ھُوْلَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوْ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَعَلٰى
اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝
مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ
نَسْتَعِيْنُ ۝ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝
صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۝
غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝
(آمِيْن)

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ
لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ ؕ

انبیا را واسطہ زاں کرد حق | تا پدید آید حسد ہا در قلق
اللہ نے انبیا کو اسی لئے واسطہ بنایا ہے | تاکہ حسد ان کی روشنی میں نمایاں ہو جائے

شجرۂ طیبہ منظوم

سلسلۂ عالیہ قادریہ شریف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہو الشکور　　ہو الہادی　　ہو الامیر

حمد ہے اُس خالقِ ہر دوسرا کے واسطے
جس نے پیدا کی ہر اک شے مصطفٰے کے واسطے

پتہ پتہ سے ہویدا شانِ لولاکَ لَما
ذرہ ذرہ دہر کا ہے مصطفٰے کے واسطے

وہ کہ جن کے دم سے قائم ہے نظامِ کائنات
وقف جن کی زندگی تیری رضا کے واسطے

جن کے دم سے گلشنِ توحید ہے پھولا پھلا
باعثِ برکت ہیں جو ارض و سما کے واسطے

التجا مقبول فرما اے خدائے انس و جاں
برگزیدہ بندگانِ باصفا کے واسطے

جن کے پرتو سے چمک اُٹھی ہے بزمِ کائنات
نیرِ برجِ ولا نور الہدیٰ کے واسطے

ناقصاں را پیرِ کامل کاملاں را رہنما
(۳ بار) شاہ امیر الدینؒ امیر الاولیاء کے واسطے

شمعِ راہِ ہدایت عارفاں را دستگیر
اُس شاہِ ہادی علیؒ پیرِ ہدیٰ کے واسطے

دل کو روشن کر طفیل حضرتِ عبد الشکورؒ
عارفِ باللہ تاج الاولیاء کے واسطے

منحصر تیری رضا پر زندگی و موت ہو
قبلۂ ایمان و دیں شاہِ رضاؒ کے واسطے

دل ہو معمورِ محبت لب پہ حَیٌّ لَایَمُوت
شاہ عبد الحیؒ غوث الاولیاء کے واسطے

در شبِ مہتاب مہ را بر سماک
چاندنی رات میں چاند کو بلند منزل پر

از سگاں و عوعوِ ایشاں چہ باک
کتوں اور اُن کے بھونکنے سے کیا خوف ہے

جو کروں میں راہ میں تیری بصد اخلاص ہو — مخلص الرحمانؒ جانِ اولیاء کے واسطے

اے خدائے دو جہاں ہر حال میں امداد کر — شاہ امداد علیؒ بحرِ عطا کے واسطے

ہو نصیب مجھ کو خدایا ارتقائے معرفت — شاہ محمد مہدیؒ شاہِ ہدیٰ کے واسطے

دِل کا ہر گوشہ ہو مرکز الفتِ حسنینؓ کا — حضرتِ مظہر حسینؒ پارسا کے واسطے

مجھ کو تیرے ذکر سے ہر لحظہ فرحت ہو نصیب — فرحت اللہ شاہ محبوبِ خدا کے واسطے

جو قدم اٹھے الٰہی وہ اٹھے سوئے حسنؓ — حسن علی شاہِ حسنؒ بحرِ عطا کے واسطے

منعمِ مطلق عطا کر دو جہاں کی نعمتیں — شاہِ منعمؒ پاکباز و پارسا کے واسطے

یا الٰہی کر مجھے بھی حاملِ سرِّ خلیل — شاہ خلیل الدینؒ سید مہ لقا کے واسطے

دِل میں ہو میرے تجلیاتِ جعفرِ ضو فگن — میر سید جعفرؒ نزہت فضا کے واسطے

کر عطا مجھ کو خدایا عشق اہل اللہ کا — سید اہل اللہؒ شانِ اولیاء کے واسطے

یا الٰہی ہو نظامِ دین و دنیا سب درست — شاہ نظام الدینؒ جانِ اصفیاء کے واسطے

اتقائے دین و دنیا ہو مجھے یا رب نصیب — شاہ تقی الدینؒ شاہِ اتقیاء کے واسطے

یا الٰہی تیری نصرت شاملِ ہر حال ہو — شاہ نصیر الدینؒ احمد خوش لقا کے واسطے

عاقبت محمود کر میری خدائے دو جہاں — سید محمودؒ بدر الاتقیاء کے واسطے

یا الٰہی ہر گھڑی ہو بارشِ ابرِ کرم — میر فضل اللہؒ شاہِ اصفیاء کے واسطے

دے محبت قطبِ دیں کی یا الٰہ العالمین — شاہ قطب الدینؒ قطب الاولیاء کے واسطے

دِل ضیائے نجمِ دیں سے تا ابد روشن رہے — شاہ نجم الدینؒ نجم الاصفیاء کے واسطے

سگ وظیفہ خود بجا می آورد — مہ وظیفہ خود برخ می گسترد
کتا اپنا بھونکنے کا کام کرتا ہے — اور چاند (اپنا کام) روشنی اسکے رخ پر ڈالتا ہے

وہ کرم ہو تیرا بن جائے مبارک ہر گھڑی — شاہ مبارک غزنویؒ باخدا کے واسطے
میں جیوں جب تک نظامِ زندگی برہم نہ ہو — شاہ نظام الدینؒ ثانی مہ لقا کے واسطے
جگمگا دے قلب کو نورِ شہابُ الدینؒ سے — شاہ شہابُ الدینؒ شمس الاولیا کے واسطے
وہ محی الحق والدیں غوثِ عالم دیں پناہ — شاہ عبدالقادرِؒ کہف الوریٰ کے واسطے
اے غیاثُ المستغیثین قادرِ مطلق ہے تُو — رحم فرما حضرتِ غوثُ العُلاؒ کے واسطے
اے خُدا مجھ کو بنا دے دین و دُنیا میں سعید — نُورِ عالم بوسعیدؒ مُقتدیٰ کے واسطے
اے خُدا کر دے عطا توفیقِ اعمالِ حسن — بُوالحسن شاہؒ رئیسُ الاصفیا کے واسطے
ظاہر و باطن ہو میرا حُسنِ یُوسف کی طرح — حضرتِ بُو یُوسفِؒ شاہِ ولا کے واسطے
یا الٰہی مجھ کو رکھنا اپنے بندوں میں عزیز — حضرتِ عبدالعزیزِؒ بے ریا کے واسطے
تیری رحمت کا ہو سایہ اے رحیم بے مثال — شاہ رحیم الدینؒ ذی حلم و حیا کے واسطے
دِل میں دردِ عشق اپنا مثلِ شبلی دے مجھے — حضرتِ بوبکر شبلیؒ باخُدا کے واسطے
ذرّہ دُردِ جُنیدی یا الٰہی ہو عطا — حضرتِ شیخ جنیدؒ پیشوا کے واسطے
واقفِ اسرارِ الانسان و سری کر مجھے — شاہ سری سقطیؒ نُور الانبیا کے واسطے
خود فراموشی کر عطا مست اور بے خود بنا — حضرتِ معروف کرخیؒ پیشوا کے واسطے
نعمتِ صبر و رضا سے دِل میرا معمور کر — بادشاہِ دیں علی مُوسیٰ رضاؒ کے واسطے
میری جان و دِل جمالِ کاظمی پہ ہو نثار — مُوسیٰ کاظمؒ امامِ اذکیا کے واسطے
جعفری علم و عمل کی خوشہ چینی ہو نصیب — حضرتِ جعفرؒ شاہِ صدق و صفا کے واسطے

مکر کُن تا وارہی از مکر خود
اچھی سوچ سے ہی تُو اپنے نفس کے مکر سے

مکر کُن تا فرد گردی از حسد
اور حسد کی بُرائی سے نجات پائے گا

جذبۂ باقرؒ کا صدقہ دُور کر رنج و اَلَم
حضرتِ باقرؒ شاہِ جُود و عطا کے واسطے

ہو رگ و پے میں سرایت حُبِّ زین العابدینؒ
شاہ زینُ العابدینؒ زینُ العبا کے واسطے

زینتِ کون و مکاں فخرِ زمین و آسماں
سیّدُ السّادات شاہِ کربلا کے واسطے

نُورِ چشمِ مُصطفےٰ حضرت حسینؓ باصفا
سیّدِ عالم امامِ دوسرا کے واسطے

اے خُدا ہو جان سے زیادہ مجھے حُبِّ حُسینؓ
رحمتِ عالم حبیبِ مُصطفےٰ کے واسطے

ہو شہیدِ کربلا کا ساتھ یارب حشر میں
حیدرِ صفدر علیؓ مُشکل کُشا کے واسطے

شہر یارِ لافتیٰ سرکارِ عالی مرتبہ
حضرتِ مولا علیؓ مُرتضےٰ کے واسطے

لَا فَتٰی اِلَّا عَلِی لَا سَیْفَ اِلَّا ذُوالْفِقَار
شیرِ یزداں قوّتِ ربُّ العُلا کے واسطے

میرے ہر مُوئے بدن سے ہو عیاں حُبِّ رسُول
باعثِ کون و مکاں خیرالورٰی کے واسطے

حشر میں یارب رہوں زیرِ لوا الحمد میں
رحمتِ عالم مُحمّد مُصطفیٰ کے واسطے

مرتے دم تک لب پہ ہو نامِ مُحمّد مُصطفیٰ
سیّدُ الکونین ختمُ الانبیا کے واسطے

ایک جاں تو جان کیا دے سینکڑوں جانیں اگر
میں کروں صدقے حبیبِ کبریا کے واسطے

اے خُدا مقبُول ہوں میری عقیدت کے یہ پھُول
قلبِ مُضطر نے چُنے تیری رضا کے واسطے

مکر کن تا وارہی از مکر خود
اچھی سوچ سے ہی تُو اپنے نفس کے مکر سے

مکر کن تا فرد گردی از حسد
اور حسد کی بُرائی سے نجات پائے گا

مُناجات

موجزن بحرِ کرامت ہو عطا کے واسطے　　وَا ہو آغوشِ اجابت لبِ دُعا کے واسطے

تجھ کو تیرا واسطہ ہے اے میرے پروردگار　　دوڑ کر رحمت تیری آئے گدا کے واسطے

وہ درِ اقدس کہ جس سے فیضیابِ عالَم ہوا　　وَا قیامت تک رہے جُود و عطا کے واسطے

یاالٰہی ظلِّ مُرشد تا ابد قائم رہے　　(۳ بار) ہاتھ اُٹھے ہیں ادب سے اِس دُعا کے واسطے

مَیں ہوں میری زندگی ہو میرے مُرشد کے لیے　　جو قدم اُٹھے وہ ہو اُن کی رضا کے واسطے

مجھ کو ہر لحظہ تیرے جلووں میں استغراق ہو　　میرا ہر ہر سانس ہو تیری رضا کے واسطے

جگمگا اُٹھے الٰہی میرے دل کی انجمن　　جس کی ضَو ہو ضَو فگن ارض و سما کے واسطے

تا قیامت ذرّہ ذرّہ دہر کا شاہد رہے　　مَیں مٹوں اِتنا محبّت میں خُدا کے واسطے

دِین و دُنیا میں نہیں کچھ چاہتا تیرے سِوا　　تُو ہو تیرے جلوے ہوں بس بے نوا کے واسطے

ماسوا تیرے نہ ہو مجھ کو کسی سے کچھ غرض　　جو کروں تیرے لئے تیری رضا کے واسطے

دو جہاں کو بھول جاؤں کر عطا وہ بیخودی　　تُو ہو تیری یاد ہو قلبِ صَفا کے واسطے

تیری بخشش کے تصدق تیری رحمت کے نثار　　کر عطا سب کچھ فقیرِ بے نوا کے واسطے

پیش کرتا ہے اَدب سے عبدُالستّارِ حزیں

ہو دُعا مقبول اِس کی اولیا کے واسطے

◎

ایں زباں پردہ است بر درگاہِ جاں ہماری زبان ہماری حقیقت پر پردہ کی طرح ہے	آدمی مخفیست در زیرِ زباں ہر انسان اپنی زبان کے پیچھے چھپا ہوا ہے

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدِنِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ

الحمد شریف: ایک بار　　　　کلمہ شہادت: ایک بار

یاالٰہی بخش دے، کُل انبیاء کے واسطے　　　　آل و اصحاب اہلِ بیتِ باصفا کے واسطے
رکھ شریعت اور طریقت پر مجھے ثابت قدم　　　　شاہِ عالم حاملِ صدق وصفا کے واسطے
امیرُالدینؒ امیرُالاولیاء شہبازِ لاہوتی　　　　ہادی علی شاہؒ اِمامُ الاولیاء کے واسطے
حافظِ ناموسِ دینِ مُصطفٰے عبدُالشکورؒ　　　　عارفِ باللہ تاجُ الاولیاء کے واسطے
عِشق کر اپنا عطا شاہِ رضاؒ کے واسطے

حضرت عبدُالحیؒ و مخلصُ الرحمٰن شاہؒ　　　　حضرت امداد علیؒ و مہدی شاہ ہُدیٰؒ
شاہ مظہرؒ، فرحتُ اللہؒ، حسن علیؒ اولیاء　　　　شاہ منعمؒ پاکباز، شاہ خلیلؒ مہ لقا
سید جعفر شاہؒ حاجت روا کے واسطے

سید اہلُ اللہؒ و شاہ نظامُ الدینؒ ولی　　　　شاہ تقی الدینؒ، نصیرُالدینؒ شاہ متقی
سید محمودؒ و فضل اللہؒ و قطبُ الدینؒ سخی　　　　شاہ نجمُ الدینؒ قلندر اور مُبارک غزنویؒ
شاہ نظامُ الدینؒ باصدق وصفا کے واسطے

دوستِ حق شیخُ الشیوخ حضرت شہابُ الدینؒ شاہ　　　　غوثُ الاعظم شاہ محی الدینؒ جانِ مُصطفٰے
شیخ عبدُالقادر جیلانی تاجُ الاولیاء　　　　بوسعیدؒ و بوالحسنؒ، بویوسفؒ مردِ خدا
حضرت عبدُالعزیزؒ باحیا کے واسطے

شاہ رحیمُ الدینؒ شاہ بوبکر شبلیؒ زماں　　　　حضرت سید جنیدؒ الطائفہ جانِ جہاں
شاہ سِری سقطیؒ و شاہ معروف کرخیؒ عارفاں　　　　حضرت سید علی مُوسیٰ رضاؒ شاہِ شہاں
مُوسیٰ کاظمؒ امام پیشوا کے واسطے

جعفر صادقؒ محمد باقرؒ عالی مُقام　　　　صابروں کے تاج حضرت عابد و صابر امام
سیدُالشہداء شہیدِ کربلا حُسینؓ نام　　　　شاہِ مرداں شیرِ یزداں حضرت علی علیہ السلام
حضرت احمد مُحمد مُصطفٰے کے واسطے

چونکہ بادے پردہ را درہم کشید　　　　سرِ صحنِ خانہ شد برما پدید
بولنے سے ہوا اُس پردے کو ہٹا دیتی ہے　　　　تو ہمارا باطن صاف نظر آجاتا ہے

معمولاتِ شیخ

اِس سلسلہ عالیہ کے پیرانِ عظام کے نزدیک فرائض و سُنن کے بعد ذکر و مراقبہ مذکورہ اور اِن معمولات میں مشغول رہنا بہتر ہے۔

اِن سب پر باقاعدگی سے عمل کرنا چاہیئے کیونکہ یہ تزکیۂ نفس اور تصفیۂ قلب کے لیے اکسیر کا درجہ رکھتے ہیں۔ لَا تَوْفِیْقَ اِلَّا بِاللّٰہِ۔

◎ (ہر نماز کے بعد) سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ (گیارہ مرتبہ)

◎ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ ط (۲۴ مرتبہ)

◎ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ یُحْیِیْ وَیُمِیْتُ بِیَدِہِ الْخَیْرُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ط (۲۰ مرتبہ)

◎ دُعائے سیدُالاستغفار: اَللّٰھُمَّ اَنْتَ رَبِّیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ خَلَقْتَنِیْ وَاَنَا عَبْدُکَ وَاَنَا عَلٰی عَھْدِکَ وَوَعْدِکَ مَا اسْتَطَعْتُ اَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ اَبُوْءُ لَکَ بِنِعْمَتِکَ عَلَیَّ وَاَبُوْءُ بِذَنْبِیْ فَاغْفِرْلِیْ فَاِنَّہٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ۔ (تین مرتبہ)

ترجمہ سید الاستغفار: اے اللہ! تُو میرا پالنے والا ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں تُو نے مجھے پیدا کیا اور مَیں تیرا بندہ ہوں اور مَیں تیرے ساتھ عہد و پیمان پر اپنی استطاعت کے مطابق قائم ہوں اور جو کچھ مَیں نے کیا اُس کی بُرائی سے تیری پناہ مانگتا ہُوں؛

اے زُباں ہم گنجِ بے پایاں توئی
اے زُبان! (بھلائی سے) بے شمار خزانہ تُو ہے

اے زُباں ہم رنجِ بے درماں توئی
اے زُبان! (بُرائی سے) لاعلاج مرض بھی تُو ہے

تیری نعمتوں کا اعتراف کرتا ہوں اور گناہوں کا اقرار کرتا ہوں تو مجھے بخش دے کہ تیرے سوا گناہوں کو کوئی نہیں بخش سکتا۔

◎ وظیفہ غوثیہ : اَلْمُحِیْطُ الرَّبُّ الشَّهِیْدُ الْحَسِیْبُ الْفَعَّالُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ۔ رَبِّ اِنِّیْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ۔ (۱۱ مرتبہ بعد نماز عصر)

ترجمہ وظیفہ غوثیہ : اللہ تعالیٰ احاطہ کرنے والا ہے، گواہ ہے، کفایت کرنے والا، افعال کا بنانے والا، صورتوں کا پیدا کرنے والا۔ اے اللہ! میں کمزور ہوں میری مدد فرما۔

◎ درود شریف غوثیہ : اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدِ ‌النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ الطَّاهِرِ الزَّكِیِّ صَلٰوةً تُحَلُّ بِهَا الْعُقَدُ وَ تُفَكُّ بِهَا الْكُرَبُ صَلٰوةً تَكُوْنُ لَكَ رِضًا وَّ لِحَقِّهٖ اَدَاءً وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ۔ (گیارہ مرتبہ)

◎ اسمائے مبارک سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ :

سَيِّدِنَا مُحْیُ الدِّیْنِ اَمْرُ اللّٰهِ۔ شَیْخ مُحْیُ الدِّیْنِ فَضْلُ اللّٰهِ۔
اَوْلِيَاءُ مُحْیُ الدِّیْنِ اَمَانُ اللّٰهِ۔ مِسْكِیْن مُحْیُ الدِّیْنِ نُوْرُ اللّٰهِ۔
غَوْث مُحْیُ الدِّیْنِ قُطْبُ اللّٰهِ۔ سُلْطَان مُحْیُ الدِّیْنِ سَیْفُ اللّٰهِ
خَوَاجَہ مُحْیُ الدِّیْنِ قُرْبَانُ اللّٰهِ۔ مَخْدُوْم مُحْیُ الدِّیْنِ بُرْهَانُ اللّٰهِ
دَرْوِیْش مُحْیُ الدِّیْنِ اٰیَتُ اللّٰهِ۔ بَادْشَاه مُحْیُ الدِّیْنِ غَوْثُ اللّٰهِ
فَقِیْر مُحْیُ الدِّیْنِ شَاهِدُ اللّٰهِ۔ (گیارہ مرتبہ)

مرد کم گوینده را فکریست نفت
کم گو انسان کا خیال وزنی ہوتا ہے

قشر گفتن چوں فزوں شد مغز رفت
باتونی کا چھلکا جب بڑھ جاتا ہے مغز ختم ہو جاتا ہے

◎ درود شریف غوثیہ : اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی سَیِّدِنَا الْغَوْثِ الْاَعْظَمِؕ (گیارہ مرتبہ)

◎ دُعائے استغفار : اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّیْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّ اَتُوْبُ اِلَیْهِؕ (گیارہ مرتبہ)

◎ چہل کاف : كَفَاكَ رَبُّكَ كَمْ يَكْفِيْكَ وَاكِفَةً ؕ كِفْ كَافُهَا كَكَمِيْنٍ كَانَ مِنْ كَلَكَا ؕ تَكُرُّ كَرًّا كَكَرِّ الْكَرِّ فِيْ كَبَدٍ ؕ تَجَلّٰی مُشَكْشَكَةً كَلُكْلُكٍ لَكَكَا ؕ كَفَاكَ مَابِيْ كَفَاكَ الْكَافُ كُرْبَتَهٗ يَا كَوْكَبًا كَانَ تَحْكِيْ كَوْكَبَ الْفَلَكَا ؕ (تین مرتبہ)

ترجمہ : اے دِل جس پروردگار نے بہت مصیبتوں میں تیری کفایت (حمایت) کی ہے وہی (پروردگار) اِن مصائب میں جو بھاری لشکر کی طرح گھات میں ہیں تیری کفایت کرے گا۔ اُن مصائب میں تیرے لیے کافی ہوگا جو مصائب کہ پے در پے (اور) سخت (اور) مضبوط رسی (کی مانند) اور نیزہ زن، مسلح لشکر اور فربہ اور قوی اونٹ کی طرح ظاہر ہوتے ہیں۔ اے ستارے! (اے قلب روشن) جو آسمانی ستارے کی مانند (منور اور درخشاں) ہے (یقین رکھ! کہ) تیرا رب (تیرا مولا) تمام پریشانیوں سے اب بھی تجھے کفایت کرے گا جیسے کہ گزشتہ پریشانیوں میں (اُس قادر و کریم نے) تیری کفایت کی۔

◎ درود شریف : اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدِنِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ۔ (گیارہ مرتبہ)

ہر کہ خود بینی کند در راہِ دوست
جس کسی نے دوست کی راہ میں خود بینی کی

مغز را بگذاشت کُلّی دید پوست
وہ مغز کو بھول گیا اُس نے صرف چھلکا دیکھا

◎ آیت کریمہ : یَا اَللّٰہُ یَا رَحْمٰنُ یَا رَحِیْمُ یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ ط
لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ۔
۱۱ مرتبہ (اوّل آخر درود شریف گیارہ گیارہ مرتبہ)

اورادِ خاص حضور پُر نُور رُوحی فداہٗ

بعد ہر نماز چاروں قل اور سُورۂ فاتحہ تین تین مرتبہ۔ الٓمّٓ تا مُفلِحُوْنَ ایک مرتبہ۔ آیت الکرُسی تین مرتبہ۔ درود شریف تین مرتبہ۔ سیّد الاستغفار تین مرتبہ چہل کاف تین مرتبہ پھر دُرود شریف تین مرتبہ۔

معمُولات شریف

○ پچھلی رات کو تہجد گزار ہونا ○ تہجد تا نمازِ فجر ذکر اور مراقبہ میں مشغول ہونا ○ فجر کے بعد تلاوت قرآن مجید ○ دلائل الخیرات شریف بروایت علی حریری رحمۃ اللہ علیہ ○ دُعائے حزب البحر شریف بروایت مولوی بُرہان علی صاحبؒ فرنگی محلی لکھنوی ○ نماز چاشت چار رکعت دو سلام کے ساتھ ○ دنیا کے کاموں کو دیکھنا ○ دوپہر کو کھانا کھا کر فرصت ہو تو قیلولہ کرنا ○ بعد نماز ظہر امورات دنیوی ○ بعد نماز عصر کسی ایک دُرود شریف کو تین سو مرتبہ پڑھنا ○ بعد نماز مغرب تا عشا مراقبہ۔

ذِکر

ذکر کے لغوی معنی "یاد کرنا" ہیں اصطلاحِ تصوف میں "تمام عالَم سے الگ ہوکر اللہ کی طرف متوجہ ہونا اور ایک دھیان سے یاد کرنا" ہے۔ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا۝ (اور اپنے رب کے نام کا ذکر کرتے رہیں اور (اپنے قلب و باطن میں) ہر ایک سے ٹوٹ کر اُسی کے ہو رہیں)

سب سے افضل ذکر لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ ہے۔ اِس کو نفی اثبات بھی کہتے ہیں اور اِس کو کرنے کا سب سے افضل طریقہ پاس انفاس خفی ہے جو کہ ہمارے سلسلہ عالیہ میں رائج ہے جب سانس جسم میں اندر جائے تو دِل میں لَآ اِلٰہ اور جب باہر جائے تو اِلَّا اللّٰہ کہیں۔ سر یا کسی عضو کو نہیں ہلانا۔ زبان تالو سے لگی رہے اور تلفظ ادا نہ ہو۔ چلتے پھرتے، اُٹھتے بیٹھتے اِس ذکر میں مشغول رہنا چاہیے، کوئی سانس بھی اِس سے خالی نہ جائے۔ سوتے وقت بھی یہ ذکر کرتے رہنا چاہیے تاکہ سو جانے پر بھی یہ جاری رہے۔ زبان سے کیے جانے والے اذکار میں دھیان ضروری نہیں لیکن اِس ذکر کے لیے دھیان (دل و دماغ کی یکسوئی) درکار ہے۔

اِس کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ ذاکر قبلہ رُخ ہوکر حضوریٔ شیخ میں بیٹھے، اگر مجلسِ شیخ میں حاضر نہیں تو پھر شیخ کا تصور کرلے۔ دو زانو اِس طرح بیٹھا جائے کہ دائیں پاؤں کا انگوٹھا بائیں پاؤں پر ہو۔ گیارہ مرتبہ دُرود شریف کے بعد سر کو بائیں طرف جھکا کر بائیں گھٹنے کے پاس لے جاکر سانس اندر کھینچنا شروع کرے اور دل میں لفظ لَا کہنا شروع کرے۔ سر کو دائیں گھٹنے پر لائے اِلٰہ شروع کرے اور دائیں شانے پر ختم کرکے سر کو تھوڑا سا پُشت کی جانب خم کرے۔ وہاں سے بغیر زبان ہلائے اِلَّا اللّٰہ کہتا ہوا رُکے ہوئے سانس کی ضرب کو زور سے قلب پر لگائے۔ یہ ذکر وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ

بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا۝ (اور صبح و شام اپنے رب کے نام کا ذکر کیا کریں) کے مطابق نمازِ فجر و مغرب کے بعد کم از کم تین منٹ یا بقدرِ ہمت و ذوق کرنا ہے۔ بعد از ذکر پھر گیارہ مرتبہ درُود شریف۔ اِس سلسلہ عالیہ کی تعلیم مختصر ہے۔ عموماً اِسی طور سے ذِکر کی تعلیم کی جاتی ہے اور اِسی پر ختم۔

مراقبہ

اِس کے لُغوی معنی رقیب ہونا یعنی نگہبان ہونا ہے۔ اصطلاحِ تصوف میں غیر اللہ سے قلب کا نگہبان ہونا اور غیر اللہ کے خطرات کو قلب سے دُور کرنا مراقبہ ہے یعنی ذاتِ حق کا اپنے باطن میں مشاہدہ کرنے کے لیے ایک دھیان اور تصوّر میں رہنا مراقبہ کہلاتا ہے۔ ابتدا میں طالب بعد از نمازِ فجر و مغرب کچھ دیر کے لیے مراقبہ کرے۔ اگر ہو سکے تو ہر نماز کے بعد بھی کچھ دیر مراقب رہے۔ مراقبہ کو روز بروز ترقی دے یہاں تک کہ قلب سے ایک لمحہ بھی مراقبہ ساقط نہ ہو پائے۔

طالب دو زانو ہو کر بطریق نشست قُرفصا (دائیں پاؤں کی پُشت کو بائیں پاؤں کے تلوے پر رکھ کر) آنکھیں بند کرلے۔ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ (پس تم جدھر بھی رُخ کرو گے اُدھر ہی اللہ کی توجہ ہے، یعنی ہر سمت ہی اللہ کی ذات جلوہ گر ہے) کے مطابق برزخِ شیخ کو چہرۂ حقیقی سمجھ کر اور یقین کرکے صحیح ملاحظہ کے ساتھ مراقب رہے۔ وہ صُورت کبھی سامنے، کبھی قلب کے اندر نظر آئے گی اور کبھی غائب ہو جائے گی۔ لیکن طالب اپنے تصوّر سے برزخِ شیخ کو ایک لمحہ بھی نہ اُترنے دے۔ مراقبہ میں برزخِ شیخ کے علاوہ جو بھی انوار و تجلیات ظاہر یا محسوس ہوں اُن کی طرف توجہ نہ دے۔ اِس مراقبہ یعنی مراقبہ برزخِ شیخ کے فوائد تحریر و بیان سے بالاتر ہیں۔

خدمتِ خود را سزا پنداشتی
اگر تُو نے اپنی عبادت کو اچھا سمجھا ہے

تو لوائے جرم ازاں افراشتی
تو تُو نے خطا کاری کا جھنڈا بلند کر دیا

ترتیب ختم شریف

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○
لَا يَسْتَوِيْٓ اَصْحٰبُ النَّارِ وَاَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ؕ
اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ○ لَوْ اَنْزَلْنَا
هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا
مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ
نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ○ هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ
لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۚ هُوَ
الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ○ هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ
اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ
الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ؕ
سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ○ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ

بس کساں کایشاں عبادت ہا کنند
بہت سے انسان ہیں جو عبادت کرتے ہیں

دل برضوان و ثواب آں نہند
اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور اسکے ثواب کی اُمید کرتے ہیں

الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْأَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ط يُسَبِّحُ
لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ
الْحَكِيْمُ ۝

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

قُلْ يٰٓأَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۝ لَآ أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ۝
وَلَآ أَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ أَعْبُدُ ۝ وَلَآ أَنَا عَابِدٌ
مَّا عَبَدْتُّمْ ۝ وَلَآ أَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ أَعْبُدُ ۝
لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِىَ دِيْنِ ۝

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ ۝ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْ ۝
وَلَمْ يُوْلَدْ ۝ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا
أَحَدٌ ۝ تین بار

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

قُلْ أَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۝ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ۝
وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ إِذَا وَقَبَ ۝ وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ

خود حقیقت معصیت باشد خفی
(لیکن) وہ چھپی ہوئی گنہگاری ہوتی ہے

بس کدر کا نزا تو پنداری صفی
بہت سے مکدر پانی ہوتے ہیں جن کو تُو صاف پانی سمجھتا ہے

فِی الْعُقَدِ ۙ﴿۴﴾ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ﴿۵﴾

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۙ﴿۱﴾ مَلِكِ النَّاسِ ۙ﴿۲﴾

اِلٰهِ النَّاسِ ۙ﴿۳﴾ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ ۙ الْخَنَّاسِ ۙ﴿۴﴾

الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ ۙ﴿۵﴾ مِنَ

الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ﴿۶﴾

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۙ﴿۱﴾ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۙ﴿۲﴾

مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ ؕ﴿۳﴾ اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ

نَسْتَعِیْنُ ؕ﴿۴﴾ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ۙ﴿۵﴾

صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ ۙ غَیْرِ

الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ ﴿۷﴾ آمین

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الٓمّٓ ﴿۱﴾ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَیْبَ ۛۚ فِیْهِ ۛۚ هُدًی

لِّلْمُتَّقِیْنَ ۙ﴿۲﴾ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَیُقِیْمُوْنَ

آدمی اول حریصِ ناں بود — زانکہ قوتِ ناں ستونِ جاں بود

آدمی پہلے روٹی کا حریص ہوتا ہے — کیونکہ روٹی کی غذا جان کا ستون ہے

الصَّلٰوۃَ وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ ۝ وَالَّذِیْنَ
یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ
قَبْلِکَ وَبِالْاٰخِرَۃِ ھُمْ یُوْقِنُوْنَ ۝ اُولٰٓئِکَ عَلٰی
ھُدًی مِّنْ رَّبِّھِمْ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝
وَاِلٰھُکُمْ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الرَّحْمٰنُ
الرَّحِیْمُ ۝ اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ
وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ ۝ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰہِ قَرِیْبٌ
مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ ۝ دَعْوٰھُمْ فِیْھَا سُبْحٰنَکَ
اللّٰھُمَّ وَتَحِیَّتُھُمْ فِیْھَا سَلٰمٌ وَاٰخِرُ
دَعْوٰھُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝
وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ ۝
مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ
رِّجَالِکُمْ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ
النَّبِیّٖنَ ۝ وَکَانَ اللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا ۝
اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ ط

چوں بنا در گشت مستغنی زناں
جب اتفاقاً روٹی سے بے نیاز ہو جائے

عاشق نام ست و مدح شاعراں
تو اپنی نام وری اور اپنی تعریف کو پسند کرنے لگتا ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا
تَسْلِيْمًا ○

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدِنِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ
وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ (تین بار)

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۚ وَسَلٰمٌ
عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ۚ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۚ

اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ
اَكْبَرُ ۚ اَللّٰهُ اَكْبَرُ ۚ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ ۚ

ہیچ کافر را بخواری منگرید — کہ مسلماں مردنش باشد امید
کسی کافر کو بُری نگاہ سے نہ دیکھ — ہو سکتا ہے کہ وہ مرنے سے پہلے مسلمان ہو جائے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

شجرۂ طیبہ

یا اللہ

یا رسول اللہ

سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ شریف

حضرت سیدنا قبلہ محمد عالم امیری مدظلہ العالی
حضرت سیدنا خواجہ محمد امیر الدین الشاہ رحمۃ اللہ علیہ
حضرت سیدنا ہادی علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ
حضرت سیدنا مولانا عبد الشکور الشاہ رحمۃ اللہ علیہ
حضرت سیدنا نبی رضا شاہ رحمۃ اللہ علیہ
حضرت سیدنا مولانا شاہ عبد الغنی رحمۃ اللہ علیہ
حضرت سیدنا شاہ مخلص الرحمان جہانگیر رحمۃ اللہ علیہ
حضرت سیدنا شاہ امداد علی رحمۃ اللہ علیہ
حضرت سیدنا شاہ محمد مہدی فاروقی رحمۃ اللہ علیہ
حضرت سیدنا شاہ مظہر حسین رحمۃ اللہ علیہ
حضرت سیدنا شاہ فرحت اللہ رحمۃ اللہ علیہ
حضرت سیدنا شاہ حسن علی رحمۃ اللہ علیہ
حضرت سیدنا شاہ محمد منعم پاکباز رحمۃ اللہ علیہ
حضرت سیدنا امیر اسد اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ
حضرت سیدنا شاہ فرہاد دہلوی رحمۃ اللہ علیہ
حضرت سیدنا شاہ دوست محمد برہانپوری رحمۃ اللہ علیہ
حضرت سیدنا میر ابو العلا اکبر آبادی رحمۃ اللہ علیہ
حضرت سیدنا میر سید عبد اللہ اکبر آبادی رحمۃ اللہ علیہ
حضرت سیدنا خواجہ محمد یحییٰ طوسی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت سیدنا خواجہ عبد الحق رحمۃ اللہ علیہ
حضرت سیدنا خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ
حضرت سیدنا خواجہ یعقوب چرخی رحمۃ اللہ علیہ
حضرت سیدنا خواجہ بہاء الدین بہاء الحق نقشبند رحمۃ اللہ علیہ
حضرت سیدنا خواجہ امیر کلال رحمۃ اللہ علیہ
حضرت سیدنا خواجہ محمد بابا سماسی رحمۃ اللہ علیہ
حضرت سیدنا خواجہ علی رامیتنی رحمۃ اللہ علیہ
حضرت سیدنا خواجہ محمود الخیر فغنوی رحمۃ اللہ علیہ
حضرت سیدنا خواجہ عارف ریوگری رحمۃ اللہ علیہ
حضرت سیدنا خواجہ عبد الخالق غجدوانی رحمۃ اللہ علیہ
حضرت سیدنا خواجہ محمد یوسف ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ
حضرت سیدنا شیخ ابو علی فارمدی طوسی رحمۃ اللہ علیہ
حضرت سیدنا شیخ ابو القاسم گرگانی رحمۃ اللہ علیہ
حضرت سیدنا خواجہ ابو الحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ
حضرت سیدنا سلطان العارفین بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ
حضرت سیدنا امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ
حضرت سیدنا امام قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ
حضرت سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ
حضرت سیدنا امیر المومنین ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ

سرورِ کائنات، فخرِ موجودات، جامع الصفات، مجمع حسنات
حبیب خدا
احمدِ مجتبیٰ محمدِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

چہ خبرداری ز ختم عمر او
تمہیں اُس کی عمر کے خاتمے کی کیا خبر ہے

تا بگردانی از و یکبارہ رو
کہ تو نے اپنا چہرہ اُس سے پھیر لیا ہے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

شجرۂ طیبہ

سلسلۂ عالیہ قادریہ چشتیہ نقشبندیہ ابوالعلائیہ جہانگیریہ شکوریہ امیریہ

سلسلۂ عالیہ قادریہ شریف

حضرت سیدنا قبلہ محمد عالم امیری مدظلہ العالی
حضرت سیدنا خواجہ محمد امیر الدین الشاہ رحمۃ اللہ علیہ
حضرت سیدنا ھادی علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ
حضرت سیدنا مولانا عبد الشکور الشاہ رحمۃ اللہ علیہ
حضرت سیدنا نبی رضا شاہ رحمۃ اللہ علیہ
حضرت سیدنا مولانا شاہ عبد الحئی رحمۃ اللہ علیہ
حضرت سیدنا شاہ مخلص الرحمان جہانگیر رحمۃ اللہ علیہ
حضرت سیدنا شاہ امداد علی رحمۃ اللہ علیہ
حضرت سیدنا شاہ محمد مہدی فاروقی رحمۃ اللہ علیہ
حضرت سیدنا شاہ مظہر حسین رحمۃ اللہ علیہ
حضرت سیدنا شاہ فرحت اللہ رحمۃ اللہ علیہ
حضرت سیدنا شاہ حسن علی رحمۃ اللہ علیہ
حضرت سیدنا شاہ محمد منعم پاکباز رحمۃ اللہ علیہ
حضرت سیدنا شاہ خلیل الدین رحمۃ اللہ علیہ
حضرت سیدنا شاہ میر سید جعفر رحمۃ اللہ علیہ
حضرت سیدنا شاہ میر اہل اللہ رحمۃ اللہ علیہ
حضرت سیدنا شاہ میر نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ
حضرت سیدنا شاہ میر تقی الدین رحمۃ اللہ علیہ
حضرت سیدنا میر سید نصیر الدین رحمۃ اللہ علیہ
حضرت سیدنا شاہ میر محمود رحمۃ اللہ علیہ
حضرت سیدنا میر سید فضل اللہ رحمۃ اللہ علیہ

حضرت سیدنا شاہ قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ
حضرت سیدنا شاہ نجم الدین قلندر رحمۃ اللہ علیہ
حضرت سیدنا میر سید نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ
حضرت سیدنا سید نور الدین میر مبارک غزنوی رحمۃ اللہ علیہ
حضرت سیدنا شیخ شہاب الدین عمر سہروردی رحمۃ اللہ علیہ
حضرت سیدنا غوث الثقلین محبوب سبحانی شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ
حضرت سیدنا ابوسعید بن علی المبارک المخزومی رحمۃ اللہ علیہ
حضرت سیدنا ابوالحسن علی بن محمود الہنکاری القرشی رحمۃ اللہ علیہ
حضرت سیدنا ابوالفرح یوسف طرطوسی رحمۃ اللہ علیہ
حضرت سیدنا شیخ عبد العزیز یمنی رحمۃ اللہ علیہ
حضرت سیدنا شیخ رحیم الدین عیاض رحمۃ اللہ علیہ
حضرت سیدنا شیخ ابوبکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ
حضرت سیدنا سید الطائفہ ابوالقاسم شیخ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ
حضرت سیدنا ابوالحسن سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ
حضرت سیدنا شیخ معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ
حضرت سیدنا امام علی موسیٰ رضا رحمۃ اللہ علیہ
حضرت سیدنا امام موسیٰ کاظم رحمۃ اللہ علیہ
حضرت سیدنا امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ
حضرت سیدنا امام محمد باقر رحمۃ اللہ علیہ
حضرت سیدنا امام زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ
حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ
حضرت سیدنا امیر المؤمنین علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ

سرورِ کائنات، فخرِ موجودات، جامع الصفات، مجمع حسنات
حبیبِ خدا
احمدِ مجتبیٰ محمدِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

عِلّتے بدتر زِ پندارِ کمال
کمال کے گھمنڈ سے زیادہ بدتر بیماری

نیست اندر جانت اے مغرورِ ضال
تیری رُوح میں اور کوئی نہیں ہے، اے گمراہ مغرور!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم — لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

یا اللہ — یا رسول اللہ

شجرۂ طیبہ

سلسلہ عالیہ قادریہ چشتیہ نقشبندیہ ابو العلائیہ جہانگیریہ چشتیہ سہروردیہ امیریہ

سلسلہ عالیہ چشتیہ شریف

حضرت سیدنا قبلہ محمد عالم امیری مدظلہ العالی
حضرت سیدنا خواجہ محمد امیر الدین الشاہ رحمۃ اللہ علیہ
حضرت سیدنا ھادی علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ
حضرت سیدنا مولانا عبد الشکور الشاہ رحمۃ اللہ علیہ
حضرت سیدنا نبی رضا شاہ رحمۃ اللہ علیہ
حضرت سیدنا مولانا شاہ عبد الحی رحمۃ اللہ علیہ
حضرت سیدنا حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ
حضرت سیدنا میاں جی شاہ نور محمد جھنجھانوی رحمۃ اللہ علیہ
حضرت سیدنا شاہ عبد الرحیم فاطمی شہید رحمۃ اللہ علیہ
حضرت سیدنا شاہ عبد الباری امروہوی رحمۃ اللہ علیہ
حضرت سیدنا شاہ عبد الہادی امروہوی رحمۃ اللہ علیہ
حضرت سیدنا شاہ عضد الدین امروہوی رحمۃ اللہ علیہ
حضرت سیدنا شاہ محمد مکی رحمۃ اللہ علیہ
حضرت سیدنا شاہ محمدی رحمۃ اللہ علیہ
حضرت سیدنا شاہ محب اللہ صدیقی الٰہ آبادی رحمۃ اللہ علیہ
حضرت سیدنا شاہ ابو سعید گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ
حضرت سیدنا شاہ نظام الدین بلخی فاروقی تھانیسری رحمۃ اللہ علیہ
حضرت سیدنا شاہ جلال الدین محمود فاروقی تھانیسری رحمۃ اللہ علیہ
حضرت سیدنا قطب عالم شاہ عبد القدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ
حضرت سیدنا شیخ محمد بن شیخ عارف ردولوی رحمۃ اللہ علیہ
حضرت سیدنا مخدوم شیخ عارف احمد عبد الحق ردولوی رحمۃ اللہ علیہ
حضرت سیدنا شاہ مخدوم احمد عبد الحق ردولوی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت سیدنا شاہ محمد جلال الدین پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ
حضرت سیدنا خواجہ شمس الدین ترک پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ
حضرت سیدنا خواجہ مخدوم علاؤ الدین علی احمد صابر کلیری رحمۃ اللہ علیہ
حضرت سیدنا خواجہ بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ
حضرت سیدنا خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشی رحمۃ اللہ علیہ
حضرت سیدنا غریب نواز خواجہ معین الدین حسن سجزی چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ
حضرت سیدنا خواجہ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ
حضرت سیدنا خواجہ مخدوم حاجی شریف زندنی رحمۃ اللہ علیہ
حضرت سیدنا خواجہ قطب الدین مودود چشتی رحمۃ اللہ علیہ
حضرت سیدنا خواجہ ناصر الدین ابو یوسف چشتی رحمۃ اللہ علیہ
حضرت سیدنا خواجہ ابی محمد بن خواجہ ابی احمد حسنی چشتی رحمۃ اللہ علیہ
حضرت سیدنا خواجہ ابی احمد ابدال حسنی چشتی رحمۃ اللہ علیہ
حضرت سیدنا خواجہ ابی اسحاق شامی چشتی رحمۃ اللہ علیہ
حضرت سیدنا خواجہ ممشاد علو دینوری رحمۃ اللہ علیہ
حضرت سیدنا خواجہ امین الدین ابی ہبیرۃ البصری رحمۃ اللہ علیہ
حضرت سیدنا خواجہ سدید الدین حذیفہ مرعشی رحمۃ اللہ علیہ
حضرت سیدنا سلطان ابراہیم بن ادھم بلخی رحمۃ اللہ علیہ
حضرت سیدنا ابی الفیض فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ
حضرت سیدنا ابی الفضل عبد الواحد بن زید رحمۃ اللہ علیہ
حضرت سیدنا خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ
حضرت سیدنا امیر المومنین علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ

سرورِ کائنات، فخرِ موجودات، جامعِ الصفات، مجمعِ حسنات

حبیبِ خدا

احمدِ مجتبیٰ محمدِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

علتِ ابلیس اَنَا خَیْرٌ بُدست — ویں مرض در نفسِ ہر مخلوق ہست

شیطان کی بیماری "میں بہتر ہوں" تھی — یہ مرض ہر مخلوق کے نفس میں موجود ہے

لغت

آب دار: تازہ و سیراب

آزُردہ: ناراض۔ ناخوش۔ خفا

آصف برخیا: حضرت سلیمانؑ کے وزیر تھے۔

آفرینش: پیدائش۔ مخلوق۔ دنیا

آویزاں: لٹکا ہوا

آہ و فغاں: رونا پیٹنا۔ واویلا کرنا

اَباحت: اجازت۔ جواز

ابتلاء: آزمائش۔ مصیبت

ابدال: اہل تکوین۔ اولیاء اللہ کا ایک طبقہ۔ جن کی تعداد چالیس ہوتی ہے

ابرار: اہل تکوین اولیاء اللہ کا ایک طبقہ۔ ان کی تعداد سات ہوتی ہے۔ ابرار کا ایک معنیٰ نیک اور پرہیزگار لوگ بھی ہے

ابر و برق: بادل اور بجلی

ابرہہ: حبشہ کا عیسائی حاکم، جس نے کعبہ شریف سے حسد کی بنا پر قلیس کا گرجا بنایا۔ اور جب باوجود بصد کوشش اس میں کعبہ جیسی رونق نہ ہوئی تو کعبہ کی تخریب کے لئے ہاتھیوں کا لشکر بھیجا، جو کہ تمام کا تمام بحکم الٰہی ابابیل پرندوں کی کنکریوں سے تباہ و برباد ہو گیا۔

ابن الوقت: وہ صوفی یا سالک جو احوال اور تجلیات پر قابو نہ پا سکے اور اُس سے خوارق اور کرامات کا اضطرارا ظہور ہونے لگے۔

ابوالوقت: وہ صاحب مقام سالک یا صوفی جس کو احوال پر قابو ہوتا ہے اور اُس کو روح و نفس پر پوری طرح سے قدرت حاصل ہوتی ہے۔ اُس سے کرامات کا ظہور نہیں ہوتا کیونکہ وہ ان باتوں کو سنت اللہ کے خلاف سمجھتا ہے۔

ابولہب اور اس کی بیوی: ابولہب کنیت اور نام عبدالعزیٰ ہے۔ اُس کی بیوی کا نام اروٰی اور کنیت اُم جمیل تھی۔ ابولہب رسول کریم کا حقیقی چچا تھا، لیکن یہ دونوں میاں بیوی رسول کریمؐ کو تکلیف پہنچانے میں سب سے پیش پیش تھے۔ ابتدائے دعوت سے آخر دم تک رسول کریمؐ کی مخالفت کرتے رہے۔ بالآخر ان دونوں کی کفر کی حالت میں موت ہوئی۔ سورۃ لہب انہی دونوں کے متعلق نازل ہوئی۔

ابوالبشر: انسانوں کے باپ یعنی حضرت آدمؑ

ابوحنیفہؒ: آپ کا اسم گرامی نعمانؒ والد کا نام ثابت اور آپ کی کنیت ابوحنیفہ ہے۔ آپؒ امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابتؒ کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ آپ علم و شریعت کے مہر و ماہ بن کر آسمانِ طریقت پر روشن ہوئے۔ آپ نہ صرف رموز حقیقت سے آگاہ تھے بلکہ دقیق سے دقیق مسائل و علوم کے معانی و مطالب واضح کر دینے میں مکمل عبور رکھتے تھے۔ آپ کی عظمت و جلالت کی یہ دلیل ہے کہ غیر مسلم بھی آپ کی تعریف و احترام کرتے تھے اور آپ کی عبادت و ریاضت کا صحیح علم تو خدا ہی کو ہے۔ آپ کو بڑے بڑے جلیل القدر

صحابہؓ سے شرف نیاز حاصل رہا۔ حضرت فضیل بن عیاضؒ حضرت ابراہیم ادہمؒ اور حضرت بشر حافیؒ جیسے جلیل القدر اولیاء کرام آپ کے شاگردوں میں شامل ہیں۔ آپؒ کا وصال 150ھ کو ہوا اور آپ کا مزار اقدس عراق میں ہے۔

ابلیس: خدا کی رحمت سے ناامید۔ شیطان

اِتباع: پیروی کرنا۔ اطاعت

اتحادِ تام: مکمل اتحاد۔ ایسا اتحاد جس میں دوئی کا تصور نہ ہو۔

اِتصال: ملاپ۔ قرب۔ کسی کام کا لگا تار ہونا

اِتہام: تہمت۔ الزام۔ شک وشبہ۔

اٹکل: اندازہ۔ قیاس۔ شناخت

اٹکل پچو: خیالی۔ اوٹ پٹانگ۔ بغیر اندازے کے۔

اجتہاد: فقہ اسلامی کی اصطلاح میں قرآن وحدیث اور اجماع پر قیاس کر کے شرعی مسائل کا اخذ کرنا۔

اَجَل: موت۔ قضا

اَجل: بہت بزرگ۔ جلیل القدر

اِحتیاج: حاجت۔ ضرورت۔ خواہش

اِحتمال: شک وشبہ۔ وہم۔ گمان

اَحدیت: ایک ہونا۔ یکتائی

اَحسن تقویم: عمدہ طور سے درست کرنا۔ سب سے اچھی صورت۔ مراد انسان

اَحوال: وہ کیفیات جو سالک پر طاری ہوتی ہیں۔

اِختلاف طبعی: طبیعتوں کا فرق

اُخروی: اگلے جہان (آخرت) کے متعلق

اَخفیٰ: پوشیدہ کرنا۔ چھپانا۔ لطائف ستہ میں سے ایک لطیفہ کا نام بھی ہے۔ جو اُم الدماغ میں ہوتا ہے۔ نور اس کا مثل سیاہی چشم کے سیاہ ہوتا ہے۔

اخلاق رذیلہ/ اخلاقِ ذمیمہ: بری عادتیں

اِدراک: دریافت کرنا۔ عقل۔ فہم۔ رسائی

اِدراکِ بسیط: حق تعالیٰ کے وجود کا ادراک

اَرغنون: وہ باجہ جس کا موجد افلاطون ہے۔

اَزبر: نوک زبان/ زبانی یاد کرلینا

اَرذل: بہت ذلیل۔ نہایت کمینہ

اسباب وعلل: سبب وعلت کی جمع۔ وجوہات۔ وسائل

اِستسقاء: وہ بیماری جس میں پانی کی حرص بڑھ جاتی ہے۔ جتنا زیادہ پانی پیا جاتا ہے اُتنی ہی پیاس بڑھتی جاتی ہے۔

اَسپ: گھوڑا۔ شطرنج کا مہرہ

اِستدلال: دلیل۔ ثبوت

اِستغراق: محویت۔ خدا کی یاد میں محو ہوجانا

اِستغناء: بے پروائی۔ بے فکری

اِستدراج: غیر مسلموں سے خرق عادات افعال کا ظاہر ہونا

اِستفاضہ: فیض پانا۔ فائدہ اٹھانا

اَسفل: نہایت نیچا۔ انتہا کا ذلیل

جانور فربہ شود لیک از علف
جانور چارے سے موٹا ہوتا ہے

آدمی فربہ ز عزت و شرف
لیکن آدمی دُنیاوی عزّو شرف سے موٹا ہوتا ہے

اسرار نامہ: حضرت شیخ فریدالدین عطارؒ کی فارسی شاعری کی ایک کتاب، موضوع مسائل تصوف ہے۔ روایت ہے کہ حضرت مولانا رومؒ جب اپنے بچپن میں اپنے والد کے ہمراہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے ''اسرارنامہ'' بطور تحفتاً مولانا کو عطا کیا۔

اسرافیلؑ: ایک مقرب فرشتے کا نام جس کو قیامت کے دن صور پھونکنے کی ذمہ داری سپرد کی گئی ہے۔

اِسرائیلؑ: حضرت یعقوبؑ کو قرآن میں اس نام سے بھی پکارا گیا ہے۔ لفظی معنی ''رات کے وقت خدا کی جانب جانے والا ہے'' کے ہیں۔ یہ اُن کا عبرانی نام ہے۔

اِشتباہ: مشابہ ہونا۔ دو چیزوں کا اس طرح ہم شکل ہونا کہ دھوکہ ہو جائے۔

اَشرار: برے لوگ۔ شیطان صفت۔ شرارتی لوگ

اَشغال بالعمل: عمل کے ساتھ مصروفیت۔ عمل میں مصروف

اِشکال: مشکل۔ دشواری

اشہب: کالے رنگ کا گھوڑا جس پر سفیدی غالب ہو۔

اِشہب باز: سفید باز۔ سفید عقاب (عقابوں کی نایاب قسم)

اُصطرلاب: ایک آلہ جس سے ستاروں کی بلندی، مقام اور رفتار معلوم کرتے ہیں۔

اَطلس: ایک قسم کا ریشمی کپڑا

اِعادہ: لوٹانا۔ دوہرانا۔ بار بار کرنا۔

اِعراض: منہ پھیرنا۔ روگردانی کرنا

افسوں: جادو۔ سحر۔ فریب

اِفاضہ: فیض پہنچانا۔ فائدہ پہنچانا

اِفاضۂ حیات۔ زندگی کو فیض یا فائدہ پہنچانا

اقبال: خوش قسمتی۔ خوشحالی۔ عروج

اقلیم: ولایت

اکراہ: نفرت۔ کراہت۔ ناخوشی۔

اکسیر: نہایت مؤثر دوا۔ کیمیا، وہ شے جو تانبے کو سونا اور پیتل کو چاندی بنا دے۔

اکلِ حلال: حلال کی روزی

الی الحق: حق کی طرف۔ اللہ تعالیٰ کی طرف

اُلش: پس خوردہ، بچا ہوا، سامنے کا کھانا

اِلقا: ڈالنا۔ غیب سے دل میں ڈالنا۔ وہ بات جو خدا دل میں ڈال دے۔

اُلوہیت: خداوندی۔ شانِ خداوندی۔ ربانیت

اِلہام: اس کو حکمت، علم لدنی، فیض، فتح اور کشف سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ وہ علم ہے جو اولیاء اللہ کے قلوب پر خدا کی جانب سے نازل کیا جاتا ہے۔ جو علم انبیاء اور رسولوں کو عنایت ہوتا ہے وہ وحی ہے اور اگر اُس کی تلاوت بھی ہوتی ہو تو وہ وحیِ متلو ہے جیسا کہ قرآن، توریت، انجیل، زبور۔ اگر اس کی تلاوت نہ ہو تو حدیث سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ وحیِ خداوندی خلل اور غلطی سے بالکل محفوظ ہے۔ الہام میں غلطی کا احتمال ہوتا ہے۔ اس لیے بسا اوقات انسان القاء شیطانی

چوں دو کس برہم زند بے ہیچ شک — در میاں شاں ہست قدرِ مشترک
جب دو انسان آپس میں ملتے ہیں — تو اُن میں کوئی نہ کوئی قدرِ مشترک ضرور ہوتی ہے

کوالہام ربانی سمجھ بیٹھتا ہے۔

الٰہی نامہ: حضرت شیخ فریدالدین عطارؒ کی فارسی شاعری کا رسالہ جس میں تصوف کے گہرے اور نازک مسائل کو نثر کی سی روانی اور سادگی سے بیان کیا گیا ہے۔

امرِ کُن: کُن (ہوجا) کا فرمان

اِمعان: لغوی معنی چشمہ کو جاری کرنے اور روانہ کرنے کے ہیں۔ چونکہ روح جسم سے جدا ہوکر روانہ ہوتی ہے۔ اِس لیے اُس کو رواں کہتے ہیں۔ لہٰذا امعان کے معنی نظر کو گہرائی کی طرف روانہ کرنے کے ہوئے۔

اُمیدوبیم: امیداور ڈر۔ مشتبہ حالت

اُمّی: مراد رسول کریمؐ ہیں۔ آپ کا لقب ہے۔ آپ نے دنیا کے کسی مکتب میں تعلیم نہ پائی تھی۔ اور نہ ہی کسی دنیاوی استاد سے علم حاصل کیا تھا۔

اناالحق: میں خدا ہوں۔ حضرت منصورؒ محویت کے عالم میں یہ کلمہ کہہ اٹھے اور علماء نے سولی پر لٹکا دیا۔

انانیت: خودی۔ غرور۔ خود بینی

اِنبساط یا بسط: خوشی۔ کھلنا۔ شادمانی۔ وہ کیفیت جس میں مسلسل وارداتِ غیبی کی وجہ سے روح میں نشاط رہتا ہے۔

اِنجذاب: جذب کرنا یا ہونا

انجیل: الہامی کتاب جو کہ حضرت عیسیٰؑ پر نازل ہوئی۔

اَنسؓ بن مالک: آپؓ مالک کے بیٹے تھے اور آپ کی والدہ کی کنیت اُمّ سلیمؓ تھی۔ مالک کے بعد حضرت اُمّ سلیمؓ نے حضرت ابوطلحہ انصاریؓ سے شادی کرلی۔ حضرت انسؓ کی تربیت حضرت ابوطلحہؓ نے کی۔ جب رسول کریمؐ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو حضرت انسؓ دس سال کے تھے۔ حضرت ابوطلحہؓ نے آپؓ اور آپؓ کی والدہ کو رسول کریمؐ کی خدمت پر مامور کردیا۔ انہوں نے نہایت ہی خوش اسلوبی سے دس سال تک آپؐ کی خدمت کی اور خادمِ خاص کا رُتبہ پایا۔ آپؐ حضرت انسؓ سے بہت خوش تھے اور بہت دعائیں دیتے تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ کے دورِ خلافت میں آپ بصرہ میں آباد ہوگئے تھے۔ ۹۱ ہجری میں آپ کا بصرہ ہی میں وصال ہوا۔ بصرہ میں رہنے والے صحابہ کرام میں آپ کا سب سے بعد میں وصال ہوا۔

اِنشراح: کھلنا۔ کشادہ ہونا۔

اِنشراحِ صدر: سینے کا کشادہ ہونا

اِنشراحی: وہ حالت جس میں احوال کھلے ہوئے اور واضح ہوں۔

اَنفس: بہت نفیس۔ بہت اچھا۔

اَنفُس: نفوس۔ روحیں

اِنفعال: الگ ہونا۔ جدا ہونا

اَنفاس: نفس کی جمع۔ سانسیں۔ دم

اِنقطاع: منقطع ہونا۔ کاٹا ہوا ہونا۔ بریدہ ہونا۔

انگبیں: جنت میں شہد کی نہر

اوقیہ: وزن کرنے کا ایک قدیم پیمانہ جو چالیس درہم کے وزن کے

کے پَرد مُرغے مگر باجنسِ خود
ہر پرندہ اپنے ہم جنس کے ساتھ ہی اُڑتا ہے

صُحبتِ ناجنس گورست و لحد
کیونکہ ناجنس کی صُحبت قبر کی طرح ہے

برابر ہوتا تھا۔

اَوہام: وہم کی جمع۔ ذہنی تصور

اہرمن: قدیم ایرانیوں کے عقیدہ کے مطابق وہ خدا جو شر کا خالق ہے۔

اَہرن: سندان۔ لوہے کی بنائی ہوئی جس پر لوہار لوہا کوٹتے ہیں اور سنار سونا چاندی گھڑتے ہیں۔

اویس قرنیؒ: آپؒ عامر کے بیٹے تھے اور یمن کے علاقہ قرن کے باشندے تھے۔ آپؒ کو رسول کریمؐ سے والہانہ عشق تھا۔ چونکہ اُن کی والدہ اُن کی خدمت کی محتاج تھیں۔ اس وجہ سے اُن کی رسول کریمؐ کی خدمت میں حاضری نہ ہو سکی۔ آخری عمر میں بصرہ میں آ کر آباد ہو گئے تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں اُن کو نبی کریمؐ کا سلام پہنچایا اور دعا کی درخواست کی۔ حضرت اویس قرنیؒ کی نسبت سے نسبت اویسیہ وہ نسبت کہلاتی ہے جو کسی مرید کو شیخ سے جسمانی ملاقات کے بغیر حاصل ہو جائے۔

اہلِ اللہ: اللہ والے۔ اولیاء کرام رحمۃ اللہ علیہم

اہلِ دید: دیکھنے والے لوگ۔ صاحب نظر۔ صاحب باطن

اہلِ شنید: سننے والے لوگ

اہلِ شقاوت: بدنصیب لوگ۔ سنگدل لوگ

اہلِ ارشاد: وہ اولیاءؒ ہیں جن کے سپرد مخلوق کی ہدایت، قلوب کی اصلاح و تربیت اور اللہ کا قرب حاصل کرنے کی تعلیم ہوتی ہے، ان اولیاء میں سے اپنے زمانے میں سب سے افضل کو "قطب الارشاد" کہتے ہیں۔

اہلِ تکوین: وہ اولیاء اللہ جن کے سپرد مخلوق کے معاش کی اصلاح، دنیا کا انتظام کرنا ہوتا ہے اُن میں سے سب سے افضل کو قطب التکوین کہتے ہیں۔

اَتھاہ: جس کی گہرائی کا پتا نہ چلے۔

اینٹھن: مروڑ۔ کھنچاؤ

(ب)

بادِ خزاں: پت جھڑ کی ہوا

بادِ بہاری: موسم بہار کی تازہ ہوا

بادِ سموم: بہت گرم ہوا۔ لو

باطن: پوشیدہ چیز۔ اندرون۔ ظاہر کی ضد

بار بردار: بوجھ اُٹھانے والا

بازیچہ: کھلونا

بالیدگی: افزائش۔ بڑھوتی

بام: بالائی منزل۔ صبح۔ سویرا

باہ: قوتِ مردی۔ قوتِ جماع

بایزید بسطامیؒ: آپؒ کا اصل نام طیفور تھا۔ آپ سے جو سلسلۂ تصوف جاری ہوا وہ سلسلہ طیفوریہ کہلاتا ہے۔ طریقت اور تصوف کے دوسرے سلسلے بھی آپ تک پہنچتے ہیں۔ ریاضتوں، مجاہدات اور کرامات میں یکتا اور فرد تھے۔ حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے تھے کہ "اولیاء اللہ میں آپؒ کا وہی مقام ہے جو فرشتوں میں حضرت

در جہاں ہر چیز چیزے می کشد
دُنیا میں ہر چیز دُوسری چیز کو کھینچتی ہے

کُفر کافر را و مُرشد را رُشد
کُفر کافر کو اور ہدایت دینے والا ہدایت لینے والے کو

جبرائیل کا"۔ شہر بسطام میں ۱۴؍ شعبان ۲۳۲ھ کو آپ نے وصال فرمایا۔

بخارا: ماوراء النہر یعنی ترکستان کا ایک مشہور شہر جو کہ تجارت کا مرکز ہونے کے ساتھ علماء و فضلاء کا مولد و مسکن رہا ہے۔ مولانا روم کے دور میں بخارا شہر تمدنی ترقیات کا گہوارہ تھا اور علمائے ظواہر کا وہاں پر مجمع تھا۔ امام بخاریؒ یعنی امام اسماعیل بخاریؒ مؤلف صحیح بخاری اسی شہر کے رہنے والے تھے اور یہیں مدفون ہیں۔ اس وقت یہ روس کی آزاد ریاست ازبکستان کے صوبہ بخارا کا صدر مقام ہے۔

بُختی اونٹ: اُس نسل کا اونٹ جو بخت نصر نے عربی اونٹنی اور عجمی اونٹ سے بنائی تھی۔ یہ سُرخ رنگ کا عظیم الجثہ اونٹ ہوتا ہے۔

بدوں: ماسوا۔ بغیر

بدرجہ اتم: مکمل طور پر

بدطینت: بری عادت والا۔ بدخصلت

برات: نجات۔ آزادی چھٹکارا

بُراق: وہ بہشتی چوپایہ جس پر حضورؐ شبِ معراج کو سوار ہو کر آسمانوں پر تشریف لے گئے۔

بُردہ: غلام

بُردہ فروش: غلاموں کی تجارت کرنے والا

بُردبار: برداشت کرنے والا۔ متحمل۔ صابر

بَرزخ: دو مخالف چیزوں کے درمیان کی چیز۔ مرنے کے بعد قیامت تک کا زمانہ

بَر: خشکی۔ جنگل۔ بیاباں

برگشتہ: بچھڑا ہوا۔ منحرف۔ مخالف

برگ: پتا۔ ورق

بزم: مجلس، محفل

بساط: فرش۔ ہمت، طاقت۔ چوسر اور شطرنج کھیلنے کا کپڑا یا لکڑی

بسیط: کشادہ۔ وسیع

بسیار: بہت زیادہ۔ بے انتہا

بسیار گوئی: بہت زیادہ بولنا

بشرہ: چہرہ۔ حلیہ۔

بصیرت: بینائی۔ دل کی بینائی۔ عقلمندی۔ دانائی

بَعث: مردے کو زندہ کرنا۔ پیغام بر بھیجنا۔

بَعید: دور۔ فاصلے پر۔ علیحدہ۔ قیامت

بغداد: عرب کا مشہور شہر اور عراق کا دارالخلافہ، اسے نوشیرواں بادشاہ نے آباد کیا۔ اس کا اصل نام باغ داد تھا۔ نوشیرواں بادشاہ یہاں ہفتہ میں ایک دفعہ مظلوموں کی دادرسی کیا کرتا تھا۔ کثرت استعمال کی وجہ سے الف "ا" حذف ہو کر بغداد رہ گیا۔ یہ دریائے فرات کے کنارے پر آباد ہے۔ خلفائے عباسیہ کا دارالخلافہ رہنے کی وجہ سے دنیا کے مشہور شہروں میں سے ہے۔ علم و ادب اور شان و شکوہ کا مظہر رہ چکا ہے۔ ہلاکو خان تاتاری کے حملہ کے بعد جس میں اس شہر کے سوا لاکھ افراد قتل ہوئے، اپنی پہلی شان و شوکت پر نہ رہا۔ حضور غوث پاک حضرت میراں محی الدین گیلانی شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا مدفن

آں یکے چوں نیست با اخیار یار
جو شخص نیکوں کا یار نہیں ہے

لاجرم شد پہلوئے فجار جار
لامحالہ بدوں کے پہلو کا پڑوسی بنا

ہونے کی وجہ سے مرجع خاص وعام ہے۔

بقال: سبزی فروش

بقائے دائمی: ہمیشہ کی زندگی۔ حیاتِ جاودانی

بقعہ: زمین کا علاقہ

بلخ: افغانستان کے موجودہ صوبے بلخ کا ایک چھوٹا شہر ہے۔ یہ صوبہ کے صدر مقام مزار شریف سے تقریباً بیس کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ اس کا دنیا کے قدیم ترین شہروں میں شمار ہوتا ہے۔ عرب اس کو ام البلاد یعنی شہروں کی ماں کہتے تھے۔ مولانا رومؒ بھی اسی تاریخی شہر میں پیدا ہوئے۔

بلعم باعور: بنی اسرائیل کے ایک بہت بڑے عالم اور برگزیدہ ولی تھے۔ چونکہ اُس نے حضرت موسیٰ کی قوم کے مخالفین کے حق میں دعا کی تھی۔ اس لیے حضرت یوشعؑ نے اُس کے حق میں بد دعا کی اور اس کی ولایت جاتی رہی اور وہ مردود ہوگیا۔

بلال بن رباحؓ: المشہور سیدنا بلال حبشیؓ: اُمیہ بن خلف کے حبشی النسل غلام تھے۔ اسلام قبول کرنے پر مالک کے بے انتہا ظلم وستم کی وجہ سے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے خرید کر آزاد کر دیا۔ حضرت سیدنا بلالؓ کو مؤذنِ رسولؐ ہونے کا اعزاز بھی حاصل ہے۔

بلائے جان: جان کیلئے مصیبت

بمنزلہ: کے برابر۔ کے مطابق

بنسلی: بانسری۔ نے۔ مرلی

بنی نضیر: یہ یہود کا ایک قبیلہ تھا جو کہ مدینہ کے اطراف میں آباد تھا۔ انہوں نے مخفی طور پر رسول کریمؐ کو قتل کرنے کی سازش کی تھی۔ جس کا رسول کریمؐ پر انکشاف ہوگیا۔ اس جرم کی پاداش میں اُن کو مدینہ کے اطراف سے ۴ ہجری میں جلاوطن کر کے خیبر میں آباد ہونے کی اجازت دے دی گئی۔

بنو قریظہ: یہ یہود کا قبیلہ مدینہ کے اطراف میں آباد تھا۔ رسول کریمؐ نے اُن کے ساتھ ایک معاہدہ کیا تھا۔ جس کی رُو سے فریقین کو دشمن کے مقابلہ میں ایک دوسرے کی مدد کرنا ضروری تھا۔ لیکن غزوہ خندق کے موقع پر مسلمانوں کی مدد تو درکنار یہ مخالفین سے مل کر مسلمانوں سے برسرِ پیکار ہوگئے۔ جب مسلمانوں کو فتح ونصرت ہوگئی تو رسولِ کریمؐ نے اُن لوگوں کو معاہدہ شکنی کی سزا موت دی جو کہ خود یہود کی شریعت کے مطابق تھی۔

بوالفضول: بیہودہ

بوستان: باغ۔ گلستان کی طرح بوستان بھی شیخ سعدیؒ کی دوسری اہم تصنیف ہے۔ جس طرح فارسی نثر میں گلستان کو امتیاز وشرف حاصل ہے، بوستان کو نظم میں وہی درجہ میسر ہے۔ بوستان کی تقریباً تمام حکایات شاعر کی اپنی سرگزشت اور تجربہ ومشاہدات پر مبنی ہیں یہی وجہ ہے کہ اُنہوں نے ان تجربات اور واقعات سے جو اخلاقی نتائج اور پند ومواعظ اخذ کئے ہیں اُن کا پڑھنے والوں کے دل پر گہرا اور دیرپا اثر ہوتا ہے۔

بودا: بزدل۔ لاغر۔ بے مزہ۔ پرانا۔ پُھس پُھسا

بود و باش: سکونت۔ قیام

حق ذاتِ پاک اللہ الصمد
اللہ پاک بے نیاز کی قسم

کہ بُوَد بہ مارِ بد از یارِ بد
بُرے ساتھی سے بُرا سانپ بہتر ہوتا ہے

بحرِ وحدت: وحدت کا سمندر۔ اللہ تعالیٰ
بہمہ وجود: تمام تر وجود کے ساتھ
بہیمیت: جانوروں والی خصوصیات
ہی: ایک پھل کا نام جو کہ سیب سے مشابہ ہے۔
بے بہرہ: بدقسمت۔ بدنصیب
بے تامل: ہچکچاہٹ کے بغیر۔ بے فکر
بے ثباتی: جس میں قرار نہ ہو۔ قابلِ تغیر۔ ناپائیداری
بیچوں: وہ ذات جس کی حقیقت دریافت نہ کی جا سکے۔
بے چون وچرا: بے دلیل۔ کسی عذر کے بغیر
بے سروپا: حیران وپریشان۔ بے بنیاد
بید: بانس کا بے پھل درخت۔ دوسرے درختوں کے پھل سورج کے قرب سے پکتے ہیں جبکہ بید کو اس قُرب کا کوئی فائدہ نہیں۔
بیع: فروخت

(پ)

پاداش: نتیجہ۔ سزا۔ بدلہ
پارہ پارہ کرنا: ٹکڑے ٹکڑے کرنا۔ دھجیاں اُڑانا
پاک طینت: پاک عادت والا
پالان: وہ گدا جو گدھے کی کمر پر بیٹھنے کے لیے کسا جاتا ہے۔
پالن ہار: پالنے والا
پژمردگی: افسردگی۔ کملاہٹ۔ مرجھاہٹ
پچھوا: مغرب سے آنے والی ہوا
پراگندہ: پریشان۔ حیران۔ متفکر
پرتو: عکس۔ سایہ۔ روشنی۔ کرن
پرداختہ: آراستہ کیا ہوا۔ سنوارا ہوا
پردہ دری: عیب کھول دینا
پرکاہ: بہت ہلکا
پرگو: باتونی
پُروا: بادِ مشرق۔ صبا
پروین: سات ستاروں کا جھرمٹ
پڑبال: آنکھ کی ایک بیماری جس میں پلکوں کے اندر سے مڑے ہوئے بال نکل آتے ہیں اور آنکھ کے ڈھیلے میں چبھتے رہتے ہیں۔
پس خوردہ: بچا ہوا اُلش۔ سامنے کا کھانا
پکھال: بڑی مشک۔ پانی بھرنے والا کھال کا تھیلا
پلیدی: ناپاکی۔ نجاست
پنہاں: چھپا ہوا
پوستین: لومڑی کی کھال سے بنا لباس جو کہ سردیوں میں پہنا جاتا ہے۔
پیادہ: پیدل، شطرنج کا مہرہ
پیام بر: قاصد۔ سفیر۔ ایلچی
پیراہن: لباس۔ جامہ۔ کرتا
پیر نابالغ: بے وقوف بوڑھا
پیش خیمہ: کسی واقعہ کی تمہید

پیش بینی: دور اندیشی
پیہم: لگا تار۔ متواتر۔ پے در پے

(ت)

تازیانہ: کوڑا۔ چابک
تام: پورا۔ تمام۔ مکمل
تام: شام۔ گھبراہٹ۔ تانبا
تانا بانا: وہ دھاگے جو کپڑا بننے میں عرض و طول میں دیئے جاتے ہیں۔ عرض (چوڑائی) والے دھاگے کو تانا اور طول (لمبائی) والے دھاگے کو بانا کہا جاتا ہے۔
تاویل: شرح۔ بیان۔ حیلۂ شرعی۔ عذر بیجا
تاویل: شرح۔ بیان۔ حیلۂ شرعی۔ عذر بیجا
تبر: کلہاڑی
تبرا: نفرت۔ لعن۔ بیزاری
تجاہلِ عارفانہ: جان بوجھ کر انجان بننا۔ ارادتاً ناواقفیت ظاہر کرنا۔
تجاذب اجسام: کائنات کے تمام اجسام ایک دوسرے کو اپنی طرف کھینچ رہے ہیں اور اسی تجاذب اور کشش پر نظامِ کائنات قائم ہے۔ یہی وہ مسئلہ ہے جس کی تفاصیل نیوٹن نے کیں۔ اور یہ نظریہ اُس کی طرف منسوب کیا گیا جبکہ مولاناؒ نے سینکڑوں برس قبل یہ نظریہ بیان فرما دیا تھا۔
تجاذبِ ذرات: اب یہ بات جدید سائنس نے سمجھا دی ہے کہ اجسام کی ترکیب ذرات سے ہے اور ان ذرات میں کشش اور تجاذب یکساں نہیں جیسا کہ لوہا اور لکڑی۔ اس مسئلہ کو مولاناؒ نے سینکڑوں سال قبل بیان فرما دیا تھا۔
تجدُّد: نیا ہونا۔ جدت۔ نیا پن
تحریف: تحریر میں اصل الفاظ بدل کر کچھ اور لکھ دینا۔
تحرّی: بہترین کا انتخاب۔ قبلہ کی سمت معلوم نہ ہونے پر خود سے تعین کرنا۔
تحیُّر: حیرانی۔ تعجب۔
تجددِ امثال: ہر چیز کا اُسی جیسا ہر آن ہو جانا' حکماء اور صوفیاء ہر چیز کا منبع و مخرج اور مرجع ذاتِ واحد کو مانتے ہیں اور کائنات کی ہر چیز ہر آن اُسی ذاتِ واحد سے فیض حاصل کر رہی ہے۔ ہر چیز کے تمام قویٰ اور وجود کا منبع ذاتِ واحد ہے۔ چونکہ کائنات کی ہر چیز فانی ہے۔ اُس کے قویٰ اور وجود ہر آن فنا ہو رہا ہے اور جدید قوت اور وجود اسی ذاتِ واحد سے حاصل کر رہی ہے۔ تو گویا کائنات کی ہر چیز ہر آن اپنے موجودہ وجود اور قوت کو فنا کر دیتی ہے اور اُسی جیسا ایک جدید وجود اور قوت حاصل کر لیتی ہے۔ محسوسات میں اس کی مثال اسی طور پر سمجھ لی جائے کہ بجلی کے ایک منبع سے وابستہ تمام قمقمے (بلب) ہر آن ایک نیا کرنٹ منبع سے حاصل کرتے ہیں اور اُن میں ہر آن پہلا کرنٹ ختم ہو کر نیا کرنٹ مرکز سے پہنچ جاتا ہے۔
تخم ریزی: بیج بونا۔ بیج ڈالنا
تدارک: گم شدہ چیز کا پانا
تُرنج: چکوترا (پھل)

تریاق: زہرہ مہرہ۔ زہر کی دوائی

تصرُّف: کچھ کا کچھ کردینا۔ کرامت۔ قبضہ

تعارُض: ایک دوسرے کے مقابل ہونا۔ برابری کرنا

تعدُّد: تعداد میں زیادہ ہونا۔ کثرت۔ بہتات

تعیُّنات: تقرریاں۔ نوکری۔ فرض

تغیرات: تبدیلیاں

تضرُّع: رونا۔ منت سماجت

تفاوُت: فاصلہ۔ دوری۔ فرق

تفریس: غیر زبان کے لفظ کو فارسی بنانا۔ بگاڑنا

تقدُّمِ زمانی: پہلا زمانہ

تقدیس: پاکیزگی۔ پاکی

تقدیم: پیش کرنا۔ مقدم سمجھنا۔ ترجیح دینا۔ فوقیت

تُف: تھوک۔ لعنت

تموُّل: دولت مندی۔ مال داری

تنازع للبقا: ہر چیز دوسری چیز کو کھا جاتی ہے اور پھر کھانے والی چیز کی غذا بن جاتی ہے۔ زندگی کی دوڑ دھوپ۔ کشمکش حیات

تناسُخ: اس عقیدے کے مطابق روح اپنی جزا اور سزا کے اعتبار سے مختلف حیوانات کا جسم اختیار کرتی رہتی ہے اور یہ سلسلہ کروڑ ہا برس تک اسی طرح چلتا رہتا ہے۔

تحیُّر، حیرت یا مقام حیرت: وہ مقام یا کیفیت جس میں تجلیات ربّ کی فراوانی کی وجہ سے سالک کی ذکر و فکر کی طرف توجہ نہیں رہتی۔ یہاں سالک کو ان چیزوں سے استغناء حاصل ہو جاتا ہے اور وہ بحث و مباحثے سے بھی گریز کرتا ہے۔ رسول کریمؐ نے فرمایا: اَللّٰھُمَّ زِدْنِیْ فِیْکَ تَحَیُّرًا (ترجمہ) ''اے ہمارے رب! اپنے بارے میں مجھے زیادہ سے زیادہ حیرانی عطا فرمادے''۔

تنافُر: نفرت۔ بیزاری۔ کراہت

تن پروری: آرام طلبی۔ عیش پرستی۔ خود غرضی

تُندی: تیزی۔ چڑچڑاپن۔ سختی۔ غصہ

تنزل: زوال۔ گھٹاؤ۔ کمی

تنزیہہ: بری باتوں سے دُور رکھنا۔ عیب سے پاک کرنا

توابع: پیرو۔ ملازم۔ ماتحت

تورات: الہامی کتاب جو کہ حضرت موسیٰؑ پر نازل ہوئی۔

توسُّل: وسیلہ ڈھونڈنا۔ ذریعہ۔ سفارش

توشہ: سامان۔ زادِ راہ

تہہ دل: نہایت خلوص سے۔ سچے دل سے

تہی دست: خالی ہاتھ۔ مفلس۔ غریب

تیشہ: ایک اوزار جس سے پتھر توڑتے، لکڑی کاٹتے اور اینٹ گھڑتے ہیں

تیمم: پاک کرنا، طہارت، اگر غسل و وضو کے لیے پانی نہ ملے تو دونوں ہتھیلیاں مع انگلیوں کے پاک مٹی یا کسی اور چیز پر (جس سے مٹی چھٹتی ہو) مارتے ہیں اور اس کے بعد منہ اور بازو پر پھیرتے ہیں۔

جاہل ار باتو نماید ہمدلی
اللہ اور دین کے جاہل سے صحبت نہ کر

عاقبت زخمت زند از جاہلی
وہ اپنی جہالت سے تمہیں نقصان پہنچائے گا

تیہ: وہ بیابان جس میں بنی اسرائیل چالیس سال تک محبوس اور مقید رہے۔ حضرت موسیٰ نے بنی اسرائیل کو عمالقہ سے جنگ کرنے کا حکم دیا جو کہ ملک شام پر قابض تھے۔ بنی اسرائیل نے حیلے بہانے سے اس جہاد میں شرکت سے انکار کردیا۔ اس جرم کی پاداش میں اللہ تعالیٰ نے اُن کو تیہ کے میدان میں مقید کردیا۔ وہ اس میں بھٹکتے پھرتے تھے اور اُن کو اس جنگل بیاباں سے نکلنے کا راستہ نہ ملتا تھا۔ یہ جماعت حضرت یعقوبؑ کے کسی ایک فرزند کی نسل میں سے تھی اور پچاس ہزار افراد پر مشتمل تھی۔ یہ لوگ تمام دن راستہ طے کرتے تھے۔ صبح کو سو کر اُٹھتے تو اپنے آپ کو اسی مقام پر پاتے جہاں سے گزشتہ صبح کو چلے تھے۔

(ث)

ثمرہ: حاصل۔ فائدہ۔ بدلہ

ثنا گو: تعریف کرنے والا۔ مداح

ثنویہ: وہ فرقہ جو دو خداؤں کا قائل ہے۔ خالق خیر کو ''یزداں'' اور خالق شر کو ''اہرمن'' کہتا ہے

(ج)

جالوت: کافر بادشاہ جو کہ قومِ عاد سے تھا اور بنی اسرائیل کا دشمن تھا۔ جالوت کی موت طالوت بادشاہ کے دور میں دورانِ جنگ حضرت داؤدؑ کے ہاتھوں ہوئی۔

جالینوس حکیم: یہ یونان کا مشہور حکیم ہے جو کہ سکندر یونانی سے پچاس سال پہلے ہوا تھا۔ اس نے علم طب میں چار سو کتابیں تصنیف کیں۔

جامِ رحیق: صاف شراب کا جام

جامیؒ: آپ کا نام نورالدین عبدالرحمٰن تھا اور جامی تخلص۔ خراسان کے قصبہ جام میں 817ھ کو پیدائش ہوئی۔ روحانی تربیت مشہور نقشبندی بزرگ حضرت شیخ سعد الدین محمد کاشغریؒ نے کی۔ حضرت شیخ سعد الدینؒ کا سلسلہ طریقت دو واسطوں سے حضرت شیخ بہاؤالدین نقشبندؒ سے جا ملتا ہے۔ حضرت جامیؒ اپنے وقت میں علوم شریعت و طریقت کے شہباز تھے۔ آپ صحیح معنوں میں ایک درویش اور صوفی تھے۔ عاشق رسولؐ تھے۔ 18 محرم 898ھ بعمر 81 سال ہرات میں وصال پایا۔ خیابان ہرات میں اپنے مرشد کے مزار کے قریب دفن کیے گئے۔ آپ کی تصنیفات کا ایک طویل سلسلہ ہے۔ نثر و شاعری دونوں میں آپ کی 44 کتب ہیں۔ آپ کا نعتیہ کلام ہر ہر دور میں عشاق کے دلوں میں گونجتا رہا ہے۔

جاں فزا: فرحت انگیز۔ دل کو خوش کرنے والا

جاں گداز: جان کو گھلانے والا۔ دل پر اثر کرنیوالا

جاناں: محبوب

جھاؤ: ایک قسم کا پودا جو دریا کے کنارے اُگتا ہے اور اُس سے ٹوکریاں وغیرہ بنائی جاتی ہیں۔ کپڑا وغیرہ ناپنے کے لکڑی کے آلے کو بھی کہا جاتا ہے۔

جبرائیلؑ: فرشتوں کے سردار ان کے ذمہ اللہ کا پیغام اور وحی انبیاءؑ کے پاس لے کر آنا ہے۔

جبری: زبردستی۔ مجبور کرکے

آں زماں کہ بحثِ عقلی ساز بود
جس زمانہ میں عقلی بحث بپا تھی

ایں عُمر با بُوالحکم ہمراز بود
یہ حضرت عمرؓ ابوجہل کے ساتھ ہمراز تھے

جبریہ: وہ فرقہ جس کا عقیدہ ہے کہ انسان کو اپنے اعمال و افعال پر کوئی اختیار نہیں ہے۔

جبر و قدر: اس مسئلہ کی بنیاد اس نظریہ پر ہے کہ انسان اپنے افعال کا خود خالق ہے یا انسان کے افعال کا خالق بھی اللہ تعالیٰ ہے۔

جبلت: سرشت۔ فطرت۔ طبیعت

جرجیس علیہ السلام: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ایک حواری کے شاگرد جو کہ فلسطین میں رہتے تھے۔ یہ پیغمبر متعدد بار قتل کئے گئے لیکن قدرتِ الٰہی ہر بار اُن کو زندہ کر دیتی۔

جزو لاینفک: وہ حصہ جو علیحدہ نہ ہو سکے۔ اٹوٹ انگ۔

جسم مثالی: اہل شروع اور اہل تصوف متعدد عوالم کو موجود مانتے ہیں۔ جن میں سے ایک عالمِ شہود ہے۔ وہ یہی عالم ہے کہ جس میں ہم سب اس زندگی کے ساتھ موجود ہیں۔ یہاں تمام اجسام سادہ اور عنصر سے بنے ہیں۔ اس کے علاوہ ایک عالمِ مثال ہے جس میں ہر وہ مخلوق جو عالمِ شہود میں ہے اُس عالم میں ہے۔ اس عالم میں بھی ہے۔ لیکن اُس عالم میں مادہ اور عناصر کا وجود نہیں ہے۔ وہ موجود جسم کو عنصری نہیں بلکہ جسم مثالی کہتے ہیں۔

جُست: چھلانگ۔ پھاند

جِست: ایک دھات کا نام

جسد عنصری: مادی جسم

جسمانی علائق: جسمانی تعلقات۔ جسمانی بکھیڑے

جسمانی عوارض: جسم کا دکھ۔ بیماریاں

جمادات: بے جان چیزیں جیسے دھات۔ پتھر۔ معدنی اشیاء

جذب: کشش۔ چوسنا

جنس: پیداوار۔ اسباب۔ صنف۔ نسل

جوحی: ایک فرضی شخصیت جس کی طرف فارسی ادب میں بہت سے پُر مذاق قصے منسوب ہیں جیسے کہ اُردو ادب میں مُلّا دو پیازہ یا شیخ چلی۔

جور و جفا: ظلم و زیادتی

جوع البقر: وہ انسان جس میں انسان کھاتا رہتا ہے اور اُس کا دل نہیں بھرتا۔

جولاہا: کپڑا بُننے والا

جوہر: قیمتی پتھر۔ خلاصہ۔ لب لباب۔ اصل حقیقت

جولانی: گھوڑے کی دوڑ۔ طبیعت کی روانی۔ رفتار کی تیزی۔ پھرتی

جہات: سمتیں۔ طرفین۔ جہت کی جمع

جہادِ اصغر: کافروں سے جہاد۔

جہادِ اکبر: نفس سے جہاد

جوئے آب: جنت میں پانی کی نہر

جوئے انگبین: جنت میں شہد کی نہر

جوئے شیر: جنت میں دودھ کی نہر

جوئے یا بود: جنت میں شراب کی نہر

جویا، جویاں: ڈھونڈنے والا، تلاش کرنے والا

جیحوں: ترکستان کا ایک مشہور دریا جو جھیل ارال میں گرتا ہے۔

چوں عمرؓ از عقل آمد سوئے جاں
عمرؓ جب عقل سے رُوح کی طرف آئے

بوالحکم بوجہل شد در بحثِ آں
اُن کی بحث میں بوالحکم، ابوجہل بن گیا

(چ)

چار میخ: سزا کا ایک طریقہ جس میں مجرم کے چاروں ہاتھ پاؤں کیلوں سے باندھ دیے جاتے ہیں۔

چاشت: پہر دن چڑھے کا وقت۔ صبح کا کھانا۔ حاضری۔ ایک نفلی نماز جو پہر دن چڑھے پڑھتے ہیں۔

چاہِ بابل: شہر بابل کا ایک کنواں۔ جس کی بابت کہتے ہیں کہ ہاروت و ماروت دونوں فرشتے وہاں قید ہیں۔

چرب زبان: چکنی چپڑی باتیں کرنے والا۔ خوشامدی

چغد: الو کی ایک چھوٹی قسم

چقماق: ایک پتھر جس میں سے آگ نکلتی ہے۔

چگونگی: کیفیت۔ اصلیت۔ خاصیت

چلبی: شریف مہذب اور خوش خلق۔

چُندھا: وہ شخص جس کی آنکھیں روشنی کی تاب نہ لاسکیں۔

چھاچھ: دہی بلو کر مکھن نکالنے کے بعد باقی رہ جانے والی لسی۔

(ح)

حال: وجد۔ بیخودی۔ موجودہ زمانہ۔

حاتم طائی: قبیلہ بنو طے کے مشہور سخی سردار جو رسول کریم کی نبوت سے قبل وفات پا گئے۔ اُن کے صاحبزادے عدی بن حاتم مسلمان ہوئے تھے۔

حادث: قدیم کی ضد۔ نئی چیز جو پہلے نہ ہو فانی

حاذق: ماہر

حُبِّ جاہ: منصب و رتبہ کی محبت

حجاج بن یوسف ثقفی: خلیفہ عبدالملک مروانی کے دور کا عراق کا مشہور ظالم گورنر

حجت: دلیل۔ بحث۔ تکرار

حدیقۃ الحقیقت: تصوف کے موضوع پر پہلی منظوم کتاب جو کہ حکیم سنائیؒ کی فارسی شاعری کا شاہکار۔ اس کو تصوف کے موضوع پر فارسی شاعری کی پہلی کتاب ہونے کا اعزاز بھی حاصل ہے۔ مولانا رومؒ حکیم سنائیؒ اور حدیقۃ الحقیقت کو بہت عزت اور قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

حُسن: خوبصورتی

حُر: آزاد۔ جو کسی کا غلام نہ ہو۔ جمع احرار

حرم سرا: زنانخانہ۔ بیگموں اور حرموں (لونڈی، کنیز) کے رہنے کی جگہ

حریم: گھر کی چار دیواری۔ خانہ کعبہ کی بیرونی دیوار۔ مکان۔ گھر

حریر: ریشمی کپڑا

حسن ازلی: ہمیشہ سے حسین

حسنات: نیکیاں۔ بھلائیاں

حقانیت: خدا کی طرف منسوب ہونا۔ سچائی۔ صداقت

حق بین: سچی بات پر نظر رکھنے والا

حق پرست: سچا آدمی۔ حق بات کرنے والا

حق الیقین: تصوف کی اصطلاح۔ اللہ کو دل کی آنکھ سے دیکھنا۔

من بجُحت برنیایم با بلیس
میں دلیل کے ذریعے شیطان سے نہیں جیت سکتا

کوست فتنہ ہر شریف و ہر خسیس
کیونکہ وہ ہر شریف و ذلیل کے لئے فتنہ ہے

اللہ پر پورا یقین۔
حلقوم: گلا، نرخرہ، سینے اور گلے کے بیچ کا گڑھا
حلم: بردباری، برداشت، نرمی
حلیمہ سعدیہؓ: قبیلہ بنو سعد کی خوش نصیب خاتون، جن کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ انہوں نے رسولِ کریمؐ کو دودھ پلایا اور چھ سال تک آپؐ کی دیکھ بھال کی۔ لہٰذا یہ آپؐ کی رضاعی ماں ہیں۔
حیلہ باز: مکاری۔ فریبی۔ دغابازی
حیف: افسوس
حیرت: دیکھیے۔ تحیُّر
حواسِ خمسہ: پانچ ظاہری حسّیں، دیکھنے، سننے، سونگھنے، چکھنے اور محسوس کرنے کی حسّیں
حوادث: تکلیفیں۔ مصیبتیں۔ حادثہ کی جمع

(خ)

خارپشت: اس کو اُردو میں سیہ کہتے ہیں۔
خارج: کافر۔ مرتد۔ علیحدہ
خازن: خزانچی
ختن: ترکستان کا ایک علاقہ جہاں کا مشک مشہور ہے۔
خر: گدھا
خراسان: موجودہ ایران کا صوبہ۔ جس میں مشہد شریف کا شہر بھی ہے۔ قدیم وقتوں میں خراسان ایران کے مشرق اور افغانستان کے مغرب میں ایک ملک تھا۔ جس میں ہرات، مشہد اور بلخ مشہور شہر تھے۔
خرمن: کھلیان۔ غلے کا وہ ڈھیر جس میں سے بھوسا الگ نہ کیا گیا ہو۔
خریف: موسم خزاں
خود بیں: مغرور۔ متکبر۔ خود پسند
خدیو: خداوند، آقا، مصر کے بادشاہوں کا لقب
خس: سوکھی گھاس، ایک خاص قسم کی خوشبودار گھاس
خشت: اینٹ
خصیے: بیضے، ٹٹے
خضرؑ: ایک پیغمبر جن کی نسبت مشہور ہے کہ انہوں نے آبِ حیات پیا ہے اور وہ قیامت تک ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ کچھ اہلِ علم کے نزدیک آپ ولی اللہ ہیں۔ اُن کو اس وجہ سے خضر کہا جاتا ہے کہ اُن کی کرامت یہ ہے کہ جہاں بیٹھ جاتے ہیں۔ وہاں سبزہ اُگ آتا ہے۔
خفی: پوشیدہ۔ چھپا ہوا
خفتہ: سویا ہوا۔ خوابیدہ
خلاق: بہت زیادہ پیدا کرنے والا۔ اللہ کا صفاتی نام
خلعت: وہ پوشاک جو بادشاہ یا امراء کی طرف سے بطور عزت افزائی ملے۔ تحفہ۔ عطیہ تحسین
خم: ٹیڑھ۔ جھکاؤ
خُم: شراب کا مٹکا یا پیالہ
خناق: ایک مرض جس میں گلے اور حلق پر ورم آ جاتا ہے اور سانس

بند ہو جانے کی وجہ سے موت واقع ہو جاتی ہے۔

خُو: عادت

خواجہ تاش: ایک آقا کے دو غلام ہوں تو ہر ایک دوسرے کا خواجہ تاش کہلائے گا۔

خوان: دستر خوان۔ تھال۔ طشت

خوش اِلحان: اچھی آواز والا۔ سُریلا

خوگر: عادت، خصلت، رسم و رواج

خیبر: مدینہ منورہ کے نزدیک مشہور قلعہ جسے حضرت علیؓ نے یہودیوں سے فتح کیا تھا۔

خیر الخلائق: مخلوقات میں سے سب سے بہتر۔ مراد رسولِ کریمؐ

(د)

داد و دہش: فیاضی

دار العمل: عمل کی جگہ۔ مراد دنیا

داؤدؑ: عبرانی لفظ ہے۔ معنی محبوب اور عزیز کے ہیں۔ ایک پیغمبر کا نام جو کہ حضرت سلیمانؑ کے والد تھے۔ آسمانی کتاب زبور حضرت داؤدؑ پر نازل ہوئی۔

داعیہ۔ داعی: دعوت دینے والا۔ دعا کرنے والا

دامِ فریب: فریب کا جال یا پھندا

دباغ: کچا چمڑہ رنگنے والا

دُبُر: پیٹھ۔ پیچھا۔ پشت۔ کسی چیز کا پچھلا حصہ۔ مقعد

دَبُور: پچھوا ہوا۔ بادِ صبا۔ بادِ نسیم

دجلہ: ایشیائی روم کے مشہور دریا کا نام جو بغداد کے نیچے بہتا ہے

دُخترانِ نعش یا بنات النعش: بنات تین ستارے ہیں اور نعش چار ستاروں کا مجموعہ ہے۔ بنات النعش اُن سات ستاروں کے مجموعے کو کہتے ہیں جو چار پائی کی صورت میں نظر آئے۔

دُر: موتی

دردِ زہ: بچہ پیدا ہونے کا درد

دُرِ یکتا: اکیلا موتی۔ نایاب موتی

درگاہ: آستانہ، خانقاہ، دربارِ شاہی

درماں: علاج

دفینہ: دفن کیا ہوا مال، گڑا ہوا خزانہ

دقیانوسی: پرانا۔ قدیمی۔ فرسودہ

دَمڑی: چھدام۔ پیسے کا چوتھا حصہ

دمِ عیسیٰؑ: حضرت عیسیٰؑ نے گارے سے چمگادڑ کی شکل کا ایک پرندہ بنایا اور اُس پر دم کیا تو وہ اُڑنے لگا۔

دنیوی علائق: دنیاوی بکھیڑے۔ دنیاوی تعلقات

دوئی: دوپن

دہریہ: وہ فرقہ جو اللہ تعالیٰ کو نہیں مانتا اور یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ یہ نظامِ کائنات خود بخود چل رہا ہے اور بغیر کسی متصرف کے اسی طرح قدیم سے چلا آ رہا ہے چونکہ یہ دہر اور زمانے کو متصرف مانتا ہے اس لیے ان کو دہریہ کہا جاتا ہے۔

دِیت: خون بہا۔ جرمانہ

گر تو خواہی ایں شقاوت کم شود
اگر تُو چاہتا ہے کہ تیری یہ بدبختی کم ہو جائے

جُہد کُن تا از تو حِکمت کم شود
کوشش کر کہ تیری دانائی کم ہو جائے

دیدنی: دیکھنے کے قابل۔ دیکھا ہوا

دیدہ ور: ہوش مند، صاحب نظر

دیوث: بے حیا مرد، بیوی کی بدکاری سے جانتے بوجھتے ہوئے چشم پوشی کرنے والا بھڑوا، وہ شخص جو دوسروں کی بیوی سے فسق کرتا ہے۔

ڈوم: مغنی۔ میراثی۔ قوال

ڈینگیں: شیخی۔ لاف زنی۔ تعلّی

(ذ)

ذکاوت: ذہن کی تیزی۔ ذہانت

ذریت: تخم۔ اولاد۔ نسل

ذی حس: جاندار۔ احساس رکھنے والا

(ر)

راحت رسانی: آرام پہنچانا

راست رُو: سیدھا چلنے والا۔ ایماندار

راضی برضا: اللہ کے حکم پر راضی

راندۂ درگاہ: درگاہِ الٰہی یا دربار بادشاہی سے نکالا ہوا۔

راہ رَو: مسافر۔ راہ گیر

رَباب: ایک قسم کی سارنگی

رُباط: سرائے

ربیع: موسم بہار

رزم و بزم: میدانِ جنگ اور محفل، برائی اور عیش و عشرت کی جگہ۔

رذیلہ: کمینگی۔ اوچھاپن

رعشہ: لرزہ، ایک بیماری جس میں ہاتھ پاؤں خود بخود ہلتے ہیں

رِفعت: بلندی۔ ترقی۔ عزت۔ بزرگی

رموز: رمز کی جمع۔ اشارہ۔ راز۔ بھید

رَنجور: رنج و غم۔ بیمار۔ افسردہ

رنڈی: رقاصہ۔ بازاری عورت

رَوزن: سوراخ۔ روشندان۔ شگاف

روئے سخن: بات کا رُخ۔ خطاب

روِش: طور طریقے

رَے: عراق کا ایک مشہور شہر، علامہ فخر الدین اسی کی نسبت سے رازی کہلاتے تھے۔

رَہٹ: وہ چرخ جس کے ذریعے کنویں سے پانی نکالتے ہیں۔

(ز)

زار و زار: دبلا پتلا۔ کمزور۔ ناتواں۔ لاغر

زاغ: کوا۔ کاگ۔ کمان کے گوشے کی نوک۔ موسیقی کے ایک راگ کا نام

زبور: الہامی کتاب جو کہ حضرت داؤدؑ پر نازل ہوئی۔

زعم: گمان۔ ظن۔ غرور

زکا: بڑھنا۔ زیادہ ہونا۔ امیر۔ فوراً ادا کرنے والا

زُمرے: جماعت، ہمراہی فوج

زَمہریر: نہایت سردی۔ دوزخ کا وہ حصہ جس میں سردی کا عذاب دیا جائے گا۔

گر تو خواہی ایں شقاوت کم شود
اگر تو چاہتا ہے کہ تیری یہ بدبختی کم ہو جائے

جہد کن تا از تو حکمت کم شود
کوشش کر کہ تیری دانائی کم ہو جائے

زُنّار: صلیب کا دھاگہ جو عیسائی اپنے گلے میں لٹکاتے ہیں۔
زنجبیل: سونٹھ۔ بہشت کی ایک نہر کا نام
زنگی: حبشی۔ ملک زنجبار کا رہنے والا
زیرِ نگیں: ماتحت۔ حکومت میں۔ تصرف میں
زیر و بم: نیچا اور اونچا سُر۔ طبلے یا نقارے کا دایاں بایاں رُخ' زیر کا مطلب ہلکا سُر اور بم کا مطلب بھاری سُر۔

(س)

ساربان: اونٹ والے
سالک: راہ چلنے والا۔ تصوف کی اصطلاح میں قربِ الٰہی کا متمنی
سامری: ایک یہودی جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں چاندی سونے کا ایک بچھڑا بنا کر بنی اسرائیل سے اُس کی پرستش کروائی۔
سبا: یمن کا قدیم نام جس کی حکمران ملکہ بلقیس تھی اور بعد از قبول ایمان' حضرت سلیمانؑ کے نکاح میں آئیں۔
سببیّت: یہ اصول کہ ہر شے کا کوئی سبب یا علت ہوتی ہے۔
سِبطی: بنی اسرائیل کا فرد' حضرت یعقوب کی اولاد' حضرت موسیٰ کی قوم کا فرد
سبک روی: تیز چال
ستار: پردہ پوش۔ اللہ تعالیٰ کا صفاتی نام
سجّین: دوزخ کی ایک گھاٹی
سحر: جادو۔ سحر کا تعلق محض ساحر کی توجہ اور تصرف سے ہے۔ لہٰذا جادوگر کی غفلت کے وقت سحر کا کوئی اثر نہیں رہتا
سِدرہ: بیری کا درخت
سدرۃ المنتہیٰ: بیری کا وہ درخت جو ساتویں آسمان پر ہے۔ جو حضرت جبرائیل کی پرواز اور مخلوق کے علم کی انتہا ہے
سِرّ: باطن' ذاتی رائے
سَراب: ریتلی زمین کی وہ چمک جس پر چاند' سورج کی چمک سے پانی کا دھوکا ہوتا ہے۔ دھوکا ہی دھوکا
سربمہر: بند کر کے مہر لگایا ہوا۔ جسے سیل کر دیا گیا ہو۔
سربستہ: چھپا ہوا۔ پوشیدہ
سرشت: خُو۔ خصلت۔ عادت۔ مزاج
سرمدی عشق: غیر فانی عشق' دائمی عشق' خدائی یا حقیقی عشق
سرگراں: خفا۔ ناراض۔ برہم۔ جو نشے کے خمار میں ہو
سُرعت: جلدی۔ تیزی۔ پھرتی
سعادت: اقبال مندی۔ خوش نصیبی
سَعد: مبارک۔ نیک۔ چاند کی بائیسویں منزل
سَعدیؒ: شیخ شرف الدین مصلح سعدی شیرازیؒ: نام شرف الدین' لقب مصلح اور تخلص سعدیؔ شیراز (ایران) اُن کا وطن تھا۔ شیراز صدیوں ایران کا پایہ تخت اور علوم و فنون کا مرکز رہ چکا ہے۔ پیدائش تقریباً 491ھ میں اور وفات 589ھ میں ہوئی۔ اس طرح شیخ نے ایک سو سال سے زیادہ عمر پائی۔ تخلص سعدی کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ شیخ کے والدِ محترم عبداللہ شیرازی' بادشاہ اتابک سعد زنگی کے

حکمتے کز طبع زاید وز خیال
وہ دانائی جو خیال یا طبیعت سے پیدا ہو

حکمتے بے فیضِ نورِ ذُوالجلال
وہ دانائی اللہ کے نُور سے بے فیض ہے

ملازم تھے اور شیخ نے اسی بادشاہ کے عہد میں شاعری شروع کی اس لیے اُن کے نام کی نسبت سے اپنا تخلص سعدی قرار دیا۔ آپ نے ابتدائی تعلیم شیراز میں حاصل کرنے کے بعد علم و علماء کے مرکز بغداد کے شہرہ آفاق دارالعلوم نظامیہ میں داخلہ لیا۔ آپ اپنے وقت کے نہایت جلیل القدر اُستاد علامہ ابوالفرج عبدالرحمن بن جوزی کے شاگرد خاص تھے۔ آپ کی جادوبیانی اور فصاحت و بلاغت کا شہرہ آپ کی زندگی ہی میں چہار سو پھیل چکا تھا۔ طریقت میں آپ شیخ شہاب الدین عمر سہروردیؒ سے فیض یافتہ ہیں۔

سَعید: نیک۔ بھلا۔ مبارک۔ خوش نصیب

سِفلی: پستی کا۔ نچلے درجے کا' وہ منتر' جادو یا عمل جس میں خبیث ارواح سے مدد لی جاتی ہے۔

سقا: پانی لانے یا پلانے والا۔ ماشکی

سُقوط: گر پڑنا۔ جنگ ہارنا' خطا کرنا۔ کسی حرف کا وزن شعر کے خلاف ہونا۔

سُکر: خمار۔ نشہ۔ بے ہوشی۔ وہ کیفیت جس میں سالک کے لیے ظاہری و باطنی احکام میں فرق اُٹھ جائے۔

سکورا: مٹی کا پیالہ

سکندر ذوالقرنین: ایک خدا پرست اور برگزیدہ بادشاہ' جس کا قصہ قرآن پاک میں مذکور ہے۔ آبِ حیات کی جستجو اور اُس سے محرومی کا قصہ بھی اسی کی طرف منسوب ہے۔ یہ سکندرِ اعظم جس کو سکندر رومی (یونانی) بھی کہتے ہیں کے علاوہ شخصیت ہے۔ سکندر رومی شاہ یونان تھا۔ جس نے دارا شاہ ایران کو شکست دی تھی۔ یہ سکندر ذوالقرنین سے صدیوں بعد گزرا ہے۔

سلسبیل: بہشت کی ایک نہر۔ خوشگوار چیز۔

سماک: انتہائی بلندی پر دو ستارے ہیں۔ ایک کو سماکِ اعزل اور دوسرے کو سماکِ رامح کہتے ہیں۔

سمک: قدیم عقیدے کے مطابق وہ مچھلی جس پر زمین ٹکی ہوئی ہے۔ یعنی زمین کا سب سے نچلا طبقہ

سمن: چنبیلی کا پھول۔ یاسمین کا مخفف

سمور: لومڑی کی قسم کا ایک جانور جس کی کھال سُرخی مائل بسیاہی ہوتی ہے۔ اس کے بال بہت نرم ہوتے ہیں اور اُس سے عمدہ و قیمتی لباس بنتے ہیں۔

سنائیؒ: حکیم ابوالمجید مجدد بن آدم سنائی غزنویؒ فارسی کے عظیم شاعر تھے۔ 1100ء سے 1200ء کے درمیان افغانستان کے شہر غزنی میں رہتے تھے۔ بہرام شاہ بادشاہ کے دربار سے وابستہ تھے۔ اُسی عرصہ میں تصوف سے وابستگی کی وجہ سے دربار سے علیحدگی اختیار کرلی۔ اُن کی شاعری نے بعد میں آنے والے فارسی شعراء اور فارسی ادب پر گہرا اثر ڈالا۔ وہ فارسی زبان کے پہلے شاعر خیال کیے جاتے ہیں۔ جنہوں نے قصیدہ' مثنوی اور غزل کی اصناف کو اپنے فلسفیانہ مسائل تصوف کے اظہار کا ذریعہ بنایا۔

سنگِ خارا: ایک قسم کا نیلگوں پتھر

سنگریزے: کنکر۔ روڑی۔ بجری

جھکتے کز طبع زاید و ز خیال
وہ دانائی جو خیال یا طبیعت سے پیدا ہو

حکمتے بے فیضِ نورِ ذوالجلال
وہ دانائی اللہ کے نور سے بے فیض ہے

سنگسار: پتھر مار مار کر ہلاک کر ڈالنا۔ شرع اسلامی میں زانی اور اغلامی کی ایک سزا

سُورن: سونا' طلا

سوز: درد۔ مرثیہ خوانی کی ایک طرز۔ جلن

سوزش: جلن۔ کھولن۔ درد۔ تکلیف

سوختہ: جلا ہوا' مصیبت زدہ' افسردہ

سوفسطائیہ: توہم پرست فلاسفہ کے ایک گروہ کا پیرو۔ یہ فلاسفہ اشیاء کی حقیقت کے منکر ہیں

سیّات: برائیاں۔ بدیاں

سیمرغ: ایک بڑا خیالی پرندہ جس کا وطن کوہ قاف بتایا جاتا ہے

(ش)

شافعیؒ (امام شافعیؒ): بہت بڑے مجتہد اور امام اور چاروں اماموں میں سے ایک' اصل نام محمد بن ادریس بن عباس بن عثمان بن شافع تھا۔ ۵۴ سال کی عمر پا کر ۲۰۴ھ میں وصال پایا۔

شاق: دوبھر۔ مشکل۔ دستور۔ ناگوار

شاہنامہ فردوسی: یہ فردوسی کا فارسی شاعری کا شاہکار ہے۔ لغوی معنی بادشاہوں کی کتاب کے ہیں۔ اس میں فردوسی نے ایران کے قدیم بادشاہوں کے حالات و واقعات بیان کئے ہیں اس ضخیم کتاب کو فردوسی نے (30) تیس سال کے عرصہ میں مکمل کیا اور اس کے اشعار کی تعداد تقریباً (50,000) پچاس ہزار ہے۔

شائبہ: آمیزش۔ شک۔ احتمال

شبکوک: وہ فقیر جو درخت پر بیٹھ کر رات کو بھیک مانگے تاکہ اُس کو کوئی دیکھ نہ سکے

شُتر: اونٹ

شُجاع: بہادر۔ دلیر۔ جری

شرح: تفسیر۔ کھول کر بیان کرنا۔ نرخ۔ بھاؤ

شرف: بزرگی۔ بلندی۔ ترجیح۔ فوقیت۔ کسی سیارے کا اپنے اصلی برج میں واپس آنا

شَش جہات: چھ اطراف مشرق' مغرب' شمال' جنوب اوپر نیچے تمام عالم۔ پوری کائنات

شفق: سرخی جو طلوع آفتاب سے پیشتر صبح کو اور غروب آفتاب کے بعد نمودار ہوتی ہے۔

شفیع: سفارش کرنے والا' رسول کریمؐ کے ۹۹ ناموں میں سے ایک مبارک نام

شقاوت: بدبختی۔ بدنصیبی۔ سنگدلی

شق القمر: حضورؐ کا کفار کے طلب کرنے پر چاند کے دو ٹکڑے کر دینے کا معجزہ

شقِ صدر: رسول کریمؐ کے سینہ مبارک کو چاک کیا جانا' پہلی مرتبہ ایسا آپؐ کے بچپن میں ہوا۔ دوسری مرتبہ آپ کی عمر مبارک دس برس تھی۔ تیسری مرتبہ آپؐ کی بعثت کے وقت بعمر ۴۰ سال اور چوتھی مرتبہ واقعہ معراج کے وقت ایسا پیش آیا

شقی: سنگدل و بدبخت

شکست و ریخت: ٹوٹ پھوٹ۔ نقصان

شنیدنی: سننے کے قابل، قابلِ سماعت

شور زمین: وہ زمین جس میں نمک یا شورہ ہو۔ ناقابلِ استعمال زمین

شورش: فتنہ۔ فساد۔ ہنگامہ۔ بلوہ

شہاب: ٹوٹنے والا ستارہ

شہسوار: گھوڑے کی سواری کا ماہر۔ اپنے شعبے کا ماہر

شہوت: خواہش۔ آرزو۔ حصولِ لذت۔ خواہش جماع۔ جنسی خواہش

شیطنت: سرکشی، تکبر

(ص)

صاحب: دوست۔ ساتھی۔ خدا۔ مالک۔ خاوند۔ کلمہ تعظیم

صاحبقراں: وہ خوش نصیب جس کی ولادت یا نطفہ کے استقرار کے وقت زحل اور مشتری ایک ہی برج میں ہوں

صالحؑ: نیک۔ پارسا۔ پرہیزگار۔ ایک پیغمبر جو اللہ کی طرف سے قومِ ثمود میں بھیجے گئے۔

صلاح الدین زرکوبؒ: حضرت شمس تبریزؒ کی جدائی کے بعد مولانا رومؒ نو برس تک حضرت صلاح الدین زرکوبؒ کی صحبت میں رہے۔ اُن کا وصال ۶۲۶ھ میں ہوا۔ وہ مولانا رومؒ کے اُستاد حضرت سیدنا برہان الدین محققؒ سے بیعت تھے۔ اُنھوں نے مولانا رومؒ کی صحبت میں اپنا سب کچھ لٹا دیا۔ صاحبِ حال بزرگ تھے۔

صبوح: صبح کی شراب

صبیح: حسین

صانع: کاریگر۔ بنانے والا۔ پیدا کرنے والا

صبحِ صادق: نور کا تڑکا۔ پو پھٹنا

صبحِ کاذب: صبح کی روشنی جس کے بعد پھر اندھیرا ہو جاتا ہے۔

صَبُور: گناہگاروں پر نرمی کرنے والا۔ اللہ کا صفاتی نام۔ صبر

صَحو: ہوشیاری۔ بیداری۔ وہ حالت جس میں ظاہر اور باطنی احکام میں فرق باقی رہتا ہے

صدر: میرِ مجلس، سربراہِ مملکت، سینہ، سردار

صدقہ جاریہ: ایسی خیرات جس سے لوگوں کو ہمیشہ فائدہ پہنچتا ہے۔

صدور: صادر ہونا۔ اجراء

صریح نص: صاف حکم یعنی بغیر کسی شک و شبے سے

صفا: پاک۔ پاکیزہ۔ مجلا۔ ہموار۔ مکہ شریف کی ایک پہاڑی جہاں دوڑنا ارکانِ حج میں شامل ہے۔

صَفراوی مزاج: بلغمی مزاج والا۔ تلخ مزاج

صنائع: کاریگری۔ ہنرمندی

صور: بگل، نفیری

صورت گر: مصور۔ نقاش

صلح حدیبیہ: ۶ھ میں رسول کریمؐ نے مکہ معظمہ سے ۶ میل کے فاصلہ پر حدیبیہ کے مقام پر اپنے چودہ سو صحابہؓ کی موجودگی میں کفار

پائے استدلالیاں چوبیں بُوَد
(عقل، دلائل والوں کا پیر لکڑی کا ہوتا ہے

پائے چوبیں سخت بے تمکیں بُوَد
(اور) لکڑی کا پیر بہت کمزور ہوتا ہے

مکہ سے صلح کا ایک دس سالہ معاہدہ کیا۔ اس کو قرآن نے فتح مبین سے تعبیر کیا ہے۔ مسلمان عمرہ کی نیت سے گئے تھے لیکن کفارِ مکہ نے اُن کو مکہ معظمہ میں داخل نہ ہونے دیا۔

صَیقل: صفائی۔ آب۔ چمک۔ جلا

(ط)

طاقچہ: چھوٹا طاق۔ محراب۔ محراب دار ڈاٹ جو کہ دیوار میں بناتے ہیں۔

طالوت: یہ بنی اسرائیل کا ایک نیک بادشاہ تھا۔ اُس کی بادشاہت کے دوران اس کو ایک سخت قوی دشمن جالوت سے جنگ کرنا پڑی۔ حضرت داؤدؑ کا بچپن تھا اور وہ بکریاں چرایا کرتے تھے۔ حضرت شمویلؑ نے طالوت کو بشارت دی کہ جالوت کی موت حضرت داؤدؑ کے ہاتھوں ہوگی۔ طالوت نے حضرت داؤدؑ کو فوج میں شامل کرلیا۔ دورانِ سفر چند پتھروں نے حضرت داؤدؑ سے کہا کہ ہم کو ساتھ لے لو۔ جالوت ہماری ضرب سے مرے گا۔ جب طالوت سے مقابلہ ہوا تو حضرت داؤدؑ نے وہی پتھر اُس کو مارے۔ جس سے جالوت ہلاک ہوگیا۔

طمطراق: شان وشوکت

طوبیٰ: جنت کا ایک درخت جس کی شاخیں ہر جنتی کے گھر میں ہوں گی۔ جس سے وہ خوشبودار پھل حاصل کریں گے۔

طور (کوہ طور): مشہور پہاڑ جو عرب کے شمال مغرب میں واقع ہے۔ اِسی پہاڑ پر حضرت موسیٰؑ اللہ تعالیٰ سے ہمکنار ہوئے اور بنی اسرائیل کے لئے ہدایت لائے۔

طومار: لمبی چوڑی تحریر

طوق: گلوبند۔ گلے کا ایک زیور۔ حلقہ

طول: لمبائی

طیِ الارض: زمین کا لپٹ جانا' اولیاء اللہ کے لیے بسا اوقات زمین لپیٹ دی جاتی ہے اور وہ مہینوں کا سفر سیکنڈوں میں طے کرلیتے ہیں۔

طائرانِ قدس: پاک جان کا پرندہ۔ مراد حضرت جبرائیل علیہ السلام

(ظ)

ظرف: دانائی۔ زیرکی۔ برتن۔ حوصلہ

ظنی علوم: قیاسی علوم

ظریف: خوش طبع

(ع)

عاشورہ: محرم کی دسویں تاریخ

عاد: وہ عدد جو ایک معلوم عدد کو پورا تقسیم کردے۔ ایک قوم جس کے پیغمبر حضرت ہودؑ تھے۔

عالمِ ارواح: روحوں کا جہاں

عالمِ بالا: آسمان۔ عرش۔ بہشت کے عالی درجہ لوگوں کے رہنے کی جگہ

عالمِ سفلی: دنیا۔ زمین

عالمِ شہود: وہ عالم جس میں سب کچھ نظر آئے۔ تصوف کی اصطلاح

پائے استدلالیاں چوبیں بود
(عقلی، دلائل والوں کا پیر لکڑی کا ہوتا ہے

پائے چوبیں سخت بے تمکیں بود
(اور) لکڑی کا پیر بہت کمزور ہوتا ہے

میں وہ حالت جس میں ہر چیز کے اندر خدا کا وجود نظر آئے۔

عالمِ صغیر: دنیا۔

عالمِ کبیر: آدمی کا جسم (اصطلاح تصوف میں)

عالمِ کون وفساد: دنیا

عالمِ خلق: یہ دنیا کہلاتی ہے جہاں اشیاء اپنے سارے مقدار کے ساتھ موجود ہیں۔

عالمِ مثال: وہ عالم ہے جو عالمِ خلق سے بالا ہے۔ وہاں اشیاء میں مقدار تو ہے مادہ نہیں ہے۔

عالمِ اَمر یا عالمِ رُوح: وہ عالم ہے جو عالمِ مثال سے بھی بالا ہے۔ وہاں اشیاء بغیر مادہ اور مقدار کے موجود ہیں۔

عالمِ ناسوت: فانی دنیا

عَبث: بے فائدہ۔ بلاوجہ۔ ناحق

عدن: بہشت جس میں آدم علیہ السلام کو رکھا گیا۔

عدیم المثال: بے مثل۔ بے نظیر۔

عُذر: بہانہ۔ حیلہ

عُریاں: ننگا۔ بے پرواہ۔ برہنہ

عُزّیٰ: ایک بت۔ عرب کا ایک درخت جسے کافر بتوں کی طرح پوجتے تھے۔

عُشر: شرعی اعتبار سے زمین کی پیداوار کا دسواں حصہ خیرات کرنا

عشقِ حقیقی: خدا تعالیٰ کا عشق۔ محبت الٰہی

عطار: عطر فروش

عطارؒ: حضرت خواجہ فرید الدین عطارؒ 513ھ میں نیشاپور کے ایک صوبے میں پیدا ہوئے۔ فرید الدین لقب ہے۔ ابو حامد اور ابو طالب کنیت ہے۔ پورا نام محمد بن ابو بکر بن اسحاق ہے چونکہ آبائی پیشہ عطاری تھا۔ اس لیے تخلص کے طور پر عطار لکھتے تھے۔ وہ صرف ایک ادیب اور شاعر کی حیثیت سے ہی نہیں بلکہ علم تصوف اور علم اخلاق کے ایسے نامور اُستاد مانے گئے کہ جن کے اقوالِ زریں پر آج بھی اقوام عالم سر دھن رہی ہیں۔ انہوں نے تصوف کے گہرے اور نازک مسائل کو اس قدر بے تکلفی روانی اور سادگی سے ادا کیا ہے کہ نثر میں بھی اس سے زیادہ آسان ادائیگی ممکن نہ ہوئی۔ اسرار نامہ، الٰہی نامہ، مصیبت نامہ، شاہنامہ، پند نامہ، منطق الطیر اور تذکرۃ الاولیاء اُن کی مشہور کتابیں ہیں۔ مولانا رومؒ اُن کی عظمت و کمال کے انتہائی معترف تھے۔ اور فرماتے تھے: ''ما از پس سنائی و عطار آمدیم''

شیخ عطارؒ حضرت سیدنا مجد الدین بغدادیؒ کے مرید تھے اور شیخ مجد الدین بغدادیؒ حضرت شیخ نجم الدین کبریٰؒ کے مرید و خلیفہ تھے۔ حضرت شیخ عطارؒ نے 625ھ عمر 114 سال میں شہادت پائی۔ آپ کا مزار اقدس نیشاپور میں ہے۔

عِفت: پرہیزگاری۔ عصمت۔ پاکدامنی

عُقدہ کشائی: گرہ کھولنا۔ مشکل آسان کرنا۔ مسئلہ حل کرنا۔

عقلِ معاش: وہ عقل جو دنیاوی اُمور میں تیز اور آخرت سے نابلد ہو۔ اس کو عقلِ جزوی اور عقلِ ناقص بھی کہا جاتا ہے۔

یارب آں تمیز دِہ مارا بخواست
اے خدا! التجا ہے ہمیں وہ تمیز عطا کر دے

تا شناسیم آں نشانِ کژ ز راست
کہ ہم غلط علامت کو صحیح علامت سے جدا پہچان سکیں

عقلِ معاد: وہ عقل جو دینی اور اُخروی معاملات میں تیز ہو۔ اس کو عقلِ کل اور عقلِ کامل بھی کہتے ہیں۔

عِلت: بیماری۔ وجہ۔ عادت بد۔ نقص۔ الزام

علم احکام: وہ علم جو قانونِ کلی کی صورت میں انبیاء اور مرسلین کو دیا جاتا ہے

علم الیقین: کسی چیز کی کیفیت اور ماہیت سے پوری پوری آگاہی۔

علمِ لدنی: وہ علم جو کسی کو خدا کی طرف سے براہ راست یعنی بغیر استاد کے حاصل ہو۔

علو: بلندی، برتری، رُخصت

عَلَوی: وہ شخص جو حضرت علیؓ کی نسل سے ہو مگر حضرت بی بی فاطمہؓ کے بطن سے نہ ہو۔

عُلوِی: فرشتہ۔ آسمانی ستارہ۔ اعلیٰ درجہ کا

عُلوِیَّت: بلندی۔ رفعت

علیّین: بہشت کا نام۔ آٹھواں آسمان۔

علائق: بکھیڑے۔ تعلقات

عمرِ جاوداں: ہمیشہ کی زندگی

عندلیب: بلبل

عِند اللہ: اللہ کے نزدیک

عنبر: ایک خوشبودار چیز جو کہ سمندر میں ہوتی ہے۔

عنقا: سیمرغ۔ ایک فرضی پرندہ۔ نایاب چیز

عوارض: مرض۔ دکھ۔ بیماریاں

عہد و پیمان: قسما قسمی۔ اقرار۔ مدار۔ قول و قرار

عہدِ الست: ازل میں حضرت آدم علیہ السلام کی ذریت سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا: اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ "کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں" تو سب نے جواب میں کہا تھا: بَلٰی "کیوں نہیں"۔

عیب گیری: عیب ڈھونڈنا۔ حرف گیری۔ نکتہ

عینیت: اصل ذات یا اصل حقیقت

عین الیقین: کسی چیز کو اپنی آنکھ سے دیکھ کر یقین کرنا۔

(غ)

غنائیت: نغمے کی کیفیت۔ موسیقیت

غنچہ: کلی، شگوفہ

(ف)

فاعل: کام کرنے والا

فاعلِ حقیقی: خدائے تعالیٰ

فرات: میٹھا اور ٹھنڈا پانی۔ عراق کا مشہور میٹھے پانی کا دریا جو کوفہ کے قریب بہتا ہے۔

فراق: جدائی۔ ہجر۔ علیحدگی۔

فربہی: موٹائی۔ تناوری۔ جسم کی تناوری

فردوسی، حکیم ابوالقاسم فردوسی طوسی: فارسی زبان کے عظیم شاعر تھے۔ 940ء میں پیدائش ہوئی اور تقریباً 80-79 سال کی عمر پا کر 1020ء میں وفات ہوئی۔ ان کا مزار ایران کے صوبہ خراسان کے شہر طوس میں ہے۔

حس را تمییز دانی چوں شود
تجھے معلوم ہے حس کو تمیز کیسے حاصل ہوتی ہے؟

زانکہ حس ینظر بنور اللہ بود
جبکہ حس "وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے" بن جائے

فرطِ شوق: شوق کا غلبہ یا زیادتی

فرع: ٹہنی۔ شاخ۔ جس کی اصل کوئی اور چیز ہو

فرعون: یہ مصر کے بادشاہوں کا لقب ہوتا تھا

فروغ: روشنی۔ نور۔ چمک

فروع: شاخیں۔ ڈالیاں۔ مذہبی اصطلاح میں وہ مسائل جو عمل سے متعلق ہوں۔

فرو: نیچے، زیرِ حکم، کم رتبہ

فروتنی: غریبی۔ عاجزی۔ مسکینی۔ تواضع

فرقان: حق و باطل میں فرق کرنے والا۔ قرآن مجید

فسخ: منسوخ کرنا

فسق و فجور: بدکاری۔ گناہ کاری

فدیہ: نقد معاوضہ، خون بہا، مال یا روپیہ جسے دے کر قیدی رہا ہو

فیل: ہاتھی۔

قابیل: حضرت آدم علیہ السلام کا بیٹا جس نے اپنے بھائی ہابیل کو اپنی بہن کے حسد میں مار ڈالا۔ (دیکھیے ہابیل و قابیل)

(ق)

قارورہ: شیشی، خاص طور پر وہ شیشی جس میں پیشاب جمع کر کے طبیب کو دکھایا جاتا ہے تاکہ وہ اُس کے معائنہ سے مرض کی تشخیص کر سکے۔

قارون: ایک بہت ہی دولت مند انسان تھا۔ اُس کے چالیس خزانے تھے۔ جن کی چابیاں کئی اونٹوں پر اُس کے ساتھ موجود رہتی تھیں۔ یہ حضرت موسیٰ کا چچیرا بھائی تھا۔ حضرت موسیٰ نے اُسے بخل و ظلم سے مال جمع کرنے سے روکا اور زکوٰۃ دینے کے لیے کہا۔ اس پر یہ اُن کا مخالف ہوگیا اور آخر کار اپنے خزانوں سمیت تباہ و برباد ہو کر زمین میں غرق ہوگیا۔

قاضی القضاۃ: سب سے بڑا قاضی۔ چیف جسٹس

قبض: وہ کیفیت جس میں وارداتِ غیبی کے انقطاع کی وجہ سے روح کو ایک تنگی اور گرفتگی محسوس ہوتی ہے۔

قبطی: فرعون کی قوم کا فرد قبط کی اولاد، مصر کے اصلی باشندے

قُباد: ایک کیانی (ایرانی) بادشاہ کا نام

قبیح: قباحت والا۔ بُرا۔ نازیبا۔ بدصورت

قدح: ہجو، عیب گوئی، تردید، بُرا بھلا کہنا

قدریہ: تقدیر کا منکر فرقہ۔ یہ بندہ کو اپنے افعال پر قادرِ مطلق مانتے ہیں۔

قریش: عرب کا جلیل القدر اور معزز قبیلہ جو نضر بن کنانہ کی اولاد سے ہے۔ رسول کریم اسی قبیلہ سے ہیں۔

قساوتِ قلبی: سنگ دلی۔ دل کی بے رحمی

قصاص: بدلہ، جزا، خون کا بدلہ خون

قضا و قدر: وہ حکم جو اللہ نے کائنات کی نسبت روزِ ازل سے لگا دیے ہیں۔ تقدیرِ الٰہی۔ رضاءِ الٰہی

قندیل: شیشے کا وہ برتن (فانوس) جس میں چراغ روشن کر کے چھت میں زنجیر سے لٹکا دیتے ہیں۔

یک نشانِ آدم آں بُد از ازل — کہ ملائک سر نہندش از محل

حضرت آدم علیہ السلام کی ایک نشانی یہ تھی — کہ فرشتے اُن کے سامنے سر جھکا دیں

قوام: قیام۔ ٹھہراؤ۔ نظام۔ چاشنی۔ شیرہ۔ اصل۔ مادہ خمیر

قیاس: جانچ۔ اندازہ۔ دو جملوں سے مرکب قول جس سے نتیجہ لازم آئے۔ قیافہ

قیوم: قائم رہنے والا۔ مستحکم۔ اللہ تعالیٰ کا ایک صفاتی نام۔

قیل وقال: بحث ومباحثہ

(ک)

کارساز: کام بنانے والا۔ صانع۔ قادر مطلق

کارگاہ: کام کرنے کی جگہ۔ کارخانہ

کافور: ایک نہایت تیز خوشبودار اور تلخ ذائقہ کا سفید مادہ جو بطور دوا استعمال ہوتا ہے۔

کبر: بزرگی، غرور

کبر: بڑھاپا، پیری

کثافت: گاڑھاپن۔ موٹائی۔ غلاظت

کج بیں: ترچھی نگاہ سے دیکھنا۔ بدباطنی

کج روی: ٹیڑھی چال چلنا۔ اُلٹے راستے پر چلنا

کج فہم: ناسمجھ، اُلٹی رائے

کجی: ترچھاپن، خمیدگی، ٹیڑھاپن

کدو: کدو (سبزی) کو خشک کر کے اُس کے اندر سے گودا نکال کر اُس میں شراب بھر لیتے ہیں

کردگار: خالق، خدا تعالیٰ

کر وفر: شان وشوکت۔ دھوم دھام

کسبی: پیشہ ور۔ دستکار۔ اپنی کوشش سے حاصل کیا ہوا مال۔ فاحشہ عورت

کسوف: گرہن

کسوٹی: وہ پتھر جس پر سونے کا کس (خالص پن) دیکھتے ہیں۔

کشف وشہود: ظاہر کرنا۔ پردہ اٹھانا۔ غیب کی باتوں کا اظہار

کُرہ: گیند، ہر گول۔ چیز

کاریز: کھیتوں کو پانی دینے کے لیے زیر زمین نالی

کفران: ناشکری۔ ناسپاسی

کفرانِ نعمت: نعمت کی ناشکری

کلفت: رنج۔ تکلیف۔ کدورت۔ رنجش

کلیات: ایک ہی شخص کی منظومات یا تصنیفات کا مجموعہ۔

کلیلہ دمنہ: کلیلہ اور دمنہ دو فرضی گیدڑوں کے نام ہیں جن کی زبانی بہت نصیحت آموز قصے کہانیاں نقل کی گئی ہیں۔ یہ اصل کتاب سنسکرت میں تھی۔ پھر اِس کا فارسی ترجمہ ہوا اور پھر خلیفہ ہارون الرشید نے فارسی سے عربی میں منتقل کروائی۔

کماحقہٗ: ٹھیک ٹھاک۔ بخوبی۔ جیسا اس کا حق ہے۔

کن فکاں: ہوجا۔ پس وہ ہوگئی۔ مجازاً دنیا، مخلوقات کائنات

کنعان: حضرت نوحؑ کا بیٹا جس نے آپ کی کشتی میں بیٹھنے سے انکار کیا اور طوفان سے بچاؤ کے لیے پہاڑ کی چوٹی کی طرف بھاگا اور طوفان کی نظر ہوگیا۔

کوتاہ عقل: کم عقل

یک نشانِ دیگر آں کہ آں بلیس
دُوسری نشانی یہ تھی کہ ابلیس نے

نہ ہدش سر کہ منم شاہ و رئیس
سر نہ جھکایا، اکڑ کر کہا کہ میں اعلیٰ ہوں

کوتاہ اندیش: بے سوچے سمجھے کام کرنا۔ عاقبت نااندیش۔ کم فہم۔

کوتاہ عقل: کم عقل

کورچشم: اندھا' نابینا

کوڑی: ایک قسم کا چھوٹا سنکھ جو ادنیٰ سکے کا کام دیتا ہے۔ روپیہ۔ مقدارِ قلیل۔ کناری کی نوک۔ دمڑی۔ پائی

کوزہ: ڈونگا۔ مصری کے گول گول ڈلے۔ مٹی کا برتن۔

کہربا: ایک پتھر جو گھاس کے تنکے کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔

کہکشاں: ایک لمبی سفیدی ہے جو راستہ کی صورت میں نظر آتی ہے۔ موسم برسات میں سرِ شام نظر آنے لگتی ہے۔ اُس کا ایک سرا جنوب کی جانب اور دوسرا شمال کی جانب ہوتا ہے۔

کیمیا: وہ عمل جس سے قلعی' تانبے وغیرہ کو چاندی' سونا بنا دیا جاتا ہے۔

کھلیان: وہ جگہ جہاں اناج کا ڈھیر لگاتے ہیں

(گ)

گال: رخسار۔ ایک قسم کا تمباکو۔ لقمہ۔ گالی

گت: حالت۔ کیفیت۔ طرز۔ زد و کوب۔ سر۔ نغمہ۔ عیاری

گردان: ترتیب کے مطابق صیغوں کا دہرانا۔ پھراؤ

گردوں: آسمان' فلک

گرز: ایک ہتھیار جو اوپر سے گول' موٹا اور نیچے سے پتلا ہوتا ہے۔

گریاں: روتا ہوا' رونے والا

گریہ: رونا۔ پیٹنا۔ آہ و زاری کرنا

گفتار: بول چال۔ گفتگو۔ قول۔ مقولہ

گفتنی: کہنے کے لائق۔ بیان کرنے کے قابل

گلستان: شیخ سعدیؒ کی فارسی نثر میں تصنیف۔ اس کا بنیادی موضوع اخلاق اور پند و نصائح ہے۔ شیخ سعدیؒ کے زمانے سے آج تک عالم اسلام کے مدارس کے سلیبس میں شامل ہے۔ فصاحت و بلاغت' حسن و بیان اور لطف ادا کے لحاظ سے تمام فارسی ادب میں بے مثل اور لاجواب ہے۔ اسی لیے دنیا کی ہر زندہ قوم نے گلستان کا اپنی زبان میں ترجمہ کیا ہے۔

گلقند: ایک دوا جو گلاب کے پھولوں کو شکر میں ملا کر بناتے ہیں

گلال: ایک قسم کا سرخ سفوف۔

گنجِ رواں: قارون کا خزانہ جو روایت کے مطابق زمین میں دھنستا جا رہا ہے۔ وہ خزانہ جو کبھی خالی نہ ہو۔

گنجینہ: خزانہ' دفینہ

گم گشتہ: کھویا ہوا' بھولا ہوا' بھاگا ہوا

گورخر: جنگلی گدھا

گوکھرو: ایک کانٹا جو سہ گوشہ ہوتا ہے

(ل)

لاثانی: بے مثل۔ بے نظیر۔ یگانہ۔ یکتا

لاف زنی: شیخی۔ خود ستائی۔ تعلّی

لامکان: وہ مکان جس میں مکانیت کی تخصیص نہ ہو۔ عالمِ قدس۔ اللہ کی تعریف کا کلمہ۔

ہست بر سمع و بصر مُہرِ خُدا — در حجب بس صُورت ست و بس صَدا

بعض کانوں اور آنکھوں پر خُدا نے مُہر لگا دی ہے — اس لیے بہت سی صُورتیں اور آوازیں پردے میں ہیں

لاہوت: تصوف میں مقامات کا وہ درجہ جہاں سالک کو فنا فی اللہ کا مقام حاصل ہوتا ہے

لحن داؤد: جب حضرت داؤد خوش الحانی سے دورانِ وعظ زبور پڑھتے تو انسان وحیوانات پر بے خودی کا عالم طاری ہو جاتا اور سینکڑوں سُننے والے وجد میں آکر بے ہوش و جاں بحق ہو جاتے

لطائفِ ستہ: چھ لطیفے روح، نفس، قلب، سِر، خفی، اخفی۔ سالک اپنے جسم کے ان مقامات کو ذاکر و شاغل بناتا ہے

لطافت: عمدگی۔ خوبی۔ سرگرمی

لعل: سرخ رنگ، جواہر

لعین: لعنتی۔ مردود۔ بدبخت۔ جہنمی

لغت: فرہنگ۔ زبان۔ لفظ۔ وہ کتاب جس میں الفاظ اور اُن کے معنی ومطالب وغیرہ درج ہوں

لقائے دوست: دوست کا دیدار یا ملاقات

لوازمات: ضروری چیزیں، اسباب

لیلیٰ: عرب کی مشہور معشوقہ کا نام جو قیس یعنی مجنوں کی محبوبہ تھی

لئیم: ناکس۔ کنجوس

(م)

مراقب: مراقبہ کرنے والا، منتظر، گردن

مال وجاہ: دولت اور عزت

مانع: منع کرنے والا۔ روکنے والا۔ ممانعت۔ اٹکاؤ

ماہیت: حقیقت۔ کیفیت

مبدا: شروع ہونے کی جگہ۔ آغاز۔ ابتداء

مُبدِع: نئی چیز پیدا کرنے والا۔ بے مادہ بنانے والا۔ اللہ تعالیٰ

مبرّہ: پاک۔ بری۔ صاف۔ بے عیب۔ منزہ

مبغُوض: بغض کیا گیا۔ دشمن رکھا گیا۔ قابلِ نفرت

مبہوت: حیران۔ متحیر۔ ہکا بکا۔

متجلّی: روشن، چمکدار

متشکل: شکل اختیار کرنے والا، صورت قبول کرنے والا

مُتّصل: اتصال رکھنے والا۔ قریب۔ برابر۔ ملنے والا

مُتردِّد: تردد کرنے والا۔ فکرمند۔ پریشان

متصرف: قبضہ کرنے والا۔ قابض

مُتّصف: صفت رکھنے والا

مُتعیّن: تعین کیا ہوا۔ مقرر کیا ہوا۔

مُتّفق علیہ: جس پر اتفاق کیا گیا ہو۔ سب کی رائے اور مرضی کے مطابق

متّہم: جس پر تہمت لگائی گئی ہو۔

مثنوی: دو دو والا۔ نظم کی ایک قسم۔ جس میں کوئی مسلسل بات بیان کی جاتی ہے۔ اس میں ہر شعر کا قافیہ جدا لیکن ہر شعر کے دونوں مصرعے ہم قافیہ ہوتے ہیں اور اشعار کی تعداد مقرر نہیں ہوتی۔

مجنوں: عرب کے مشہور عاشق قیس عامری کا لقب ہے۔

مجتہد: وہ شخص جو قرآن وحدیث میں مذکورہ احکام سے اُن چیزوں پر حکم لگاتا ہے۔ جن کا حکم قرآن وحدیث میں موجود نہیں ہے اُس

گرچہ تو ہستی کنوں غافل ازاں
اگرچہ تُو اب اُن سے غافل ہے

وقتِ حاجت حق کند آنرا عیاں
ضرورت کے وقت لہٰذا اُن سب کو ظاہر کرے گا

کے پاس اگر کوئی قرآن کی آیت یا حدیث بطور نص (قطعی حکم) کے موجود ہوتی ہے تو وہ اُس کے ذریعے سے حکم بیان کرتا ہے۔ ورنہ کسی نص پر قیاس کر کے حکم جاری کرتا ہے۔ پیشوائے مذہب

مجرد: اکیلا۔ تنہا۔ وہ شے جو مادہ سے پاک ہو۔ سیاسی۔ تارک الدنیا

مجروح: زخمی۔ گھائل۔ چوٹ کھایا ہوا

مُحاسب: علم حساب سے واقف۔ حساب داں۔ پڑتال کرنے والا

محبوس: جس میں رکھا گیا۔ اسیر۔ زندانی۔ مقید

محکم: مضبوط

مخزن: خزانہ کی جگہ۔ خزانہ۔ گودام

محقق: تحقیق کرنے والا۔ وہ شخص جو بات کو دلیل سے ثابت کرے۔

محل: منزل۔ موقع۔ بادشاہوں نوابوں کا مکان۔ قصر ایوان۔ ملکہ

محمود: تعریف کیا گیا۔ سراہا گیا۔ رسول کریم کا صفاتی نام

محواور فنا: وہ کیفیت جس میں سالک اپنی ہستی کو مٹادے

محمول: حمل کیا گیا۔ لادا گیا۔ ظن کیا گیا

مخدوم: خدمت کیا گیا۔ قابلِ تعظیم۔ بزرگ۔ آقا۔ مالک

مخفی: چھپی ہوئی۔ پوشیدہ۔ خفیہ

مدظلہ۔ مدظلہ العالی: خدا اُس کا سایہ عاطفت ہمیشہ قائم رکھے۔

مدح: تعریف۔ توصیف۔ وہ نظم جس میں کسی کی تعریف کی جائے۔

مُدرکہ: عقل وذہن

مُدّعی: دعویٰ کرنے والا۔ مستغیث۔ رقیب

مُدّعا علیہ: وہ شخص جس پر دعویٰ کیا جائے

مُدّعا: مطلب۔ مقصد۔ ارادہ۔ مالِ مسروقہ

مُربی: پرورش کرنے والا۔ سرپرست

مُرتاض: ریاضت کرنے والا۔ علم وہنر یا تصوف میں مشقت اٹھانے والا۔

مرجان: مونگا' چھوٹا موتی

مرغِ دل: حرکت کرنے کی وجہ سے دل کا مرغ کے ساتھ استعارہ کرتے ہیں۔

مرغزار: چمن

مراقبہ: غیر اللہ سے توجہ ہٹا کر حضورِ دل کے ساتھ خدا کی طرف متوجہ ہونا

مسبوق: سابق۔ گزرا ہوا۔ گزشتہ۔ اصطلاح فقہ میں وہ شخص جو ایک یا کئی رکعتیں فوت ہوجانے کے بعد نماز میں شامل ہو۔

مستجاب: قبول کیا گیا' مانا گیا

مستغرق: غرق شدہ۔ ڈوبا ہوا

مستقر: ٹھکانا

مستور: پوشیدہ

مسدُود: بند کیا گیا۔ روکا گیا۔ بند۔ رُکا ہوا

مسرتِ فردا: آنے والی خوشی۔ مستقبل کی شادمانی

مستغنی: آزاد۔ بے پروا

مسلوب العقل: جس کے حواس ٹھکانے نہ ہوں۔ دیوانہ۔ پاگل

ہر کہ با اہلِ کساں شُد فسق جُو — اہلِ خود را داں کہ قوّادست اُو

جو شخص دوسروں کی بیویوں سے فسق کرتا ہے وہ دیوث ہے — دراصل وہ چاہتا ہے دوسرے لوگ اُسکی بیوی سے فسق کریں

مسیلمہ کذاب: اس نے یمامہ میں نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا اور کچھ لوگ اُس کے پیروکار بن گئے۔ یہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دور میں حضرت وحشیؓ کے ہاتھوں واصل جہنم ہوا۔

مُسہل: وہ دوا جس سے دست آئیں

مشاطہ: وہ عورت جو عورتوں کا بناؤ سنگھار کرے۔ وہ عورت جو شادی کروائے

مسجد الحرام: مکہ معظمہ میں بیت اللہ کے چاروں طرف کا ایک خاص علاقہ مسجد حرام کہلاتا ہے۔ رسول کریمؐ کے زمانہ مبارک میں اس کی کوئی خاص چہار دیواری نہ تھی۔ حضرت عمرؓ نے اپنے دور میں اُس کے اندر کی آبادی کو منتقل کر کے چہار دیواری بنوائی اور پھر مختلف ادوار میں اس کی توسیع ہوتی رہی۔

مسجد اقصیٰ: یہ مسجد بیت المقدس میں واقع ہے۔ رسول کریمؐ کی معراج یہاں سے ہی شروع ہوئی تھی۔ ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ پہنچ کر آپؐ نے ۱۶/۱۷ مہینے اس کی طرف رُخ کر کے نمازیں پڑھیں۔ اسی وجہ سے اس کو قبلہ اولیٰ یا قبلہ اول بھی کہا جاتا ہے۔ بنی اسرائیل کا ہمیشہ یہی قبلہ رہا ہے۔ حضرت داؤدؑ کے بعد حضرت سلیمانؑ نے اسی جگہ ہیکل کی تعمیر کی تھی۔ حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں بیت المقدس کا علاقہ اسلامی ریاست میں شامل ہوا تھا۔

مُشتاق: آرزومند۔ خواہشمند۔ خواہاں۔ منتظر

مُشتِ خاک: مٹھی بھر خاک یعنی انسان

مُشک: وہ خوشبودار سیاہ رنگ کا مادہ جو تبت، نیپال اور ختن میں ایک خاص قسم کے ہرن کی ناف سے نکلتا ہے۔ کالا سیاہ۔ کستوری

مَشیّتِ ایزدی: اللہ کی مرضی۔ حکمِ الٰہی۔ تقدیرِ الٰہی

مصفّی: صاف کرنے والا

مصنوع: صفت کیا ہوا، بنایا ہوا

مضراب: ستار بجانے کا چھلا

مُضرت رساں: نقصان پہنچانے والا

مُضرت: نقصان۔ زیاں۔ ضد

مُضطر: تکلیف میں مبتلا۔ بے بس۔ پریشان

مضمحل: محو ہونے والا۔ دبلا پتلا۔ اداس۔ دلگیر

مطاف: خانہ کعبہ کے گرد طواف کرنے کی جگہ

مطبخ: کھانا پکانے کی جگہ۔ باورچی خانہ

مُطرب: خوش کرنے والا۔ گانے والا

مُطلق: بے قید۔ آزاد۔ قرآن کی وہ آیت جہاں ٹھہرنا چاہیے۔

مظاہر: ظاہر ہونے کی جگہیں

مظہر: ظاہر ہونے کی جگہ۔ جائے ظہور۔ تماشا گاہ۔

مظہر اتم: ظاہر ہونے کی سب سے اچھی جگہ

مُعارف: معرفت کی جمع

معاصی: جرم۔ گناہ

معترض: اعتراض کرنے والا۔ روک ٹوک کرنے والا

معتزلہ: یہ فرقہ واصل ابن عطا کا پیرو ہے۔ ان کے عقائد ہیں کہ قرآن مخلوق ہے۔ بندہ اپنے افعال کا خالق ہے۔ تقدیر کا عقیدہ غلط

زاں کہ مثلِ آں جزای آں شوَد
کیونکہ ہر عمل کا بدلہ اُس کی مثل ہوتا ہے

چوں جزای سیّئہ مثلش بوَد
تو بُرائی کا بدلہ بھی اسی جیسا ہوتا ہے

ہے۔ گناہ کبیرہ کرنے والا مومن نہیں اور خدا کی صفات نہیں ہیں

معدوم: مٹایا گیا۔ نیست کیا گیا۔ فنا کیا گیا۔ نابود

معرفت: شناخت۔ علمِ الٰہی۔ قانونِ قدرت یا فطری اشیاء سے واقفیت۔ خداشناسی۔

مُعَرّیٰ (مُعَرّا): برہنہ، سادا، کھلا، پاک، بلاترجمہ، قرآن پاک، سادہ نثر

معصیت: گناہ، قصور، نافرمانی

معلم الملکوت: فرشتوں کا استاد۔ شیطان جس کی بابت مشہور ہے کہ فرشتوں کو تعلیم دیا کرتا تھا۔

معنوی: معنی سے منسوب۔ اصلی۔ اندرونی۔ باطنی

معیت: ساتھ۔ ہمراہی

معیتِ حق: مخلوق کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی معیت اور یہ دو طرح کی ہے۔

معیتِ عامہ: حق تعالیٰ کی یہ معیت تمام مخلوق کے ساتھ ہے خواہ وہ کافر ہو یا مومن

معیتِ خاصہ: یہ معیت صرف صالحین اور عارفین کو حاصل ہوتی ہے۔ یہ ایسی ہی ہے کہ جیسے محبوب کی معیت محب کے ساتھ

مُغالطہ: دھوکا۔ فریب۔ بھول چوک

مغائرت: غیریت۔ اجنبیت۔ ناموافقت

مُغائر: ناموافق۔ مخالف

مفقود: کھویا ہوا۔ ناپید۔ غائب۔ ندارد

مقتدر: اقتدار رکھنے والا۔ طاقتور

مقرب: قریب کیا گیا۔ بزرگی۔ وہ شخص جسے قربت حاصل ہو۔ دوست

مقطع صورت: مہذب شکل

مُقلد: تقلید کرنے والا۔ مرید۔ پیرو۔ نقال

مقتضا: تقاضا کیا گیا۔ موقع۔ مناسب

مُقسط: عادل۔ منصف۔ اللہ تعالیٰ کا ایک نام

مقطع: غزل یا قصیدے کا آخری شعر جس میں شاعر کا تخلص آتا ہے۔

مکدّر: کدورت آمیز۔ گدلا۔ میلا۔ ملول۔ غمگین

مکروہ: ناپسند۔ فقہ کی اصطلاح میں ناجائز چیز

مُکلف: پُرتکلف۔ حزین۔ سجا ہوا

ملجا و ماوا: پناہ ملنے کی جگہ

ملکی: ملک سے منسوب۔ فرشتے کی مانند

ملکی طاقت: انسان میں خداوندی اطاعت اور اعمالِ خیر کی طاقت۔ یہ طاقت روح کے ساتھ خاص ہے

ملک الموت: موت کا فرشتہ مراد حضرت عزرائیلؑ

ملکوت: بادشاہی۔ سلطنت۔ حکومت۔ فرشتوں کے رہنے کا مقام

ملمع: روشن کیا گیا۔ درخشاں۔ سونے چاندی کے ورق

ملونی: آمیزش۔ ملاوٹ۔ کھوٹ

ملیح: نمکین۔ سلونا۔ خوبصورت۔ سانولا

ہیچ انگورے دگر غورہ نہ شد
پکا ہوا انگور پھر کچا انگور نہیں بن سکتا

ہیچ میوہ پختہ باکورہ نہ شد
کوئی پختہ میوہ پھر کچا نہیں ہو سکتا

ممدوح: تعریف کیا گیا۔ جس کی تعریف کی جائے

ممکنات: وہ باتیں جن کا ہونا ممکن ہو۔ ممکن کی جمع

مملوک: وہ جس پر قبضہ کیا جائے۔ مقبوضہ۔ غلام بندہ

ممولا: ایک چھوٹا پرندہ جس کے پیٹ پر کالی دھاریاں ہوتی ہیں۔

مُناجات: سرگوشی۔ کانا پھوسی۔ دعا۔ عرض۔ التجا۔ وہ نظم جس میں خدا کی تعریف اور اپنی عاجزی کا اظہار کر کے دعا مانگی جائے

منافی: نفی کرنے والا۔ خلاف۔ ضد

منزہ: عیبوں سے بری۔ پاک۔ مبرا

منطق الطیر: یہ فارسی ادب میں بڑی وقعت کی نگاہ سے دیکھی جانے والی کتاب ہے۔ حضرت شیخ فریدالدین عطارؒ کو اسی تصنیف کی بدولت شہرت عام اور بقائے دوام حاصل ہوئی۔ اس میں حضرت شیخ عطارؒ نے تصوف کے گہرے اور نازک مسائل کو بے تکلفی، روانی اور سادگی سے ادا کیا ہے، ان کے ساتھ اُن کی قوت تخیل بھی اعلیٰ قسم کی ہے۔ اس میں مسائل تصوف کو تمثیلی صورت میں پرندوں کی زبانی بیان کیا گیا ہے۔

منادی: پکارنے والا۔ ڈھول کی آواز جو اس غرض سے ہو کہ لوگ آگاہ ہو جائیں

مَنفعت: نفع۔ سود۔ حاصل۔ فائدہ۔ یافت

منعم: نعمت دینے والا۔ آقا۔ غنی

منکسر المزاج: وہ جس کی طبیعت میں انکسار ہو

منّ و سلویٰ: میٹھی رطوبت اور بٹیریں۔ وہ کھانا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لشکر بنی اسرائیل پر شام کے پُر خار میدان (تیہ) میں نازل ہوا۔

منتج: نتیجہ دینے والا

مُنتج: نتیجہ دیا ہوا

منجم: ستاروں کی گردش سے آنے والے حالات کا بتانے والا

منی: نطفہ

مواخذہ: جواب طلبی۔ گرفت۔ باز پرس۔ بدلہ

موسمِ ربیع: موسمِ بہار

موسمِ خریف: موسمِ خزاں

موخر: آخر کیا گیا۔ پچھلا۔ آخری

موردِ الزام: جس پر کوئی الزام ہو۔ مجرم

مُوئے: بال

موردِ عتاب: جس پر تنگی و سختی کی جائے

مُوجد: ایجاد کرنے والا۔ نئی بات نکالنے والا

مُوکَل: ذمے دار وہ شخص جسے کوئی کام سپرد کیا ہو

مُوکِّل: وہ شخص جو وکیل مقرر کرے۔ سپاہی

موقوف: ٹھہرایا گیا۔ کھڑا کیا گیا۔ وہ حدیث جس کے راویوں کا سلسلہ صحابہؓ تک پہنچے۔

موہوم: وہم کیا گیا۔ وہمی۔ قیاس۔ فرضی

مہبط: اُترنے کی جگہ

مہجور: جدا۔ چھوڑا گیا۔ فراق زدہ

مہر: محبت۔ دوستی۔ رحم۔ آفتاب۔

پختہ گردد از تغیر دُور شو
اُس کی یاد میں پختہ ہو جا تاکہ تو پھر کچا نہ بنے

رَو چو بُرہانِ محقق نُور شو
اور برہان الدین محقق رحمۃ اللہ علیہ کی طرح نور بن جا

میکائیل: ایک مقرب فرشتے کا نام ان کے ذمہ مخلوقِ خدا میں رزق کی تقسیم ہے

مَیل: جھکاؤ، رغبت

میلان: رجحان۔ توجہ۔ التفات

(ن)

نابکار: نالائق

نابود: نیست۔ فانی۔ معدوم

ناخلف: نالائق بیٹا۔ والدین کی اطاعت نہ کرنے والا

نار: آگ

ناسوت: عالمِ اجسام۔ دنیا۔ شریعت۔ ظاہری عبادت

ناصح: نصیحت کرنے والا۔ صلاح کار

ناقہ: اونٹنی۔ سانڈنی

نام وننگ: عزت۔ آبرو۔ ناموس

نجس: گندا۔ ناپاک۔ پلید

نحو: طور طریقہ۔ وہ علم جس سے کلمات کو جوڑنا' توڑنا اور ان کا باہمی تعلق معلوم ہو۔

نحوی: علم نحو کا ماہر

نخلستان: کھجور کے درختوں کا جُھنڈ۔ ریگستان میں سرسبز و شاداب قطعہ

نُدرت: عمدگی۔ انوکھاپن۔ نادر پن۔ کمیابی

نَرد: ایک بازی جسے تختہ نرد بھی کہتے ہیں۔ چوسر کی گوٹ۔ شطرنج کا مہرہ

نرکل: نرسل۔ سرکنڈا

نزاع: جھگڑا۔ فساد۔ تنازع۔ تکرار

نزع: جان کنی۔ دم توڑنا

نسیمِ سحر: صبح کی ہوا۔ ہلکی ہلکی خوشبودار ہوا

نشاط: خوشی۔ شادمانی۔ فرحت۔ مزہ

نصرانی: دینِ مسیح کا پیرو۔ عیسائی

نصیبہ: قسمت۔ نصیب۔ تقدیر

نِفاق: پھوٹ۔ ظاہر میں دوستی باطن میں دشمنی

نفخ: پھونکنا۔ ہوا سے بھرنا

نفخِ صُور: وہ صور جو قیامت کے روز حضرت اسرافیل علیہ السلام پھونکیں گے اور جس کے اثر سے تمام دنیا نیست و نابود ہو جائے گی۔

نفس: سانس۔ دم۔ گھڑی

نفس اَمّارہ: بہت حکم کرنے والا۔ انسان کی خواہش جو برائی پر آمادہ کرے۔

نفس مطمئنہ: حکم الٰہی پر چلنے والا نفس جو بری باتوں سے پاک صاف رہے۔

نفس لوامہ: گناہ سرزد ہونے کے بعد اپنے آپ کو لعنت ملامت کرنے والا نفس

نفیری: شہنائی۔ الغوزہ

نقیب: لوگوں کے خاندان اور ذاتی حالات سے واقفیت رکھنے والا۔

گر ہمی دانی رہِ نیکو پرست
اگر تُو نیک راستہ جانتا ہے تو عبادت کر

ور ندانی چوں بدانی کایں بدست
اور اگر نہیں جانتا ہے تو کیسے جانے گا کہ یہ بُرا ہے

باخبر۔ مدح خواں۔ تشہیر کرنے والا۔ ہرکارہ

نمدہ' نمدے: وہ کپڑا جو اون کو جما کر بناتے ہیں۔ وہ کپڑا جو گھوڑے کی پیٹھ پر زین کے نیچے ڈالتے ہیں۔

نمرود: حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دور کا کافر بادشاہ تھا۔ جس نے خدا ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔ جس کی سزا میں قدرت نے ایک مچھر اُس پر مسلط کر دیا تھا' جو اس کے دماغ میں گھس گیا تھا۔ جس کی کلبلاہٹ اور اذیت رسانی اُس وقت تک ختم نہ ہوتی تھی جب تک کہ نمرود کے سر پر جوتے کی دس پندرہ ضربیں نہ پڑ جاتیں۔

ننگ: لحاظ۔ شرم وحیا۔ ذلت۔ بدنامی

نورافشاں: منور کرنے والا

نوروز: ایرانیوں کا قومی جشن' سال کا پہلا دن

نورٌ علیٰ نور: بہتر۔ اعلیٰ۔ نور پر نور۔ ایک سے بڑھ کر ایک

نیرنگی: جادوگری۔ فریب۔ شعبدہ بازی

نیست: خالی۔ عدم۔ نابود۔ فنا

نے نواز: بانسری بجانے والا

نیستی: ہستی کا مقابل۔ نابید ہونا۔ فنا ہونا۔ نحوست۔ تنگدستی

واجبُ الوجود: جس کی ذات اپنے وجود میں کسی کی محتاج نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ

وادی ایمن: وہ جنگل جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی بیوی کو دردِ زہ میں مبتلا چھوڑ کر آگ کی تلاش میں نکلے تو ایک درخت پر خدائی تجلی نظر آئی۔ یہ مقام کوہ طور کے دائیں جانب تھا۔

وراء الورا: پیچھے سے پیچھے۔ دُور سے دُور۔ پرے سے پرے

وصل: معشوق سے ملنا۔ ہجر کی ضد۔ ملاقات

واصل بن عطا: یہ معتزلہ کے فرقہ کا بانی ہے نہایت ذہین شخص تھا۔ لیکن اُس کے عقائد فلسفہ یونان سے متاثر تھے۔ حضرت خواجہ حسن بصریؒ کی مجلس میں اُس نے بحث شروع کی اور دعویٰ کیا کہ گناہِ کبیرہ کا مرتکب نہ مومن ہے نہ کافر بلکہ بین بین ہے۔ اس پر حضرت خواجہ حسن بصریؒ نے فرمایا: "اِعْتَزَلَ عَنَّا" یعنی وہ ہم اہل سنت والجماعت سے کنارہ کش ہو گیا۔ اس وقت سے اس کو اور اس کے ہم عقیدہ لوگوں کو معتزلی کہا جانے لگا۔

وحدت الوجود: لا الٰہ الا اللہ کے معنی اہلِ ظاہر کے نزدیک تو یہ ہیں کہ خدا کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور پرستش وعبادت صرف اُسی کی ہونی چاہیے لیکن صوفیاء کرام کے نزدیک لا الٰہ الا اللہ کے معنی لا موجود الا اللہ کے ہیں یعنی عالمِ وجود میں صرف ذاتِ واحد موجود ہے اور اس کے علاوہ کوئی موجود نہیں۔ وحدت الوجود کے مسئلہ کی تشریح گفتگو کے ذریعہ ممکن نہیں۔ یہ مقام حاصل ہو جانے سے اس یعنی وحدت الوجود کی سمجھ آجاتی ہے۔

وہاب: بہت بخشنے والا۔ خدائے تعالیٰ کا صفاتی نام

وہبی علوم: قدرت کی طرف سے بخشے ہوئے علوم۔

ولی: وہ شخص جو اللہ کی ذات وصفات کو پہچانے' ہمیشہ طاعات بجا لائے' محرمات سے بچے' لذتوں اور شہوتوں میں منہمک نہ ہو' نجاستوں سے بچتا ہو۔ فرائض کا تارک نہ ہو' مجنون اور پاگل نہ ہو'

شرمگاہ اور بدن کو برہنہ نہ رکھتا ہو

وُرُود: چراگاہ یا پانی کے گھاٹ پر جانا

(ہ)

ہابیل و قابیل: یہ دونوں حضرت آدم علیہ السلام کے صاحبزادے ہیں۔ قابیل کے ساتھ جو جڑواں لڑکی پیدا ہوئی اس کا نام اقلیما تھا اور ہابیل کے ساتھ پیدا ہونے والی لڑکی کا نام لبودا تھا۔ اُس زمانہ کی شریعت کے اعتبار سے قابیل کی شادی لبودا کے ساتھ ہونی چاہیے تھی۔ جو اتفاقاً خوش شکل نہ تھی۔ اور ہابیل کی شادی اقلیما سے ہوئی تھی جو کہ حسین تھی۔ اس رشک و جلن میں قابیل نے ہابیل کو قتل کر ڈالا تا کہ اُس کی منسوبہ سے اُس کی شادی ہو جائے۔ یوں یہ دنیا میں سب سے پہلا قتل تھا۔

ہاروت و ماروت: ایک عقیدے کے مطابق اُن دو فرشتوں کے نام جو کہ دنیا میں آ کر ایک زہرہ نامی عورت پر عاشق ہوئے۔ اب چاہِ بابل (عراق) میں لٹکے ہوئے عذابِ الٰہی میں گرفتار ہیں

ہامان: حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دور میں فرعون کا وزیر

ہم خرقہ: وہ دو بزرگ جو ایک شیخ کے خلیفہ ہوں

ہُما: ایک مشہور خیالی پرندہ جس کی نسبت کہا جاتا ہے کہ جس کے سر پر سے گزر جائے وہ بادشاہ ہو جاتا ہے۔

ہمزبانی: ہم قول۔ متفق۔ ہم کلام

ہمہ اُوست یا وحدت الوجود: صوفیاء کرام کا یہ عقیدہ کہ تمام موجودات عین ذاتِ حق ہیں۔ ممکنات کے تعینات اور تشخصات محض ایک پردہ ہیں۔ اگر یہ پردہ اُٹھ جائے تو سوائے ذاتِ حق کے کوئی وجود نہیں ہے اور یہ عالمِ امکان نیست و نابود ہو جائے۔

ہشت بہشت: خلد، دار السلام، دار القرار، جنت عدن، جنت الماویٰ، جنت النعیم، علیین، فردوس، جنت کے آٹھ درجے ہیں

ہفت و شش: ساتوں آسمان اور چھ جانبیں (سمتیں)

ہفت دوزخ: سقر، سعیر، ہاویہ، جہنم، جحیم، لظیٰ، حاطمہ (جہنم کے سات درجے)

ہیچ: معدوم۔ کچھ نہیں۔ کم۔ نکما۔ قابل نفرت

(ی - ے)

یارِ غار: حضرت ابوبکر صدیقؓ جو کہ ہجرت کے وقت رسولِ کریمؐ کے ساتھ غارِ ثور میں رہے، مطلقاً پکا دوست

ید بیضا: سفید ہاتھ۔ روشن اور چمکدار ہاتھ۔ حضرت موسیٰؑ کا معجزہ نما ہاتھ۔ آپ اپنا ہاتھ بغل میں ڈال کر نکالتے تو وہ چمکتا ہوا دکھائی دیتا۔ معجزہ۔

یعقوبؑ: عبرانی زبان میں اس کا مطلب ہے خدا کا بھیجا ہوا، خدا کا چنا ہوا، مقبولِ خدا

یحییٰؑ: لغوی معنی "جیتا ہے"۔ بنی اسرائیل کے ایک پیغمبر کا نام جو حضرت زکریاؑ کے فرزند تھے۔ اسرائیلی کتب میں آپؑ کا نام یوحنا درج ہے۔

یک رنگی: ایک طرح کا ہونا۔ محبت۔ دوستی

یمن: عرب کی ایک ریاست کا نام جو کعبہ شریف سے "یمین" یعنی دائیں جانب ہے۔ اسی لیے اسے یمن کہتے ہیں۔

علم کاں نبود زھُو بے واسطہ
جو علم اللہ تعالیٰ کی جانب سے بلا واسطہ نہ ہو

آں نپاید ہمچو رنگِ ماشطہ
وہ پائیدار نہیں ہوتا ہے مشاطہ کے لگائے ہوئے رنگ کی طرح

یگانہ: سگا۔ رشتہ دار۔ اکیلا۔ واحد۔ بے نظیر

یہودی: حضرت یعقوبؑ کے چوتھے بیٹے یہودا سے منسوب قوم۔
یہی حضرت موسیٰؑ کی اُمت ہیں۔

آوازُ العلوم

بد ندانی چوں ندانی نیک را
جب تک تُو نیکی کو نہیں سمجھے گا بدی نہیں سمجھ سکتا

ضد را از ضد تواں دید اے فتیٰ
کیونکہ ضد کو ضد ہی سے پہچانتے ہیں

•

طبلخواری درمیانہ شرط نیست
لوگوں میں پیٹو پن مناسب نہیں

راہِ سُنّت کار و مکسب کردنیست
سُنّت کا راستہ کام اور کمائی کرنا ہے

•

وقتِ صحت جملہ یارند و حریف
تندرستی میں سب لوگ یار اور ساتھی ہیں

وقتِ درد و غم بجز حق کو الیف
لیکن بیماری اور غم کے وقت اللہ کے سوا کون دوست ہے

•

گفت احمد ہر کہ دو روزش یکیست
حضور ﷺ نے فرمایا جس کے گزرے ہوئے دو دن ایک جیسے ہوں

ہست مغبون و گرفتارِ شکیست
وہ گھاٹے اور شک میں ہے، اسے کوشش میں لگا رہ

•

عذرِ احمق بدتر از جرمش بود
احمق کا عذر اُس کے جرم سے بھی بدتر ہوتا ہے

عذرِ ناداں زہر ہر دانش شود
نا سمجھ کا عذر، ہر عقل کا زہر ہوتا ہے

چوں فرشتہ بود ہمچوں دیو شد
وہ پہلے فرشتے جیسا تھا، بھوت جیسا بن گیا

کاں ملاحت اندرو عاریہ بُد
کیونکہ اُس کا حُسن و خوبی عارضی تھے

is this? It is Your mercy, Your kindness, Your patience, Your love, Your loyalty, Your protection, Your friendship, and Your Nazar that have rendered me altered. Please do not let me go back to who I was. Please do not allow me to wander. Please do not abandon me. Please do not let go of my hand. Direct me, guide me, lead me to where You would have me go. I am Yours now. You hold the Key that opens the door to ....The Introduction to The Prophet. God is no longer a dream or a concept, He as an experience, which is now a possibility. I thank You. My Beloved Baba Ji, You are and will always reside in my heart and You are forever in my Yaadein.

Everything I have experienced and everything that I have expressed was not possible had it not been for one person, my husband, Umair. He brought me to Mecca and ***Baba Ji*** to me. Umair has been my partner for 25 years on a very difficult journey. He has held my hand and carried me through fire. He is Good to his core. His capacity to love, and to show kindness and compassion is greater than anyone I know. He possesses a certain purity of the heart that is incomparable and Divine in nature. Despite all that...... we have been deluged by marital and personal storms throughout our marriage. Often, I found myself questioning our union and couldn't understand why we had been brought together. Is it possible that there was a plan and a reason? Isn't there always? Looking back now what I can say is that, maybe....... it was to unify two flawed and broken souls. Through circumstance and consequence compel them to collapse side by side, into what I can now say resembled a sort of an un-intentional and in-deliberate Sajda. It was from that place of collapse that Umair set out on his long journey to find a Baba Ji. Upon finding The Baba Ji, he brought Him home to me. All these years later and ONLY by the Grace of Baba Ji, that collapse has been transformed into a true Sajda where we now sit and we behold the beauty and greatness of our ***Baba Ji*** together..........we send praise and thanks to The Prophet together........and we sit in silence and stillness for that which is beyond words, The Beloved........offering the only thing we have to offer, our tears.

Harvey Fazle
(New Jersey, U.S.A)
May, 2013

in either conversation or thought. The painful past that creeps in when I'm not looking, scrambles in the light of Awareness.

By no means do I believe that I have arrived, or that I am close to 'there.' That will never be. Every day, I re-commit and renew my relationship with joy and delight simply based upon Whom, I have pledged myself to. Some days, I'm good in my life and some days I'm impossible. Some days, people tell me how great I am and on other days I can scare and scatter a crowd. It will always be such, given my frail nature. The One thing that I know for sure is that I am not alone anymore. Wherever I am, ***Baba Ji*** is with me, protecting me from my only enemy, myself, with His Presence and His Light.

In this entire equation, there is a remarkable and, an invisible entity. It is Baba Ji's wife. We call her Amma Ji. My perception of her, and it may be limited, is that she is His disciple as well as His equal. It is only because of her tremendous generosity and her un- selfish sharing of 'her husband,' that we have what we have. I often forget that ***Baba Ji*** is first a husband. She is the silent gatekeeper and the quiet CEO who runs and manages Baba Ji's Empire, and she doesn't say a word. She will never take credit or claim anything. Amma Ji, from the depths of my heart, I thank you. In your absence, ***Baba Ji*** praises your greatness to no end. He has said that despite all the difficulties and hardships you have endured in your marriage, across all these decades, you never ever complained. You always gratefully accepted whatever He was able to offer. He said that whatever He placed in your hands was multiplied because of the Barkat that lay in those hands. In my entire life, I have not heard a man praise his wife so. Mashallah Mashallah.

I have now reached the most difficult part of this entire writing. Baba Ji, how do I accurately and sufficiently express WHO You are to me? How do I say that I love You? How do I thank You for the miracles that have happened in and outside of me? How do I tell You gratefully, I do not recognize this 'me?' How do I describe You? How do I praise You? How do I expound Your greatness? When I wasn't looking, You slipped into my Khayaal. From there, You have been shifting and fixing and clearing everything that has separated me from You and from God.

You have burned through the thick black haze of fear and darkness, reminding and promising me that it will be gone soon. When in despair, You remind me that life is to enjoy; to laugh and play, not, to cry away. It is when I am at my worst sobbing that You laugh, gently reminding me how frivolous and temporary everything is. That the Only reality is You and The Beloved. At my worst, there has never been anger or judgment from you; only understanding and compassion.

You have never asked for anything and I have taken everything. What kind of hisaab

گر ہمی دانی رہِ نیکو پرست | ور ندانی چوں بدانی کایں بدست

اگر تُو نیک راستہ جانتا ہے تو عبادت کر | اور اگر نہیں جانتا ہے تو کیسے جانے گا کہ یہ بُرا ہے

knew how 'good' and right I was in my own head. But He also could see the potential in me that is, inherent in all beings. It was that potential that He was determined to develop in spite of me.

I really believe that it has been the depth of my imperfection and self-righteousness that has commanded the years of suffering that have followed. It has been my stubborn refusal to submit that has caused me this indescribable pain. The illness of my Being, by choice is and has been ingratitude. It is the lens that won't allow me to see any good or any abundance in anything. It is the heavy brick veil that I bring to all my relationships and to all my experiences. Turmoil, loneliness and confusion had to be my companions because that's all that ignorance, selfishness and darkness can offer. There was no other way. In order to be with Baba Ji, I had to be turned inside out. Truth be told, suffering is the human condition and there is no cure for life however why would someone choose more suffering? One wouldn't. For me the illusion was that submission meant defeat and loss. Being grateful felt disingenuous because I was really waiting for more and better and then… I was going to be grateful. In order for it all to be acceptable… it had to be on my terms and on my clock. Most of all being khush was not going to happen until requirements A-Z were met every day by everyone. Me me me main main main mera mera mera has been the manufacturer of everything unwanted.

The more settled in and accepting I become of the truth that … I really don't know anything, the more uncomfortable my ego becomes thereby allowing me… to sink into the Knowingness. All there is for me to do is to ATTEMPT to submit, forgive, ask for forgiveness, love, show kindness, accept, be grateful and follow Baba Ji's command to Be Khush. There is only one thing for me to do: To keep walking towards my Murshid and My God.

Just my intention and desire for alignment with ***Baba Ji*** has given me a taste of so many gifts, freedom, connection, and companionship for this world and beyond, peace, acceptance, happiness, truth, love, well- being and real eyes to see reality as IT actually exists not what my 'version' of reality is. "Khush Raho" is not a prayer, but a Divine Order from Baba Ji, that under all circumstances must be obeyed. Shukar and Sabar are not words He uses casually. These are His commands.

Through Baba Ji, I have learned that the nature of relationship is incompletion. However, the Divine relationship between the Disciple and Master is not only complete but is the only true relationship that exists, in this World and beyond. His presence has completed what was missing in all my relationships. All things unresolved, unmet needs, loneliness, emotional hunger, unanswered questions get a soothing salve from every conversation. Fear and doubt recede while I am engaged

گر ہمی دانی رہِ نیکو پرست
اگر تُو نیک راستہ جانتا ہے تو عبادت کر

ور ندانی چوں بدانی کایں بدست
اور اگر نہیں جانتا ہے تو کیسے جانے گا کہ یہ بُرا ہے

would wane and dissipate some. Upon hearing His voice, a wave of embarrassment and shame would come over me. All of a sudden, discussing my problems would seem inappropriate. Instead of presenting my list of complaints I would begin requesting him wisdom, the ability to do and be good, and to be a little less flawed. In exchange, He showered Duas upon me that I felt so unworthy of receiving that I could only respond with tears.

My small *self* and I could not escape the floodlight of Baba Ji. Every corner of darkness had to be brushed with the Light. Every flaw had to be magnified in order to be polished. Everything not good, not clean, not love, not forgiveness, not righteous, not peace, not TRUTH had to begin to be destroyed if I wanted to live a life consistent with being a Muridnee of my Beloved Baba Ji. Unbeknownst to me……. that was what my soul ultimately longed to become. I feel that perhaps, the soul has an agenda that can only be seen, deciphered and finally completed by a Man of greatness. It is only possible through a sort of anesthesia-induced state of unconsciousness that a person becomes ready for an operation from a Surgeon of the Soul. Rarely does one find a volunteer for such surgery.

Full disclosure, while all this inner and outer upheaval was going on, I began to question my Self, my resolve, my conviction and my commitment. Everything that I had ever known to be 'true' had been replaced by an indelible question mark. What if I could just undo everything? What if I could just go back to my life pre-Baba Ji? I did NOT want to ever un-do having Him in my life. I wanted Him but I didn't want myself or my life to change. I could adjust to the darkness again……. after all, I lived in it my whole life it wasn't so bad was it? Most of the World lives like that and they're okay.

There was no going back. I could not stop the peeling away of concepts, truths and attachments. Layer by layer, I was disappearing. The me that I spent my whole life creating and parading had been reduced to a film of dust that remains after a floor has been swept, the residue that even the broom doesn't want and refuses to pick up. The most painful extraction has been the 'gone-ness' of people. Had I known that was going to happen, I would have gladly wrapped myself in the arms of darkness and ignorance. No one had warned me. This path did not come with a list of possible side effects. How could ***Baba Ji*** do this to me? I thought He loved me. He was supposed to prevent this and protect me. Why else would I have embarked on a Spiritual Journey?

He knew EVERYTHING. He knew who I was at my core, flawed and imperfect. He knew how pretentious and fraudulent I was. He knew how attached I was to everything. He knew how ungrateful and blind and unwilling to change I was. He

BOHAT DINON KA SOYA MANWA

It is an honor and a privilege to have another opportunity to give words to my thoughts and feelings for Baba Ji. A few years and a few editions have passed. My intention is to leave words in this world that will exist way beyond my existence; words that serve as a letter of love to my ***Baba Ji*** as well as, an accurate portrayal of Ameeri Sahib. If there is confusion and inconsistency caused by my previous writing and my current writing, I apologize, for I am still in pursuit of clarity. What I wrote about Him then was true and what I write about Him now......... is true. He is the only and ever constant Variable. I will struggle to capture with words the un-capture-able. I will attempt to humanize and personify He who is beyond both. With the limitations of dimension and language I will do my best to introduce a current snapshot of an unfolding Shadow.

Because of Baba Ji's generosity, I have been able to cultivate a relationship with Him over these last few years. Every interaction with Him, every conversation has altered and adjusted me and continues to do so. However, I am very clear as to the work that still lies ahead of me.

When I met Baba Ji, I was 'good,' my life was 'good,' everything was 'good.' My expectation was that life would become simple and easy. Meaning, that difficulties and challenges would no longer apply to me. With arrogance and superiority, I moved through my life; that lasted a very short time. Before I could see it coming, my life was deluged by 'thoofans,' coming from every direction. My entire world and I began unraveling and then fragmenting. As I scrambled to gather the broken pieces, I was overcome by a darkness that I could not escape. How was I going to gather the pieces if I couldn't even see them?

This wasn't supposed to happen. This was not consistent with what is 'supposed' to happen after you have met a man of greatness. Angrily I demanded answers but to no avail. ***Baba Ji*** had returned to Pakistan and I didn't have Allah's number.

My entire life and I were a construct of my darkness and my ego, and it really worked for me because I lived in a world of ego. Baba Ji's presence flooded my small dark existence with the intensity of the Sun. I wasn't looking for that. I was absolutely convinced that I was already living in the light. I fought, I resisted, I cried, I pouted, I blamed and I called ***Baba Ji*** every day. My daily self-pity, my breakdown and my phone call to baba ji suffered a 9-10 hour time delay, which only caused me more anger and frustration. But by the time I spoke to Him, the intensity of my drama

پختہ گردد از تغیر دور شو | رو چو برہان محقق نور شو
اُس کی یاد میں پختہ ہو جا تاکہ تو پھر کچا نہ بنے | اور برہان الدین محقق رحمۃ اللہ علیہ کی طرح نور بن جا

In my relationship with God, I always felt that there was something missing. There was a distance that I could not overcome; there was a chasm that I couldn't cross. ***Baba Ji*** is the missing piece. He is the bridge between me and my Creator. He has been the bridge between me and my husband. ***Baba Ji*** has been the bridge between me and my children. ***Baba Ji*** is the ultimate bridge between where I am and where I want to be. His words are so simple and become true. His response to every problem or complaint is, "Allah behttar karega," and that is exactly what happens. ***Baba Ji*** is not interested in the drama or the details of the mess, he is focused on the solution and that is what he delivers.

A week after I met Baba Ji, I became a disciple. A few months ago, he and his wife left to go back to Pakistan. I was devastated and not one day goes by that I don't miss him terribly. Even though he is half a world away, ironically, I have never felt closer to him. The most amazing thing that happened is that while ***Baba Ji*** was here, I was able to introduce my parents, and my sister and brothers to him. My father is a Sardar. When my father met Baba Ji, it was a magical encounter between these two men who both mean so much to me. Through his interaction with Baba Ji, my father has great love and respect for him. Baba Ji's love is divine and transcendent.

I must acknowledge Baba Ji's wife, who we call Amma Ji. She is an amazing companion to Baba Ji. She facilitates ***Baba Ji*** to be able to do what he does as a ***Guru***. She supports all his followers and has always been extremely helpful to all of us. I am grateful to Amma Ji. To my Baba Ji, I want to say that you are the most powerful and gentle giant that I have ever met. I can never thank you enough for coming into our lives. My praise of you is insufficient and this is just a small token of what you mean to me.

Harvey Fazle
(New Jersey, U.S.A)
January 2009

MY GURU

As I begin to write, I am humbled by the enormity of what stands before me. How do I capture the intensity of the Sun or the depth of the ocean with mere words? How do I describe someone who is beyond any description? How do I express who this man is to me?

My husband had been on a quest to find his ***Guru***. He didn't know who he was or where he lived. I encouraged his journey and supported his search. I was clear that this was going to be "his" ***Guru*** because I didn't need one. I was quite satisfied with my own personal journey into Spirituality. I was born and raised as a Sikh and was very proud of all that I had received from my religion. As an adult, I studied many different faiths and found great value and inspiration in them. Twenty years ago, I met a Pakistani Muslim man with whom I fell in love, we married and I converted to Islam. I have had the privilege of visiting Mecca which has been a life altering experience. Feb. 23, 2007, my husband found his Teacher and he happened to live less than an hour from our home. It was a cold day in March and Alam Sahib was coming to our house with his family to meet me and our children. I prepared dinner as I would for any guest. Alam Sahib entered our home and lovingly greeted all of us. The moment I set eyes on him, I was changed. I kept saying to myself, what is happening to me? I couldn't stop looking at him and I was overwhelmed with emotion. I had to do everything I could, to keep myself from crying. He had been there hardly ten minutes. But I knew in those few moments in his presence, that I would have to have him in my life and it would be in the capacity of my ***Guru*** or my Baba Ji.

Baba Ji is the compassionate and loving embodiment, of religion and mysticism. He is a healer of pain, a dispeller of darkness and a dissolver of sorrow. He has the wisdom of a thousand books, intellect beyond any intellectual, and the compassion of a thousand mothers. His loving gaze is without judgment. Baba Ji's love is complete. It is without any expectation or condition. It is unlike any love that I have ever experienced. At times, it has been very difficult for me to be with him. In his purity, I see my own impurities and flaws magnified. At those times, I feel unworthy of his presence because I know who I am and why would he want to talk to me or be with me? So like the Prodigal Son, I go away for a few days, but I always return more committed.

ہیچ انگورے دگر غورہ نہ شد — ہیچ میوہ پختہ باکورہ نہ شد

پکا ہوا انگور پھر کچا انگور نہیں بن سکتا — کوئی پختہ میوہ پھر کچا نہیں ہو سکتا

every effort to remain conscious of every moment and every soul that is sent my way.

"This being human is a guest house. Every morning is a new arrival. A joy, a depression, a meanness, some momentary awareness comes as an unexpected visitor...Welcome and entertain them all. Treat each guest honorably. The dark thought, the shame, the malice, meet them at the door laughing, and invite them in. Be grateful for whoever comes, because each has been sent as a guide from beyond." ― Maulana Jalal ud Din Rumi

The answer to the question, "Who is Baba Ji" is almost impossible to answer. It is simply because his characteristics are beyond the grasp of words in any language. ***Baba Ji*** is someone whom one feels at his very core. Just when ***Baba Ji*** anchors in the harbour of my thoughts, he pierces through myskin and takes a seat, in what feels like the heart of my soul,imparting velvet like warmth.A musky fragrance fills my breath, a crystal like clarity removesmy clouded vision, uncontrollable tears and a perpetual smile simultaneously toy with my emotions and it appears like my heart beats in a thick mixture of sweet honey and a heavenly wine.

Not all sugarcanes have sugar, not all abysses a peak;
Not all eyes possess vision, not every sea is full of pearls.
O nightingale, with your voice of dark honey! Go on lamenting!
Only your drunken ecstasy can pierce the rock's hard heart!
Surrender yourself, and if you cannot be welcomes by the Friend,
Know that you are rebelling inwardly like a thread
That doesn't want to go through the needle's eye! - Maulana Jalal ud Din Rumi

Umair Fazle
(New Jersey, U.S.A)
May,2013

ہیچ آئینہ دگر آہن نہ شد | ہیچ نان گندمی خرمن نہ شد
کوئی آئینہ پھر لوہا نہیں بن سکتا | اور کوئی گیہوں کی روٹی کھلیان نہیں بن سکتی

"Dance, when you're broken open. Dance, if you've torn the bandage off. Dance in the middle of the fighting. Dance in your blood. Dance when you're perfectly free." ¯ Maulana Jalal ud Din Rumi

How is it possible that a man steps into my life and reincarnate me? How on earth can I experience a tsunami after tsunami within me, leaving me more cleansed and humble than ever before? How can all this have any explanation? Question after question stormed in my mind. I did not attend to a single one. Why would I even care?

Jid-da piyagharaajaave o teshakker wand-da phirdaai

Baba ji is an ever-flowing and a limitless river of love. I float in his endless river, partially immersed, but always having the deep desire to completely drown in it one day.He offers an undying life-line for the heart and the soul. One look at him, unlocks the oceans of tears that have been desperately waiting to be released, for God knows how long. Such is my Baba Ji's effect on the human soul which becomes alive by recognizing the emissary of its Creator. It celebrates the arrival of his saviour and a ceaseless whirling becomes its expression of delight. Baba Ji's words have a soothing effect on our wounds. His prayers have the ability to vapourize all our worldly concerns. His smile feels like a heavenly breeze. His laughter is sheer music to the ears. His tears are like pearls falling from God's own necklace.

My HEART, so precious,
I won't trade for a hundred thousand souls.
Your one smile takes it for free. - Maulana Jalal ud Din Rumi

Baba Ji has shared with me some profound secrets. One of which is that every experience and every person comes in our life to give us an opportunity to learn and evolve,leaving behind the old you. Our reactions and responses to various circumstances as well as our interaction with human beings,mould us into who we are. Every situation and every person should be welcomed as we know not what hidden gifts they bring with them. There is so much truth in this lesson and I make

زانکہ بے حزمی شقاوت بر دہد — دیں رود از دست و دردِ سر دہد
اس لئے کہ بے احتیاطی بدبختی لاتی ہے — دین ہاتھ سے نکل جاتا ہے اور درد سر رہ جاتا ہے

of its origin and fly back to its makeshift vessel. Soon after I met him for the first time, it was through the utmost beneficence of ***Baba Ji*** that I realized my first such expedition.

Baba Ji is the rose that blossoms in the thoughts of several fortunate disciples like myself. The paradisiacal and entrancing flower is constantly watered by their tears when they are helplessly captivated in his remembrance. In return, he exhales a fragrance of **il Allah** that reaches out to each one of his devotees, keeping their souls further connected and mesmerized. Blessed are those who are privileged to be in Baba Ji's physical presence. The ones who are deprived of such fortuity, rendezvous with himoneon-one, in an entirely different world. Such divine moments come only through ***Baba Ji*** to enlighten us and remain to be the most treasured gems of our lives.

With thee, my love, hell itself were heaven.
With thee a prison would be a rose-garden.
With thee hell would be a mansion of delight,
Without thee lilies and roses would be as flames of fire!
¯ Maulana Jalal ud Din Rumi

It is true that the ego needs to gradually shrink down to as close to the point of decimation, as possible. It is the single most important pre-requisite that holds the key to the gates of the spiritual path.However, ***Baba Ji*** disclosedto me how self-loathing can also become a hostile and resisting barrier on the road to freedom. It almost appeared that he dug out the self-acceptance from the hardened clay of negativity that had been baking in the blazing fire of mynever-ending human imperfections and inadequacies. As and when I was able to accept and befriend the new me, I began to realize the true value of my blessings. It seemed as if Baba Jihad spread a soft and silky *chaadar* on my flaws,allowing them to take a much needed nap and awakening the uncontaminated part of my inner-self which still housed traces of Purity - a Purity, that I needed to acknowledge, realize and be grateful for. It then rained. It poured. I danced in ecstasy till I fell to my knees, humbled and lifeless. Like a spring swoops the barrenness of a desert, a unique freshness enveloped me, inside out.

ہست بے حزمی پشیمانی یقیں — حزم را مگزار و محکم کن تو ایں
بے احتیاطی سے انسان کو آخر کار شرمندگی ہوتی ہے — اس لئے احتیاط کو مضبوطی سے پکڑے رکھ

MOREY PERITUM

When another entity's majesty becomes more manifest over one's consciousness, than one's own actuality, the gradual fading away of the self starts taking place. We experience the first glimpse of selflessness and it is a fantastic, yet inexpressible experience. ***Baba Ji*** has become a permanent resident of the world of my thoughts. In fact he is the emperor of that kingdom. I used to think I am the one responsible for reeling him into my thoughts and keeping him there, for as long as I desired. But the reality is quite the opposite. It is the grace, magnanimity and the purity of Baba Ji's love that wraps its arms around my very being. His remembrance is like a flawless diamond embedded in my heart from which exudes a bright, rainbow-like radiance relentlessly illuminating every dark crevice that is hidden within me.

Throughout my life, I had experienced, what was foolishly thought to be "love." It came in various shapes of beautiful castles which were always meticulously designed and built with the formless sand of personal desires, ego and fantasy. Hence, the crumbling of these wishful and superficial palaces was a pre-destined certainty. *Ishq*, the selfless love, was a pearl that lay at the bed of a murky ocean inside me and my beloved ***Baba Ji*** not only provided me the tools, but also the hand-held spiritual guidance to deep dive into my own depths, enabling me to fetch this glistening jewel from the abyss. That was true love...pure love…Divine love….the ONLY love!

"I have lived on the lip
of insanity, wanting to know reasons,
knocking on a door. It opens.
I've been knocking from the inside." ¯ Maulana Jalal ud Din Rumi

Ishq is the intoxication that from time to time flies one's soul on its wings and takes it into the realm of heaven, providing a foretaste of an addictive intoxicant. The aftertaste,as well as the after-effects, of this firewater leaves a permanent impression on the soul. It is in the blessed hands of the *Murshid* to increase or decrease the frequency of such pilgrimage and it allows the soul to kiss the stone

در حقیقت ہر عدو داروی تست
حقیقت میں تیرا ہر دشمن تیری دوا ہے

کیمیائے نافع و دلجوی تست
کیونکہ اس کی وجہ سے تو اللہ کی طرف راغب ہوتا ہے

my namaz being complete without it. I am so grateful and humbled by his prayers for me. ***Baba Ji*** has an extraordinary ability to transform people, sometimes instantly and sometimes at a very gentle pace. In either case, the process is seamless and

one only comes to know of it when one has traveled quite far into ones new existence. As soon as one recognizes the freshness of ones new being, one immediately connects this new found change to ***Baba Ji.***

The ***Nazr-e-Karam*** of ***Baba Ji*** compelled me to connect with my inner-self. By no means was this an easy relationship; it required a simple but terribly bitter ingredient -- TRUTH. To observe, own and accept my flaws was like walking barefoot on a never-ending path sprinkled with prickly thorns. Just when I thought that the worst was over, a new imperfection would pierce through me and leave me more wounded than before. ***Baba Ji*** taught me that this process of being honest to oneself was mandatory for the seeker of the Ultimate Truth…***only truth connects with Truth.*** Not only did ***Baba Ji*** connect me to the Almighty but he initiated a friendship between us. Ever since ***Baba Ji*** took me under his wing, I have become more conscious of my direction in life. He constantly reminds me of the importance of human beings who continue to shape our existence along with the Fazl of ***Baari Taala.***

Anwaar-ul-Uloom is a wonder that originates from ***Baba Ji's*** love-filled heart. While I was reading this book, it would awaken areas of my mind which appeared to be non-existent till that moment. But just like ***Baba Ji's*** love, the essence of this book penetrated my heart….and this essence was there to stay.

Koi meray dil se poochhay teray teer-e-neem kash ko
Yeh khalish kahaan se hoti jo jigar ke paar hota.

Words alone cannot find adequate expression to show my gratitude for my Allah or my ***Baba Ji.*** But maybe…just maybe, the emotions that pour out during my remembrance of the two of them, can convey the slightest hint of my love and thankfulness to both.

Umair Fazle
(New Jersey, U.S.A)
January 2009

پس بدِ مطلق نباشد در جہاں
دنیا میں مطلق کوئی چیز بری نہیں ہے

بد بہ نسبت باشد ایں را ہم بداں
برائی نسبت سے ہوتی ہے خوب سمجھ لے

presence of a guide, a ***guru***, a God-sent man who would rescue me from the depths of my own oblivion. This craving became my mantra for the next two months or so. I prayed hard and as usual I looked for an easy way out. I asked Him to send me one, rather than myself venturing out and looking for my saviour.

Again, it was Aneeq Bhai who gave me a call from Arkansas one day, informing me that the author of the book that I have been reading for the last two and a half months has arrived in New Jersey. That is the place where I have been living now for 10 years. All my naïve and ignorant mind could think of was what I will ask him about ***Anwaar-ul-Uloom***, how I would praise him on this exquisite work and also how I would try to impress him with my ability to comprehend the book's multifaceted spiritual philosophy? The relationship I foolishly constructed in my mind, between the two of us, was that of a fan and a celebrity writer.

Finally, ***Friday the 23rd of February, 2007*** came and brought me a brand new present that was far brighter than my past and that eliminated all worries about my future. A heavenly radiance dawned on me. It was the inexpressible glow of ***Janaab Muhammad Alam Ameeri Sahib*** that instantly sparked a flame within me. Soon after, I vividly remember melting in his feet with a profound desire to remain there till eternity. With a mother's affection and a father's strength he lifted me up, looked in my eyes and gave company to my uncontrollable tears. His single hug simultaneously emanated the love of many-a-near and dear ones. Naturally by this time, my entire agenda had diminished to a meaningless nothingness which was not far from my own condition. I began to recognize the magnificence and grace of my God-sent man, the answer to my prayers, and the saviour of my soul. I truly felt I was in the care of someone who had a spiritual and tender association with the Almighty. His initial vibe had shackled and claimed ownership of my soul.

Baba Ji, as I started regarding him, instantly made a home in my thoughts and in my heart. There was nothing I had done to deserve this wonderful privilege. It was merely the benevolence of ***Baba Ji's*** penetrating gaze and the compassion of his warm heart that included an insignificant and unworthy man like me in his limitless circle of love. Within a few days of meeting him, I witnessed the impact of his spiritual supremacy. I had been praying for almost three decades, but never had I experienced a ***namaz*** of such spiritual significance and enormity. I started my namaz in my room in New Jersey but completed it in the House of God. From that day onwards, thankfully, a visible and valuable feature was added to my prayers. This was Baba Ji's gifts of all gifts to his ordinary disciple. I cannot mention what that generous bestowal was but what I can share with you is that I cannot imagine

آں غذائے خاصگانِ دوست است یہ غذا دربارِ الٰہی کے خاص لوگوں کی ہے	خوردنِ آں بے گلو و آلت است اسکو کھانے کیلئے گلے یا برتن کی ضرورت نہیں ہوتی

MY BABA Ji

I was not searching for it. I didn't even know what it was. Nevertheless, like the gradual, yet steady oozing of water in the driest of desert sands, an incredible voice echoed and made its way through my heart. It was an extraordinary voice; one that could not be heard but one that could be felt, similar to the breathing of a new-born who lies on his bosom that is on top of yours.

The fear of the unknown took the better of me despite the constant reassurance of Goodness the voice whispered. Being only human, I looked for answers from my mind, questioning logic and rationale and hoping to solve or shelve this mystery. Before I knew it, this sweet pain started becoming a source of comfort, belongingness and above all a restless ecstasy that remained with me at all times.

I reached out to my life-long mentor, ***Dr. Aneeq Ahmad***, whose household, ***Dastan Serai*** had very generously and lovingly gifted me priceless gems of spirituality. I had never really valued these pearls of wisdom on a conscious level, at the time. As soon as I shared my plight with Aneeq Bhai, he immediately recognized my ***incompleteness***...more importantly, my desire to reach some sort of ***fruition***. He recommended I read a book called ***Anwaar-ul-Uloom***. His wish has always been my command, but being aware of my separation with the Urdu language for well over a quarter of a century, I realized this would be a rather uphill task. They say where there's a will, there's a way whereas I say, when it is the ***Almighty's Will*** then even the most hindering of impediments become the most flowing and fastest of ways. I requested my mother, living in Lahore to send me the book that Aneeq Bhai had suggested would centre my wavering and lost soul...the soul that had been waiting for 40 long years to be dug out of the dark grave of sin, ego and ingratitude.

Anwaar-ul-Uloom soon got delivered to me. The challenge of reading Urdu still remained a challenge, but not for long. As my flow got better and better, I found the language of this magical book leaving more of an impression on my heart than on my mind. The messages, the stories and the poetry began to, word by word pave a path for me to acknowledge. I could somewhat see this transformation as it was unfolding, but I could unmistakably feel it at the very core of my being. It was like my heart was wet clay tossed on a spinner's wheel and moulded by warm, comforting and remarkably familiar hands. The more I read, the more I craved the

حکیم الامت علامہ محمد اقبالؒ کا اپنے روحانی مرشد مولانا رومؒ کو خراجِ تحسین

پیرِ رومیؒ خاک را اکسیر کرد		از غبارم جلوہ ہا تعمیر کرد

پیرِ رومیؒ نے خاک کو اکسیر بنا دیا میرے خس و خاشاک سے کئی جلوے ظاہر کر دیئے۔

بیا کہ من زخمِ پیرِ رومؒ آوردم		مے سخن کہ جواں تر زبادۂ عنبی است

آ! کیونکہ میں پیرِ رومؒ کے ساغر سے کچھ لایا ہوں۔ ایسے اقوال کی شراب کہ جو انگور کی شراب سے بھی زیادہ تیز اور جوان ہیں۔

پیرِ رومیؒ را رفیق راہ ساز		تا خدا بخشد ترا سوز و گداز

پیرِ رومیؒ کو اپنے راستے کا ہمسفر بنا تاکہ اللہ تعالیٰ تم کو سوز و گداز عطا فرمائے۔

ز آتشِ مردانِ حق می سوزمت		نکتۂ از پیرِ رومؒ آموزمت

مردانِ حق کی آگ میں جل گیا ہوں۔ پیرِ رومؒ سے ایک نکتہ (راز) میں نے سیکھ لیا ہے۔

وقت است کہ بکشایم میخانۂ رومیؒ باز		پیرانِ حرم دیدم در صحنِ کلیسا مست

اب موقع ہے کہ میں رومیؒ کے مے خانہ کا دروازہ کھول دوں (یعنی تعلیماتِ رومیؒ کو عام کر دوں) میں نے کلیسا کے صحن میں مردانِ حرم کو دم بخود دیکھا ہے۔

لفظ کاید بے دل و جاں بر زباں
وہ لفظ جو بغیر دل و جان کے زبان پر آجائے

ہمچو سبزہ تُوں بُود اے دوستاں
اُسے کوڑے پر اگے ہوئے سبزے کی طرح سمجھ وہ ناپائیدار شے ہے

پیرِ رُومیؒ مُرشدِ روشن ضمیر　　کاروانِ عشق و مستی را امیر

پیرِ رُومیؒ روشن ضمیر مُرشد ہیں، وہ عشق و مستی کے کاروان کے امیر ہیں۔

منزلش برتر ز ماہ و آفتاب　　خیمہ را از کہکشاں سازد طناب

اُن کی منزل ماہ و آفتاب سے بڑھ کر ہے۔ اُن کے خیمہ (جائے ہدایت) کی طنابیں (رسیاں) کہکشاں سے لائی گئی ہیں

نورِ قرآں درمیانِ سینہ اش　　جامِ جم شرمندۂ آئینہ اش

اُن (مولانا رومؒ) کے سینے میں قرآن، پاک نُور ہے۔ اُن کے دل کے آئینہ کے سامنے جامِ جم بھی ہیچ ہے۔

صُحبتِ پیرِ رُومؒ سے مجھ پہ ہوا یہ راز فاش　　لاکھ حکیم سر بجیب ایک کلیم سر بکف

نے مُہرہ باقی نے مُہرہ بازی　　جیتا ہے رُومیؒ ہارا ہے رازی

گُسستہ تار ہے تیری خُودی کا ساز اَب تک　　کہ تُو ہے نغمہ رُومیؒ سے بے نیاز اَب تک

مقامِ ذکر، کمالاتِ رُومیؒ و عطارؒ　　مقامِ فکر، مقالاتِ بُوعلی سینا

ہم ز دُورش بنگر و اندر گذر
ایسے واعظ کو دُور سے دیکھ لے اور گزر جا

خوردن و بُورا نہ شاید اے پسر
اے بیٹا! وہ تیرے کسی کام کا نہیں ہے کیونکہ مستانوں نہیں

سیرتِ فخر العارفین

جہانگیری سلسلۂ تصوف کا دستور العمل جو تمام سلاسل پر محیط ہے

حالاتِ طیبات، ارشادات، تعلیمات اور کرامات

* شمس الملۃ والدین، شیخ العارفین، سیدنا و مولانا و ملجانا حضرت سید شاہ مخلص الرحمٰن جہانگیر رحمۃ اللہ علیہ
* بدر الملۃ والدین، شیخ العارفین، سیدنا و مولانا و ملجانا حضرت سید شاہ محمد عبد الحیٔ رحمۃ اللہ علیہ

موَلفہ: حق آگاہ حضرت مولانا حکیم سید سکندر شاہ رحمۃ اللہ علیہ

مرتبہ: حضرت مولانا شاہ عبد القدیر رحمۃ اللہ علیہ

ناشر: المعارف۔ گنج بخش روڈ، لاہور

For More Books Click On
Ghulam Safdar
Muhammadi Saifi

0300-4435283
ریاض بک بائنڈر
آؤٹ فال روڈ لاہور

حکیم الاُمت علامہ محمد اقبالؒ کا اپنے رُوحانی مُرشد مولانا رُومؒ کو خراجِ تحسین

خیالش با مہ و انجم نشیند
نگاہش آں سوئے پرویں بہ بیند
دل بیتاب خود را پیشِ اُو نہ
دم اُو رعشہ از سیماب چنید

اُس کا خیال و فکر چاند اور ستاروں کا ہم نشین ہے، اُس کی نگاہ (بُلند ترین) پروین ستارہ سے بھی آگے کی جانب دیکھتی ہے۔ اپنا دلِ بیتاب اُسکے سامنے پیش کر، رُومیؒ کا دم پارے سے بے تابی کو چُن لیتا ہے۔

ز رُومیؒ گیر اسرارِ فقیری
کہ آں فقر است محسودِ امیری
حذر زاں فقر و درویشی کہ از وے
رسیدی بر مقامِ سربزیری

رُومیؒ سے فقیری کے راز و نیاز (اسرار) سیکھ، اُس کے فقر پر امیری رشک کرتی ہے۔
ایسے فقر و درویشی سے پرہیز کر جس کی وجہ سے غیرت و حمیت کا سر جُھکانا پڑے۔

خودی تا گشت مہجورِ خدائی
بہ فقر آموخت آدابِ گدائی
ز چشمِ مستِ رُومیؒ وام کردم
سرورے از مقامِ کبریائی

خود شناسی جب رُوحانیت سے جُدا ہو جائے تو فقر سے اللہ کی بارگاہ میں گدائی کا طریقہ سیکھ۔
مَیں نے رُومیؒ کی مست نگاہوں سے یہ (اُدھار لیا) حاصل کیا کہ کبریائی کے مقام سے سرُور حاصل ہوتا ہے۔

حکیم الامت علامہ محمد اقبال کا اپنے رُوحانی مُرشد مولانا رُوم کو خراج تحسین

مے روشن ز تاکِ من فرو ریخت — خوشا مردے کہ در دامانم آویخت
نصیب از آتشے دارم کہ اوّل — سنائی از دلِ رُومیؒ برانگیخت

میری انگور کی بیل سے (خیالات سے) رُوحانی اور نُورانی شراب ٹپک پڑی۔ وہ انسان خوش نصیب ہے جو مجھ سے وابستہ ہوگیا۔ مجھے اُس آگ (عشقِ الٰہی) سے حصّہ ملا جو کہ حکیم سنائیؒ نے پہلے پہل رُومیؒ کے دل میں روشن کی تھی۔

مرا یاد است از دانائے افرنگ — بسا رازے کہ از بود و عدم گفت
ولیکن با تو گویم ایں دو حرفے — کہ با من پیر مردے از عجم گفت

مجھے ایک فرنگی دانشور کے ہستی اور نیستی کے متعلق بتاتے ہُوئے بہت سے راز یاد ہیں۔ لیکن میں تجھے وہ چند باتیں بتاتا ہوں جو ایک عجمی بزرگ (مولانا رومؒ) نے مجھ سے کی تھیں۔

چو رُومیؒ در حرم دادم اذاں من — ازو آموختم اسرارِ جاں من
بہ دورِ فتنۂ عصرِ کہن او — بہ دورِ فتنۂ عصرِ رواں من

مَیں نے جب رُومیؒ کی طرح حرم میں اذان دی تو اُس سے مَیں نے رُوحانیت کے اسرار و رُموز سیکھے۔ جس نے پُرانے زمانے کے فتنوں کے دَور سے آج کے زمانہ کے فتنوں سے آشنا کیا۔

بازآ بازآ ہر آنچہ ہستی بازآ

تُو واپس آ ، تُو واپس آ ، تُو جو کچھ بھی ہے ، واپس آ

گر کافر و گبر و بُت پرستی بازآ

اگر تُو کافر ہے، اگر تُو آتش پرست ہے اور اگر تُو بُت پرست ہے تو بھی تُو واپس آجا

ایں درگہِ ما درگہِ نومیدی نیست

ہماری یہ درگاہ نا اُمیدی کی درگاہ نہیں ہے

صد بار اگر توبہ شکستی بازآ

اگر تُو نے سَو بار بھی توبہ توڑی ہے تو پھر بھی تُو واپس آجا

(حضرت ابُو سعید ابُوالخیر رحمۃ اللہ علیہ)

خدیجہ پبلی کیشنز
عظمت منزل خدیجہ سٹریٹ، ابدالی چوک، اسلام پورہ، لاہور
0300-4101533, 042-37153092
E-mail:azharsubhani71@gmail.com

ڈسٹری بیوٹر احمد بک کارپوریشن
اقبال روڈ راولپنڈی
فون نمبر 5558320